جلد: 3
اِحیاءُ العُلوم
(مُترجَم)
مُصنِّف
حُجَّۃُ الاسلام حضرت سیدنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی
المدینۃ العلمیۃ
(دعوت اسلامی)
شعبہ تراجم کتب

باطِنی گناہوں کی پہچان اور اُن سے بچنے کے طریقوں کا بیان

اِحْیَاءُ الْعُلُوم مُتَرْجَم (جلد:3)

مُصَنِّف

حُجَّةُ الْاِسْلَام حضرت سیّدُنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْکَافِی (اَلْمُتَوَفّٰی ۵۰۵ھ)

پیش کش: مجلس اَلْمَدِیْنَةُ الْعِلْمِیَه

(شعبہ تراجم کتب)

ناشر

مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہ　　وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَاحَبِیْبَ اللہ

نام کتاب	:	اِحیَاءُ الْعُلُوْم مُتَرْجَم (جلد:3)
مُؤَلِّف	:	حُجَّةُ الْاِسلَام حضرت سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی عَلَیْہِ رَحْمَةُ اللہِ الْکَافِی (اَلْمُتَوَفّٰی ۵۰۵ھ)
مُتَرْجِمِیْن	:	مَدَنی عُلَما (شعبہ تراجم کتب)
پہلی بار	:	ذُوالْحِجَّةِ الْحَرَام ۱۴۳۴ھ بمطابق اکتوبر 2013ء
تعداد	:	
ناشر	:	مکتبۃ المدینہ فیضان مدینہ محلہ سوداگران پرانی سبزی منڈی باب المدینہ کراچی

تصدیق نامہ

تاریخ: ۸ ذُوالْحِجَّةِ الْحَرَام ۱۴۳۴ھ　　حوالہ نمبر: ۱۸۷

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

تصدیق کی جاتی ہے کہ کتاب "اِحیَاءُ الْعُلُوْم" (مُتَرجَم جلد:3 مطبوعہ مکتبۃ المدینہ) پر مجلس تفتیشِ کُتُب ورسائل کی جانب سے نظر ثانی کی کوشش کی گئی ہے۔ مجلس نے اسے عقائد، کُفریہ عبارات، اَخلاقیات، فقہی مسائل اور عَرَبی عبارات وغیرہ کے حوالے سے مقدور بھر ملاحظہ کرلیا ہے، البتہ کمپوزنگ یا کتابت کی غَلَطیوں کا ذِمّہ مجلس پر نہیں۔

مجلس تفتیشِ کُتُب ورسائل (دعوتِ اسلامی)

14-10-2013

WWW.dawateislami.net, E.mail:ilmia@dawateislami.net

یادداشت

دورانِ مطالعہ ضرورتاً انڈر لائن کیجئے، اشارات لکھ کر صفحہ نمبر نوٹ فرمالیجئے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ علم میں ترقّی ہوگی۔

اِجمالی فہرست

❋ ... ❋ ... ❋ ... ❋ ... ❋

دعوتِ اسلامی کے سُنّتوں کی تربیت کے مَدَنی قافلوں میں سفر اور روزانہ فکرِ مدینہ کے ذریعے مَدَنی انعامات کا رسالہ پُر کرکے ہر مَدَنی (اسلامی) ماہ کے ابتدائی 10 دن کے اندر اندر اپنے یہاں کے (دعوتِ اسلامی کے) ذِمّہ دار کو جمع کروانے کا معمول بنالیجئے اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی برکت سے پابندِ سُنّت بننے، گناہوں سے نفرت کرنے اور ایمان کی حفاظت کے لئے کڑھنے کا ذہن بنے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ط
اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

"فرض علوم ضرور سیکھئے" کے 17 حُروف کی نسبت سے اس کتاب کو پڑھنے کی "17 نیّتیں"

فرمانِ مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم: نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ یعنی مسلمان کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، ٦/١٨٥، الحدیث: ٥٩٤٢)

دو مَدَنی پھول: (١) بغیر اچّھی نیّت کے کسی بھی عمل خیر کا ثواب نہیں ملتا۔
(٢) جتنی اچّھی نیّتیں زِیادہ، اُتنا ثواب بھی زِیادہ۔

(١) ہر بار حمد و صلوٰۃ اور تعوُّذ و تَسْمِیَہ سے آغاز کروں گا۔ (اسی صَفْحہ پر اُوپر دی ہوئی دو عَرَبی عبارات پڑھ لینے سے اس پر عمل ہو جائے گا)۔ (٢) رِضائے الٰہی کے لئے اس کتاب کا اوّل تا آخر مطالعہ کروں گا۔ (٣) حتَّی الْوَسع اِس کا باوُضُو اور قبلہ رُو مُطالَعہ کروں گا۔ (٤) قرآنی آیات اور اَحادیثِ مبارَکہ کی زِیارت کروں گا۔ (٥) جہاں جہاں "اللہ" کا نام پاک آئے گا وہاں عَزَّوَجَلَّ اور جہاں جہاں "سرکار" کا اِسْمِ مبارَک آئے گا وہاں صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور جہاں جہاں کسی صحابی یا بزرگ کا نام آئے گا وہاں رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ پڑھوں گا۔ (٦) رضائے الٰہی کے لئے علم حاصل کروں گا (٧) اس کتاب کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے اس کے مؤلف کو ایصالِ ثواب کروں گا۔ (٨) (اپنے ذاتی نسخے پر) عِنْدَ الضرورت خاص خاص مقامات انڈر لائن کروں گا۔ (٩) (اپنے ذاتی نسخے کے) "یادداشت" والے صَفْحہ پر ضَروری نِکات لکھوں گا۔ (١٠) اولیا کی صفات کو اپناؤں گا۔ (١١) اپنی اصلاح کے لئے اس کتاب کے ذریعے علم حاصل کروں گا۔ (١٢) دوسروں کو یہ کتاب پڑھنے کی ترغیب دلاؤں گا۔ (١٣) اس حدیثِ پاک "تَهَادَوْا تَحَابُّوْا" ایک دوسرے کو تحفہ دو آپس میں محبت بڑھے گی۔ (مؤطا امام مالک، ٢/٤٠٧، الحدیث: ١٧٣١) پر عمل کی نیت سے (ایک یا حسبِ توفیق) یہ کتاب خرید کر دوسروں کو تحفۃً دوں گا۔ (١٤) اس کتاب کے مطالَعہ کا ثواب ساری اُمّت کو ایصال کروں گا۔ (١٥) اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کے لئے روزانہ فکرِ مدینہ کرتے ہوئے مَدَنی انعامات کا رسالہ پُر کیا کروں گا اور ہر مدنی (اسلامی) ماہ کی 10 تاریخ تک اپنے یہاں کے ذِمہ دار کو جمع کروا دیا کروں گا اور (١٦) عاشقانِ رسول کے مَدَنی قافلوں میں سفر کیا کروں گا۔ (١٧) کتابت وغیرہ میں شَرْعی غَلَطی ملی تو ناشرین کو تحریری طور پر مُطَّلع کروں گا (ناشرین وغیرہ کو کتابوں کی اَغلاط صِرف زبانی بتانا خاص مفید نہیں ہوتا)۔

المدینۃ العلمیہ

از: شیخ طریقت، امیر اہلسنّت، بانی دعوتِ اسلامی حضرت علّامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطّار قادری رضوی ضیائی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَ بِفَضْلِ رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تبلیغ قرآن و سنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک "دعوتِ اسلامی" نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اشاعتِ علمِ شریعت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مُصمّم رکھتی ہے، اِن تمام اُمور کو بحسن خوبی سرانجام دینے کے لئے متعدد مجالس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جن میں سے ایک مجلس "اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ" بھی ہے جو دعوتِ اسلامی کے عُلماو مفتیانِ کرام کَثَّرَھُمُ اللہُ السَّلَام پر مشتمل ہے، جس نے خالص علمی، تحقیقی اوراشاعتی کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں:

(١)شعبہ کتب اعلیٰحضرت (٢)شعبہ تراجم کتب (٣)شعبہ درسی کُتُب

(۴)شعبہ اصلاحی کتب (۵)شعبہ تفتیش کتب (٦)شعبہ تخریج

"اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ" کی اوّلین ترجیح سرکارِ اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، عظیم البرکت، عظیمُ المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجدِّدِ دین ومِلّت، حامیِ سنّت، ماحیِ بدعت، عالمِ شَرِیْعَت، پیرِ طریقت، باعثِ خَیْر وبَرَکت، حضرتِ علاّمہ مولانا الحاج الحافظ القاری شاہ امام اَحمد رَضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن کی گِراں مایہ تصانیف کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتَّی الْوَسْع سَہْل اُسلُوب میں پیش کرنا ہے۔ تمام اسلامی بھائی اور اسلامی بہنیں اِس علمی، تحقیقی اور اشاعتی مدنی کام میں ہر ممکن تعاون فرمائیں اور مجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کُتُب کا خود بھی مطالَعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی اِس کی ترغیب دلائیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ "دعوتِ اسلامی" کی تمام مجالس بَشُمُول "اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ" کو دن گیارہویں اور رات بارہویں ترقّی عطا فرمائے اور ہمارے ہر عملِ خیر کو زیورِ اِخلاص سے آراستہ فرماکر دونوں جہاں کی بھلائی کا سبب بنائے۔ ہمیں زیرِ گنبدِ خضرا شہادت، جنّت البقیع میں مدفن اور جنّت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

رمضان المبارک ١۴٢۵ھ

پہلے اسے پڑھ لیجئے!

انسانی جسم میں آٹھ ایسے اعضاء ہیں جن سے گناہ صادر ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں: (1) دل (2) کان (3) آنکھ (4) زبان (5) ہاتھ (6) پاؤں (7) پیٹ اور (8) شرم گاہ۔ ان میں مرکزی کردار دل کا ہے کہ اگر یہ ظاہری و باطنی طور پر دُرُست ہو جائے اور اس کی اِصلاح ہو جائے تو پورے جسم کی ظاہری و باطنی اِصلاح ہو جائے۔ اسی بات کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، جسمانی و روحانی بیماریوں کے طبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یوں بیان فرمایا: اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ یعنی بے شک جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر یہ دُرُست ہو جائے تو پورا جسم دُرُست ہو جائے اور اگر یہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جائے۔ سُن لو! وہ دِل ہے۔[1] اور دل کا دُرُست اور سلامتی والا ہونا یہ ہے کہ وہ کُفر، گناہوں کے اِرتکاب اور تمام قباحتوں (برائیوں اور خرابیوں) سے پاک ہو۔[2]

شریعت میں دل کی طرح دیگر اَعضاء کی گناہوں سے حفاظت اور ان کے دُرُست اِستعمال پر کافی زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا:

اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـٴُـوْلًا ﴿۳۶﴾ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۳۶)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سے سوال ہونا ہے۔

یعنی ان اعضاء والے سے پوچھا جائے گا کہ اس نے ان کے ذریعے کیا اَفعال انجام دیئے؟[3] اور حضرت سیِّدُنا امام فَخْرُ الدِّین رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: "بندے سے یوں کہا جائے گا کہ تو نے وہ کیوں سنا جس کا سننا تیرے لئے حلال نہ تھا؟ اور وہ کیوں دیکھا جس کی طرف دیکھنا تیرے لئے جائز نہ تھا؟ اور اس کام کا پختہ اِرادہ کیوں کیا جس کا ارادہ تیرے لئے رَوا (جائز) نہیں تھا؟"[4]

شرم گاہ کی حفاظت کی بھی خصوصی تاکید فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

1. ...بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه، ۱/ ۳۳، حدیث: ۵۲
2. ...تفسیر البیضاوی، پ۱۹، الشعراء، تحت الآیة: ۸۹، ۴/ ۲۴۴
3. ...تفسیر الجلالین مع حاشیة الجمل، پ۱۵، بنی اسرائیل، تحت الآیة: ۳۶، ۴/ ۳۱۳
4. ...تفسیر الکبیر، پ۱۵، بنی اسرآئیل، تحت الآیة: ۳۶، ۷/ ۳۴۱

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ (پ۱۸، النور: ۳۰)

ترجمۂ کنزالایمان: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ اُن کے لئے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو اُن کے کاموں کی خبر ہے۔

اس کے علاوہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو بھی گناہوں اور خطاؤں سے بچانا ضروری ہے ورنہ یہی ہاتھ پاؤں بروزِ قیامت ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۶۵ (پ۲۳، یٰس: ۶۵)

ترجمۂ کنزالایمان: آج ہم ان کے مونہوں پر مُہر کردیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کئے کی گواہی دیں گے۔

معلوم ہوا کہ انسانی جِسْم کے ان آٹھ اعضاء کی گناہوں سے حفاظت اور ان کا نیکیوں میں استعمال بہت ضروری ہے۔ اب یہ کیسے معلوم ہو کہ ان اعضاء سے صادر ہونے والے گناہوں کی تفصیل اور ان کے اَسباب کیا ہیں اور ان کا عِلاج کس طرح ہو سکتا ہے؟ تو لیجئے "اِحْیَاءُ الْعُلُوْم" کی جلد3 کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔ اِمامُ الْحَرَمَیْن کے شاگرد خطیبِ نیشاپور امام ابو الحسن حضرت سیِّدُنا عبد الغافر بن اسماعیل فارِسی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی (مُتَوَفّٰی ۵۲۹ھ) فرماتے ہیں: "اِحْیَاءُ الْعُلُوْم جیسی کتاب پہلے کسی نے نہیں لکھی۔"[1] تو جس طرح تصوُّف میں اِحْیَاءُ الْعُلُوْم کا ایک عظیم مقام ہے اسی طرح خود اِحْیَاءُ الْعُلُوْم میں اس کی تیسری جلد اپنا ایک علیحدہ مقام رکھتی ہے۔ اس جلد میں خُصُوصِیَّت کے ساتھ مذکورہ آٹھ اعضائے انسانی سے صادِر ہونے والے گناہوں اور ان کے علاج وغیرہ کی تفصیلی معلومات درج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بانیِ دعوتِ اسلامی قبلہ شیخ طریقت، امیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ اپنے مریدین اور تمام اسلامی بھائیوں اور اسلامی بہنوں کو اِحْیَاءُ الْعُلُوْم کے مُطالَعے کی ترغیب دلاتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر اس تیسری جلد کے مطالعے پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں کیونکہ اس کا اکثر حصہ فرض عُلُوم پر مشتمل ہے۔ اس تیسری جلد میں درج ذیل 10 ابواب شامل ہیں:

(۱) عجائباتِ قَلْب کا بیان (۲) رِیاضتِ نَفْس کا بیان (۳) پیٹ اور شرم گاہ کی شَہوت ختم کرنے کا بیان (۴) زبان

---

[1] ...تاریخ مدینۃ دمشق، ۵۵/ ۲۰۱

کی آفات کا بیان (۵) غُصّہ، کِینہ اور حسد کی مذمّت کا بیان (۶) دُنیا کی مذمت کا بیان (۷) بُخل اور محبّتِ مال کی مذمت کا بیان (۸) جاہ ومنصب اور ریاکاری کی مذمت کا بیان (۹) تکبُّر اور خود پسندی کا بیان (۱۰) دھوکے کی مذمت کا بیان۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ! اس جلد پر کل 11 اسلامی بھائیوں نے ترجمہ، نظرِ ثانی، تفتیش، پروف ریڈنگ اور تخریج وغیرہ کے کام کی سعادت حاصل کی بالخصوص چار اسلامی بھائیوں نے خوب کوشش کی: (۱) **ابوواصف محمد آصف اقبال عطاری مَدَنی** (۲) **ابومحمد محمد عمران الٰہی عطاری مَدَنی** (۳) **محمد گل فراز عطاری مَدَنی** (۴) **ابوالقیس محمد اُوَیس عطاری مَدَنی** سَلَّمَہُمُ الْغَنِی۔ اس کتاب کی شرعی تفتیش "دارُ الافتاء اہلسنّت" کے اسلامی بھائی **محمد حسان رضا عطاری مَدَنی** زِیْدَ عِلْمُہٗ نے فرمائی ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں اس کتاب کو پڑھنے، اس پر عمل کرنے اور دوسرے اسلامی بھائیوں بالخصوص مُفتیانِ عِظام اور علمائے کرام کی خدمتوں میں تحفۃً پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائے اور ہمیں اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنے کے لئے مَدَنی اِنعامات پر عمل اور مَدَنی قافلوں میں سفر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دعوتِ اسلامی کی تمام مجالس بشمول مجلس "اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ" کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شعبہ تراجم کتب (مَجلِس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ)

❋ … ❋ … ❋ … ❋ … ❋

آسمانوں میں شہرت رکھنے والے بندے

فرمانِ مصطفےٰ: دنیا میں بھوکے رہنے والے لوگوں کی ارواح کو اللہ عَزَّوَجَلَّ قبض فرماتا ہے اور ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر غائب ہوں تو انہیں تلاش نہیں کیا جاتا، موجود ہوں تو پہچانے نہیں جاتے، دنیا میں پوشیدہ ہوتے ہیں مگر آسمانوں میں ان کی شہرت ہوتی ہے، جب جاہل و بے علم شخص انہیں دیکھتا ہے تو ان کو بیمار گمان کرتا ہے جبکہ وہ بیمار نہیں ہوتے بلکہ انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف دامن گیر ہوتا ہے قیامت کے دن یہ لوگ عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (مسند الفردوس، ۱/ ۲۳۵، الحدیث: ۱۶۵۹)

عجائباتِ قَلب کا بیان

تمام تعریفیں اس پاک پروَردگار عَزَّوَجَلَّ کے لئے جس کی جلالتِ شان کے اِحاطہ کے معاملہ میں قُلُوب واَذہان حیرت کا شکار ہیں، جس کے انوار کی ابتدائی تجلی سے آنکھیں دہشت زدہ ہیں، جو تمام رازوں سے آگاہ ہے، دلوں میں چھپی باتیں جانتا ہے، اپنی سلطنت کا نظام قائم کرنے میں کسی کا محتاج نہیں، وہی دلوں کو پھیرنے والا ہے، گناہ معاف فرمانے والا ہے، عُیُوب کی پردہ پوشی فرمانے والا اور غموں سے نجات دینے والا ہے، کامل درود اور ڈھیروں سلام ہوں رسولوں کے سردار، بھٹکے ہوئے لوگوں کو دینِ حق پر جمع کرنے والے اور بے دینوں کا خاتمہ فرمانے والے رسول حضرت سیِّدُنا محمد مصطفٰے، احمدِ مجتبیٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر اور آپ کی پاکیزہ آل پر۔

انسان کو تمام مخلوق پر شرافت وفضیلت اس وجہ سے حاصل ہے کہ اُسے معرفتِ الٰہی حاصل کرنے پر قدرت عطا کی گئی ہے، اسی کے سبب اسے دنیا میں جمال، کمال اور فخر حاصل ہے اور یہی اس کی آخرت کا سرمایہ ہے، معرفتِ الٰہی کے حُصول کا ذریعہ انسان کا دل ہے، یہی دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کو جانتا، اس کا قُرب حاصل کرتا، اس کے لئے عمل کرتا اور اس کی طرف رسائی پاتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے انوار وتجلیات کی بارش اسی پر فرماتا ہے، اعضاء اس کے تابع، خادم اور آلات ہیں جن سے یہ خدمت لیتا اور انہیں استعمال کرتا ہے جیسے مالک اپنے غلام، حاکم اپنی رعایا اور صنعتکار اپنے اوزار کو استعمال کرتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں دل اس وقت مقبول ہوتا ہے جب وہ اس کے سوا ہر شے کو چھوڑ دے اور جب غیرُ اللہ میں مشغول ہو تو بارگاہِ الٰہی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ احکامات، خطاب اور عِتاب کا معاملہ اسی دل سے ہوتا ہے۔ دل صاف ہو تو قُربِ الٰہی کی سعادت سے سرفراز ہوتا ہے اور اگر صاف نہ ہو تو بدبختی ومحرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حقیقی فرمانبردار دل ہے، اعضاء سے ظاہر ہونے والی عبادات اسی کے انوار ہیں۔ رب عَزَّوَجَلَّ کا نافرمان اور اس کی حکم عَدُولی کرنے والا بھی یہی دل ہوتا ہے، اعضاء سے ظاہر ہونے والی برائیاں تو بس علامات ہوتی ہیں، اسی کی روشنی اور تاریکی کے سبب اچھا یا برا عمل ظاہر ہوتا ہے کہ برتن سے وہی چیز چھلکتی ہے جو اس میں ہوتی ہے۔ پس جسے اپنے دل کی پہچان حاصل ہو جائے وہ خود کو پہچان لیتا ہے اور جو خود کو پہچان لے اسے رب عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور جسے دل کی پہچان حاصل نہ ہو وہ خود کو نہیں پہچان سکتا اور جو خود کو نہ پہچان سکے وہ رب عَزَّوَجَلَّ کی معرفت سے بھی غافل رہتا ہے کیونکہ جو

اپنے دل کو نہ پہچان سکا وہ کسی اور کو کیا پہچانے گا؟ اکثر لوگ اپنے دلوں اور اپنے آپ سے غافل ہیں کیونکہ ان کے اور ان کے دلوں کے درمیان ایک رکاوٹ قائم کر دی گئی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے[1] جس کے سبب اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مشاہدے، مراقبے اور اس کی صفات کی معرفت سے روک دیا جاتا ہے اور دل جو کہ رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کی دو انگلیوں کے درمیان (یعنی تحت قدرت) ہے، بدلتا رہتا ہے، یہ کیفیت انسان پر پوشیدہ کر دی جاتی ہے۔ انسان کا دل بدلنے سے مراد یہ ہے کہ کبھی تو خواہشات کی پیروی میں اس قدر دور نکل جاتا ہے کہ شیطانی گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اور کبھی نیک اعمال میں اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ ملائکہ مُقَرَّبِین کی دنیا تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

جو اپنی اندرونی و بیرونی صلاحیتوں سے غافل ہو کر دل کو نہیں پہچانتا وہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۱۹) (پ۲۸، الحشر: ۱۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں وہی فاسق ہیں۔

معلوم ہوا کہ دل اور اس کے اوصاف کی حقیقی معرفت ہی دین اور سالکین کے راستے کی اصل بنیاد ہے۔

(حضرت سَیِّدُنا امام غزالی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْوَالِی فرماتے ہیں:) کتاب کا نصفِ اوّل مکمل ہوا جس کا تعلق جسمانی عادات و عبادات اور ظاہری علم سے ہے۔ اب ہم اپنے وعدے کے مطابق نصفِ ثانی میں مُہلِکات (یعنی دل کو ہلاکت میں ڈالنے والی) اور مُنْجِیات (یعنی نجات دلانے والی) صفات کا تذکرہ کریں گے جن کا تعلق باطنی علم سے ہے۔ ان صفات کی ابتدا سے قبل دل کے متعلق چند باتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے جنہیں ہم نے دو بیانوں میں تقسیم کیا ہے: (۱)... عجائباتِ قلب کا بیان (۲)... ریاضتِ نفس کا بیان۔ اس کے بعد مُہلِکات و مُنْجِیات کی تفصیل بیان کریں گے۔

ابھی عجائباتِ قلب کی تفصیل کی طرف چلتے ہیں اسے ہم مثالوں کے ذریعے بیان کریں گے کہ مثالوں کے ذریعے بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ قلبی عجائبات اور اس کے غیبی اسرار (مثالوں کے بغیر) اگرچہ صراحتًا بیان کئے جائیں پھر بھی اکثر لوگ انہیں سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

---

[1]... جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ ترجمۂ کنزالایمان: اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے۔ (پ۹، الانفال: ۲۴)

باب نمبر1:
نَفْس، رُوح، قَلْب اور عَقْل کے معانی کا بیان

جان لو! آنے والے ابواب میں ان چاروں لفظوں کا استعمال ہو گا۔ بہت کم نامور علما ایسے ہیں جو ان لفظوں کے مختلف معانی، تعریفات اور ان کی مختلف مرادوں کا مکمل علم رکھتے ہیں اور زیادہ تر غلطیاں ان کے معانی اور ان کی مختلف مرادوں سے لاعلمی کی وجہ سے ہی ہوتی ہیں۔ ہم ان لفظوں کے فقط وہ معانی بیان کریں گے جو ہمارے مقصد سے متعلق ہیں۔

قلب کے معانی:

قلب (یعنی دل) کے دو معانی ہیں: (۱)... قلب سینے کی بائیں جانب مخروطی شکل میں گوشت کا مخصوص ٹکڑا ہے جو سیاہ خون سے بھرا ہوا ہے۔ قلب روح کا منبع و مرکز ہے۔ ہمارا مقصود اس کی شکل و کیفیت کی وضاحت کرنا نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلّق طبیبوں سے ہے اور اس میں کوئی دینی فائدہ بھی نہیں۔ یہ دل تو جانور بلکہ مردہ میں بھی پایا جاتا ہے کیونکہ یہ محض گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جس کی کوئی اہمیت نہیں، لہٰذا یہ دل ہمارا موضوع نہیں کہ اس کا تعلق تو ظاہری دنیا سے ہے، اسی وجہ سے اسے نہ صرف انسان بلکہ جانور بھی ظاہری آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔ (۲)... قلب کا دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ ایک روحانی، رَبّانی لطیفہ ہے جس کا جسمانی دل سے تعلق ہے، یہی لطیفہ رَبّانی انسان کی حقیقت ہے، یہی انسان کو جانتا اور پہچانتا ہے، خطاب، عذاب، عتاب اور احکامات کا تعلق اسی سے ہے۔

اکثر لوگ اس روحانی لطیفہ اور جسمانی قلب کے تعلق کی وجہ سمجھنے میں حیرت کا شکار ہیں کیونکہ یہ تعلق ایسا ہے جیسے عَرَض کا تعلق جسم سے، صفت کا موصوف سے، کاریگر کا تعلق اپنے اوزار سے اور مکان کا تعلق رہنے والے سے ہوتا ہے۔ اسے بالتفصیل ذکر نہ کرنے کی دو وجوہات ہیں: ایک یہ کہ اس کا تعلق عُلُومِ مُکاشَفہ سے ہے جبکہ اس کتاب کا مقصد عُلُومِ مُعامَلہ ذکر کرنا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی حقیقت روح کے راز سے پردہ اٹھانے پر موقوف ہے حالانکہ اس بارے میں تو رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی کلام نہ فرمایا تو کوئی اور اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہے۔[1]

---

[1] ...بخاری، کتاب العلم، باب قول اللہ وما اوتیتم...الخ، ۱/ ۶۲، حدیث: ۱۲۵

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کتاب میں ہم جہاں لفظ "قلب" ذکر کریں گے ہماری مراد یہی "روحانی ورَبّانی لطیفہ" ہو گا۔ نیز ہمارا مقصد اس ربانی لطیفہ کے احوال واوصاف بیان کرنا ہے نہ کہ اس کی ذاتی حقیقت کیونکہ عِلْمِ مُعامَلَہ اس کے احوال واوصاف کی معرفت کا محتاج ہے نہ کہ اس کی ذاتی حقیقت کا۔

روح کے معانی:

روح کے بھی دو معنی ہیں: (۱)...روح ایک لطیف جسم ہے جس کا منبع ظاہر دل یعنی گوشت کے مخصوص ٹکڑے کا اندرونی حصہ ہے، جہاں سے یہ رگوں کے ذریعے تمام جسم میں سرایت کرتی ہے۔ اس کا جسم میں جاری ہونا اور جسم کے تمام اعضاء کو زندگی اور قوت بخشنا ایسا ہے جیسے گھر کے کونے میں رکھا چراغ پورے گھر کو روشن کر دیتا ہے، تمام اعضاء کو ملنے والی زندگی اس روشنی کی طرح ہے جو دیواروں پر پھیلی ہوئی ہے اور روح کی مثال چراغ کی سی ہے اور روح کا بدن میں سرایت وحرکت کرنا ایسا ہے جیسے کوئی چراغ کو گھر میں ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دے۔

لفظ "روح" کا یہ معنی طبیب حضرات مراد لیتے ہیں اور یہی وہ "لطیف حرارت" ہے جو دل کی حرارت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس معنٰی کی وضاحت کرنا ہمارا مقصد نہیں کیونکہ اس کا تعلق تو ان طبیبوں سے ہے جو ظاہری بدن کا علاج کرتے ہیں جہاں تک دین کی اصلاح کرنے والے طبیبوں (یعنی علما) کا تعلق ہے تو وہ دل کا علاج کرتے ہیں حتّٰی کہ دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب پالیتا ہے، اگر روح سے وہی معنی مراد لیا جائے جو اَطِبّا لیتے ہیں تو علما کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲)...روح وہ رَبّانی لطیفہ ہے جو انسان کی حقیقت کا ادراک کرتا اور اسے پہچانتا ہے۔ یہ وہی ربانی لطیفہ ہے جس کی وضاحت ہم نے قلب کا دوسرا معنی بیان کرتے ہوئے کی ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمان: "قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ [1]" سے یہی مراد ہے۔ یہ ایسا امر الٰہی ہے جس کی حقیقت جاننے سے اکثر عُقَلا عاجز ہیں۔

نفس کے معانی:

نفس کے بے شمار معانی ہیں لیکن ہمارا مقصود دو معنی ہیں: (۱)... نفس اسے کہتے ہیں جو انسان میں شہوت اور

---

[1]... ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۸۵)

غصے کو ابھارتا ہے۔اس کی وضاحت بعد میں کی جائے گی۔ صوفیائے کرام اس لفظ کو اکثر استعمال کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک نفس سے مراد انسان میں مذموم صفات جمع کرنے والی قوت ہے۔اسی لئے صوفیا فرماتے ہیں کہ مجاہدۂ نفس اور اس کی کاٹ ضروری ہے۔ حُضُور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان عالیشان سے اسی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ”تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں میں ہے۔“[1]

(۲)... نفس وہی ربانی لطیفہ ہے جس کا تذکرہ ہم کرچکے۔

نَفْسِ مُطْمَئِنَّہ، نفس لَوَّامہ اور نفس اَمّارہ:

انسان کی حقیقت، اس کا نفس اور اس کی ذات یہی ربانی لطیفہ ہے، مختلف حالتوں کے اعتبار سے اس کے اوصاف تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ خواہشات سے مقابلہ کرتے کرتے جب یہ احکامِ الٰہی کا پابند ہوجاتا اور اس کی بے قراری دور ہوجاتی ہے تو اسی ربانی لطیفہ کو ”نَفْسِ مُطْمَئِنَّہ“ کہا جاتا ہے۔اسی کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ (پ۳۰، الفجر: ۲۷، ۲۸)

ترجمۂ کنز الایمان: اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

پہلے معنٰی (یعنی شہوت اور غصہ) کے اعتبار سے نفس کا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں رجوع کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ معنٰی تو نفس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور اور شیطانی گروہ میں شامل کرنے کا سبب ہے۔

جب اس ربانی لطیفہ کی بے قراری مکمل دور نہ ہو (یعنی اسے خواہشات پر غلبہ حاصل نہ ہو) لیکن خواہشات کی مخالفت مسلسل کرتا رہے ان سے مقابلہ کرتا رہے تو اس وقت اسے ”نفس لَوَّامَہ“ کہا جاتا ہے کیونکہ انسان جب عبادتِ الٰہی میں کوتاہی کرے تو یہ اسے ملامت کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ (پ۲۹، القیٰمۃ: ۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے۔

اگر یہ ملامت کرنا چھوڑ دے اور خواہشات کی پیروی اور شیطانی باتوں کی اتباع کرے تو اسے ”نفس اَمّارہ“ کہا جاتا ہے۔اس کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ حضرت سیِّدُنا یُوسُف عَلَیْہِ السَّلَام کا قول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

[1] ... الزھد الکبیر، الجزء الثانی، ص۱۵۷، حدیث: ۳۴۳

وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (پ۱۳، یوسف: ۵۳)
ترجمۂ کنزالایمان: اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بیشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔

نفس کا جو پہلا معنی بیان کیا گیا اس سے بھی "نفس امارہ" مراد لینا ممکن ہے، اس صورت میں نفس مذمت کا زیادہ حق دار ہے اور دوسرے معنٰی کے اعتبار سے قابل تعریف کیونکہ یہی نفس (یعنی ربانی لطیفہ) انسانی ذات اور اس کی حقیقت ہے جو صِفاتِ باری تعالٰی اور تمام اشیاء کی معرفت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

عقل کے معانی:

عقل کے بھی بے شمار معانی ہیں جنہیں ہم "علم کے بیان" میں "باب نمبر 7" کے تحت ذکر کر چکے یہاں اس کے دو معنٰی بیان کریں گے: (۱)... عقل سے مراد کبھی اشیاء کی حقیقتوں کا علم ہوتا ہے جس کا محل قلب ہے۔ (۲)... کبھی عقل سے مراد قلب (یعنی علوم کا محل) ہوتا ہے جو علوم کا ادراک کرنے والا ہے، جسے ربانی لطیفہ بھی کہتے ہیں۔

(ان دونوں تعریفات کو سمجھنے کے لئے) ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر شے جو علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ قائم بنفسہٖ ہے جبکہ علم ایک صفت ہے جو اپنے وجود میں اس شے (یعنی ذات) کی محتاج ہے اور یہ تو معلوم ہے کہ صفت موصوف کا غیر ہوتی ہے اسی لئے عقل کا اطلاق کبھی صفت پر کر دیا جاتا ہے اور کبھی صفت کے محل اور ادراک کرنے والی ذات پر۔ حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فرمان: "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ الْعَقْلُ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا"[1] سے یہی محل اور ادراک کرنے والی ذات مراد ہے کیونکہ علم عرض (یعنی اپنے وُجُود میں غیر کا محتاج) ہے اس کا سب سے پہلے پیدا کیا جانا ممکن ہی نہیں، اس سے پہلے یا اس کے ساتھ ایک ذات کا ہونا ضروری ہے جو اس کا محل ہو۔ حدیث پاک میں مذکور لفظ "عقل" سے علم اس لئے بھی مراد نہیں لیا جاسکتا کہ عرض سے خطاب نہیں کیا جاتا جبکہ روایت میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے عقل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: آگے ہو تو وہ آگے ہو گئی اور جب فرمایا پیچھے جا تو وہ پیچھے ہو گئی۔

اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان چاروں لفظوں کے چار جدا جدا معانی و مَطالِب ہیں جن

---

[1]...فردوس الاخبار، ۱/ ۲۹، حدیث: ۴

کے لئے یہ چاروں استعمال ہوتے ہیں مثلاً قلبِ جسمانی، روحِ جسمانی، خواہشاتِ نفس اور عُلُوم وغیرہ اور ایک پانچواں معنی بھی ہے یعنی ربّانی لطیفہ جس کے استعمال میں چاروں الفاظ مشترک ہیں تو معانی پانچ ہیں اور الفاظ چار اور ہر لفظ کے دو معنٰی ہیں۔

چونکہ علم والے بے شمار حضرات پر ان لفظوں کے معانی کا اختلاف صحیح طرح واضح نہیں اسی لئے تم دیکھو گے کہ وہ "خواطر" کی بحث میں ہر ایک کو الگ الگ نام دیتے ہیں یعنی خاطِرِ عَقْل، خاطِرِ رُوح، خاطِرِ قَلْب اور خاطِرِ نفس۔ حالانکہ عوام کو ان کے معانی کے اختلاف کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ اس غلط فہمی والا علمی کو دور کرنے کے لئے ہم نے ابتداءً ان کی وضاحت کر دی۔

رَبّانی لطیفہ اور جسمانی قلب کا باہمی تعلق:

قرآن وحدیث میں جہاں کہیں لفظِ "قلب" آیا ہے اس سے مراد انسان میں موجود وہ ربانی لطیفہ ہے جو اشیاء کی حقیقتوں کو پہچانتا ہے۔ بعض اوقات سینے میں موجود دل بھی کنایۃً اس سے مراد لیا جاتا ہے کیونکہ اس ربانی لطیفہ کو جسمانی قلب سے ایک خاص تعلق ہے۔ اگرچہ ربانی لطیفہ کا تعلق پورے جسم سے ہے اور یہ جسم ہی کے لئے عمل کرتا ہے لیکن یہ تعلق جسمانی قلب کے واسطے سے ہوتا ہے، لہٰذا ربانی لطیفہ کا تعلق اوّلاً جسمانی قلب سے ہوتا ہے گویا جسمانی قلب ربانی لطیفہ کا محل، سلطنت، پہچان اور اس کی سواری ہے۔ اسی کے پیش نظر حضرت سیِّدُنا سَہْل تُسْتَرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی نے قلب کو عرش اور سینے کو کرسی سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا: "قلب عرش اور سینہ کرسی ہے۔"

اس قول سے ہرگز کوئی یہ نہ سمجھے کہ آپ کی مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عرش وکرسی ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی مراد تو یہ ہے کہ دل اور سینہ ربانی لطیفہ کی سلطنت ہیں اس کا ارادہ وتصرف پہلے انہی پر جاری ہوتا ہے۔ گویا ان دونوں کو ربانی لطیفہ سے ایسی ہی نسبت ہے جیسی عرش وکرسی کو ذاتِ باری تعالٰی سے۔

یہ تشبیہ فقط بعض وجوہ سے درست ہے۔ نیز ہمارے مقصد سے اس بحث کا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا ہم اسے یہیں موقوف کرتے ہیں۔

باب نمبر2: **قَلب اور اس کے مُتَعَلِّقات کا بیان** (اس میں چھ فصلیں ہیں)

پہلی فصل: **دل کے لشکر**

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (پ۲۹، المدثر: ۳۱) ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

معلوم ہوا کہ قُلُوب، اَرواح اور دیگر عالَموں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بے شمار لشکر ہیں جن کی حقیقت اور تعداد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہمارا مقصود اس وقت چونکہ دل ہے، لہٰذا دل کے بعض لشکروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

دل کے لشکر دو طرح کے ہوتے ہیں: (۱)... جسے ظاہری آنکھ بھی ملاحظہ کر سکتی ہے (۲)... جس کا مشاہدہ دل کی آنکھ سے ہی ممکن ہے۔

دل گویا بادشاہ ہے اور لشکر خادمین و مددگار۔ لشکر کا یہی مطلب ہے۔

ظاہری آنکھوں سے نظر آنے والے لشکر:

اس سے مراد ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک، زبان اور جسم کے تمام اعضاء ہیں کیونکہ یہ سب دل کے خادم اور تابع ہیں۔ دل ان میں تصرف کرتا اور انہیں عمل میں لاتا ہے۔ تمام اعضاء فطرتاً اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اس کی نافرمانی و خلاف ورزی کی طاقت نہیں رکھتے۔ دل اگر آنکھ کو کھلنے کا حکم دے تو وہ کھل جاتی ہے، پاؤں کو حرکت کا حکم دے تو وہ حرکت کرتا ہے، زبان اس کے حکم سے کلام کرتی ہے۔ تمام اعضاء کا یہی حال ہے۔ اعضاء اسی طرح دل کے تابع ہیں جس طرح فرشتے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمانبردار ہیں کہ فرشتوں کو بھی فطرتاً تابع و فرمانبردار پیدا کیا گیا ہے، وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکامات کی خلاف ورزی نہیں کرتے، اس کا حکم نہیں ٹالتے بلکہ جو حکم ہو وہی کرتے ہیں[1] البتہ! اتنا فرق ضرور ہے کہ فرشتوں کو اپنی طاعت

---

[1]... فرشتوں کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانِ مکرم ہے: لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝ ترجمۂ کنز الایمان: اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔ (پ۲۸، التحریم: ۶)

و فرمانبرداری کا علم ہوتا ہے جبکہ آنکھ کھلنے اور بند ہونے میں دل کی پیروی اس لئے کرتی ہے کہ وہ عمل میں دل کی محتاج ہے اسے اپنی اور اپنی اس پیروی کی کچھ خبر نہیں۔

دل بھی ان لشکروں کا محتاج ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب پانے اور اس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے یہ لشکر دل کی سواری اور زادِ راہ ہیں۔ نیز قُلُوب کی پیدائش کا مقصد یہی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب حاصل کریں جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی (اسی) لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔ (پ۲۷، الذٰریٰت: ۵۶)

تو اعضاء دل کی سواری اور علم زادِ راہ ہے اور زادِ راہ تک پہنچانے اور اس پر قدرت دلانے والے اسباب "اچھے اعمال" ہیں۔ انسان کے لئے قربِ الٰہی پالینا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کا جسم پر سکون اور دنیا سے کنارہ کش نہ ہوجائے کیونکہ دور تک جانے کے لئے قریبی منزل طے کرنا ضروری ہے۔

اس عالَم کو "دنیا" کہنے کی وجہ:

دنیا آخرت کی کھیتی اور ہدایت حاصل کرنے کی جگہ ہے، اسے "دنیا" اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ قُربِ الٰہی پانے کی قریبی منزل ہے۔ ضروری تھا کہ دنیا میں دل کو زادِ راہ فراہم کیا جائے، لہٰذا جسم اس کی سواری ہے جس کے ذریعے دل اس دنیا تک پہنچتا ہے۔[1]

جسم کی حفاظت کے لئے ضروری لشکر:

جسم چونکہ اس دنیا تک پہنچنے کے لئے دل کی سواری ہے، لہٰذا اس کی حفاظت بھی ضروری ہے اور اس کی حفاظت یہ ہے کہ اسے معتدل غذا دی جائے اور ہلاکت میں ڈالنے والی اشیاء سے دور رکھا جائے۔

معتدل غذا کی فراہمی کے لئے دو لشکروں کا پایا جانا ضروری ہے: (۱)... باطنی یعنی خواہش (۲)... ظاہری

[1]... دنیا کے بارے میں خصوصی معلومات حاصل کرنے کے لئے دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 616 صفحات پر مشتمل شیخ طریقت، امیر اہلسنت، بانی دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ کی مایہ ناز تصنیف "نیکی کی دعوت" (حصہ اوّل) کے صفحہ 259 تا 266 کا مطالعہ کیجئے!

یعنی ہاتھ اور غذا حاصل کرنے والے دیگر اعضاء۔

معلوم ہوا کہ دل میں خواہشات پیدا کی گئی ہیں اور ان کی تکمیل کے لئے اعضاء ہیں۔

ہلاکت میں ڈالنے والی اشیاء سے بچنے کے لئے بھی دو لشکروں کی حاجت ہے:(۱)...باطنی یعنی غصہ جس کے ذریعے مہلکات سے بچا جائے اور دشمن سے انتقام لیا جائے (۲)...ظاہری یعنی ہاتھ، پاؤں جن کے ذریعے غصے کا اظہار کیا جائے۔ اس دوسرے لشکر کا تعلق خارجی امور سے ہے، لہٰذا جسم کے اعضاء اسلحہ کی مانند ہیں۔

پھر یہ کہ جسے بھی غذا کی حاجت ہو اس کے لئے یہ لشکر یعنی خواہش نفس اور اعضاء اس وقت تک قابل نفع نہیں جب تک اسے غذا کی پہچان نہ ہو۔ پس غذا کی پہچان کے لئے مزید دو لشکروں کی حاجت ہے:(۱)... باطنی یعنی دیکھنے، سننے، سونگھنے، چھونے اور چکھنے کی قوت (۲)...ظاہری یعنی آنکھ، کان، ناک اور دیگر اعضاء۔

ان کی حاجت اور ان کی حکمتیں اس قدر ہیں کہ تفصیل سے بیان کی جائیں تو کئی جلدیں ان کا احاطہ نہیں کر سکتیں، البتہ! ہم نے "شکر کے بیان" میں اس کی چند آسان حکمتیں بیان کی ہیں اسی پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔

دل کے باطنی لشکروں کی اقسام:

دل کے تمام باطنی لشکر تین قسموں میں منحصر ہیں:(۱)...ابھارنے اور رغبت دلانے والی قوت، چاہے وہ حُصولِ نَفْع کی طرف رغبت دلائے جیسے خواہش یا نُقصان دہ شے کو دور کرنے پر ابھارے جیسے غصہ۔ اسے "ارادہ" کہتے ہیں۔(۲)... نفع حاصل کرنے یا نقصان دہ شے کو دور کرنے کے لئے اعضاء کو حرکت دینے والی قوت۔ اسے "قدرت" کہتے ہیں۔ یہ قوت بالعموم تمام اعضاء اور خصوصاً پٹھوں اور جوڑوں میں ہوتی ہے۔ (۳)...اشیاء کی پہچان کرنے والی قوت مثلاً دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی قوت۔ یہ مخصوص اعضاء میں پائی جاتی ہے، اسے "علم وادراک" کہتے ہیں۔

ہر باطنی لشکر کے ساتھ ظاہری لشکر بھی ہوتا ہے۔ چربی، گوشت، پٹھے، خون اور ہڈی سے مرکب اعضاء ان باطنی لشکروں کے لئے بطور آلہ بنائے گئے ہیں مثلاً پکڑنے کی قوت انگلیوں میں رکھی گئی ہے اور دیکھنے کی قوت آنکھوں میں رکھی گئی ہے، یونہی تمام اعضاء کا نظام ہے۔

ظاہری اور باطنی حواسِ خمسہ:

ہم ظاہری لشکر یعنی اعضاء کے بارے میں گفتگو نہیں کریں گے کیونکہ ان کا تعلق ظاہری دنیا سے ہے، البتہ! ہمارا موضوع دکھائی نہ دینے والے باطنی لشکر ہیں جو دل کے مددگار ہیں۔ یہ وہی تیسری قسم ہے جو اشیاء کی پہچان کرتی ہے۔ اس کی مزید دو قسمیں ہیں: (۱)... بعض وہ قوتیں ہیں جن کا ٹھکانا جسم کے ظاہری اعضاء ہیں۔ انہیں (ظاہری) حواسِ خمسہ کہتے ہیں، مثلاً سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا۔ (۲)... بعض وہ ہیں جن کا ٹھکانا جسم کا باطنی حصہ یعنی دماغ ہے۔ یہ بھی پانچ قوتیں ہیں کیونکہ انسان جب کوئی چیز دیکھنے کے بعد اپنی آنکھیں بند کرتا ہے تو اس کے ذہن میں اس کی صورت بن جاتی ہے اسے "خیال" کہتے ہیں۔ پھر وہ صورت دیگر اشیاء کی طرح بعض اوقات انسان کے ذہن میں نقش ہو جاتی ہے اسے "حافظہ" کہتے ہیں۔ پھر انسان ذہن میں محفوظ ان اشیاء میں بعض اوقات "غور و فکر" کرتا ہے اور ان کے ذریعے بعض بھولی ہوئی اشیاء دوبارہ "یاد" کر لیتا ہے پھر انہیں بھی دیگر اشیاء کی طرح اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتا ہے اسے "حِسِّ مشترک" کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ باطنی حواسِ خمسہ بھی ہیں یعنی حِسِّ مشترک، خیال، غور و فکر، یاد اور حافظہ۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ یہ باطنی قوتیں پیدا نہ فرماتا تو دماغ بھی ان سے خالی ہوتا جیسا کہ جسم کے ظاہری اعضاء یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ ان سے خالی ہیں۔ پس یہ قوتیں اور ان کا ٹھکانا دونوں باطنی لشکر ہیں۔

دل کے لشکر کی اقسام عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے مثالوں کا بیان کرنا ضروری ہے جس سے یہ بحث خاصی طویل ہو جائے گی جبکہ حقیقتاً اس طرح کی مباحث سے علم والوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے لیکن ہم عام لوگوں کے لئے انہیں مثالوں کے ذریعے بیان کریں گے تا کہ ان کے لئے سمجھنا کچھ آسان ہو۔

دوسری فصل: دل کے باطنی لشکر اور اس کی مثالیں

جان لیجئے کہ دو لشکر یعنی غصہ اور خواہش بعض اوقات دل کی بھرپور اطاعت کرتے ہیں جس سے دل کو اپنا مطلوب (یعنی قُربِ الٰہی) پانے میں مدد ملتی ہے اور راہِ آخرت میں ان دونوں کی طرف سے دل کو اچھی رفاقت حاصل ہوتی ہے۔ کبھی یہ دونوں انتہائی باغی اور سرکش ہو جاتے ہیں حتی کہ خود مالک بن جاتے اور دل کو غلام بنا لیتے ہیں۔ یہ صورت دل کے لئے ہلاکت اور ابدی سعادت تک پہنچانے والے سفر سے محرومی کا باعث

ہے۔ دل کے اور بھی لشکر ہیں، مثلاً علم و حکمت اور غور و فکر، عنقریب ان کی وضاحت بھی کی جائے گی۔

انسان کو چاہئے کہ علم و حکمت اور غور و فکر سے مدد حاصل کرے کیونکہ یہ لشکر غصہ و خواہش کے خلاف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جماعت ہیں جبکہ یہ دونوں بعض اوقات شیطانی گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اگر انسان علم و حکمت اور غور و فکر سے مدد طلب کرنا چھوڑ دے اور غصہ و خواہش کو اپنے اوپر سوار کر لے تو یقیناً ہلاک ہو جائے گا اور سخت نقصان اٹھائے گا۔ اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔ ان کی عقلیں خواہشات پوری کرنے کے مختلف حیلے بہانے تلاش کرتے کرتے ان کے تابع ہو چکی ہیں حالانکہ خواہشات کو ان کی عقلوں کے تابع ہونا چاہئے تھا تاکہ ضروری معاملات پورے کئے جا سکیں۔

اب ہم تین مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ اس کا سمجھنا مزید آسان ہو جائے۔

دل کے لشکر اور تین مثالیں:

پہلی مثال: انسانی جسم میں دل یعنی ربانی لطیفہ بادشاہ اور حاکم کی مثل ہے کہ جسم اس ربانی لطیفہ کی سلطنت، جاگیر، اس کا ٹھکانا اور شہر ہے اور ظاہری اعضاء اور باطنی قوتیں گویا اس کے تحت کام کرنے والا عملہ ہے اور غور و فکر کرنے والی قوت یعنی عقل اسے نصیحت کرنے والے مشیر اور عقل مند وزیر کی مثل ہے اور خواہش اس برے شخص کی مثل ہے جو گاؤں سے شہر کھانے کی اشیاء مہنگے داموں بیچنے آتا ہے اور غصہ اس شہر کے سپاہی کی مثل ہے۔ گاؤں سے شہر مہنگے داموں کھانے کی اشیاء بیچنے کے لئے آنے والا جھوٹا، مکار اور دھوکے باز شخص ہمدردی اور نصیحت کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے اور اس کی ظاہری نصیحت در حقیقت بھیانک فساد اور زہر قاتل ہے، وزیر سے جھگڑنا اور اس کے خلاف رائے قائم کرنا اس کی عادت ہے گویا وہ اس سلطنت کا مالک ہے، اس کا کوئی لمحہ جھگڑے سے خالی نہیں گزرتا۔

بادشاہ کو چاہئے کہ اپنی سلطنت کی دیکھ بھال کے معاملے میں وزیر کے مشوروں پر عمل کرے اور اس مکار شخص کی باتوں پر توجہ نہ دے اور یہ بات سمجھ لے کہ اس کی رائے نہ ماننے میں ہی بھلائی ہے۔ نیز اپنے سپاہیوں کو بطورِ تادیب و سرزنش وزیر کی فرمانبرداری کا حکم دے، اس مکار اور اس کے مددگاروں پر ہر طرف سے سپاہیوں کا پہرا بٹھا دے حتّٰی کہ یہ مکار مغلوب ہو کر حکم کا تابع اور نظام کا پابند ہو جائے، جبھی

سلطنت کا نظام ٹھیک اور عدل و انصاف قائم رہ سکتا ہے۔

دل کا معاملہ بھی بادشاہ کی مثل ہے کہ جب یہ عقل سے مدد طلب کرے، غصہ کو قابو میں رکھے اور اس کے ذریعے خواہشات پر قابو پا کر انہی سے ایک دوسرے پر مدد حاصل کرے، کبھی خواہشات کی مخالفت کر کے غصہ کی شدت کم کرے اور کبھی غصہ کو خواہشات پر حاوی کر کے ان کا خاتمہ کرے اور خواہشات کی پیروی کو برا جانے تو اس کے اعضاء اور قوتیں معتدل رہیں گے اور اخلاق اچھے ہو جائیں گے۔

اس طریقے کے خلاف عمل کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے (ان آیات مبارکہ میں) ارشاد فرمایا:

خواہشات کے پیروکاروں کے متعلق دو فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (پ۲۵، الجاثیۃ: ۲۳)

ترجمۂ کنزالایمان: بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا اور اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا۔

﴿2﴾...

وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْؕ (پ۹، الاعراف: ۱۷۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کتے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے۔

جبکہ خواہشات کی پیروی نہ کرنے والے کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ(۴۰) فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ(۴۱) (پ۳۰، النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔

ان لشکروں کے مجاہدے اور ان میں سے ایک کو دوسرے کے خلاف استعمال کر کے ان سے بچنے کی کیفیات "ریاضت نفس کے بیان" میں ذکر کی جائیں گی۔ اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ

دوسری مثال: جان لیجئے کہ انسانی جسم شہر کی مانند ہے اور عقل یعنی ربانی لطیفہ اس شہر کا نظام چلانے والے حاکم کی مثل اور جسم کے ظاہری و باطنی حواس گویا اس کی جماعت اور مددگار ہیں اور اعضاء گویا اس کی رعایا ہیں اور نفس اَمّارہ یعنی خواہش اور غصہ کو ابھارنے والی قوت اس کے دشمنوں کی طرح ہے جو اس کی رعایا میں فساد پھیلانے اور انہیں ہلاک کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتی ہے۔ گویا انسان کا جسم قلعے اور سرحد کی مانند جبکہ دل یعنی ربانی لطیفہ اس کا محافظ ہے اگر وہ اپنے دشمن سے جہاد کرے اسے بری طرح شکست دے کر اس پر غلبہ پالے تو دربارِ الٰہی میں اس کی تعریف کی جائے گی۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ جہاد کرنے والے کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةًؕ (پ۵، النسآء: ۹۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد والوں کا درجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا۔

اور اگر وہ اپنی سلطنت کو ضائع کر دے اور رعایا کو بے آسرا چھوڑ دے تو اس کی مذمت کی جائے گی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے مواخذہ فرمائے گا۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ کل بروزِ قیامت اس سے کہا جائے گا: "اے بدبخت حاکم! تو نے گوشت کھایا، دودھ پیا لیکن گمشدہ کو تلاش نہ کیا اور ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے کی کوشش نہ کی، آج میں تجھ سے حساب لوں گا۔"[1]

نیز حُضُور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجاہدۂ نفس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ یعنی ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ آئے۔[2]

تیسری مثال: عقل کی مثال شکار کرنے والے گھڑسوار کی سی ہے، خواہش گھوڑے اور غصہ کتے کی طرح ہے۔ جب شکاری ماہر و تجربہ کار، گھوڑا ہوشیار اور کتا سدھایا ہوا ہو تو شکاری ضرور کامیاب ہو گا اور اگر شکاری خود ناتجربہ کار، گھوڑا سرکش اور کتا پاگل ہو تو نہ گھوڑا اس سے سیدھا چلے گا اور نہ ہی کتا اس کے اشارے پر دوڑے گا، ایسی صورت میں شکار کرنا تو ممکن نہیں ہاں ہلاکت کے امکانات ضرور ہیں۔

---

1 ...الزھد للامام احمد بن حنبل، زھد محمد بن سیرین، ص۳۲۸، حدیث: ۱۹۰۳ ملتقطاً

2 ...الزھد الکبیر، الجزء الثانی، ص۱۶۸، حدیث: ۳۷۳ بتغیر

ناتجربہ کار شکاری ہونا انسان میں حکمت وبصیرت کی کمی اور جہالت کی مثال ہے اور گھوڑے کا سرکش ہونا انسانی خواہشات کے حد سے بڑھ جانے کی مثال ہے خصوصاً پیٹ اور شرم گاہ کی خواہش کا بڑھ جانا اور کتے کا پاگل ہونا غصہ زیادہ ہونے کی مثال ہے۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے اچھی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تیسری فصل: انسانی دل کی خُصُوصِیات

جان لیجئے کہ دل کے متعلق اب تک ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے ان نعمتوں سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کے ساتھ ساتھ حیوانات کو نوازا ہے، مثلاً خواہش، غصہ، ظاہری وباطنی حواس حیوانات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بکری جب بھیڑیئے کو دیکھتی ہے تو اپنے دل کے ذریعے اس کی دشمنی کو جان لیتی اور بھاگ جاتی ہے، اسی کو باطنی ادراک کہتے ہیں۔

اب ہم انسانی قلب کی خصوصیات ذکر کریں گے جن کے سبب انسان کو شرف وفضیلت حاصل ہے اور انہی کی وجہ سے یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب پانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان خصوصیات سے مراد "علم" اور "ارادہ" ہے۔

علم: اس سے مراد دنیوی، اُخروی اور عقل سے تعلق رکھنے والے معاملات کا علم ہے۔ ان کا تعلق حواس سے نہیں بلکہ یہ عقل کا خاصہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات ان علوم کی صلاحیت نہیں رکھتے، صرف انسان ہی (عقل کی بدولت) یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایک شخص کا ایک ہی حالت میں دو جگہوں پر پایا جانا ممکن نہیں اور اس کا یہ فیصلہ تمام انسانوں کے متعلق ہوگا اگرچہ اس نے دنیا کے چند افراد دیکھے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ عقل کا حکم حس سے بڑھ کر ہے۔

جب آپ نے اس مثال کے ذریعے عقل اور حس کے فرق کو جان لیا تو نظری (یعنی غور وفکر کے ذریعے حاصل ہونے والے) علوم میں یہ فرق اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

ارادہ: انسان جب کسی چیز کے انجام اور اس میں موجود اچھائی کو جان لیتا ہے تو انسان کے اندر اس اچھائی اور اس تک پہنچانے والے اسباب کے حُصُول کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور انسان اس کا ارادہ کر لیتا ہے۔ یہ ارادہ خواہش نفس کی پیروی اور حیوانی ارادہ نہیں بلکہ یہ تو خواہش نفس کی ضد ہے کہ نفسانی خواہش پچھنے لگوانے کو ناپسند کرتی ہے جبکہ عقل اس کے فوائد کے پیش نظر اس کا تقاضا کرتی اور اس پر رقم خرچ کرتی ہے۔ یونہی خواہش نفس بیماری

کے وقت ذائقے دار کھانوں کی طرف مائل ہوتی ہے لیکن عقل مند شخص ان سے دور رہتا ہے اور یہ دوری خواہش نفس کا نہیں بلکہ عقل کا تقاضا ہے۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ انجام سے آگاہ کرنے والی عقل کے ساتھ اس کے تقاضے کے مطابق اعضاء کو حرکت دینے والے باعث (یعنی ارادے) کو پیدا نہ فرماتا تو عقل کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جاتا۔

معلوم ہوا کہ "علم" اور "ارادہ" انسانی دل کی ایسی خصوصیات ہیں جو اسے تمام جانداروں سے ممتاز کرتی ہیں بلکہ بچہ بھی ابتداءً ان سے محروم ہوتا ہے، بلوغت کے بعد اس میں یہ دونوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں، البتہ خواہش، غصہ اور ظاہری و باطنی حواس بچے میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پھر ان کے حصول کے سلسلے میں بچے دو درجوں سے گزرتے ہیں:

حصولِ علم کے سلسلے میں بچوں کے دو درجے:

❁...**پہلا درجہ:** یہ ہے کہ بچہ تمام بدیہی علوم کو جاننے لگے، مثلاً محال کو محال اور ممکن کو ممکن سمجھے۔ اس صورت میں اسے عُلُومِ نظریہ کا علم اگرچہ حاصل نہ ہوگا لیکن اسے حاصل کرنے کے قریب ہو جائے گا۔ اس وقت عُلُومِ نظریہ کے حوالے سے اس بچے کی حالت اس شخص کی سی ہوگی جو کتابت کا طریقہ نہ جانتا ہو لیکن دوات، قَلَم اور حُرُوف سے واقف ہو۔ کیونکہ یہ بھی کتابت کرنے کے قریب ہے اگرچہ ابھی تک کی نہیں۔

❁...**دوسرا درجہ:** یہ ہے کہ بچہ تجربے اور غور و فکر کے ذریعے اپنے اندر علوم نظریہ حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرلے۔ اس صورت میں یہ علم اس کے پاس خزانے کی مثل ہوگا جب چاہے اس کی طرف لوٹ جائے۔ اس وقت بچے کی حالت ماہر کاتب کی سی ہوگی کیونکہ اگرچہ وہ فی الوقت کتابت نہ بھی کر رہا ہو لیکن اس پر قدرت ہونے کی وجہ سے اسے کاتب ہی کہا جائے گا۔

علم کا یہ درجہ انسانیت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے لیکن اس درجے کے بے شمار مراتب ہیں۔ معلومات کی کثرت و قلت، اعلیٰ و ادنیٰ اور معلومات حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہونے کے اعتبار سے اس درجے میں لوگوں کے مرتبے بھی مختلف ہیں۔ بعض حضرات الہام الٰہی اور کشف کے ذریعے فی الفور علم حاصل کر لیتے ہیں اور بعض درس و تدریس کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ یونہی بعض لوگ جلد علم حاصل کر لیتے ہیں اور بعض دیر سے حاصل کرتے ہیں۔ ان تمام صورتوں کے پیشِ نظر انبیاء، اولیا، حُکَما اور عُلَما کے مختلف درجے

ہیں۔ حقیقتاً اس درجے میں بلندی کی کوئی حد نہیں کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معلومات لامحدود ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک سب سے بلند مرتبہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا ہے جنہیں کسی مشقت اور سیکھے بغیر کشف کے ذریعے لحہ بھر میں تمام یا اکثر حقائق کا علم (1) عطا فرمادیا گیا۔ اسی سعادت (یعنی علم) کی بدولت بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات کے قریب ہوتا ہے (خبردار!) مکان اور مسافت کا قُرب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے متصور نہیں۔ قربِ خداوندی کے بلند ترین درجات سالکین (راہِ آخرت کے مُسافروں) کی منزلیں ہیں جنہیں شمار کرنا ممکن نہیں۔ ہر سالک جس منزل پر فائز ہوتا ہے اس منزل اور اس سے نچلی منزلوں کے متعلق علم رکھتا ہے اور اپنے سے بلند مرتبے والی منزلیں جن کی حقیقت کا اسے علم نہیں ان پر ایمان رکھتا اور ان کی تصدیق کرتا ہے جیسا کہ ہم انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور ان کی نبوتوں پر ایمان رکھتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں حالانکہ ہم نبی اور نبوّت کی حقیقت کو نہیں جانتے جیسے ماں کے پیٹ میں موجود بچہ دودھ پیتے بچے کی حالت سے واقف نہیں اور دودھ پیتا بچہ بدیہیات کا علم رکھنے والے کی حالت سے واقف نہیں اور بدیہیات کا علم رکھنے والا نظری علم رکھنے والے کے متعلق نہیں جانتا کہ اسے کتنا علم ہے۔ ایسے ہی ایک عاقل شخص انبیائے کرام واولیائے عظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے مرتبے کو نہیں جانتا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں کن کن انعامات سے سرفراز فرمایا

---

(1)... سیِّدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن "فتاوی رضویہ، جلد29، صفحہ495" پر حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی حدیثِ پاک: اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْہَا وَاِلٰی مَاھُوَ کَائِنٌ فِیْہَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ جَلِّیَانٌ مِّنَ اللّٰہِ جَلَّاہُ لِنَبِیِّہٖ کَمَا جَلَّاہُ لِلنَّبِیِّیْنَ مِنْ قَبْلِہٖ. بیشک میرے سامنے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دنیا اٹھالی ہے اور میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کچھ ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، اس روشنی کے سبب جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے روشن فرمائی جیسے محمد سے پہلے انبیاء کے لئے روشن کی تھی۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم۔ (حلیۃ الاولیاء، ۶/ ۱۰۷ ...الخصائص الکبری، ۲/ ۱۸۵...الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ، ص۵۶) نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: "اس حدیث سے روشن ہے کہ جو کچھ سماوات وارض میں ہے اور جو قیامت تک ہوگا اس سب کا علم اگلے انبیاءِ کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو بھی عطا ہوا تھا اور حضرت عزت عَزَّجَلَالُہٗ نے اس تمام مَاکَانَ وَمَایَکُوْن کو اپنے ان محبوبوں کے پیش نظر فرمادیا، مثلاً: مشرق سے مغرب تک، سماک سے سمک تک، ارض سے فلک تک اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے سیِّدُنا ابراہیم خلیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم ہزارہا برس پہلے اس سب کو ایسا دیکھ رہے تھے گویا اس وقت ہر جگہ موجود ہیں، ایمانی نگاہ میں یہ نہ قدرتِ الٰہی پر دشوار اور نہ عزت ووجاہتِ انبیاء کے مقابل بسیار۔

ہے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ (پ۲۲، فاطر: ۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھولے اس کا کوئی روکنے والا نہیں۔

یہ رحمت چونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جود و کرم کا فیضان ہے، لہٰذا کسی کے لئے اس کی ممانعت نہیں لیکن اس کا ظہور انہی دلوں پر ہوتا ہے جو اس کی رحمت اور جود و کرم کے طلبگار ہوں۔ جیسا کہ سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب و سینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان عالیشان ہے: "اِنَّ لِرَبِّكُمْ فِي اَيَّامِ دَهْرِكُمْ لَنَفَحَاتٌ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا یعنی اے لوگو! بلاشبہ تمہاری زندگی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے انوار و تجلیات ہیں، لہٰذا ان کے طلب گار رہو۔"[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے انوار و تجلیات طلب کرنے سے مراد یہ ہے کہ انسان بُرے اَخلاق کی وجہ سے دل پر جم جانے والی کَدُورَت اور گندگی کو دور کرے اور اسے خوب پاک کرے۔ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

رحمت الٰہی کے متعلق تین فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... يَنْزِلُ اللّٰهُ كُلَّ لَيْلَةٍ اِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ: هَلْ مِنْ دَاعٍ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ؟ یعنی ہر رات آسمان دنیا پر رحمتِ الٰہی کا نُزول ہوتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اعلان فرماتا ہے: ہے کوئی دعا کرنے والا جس کی دعا میں قبول کروں؟[2]

﴿2﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: لَقَدْ طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰى لِقَائِيْ وَاَنَا اِلٰى لِقَائِهِمْ اَشَدُّ شَوْقًا یعنی مجھ سے ملاقات کا شوق نیک لوگوں پر طویل ہو گیا حالانکہ مجھے ان سے ملاقات کرنا زیادہ پسند ہے۔[3]

﴿3﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: مَنْ تَقَرَّبَ اِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا یعنی جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میری رحمت ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتی ہے۔[4]

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ عُلُوم سے دل کا محروم ہونا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے کسی رکاوٹ یا کمی

---

1 ... المعجم الکبیر، ۱۹/ ۲۳۳، حدیث: ۵۱۹

2 ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، ۶/ ۲۷۹، حدیث: ۱۷۹۲۳، بتغیر

3 ... فردوس الاخبار، ۲/ ۳۶۲، حدیث: ۸۱۲۶

4 ... بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی ویحذرکم اللہ نفسه، ۴/ ۵۴۱، حدیث: ۷۴۰۵

کی وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تو ہر رکاوٹ و کمی سے بہت بلند وبالا ہے بلکہ دل اپنے اندر بھری گندگی، کُدُورَت اور لوگوں کی طرف متوجہ رہنے کی وجہ سے عُلُوم کے اَنوار وتَجلّیات سے محروم رہتا ہے۔ کیونکہ دل برتن کی مثل ہے کہ جب تک یہ پانی سے بھرا ہوگا اس میں ہوا داخل نہیں ہوسکتی ایسے ہی جس کا دل اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل ہو اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تجلیات کی معرفت کبھی حاصل نہ ہوگی۔ حدیثِ مبارکہ میں اسی جانب اشارہ ہے کہ "بنی آدم کے دلوں کے گرد اگر شیاطین جمع نہ ہوتے تو انسان کی نظر ضرور آسمانی دنیا تک پہنچ جاتی۔"(1)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مخلوقات میں علم وحکمت انسان کی خصوصیت ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات اور اس کے افعال کا علم سب سے افضل واعلیٰ ہے۔ اسی کی بدولت انسان کو حقیقی کمال حاصل ہوتا ہے اور اس کمال کے سبب انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قرب کی سعادتوں سے نوازا جاتا ہے۔ پس جسم نفس (یعنی ربانی لطیفہ) کی سواری ہے اور نفس علم کا محل اور ٹھکانا ہے اور علم انسان کا مقصود اور اس کی خصوصیت کا سبب ہے جسے حاصل کرنے کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ گھوڑا بوجھ اٹھانے میں گدھے کی مثل ہے لیکن جنگ کے لئے استعمال ہونے، تیز دوڑنے اور خوبصورتی کی وجہ سے گدھے سے بہتر ہے تو گھوڑے کو انہی خصوصیات کے لئے پیدا کیا گیا ہے اگر اس میں یہ نہ پائی جائیں تو اس میں اور گدھے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ ایسے ہی انسان میں بعض امور وہ ہیں جو گھوڑے اور گدھے میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن مُقَرَّبِیْن ملائکہ کی بعض صفات بھی اس میں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے انسان نہ چوپائیوں کی مثل ہے اور نہ فرشتوں کی مثل بلکہ اس کا ایک الگ درجہ ہے جو ان دونوں کے درمیان ہے۔

فِرِشتہ، اِنسان اور جانور:

انسان غذا کے حُصُول اور نَشْوونُما کے اعتبار سے نباتات کی مثل، حس وحرکت کے اعتبار سے حیوانات کی طرح اور شکل وصورت کے اعتبار سے دیواروں پر بنی تصویروں کی مثل ہے لیکن اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اسے اشیاء کی حقیقتوں کی معرفت کے حصول کی قدرت حاصل ہے، لہٰذا اگر انسان اپنے تمام اعضاء اور قوتیں علم وعمل کے حصول میں صرف کر دے تو اسے فرشتوں سے تشبیہ دی جائے، ان سے ملایا جائے اور ان کے

---

(1)...اللباب فی علوم الکتاب، سورۃ الفاتحۃ، ۱/ ۱۱۱

نام سے پکارا جائے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کا دیدار کرنے والی عورتیں بے ساختہ پکار اٹھیں:

مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾ ترجمۂ کنزالایمان: یہ تو جنس بشر سے نہیں یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔ (پ۱۲، یوسف: ۳۱)

اس کے برعکس جو اپنی کوششیں بدنی خواہشات پوری کرنے میں خرچ کر دے اور جانوروں کی طرح کھائے تو ایسا شخص جانوروں ہی میں شمار کیا جاتا ہے اور وہ بیل کی طرح ناسمجھ، خنزیر کی طرح خواہش پرست، کتے بلی کی طرح خونخوار، اونٹ کی طرح کینہ پرور، چیتے کی طرح متکبر یا لومڑی کی طرح دھوکے باز بن جاتا ہے اور اگر یہ تمام صفات اس میں جمع ہو جائیں تو شیطان کی طرح سرکش ہو جاتا ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب پانے کے لئے اعضاء اور حواس سے مدد چاہنا یقیناً ممکن ہے جیسا کہ ہم "شکر کے بیان" میں اسے ذکر کریں گے۔ تو جس نے اعضاء اور حواس اس کام کے لئے استعمال کئے وہ کامیاب ہے اور جس نے اس کے خلاف عمل کیا وہ ناکام و نامراد ہے۔

حقیقی سعادت و کامیابی:

انسان کے لئے حقیقی سعادت و کامیابی اس میں ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کو اپنا مقصد، آخرت کو اپنا مستقل ٹھکانا، دنیا کو عارضی منزل، بدن کو سواری اور اعضاء کو اپنا خادم تصور کرے۔

انسانی جسم کی مثال:

انسانی جسم کی مثال ایک سلطنت کی سی ہے جس کا وسط دل ہے اور دل میں پائی جانے والی قوتِ مُدرِکہ (اشیاء کی حقیقتوں کا ادراک کرنے والی قوت جسے ربّانی لطیفہ بھی کہتے ہیں) اس سلطنت کا بادشاہ ہے اور دماغ کے اگلے حصے میں پائی جانے والی قوتِ خیالیہ بادشاہ کی قاصد ہے کیونکہ حواس کے ذریعے حاصل ہونے والے تمام خیالات اسی کے پاس جمع ہوتے ہیں اور دماغ کے پچھلے حصے میں پائی جانے والی قوتِ حافظہ بادشاہ کی خزانچی ہے (جو خیالات کو محفوظ کر لیتی ہے) اور زبان اس کی ترجمان، اعضاء اس کی تحریر (یعنی بادشاہ کے حکم پر عمل کرنے والے) اور حواسِ خمسہ اس کے جاسوس ہیں جو مختلف خبریں دینے پر مُقرّر ہیں، آنکھ رنگوں کے متعلق، کان آوازوں

کے متعلق اور ناک ہر قسم کی بو کے متعلق خبر دینے پر مقرر ہے، ایسے ہی دیگر حواس کا معاملہ ہے۔ یہ تمام حواس یعنی جاسوس اپنی خبریں اور خیالات، قاصد یعنی اس قوت تک پہنچاتے ہیں جو خیالات ذہن میں لاتی ہے اور قاصد ان خیالات کو خزانچی یعنی قوتِ حافظہ کے سپرد کر دیتا ہے اور خزانچی انہیں بادشاہ کے دربار میں پیش کرتا ہے تاکہ بادشاہ کو سلطنت کے معاملات چلانے، آخرت کی طرف جاری اس سفر کی تکمیل اور اس راہ میں آنے والے دشمنوں اور ڈاکوؤں (یعنی خواہشات) کو دور کرنے کے لئے جن خبروں کی حاجت ہو انہیں چن لے۔

خوش بخت اور بد بخت:

اگر انسان مذکورہ طریقے پر عمل کرے تو وہ سعادت مند اور نعمت خداوندی کا شکر گزار کہلائے گا لیکن اگر وہ ان قوتوں کو استعمال میں ہی نہ لائے یا دشمنوں یعنی خواہشات اور غضب وغصہ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے یا حقیقی منزل اور مستقل ٹھکانے یعنی آخرت کے بجائے اس کے راستے اور عارضی منزل یعنی دنیا اور اس کی نعمتوں کے حصول کے لئے استعمال میں لائے تو ایسا شخص بد بخت، مردود، نعمت الٰہی کا ناشکرا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لشکروں کو ضائع کرنے والا، اس کے دشمنوں کا مددگار، عذاب الٰہی کا مستحق اور دنیا و آخرت میں رحمتِ الٰہی سے دور ٹھہرے گا۔ ہم ان سب سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں۔

حضرت سَیِّدُنا کَعْبُ الْاَحبار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار کے فرمان میں ہماری ذکر کردہ مثال کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: میں نے اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: "انسان کی آنکھیں راہ نما، کان محافظ، زبان ترجمان، ہاتھ لشکر کے دو بازو، پاؤں قاصد اور دل ان کا بادشاہ ہے۔ اگر بادشاہ اچھا ہو گا تو اس کا لشکر بھی اچھا ہو گا۔" تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا: "میں نے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اسی طرح فرماتے سنا ہے۔"[1]

مومن اور منافق کے دل کے متعلق چار اقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے دل کے متعلق ارشاد فرمایا:

[1] ...شعب الایمان، باب فی الایمان باللہ عزوجل، ۱/ ۱۳۲، حدیث: ۱۰۹، بتغیر، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ

بے شک دل زمین میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا برتن ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کو نرم، پختہ اور سخت دل زیادہ پسند ہیں۔ پھر اپنے قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: دل سخت ہونے سے مراد دین میں مضبوطی، پختہ ہونے سے مراد پختہ یقین اور نرم ہونے سے مراد مسلمانوں پر نرمی ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمان میں بھی اسی طرف اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ترجمۂ کنزالایمان: کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

(پ۲۶، الفتح: ۲۹)

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا اُبَی بن کعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمان: "مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ[1]" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس سے مراد مومن اور اس کے دل کا نور ہے اور "اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ[2]" سے مراد مُنافق کے دل کی مثال بیان کرنا مقصود ہے۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا زید بن اسلم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم اس فرمان باری تعالیٰ: "فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ[3]" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس سے مراد مومن کا دل ہے۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا سَہل تُستَرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: دل اور سینے کی مثال عرش اور کرسی کی سی ہے۔

یہ تمام مثالیں دل کی ہیں۔

چوتھی فصل: دل کے اوصاف اور ان کی مثالیں

جان لیجئے کہ انسان کی تخلیق چار چیزوں سے مُرَکَّب ہے اسی لئے اس میں چار طرح کے اوصاف پائے جاتے ہیں: (۱) درندوں والی صفات (۲) جانوروں والی صفات (۳) شیطانوں والی صفات (۴) فرشتوں والی صفات۔

جب انسان پر غصے کا غلبہ ہوتا ہے تو یہ درندوں والی حرکات اپنا لیتا ہے یعنی اس کا کینہ اور بغض بڑھ جاتا ہے، پھر یہ لوگوں سے لڑتا اور گالی گلوچ کرتا ہے اور جب اس پر خواہش کا غلبہ ہوتا ہے تو یہ اپنی خواہش کی

---

[1]... ترجمۂ کنزالایمان: اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔ (پ۱۸، النور: ۳۵)

[2]... ترجمۂ کنزالایمان: یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈے کے دریا میں۔ (پ۱۸، النور: ۴۰)

[3]... ترجمۂ کنزالایمان: لوح محفوظ میں۔ (پ۳۰، البروج: ۲۲)

تکمیل کے لئے جانوروں کی سی حرکتیں کرتا ہے۔ جب انسان خود کو امرِ ربی تصور کرتا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان ہے: قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ (1)" اس وقت اپنے لئے حاکمیت کا دعویٰ کرتا ہے اور ہر ایک پر برتری، خُصُوصِیَّت، تمام اُمور اور ریاست میں خود مختاری پسند کرتا ہے، بندگی اور عاجزی کو ناپسند کرتا ہے۔ نیز تمام عُلوم پر دسترس کا خواہش مند ہوتا ہے بلکہ تمام اشیاء کی حقیقتوں سے آگاہی اور علم و معرفت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی طرف علم کی نسبت کی جائے تو خوش ہوتا ہے اور اگر جہل اور لاعلمی کی نسبت کی جائے تو غمزدہ ہو جاتا ہے۔

تمام اشیاء کی حقیقتوں کو جاننا اور ہر ایک پر برتری ہونا رَبُوبِیَّت کے اوصاف ہیں لیکن انسان میں انہیں پانے کی حرص پیدا کی گئی ہے۔ انسان جانوروں سے ممتاز ہے لیکن غصہ اور خواہش کے اعتبار سے جانوروں کے مشابہ ہے اس لئے اس میں شیطانی اوصاف بھی رکھے گئے ہیں، جب ان اوصاف کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان بگڑ جاتا ہے اور اپنی عقل برائیوں کے حصول میں استعمال کرتا ہے، مکر و فریب اور مختلف حیلوں کے ذریعے برائیوں تک پہنچتا ہے اور بھلائی کے بجائے برائی ظاہر کرتا ہے۔ یہ تمام شیطانی صفات ہیں۔

انسان صِفاتِ اَرْبَعہ سے مُتَّصِف ہے:

ہر انسان میں یہ چار یعنی فرشتوں، شیطانوں، درندوں اور جانوروں والے اوصاف پائے جاتے ہیں، ان کا ٹھکانا دل ہے۔ گویا انسان کے اندر خنزیر، کتا، شیطان اور ایک مُدَبِّر ہے۔ خنزیر سے مراد خواہش ہے کیونکہ خنزیر اپنی شکل و صورت اور رنگ کی وجہ سے مذموم نہیں بلکہ حرص کی وجہ سے قابلِ مَذَمَّت ہے۔ کتے سے مراد غصہ ہے کیونکہ کتے کی شکل و صورت کی وجہ سے لوگ اس سے نہیں ڈرتے بلکہ اس کی اصل وجہ اس کے اندر پائی جانے والی درندگی ہے۔ انسان میں یہ درندگی، غصے کی صورت میں اور خنزیر کی حرص خواہش کی صورت میں چھپی ہوتی ہے۔ خنزیری خواہش کے سبب انسان فحاشی اور نافرمانی کی طرف جاتا ہے اور درندگی کے سبب ظلم اور ایذا رسانی پر مجبور ہوتا ہے۔ نیز شیطان ہمیشہ خنزیر کی خواہش اور درندے کے غصے کو اُبھارتا ہے اور ان کے سامنے خواہش اور غصہ کو خوب مزیّن کر کے پیش کرتا اور انہیں ایک دوسرے سے بڑھاتا ہے۔ جبکہ مُدَبِّر کی مثال عقل کی سی ہے جو اپنی بصیرت کاملہ اور نورانی روشنی کے ذریعے شیطان کے مکر

(1)... ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۸۵)

وفریب سے پردہ اٹھاتا اور اس سے بچاتا ہے۔ نیز خواہش کو غصے کے ذریعے دباتا ہے کہ غصہ خواہش کو کم کرتا ہے اور غصے کو خواہش کے ذریعے قابو کرتا ہے حتّٰی کہ غصہ مغلوب ہو جاتا ہے۔

اگر عقل ایسا کرتی رہے حتّٰی کہ کتے، خنزیر اور شیطان پر غلبہ پالے تو اعتدال کی قائل ہو جاتی ہے اور انسانی بدن جو ایک سلطنت کی مانند ہے اس میں عدل قائم ہو جاتا ہے اور ہر عضو سیدھے راستے پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر عقل ان پر غلبہ نہ پاسکے تو یہ تمام اس پر غالب آجاتے اور اسے اپنا غلام بنا لیتے ہیں پھر عقل ہمیشہ خواہش پوری کرنے اور غصے کو نافذ کرنے کے حیلے بہانے تلاش کرتی رہتی ہے اور ساری زندگی ان کی بندگی میں گزار دیتی ہے۔ اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ پیٹ اور شرم گاہ کی خوشامد میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

خنزیر اور کُتّے کی بندگی کرنے والے:

حیرت ہے اس شخص پر جو بت پرستی کو پتھروں کی پوجا کہے اور اس سے منع کرے لیکن اگر اس کی حقیقت سے پردہ اٹھایا جائے اور اہلِ کشف کی طرح خواب یا بیداری میں اس کی حقیقت حال اس پر واضح کی جائے تو وہ خود کو خنزیر (یعنی خواہش) کے سامنے جھکا ہوا پائے کبھی سجدے کی حالت میں، کبھی رکوع کرتا ہوا اور کبھی اس کے حکم کا منتظر کہ جب بھی خواہش پیدا ہو فوراً پوری کر دے۔ یونہی خود کو پاگل کتے (یعنی غصے) کے سامنے جھکا ہوا اس کی عبادت کرنے والا اور اس کی ہر خواہش پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنے والا پائے۔ ایسا انسان ہر وقت شیطان کو خوش کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے کیونکہ شیطان ہی خواہش اور غصے کو بھڑکاتا اور انہیں انسان کو اپنا غلام بنانے پر ابھارتا ہے۔ اس طرح انسان ان کے ذریعے شیطان کی غلامی کرتا رہتا ہے۔ انسان اگر اپنی حرکات وسکنات، سکوت وکلام اور اٹھنے بیٹھنے کی طرف توجہ کرے اور انصاف کی نگاہ سے دیکھے تو ضرور اس پر ظاہر ہو جائے کہ دن بھر یہ خنزیر، کتے اور شیطان ہی کی بندگی کرتا ہے۔ ظلم کی انتہا یہ ہے کہ اس نے مالک کو مملوک، حاکم کو محکوم، آقا کو غلام اور غالب کو مغلوب کیا ہوا ہے۔ عقل جو سرداری اور حاکمیت کی مستحق ہے اسے انسان نے ان تینوں کا غلام بنا رکھا ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ دل بھی اس غلامی کا شکار ہو جائے حتّٰی کہ دل پر مہر لگا دی جائے جو دل کے لئے ہلاکت وبربادی کا باعث ہو۔

مختلف حالتوں میں پیدا ہونے والی مختلف صفات:

خنزیر یعنی خواہش کی پیروی کرنے سے انسان میں بے حیائی، خَباثت، اِسراف، کنجوسی، ریاکاری، رُسوائی، پاگل پن، بے ہودگی، حرص ولالچ، خوشامد، حسد، کینہ اور شَماتت[1] جیسی بری صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ کتے یعنی غصے کو اپنے اوپر سوار کرنے سے دل میں نامناسب امور پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً چھچھوراپن، تکبر، گھمَنڈ، خود پسندی اور گالی گلوچ کرنا، لوگوں کا مذاق اڑانا، انہیں حقیر جاننا اور ظلم جیسی بری صفات جنم لیتی ہیں۔ الغرض خواہش وغصے کی پیروی کرنا درحقیقت شیطان کی غلامی کرنا ہے جس سے انسان میں مکر وفریب، حیلہ بازی، مکاری، دغابازی، بے باکی اور فحش گوئی جیسی بُری عادات پیدا ہو جاتی ہیں۔

اگر انسان اس کے برعکس ان تینوں کو احکامِ الٰہی کے ذریعے مغلوب اور ان کے تابع کر دے تو دل میں ربانی صفات یعنی علم وحکمت، یقین، اشیاء کی حقیقتوں کا علم، معاملات کی صحیح پہچان اپنا مستقل ٹھکانا بنا لیتی ہیں اور علم وبصیرت کے سبب اسے ہر ایک پر برتری حاصل ہو جاتی ہے، خواہش اور غصے کی بندگی سے چھٹکارہ حاصل ہو جاتا ہے۔ خواہشات کی پیروی سے بچنے اور انہیں اعتدال پر رکھنے کے سبب اس میں پاکدامنی، قناعت، نرمی، زُہد وتقوٰی، خوش مزاجی، حیا، ظرف اور دوسروں کی مدد اور ان جیسی دیگر اچھی صفات پیدا ہو جاتی ہیں، غصے پر قابو پانے اور اسے ضرورت تک محدود کرنے کے سبب اسے شجاعت ووقار، دلیری، ضبطِ نفس، صبر، بردباری، برداشت، درگزر، نیکیوں پر استقامت جیسی عظیم نعمتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

دل آئینہ کی مثل ہے:

دل آئینہ کی مثل ہے جسے اچھی بری صفات نے گھیر رکھا ہے اور مسلسل اس تک پہنچنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ اچھی صفات جن کا ابھی ذکر ہوا وہ اس آئینہ کو جلا بخشتی اور اس کے نور اور چمک کو بڑھاتی رہتی ہیں حتی کہ اس میں رب تعالیٰ کی تجلی جلوہ گر ہوتی ہے اور اس پر دین کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی دل کے متعلق رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَیْرًا جَعَلَ لَهٗ وَاعِظًا مِنْ قَلْبِهٖ یعنی

---

[1]... شَماتت سے مراد ہے کسی کو مصیبت میں دیکھ کر خوش ہونا۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۸/ ۴۱۲)

اللہ عَزَّوَجَلَّ جس بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کے دل میں اس کے لئے ایک واعظ مقرر فرما دیتا ہے۔"[1]

مزید ارشاد فرمایا: جس کے دل میں واعظ موجود ہو اس کی حفاظت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذمہ کرم پر ہے۔[2]

ایسے دل ہی ہر وقت بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ؕ۲۸ ترجمۂ کنزالایمان: سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

(پ۱۳، الرعد: ۲۸)

بہر حال بری صفات دل کے آئینہ کے لئے اس سیاہ دھوئیں کی مانند ہے جو مسلسل بڑھتا جا رہا ہے، روز بروز اس کی سیاہی اور تاریکی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، ایک وقت آتا ہے کہ اسے رب تعالیٰ کی بارگاہ سے بہت دور کر دیا جاتا ہے، یہ دل زنگ آلود ہو جاتا اور اس پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ اس دل کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

كَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۱۴ ترجمۂ کنزالایمان: کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے۔

(پ۳۰، المطففین: ۱۴)

مزید ارشاد فرماتا ہے:

اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۱۰۰ ترجمۂ کنزالایمان: کہ ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں پر آفت پہنچائیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر کرتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں سنتے۔

(پ۹، الاعراف: ۱۰۰)

اس آیت مبارکہ میں "نہ سننے" کا سبب "کثرت گناہ اور دل پر مہر کر دیا جانا" بیان کیا گیا ہے جیسا کہ دیگر آیات میں "سننے" کا ذکر "تقویٰ" کے ساتھ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اسْمَعُوْا ؕ (پ۷، المآئدۃ: ۱۰۸) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ سے ڈرو اور حکم سنو۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

---

1 ...الزھد للامام احمد بن حنبل، زھد محمد ابن سیرین، ص ۳۱۰، حدیث: ۱۷۶۸

2 ...قوت القلوب، الفصل الثلاثون ذکر تفصیل الخواطر لاھل القلوب...الخ، ۱/ ۲۰۳

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ (پ٣، البقرة: ٢٨٢) ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے۔

دل کی سیاہی سے مراد:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب گناہوں کے سبب دل پر مہر کر دی جائے تو دل حق جاننے اور دین پر چلنے سے اندھا ہو جاتا ہے، اُخروی معاملات سے صرف نظر کر کے دنیاوی معاملات کو اَہَمِّیَّت دیتا ہے اور اس کی تمام تر جستجو دنیا بہتر بنانے کے لئے ہوتی ہے، آخرت کی بات یا اس کے خطرات ذکر کئے جائیں تو ایک کان میں پڑتے ہی دوسرے کان سے نکل جاتے ہیں دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے توبہ کی توفیق ملتی ہے۔ ایسا شخص ان لوگوں کی طرح ہو جاتا ہے جو آخرت سے آس توڑ بیٹھے ہیں جیسے کافر آس توڑ بیٹھے قبر والوں سے۔ گناہوں کے سبب دل سیاہ ہو جانے کا یہی معنی ہے (کہ وہ حق جاننے اور دین پر چلنے سے اندھا ہو جاتا ہے) جیسا کہ قرآن وحدیث سے ظاہر ہے۔

دل پر مُہر کر دینے سے مراد:

حضرت سیِّدُنا میمون بن مہران عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان فرماتے ہیں: جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے اگر وہ اس گناہ سے باز آجائے اور توبہ کر لے تو وہ سیاہی صاف کر دی جاتی ہے لیکن اگر دوبارہ گناہ کرے تو سیاہی پہلے سے زیادہ کر دی جاتی ہے یوں آہستہ آہستہ سیاہی دل کو ڈھانپ لیتی ہے دل پر مہر کر دینے سے یہی مراد ہے۔

مومن و کافر کا دل:

حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ اَجْرَدُ فِیْہِ سِرَاجٌ یُّزْھِرُ وَقَلْبُ الْکَافِرِ اَسْوَدُ مَنْکُوْسٌ یعنی مومن کا دل صاف ہے اس میں چراغ روشن ہوتا ہے جبکہ کافر کا دل سیاہ اور اوندھا ہوتا ہے۔"(1)

خواہشات کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طاعت کرنا دل کو صاف کرتا ہے جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی

---

1 ...قوت القلوب، الفصل الثلاثون، ذکر تفصیل الخواطر لاھل القلوب... الخ، ١/ ٢٠٠
المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی سعید الخدری، ٤/ ٣٦، حدیث: ١١١٢٩ بتغیر

نافرمانی دل کو سیاہ کرتی ہے تو جو شخص گناہوں میں پڑا رہے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور جو گناہ سرزد ہونے کے بعد نیکی کرلے تو گناہ کا اثر زائل ہو جاتا ہے، اس کے دل پر سیاہی نہیں چھاتی البتہ اس کے نور میں ضرور کمی آجاتی ہے جیسے آئینہ کو پھونکے مار کے صاف کیا جائے تو اس پر کچھ نہ کچھ میل باقی رہ ہی جاتا ہے۔

دل کی اقسام:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: دل چار طرح کے ہوتے ہیں: "(۱)... صاف ستھرا دل جس میں چراغ روشن ہو، یہ مومن کا دل ہے (۲)... سیاہ اور اوندھا دل، یہ کافر کا دل ہے (۳)... بند غلاف میں موجود دل، یہ منافق کا دل ہے اور (۴)... وہ دل جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہوں، ایسے دل میں ایمان کی مثال اس سبزے کی سی ہے جس کی نشو و نما صاف پانی سے ہو اور نفاق کی مثال اس زخم کی طرح جو گندگی اور پیپ کے سبب بڑھتا چلا جائے تو ان دونوں میں سے جو مادہ بھی دل پر غالب آجائے اسی کا حکم جاری ہو گا۔"[1] ایک روایت میں ہے کہ دل کو وہی مادہ لے جائے گا۔[2]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾[3]

(آیات و روایات سے) واضح ہو گیا کہ دل کی نورانیت و بصیرت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر وہی کرتے ہیں جو اس سے ڈرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تقوٰی ذِکرِ الٰہی کی بنیاد ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے ہی انسان کو کشف کی نعمت حاصل ہوتی ہے اور کشف انسان کی بڑی کامیابی ہے اور یہی کامیابی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کا سبب بنتی ہے۔

پانچویں فصل: دل اور معلومات کے باہمی تعلق کی مثال

جان لیجئے کہ علم کا ٹھکانا دل یعنی تمام اعضاء کو چلانے والا ربّانی لطیفہ ہے اور تمام اعضاء اس کے خادم

---

[1]... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی سعید الخدری، ۴/ ۳۶، حدیث: ۱۱۱۲۹ بتغیر
قوت القلوب، الفصل الثلاثون، ذکر تفصیل الخواطر لاھل القلوب... الخ، ۱/ ۲۰۰

[2]... قوت القلوب، الفصل الثلاثون، ذکر تفصیل الخواطر لاھل القلوب... الخ، ۱/ ۲۰۰

[3]... ترجمۂ کنز الایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (پ۹، الاعراف: ۲۰۱)

و فرمانبردار ہیں، نیز معلومات سے دل کا تعلق ایسا ہے جیسے آئینہ کا تعلق اس کے سامنے موجود شے سے۔ جس طرح آئینہ کے سامنے موجود شے کی صورت آئینہ میں نقش ہو جاتی اور نظر آتی ہے اسی طرح تمام معلومات کی حقیقتیں ہیں اور ہر حقیقت کی ایک صورت ہے جو دل کے آئینہ میں نقش ہو جاتی ہے۔ جس طرح آئینہ، اس کے سامنے موجود شے اور اس میں نظر آنے والا عکس تین علیحدہ اُمور ہیں اسی طرح دل، اشیاء (یعنی معلومات) کی حقیقتیں اور ان حقیقتوں کا دل میں نقش اور محفوظ ہو جانا بھی تین علیحدہ اُمور ہیں۔ اسی لئے عالِم (یعنی علم والا) اس دل کو کہا جاتا ہے جس میں اشیاء کی حقیقتیں مُنَقَّش ہوں، اشیاء کی حقیقتوں کو معلومات اور ان حقیقتوں کے دل کے آئینہ میں منقش ہو جانے اور سما جانے کو علم کہا جاتا ہے۔

(بظاہر) کوئی چیز پکڑنے کے لئے تین اُمور درکار ہوتے ہیں: مثلاً (۱)... جس سے پکڑا جائے جیسے ہاتھ (۲)... وہ شے جسے پکڑا جائے جیسے تلوار (۳)... تلوار اور ہاتھ کا باہم ملنا یعنی تلوار ہاتھ میں آنا۔ جس طرح ان امور سے حاصل ہونے والی کیفیت کو "قبضہ" کہتے ہیں ایسے ہی معلومات کا دل میں مُنَقَّش ہو جانا "علم" کہلاتا ہے۔

بعض اوقات کسی شے کی حقیقت پائی جاتی ہے اور دل بھی موجود ہوتا ہے لیکن علم حاصل نہیں ہوتا کیونکہ علم "اشیاء کی حقیقت دل میں نقش ہو جانے" کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ بعض اوقات تلوار موجود ہوتی ہے اور ہاتھ بھی موجود ہوتے ہیں لیکن تلوار ہاتھ میں نہ ہونے کی وجہ سے اسے "قبضہ" نہیں کہا جاتا، کیونکہ قبضہ کی صورت میں تلوار بذات خود ہاتھ میں پائی جاتی ہے، البتہ! معلومات بعینہٖ دل میں نہیں پہنچتیں مثلاً کسی کو آگ کا علم ہو تو اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ آگ اس کے دل میں موجود ہے بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ اسے آگ کی تعریف اور اس کی حقیقی صورت کا علم ہو گیا۔

دل کی آئینہ سے مُشابَہَت:

دل کو آئینہ سے تشبیہ دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ انسان خود آئینہ میں داخل نہیں ہوتا بلکہ اس کی صورت آئینہ میں پائی جاتی ہے۔ یونہی معلومات کی حقیقتوں کی جو صورت دل میں حاصل ہوتی ہے اسے علم کہتے ہیں۔

آئینہ میں اشیاء کی صورتیں ظاہر نہ ہونے کی وجوہات:

پانچ وجوہات کی بنا پر آئینہ میں اشیاء کی صورتیں ظاہر نہیں ہوتیں: (۱)... خود آئینہ میں کمی ہو مثلاً: لوہے

کو بغیر پالش وغیرہ کے بطور آئینہ استعمال کیا جائے۔ (۲)...لوہا اگرچہ پالش وغیرہ کر لیا جائے لیکن وہ خود بے حد خراب ہو۔ (۳)...شے خود آئینہ کے پیچھے ہو۔ (۴)...آئینہ اور اس کے سامنے موجود شے کے درمیان پردہ حائل ہو۔ (۵) مطلوبہ شے کی سمت معلوم نہ ہو کہ اس کی طرف آئینہ کو پھیرا جائے۔

دل چونکہ آئینہ کی مثل ہے، اسے اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تمام امور اس پر حق تعالیٰ کی تجلی سے روشن ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آئینہ کی طرح دل بھی پانچ وجوہات کی بنا پر تمام امور میں حق تعالیٰ کی تجلی سے محروم رہتا ہے اور اس محرومی کے سبب اسے اشیاء کی حقیقتوں کا علم حاصل نہیں ہوتا۔

حق تعالیٰ کی تَجَلِّی سے دل کی محرومی کی پانچ وُجُوہات:

❁...**پہلی وجہ:** اس تجلی سے محرومی کا ایک سبَب خود دل میں کمی ہونا ہے۔ جیسے بچے کا دل، اسی کمی کی وجہ سے بچے پر اشیاء کی حقیقتیں واضح نہیں ہوتیں۔

❁...**دوسری وجہ:** گناہوں اور خواہشات کی کثرت کے سبب دل پر جو گندگی اور خباثت جمع ہو جاتی ہے اس کی وجہ سے بھی دل حق تعالیٰ کی تجلی سے محروم کر دیا جاتا ہے کہ گناہوں کی کثرت دل کی طہارت و نورانیت زائل کر دیتی ہے اور اس گندگی و تاریکی کے سبب دل پر حق ظاہر نہیں کیا جاتا۔ اس حدیثِ مبارکہ میں اسی جانب اشارہ ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ قَارَفَ ذَنْبًا فَارَقَهٗ عَقْلٌ لَا يَعُوْدُ اِلَيْهِ اَبَدًا یعنی جو شخص گناہ کرتا رہتا ہے اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے پھر کبھی واپس نہیں آتی۔“[1]

اس حدیثِ پاک سے مراد یہ ہے کہ گناہوں کا میل جس دل میں داخل ہو جائے اس دل سے اس کا اثر زائل نہیں ہوتا اگرچہ گناہ کے بعد نیکی کرنے سے اس گناہ کو مٹا دیا جاتا ہے کیونکہ جس دل نے گناہ نہ کیا ہو جب وہ نیکی کرتا ہے تو یقیناً اس کی نورانیت میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن جس دل نے گناہ کیا ہو اس کے نیکی کرنے پر اس کا گناہ مٹایا جاتا ہے اسے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا کہ اس کے نور میں اضافہ کیا جائے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے اور ایسا نقصان ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔ کیونکہ جو آئینہ گندا ہونے کے بعد صاف کیا جائے وہ کبھی اس آئینہ کی طرح نہیں ہوتا جو گندا بھی نہ ہوا ہو لیکن چمکانے کے لئے اسے صاف کیا جائے۔ معلوم ہوا

---

[1]...تذکرۃ الموضوعات، باب آفۃ الذنب والرضا بہ...الخ، ص۱۶۹

کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں جھکے رہنے اور خواہشات کی پیروی نہ کرنے سے ہی دل کی نورانیت اور پاکیزگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (پ۲۱، العنکبوت: ۶۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔

منقول ہے کہ "جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے وہ علم بھی عطا فرما دیتا ہے جو وہ نہیں جانتا۔"(1)

❁... تیسری وجہ: حق تعالیٰ کی تجلی سے محروم ہونے کی ایک وجہ دل کا مطلوبہ حقیقت کی سمت سے پھر جانا بھی ہے کہ بعض پرہیزگاروں اور فرمانبرداروں کا دل اگرچہ صاف ہوتا ہے لیکن وہ رب تعالیٰ کے انوار و تجلیات سے روشن نہیں ہوتا کیونکہ ان کا مطلوب اور ان کی تمام تر توجہ کا مرکز صرف ذات باری تعالیٰ نہیں ہوتی بلکہ کبھی وہ بدنی عبادات میں مصروف ہوتا ہے اور کبھی طَلَبِ معاش اسے مصروف رکھتی ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل کرنے اور اس کے پوشیدہ حقائق جاننے کی کوشش نہیں کرتا اسی لئے اس پر اعمال کی آفات، نفس کے پوشیدہ عُیُوب اور معاشی مسائل میں سے وہی ظاہر ہوتے ہیں جن کے بارے میں وہ غور و فکر کرتا ہے۔

جب عبادات کے ساتھ دنیاوی امور میں مشغول رہنے والے پر رب تعالیٰ کے انوار و تجلیات کا ظہور نہیں ہوتا تو جو شخص دنیاوی خواہشات و لذات کی پیروی میں ہی مصروف رہے اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، کیا وہ حق تعالیٰ کی تجلیات سے محروم نہیں ہوگا؟

❁... چوتھی وجہ: باری تعالیٰ کی تجلی سے محرومی کی ایک وجہ حجاب یعنی پردہ ہے کہ جو شخص خواہشات کو مغلوب رکھتا ہو، فرمانبردار ہو اور اشیاء کی حقیقتوں میں غور و فکر بھی کرتا ہو اس پر حق تعالیٰ کی تجلی منکشف نہ ہونے کی وجہ اور ان کے درمیان حائل ہونے والا پردہ اس کا برا عقیدہ ہوتا ہے جو بچپن میں اس نے اپنے بڑوں کی تقلید کرتے ہوئے اور اچھا گمان کرتے ہوئے اپنایا ہوتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ اس کے اور تجلی باری تعالیٰ کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اس کا دل اس عقیدے کے بَرخِلاف کوئی بات قبول نہیں کرتا۔ یہ پردہ بہت وحشت ناک ہے۔

بڑوں (یعنی جاہل آباء و اجداد) کی تقلید میں اپنائے ہوئے یہ غلط عقائد ذہنوں میں اس قدر مضبوط اور دلوں

---

(1)... حلیة الاولیاء، احمد بن ابی الحواری، ۱۰/ ۱۲، الحدیث: ۱۴۳۲۰

میں راسخ ہوتے ہیں کہ اکثر مُتَکَلِّمِین اور دین میں مضبوط سمجھے جانے والے بلکہ زمینی آسمانی سلطنتوں میں غور وفکر کرنے والے بہت سے عبادت گزار انہی کے سبب حق تعالیٰ کی تجلی سے محروم رہے اور یہ عقائد ان لوگوں اور اشیاء کی حقیقتوں کے درمیان حجاب بن گئے۔

۞...پانچویں وجہ: حق تعالیٰ کی تجلی سے محرومی کا ایک سبب مطلوبہ حقیقت تک پہنچنے کی سمت کا معلوم نہ ہونا ہے کیونکہ طالب علم کے لئے علم کا حصول اسی وقت فائدہ مند ہوتا ہے جب وہ مطلوب تک پہنچانے والے علوم کے بارے میں جانتا ہو۔ پھر اگر انہیں خوب اچھی طرح سے یاد کرلے اور علمائے دین کے معروف طریقے کے مطابق انہیں اپنے ذہن میں خاص ترتیب دے تو وہ مطلوبہ جہت تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے دل پر مطلوب کی حقیقت روشن ہوجاتی ہے۔ کیونکہ غیر فطری بلکہ کسی بھی علم کے حصول کے لئے پہلے سے ان دو باتوں کا پایا جانا ضروری ہے جنہیں مخصوص طریقے پر ملایا جائے تو ان کے ملاپ سے تیسرا اور مطلوبہ علم حاصل ہوتا ہے جیسے نر اور مادہ کے ملاپ سے بچے کی پیدائش ہوتی ہے پھر یہ کہ گھوڑے کا بچہ گدھے، اونٹ اور انسان سے نہیں بلکہ اس کے لئے اِسی جانور یعنی گھوڑے اور گھوڑی کا ملاپ ضروری ہے۔ جس طرح بچے کا حصول مخصوص طریقے سے ہی ممکن ہے اسی طرح ہر علم کے حصول کے لئے پہلے سے ان دو باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ نیز ان کے ملاپ اور ترتیب کا ایک مخصوص طریقہ ہے جس کے بعد ہی مطلوبہ علم حاصل ہوتا ہے، لہٰذا اس اصول اور مخصوص ترتیب وملاپ سے ناواقف ہونا حصول علم سے مانع ہے۔ اسے اُس مثال سے بھی سمجھا جاسکتا ہے جو ہم نے تیسری وجہ میں بیان کی ہے۔

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جو شخص آئینہ میں اپنی گدی دیکھنا چاہتا ہے وہ یا تو چہرے کے سامنے ہی آئینہ کو بلند کرے گا اس صورت میں آئینہ گدی کے سامنے ہی نہیں ہوگا کہ گدی اس میں نظر آئے اور اگر وہ آئینہ گدی کے سامنے رکھ کر بلند کرے تو نتیجتاً آئینہ اس کی نظروں سے پھر جائے گا اب نہ آئینہ اسے نظر آئے گا اور نہ گدی اس میں دیکھ سکے گا۔ یقیناً ایک اور آئینہ کی حاجت ہے جو گردن کے پیچھے اس طرح رکھا جائے کہ چہرے کے سامنے رکھے آئینہ کے ذریعے اس پیچھے والے آئینہ میں دیکھا جاسکے تاکہ اس پیچھے والے آئینہ میں نظر آنے والی گدی نظروں کے سامنے رکھے آئینہ میں دیکھی جاسکے۔ اشیاء کی معرفت کے سلسلے

میں بھی اسی طرح کی مشکل راہیں آتی ہیں جن میں ان مثالوں سے کہیں زیادہ حیران کُن مشکلات ہیں اور روئے زمین پر بہت کم لوگ ان مشکلات سے بچنے کا راستہ جانتے ہیں۔

یہ اسباب وہ ہیں جن کے سبب دل پر اشیاء کی حقیقتیں واضح نہیں ہوتیں ورنہ ہر دل فطری طور پر حقائق جاننے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ دل امر ربی ہے، اسی خصوصیت و فضیلت کے سبب یہ ہر ایک سے ممتاز ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ (پ۲۲، الاحزاب: ۷۲)

ترجمۂ کنزالایمان: بیشک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی۔

اس آیت مبارکہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان میں ایک خُصُوصِیَّت ہے جس کی وجہ سے انسان کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر فضیلت دی گئی ہے، اسی کے سبب انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پیش کردہ امانت اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے اور اس امانت سے مراد مَعرِفتِ الٰہی اور توحید باری تعالیٰ ہے۔ ہر انسان کا دل فطرتاً اس امانت کو اٹھانے کی طاقت و صلاحیت رکھتا ہے لیکن ذکر کردہ یہ چند وجوہات اسے اٹھانے اور اس کی حقیقت تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کر دیتی ہیں۔ چنانچہ مصطفٰے جان رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد پاک ہے: "كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاِنَّمَا اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ وَيُمَجِّسَانِهٖ یعنی ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔"[1]

ایک مقام پر ارشاد فرمایا: "لَوْلَا اَنَّ الشَّيَاطِيْنَ يَحُوْمُوْنَ عَلٰى قُلُوْبِ بَنِيْ اٰدَمَ لَنَظَرُوْا اِلٰى مَلَكُوْتِ السَّمَاءِ یعنی بنی آدم کے دلوں کے گرد اگر شیاطین جمع نہ ہوتے تو انسان کی نظر ضرور آسمانی سلطنت تک پہنچ جاتی۔"[2]

اس حدیث میں ان اسباب کی طرف اشارہ ہے جو دل اور آسمانی بادشاہی کے درمیان حجاب بنے ہوئے ہیں۔

---

[1]... بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات...الخ، ۱/ ۴۵۷، حدیث: ۱۳۵۸

[2]... اللباب فی علوم الکتاب، سورۃ الفاتحۃ، ۱/ ۱۱۱

اللہ عَزَّوَجَلَّ مکان سے پاک ہے:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی حدیث شریف میں بھی اسی جانب اشارہ ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ بارگاہ رسالت میں عرض کی گئی: "یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللہ عَزَّوَجَلَّ زمین میں ہے یا آسمان میں؟" ارشاد فرمایا: "(اللہ عَزَّوَجَلَّ) اپنے مومن بندوں کے دلوں میں ہے۔"[1]

حدیث پاک میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: "میری رحمت کا احاطہ زمین کر سکتی ہے نہ آسمان، البتہ مومن کا نرم و پرسکون دل اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے[2]۔"[3]

سب سے بہتر کون؟

ایک روایت میں ہے کہ بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی: یاسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ ارشاد فرمایا: "مَخْمُوْمُ الْقَلْب مومن۔" عرض کی گئی: "مَخْمُوْمُ الْقَلْب کون ہے؟" ارشاد فرمایا: پرہیزگار جس کا دل کھوٹ، سرکشی، دھوکا، کینہ اور حسد سے پاک وصاف ہو۔"[4]

اسی لئے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "میرے دل نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی زیارت کی ہے۔" کیونکہ پرہیزگاری کے سبب ان کے دل سے حجاب اٹھادیا گیا تھا اور بندے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان حائل پردہ جس کے دل سے اٹھا دیا جائے اس پر ظاہری باطنی تمام حقیقتیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اس وقت انسان نگاہِ بصیرت سے دیکھتا ہے کہ جنت کا ادنیٰ سا ٹکڑا تمام زمین و آسمان کے برابر ہے۔

یقیناً جنت زمین و آسمان سے بڑی ہے کیونکہ زمین و آسمان ظاہری دنیا سے تعلق رکھتے ہیں، وہ کتنے ہی پھیلے ہوئے ہوں لیکن ان کا کنارہ اور انتہا ضرور ہے جبکہ باطنی عالَم ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ راز ہے جس کا

---

1 ...قوت القلوب، الفصل الثلاثون، ذکر تفصیل الخواطر لاھل القلوب...الخ، ۱/ ۲۰۷

2 ... "وَسِعَنِیْ قَلْبُ عَبْدِیَ الْمُؤْمِن" کا معنیٰ یہ ہے "وَسِعَ قَلْبُہُ الْاِیْمَانَ بِیْ وَمَحَبَّتِیْ وَمَعْرِفَتِیْ" یعنی بندۂ مومن کا دل مجھ پر پختہ ایمان رکھتا اور میری محبت و معرفت کو سمانے کی وسعت رکھتا ہے۔ (اتحاف السادة المتقین، ۸/ ۴۳۰)

3 ...البحر المدید، پ۱۷، سورة الحج: ۲۶، ۳/ ۷۱۱

4 ...سنن ابن ماجه، کتاب الزھد، باب الورع والتقوی، ۴/ ۴۷۶، حدیث: ۴۲۱۶ بتغیر قلیل

ادراک نگاہِ بصیرت سے ہی ممکن ہے۔اس عالَم کی کوئی حد وانتہا نہیں،البتہ انسان کا دل ایک حد تک روشن ہوتا ہے جو اس کے لئے باطنی عالَم کی انتہا ہوتی ہے جبکہ درحقیقت باطنی عالَم کی کوئی حد نہیں۔

معرفت کے اعلیٰ مرتبوں پر فائز عارفین فرماتے ہیں ظاہر وباطنی میں جس طرف بھی نظر کی جائے اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی ذات ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ تمام موجودات کو محیط ہے کیونکہ درحقیقت وُجود صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات اور اس کے افعال کا ہے، سلطنت و مملکت اور بندے سب اس کے افعال کی تخلیق ہیں۔ اس گروہ کے نزدیک باطنی امور میں سے جو کچھ دل پر روشن ہوتا ہے وہی جنت ہے۔ جبکہ اَہْلِ حق (علما) نزدیک یہ تمام امور جنت کا حق دار ہونے کے اسباب ہیں۔انسان کا دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات اور افعال سے جس قدر روشن ہوگا، جس قدر اسے معرفت حاصل ہوگی جنت میں اتنی ہی مقدار کے برابر اس کا حصہ ہوگا۔

فرمانبرداری اور نیک اعمال کا مقصد دل کو ستھرا، پاکیزہ اور پُرنور کرنا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ﴿۹﴾ (پ۳۰،الشمس:۹)

ترجمۂ کنزالایمان: بیشک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا۔

نفس کے پاکیزہ اور ستھرا ہونے سے مراد اس کا نورِ ایمان اور مَعرِفتِ الٰہی سے روشن ہونا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات مبارکہ سے یہی نورانیت اور روشنی مراد ہے:

﴿1﴾...

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ (پ۸،الانعام:۱۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

﴿2﴾...

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ (پ۲۳،الزمر:۲۲)

ترجمۂ کنزالایمان: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

یہی روشنی اور تجلی ایمان ہے۔

ایمان کے مراتب اور ان کی مثالیں:

ایمان کے تین مرتبے ودرجے ہیں: پہلا درجہ: عوام کا ایمان ہے۔ یہ خالص تقلیدی ایمان ہے۔

دوسرا درجہ: علمائے متکلمین کا ایمان ہے۔ اس میں تقلید کے ساتھ ساتھ دلائل پر بھی نظر ہوتی ہے۔ یہ عوامی ایمان کے درجے سے کچھ قریب ہے۔ تیسرا درجہ: عارفین کا ایمان ہے۔ اس طبقے کو نورِ یقین و معرفت کی بدولت مشاہدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔

تصدیق حاصل کرنے کے طریقے اور ایمان کی مثالیں:

ایمان کے مذکورہ درجوں کی وضاحت ایک مثال کے ذریعے بیان کی جاتی ہے۔ فرض کیجئے آپ کو تصدیق کرنی ہے کہ واقعی زید گھر میں ہے تو اس بات کی تصدیق کے تین طریقے ہیں:

✿... **پہلا طریقہ:** یہ ہے کہ خبر دینے والے کی سچائی آپ کی نظر میں تجربے سے ثابت ہو، نہ تو کبھی اسے جھوٹ بولتے دیکھا گیا ہو اور نہ ہی جھوٹ کی نسبت اس کی طرف کی گئی ہو بلکہ دل اس کی طرف سے ایسا مطمئن ہو کہ اس کی خبر سنتے ہی یقین حاصل ہو جائے۔

یہی مثال ہے تقلیدی اور عوامی ایمان کی۔ کیونکہ بچہ جب کچھ سمجھدار ہوتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے وجود، اس کے علم، ارادہ، قدرت اور تمام صفات نیز انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی بعثت اور ان کے لائے ہوئے احکامات کے بارے میں جیسا اپنے ماں باپ سے سنتا ہے اس پر یقین کر لیتا ہے اور ثابت قدم رہتا ہے۔ ماں باپ اور اپنے دیگر بڑوں کے متعلق بچے کو ایسا حُسنِ ظن ہوتا ہے کہ ان کی بتائی ہوئی بات کے خلاف اس کے دل میں کوئی بات آتی ہی نہیں۔ یہ ایمان آخرت میں نجات کا باعث تو ہے لیکن ایسا ایمان رکھنے والا اصحابِ یمین کے کمزور لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے مُقَرَّبِیْن کے درجے پر فائز نہیں ہوتا[1] کیونکہ ایسے شخص پر نہ کشف ہوتا ہے، نہ اسے نگاہِ بصیرت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی نورِ یقین و معرفت کے سبب اس کا سینہ کشادہ ہوتا ہے۔ نیز سنی سنائی ان اعتقادی باتوں میں غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے ماں باپ سے جو اعتقادی باتیں سنتے ہیں انہی پر یقین رکھتے ہیں حالانکہ ان کا اعتقاد غلط ہے کیونکہ انہیں غلط عقائد ہی بتائے

---

[1] ... اصحاب یمین سے اس آیتِ مبارکہ "فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ؕ ترجمۂ کنزالایمان: تو دہنی طرف والے کیسے دہنی طرف والے۔" (پ۲۷، الواقعۃ: ۸) اور مُقَرَّبِیْن سے ان آیاتِ مُقَدَّسہ "وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۚۙ اُولٰٓىٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ ترجمۂ کنزالایمان: اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے وہی مقرب بارگاہ ہیں۔" (پ۲۷، الواقعۃ: ۱۰، ۱۱) کی طرف اشارہ ہے۔

جاتے ہیں جبکہ مسلمان درست اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ انہیں صحیح اور سچے عقائد ہی بتائے جاتے ہیں۔

❀...**دوسرا طریقہ:** تصدیق حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کو گھر سے زید کی آواز سنائی دے تو اس آواز کو دلیل بنا کر آپ زید کے گھر میں ہونے کا یقین کر لیں۔ یہ تصدیق پہلی والی یعنی کسی کی بات سن کر حاصل ہونے والی تصدیق سے زیادہ قوی ہے۔ مثلاً جب آپ سے کہا جائے کہ زید گھر میں ہے پھر آپ خود زید کی آواز سن لیں تو آپ کا یقین پختہ ہو جاتا ہے کیونکہ انسان نے جس سے ملاقات کی ہو، اس کی آواز سنی ہو تو اس کی آواز اس کی شکل و صورت پر دلالت کرتی ہے اور دل تصدیق کرتا ہے کہ یہ آواز اسی شخص کی ہے۔

یہ ایمان کے دوسرے درجے کی مثال ہے جس میں دلیل پر بھی غور و فکر ہوتی ہے۔ غلطی کا امکان اس صورت میں بھی رہتا ہے کیونکہ بعض لوگوں کی آوازیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں اور کسی کی نقل بھی اتاری جاسکتی ہے حالانکہ سننے والے کا ذہن اس طرف جاتا ہی نہیں کیونکہ وہ نہ اسے تہمت کا مقام سمجھتا ہے نہ اس مکاری اور دھوکا دہی سے واقف ہوتا ہے۔

❀...**تیسرا طریقہ:** تصدیق حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ خود گھر میں داخل ہو جائیں، زید کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اس کا مشاہدہ کریں۔ اسے حقیقی معرفت اور عینُ الیقین کہتے ہیں۔

یہ مُقَرَّبِین، صِدِّیْقِین اور عارِفِین کی معرفت کی مثال ہے کیونکہ انہیں مشاہدہ حق کے ذریعے ایمان حاصل ہوتا ہے۔ ان کا ایمان عوام اور علمائے متکلمین کے ایمان سے ممتاز ہے کیونکہ اس میں خطا کا کوئی امکان نہیں۔

البتہ ان کے علوم و کشف میں تفاوت کے سبب ان کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ کشف و معرفت میں تفاوت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص زید کو قریب سے، گھر کے صحن میں اور سورج کی روشنی میں دیکھتا ہے، اسے تو کامل ادراک حاصل ہو گا۔ دوسرا اسے دور سے، رات کے وقت دیکھتا ہے، اس کو زید کی صورت تو نظر آئے گی جس کے سبب اسے زید کی موجودگی کا یقین حاصل ہو جائے گا لیکن اس کی شکل میں موجود باریک اور پوشیدہ رازوں سے واقف نہیں ہو سکے گا۔ اُمورِ اِلٰہیہ کے مشاہدے میں بھی اسی طرح فرق ہوتا ہے۔

اسی طرح معرفت کی بلندیوں تک پہنچانے والے علوم میں تفاوت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص ایک ہی گھر زید، عمرو، بکر اور دیگر لوگوں کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے جبکہ دوسرا صرف زید کو دیکھتا ہے۔ یقیناً یہ معرفت

علوم کی زیادتی کے سبب حاصل ہوتی ہے۔

یہ حالت اس دل کی ہے جسے مَعْرِفَتِ الٰہی حاصل ہو۔

چھٹی فصل: عقلی، دینی، دنیوی اور اُخروی علوم اور دل

ما قبل میں ذکر کیا جاچکا کہ دل میں فطری طور پر اشیاء کے حقائق جاننے کی صلاحیت رکھی گئی ہے لیکن اسے حاصل ہونے والے علوم مختلف ہوتے ہیں۔ ابتداءً یہ دو طرح کے ہیں: (۱)...عقلیہ (۲)...دینیہ شرعیہ۔ پھر عقلی علم کی دو قسمیں ہیں: (۱)...بدیہی (۲)... نظری۔ نظری علوم میں سے بعض دنیوی ہوتے ہیں اور بعض اُخروی۔

عقلی علم اور اس کی اقسام:

عقلی علم سے مراد وہ علم ہے جو عقلی طور پر ذہن میں آئے، تقلید اور قرآن وحدیث کے ذریعے حاصل ہونے والا علم مراد نہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(1)... بدیہی: یہ علم کہاں سے اور کیسے حاصل ہوتا ہے اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ مثلاً ہر انسان کو یہ علم ہے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں دو جگہوں پر نہیں ہوسکتا اور ایک چیز ایک ہی وقت حادث وقدیم یا موجود ومعدوم نہیں ہوسکتی۔ اس طرح کا علم انسان کو بچپن میں خود ہی حاصل ہوجاتا ہے لیکن یہ کب اور کہاں سے حاصل ہوا اس کا ظاہری سبب کسی کی نظر میں نہیں ہوتا۔ البتہ ہر انسان یہ ضرور جانتا ہے کہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پیدا کیا اور اس قابل بنایا۔

(2)... نظری واکتسابی: یہ علم غور وفکر کرنے اور سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ان دونوں قسموں کو عقل بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم اپنے اشعار میں ارشاد فرماتے ہیں:

رَأَیْتُ الْعَقْلَ عَقْلَیْنِ فَمَطْبُوْعٌ وَّ مَسْمُوْعٌ

وَّ لَا یَنْفَعُ مَسْمُوْعٌ اِذَا لَمْ یَکُ مَطْبُوْعٌ

کَمَا لَا تَنْفَعُ الشَّمْسُ وَضَوْءُ الْعَیْنِ مَمْنُوْعٌ

ترجمہ: میں نے جانا کہ عقل کی دو قسمیں ہیں طبعی اور سماعی، اگر طبعی نہ ہو تو سماعی کوئی فائدہ نہیں دیتی جس طرح آنکھ کی بینائی نہ ہونے پر سورج کی روشنی فائدہ نہیں دیتا۔

عقل کی یہ دونوں قسمیں حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فرامین سے بھی معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ پہلی قسم کی جانب حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان مکرّم سے اشارہ ملتا ہے کہ "مَا خَلَقَ اللہُ خَلْقًا اَکْرَمَ عَلَیْہِ مِنَ الْعَقْلِ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے عقل سے زیادہ عزت و شرافت والی کوئی شے پیدا نہیں فرمائی۔"[1] اور دوسری قسم کی جانب اس فرمان عالیشان سے اشارہ ملتا ہے کہ جس میں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے ارشاد فرمایا: "اِذَا تَقَرَّبَ النَّاسُ اِلَی اللہِ بِاَنْوَاعِ الْبِرِّ فَتَقَرَّبْ اَنْتَ بِعَقْلِکَ یعنی لوگ نیکیاں کرکے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب پاتے ہیں تم اپنی عقل کے ذریعے اس کا قرب حاصل کرو۔"[2]

اگرچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب پانے کے لئے فطری عقل اور بدیہی علم کافی نہیں بلکہ (قرآن وحدیث کا) علم سیکھنا ضروری ہے لیکن یہ خاصہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم جیسی شخصیت کا ہی ہے کہ اپنی عقل استعمال کرکے ان علوم میں مہارت حاصل کرلیں جو قربِ الٰہی کے حصول میں مددگار ہیں۔

عقلی بصیرت اور ظاہری بصارت:

دل آنکھ کی مثل ہے، عقل اس آنکھ میں پائی جانے والی دیکھنے کی قوت ہے، یہ قوت ایک لطیفہ ہے جس کے دل کی آنکھ روشن نہیں وہ محروم رہتا ہے اور جس کے دل کی آنکھ روشن ہو وہ اگرچہ آنکھیں بند کرلے یا رات کی تاریکی چھا جائے وہ اس لطیفہ سے محروم نہیں ہوتا۔ عقل کے استعمال سے دل میں حاصل ہونے والے علم کی مثال ایسی ہے جیسے آنکھ کے ذریعے اشیاء کو دیکھنا، بچپن سے بلوغت یا عقل و سمجھداری کی عمر کو پہنچنے تک علوم حاصل نہ ہونا ایسا ہے جیسے رات ڈھلنے سے سورج کی کرنیں چمکنے تک اندھیرے کے سبب اشیاء صاف دکھائی نہ دینا اور وہ قلم جس کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ دلوں کے صفحات پر علوم نقش فرماتا ہے اس کی مثال

---

1 ...المفردات فی غریب القرآن، کتاب العین، ص ۳۴۲

2 ...فردوس الاخبار، ۲/ ۳۸۳، حدیث: ۸۳۲۷ بتغیر

سورج کی ٹکیہ کی سی ہے۔ سنِّ شُعُور کو پہنچنے سے پہلے تک بچے کا دل علوم سے اس لئے محروم رہتا ہے کیونکہ بچے کے دل کی تختی علوم حاصل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی اور قلم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی وہ مخلوق ہے جو انسانوں کے دلوں میں علوم نقش کرنے کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: "اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾ (1)" جس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صفات مخلوق کی صفات کی طرح نہیں اسی طرح یہ قلم بھی مخلوق کے قلم کی طرح لکڑی یا بانس کا بنا ہوا نہیں جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ جوہر و عرض(2) ہونے سے پاک ہے۔

باطنی بصیرت کو ظاہری نظر سے تشبیہ دینا اگرچہ چند وُجوہات کی بنا پر درست ہے لیکن شرافت وفضیلت کے اعتبار سے ان میں کوئی مناسبت نہیں کیونکہ باطنی بصیرت اشیاء کا ادراک کرنے والا ربانی لطیفہ ہے جو کہ سوار کی مثل ہے جبکہ ظاہری بدن گویا اس کی سواری ہے اور سوار کا نابینا ہونا سواری کے نابینا ہونے سے اس قدر زیادہ نقصان کا باعث ہے کہ ان کے نقصان میں باہم کوئی مناسبت ہی نہیں۔

بہرحال بصارت و بصیرت کے درمیان چند وُجوہات کی بنا پر مناسبت ہے کیونکہ قرآن پاک میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں دل کے ادراک کے لئے رُویت (یعنی دیکھنے) کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

﴿1﴾...

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ (پ۲۷، النجم: ۱۱) ترجمۂ کنزالایمان: دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

اس آیت مبارکہ میں دل کے ادراک کرنے کو رُویت (یعنی دیکھنا) فرمایا گیا۔

﴿2﴾...

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (پ۷، الانعام: ۷۵) ترجمۂ کنزالایمان: اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

---

(1)... ترجمۂ کنزالایمان: جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔ (پ۳۰، العلق: ۴، ۵)

(2)... اہلسنّت کے نزدیک: جوہر سے مراد وہ جز ہے جو تقسیم نہ ہو سکے اور عرض وہ ہے جو بذات خود قائم نہ رہ سکتا ہو بلکہ کسی محل کا محتاج ہو۔ (الحدیقۃ الندیۃ، ۱/ ۲۴۷)

اس آیت مبارکہ میں ظاہری آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں کیونکہ وہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھ ہی خاص نہیں کہ اسے احسان کے طور پر ذکر کیا جائے بلکہ باطن یعنی بصیرت کی نگاہ سے دیکھنا مراد ہے۔

بصارت و بصیرت کے درمیان مناسبت یوں بھی ثابت ہے کہ قرآن پاک میں بصیرت کی ضد لفظ "عَمٰی (یعنی اندھاپن)" سے بیان فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿1﴾...

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ (پ۱۷، الحج: ۴۶)

ترجمۂ کنزالایمان: تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

﴿2﴾...

وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۷۲﴾ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۷۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں اندھا ہے اور اور بھی زیادہ گمراہ۔

یہ تمام عقلی علوم کا بیان تھا۔

دینی علوم سے کیا مراد ہے؟

دینی علوم سے مراد یہ ہے کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے لائے ہوئے اَحکامات کا علم بطورِ تقلید حاصل کیا جائے۔ یہ علوم کتابُ اللہ اور احادیثِ رسول پڑھنے، سننے اور ان کے معانی سمجھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

انسان دینی اور عقلی دونوں علوم کا محتاج ہے:

دینی علوم کے سبب دل باکمال صفات کا مالک ہوتا اور تمام باطنی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے، عقلی علوم کی اگرچہ دل کو حاجت ہے لیکن یہ دل کی حفاظت کے لئے ناکافی ہیں جیسا کہ عقل بدن کو ہمیشہ تندرست رکھنے کے لئے ناکافی ہے اسی لئے عقل ہونے کے باوجود انسان دوائیوں اور جڑی بوٹیوں کی خُصُوصِیّات جاننے کا محتاج ہوتا ہے کہ طبیبوں کی صحبت اختیار کی جائے، ان سے کچھ سیکھا جائے کیونکہ محض عقل کے ذریعے ان کی خصوصیات نہیں جانی جاسکتیں لیکن طبیبوں کی صحبت کے بعد انہیں سمجھنا عقل کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

معلوم ہوا کہ انسان قرآن وحدیث کا علم سیکھنے اور عقل دونوں کا محتاج ہے۔ تو جو شخص عقل کو ایک طرف رکھ کر صرف قرآن وحدیث پڑھنے کی دعوت دے وہ جاہل ہے اور جو قرآن وحدیث کے انوار حاصل کئے بغیر محض عقل پر بھروسا کرے وہ دھوکے میں ہے۔

پس ان دونوں قسم کے لوگوں سے بچو اور عقل کو حاضر رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کا علم حاصل کرو کیونکہ علوم عقلیہ غذا کی مانند ہیں اور علوم دینیہ وشرعیہ دوا کی مانند جبکہ انسان مریض ہے اور مریض کو اگر دوا کے بغیر غذا دی جائے تو نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔

قلبی امراض کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ ان کا علاج بھی شریعت سے حاصل شدہ دوائیوں یعنی دل کی اصلاح کے لئے انبیائے کرام عَلَیۡہِمُ السَّلَام کے بیان کیے گئے عبادات واعمال کے وظائف سے ہی ممکن ہے۔ تو جو شخص قلبی امراض کا علاج شریعت کی بیان کردہ عبادات سے نہ کرے بلکہ علوم عقلیہ پر ہی اکتفا کرے وہ ضرور نقصان اٹھائے گا جیسا کہ دوا کے بغیر غذا استعمال کرنے والا مریض نقصان اٹھاتا ہے۔

دین سے دوری کی اصل وجہ علم دین سے محرومی ہے:

بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ عقلی اور دینی وشرعی علوم میں اس قدر تضاد ہے کہ ان کا ایک جگہ جمع ہونا ناممکن ہے، ایسا گمان کرنے کی وجہ نورِ بصیرت سے محرومی ہے، ہم اس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں، بلکہ بعض اوقات ایسا کہنے والا تو دینی علوم میں بھی تضاد گمان کرتا ہے، انہیں بھی ایک جگہ جمع نہیں کرپاتا اور گمان کرتا ہے کہ دین میں تضاد ہے۔ چنانچہ حیران وپریشان ہو کر دین سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال۔ اس گمراہی کی وجہ اس شخص کی اپنی کم علمی اور عجز ہے جسے وہ دینی تضاد گمان کرتا ہے۔ اس شخص کی مثال اس نابینا کی سی ہے جو کسی کے گھر جائے تو گھر میں رکھے برتنوں سے اس کے پاؤں کی ٹھوکر لگ جائے، اس پر وہ کہے: "برتن بیچ راستے میں کیوں رکھے ہیں، اپنی جگہ کیوں نہیں رکھے؟" تو گھر والے اس سے کہیں گے کہ "برتن تو اپنی جگہ رکھے ہیں، البتہ اپنے اندھے پن کی وجہ سے تم غلط راستے پر گئے، تعجب ہے تم پر کہ اپنی غلطی کی وجہ اپنے اندھے پن کے بجائے دوسروں کا قصور ٹھہراتے ہو۔"

مذکورہ کلام سے ظاہر ہو گیا کہ دینی اور عقلی (نظری وکسبی) علوم کے درمیان ایک خاص تعلق ہے۔

علوم عقلیہ نظریہ کی اقسام:

عقلی نظری علوم کی دو قسمیں ہیں:(۱)...دنیوی: مثلاً طِب، حساب، ہندسہ، نُجُوم اور دیگر دنیاوی علوم۔(۲)...اُخروی: مثلاً دل کے احوال، اعمال کی آفات اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات و صفات اور اس کے افعال کا علم۔ اسے ہم تفصیلاً "علم کے بیان" میں ذکر کر چکے ہیں۔

یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، کسی ایک کو حاصل کرنے والا، اس کی گہرائی میں ڈوب جانے والا شخص اکثر دوسرے علم میں مہارت حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے دنیا و آخرت کی تین مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ،

دنیا و آخرت کی تین مثالیں:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: "(۱)...دنیا و آخرت ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں (۲)...مشرق و مغرب کی مثل ہیں اور (۳)...دو سوکنوں کی طرح ہیں ایک راضی ہو تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ تم دیکھو گے جو دنیاوی علوم مثلاً عِلْمِ طِب، حساب، ہندسہ اور فلسفہ وغیرہ میں مہارت رکھتے ہیں اکثر وہ اُخروی علوم سے عاری ہوتے ہیں اور جو اُخروی علوم کی باریکیوں سے واقف ہوتے ہیں وہ اکثر و بیشتر دنیاوی علوم سے ناواقف ہوتے ہیں کیونکہ عام طور پر عقل ان دونوں کو ساتھ جمع کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ ایک علم دوسرے میں کمال حاصل کرنے سے مانع ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضور پُرنور، شافعِ یومُ النُّشُور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اِنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ الْبُلْہُ یعنی بے شک اکثر جنتی بھولے بھالے ہوں گے۔"[1]

حدیث مبارکہ سے مراد دنیاوی معاملات میں بھولا بھالا ہونا ہے۔

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی نے دورانِ وعظ فرمایا: "ہم ایسے لوگوں کو جانتے ہیں جنہیں تم دیکھ لو تو دیوانہ کہو اور اگر وہ تمہیں دیکھ لیں تو تمہیں شیطانی گروہ کہیں۔

---

[1] ...شعب الایمان، باب التوکل والتسلیم، ۲/ ۱۲۶، حدیث: ۱۳۶۷

دنیاوی علم والے کی بات سن کر دین سے دور نہ ہو:

خبردار! دنیاوی علوم میں مہارت رکھنے والے شخص کو اگر تم دین کی کسی غیر مشہور بات کا بھی انکار کرتے سنو تو اس کے دھوکے میں آکر دین کا انکار نہ کر بیٹھنا کیونکہ مشرق کی طرف چلنے والا شخص مغرب کی طرف پائی جانے والی شے حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ دنیا و آخرت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ انہی دنیاداروں کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

...﴿1﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا (پ۱۱، یونس: ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بیشک وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے۔

...﴿2﴾

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚۖ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (پ۲۱، الروم: ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں۔

...﴿3﴾

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَ لَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ؕ۝ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ (پ۲۷، النجم: ۲۹، ۳۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تو تم اس سے منہ پھیر لو جو ہماری یاد سے پھرا اور اس نے نہ چاہی مگر دنیا کی زندگی یہاں تک ان کے علم کی پہنچ ہے۔

دنیوی واُخروی دونوں علوم میں کامل بصیرت انبیائے کرام عَلَیْهِمُ السَّلَام کو ہے جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے (نبوت عطا فرما کر) بندوں کے دنیوی واُخروی معاملات کی درستی کے لئے چن لیا، فرشتوں کے ذریعے ان کی تائید فرمائی اور قوتِ الٰہیہ کے ذریعے ان کی مدد فرمائی جن کے اختیار میں تمام امور ہیں۔ بقیہ تمام لوگوں کے دل اگر دنیا میں مشغول ہو جائیں تو آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں اور اُخروی معاملات میں کمال حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں۔

باب نمبر3: **معرفت حاصل کرنے کا بیان** (اس میں آٹھ فصلیں ہیں)

پہلی فصل: **اہل کَشْف اور عُلَمائے ظاہر کا علم**

جان لیجئے کہ علم نظری حاصل ہونے کی مختلف صورتیں ہیں کبھی بغیر کسی غور و فکر کے یک دم دل میں ڈال دیا جاتا ہے اور کبھی غور و فکر کرنے اور سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

جو نظری علم غور و فکر کے ذریعے حاصل ہو اسے "قیاس" کہتے ہیں اور جو یک دم دل میں القا کر دیا جائے اس کی دو صورتیں ہیں: (۱)... جس بندے پر القا ہو وہ خود نہ جانتا ہو کہ اسے یہ علم کیسے اور کہاں سے حاصل ہوا تو اسے "اِلہام" کہتے ہیں اور (۲)... اگر بندہ القا کرنے والے فرشتے کو دیکھے اور اس پر القا کے اسباب ظاہر ہوں تو اسے "وحی" کہتے ہیں۔

وحی انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا خاصہ ہے، الہام اولیا و صوفیا رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کا خاصہ ہے اور غور و فکر کرنے اور سیکھنے سے حاصل ہونے والا علم یعنی قیاس علمائے ظاہر کے ساتھ خاص ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دل اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تمام امور اس پر حق تعالٰی کی تجلی سے روشن ہو جائیں۔ لیکن پانچ وُجوہات جو ہم پچھلے باب میں ذکر کر چکے وہ دل اور تجلی الٰہی کے درمیان اس پردے کی طرح حائل ہو جاتی ہیں جو دل اور لوح محفوظ کے درمیان رکاوٹ ہے اور لوح محفوظ پر قیامت تک ہونے والے وہ تمام اُمور نَقْش ہیں جن کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ فیصلہ فرما چکا۔ لوحِ محفوظ پر نَقْش حقیقتوں کا دل پر واضح ہونا ایسے ہے جیسے کسی شے کی صورت کا دو آئینوں میں ظاہر ہونا۔ جس طرح ان دو آئینوں کے درمیان حائل پردہ کبھی ہاتھ سے ہٹایا جاتا ہے اور کبھی ہوا اسے ہٹا دیتی ہے اسی طرح دلوں پر پڑے پردے بھی کبھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جود و کرم کے انوار سے دور ہو جاتے ہیں اور لوح محفوظ پر نقش بعض حقائق دل پر روشن ہو جاتے ہیں اور کبھی خواب میں یہ پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں اور انسان مستقبل میں ہونے والے واقعات جان لیتا ہے۔

دل پر پڑے تمام پردے موت کے بعد ہی اٹھائے جاتے ہیں اس وقت انسان پر تمام امور ظاہر ہو جاتے ہیں، بعض اوقات بیداری میں بھی تجلی الٰہی کے ذریعے یہ پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں اور انسان کا دل غیبی پردوں میں چھپے علم سے مُزَیَّن ہو جاتا ہے۔ اب دل کا علم سے مُزَیَّن ہونا یعنی کَشْف بعض اوقات لمحہ بھر کے

لئے چمکتی بجلی کی طرح ہوتا ہے اور کبھی وقفے وقفے سے ہوتا ہے اور کچھ دیر تک رہتا ہے، دائمی کشف بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

قیاس، اِلہام اور وحی میں فرق:

بہرحال الہام اور قیاس میں نفس علم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں دونوں کا سبب اور محل ایک ہے لیکن یہ فرق ضرور ہے کہ الہام کی صورت میں دل اور اشیاء کی حقیقتوں کے درمیان حائل پردہ ہٹا دیا جاتا ہے جبکہ قیاس میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ اس پردے کو ہٹانا بندے کے اختیار میں نہیں۔ یونہی الہام اور وحی میں یہ فرق ہے کہ وحی کی صورت میں القا کرنے والا فرشتہ ظاہر ہو جاتا ہے جس کے ذریعے علم دلوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ القا کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ (پ۲۵، الشوریٰ: ۵۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردۂ عظمت کے ادھر ہو یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے۔

اہلِ کَشف کا حُصولِ علم کا طریقہ:

ماقبل کلام سے جب آپ نے الہام اور قیاس کا فرق جان لیا تو یہ بھی جان لیجئے کہ اہل کشف وصوفیائے کرام بظاہر علم حاصل کرنے کے بجائے اِلہامی عُلُوم کے حُصُول کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نہ زیادہ درس وتدریس کرتے ہیں نہ تصانیف پڑھتے ہیں اور نہ ہی اقوال ودلائل کے متعلق بحث کرتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ اوّلاً مجاہدۂ نفس کے ذریعے بُری صفات کو مکمل طور پر ختم کرنا چاہئے پھر سچے ارادے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

جب انسان یہ طریقہ اپناتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا دل اپنے ذمۂ کرم پر لے لیتا ہے اور جب دل کے معاملات اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذمۂ کرم پر ہوں تو اس پر رحمتوں کی بارش ہوتی ہے، دل نور سے جگمگا اٹھتا ہے، سینہ (انوارِ الٰہی کے لئے) کھول دیا جاتا ہے، اس پر غیبی اَسرار ظاہر کر دیئے جاتے ہیں، رحمتِ الٰہی کے سبب دل

سے غفلت کا پردہ ہٹا دیا جاتا ہے، اشیاء کی حقیقتیں دل پر واضح ہو جاتی ہیں، لہٰذا انسان کو چاہئے کہ مجاہدۂ نفس کرتا رہے اور حضورِ قلب، سچے ارادے اور شدتِ پیاس سے ہمیشہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہے تاکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنی رحمت کا دروازہ اس پر کھول دے کیونکہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام عَلَیْہِمُ السَّلَام پر جو حقائق واضح ہوتے ہیں اور ان کے سینے نور سے روشن ہوتے ہیں اس کی وجہ درس و تدریس اور کتابت نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا اور اس کی رنگینیوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں، دل کو دنیاوی معاملات سے فارغ کر لیتے اور سچے ارادے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ پس جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ہو جاتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا ہو جاتا ہے۔

مجاہدۂ نفس کا طریقہ:

اہلِ کشف کے نزدیک مجاہدۂ نفس کا طریقہ یہ ہے کہ اوّلاً دنیا کی خواہشات سے چھٹکارا حاصل کیا جائے، دل کو ان سے پاک کیا جائے، اہل و عیال، مال، گھر، علم اور جاہ و منصب سے توجہ بالکل ہٹالی جائے اور دل کو ایسا کر لیا جائے کہ کسی چیز کے ہونے نہ ہونے سے اس پر کچھ اثر نہ ہو، اب گوشہ نشین ہو کر فرائض و نوافل پڑھتا رہے، دل کو ہر چیز سے فارغ کر لے حتّٰی کہ قرآنِ پاک کی تلاوت کرنے، تفسیر و حدیث میں غور و خوض کرنے سے اس کی فکر میں فرق نہ آئے اور کوشش کرے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا اس کے دل میں کسی کا خیال نہ آئے، گوشہ نشینی کے دوران حضورِ قلب کے ساتھ ''اللہ اللہ'' کا ورد اس کثرت سے کرے کہ زبان اگرچہ رک جائے لیکن یہ کلمہ جاری رہے، پھر زبان کے بجائے دل ہی دل میں اس کا ورد کرتا رہے حتی کہ یہ کیفیت ہو جائے کہ دل سے حروف و کلمہ کی شکل مٹ جائے اور اس کا معنی دل پر ایسا جم جائے کہ کبھی جدا نہ ہو۔

بندے کو اس مقام تک پہنچنے اور وساوس کو خود سے دور کر کے ہمیشہ اسی حالت پر قائم رہنے کا تو اختیار حاصل ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت حاصل کرنا بندے کے اختیار میں نہیں بلکہ ان اعمال کے ذریعے رحمتِ الٰہی کی امید بڑھ جاتی ہے اور بندہ اب رحمتِ الٰہی کے نزول کا منتظر رہتا ہے جیسا کہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام عَلَیْہِمُ السَّلَام پر ان اعمال کے سبب رحمت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اس وقت اگر بندے کا ارادہ سچا ہو، توجہ خالص ہو، استقامت کامل ہو، خواہشات سے مکمل چھٹکارا حاصل ہو کہ دل میں دنیا کا ذرا بھی خیال نہ ہو تو

اس کا دل انوارِ الٰہی سے روشن ہو جاتا ہے۔ ابتداءً تجلی الٰہی بجلی کی طرح پڑتی ہے پھر اگر لوٹ آئے تو وقفے وقفے سے اس کا سینہ روشن ہوتا رہتا ہے۔ بعض لوگوں پر یہ انوار مسلسل وارد ہوتے رہتے ہیں اور بعض کا دل صرف ایک مرتبہ روشن ہوتا ہے۔ اولیائے کرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ السَّلَام کے مراتب ان کی صفات کے اعتبار سے بے شمار ہیں، لہٰذا اس راہ پر چلنے والے کو چاہئے کہ اپنے دل کو پاک وصاف کرے اور رَحمتِ الٰہی کا منتظِر رہے۔

مجاہدۂ نفس علمائے ظاہر کی نظر میں:

علمائے ظاہر و مجتہدین صوفیائے کرام کے اس طریقے (یعنی مجاہدۂ نفس) اور اس کے فائدے کا انکار نہیں کرتے کیونکہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام عَلَيْهِمُ السَّلَام کی سیرتوں میں یہ طریقہ ملتا ہے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ اس راہ میں بہت سی مشقتیں برداشت کرنی ہوتی ہیں، اس کے ثمرات دیر سے ظاہر ہوتے ہیں۔ نیز اس کی شرائط[1] کا جمع ہونا بھی بے حد مشکل ہے۔ ان کے خیال میں دنیا سے اس قدر کٹ جانا انسان کے لئے متعذر ہے، اگر وقتی طور پر یہ کیفیت طاری ہو بھی جائے تو اس کا برقرار رہنا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ معمولی وسوسے اور خیالات دل میں ضرور رہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ اَشَدُّ تَقَلُّبًا مِنَ الْقِدْرِ فِيْ غَلَيَانِهَا یعنی مومن کا دل ابلتی ہوئی ہانڈی سے بھی زیادہ جوش مارتا ہے۔"[2] ایک حدیث پاک میں ہے: "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اُصْبُعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ یعنی مومن کا دل رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے[3]۔"[4]

ان تمام وجوہات کے باوجود اگر مجاہدۂ نفس مستقل مزاجی سے کیا بھی جائے تو بعض اوقات اس کے دوران ہی مزاج بگڑ جاتا ہے، کبھی عقل میں خرابی آجاتی ہے اور کبھی بدن کمزور ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اس راہ پر چلنے سے پہلے

---

[1]... مجاہدِ نفس کی شرائط کے حوالے سے مزید تفصیل آئندہ آنے والے "ریاضت نفس کے بیان" میں دوسرے باب کی چھٹی فصل کے تحت آرہی ہے۔

[2]... المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث المقداد بن الاسود، ۹/ ۲۱۷، حدیث: ۲۳۸۷۷، بتغیر

[3]... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَيْهِ رَحْمَةُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد1، صفحہ 99 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: یہ عبارت متشابہات میں سے ہے کیونکہ رب تعالیٰ انگلیوں ہاتھوں وغیرہ اعضاء سے پاک ہے، مقصد یہ ہے کہ تمام کے دل اللہ (عَزَّوَجَلَّ) کے قبضہ میں ہیں کہ نہایت آسانی سے پھیر دیتا ہے۔

[4]... مسلم، کتاب القدر، باب تعریف اللہ تعالی القلوب کیف یشاء، ص۱۴۲۷، حدیث: ۲۶۵۴

ظاہری اسباب کے ذریعے اشیاء کی حقیقتوں کو نہ جانے اور علم حاصل کر کے نفس کی اصلاح نہ کرے تو دل نہ صرف فاسد خیالات میں مبتلا ہو جاتا ہے بلکہ ان پر مطمئن بھی ہو جاتا ہے اور بعض اوقات انسان ان فاسد عقائد کو دل سے دور کئے بغیر ہی موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ کتنے مجاہدۂ نفس کرنے والے 20 سال تک ایک ہی بات سوچتے رہے جبکہ اگر وہ پہلے علم حاصل کرنے کے ظاہری اسباب اپناتے تو ان پر فوراً وہ بات واضح ہو جاتی۔ معلوم ہوا کہ ظاہری اسباب یعنی درس و تدریس کے ذریعے علم حاصل کرنا زیادہ بہتر اور مقصد کے زیادہ لائق ہے۔

علم کے بغیر مجاہدہ کرنے والے عام انسان کی مثال:

علمائے ظاہر کی نظر میں حصول علم کے ظاہری اسباب چھوڑ کر مجاہدے کرنے والے عام انسان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو علم فقہ کا حصول یہ گمان کرتے ہوئے چھوڑ دے کہ حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بھی اسے سیکھے بغیر وحی و الہام الٰہی کے ذریعے فقاہت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے تو میں بھی مستقل ریاضت کر کے جب اس کی انتہا کو پہنچوں گا تو فقیہ بن جاؤں گا۔ ایسا گمان کرنے والا اپنی جان پر ظلم اور اپنی زندگی برباد کرتا ہے بلکہ یہ تو اس شخص کی طرح ہے جو تجارت و کھیتی باڑی چھوڑ کر خزانہ پانے کی امید کرتا ہے، اس طرح سے اگرچہ خزانے کا حصول ممکن ہے لیکن عقلاً بہت بعید ہے۔ عام انسان کے مجاہدے کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

عُلَمائے ظاہر و مجتہدین فرماتے ہیں: انسان کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ظاہری اسباب کے ذریعے شرعی احکام کا علم حاصل کرے، اس کے بعد کَشف کے انتظار میں مجاہدات کرنے میں کوئی حرج نہیں، ہوسکتا ہے کہ جو کشف علمائے ظاہر کو حاصل نہیں ہوتا وہ اسے حاصل ہو جائے۔

دوسری فصل: ظاہری علم اور کَشْف کے درمیان فرق

جان لیجئے کہ دل کے معاملات کا ادراک محسوسات کے ذریعے ممکن نہیں کیونکہ ظاہری حس تو خود دل کا ادراک نہیں کر سکتی اور جن چیزوں کا ادراک ظاہری حواس کے ذریعے ممکن نہ ہو کمزور عقل والے انہیں حِسّی مثالوں کے ذریعے ہی سمجھ سکتے ہیں، لہٰذا ہم بھی ان دونوں کا فرق دو مثالوں کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ظاہری علم اور کشف کے درمیان فرق کی دو مثالیں:

ﷺ...پہلی مثال: فرض کیجئے کہ زمین میں کھدے گڑھے میں پانی جمع کرنا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ مختلف نہروں سے پانی اس تک پہنچا دیا جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اسے مزید کھودا جائے حتی کہ زمین کے نیچے سے تازہ پانی جاری ہو جائے۔ دوسری صورت میں نکلنے والا پانی تازہ، مقدار میں زیادہ اور دیر تک رہنے والا ہو گا۔

دل کی مثال اس گڑھے کی سی ہے، علم پانی کی طرح ہے جبکہ ظاہری حواس نہروں کی مثل ہیں۔ اب دل تک علوم کی رسائی ظاہری حواس کے ذریعے بھی ممکن ہے کہ جس قدر مشاہدہ وسیع ہو گا دل اسی قدر علوم سے بھرتا چلا جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ظاہری حواس کی صورت میں جاری ان نہروں کو گوشہ نشینی اور تنہائی کے ذریعے بند کر دیا جائے اور دل کی پاکیزگی کے ذریعے اس گڑھے کو خوب گہرا کیا جائے۔ نیز اس پر پڑے پردے ہٹا دیئے جائیں حتی کہ کشف کے ذریعے اس سے علم کی صورت میں پانی کے چشمے پھوٹ پڑیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر آپ کہیں کہ دل سے علم کا جاری ہونا کیسے ممکن ہے جبکہ دل تو اس سے خالی ہوتا ہے؟

تو جان لیجئے کہ یہ معاملہ دل کے عجائبات میں سے ہے، علم معاملہ میں اس کی مثال نہیں ملتی، بس اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اشیاء کی حقیقتیں لوحِ محفوظ بلکہ مُقَرَّب فرشتوں کے قلوب میں ہیں، جس طرح ماہر تعمیرات (Architect) ایک سادہ کاغذ پر عمارت کا نقشہ بناتا ہے پھر اس کے مطابق عمارت وجود میں آتی ہے اسی طرح آسمان وزمین بنانے والے نے تا قیامت ہونے والے واقعات اَوَّلاً لوحِ محفوظ پر نقش فرمائے پھر اس کے مطابق اشیاء وجود میں لاتا ہے اور دنیا میں موجود جو بھی شے انسانی نظر سے گزر جائے تو اس کی صورت بعینہٖ ذہن میں چھپ جاتی ہے، اب اگر انسان اپنی آنکھیں بند بھی کر لے تو گویا وہ منظر اس کے سامنے ہوتا ہے، بالفرض دنیا فنا ہو جائے اور انسان باقی رہے تو اس کی تصویر انسان کے ذہن میں اس طرح باقی رہے گی گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے، ذہن میں بسنے والی ان تصاویر کا اثر پھر دل پر ہوتا ہے اور یوں ذہن میں موجود اشیاء کی حقیقتیں دل پر نقش

ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اشیاء کے متعلق دل میں موجود حقائق ذہن میں پائی جانے والی تصاویر کے مطابق ہوتے ہیں اور ذہن میں موجود تصاویر حقیقت میں موجود اشیاء کے موافق ہوتی ہیں اور حقیقت میں پائی جانے والی ہر شے لوحِ محفوظ پر نقش عبارت کے موافق ہے۔ گویا اشیاء کے وجود کے چار درجات ہیں: (۱)..لوحِ محفوظ میں نقش وجود، یہ جسمانی وجود میں آنے سے پہلے کی صورت ہے (۲).. حقیقی وجسمانی وجود (۳)..بذریعہ صورت ذہن میں آنے والا وجود اور (۴)..بذریعہ صورت دل پر نقش ہونے والا وجود۔

ان میں سے بعض وجود روحانی ہیں اور بعض جسمانی، پھر روحانی وجود میں سے بھی بعض، بعض سے زیادہ روحانی ہیں۔ یہ حِکْمَتِ اِلٰہیہ ہے کہ اس نے انسانی آنکھ بہت چھوٹی بنائی لیکن اسے وُسْعَت بے پناہ عطا فرمائی کہ دنیا کی ہر شے اور زمین وآسمان اپنی وسعت کے باوجود اس میں سما جاتے ہیں، پھر آنکھ کے ذریعے اشیاء کا وجود ذہن میں بس جاتا ہے اور ذہن سے دل پر نقش ہو جاتا ہے۔

خبردار! انسان وسیلے کے بغیر ہرگز اشیاء کا ادراک نہیں کرسکتا، اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اشیاء کو بطور مثال دل میں منتقل نہ فرمائے تو انسان کسی شے کی حقیقت نہ جان سکے۔ پاکی ہے اس ذات کے لئے جس نے ان عجائبات کو دلوں اور آنکھوں کے لئے تیار فرمایا لیکن کچھ دلوں اور آنکھوں کو ان کے ادراک سے محروم کر دیا حتی کہ اکثر لوگوں کے دل اپنے نفس اور ان عجائبات سے غافل ہیں۔

اب ہم اپنے مقصود (یعنی ظاہری علم اور کشف کے درمیان فرق بیان کرنے) کی طرف لوٹتے ہیں: دل میں اشیاء کی حقیقت وصورت کبھی حواس کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی لوحِ محفوظ کے ذریعے جیسا کہ آنکھ میں سورج کی تصویر کبھی بعینہٖ سورج کی طرف دیکھنے سے واضح ہو جاتی ہے اور کبھی اس پانی کی طرف دیکھنے سے واضح ہوتی ہے جس میں سورج نظر آرہا ہو۔ کبھی دل اور لوحِ محفوظ کے درمیان حائل پردہ اٹھا دیا جاتا ہے اور دل پر اشیاء کی حقیقتیں (لوحِ محفوظ کے ذریعے ہی) واضح ہو جاتی ہیں، دل سے علوم کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور اب علم حاصل کرنے کے لئے اسے ظاہری حواس کی حاجت نہیں رہتی۔ یہ کیفیت زمین کے نیچے سے پانی کا چشمہ جاری ہو جانے کی طرح ہے۔ یونہی کبھی انسان ظاہری حواس کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے۔ اس وقت دل پر پڑے پردے کے سبب انسان لوحِ محفوظ پر لکھی باتیں نہیں پڑھ پاتا جیسا کہ نہروں سے پانی بھرنے کی صورت میں زمین کے نیچے سے

پانی نہیں نکلتا اور پانی کے ذریعے سورج دیکھنے والا شخص سورج کی طرف نظر نہیں کرتا۔

دل کے دو دروازے:

گویا دل کے دو دروازے ہیں: ایک غیبی دنیا یعنی لوحِ محفوظ اور عالَمِ ملائکہ کی طرف کھلتا ہے اور دوسرا ظاہری حواس کی طرف کھلتا ہے جن کے ذریعے ظاہری دنیا اور اشیاء کی حقیقتوں کو جانا جاتا ہے۔ ظاہری دنیا بعض اوقات غیبی دنیا سے آگاہی کا سبب بنتی ہے۔

بہر حال ظاہری حواس کی طرف والا دل کا دروازہ تو ہر ایک کے لئے کھلا ہے لیکن غیبی دنیا اور لوحِ محفوظ کی طرف والا باطنی دروازہ صرف اسی کے لئے کھلتا ہے جو خوابوں میں ظاہر ہونے والے رازوں کو جان لیتا ہو۔ یقیناً نیند میں دل ماضی اور مستقبل کی باتوں پر مطلع ہوتا ہے لیکن یہ اطلاع ظاہری حواس اور غور و فکر کے ذریعے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو گوشہ نشینی اپنا لے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا رہے۔ چنانچہ،

سبقت لے جانے والے:

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ یعنی مُفَرِّدُوْن سبقت لے گئے۔" عرض کی گئی: "یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مُفَرِّدُوْن کون لوگ ہیں؟" ارشاد فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کثرت سے کرنے والے، ذکرِ الٰہی نے ان کے بوجھ ان سے دور کر دیئے اور قیامت کے دن وہ (بارگاہِ الٰہی میں) ہلکے پھلکے حاضر ہوں گے۔"[1] پھر فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے اَوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: "میں ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، کیا تم جانتے ہو میں کس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، کوئی جانتا ہے کہ میں انہیں کیا عطا کرنے والا ہوں؟"[2] پھر ارشاد فرماتا ہے: "سب سے پہلے میں انہیں اِس نعمت سے نوازتا ہوں کہ اِن کے دلوں کو نور سے بھر دیتا ہوں، پھر وہ میرے متعلق وہی کچھ کہتے ہیں جو انہیں میری طرف سے پہنچتا ہے۔"

ان خبروں کا دخول باطنی دروازے سے ہوتا ہے۔

---

[1] ...نوادر الاصول، الاصل التاسع والستون والمائتان، الجزء الثانی، ص۱۵۷ بتغیرٍ قلیل

[2] ...قوت القلوب، الفصل الرابع عشر فی ذکر تقسیم قیام اللیل... الخ، ۱/ ۷۲

اس مثال اور بحث کے ذریعے انبیائے کرام واولیائے عظام عَلَيْهِمُ السَّلَام اور ظاہری علما و حکما کے علم میں فرق واضح ہو گیا کہ انبیائے کرام واولیائے عظام عَلَيْهِمُ السَّلَام کو دل کے باطنی دروازے سے علم حاصل ہوتا ہے جو کہ غیبی دنیا کی طرف کھلتا ہے جبکہ ظاہری علما اور حکما کو ظاہری حواس والے دروازے سے حاصل ہوتا ہے جو کہ ظاہری دنیا کی طرف کھلتا ہے۔ دلی عجائبات اور ان کا ظاہری اور غیبی دنیا سے دل کی طرف منتقل ہونے کو مکمل طور پر علم معاملہ میں مثالوں کے ذریعے بیان نہیں کیا جاسکتا، البتہ! مذکورہ مثال سے ظاہری علم کے مقابلے میں کَشْف کا مقام و مرتبہ ضرور معلوم ہو گیا۔

﴿...دوسری مثال: اس مثال کے ذریعے ظاہری علما اور صوفیا کی کوشش و عمل (اور انہیں حاصل ہونے والے ظاہری علم و کشف) کا فرق واضح کیا جائے گا۔ بے شک ظاہری علما اس کے لئے کوششیں کرتے ہیں کہ علم ان کے دل کو حاصل ہو سکے جبکہ صوفیا و اولیا کا عمل فقط دل کو روشن اور پاک وصاف کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ چنانچہ،

حکایت: چینی اور رومی لوگوں کی نقش نگاری

منقول ہے کہ کسی بادشاہ کے سامنے چین اور روم کے لوگوں نے اپنی نقش نگاری اور تصویر سازی کو بڑے فخریہ انداز میں بیان کیا، بادشاہ نے حکم دیا کہ مقابلے کے لئے انہیں ایک مکان دیا جائے جس کی دیوار کے ایک جانب چین والے اور دوسری جانب روم والے نقش نگاری کریں اور درمیان میں پردہ ڈال دیا جائے تاکہ ایک کو دوسرے کی اطلاع نہ ہو سکے۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور رومی عجیب و غریب قسم کے بے شمار رنگ لے آئے جبکہ چینی لوگ بغیر رنگ کے ہی گھر میں داخل ہو گئے اور دیوار خوب صاف کرنا شروع کر دی، جب رومی لوگ اپنے کام سے فارغ ہو گئے تو چینی لوگوں نے کہا ہم بھی فارغ ہو گئے ہیں۔ بادشاہ کو تعجب ہوا کہ یہ کسی رنگ کے بغیر نقش نگاری سے کیسے فارغ ہو گئے! جب اس بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: آپ کو اعتراض کا حق نہیں آپ پردہ اٹھائیے۔ پردہ اٹھانے کے بعد جب دیکھا گیا تو چینی لوگوں کی جانب والا دیوار کا حصہ رومیوں کے نقش و نگار سے خوب روشن اور چمک رہا تھا کیونکہ صفائی کی کثرت کے سبب دیوار صاف ستھرے آئینہ کی طرح ہو گئی تھی اور اس جانب کا حُسْن مزید بڑھ گیا تھا۔

اولیائے کرام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام چینی لوگوں کی طرح اپنے دلوں کو خوب پاک وصاف کرتے ہیں حتّٰی کہ

رب تعالیٰ کی تجلی انہیں خوب روشن کر دیتی ہے اور ظاہری علما رومیوں کی طرح ظاہری حواس کے ذریعے دلوں پر علوم نقش کرتے ہیں۔

مومن ہی سعادت مند ہے:

بہر حال مومن جیسا بھی ہو اس کا دل نہیں مرتا، ایمان کی صورت میں حاصل ہونے والی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت موت کے سبب اس کے دل سے کم نہیں ہوتی۔ حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی اپنے اس قول میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں: "جس دل میں ایمان ہو اسے مٹی نہیں کھاتی۔" بلکہ ایمان ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب پانے کا وسیلہ ہے۔ حصول علم (یعنی معرفت الٰہی) کے لئے دل کی صفائی ستھرائی وہی کرتا ہے جسے نَفْسِ علم (یعنی حقیقت ایمان) حاصل ہو اور سعادت مند وہی شخص ہوتا ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر یقین و ایمان رکھتا ہو مگر بعض لوگ بعض سے زیادہ سعادت مند ہوتے ہیں۔ جس طرح غنی وہی کہلاتا ہے جس کے پاس مال ہو تو ایک درہم کا مالک بھی مال دار کہلائے گا اور جس کے خزانے بھرے پڑے ہوں وہ بھی مال دار کہلائے گا لیکن مال کی قلت و کثرت کے سبب مال داروں کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔ پس معرفت و ایمان میں تفاوت کے سبب سعادت مندوں کے درجات بھی مختلف ہیں۔

مؤمنین حَسْبِ ایمان پل صراط سے گزریں گے:

مَعْرِفَتِ الٰہی نور ہے اسی کے ذریعے مومن کل قیامت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کے لئے دوڑے گا۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ (پ۲۷، الحدید: ۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دہنے دوڑتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ "بعض مسلمانوں کو پہاڑ کے برابر نور عطا کیا جائے گا اور بعض کو اس سے کم حتی کہ سب سے کم جسے عطا کیا جائے گا اس کے پاؤں کے انگوٹھے پر ہو گا، وہ نور وقفے وقفے سے روشن ہو گا، جب روشن ہو گا اس کی مدد سے وہ مسلمان اپنا قدم آگے بڑھائے گا۔ پل صراط سے مسلمان اپنے نور کے اعتبار سے گزریں گے، بعض پلک جھپکتے ہی، بعض بجلی کی مانند، بعض بادلوں کی طرح، کوئی ٹوٹتے ہوئے ستارے کی

طرح تو کوئی تپتے میدان میں دوڑتے گھوڑے کی طرح گزرے گا اور جسے پاؤں کے انگوٹھے پر نور عطا کیا گیا ہو گا وہ اپنا چہرہ اور ہاتھ پاؤں گھسیٹتا ہوا اس طرح پل صراط سے گزرے گا کہ ایک ہاتھ گھسیٹے گا تو دوسرا لٹک جائے گا اور اس کے گرد آگ بھڑک رہی ہو گی۔"[1]

عاشقِ اکبر کا ایمان:

اس حدیث پاک سے لوگوں کے ایمان کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ (نیز حدیث پاک میں اس طرح کا مفہوم بھی ملتا ہے کہ) اگر ابو بکر صدیق کے ایمان کا وزن انبیا و مرسلین عَلَیْہِمُ السَّلَام کے علاوہ تمام لوگوں کے ایمان سے کیا جائے تو ابو بکر کے ایمان کا پلڑا بھاری ہو۔

عاشقِ اکبر کے ایمان کی مثال:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه کے ایمان کی مثال قائل کے اس قول کی طرح ہے: "اگر سورج کی روشنی سے چراغوں کی روشنی کا وزن کیا جائے تو سورج کی روشنی زیادہ ہو گی۔" لہٰذا عام لوگوں میں کچھ کا نورِ ایمان چراغوں کی مثل ہے، کچھ کا شمع کی مثل، صدیقین کا چاند ستاروں کی مثل ہے اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا نورِ ایمان سورج کی طرح روشن ہے۔

جس طرح سورج کی روشنی میں دنیا کی وسعت کے باوجود اس کی ہر شے روشن ہوتی ہے اور چراغ کی روشنی میں صرف گھر کا ایک حصہ روشن ہوتا ہے اسی طرح مَعْرِفَتِ الٰہی و ایمان کے سبب سینے روشن ہونے اور عارفین کے دلوں پر غیبی اَسرار منکشف ہونے کے بھی مختلف درجے ہیں۔ چنانچہ،

حدیثِ پاک میں ہے کہ "بروزِ قیامت ندا کی جائے گی کہ جس کے دل میں مثقال برابر، نصف مثقال، چوتھائی مثقال یا جَو یا ذرّے برابر بھی ایمان ہو اسے جہنم سے نکال دیا جائے۔"[2]

اس حدیث پاک سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے مختلف درجات ہیں وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کی اتنی مقدار دُخُولِ جَہَنَّم سے مانع نہیں اور اسی حدیث پاک میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ

---

[1] ...المعجم الکبیر، ۹/ ۳۵۷، حدیث: ۹۷۶۳ملتقطا

[2] ...قوت القلوب، الفصل الثلاثون، ذکر تفصیل الخواطر...الخ، ۱/ ۲۰۵

جس شخص کا ایمان مثقال سے زیادہ ہو گا وہ جہنم میں داخلے سے محفوظ رہے گا کیونکہ اگر وہ بھی داخل ہوتا تو حدیث میں ابتداءً اس کا ذکر کیا جاتا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کے دل میں ذرّہ برابر ایمان ہو وہ اگر جہنم میں داخل ہو بھی جائے تو ہمیشہ اس میں نہیں رہے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "لَیْسَ شَیْءٌ خَیْرًا مِّنْ اَلْفٍ مِّثْلِہٖ اِلَّا الْاِنْسَانُ الْمُؤْمِنُ یعنی مومن کے علاوہ کوئی شے ایسی نہیں جو اپنی مثل ہزار اشیاء سے بہتر ہو۔"(1)

اس حدیث شریف میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھنے والے اور کامل یقین رکھنے والے شخص کے دل کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس کا دل عوام کے ہزار دلوں سے افضل ہے۔

نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ ترجمۂ کنزالایمان: تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔

(پ۴، اٰل عمران: ۱۳۹)

اس آیتِ مبارکہ میں مومنین کی مسلمانوں پر فضیلت بیان کی گئی ہے اور یہاں مومن سے عارِف (اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھنے والا شخص) مراد ہے مُقلِّد (یعنی غیر عارف) مراد نہیں (کہ اس کے دل میں معرفتِ الٰہی پختہ نہیں ہوتی)۔

700 درجے بلندی:

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ (پ۲۸، المجادلۃ: ۱۱) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔

یہاں ایمان والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے (تقلید کرتے ہوئے) بغیر علم کے تصدیق کی اور انہیں علم والوں سے علیحدہ ذکر کرنے میں اس بات پر دلالت ہے کہ لفظ "مومن" مقلد پر بھی بولا جاتا ہے اگرچہ اس کی تصدیق بصیرت اور کشف کی بنیاد پر نہیں ہوتی۔

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے "وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ" کی تفسیر میں فرمایا:

---

(1) ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمر، ۲/ ۴۳۱، حدیث: ۵۸۸۸ بتغیر

اللہ عَزَّوَجَلَّ عالم کو مومن کے مقابلے میں 700 درجے بلندی عطا فرمائے گا اور ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہو گا۔

اکثر اہلِ جنت بھولے بھالے لوگ ہوں گے:

حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اَكْثَرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْبُلْهُ وَعِلِّيُّوْنَ لِذَوِي الْاَلْبَابِ یعنی اکثر اہلِ جنت بھولے بھالے ہوں گے اور علیون (جنت کا اعلیٰ مقام) عقل والوں کے لئے ہے۔“[1]

عالم کا مقام و مرتبہ:

حضور نبیِّ اکرم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنٰى رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِيْ یعنی عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت میرے ادنیٰ صحابی پر۔“[2] ایک روایت میں ہے: ”كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ یعنی جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر۔“[3]

ان دلائل سے تمہارے سامنے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ اہلِ جنت کے درجات کا یہ فرق ان کے قلوب و معارف کے تفاوت کی وجہ سے ہے اور اسی وجہ سے قیامت کے دن کو خسارے کا دن کہتے ہیں۔

رحمت الٰہی سے محرومی بہت بڑا خسارہ ہے:

یقیناً رحمتِ الٰہی سے محرومی بہت بڑا خسارہ ہے اور کل قیامت میں جس کا درجہ کم ہو گا وہ اپنے درجے سے اوپر کئی درجات دیکھے گا تو اس کا ان کی طرف دیکھنا ایسے ہی ہو گا جیسے 10 درہم کے مالک کا اس شخص کو دیکھنا جو مشرق سے مغرب تک زمین کا مالک ہے حالانکہ مالدار دونوں ہیں مگر دونوں کے درمیان فرق بہت زیادہ ہے۔ تو جس کا حصہ کم ہو گا وہ شخص کس قدر خسارے میں ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۲۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک آخرت درجوں میں سب سے بڑی اور فضل میں سب سے اعلیٰ۔

---

1 ...البحر المدید، پ۳۰، سورۃ المطففین، ۸/ ۴۰۲ ...قوت القلوب، الفصل الثامن والعشرون، کتاب مراقبۃ المقربین ... الخ، ۱/ ۱۸۸

2 ...سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة، ۴/ ۳۱۴، حدیث: ۲۶۹۴ بتغیر قلیل

3 ...سنن ابی داود، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، ۳/ ۴۴۴، حدیث: ۳۶۴۱

تیسری فصل: بغیر سیکھے معرفت حاصل کرنے میں صوفیا کا طریقہ درست ہونے پر شرعی دلائل

جس کے سامنے بطریق الہام کوئی چیز منکشف ہو اگرچہ تھوڑی ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ یہ دل میں کیسے آئی اور اس کا سبب کیا ہے تو راستہ دُرُست ہونے کے سبَب وہ عارِف ہی کہلائے گا اور جو اپنے اندر اس کیفیت کو نہ پاسکے اسے بھی دل سے اس کی تصدیق کرنی چاہئے کیونکہ انسان میں معرفت کا درجہ کمیاب ہے اور اس پر شرعی دلائل، تجربات اور حکایات بھی گواہ ہیں۔

شرعی دلائل:

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۗ (پ۲۱، العنکبوت: ۶۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے۔

تو بغیر علم سیکھے عبادت پر ہمیشگی کے سبب دل سے جو بھی حکمت کی بات ظاہر ہوتی ہے وہ بطریق کشف والہام ہوتی ہے۔ چنانچہ،

علم پر عمل کرنے کی فضیلت:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے ان چیزوں کا علم بھی عطا فرمادیتا ہے جنہیں وہ نہیں جانتا۔"(1)

علم پر عمل نہ کرنے کا نقصان:

ایک روایت میں ہے: "اور اسے عمل کی توفیق عطا فرماتا ہے حتی کہ وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا وہ تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسے عمل کی توفیق نہیں دی جاتی حتّٰی کہ وہ جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے۔"

---

(1)...حلیة الاولیاء، احمد بن ابی الحواری، ۱۰/ ۱۲، حدیث: ۱۴۳۲۰

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ (پ۲۸، الطلاق:۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔

یعنی وہ خیالات کی الجھنوں اور شکوک وشبہات سے نکل جائے گا۔

وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ (پ۲۸، الطلاق:۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔

یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بغیر سیکھے علم اور بغیر تجربے کے سمجھداری عطا فرماتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (پ۹، الانفال:۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو اگر اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کرلو۔

اس آیتِ مقدسہ کی تفسیر میں ایک قول ہے کہ وہ تمہیں نور عطا فرمائے گا جس کے سبب حق وباطل میں امتیاز کیا جاسکتا ہے اور شکوک وشبہات کے اندھیروں سے نکلا جاسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دعا میں نور کے سوال کی کثرت فرماتے۔ چنانچہ،

نور کی دعا:

مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اکثر یہ دعا فرماتے: "اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا وَزِدْنِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِيْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ قَبْرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے نور عطا فرما اور اس میں اضافہ فرما، میرے دل میں، میری قبر میں، میرے کانوں میں، میری آنکھوں میں نور پیدا فرما۔" حتّٰی کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے بال، جلد، گوشت، خون اور ہڈیوں کے لئے بھی نور کی دعا فرمائی۔[1]

---

[1] ...بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء اذا انتبہ باللیل، ۴/ ۱۹۳، حدیث: ۶۳۱۶ بتغیر
تاریخ مدینہ دمشق، الرقم: ۲۰۵۲، داود بن علی بن عبد اللہ، ۱۷/ ۱۶۲، دون ذکر "قلبی"

شرحِ صدر سے مراد؟

مروی ہے کہ بارگاہِ رسالت میں سوال ہوا کہ اس آیت مبارکہ:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ (پ۲۳، الزمر: ۲۲) ترجمۂ کنزالایمان: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

میں "شرحِ صدر" سے کیا مراد ہے؟ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "یہ وُسعت وکشادگی ہے کہ جب دل میں نور ڈالا جاتا ہے تو وہ کشادہ ہو جاتا اور کھل جاتا ہے۔"(1) (2)

حُضُور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے لئے یوں دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِیْل یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اسے دین کی سمجھ اور تفسیر کا علم عطا فرما۔(3)

امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے فرمایا: "ہمارے پاس کوئی ایسی بات نہیں جسے حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہمیں راز کے طور پر بتائی ہو مگر یہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی بندے کو اپنی کتاب کا فہم (سمجھ) عطا فرما دیتا ہے۔"(4)

یہ فہم سیکھنے سے نہیں آتا جیسا کہ اس آیتِ طیبہ،

یُّؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ۚ (پ۳، البقرة: ۲۶۹) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے۔

کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس میں حکمت سے مراد قرآن کا فہم ہے۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(1)...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۵۲، حدیث: ۱۰۵۵۲

(2)...رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسولَ اللہ (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم!) سینہ کا کھلنا کس طرح ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب نور قلب میں داخل ہوتا ہے تو وہ کھلتا ہے اور اس میں وُسعت ہوتی ہے صحابہ نے عرض کیا اس کی کیا علامت ہے؟ فرمایا دارُ الْخُلُوْد (ہمیشگی کے گھر یعنی آخرت) کی طرف متوجّہ ہونا اور دارُ الْغُرُور (یعنی دنیا) سے دور رہنا اور موت کے لئے اس کے آنے سے قبل آمادہ (تیار) ہونا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورۂ زمر، تحت الآیہ: ۲۲)

(3)...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عباس، ۱/ ۷۰۳، حدیث: ۳۰۳۳

(4)...سنن النسائی، کتاب القسامة والقود، سقوط القود من المسلم للکافر، ص ۷۶۴، حدیث: ۴۷۵۳ بتغیر قلیل

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ (پ۱۷، الانبیآء:۷۹) ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا۔

تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام پر جو کَشْف ہوا اسے فہم سے تعبیر کیا گیا۔[1]

مومن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نُور سے دیکھتا ہے:

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: مومن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نور کی مدد سے باریک پردے کے پیچھے (غیب کو) دیکھ لیتا ہے۔ بخدا! جو بات اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے دلوں میں ڈالتا اور زبانوں پر جاری فرماتا ہے وہ ضرور حق ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: مومن کا گمان کہانت ہے (یعنی مومن کا گمان دُرُست واقع ہونے میں گویا جادو ہے)۔

حضور نبیِّ اکرم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی یعنی مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نُور سے دیکھتا ہے۔''[2]

قرآن پاک کی درج ذیل دو آیتوں میں اسی جانب اشارہ ہے:

---

1 ...معاملہ کی تفصیل: اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ (پ۱۷، الانبیآء:۷۸) ترجمۂ کنزالایمان: ''اور داؤد اور سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا ایک جھگڑا چکاتے (فیصلہ کرتے) تھے جب رات کو اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں چھوٹیں۔'' اس معاملہ کی تفصیل خزائن العرفان میں یوں بیان کی گئی ہے: یہ مقدمہ حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام کے سامنے پیش ہوا آپ نے تجویز کی کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں، بکریوں کی قیمت کھیتی کے نقصان کے برابر تھی۔ حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کے سامنے جب یہ معاملہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ فریقین کے لئے اس سے زیادہ آسانی کی شکل بھی ہو سکتی ہے، اس وقت حضرت کی عمر شریف گیارہ سال کی تھی، حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام نے آپ پر لازم کیا کہ وہ صورت بیان فرمائیں، حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے یہ تجویز پیش کی کہ بکری والا کاشت کرے اور جب تک کھیتی اس حالت کو پہنچے جس حالت میں بکریوں نے کھائی ہے اس وقت تک کھیتی والا بکریوں کے دودھ وغیرہ سے نفع اٹھائے اور کھیتی اس حالت پر پہنچ جانے کے بعد کھیتی والے کو کھیتی دے دی جائے، بکری والے کو اس کی بکریاں واپس کر دی جاویں۔ یہ تجویز حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام نے پسند فرمائی، اس معاملہ میں یہ دونوں حکم اجتہادی تھے اور اس شریعت کے مطابق تھے، ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ اگر چرانے والا ساتھ نہ ہو تو جانور جو نقصانات کرے اس کا ضمان لازم نہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلَام نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس مسئلہ کا حکم تھا اور حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے جو تجویز فرمائی یہ صورتِ صلح تھی۔

2 ...سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الحجر، ۵/ ۸۸، حدیث: ۳۱۳۸

﴿1﴾...

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ﴿۷۵﴾ (پ۱۴، الحجر: ۷۵)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اس میں نشانیاں ہیں فراست والوں کے لیے۔

﴿2﴾...

قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ (پ۱، البقرۃ: ۱۱۸)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم نے نشانیاں کھول دیں یقین والوں کے لیے۔

علم باطن ہی علم نافع ہے:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے مروی ہے کہ مُصْطَفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ بَاطِنٌ فِی الْقَلْبِ فَذٰلِكَ ھُوَ الْعِلْمُ النَّافِعُ یعنی علم کی دو قسمیں ہیں، باطنی علم دل میں ہوتا ہے اور یہی علم نافع ہے۔“[1]

کسی عالم سے علم باطن کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے محبوب بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے اور اس پر کسی فرشتے اور بشر کو مطلع نہیں کرتا۔

حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”بے شک میری امت میں کچھ لوگ مُحَدَّثِیْن، مُعَلَّمِیْن اور مُکَلَّمِیْن (یعنی صاحب کشف والہام اور توفیق یافتہ) ہیں اور عمر کا شمار بھی ان ہی میں ہوتا ہے۔“[2]

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی قراءت میں سورۂ حج کی آیت نمبر 52 اس طرح ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی یا مُحَدَّث بھیجے (یعنی آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی قراءت میں لفظ ”مُحَدَّث“ کا اضافہ ہے)۔

”مُحَدَّث“ سے مراد ”مُلْہَم“ ہے اور مُلْہَم وہ شخص ہے جس کے دل پر داخلی جہت سے کوئی بات منکشف ہو نہ کہ خارجی محسوسات کی جہت سے۔

---

1 ...الزھد لابن مبارک، باب فضل ذکر اللہ، ص۴۰۷، حدیث: ۱۱۶۱ بتغیر قلیل

2 ...بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ۲/ ۴۶۶، حدیث: ۳۴۶۹، دون ”معلمین ومکلمین“

ہدایت اور کشف کی چابی:

قرآن پاک میں اس بات کی صراحت ہے کہ تقویٰ ہدایت و کشف کی چابی ہے اور یہ بغیر سیکھے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾ (پ۱۱، یونس: ۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ان میں نشانیاں ہیں ڈر والوں کے لیے۔

تو ان نشانیوں کو متقین کے ساتھ خاص کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۳۸)

ترجمۂ کنزالایمان: یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور پرہیز گاروں کو نصیحت ہے۔

علم ربانی:

حضرت سیِّدُنا ابو یزید بسطامی وغیرہ بزرگان دین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن فرماتے ہیں: عالم وہ نہیں جو کتاب سے یاد کرلے اور جب یاد کیا ہوا بھول جائے تو جاہل ہو جائے بلکہ عالم تو وہ ہے جو درس وحفظ کے بغیر ہی جب چاہتا ہے اپنے رب سے علم حاصل کرلیتا ہے۔

یہی علم ربّانی ہے اور اس فرمان باری تعالیٰ میں اسی طرف اشارہ ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ (پ۱۵، الکھف: ۶۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔

عِلمِ لَدُنّی کی تعریف:

یوں تو ہر علم رب عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ملتا ہے لیکن بعض علوم مخلوق کے سکھانے سے حاصل ہوتے ہیں تو ایسے علم کو علم لدنی نہیں کہتے بلکہ علم لدنی تو وہ ہوتا ہے جس کا ظہور کسی خارجی معروف سبب کے بغیر ہی قلب پر ہو جاتا ہے۔

یہ نقلی دلائل تھے اور اگر اس بارے میں وارد تمام آیات واحادیث اور آثار جمع کئے جائیں تو بے شمار ہو جائیں۔

تجربات:

جہاں تک تجربات کے ذریعے اس علم لدنی کے مشاہدے کا تعلق ہے تو انہیں بھی شمار نہیں کیا جاسکتا اور اس علم لدنی کا ظہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے حضرات پر ہوا۔ چنانچہ،

سیِّدُنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی کرامت:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے وِصال کے وقت اپنی صاحب زادی ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے فرمایا: تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی زوجہ محترمہ اس وقت حاملہ تھیں۔ چنانچہ، ان کے ہاں بیٹی کی ولادت ہوئی تو حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ولادت سے پہلے ہی جان لیا تھا کہ بیٹی پیدا ہوگی۔

سیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی کرامت:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے دورانِ خطبہ فرمایا: یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلَ یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف چلے جاؤ۔"

کیونکہ آپ پر یہ منکشف ہو چکا تھا کہ دشمن پہاڑ کی جانب سے ان پر حملہ کرنے والا ہے تو اپنی اس معرفت کی بنیاد پر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے انہیں خبر دار کیا، پھر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی آواز کا ان تک پہنچنا عظیم کرامات میں سے ہے۔

حکایت: مومنانہ بصیرت اور سچی فراست

حضرت سیِّدُنا انس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں: میں خلیفۂ سوم امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں جا رہا تھا کہ راستے میں مجھے ایک عورت ملی، میں نے ترچھی نظر سے بڑے اِنْہِماک کے ساتھ اسے دیکھا۔ جب میں امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا: "تم میں سے کوئی میرے پاس اس حالت میں آتا ہے کہ زنا کا اثر اس کی آنکھوں میں ظاہر ہوتا ہے، کیا تم نہیں جانتے کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے؟ توبہ کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔" میں نے عرض

کی: "کیا پیارے مُصْطَفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے؟" تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "نہیں! بلکہ یہ بصیرت، برہان اور سچی فراست ہے۔"

حکایت: دل میں آنے والے خیال کو جان لیا

حضرت سیِّدُنا ابو سعید خراز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار بیان کرتے ہیں: میں نے مسجدِ حرام میں پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک فقیر کو دیکھ کر دل میں کہا: "یہ اور اس جیسے دیگر لوگ بنی نوعِ انسان پر بوجھ ہیں۔" اتنے میں اس فقیر نے مجھے آواز دے کر یہ آیتِ مقدسہ پڑھی:

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ (پ۲، البقرۃ: ۲۳۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے تو اس سے ڈرو۔

میں نے دل ہی دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے توبہ کی، اس نے پھر مجھے پکارتے ہوئے یہ آیتِ مبارکہ پڑھی:

وَ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (پ۲۵، الشوریٰ: ۲۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا (ہے)۔

پھر وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا اور دوبارہ مجھے نظر نہ آیا۔

حکایت: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پوشیدہ لطف و عنایات

حضرت سیِّدُنا زکریا بن داوٗد رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں: حضرت سیِّدُنا ابو العباس احمد بن مسروق رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ حضرت سیِّدُنا ابو الفضل ہاشمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کی عیادت کے لئے گئے، حضرت سیِّدُنا ابو الفضل ہاشمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی عیال دار تھے اور ان کے گزر اوقات کا بظاہر کوئی سبب معلوم نہ تھا، حضرت سیِّدُنا ابو العباس احمد بن مسروق رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب میں اٹھا تو میں نے دل میں سوچا کہ "یہ شخص کہاں سے کھاتا ہو گا؟" اتنے میں انہوں نے بلند آواز سے فرمایا: "اے ابو العباس! اس گھٹیا خیال کو دل میں جگہ نہ دو کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پوشیدہ لُطف و عنایات بھی ہوتی ہیں۔"

حکایت: تم بخیل ہو

حضرت سیِّدُنا احمد نَقیب عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّقِیْب بیان کرتے ہیں: میں حضرت سیِّدُنا شیخ ابو بکر شبلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ

الۡوَلِی کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ نے فرمایا: "اے احمد! بڑی آزمائش ہے۔" میں نے پوچھا: "کیا بات ہے؟" فرمایا: میں بیٹھا ہوا تھا اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ میں بخیل ہوں۔ میں نے کہا: میں بخیل نہیں ہوں۔ تو میرے دل میں دوبارہ یہی خیال آیا کہ میں بخیل ہوں۔ چنانچہ میں نے دل میں طے کرلیا کہ آج مجھے جو کچھ روزی ملے گی وہ میں اُس فقیر کو دے دوں گا جو مجھے سب سے پہلے ملے گا، میں اسی سوچ میں تھا کہ خلیفہ کا ایک غلام میرے پاس آیا، اس کے پاس 50 دینار تھے۔ اس نے کہا: "انہیں اپنی ضروریات پر خرچ کرلیجئے!" میں اٹھا اور ان دیناروں کو لے کر باہر نکل گیا، میری نظر ایک نابینا فقیر پر پڑی جو حجام سے سر منڈوا رہا تھا، میں اس کی طرف بڑھا اور دینار اسے تھمادیئے۔ اس نے کہا: "انہیں حجام کو دے دو۔" میں نے کہا: "اس میں اتنے اتنے دینار ہیں۔" فقیر نے کہا: "کیا ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم بخیل ہو؟" چنانچہ میں نے وہ دینار حجام کو دے دیئے۔ حجام نے کہا: "جب یہ فقیر میرے پاس بیٹھا تھا تو میں نے عہد کرلیا تھا کہ ان سے اجرت نہیں لوں گا۔" حضرت سیِّدُنا شیخ ابو بکر شِبۡلی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ الۡوَلِی فرماتے ہیں: میں نے وہ دینار دریائے دجلہ میں پھینک دیئے اور کہا: "جس نے بھی تیری عزت کی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے ذلت ہی دی ہے۔"

حکایت: صاحبِ کرامت بزرگ

حضرت سیِّدُنا حمزہ بن عبد اللّٰہ عَلَوِی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ الۡوَلِی بیان کرتے ہیں: میں حضرت سیِّدُنا ابو الخیر تِیۡنَانِی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوۡرَانِی کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے یہ عہد کیا تھا کہ سلام دعا کرکے واپس آجاؤں گا اور ان کے گھر کھانا نہیں کھاؤں گا، جب میں باہر نکلا اور چند قدم چلا تو آپ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ کھانے کا تھال لئے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "اے نوجوان! یہ کھالو، تمہارے وعدے کی ساعت گزر چکی۔" حضرت سیِّدُنا ابو الخیر تِیۡنَانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوۡرَانِی کی کرامات مشہور تھیں۔

حکایت: شیر ہم سے ڈرتا ہے

حضرت سیِّدُنا ابراہیم رُقّی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ الۡوَلِی بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا ابو الخیر تِیۡنَانِی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوۡرَانِی کی خدمت میں جاکر سلام عرض کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ میں مغرب کی نماز میں حاضر ہوا آپ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ سے سورۂ فاتحہ بھی ٹھیک نہیں پڑھی جارہی تھی۔ میں نے دل میں کہا: "میرا سفر ضائع ہوگیا۔" جب آپ نے سلام پھیرا

تو میں قضائے حاجت کے لئے باہر نکلا، ایک شیر نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا، میں واپس حضرت سیِّدُنا ابو الخیر تِیْنَانِی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کی طرف پلٹا اور کہا: "شیر مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔" آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نکلے اور اسے ڈانٹتے ہوئے کہا: "کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ میرے مہمانوں کو تنگ نہ کرنا۔" چنانچہ شیر پیچھے ہٹ گیا، جب میں حاجت سے فراغت کے بعد واپس آیا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: "تم ظاہر کو درست کرنے میں مشغول ہو اس لئے شیر سے ڈر گئے جبکہ ہم باطن کو درست کرنے میں مصروف ہیں اس لئے شیر ہم سے ڈرتا ہے۔"

بزرگانِ دین کی مومنانہ فراست اور دلوں کے پوشیدہ خیالات کے بارے میں خبر دینے کے متعلق بے شمار واقعات ہیں بلکہ ان حضرات کے بارے میں تو اس طرح کی حکایات بھی منقول ہیں کہ انہوں نے حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کی زیارت کی اور ان سے سوالات کئے اور ہاتِفِ غیبی کی آوازیں سنیں اور اس کے علاوہ مختلف قسم کی کرامات منقول ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ! منکر جب تک خود ان کا مشاہدہ نہ کر لے اسے یہ واقعات و حکایات فائدہ نہیں دے سکتے لیکن جو آدمی اصل کا منکر ہو وہ فرع کا بھی منکر ہوتا ہے۔ بہر حال قطعی دلیل کہ جس کے انکار کی کسی میں طاقت نہیں وہ دو طرح کی ہے:

(۱)... تعجب خیز سچے خواب، کیونکہ ان کے ذریعے غیب سے پردہ اٹھتا ہے، جب غیبی احوال نیند میں منکشف ہو سکتے ہیں تو ان کا بیداری میں منکشف ہونا بھی محال نہیں ہے کیونکہ نیند اور بیداری کی حالت میں فرق صرف اتنا ہے کہ نیند کی حالت میں حواس ساکن ہو جاتے ہیں اور محسوسات میں مشغول نہیں ہوتے جبکہ خیالات کے سمندر میں ڈوبے بہت سے جاگنے والے ایسے ہوتے ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، اس لئے کہ وہ اپنے آپ میں مشغول ہوتے ہیں۔

(۲)... حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا غیب کی باتوں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی خبر دینا جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے۔

جب نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم غیب کی خبر دے سکتے ہیں تو غیر نبی کے لئے بھی اس کا امکان ہے کیونکہ نبی وہ شخص ہے جس پر امور کے حقائق منکشف ہوتے ہیں اور وہ مخلوق کی اصلاح میں مشغول ہوتا ہے، تو ایسے شخص کا موجود ہونا بھی ممکن ہے جس پر امور کے حقائق منکشف ہوں اگرچہ وہ لوگوں کے

بجائے اپنی اصلاح میں مشغول ہو، ایسا شخص نبی نہیں بلکہ ولی کہلاتا ہے۔

دل کے دو دروازے ہیں:

جو شخص انبیا پر ایمان رکھتا اور صحیح خوابوں کی تصدیق کرتا ہے اسے یقیناً اس بات کا اقرار کرنا پڑے گا کہ دل کے دو دروازے ہیں، ایک باہر کی طرف ہے اور وہ حواس ہیں اور ایک دل کے اندر سے ملکوت کی طرف کھلتا ہے اور یہ الہام، اِلقا اور وحی کا دروازہ ہے۔

جب ان دونوں باتوں کا اقرار کر لیا تو اب اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ علوم کے حصول کو سیکھنے اور تحصیل علم کے مروّج طریقوں پر منحصر کرے بلکہ ریاضت ومجاہدہ بھی علم کے حصول کا سبب ہو سکتا ہے تو اس بیان سے ہماری ذکر کردہ بات کی حقیقت پر آگاہی ہو جاتی ہے کہ دل عالَمِ ظاہری اور عالَمِ مَلَکُوت کے درمیان پھرتا رہتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

تو پھر تعبیر کی محتاج مثال کے ذریعے خواب میں امور کا انکشاف کیوں ہوتا ہے؟ اور فرشتے انبیائے کرام اور اولیائے عظام عَلَیْهِمُ السَّلَام کے پاس مختلف صورتوں میں کیوں آتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی عجائِبِ قَلْب کے اَسرار میں سے ہے اور یہ علمِ مُکاشَفہ کے ہی لائق اور اسی کا موضوع ہے، لہٰذا اس موضوع سے متعلق جو کچھ ہم نے یہاں ذکر کیا ہے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ یہ مجاہدہ کی ترغیب اور کشف کے حصول کے لئے کافی ہے۔

حکایت: ایک صاحبِ کشف بزرگ اور کراماً کاتبین

ایک صاحِبِ کَشف بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: میرے سامنے کراماً کاتبین فرشتے ظاہر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ توحید کے مشاہدہ سے متعلق اپنے مخفی ذکر میں سے کچھ ہمیں لکھوا دو کیونکہ ہم تمہارے (اس طرح کے) اعمال نہیں لکھتے اور ہمیں یہ پسند ہے کہ انہیں بارگاہِ الٰہی میں لے کر جائیں اور ان کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب حاصل کریں۔ میں نے پوچھا: "کیا تم فرائض نہیں لکھتے؟" انہوں نے کہا: "ہاں! کیوں نہیں!" میں نے کہا: "پھر تمہیں یہی کافی ہے۔"

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کِرامًا کاتِبِین دل کے اسرار پر مطلع نہیں ہوتے بلکہ محض ظاہری اعمال پر مطلع ہوتے ہیں۔

حکایت: اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر رحم فرمائے! تم کیا کہتے ہو؟

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھنے والے ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے ایک ابدال سے مشاہدۂ یقین کے بارے میں پوچھا تو وہ اپنی بائیں جانب متوجہ ہوئے اور کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر رحم فرمائے! تم کیا کہتے ہو؟ پھر دائیں طرف متوجہ ہوئے اور کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر رحم فرمائے! تم کیا کہتے ہو؟ پھر اپنے سینے کی طرف سر جُھکایا اور کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر رحم فرمائے! تم کیا کہتے ہو؟ پھر ایک نہایت عجیب و غریب جواب دیا جسے میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ میں نے ان سے اس التفات کا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: میرے پاس تمہارے سوال کا جواب نہ تھا، میں نے بائیں طرف والے فرشتے سے پوچھا تو اس نے کہا: میں نہیں جانتا پھر دائیں طرف والے سے پوچھا جو کہ اس سے زیادہ علم رکھتا ہے لیکن اس نے بھی نفی میں جواب دیا پھر میں نے اپنے دل کی طرف نظر کی اور اس سے پوچھا تو اس نے جو کچھ بتایا وہ میں نے تمہارے گوش گزار کر دیا۔

معلوم ہوا کہ دل کو ان دونوں سے زیادہ علم ہوتا ہے اور مُصْطَفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان: "اِنَّ فِیْ اُمَّتِیْ مُحَدَّثِیْنَ وَاِنَّ عُمَرَ مِنْھُمْ یعنی میری امت میں مُحَدَّثِین ہیں (یعنی کچھ ایسے لوگ ہیں جنہیں الہام ہوتا ہے) اور عمر بھی انہیں میں سے ہے۔" کے یہی حضرات مصداق ہیں۔

سایۂ رحمت میں رہنے والا:

ایک روایت میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: "جب میں کسی بندے کے دل کو اپنی یاد میں محو پاتا ہوں تو اس کے تمام امور کو سنوار دیتا ہوں اور اس کی نشست و برخاست اور گفتگو میں میری رحمت اس کے شاملِ حال ہوتی اور اس کی مونس و غمخوار ہوتی ہے۔

حضرت سَیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: دل ایک گنبد نما گاڑھے ہوئے خیمے کی طرح ہے جس کے دروازے بند ہیں تو جو دروازہ کھولا جائے اسی کے مطابق عمل کیا جاتا ہے۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قلب کے دروازوں میں سے ایک دروازہ عالَم مَلَکُوت اور ملاءِ اعلیٰ کی

طرف بھی کھلتا ہے اور یہ دروازہ مجاہدہ، تقویٰ اختیار کرنے اور دنیوی خواہشات سے بچنے کے سبب کھلتا ہے۔ اسی لئے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے لشکروں کے امیروں کو لکھا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمانبردار بندوں سے جو سنو اسے محفوظ کر لو کیونکہ ان پر اُمورِ صادِقہ مُنکَشِف ہوتے ہیں۔

بعض علما نے فرمایا: حکما (عقل مندوں) کے لبوں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا دستِ قدرت ہے اور یہ حضرات صرف حق بات ہی کہتے ہیں جو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے لئے آسان کر دی ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: اگر میں چاہوں تو ضرور یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان حضرات کو اپنے بعض رازوں پر مطلع فرماتا ہے جن کے دل اس کے حضور جھکے ہوئے ہیں۔

چوتھی فصل: وسوسے کا معنیٰ اور دل پر غَلَبۂ شیطان کے اسباب

جان لو! جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ دل ایک گنبد نما گاڑھے ہوئے خیمے کی طرح ہے جس کے دروازے ہیں اور ہر دروازے سے اس کی طرف اَحوال کی آمد و رفت ہوتی ہے، دل کی مثال اس نشانے کی سی ہے جس پر مختلف اطراف سے تیر برسائے جاتے ہیں یا دل کسی جگہ نصب کئے گئے اس آئینے کی طرح ہے جس پر مختلف قسم کی صورتوں کا گزر ہوتا رہتا ہے اور یکے بعد دیگرے اس میں صورتیں دکھائی دیتی رہتی ہیں اور وہ ان سے خالی نہیں ہوتا یا دل کی مثال اس حوض جیسی ہے جس میں ان نہروں سے مختلف پانی آتا رہتا ہے جن کا راستہ حوض کی طرف بنایا گیا ہے۔

خواطر سے مراد؟

دل میں ہر وقت آنے والے نئے نئے اثرات کا داخلہ یا تو ظاہر یعنی حواسِ خمسہ سے ہوتا ہے یا باطن سے جیسے خیال، خواہشات، غضب اور انسان کی اَصلِ خِلقَت سے مُرَکَّب اَخلاق، کیونکہ جب انسان حواس کے ذریعے کسی چیز کا ادراک کرتا ہے تو اس سے دل میں ایک اثر پیدا ہوتا ہے اسی طرح جب زیادہ کھانے اور مزاج میں قوت کے سبب شہوت بھڑک اٹھتی ہے تو اس سے بھی دل میں ایک اثر پیدا ہوتا ہے اگر انسان وہ اثر قبول کرنے سے خود کو بچالے تو دل میں حاصل ہونے والے خیالات باقی رہتے ہیں اور خیالات بدلتے رہتے ہیں اور جب خیالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں تو دل بھی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل

ہوتا رہتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ دل کا مسلسل بدلتے رہنا اور اثر قبول کرتے رہنا اِن اسباب کی بنا پر ہوتا ہے۔

دل میں حاصل ہونے والے اثرات میں سب سے خاص اثر خواطر (خیالات) ہیں اور خواطر سے میری مراد دل میں پیدا ہونے والے افکار واذکار ہیں اور افکار واذکار سے مراد دل کا نئے سرے سے یا یاد دہانی کے طور پر علوم کا ادراک کرنا ہے اور انہیں خواطر اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ یہ اُس وقت آتے ہیں جب دل ان سے غافل ہو جاتا ہے اور خواطر ہی ارادوں کو حرکت دیتے ہیں کیونکہ نیت، عزم اور ارادہ دل میں موجود افعال کی فکروں کے بعد ہی ہوتا ہے تو افعال کی بنیاد خواطر ہیں۔ خاطر سے رغبت کو حرکت ملتی ہے، رغبت سے عزم کو، عزم سے نیّت کو اور نیت سے اعضاء کو تحریک ملتی ہے۔

خواطر کی اقسام:

رغبت کو متحرک کرنے والے خواطر کی دو قسمیں ہیں: (١)۔ جو شر یعنی ان کاموں کی طرف بلاتے ہیں جو آخرت میں نقصان دہ ثابت ہوں گے (٢)۔ جو خیر یعنی ان کاموں کی دعوت دیتے ہیں جو آخرت میں نفع دیں گے۔

اِلہام اور وسوسہ میں فرق:

چونکہ یہ دونوں خاطر مختلف ہیں اس لئے ان کے نام الگ الگ رکھنے کی حاجت پیش آئی، تو قابل تعریف خاطر کو "الہام" کہا جاتا ہے اور قابل مذمت خاطر کو "وسوسہ" کہا جاتا ہے۔

تم جانتے ہو کہ یہ خواطر حادِث (یعنی نو پید) ہیں اور ہر حادِث کے لئے مُحْدِث (یعنی پیدا کرنے والے) کا ہونا ضروری ہے اور جب حوادِث مختلف ہیں تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ان کے اسباب بھی مختلف ہوں گے، یہ وہ بات ہے جو مُسَبَّبات کو اَسباب پر مرتَّب کرنے کے سلسلے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عادت مبارکہ سے معلوم ہوتی ہے (کہ جیسا سبب ہوتا ہے ویسا ہی اس کا مسبب ہوتا)۔ چنانچہ جب آگ کی روشنی سے گھر کی دیواریں روشن ہو جائیں اور دھوئیں کے سبب چھت تاریک اور سیاہ ہو جائے تو تم جان لیتے ہو کہ سیاہی کا سبب روشنی کے سبب کے علاوہ (یعنی دھواں) ہے۔

خواطر کے اسباب:

اسی طرح دل کے روشن اور تاریک ہونے کے بھی دو مختلف سبب ہیں، اُس خاطر کے سبب کا نام فرشتہ

ہے جو خیر کی دعوت دیتا ہے اور اس خاطر کے سبب کو شیطان کہتے ہیں جو شر کی طرف بلاتا ہے، وہ لطف جس سے قلب خیر کا الہام قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے توفیق کہلاتا ہے اور جس کے سبب وہ شیطانی وسوسوں کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو اسے اِغوا اور خِذلان کہتے ہیں کیونکہ معانی کے اختلاف سے نام بھی مختلف رکھنے کی حاجت پیش آتی ہے۔

فِرِشتہ اور شیطان کے کام کیا کیا ہیں؟

فرشتہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پیدا کردہ وہ مخلوق ہے جس کا کام خیر پھیلانا، علم کی روشنی عام کرنا، حق کو واضح کرنا، خیر کی امید دلانا اور نیکی کا حکم دینا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے پیدا کیا اور اسے ان کاموں کا پابند کر دیا، جبکہ شیطان وہ مخلوق ہے جس کا کام ان سب کاموں کا الٹ کرنا ہے، یہ برائی کا وعدہ کرتا اور بے حیائی کا حکم دیتا اور بھلائی (یعنی صدقات وخیرات) کے ارادے کے وقت محتاجی کا خوف دلاتا ہے۔ پس وسوسہ الہام کی، شیطان فرشتے کی اور توفیق خِذلان کی ضد ہے، اس فرمان باری تعالیٰ میں اسی جانب اشارہ ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (پ۲۷، الذّٰرِیٰت: ۴۹) ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم نے ہر چیز کے دو جوڑ بنائے۔

کیونکہ تمام موجودات ایک دوسرے کے مقابل اور جوڑا جوڑا ہیں سوائے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے، اس لئے کہ وہ تنہا ہے اس کا کوئی مقابل نہیں بلکہ وہ واحد و یکتا ہے، حق ہے اور تمام جوڑوں کو پیدا کرنے والا ہے۔

دل شیطان اور فرشتے کا محور ہے:

دل شیطان اور فرشتے کا مَحْوَر ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ نبیوں کے سُلطان، رحمتِ عالمیان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: دل میں دو طرح کے خیالات آتے ہیں ایک فرشتے کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ بھلائی کا وعدہ اور حق کی تصدیق ہے تو جو اسے پائے وہ جان لے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرے اور دوسرا دشمن (شیطان) کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ شر کا وعدہ، حق کی تکذیب اور خیر سے روکنا ہے تو جو اسے پائے وہ شیطان مردود (کے وسوسوں) سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگے۔ پھر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ آیتِ مقدسہ تلاوت فرمائی:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ترجمۂ کنزالایمان: شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا۔ (1) (پ۳، البقرۃ:۲۶۸)

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: خیالات دو طرح کے ہوتے ہیں جو دل کے گرد گھومتے ہیں، ایک اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ہوتا ہے اور ایک شیطان کی طرف سے، اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بندے پر رحم فرمائے جو خیالات پر غور کرے اگر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہو تو اسے کر گزرے اور اگر شیطان کی طرف سے ہو تو اس کی مخالفت کرے۔

ان خیالات کا مَحْوَر ہونے کی بنا پر ہی دل کے متعلق مُعَلِّمِ کائنات، شاہِ موجودات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اُصْبُعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰن یعنی مومن کا دل رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔" (2)

اللہ عَزَّوَجَلَّ اعضاء سے پاک ہے:

اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی کوئی انگلی ہو جو گوشت، ہڈی، خون اور پٹھوں سے مرکب اور پوروں میں منقسم ہو۔ یہاں انگلیوں کا ذکر اس لئے ہے کہ جس طرح انسان انگلیوں سے جلدی جلدی پکڑتا اور الٹ پلٹ کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ بھی فرشتے اور شیطان کو مُسَخَّر کر کے یہ کام جلد جلد لیتا ہے۔ تو یہ دونوں قدرت الٰہی کے سبب دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اسی طرح مسخر ہیں جیسے انسانی انگلیاں اجسام کو الٹ پلٹ کرنے کے لئے مُسَخَّر کر دی گئیں۔

دل شیطان کی پناہ گاہ ہے یا فرشتوں کی قیام گاہ:

دل اصل فطرت کے اعتبار سے فرشتے اور شیطان کے اثرات قبول کرنے کی برابر برابر صلاحیت رکھتا ہے، کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں، جانبین میں سے ایک کو ترجیح صرف خواہشات میں انہماک اور ان کی پیروی یا ان سے بے رغبتی اور ان کی مخالفت کے سبب سے حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اگر انسان غصّے اور نفسانی خواہشات کے تقاضوں پر عمل کرے گا تو خواہشات کے واسطہ سے شیطان کا اثر غالب ہو جائے گا اور دل شیطان کی

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ البقرۃ، ۴/ ۳۶۴، حدیث: ۲۹۹۹

2 ...مسلم، کتاب القدر، باب تصریف اللّٰہ تعالٰی القلوب کیف یشاء، ص ۱۴۲۷، حدیث: ۲۶۵۴

پناہ گاہ اور جائے اقامت بن جائے گا کیونکہ خواہشات ہی شیطان کی چراگاہ ہیں اور اگر اس نے خواہشات سے مقابلہ کیا اور انہیں خود پر مُسَلَّط نہ ہونے دیا اور فرشتوں جیسی صفات کو اپنایا تو اس کا دل فرشتوں کے اترنے اور ٹھہرنے کی جگہ بن جائے گا۔ جب دل شہوت، غضب، حرص ولالچ اور لمبی امیدوں وغیرہ سے اور خواہشات سے سیر ہونے والی صفات بشریہ سے خالی نہیں ہو گا تو لازمی طور پر اس میں وسوسے کے ذریعے شیطان کی گردش ہو گی۔

ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان ہے:

مروی ہے کہ سرکارِ مکہ مکرمہ، سلطانِ مدینہ منورہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان ہے۔“ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: ”یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟“ ارشاد فرمایا: ”میرے ساتھ بھی مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس پر میری مدد فرمائی تو وہ مسلمان ہو گیا اور اب وہ صرف بھلائی کا ہی مشورہ دیتا ہے۔“[1]

شیطان کو بھگانے کا نسخہ:

شیطان چونکہ خواہشات کے ذریعے ہی قبضہ جماتا ہے تو جس شخص کی خواہش کے خلاف اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی مدد فرمائے حتی کہ خواہش وہیں پائی جائے جہاں اسے ہونا چاہئے اور مناسب حد تک ہو تو اس کی خواہش اسے شر کی طرف نہیں بلاتی اور شیطان کہ جس نے برائی کا لباس پہن رکھا ہے وہ بھی صرف بھلائی کا حکم دیتا ہے۔ جب خواہشات کے تقاضوں کے مطابق دل پر دنیا کی یاد غالب ہو جاتی ہے تو شیطان موقع پا کر وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے اور جب دل ذِکْرُ اللہ میں مصروف ہو جاتا ہے تو شیطان اپنا میدان تنگ ہونے کے سبب بھاگ جاتا ہے، پھر فرشتہ آتا ہے اور خیر کا الہام کرتا ہے۔

شیطانی لشکروں کے غلبے کا سبب:

دل پر قبضہ جمانے کی خاطر فرشتوں اور شیاطین کے لشکروں کے مابین جنگ مسلسل جاری رہتی ہے اور یہ اس وقت ختم ہوتی ہے جب ان دونوں میں سے کوئی ایک فتح حاصل کر لیتا ہے اور دل اس کا مسکن اور

[1] ...مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، باب تحریش الشیطان... الخ، ص ۱۵۱۲، حدیث: ۲۸۱۳

مستقل رہائش گاہ بن جاتا ہے۔ پھر دوسرے حریف کا گزر دل کو چھیننے کی غرض سے ہوتا ہے اور اکثر دلوں کو شیطانی لشکروں نے فتح کیا ہوا ہے اور وہ ان کے مالک بن بیٹھے ہیں اور اب وہ اُن وسوسوں سے بھر چکے ہیں جو فانی دنیا کو باقی رہنے والی آخرت پر ترجیح دینے کا کہتے ہیں، ان شیطانی لشکروں کے غالب ہونے کی بنیاد خواہشات کی پیروی ہے۔

شیطانی لشکروں کے غلبے سے نجات کی صورت:

اب دلوں کو فتح کرنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ دل کو شیطانی قوت یعنی نفسانی خواہشات سے خالی کر کے اسے ذکرِ الٰہی سے آباد کیا جائے کہ دل فرشتوں کے اترنے کی جگہ ہے۔

حضرت سیِّدُنا جابر بن عُبَیدَہ عَدَوِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا علاء بن زِیاد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْجَوَاد سے اپنے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں کی شکایت کی تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے فرمایا: ”دل کی مثال اس گھر کی طرح ہے جس کی طرف چوروں کا گزر ہوتا ہے، اگر اس میں کچھ ہوتا ہے تو اسے لے جاتے ہیں ورنہ یوں ہی آگے بڑھ جاتے ہیں۔“

مراد یہ ہے کہ خواہشات سے خالی دل میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔ انہی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ترجمۂ کنزالایمان: بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

(پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۶۵)

خواہش کے پیچھے چلنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا بندہ نہیں:

معلوم ہوا کہ خواہش کے پیچھے چلنے والا ہر شخص خواہش کا بندہ ہے نہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا، اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس پر شیطان کو غالب کر دیا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ترجمۂ کنزالایمان: بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا۔

(پ۲۵، الجاثیۃ: ۲۳)

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس کا معبود اس کی خواہشات ہوں تو وہ خواہش کا بندہ ہے نہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا۔

نماز و وضو میں وسوسے ڈالنے والے شیطانوں کے نام:

جب حضرت سیِّدُنا عمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ[1] نے حضورِ نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں عرض کی: "یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! شیطان میرے اور میری نماز و قراءت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔" تو ارشاد فرمایا: "اس شیطان کو خَنزَب کہا جاتا ہے، جب تم اسے محسوس کرو تو اس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگو اور اپنی بائیں طرف تین بار تھوک دو[2]۔" حضرت سیِّدُنا عثمان بن ابو العاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: "میں نے اسی طرح کیا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس شیطان کو مجھ سے دور کر دیا۔"[3]

ایک حدیث شریف میں ہے: وضو کے دوران ایک شیطان حائل ہو جاتا ہے جسے وَلْہَان کہا جاتا ہے، اس شیطان سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگو۔[4]

شیطانی وسوسوں کو دور کرنے کا طریقہ:

دل سے شیطان کے وسوسے اسی صورت میں ختم ہو سکتے ہیں کہ ان کی طرف توجہ نہ دی جائے بلکہ کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کر لی جائے کیونکہ جب دل میں کسی نئی چیز کا خیال آتا ہے تو پہلی چیز کا خیال چلا جاتا ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات اور اس کے متعلقات کے علاوہ جو کچھ ہے شیطان اس میں دخل اندازی کر سکتا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر ہی ایسی چیز ہے جو شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے، اس تک شیطان کی رسائی نہیں۔ ہر چیز کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے اور تمام شیطانی وسوسوں کی ضد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگنے اور

---

1 ...علامہ سیِّد محمد بن محمد حسینی زَبیدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: بعض نسخوں میں عمرو بن عاص لکھا ہے جبکہ درست عثمان بن ابو العاص ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۸/ ۴۹۵)

2 ...مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد1، صفحہ 89 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ سے قبل، تجربہ ہے کہ جو تحریمہ سے پہلے اس طرح تھتکار کر لاحول شریف (لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم) پڑھ لے پھر تحریمہ کرے دورانِ نماز میں نگاہ کی حفاظت کرے کہ قیام میں سجدہ گاہ، رکوع میں پُشْتِ قدم، سجدے میں ناک کے بانسے، جلسہ اور قعدہ میں گود میں رکھے تو اِنْ شَآءَ اللہ نماز میں حضور (قلب) نصیب ہو گا۔

3 ...مسلم، کتاب السلام، باب التعوذ من شیطان... الخ، ص۱۲۰۸، حدیث: ۲۲۰۰

4 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، باب ما جاء فی القصد فی الوضوء... الخ، ۱/ ۲۵۲، حدیث: ۴۲۱

طاقت و قوت سے براءت کا اظہار کرنے میں ہے اور یہ معنٰی اس قول سے ادا ہو جاتا ہے: "اَعُوْذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے اور گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی مدد سے ہے جو بلندی و عظمت والا ہے۔"

اس پر صرف متقی حضرات ہی قادر ہو سکتے ہیں کہ جن پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر غالب ہوتا ہے اگرچہ شیطان غفلت و لغزش کے اوقات میں دھوکے سے ان کے آس پاس بھی پھرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ (پ۹، الاعراف: ۲۰۱)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

حضرت سیِّدُنا امام مجاہد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَاحِد اس آیت مبارکہ:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ۬ الْخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ (پ۳۰، الناس: ۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اس کے شر سے جو دل میں بُرے خطرے ڈالے اور دبک رہے۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: شیطان دل پر قبضہ کئے رہتا ہے جب بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا ہے تو وہ دبک (یعنی پیچھے ہٹ کر چھپ) جاتا ہے اور وسوسہ ڈالنے سے رک جاتا ہے اور جب انسان غافل ہو جاتا ہے تو دوبارہ اس کے دل پر غالب آجاتا ہے۔

ذکرُ اللہ اور وسوسۂ شیطان کے مابین اسی طرح دشمنی ہے جیسے نور اور تاریکی اور دن اور رات کے درمیان ہے اور چونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہیں اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ (پ۲۸، المجادلۃ: ۱۹)

ترجمۂ کنز الایمان: ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلا دی۔

جب بندہ ذکرِ الٰہی کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے:

حضرت سیِّدُنا انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: شیطان ابنِ آدم کے دل پر اپنی سونڈ رکھے ہوئے ہوتا ہے اگر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا ہے تو پیچھے ہٹ

جاتا ہے اور اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کو بھول جائے تو فوراً اس کے دل پر غالب آ جاتا ہے۔[1]

ابنِ وضاح کہتے ہیں: جب آدمی چالیس برس کا ہو جاتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو شیطان اس کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا ہے: اس چہرے پر قربان جاؤں جو فلاح نہیں پائے گا۔[2]

شیطان ابن آدم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے:

جس طرح خواہشات ابن آدم کے گوشت وخون میں رچی بسی ہوتی ہیں اسی طرح شیطان بھی اس کے گوشت وخون میں سرایت کئے ہوئے ہے اور اس کے دل کو اطراف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبیِّ پاک، صاحِبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک شیطان ابن آدم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے[3] تو بھوک کے ذریعے اس کے راستوں کو تنگ کر دو۔

کیونکہ بھوک شہوات کو ختم کر دیتی ہے جو کہ شیطان کے راستے ہیں اور شہوات نے دل کو اطراف سے گھیرا ہوا ہے اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک میں ابلیس کے اس قول سے آگاہ کیا:

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ

ترجمۂ کنزالایمان: میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا۔ پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور پیچھے اور داہنے اور بائیں سے۔

(پ۸، الاعراف: ۱۶، ۱۷)

شیطان ابن آدم کی تاک میں مختلف راستوں میں بیٹھتا ہے:

سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک شیطان ابن آدم کی تاک میں مختلف راستوں میں بیٹھا، چنانچہ وہ اس کی تاک میں اسلام کے راستے پر بیٹھا اور اس سے کہا: کیا تو مسلمان ہو رہا ہے اور اپنے اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ رہا ہے؟ لیکن ابنِ آدم نے اس کی بات

---

1 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب مکائد الشیطان، ۴/ ۵۳۶، حدیث: ۲۲

2 ...بستان الواعظین، مجلس فی الاستعاذۃ، ص۲۰ بتغیر

3 ...بخاری، کتاب الاعتکاف، باب ھل یخرج المعتکف... الخ، ۱/ ۶۶۸، حدیث: ۲۰۳۵ باختصار

نہ مانی اور اسلام لے آیا، پھر وہ اس کی گھات میں ہجرت کے راستے میں جا بیٹھا اور اس سے کہا: کیا تو ہجرت کرکے اپنی زمین اور فضا کو چھوڑ رہا ہے؟ مگر ابن آدم نے شیطان کی بات پر کان نہ دھرے اور ہجرت کی، پھر شیطان ابن آدم کے انتظار میں جہاد کی راہ میں بیٹھ گیا اور اس سے کہا: کیا تو جہاد کر رہا ہے حالانکہ یہ تو جان اور مال کو ضائع کرنا ہے، تو لڑے گا تو قتل کر دیا جائے گا، تیرے بعد لوگ تیری عورتوں سے نکاح کر لیں گے اور تیرا مال تقسیم ہو جائے گا، ابن آدم نے شیطان کی یہ بات بھی نہ مانی اور جہاد کیا۔ اس کے بعد حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ایسا کیا اور پھر اس کا انتقال ہو گیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کر دے۔[1]

مذکورہ حدیث مبارکہ میں رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے وسوسے کی حقیقت بیان فرمائی، انہی وسوسوں کو خواطر کہتے ہیں جو مجاہد کے دل میں آتے ہیں کہ تجھے قتل کر دیا جائے گا اور تیری عورتوں سے نکاح کر لیا جائے گا اور اس کے علاوہ وہ خیالات جو اسے جہاد سے روکتے ہیں۔ جب ان خواطر (یعنی وسوسوں) کا علم ہو گیا تو بار بار کے مشاہدے سے وسوسہ ڈالنے والے کا بھی معلوم ہو گیا کیونکہ ہر خاطر کا کوئی سبب ہوتا ہے اور ہم اسے پکارنے کے لئے نام کے محتاج ہیں تو ہم نے اس کے سبب کا نام شیطان رکھ دیا۔

شیطان کی مخالفت کر کے ہی اس سے بچنا ممکن ہے:

جب تک آدمی زندہ ہے اس وقت تک اس کے لئے شیطان سے چھٹکارا ممکن نہیں، البتہ اس کی مخالفت اور اتباع کرنے کے اعتبار سے لوگ مختلف ہیں۔ اسی وجہ سے حضور نبیٔ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان ہے۔“[2]

شیطان کی حقیقت جاننے کے بجائے اس سے بچاؤ والا عمل کرو:

جس نے شیطان کا مشاہدہ نہیں کیا کہ وہ لطیف جسم ہے یا جسم ہی نہیں یقیناً اس کے لئے یہ سمجھنا دشوار ہے کہ شیطان جسم رکھنے کے باوجود انسانی جسم میں کیسے داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس بات کو جاننے کی اب

1 ...سنن النسائی، کتاب الجهاد، باب ما لمن أسلم وهاجر وجاهد، ص۵۰۹، حدیث: ۳۱۳۱

2 ...مسلم، کتاب صفات المنافقین واحکامهم، باب تحریش الشیطان وبعثه... الخ، ص۱۵۱۲، حدیث: ۲۸۱۴

حاجت بھی نہیں بلکہ اس بارے میں غور وخوض کرنے والے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے کپڑوں میں سانپ گھس آئے اور وہ اسے نکالنے اور اس کے ضرر کو دور کرنے کے بجائے اس کے رنگ وشکل، لمبائی وچوڑائی کی تحقیق میں مشغول ہو جائے اور یہ نری جہالت ہے۔

شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے:

برائی پر ابھارنے والے خواطر کو دور کیسے کرنا ہے وہ تم جان چکے اور اسی کے ضمن میں یہ بھی جان چکے کہ ہر خاطر کا کوئی سبب ہوتا ہے اور یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ جو بُرائی کی طرف لے جائے وہ دشمن ہے تو لامحالہ دشمن کا بھی معلوم ہو گیا، اب مناسب یہ ہے کہ دشمن کے خلاف جہاد میں مشغول ہوا جائے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی مبارک کتاب میں کثیر مقامات پر شیطان کی دشمنی کی پہچان کروائی ہے تاکہ لوگ اس کے وُجود کی تصدیق کرتے ہوئے اس سے بچیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ ﴿۶﴾ (پ۲۲، فاطر: ۶)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو وہ تو اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں۔

مزید ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۰﴾ (پ۲۳، یٰس: ۶۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اے اولادِ آدم کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

خواطر کی تین قسمیں ہیں:

بندے کو چاہئے کہ اپنے آپ سے دشمن کو دور کرنے میں مشغول رہے نہ کہ یہ پوچھنے میں کہ اس کی اصل اور اس کا نسب کیا ہے اور یہ کہاں رہتا ہے۔ ہاں! اس کے ہتھیار کے بارے میں سوال کرنا چاہئے تاکہ اس کو اپنے سے دور کر سکے۔ شیطان کا ہتھیار نفسانی خواہشات ہیں اور جاننے والوں کے لئے اتنی بات کافی ہے، رہی اس کی ذات وصفات اور حقیقت کی معرفت اور ملائکہ کی حقیقت کی معرفت تو یہ عارفین کا حصہ

ہے جو کہ مکاشفات کے علوم میں مستغرق رہتے ہیں لہٰذا علم معاملہ میں اس کی معرفت کی حاجت نہیں۔ہاں!یہ جاننا مناسب ہے کہ خواطر کی تین قسمیں ہیں:(۱)جن کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ شر کی طرف بلاتے ہیں، ان کے وسوسے ہونے میں کوئی پوشیدگی نہیں(۲)جو خیر کی دعوت دیتے ہیں، ان کے الہام ہونے میں کوئی شک نہیں(۳)جن کے متعلق تَرَدُّد ہوتا ہے اور معلوم نہیں ہوتا کہ یہ فرشتے کی طرف سے ہیں یا شیطان کی طرف سے۔

شیطان شر کو خیر کی صورت میں پیش کرتا ہے:

شیطان کا ایک مکروفریب یہ بھی ہے کہ وہ خیر کی آڑ میں شر کو پیش کرتا ہے اور اس میں فرق کرنا مشکل ہے اور اکثر لوگ اس فریب کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں کیونکہ شیطان جب لوگوں کو بظاہر شر کی طرف بلانے پر قادر نہیں ہوتا تو شر کو خیر کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ مثلاً عالم کو نصیحت کے پیرائے میں کہتا ہے: "کیا تم خَلْقِ خدا کی طرف نظر نہیں کرتے کہ وہ جہالت کی وجہ سے گویا مرے ہو چکے اور غفلت کے سبب ہلاکت کے قریب اور جہنم کے کنارے پر پہنچ گئے ہیں؟ کیا تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان بندوں پر رحم نہیں آتا کہ اپنے وعظ و نصیحت کے ذریعے انہیں ہلاکت سے بچاؤ؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے روشن دل، فصیح زبان اور پسندیدہ لہجہ عطا کر کے تم پر انعام فرمایا ہے تو تم کیوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت کی ناشکری کر رہے ہو اور اس کی ناراضی مول لے رہے ہو اور خَلْقِ خدا کو سیدھے راستے کی طرف نہ بلانے اور اشاعتِ علم نہ کرنے کا سبب آخر کون ہے؟"

شیطان اس کے دل میں یہ بات پختہ کرتا رہتا ہے اور حیلے بہانوں سے اسے وعظ کی طرف مائل کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ وعظ و نصیحت کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے، پھر شیطان کہتا ہے: "لوگوں کی خاطر زیب و زینت اختیار کر اور بتکلف اچھے الفاظ کا استعمال اور نیکی کا اظہار کر، اگر تو نے ایسا نہ کیا تو لوگوں کے دلوں میں تیرے کلام کی کوئی وقعت نہ رہے گی اور یوں وہ راہِ حق کی طرف ہدایت نہ پا سکیں گے۔"

شیطان اسے مزید بہکاتا رہتا ہے حتّٰی کہ اس کے دل میں ریاکاری، مخلوق میں مقبولیت کی خواہش اور پیروکاروں کی کثرت، علم اور مخلوق کو اس کی نظر میں حقیر دکھا کر عزت کی طلب کو پختہ کر دیتا ہے، اس طرح کی نصیحتیں کر کے بتدریج اس مسکین کو ہلاکت کے قریب کر دیتا ہے، اب وہ مسکین لوگوں کو وعظ

کرتے وقت یہ گمان کر رہا ہوتا ہے کہ میں بھلائی کر رہا ہوں حالانکہ درحقیقت اس کا مقصد منصب اور لوگوں میں مقبولیت کا حصول ہوتا ہے۔ یہ سبب اس کے لئے باعث ہلاکت ہے اور وہ گمان کر رہا ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں مقام و مرتبہ حاصل ہوگا۔ ایسا شخص انہی لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِقَوْمٍ لَاخَلَاقَ لَھُمْ یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ اس دین کی مدد ایسے لوگوں کے ذریعے کرتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔"[1]

نیز ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِر یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ اس دین کی مدد فاجر شخص سے بھی کرتا ہے۔[2]

شیطان کے کہنے پر کلمۂ حق بھی نہ کہا:

مروی ہے کہ شیطان لعین انسانی شکل میں حضرت سَیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس آیا اور کہا: "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" پڑھیے، آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: اگرچہ یہ کلمہ حق ہے لیکن میں اسے تیرے کہنے پر نہیں پڑھوں گا۔

آپ کے انکار کی وجہ یہ تھی کہ خیر کے تحت بھی اس کے بہت سے مکر و فریب ہوتے ہیں اور اس قسم کے شیطانی مکر و فریب بے شمار ہیں جن کے سبب علما، عبادت گزار، زاہدین، فقرا، اغنیا اور وہ لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں جو ظاہری برائی کو ناپسند کرتے ہیں اور صریح گناہ میں پڑنے کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔

سَیِّدُنا امام غزالی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا شیطان کے خلاف جہاد:

عنقریب ہم شیطان کے دیگر مکر و فریب (اس جلد کے آخری باب) "ذَمُّ الْغُرُوْر (دھوکے کی مذمت کے بیان)" میں ذکر کریں گے اور اگر زمانے نے مہلت دی تو ہو سکتا ہے خاص اس موضوع پر "تَلْبِیْسِ اِبْلِیْس" کے نام سے ایک کتاب لکھیں کیونکہ اب اس کے مکر و فریب بالخصوص مذاہب اور عقائد کے معاملے میں شہروں اور لوگوں میں پھیل گئے ہیں حتّٰی کہ نیک کام صرف رسمی طور پر باقی رہ گئے ہیں اور یہ سب کچھ شیطان کے مکر و فریب پر یقین کر لینے کے سبب ہے۔

---

1 ... السنن الکبری للنسائی، کتاب السیر، باب الاستعانۃ بالفجار فی الحرب، ۵/ ۲۷۹، حدیث: ۸۸۸۵

2 ... بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب ان اللہ یؤید الدین بالرجل الفاجر، ۲/ ۳۲۹، حدیث: ۳۰۶۲

بندے پر لازم ہے کہ اپنے ہر خیال پر غور کرے:

بندے پر لازم ہے کہ اپنے دل میں آنے والے ہر خیال پر غور کرے تا کہ وہ جان سکے کہ یہ فرشتے کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے؟ اور اس پر لازم ہے کہ بصیرت کی نگاہ سے اس میں گہری نظر کرے نہ کہ طبعی خواہش کے مطابق اور شیطانی مکر و فریب پر اطلاع صرف تقویٰ کے نور، بصیرت اور وافر علم سے ہی ہو سکتی ہے، جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا (پ۹، الاعراف: ۲۰۱)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں۔

یعنی وہ نورِ علم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ (پ۹، الاعراف: ۲۰۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

یعنی ان کی مشکل دور ہو جاتی ہے۔

گناہ گار کو شیطانی مکر کی خبر تک نہیں ہوتی:

جو شخص اپنے لئے تقویٰ کو پسند نہیں کرتا اس کی طبیعت خواہشات کی پیروی کے سبب شیطانی مکر و فریب قبول کرنے کی طرف مائل ہو جاتی ہے تو اس وقت ایسے شخص کی غلطیاں بڑھ جاتی ہیں اور وہ تیزی سے ہلاکت کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور اسے شعور بھی نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ (پ۲۴، الزمر: ۴۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی۔

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو وہ نیکیاں سمجھتے تھے جب دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ تو گناہ ہیں۔

نفس کے دھوکے اور شیطانی مکر کا جاننا فرض عین ہے:

علومِ معاملہ میں سب سے مشکل علم نفس کے دھوکوں اور شیطان کے مکر و فریب کو جاننا ہے۔ اس کا علم

ہونا ہر بندے پر فرضِ عین ہے لیکن لوگ اس سے غافل ہیں اور ایسے علوم کو حاصل کرنے میں مشغول ہیں جو وسوسوں کو لاتے ہیں اور ان پر شیطان کو غالب کر دیتے ہیں، نیز اس کی دشمنی اور اس سے بچنے کے طریقے بھی بھلا دیتے ہیں۔

وسوسوں کی کثرت سے نجات کی صورت:

وسوسوں کی کثرت سے نجات کی صرف یہی صورت ہے کہ نفسانی اور شیطانی خواطر کے دروازں کو بند کر دیا جائے۔ خواطر کے ظاہری دروازے حواسِ خمسہ ہیں اور باطنی دروازے شہوات اور دنیا کی طرف مائل کرنے والی اشیاء ہیں۔ تاریک گھر میں تنہائی اختیار کرنا حواسِ خمسہ کے دروازوں کو بند کرتا ہے اور اہل وعیال اور مال سے علیحدگی باطن سے وسوسے کم کرتی ہے لیکن کچھ خیالات پھر بھی باقی رہتے ہیں اور یہ صرف اسی صورت میں دور ہوتے ہیں جب دل کو ذکرُ اللہ میں مشغول رکھا جائے۔ شیطان پھر بھی قلب کی کھینچا تانی، اس سے جھگڑنے اور اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے غافل کرنے سے باز نہیں آتا ہے لہٰذا اس سے مجاہدہ کرنا ضروری ہے اور اس مجاہدہ کا اختتام صرف موت ہے کیونکہ جب تک آدمی زندہ ہے شیطان سے نجات نہیں پا سکتا۔

ہاں! بعض اوقات آدمی قوی ہوتا ہے کہ شیطان کا کہا نہیں مانتا اور مجاہدے کے ذریعے اس کے شر کو اپنے سے دور کر دیتا ہے لیکن پھر بھی اس کے خلاف جہاد اور اس کے شر کو دفع کرنے سے اس وقت تک بے نیاز نہیں ہوا جا سکتا جب تک انسان کے بدن میں خون کی گردش باقی ہے کیونکہ جب تک انسان زندہ ہے اس وقت تک اس کے دل کی طرف شیطان کے دروازے کھلے رہیں گے اور وہ شہوت، غضب، حسد، حرص اور دیگر برائیاں ہیں عنقریب ان کی وضاحت آئے گی۔ جب دروازہ کھلا ہو اور دشمن بھی غافل نہ ہو تو اس وقت دفاع صرف مجاہدے اور نگرانی کے ذریعے ہو سکتا ہے۔

کیا شیطان سوتا ہے؟

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے ایک شخص نے پوچھا: اے ابو سعید! کیا شیطان سوتا ہے؟ تو آپ مسکرا دیئے اور فرمایا: اگر وہ سوتا ہوتا تو ضرور ہم سکون میں ہوتے۔

صورت حال جب ایسی ہے تو مومن کو اس سے چھٹکارا نہیں مل سکتا، البتہ اسے دور کرنے اور اس کی قوت کمزور کرنے کا راستہ ہے۔ چنانچہ

مومن اپنے شیطان کو کمزور کردیتا ہے:

خَاتَمُ الْمُرْسَلِیْن، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الْمُؤْمِنَ یُنْضِیْ شَیْطَانَہٗ کَمَا یُنْضِیْ اَحَدُکُمْ بَعِیْرَہٗ فِیْ سَفَرِہٖ یعنی مومن اپنے شیطان کو اس طرح کمزور کر دیتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی سفر میں اپنے اونٹ کو کمزور کر دیتا ہے (اس پر بوجھ لاد کر)۔[1]

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: مومن کا شیطان کمزور ہوتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا قیس بن حَجّاج رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میرے شیطان نے مجھ سے کہا: "میں تم میں داخل ہوتے وقت فربہ اونٹنی کی مانند تھا اور اب چڑیا کی طرح ہو گیا ہوں۔" میں نے پوچھا: "ایسا کیوں؟" اس نے کہا: "تم ذِکرُ اللہ کے ذریعے مجھے پگھلاتے رہتے ہو۔"

معلوم ہوا کہ اَہْلِ تقویٰ کے لئے شیطان کے دروازوں کو بند کرنا اور نگرانی کے ذریعے ان کی حفاظت کرنا مشکل نہیں۔ دروازوں سے میری مراد وہ ظاہری دروازے اور راستے ہیں جو ظاہری گناہ کی طرف لے جاتے ہیں جبکہ اس کے خفیہ راستوں میں وہ بھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں، وہ ان راستوں کو پاتے ہی نہیں ہیں کہ ان کی حفاظت کریں، جیسا کہ ہم نے علما و واعظین کے متعلق ذکر کیا کہ کس طرح شیطان انہیں دھوکے میں مبتلا کرتا ہے۔

انسان گویا اندھیری رات میں جنگل کا مسافر ہے:

مشکل یہ ہے کہ دل کی طرف کھلنے والے شیطان کے دروازے بہت زیادہ ہیں جبکہ فرشتوں کا دروازہ صرف ایک ہے اور یہ اکیلا دروازہ بھی ان کثیر دروازوں کے درمیان مشتبہ ہے، تو بندہ اس مسافر کی طرح ہے جو اندھیری رات میں کسی ایسے جنگل میں ہو جس میں دشوار گزار کئی راستے ہوں، صحیح راستے کا علم صرف دو طرح سے ہو سکتا ہے: (۱) بصیرت والی آنکھ یا (۲) روشن سورج کے طلوع ہونے سے۔ یہاں بصیرت والی آنکھ سے مراد وہ دل ہے جو

---

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی ھریرۃ، ۳/ ۳۲۱، حدیث: ۸۹۴۹

تقویٰ کے ذریعے صاف کیا گیا ہو اور روشن سورج سے مراد کتابُ اللہ اور سُنَّتِ رسول سے حاصل کیا ہوا کثیر علم ہے جس کے ذریعے شیطان کے خفیہ راستوں کی طرف رہنمائی ملتی ہے ورنہ اس کے راستے کثیر اور پوشیدہ ہیں۔

شیطانی راستے بے شمار ہیں:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہمیں سمجھانے کے لئے ایک لکیر کھینچی اور ارشاد فرمایا: یہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا راستہ ہے، پھر اس لکیر کے دائیں بائیں متعدد لکیریں کھینچیں اور ارشاد فرمایا: یہ مختلف راستے ہیں، ان میں سے ہر ایک پر ایک شیطان ہے جو لوگوں کو اس پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (پ۸، الانعام: ۱۵۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور اَور راہیں نہ چلو۔[1]

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان مختلف لکیروں کے ذریعے شیطان کے راستوں کی کثرت کو بیان فرمایا اور بے شک ہم اس کے راستوں میں سے ایک خفیہ راستے کی مثال ذکر کر چکے جس کے سبب وہ علما اور ان عبادت گزاروں کو دھوکہ دیتا ہے جو اپنی خواہشات پر قابو پا کر خود کو ظاہری گناہوں سے بچا لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اب ہم اس واضح راستے کی مثال بیان کریں گے جو پوشیدہ تو نہیں ہے لیکن آدمی اس پر بے اختیار چل پڑتا ہے۔ چنانچہ

شیطان گناہ کی راہ ہموار کرتا چلا جاتا ہے:

مروی ہے کہ حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا، اس کے زمانے میں شیطان نے ایک خوبصورت لڑکی کے پاس جا کر اسے دبوچا (جس کے سبب وہ بیمار ہو گئی) پھر اس کے گھر والوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس کا علاج راہب کے پاس ہے۔ چنانچہ وہ لڑکی کو اس کے پاس لائے تو راہب نے بغرضِ علاج اسے اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا مگر لڑکی کے گھر والے اصرار کرتے رہے حتی کہ وہ مان گیا۔

---

[1] ...السنن الکبری للنسائی، کتاب التفسیر، سورۃ الانعام، ۶/ ۳۴۳، حدیث: ۱۱۱۷۴

جب لڑکی راہب کے پاس علاج کے لئے موجود تھی تو شیطان اس کے پاس آیا اور اس کے دل میں لڑکی کے ساتھ بدکاری کرنے کا وسوسہ ڈالا اور اس نازیبا حرکت پر اُکساتا رہا یہاں تک کہ راہب نے اس لڑکی کے ساتھ منہ کالا کر لیا اور لڑکی حاملہ ہوگئی۔ پھر شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اس کے گھر والے آئیں گے اور تو بدنام و رُسوا ہو جائے گا، لہٰذا اسے قتل کر دے، وہ پوچھیں تو کہہ دینا کہ مرگئی۔ چنانچہ راہب نے اسے قتل کر کے دفن کر دیا۔ اب شیطان لڑکی کے گھر والوں کے پاس آیا اور ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ راہب نے لڑکی کو حاملہ کرنے بعد قتل کر کے دفن کر دیا ہے۔ چنانچہ لڑکی کے گھر والوں نے راہب سے لڑکی کا پوچھا تو اس نے کہا: لڑکی مرگئی ہے۔ لڑکی کے گھر والوں نے اسے قتل کرنے کے لئے پکڑا تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے ہی لڑکی کو دبوچا (یعنی بیمار کیا) تھا اور میں نے ہی اس کے گھر والوں کے دل میں یہ بات ڈالی ہے، اب اگر تو نے میری بات مان لی تو نجات پا جائے گا اور میں تجھے ان لوگوں سے چھٹکارا دلا دوں گا۔ راہب نے پوچھا: کس طرح؟ شیطان نے کہا: مجھے دو سجدے کر۔ راہب نے دو سجدے کر دیئے۔ پھر شیطان نے کہا: اب میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

یہی وہ بات ہے جس کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ (پ۲۸، الحشر: ۱۶)

ترجمۂ کنزالایمان: شیطان کی کہاوت جب اس نے آدمی سے کہا کفر کر پھر جب اس نے کفر کر لیا بولا میں تجھ سے الگ ہوں۔[1]

اب تم خود ہی غور کرو کہ شیطان نے کس طرح اپنے حیلوں کے ذریعے راہب سے کبیرہ گناہ کروائے اور یہ تمام گناہ (یعنی زنا، قتل اور غیرُاللہ کو سجدہ) شیطان کی بات مان کر لڑکی کا علاج کرنے کے سبب صادر ہوئے حالانکہ علاج کے لئے رکھنا بظاہر ایک معمولی بات ہے۔ بعض اوقات انسان سمجھتا ہے کہ یہ تو نیکی اور بھلائی کا کام ہے اور شیطان خفیہ خواہش کے ذریعے اس کام کی اچھائی اس کے دل میں ڈال دیتا ہے، چنانچہ انسان نیکی کا شوق رکھنے والے شخص کی طرح اس کام کا آغاز کر دیتا ہے، پھر معاملہ اس کے اختیار سے نکل جاتا ہے اور بعض کام اسے دوسرے بعض کاموں کی طرف اس طریقے سے لے جاتے ہیں کہ وہ ان سے بچنے کی جگہ نہیں

[1] ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب مکائد الشیطان، ۴/ ۵۳۶، حدیث: ۶۱

پاتا۔ لہٰذا ہم حرام میں مبتلا کر دینے والے امور سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگتے ہیں۔ بے کسوں کے مدد گار، شفیع روزِ شمار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان میں اسی جانب اشارہ ہے: "مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِکُ اَنْ یَقَعَ فِیْہِ یعنی جو چراگاہ کے گرد پھرے گا تو قریب ہے کہ وہ اس میں داخل بھی ہو جائے۔"[1]

پانچویں فصل: دل کی طرف جانے والے شیطان کے داخلی راستوں کی تفصیل

جان لو کہ دل کی مثال قلعے کی سی ہے اور شیطان اس دشمن کی طرح ہے جو قلعے میں داخل ہونا چاہتا ہے تاکہ اس کا مالک بن کر اس پر قبضہ کر لے اور دشمن سے قلعے کی حفاظت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کے دروازوں، داخلی راستوں اور کمزور مقامات کی نگرانی کی جائے اور جو اس کے دروازوں سے واقف نہ ہو وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ شیطان کے وسوسوں سے دل کی حفاظت کرنا واجب ہے اور یہ ہر مکلَّف پر فرض عین ہے اور جو عمل ایسا ہو کہ اُسی کے ذریعے واجب تک پہنچنا ممکن ہو تو وہ عمل بھی واجب ہوتا ہے اور شیطان کو دور کرنا اسی طرح ممکن ہے کہ اس کے داخلی راستوں کی پہچان حاصل ہو، لہٰذا اس کے داخلی راستوں کی معرفت حاصل کرنا بھی واجب ہوا۔ شیطان کے داخلی راستے اور دروازے بندوں کی صفات ہیں اور وہ کثیر ہیں، ہم راستوں کی مانند اُن بڑے دروازوں کی جانب اشارہ کریں گے جو شیطانی لشکروں کی کثرت کے باوجود تنگ نہیں پڑتے۔

شیطان کا کھلونا:

غصہ اور شہوت: شیطان کے بڑے دروازوں میں سے غصہ اور شہوت بھی ہیں۔ غصے کے سبب عقل میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور جب عقل کا لشکر کمزور ہو جاتا ہے تو شیطان کا لشکر اس میں گھس آتا ہے اور جب انسان کو غصہ آتا ہے تو شیطان اس کے ساتھ ایسے کھیلتا ہے جیسے بچہ گیند سے کھیلتا ہے۔

سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور شیطان کا مکالمہ:

منقول ہے کہ ابلیس حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے ملا اور کہنے لگا: "اے

---

[1] ...بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ، ۱/ ۳۳، حدیث: ۵۲ بتغیر قلیل

موسیٰ! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو اپنی رسالت عطا کی اور ہم کلامی سے نوازا، میں بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مخلوق ہوں، مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے، اب میں توبہ کرنا چاہتا ہوں، آپ میرے رب کے ہاں میری سفارش کر دیجیے کہ وہ میری توبہ قبول کرلے۔" حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: "ٹھیک ہے۔" جب حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام پہاڑ پر تشریف لے گئے اور رب تعالیٰ سے کلام کرکے اترنے کا ارادہ کیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: "امانت ادا کرو۔" حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کی: "اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! ابلیس چاہتا ہے کہ تو اس کی توبہ قبول فرمالے۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی: "اے موسیٰ! تمہاری عرض قبول ہو گی، اس سے کہو کہ آدم کی قبر کو سجدہ کرے تاکہ اس کی توبہ قبول کرلی جائے۔" حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے ابلیس کو جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم پہنچایا تو ابلیس غصے سے بھڑک اٹھا اور تکبر کرتے ہوئے کہنے لگا: "جب میں نے ان کی زندگی میں انہیں سجدہ نہ کیا تو ان کے وصال کے بعد کیسے کر سکتا ہوں؟" پھر کہنے لگا: "اے موسیٰ! چونکہ آپ نے اپنے رب کے ہاں میری سفارش کی ہے اس لئے میرے ذمہ آپ کا حق ہے، آپ مجھے تین موقعوں پر ضرور یاد رکھنا میں ان مواقع پر آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا: (۱) غصے کے وقت، کیونکہ میری روح آپ کے دل میں اور میری آنکھ آپ کی آنکھ میں ہے اور میں آپ کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہوں، لہٰذا غصے کے وقت مجھے نہ بھولنا۔ انسان جب غصہ میں آتا ہے تو میں اس کی ناک میں پھونک دیتا ہوں پھر اسے خبر نہیں رہتی کہ وہ کیا کر رہا ہے (۲) کفار سے مقابلے کے وقت مجھے یاد رکھنا، کیونکہ مقابلے کے وقت میں ابن آدم کے پاس آکر اسے اس کے بال بچوں اور گھر والوں کی یاد دلاتا ہوں حتی کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے (۳) نامحرم عورت کے پاس نہ بیٹھنا، کیونکہ میں آپ کی طرف اس کا اور اس کی طرف آپ کا قاصد ہوں گا اور میں آپ دونوں کو بہکاتا رہوں گا حتی کہ اُس کے سبب آپ کو اور آپ کے سبب اُسے فتنے میں مبتلا کر دوں گا۔"

شیطان کی ان باتوں سے شہوت، غضب اور حرص کا اشارہ ملتا ہے کیونکہ میدان جنگ سے بھاگنا دنیا کی حرص ہے اور شیطان کا حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے وصال (ظاہری) کے بعد بھی انہیں سجدہ نہ کرنا حسد ہے اور یہ بھی اس کا بڑا داخلی راستہ ہے۔

شیطان ابن آدم پر کیسے غلبہ پاتا ہے؟

منقول ہے کہ کسی نیک بندے نے ابلیس سے کہا: "مجھے بتا کہ تو ابنِ آدم پر کیسے غلبہ پاتا ہے؟" اس نے کہا: "میں غصے اور دنیا کی طرف میلان کے وقت اس پر غالب آجاتا ہوں۔"

بیان کیا جاتا ہے کہ ابلیس ایک راہب کے سامنے ظاہر ہوا تو راہب نے اس سے پوچھا: "ابن آدم کی کون سی صفت اس پر قابو پانے میں تمہارے لئے زیادہ معاون ثابت ہوتی ہے؟" ابلیس نے کہا: "سخت غصہ کیونکہ جب وہ سخت غصہ میں ہوتا ہے تو میں اسے اس طرح اُلٹ پلٹ کرتا ہوں جس طرح بچے گیند کو کرتے ہیں۔"

منقول ہے کہ شیطان کہتا ہے: ابن آدم مجھ پر غالب آنا چاہتا ہے حالانکہ جب وہ خوش ہوتا ہے تو میں اس کے دل میں داخل ہو جاتا ہوں اور جب اسے غصہ آتا ہے تو میں اُڑ کر اس کے سر پر چڑھ جاتا ہوں۔

حرص اور حسد نورِ بصیرت زائل کردیتے ہیں:

حرص اور حسد: شیطان کے بڑے دروازوں میں سے حرص اور حسد بھی ہیں۔ جب بندہ ہر چیز کا حریص ہوتا ہے تو اس کی حرص اسے اندھا اور بہرا کردیتی ہے کیونکہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ یعنی کسی چیز سے تیری محبت تجھے اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔"[1]

نورِ بصیرت کہ جس کے سبب شیطان کے داخلی راستوں کی معرفت حاصل ہوتی ہے حرص اور حسد اس نور کو زائل کردیتے ہیں اور شیطان موقع پاکر حریص کے دل میں ہر اس چیز کی محبت ڈال دیتا ہے جو اسے اس کی خواہش تک پہنچادے اگرچہ وہ چیز بری اور مذموم ہو۔

شیطان کے وفادار ہتھیار:

منقول ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا نوح نَجِیُّ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کشتی میں سوار ہوئے اور آپ نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کے مطابق اس میں ہر جنس میں سے ایک جوڑے نر و مادہ کو سوار کرلیا تو ایک اجنبی بوڑھے کو بھی کشتی میں بیٹھا دیکھا، آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس سے پوچھا: "تم کیوں داخل ہوئے ہو؟" اس نے

---

[1] ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الھوی، ۴/ ۴۳۰، حدیث: ۵۱۳۰

کہا: "میں آپ کے اصحاب کے دلوں کو لینے کے لئے داخل ہوا ہوں تا کہ ان کے دل میرے ساتھ ہوں اور بدن آپ کے ساتھ۔" آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: "اے دُشمنِ خدا! نکل جا یہاں سے، یقیناً تو مردود ہے۔" شیطان بولا: "پانچ چیزوں کے ذریعے میں لوگوں کو ہلاک کرتا ہوں، ان میں سے تین چیزیں آپ کو بتاتا ہوں لیکن دو نہیں بتاؤں گا۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ ان تین چیزوں کی آپ کو حاجت نہیں ہے آپ اس سے دوسری دو معلوم کیجئے! چنانچہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس سے فرمایا: "وہ دو چیزیں کیا ہیں؟" اس نے کہا: "دو چیزیں ایسی ہیں نہ تو مجھے جھٹلاتی ہیں اور نہ ہی میرے خلاف جاتی ہیں، ان کے ذریعے میں لوگوں کو ہلاکت میں ڈالتا ہوں اور وہ دو چیزیں حرص اور حسد ہیں۔ حسد کی وجہ سے مجھ پر لعنت کی گئی اور مجھے شیطان مردود کہا گیا اور جہاں تک حرص کا تعلق ہے تو آدم کے لئے ایک درخت کے علاوہ ساری جنت مباح تھی لیکن حرص کے سبب میں نے آدم سے (ان کی اہلیہ حوا کے ذریعے) اپنا مقصد پورا کر لیا۔"

پیٹ بھر کر کھانا:

شیطان کے بڑے دروازوں میں سے پیٹ بھر کر کھانا بھی ہے، اگرچہ وہ حلال اور شبہ سے پاک ہو کیونکہ سیر ہو کر کھانے سے شہوات کو تقویت ملتی ہے اور شہوات شیطان کے ہتھیار ہیں۔

شہوات کے جال:

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن زَکَرِیَّا عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے سامنے شیطان ظاہر ہوا، آپ نے اس کے پاس بہت سے جال دیکھ کر اِسْتِفْسار فرمایا: "یہ جال کیسے ہیں؟" اس نے جواب دیا: "یہ شہوات کے جال ہیں جن سے میں انسانوں کا شکار کرتا ہوں۔" آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے پوچھا: "کیا مجھے پھانسنے کے لئے بھی ان میں سے کوئی جال ہے؟" اس نے کہا: "ایک دفعہ آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا تو میں نے آپ پر نماز اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر بھاری کر دیا تھا۔" آپ نے پوچھا: "کیا اس کے علاوہ بھی ہے؟" اس نے کہا: "نہیں۔" آپ نے فرمایا: "خدا عَزَّوَجَلَّ کی قسم! آئندہ میں کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھاؤں گا۔" شیطان بولا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں بھی آئندہ کبھی کسی مسلمان کو نصیحت نہیں کروں گا۔"

زیادہ کھانے کی چھ آفتیں:

منقول ہے کہ زیادہ کھانے میں چھ خرابیاں ہیں: (۱) دل سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف نکل جاتا ہے (۲) دل میں مخلوق کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا کیونکہ وہ سبھی کو پیٹ بھرا گمان کرتا ہے (۳) عبادت بوجھ محسوس ہونے لگتی ہے (۴) علم وحکمت کی بات سن کر دل میں رقت پیدا نہیں ہوتی (۵) خود حکمت ونصیحت کی بات کرتا ہے تو لوگوں کے دلوں پر اس کا اثر نہیں ہوتا اور (۶) اس کے سبب کئی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

کفر پر خاتمے کا اندیشہ:

اشیاء کی تزیین وآرائش: شیطان کے دروازوں میں سے گھریلو ساز وسامان، کپڑوں اور مکان کی سجاوٹ کی محبت بھی ہے۔ چنانچہ شیطان جب کسی شخص کے دل پر اِسے غالب دیکھتا ہے تو اس کے دل پر ڈیرہ جما لیتا ہے اوّلاً اسے مکان کی تعمیر، اس کی چھت اور دیواروں کی آرائش اور عمارت کھڑی کرنے میں مصروف رکھتا ہے، پھر لباس اور سواری کی زیبائش میں لگا دیتا ہے اور ان کاموں میں طویل عمر لگائے رکھتا ہے۔

جب یہ خواہشات انسان کے دل میں اچھی طرح گھر کر جاتی ہیں تو شیطان کو دوبارہ اس کے پاس آنے کی حاجت نہیں رہتی کیونکہ ان میں سے بعض کام خود ہی دوسرے کاموں کی طرف لے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے پاس موت کا پیغام آجاتا ہے اور شیطان کے راستے پر چلتے ہوئے اور نفسانی خواہشات کی اتباع کرتے ہوئے اس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کے متعلق اندیشہ ہے کہ کفر میں جا پڑے اور اپنی آخرت برباد کر بیٹھے۔

لالچی شخص کا معبود:

لالچ: شیطان کے بڑے دروازوں میں سے لوگوں سے لالچ رکھنا بھی ہے۔ کیونکہ جب طمع دل پر غالب آجاتی ہے تو مالدار اور منصب پر فائز شخص کے دل میں بھی شیطان ریا اور فریب کی مختلف قسموں کے ذریعے بناوٹ اور زینت کا اظہار کرنے کی محبت ڈال دیتا ہے یہاں تک کہ جس شخص سے اسے لالچ ہوتی ہے وہ گویا اس کا معبود بن جاتا ہے۔ پھر یہ اس سے دوستی کرنے اور اس کا محبوب بننے کی فکر میں لگا رہتا ہے اور اس تک پہنچنے

کے لئے ہر راستے پر چل پڑتا ہے اور اس کی کم سے کم حالت یہ ہوتی ہے کہ یہ جھوٹی تعریف کرتا ہے اور اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف اور نَہْیٌ عَنِ الْمُنْکَر ترک کرتے ہوئے اس کے سامنے مُداہنت سے کام لیتا ہے (یعنی حق بات چھپاتا ہے)۔

جس کی طمع کی جاتی ہو مخلوق سے اس کا سوال مت کرو:

حضرت سیِّدُنا صفوان بن سُلَیْم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے مروی ہے کہ شیطان حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن حَنْظَلَہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "اے ابنِ حَنْظَلَہ! میں تمہیں کچھ سکھاتا ہوں اسے یاد کرلو۔" آپ نے فرمایا: "مجھے اس کی حاجت نہیں۔" شیطان نے کہا: "سن تو لو! اگر بات اچھی ہو تو قبول کرلینا اور بری ہو تو رد کردینا۔" پھر اس نے کہا: "اے ابنِ حَنْظَلَہ! جس چیز کی طمع کی جاتی ہو اس کا سوال اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی سے نہ کرو اور جب تم غصے میں ہو تو اپنی کیفیت پر غور کیا کرو کیونکہ اس وقت میں تم پر قابو پالیتا ہوں۔"

جلد بازی کی ممانعت قرآن سے:

جلد بازی: شیطان کے بڑے دروازوں میں سے جلد بازی کرنا اور غور و فکر چھوڑ دینا بھی ہے۔ چنانچہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اَلْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ وَالتَّاَنِّیْ مِنَ اللہِ تَعَالٰی یعنی جلد بازی شیطان کی طرف سے اور بردباری اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ہے۔"[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (پ۱۷، الانبیآء: ۳۷) ترجمۂ کنزالایمان: آدمی جلد باز بنایا گیا۔

نیز ارشاد فرماتا ہے:

وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝ (پ۱۵، بنی اسرآءیل: ۱۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور آدمی بڑا جلد باز ہے۔

اور اپنے حبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ (پ۱۶، طٰہٰ: ۱۱۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور قرآن میں جلدی نہ کرو جب تک اس کی وحی تمہیں پوری نہ ہولے۔

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی التأنی والعجلۃ، ۳/ ۴۰۶، حدیث: ۲۰۱۹

جلد بازی سے ممانعت کی وجہ:

جلد بازی سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کاموں کو اس وقت کرنا چاہئے جب ان کے بارے میں اچھی طرح سمجھ بوجھ اور ان کی پہچان حاصل ہو جائے اور سمجھ بوجھ کے لئے غور و فکر اور بُردباری کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ جلد بازی ان سے روکتی ہے اور جلد باز شخص کو شیطان اس طرح برائی میں دھکیل دیتا ہے کہ اسے پتا تک نہیں چلتا۔

جلد بازی شیطان کا ہتھیار ہے:

منقول ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی ولادت ہوئی تو شیاطین نے اپنے سردار ابلیس کے پاس آکر خبر دی کہ بت سر کے بل گر پڑے ہیں۔ ابلیس نے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ آج کوئی عظیم واقعہ رونما ہوا ہے، تم یہیں ٹھہرو! میں معلوم کرتا ہوں۔" چنانچہ اس نے مشرق و مغرب کا چکر لگایا مگر کچھ پتا نہ چلا یہاں تک کہ وہ حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللہ عَلَیْہِ السَّلَام کی جائے ولادت پر پہنچا اور دیکھا کہ فرشتے آپ کو جھرمٹ میں لئے ہوئے ہیں۔ ابلیس واپس شیاطین کے پاس گیا اور کہنے لگا: "گزشتہ رات ایک نبی کی ولادت ہوئی ہے، جب بھی کوئی عورت حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی ہے تو میں وہاں موجود ہوتا ہوں مگر ان کی پیدائش کا مجھے علم نہ ہو سکا لہٰذا اس رات کے بعد بتوں کی عبادت سے ناامید ہو جاؤ لیکن انسان کے لئے اپنا ہتھیار جلد بازی کو بناؤ۔

جہنم کے طبقے "ہاویہ" میں کون؟

مال و دولت: شیطان کے بڑے دروازوں میں سے دراہم و دینار اور دیگر اموال یعنی سامان، سواریاں اور جائیداد بھی ہیں۔ جو چیز بھی ضرورت اور حاجت سے زائد ہو وہ شیطان کا ٹھکانا ہے کیونکہ جس کے پاس بدن کی بقا کے لئے ضروری اشیائے خوردنی ہوں اس کا دل فکر معاش سے فارغ ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو اگر راستے میں 100 دینار مل جائیں تو اس کے دل میں 10 خواہشات پیدا ہو جائیں گی، پھر ہر خواہش پوری کرنے کے لئے مزید 100 دینار کی حاجت ہو گی، اس طرح یہی 100 دینار اسے کافی نہیں ہوں گے بلکہ مزید 900 کی ضرورت پیش آئے گی حالانکہ 100 دینار پانے سے پہلے وہ مستغنی تھا۔ اب جبکہ اس کے ہاتھ 100 دینار لگ گئے ہیں تو اس نے یہ گمان کر لیا کہ وہ غنی ہو گیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ گھر خرید کر اسے تعمیر کرنے، لونڈی، گھر کا ساز و سامان اور عمدہ ملبوسات خریدنے کے لئے

مزید 900 دینار کا محتاج ہو گیا اور ان میں سے ہر چیز اپنی مناسبت کے اعتبار سے دوسری چیز کا تقاضا کرتی ہے اور یوں یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ وہ جہنم کے آخری اور انتہائی گہرے طبقے "ہاوِیہ" میں جا گرے۔

مال کے ذریعے شیطان اپنا مقصد پالیتا ہے:

حضرت سیِّدُنا ثابِت بُنانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی بیان کرتے ہیں کہ جب رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مبعوث ہوئے تو ابلیس نے اپنے چیلوں سے کہا: "ایک عظیم واقعہ رونما ہو چکا ہے، جاؤ دیکھو وہ کیا ہے۔" چنانچہ وہ معلومات کے لئے گئے لیکن ناکام لوٹ آئے اور کہنے لگے: "ہمیں کچھ پتا نہیں چلا۔" ابلیس نے کہا: "میں خبر لے کر آتا ہوں۔" چنانچہ وہ گیا اور واپس آکر کہنے لگا: "محمد (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) مبعوث ہو چکے ہیں۔" پھر اس نے اپنے چیلوں کو صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی طرف بھیجا لیکن وہ ناکام و نامراد واپس پلٹ آئے اور کہنے لگے: "ہم ان جیسے لوگوں کے ساتھ کبھی نہیں رہے، ہم ان سے غلطی تو کروا دیتے ہیں لیکن جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی خطائیں مٹادی جاتی ہیں۔" اِبلیس بولا: "انتظار کرو عنقریب **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ان کے لئے دنیا (کے خزانے) کھول دے گا تب ہم ان سے اپنے مقصد کو پالیں گے۔"[1]

سر کے نیچے رکھا پتھر بھی پھینک دیا:

منقول ہے کہ ایک دن حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پتھر پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے، وہاں سے شیطان کا گزر ہوا تو اس نے کہا: "اے عیسٰی! تم بھی دنیا کی طرف راغب ہو گئے؟" آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے سر کے نیچے سے پتھر نکال کر اس کی طرف پھینک دیا اور فرمایا: "دنیا کے ساتھ ساتھ یہ بھی تیرے لئے ہے۔"

نرم بستر پر رات بسر ہو تو عبادت کیسے ممکن ہے...!

حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس ایسا پتھر ہو جسے نیند کے وقت تکیہ بنایا جاسکتا ہے تو ایسا شخص بھی دنیا کی اتنی مقدار کا مالک ہے جس کے ذریعے شیطان اپنا وار کر سکتا ہے۔ مثلاً رات کو نماز پڑھنے والے کے قریب کوئی ایسا پتھر رکھا ہو جسے تکیہ بنایا جاسکتا ہے تو شیطان اسے بار بار سونے اور اس پتھر کو سر کے نیچے رکھنے کا

[1] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب مکائد الشیطان، ۴/ ۵۳۹، حدیث: ۳۸ باختصار

مشورہ دیتا رہے گا۔ اگر یہ پتھر نہ ہوتا تو نہ اس کے دل میں اسے تکیہ بنانے کا خیال آتا اور نہ ہی اس کا دل نیند کی طرف راغب ہوتا۔ یہ تو پتھر کا معاملہ ہے لیکن جس کے پاس نرم وملائم قالین، بستر اور عیش وعشرت کا سامان ہو اس کی حالت کیا ہو گی اور وہ کب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے لئے تیار ہو گا!

بخیلوں کے لئے دردناک عذاب کا وعدہ ہے:

بخل اور فقر کا خوف: شیطان کے بڑے دروازوں میں سے بخل اور فقر کا خوف بھی ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں انسان کو راہِ خدا میں خرچ کرنے اور صدقہ کرنے سے روکتی ہیں اور ذخیرہ اندوزی کرنے اور مال جوڑ کر رکھنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم میں دردناک عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔[1]

شیطان تین باتوں سے باز نہیں آتا:

حضرت سیِّدُنا خَیْثَمَہ بن عبد الرحمٰن عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْمَنَّان فرماتے ہیں کہ شیطان کہتا ہے: ”ابن آدم مجھ پر کتنا ہی غلبہ پالے مجھے تین باتوں سے نہیں روک سکتا: (۱) میں اسے ناحق مال لینے (۲) حقدار کے علاوہ پر خرچ کرنے اور (۳) حق دار کو نہ دینے کا کہتا رہتا ہوں۔“

شیطان کا سب سے خطرناک ہتھیار:

حضرت سیِّدُنا سُفْیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: شیطان کے پاس فقر کا خوف دلانے جیسا کوئی ہتھیار نہیں ہے کیونکہ جب کسی شخص کو فقر کا خوف لاحق ہو جاتا ہے تو وہ باطل میں مشغول ہو کر حق سے رک جاتا ہے، خواہش کے مطابق کلام کرتا ہے اور اپنے رب کے بارے میں برا گمان رکھتا ہے۔

---

[1]... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۴﴾ (پ۱۰، التوبۃ: ۳۴)
ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔ اس کی تفسیر میں صدر الافاضل حضرت مفتی سیِّد محمد نعیم الدین مراد آبادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: مال کا جمع کرنا مباح ہے مذموم نہیں جب کہ اس کے حقوق ادا کئے جائیں۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت طلحٰہ وغیرہ اصحاب مالدار تھے اور جو اصحاب کہ جمعِ مال سے نفرت رکھتے تھے وہ ان پر اعتراض نہ کرتے تھے۔

بخل کی ایک آفت:

بخل کی ایک آفت یہ بھی ہے کہ اس کے سبب مال جمع کرنے کے لئے بازار ہی میں رہنے کی حرص پیدا ہو جاتی ہے اور بازار شیاطین کی نِشَست گاہ ہے۔ چنانچہ

شیطان کا گھر، اس کی بیٹھک اور اس کی حدیث:

حضرت سیِّدُنا ابو امامہ باہلی رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه بیان کرتے ہیں کہ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن، اَنِیْسُ الْغَرِیْبِیْن صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جب اِبلیس کو زمین کی طرف اتارا گیا تو اس نے عرض کی: "تو نے مجھے مردود کہہ کر زمین پر اتارا ہے، میرے لئے کوئی گھر بنا دے۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: "حمام۔" اس نے پھر عرض کی: "کوئی بیٹھک بھی مقرر کر دے؟" فرمایا: "بازار اور راستوں میں جہاں لوگ بیٹھتے ہیں۔" پھر عرض کی: "غذا کی بھی تعیین فرما دے۔" فرمایا: "وہ کھانا تیری غذا ہے جس پر میرا نام نہ لیا جائے۔" پھر عرض کی: "میرے لئے مشروب بھی بنا دے؟" فرمایا: "نشہ لانے والی ہر چیز تیرا مشروب ہے۔" پھر عرض کی: "میرا ایک منادی بھی بنا دے۔" فرمایا: "مزامیر (یعنی ڈھول باجے) تیرے منادی ہیں۔" اس نے پھر عرض کی: "میرے لئے قرآن بنا دے۔" فرمایا: "(فسق وفجور پر مبنی) شعر تیرا قرآن ہے۔" پھر عرض کی: "میرے لکھنے کی چیز بھی مقرر فرما دے؟" فرمایا: "بدن کو گودنا[1]۔" پھر عرض کی: "میری حدیث بنا دے۔" فرمایا: "جھوٹ تیری حدیث ہے۔" پھر اس نے عرض کی: "میرے لئے شکاری جال بنا دے۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: "عورتیں تیرا جال ہیں۔"[2]

انسان کی فطرت میں داخل درندہ صفت:

تعصب اور بغض وعداوت: شیطان کے بڑے دروازوں میں سے مذاہب اور مختلف نفسانی خواہشات کی بنا پر تعصب برتنا اور مخالفین سے بغض وعداوت رکھنا اور ان کی طرف حقارت سے دیکھنا بھی ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جو عبادت گزاروں اور فاسقوں سب کو ہلا کر رکھ دیتا ہے کیونکہ لوگوں پر نکتہ چینی کرنا اور ان کی

---

1 ... سوئی وغیرہ چبھو کر جسم میں رنگ بھرنے کو گودنا کہتے ہیں، جیسے آج کل جسم پر مخصوص ٹیٹوز بنائے جاتے ہیں۔

2 ... المعجم الکبیر، ۸/ ۲۰۷، حدیث: ۷۸۳۷

خامیوں کو ذکر کرنے میں مشغول ہونا انسان کی فطرت میں داخل ہے اور یہ درندہ صفات میں سے ایک ہے، پھر جب شیطان دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ یہی حق ہے اور یہ انسان کی فطرت کے بھی موافق ہے لہٰذا اس کی مٹھاس دل پر غالب آجاتی ہے، چنانچہ انسان پوری توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اس میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کے سبب خوشی اور فرحت محسوس کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ وہ دین کے لئے کوشش کر رہا ہے جبکہ وہ تو شیطان کی پیروی میں کوشاں ہوتا ہے۔

عاشقِ اکبر سے محبت کا دعویدار کیا ایسا ہوتا ہے؟

تم دیکھو گے کہ ایک شخص حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی محبت میں متعصب ہے لیکن حرام بھی کھاتا ہے، فضول گفتگو اور جھوٹ کے لئے اپنی زبان کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے اور طرح طرح کے فساد میں مبتلا ہے۔ اگر حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اسے دیکھتے تو سب سے پہلے اسے اپنا دشمن تصور کرتے کیونکہ ان کے دوست تو وہ ہیں جو ان کے راستے پر چلتے ہیں، ان کی سیرت کو اپناتے ہیں اور اپنی زبان کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ کی سیرت تو یہ تھی کہ آپ اپنی زبان کو بے فائدہ گفتگو سے بچانے کے لئے اپنے مبارک منہ میں پتھر رکھتے تھے تو فضول باتیں کرنے والا کس طرح آپ سے دوستی اور محبت کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ آپ کی سیرت کو اپناتا نہیں۔

مولیٰ مشکل کشا کی محبت کا جھوٹا دعویدار:

تم ایک اور فضول گو کو دیکھو گے کہ وہ حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی محبت میں متعصب ہے۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا زہد اور آپ کی سیرت تو یہ تھی کہ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں تین درہم کے عوض خریدا ہوا کپڑا پہنا اور آستینیں لمبی ہونے کی وجہ سے کلائیوں تک کاٹ دیں جبکہ تم اس فاسق کو دیکھو گے کہ ریشمی کپڑے پہنتا ہے، حرام کی کمائی سے زیب وزینت اختیار کرتا ہے اور پھر شیرِ خدا سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ قیامت کے دن آپ سب سے پہلے اسی کو جھٹلائیں گے۔

اپنی جانوں سے زیادہ شریعت سے محبت:

سوچنا چاہئے کہ اگر کوئی کسی کے محبوب بچے، اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے جگر کے ٹکڑے کو پکڑ کر خوب مارے، اس کے بالوں کو نوچے اور قینچی سے کاٹ ڈالے اس کے باوجود اس کے باپ سے محبت اور دوستی کا دعویٰ کرے تو اس کے باپ کے ہاں اس کی کیا حیثیت ہو گی؟

اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق، حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم، حضرت سیِّدُنا عثمان غنی، حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی اور دیگر تمام صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو اپنی اولاد، گھر بار بلکہ اپنی جانوں سے زیادہ دین اور شریعت سے محبت تھی اور شریعت کی نافرمانی کرنے والے ہی شریعت کے ٹکڑے کرتے اور خواہشات کی قینچی سے اسے کاٹتے ہیں اور ان کاموں کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے اولیا کے دشمن ابلیس کے محبوب بنتے ہیں۔ تم غور کرو کہ قیامت کے دن صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اور اولیائے عظام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام سے ملاقات کے وقت ان کی کیا حالت ہو گی؟ بلکہ اگر (دنیا ہی میں) پردہ اُٹھ جائے اور یہ لوگ جان لیں کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی امت کو کیسا دیکھنا پسند کرتے ہیں تو اپنے برے افعال کے سبب ان نُفُوسِ قُدسیہ کا ذکر اپنی زبانوں پر لانے سے بھی حیا کریں۔

پھر شیطان ان کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ جو شخص حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی محبت میں مرے آگ اس کے قریب بھی نہیں آئے گی اور دوسرے کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ جو حضرت علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی محبت میں مرے گا اس پر کوئی خوف نہ ہو گا۔ حالانکہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنی شہزادی حضرت سیِّدَتُنا فاطمۃُ الزہرا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا سے فرمایا: ''اِعْمَلِیْ فَاِنِّیْ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللہِ شَیْئًا یعنی نیک عمل کرتی رہو میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ سے تمہیں نہیں بچا سکتا۔''[1]

ابھی جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ نفسانی خواہش کی پیروی کرنے والوں کی مثال تھی، یہی حکم حضرت سیِّدُنا امام شافعی، حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت سیِّدُنا امام مالک اور حضرت سیِّدُنا امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کی محبت میں متعصّب لوگوں کا ہے۔

---

[1] ... بخاری، کتاب الوصایا، باب ھل یدخل النساء... الخ، ۲/۲۳۸، حدیث: ۲۷۵۳

جھوٹے مقلدین:

جو شخص بھی کسی امام کے مذہب کی تقلید کا دعویٰ کرتا ہے لیکن ان کی سیرت پر نہیں چلتا کل قیامت میں وہی امام اسے جھٹلائیں گے اور کہیں گے کہ میرا مذہب تو عمل تھا نہ کہ فقط زبانی گفتگو اور زبانی گفتگو بھی بے فائدہ نہ تھی بلکہ عمل کے لئے تھی، کیا وجہ ہے کہ تم نے عمل اور سیرت کے معاملے میں میری مخالفت کی؟ حالانکہ یہی میرا مذہب و مسلک تھا اور میں مرتے دم تک اسی پر چلتا رہا۔ تم میرے مذہب کی تقلید کا جھوٹا دعویٰ کرتے رہے۔

یہ شیطان کا بہت بڑا داخلی راستہ ہے، اس کے سبب شیطان بہت سوں کو ہلاک کر چکا ہے۔

شیطان کے نائبین:

مدارس ایسے لوگوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیئے گئے جن میں خوفِ خدا اور دینی بصیرت کم ہے، دنیا کی طرف رغبت زیادہ ہے اور اپنی پیروی کروانے کی حرص شدید ہے۔ تعصُّب کی بنا پر ہی انہوں نے لوگوں کو اپنے پیچھے چلایا اور ان کے دلوں میں اپنی بزرگی کا سکہ بٹھایا لیکن اس بات کو اپنے سینوں میں چھپائے رکھا اور اس کے متعلق شیطان کے مکر و فریب سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے بجائے اس کے مکر و فریب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خود شیطان کے نائب بن گئے اور لوگ ان کی پیروی کے سبب دین کی بنیادی چیزوں کو بھول گئے۔ چنانچہ یہ لوگ خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کر دیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کی اور ہماری توبہ قبول فرمائے۔

نفسانی خواہشات کی پیروی گناہ تک لے جاتی ہے:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ ابلیس نے کہا: میں نے اُمّتِ محمدیہ کے سامنے گناہوں کو اچھی شکل میں پیش کرکے ان پر اُکسایا تو اس نے استغفار کے ذریعے میری کمر توڑ دی، اس کے بعد میں نے ان گناہوں کو سجا سنوار کر پیش کیا جن کی وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے معافی نہیں مانگتے اور وہ گناہ نفسانی خواہشات کی پیروی ہیں۔

ملعون نے سچ کہا کیونکہ جب تک لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں ہوگا کہ نفسانی خواہشات کی پیروی بھی گناہ تک پہنچنے کا ایک سبب ہے تو وہ اس سے کیسے استغفار کریں گے؟

شیطان کی بہت بڑی چال:

شیطان کی ایک بہت بڑی چال یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو اپنے نفس سے غافل کر کے لوگوں کے معاملات میں مشغول کر دیتا ہے۔ چنانچہ،

حضرت سیِّدُنا عبدُاللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: کچھ لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھے تو شیطان انہیں مجلس سے اٹھانے اور متفرق کرنے کے لئے ان کے پاس آیا لیکن ناکام ہو گیا، پھر اس مجلس کے قریب موجود دیگر کچھ لوگوں کے پاس گیا جو دنیاوی باتوں میں مشغول تھے اور ان کے درمیان فساد پیدا کر دیا، چنانچہ وہ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے، ذکر کرنے والے اٹھ کر ان کے درمیان صلح کروانے میں مشغول ہو گئے اور اپنی مجلس سے جدا ہو گئے۔ شیطان بھی یہی چاہتا تھا۔

عام لوگوں کے خلاف شیطان کی چال:

عوام کو دھوکے میں مبتلا کرنا: شیطان کے بڑے دروازوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دینی علم میں پختگی حاصل نہ کرنے والے عام لوگوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات و صفات اور اُن امور میں غور و فکر کرنے پر ابھارتا ہے جن تک ان کی عقلوں کی رسائی نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ انہیں اَصْلِ دین کے بارے میں ہی شک میں مبتلا کر دیتا ہے یا ان کے دلوں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں ایسے خیالات ڈال دیتا ہے جن سے اللہ عَزَّوَجَلَّ پاک ہے اور یوں وہ کافر یا بدمذہب ہو جاتے ہیں اور حال یہ ہوتا ہے کہ دل میں پیدا ہونے والے خیال کے سبب وہ انتہائی فرحت و سُرور محسوس کرتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے اور اسے معرفت و بصیرت گمان کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان پر یہ بات ذہانت اور عقل کی زیادتی کے باعث منکشف ہوئی ہے۔ پس سب سے زیادہ بے وقوف وہ شخص ہے جو اپنی عقل پر سب سے زیادہ اعتماد کرے اور سب سے زیادہ پختہ عقل وہ شخص ہے جو اپنے نفس پر سب سے زیادہ تہمت لگائے اور علمائے کرام کی طرف بکثرت رجوع کرے۔

حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بیان کرتی ہیں کہ حضورنبیِّ اکرم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: شیطان تم میں سے کسی کے پاس آکر پوچھتا ہے: "تجھے کس نے پیدا کیا؟" وہ جواب دیتا

ہے: "اللہ عَزَّوَجَلَّ نے۔" پھر شیطان پوچھتا ہے: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کو کس نے پیدا کیا ہے؟" جب تم میں سے کسی کے ساتھ یہ صورت حال پیش آئے تو وہ یوں کہے: "اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔" اس سے یہ وسوسہ دور ہو جائے گا۔(1)

عوام پر لازم چند امور:

حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس قسم کے وسوسوں کو سُلجھانے کے لئے غور وفکر کا حکم نہیں دیا کیونکہ اس طرح کے وسوسے عوام کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں نہ کہ علما کے دلوں میں۔ عوام پر صرف یہ لازم ہے کہ وہ ایمان لائیں، سَر تسلیم خم کریں، اپنی عبادت اور اسبابِ زندگی میں مصروف رہیں اور علم کو علما کے لئے چھوڑ دیں۔ عام انسان کے حق میں زنا اور چوری کرنا علمی گفتگو کرنے سے بہتر ہے اس لئے کہ جو شخص علم میں پختگی حاصل کئے بغیر اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اپنے دین کے متعلق گفتگو کرتا ہے وہ کفر میں پڑ جاتا ہے اور اسے پتہ تک نہیں چلتا، یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص تیراکی سیکھے بغیر سمندر میں کود پڑے۔

عقائد و مذاہب کے سلسلے میں شیطان کے فریب اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور جو کچھ ہم نے اس ضمن میں عرض کیا ہے وہ ان فریب کاریوں کا ایک نمونہ ہے۔

بعض گمان گناہ ہیں:

بدگمانی: شیطان کے بڑے دروازوں میں سے ایک دروازہ مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی کرنا بھی ہے، چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (پ۲۶، الحجرات: ۱۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

تہمت کی جگہوں سے بچو:

جو شخص گمان کی بنیاد پر دوسرے کے برا ہونے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو شیطان اسے اس کی غیبت پر ابھارتا ہے

---

1 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدة عائشة رضی اللہ عنہا، ۱۰/ ۱۱۴، حدیث: ۲۶۲۶۳

اور اس طرح وہ ہلاک ہو جاتا ہے یا پھر اسے اس کے حقوقِ واجبہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے یا اس کا احترام نہ کرنے، اس کی طرف حقارت سے دیکھنے اور خود کو اس سے بہتر سمجھنے پر ابھارتا ہے اور یہ تمام چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔ اسی وجہ سے شریعت نے خود کو تہمت کے لئے پیش کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّھَمِ یعنی تہمت کی جگہوں سے بچو۔“[1]

آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم خود بھی اس معاملے میں محتاط رہتے۔

کہیں شیطان تمہارے دل میں وسوسہ نہ ڈالے:

مروی ہے کہ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا صَفِیَّہ بِنْتِ حُیَیّ بن اَخْطَب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے اِمام زَیْنُ الْعَابِدِیْن حضرت سیِّدُنا علی بن حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو بتایا کہ حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مسجد میں **مُعْتَکِف** تھے، میں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ سے گفتگو کی، شام کے وقت جب میں واپس جانے لگی تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے ساتھ چلنے لگے۔ دو انصاری صحابہ کا آپ کے پاس سے گزر ہوا، انہوں نے آپ کو سلام کیا، جب وہ واپس جانے لگے تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں آواز دی اور ارشاد فرمایا: ”یہ (میری زوجہ) صَفِیَّہ بِنْتِ حُیَیّ ہیں۔“ انہوں نے عرض کی: ”یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہم تو آپ کے بارے میں خیر کا ہی گمان کرتے ہیں۔“ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”شیطان ابنِ آدم کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تمہارے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈال دے۔“[2]

غور کرو کہ دوجہاں کے تاجور، سلطان بحر و بر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کے دین کی حفاظت کی خاطر کس طرح ان دونوں پر کمالِ شفقت فرماتے ہوئے (شیطان مردود کے ہتھکنڈوں سے) ان کو بچایا اور اپنی امت پر لُطف و مہربانی فرماتے ہوئے کیسے انہیں تہمت سے بچنے کا طریقہ ارشاد فرمایا تاکہ متقی و پرہیزگار اور دینی حوالے سے معروف عالم اپنے بارے میں غفلت نہ برتے اور ازراہِ تکبُّر یہ نہ کہے کہ میرے جیسے لوگوں کے ساتھ اچھا ہی

---

1 ...التفسیر الکبیر للرازی، پ۲۰، سورۃ القصص: ۲۵، ۸/ ۵۹۰

2 ...بخاری، کتاب الاعتکاف، باب زیارۃ المرأۃ... الخ، ۱/ ۶۶۹، حدیث: ۲۰۳۸

گمان رکھا جاتا ہے کیونکہ سب سے زیادہ متقی، پرہیز گار اور عالم کو بھی تمام لوگ ایک نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ بعض پسند کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور بعض ناپسند نگاہ سے۔ اسی لئے کسی شاعر نے کہا:

وَ عَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيْلَةٌ ۔۔۔ وَ لٰكِنَّ عَيْنَ السَّخَطِ تُبْدِي الْمَسَاوِيَا

ترجمہ: محبت کی نگاہ ہر عیب کے معاملے میں چشم پوشی سے کام لیتی ہے لیکن نفرت کی نگاہ برائیاں ظاہر کر دیتی ہے۔

منافق عیوب کی تلاش میں رہتا ہے:

بدگمانی اور شریروں کی تہمت سے بچنا واجب ہے کیونکہ شریر لوگ ہر ایک سے برا ہی گمان رکھتے ہیں لہٰذا جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ عیب جوئی میں مشغول ہو کر لوگوں کے ساتھ بدگمانی کرتا ہے تو جان لو کہ اس کے باطن میں خباثت بھری ہوئی ہے اور یہ بدگمانی اس کی خباثت ہے جو اس سے ٹپک رہی ہے اور جیسا وہ خود ہوتا ہے دوسرے کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے۔ مومن عذر ڈھونڈتا ہے اور منافق عیوب کی تلاش میں رہتا ہے نیز مومن کا سینہ تمام مخلوق کے متعلق صاف ہوتا ہے۔

یہ شیطان کے دل کی طرف داخل ہونے کے بعض راستے تھے۔ اگر میں تمام شیطانی راستوں کا احاطہ کرنا چاہوں تو نہیں کر سکتا، البتہ ذکر کردہ راستوں کی مدد سے دوسروں پر آگاہی حاصل ہو جائے گی۔ انسان میں جو بھی مذموم صفت ہے وہ شیطان کا ہتھیار اور اس کے داخل ہونے کے راستوں سے ایک راستہ ہے۔

ذکر کس دل پر اثر کرتا ہے؟

سوال: اگر تم کہو کہ شیطان کو بھگانے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے، کیا ذِکْرُ الله کرنا اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه پڑھنا اس کے لئے کافی ہے؟

جواب: جان لو کہ اس سلسلے میں دل کا عِلاج یہ ہے کہ ان صِفات مَذمُومہ سے دل کو پاک کر کے شیطان کے داخل ہونے کے راستوں کو بند کر دیا جائے اور ان صِفات مذمُومہ سے دل کی تَطْہِیر کا بیان طویل ہے اور کتاب کے اس رُبع میں ہماری غرض صِفاتِ مُہلکہ کے علاج کا بیان ہے اور ہر صفت ایک مستقل باب کی محتاج ہے جیسا کہ عنقریب ان کی وضاحت آئے گی۔ ہاں! جب ان صفات کی جڑیں دل سے ختم ہو جائیں گی تو دل میں شیطان کا گزر

تو ہو گا اور وسوسے بھی آئیں گے مگر شیطان مُستقل قدم نہیں جما سکے گا اور اسے ذکرُ اللہ کے ذریعے گزرنے سے روکا جا سکے گا کیونکہ حقیقتِ ذکر دل میں اسی وقت جاگزیں ہوتی ہے جب دل کو تقویٰ کے ساتھ آباد کر کے بُری صفات سے پاک کر دیا جائے ورنہ ذِکرُ اللہ محض وقتی طور پر طاری ہونے والی ایک کیفیت بن جائے گا نہ دل پر اس کا قبضہ ہو پائے گا اور نہ ہی شیطان کا غلبہ دور ہو گا۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓىٕفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَۚ(۲۰۱)

(پ۹، الاعراف: ۲۰۱)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

آیتِ مبارکہ میں اس صِفت سے متقی لوگوں کو خاص کیا گیا ہے۔

شیطان کی مثال بھوکے کتے کی سی ہے:

شیطان کی مثال اس بھوکے کتے کی سی ہے جو تمہارے قریب آتا ہے، اگر تمہارے پاس روٹی یا گوشت نہ ہو تو تمہارے دھتکارنے سے ہی رک جائے گا اور صرف آواز سے ہی دور چلا جائے گا لیکن اگر تمہارے پاس گوشت ہو اور وہ بھوکا بھی ہو تو وہ گوشت پر جھپٹ پڑے گا صرف دھتکارنے سے نہیں جائے گا، یوں ہی جو دل شیطان کی غذا سے خالی ہو اس دل سے صرف ذکر کے سبب ہی شیطان بھاگ جاتا ہے لیکن جب شہوت دل پر غالب آ کر حقیقتِ ذکر کو دل کے کناروں کی طرف دھکیل دے تو انسان کا اپنے دل کے اندرونی حصے پر قابو نہیں رہتا اور اس پر شیطان قیام پذیر ہو جاتا ہے۔

جہاں تک نفسانی خواہشات اور مذموم صفات سے خالی متقی حضرات کے دلوں کا تعلق ہے تو ان میں شیطان خواہشات کی وجہ سے نہیں بلکہ ذکر سے غفلت کے باعث آتا ہے پھر جب یہ حضرات ذکر کی طرف لوٹتے ہیں تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اس کی دلیل اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمان ہے:

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ(۹۸)

(پ۱۴، النحل: ۹۸)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان مردود سے۔

ذکر کے متعلق وارد ہونے والی دیگر آیات واحادیث بھی اس کی دلیل ہیں۔

مومن اور کافر کے شیطان کی ملاقات:

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ مومن کے شیطان اور کافر کے شیطان کی ملاقات ہوئی۔ کافر کے شیطان کے سر میں تیل لگا ہوا تھا، کنگھی کی ہوئی تھی اور وہ موٹا تازہ تھا جبکہ مومن کا شیطان دبلا پتلا، بال بکھرے ہوئے، گرد آلود اور ننگا تھا۔ کافر کے شیطان نے مومن کے شیطان سے پوچھا: "تم اتنے کمزور کیوں ہو؟" اس نے جواب دیا: "میں ایک ایسے شخص کے ساتھ ہوں جو کھانے کے لئے بیٹھتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا نام لیتا ہے اس لئے میں بھوکا رہ جاتا ہوں، پانی پیتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا نام لے کر پیتا ہے اس وجہ سے میں پیاسا رہ جاتا ہوں، لباس پہنتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا نام لے لیتا ہے اس سبب سے میرا جسم بھی ننگا رہتا ہے، جب بالوں میں تیل لگاتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا نام لیتا ہے اور یوں میرے بال بکھرے رہ جاتے ہیں۔" یہ سن کر کافر کا شیطان بولا: "لیکن میں تو ایک ایسے شخص کے ساتھ ہوں جو ان کاموں میں سے کچھ بھی نہیں کرتا لہٰذا میں کھانے پینے اور لباس میں اس کا شریک ہو جاتا ہوں۔"

سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی دعا:

حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ روزانہ فجر کی نماز کے بعد اس طرح دعا مانگا کرتے: "اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ سَلَّطْتَ عَلَیْنَا عَدُوًّا بَصِیْرًا بِعُیُوْبِنَا یَرَانَا ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا نَرَاھُمْ اَللّٰھُمَّ فَاٰیِسْہُ مِنَّا کَمَا اٰیَسْتَہٗ مِنْ رَّحْمَتِکَ وَقَنِّطْہُ مِنَّا کَمَا قَنَّطْتَہٗ مِنْ عَفْوِکَ وَبَاعِدْ بَیْنَنَا وَبَیْنَہٗ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ رَحْمَتِکَ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تو نے ہم پر ایسے دشمن کو قابو دیا جو ہمارے عیبوں سے واقف ہے وہ اور اس کا کنبہ ہمیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ ہم انہیں نہیں دیکھ پاتے، اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اسے ہم سے اسی طرح مایوس کر دے جس طرح تو نے اسے اپنی رحمت سے مایوس کیا اور ہم سے اسی طرح ناامید کر دے جس طرح تو نے اسے اپنے عفو سے ناامید کیا اور ہمارے اور اس کے درمیان اس طرح دوری ڈال دے جس طرح تو نے اس کے اور اپنی رحمت کے درمیان دوری ڈالی، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

شیطان کی درخواست:

حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو ایک روز شیطان مسجد کے راستے پر انسانی شکل میں ملا اور

بولا: "اے ابن واسع! مجھے پہچانتے ہو؟" آپ نے پوچھا: "تم کون ہو؟" بولا: "میں شیطان ہوں۔" آپ نے پوچھا: "کیا چاہتا ہے؟" بولا: "میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ دعا کسی کو نہ سکھائیں، میں آپ کے پیچھے نہیں پڑوں گا۔" آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: "بخدا! جو مجھ سے اس دعا کو سیکھنا چاہے گا میں اسے کبھی منع نہیں کروں گا، تو جو چاہے کرلے۔"

شیطان منہ کے بل گر پڑا:

حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں: حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان آگ کا شعلہ ہاتھ میں لئے آپ کے سامنے کھڑا ہوگیا، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قراءت کرتے ہوئے "اَعُوْذُ بِاللہ" پڑھا لیکن شیطان دور نہ ہوا، چنانچہ حضرت سیِّدُنا جبریل عَلَیْہِ السَّلَام آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یہ کلمات پڑھئے: "اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللہِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا وَمِنْ فِتَنِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمِنْ طَوَارِقِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ اِلَّا طَارِقًا یَّطْرُقُ بِخَیْرٍ یَّارَحْمٰن یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کامل کلمات کہ جن سے کوئی نیک وبد انحراف نہیں کرسکتا ان کے واسطے سے میں اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو زمین میں جاتی ہے اور اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور اس کی طرف چڑھتی ہے اور شب وروز کے فتنوں سے نیز رات ودن کے حوادثات سے سوائے اس واقعے کے جو بھلائی لائے، اے رحمٰن!"[1]

جب آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ کلمات پڑھے تو شعلہ بجھ گیا اور شیطان منہ کے بل گر پڑا۔

آیت الکرسی پڑھنے کی برکت:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں: مجھے خبر دی گئی ہے کہ حضرت سیِّدُنا جبریل عَلَیْہِ السَّلَام حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ایک خبیث جن آپ کو دھوکے میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، لہٰذا جب آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بستر پر تشریف لے جائیں تو آیت الکرسی پڑھ لیا کیجئے۔[2]

---

1 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، مکائد الشیطان، ۵۴۸/۴، حدیث: ۶۹

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب مکائد الشیطان، ۵۴۸/۴، حدیث: ۶۷

شیطان کی بے بسی:

سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس شیطان آیا اور مجھ سے جھگڑنے لگا میں نے اس کا گلا پکڑ لیا، اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا! میں نے اس کا گلا اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اس کے تھوک کی ٹھنڈک اپنے ہاتھ پر محسوس نہ کر لی اور اگر میرے بھائی سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی دعا[1] نہ ہوتی تو وہ صبح مسجد میں پڑا ہوتا۔[2]

شانِ فاروقی:

رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”مَا سَلَکَ عُمَرُ فَجًّا اِلَّا سَلَکَ الشَّیْطَانُ فَجًّا غَیْرَ الَّذِیْ سَلَکَہٗ عُمَر یعنی جس راستے پر عمر چلتا ہے شیطان اس راستے پر نہیں چلتا۔[3]

یہ اس وقت ممکن ہے جبکہ دل شیطان کی چراگاہ بننے اور اسے قوت دینے والی اشیاء یعنی خواہشات سے پاک ہو۔

صحابہ کا سا عمل ہم سے ممکن نہیں:

اگر تم یہ چاہو کہ صرف ذِکْرُ اللّٰہ سے شیطان بھاگ جائے جس طرح حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے بھاگتا تھا تو یہ ناممکن ہے۔ تمہاری مثال اس شخص کی طرح ہے جو پرہیز نہ کرے اور معدہ کو غلیظ کھانوں سے بھر لے پھر دوا پی کر یہ امید رکھے کہ یہ اسے نفع دے گی جس طرح اس شخص کو نفع دیتی ہے جو اسے پرہیز کرنے اور معدے کو خالی کرنے کے بعد استعمال کرتا ہے۔

گویا ذکر دوا ہے اور تقویٰ پرہیز ہے اور تقویٰ یہ ہے کہ دل خواہشات سے خالی ہو۔ ذکر کے علاوہ چیزوں سے خالی دل میں جب ذکر اترتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے جس طرح غذا سے خالی معدہ میں جب دوا اترتی ہے تو بیماری بھاگ جاتی ہے۔

---

1 ... حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی دعا یہ تھی: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ یعنی اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ (پ۲۳، ص: ۳۵)

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب مکائد الشیطان، ۴/ ۵۴۸، حدیث: ۶۸

3 ...بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی، باب مناقب عمر بن خطاب، ۲/ ۵۲۶، حدیث: ۳۶۸۳

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ

(پ۲۶، ق: ۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو۔

نیز ارشاد فرماتا ہے:

کُتِبَ عَلَیۡہِ اَنَّہٗ مَنۡ تَوَلَّاہُ فَاَنَّہٗ یُضِلُّہٗ وَ یَہۡدِیۡہِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیۡرِ ﴿۴﴾

(پ۱۷، الحج: ۴)

ترجمۂ کنزالایمان: جس پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس کی دوستی کرے گا تو یہ ضرور اُسے گمراہ کر دے گا اور اُسے عذاب دوزخ کی راہ بتائے گا۔

معلوم ہوا جو انسان اپنے عمل سے شیطان کی مدد کرتا ہے وہ اس کا دوست ہے اگرچہ وہ زبان سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرے۔

نماز دلوں کی کسوٹی ہے:

سوال: اگر تم کہو کہ حدیث شریف میں تو بغیر کسی قید کے فرمایا گیا: "ذکر شیطان کو بھگا دیتا ہے"[1] اور شریعت کے عُمومی مسائل میں علمائے کرام نے جو شرائط بیان کی ہیں انہیں تم نہ سمجھو۔

جواب: تم اپنے آپ کو ہی دیکھ لو تو جان لوگے کہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی اور اپنے بارے میں غور کرو کہ تمہارا انتہائی درجہ کا ذکر اور غایت درجہ کی عبادت نماز ہے اور حال یہ ہے کہ دورانِ نماز شیطان تمہارے دل کو کس طرح بازاروں، دنیا جہان کے حساب و کتاب اور مخالفین کے جوابات سوچنے کی طرف لے جاتا ہے اور تم کو کیسے دنیا کی وادیوں اور صحراؤں کی سیر کرواتا ہے حتّٰی کہ دنیا کی وہ فضول باتیں جو تم بھول چکے ہوتے ہو وہ بھی تم کو نماز ہی میں یاد آتی ہیں اور شیطان بھی تمہارے دل پر اسی وقت حملہ کرتا ہے جب تم نماز پڑھ رہے ہوتے ہو۔

نماز دلوں کی کسوٹی ہے۔ اسی کے سبب دل کی اچھائیاں اور برائیاں واضح ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کی نماز قبول نہیں ہوتی جن کے دل خواہشاتِ دنیا سے بھرے ہوں اور شیطان کا تم سے دور ہونا ممکن نہیں بلکہ بعض اوقات اس کا خطرہ تم پر بڑھ جاتا ہے جیسا کہ پرہیز نہ کرنے کی صورت میں بعض اوقات دوا نقصان کر جاتی ہے

[1] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب مکائد الشیطان، ۴/ ۵۳۶، حدیث: ۲۲

لہٰذا اگر تم شیطان سے چھٹکارا چاہتے ہو تو پہلے تقویٰ کے ذریعے پرہیز اختیار کرو پھر اس کے بعد ذکر کی دوا استعمال کرو تو شیطان تم سے اسی طرح بھاگے گا جیسے حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے بھاگتا تھا۔

ظاہر و باطن کا فرق ختم کرو:

حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو اور ظاہر میں شیطان کو برا بھلا مت کہو جبکہ تمہارا حال یہ ہے کہ باطنی طور پر تم اس کے دوست ہو یعنی اس کے فرمانبردار ہو۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: تعجب ہے اس شخص پر جو مُحْسِن (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ) کے احسان کو جاننے کے باوجود اس کی نافرمانی کرتا ہے اور شیطان لعین کی سرکشی جاننے کے باوجود اس کی اطاعت کرتا ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْؕ (پ۲۴، المؤمن: ۶۰) ترجمۂ کنز الایمان: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

اس فرمان کے باوجود جس طرح تم دعا کرتے ہو اور تمہاری دعا قبول نہیں ہوتی اسی طرح تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتے ہو مگر تم سے شیطان نہیں بھاگتا کیونکہ ذکر اور دعا کی شرائط نہیں پائی جاتیں۔

دعا کیوں قبول نہیں ہوتی:

حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں لیکن ہماری دعا قبول نہیں ہوتی؟ حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تو ارشاد فرماتا ہے:

اُدْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْؕ (پ۲۴، المؤمن: ۶۰) ترجمۂ کنز الایمان: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے فرمایا: اس لئے کہ تمہارے دل مردہ ہیں۔ لوگوں نے پوچھا: دلوں کو کس چیز نے مردہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: آٹھ باتوں نے: (۱) تم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حق کو پہچانا لیکن اس کا حق ادا نہ کیا۔ (۲) تم نے قرآن پاک پڑھا لیکن اس کے احکامات پر عمل نہ کیا۔ (۳) تم رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو لیکن ان کی سنت پر عمل نہیں کرتے۔ (۴) تم کہتے ہو کہ ہم موت سے ڈرتے ہیں لیکن اس کے لئے تیاری نہیں کرتے۔ (۵) اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ (پ۲۲، فاطر: ۶)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اُسے دشمن سمجھو۔

لیکن گناہوں کے معاملے میں تم اس کا ساتھ دیتے ہو۔(۶) تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم جہنم سے ڈرتے ہیں مگر کام وہ کرتے ہو جس سے تمہارا دوزخ میں جانا یقینی ہو جائے۔(۷) تم کہتے ہو کہ ہم جنت کے خواہشمند ہیں لیکن اس کے لئے عمل نہیں کرتے۔(۸) جب اپنے بستروں سے اٹھتے ہو تو اپنے عیبوں کو پس پُشت ڈال کر دوسروں کے عیب نکالنے میں لگ جاتے ہو۔

تم اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کو ناراض کر چکے ہو تو کس طرح وہ تمہاری دعائیں قبول کرے گا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کہ مختلف گناہوں کی طرف ایک شیطان بلاتا ہے یا مختلف شیطان؟

جان لو کہ عِلْمِ مُعامَلہ میں تمہیں اس بات کو جاننے کی حاجت نہیں، تم دشمن کو دور کرنے میں مشغول رہو اس کی صفت کے متعلق نہ پوچھو، سبزی کھاؤ خواہ کہیں سے بھی آئے اس کے اُگنے کی جگہ کے متعلق مت پوچھو، البتہ احادیث مبارکہ میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شیاطین کے لشکر کثیر تعداد میں ہیں اور ہر گناہ کے لئے ایک شیطان مخصوص ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے۔

یہ بات ہم نے کس طرح سمجھی اسے بیان کیا جائے تو بات طویل ہو جائے گی، جو کچھ ہم نے ذکر کیا تمہارے لئے یہی کافی ہے اور وہ یہ ہے کہ مُسَبَّب کا مختلف ہونا اسباب کے مختلف ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ روشنی کا ایک سبب آگ ہے اور سیاہی کا ایک سبب دھواں ہے۔

شیطان کی اولادوں کے نام اور ان کے کام:

حضرت سیِّدُنا امام مجاہد عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْوَاحِد فرماتے ہیں: شیطان کی پانچ اولادیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کسی ایک کام پر مقرر ہے ان کے نام یہ ہیں: (۱) ثَبَر (۲) اَعْوَر (۳) مِسْوَط (۴) داسم (۵) زَلَنْبُور۔

ثَبَر: یہ مصیبت کے وقت آتا ہے اور موت کی دعا مانگنے، گریبان پھاڑنے، گالوں پر تھپڑیں مارنے اور

زمانۂ جاہلیت کی طرح چیخ وپکار کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔

اَعْوَر: یہ زنا پر مُتَعَیَّن ہے، زنا کرنے پر ابھارتا ہے اور اسے نگاہوں میں اچھا کر کے پیش کرتا ہے۔

مِسْوَط: یہ جھوٹ پر مقرر ہے۔

داسِم: یہ انسان کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہوتا ہے اور اسے گھر والوں کے عُیوب دکھا کر ان پر غصہ دلاتا ہے۔

زَلَنْبُور: یہ بازاروں میں مقرر ہے، لوگ اسی کے سبب ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں۔

نماز کے شیطان کا نام خنزب ہے[1] اور وضو کے شیطان کو ولہان کہا جاتا ہے[2] اور اس سلسلے میں کثیر روایات آئی ہیں۔

جس طرح شیاطین بکثرت ہیں اسی طرح فرشتے بھی بہت زیادہ ہیں، ہم "شکر کے بیان" میں فرشتوں کی کثرت اور ہر عمل کے لئے الگ فرشتہ مقرر ہونے کے راز کو بیان کریں گے۔

مومن پر 160 فرشتے مقرر ہیں:

حضرت سیِّدُنا ابو امامہ باہلی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں: رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مومن پر 160 فرشتے مقرر ہیں جو اس سے وہ چیز دور کرتے ہیں جس کو ہٹانے کی اس میں طاقت نہیں ہوتی، آنکھ پر سات فرشتے متعین ہیں جو اس سے (شیاطین کو) اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح گرمیوں کے دنوں میں شہد کے برتن سے مکھیاں اڑائی جاتی ہیں اگر وہ (فرشتے) تمہیں نظر آتے تو تم انہیں ہر ہموار زمین اور پہاڑ پر دیکھتے، ہر ایک ہاتھ پھیلائے اور منہ کھولے ہوئے ہے، اگر بندے کو ایک لمحے کے لئے بھی اس کے اپنے سپرد کیا جاتا تو شیاطین اسے اُڑا لے جاتے۔"[3]

---

[1] ...مسلم، کتاب السلام، باب التعوذ من شیطان الوسوسة فی الصلوٰة، ص۱۲۰۹، حدیث: ۲۲۰۳

[2] ...سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب ما جاء فی القصد فی الوضوء وکراهیة التعدی فیه، ۱/ ۲۵۲، حدیث: ۴۲۱

[3] ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب مکائد الشیطان، ۴/ ۵۴۹، حدیث: ۷۵، فیه ذکر ثلاث مائة وستون ملکا

ابن آدم کے ہر بچے کے ساتھ شیطان پیدا ہوتا ہے:

حضرت سَیِّدُنا ایوب بن یُونُس بن یزید رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہمیں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ انسانوں کی اولاد کے ساتھ جنوں (یعنی شیاطین) کی اولاد بھی پیدا ہوتی ہے پھر وہ ان کے ساتھ ہی بڑے ہوتے ہیں۔

حضرت سَیِّدُنا جابر بن عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ جب حضرت سَیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام زمین پر تشریف لائے تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کی: "اے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ! تونے میرے اور شیطان کے درمیان دشمنی رکھی ہے اگر تونے میری مدد نہیں فرمائی تو میں اس پر قابو نہیں پاسکوں گا۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: "تیرے جو بھی بچہ پیدا ہوگا اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا جائے گا۔" آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کی: "اے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ! (مدد میں) اضافہ فرما۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: "ایک گناہ کی سزا میں ایک ہی دوں گا جبکہ ایک نیکی کی جزا دس کے برابر دوں گا اور اس میں جس حد تک چاہوں اضافہ کروں گا۔" آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے مزید اضافے کی درخواست کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: "جب تک جسم میں روح موجود ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔" شیطان بولا: "یارب! تونے اس بندے کو مجھ پر فضیلت بخشی ہے اور اگر تونے میری اعانت نہ کی تو میں اس پر غلبہ نہیں پاسکوں گا۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: "اس کے ہر بچے کے ساتھ تیرا بھی ایک بچہ پیدا ہوگا۔" شیطان نے کہا: "اے میرے ربّ! کچھ زیادہ عطا ہو۔" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: "تو انسانوں میں خون کی طرح گردش کرے گا اور ان کے سینے کو اپنا گھر بنائے گا۔" اس نے پھر زیادتی کی درخواست کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَ اَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

(پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۶۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اور ان پر لام باندھ لا (فوجی لشکر چڑھالا) اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کا اور ان کا ساجھی ہو مالوں اور بچوں میں اور انہیں وعدہ دے اور شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے۔

انسانوں اور جنوں کی اقسام:

حضرت سَیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں: رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جنات کو تین اقسام پر پیدا فرمایا ہے، ایک قسم سانپ، بچھو اور حَشَراتُ الْاَرض کی صورت

میں ہے، دوسری قسم فضا میں ہوا کی مانند اڑنے والی ہے اور تیسری قسم وہ کہ جنہیں ثواب ملے گا اور ان پر عذاب ہو گا، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسانوں کو بھی تین اقسام پر پیدا فرمایا ہے ایک قسم وہ کہ جانوروں کی طرح ہیں جن کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا٘ وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا٘ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا٘ؕ اُولٰٓىٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّؕ (1)" دوسری قسم وہ جن کے جسم تو بنی آدم کے اجسام کی طرح ہیں مگر ان کی روحیں شیطان کی ارواح کی مثل ہیں اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سایۂ رحمت میں ہوں گے جس دن اس کے عرش کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہو گا۔(2)

ابن آدم کی تین قسمیں:

حضرت سیِّدُنا وُہَیْب بن وَرْد رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ ابلیس ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن زکریا عَلَیْہِمَا السَّلَام کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں آپ کو نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: مجھے تیری نصیحت کی حاجت نہیں، البتہ تو مجھے بنی آدم کے متعلق بتا۔ اس نے کہا: ہمارے نزدیک بنی آدم کی تین قسمیں ہیں:

❀... **پہلی قسم:** وہ ہے جو ہم پر بڑے سخت ہیں، ہم ان میں سے کسی کے پاس جاتے ہیں اور اسے فتنے میں مبتلا کر کے اس پر قابو پا لیتے ہیں لیکن وہ توبہ اور استغفار کرتے ہوئے ہماری کوشش پر پانی پھیر دیتا ہے، پھر ہم دوبارہ کوشش کرتے ہیں، وہ دوسری بار بھی یہی عمل کرتا ہے لہٰذا ہم نہ تو اس سے مایوس ہوتے ہیں اور نہ ہی اس سے اپنے مقصد کو پانے میں کامیاب ہو پاتے ہیں، بس اس کے معاملے میں مشقت میں ہی رہتے ہیں۔

❀... **دوسری قسم:** یہ لوگ ہمارے ہاتھوں میں ایسے ہیں جیسے گیند بچوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے ہم جیسے چاہتے ہیں انہیں اُچک لیتے ہیں اور وہ خود ہی ہمیں مشقت سے بچا لیتے ہیں۔

❀... **تیسری قسم:** یہ لوگ آپ کی طرح گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں ہمارا ان پر کچھ قابو نہیں ہوتا۔

1... ترجمۂ کنزالایمان: وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔ (پ۹، الاعراف: ۱۷۹)

2... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب مکائد الشیطان، ۴/ ۵۲۹، حدیث: ۱

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کہ شیطان کس طرح بعض لوگوں کے سامنے آجاتا ہے اور بعض کے سامنے نہیں آتا اور جب وہ کسی صورت میں نظر آتا ہے تو وہ اس کی حقیقی صورت ہوتی ہے یا کسی اور کی صورت اختیار کرتا ہے؟ اگر وہ اصل صورت میں آتا ہے تو مختلف صورتوں میں کس طرح دکھائی دیتا ہے نیز ایک ہی وقت میں دو جگہوں پر دو مختلف صورتوں میں کیسے نظر آتا ہے کہ دو آدمی اسے دو مختلف صورتوں میں دیکھ لیتے ہیں؟

جان لو کہ فرشتہ اور شیطان کو حقیقی صورت کے علاوہ ایک اور صورت عطا کی گئی ہے، ان کی حقیقی صورت کا مشاہدہ صرف انوارِ نبوت کے ذریعے ہی ممکن ہے اور حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی حضرت سیِّدُنا جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے[1] اور یہ بھی اس وقت ہوا جب آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان سے اپنی اصل صورت دکھانے کا کہا۔ انہوں نے جَنَّتُ الْبَقِیْع میں آپ سے وعدہ کیا اور غارِ حرا میں اپنی اصلی صورت میں نُمُودار ہوئے اور مشرق سے مغرب تک اُفُق کو (اپنے پروں سے) گھیر لیا اور دوسری مرتبہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے معراج کی رات سِدْرَۃُ الْمُنْتَہٰی کے پاس انہیں دیکھا، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اکثر اوقات انہیں انسانی صورت میں دیکھتے تھے اور وہ صورت حضرت سیِّدُنا دِحیَہ کَلْبِی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی ہوا کرتی[2] جو کہ حسین و جمیل تھے۔

اکثر اہل دل اور صاحبِ کَشْف حضرات پر کَشْف اس طرح ہوتا ہے کہ وہ اس کی مثالی صورت دیکھتے ہیں، چنانچہ شیطان بیداری کی حالت میں ان کے سامنے آجاتا ہے اور وہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اپنے کانوں سے سنتے ہیں پھر یہ مثالی صورت اس کی حقیقی صورت کے قائم مقام ہو جاتی ہے، جیسا کہ اکثر صالحین کو یہ صورت اوّلاً خواب میں دکھائی دیتی ہے اور پھر بیداری میں کشف حاصل ہوتا ہے، ایسا شخص اس مرتبے تک پہنچ چکا ہوتا ہے کہ حواس کی دنیا میں مشغولیت خواب اور بیداری کی حالت میں اس پر ہونے والے کشف کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی حالانکہ عام لوگ ایسی چیزیں صرف خواب میں دیکھتے ہیں۔

---

1 ...بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النجم، ۳/ ۳۳۶، حدیث: ۴۸۵۵

2 ...بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ۲/ ۵۱۰، حدیث: ۳۶۳۴

شیطان مینڈک کی صورت میں:

حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز سے منقول ہے کہ ایک شخص نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا کی کہ اسے ابن آدم کے دل میں شیطان کی جگہ دکھلا دی جائے۔ چنانچہ اس نے خواب میں انسان کے جسم کو صاف شفاف پتھر کی مانند دیکھا جس کے اندر کا حصہ باہر سے نظر آرہا تھا اور شیطان کو مینڈک کی صورت میں بائیں طرف کے مونڈھے اور کان کے درمیان بیٹھے دیکھا، اس کی پتلی اور لمبی ایک سونڈ تھی جسے وہ بائیں کاندھے سے دل میں داخل کر کے اس شخص کے اندر وسوسے ڈال رہا تھا، جب وہ شخص ذِکْرُاللہ کرتا تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا۔

بعض اوقات اس طرح کا مشاہدہ بیداری کی حالت میں بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ

دنیا کی مثال مردار کی سی ہے:

ایک صاحِبِ کَشف بُزرگ نے شیطان کو کتے کی صورت میں دیکھا جو مردار کے پاس کھڑا ہوا تھا اور لوگوں کو اس کی طرف بلا رہا تھا۔

مردار سے مراد دنیا ہے اور اس طرح کا مشاہدہ حقیقی صورت دیکھنے کی طرح ہے کیونکہ دل پر وہی حقیقت ظاہر ہوتی ہے جو عالَم مَلَکُوت کے مطابق ہوتی ہے اور اس وقت اس کا اثر اس راستے پر چمکتا ہے جو عالَم شہادت (یعنی ظاہری دنیا) کے مطابق ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہیں۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دل کے دو راستے ہیں: (۱) ایک راستہ عالَم غیب کی طرف نکلتا ہے جو کہ اِلہام اور وحی کے داخل ہونے کا راستہ ہے اور (۲) دوسرا عالَم شہادت (یعنی ظاہری دنیا) کی طرف نکلتا ہے۔ تو جو اس (یعنی عالَم غیب) سے عالَم شہادت سے قریب راستے میں ظاہر ہوتا ہے وہ صرف خیالی صورت ہوتی ہے کیونکہ عالَم شہادت تمام کا تمام تَخَیُّلات ہے البتہ خیال کبھی حس کے ذریعے عالَم شہادت کے ظاہر کی طرف نظر کرنے سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا ظاہری صورت کا باطن کے مطابق نہ ہونا بھی ممکن ہے حتّٰی کہ ایک شخص دِکھنے میں خوبصورت ہوتا ہے مگر اندر سے خبیث اور بُرا ہوتا ہے کیونکہ عالَم شہادت میں دھوکا بہت زیادہ ہے۔

رہی وہ خیالی صورت جو عالَم ملکوت کے نور سے دل کے اندر پیدا ہوتی ہے وہ بعینہٖ صفت کے مطابق اور موافق ہوتی ہے کیونکہ عالَم ملکوت کی صورت صفت کے تابع اور موافق ہوتی ہے لہٰذا جو چیز باطن میں بُری

ہو گی وہ لازمی طور پر ظاہر میں بھی بری ہی نظر آئے گی، چنانچہ شیطان کتے، مینڈک اور خنزیر وغیرہ کی صورت میں نظر آتا ہے جبکہ فرشتہ اچھی صورت میں نظر آتا ہے تو یہ صورت باطن کا پتہ دیتی ہے اور اس کی سچی تصویر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں بندر یا خنزیر کو دیکھے تو اس کی تعبیر خبیث انسان سے کی جاتی ہے اور بکری دیکھے تو اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کا دل صاف ہو اور تمام قسم کے خوابوں اور تعبیر کا یہی معاملہ ہے، یہ دل کے عجیب وغریب اَسرار ہیں اور عِلْمِ مُعامَلَہ میں ان کا ذکر مُناسِب نہیں، یہاں مقصود صرف اس بات کی تصدیق ہے کہ شیطان اور فِرِشْتہ اہل دل کے سامنے بطریق تمثیل اور حکایت ظاہر ہوتے ہی، جس طرح خواب میں نظر آتے ہیں اسی طرح کبھی حقیقت میں بھی نظر آتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تمثیلی صورت نظر آتی ہے جو باطن کے موافق ہوتی ہے اور یہ باطن کی تمثیلی صورت ہوتی ہے نہ کہ عین باطن مگر آنکھ سے اس کا مشاہدہ حقیقی ہوتا ہے اور صاحِبِ کَشْف اکیلا ہی اس کا مُشاہدہ کرتا ہے، اس کے آس پاس کے لوگ نہیں دیکھتے جس طرح خواب سونے والا دیکھتا ہے قریب بیٹھے لوگ نہیں دیکھتے۔

چھٹی فصل: کن وساوس، ارادوں اور خیالات پر پکڑ ہے اور کن پر نہیں؟

جان لو کہ یہ معاملہ پیچیدہ ہے اور اس سلسلے میں آیات وروایات متعارض ہیں جن میں تطبیق دینا مشکل ہے، صرف نَقّاد (کھرے کھوٹے کی پہچان رکھنے والے) عُلَما ہی ان میں تطبیق دے سکتے ہیں۔

وسوسوں کی پکڑ نہ ہونے کے متعلق روایات:

حضور نبیِّ کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: عُفِيَ عَنْ اُمَّتِيْ مَا حَدَّثَتْ بِهٖ نُفُوْسُهَا مَا لَمْ تَتَكَلَّمْ بِهٖ اَوْ تَعْمَلْ بِهٖ یعنی میری امت کے قلبی وسوسے معاف ہیں جب تک کہ ان کو زبان پر نہ لایا جائے یا ان کے مطابق عمل نہ کیا جائے۔[1]

حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْه بیان کرتے ہیں کہ رسولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ لِلْحَفَظَةِ اِذَا هَمَّ عَبْدِيْ بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوْهَا فَاِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوْهَا سَيِّئَةً وَاِذَا هَمَّ بِحَسَنَةٍ لَمْ يَعْمَلْهَا

1 ... بخاری، کتاب الطلاق، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ... الخ، ۳/ ۴۸۵، حدیث: ۵۲۶۹

فَاکۡتُبُوۡھَا حَسَنَۃً فَاِنۡ عَمِلَھَا فَاکۡتُبُوۡھَا عَشۡرًا یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نگہبان فرشتوں (یعنی کراماً کاتبین) سے فرماتا ہے: جب میرا بندہ گناہ کا ارادہ کرے تو اسے مت لکھو، اگر وہ اس کو کر گزرے تو ایک گناہ لکھو اور جب وہ نیکی کا ارادہ کرے اور اسے نہ کرے تو ایک نیکی لکھو اور اگر کرلے تو دس نیکیاں لکھو۔[1]

اس حدیث کو امام بخاری و امام مسلم رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِمَا نے صحیحین میں نقل کیا ہے۔ اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ دل کا عمل اور برائی کا قصد معاف ہے۔

ایک روایت میں ہے: مَنۡ ھَمَّ بِحَسَنَۃٍ فَلَمۡ یَعۡمَلۡھَا کُتِبَتۡ لَہٗ حَسَنَۃٌ وَّمَنۡ ھَمَّ بِحَسَنَۃٍ فَعَمِلَھَا کُتِبَتۡ لَہٗ اِلٰی سَبۡعِمِائَۃِ ضِعۡفٍ وَمَنۡ ھَمَّ بِسَیِّئَۃٍ فَلَمۡ یَعۡمَلۡھَا لَمۡ تُکۡتَبۡ عَلَیۡہِ وَاِنۡ عَمِلَھَا کُتِبَتۡ یعنی جو نیکی کا ارادہ کرے مگر اسے نہ کرے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جو نیکی کا ارادہ کرے پھر اسے کرلے تو اس کے لئے سات سو گنا تک ثواب لکھا جاتا ہے اور جو گناہ کا ارادہ کرے اور اسے نہ کرے تو اس کے لئے کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا اور اگر کر گزرے تو ایک گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔[2]

ایک روایت میں اس طرح ہے: وَاِذَا تَحَدَّثَ بِاَنۡ یَّعۡمَلَ سَیِّئَۃً فَاَنَا اَغۡفِرُھَا مَا لَمۡ یَعۡمَلۡھَا یعنی جب میرا بندہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو میں اس کو معاف کر دیتا ہوں جب تک کہ اس کے مطابق عمل نہ کرے۔[3]

یہ تمام اَحادیث گرِفت نہ فرمانے پر دلالت کرتی ہیں۔

وسوسوں کے مواخذہ پر دلالت کرنے والی آیات:

مُواخذہ پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡہُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ ؕ فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ (پ۳، البقرۃ: ۲۸۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا تو جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا۔

نیز ارشاد فرماتا ہے:

---

1. ...مسلم، کتاب الایمان، باب اذا ھم العبد بحسنۃ... الخ، ص۷۹، حدیث: ۱۲۸
2. ...مسلم، کتاب الایمان، باب اذا ھم العبد بحسنۃ... الخ، ص۷۹، حدیث: ۱۳۰
3. ...مسلم، کتاب الایمان، باب اذا ھم العبد بحسنۃ... الخ، ص۷۹، حدیث: ۱۲۹

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۶ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۳۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے۔

یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دل کا عمل بھی کان اور آنکھ جیسا ہے، لہٰذا اس کی معافی نہیں ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ یَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ (پ۳، البقرۃ: ۲۸۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اندر سے اس کا دل گنہگار ہے۔

اور ارشاد فرماتا ہے:

لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ (پ۲، البقرۃ: ۲۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دل نے کیے۔

سیِّدُنا امام غزالی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا مؤقف:

اس مسئلے میں ہمارے نزدیک حق بات یہ ہے کہ جب تک دل کے اعمال کی پوری تفصیل اس کے ظُہُور کی ابتدا سے لے کر اعضاء پر عمل کے ظاہر ہونے تک معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

دل میں پیدا ہونے والی کیفیات:

ہم کہتے ہیں کہ دل پر چار طرح کی کیفیات طاری ہوتی ہیں:

(1)... دل میں سب سے پہلے جو چیز آتی ہے اسے خاطر کہتے ہیں۔ مثلاً دل میں کسی ایسی عورت کا خیال آئے جو راستے میں اس کے پیچھے ہو کہ اگر گھوم کر دیکھنا چاہے تو دیکھ لے۔

(2)... اس کے بعد دیکھنے کی شدید خواہش پیدا ہوتی ہے یعنی طبیعت میں موجود شہوت بھڑک اٹھتی ہے۔

یہ خواہش پہلے خاطر سے پیدا ہوتی ہے اور اسے "میلانِ طبع" کہتے ہیں جبکہ خاطر اوّل کو "حدیثِ نفس (یعنی وسوسہ)" کہتے ہیں۔

(3)... اس کے بعد دل اس بات کا فیصلہ کرلیتا ہے کہ اسے دیکھ لینا چاہئے۔ پھر طبیعت اگرچہ مائل ہو جائے مگر ارادہ اور نیت اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا جب تک رکاوٹیں دور نہ ہو جائیں کیونکہ بعض اوقات حیا اور خوف اس کو دیکھنے کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، یہ رکاوٹیں بعض اوقات غور و فکر سے دور ہوتی ہیں اس طرح کہ عقل اس کام کے کر گزرنے کا فیصلہ کرلیتی ہے۔ اسے "اعتقاد" کہتے ہیں جو کہ خاطر اور میلان کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

(4)... اس کے بعد دیکھنے کا پختہ ارادہ اور پکی نیت پیدا ہوتی ہے۔ اسے "ھَمّ بالفعل، نیت اور قصد" کہتے ہیں اور اس ھم کی ابتدا کبھی کمزور ہوتی ہے لیکن جب دل پہلے خاطر کی طرف مائل ہو جائے یہاں تک کہ نفس سے اس کا جھگڑا طویل ہو جائے تو یہ ھم مؤکد اور ارادہ جازمہ ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات انسان پختہ ارادہ کرلینے کے باوجود ندامت کے باعث اس کام کو ترک کر دیتا ہے اور کبھی کسی رکاوٹ کے باعث وہ اس سے غافل ہو جاتا ہے پھر نہ وہ اس کام کو کرتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف توجہ کرتا ہے اور بعض اوقات ایسی رکاوٹ پیش آجاتی ہے کہ چاہنے کے باوجود اس ارادے پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اعضاء کے عمل کرنے سے پہلے چار حالتیں ہیں: (۱) خاطر جسے "حدیثِ نفس" بھی کہتے ہیں (۲) میلان (۳) اعتقاد (۴) ہَمّ (ارادہ)۔

ان کیفیات کے احکام:

جہاں تک خاطر کا تعلق ہے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں، یہی حکم میلان اور شدتِ خواہش کا ہے کیونکہ یہ دونوں بھی آدمی کے بس میں نہیں ہیں اور حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فرمان "عُفِیَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِہٖ نُفُوْسُھَا یعنی میری امت کے قلبی وسوسے معاف ہیں"[1] میں یہی دونوں حالتیں مراد ہیں۔ حدیثِ نفس ان خواطر کو کہتے ہیں جو دل پر گزریں مگر ان کے بعد اس فعل کو کرنے کا عزم نہ پیدا ہو اور جہاں تک ہَمّ (ارادہ) اور عزم کا تعلُّق ہے تو اسے حدیثِ نَفْس نہیں کہا جاتا بلکہ حدیث نفس کی مثال تو حضرت سیِّدُنا عثمان بن مظعون رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی حدیثِ پاک میں ہے۔

---

[1]... بخاری، کتاب الطلاق، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ...الخ، ۳/ ۴۸۵، حدیث: ۵۲۶۹

حدیث نفس کی مثال:

حضرت سیِّدُنا عثمان بن مظعون رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کی: "یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ میں خولہ کو طلاق دے دوں۔" آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "رُک جاؤ! بے شک نکاح میری سنّت ہے[1]۔" انہوں نے عرض کی: "میرا دل کہتا ہے کہ میں مجبوب ہو جاؤں (یعنی عضوِ تناسل کو کاٹ دوں۔)" آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "ٹھہر جاؤ! میری امت کا نامرد ہونا روزے ہیں[2]۔" انہوں نے عرض کی: "میرا دل کرتا ہے کہ میں رہبانیت (یعنی گوشہ نشینی) اختیار کرلوں۔" آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "رُک جاؤ! میری امت کی رہبانیت جہاد اور حج ہے۔" انہوں نے عرض کی: "میرا دل چاہتا ہے کہ میں گوشت کھانا چھوڑ دوں۔"[3] آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "ایسا نہ کرو کیونکہ میں گوشت کو پسند کرتا ہوں، اگر مل جائے تو کھالیتا ہوں اور اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مانگوں تو ضرور وہ مجھے کھلا دے۔"

یہ وہ خواطر یعنی دل میں پیدا ہونے والے وسوسے تھے جنہیں عمل میں لانے کا عزم نہیں تھا، انہی کو حدیثِ نفس کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا عثمان بن مظعون رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مشورہ کیا کیونکہ انہوں نے ان کاموں کو کرنے کا عزم اور ھَمّ (ارادہ) نہیں کیا تھا۔

تیسری حالت "اعتقاد" ہے یعنی دل کا کسی کام کو کرنے کا فیصلہ کرلینا۔ یہ اعتقاد اختیاری بھی ہوتا ہے اور اضطراری بھی اور احوال اس بارے میں مختلف ہیں تو اس میں سے جو اختیاری ہے اس پر مواخذہ ہوگا اور جو اضطراری ہے اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

چوتھی حالت دل کا کسی کام کو کرنے کا پکا ارادہ کرلینا ہے، اس پر مُواخَذہ ہوگا البتہ اگر وہ اس کام کو نہ کرے تو اس فعل کو نہ کرنے کی وجہ پر نظر کی جائے گی اگر وہ اس فعل سے خوفِ خدا اور اپنے ارادے پر ندامت کی وجہ سے

---

[1] ...سنن الدارمی، کتاب النکاح، باب النھی عن التبتل، ۲/ ۱۷۹، حدیث: ۲۱۶۹ بتغیرقلیل

[2] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ۲/ ۵۸۲، حدیث: ۶۶۲۳ بتغیرقلیل

[3] ...اللباب فی علوم الکتاب، پ۲۸، سورۃ الصف: ۱۰، ۱۹/ ۵۹ بتغیرقلیل

رکا ہے تو اس کے لئے نیکی لکھی جائی گی کیونکہ گناہ کا پختہ ارادہ کرنا گناہ ہے اور اس سے بچنا اور اس کے ترک میں نفس سے مجاہدہ کرنا نیکی ہے نیز طبیعت کے موافق گناہ کا پکا ارادہ کر لینا اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مکمل طور پر غفلت پر دلالت نہیں کرتا اور طبیعت کا خلاف کر کے مجاہدہ کے ذریعے اس سے بچنے کے لئے قوت عظیمہ درکار ہوتی ہے تو اس کا اپنی طبیعت کے خلاف مجاہدہ کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر عمل کرنا ہے اور طبیعت کے مطابق شیطان کی موافقت کی کوشش کے مقابلے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عمل کرنا زیادہ سخت ہے تو اسی وجہ سے اس کے لئے نیکی لکھی گئی کیونکہ اس نے گناہ کو عملی جامہ پہنانے کے پختہ ارادے کے مقابلے میں اسے نہ کرنے کے پکے ارادے اور مجاہدے کو اختیار کیا اور اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف کے علاوہ کسی رکاوٹ یا عذر کی وجہ سے گناہ سے باز رہا تو اس کے ذمے ایک گناہ لکھا جاتا ہے کیونکہ گناہ کا پختہ ارادہ کرنا دل کا اختیاری فعل ہے اور اس تفصیل پر دلیل صحیح مسلم کی حدیث ہے۔

خوفِ خدا کے سبب گناہ نہ کرنے پر ایک نیکی:

حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے رب عَزَّوَجَلَّ! یہ تیرا بندہ گناہ کرنا چاہتا ہے حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات کو خوب جانتا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: "اس کو دیکھتے رہو، اگر یہ گناہ کر بیٹھے تو ایک گناہ لکھ دو اور اگر گناہ سے باز رہے تو اس کے بدلے میں ایک نیکی لکھ دو کیونکہ اس نے گناہ کو میری وجہ سے چھوڑا ہے۔"[1]

جس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: "مَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا یعنی جو گناہ کا ارادہ کرے اور اسے نہ کرے" اس میں بھی گناہ کے ارادے پر عمل نہ کرنے سے مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے گناہ چھوڑنا ہے۔

لوگوں کو ان کی نیتوں پر اٹھایا جائے گا:

بہر حال جب کوئی شخص کسی گناہ کا عزم کرے پھر کسی سبب سے اس کے لئے گناہ کرنا مشکل ہو جائے یا غفلت کے باعث اس گناہ کو نہ کر سکے تو اس کے لئے کیسے نیکی لکھی جائے گی؟ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اِنَّمَا یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی نِیَّاتِهِمْ یعنی بے شک (قیامت میں) لوگوں کو ان کی نیتوں پر اٹھایا جائے گا۔"[2]

---

[1] ...مسلم، کتاب الایمان، باب اذا ھم العبد بحسنة... الخ، ص۷۹، حدیث: ۱۲۹

[2] ...سنن ابن ماجه، کتاب الزھد، باب النية، ۴/ ۴۸۳، حدیث: ۴۲۳۰

معلوم ہوا کہ جو شخص رات کو اس بات کا عزم کرلے کہ صبح کسی مسلمان کو قتل کرے گا یا کسی عورت کے ساتھ زنا کرے گا پھر اسی رات مرجائے تو وہ گناہ پر اصرار کرتا ہوا مرا اور اسے اس کی نیت پر اٹھایا جائے گا حالانکہ اس نے گناہ کا ارادہ کیا تھا اس کا مُرتکِب نہیں ہوا تھا۔ اس سلسلے میں قطعی دلیل یہ حدیثِ پاک ہے۔

قاتل اور مقتول دونوں جہنمی:

حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے کے سامنے آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔" عرض کی گئی: "یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! قاتل تو جَہَنَّم کا مُستَحِق ہے مگر مقتول کا کیا گناہ ہے؟" ارشاد فرمایا: "وہ بھی تو اپنے مدِ مقابل کو قتل کرنا چاہتا تھا۔"[1]

اس حدیث میں اس بات کی صَراحَت ہے کہ مقتول مَحض ارادے کے سبب اَہلِ نار میں سے ہو گیا حالانکہ اسے مظلومیت کی حالت میں قتل کیا گیا تو اس بات کا کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نیت اور پختہ ارادے پر پکڑ نہیں فرمائے گا بلکہ ہر وہ پختہ اِرادہ جو انسان کے اختیار کے تحت داخل ہے اس پر مواخذہ ہوگا سوائے یہ کہ وہ نیکی کے ذریعے اسے مٹادے اور ندامت کے سبب عزم کو توڑ دینا بھی نیکی ہے، اسی وجہ سے اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے، رہا کسی رکاوٹ کے سبب مُراد کا فوت ہو جانا تو یہ نیکی نہیں ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا:

جہاں تک خواطر، حدیثِ نفس اور شدید خواہش (یعنی میلان طبع) کا تعلق ہے تو یہ تمام چیزیں اختیار کے تحت داخل نہیں ہیں، لہٰذا ان پر مُواخذہ کرنا طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ (پ۳، البقرۃ: ۲۸۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔

---

[1] ...بخاری، کتاب الایمان، باب وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا، ۱/ ۲۳، حدیث: ۳۱

توچند صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: "ہم پر ایسی بات کا حکم نازل ہوا ہے جو ہماری طاقت سے باہر ہے کیونکہ ہمارے دلوں میں ایسی باتیں بھی گزرتی ہیں کہ ان کا دل پر جمنا ہمیں پسند نہیں ہوتا مگر ان پر بھی حساب ہو گا؟" حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم بھی یہودیوں کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو "سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا یعنی ہم نے سنا اور نہ مانا" بلکہ تم کہو: "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا یعنی ہم نے سنا اور مانا" چنانچہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے کہا: "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا یعنی ہم نے سنا اور مانا" پھر ایک سال بعد اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان پر آسانی فرماتے ہوئے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (پ۳، البقرۃ: ۲۸۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ قَلْب کے جو اعمال بندے کے دائرہ اختیار میں نہیں ان پر مواخذہ بھی نہیں ہے۔ دل میں پیدا ہونے والی کیفیات کے متعلق یہ وضاحت کافی ہے۔

دل کے اختیاری اعمال پر مواخذہ ہے:

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ دل میں گزرنے والی ہر بات حدیثِ نفس ہے اور بقیہ تین اقسام کے درمیان فرق نہیں کرتا تو وہ یقیناً غَلَطی پر ہے۔ دل کے اعمال پر مُواخذہ کیوں نہیں ہو گا جبکہ تکبُّر، خود پسندی، ریا، منافقت اور حسد وغیرہ بھی دل کے اعمال میں سے ہیں، بلکہ کان، آنکھ اور دل کے جو اعمال بندے کے اختیار میں ہیں ان سب کے بارے میں سوال ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نامحرم عورت پر بلا اختیار نظر پڑ جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے لیکن اگر دوسری بار نظر ڈالی تو اس پر مواخذہ ہو گا کیونکہ یہ اختیار میں ہے۔

یہی حکم دل کے خواطر کا بھی ہے بلکہ دل کا مواخذہ تو سب سے پہلے ہونا چاہئے کیونکہ یہی اصل ہے۔ چنانچہ حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا یعنی تقویٰ یہاں ہے۔"[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] ...مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ، ص۱۳۸۶، حدیث: ۲۵۶۴

لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُہَا وَ لَا دِمَآؤُہَا وَ لٰکِنۡ یَّنَالُہُ التَّقۡوٰی مِنۡکُمۡ ؕ (پ۱۷، الحج: ۳۷) ترجمۂ کنزالایمان: اللہ کو ہر گز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ ان کے خون ہاں تمہاری پرہیز گاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اَلْاِثْمُ حَوَّازُ الْقُلُوْب یعنی گناہ دلوں میں کھٹکنے والی چیز ہے۔"[1]

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ امت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّ اِلَیْہِ الْقَلْبُ وَاِنْ اَفْتَوْکَ وَاَفْتَوْکَ یعنی نیکی وہ ہے جس پر دل مطمئن ہو اگرچہ مفتی تمہیں (جو بھی) فتویٰ دے، اگرچہ مفتی تمہیں (جو بھی) فتویٰ دے۔"[2]

ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر مفتی کے دل نے کسی چیز کو واجب قرار دینے کا فیصلہ کیا حالانکہ وہ اس معاملے میں خطا کار ہو تب بھی اسے ثواب ملے گا بلکہ جو شخص یہ گمان کرے کہ وہ باوُضُو ہے تو اس پر نماز پڑھنا لازم ہے پھر اگر اسے نماز پڑھنے کے بعد یاد آئے کہ اس نے وضو نہیں کیا تو اسے بھی اس کے فعل کا ثواب ملے گا (اگرچہ نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی) اگر یاد ہونے کے باوجود وضو نہ کیا (اور ایسے ہی نماز پڑھ لی) تو اس پر اسے عذاب ہوگا، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے بستر پر کسی عورت کو پائے اور اسے اپنی بیوی سمجھ کر اس سے ہم بستری کرلے تو گناہگار نہیں ہوگا اگرچہ وہ اَجْنَبِیَّہ ہو۔ ہاں! اگر اسے اجنبیہ خیال کیا پھر اس سے ہم بستری کی تو گناہ گار ہوگا اگرچہ وہ اس کی بیوی ہو۔

ان تمام معاملات میں اعضاء کے بجائے دل کی طرف نظر کی گئی ہے۔

ساتویں فصل: ذکر کرتے وقت وسوسوں کا مکمل ختم ہونا ممکن ہے یا نہیں؟

جان لو کہ قَلْب پر نِگاہ رکھنے والے اور اس کی صِفات و عجائب میں غور کرنے والے علما کا اس میں اختلاف ہے اور وہ اس سلسلے میں پانچ گروہ میں مُنْقَسِم ہیں:

بوقتِ ذِکر وسوسے کے متعلق عُلَما کے پانچ گروہ:

۞...ایک گروہ: کہتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرنے سے وسوسہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

---

1 ...شعب الایمان، باب فی معالجۃ کل ذنب بالتوبۃ، ۵/ ۴۵۸، حدیث: ۷۲۷۷

2 ...المعجم الکبیر، ۲۲/ ۱۴۸، حدیث: ۴۰۳

عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے: "فَاِذَا ذَکَرَ اللہَ خَنَسَ یعنی جب بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے"[1] اور "خَنَسَ" کا معنیٰ رک جانا ہے تو گویا شیطان وسوسہ ڈالنے سے رک جاتا ہے۔

۞...**دوسرا گروہ:** کہتا ہے کہ وسوسے بالکل ختم نہیں ہوتے بلکہ جاری رہتے ہیں مگر ان کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے اس لئے کہ دل جب ذکر میں مُسْتَغْرَق ہو جاتا ہے تو وسوسوں کا اثر قبول کرنے سے پردے میں آ جاتا ہے جیسا کہ اپنی سوچوں میں گم شخص بعض اوقات محفل میں ہوتے ہوئے بھی گفتگو سمجھ نہیں رہا ہوتا اگرچہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرا رہی ہوتی ہے۔

۞...**تیسرا گروہ:** کہتا ہے کہ وسوسے نہ ختم ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کا اثر زائل ہوتا ہے البتہ قلب ان کے اثر سے مَغْلُوب نہیں ہوتا۔ شیطان گویا دور ہی سے حالتِ ضُعْف میں وسوسے ڈال رہا ہوتا ہے۔

۞...**چوتھا گروہ:** کہتا ہے کہ کسی لمحہ ذکر کی حالت میں وسوسے ختم ہو جاتے ہیں اور کسی پل وسوسوں کے سبب ذکر ختم ہو جاتا ہے اور قریب قریب وقت میں یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہتا ہے، دل پر تیزی سے ان کی آمد و رفت کے سبب یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی گیند پر بے شمار نقطے ہوں اور جب تم اسے تیزی کے ساتھ گھماؤ گے تو وہ نقطے تیزی سے ایک دوسرے سے ملنے کے سبب دائرے کی شکل میں (ملے ہوئے) محسوس ہوں گے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ حدیثِ پاک میں بَوَقْتِ ذِکر شیطان کے پیچھے ہٹ جانے کا ذکر آیا ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ذکر کرنے کے باوجود وسوسے آ رہے ہوتے ہیں اور اس کی صورت صرف یہی بن سکتی ہے۔

۞...**پانچواں گروہ:** کہتا ہے کہ وسوسہ اور ذکر کبھی مُنْقَطِع نہیں ہوتے بلکہ دونوں کا عمل اپنی اپنی جگہ جاری رہتا ہے۔ جس طرح انسان اپنی آنکھوں سے بیک وقت دو مختلف چیزیں دیکھ لیتا ہے اسی طرح دل پر بھی بیک وقت دو چیزیں جاری ہوتی ہیں۔

چار آنکھیں:

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ امت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "مَا مِنْ عَبْدٍ اِلَّا وَلَہٗ اَرْبَعَۃُ اَعْیُنٍ عَیْنَانِ

---

[1] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب مکائد الشیطان، ۴/ ۵۳۶، حدیث: ۲۲ بتغیر

فِیْ رَاْسِہٖ یُبْصِرُ بِھِمَا اَمْرَ دُنْیَاہُ وَعَیْنَانِ فِیْ قَلْبِہٖ یُبْصِرُ بِھِمَا اَمْرَ دِیْنِہٖ یعنی ہر بندے کی چار آنکھیں ہوتی ہیں دو سر میں ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے دنیوی امور کو دیکھتا ہے اور دو دل میں ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے دینی معاملات کو دیکھتا ہے۔"

حضرت سیِّدُنا حارِث مُحاسِبی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کا یہی مذہب ہے۔

سیِّدُنا امام غزالی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا مؤقف:

ہمارے نزدیک درست یہ ہے کہ یہ تمام مذاہب صحیح ہیں لیکن ان میں وسوسوں کی تمام قسموں کا احاطہ نہیں کیا گیا بلکہ ہر گروہ نے وسوسہ کی ایک قسم پر نظر کی اور اس کے بارے میں خبر دے دی، حالانکہ وسوسوں کی مُتَعَدَّد اقسام ہیں۔

وسوسے کی اقسام:

۞...پہلی قسم: یہ ہے کہ شیطان حق کو مُشْتَبہ کرنے کے لئے وسوسہ ڈالے۔ شیطان بعض اوقات حق کو چھپا دیتا ہے اور انسان سے کہتا ہے: "تم دنیاوی ساز وسامان سے لذّت اٹھاتے ہوئے عیش وعشرت کی زندگی کیوں نہیں گزارتے حالانکہ عمر طویل ہے اور اتنے طویل عرصہ تک خواہشات کو قابو میں رکھنا بہت تکلیف دہ امر ہے۔"

اس موقعہ پر جب بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حق عظیم، ثواب عظیم اور عذاب عظیم کو یاد کرتا ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہے کہ خواہشات پر صبر کرنا اگرچہ سخت ہے لیکن نارِ جَہَنَّم کو برداشت کرنا اس سے بھی زیادہ سخت ہے اور ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ پھر جب وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے وعدہ ووعید کو یاد کرتا ہے اور اپنے ایمان اور یقین کو تازہ کرتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے کیونکہ شیطان یہ کہنے کی طاقت نہیں رکھتا کہ دوزخ کی آگ گناہوں پر صبر کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے اور یہ کہنا بھی اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ گناہ نارِ جَہَنَّم کی طرف نہیں لے جاتا کیونکہ کتابُ اللہ پر اس کا ایمان اس خیال کو دور کر دیتا ہے اور یوں اس کا وسوسہ ختم ہو جاتا ہے۔

نُورِ مَعْرِفت سے دیکھنے والے محفوظ ہیں:

اسی طرح شیطان انسان کو اس کے عمل پر خود پسندی میں مبتلا کرکے بھی وسوسہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے: "تیری طرح کون اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھتا ہے، کون تیری طرح اس کی عبادت کرتا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں

تیرا مقام بہت بلند ہے۔“ اس وقت بندہ یہ سوچتا ہے کہ اس کی معرفت، اس کا دل، اعضاء کہ جن کے ذریعے وہ عمل کرتا ہے اور اس کا علم یہ سب کچھ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے پیدا کرنے سے ہے تو پھر اس پر خود پسندی کیسی؟ یوں شیطان دور ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے لئے یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ ”یہ سب کچھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے نہیں ہے“ کیونکہ معرفت اور ایمان اسے دور کر دیتے ہیں۔

یہ بھی وسوسوں کی ایک قسم ہے اور اس قسم کے وسوسے ان عارفین سے مکمل طور پر ختم ہو جاتے ہیں جو ایمان و معرفت کے نور سے دیکھتے ہیں۔

❁...**دوسری قسم:** یہ ہے کہ شیطان شہوت ابھار کر اور بھڑکا کر وسوسہ ڈالے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) انسان کو اس شہوت کا مَعْصِیَت ہونا یقینی طور پر معلوم ہو (۲) یقین نہ ہو لیکن ظَنِّ غالب (غالب گمان) ہو۔

یقین کی صورت میں شیطان شہوت میں ہیجان پیدا کرنے کی کوشش تو کرتا ہے لیکن اس کی یہ کوشش شہوت بھڑکانے میں مُؤَثِّر ثابت نہیں ہوتی جبکہ ظن (گمان) کی صورت میں کوشش بعض اوقات مؤثر ثابت ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں اس کے اِزالے کے لئے مجاہدے کی ضرورت پڑتی ہے اور اس قسم کا وسوسہ موجود رہتا ہے البتہ کبھی ختم بھی ہو جاتا ہے۔

دورانِ نماز وسوسوں سے چھٹکارے کی صورت:

❁...**تیسری قسم:** وسوسے کی ایک قسم یہ ہے جس کا تعلق محض خواطر اور دورانِ ذکر و نماز عام طور پر پیش آنے والے حالات و واقعات ذہن میں لانے اور ان میں غور و فکر کرنے سے ہے۔ مثلاً جب بندہ ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو وسوسے ایک پَل کے لئے دور ہو جاتے ہیں لیکن پھر آجاتے ہیں، پھر ختم ہو جاتے ہیں، پھر آجاتے ہیں، الغرض! دورانِ ذکر وسوسے اس کثرت سے آتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں حتّٰی کہ جو پڑھ رہے ہوتے ہیں اس کا معنیٰ بھی سمجھ آرہا ہوتا ہے اور ان خواطر کو بھی سمجھ رہے ہوتے ہیں گویا دل میں دونوں کے لئے الگ الگ جگہیں ہیں۔

اس قسم کے وسوسے کا مکمل طور پر ختم ہو جانا بہت بعید ہے لیکن ناممکن نہیں کیونکہ سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے: ”مَنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ لَمْ یُحَدِّثْ فِیْہِمَا نَفْسَہٗ بِشَیْءٍ مِّنْ اَمْرِ الدُّنْیَا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

یعنی جس نے دو رکعات اس طرح پڑھیں کہ کسی امرِ دنیا کا خیال نہ لائے تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“[1]

اگر بوقت ذکر وسوسوں کا مکمل طور پر ختم ہونا ناممکن ہوتا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یہ بات ہرگز نہ فرماتے، البتہ ایسا صرف اسی دل میں ممکن ہے جس میں محبت غالب ہو جائے حتی کہ اس شخص کی طرح ہو جائے جو اپنے محبوب کے علاوہ کسی کی نہیں سنتا۔

ایمان کی کمزوری:

ہم دیکھتے ہیں کہ جب دل اس دشمن کے خیال میں گھرا ہو جس سے اسے اذیت پہنچتی ہے تو بعض اوقات دو رکعات یا اس سے زیادہ رکعات کی مقدار وہ اس سے مقابلے کے بارے میں سوچتا رہتا ہے حتی کہ اس کے دل میں اپنے دشمن کے علاوہ کسی کا خیال نہیں آتا۔ اسی طرح جو شخص محبت میں ڈوبا ہوتا ہے وہ کبھی دل ہی دل میں اپنے محبوب کے ساتھ بات چیت کرنے کے تصوُّر میں اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ اس کے دل میں سوائے محبوب کے خیال کے اور کچھ نہیں آتا، اگر کوئی دوسرا شخص اس سے گفتگو کرے تو وہ نہیں سنتا، اگر کوئی شخص اس کے سامنے سے گزر جائے تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے گویا اس نے اس کو دیکھا ہی نہیں۔

جب دشمن کے خوف اور مال وجاہ کی حرص کے وقت اِستِغْراق کی یہ کیفیت پیدا ہو سکتی ہے تو دوزخ کے خوف اور جنّت کے شوق میں بندے کی یہ حالت کیوں نہیں ہو سکتی لیکن ایسا کم ہوتا ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کے دن پر ایمان کمزور ہو چکا ہے۔

جب تم (اس فصل میں بیان کیے گئے) اقوال اور وسوسوں کی قسموں پر غور کرو گے تو جان لو گے کہ ہر گروہ کا مَوْقِف درست ہے لیکن اس کا محل مخصوص ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شیطان سے ایک لمحے یا ساعت کے لئے نجات ممکن ہے لیکن طویل عمر کے لئے چھٹکارا ممکن نہیں بلکہ ایسا ہونا محال ہے، اگر کوئی شخص شیطانی وَساوِس یعنی خواطر اور شدتِ رغبت سے محفوظ رہ سکتا تھا تو وہ ضرور حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ذات گرامی ہوتی۔

---

[1] ...بخاری، کتاب الوضوء، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، ۱/ ۷۸، حدیث: ۱۵۹

نقش و نگار والا کپڑا اُتار دیا:

مروی ہے کہ دوران نماز آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نگاہ اپنے کپڑے کے نقش و نگار پر پڑی، سلام پھیرنے کے بعد آپ نے اس کپڑے کو اتار دیا اور ارشاد فرمایا: ''شَغَلَنِیْ عَنِ الصَّلَاۃِ یعنی اس نے نماز سے میری توجہ ہٹا دی۔'' پھر ارشاد فرمایا: ''اِذْھَبُوْا بِہٖ اِلٰی اَبِیْ جَھْمٍ وَّاْتُوْنِیْ بِاَنْبِجَانِیَّۃٍ یعنی اسے ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور ان سے اَنْبِجانِیَہ چادر [1] لے آؤ۔'' [2]

نیز مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اُنگشت مبارک میں سونے کی انگوٹھی تھی، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم منبر پر تشریف فرما تھے، آپ کی نظر اس کی طرف گئی پھر اسے اتار دیا اور ارشاد فرمایا: ''نَظْرَۃٌ اِلَیْہِ وَنَظْرَۃٌ اِلَیْکُمْ یعنی ایک بار اسے دیکھتا ہوں اور ایک بار تمہیں دیکھتا ہوں۔'' [3]

تو کپڑے کے نُقُوش اور سونے کی انگوٹھی سے دھیان بٹنے کا عمل شیطانی وسوسہ تھا اور یہ واقعہ (مردوں پر) سونا حرام ہونے سے پہلے کا ہے، اسی لئے آپ نے اسے پہنا ہوا تھا اور (وسوسوں کے سبب) اتارا۔

مال و دولت کے متعلق وسوسوں سے نجات:

دنیا کے مال و دولت اور ساز و سامان کے متعلق وسوسے اسی وقت ختم ہو سکتے ہیں جب انہیں خود سے دور اور الگ کر دیا جائے، جب تک انسان اپنی حاجت سے زائد کسی چیز کا مالک رہے گا اگرچہ ایک دینار ہی کیوں نہ ہو شیطان اسے ذکرِ الٰہی میں دینار کی فکر کے متعلق وسوسہ ڈالنے سے نہیں رکے گا اور اسے اس بات میں مشغول رکھے گا کہ وہ کیسے اس کی حفاظت کرے؟ کس چیز میں اسے خرچ کرے؟ کس طرح اسے چھپائے تاکہ اس کے متعلق کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکے یا کس طرح اسے ظاہر کرے تاکہ اس کے سبب لوگوں کے سامنے فخر کر سکے اور اس قسم کے دیگر وَساوِس ڈالے گا۔

---

[1]... مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن مراٰۃ المناجیح، جلد اول، صفحہ 466 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: ''انبجانیہ شام کی ایک بستی کا نام ہے جہاں سادے کپڑے تیار ہوتے ہیں، اسی کی طرف اس کی نسبت ہے۔''

[2]... بخاری، کتاب الصلوۃ، باب اذا صلی فی ثوب لہ اعلام، ۱/ ۱۴۹، حدیث: ۳۷۳

[3]... سنن النسائی، کتاب الزینۃ، باب طرح الخاتم وترک لبسہ، ص ۸۳۸، حدیث: ۵۲۹۹

دنیا شیطانی وسوسوں کا ایک بڑا دروازہ ہے:

جو دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی گزارے اور چاہے کہ شیطان سے چھٹکارا مل جائے تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو شہد میں غوطہ لگائے اور یہ توقع رکھے کہ اس پر مکھیاں نہ بیٹھیں گی تو یہ محال ہے۔ دنیا شیطانی وسوسوں کا ایک بڑا دروازہ ہے اور شیطان کا صرف ایک دروازہ نہیں بلکہ بے شمار دروازے ہیں۔

خود پسندی میں مبتلا کرنا شیطان کا آخری حربہ ہے:

کسی دانا کا قول ہے: شیطان ابن آدم کے پاس گناہ کی راہ سے آتا ہے اگر وہ اس کی بات نہیں مانتا تو نصیحت کا راستہ اپناتا ہے حتّٰی کہ اسے بدعت میں مبتلا کر دیتا ہے، اگر ابنِ آدم اس کا یہ راستہ بھی بند کر دے تو اسے تنگی اختیار کرنے اور خود پر سختی کرنے کا حکم دیتا ہے حتّٰی کہ جو چیز حرام نہیں ہوتی انسان اسے بھی خود پر حرام کر لیتا ہے، اگر انسان اس کی اس بات پر بھی کان نہیں دھرتا تو شیطان اسے وُضو اور نماز کے دوران شکوک و شُبہات میں مبتلا کرتا ہے حتی کہ اسے یقین نہیں رہتا، اگر اس طرح بھی قابو نہ آئے تو اس پر نیکی کے کاموں کو آسان کر دیتا ہے حتی کہ لوگ اسے صابر اور گناہوں سے پاک وصاف سمجھ کر اس کی طرف راغب ہونے لگتے ہیں اور یوں وہ خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اسی کے سبب شیطان اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

اس موقع پر شیطان اپنی تمام تر قوت صَرف کر دیتا ہے کیونکہ یہ آخری موقعہ ہوتا ہے اور شیطان جانتا ہے کہ اگر اس بار یہ ہاتھ سے نکل گیا تو میرے وار سے بچ کر سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔

آٹھویں فصل: دل کے تیزی سے بدلنے کا بیان اور ثابت قدم رہنے اور نہ رہنے والا دل

جان لو! جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ دل مختلف صِفات کے گھیرے میں ہے اور اس پر ہم روایات وواقعات بھی بیان کر چکے تو گویا دل ایک ہدف ہے جس پر ہر جانب سے مسلسل تیروں کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ جب اس پر کوئی چیز آتی ہے جس کا اثر وہ قبول کرتا ہے تو دوسری طرف سے اس کے برعکس چیز آجاتی ہے اور اس کی پہلی صِفَت بدل جاتی ہے، اگر دل میں شیطان آکر اسے خواہش کی طرف بلاتا ہے تو فرشتہ اس

میں اتر کر اس کو خواہش سے پھیر دیتا ہے، اگر ایک شیطان کسی برائی کی طرف کھینچتا ہے تو دوسرا شیطان دوسرے شر کی طرف لے جاتا ہے، اسی طرح ایک فرشتہ ایک بھلائی کی طرف بلاتا ہے تو دوسرا فرشتہ دوسری بھلائی کی دعوت دیتا ہے۔ یہ کھینچاتانی کبھی دو فرشتوں کے درمیان ہوتی ہے، کبھی دو شیطانوں کے درمیان اور کبھی فرشتہ اور شیطان کے درمیان ہوتی ہے۔ الغرض! دل لمحہ بھر بھی اس حالت کے بغیر نہیں پایا جاتا۔ اسی کی طرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان میں اشارہ ہے:

وَ نُقَلِّبُ اَفْـٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ (پ۷، الانعام: ۱۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم پھیر دیتے ہیں ان کے دلوں اور آنکھوں کو۔

حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم چونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بنائی ہوئی اس عظیم چیز کے عجائبات اور اس کے بدلتے رہنے پر مُطَّلَع تھے اس لئے آپ اس طرح قسم کھایا کرتے: ”لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ یعنی قسم ہے دلوں کو بدلنے والے کی۔“[1]

آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اکثر یہ دعا کیا کرتے: ”یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ یعنی اے دلوں کو بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔“[2] صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: ”یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا آپ کو بھی (دل کے بدلنے کا) خوف ہے؟“ ارشاد فرمایا: ”میں کیسے بے خوف ہو سکتا ہوں جبکہ دل رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اسے بدل دیتا ہے۔“[3]

ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے: ”اگر سیدھا کرنا چاہتا ہے تو سیدھا کر دیتا ہے اور ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے۔“[4]

دل کی تین مثالیں:

حضور نبیٔ اکرم، نُوْرِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دل کی تین مثالیں بیان فرمائی ہیں: (۱) دل کی

---

1 ...بخاری، کتاب الایمان والنذر، باب کیف کانت یمین النبی، ۴/ ۲۸۲، حدیث: ۶۶۲۸

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث النواس بن سمعان، ۶/ ۱۹۸، حدیث: ۱۷۶۴۷

3 ...مسلم، کتاب القدر، باب تصریف اللہ تعالی کیف یشاء، ص ۱۴۲۷، حدیث: ۲۶۵۴

4 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث النواس بن سمعان، ۶/ ۱۹۸، حدیث: ۱۷۶۴۷

مثال اس چڑیا کی سی ہے جو ہر لمحہ جگہ بدلتی رہتی ہے۔[1] (۲) دل کی مثال بدلنے میں ہانڈی جیسی ہے جب اس میں خوب جوش آتا ہے۔[2] (۱) دل کی مثال پرندے کے اس پر کی سی ہے جو بیابان میں پڑا ہو اور ہوائیں اسے اُلٹ پلٹ کرتی ہوں۔[3]

جب معاملہ ایسا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بنائی ہوئی اس عظیم چیز دل کے بدلنے اور اس کے عجائبات پر صرف وہی حضرات واقف ہو سکتے ہیں جو ذاتِ باری تعالیٰ کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اپنے دلوں کی نگرانی کرتے اور اپنے اَحوال کی حفاظت کرتے ہیں۔

دل کی اقسام:

خیر اور شر پر قائم رہنے اور ان دونوں میں سے کسی ایک پر نہ جمنے کے اعتبار سے دل کی تین اقسام ہیں۔

تقویٰ سے آباد دل:

﴿1﴾... ایک دل وہ ہوتا ہے جسے تقویٰ سے آباد کیا گیا ہو، ریاضت کے ذریعے جس کا تزکیہ کیا گیا ہو اور برے اَخلاق سے جسے صاف کر لیا گیا ہو، اس میں خیر کے خواطر غیب کے خزانوں اور عالَم مَلَکُوت سے آتے ہیں، عقل اس قسم کے خاطر میں چُھپی بھلائی کو پہچاننے اور پوشیدہ فوائد پر مُطَّلع ہونے کے لئے اس میں غور و فکر کرنے میں مشغول ہو جاتی ہے، جب بصیرت کے نور سے اس کی صورت مُنْکَشِف اور واضح ہو جاتی ہے تو عقل اس بات کا فیصلہ کر لیتی ہے کہ اسے ایسا ضرور کرنا چاہئے۔ چنانچہ وہ قلب کو اس فعل کی ترغیب دیتی ہے اور اس پر عمل کرنے کی طرف بلاتی ہے اور فرشتہ جب یہ دیکھتا ہے کہ دل اصل خِلْقت کے اعتبار سے پاک، تقویٰ کے ذریعے صاف، عقل کے نور سے روشن اور معرفت کے انوار سے معمور ہے تو اسے اپنے ٹھہرنے اور اُترنے کے لئے بہتر مقام تصوُّر کرتا ہے۔ اس وقت وہ فرشتہ نظر نہ آنے والے لشکروں کے ساتھ اس کی مدد کرتا ہے اور خیر کے دوسرے کاموں کی طرف اس کی راہنمائی کرتا ہے حتّٰی کہ ایک نیکی دوسری کی طرف لے جاتی ہے۔ یہ

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی الخوف من اللہ، ۱/ ۴۷۲، حدیث: ۷۵۵ بتغیر

[2] ...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث المقداد بن الاسود، ۹/ ۲۱۷، حدیث: ۲۳۸۷۷ بتغیر

[3] ...شعب الایمان، باب فی الخوف من اللہ، ۱/ ۴۷۳، حدیث: ۷۵۱

سلسلہ یوں ہی جاری رہتا ہے، خیر کی ترغیب اور اس پر معاملے کو آسان کرنے کے ذریعے اس کی امداد کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ اسی کی طرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان میں اشارہ ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰىۙ(۵) وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰىۙ(۶) فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰىؕ(۷) (پ۳۰، اللیل: ۵تا۷)

ترجمۂ کنزالایمان: تو وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی کو سچ مانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے۔

اس طرح کے دل میں مشکاۃِ رَبُوْبِیَّت کے چراغ کا نور (یعنی نورِ الٰہی) چمک اٹھتا ہے حتی کہ وہ شرکِ خفی بھی اس سے پوشیدہ نہیں رہتا جو اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی کے رینگنے کی آواز سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نوری قلب پر کوئی مخفی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہتی اور نہ ہی کوئی شیطانی مکر اس پر چلتا ہے بلکہ شیطان دور ہی سے معائنہ کرتا رہتا ہے اور دھوکا دینے کے لئے خوش نما باتیں اِلقا کرتا ہے لیکن یہ شخص اس کی طرف التفات نہیں کرتا۔ یہ دل مُہلِکات سے پاک ہونے کے بعد جلد ہی مُنْجِیات مثلاً شکر، صبر، خوف، امید، فقر، زُہد، محبت، رِضا، شوق، توکُّل، تَفَکُّر اور محاسبہ وغیرہ سے معمور ہو جاتا ہے۔ ان مُنْجِیات کو عنقریب ہم ذکر کریں گے۔

یہی وہ دل ہے جس کی طرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور یہی وہ قلبِ مطمئن ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان دو فرامین میں مراد ہے:

﴿1﴾...

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُؕ(۲۸) (پ۱۳، الرعد: ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

﴿2﴾...

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُۗۖ(۲۷) (پ۳۰، الفجر: ۲۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اے اطمینان والی جان۔

خواہشاتِ نفس سے لبریز دل:

﴿2﴾... ایک دل وہ ہوتا ہے جو تائیدِ الٰہی سے محروم، نفسانی خواہشات سے بھرا ہوا، گندگیوں سے آلودہ اور قابلِ مذمت عادات میں ملوث ہوتا ہے۔ اس دل کے دروازے شیاطین کے لئے کھلے رہتے ہیں اور فرشتوں

کے لئے بند ہو جاتے ہیں۔ اس دل میں شَر کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ اس میں خواہشات نفسانی کا خاطر (یعنی خیال) آتا اور کھٹکتا ہے تو دل رائے لینے اور اس معاملے میں درست صورت کے اِنکِشاف کے لئے حاکم یعنی عقل کی طرف نظر کرتا ہے اور عقل چونکہ پہلے ہی نفسانی خواہشات کی خدمت کو پسند کرتی ہے اور اس سے مانوس ہوتی ہے اور اس کے لئے نئے نئے حیلے تلاش کرتی رہتی ہے اور اس کا ساتھ دیتی رہتی ہے پھر نفس بھی غالب آجاتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے تو یوں نفسانی خواہش کے لئے سینے کے دروازے کھل جاتے ہیں اور سینہ اس کی تاریکیوں میں ڈوب جاتا ہے کیونکہ عقل کا لشکر اسے دور کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتا اور اس طرح شیطان کا غَلَبہ مضبوط ہو جاتا ہے کیونکہ دل میں نفسانی خواہشات پھیل جانے کی وجہ سے اس کی جگہ وسیع ہو چکی ہوتی ہے۔ اب شیطان ظاہری زیب و زینت، مکر و فریب اور جھوٹی امیدوں کے ذریعے دل کو پھنساتا ہے اور دھوکا دینے کے لئے خوش نُما باتیں دل میں ڈالتا ہے اس طرح وعدہ اور وعید پر ایمان کا غلبہ کمزور پڑ جاتا ہے اور خوفِ آخرت کی وجہ سے پیدا ہونے والے یقین کا نور بجھنے لگتا ہے کیونکہ نفسانی خواہش کی وجہ سے ایک سیاہ دھواں دل کی طرف اٹھتا ہے جو اس کے اَطراف کو بھر دیتا ہے حتّٰی کہ دل کے انوار بجھ جاتے ہیں۔

ایسے شخص کی عقل اس آنکھ کی طرح ہو جاتی ہے جس کی پلکیں دھوئیں سے بھر جائیں اور وہ دیکھنے پر قادر نہ ہو سکے اور غلبۂ شہوت کی صورت میں دل کی بھی یہی کیفیت ہو جاتی ہے حتی کہ دل کے لئے غور و فکر اور سوچ بچار کا امکان بھی باقی نہیں رہتا، اگر کوئی واعظ اسے حق بات دکھائے یا سنائے تو وہ اس کے سمجھنے سے اندھا اور سننے سے بہرا ہو جاتا ہے، اس میں شہوت بھڑک اٹھتی ہے، شیطان دھاوا بول دیتا ہے، اعضاء خواہش کے مطابق حرکت کرتے ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قَضاء وقَدَر کے سبَب عالَم غیب سے عالَم شہادت کی طرف معصیت کا ظہور ہوتا ہے اور اسی قسم کے دل کی طرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان فرامین میں اشارہ ہے:

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًاۙ (۴۳) اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا۠ (۴۴) (پ۱۹، الفرقان: ۴۳، ۴۴)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا تم نے اُسے دیکھا جس نے اپنے جی کی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا تو کیا تم اس کی نگہبانی کا ذمہ لوگے یا یہ سمجھتے ہو کہ ان میں بہت کچھ سنتے یا سمجھتے ہیں وہ تو نہیں مگر جیسے چوپائے بلکہ اُن سے بھی بدتر گمراہ۔

اور ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ (پ۲۲، یٰس:۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ان میں اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے تو وہ ایمان نہ لائیں گے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَ سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ (پ۲۲، یٰس:۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور انہیں ایک سا ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں۔

شہوات کے معاملے میں دلوں کی حالتیں:

بعض شہوات کے معاملے میں کچھ دلوں کی حالت اس شخص کی طرح ہوتی ہے جو بعض اشیاء سے پرہیز کرتا ہے لیکن جب کسی حسین چہرے کو دیکھ لیتا ہے تو اس کی آنکھ اور دل قابو میں نہیں رہتے، عقل بہک جاتی ہے، دل پر اس کی گرفت کمزور پڑ جاتی ہے یا ان کی حالت اس شخص کی سی ہوتی ہے جو جاہ و منصب، حکومت اور مرتبہ کے معاملے میں خود پر قابو نہیں رکھ پاتا حتّٰی کہ ان اسباب کے ظہور کے وقت ان سے بچنا اس کے لئے ممکن ہی نہیں ہوتا یا ان کی حالت اس شخص کی مثل ہوتی ہے کہ جس کے عیب بیان کیے جائیں یا اسے حقیر سمجھا جائے تو وہ اپنے غصے پر قابو نہیں رکھ پاتا یا ان کی حالت اس شخص جیسی ہوتی ہے جو درہم و دینار کے لینے پر قدرت حاصل ہونے کی صورت میں خود پر قابو نہیں رکھ پاتا بلکہ مال کی حرص میں دوسرے پر دیوانے کی طرح ٹوٹ پڑتا ہے اور اس سلسلے میں مروّت اور تقویٰ کو بھول جاتا ہے۔

یہ سب باتیں اس لئے ہوتی ہیں کہ نفسانی خواہش کا دھواں دل کی طرف اٹھتا ہے یہاں تک کہ وہ تاریک ہو جاتا ہے اور اس سبب سے اس کے انوار گُل ہو جاتے ہیں اور اس طرح حیا، مُروّت اور ایمان کا نور بجھ جاتا ہے اور دل شیطان کی مراد حاصل کرنے کی کوششوں میں لگ جاتا ہے۔

خواہش نفس اور ایمانی خیالات میں گھرا دل:

﴿3﴾... ایک دل وہ ہوتا ہے جس میں خواہشات نفسانی کے خواطر پیدا ہوتے ہیں اور اسے شر کی طرف بلاتے

ہیں اور اسی وقت ایمان کے خواطر بھی آتے ہیں اور اسے خیر کی طرف بلاتے ہیں، چنانچہ نفس خواہشات کے ذریعے شر کے خاطر کی مدد کے لئے تیار ہو جاتا ہے، شہوت کو تقویت دیتا ہے اور لذت وراحت پہنچانے والی اشیاء کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے جبکہ عقل خیر کے خاطر کی مدد کرتی ہے اور شہوت کے اسباب کو دور کرتی ہے اور ان افعال کی برائی بیان کر کے ان کو جہالت کی طرف منسوب کرتی ہے اور نفس کو یہ بتلاتی ہے کہ یہ چوپایوں اور درندوں کے افعال کے مشابہ ہیں کہ وہ انجام کی پروا کیے بغیر ہی شَر پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

شیطان کا عقل پر حملہ اور فرشتے کی نصیحت:

نفس جب عقل کی نصیحتوں کی طرف مائل ہونے لگتا ہے تو شیطان عقل پر حملہ کر دیتا ہے اور نفسانی خواہش کے داعی کو تقویت پہنچاتا ہے اور کہتا ہے: "خواہ مخواہ خود کو کیوں تنگی میں ڈال رہے ہو اور اپنی خواہش کو پورا نہ کر کے اپنے آپ کو کیوں اذیت پہنچا رہے ہو؟ کیا تمہارے ہم عصروں میں کوئی ایسا ہے جو اپنی خواہشات کا مخالف اور اپنی اَغراض کا تارک ہو؟ کیا دنیا کی لذتیں ان کے لئے چھوڑ رہے ہو کہ وہ ان سے نفع اٹھائیں اور خود پر تنگی ڈال رہے ہو یہاں تک کہ بد نصیب، بدحال اور لوگوں کی ملامت کا شکار ہو جاؤ اور دنیا والے تم پر ہنسیں؟ کیا تم فلاں اور فلاں سے اپنا منصب بڑھانا نہیں چاہتے؟ تمہاری طرح ان کے دل میں بھی خواہش پیدا ہوئی لیکن انہوں نے تو اپنی خواہش کو پورا کیا اور اس کی تکمیل سے نہ رُکے، کیا تم فلاں عالِم کو نہیں دیکھتے وہ تو ان چیزوں سے نہیں بچتا، اگر یہ چیزیں بُری ہوتیں تو ضرور وہ ان سے رُک جاتا۔" چنانچہ نفس شیطان کی طرف مائل ہونے اور اس کی طرف پلٹنے ہی لگتا ہے کہ فرشتہ شیطان پر حملہ کر دیتا ہے اور نفس سے کہتا ہے: "وقتی لذت کے پیچھے جانے والے اور آخرت کو بھول جانے والے لوگ ہی ہلاک ہوئے، کیا تم معمولی سی لذت پر قناعت کر رہے ہو اور ہمیشہ رہنے والی جنت کی لذتوں اور نعمتوں کو چھوڑ رہے ہو؟ کیا خواہشات پر صبر کرنے کی تکلیف کو نارِ جہنّم کی تکلیف سے بھاری سمجھ رہے ہو؟ کیا لوگوں کے غفلت برتنے، خواہشات کی پیروی کرنے اور شیطان کا ساتھ دینے کے سبب دھوکا کھا رہے ہو حالانکہ دوسروں کے گناہوں کے سبب تمہارے لئے آگ میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر سخت گرمی ہو اور سب لوگ دھوپ میں کھڑے ہوں جبکہ تمہارے لئے ایک سایہ دار ٹھنڈا گھر ہو تو تم لوگوں کی مدد کرو گے یا خود کو بچانے کی کوشش کرو گے؟ (یقیناً اپنا بچاؤ کرو گے) جب سورج کی گرمی کے خوف سے لوگوں کی

مخالفت کر رہے ہو تو نارِ جہنّم کی گرمی کے خوف سے ان کی مخالفت کیوں نہیں کر رہے؟“ چنانچہ اس وقت نفس فرشتے کی فرمانبرداری کرنے لگتا ہے۔

شیطانی صفات غالب ہوں تو شیطان غالب آجاتا ہے:

دل دو لشکروں کے مابین مُتَرَدِّد اور دو گروہوں کی کھینچا تانی کے درمیان رہتا ہے حتی کہ اس پر وہ گروہ غالب آجاتا ہے جو اس کے زیادہ لائق ہوتا ہے، اگر دل پر شیطانی صفات غالب ہوں جنہیں ہم ذکر کر چکے ہیں تو شیطان غالب آجاتا ہے اور وہ اپنی جنس یعنی شیطانی جماعت کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے اولیا کی جماعت سے منہ موڑ کر شیطانی جماعت اور دشمنانِ خدا کا ساتھ دینے لگتا ہے اور تقدیر کے سبقت لے جانے کے سبب اعضاء سے وہ افعال صادر ہوتے ہیں جو اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور کر دیتے ہیں۔

فرشتوں والی صفات غالب ہوں تو شیطان ورغلا نہیں سکتا:

اگر دل پر فرشتوں والی صفات غالب ہوں تو دل شیطان کے ورغلانے پر نہ تو دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے اور نہ ہی آخرت سے غافل ہوتا ہے بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جماعت کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور تقدیرِ الٰہی کے مطابق اعضاء نیکیوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فرمان: ”مومن کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہوتا ہے“ اس سے مراد بھی یہی ہے کہ دل ان دو لشکروں کی کھینچا تانی میں رہتا ہے اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ دل بدلتا رہتا ہے اور ایک گروہ سے دوسرے گروہ کی جانب منتقل ہوتا رہتا ہے اور اکثر فرشتوں کے ساتھ جبکہ شاذ و نادر شیطان کی جماعت کے ساتھ رہتا ہے اور یہ عبادات اور گناہ دل کے واسطے سے غیب کے خزانوں سے ظاہری دنیا کی طرف ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ دل ملکوت کے خزانوں میں سے ہے اور نیکی و گناہ بھی۔ پس اعمال کے ظُہُور کی کچھ علامات ہیں جنہیں تقدیرِ الٰہی کا علم رکھنے والے نیک لوگ ہی جانتے ہیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نافرمان کا دل تنگ کر دیتا ہے:

جو لوگ جنت کے لئے پیدا ہوئے ان کے لئے عبادت کے اسباب آسان کر دیئے جاتے ہیں اور جو دوزخ

کے لئے بنے ہیں ان کے لئے گناہوں کے اسباب آسان کر دیے جاتے ہیں اور ایسے شخص پر بُرے دوست مُسَلَّط کر دیے جاتے ہیں اور اس کے دل پر شیطان کو غلبہ دے دیا جاتا ہے کیونکہ شیطان ایسے بے وقوفوں کو بے شمار طریقوں سے دھوکے میں ڈالتا ہے، کبھی کہتا ہے: "اللہ عَزَّوَجَلَّ رحیم ہے لہٰذا تو بے فکر ہو جا اور سب لوگ بھی تو خوفِ خدا نہیں رکھتے، ان سے الگ طریقے پر مت چل، ویسے بھی عمر طویل ہے ابھی ٹھہر جا کل توبہ کر لینا۔"

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ (پ۵، النسآء: ۱۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: شیطان انہیں وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انہیں وعدے نہیں دیتا مگر فریب کے۔

یعنی شیطان انہیں توبہ کا وعدہ دیتا اور مغفرت کی آرزو دلاتا ہے اور اس طرح ان حیلوں اور ان جیسی دیگر چالوں کے ذریعے انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کے مطابق ہلاک کر دیتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ شیطان کے دھوکے کو قبول کرنے کے لئے اس کے دل کو کشادہ کر دیتا ہے اور حق کو قبول کرنے سے اس کے دل کو تنگ کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قضاء و تقدیر سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَ مَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ (پ۸، الانعام: ۱۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے۔

اور ارشاد فرماتا ہے:

اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ (پ۴، آل عمران: ۱۶۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو ایسا کون ہے جو پھر تمہاری مدد کرے۔

تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی ہدایت دیتا اور گمراہ کرتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو چاہے حکم فرماتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں، اس کے فیصلے کو کوئی رد کرنے والا نہیں، اس نے جنت اور اہلِ جنت کو پیدا کیا اور انہیں

عبادت کی راہ پر لگایا، اسی نے جَہَنَّم اور اہلِ جہنم کو پیدا کیا اور اِنہیں گناہ پر اختیار دیا اور مخلوق کو اہل جنت اور اہل نار کی علامت کی پہچان کروادی۔ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾ (پ۳۰، الانفطار: ۱۳، ۱۴)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک نکوکار ضرور چین میں ہیں اور بے شک بدکار ضرور دوزخ میں ہیں۔

حدیث قدسی میں ہے: یہ لوگ جنت میں ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں اور یہ لوگ جہنم میں ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔[1]

بہت بلندی والا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ سچا بادشاہ:

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ (پ۱۷، الانبیآء: ۲۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اُس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور اُن سب سے سوال ہوگا۔

عجائبِ قلب کے بیان میں ہم اسی مختصر گفتگو پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ اس کا مکمل اِحاطہ عِلْمِ مُعاملہ میں مناسب نہیں، ہم نے عُلُومِ معاملہ کے اَسرار و رُموز کی مَعْرِفَت کے لئے ضروری باتوں کو ذکر کر دیا ہے تاکہ وہ شخص بھی اس سے فائدہ اٹھالے جو ظاہر پر قناعت نہیں کرتا اور مَغْز کے بجائے چھلکے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اسے اسباب کے دقیق حقائق کو جاننے کا شوق ہوتا ہے۔ ہماری ذکر کردہ گفتگو سے اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور اسے تسلی مل جائے گی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے "عجائبِ قلب کا بیان" مکمل ہوا

❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀

﴿ صَلُّوْا عَلَى الْحَبِیْب صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّد ﴾

﴿ تُوْبُوْا اِلَى الله اَسْتَغْفِرُ الله ﴾

﴿ صَلُّوْا عَلَى الْحَبِیْب صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّد ﴾

---

[1] ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث عبد الرحمٰن بن قتادۃ، ۶/ ۲۰۶، حدیث: ۱۷۶۷۲

ریاضت نفس[1] کا بیان (اس میں ایک مقدمہ اور دو ابواب ہیں)

مقدمہ:

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں جس نے اپنی تدبیر سے اُمور میں تَصَرُّف فرمایا، مخلوق کی ترکیب میں اِعْتِدال قائم کرتے ہوئے اس کی صورت میں حُسن رکھا، انسانی صورت کو اچھے قالب سے زینت دی۔ اسے شکل وصورت اور مقدار میں کمی زیادتی سے محفوظ رکھا، اَخلاق کو اچھا بنانے کا کام بندے کی کوشش میں رکھا۔ اسے ڈراتے ہوئے اَخلاق کو سنوارنے کی ترغیب دی اور اپنی توفیق کے ذریعے اپنے خاص بندوں پر اَخلاق کو سنوارنے کا عمل آسان کر دیا اور مشکل و دشوار کاموں کو ان پر آسان کرتے ہوئے احسان فرمایا۔ درود وسلام ہو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بشیر و نذیر محبوب بندے حضرت سیِّدُنا محمد مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر۔ نُبُوَّت کے اَنوار اُن کی مُقَدَّس پیشانی کے درمیان چمکتے ہیں اور حقیقتِ حَقّ اُن کی بشارتوں سے جھلکتی ہے اور دُرُود وسلام ہو ان کے آل واصحاب پر جنہوں نے اِسلام کے رُخِ روشن کو کفر کی سیاہی اور تاریکی سے پاک کیا اور باطل کے مادے کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا اور اس کی مَیل سے خواہ وہ تھوڑی ہو یا زیادہ، خود کو محفوظ رکھا۔

حُسنِ اخلاق رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی صِفَت اور صِدِّیْقِیْن کا اَفضل عمل ہے۔ درحقیقت یہ نِصف دین اور مُتَّقِیْن کے مجاہدے کا ثمر و نتیجہ اور عبادت گزاروں کی ریاضت ہے جبکہ بُرے اَخلاق زہر قاتل، جان لیوا، ذِلّت ورُسوائی اور رب عَزَّوَجَلَّ کے جوارِ رحمت سے دوری جیسی برائیوں پر مشتمل ہیں۔ نیز بداخلاقی انسان کو شیطانی گروہ میں داخل کرتی ہے، یہی وہ دروازے ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جلائی ہوئی آگ کی طرف کھلتے ہیں جو دلوں پر چڑھتی ہے۔ جیسا کہ اچھے اخلاق وہ دروازے ہیں جو دلوں سے جنت کی نعمتوں اور رب تعالٰی کے جوارِ رحمت کی طرف کھلتے ہیں۔ بُرے اخلاق جسم وروح کی وہ بیماریاں ہیں جن سے ابدی حیات ختم ہو جاتی ہے اس مرض کا ان سے کیا مقابلہ جو صرف حیاتِ جسمانی کو زائل کرتا ہے۔ جب اَطِبَّا اس بات کی سخت ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ بدن کے لئے قوانین مقرر کئے جائیں حالانکہ بدن کی

[1]... نفس کو اچھے اخلاق کی تعلیم دینے کا نام ریاضت ہے۔ (الحدیقۃ الندیۃ، ۱/ ۳۵۲)

بیماری سے صرف فانی زندگی ہی ختم ہوتی ہے تو قلبی امراض کے لئے علاج کے قوانین کے سلسلے میں کوشش کرنا زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ دل کی بیماری میں دائمی وابدی زندگی ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا اس روحانی علاج کا سیکھنا ہر عقل مند آدمی پر لازم ہے کیونکہ کوئی بھی دل بیماریوں سے خالی نہیں ہوتا اگر دلوں کو یوں ہی بلا علاج چھوڑ دیا جائے تو کئی بیماریاں پیدا ہوں گی اور وہ غالب آجائیں گی، تو ہر بندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان بیماریوں کی وجوہات اور اسباب کو پہچانے اور ان کے علاج کی اَنتھک کوشش کرے اسی علاج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ﴿۹﴾ (پ۳۰، الشمس: ۹)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا۔

اور اسے چھوڑ دینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؕ﴿۱۰﴾ (پ۳۰، الشمس: ۱۰)

ترجمۂ کنز الایمان: اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔

ہم اس باب میں دل کی بیماریوں اور مجموعی طور پر ان کے علاج کے بارے میں بتائیں گے، خاص بیماریوں کے علاج کی تفصیل میں نہیں جائیں گے، تفصیلی بیان اس باب کے دوسرے حصوں میں آئے گا اور ہمارا یہاں مقصود اخلاق کو سنوارنے اور اس کے طریقے کو بیان کرنا ہے۔اب ہم اسے بیان کرتے ہیں اور بدن کے علاج کو اس کی مثال قرار دیتے ہیں تاکہ سمجھنا آسان ہو اور یہ بات حُسنِ اخلاق کی فضیلت بیان کرنے سے واضح ہوگی، پھر حُسنِ اَخلاق کی حقیقت بیان ہوگی، اس کے بعد ان اخلاق کی قبولیت جو ریاضت سے بدل جاتے ہیں پھر اُس سبب کا بیان ہوگا جس کے ذریعے حُسنِ اَخلاق حاصل ہوتا ہے، پھر ان طریقوں کو بیان کیا جائے گا جن کے ذریعے اخلاق کو سنوارنے کے راستوں کی پہچان ہوتی اور ریاضتِ نفس کا پتا چلتا ہے۔ پھر وہ علامات بیان ہوں گی جن کے ذریعے دل کی بیماری کی پہچان ہوتی ہے، اس کے بعد ان طریقوں کا بیان ہوگا جن کے ذریعے انسان اپنے نَفْس کے عیبوں کو پہچان لیتا ہے، پھر اس بات پر نقلی دلائل پیش کئے جائیں گے کہ دلوں کا علاج صرف خواہشات کو چھوڑنے میں ہے، بعد ازاں حُسنِ اخلاق کی علامات کا بیان ہوگا، اس

کے بعد بچوں کی ابتدائی پرورش کے دوران ان کی تربیت کا طریقہ بیان کیا جائے گا، پھر ارادے کی شرائط اور مجاہدے سے پہلے کے جو امور ہیں ان کا بیان ہو گا، تو یہ کُل گیارہ فصلیں ہیں جن میں اس موضوع سے متعلق مقاصد جمع ہوں گے اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ۔

باب نمبر1: اخلاق سنوارنے کا بیان (یہ پانچ فصلوں پر مشتمل ہے)

پہلی فصل: حُسنِ اخلاق کی فضیلت اور بداخلاقی کی مذمت کا بیان

خُلقِ مُصطفٰے کی شان و عظمت:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے پیارے محبوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تعریف کرتے اور آپ پر اپنی نعمت کو ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ (پ۲۹، القلم: ۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے۔

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ طَیِّبہ طاہِرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا فرمان ہے کہ حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا خُلق قرآنِ پاک ہے۔[1]

حُسنِ اَخلاق کی فضیلت اور بداخلاقی کی مذمت پر مشتمل 31 فرامین مصطفٰے

﴿1﴾... ایک شخص نے حضور نبیٔ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اچھے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قرآن پاک کی یہ آیتِ مُقَدَّسہ تِلاوت فرمائی:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ۝۱۹۹ (پ۹، الاعراف: ۱۹۹) ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

پھر ارشاد فرمایا: هُوَ اَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ وَتَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ یعنی حُسنِ اَخلاق یہ ہے کہ جو تم سے قطع

[1] ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنھا، ۹/ ۳۸۰، حدیث: ۲۴۶۵۵

تعلُّق کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو اور جو تمہیں محروم کرے تم اسے عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کر دو۔[1]

﴿2﴾...اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی بے شک مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔[2]

﴿3﴾...اَثْقَلُ مَا یُوْضَعُ فِی الْمِیْزَانِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَقْوَی اللہِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ یعنی بروزِ قیامت میزانِ عمل میں جو سب سے وزنی چیز رکھی جائے گی وہ تقوٰی اور حُسنِ اَخلاق ہے۔[3]

دین کیا ہے؟

﴿4﴾...ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں سامنے کی جانب سے حاضر ہو کر عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! دین کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: "حُسنِ اَخلاق۔" پھر وہ داہنی طرف سے آیا اور عرض کی: دین کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: "حُسنِ اَخلاق۔" پھر وہ بائیں جانب سے آیا اور عرض کی: دین کیا ہے؟ فرمایا: "حُسنِ اَخلاق۔" پھر وہ پُشت کی جانب سے آیا اور عرض کی: دین کیا ہے؟ پھر ارشاد فرمایا: "حُسنِ اَخلاق۔" پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: "کیا تو اسے نہیں سمجھا اس کا مطلب یہ ہے کہ تو غصہ نہ کرے۔"

﴿5﴾...بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مَا الشُّؤْمُ یعنی نحوست کیا ہے؟ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "سُوْءُ الْخُلُقِ یعنی بد اَخلاقی۔"[4]

﴿6﴾...ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے نصیحت فرمائیے! تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "تم جہاں بھی ہو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتے رہو۔" اس نے عرض کی: مزید کچھ فرمائیے! ارشاد فرمایا: "برائی کے بعد نیکی کر لو کہ وہ برائی کو مٹا دے گی۔" عرض کی: کچھ اور فرمائیے! ارشاد فرمایا: "لوگوں کے ساتھ اچھے اَخلاق سے پیش آؤ۔"[5]

---

1 ...شعب الایمان، باب فی صلۃ الارحام، ۶/ ۲۲۲، حدیث: ۷۹۵۹ باختصار

2 ...شرح السنۃ للبغوی، کتاب الفضائل، باب فضائل سید الاولین والآخرین، ۷/ ۹، حدیث: ۳۵۱۲

3 ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی حسن الخلق، ۳/ ۴۰۳، حدیث: ۲۰۰۹، ۲۰۱۱

4 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا، ۹/ ۳۶۹، حدیث: ۲۴۶۰۱

5 ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی معاشرۃ الناس، ۳/ ۳۹۸، حدیث: ۱۹۹۴ ملتقطاً

﴿7﴾... بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی: اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ یعنی کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "خُلُقٌ حَسَنٌ یعنی حُسنِ اَخلاق۔"(1)

﴿8﴾... مَاحَسَّنَ اللہُ خَلْقَ عَبْدٍ وَّخُلُقَہٗ فَیُطْعِمُہُ النَّارَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یہ شان نہیں کہ کسی بندے کو اچھی صورت و سیرت سے نوازے پھر اسے آگ کا لقمہ بنائے۔(2)

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَھَّاب سے مروی ہے کہ بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی: ایک عورت دن میں روزہ رکھتی اور رات میں قیام کرتی ہے لیکن وہ بد اخلاق ہے، اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اس میں کوئی بھلائی نہیں وہ جہنمیوں میں سے ہے۔"(3)

﴿10﴾... اَوَّلُ مَا یُوْضَعُ فِی الْمِیْزَانِ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالسَّخَاءُ یعنی میزان میں سب سے پہلے حُسنِ اخلاق اور سخاوت کو رکھا جائے گا۔(4) جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایمان کو پیدا فرمایا تو اس نے عرض کی: اے رب عَزَّوَجَلَّ! مجھے تقویت دے۔ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے حُسن اَخلاق اور سخاوت کے ذریعے تَقْوِیَت دی اور جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کفر کو پیدا کیا تو اس نے کہا: اے رب عَزَّوَجَلَّ! مجھے تقویت دے۔ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے بخل اور بد اخلاقی کے ذریعے تقویت دی۔

﴿11﴾... بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس دین کو اپنے لئے خاص کیا اور سخاوت و حُسنِ اخلاق ہی تمہارے دین کو قائم رکھتے ہیں تو سنو! اپنے دین کو ان دونوں کے ساتھ زینت دو۔"(5)

﴿12﴾... حُسْنُ الْخُلُقِ خَلْقُ اللہِ الْاَعْظَم یعنی حُسنِ اَخلاق اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظیم ترین مخلوق ہے۔(6)

﴿13﴾... بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَفْضَلُ اِیْمَانًا یعنی باعتبارِ ایمان سب سے افضل مومن کون ہے؟ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا

---

(1)... المعجم الکبیر، ۱/ ۱۸۰، حدیث: ۴۶۸

(2)... مکارم الاخلاق للطبرانی علی ھامش مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا، ص۳۱۵، حدیث: ۱۰

(3)... شعب الایمان، باب فی اکرام الجار، ۷/ ۷۸، حدیث: ۹۵۴۵

(4)... المصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب الادب، ماذکر فی حسن الخلق... الخ، ۶/ ۹۰، حدیث: ۲۴ دون ذکر "السخاء"

(5)... المعجم الکبیر، ۱۸/ ۱۵۹، حدیث: ۳۴۷

(6)... المعجم الاوسط، ۶/ ۱۵۶، حدیث: ۸۳۴۴

یعنی جس کے اَخلاق سب سے زیادہ اچھے ہیں۔“[1]

﴿14﴾...اِنَّكُمْ لَنْ تَسَعُوا النَّاسَ بِاَمْوَالِكُمْ فَسَعُوْهُمْ بِبَسْطِ الْوَجْهِ وَحُسْنِ الْخُلُقِ یعنی تم لوگوں کو اپنے اموال سے خوش نہیں کر سکتے، البتہ! اپنی خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے انہیں خوش کرو۔[2]

﴿15﴾...سُوْءُ الْخُلُقِ يُفْسِدُ الْعَمَلَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ یعنی بد اخلاقی عمل کو اس طرح خراب کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔[3]

﴿16﴾...حضرت سَیِّدُنا جَرِیْر بن عبدالله رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه بیان کرتے ہیں کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ”(اے جَرِیْر!) الله عَزَّوَجَلَّ نے تمہاری صورت کو اچھا بنایا تو اپنے اخلاق کو بھی اچھا رکھو۔“[4]

حضرت سَیِّدُنا بَرَاء بن عازِب رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم سب سے زیادہ حسین اور سب سے بڑھ کر حُسنِ اَخلاق کے مالک تھے۔[5]

رسولُ الله صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم کی دو دعائیں:

حضرت سَیِّدُنا ابو مسعود بدری رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه سے مروی ہے کہ رسولُ الله صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم یوں دُعا کیا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ یعنی اے الله عَزَّوَجَلَّ! تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے پس میرے اخلاق کو بھی اچھا کر دے۔[6]

حضرت سَیِّدُنا عبدالله بن عمر و رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعَافِيَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ یعنی اے الله عَزَّوَجَلَّ! میں تجھ سے صحت، عافیت اور اچھے

---

1 ...سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له، ۴/ ۴۹۶، حديث: ۴۲۵۹

2 ...مكارم الاخلاق للطبراني على هامش مكارم الاخلاق لابن ابي الدنيا، ص۳۱۸، حديث: ۱۸

3 ...شعب الايمان، باب في حسن الخلق، ۶/ ۲۴۷، حديث: ۸۰۳۶

4 ...الدر المنثور، پ۴، ال عمران: ۱۳۴، ۲/ ۳۲۴

5 ...بخاری، كتاب المناقب، باب صفة النبي، ۲/ ۴۸۷، حديث: ۳۵۴۹

6 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السيدة عائشة رضي الله عنها، ۹/ ۳۳۹، حديث: ۲۴۴۴۶

اخلاق کا سوال کرتا ہوں۔[1]

﴿17﴾... كَرَمُ الْمُؤْمِنِ دِيْنُهٗ وَحَسَبُهٗ حُسْنُ خُلُقِهٖ وَمُرُوْءَتُهٗ عَقْلُهٗ یعنی مومن کی عزت اس کا دین ہے، اس کی شرافت اس کا حُسنِ اَخلاق ہے اور اس کی مُروَّت اس کی عقل ہے۔[2]

﴿18﴾... حضرت سیِّدُنا اسامہ بن شریک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ بعض دیہاتی لوگوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: بندے کو جو کچھ عطا گیا ہے اس میں سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "حُسنِ اَخلاق۔"[3]

﴿19﴾... اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبَكُمْ مِنِّيْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا یعنی بروز قیامت تم میں سے مجھے زیادہ محبوب اور میری مجلس میں زیادہ قریب اچھے اخلاق والے ہوں گے۔[4]

﴿20﴾... جس شخص میں تین یا ان میں سے کوئی بات نہ ہو اس کے عمل کو کچھ بھی شمار نہ کرو: (۱)... تقوٰی جو اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی سے روکے۔ (۲)... تَحَمُّل جس کے ذریعے وہ خود کو بیوقوف سے دُور کرے۔ (۳)... اچھے اخلاق جن کے ذریعے لوگوں میں زندگی گزارے۔"[5]

نماز کے شروع میں رسولِ خدا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دعا:

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نماز کے شروع میں یوں دعا مانگا کرتے: اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ یعنی مجھے اچھے اخلاق پر ثابت قدمی عطا فرما کہ تو ہی اچھے اخلاق کی طرف رہنمائی فرمانے والا ہے اور مجھ سے بُرے اَخلاق دور رکھ کہ تو ہی ان کو مجھ سے دور رکھنے والا ہے۔[6]

1... مجمع الزوائد، کتاب الادعیۃ، باب الاجتھاد فی الدعاء، ۱۰/ ۲۷۴، حدیث: ۱۷۳۶۷

2... الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، باب صلۃ الرحم وقطعھا، ۱/ ۳۵۱، حدیث: ۴۸۳

3... سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب ما انزل اللہ داء... الخ، ۴/ ۸۸، حدیث: ۳۴۳۶

4... سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی معالی الاخلاق، ۳/ ۴۱۰، حدیث: ۲۰۲۵

5... المعجم الکبیر، ۲۳/ ۳۰۸، حدیث: ۶۹۵

6... مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین... الخ، باب الدعاء فی صلاۃ اللیل وقیامہ، حدیث: ۷۷۱، ص ۳۹۰

﴿21﴾...اِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ لَيُذِيْبُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا تُذِيْبُ الشَّمْسُ الْجَلِيْدَ یعنی بے شک حُسنِ اَخلاق خطاؤں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح سورج کی حرارت برف کو پگھلا دیتی ہے۔[1]

﴿22﴾...مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ حُسْنُ الْخُلُقِ یعنی حُسنِ اَخلاق بندے کی سعادت مندی میں سے ہے۔[2]

﴿23﴾...اَلْيُمْنُ حُسْنُ الْخُلُقِ یعنی برکت حُسنِ اَخلاق میں ہے۔[3]

﴿24﴾...حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا ابوذر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں اور اچھے اخلاق جیسا کوئی نسب نہیں۔[4][5]

﴿25﴾...اُمّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ حَبِیْبَہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمّت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا کہ دنیا میں ایک عورت کے دو خاوند ہوں (یعنی ایک کے انتقال کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کرے پھر) وہ عورت فوت ہو جائے اور اس کے دونوں خاوند بھی فوت ہو جائیں اور وہ سب جنت میں چلے جائیں تو وہ عورت کس کے پاس رہے گی؟ ارشاد فرمایا: دنیا میں جو اس کے ساتھ زیادہ حُسنِ اَخلاق سے

---

1 ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۲۴۷، حدیث: ۸۰۳۶

2 ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۲۴۹، حدیث: ۸۰۳۹

3 ...کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، ۳/ ۷، حدیث: ۵۱۹۳

4 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الورع والتقوی، ۴/ ۴۷۶، حدیث: ۴۲۱۸ دون "یا اباذر"

5 ...مُفَسِّرِ شہیر، حکیم الاُمَّت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد 6، صفحہ 633 پر "تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں" کے تحت فرماتے ہیں: "ہاں عقل دو قسم کی ہے: عَقْلِ مَطْبُوع اور عَقْلِ مَسْمُوع تدبیر سے مراد عَقْلِ مسموع ہے کہ اس کے بغیر عَقْلِ مطبوع بے کار ہے۔ عَقْلِ مسموع کبھی عَقْلِ مطبوع کے بغیر مفید ہو جاتی ہے۔ عَقْلِ مطبوع وہ ہے جو فطری طور پر یا تجربہ یا عقل کے ذریعہ حاصل ہو۔ عَقْلِ مسموع وہ ہے جو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعلیم سے حاصل ہو عَقْلِ مطبوع دُنیاوی اَنجام کو معلوم کرتی ہے۔ عَقْلِ مسموع اُخْرَوِی اَنجام کا پتہ چلاتی ہے عَقْلِ مطبوع کے ساتھ جب عَقْلِ مسموع شامل ہو تو مفید ہے۔ (مرقات) صفحہ 634 پر "اچھے اخلاق جیسا کوئی نسب نہیں" کے تحت فرماتے ہیں: "لغت میں حَسَب بمعنی نَسَب ہے یا باپ کی طرف سے نَسَب، ماں کی طرف سے حَسَب مگر یہاں اس سے مراد شرافت ہے یعنی شرافت صرف نَسَب سے نہیں بلکہ اچھے اخلاق اچھے اعمال سے ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (پ۲۶، الحجرات: ۱۳. ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللّٰہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔) اچھی عادت میں عبادات، معاملات بلکہ ایمان و عرفان سب ہی داخل ہیں کتنی ہی تواضع کرے خوش اخلاق نہیں جس نے اللّٰہ رسول (عَزَّوَجَلَّ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) سے بگاڑ لی جو انھیں راضی نہ کر سکا وہ خوش اخلاق کہاں سے آیا ہے۔

پیش آتا رہا۔ اے اُمِّ حَبِیْبَہ! حُسنِ اخلاق نے دنیا و آخرت کی بھلائی کو حاصل کر لیا ہے۔[1]

﴿26﴾... بے شک توفیق یافتہ مومن حُسنِ اَخلاق اور اچھی طبیعت کی وجہ سے دن میں روزہ رکھنے اور رات کو عبادت کرنے والے کے دَرَجے کو پا لیتا ہے۔"[2]

﴿27﴾... حُسنِ اخلاق والا دوپہر کے وقت سخت پیاس برداشت کرنے والے روزہ دار کے دَرَجے کو پا لیتا ہے۔"[3]

﴿28﴾... حضرت سَیِّدُنا عبد الرحمٰن بن سَمُرَہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میں نے گزشتہ رات ایک عجیب بات دیکھی، میں نے اپنی امت کے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے گھٹنوں پر جھکا ہوا ہے اس کے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان ایک حِجاب (پردہ) حائل ہے، اس کا حُسنِ اَخلاق آیا اور اس نے اُسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں پہنچا دیا۔"[4]

﴿29﴾... آدمی اپنے حُسنِ اَخلاق کے ذریعے آخرت کے عظیم دَرَجات اور بُلند منازِل طے کر لیتا ہے حالانکہ وہ عبادت میں کمزور ہوتا ہے۔"[5]

سَیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے شیطان بھی ڈرتا ہے:

ایک مرتبہ حضرت سَیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بارگاہِ رسالت میں حاضری کی اجازت چاہی، اس وقت بارگاہِ اقدس میں قریش کی کچھ عورتیں تھیں[6] جو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بلند آواز میں باتیں کر رہی تھیں[7] جب انہوں نے حضرت سَیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی آواز سنی تو جلدی سے حِجاب

---

1 ... المعجم الکبیر، ۲۳/ ۲۲۲، حدیث: ۴۱۱

2 ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو، ۲/ ۵۹۱، حدیث: ۷۰۵۹ بتغیر

3 ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، ۳/ ۸، حدیث: ۵۲۰۸

4 ... تاریخ مدینہ دمشق، الرقم: ۸۸۲۶، عبد الرحمن بن سمرۃ، ۳۴/ ۳۰۷

5 ... المعجم الکبیر، ۱/ ۲۶۰، حدیث: ۷۵۴

6 ... یہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ازواجِ مطہرات رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ تھیں۔
(عمدۃ القاری، کتاب فضائل الصحابۃ، باب مناقب عمر بن خطاب، ۱۱/ ۴۱۶، تحت الحدیث: ۳۶۸۳)

7 ... مُفَسِّرِ شہیر، حکیم الاُمَّت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد 8، صفحہ 360 پر اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں: یہ واقعہ یا تو اس وقت کا ہے جب کہ ابھی آیت کریمہ لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ... الخ (پ۲۶، الحجرات: ۲)، نہیں آئی...

(پردہ) کر لیا۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ داخل ہوئے تو پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم آپ کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد فرمایا: "میں ان عورتوں پر مُتَعَجِّب ہوں کہ یہ میرے پاس موجود تھیں تمہاری آواز سنی تو حجاب (پردہ) کر لیا۔" آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ اس کے زیادہ لائق ہیں کہ یہ آپ سے ڈریں پھر قریش کی اُن خواتین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے اپنی جانوں کی دشمنو! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسولِ خدا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے نہیں ڈرتیں۔ انہوں نے کہا: ہاں! آپ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بَنِسْبَت سخت طبیعت اور سخت گیر ہیں۔ تو رحمتِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے ابنِ خَطَّاب! انہیں چھوڑو اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے! جس راستے پر تم چلتے ہو شیطان بھی اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔[1]

﴿30﴾... سُوْءُ الْخُلُقِ ذَنْبٌ لَا یُغْفَرُ وَسُوْءُ الظَّنِّ خَطِیْئَۃٌ تَفُوْحُ یعنی بد اخلاقی ایک ایسا گناہ ہے جس کی مغفرت نہ ہوگی اور بد گمانی ایسی خطا ہے جو دوسرے گناہوں کا سبب بنتی ہے۔[2]

﴿31﴾... اِنَّ الْعَبْدَ لَیَبْلُغُ مِنْ سُوْءِ خُلُقِہٖ اَسْفَلَ دَرْکِ جَھَنَّمَ یعنی انسان اپنے بُرے اخلاق کے سبب جہنّم کے سب سے نچلے طبقے میں پہنچ جاتا ہے۔[3]

اچھے اور بُرے اَخلاق کے متعلق 12 اَقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... حضرت سَیِّدُنا لقمان حکیم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَرِیْم کے صاحبزادے نے ان سے عرض کی: اے والد محترم!

... تھی یا ان میں سے ہر ایک بی بی صاحبہ آہستہ آہستہ آواز سے بولتی تھیں۔ مگر سب آوازیں مل کر بلند ہوتی تھی یا یہ کہو کہ حضور کی آواز شریف پر اپنی آواز بلند کرنا یا بے ادبی سے اونچی آواز کرنا حرام ہے۔ مطلقاً بلند آواز کرنا منع نہیں یہ بلندیِ آواز حرام نہ تھی (مرقات) لہٰذا اس واقعہ پر یہ اعتراض نہیں کہ اَزواجِ پاک حضور عالی (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی بارگاہ میں اونچی آواز سے کیوں کلام کرتی تھیں کیا حضور انور (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے سامنے اذان نہیں ہوتی تھی اور اونچی آواز سے ہوتی تھی مگر یہ بُلندیِ آواز جائز تھی عَالِیَۃً اَصْوَاتُھُنَّ سے مراد ہے کہ وہ روزانہ عادی آواز سے زیادہ آواز بلند کیے تھیں۔

[1] ... بخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ ابلیس وجنودہ، ۲/ ۴۰۳، حدیث: ۳۲۹۴

[2] ... مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی سوء الخلق من الکراھۃ، ص ۲۰، حدیث: ۷

[3] ... مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی سوء الخلق من الکراھۃ، ص ۲۲، حدیث: ۱۲

انسان کی کون سی خَصلَت اچھی ہے؟فرمایا:"دین۔"پھر پوچھا:اگر دو ہوں تو؟فرمایا:"دین اور مال۔"پھر پوچھا اگر تین ہوں تو؟فرمایا:"دین، مال اور حیا۔"پھر پوچھا:اگر چار ہوں تو؟فرمایا:"دین،مال،حیااور حُسنِ اَخلاق۔"پھر پوچھا:"اگر پانچ ہوں تو؟فرمایا:"دین، مال، حیا، حُسنِ اَخلاق اور سخاوت۔"پھر پوچھا:اگر چھ ہوں؟فرمایا:"اے بیٹے!جب کسی میں یہ پانچ خصلتیں جمع ہو جائیں تو وہ کامل متقی، اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا ولی اور شیطان سے بَری ہے۔

﴿2﴾... حضرت سَیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: جس انسان کا اَخلاق برا ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

﴿3﴾... حضرت سَیِّدُنا اَنَس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: انسان اپنے حُسنِ اَخلاق کے سبب جنت کے اعلیٰ درجات پالیتا ہے حالانکہ وہ کوئی عبادت گزار نہیں ہوتا اور انسان اپنے بُرے اَخلاق کے سبب جہنم کے سب سے نچلے طبقے تک پہنچ جاتا ہے باوجود یہ کہ وہ عبادت گزار ہوتا ہے۔

﴿4﴾... حضرت سَیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: حُسنِ اَخلاق رزق کا خزانہ ہے۔

﴿5﴾... حضرت سَیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: بداخلاق انسان کی مثال اس ٹوٹے ہوئے گھڑے کی طرح ہے جو قابلِ استعمال نہیں رہتا۔

﴿6﴾... حضرت سَیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَہَّاب فرماتے ہیں: اگر کوئی اچھے اخلاق والا فاسق میرا رفیقِ سفر ہو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کوئی بداخلاق عابد میرا رفیقِ سفر ہو۔

بداَخلاق قابلِ رحم ہے:

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مبارک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے ساتھ سفر میں ایک بداخلاق آدمی شریک ہو گیا آپ اس کی بداَخلاقی پر صبر کرتے اور اس کی خاطر مُدارات کرتے جب وہ جدا ہو گیا تو آپ رونے لگے کسی نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا: میں اس پر ترس کھا کر رو رہا ہوں کہ میں تو اس سے الگ ہو گیا لیکن اس کی بداخلاقی اس سے الگ نہ ہوئی۔

﴿7﴾... حضرت سَیِّدُنا جُنَید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: چار خصلتیں انسان کو اعلیٰ مراتب تک لے جاتی ہیں اگرچہ وہ علم اور عمل میں کم ہو: (۱)... بُردباری۔ (۲)... تواضع۔ (۳)... سخاوت۔ (۴)... حُسنِ اَخلاق اور حُسنِ اَخلاق ایمان کا کمال ہے۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا ابو بکر کَتّانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں کہ تصوُّف حُسنِ اَخلاق کا نام ہے تو جو انسان تمہارے حُسنِ اَخلاق میں زیادتی کا باعث ہے گویا اس نے تمہارے اندر تصوُّف کو بڑھایا ہے۔

﴿9﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "لوگوں سے حُسنِ اَخلاق کے ساتھ پیش آؤ اور اعمال میں اُن سے الگ رہو۔

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْھَادِی فرماتے ہیں: بد اخلاقی ایک ایسی آفت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے نیکیوں کی کثرت بھی فائدہ مند نہیں ہوتی اور حُسنِ اخلاق ایسی نیکی ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے بہت سی برائیاں بھی باعثِ نُقصان نہیں ہوتیں۔

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا سے پوچھا گیا: عزت کیا ہے؟ فرمایا: عزت وہ ہے جسے اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا کہ

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (پ۲۶، الحجرات: ۱۳)

ترجمۂ کنزالایمان: بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزّت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

کسی نے آپ سے پوچھا: نَسبی شرافت کیا ہے؟ فرمایا: جس کے اخلاق سب سے زیادہ اچھے ہوں وہی نسبی شرافت میں سب سے اچھا ہے۔ ہر عمارت کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد حُسنِ اَخلاق ہے۔

﴿12﴾... حضرت سیِّدُنا عطا رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جس نے بھی بلند مراتب پائے اس نے حُسنِ اَخلاق ہی کی بدولت پائے اور حُسنِ اَخلاق کا کمال حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ خاص ہے۔ مخلوق میں سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو حُسنِ اَخلاق میں مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے طریقے پر چلتے ہیں۔

دوسری فصل: حُسنِ اَخلاق اور بد اَخلاقی کی حقیقت

جان لیجئے کہ علمائے کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام نے اچھے اور بُرے اخلاق کی حقیقت میں اس حوالے سے تو گفتگو کی ہے کہ یہ کیا ہے لیکن انہوں نے اس کی اصل حقیقت پر گفتگو نہیں کی، صرف اس کے ثَمرات کا ذکر کیا پھر دیکھا جائے تو انہوں نے اس کے تمام ثَمرات و نتائج کا ذکر بھی نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے اسی بات

کو تحریر کیا جو اس کے ذہن اور سمجھ میں آئی۔ انہوں نے اس کی ایسی تعریف اور حقیقت جو اس کے تمام ثمرات کو تفصیلی طور پر گھیرنے والی ہو، بیان نہیں کی۔

حُسنِ اَخلاق کی 11 تعریفات:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْقَوِی فرماتے ہیں: حُسنِ اَخلاق خوش مزاجی، مال خرچ کرنے اور ایذا رسانی سے باز رہنے کا نام ہے۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا ابو بکر محمد بن مُوسیٰ واسطی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْوَالِی فرماتے ہیں: حُسنِ اَخلاق یہ ہے کہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خوب معرفت کی وجہ سے نہ کسی سے لڑے اور نہ ہی کوئی اُس سے لڑے۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا شاہ بن شُجاع کِرمانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: حُسنِ اَخلاق ایذا رسانی سے باز رہنا اور مشقتوں کو برداشت کرنا ہے۔

﴿4﴾... ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے قریب رہتے ہوئے ان میں اجنبی بن کر رہنے کا نام حُسنِ اَخلاق ہے۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا ابو بکر محمد بن مُوسیٰ واسطی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْوَالِی نے حُسنِ اَخلاق کی ایک تعریف یہ بھی فرمائی ہے کہ غمی اور خوشی میں مخلوق کو راضی رکھنا حُسنِ اَخلاق ہے۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا ابو عثمان مغربی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْوَلِی فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کو راضی کرنا حُسنِ اَخلاق ہے۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا سَہل بن عبد اللہ تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْقَوِی سے کسی نے پوچھا: حُسنِ اَخلاق کیا ہے؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: حُسنِ اَخلاق کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تَحَمُّل مِزاجی کا مظاہرہ کیا جائے، اِنتقام نہ لیا جائے، ظالِم پر شفقت و مہربانی کی جائے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔

﴿8﴾... ایک موقع پر حضرت سیِّدُنا سَہل بن عبد اللہ تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْقَوِی نے حُسنِ اَخلاق کے متعلق ارشاد فرمایا کہ حُسنِ اَخلاق یہ ہے کہ رزق کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بدگمانی نہ کی جائے بلکہ اُسی پر بھروسا رکھے۔ نیز بندہ جس چیز کا ضامن ہے اس میں اپنے وعدے کو پورا کرے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی فرماں برداری کرے اور تمام اُمور میں چاہے ان کا تعلُّق حُقُوقُ اللہ سے ہو یا حُقُوقُ الْعِباد سے دونوں میں اس کی نافرمانی کرنے سے بچے۔

﴿9﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کا فرمان ہے: ''حُسنِ اَخلاق تین چیزوں کا نام ہے: (۱)... حرام سے اِجتناب (۲)... حلال کا حُصُول اور (۳)... اَہل وعیال پر خرچ میں کشادگی کرنا۔''

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا حسین بن منصور حلّاج عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَھَّاب فرماتے ہیں: حُسنِ اَخلاق یہ ہے کہ جب تجھ پر حق روشن ہو جائے تو لوگوں کا ظُلْم تجھ پر اثر انداز نہ ہو۔

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سعید خَرَّاز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار ارشاد فرماتے ہیں: غیرُ اللہ کی طرف اِلتفات نہ کرنا حُسن اخلاق ہے۔

یہ اور اس طرح کے دیگر جو اَقوال ہیں وہ سب حُسنِ اَخلاق کے ثَمَرات و نتائج ہیں۔ حُسنِ اَخلاق کی ذات سے ان کا کوئی تعلُّق نہیں، علاوہ اَزیں جہاں تک ثمرات و نتائج کی بات ہے تو مکمل طور پر ان کا احاطہ بھی نہیں کیا گیا، حقیقت حال سے پردہ اٹھانا مختلف اَقوال کو ذکر کرنے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔

خَلْق اور خُلُق:

خَلْق اور خُلُق دو ایسے الفاظ ہیں جو ایک ساتھ (بھی) استعمال ہوتے ہیں جیسے اہل عرب کہتے ہیں کہ فُلَانٌ حَسَنُ الْخَلْقِ وَالْخُلُقِ یعنی فلاں شخص خَلْق اور خُلُق کے اِعتبار سے حسین ہے مطلب یہ ہے کہ اُس میں حُسنِ ظاہر اور حُسنِ اَخلاق دونوں ہیں، تو خَلْق سے مراد ظاہری صورت ہے جبکہ خُلُق سے مراد باطنی صورت ہے اور یہ اس لئے کہ انسان دو چیزوں سے مُرکَّب ہے: (۱)... جِسْم: جس کی پہچان ظاہری آنکھوں سے ہوتی ہے۔ (۲)... روح: جس کی پہچان بصیرت سے ہوتی ہے اسے نَفْس سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ان دونوں (جِسْم و رُوح) کی ایک کیفیت اور صورت بھی ہے جو اچھی بھی ہوتی ہے اور بُری بھی۔ نَفْس جس کی پہچان بصیرت کے ذریعے کرتا ہے، اس کی قدر و منزلت اس سے بڑی ہے جس کی پہچان ظاہری آنکھ کے ذریعے ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نفس (یعنی روح) کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ

ترجمۂ کنزالایمان: جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بناؤں گا پھر جب میں اسے

رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۷۲﴾ ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونکوں تو تم اس کے لئے سجدے میں گرنا۔

(پ۲۳، صٓ: ۷۱، ۷۲)

اس آیتِ مبارکہ میں اس بات سے آگاہ فرمایا کہ جسم کی نسبت مٹی کی طرف ہے اور روح کی نسبت ربّ تعالیٰ کی طرف۔ اس مقام میں روح اور نفس سے مراد ایک ہی چیز ہے۔

خُلُق کی تعریف:

خُلُق (عادت) نفس میں راسخ ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے اَعمال بآسانی صادِر ہوتے ہیں غور و فکر کی حاجت نہیں ہوتی۔

امام غزالی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کے نزدیک حُسنِ اَخلاق اور بداَخلاقی کی تعریف:

اگر نفس میں موجود وہ کیفیت ایسی ہو کہ اس کے باعث اچھے افعال اس طرح ادا ہوں کہ وہ عقلی اور شرعی طور پر پسندیدہ ہوں تو اسے حُسنِ اَخلاق کہتے ہیں اور اگر اس سے بُرے اَفعال اس طرح ادا ہوں کہ وہ عقلی اور شرعی طور پر ناپسندیدہ ہوں تو اسے بداخلاقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہم نے خُلُق کی تعریف میں کیفیتِ راسخہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ جو شخص کبھی کبھار کسی عارضی حاجت پر مال خرچ کرے تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ سخی ہے جب تک یہ بات اس کے نفس میں راسخ و پختہ نہ ہو جائے اور بآسانی بغیر غور و فکر کے اعمال صادر ہونے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ جو شخص بتکلُّف مال خرچ کرے یا بتکلُّف غصے کو قابو کرے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ سخاوت اور بُردباری اس کی عادت ہے۔

تو یہاں چار باتیں ہیں: (۱)...اچھا اور بُرا فعل۔ (۲)...اچھے اور بُرے فعل پر قُدرت۔ (۳)...اچھے اور بُرے فعل کی پہچان اور (۴)...نفس میں ایسی کیفیت کا پایا جانا جس کے ذریعے وہ جانبَین میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو اور دو اُمور میں سے ایک امر اس کے لئے آسان ہو جائے چاہے وہ اچھا ہو یا بُرا۔

خُلُق کی وضاحت:

خُلُق صرف فعل کا نام نہیں ہے کتنے ہی ایسے سخی ہیں جو خرچ نہ کرنے کے باوجود سخی کہلاتے ہیں اور یہ

اس وجہ سے کہ یا تو ان کے پاس مال نہیں ہوتا یا کسی رکاوٹ کی وجہ سے وہ خرچ نہیں کر سکتے اور بسا اوقات ایک شخص بخل میں مبتلا ہوتا ہے لیکن وہ کسی ضرورت یا دکھلاوے کے لئے خرچ کر رہا ہوتا ہے۔ خُلُق محض قوت (یعنی فعل پر قدرت) کا نام نہیں ہے کیونکہ قوت کی نسبت بُخْل اور سخاوت دونوں کی طرف ہوتی ہے بلکہ ان دونوں ضدوں کی طرف یکساں بھی ہوتی ہے اور ہر انسان کو فِطری طور پر سخاوت اور بخل دونوں پر قادر پیدا کیا گیا اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بخل اور سخاوت اس میں لازمی طور پر ہو۔ نیز خُلُق صرف مَعْرِفَت یعنی پہچان کا نام بھی نہیں ہے کیونکہ مَعْرِفَت اچھے اور بُرے دونوں سے یکساں تعلق رکھتی ہے بلکہ اس میں ایک چوتھا معنی بھی پایا جاتا ہے یعنی یہ وہ کیفیت و حالت ہے جس سے نَفْس بخل یا سخاوت پر تیار ہوتا ہے تو گویا خُلُق نفس کی کیفیت اور اس کی باطنی صورت کا نام ہے۔

حُسنِ اخلاق کے اَرکان:

جس طرح ظاہری حُسن محض ایک عُضْو مثلاً آنکھوں کے حسین ہونے اور ناک، منہ، رُخسار وغیرہ کے حسین نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ ان سب کا حسین ہونا ضروری ہے تاکہ ظاہری حسن مکمل ہو اسی طرح باطن کے چار اَرکان ہیں ان تمام میں حُسن کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ حُسنِ اَخلاق کی تکمیل ہو جب اس کے چاروں ارکان برابر ہوں گے اور ان میں اِعتِدال و مناسبت ہوگی تو حُسنِ اَخلاق حاصل ہوگا اور وہ چار ارکان یہ ہیں: (۱)... قوتِ عِلْم۔ (۲)... قوتِ غَضَب۔ (۳)... قوتِ شَہوت اور (۴)... قوتِ عَدْل (یعنی ان تینوں کو اِعْتِدال پر رکھنے کی قوت)۔

❁... **قوتِ عِلْم:** اس کی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان اقوال میں سچ اور جھوٹ، عقائد میں حق اور باطل اور افعال میں اچھے اور بُرے کے درمیان فرق کو بآسانی سمجھ لیتا ہے۔ جب یہ قوت دُرُست ہوگی تو اسی سے حکمت کا ثمرہ حاصل ہوگا اور حکمت تمام اَخلاقِ حسنہ کی اصل ہے اسی کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ؕ — ترجمۂ کنزالایمان: اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔

(پ۳، البقرۃ: ۲۶۹)

❁... **قوتِ غَضَب:** اس کی خوبی یہ ہے کہ اس کی کشادگی اور تنگی حکمت کے موافق ہوتی ہے۔

❁... **قوتِ شَہوت:** حکمت کے اشارے کے تحت یعنی عقل و شرع کے اشارے کے موافق ہوتی ہے۔

❁... **قوتِ عَدْل:** یہ ہے کہ شَہوت اور غَضَب کو عقل اور شریعت کے تابع کیا جائے۔

عقل کی مثال ایک ناصح مُشیر کی طرح ہے اور قوتِ عَدْل عقل کے مشوروں کو نافذ کرنے والی ہے جبکہ غضب وہ قوت ہے جس میں عقل کے اشاروں کا نَفاذ ہوتا ہے اور اس کی مثال اُس شکاری کتے کی طرح ہے جسے سکھانا پڑتا ہے یہاں تک کہ اسے شکار پر چھوڑنے اور شکار سے روکنے کا تعلُّق سب اشاروں کے مُوافِق ہوتا ہے نہ کہ نفسانی خواہش کے جوش کے مطابق اور شہوت کی مثال اس گھوڑے کی طرح ہے جس پر سوار ہو کر شکار کا پیچھا کیا جاتا ہے بسا اوقات وہ مُطِیع ہوتا ہے اور کبھی کبھار سرکشی پر اتر آتا ہے۔ تو جس میں یہ خصلتیں اعتدال پر ہوں تو یہ مطلقاً حُسنِ اَخلاق ہے اور جس میں بعض تو اعتدال پر ہوں اور بعض نہ ہوں تو جن میں اعتدال ہے اس کی نسبت سے وہ حُسنِ اَخلاق کا مالک ہوگا جس طرح ایک شخص کے چہرے کے بعض اجزا خوبصورت ہوں اور بعض خوبصورت نہ ہوں (تو اسے مطلقاً خوبصورت نہیں کہا جائے گا)۔

قوتِ غَضَب اور قوتِ شَہوت کی وضاحت:

قوتِ غضب کے حسن اور اعتدال کو شجاعت کہتے ہیں اور قوتِ شہوت کے حسن اور اعتدال کو عِفَّت (پاکدامنی) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر قوتِ غضب اعتدال سے بڑھ جائے تو اسے تَہَوُّر (کم عقلی پر مبنی دلیری) کہتے ہیں اور اگر اس میں کمی اور ضُعف ہو تو اسے بُزدِلی اور کمزوری سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر شہوت کی قوت اعتدال سے بڑھ جائے تو اسے ہَوَس کہا جاتا ہے اور اگر کمی کی جانب مائل ہو تو جُمُود کہتے ہیں۔ درمیانی حالت قابلِ تعریف اور باعثِ فضیلت ہے جبکہ اس کی دونوں طرفیں قابلِ مذمت ہیں۔

عَدْل جب فوت ہو جائے تو کمی یا زیادتی پر مشتمل اس کی دونوں طرفیں نہیں ہوں گی بلکہ اس کے بِالْمُقابِل ظُلْم ہو گا۔ حکمت اَغراضِ فاسدہ میں جب حد سے زیادہ ہو تو اسے خباثت اور مکر و فریب کہتے ہیں اور کم ہو تو اسے بیوقوفی کہا جاتا ہے درمیانی ہو تو اسے حکمت سے تعبیر کرتے ہیں۔

اَخلاق کے اُصُول:

اَخلاق کے اُصُول چار باتوں پر مشتمل ہیں: (۱)... حکمت۔ (۲)... شجاعت۔ (۳)... عِفَّت۔ (۴)... عَدْل۔

یہاں حکمت سے ہماری مراد نَفْس کی وہ حالت ہے جس کے ذریعے انسان اختیاری افعال میں صحیح غلط کے درمیان تمیز کر سکے اور عدل سے مراد نفس کی وہ حالت اور قوت ہے جس کے ذریعے وہ غضب اور شہوت میں حکمت کے مُوافِق انہیں (یعنی غضب اور شہوت کو) قابو میں رکھتے ہوئے روکتا اور چھوڑتا ہے اور شجاعت سے مراد قوتِ غَضَب عقل کے تابع ہو اسی کے کہنے کے مطابق کوئی عمل کرے یا چھوڑے۔ عفت سے مراد یہ ہے کہ قوتِ شہوت عقل اور شریعت کے آداب کے موافق عمل کرے، تو جب یہ چاروں اُصول اعتدال پر مبنی ہوں گے تو اس کے سبب انسان سے تمام اَخلاقِ جَمِیلہ صادِر ہوں گے جیسا کہ قوتِ عقل کے اعتدال سے حُسْنِ تدبیر، ذکاوتِ ذہنی، رائے وگمان کی دُرُستی، اعمال کی باریکیوں اور نفس کی مخفی آفات پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اگر اس میں زیادتی ہو تو اس سے دھوکا، مکر و فریب اور عیاری پیدا ہوتی ہے اور کمی کی صورت میں کم عقلی، ناتجربہ کاری، حماقت اور جُنُون پیدا ہوتا ہے اور ناتجربہ کاری سے مراد یہ ہے کہ خیال کے صحیح ہونے کے باوجود کاموں میں آدمی کو تجربے کی کمی کا سامنا ہو جیسے کسی انسان کو بعض اوقات ایک کام کا تجربہ ہوتا ہے اور دوسرے کام نہیں ہوتا۔ حماقت اور جنون میں فرق یہ ہے کہ احمق کا مقصود صحیح ہوتا ہے لیکن وہ جس راستے کا انتخاب کرتا ہے وہ غلط ہوتا ہے، لہٰذا وہ غرض تک پہنچنے والے راستے کی صحیح سمت معلوم نہیں کر سکتا اور جہاں تک مجنون کی بات ہے تو وہ جس کو اختیار کرتا ہے اُسے اس کو اختیار ہی نہیں کرنا چاہئے، لہٰذا اس کا اصل اختیار ہی غلطی پر مبنی ہوتا ہے۔

صِفَتِ شجاعت پائی جائے تو اس سے سخاوت، دِلیری، خودداری، ارادے کی مضبوطی، تحمل مزاجی، بُردباری، ثابت قدمی، غصے کو برداشت کرنا، وقار اور باہمی محبت وغیرہ جیسی اچھی صِفات پیدا ہوتی ہیں لیکن جب اس میں زیادتی واقع ہو تو یہ تَہَوُّر (کم عقلی پر مبنی دلیری) ہے جس سے شیخی مارنا، تکبر و غرور کرنا، جلدی غصّے میں آنا اور خود پسندی جیسی بُری صِفات پیدا ہوتی ہیں اور اگر کمی ہو تو ذلت و رسوائی، بے صبری، کمینگی، ارادے کی کمزوری اور واجب حق کو لینے سے دور رہنے جیسی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

عِفَّت کی صِفَت پائی جائے تو اس سے سخاوت، حیا، صبر، چَشْم پوشی، قناعت، پرہیزگاری، خوش مزاجی، دوسرے کی مدد کرنا، دانائی اور قِلَّتِ طَمَع جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں اور اگر اس صفتِ عفت میں کمی یا زیادتی ہو تو حرص، لالچ، بے حیائی، خباثت، فُضُول خرچی، کنجوسی، ریاکاری، بے عزتی، بے شرمی، لَغْوِیات، خوشامد،

حسد، کسی کی مصیبت پر خوشی، مالداروں کے سامنے (ان کی دولت کی وجہ سے) ذلیل ہونا اور فقرا کو (ان کے فقر کی وجہ سے) حقیر جاننا وغیرہ جیسی بری صفات پیدا ہوتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ تمام اچھے اخلاق کی بنیاد اِن چار اخلاقی فضائل پر مشتمل ہے: (۱)...حکمت۔ (۲)... شجاعت۔ (۳)...عفت اور (۴)...عدل۔ باقی سب ان کے فروع ہیں۔

چاروں اَخلاقی فضائل میں کمال اِعتِدال:

ان مذکورہ چاروں اخلاقی فضائل میں کمالِ اعتدال صرف مُحْسِنِ کائنات، فخر موجودات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو حاصل ہے اور آپ کے علاوہ باقی لوگ قرب و بعد کے لحاظ سے اس میں مختلف ہیں۔ تو جو شخص ان اخلاقی فضائل میں سیّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے جس قدر قریب ہو گا وہ اسی قدر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب حاصل کرے گا اور جو ان تمام اخلاق کا جامع ہو وہ اس بات کے لائق ہے کہ لوگوں کا پیشوا ہو، اس کی اطاعت کی جائے، لوگ اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے تمام افعال میں اس کی اِقتِدا کی جائے۔ جو ان چار اخلاق سے عاری ہو بلکہ اس کے برعکس ان اخلاق کی ضدوں سے متَّصِف ہو تو وہ اس لائق ہے کہ اسے شہر بدر کیا جائے، لوگوں سے دور رکھا جائے کیونکہ وہ شیطان لَعِین کے قریب ہے جو کہ ربّ تعالیٰ سے دور ہے، لہٰذا اسے لوگوں سے دور رکھنا چاہئے جیسا کہ پہلا شخص جو ان چار اخلاق سے متصف ہے مقرب فرشتوں کے قریب ہوتا ہے، لہٰذا اس کی پیروی کرنا اور اس کا قرب اختیار کرنا چاہئے کیونکہ رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا جیسا کہ آپ نے خود اس کی تصریح فرمائی۔[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک میں مؤمنین کے اوصاف میں اسی اخلاق کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ

ترجمۂ کنزالایمان: ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہ کیا اور اپنی جان اور

[1] ...شرح السنۃ للبغوی، کتاب الفضائل، باب فضائل سید الاولین والآخرین، ۷/ ۹، حدیث: ۳۵۱۶

سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ۝ مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں۔

(پ۲۶، الحجرات: ۱۵)

اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر بغیر کسی شک وشبہ کے ایمان لانا ہی قوتِ یقین، عقل کا ثمرہ ونتیجہ اور حکمت کا مُنْتَہٰی ہے۔ مال کے ذریعے جہاد کرنا سخاوت ہے جو قوتِ شہوت کو قابو کرنے کی طرف لوٹتی ہے اور نفس سے جہاد کرنا شجاعت ہے جو عقل کے مُوافِق اور اعتدال کے طریقے پر قوتِ غَضَب کے استعمال کا نام ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ ترجمۂ کنزالایمان: کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

(پ۲۶، الفتح: ۲۹)

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شِدّت کا ایک الگ موقع ہے اور شفقت ورحمت کا الگ، ہر حال میں شدت اختیار کرنا کوئی کمال نہیں جس طرح ہر حال میں شَفْقَت بھرا سلوک کرنا کوئی کمال نہیں۔ تو یہ خُلُق کے معنی، اس کے حسن وقبح، ارکان، ثَمَرات ونتائج اور اس کے فُرُوع کا بیان تھا۔

تیسری فصل: رِیاضتِ نفس سے اَخلاق میں تبدیلی

جن لوگوں پر باطِل کا غَلَبہ ہوتا ہے اُن پر مجاہدہ، رِیاضَتِ نَفْس، تزکیۂ نَفْس (باطن کی صفائی) اور اخلاق کو سنوارنے میں مَشْغُولِیَّت گراں گزرتی ہے تو وہ نفس کو اپنی کوتاہی، نَقْص اور خباثتِ باطنی کی وجہ سے قابو میں نہیں کرسکتے۔ ایسے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اخلاق میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی کیونکہ طَبِیْعَتوں میں تبدیلی ممکن نہیں یہ لوگ دو باتوں کی وجہ سے یہ استدلال کرتے ہیں۔

(۱)... خُلُق: جس طرح اس کا تعلق باطنی صورت سے ہے اسی طرح اس کا تعلق ظاہری صورت سے بھی ہے۔ آدمی ظاہری صورت کو بدلنے پر قادر نہیں ہوتا۔ مثلاً پستہ قد والا شخص خود کو لمبا اور لمبے قد والا خود کو پَسْتَہ قد نہیں بنا سکتا اور بد صورت اپنے آپ کو خوبصورت نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح باطنی بد صورتی ہے کہ اس میں بھی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

(۲)... حُسنِ اخلاق کے لئے شہوت اور غَضَب کو ختم کرنا ہوتا ہے اور ہم نے طویل مجاہدے سے اس بات کا تَجرِبہ کیا ہے اور جانا ہے کہ یہ چیزیں مزاج اور طبیعت کے مُوافِق ہوتی ہیں اور آدمی سے بالکل مُنقطع (ختم) نہیں ہوتیں تو ان کو ختم کرنے میں مشغول ہونا بلا فائدہ وقت ضائع کرنا ہے کیونکہ تزکیۂ نفس کا مقصود تو یہ ہے کہ موجودہ فانی لذتوں کی طرف دل کی توجہ کو ختم کیا جائے، اس کا وجود محال ہے (یعنی یہ بات ممکن نہیں)۔

پہلے اِستدلال کا جواب:

اگر اَخلاق میں تبدیلی واقع نہ ہوتی تو وعظ و نصیحت اور تادِیب و تربیت سب بیکار ہو جاتا اور شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے یہ بات منقول نہ ہوتی کہ ”حَسِّنُوْا اَخْلَاقَکُمْ یعنی اپنے اخلاق اچھے کرو۔“[1]

انسان کے حق میں اس بات کا انکار کیسے کیا جا سکتا کہ اس کی عادات میں تبدیلی ممکن نہیں جبکہ حیوانات کی عادات کو بدلنا ممکن ہے جیسا کہ باز کی وَحشت، سکھانے کی وجہ سے اُنسیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ شکاری کتا سکھانے سے مُؤَدَّب ہو جاتا ہے اور شکار میں سے کچھ نہیں کھاتا بلکہ اسے روک لیتا ہے اور گھوڑا سرکشی سے اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کر لیتا ہے اور یہ سب باتیں اخلاق کی تبدیلی ہی ہیں۔

موجودات کی اقسام:

حقیقت حال سے پردہ اٹھاتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں:

(۱)... جن کا وُجُود کامل ہے نہ ان میں کمی ممکن ہے اور نہ زیادتی، ان میں کمی یا زیادتی کا اختیار انسان کو حاصل نہیں جیسے آسمان اور ستارے اسی طرح انسان کے داخلی، خارجی اَعضاء اور حیوانات کے تمام اجزا۔

(۲)... جن کا وجود ناقص ہے ان میں یہ صَلاحِیَّت موجود ہے کہ جب شرطِ کمال پائی جائے تو وہ اسے قبول کرتے ہیں اور یہ شرط بسا اوقات بندے کے اختیار میں ہوتی ہے۔ جیسے سیب کا بیج نہ تو سیب کا پھل ہے اور نہ ہی درخت لیکن اسے اس انداز میں پیدا کیا گیا ہے کہ اگر اس کی تربیت کی جائے تو وہ درخت تو بن سکتا ہے لیکن پھل نہیں بن سکتا اور تربیت کے ذریعے بھی ایسا ممکن نہیں تو جب بیج اختیار سے متاثر ہو سکتا ہے

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۲۴۵، حدیث: ۸۰۲۹ بتغیر

یہاں تک کہ وہ بعض احوال کو قبول کرتا ہے اور بعض کو نہیں تو شہوت اور غضب کا بھی یہی حال ہے کہ اگر ہم انہیں مکمل طور پر ختم کرنے کا ارادہ کریں یہاں تک کہ ان کا کچھ اثر باقی نہ رہے تو ہم اس چیز پر قادر نہیں البتہ رِیاضت اور مجاہدے کے ذریعے انہیں تابع بنانا اور قابو کرنا ہمارے اختیار میں ہے اور ہمیں اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور اسی میں ہماری نجات ہے اور یہی رب تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

طَبِیْعَتوں کی بات کریں تو طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں بعض جلد اثر قبول کرنے والی ہوتی ہیں اور بعض ذرا دیر سے اثر قبول کرتی ہیں اور اس اختلاف کی دو وُجوہات ہیں:

(۱)...فطرت میں پائی جانے والی قوت جو دیر پا ہوتی ہے مثلاً قوتِ شہوت، غضب اور تکبُّر یہ تینوں انسان میں موجود ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ مشکل مُعاملہ قُوتِ شہوت میں تبدیلی ہے کیونکہ اس کا وجود سب سے پہلے ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قوتِ شہوت بچے میں فطری طور پر پیدا کی گئی ہے جبکہ قوتِ غضب اکثر سات سال کی عمر میں جا کر ہی پیدا ہوتی ہے اور اس کے کچھ عرصے بعد ہی اسے قوتِ تمیز حاصل ہوتی ہے۔

(۲)...عادت بسا اوقات عمل کی کثرت کے سبب بھی پختہ ہو جاتی ہے جبکہ اس کے مطابق عمل ہو اور یہ عقیدہ ہو کہ یہ عمل اچھا اور پسندیدہ ہے۔

قبولِ اِصلاح کے سلسلے میں لوگوں کے چار مراتب:

⊛...پہلا مرتبہ: اُن لوگوں کا ہے جو غافل ہیں اور حق و باطل اور اچھے برے میں فرق نہیں کرتے بلکہ اپنی فطرت پر جس پر وہ پروان چڑھے باقی رہتے ہیں۔ تمام اِعتِقادات سے فارغ ہوتے ہیں اور لذات کی اِتّباع کرنے کے باوجود ان کی خواہش پوری نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کا علاج ممکن ہے۔ انہیں ایک استاذ اور تربیت کرنے والے کی حاجت ہوتی ہے۔ ان کے نَفْس میں ایک جذبہ بھی ہوتا جو انہیں مجاہدے پر ابھارتا ہے۔ ایسے لوگوں کے اخلاق علاج سے تھوڑے عرصے میں درست ہو جاتے ہیں۔

⊛...دوسرا مرتبہ: اُن لوگوں کا ہے جو برائی کی پہچان رکھتے ہیں لیکن اچھے اعمال کے عادی نہیں ہوتے بلکہ اپنا برا عمل انہیں اچھا محسوس ہوتا ہے اور یہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے اس کا اِرتکاب کرتے ہیں۔ اِن پر چونکہ خواہش کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے یہ اپنی رائے میں دُرُستی سے اِعراض کرنے والے ہوتے ہیں لیکن اس کے

باوجود یہ اپنی عملی کوتاہی سے باخبر ہوتے ہیں۔ ان کا معاملہ پہلے مرتبے والوں سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ ان پر دُگنی محنت کرنا ہوتی ہے۔ پہلے اس میل کو دور کرنا ہوتا ہے جو فساد کی عادت کی وجہ سے ان کے نفس پر جمی ہوتی ہے پھر انہیں اچھے اعمال کا عادی بنانا پڑتا ہے۔ مِن جُمْلَہ اگر سخت محنت اور پوری کوشش سے ان کی اصلاح کی جائے تو یہ لوگ مجاہدہ وریاضت کے قابل ہوسکتے ہیں (جس کی وجہ سے ان کے اخلاق میں تبدیلی واقع ہوسکتی ہے)۔

﴾...تیسرا مرتبہ: ان لوگوں کا ہے جو بُرے اخلاق کو اچھا اور انہیں اختیار کرنے کو واجب سمجھتے ہیں اور اسے اپنا حق اور حُسنِ اَخلاق گمان کرتے ہیں کیونکہ ان کی پرورش انہی اَخلاق پر ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کا علاج ناممکن ہے نیز ان کی اصلاح کی امید نہیں کی جاسکتی کیونکہ ان میں گمراہی کے اسباب زیادہ ہوتے ہیں اور اگر کسی ایک کی اصلاح ہو جائے تو یہ شاذونادر معاملہ ہے۔

﴾...چوتھا مرتبہ: ان لوگوں کا ہے جن کی نَشْو و نَما فاسد رائے اور تربیت بُرے عمل پر ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کثرتِ شر، لوگوں کو ہلاک کرنے اور اس پر فخر کرنے کو باعث فضیلت سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ کام ان کی قدر و منزِلت کو بڑھاتے ہیں۔ یہ سب سے مشکل مرتبہ ہے اسی مرتبے والوں کے بارے میں کہا گیا ہے: وَمِنَ الْعَنَاءِ رِیَاضَۃُ الْھَرِمِ وَمِنَ التَّعْذِیْبِ تَھْذِیْبُ الذِّئْبِ یعنی بڑھاپے کی ریاضت باعث تھکاوٹ ہے اور بھیڑیئے کو ادب سکھانا خود کو مشقت میں ڈالنا ہے۔

ان میں پہلے مرتبے کے حامل افراد جاہل، دوسرے مرتبے کے جاہل و گمراہ، تیسرے مرتبے کے جاہل، گمراہ اور فاسق اور چوتھے مرتبے کے حامل افراد جاہل، گمراہ، فاسق اور شریر ہیں۔

دوسرے اِستدلال کا جواب:

جہاں تک دوسرے استدلال کی بات ہے کہ آدمی جب تک زندہ رہتا ہے اس سے شہوت (خواہش)، غصہ، محبتِ دنیا اور باقی تمام بُرے اخلاق دور نہیں ہوسکتے تو یہ بات غلط ہے اور یہ خیال ایسے لوگوں کا ہے جن کا مقصود مجاہدے سے ان صفات کو بالکل ختم کرنا ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ شہوت کو کسی فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور فطرتاً اس کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کھانے کی خواہش ختم ہو جائے تو انسان ہلاک ہو جائے، اگر جماع کی خواہش ختم ہو جائے تو نسل انسانی کا بقا نہ رہے اور اگر غضب بالکل معدوم ہو جائے تو انسان ہلاکت

میں ڈالنے والی چیزوں سے خود کو روک نہ سکے اور ہلاک ہو جائے۔ جب اصل شہوت باقی ہے تو لازماً مال کی محبت بھی باقی رہے گی جو شہوت تک پہنچاتی اور مال میں بخل پر مجبور کرتی ہے۔ اسے بالکل ختم کرنا ہمارا مقصود نہیں بلکہ اعتدال یعنی اِفراط و تفریط کے درمیان رکھنا مقصود ہے۔ صفتِ غضب سے مقصود یہ ہے کہ غیرت مند ہو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب لاپروائی اور بزدلی نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ وہ بذاتِ خود مضبوط ہو اور اس کے ساتھ عقل کے تابع بھی ہو جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ارشاد ہے:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ترجمۂ کنزالایمان: کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔ (پ۲۶، الفتح: ۲۹)

اس آیتِ مبارکہ میں صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو شدت سے موصوف فرمایا گیا ہے اور شدت غصے کی وجہ سے ہی صادر ہوتی ہے اور اگر غصہ کو ختم کر دیا جائے تو جہاد باقی نہ رہے گا۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خواہش اور غضب کو بالکل ختم کر دیا جائے حالانکہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام بھی ان صفات سے مکمل طور پر خالی نہیں رہے۔

رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا جلال:

حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ مکرَّم ہے: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ یعنی بے شک میں بھی تو لبادۂ بشریت میں ہوں اور مجھے بھی (اس حالت میں) دوسرے انسانوں کی طرح غصہ آتا ہے۔[1]

اسی طرح جب آپ کے سامنے کوئی ناپسندیدہ بات کی جاتی تو آپ کے دونوں رُخسار مبارک جلال سے سرخ ہو جاتے لیکن آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس وقت بھی حق ہی فرماتے اور اس حالت میں بھی حق سے خُرُوج نہ کرتے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ مجید میں یہ تو ارشاد فرمایا ہے:

وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط ترجمۂ کنزالایمان: اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے۔ (پ۴، اٰل عمران: ۱۳۴)

اور یہ ارشاد نہیں فرمایا: وَالْفَاقِدِیْنَ الْغَیْظَ یعنی وہ لوگ جن میں غصہ نہیں پایا جاتا۔

[1] ...مسلم، کتاب البر والصلة، باب من لعنه النبی... الخ، ص ۱۴۰۲، حدیث: ۲۶۰۱ بتغیر

خُلق کی تبدیلی سے کیا مراد ہے؟

غضب اور خواہش کو حدِّ اِعتدال کی طرف پھیرنا کہ ان میں سے کوئی بھی عقل پر غالب نہ ہو بلکہ دونوں عقل کے ماتحت ہوں اور ان دونوں پر عقل کا غلبہ ہو یہ ممکن ہے اور خُلق (عادت) کی تبدیلی سے یہی مراد ہے۔ بسا اوقات انسان پر خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی عقل اسے بُرے کاموں سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتی اور وہ برائی میں بڑھ جاتا ہے تو عبادت وریاضت کے ذریعے وہ حدِ اعتدال کی طرف لوٹ آتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کرنا ممکن ہے اور تجرِبہ اور مُشاہدہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے تو اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہی کہ اخلاق میں تبدیلی ممکن ہے۔

اَخلاق سے مقصود:

اَخلاق سے مقصود اِفراط و تفریط نہیں بلکہ درمیانی راہ اختیار کرنا ہے۔ جیسے سخاوت شرعی طور پر قابلِ تعریف ہے اور یہ اپنی دونوں اطراف فُضول خرچی اور کنجوسی کی درمیانی راہ ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ (پ۱۹، الفرقان: ۶۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے۔

اسی طرح کھانے کی خواہش میں بھی اِعتدال مقصود ہے، حرص اور کھانے سے بالکل رک جانا مقصود نہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾ (پ۸، الاعراف: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں۔

اور غصے کے متعلق ارشاد فرمایا:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ترجمۂ کنزالایمان: کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

(پ۲۶، الفتح: ۲۹)

میانہ روی اور اس کی حکمت:

حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُھَا یعنی بہترین کام وہ ہیں جو میانہ روی کے ساتھ کئے جائیں۔"

❀...**میانہ روی کی حکمت:** میانہ روی اختیار کرنے میں ایک راز اور حقیقت ہے کہ دل کا عوارضِ دُنیا سے محفوظ ہونا باعث سعادت ہے۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ ترجمۂ کنزالایمان: مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔

(پ۱۹، الشعرآء: ۸۹)

بُخْل عوارِضِ دُنیا سے ہے اسی طرح فُضُول خرچی بھی۔ دل کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ان دونوں (عوارض) سے محفوظ ہو یعنی مال کی طرف اس کا اِلتفات نہ ہو اور نہ مال خرچ کرنے پر حریص ہو، اسی طرح مال روکنے پر بھی حریص نہ ہو کیونکہ جو شخص مال خرچ کرنے پر حریص ہوتا ہے اس کا دل مال خرچ کرنے کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اسی طرح مال روکنے والے حریص کا دل مال روکنے کی طرف لگا رہتا ہے جبکہ کمال تو یہ ہے کہ دل ان دونوں باتوں سے صاف ہو اور چونکہ ایسا ممکن نہیں کہ یہ دونوں باتیں ہی نہ ہوں تو ہم نے ایسی بات کی طرف رجوع کیا جو ان دونوں کے نہ ہونے کے مشابہ ہو اور اس کے دونوں کناروں سے دور ہو اور وہ درمیانی راہ ہے جیسے نیم گرم پانی کہ نہ وہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور نہ گرم بلکہ ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے۔ گویا وہ دونوں وصفوں سے خالی ہوتا ہے اسی طرح سخاوت فضول خرچی اور کنجوسی کے درمیان واقع ہے، شُجاعت بزدلی اور تَہَوُّر (بیوقوفانہ دلیری) کے درمیان ہے، عِفَّت، حرص اور جُمُود (عدمِ حرص) کے درمیان ہے اور باقی تمام اخلاق کا معاملہ بھی اسی طرح ہے تو ہر کام کے دونوں کنارے (اِفراط و تفریط) مذموم ہیں اور درمیانی راہ مقصود ہے جو ممکن بھی ہے۔ البتہ مرشد جو اپنے مرید کی اصلاح کر رہا ہے اُس پر یہ بات لازم ہے کہ وہ مرید

کے سامنے غصّے اور مال روک رکھنے کی مکمل طور پر مذمت بیان کرے اس سلسلے میں اسے کوئی رخصت نہ دے اگر وہ اسے معمولی سی بھی رخصت دے گا تو وہ اسے بخل اور غصّے کو باقی رکھنے کے سلسلے میں عذر بنالے گا اور یہ خیال کرے گا کہ اس کی اسے رخصت ہے۔ مرشد جب معمولی سی بھی رخصت نہیں دے گا اور اس سلسلے میں مبالغے سے کام لے گا تو مرید خود بخود اعتدال کی طرف لوٹ آئے گا، لہٰذا مرشد کے لئے بہتر تو یہی ہے کہ اس کی اصل ہی کو ختم کرنے کا ارادہ کرے تاکہ مرید کے لئے مقصود تک پہنچنا آسان ہو جائے اور یہ راز (یعنی غصے اور مال خرچ کرنے کے سلسلے میں میانہ روی کے متعلق) مرید کو نہ بتائے کیونکہ اس مقام میں بیوقوفوں کو دھوکا ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا غصّے میں آنا اور مال خرچ نہ کرنا حق ہے۔

چوتھی فصل: حُسنِ اَخلاق حاصل کرنے کے اَسباب

آپ یہ بات تو جان چکے ہیں کہ حُسنِ اَخلاق کا حاصل یہ ہے کہ قوتِ عقل معتدِل ہو، حکمت کامل ہو، قوتِ غضب اور شہوت اِعتدال کے ساتھ عقل اور شریعت کے تابع ہوں۔ یہ اِعتدال دو طریقوں پر حاصل ہوتا ہے:

(۱)...عطیہ خداوندی اور فطری کمال کے باعث: اس طرح کہ انسان کی تخلیق اور پیدائش عَقلِ کامل اور حُسنِ اَخلاق کے ساتھ ہو اور اس پر خواہش اور غصے کا غلبہ نہ ہو بلکہ یہ دونوں اس طرح پیدا ہوں کہ ان میں اِعتدال ہو اور عقل و شریعت کے تابع ہوں یوں وہ تعلیم کے بغیر عالِم اور تادیب سیکھے بغیر مُؤَدِّب ہو جاتا ہے جیسے حضرت سیِّدُنا عیسٰی بن مریم اور حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن زکریا عَلَیْہِمَا السَّلَام اور اسی طرح دیگر تمام انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام۔ اور یہ بات ناممکن بھی نہیں کہ آدمی کی طبیعت و فطرت میں وہ بات داخل ہو جو کَسب و عمل سے حاصل ہوتی ہو۔ کئی بچے پیدائشی طور پر ہی سخی، بہادر اور سچ بولنے والے ہوتے ہیں اور بسا اوقات پیدائشی طور پر یہ باتیں نہیں پائی جاتیں لیکن بعد میں ان باتوں کی عادت بنانے اور اَچھے اَخلاق والوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے حاصل ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات سیکھنے سے بھی حاصل ہوتی ہیں۔

(۲)...نفس کُشی اور کوشش کے باعث: یعنی اپنے نفس کو اُن اَعمال میں مصروف رکھنا جن سے مطلوبہ وصف حاصل ہو۔ مثلاً جو آدمی اپنے اندر سخاوت کا وصف پیدا کرنا چاہتا ہے تو اِس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سخاوت کرنے والوں کے طریقے پر عمل کرے اور مال خرچ کرے۔ اسی طرح اسے چاہئے کہ وہ اپنے آپ

سے مسلسل یہ کام لے اور بتکلُّف اس پر ہمیشگی اختیار کرے اور اپنے نفس کے ساتھ خوب کوشش کرے حتّٰی کہ سخاوت اس کی فطرت بن جائے اور یہ معاملہ اس کے لئے آسان ہو جائے اس طرح وہ سخی ہو جائے گا۔

یوں ہی وہ شخص جس پر تکبُّر کا غلبہ ہو اگر وہ اپنے اندر عاجزی کی صفت پیدا کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ طویل عرصہ عاجزی کرنے والوں کے طریقے پر عمل کرے اور اس سلسلے میں خوب نفس کُشی کرے اور بتکلُّف یہ عمل کرتا رہے یہاں تک کہ یہ بات اس کی طبیعت میں شامل ہو جائے اور اس کے لئے یہ عمل آسان ہو جائے، جتنے بھی اَخلاق شریعت کے نزدیک قابلِ تعریف ہیں وہ اسی طریقے پر حاصل ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں انتہا یہ ہے کہ بندے کو اُس کام میں لذت محسوس ہونے لگے جیسے سخی وہ ہے جو مال خرچ کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے نہ کہ وہ جو ناخوشی سے مال خرچ کرتا ہے، متواضع وہ ہے جو عاجزی سے لذت محسوس کرتا ہے۔

دینی اَخلاق نفس میں کب راسخ ہوتے ہیں؟

دینی اخلاق نفس میں اس وقت راسخ ہوتے ہیں جب نفس تمام اچھی عادات کا عادی بن جاتا، بُرے کاموں کو چھوڑ دیتا، اچھے کاموں پر اَہلِ شوق کی طرح پابندی اختیار کرتا اور اس سے لذت حاصل کرتا ہے نیز برے کاموں کو ناپسند جانتا اور ان سے تکلیف محسوس کرتا ہے جیسا کہ پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان عالیشان ہے: وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ یعنی نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔[1] لہٰذا جب تک نفس عباداتِ الٰہی بجالانے اور ممنوعات کو چھوڑنے میں مشقت اور دشواری محسوس کرتا رہے گا تب تک نقصان باقی رہے گا اور سعادت مندی کا کمال حاصل نہیں ہو گا، البتہ مشقت اور دشواری کے احساس کے ساتھ نیک اَعمال کی پابندی کرنا بہتر ضرور ہے اور یہ بہتری نیک اَعمال کو ترک کرنے کے مقابلے میں ہے، خوش دلی سے بجالانے کے مقابلے میں نہیں۔ اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ (پ۱، البقرۃ: ۴۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں۔

---

[1] ...سنن النسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، ص ۶۴۴، حدیث: ۳۹۴۶

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت خوش دلی سے کرو!

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیُوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان مشکبار ہے: اُعْبُدِ اللہَ فِی الرِّضَا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَفِی الصَّبْرِ عَلٰی مَا تَکْرَہُ خَیْرٌ کَثِیْرٌ یعنی خوش دلی کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرو اگر ایسا نہ کر سکو تو ناگوار بات پر صبر کرنے میں بہت بھلائی ہے۔[1]

سعادت کیا ہے؟

سعادت کے حُصول کے لئے یہ بات کافی نہیں کہ کبھی تو اطاعت میں مزہ ہو اور نافرمانی بُری معلوم ہو اور کبھی ایسا نہ ہو بلکہ یہ کام دائمی ہونا چاہئے اور ساری زندگی پایا جانا چاہئے اور جب عمر زیادہ طویل ہوگی تو فضیلت زیادہ راسخ اور کامل ہوگی اسی لئے جب رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سعادت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: طُوْلُ الْعُمُرِ فِی طَاعَۃِ اللہِ یعنی تمام عمر اطاعتِ الٰہی میں بسر کرنا۔[2]

یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور اولیائے عِظام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام موت کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور جب عمر زیادہ ہوگی تو عبادات کی کثرت ہوگی جس سے ثواب زیادہ ہوگا اور نفس خوب پاک و ستھرا ہوگا، اَخلاق زیادہ قوی اور راسخ ہوں گے۔ عبادات کا مقصد دل میں ان کی تاثیر ہے اور یہ تاثیر عبادت پر ہمیشگی اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اَخلاقِ حَسَنَہ کی غَرَض:

اِن اخلاق کی غرض یہ ہے کہ نفس سے دنیا کی محبت منقطع ہو جائے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت نفس میں راسخ ہو جائے، اس صورت میں اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ملاقات سے بڑھ کر کوئی بات پسند نہیں ہوتی اور وہ اپنا تمام مال اس کام پر خرچ کرتا ہے جو اسے بارگاہِ الٰہی تک پہنچائے اور اس کا غصہ اور خواہش اس کے قابو میں ہوتی ہے اور ان دونوں کو اس طریقے پر استعمال کرتا ہے جس سے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب حاصل کرے اور یہ اسی صورت میں حاصل

1... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، ۳/ ۳۰۳، حدیث: ۸۲۵۷ بتغیر

2... تاریخ مدینہ دمشق، الرقم: ۳۹۲۳، عبد الرحمن بن قریش، ۳۵/ ۳۴۰

ہوتا ہے جب وہ شریعت اور عقل کے ترازو پر ان کو تولتا ہے پھر وہ اس پر خوش ہوتا اور لذت محسوس کرتا ہے اور یہ بات ناممکن نہیں ہے کہ نماز میں سُرور حاصل ہونے لگے اور نماز آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے اور عبادات میں لذت محسوس ہونے لگے کیونکہ عادت کے باعث تو نفس میں اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب اُمور پیدا ہوتے ہیں، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں بادشاہ اور مال دار لوگ ہمیشہ غمگین رہتے ہیں جبکہ مفلس جواری بسا اوقات اپنے جوئے میں لذت اور خوشی پاتا ہے اگر دوسرے لوگوں کی بھی یہ حالت ہو جائے جیسے اس کی حالت ہے تو جوئے کے بغیر اُن کی زندگی بوجھ بن جائے حالانکہ بعض اوقات جواری کا مال جوئے کی وجہ سے چلا جاتا، گھر تباہ ہو جاتا اور وہ مفلس بن جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ جوئے سے محبت کرتا اور اس سے لذت محسوس کرتا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ایک طویل عرصے تک اس سے مانوس رہا اور خود کو اس میں لگائے رکھا۔

اسی طرح کبُوتر باز بسا اوقات دن بھر دھوپ میں کھڑا رہتا ہے پرندوں کی حَرَکات، اُڑان اور آسمان میں ان کے حلقہ بنانے پر خوشی محسوس کرتا ہے، اسے دھوپ میں کھڑے ہونے کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا اسی طرح ہم فاسق وفاجر اور عیّار قسم کے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ انہیں مار پڑتی ہے یا چوری پر ہاتھ کٹتا ہے تو وہ اس پر فخر کرتے ہیں اور بڑے صبر سے کوڑے کھالیتے ہیں انہیں سولی پر چڑھانے کے لئے لے جایا جاتا ہے لیکن وہ بڑی خوشی اور صبر سے اس کا سامنا کرتے اور اسے اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں ان میں سے کسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے یا کسی دوسرے کے متعلق جرم کو تسلیم کرے لیکن وہ انکار پر ڈٹا رہتا ہے اور سزاؤں کی پروا نہیں کرتا کیونکہ وہ اسے کمال، بہادری اور مردانگی سمجھ رہا ہوتا ہے تو باوجود اس سزا کے وہ اپنے عمل کو آنکھوں کی ٹھنڈک اور باعثِ فخر سمجھتا ہے اور ان سے بھی گئی گزری حالت ہیجڑوں کی ہے کہ وہ عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہوئے چہرے کے بال مونڈتے ہیں، چہرے کو گوندھتے اور عورتوں سے میل جول رکھتے ہیں اور اپنی اس حالت پر خوش ہوتے اور اپنے مُخَنَّث (نامرد) ہونے پر باہم فخر کرتے ہیں اسی طرح حجامت کرنے والے اور جھاڑو دینے والے بھی ایک دوسرے کے سامنے فخر کا اظہار کرتے ہیں جیسے سَلاطِین اور عُلَما فخر کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ تمام باتیں عادت کا نتیجہ ہیں جس سے عرصہ دراز تک تعلق رہا اور جو کچھ اپنے ساتھیوں اور ہم مجلس

لوگوں میں دیکھا اسے اپنے لئے بھی اچھا سمجھا۔ جب باطل چیز کے عادت میں شامل ہو جانے پر نفس کو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے اور نفس قبیح باتوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو امرِ حق پر عرصہ دراز تک ہمیشگی اختیار کرنے سے لذت کیوں حاصل نہ ہوگی بلکہ دیکھا جائے تو بُرے اُمور کی طرف نفس کا میلان غیر فطری ہے جیسے کسی کو مٹی کھانے کی رغبت ہو جبکہ بعض لوگوں کو مٹی کھاتے کھاتے اس کی عادت پڑ جاتی ہے۔

جس طرح کھانے پینے کی طرف رغبت فطری ہوتی ہے اسی طرح حکمت، محبتِ الٰہی، معرفت اور عبادتِ الٰہی کی طرف رغبت قلبی تقاضے کے باعث ہوتی ہے اور قلب امرِ ربّانی ہے۔ خواہشات کے تقاضوں کی طرف اس کی رغبت عارضی تو ہو سکتی ہے لیکن دائمی اور فطری نہیں ہو سکتی، دل کی غذا حکمت، معرفت اور محبّتِ الٰہی ہے لیکن یہ کسی مرض کے سبب اپنی طبیعت کے تقاضے سے پھر جاتا ہے جیسے معدے میں کسی مرض کے سبب کھانے پینے کی خواہش نہیں رہتی حالانکہ کھانا، پینا زندگی کے باقی رہنے کا سبب ہے اسی طرح جو دل غیرُاللہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو جس قدر وہ مائل ہوتا ہے اسی قدر وہ مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ البتہ اگر معاملہ یہ ہو کہ غیرُاللہ سے محبت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہو اور یہ محبت دین پر مددگار ہو تو یہ محبت مرض شمار نہیں ہوگی۔

اَچھے اَخلاق کے حُصُول کا طریقہ:

اب یقینی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ اچھے اَخلاق نفس کُشی اور مجاہدے کے ذریعے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ شروع میں افعال بتکلُّف صادر ہوتے ہیں پھر بالآخر وہ اس کی عادت بن جاتے ہیں۔ قلب اور اعضاء یعنی نفس اور بدن کے درمیان ایک عجیب طرح کا تعلق ہے کیونکہ جو چیز دل میں ظاہر ہوتی ہے اس کا اثر اعضاء پر بھی پڑتا ہے یہاں تک کہ اعضاء دل کی حرکت کے موافق ہی حرکت کرتے ہیں اور اعضاء سے جو فعل صادر ہوتا ہے اس کا تعلق بھی دل سے ہی ہوتا ہے اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔ اسے آپ ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں: ایک شخص ہے جو کتابت میں مہارت چاہتا ہے کہ یہ اس کی صِفَتِ نفسی اور عادت بن جائے تو اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ شروع میں اپنے ہاتھ سے مشق کرے اور ایک مدت تک کسی ماہر کاتب کی نقل کرتا رہے۔ جب وہ مشق شروع کرے گا تو شروع میں اسے پریشانی کا سامنا ہوگا لیکن آہستہ آہستہ جب وہ پابندی سے مشق کرتا رہے گا تو یہ اس کے نفس میں راسخ ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ اچھی کتابت کا

عادی بن جائے گا حالانکہ شروع میں اسے پریشانی کا سامنا تھا۔ اچھا کاتب وہی شخص بن سکتا ہے جو اچھی کتابت کی کوشش کرتا ہے اگرچہ شروع میں اسے پریشانی کا سامنا ہوتا ہے لیکن بعد میں اس کے دل تک اس کا اثر پہنچ جاتا ہے پھر دل سے اعضاء تک اس کا اثر منتقل ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ طبعاً ایک اچھا کاتب بن جاتا ہے۔

اس طرح جو شخص فَقِیْہہ (عالم) بننا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ فُقَہائے کرام کے اَفعال کی پیروی کرے یعنی مسائل فقہ کا تکرار کرے یہاں تک کہ فقہ اس کے دل میں اتر جائے تب جا کر وہ فقیہہ ہو گا۔ اسی طرح جو شخص سخی، پارسا، بُردبار اور عاجزی کرنے والا بننا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ ان اَخلاق کو اپنانے والے لوگوں کی پیروی کرے اگرچہ شروع میں اسے پریشانی کا سامنا ہو گا لیکن بعد میں آہستہ آہستہ یہ اخلاق اس کی طبیعت کا حصہ بن جائیں گے، اس کے عِلاوہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ جس طرح عِلْمِ دین حاصل کرنے والا طالب علم ایک روز چھٹی کرنے کی وجہ سے عالِم بننے کے رتبے سے محروم نہیں ہو سکتا اور نہ وہ ایک دن کے تکرار سے عالِم کے رتبے تک پہنچ سکتا ہے کہ فقیہہ بن جائے، اسی طرح نفس کے تَزکیہ اور کمال نیز اَعمالِ صالحہ سے اسے مُزَیَّن کرنے والا ایک دن کی عبادت سے یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایک دن کے گناہ سے اس سے محروم ہو سکتا ہے۔ ہماری اس بات کا مطلب یہ ہے کہ ایک کبیرہ گناہ ابدی بدبختی کا سبب نہیں (کہ اس کی وجہ سے مجاہدہ ونفس کُشی چھوڑ دی جائے)، البتہ ایسا ہو جاتا ہے کہ ایک دن کی چھٹی مزید چھٹیوں کی طرف لے جاتی ہے پھر آہستہ آہستہ نفس سستی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور مقصد کے حصول کو بالکل ترک کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ فقہ کی فضیلت سے محروم رہ جاتا ہے اسی طرح صغیرہ گناہوں کا معاملہ ہے کہ ان میں سے بعض گناہ بعض دوسرے گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں یہاں تک کہ اصل سعادت فوت ہو جاتی ہے اور پھر بسا اوقات موت کے وقت ایمان سے ہی محرومی ہو جاتی ہے۔ (نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ ذٰلِكَ)۔

ایک رات کے تکرار سے آدمی فقیہہ نہیں ہو سکتا بلکہ فقہ کا ظہور تھوڑا تھوڑا کر کے بتدریج حاصل کرنے سے ہوتا ہے جیسے انسان کا بدن آہستہ آہستہ نَشوونَما پاتا ہے اور قد آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اسی طرح ایک بار کی اطاعت نفس کے تزکیہ اور تَطْہیر میں مُؤَثِّر نہیں ہو سکتی لیکن تھوڑی عبادت کو حقیر نہ سمجھا جائے کہ تھوڑی مل کر بہت ہو جاتی اور اثر انداز ہوتی ہے۔ ہر عبادت مُؤَثِّر ہوتی ہے اگرچہ اس کا اثر پوشیدہ ہو بہر حال ثواب ضرور

ملتا ہے کہ وہ تاثیر کے مقابلے میں ہوتا ہے اور معصیت کا بھی یہی حال ہے۔ کتنے ہی فقہ حاصل کرنے والے ایسے ہیں جو ایک دن کی چھٹی کو معمولی خیال کرتے ہیں پھر مسلسل چھٹیوں کے ذریعے نفس کو ایک ایک دن کا لالچ دیتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کی طبیعت فقہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے، اسی طرح جو آدمی صغیرہ گناہوں کو معمولی خیال کرتا ہے اور نفس کو توبہ کا لالچ دیتا رہتا ہے حتّٰی کہ اچانک وہ موت کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر اس کا دل گناہوں کی سیاہی سے بھر جاتا ہے اور اب اس کے لئے توبہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تھوڑا عمل زیادہ کی طرف لے جاتا ہے جس کے باعث دل خواہشات کی زنجیروں میں جکڑ جاتا ہے پھر اس کے چُنگل سے چھٹکارا ممکن نہیں رہتا یہی معنٰی توبہ کے دروازے کے بند ہونے کا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کا بھی یہی مطلب ہے:

وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا (پ۲۲، یٰسٓ:۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار۔

سفید و سیاہ نقطہ:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: ایمان دل میں ایک سفید نکتے کی مانند ظاہر ہوتا ہے جتنا ایمان زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس سفید نکتے کی سفیدی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ پورا دل سفید ہو جاتا ہے۔ جبکہ نِفاق دل میں ایک سیاہ نکتے کی مانند ہے جس قدر نِفاق بڑھتا رہتا ہے اسی قدر سیاہ نکتہ بھی بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

اَخلاقِ حَسَنَہ اور جِہاتِ ثَلاثہ:

آپ جان چکے ہیں کہ اَخلاقِ حسنہ کبھی تو طبعی اور فطری طور پر ہوتے ہیں اور کبھی عادت ڈالنے سے حاصل ہوتے ہیں اور کبھی نیک لوگوں کو دیکھنے اور ان کی صحبت اختیار کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ نیک لوگوں سے مراد اپنے علم پر عمل کرنے والے عُلَما ہیں۔ ایک طبیعت دوسری طبیعت سے خیر و شَر دونوں حاصل کرتی ہے تو جس شخص میں تین جہات جمع ہو جائیں یعنی وہ طبعاً، عادتاً اور سیکھ کر فضیلت کو پہنچا ہو تو یہ شخص انتہائی درجے کی

فضیلت کا حامل ہے اور جو شخص طبعی طور پر بد خصلت ہو پھر اسے بُری صحبت مل جائے جسے وہ سیکھے اور برائی کے اسباب بھی اسے آسانی سے مُیَسَّر آجائیں یہاں تک وہ اس کا عادی بن جائے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بہت دور ہو جاتا ہے اور جس میں ان تین جہات کا اِختلاف ہے تو وہ دو مرتبوں کے درمیان ہے ہر ایک کا قُرب و بُعد اس کی صفت اور حالت کے اعتبار سے ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾ (پ۳۰، الزلزال: ۷،۸)

ترجمۂ کنز الایمان: تو جو ایک ذرّہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرّہ بھر بُرائی کرے اسے دیکھے گا۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ (پ۴، آل عمران: ۱۱۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہ خود اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔

پانچویں فصل: تہذیبِ اَخلاق کا تفصیلی طریقہ

یہ بات تو آپ کے علم میں آچکی ہے کہ اَخلاق کا اِعتدال پر رہنا نفس کی دُرُستی پر دلالت کرتا ہے اور اِعتدال سے ہٹ جانا (رُوحانی) بیماری اور مرض کی دلیل ہے جیسا کہ بدن کے مزاج میں اعتدال صحتِ بدن پر دلالت کرتا ہے اور اس کا اعتدال سے ہٹ جانا جسمانی بیماری کی دلیل ہے تو ہم بدن کو مثال بناتے ہوئے کہتے ہیں علاج کے سلسلے میں نفس کی مثال یوں ہے کہ اس سے گھٹیا اور بُرے اخلاق کو دور کیا جائے، فضائل اور اچھے اخلاق کو اپنایا جائے۔ بدن کی مثال یہ ہے کہ اس کا علاج کرتے ہوئے اس سے بیماریوں کو دور کیا جائے اور اس کی صحت کے لئے کوشش کی جائے۔ اصل مزاج پر اعتدال غالب ہوتا ہے پھر غذا، خواہش اور مختلف اَحوال کی وجہ سے معدے میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں یعنی عادت یا سیکھنے کے ذریعے وہ بُرے اَخلاق کو اپناتا ہے جیسا کہ بدن ابتدا میں کامل نہیں ہوتا غذا کے ذریعے اس کی نَشْو و نُما اور تربیت ہوتی ہے تو وہ کامل اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفس بھی ناقص پیدا کیا گیا ہے لیکن کمال کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یہ کمال تہذیب و تربیت اور علمی غذا کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ جس طرح بدن اگر صحیح ہو تو طبیب صحت کی

حفاظت کا کہتا ہے اور اگر بیمار ہو تو اسے صحت مند بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

دل کی بیماری کا علاج:

اسی طرح نفس اگر پاک ومُہَذَّب ہے تو اس کی حفاظت اور اسے مزید مضبوط اور صاف رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر اس میں کمال اور صفائی نہ ہو تو اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ بیماری جو بدن کے اِعتدال کو تبدیل کرتی اور مرض کا باعث بنتی ہے اس کا علاج اس کی ضد کے ذریعے ہوتا ہے جیسا کہ بیماری کا اگر تعلق گرمی سے ہے تو ٹھنڈی چیزوں سے علاج کیا جاتا ہے اور اگر سردی سے ہے تو گرم چیزوں سے علاج کیا جاتا ہے اسی طرح بُری عادات جو دل کی بیماری ہیں ان کا علاج ضد کے ذریعے ہوتا ہے تو مرضِ جہالت کا علاج علم سے، بُخل کا علاج سخاوت سے، تکبُّر کی بیماری کا علاج تواضع سے اور حرص کا علاج بتکلُّف خواہش نفسانی سے رُکنے سے۔ الغرض جس طرح بیماری میں کڑوی دوائیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور پسندیدہ چیزوں سے پرہیز کرتے ہوئے صبر کرنا پڑتا ہے اسی طرح دل کی بیماری دور کرنے کے لئے مجاہدے اور صبر کی کڑواہٹ برداشت کرنی پڑتی ہے بلکہ یہ زیادہ ضروری ہے کہ بدن کا مرض تو موت سے ختم ہو جاتا ہے لیکن دل کا مرض اللہ عَزَّوَجَلَّ پناہ میں رکھے ایک ایسا مرض ہے جو موت کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے باقی رہتا ہے۔

ہر ٹھنڈی چیز اس بیماری کے لئے درست قرار نہیں پاتی ہے جس کا باعث گرمی ہو مگر یہ کہ وہ مخصوص حد پر ہو اور دوائی کی تجویز شدت وضعف، کم وزیادہ مُدّت اور کثرت وقلّت کے اعتبار سے مختلف ہو اور اس کے لئے کسی معیّنہ مقدار کا ہونا ضروری ہے جو نفع بخش ہو کیونکہ اگر معیّنہ مقدار کا لحاظ نہ رکھا جائے تو فساد بڑھ سکتا ہے اسی طرح جن مخالف چیزوں کے ذریعے علاج کیا جاتا ہے ان کا بھی کوئی معیار ہونا ضروری ہے۔ جس طرح دوائی کا معیار بیماری کے مطابق ہوتا ہے یہاں تک کہ طبیب اس وقت تک علاج شروع نہیں کرتا جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ بیماری گرمی کے باعث ہے یا سردی کی وجہ سے، اگر بیماری گرمی کے باعث ہے تو وہ اس کے درجے کو معلوم کرتا ہے کہ اس میں شِدَّت ہے یا ضُعف۔ جب اس کی پہچان ہو جاتی ہے تو وہ بدن کے اَحوال، موسم کے حالات، مریض کے کام کاج اور اس کی عمر اور اس کے علاوہ باقی دیگر احوال کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے علاج کرتا ہے اسی طرح وہ شیخ ومرشد جو مریدین اور ان کے قُلُوب کا علاج کرتا ہے اسے چاہئے کہ یکبارگی مجاہدے

اور ریاضت کی تکالیف جو ایک مخصوص فن اور مخصوص طریقے سے تعلُّق رکھتی ہوں ان پر نہ ڈالے جب تک ان کے اَخلاق اور اَمراض کی معرفت حاصل نہ کرلے۔ جس طرح طبیب اگر تمام اَمراض کا علاج ایک ہی طریقہ علاج سے کرے تو وہ بہت سے لوگوں کو ہلاک کردے گا اسی طرح مرشد اگر مریدین کو ایک ہی طرح کی ریاضت ومجاہدے کا پابند بنائے تو وہ انہیں اور ان کے قلوب کو ہلاکت میں مبتلا کردے گا۔

علاج کا طریقہ:

مرشد و شیخ کو چاہئے کہ مرید کے مرض، حالت، عمر اور مزاج پر نظر کرے اور یہ دیکھے کہ وہ کس قسم کی ریاضت ومجاہدے کو برداشت کرسکتا ہے اسی کے مطابق اس سے مجاہدہ اور ریاضت کرائے جیسے کہ مرید اگر ابتدائی درجے کا ہے، حُدُودِ شرعیہ سے ناواقف ہے تو سب سے پہلے اسے طہارت ونماز اور ظاہری عبادات سکھائے اگر وہ مالِ حرام میں مشغول ہے یا کسی گناہ میں مبتلا ہے تو پہلے اسے ان کے چھوڑنے کا کہے پھر جب اس کا ظاہر عبادات سے مُزَیَّن ہوجائے اور ظاہری اعضاء بھی گناہوں سے پاک ہوجائیں تو قرائنِ اَحوال سے اس کے باطن کی طرف نظر کرے تاکہ اس کے اَخلاق اور قلبی اَمراض کو سمجھ سکے۔ اگر اس کے پاس ضرورت سے زیادہ مال دیکھے تو لیکر خیرات کردے اور اس کے دل کو اس سے فارغ کردے کہ وہ اس کی طرف متوجہ نہ رہے، اگر دیکھے کہ اس میں خواہشِ نفس کی پیروی، تکبُّر اور بڑائی غالب ہے تو اسے بازاروں میں (حاجت کے وقت) بھیک مانگنے اور لوگوں سے سوال کرنے کا کہے کیونکہ جاہ ومنصب کی بڑائی بغیر ذِلّت کے نہیں جاتی اور بھیک مانگنے سے بڑھ کر کوئی ذِلّت نہیں جب تک اس سے تکبُّر وبڑائی دور نہیں ہوجاتی اس وقت تک اسے پابندی سے اس کام پر لگائے رکھے کیونکہ تکبُّر اور خواہشِ نفس کی پیروی ہلاک کرنے والے اَمراض میں سے ہے۔

اگر مرید میں زیب وزینت اور بننے سنورنے کا غلبہ دیکھے اور اس میں خوشی سے اس کا دل مائل دیکھے تو اس سے بَیْتُ الْخَلا اور گندی جگہوں کی صفائی کا کام لے یا پھر اس سے باورچی خانے اور دھوئیں کی جگہوں پر کھڑا ہونے کی خدمت لے حتّٰی کہ صفائی کے سلسلے میں اس کے مزاج سے خواہشِ نفس ختم ہوجائے کیونکہ جو لوگ کپڑوں میں بناؤ سنگار اور زیب وزینت اختیار کرتے اور رنگ برنگے مصلے طلب کرتے ہیں، ان میں اور اس دلہن میں کیا فرق ہے جو دن بھر بناؤ سنگار میں لگی رہتی ہے۔ اسی طرح جو انسان اپنے نفس کی عبادت

(اطاعت) کرے یا بت کا پجاری بنے اس میں کیا فرق ہے؟ جب بھی بندہ غیرُ اللہ کی عبادت کرتا ہے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حِجاب (پردے) میں رہتا ہے اور جو اپنے کپڑوں میں بجز اس کے حلال اور طاہر ہونے کے اپنے دل کو مشغول کرتا ہے تو وہ اپنے نفس میں مشغول کہلاتا ہے۔

ایک نکتہ:

مجاہدہ و نَفْس کُشی کے سلسلے میں ایک نکتہ یہ ہے کہ جب مُرید خواہشِ نفس یا اس کے علاوہ کسی دوسری بُری صفت کو بالکل چھوڑنے پر تیار نہ ہو اور یکبارگی چھوڑنے والی ضد کو گوارا نہ کرے تو مُرشِد کو چاہئے کہ اسے ایک مَذمُوم صِفَت سے دوسری مذموم صفت کی طرف منتقل کر دے جو اس سے خفیف ہو جیسے کسی کے کپڑوں میں خون لگ جاتا ہے اور وہ خون پانی سے زائل نہیں ہوتا تو وہ اسے پہلے پیشاب کے ذریعے دھوتا ہے پھر پیشاب کو پانی سے دھوتا ہے اسی طرح بچے کو جب مدرسے کی ترغیب دی جاتی ہے تو اسے گیند بلا یا اس کے علاوہ دیگر کھیلوں کا لالچ دیا جاتا ہے پھر اس کے ذہن کو زیب وزینت اور اچھے کپڑوں کی طرف راغب کیا جاتا ہے پھر ریاست اور جاہ ومرتبے کے حُصُول کی طرف اس کے ذہن کو پھیرا جاتا ہے پھر آخرت کی ترغیب دلاتے ہوئے اس کے ذہن کو جاہ ومرتبے سے منتقل کیا جاتا ہے۔

اسی طرح جو شخص یک دم جاہ ومرتبے کو چھوڑنے کے لئے راضی نہ ہو تو اسے اس سے ہلکی چیز کی طرف منتقل کیا جائے اور باقی دیگر صفات میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔

کھانے کی حرص کا علاج:

کسی مرید پر کھانے کی حرص غالب ہو تو شیخ اسے روزہ رکھنے اور کم کھانے کی تلقین کرے پھر اسے یہ حکم دے کہ وہ لذیذ کھانے تیار کر کے دوسروں کو کھلائے خود اس میں سے کچھ نہ کھائے یہاں تک کہ اس پر اس کا نفس مضبوط ہو جائے صبر کرنا اس کی عادت بن جائے اور حرص کا خاتمہ ہو جائے۔

شہوت کا علاج:

کوئی مرید نوجوان ہو اور نکاح کی رغبت رکھتا ہو لیکن شادی کرنے کے لئے نان ونفقہ کی طاقت نہیں رکھتا

تو شیخ اسے روزہ رکھنے کا حکم دے اور اگر روزہ رکھنے کے باوجود اس کی شہوت کم نہ ہو تو اسے ایک دن صرف پانی سے بغیر روٹی کے اور ایک دن صرف روٹی سے بغیر پانی کے افطار کا کہے اور گوشت اور سالن کھانے سے اسے بالکل منع کر دے یہاں تک کہ اس کا نفس کمزور ہو جائے اور شہوت ختم ہو جائے مجاہدہ اور ریاضت کے شروع میں بھوک سے بڑھ کر نفع بخش علاج کوئی نہیں۔

غُصّے کا عِلاج:

اگر مرید کو غصہ بہت آتا ہو تو اسے برداشت کرنے کی تلقین کرے اور خاموش رہنے کا کہے اور کسی بدمزاج شخص کو مرید کے ساتھ کر دے اور اِس کی خدمت پر مرید کو مامور کر دے یہاں تک کہ اس کا نفس برداشت کرنے کا عادی بن جائے۔

بُردباری کا حُصُول:

منقول ہے کہ ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے نفس کو غصے سے چھٹکارا دلانا اور بُردباری کا عادی بنانا چاہا تو انہوں نے اس کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ خود کو ایسے شخص کی ملازمت میں دیا جو انہیں لوگوں کے سامنے گالیاں دیا کرتا اس پر وہ بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ صبر کا اظہار کرتے اور غصہ پی جاتے یہاں تک کہ بُردباری ان کی عادت بن گئی اور اسی پر ان کے لئے ضَرْبُ الْمَثَل مشہور ہو گئی۔

بُزدِلی اور دِل کی کمزوری دور کرنے کا عِلاج:

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اپنے آپ میں بُزدِلی اور دل کی کمزوری محسوس کیا کرتے تھے تو انہوں نے اپنے آپ میں وصفِ شُجاعت پیدا کرنے کے لئے یہ طریقہ اِختیار کیا کہ جب سردیوں میں دریا کی موجیں خوب اٹھتیں تو وہ کشتی میں سوار ہو جاتے۔

ہندوستان کے پجاری سستی کا علاج یوں کرتے کہ وہ رات بھر ایک ہی طریقے پر کھڑے رہتے۔

بعض مشائخ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ راہِ طریقت کی ابتدا میں قیام پر سستی محسوس کرتے تو رات بھر سر کے بل کھڑے رہتے تا کہ نفس قیام کے لئے پاؤں پر کھڑا ہونے کو بخوشی مان جائے۔

اسی طرح بعض بزرگوں کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے مال کی محبت دور کرنے کا یہ علاج تجویز کیا کہ اپنا تمام مال بیچ کر اس کی قیمت دریا میں ڈال دی تاکہ مال کی تقسیم میں سخاوت کی بڑائی اور ریاکاری کا خوف نہ رہے۔

ان مثالوں کے ذریعے آپ جان گئے کہ دلوں کے علاج کا طریقہ کیا ہے یہاں ہماری غرض ہر بیماری کی دوا نہیں ہے کہ اس کا ذکر تو کتاب کے دیگر حصوں میں آئے گا بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ نفس جس چیز کی خواہش رکھتا اور جس طرف مائل ہوتا ہے اس کے خلاف کیا جائے۔ اسی کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىۙ(۴۰) فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰىؕ(۴۱) (پ۳۰، النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنّت ہی ٹھکانا ہے۔

مجاہدہ و نَفْس کُشی کے سلسلے میں اصل اور اہم بات یہ ہے کہ جس چیز کا پختہ ارادہ کیا جائے اسے پورا کیا جائے اور جب وہ خواہش کو چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرے گا تو اس کے لئے خواہش کے اسباب بآسانی مُیَسَّر ہو جائیں گے اور یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ایک آزمائش اور اِمتحان ہو گا لہٰذا اس پر صبر کرے اور مستقل مزاجی سے کام لے۔ اگر نفس کو عہد شکنی کی عادت ڈال دی تو وہ اس سے مانوس ہو کر فساد میں مبتلا ہو جائے گا، لہٰذا اگر اتفاقاً عہد شکنی ہو جائے تو ضروری ہے کہ نفس کو اس پر سزا دے جیسا کہ ہم نے نفس کی سزا کے متعلق محاسبہ اور مراقبہ کے بیان میں ذکر کیا ہے کیونکہ اگر نفس کو سزا سے نہ ڈرایا جائے تو نفس انسان پر غالِب آجائے گا اور شہوت کو اپنانا اُسے اچھا معلوم ہو گا جس کی وجہ سے تمام ریاضت بے کار جائے گی۔

باب نمبر2: دل کے اَمراض کا بیان

پہلی فصل: دل کے اَمراض اور صحت کی علامات

یہ بات ذِہن نشین کر لیجئے کہ انسانی جسم کا ہر عضو ایک خاص کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس کے مرض کی علامت یہ ہے کہ وہ کام جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے اس سے بالکل صادِر نہ ہو یا صادِر تو ہو لیکن

اِضطراب کے ساتھ ہو۔ جیسے ہاتھ کا مرض یہ ہے کہ اس سے پکڑنا مشکل ہو جائے، آنکھ کا مرض یہ ہے کہ اس سے دیکھنا مشکل ہو جائے۔ اسی طرح دل کا مرض یہ ہے کہ جس خاص فعل کے لئے اسے پیدا کیا گیا وہ اس کے لئے مشکل ہو جائے اور دل کا فعل علم، حکمت، مَعْرِفَت، مَحَبَّتِ الٰہی، عبادت، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے لذت حاصل کرنا اور اسے اپنی ہر خواہش پر ترجیح دینا نیز اپنی تمام خواہشات اور اعضاء سے اس کے لئے مدد چاہنا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ (پ۲۷، الذّٰریٰت: ۵۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی (اسی) لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

نفس انسانی کی خاصیت:

ہر عُضْو کا ایک فائدہ ہے اور دل کا فائدہ حکمت اور معرفت ہے نفس انسانی کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے اور یہ ممتاز ہونا کھانے، ہم بستری کرنے، دیکھنے اور ان جیسے دیگر معاملات کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ حقائق اشیاء کی معرفت کے سبب حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ تمام اشیاء کو وُجود میں لانے والا اور انہیں بنانے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے تو جو تمام اشیاء کی معرفت (پہچان) تو رکھتا ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت نہیں رکھتا تو گویا وہ کسی چیز کی معرفت نہیں رکھتا۔

مَعْرِفَتِ الٰہی کی علامت:

معرفت کی علامت مَحَبَّتِ الٰہی ہے تو جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھتا ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کرتا ہے اور محبت کی علامت یہ ہے کہ جس سے محبت ہو اس پر دنیا اور اس کے علاوہ دیگر محبوب چیزوں کو ترجیح نہ دی جائے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اﰳقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر

اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖؕ (پ۱۰، التوبۃ:۲۴)

ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو (انتظار کرو) یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔

ایک لاعلاج مَرَض:

جسے کوئی چیز اللہ عَزَّوَجَلَّ سے زیادہ پسند ہے تو اس کا دل بیمار ہے جیسے کسی کے معدے کو روٹی اور پانی کے مقابلے میں مٹی زیادہ پسند ہو یا روٹی اور پانی کی خواہش باقی نہ رہے تو وہ مریض ہے اور یہ مرض کی علامات ہیں۔ اس دل کے سوا جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مرض سے محفوظ رکھا تمام دل مریض ہیں۔ کتنے ہی مریض ایسے ہیں جنہیں اپنے مرض کا علم نہیں ہوتا اور دل کا مریض بھی انہیں میں سے ایک ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مرض سے غافل رہتا ہے اور اگر اپنے مرض کی پہچان کر بھی لے تو اس مرض کی دوا کی کڑواہٹ پر صبر کرنا مشکل ہے کیونکہ اس کی دوا خواہشات کی مخالفت ہے جو اس پر روح نکلنے کی تکلیف کی مانند ہے اور اگر وہ اس پر قوتِ صَبْر رکھ بھی لے تو کسی ماہر طبیب کو نہیں پاتا جو اس کا علاج کرے کیونکہ اطبا تو علما ہیں اور وہ خود مرض کا شکار ہیں اور بیمار طبیب کم ہی علاج کی طرف توجہ کرتا ہے، یوں یہ دل کا مرض ایک لاعلاج مرض بن کر پھیل چکا ہے اور اس کے علاج کا علم مٹ چکا ہے، نہ اس کے علاج کو سمجھنے والے رہے اور نہ علاج کرنے والوں کا وجود رہا۔ عام لوگ دنیا کی محبت پر اس طرح جھکے کہ انہوں نے ظاہری اعمال کو ہی عبادت سمجھا اور باطن میں ریاکاری اور دکھاوے میں مبتلا ہو گئے۔

یہاں تک اصل امراض کی علامات کا ذکر تھا (اب بیماری اور اس کا طریقہ علاج سنئے)۔

بیماری اور طریقہ علاج:

علامت ہی ہے جو علاج کے بعد صحت کا باعث بنتی ہے اسی کے ذریعے وہ بیماری کو دیکھے جس کا علاج کر رہا ہے جیسے بخل کی بیماری جو ہلاکت میں ڈالنے والی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور کرنے والی ہے اس کا علاج مال خرچ کرنے کے ذریعے ہے لیکن بسا اوقات مال اس قدر خرچ کیا جاتا ہے کہ وہ فضول خرچی میں شمار ہوتا ہے اور یہ

فضول خرچی بھی ایک بیماری ہے جیسے ایک طبیب سردی کا علاج گرمی سے اتنا کرے کہ حرارت بڑھ جائے تو یہ بھی ایک مرض ہے تو مقصد گرمی سردی کے درمیان اِعتدال (درمیانی حالت) ہونا چاہئے جیسا کہ ضرورت سے زیادہ اور کم خرچ کرنے میں اعتدال مقصود ہے تا کہ درمیانی درجہ جو دونوں کناروں سے دور ہے حاصل ہو جائے۔

درمیانی درجے کو معلوم کرنے کا طریقہ:

درمیانی درجے کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس فعل کو دیکھے جو بُری خصلت کا باعث ہے اگر وہ فعل اپنے مخالف فعل کے مقابلے میں زیادہ آسان اور لذیذ معلوم ہو رہا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ فعل نفس پر غالب ہے مثلاً کسی پر مال روکنا اور جمع کرنا مُسْتَحِق پر خرچ کرنے کے مقابلے میں زیادہ لذیذ و آسان ہو تو جان لینا چاہئے کہ اس پر بخل کی عادت غالب ہے، ایسی صورت میں مال خرچ کرنے میں ہمیشگی اختیار کرے اور اگر حق کے ساتھ مال روکنے کے مقابلے میں غیر مستحق پر خرچ کرنے میں زیادہ لذت محسوس ہو تو ایسے شخص پر فضول خرچی غالب ہے ایسی صورت میں روکنے کی راہ اختیار کرے۔ یوں ہمیشہ دل کی نگہبانی رکھے اور افعال کے آسانی اور مشکل سے صادِر ہونے پر اپنے اَخلاق کی جانچ کرے یہاں تک کہ دل سے مال کی توجہ ختم ہو جائے اور آدمی کا دل نہ خرچ کرنے کی طرف متوجہ ہو اور نہ روکنے کی طرف مائل بلکہ مال اس کے ہاتھ میں پانی کی طرح ہو، اگر روکنا ہو تو کسی ضرورت کی وجہ سے روکے اور اگر خرچ کرنا ہو تو کسی ضرورت کی وجہ سے خرچ کرے اور خرچ کرنے اور روکنے کو ایک دوسرے پر غالب نہ کرے تو جو دل اس کیفیت کو پہنچ جاتا ہے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اپنے قلب کی سلامتی کے ساتھ ملاقات کرے گا۔

یہ ضروری ہے کہ آدمی تمام بُرے اَخلاق سے محفوظ ہو اور دنیا کی کسی چیز سے تعلُّق نہ رکھے یہاں تک کہ جب وہ دنیا سے جائے تو جتنے بھی دنیاوی تعلقات ہوں ان کی طرف اس کی توجہ نہ ہو اور نہ ہی ان کے اَسباب کا شوق رکھتا ہو جب یہ حالت ہو گی تو وہ اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی طرف اس حال میں لوٹے گا کہ اس کا نفس مطمئن ہو گا، وہ اپنے رب کریم عَزَّوَجَلَّ سے راضی ہو گا اور اس کا رب عَزَّوَجَلَّ اس سے راضی ہو گا اور اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مُقرَّب بندوں اَنبیا، صِدِّیقین، شُہَدا اور صالحین کا ساتھ نصیب ہو گا اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

صراطِ مستقیم اور پل صراط:

دو طرفوں کے درمیان حقیقی اوسط نہایت باریک بلکہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ جو اس صراط مستقیم پر دنیا میں قائم رہے گا وہ آخرت میں اسی طرح لازماً پل صراط کو عبور کرے گا اور ایسا کم ہوتا ہے کہ آدمی کا دل صراط مستقیم یعنی دَرَجۂ اَوسَط سے جانبین میں سے کسی ایک جانب نہ جھکے اور قلب کا تعلُّق بھی اسی جانب ہوگا جس طرف وہ جھکا ہے جس کے باعث اسے کچھ نہ کچھ عذاب ہوگا اگرچہ وہ پل صراط سے بجلی کی سی تیزی سے گزر جائے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا ﴿۷۱﴾ (پ۱۶، مریم: ۷۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو تمہارے رب کے ذمہ پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے۔

یعنی وہ لوگ جو صراط مستقیم سے اس کی دوری کے مقابلے میں زیادہ قریب رہے اور اس پر استقامت کے مشکل ہونے کی وجہ سے ہر آدمی پر ضروری ہے کہ وہ دن میں 17 بار یہ دعا مانگے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ[1] کیونکہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔[2]

مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا:

کسی کو خواب میں سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی زِیارت ہوئی تو اس نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ ہی سے مروی ہے کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔[3] اس فرمانِ عالی کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد فرمایا: ”اس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ ارشاد ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ (پ۱۲، ھود: ۱۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: تو قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے۔“

سیدھے راستے پر استقامت نہایت مشکل امر ہے لیکن انسان کو کوشش کرنی چاہئے کہ اگر وہ اس کی

---

1 ...ترجمۂ کنزالایمان: ہم کو سیدھا راستہ چلا (الفاتحۃ: ۵)۔

2 ...احناف کے نزدیک: اَلْحَمْد اور اس کے ساتھ سورت ملانا فرض کی دو پہلی رکعتوں میں اور نفل و وتر کی ہر رکعت میں واجب ہے۔ (بہارِ شریعت، ۱/ ۵۱۷، حصہ ۳)

3 ...شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن، ذکر سورۃ ھود، ۲/ ۴۷۲، حدیث: ۲۴۳۹

حقیقت پر قدرت نہیں رکھتا تو کم از کم اِستقامت سے تو قریب رہے اور جو کوئی نجات چاہتا ہے تو یہ جان لے کہ اعمالِ صالحہ کے بغیر نجات ممکن نہیں اور اعمالِ صالحہ کا صادِر ہونا اَخلاقِ حسنہ کے بغیر ممکن نہیں تو ہر شخص کو اپنی صفات اور باطنی اخلاق کی طرف توجہ دینی چاہئے اور ایک ایک کر کے ترتیب وار ان کا علاج کرنا چاہئے۔فَنَسْئَلُ اللّٰہَ الْکَرِیْمَ اَنْ یَّجْعَلَنَا مِنَ الْمُتَّقِیْنَ یعنی ہم کرم فرمانے والے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں مُتَّقِی بنادے۔

دوسری فصل: اپنے عُیُوب کی پہچان

جان لیجئے کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اس کے نفس کے عُیُوب سے باخبر کر دیتا ہے۔ جس کی قلبی بصارت تیز ہو اس پر اپنے عُیُوب پوشیدہ نہیں رہتے اور جب عُیُوب کی پہچان ہو جاتی ہے تو علاج ممکن ہو جاتا ہے لیکن اکثر لوگ اپنے عیوب سے بے خبر ہیں انہیں کسی کی آنکھ کا تنکا تو دکھائی دیتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ تو جو اپنے نفس کے عیوب سے باخبر ہونا چاہتا تو اس کے چار طریقے ہیں۔

نفس کے عُیُوب معلوم کرنے کے چار طریقے:

❁...پہلا طریقہ: ایسے شیخ و مرشد کے پاس بیٹھے جو نفس کے عیبوں کی خبر رکھتا ہو اور پوشیدہ آفات کو جانتا ہو۔ خود کو اس کے حوالے کر دے اور اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق مجاہدہ و ریاضت کرے، مرید کی اپنے شیخ کے ساتھ اور شاگرد کی اپنے استاد کے ساتھ یہی حالت ہونی چاہئے۔ مرشد و شیخ اسے عیوب کی پہچان کرائے اور اس کے علاج کا طریقہ بتائے لیکن اس زمانے میں ایسے شیخ و مرشد کا وجود نایاب ہے۔

❁...دوسرا طریقہ: کسی سچے صاحبِ بصیرت اور دین دار دوست کو تلاش کرے اور اسے اپنے نفس پر نگہبان بنائے تاکہ وہ اس کے اَحوال اور اَفعال پر نظر رکھے اور ظاہر و باطن میں جو برائی بھی دیکھے اِس پر اُسے تنبیہ کرے، عقل مند لوگ اور اکابر اَئِمّۂ دین اسی طرح کیا کرتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرمایا کرتے تھے: اللہ عَزَّوَجَلَّ اس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیوب پر مطلع کرے۔

مجھ میں کون سی بات آپ کو ناپسندیدہ معلوم ہوتی ہے؟

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا: اے سلمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ! مجھ میں کون سی بات آپ کو ناپسندیدہ معلوم ہوتی ہے؟ حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بتانے سے معذرت کی تو امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بااصرار پوچھا جس پر انہوں نے عرض کی: "مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ ایک دستر خوان پر دو کھانے جمع کرتے ہیں اور آپ کے پاس کپڑے کے دو جوڑے ہیں ایک دن میں پہنتے ہیں اور دوسرا رات میں زیب تن کرتے ہیں۔" امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "اس کے علاوہ کوئی اور بات؟" عرض کی: "نہیں۔" اس پر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "ان دو باتوں کے متعلق آپ تسلی رکھئے۔

سیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی عاجزی:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ حضرت سیِّدُنا حُذَیفہ بن یمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے پوچھا کرتے تھے کہ آپ منافقین کے متعلق سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے رازداں ہیں کیا مجھ میں نِفاق کی کوئی علامت پاتے ہیں؟ امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ جَلِیْلُ الْقَدْر شان اور بُلند مرتبہ کے مالک ہونے کے باوجود اپنے نفس کے متعلق اس طرح عاجزی کا اظہار کیا کرتے۔

پس جو بھی عقل میں تیز اور بلند مرتبے کا حامل ہو گا وہ خود پسندی کم اور اپنے نفس کے متعلق عاجزی زیادہ کرے گا لیکن اس دور میں ایسے دوستوں کا ملنا دشوار ہے جو چاپلوسی چھوڑ کر عیب کے متعلق خبر دیں اور حسد ترک کر کے جتنی بات ضروری ہے اُتنی ہی بتائیں مگر آج کل دوستوں میں حسد اور مطلب پرستی عام ہے کہ یا تو جو عیب نہیں ہے اسے عیب قرار دیں گے یا پھر چاپلوسی کرتے ہوئے بعض عُیُوب سے چشم پوشی کریں گے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت سیِّدُنا داود طائی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، ان سے کہا گیا کہ آپ نے لوگوں سے کنارہ کشی کیوں اختیار کی؟ تو فرمایا: "میں ایسے لوگوں سے کنارہ کشی کیوں اختیار نہ کروں جو میرے عُیُوب کو چھپاتے ہیں۔"

دین دار لوگوں کی یہ خواہش ہوا کرتی تھی کہ وہ دوسروں کے بتانے سے اپنے عیوب پر مطلع ہوں لیکن اب ایسا دور آگیا کہ ہمیں نصیحت کرنے اور ہمارے عیبوں پر مطلع کرنے والا ہمیں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہوتا ہے اور یہ بات ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔

ڈسنے والے سانپ اور بچھو:

بُرے اَخلاق ڈسنے والے سانپ اور بچھو ہیں، اگر کوئی ہمیں یہ بتائے کہ تمہارے کپڑوں کے نیچے بچھو ہے تو ہم خوش ہو کر اس کے احسان مند ہو جاتے ہیں اور بچھو کو اپنے سے دور کر کے مار دیتے ہیں حالانکہ بچھو کا زہر صرف بدن تک محدود ہے اور اس کی تکلیف ایک یا دو دن رہتی ہے جبکہ بُرے اخلاق کے زہر کا اثر باطِن پر ہوتا ہے اور اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہمیشہ یا مدتوں اس کا اثر باقی رہے۔

اب حالت یہ ہے کہ کوئی ہمیں ہمارے عُیُوب پر مُطَّلَع کرے تو ہمیں یہ سن کر خوشی نہیں ہوتی اور نہ ہی ہم اس کے کہنے پر ان عیوب کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ہم نصیحت کرنے والے کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ تم میں بھی تو فلاں فلاں عیب ہیں، اس طرح ہم اس کی بات سے نصیحت حاصل کرنے کے بجائے اس کی دشمنی مول لیتے ہیں۔ اس عیب جوئی کی وجہ دل کی سختی ہے جس کا نتیجہ گناہوں کی کثرت کی صورت میں سامنے آتا ہے اور ان سب کی اصل ایمان کی کمزوری ہے۔ ہم بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہیں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں رُشد و ہدایت عطا فرمائے، ہمیں ہمارے عیوب سے باخبر اور ان کے علاج میں مشغول رکھے اور ہمیں ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو ہمیں ہماری برائیوں پر مطلع کریں۔

۞... **تیسرا طریقہ:** اپنے دشمنوں کی زبان سے اپنے عُیُوب پر مُطَّلَع ہو کہ وہ عیوب کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے انسان اکثر تعریف کرنے والے چاپلوس دوست جو اس کی خوشامد میں لگا رہتا ہے اور اس کے عیوب کو چھپا کر رکھتا ہے اِس کے مقابلے میں عیب نکالنے والے دشمن سے زیادہ نفع اٹھاتا ہے مگر انسان فطری طور پر دشمن کو جھوٹا قرار دیتا اور اس کی بات کو حسد پر محمول کرتا ہے لیکن صاحبِ بصیرت شخص دشمنوں کی باتوں سے ضرور فائدہ اٹھاتا ہے کیونکہ برائیاں لازماً ان کی زبان پر آجاتی ہیں (جنہیں معلوم کر کے وہ خود سے ان برائیوں کو دور کر لیتا ہے)۔

⊛...**چوتھا طریقہ:** لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے ان میں جو ناپسندیدہ بات دیکھے اسے اپنے نفس میں گمان کرے کیونکہ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے آئینہ ہوتا ہے جس میں وہ دوسروں کے عیوب کے ذریعے اپنے عیب دیکھتا ہے اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ طبیعتیں خواہش کی پیروی میں قریب قریب ہوتی ہیں جو بات ایک میں ہوگی وہ دوسرے میں بھی ہوگی اب یا تو وہ بڑھ کر ہوگی یا پھر کم، لہٰذا اپنے نفس کا خیال رکھتے ہوئے جسے دوسروں میں قابلِ مذمت دیکھے اس سے نفس کو پاک کرے۔ تادیب کا یہ طریقہ کافی ہے، اگر تمام لوگ اسی طرح دوسروں کو دیکھ کر اُن میں جو ناپسندیدہ باتیں ہوں اُن کو اپنے سے دور کریں تو انہیں کسی ادب سکھانے والے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

حضرت سیِّدُنا عیسٰی روحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے پوچھا گیا: آپ کو ادب کس نے سکھایا؟ ارشاد فرمایا: "مجھے کسی نے ادب نہیں سکھایا، مجھے جاہل کی جہالت بُری معلوم ہوئی تو میں نے خود کو اس سے بچایا۔"

آخر کے یہ تین طریقے اس کے لئے ہیں جو ایسے مرشد و شیخ کو نہ پائے جو عارف، ذہین، لوگوں کے عُیُوب سے باخبر، شفیق، دینی نصیحت کرنے والا، اپنے نفس کی تربیت سے فارغ اور لوگوں کا خیر خواہ ہو کر ان کی تربیت میں مشغول ہونے والا ہو اور جو ایسے کو پائے تو اس نے طبیب کو پالیا اب وہ اس کے ساتھ وابستہ رہے کہ وہ اسے مرض سے خَلاصی عطا کرے گا اور جس ہلاکت میں وہ پڑا ہے اس سے نجات دلائے گا۔

تیسری فصل:

دل کے اَمراض کا علاج

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اگر اس میں غور و فکر کرو تو تمہاری قلبی بصارت کھل جائے گی اور دل کی خرابیاں اور بیماریاں نیز ان کا علاج علم و یقین کے نور کے ساتھ واضح ہو جائے گا اگر تم اس سے عاجز ہو (یعنی غور و فکر نہیں کر سکتے) تو ضروری ہے کہ جو پیروی کا اہل ہے ایمان و تصدیق میں اس کی پیروی کرو۔

ایمان کا الگ درجہ ہے جبکہ علم کا الگ مرتبہ ہے علم اگرچہ ایمان کے بعد حاصل ہوتا ہے لیکن علم ایمان پر ایک زائد چیز ہے جیسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ارشاد ہے:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ (پ۲۸، المجادلۃ: ۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔

جو اس بات کی تصدیق کرے کہ خواہشات کی مخالفت ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے لیکن اس کے سبب کسی اور راز پر مطلع نہ ہو تو وہ صرف اہل ایمان سے ہے اور اگر کوئی اس کے سبب کسی اور راز پر مطلع ہو جائے تو اس کا شمار اہل علم سے ہوتا ہے اور ان دونوں سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ اس کے متعلق قرآن وحدیث کی نُصُوص اور عُلَمائے کِرام کے بے شمار اَقوال ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ (پ۳۰، النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنّت ہی ٹھکانا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (پ۲۶، الحجرات: ۳)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔

مومن پانچ سختیوں کے درمیان:

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلْمُؤْمِنُ بَیْنَ خَمْسِ شَدَآئِدَ مُؤْمِنٍ یَحْسُدُہٗ وَمُنَافِقٍ یُبْغِضُہٗ وَکَافِرٍ یُقَاتِلُہٗ وَشَیْطَانٍ یُضِلُّہٗ وَنَفْسٍ تُنَازِعُہٗ یعنی مومن پانچ سختیوں کے درمیان ہوتا ہے مومن اس سے حسد کرتا ہے، منافق اس سے بغض رکھتا ہے، کافر اس سے جنگ کرتا ہے، شیطان اسے گمراہ کرتا ہے اور نفس اس سے جھگڑتا ہے۔ [1]

فائدہ:

اس حدیثِ پاک میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نفس انسان کا جھگڑالو دشمن ہے، لہٰذا اس سے مجاہدہ وریاضت ضروری ہے۔

وحیِ داوٗد اور فرمانِ عیسٰی:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنے اَصحاب کو خواہشات کے اپنانے سے ڈرایئے اور بچایئے کیونکہ جو خواہشات کے پیچھے پڑتے ہیں ان کی دانائی مجھ سے

[1] ... کنز العمال، کتاب الایمان والاسلام، الباب الاول فی تعریفھما حقیقۃ...الخ، ۱/ ۹۳، حدیث: ۸۰۵

پردے میں رہتی ہے۔

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو وعدہ غیب (یعنی جنّت) کے لئے جسے دیکھا نہیں موجودہ خواہش کو چھوڑ دے۔

نفس سے جہاد:

صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا ایک لشکر جہاد سے واپس آیا تو سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان سے ارشاد فرمایا: مَرْحَبًا بِکُمْ قَدِمْتُمْ مِنَ الْجِہَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِہَادِ الْاَکْبَر یعنی خوش آمدید! تم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف آئے ہو۔ عرض کی گئی: یارسولَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! وَمَا الْجِہَادُ الْاَکْبَر یعنی جہادِ اکبر کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: جِہَادُ النَّفْس یعنی نفس سے جہاد کرنا۔[1]

اسی طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلْمُجَاہِدُ مَنْ جَاہَدَ نَفْسَہٗ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ یعنی مجاہد وہ ہے جو اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت میں نفس سے جہاد کرتا ہے۔[2]

نفس قیامت کے دن جھگڑے گا:

حُضُور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمّت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اپنے نفس کی اَذِیَّت کو اپنے آپ سے دور رکھو اور خالقِ حقیقی کی نافرمانی میں نفس کی خواہش کی اتباع نہ کرو کہ یہ نفس تو تم سے قیامت کے دن جھگڑے گا اور تمہارے جسم کا ایک حصہ دوسرے پر لعنت کرے گا مگر یہ کہ جسے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ بخش دے اور پردہ پوشی فرمائے۔

سخت ترین علاج:

حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: نفس کے علاج سے سخت ترین علاج میں نے کسی چیز کا نہیں دیکھا کبھی وہ میرے لئے مفید ہوتا ہے اور کبھی نقصان کا باعث۔

1 ...الزھد الکبیر للبیھقی، ص ۱۶۵، حدیث: ۳۷۳ بتغیر قلیل

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند فضالۃ بن عبید الانصاری، ۹/ ۲۳۹، حدیث: ۲۴۰۱۳

اے نفس! کیا اب بھی تجھے شرم نہیں آتی!

حضرت سیِّدُنا ابو العباس مَوْصِلی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا: "اے نفس! نہ تُو بادشاہوں کے بیٹوں کی طرح دنیا میں نعمتوں سے لُطف اندوز ہوتا ہے اور نہ آخرت کی طلب میں عبادت گزاروں کی طرح کوشش کرتا ہے گویا تُو نے تُو مجھے جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا کر دیا ہے۔ اے نفس! کیا اب بھی تجھے شرم نہیں آتی!"

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: نفس کو سرکش جانور سے بھی بڑھ کر مضبوط لگام کی حاجت ہوتی ہے۔

رِیاضت کی چار صورتیں:

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: مجاہدہ و ریاضت کی تلواروں سے نفس کے ساتھ جہاد کرو اور ریاضت کی چار صورتیں ہیں: (۱)... تھوڑا کھانا۔ (۲)... کم سونا۔ (۳)... بقدرِ ضرورت کلام کرنا اور (۴)... لوگوں کی طرف سے تکلیف برداشت کرنا۔

فوائد:

تھوڑا کھانے سے شہوت ختم ہوگی، تھوڑا سونے سے ارادے میں پاکیزگی آئے گی، بقدرِ ضرورت کلام کرنے سے آفات سے سلامتی رہے گی اور لوگوں کی طرف سے تکلیف برداشت کرنے پر بلند مرتبے تک رسائی ہوگی۔ انسان کے لئے ظلم کے وقت بُردباری اور تکلیف کے وقت صبر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

نفس کیسے ستھرا ہو؟

جب نفس میں شہوات اور گناہوں کے ارادے کی حرکت ہو، فضول کلام کی مٹھاس جوش مارے تو تھوڑا کھانے کی تلوار کو تہجد پڑھنے اور کم سونے کی نیام سے باہر لائے اور نفس پر خاموشی اور کم گفتگو کی ضرب لگائے حتّٰی کہ وہ ظلم اور انتقام سے باز آجائے یوں وہ تمام لوگوں میں سے نفس کے وبال سے امن میں آجائے گا نیز نفس کو خواہشات کی سیاہی سے پاک وصاف کرے اس طرح وہ اس کی ہلاکت خیز آفات سے نجات پا جائے گا۔

جب نفس اس حالت کو پہنچ جائے گا تو اس وقت وہ پاک وصاف، نورانی، ہلکا پھلکا اور روحانی ہو جائے گا پھر وہ نیکیوں کے میدان میں دوڑے گا اور عبادت کے راستوں میں اس طرح چلے گا جس طرح تیز رفتار گھوڑا میدان میں بھاگتا ہے اور وہ ایسا ہو جائے گا جیسے بادشاہ باغ میں سیر کرتا ہے۔

انسان کے تین دشمن:

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: انسان کے تین دشمن ہیں: (۱)...دنیا (۲)...شیطان اور (۳) نفس، لہٰذا دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے، شیطان کی مخالفت کر کے اور نفس کی خواہشات کو ترک کر کے اس سے محفوظ رہے۔

ایک دانا کا قول:

ایک دانا (عقل مند) کا قول ہے کہ جس پر اس کا نفس غالب ہو جاتا ہے تو وہ نفسانی شہوات کے کنویں میں قید اور نفسانی خواہشات کے قید خانے میں محصور ہو جاتا ہے، اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ مغلوب ہو چکا ہوتا ہے، اسے بیڑیاں پہنادی جاتی ہیں، اس کی لگام نفس کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے اسے لئے پھرتا ہے اور جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو اس کا دل فوائد حاصل کرنے سے رُک جاتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا جعفر بن حمید عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْمَجِیْد فرماتے ہیں: عُلَما اور حُکَما کا اس بات پر اِتّفاق ہے کہ اُخروی نعمتوں کا حُصُول دُنیاوی نعمتوں کو چھوڑے بغیر نہیں ہوتا۔

حضرت سیِّدُنا ابو یحییٰ وَرّاق عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق فرماتے ہیں: جس نے اپنے اعضاء کو خواہشات کے ذریعے راضی کیا اس نے اپنے دل میں نداموں کے درخت لگائے۔

حضرت سیِّدُنا وُہَیب بن وَرد رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے منقول ہے کہ ایک روٹی سے جو کچھ زائد ہے وہ خواہش ہے اور جو خواہشات سے محبت رکھتا ہے وہ ذِلّت ورُسوائی کی تیاری کر لے۔

حکایت: صبر اور تقوی نے غلاموں کو بادشاہ بنا دیا

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام مصر کے بادشاہ بننے کے بعد ایک مرتبہ 12 ہزار کے لشکر کے ساتھ پیدل جا رہے تھے کہ حضرت سیِّدَتُنا زُلیخا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا ایک ٹیلے پر بیٹھی کہنے

لگیں: پاک ہے وہ ذات جس نے بادشاہوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے غلام بنادیا اور فساد کرنے والوں کی یہی سزا ہے اور صبر و تقویٰ نے غلاموں کو بادشاہ بنادیا۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۰﴾ (پ ۱۳، یوسف: ۹۰)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک جو پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ نیکوں کا نیگ (اجر) ضائع نہیں کرتا۔

حکایت: نفس کی بیماری کا علاج کیسے ممکن ہو؟

سیِّدُ الطائفہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں رات میں بیدار ہو کر اپنے وظیفہ میں مشغول ہو گیا لیکن میں نے اپنے وظیفے میں وہ حلاوت (مٹھاس) نہ پائی جو پایا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے سونے کا ارادہ کیا مگر سو نہ سکا اور بیٹھنا چاہا لیکن بیٹھ بھی نہ سکا تو باہر نکل گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کمبل میں لپٹا ہوا راستے میں بیٹھا ہے جب اس نے میری آہٹ سنی تو کہا: اے ابو القاسم! ذرا میرے پاس تشریف لائیے۔ میں نے کہا: سیّدی! آپ سے ملاقات کا وقت تو طے نہیں تھا (پھر یہ ملاقات کیسی)؟ کہا: ملاقات تو پہلے ہی سے طے تھی کہ جب میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کیا کہ وہ آپ کے دل کو میرے لئے حرکت دے۔ میں نے کہا: یہ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کر دیا اب آپ کو کیا حاجت ہے؟ کہا: نفس کی بیماری کا علاج کیسے ممکن ہے؟ میں نے کہا: جب تم نفس کی خواہش میں اس کی مخالفت کرو۔ یہ سن کر وہ اپنے نفس سے کہنے لگا: میں نے تجھے سات مرتبہ یہی جواب دیا لیکن تو نے انکار کر دیا اور کہا: میں تو جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْہَادِی سے ہی اس کا جواب سنوں گا۔ یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا اور میں اسے پہچان نہ سکا۔

حضرت سیِّدُنا یزید رَقاشی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْکَافِی فرمایا کرتے: مجھے دنیا میں ٹھنڈا پانی نہ دو کہ کہیں میں اس کے سبب آخرت میں اس سے محروم نہ ہو جاؤں۔

کب گفتگو کروں؟

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز سے پوچھا: میں گفتگو کب کروں؟ فرمایا:

جب تو خاموش رہنا چاہے۔ اس نے پھر پوچھا: خاموش کب رہوں؟ فرمایا: جب گفتگو کرنے کا دل چاہے۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: جو جنت کا شوق رکھتا ہے وہ دُنیوی خواہشات سے دور رہے۔

حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار کو بازار سے گزرتے ہوئے اگر کوئی چیز پسند آتی تو اپنے نفس سے کہتے: صبر کر بخدا! میں تجھے اپنے نزدیک بڑا سمجھ کر ہی منع کرتا ہوں۔

اُخروی سعادت کا حُصُول:

علما اور حکما کا اس بات پر اِتِّفاق ہے کہ اُخروی سعادت کا حصول نَفْس کو خواہشات سے روک کر اور شہوات کی مخالفت کرتے ہوئے ہوتا ہے، لہٰذا اس امر پر یقین کرنا ضروری ہے۔ کون سی خواہشات کو چھوڑا جائے اور کون سی کو نہ چھوڑا جائے اسے آپ ہماری گزشتہ گفتگو سے جان سکتے ہیں۔

رِیاضت کا حاصل:

رِیاضت کا حاصل یہ ہے کہ نفس اس چیز سے نفع حاصل نہ کرے جو قبر میں اس کے ساتھ نہیں جاتی، البتہ بقدرِ ضرورت نفع حاصل کر سکتا ہے جیسے کھانے پینے، نکاح کرنے، لباس، مکان اور اس کے علاوہ جو چیزیں اس کے لئے ضروری ہوں بقدرِ حاجت و ضرورت ان سے فائدہ حاصل کرنے میں مُضایقہ نہیں۔ اگر نفس اس چیز سے نفع حاصل کرے جو قبر میں نہیں جاتی تو اس سے اُلفت رکھتے ہوئے مانوس ہو جائے گا جب اس کا انتقال ہو جائے گا تو اس کے سبب وہ دنیا میں لوٹنے کی تمنا کرے گا اور دنیا کی طرف لوٹنے کی تمنا وہی کرے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ دنیا کی محبت سے چھٹکارا اسی صورت میں ممکن ہے جب دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت، اس کی محبت، اس کے بارے میں تفکر اور دنیا سے تعلق توڑ کر اسی کا ہو کر اسی میں مشغول ہو اور اس پر قدرت اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی طرف سے مل سکتی ہے۔ لہٰذا دنیا سے اسی قدر پر اِکتفا کرے جو اس کے لئے ذکر و فکر سے مانع نہ ہو، اگر وہ حقیقتاً اس پر قادر نہ ہو تو کم از کم اس سے قریب تو رہے۔

قلب کی مشغولیت کے اعتبار سے لوگوں کے مراتب:

قلب کی مشغولیت کے اعتبار سے لوگوں کے چار مراتب ہیں:

❀...پہلا مرتبہ: جس کا قلب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں مشغول ہو اور معاشی ضروریات کے علاوہ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو ایسا شخص صدیقین میں سے ہے اور یہ مرتبہ طویل ریاضت اور مدتوں خواہشات سے صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

❀...دوسرا مرتبہ: جس کا قلب دنیا میں مشغول ہو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر کے لئے اس میں کوئی گنجائش نہ ہو سوائے زبانی ذکر کے یعنی وہ صرف زبان سے ذکر کرے دل میں اس کی یاد نہ ہو۔ ایسا شخص ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔

❀...تیسرا مرتبہ: جس کا قلب دین ودنیا دونوں میں مشغول ہو لیکن قلب پر دین کا غلبہ ہو ایسا شخص جہنّم میں تو جائے گا لیکن جس قدر اس کے دل پر ذِکْرُ اللہ کا غلبہ ہو گا اسی قدر وہ جلد ہی عذاب سے نجات پا جائے گا۔

❀...چوتھا مرتبہ: جس کا قلب دین ودنیا دونوں میں مشغول ہو لیکن قلب پر دنیا غالب ہو ایسا شخص طویل مدت تک جہنّم میں رہے گا لیکن بالآخر جہنم سے نجات پائے گا کیوں کہ اس کے قلب میں ذِکْرُ اللہ کی قوت ہے اور وہ دل سے ذِکْرُ اللہ بجالاتا تھا اگرچہ اس پر دنیا غالب تھی۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ خِزْیِکَ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْمُعَاذ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! ہم ذِلّت ورُسوائی سے تیری پناہ مانگتے ہیں بے شک تجھ سے ہی پناہ مانگی جاتی ہے۔

ایک وسوسہ اور اس کا علاج:

بسا اوقات یہ وسوسہ آتا ہے کہ مباح چیز سے لذت اٹھانا تو مُباح ہے پھر یہ کس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دوری کا سبب بنے گا؟ علاج: یہ ایک خیالِ فاسد ہے کیونکہ دنیا کی محبت تو ہر گناہ کی جڑ اور نیکیوں کی بربادی کا سبَب ہے اور وہ مباح جو حاجت سے زائد ہے وہ بھی دنیا میں شامل جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دوری کا سبَب ہے۔ یہ بات دنیا کی مذمّت کے بیان میں آئے گی۔

حکایت: انار کی خواہش

حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوَّاص عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں جَبَلِ لُکام (نامی پہاڑ) پر تھا میں نے انار دیکھا تو دل میں اس کی خواہش پیدا ہوئی، میں نے ایک انار لے کر توڑا تو وہ کھٹا نکلا میں اسے چھوڑ کر چلا گیا پھر میں نے ایک شخص کو زمین پر لیٹے دیکھا اس پر بِھڑیں (ایک قسم کا زرد، پردار کیڑا جس کے ڈنک میں زہر ہوتا ہے) جمع تھیں۔ میں نے اسے سلام کیا تو اس نے جواباً کہا: وَعَلَیْکَ السَّلَام یَا اِبْرَاھِیْم یعنی اے ابراہیم! تم پر بھی سلام ہو۔ میں نے کہا: آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ اس نے کہا: جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کو پہچان لیتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ میں نے کہا: جب اللہ عَزَّوَجَلَّ سے آپ کا ایسا تعلق ہے تو آپ اس کی بارگاہ میں دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ آپ سے ان بِھڑوں کو دور کر دے۔ اس نے کہا: آپ کا بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے تعلق ہے پھر آپ نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے یہ دعا کیوں نہ کی کہ وہ آپ سے انار کی خواہش دور کر دے۔ بھڑوں سے پہنچنے والی تکلیف تو دُنیاوی ہے لیکن انار کی خواہش سے پہنچنے والا رنج اُخروی ہے۔ حضرت سیِّدُنا ابراہیم خوَّاص عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق فرماتے ہیں: میں اسے چھوڑ کر آگے چلا گیا۔

40سال سے نفس کی بات نہیں مانی:

حضرت سیِّدُنا سَری سَقَطِی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: 40سال سے میرا نفس مطالبہ کر رہا ہے کہ میں روٹی کو کھجور کے شیرے میں تر کر کے کھاؤں لیکن میں نے اس کی بات نہیں مانی۔

فائدہ:

معلوم ہوا کہ راہِ آخرت کے مسافر کے لئے دل کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں ہوتی جب تک آدمی اپنے نفس کو مباح چیزوں کی لذت سے نہ روکے کیونکہ جب نفس کو بعض مباح چیزوں سے روکا نہ جائے تو وہ ممنوعات میں پڑ جاتا ہے جیسے جو شخص اپنی زبان کو غیبت اور فضول کلام سے روکنا چاہتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ ذِکْرُ اللہ اور دین کی باتوں کے علاوہ خاموشی اختیار کئے رکھے یہاں تک کہ اس سے (فضول) گفتگو کی خواہش ختم ہو جائے اور وہ صرف حق بات ہی کرے اب اس کی خاموشی بھی عبادت ہو گی اور گفتگو بھی۔

جب آنکھ کو اِس چیز کا عادی بنایا جائے کہ وہ ہر اچھی چیز کو دیکھے تو وہ حرام چیزوں کو دیکھنے سے بھی محفوظ نہیں رہتی اس کے علاوہ باقی دیگر چیزوں کا بھی یہی معاملہ ہے کیونکہ حلال وحرام دونوں کی خواہشات کی بنیاد ایک ہی ہے۔

دل کی موت:

انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حرام خواہشات سے خود کو روکے اور مُباح خواہشات میں بقدرِ ضرورت سے آگے نہ بڑھے وگرنہ وہ اس پر غالب آجائیں گی تو یہ مباح چیزوں کی آفات میں سے ایک آفت ہے اس کے علاوہ اور بہت سی آفات ہیں جو اس سے بھی بڑھ کر ہیں وہ یہ کہ نفس دنیاوی لذتوں سے خوش ہوتا، اس کی طرف مائل ہوتا، اس سے مطمئن ہوتا اور اتراتا ہے حتّٰی کہ وہ اس نشے والے شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو اپنے نشہ سے افاقہ میں نہیں آتا اور یہ دنیاوی خوشی زہر قاتل ہے جو رگوں میں سرایت کر جاتی اور دل سے خوف وغم کو نکال دیتی ہے جس کے باعث نہ موت کی یاد رہتی ہے اور نہ قیامت کی ہولناکی کا منظر سامنے رہتا ہے اور یہی چیز دل کی موت ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ارشاد ہے:

وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا (پ۱۱، یونس: ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ (پ۱۳، الرعد: ۲۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابل نہیں مگر کچھ دن برت لینا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (پ۲۷، الحدید: ۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

ہم بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی مذموم باتوں سے محفوظ رکھے۔

دِلوں کا اِمتحان:

اَہْلِ قُلُوب میں سے جو لوگ صاحبِ عقل ہیں انہوں نے اپنے دلوں کا امتحان لیا۔ دنیا پر خوشی کی صورت میں دلوں کو سخت، سرکش اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ اور آخرت کے ذکر سے کم متاثر ہونے والا پایا اور دنیا پر غم کی صورت میں نرم، صاف اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر کو قبول کرنے والا پایا تو انہوں نے جان لیا کہ نجات فرحت و سُرور سے دوری اور دائمی غم میں ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے دل کو دنیاوی لذتوں اور خواہشات خواہ حلال ہوں یا حرام ان کا عادی بنانے سے دور رکھا اور جب انہوں نے اس بات کو جان لیا کہ حلال میں حساب، حرام میں عقاب اور متشابہات میں عتاب ہے جو کہ ایک قسم کا عذاب ہے اور جس سے قیامت کے دن حساب میں پوچھ گچھ کی گئی تو گویا اسے عذاب میں مبتلا کیا گیا تو انہوں نے اپنی جانوں کو اس عذاب سے بچایا اور شہوات کی قید اور غلامی سے خَلاصی اختیار کرتے ہوئے دونوں جہاں کی آزادی اور بادشاہی حاصل کر لی اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر اور اس کی اطاعت کی مشغولیت سے اُنس حاصل کیا۔

نفس کی تربیت کیسے کی جائے؟

اَہْلِ قُلُوب نے اپنے نفسوں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو باز کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جب اسے ادب سکھانے اور اس سے وحشت دور کرنے کا ارادہ ہوتا ہے تو اوّلاً اسے ایک اندھیرے کمرے میں قید کر دیا جاتا اور اس کی آنکھیں بند کر دی جاتی ہیں تاکہ وہ فضا میں اڑنا چھوڑ دے اور اڑنے کے متعلق اپنی فطرت کو بھول جائے پھر اسے گوشت کھلا کر اس میں نرمی پیدا کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے مالک سے یوں مانوس ہو جائے کہ اس کے بلانے پر حاضر ہو جائے اور جہاں اس کی آواز سنے اس کی طرف لوٹ آئے۔ نفس کی مثال بھی اسی طرح ہے کہ وہ اپنے رب کے ذکر سے مانوس نہیں ہوتا جب تک پہلے اس کی بُری عادت کو خلوت اور گوشہ نشینی سے دور نہ کیا جائے کہ وہ اس کے ذریعے مانوس چیزوں سے اپنے کان اور آنکھ کی حفاظت کرے پھر دوسرے مرحلے میں اسے خلوت و گوشہ نشینی میں ثنا، ذکر اور دعا کا عادی بنایا جائے تاکہ اس پر دنیا اور دیگر تمام شہوات کی اُنسیّت کے مقابلے میں اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر کی اُنسیّت غالب ہو۔ شروع میں یہ کام مرید پر مشکل ہوتا ہے پھر آخر میں وہ اس سے لذت محسوس کرتا ہے جس

طرح بچے کو دودھ چھڑانا ایک مشکل امر ہوتا ہے کہ وہ ایک گھڑی بھر بھی اس سے صبر نہیں کرتا اور دودھ چھڑانے پر بہت زیادہ روتا چلاتا ہے۔ جو کھانا دودھ کے مقابلے میں اس کے سامنے رکھا جاتا ہے اس سے شدید نفرت کا اظہار کرتا ہے لیکن جب آہستہ آہستہ اس سے دودھ کو بالکل روک دیا جاتا ہے تو اب اس پر بھوک کا غلبہ ہوتا ہے اور صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بھوک کے سبب کھانا کھانا شروع کر دیتا ہے پھر وہ اس کی طبیعت کا حصہ بن جاتا ہے، اب ماں اسے اپنے دودھ کی طرف بلائے تو نہیں آتا اور اسے چھوڑ دیتا ہے اور ماں کے دودھ کے مقابلے میں کھانے سے مانوس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جانور شروع میں زین، لگام اور سواری سے بھاگتا ہے تو اس سے زبردستی یہ کام لیا جاتا ہے اور جس آزادی سے وہ مانوس ہو چکا ہوتا ہے اس سے اس کو چھڑانے کے لئے بیڑیاں وغیرہ ڈالی جاتی ہیں جس کے باعث وہ اس سے مانوس ہو جاتا ہے اب جہاں بھی اسے کھڑا کر دیا جائے تو وہ بغیر کسی قید کے وہیں کھڑا رہتا ہے جس طرح پرندوں اور جانوروں کو ادب سکھایا جاتا ہے اسی طرح نفس کی تادیب کا طریقہ ہے کہ دنیا کی لذتوں کی طرف دیکھنے، اِن سے اُنسیّت حاصل کرنے اور اِن پر خوش ہونے بلکہ جو بھی چیز موت کے سبب اس سے جدا ہونے والی ہے ان سب سے اپنے نفس کو روکے اسی وجہ سے کہا گیا: اَحْبِبْ مَا اَحْبَبْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ یعنی جس سے بھی چاہو محبت کرو آخر وہ تم سے جدا ہونے والا ہے۔

معلوم ہوا کہ انسان جس سے بھی محبت کرے بالآخر اسے اس سے جدا تو ہونا ہے اور اس کے فِراق کا غم سہنا ہے تو اسے چاہئے کہ اس سے محبت کرے جو اس سے کبھی جدا نہ ہو اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر ہے جو قبر میں بھی اس کے ساتھ جائے گا اور اس سے کبھی جدا نہیں ہو گا اور یہ سب کچھ چند دن کے صبر کرنے سے مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ اُخروی زندگی کے مقابلے میں دُنیاوی زندگی انتہائی مختصر ہے۔

کوئی بھی صاحبِ عقل جب (تجارت کے لئے) سفر کا ارادہ کرتا ہے یا کوئی ہنر سیکھنا چاہتا ہے تو اسے اس کے حُصُول کے لئے مہینوں اِنتظار کرنا پڑتا ہے پھر جب وہ اسے حاصل کر لیتا ہے تو سالوں یا زمانے تک اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ابدی زندگی کے مقابلے میں دُنیاوی زندگی کی مقدار تو ایک ماہ سے بھی کم ہے، لہٰذا صبر اور مجاہدے سے کام لے۔ پس جو لوگ صبح کے وقت اپنے رات کے طے کئے ہوئے سفر سے خوش ہوتے ہیں تو وہ رات سونے والوں کی ندامت سے بچ جاتے ہیں۔

خوشی کی مختلف حالتیں:

ہر انسان کے لئے اس کی حالتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے مجاہدہ اور ریاضت کا طریقہ مختلف ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اس کے لئے اسبابِ دنیا میں سے فرحت وخوشی کا باعث ہے اسے چھوڑ دے جیسے کوئی مال پر خوش ہوتا ہے، کوئی جاہ ومرتبے کی وجہ سے خوشی محسوس کرتا ہے، کوئی لوگوں کے درمیان اپنے وعظ کی مقبولیت کے سبب خوش ہوتا ہے، کوئی قضاو حکمرانی کے سبب لوگوں کے درمیان معزز ہونے کی وجہ سے خوش ہوتا ہے اور کوئی درس وتدریس میں طلبا کی کثرت کے باعث خوشی محسوس کرتا ہے تو ضروری ہے کہ جو اس کے لئے خوشی کا باعث ہے پہلے اسے ترک کرے۔ اگر دیکھیں کہ ان چیزوں میں سے جس سے اسے منع کیا گیا اور اس سے یہ کہا گیا کہ اس کے سبب تمہارا آخرت کا ثواب کم نہیں ہوگا تو وہ اس کی وجہ سے ناراض ہوتا ہو اور دکھ محسوس کرتا ہو تو سمجھ لو وہ شخص ان میں سے ہے جو دُنیاوی زندگی پر خوش ہوتے ہیں اور اس پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں اور یہ چیز اس کے حق میں باعث ہلاکت ہے۔ پھر جب وہ خوشی کے اسباب کو ترک کر دے تو لوگوں سے الگ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لے اور اپنے دل کی حفاظت کرے یہاں تک کہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر و فکر کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول نہ ہونے دے اور اپنے نفس میں جو خواہش اور وسوسے پیدا ہوں ان میں غور کرتا رہے اور جیسے ہی ان میں سے کوئی ظاہر ہو فوراً اس کو اکھاڑ پھینکے کیونکہ ہر وسوسے کا ایک سبب ہوتا ہے اور وسوسے کا ازالہ سبب کو ختم کئے بغیر نہیں ہو سکتا اور اسی طرح تمام عمر یہ عمل کرتا رہے کہ نفس سے جہاد کرنے والے کی اِنتہا تو موت ہی ہے۔

چوتھی فصل: حُسنِ اَخلاق کی عَلامات کا بیان

یہ بات علم میں ہونی چاہئے کہ ہر انسان اپنے عُیُوب سے بے خبر ہوتا ہے جب وہ تھوڑا سا مجاہدہ کرتا ہے جس کے باعث وہ بڑے بڑے گناہوں کو ترک کر دیتا ہے تو وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس کا نفس مہذب اور حُسنِ اَخلاق کا پیکر ہو گیا ہے، اب اسے مجاہدے کی حاجت نہیں۔ اسی وجہ سے ضروری ہوا کہ حُسنِ اَخلاق کی علامت کی وضاحت کی جائے۔

چار فرامین باری تعالیٰ:

حُسنِ اَخلاق اِیمان کی اور بداَخلاقی نِفاق کی علامت ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ کریم میں مومنین اور منافقین کی جو صفات بیان فرمائی ہیں وہ سب کی سب حُسنِ اَخلاق اور بداَخلاقی کا ثمرہ و نتیجہ ہیں۔ چند فرامین باری تعالیٰ ملاحظہ ہوں:

﴿1﴾...

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف اِلتفات نہیں کرتے اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیبیوں یا شرعی باندیوں پر جو اُن کے ہاتھ کی مِلک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں یہی لوگ وارث ہیں۔

(پ۱۸، المؤمنون: ۱تا۱۰)

﴿2﴾...

اَلتَّآىٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآىٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ

ترجمۂ کنزالایمان: توبہ والے، عبادت والے، سراہنے والے، روزے والے، رکوع والے، سجدہ والے، بھلائی کے بتانے والے اور بُرائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدیں نگاہ رکھنے

اللّٰہِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ (پ۱۱، التوبۃ: ۱۱۲)

والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو۔

﴿3﴾...

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ ؕ

(پ۹، الانفال: ۲ تا ۳)

ترجمۂ کنزالایمان: ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں اور جب اُن پر اُس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں۔

﴿4﴾...

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَ لَمْ یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ یَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓىِٕكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ

ترجمۂ کنزالایمان: اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل اُن سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔ اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدے اور قیام میں اور وہ جو عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے پھیر دے جہنم کا عذاب بیشک اس کا عذاب گلے کا غل (پھندا) ہے بیشک وہ بہت ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پوجتے اور اس جان کو جس کی اللہ نے حرمت رکھی ناحق نہیں مارتے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے وہ سزا پائے گا بڑھایا جائے گا اس پر عذاب قیامت کے دن اور ہمیشہ اس میں ذلت سے رہے گا مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام

وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾ وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾ وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾ وَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ﴿۷۳﴾ وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓىٕكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

(پ۱۹، الفرقان: ۶۳تا۷۷)

کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو توبہ کرے اور اچھا کام کرے تو وہ اللہ کی طرف رجوع لایا جیسی چاہیے تھی اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب بیہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں اور وہ کہ جب کہ انہیں ان کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں تو ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے اور وہ جو عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دے ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنا ان کو جنّت کا سب سے اونچا بالاخانہ انعام ملے گا بدلہ ان کے صبر کا اور وہاں مجرے (دعاو آداب) اور سلام کے ساتھ ان کی پیشوائی ہوگی ہمیشہ اس میں رہیں گے کیا ہی اچھی ٹھہرنے اور بسنے کی جگہ تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے یہاں اگر تم اسے نہ پوجو تو تم نے تو جھٹلایا تو اب ہو گا وہ عذاب کہ لپٹ رہے گا۔

جس شخص پر اپنی حالت مشتبہ ہو وہ خود کو ان آیات پر پیش کرے کہ یہ تمام آیات حُسنِ اَخلاق کی علامت ہیں اور ان کا نہ ہونا بداَخلاقی کی علامت ہے اور جس میں ان میں سے بعض پائی جائیں اور بعض نہ پائی جائیں تو اسے چاہئے کہ جو علامات اس میں نہ ہوں ان کے حصول کی کوشش کرے اور جو موجود ہیں ان کی حفاظت کی کوشش کرے۔

حُسنِ اَخلاق کی صفات کے متعلق 10 فرامینِ مصطفٰے:

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مومن کی بے شمار صفات بیان فرمائی ہیں اور ان تمام کے ساتھ اچھے اخلاق کی طرف اشارہ فرمایا:

﴿1﴾...اَلْمُؤْمِنُ يُحِبُّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ یعنی مسلمان اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرتا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔[1]

﴿2﴾...مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ یعنی جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔[2]

﴿3﴾...مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ یعنی جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔[3]

﴿4﴾...مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ یعنی جو شخص اللہ عَزَّ وَجَلَّ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔[4]

آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مؤمنین کی صفات ہی اچھے اخلاق کو قرار دیا جیسا کہ مروی ہے:

﴿5﴾...اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ اَخْلَاقًا یعنی مؤمنین میں سے کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اَخلاق سب سے اچھے ہوں۔[5]

﴿6﴾...اِذَا رَاَيْتُمُ الْمُؤْمِنَ صَمُوْتًا وَقُوْرًا فَادْنُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ يُلَقَّنُ الْحِكْمَةَ یعنی جب کسی مومن کو خاموشی اور وقار کا پیکر دیکھو تو اس کی قربت اختیار کرو کیونکہ اسے حکمت سکھائی گئی ہے۔[6]

﴿7﴾...مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهٗ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهٗ فَهُوَ مُؤْمِنٌ یعنی جسے اس کی نیکیاں اچھی اور برائیاں بری معلوم ہوں وہ مومن ہے۔[7]

﴿8﴾...لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يُشِيْرَ اِلٰی اَخِيْهِ بِنَظْرَةٍ تُؤْذِيْهِ یعنی کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی طرف ایسی نظر سے دیکھے جو اس کے لئے تکلیف کا باعث ہو۔[8]

1...بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ...الخ، ۱/ ۱۶، حدیث: ۱۳، بلفظ "لایؤمن احدکم حتی...الخ

2...بخاری، کتاب الادب، باب من کان یؤمن باللّٰہ...الخ، ۴/ ۱۰۵، حدیث: ۶۰۱۸

3...بخاری، کتاب الادب، باب من کان یؤمن باللّٰہ...الخ، ۴/ ۱۰۵، حدیث: ۶۰۱۹

4...بخاری، کتاب الادب، باب من کان یؤمن باللّٰہ...الخ، ۴/ ۱۰۵، حدیث: ۶۰۱۸

5...کتاب الجامع للمعمر بن راشد علی ہامش المصنف لعبد الرزاق، ای الاعمال افضل؟، ۱۰/ ۱۹۷، حدیث: ۲۰۴۶۵

6...الزواجر عن اقتراف الکبائر، الباب الاول فی الکبائر الباطنۃ وما یتبعہا، ۱/ ۱۸۴

7...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الکوفیین، حدیث ابی موسی الاشعری، ۷/ ۱۳۸، حدیث: ۱۹۵۸۲ بالفاظ مختلفۃ

8...الزھد لابن مبارک، باب ما جاء فی الشح، ص ۲۴۰، حدیث: ۶۸۹

﴿9﴾...لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يُّرَوِّعَ مُسْلِمًا یعنی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو ڈرائے۔[1]

﴿10﴾...دو شرکائے مجلس اللہ عَزَّوَجَلَّ کے امین ہو کر شریکِ مجلس ہوتے ہیں تو ان میں سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کی وہ بات ظاہر کرے جس کا ظاہر کرنا وہ ناپسند جانتا ہو۔[2]

حُسنِ اخلاق کی علامات:

کسی صاحبِ علم نے حُسنِ اَخلاق کی علامات کو جمع کرتے ہوئے فرمایا: حُسنِ اَخلاق کا پیکر وہ ہے جو زیادہ حیا والا، کسی کو اَذِیَّت نہ دینے والا، نیک اعمال بجالانے والا، سچ بولنے والا، کم گو، زیادہ عمل کا عادی، لَغْزِشوں سے حَتَّی الْاِمکان بچتا اور فُضُول گُفتگُو سے پرہیز کرتا ہو، نیک، پُروقار، صابر، رضائے الٰہی پر راضی، شکر گزار، بُردبار، نرم طبیعت، پاکدامن اور شفیق ہو، لعنت کرنے والا، گالیاں دینے والا، غیبت کرنے والا، جلد باز، کینہ پَرْوَر، بخیل اور حاسد نہ ہو بلکہ ہشاش بشاش رہتا ہو، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر محبت اور بُغض رکھنے والا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر ہی کسی سے راضی اور ناراض ہونے والا ہو۔

مومن اور منافق کی علامت:

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مومن ومنافق کی علامت کے بارے میں پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: اِنَّ الْمُؤْمِنَ هِمَّتُهٗ فِی الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالْعِبَادَةِ وَالْمُنَافِقَ هِمَّتُهٗ فِی الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ كَالْبَهِيْمَةِ یعنی مومن نماز، روزے اور عبادت کا عزم کئے رکھتا ہے جبکہ منافق چوپائے کی طرح کھانے پینے کی فکر میں رہتا ہے۔

مومن اور منافق میں فرق:

حضرت سیِّدُنا حاتم اَصَم عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: مومن غور وفکر اور عبرت حاصل کرنے میں مشغول رہتا ہے جبکہ منافق حرص اور امید میں مبتلا رہتا ہے۔ مومن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ ہر کسی سے ناامید ہوتا ہے جبکہ منافق اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ ہر کسی سے امید لگائے رہتا ہے۔ مومن صرف خدا کا خوف رکھتا اس کے علاوہ کسی

---

[1] ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب من یاخذ الشیٔ من مزاح، ۴/ ۳۹۱، حدیث: ۵۰۰۴

[2] ...الزھد لابن مبارک، باب ماجاء فی الشح، ص ۲۳۰، حدیث: ۶۹۱

سے نہیں ڈرتا جبکہ منافق خدا کے علاوہ ہر کسی سے خوف زدہ رہتا ہے۔ مومن مال کے مقابلے میں دین کو جبکہ منافق دین کو چھوڑ کر مال کو ترجیح دیتا ہے۔ مومن نیکی کر کے بھی (خوفِ خدا کے سبب) روتا ہے جبکہ مُنافق بُرائی کر کے بھی ہنس رہا ہوتا ہے۔ مومن خلوت اور گوشہ نشینی کو پسند کرتا ہے جبکہ منافق جلوت اور لوگوں کے ساتھ میل جول کو پسند کرتا ہے۔ مومن بیج بو کر بھی اس کے خراب ہونے کا خوف رکھتا ہے جبکہ منافق بیخ کنی (ستیاناس) کر کے بھی کھیتی کی امید رکھتا ہے۔ مومن تدبیر سے اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف وَنَهِي عَنِ الْمُنكَر کا فریضہ انجام دیتا اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے جبکہ منافق ریاست کے حصول کے لئے امر و نہی کرتا اور فساد برپا کرتا ہے۔

حُسنِ اَخلاق اَذِیّت برداشت کرنے کا نام ہے:

حُسنِ اَخلاق کا پہلا اِمتحان اَذِیَّت پر صبر کرنا اور ظلم برداشت کرنا ہے جو دوسروں کی بداَخلاقی کی شکایت کرتا ہے تو یہ بات خود اس کی اپنی بداَخلاقی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ حُسنِ اَخلاق تو اَذِیَّت برداشت کرنے کا نام ہے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا اَنَس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ میں رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ جا رہا تھا، آپ نے موٹی دھاریوں والی نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی، راستے میں آپ کو ایک اعرابی ملا اس نے آپ کی مبارک چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا تو میں نے دیکھا کہ اعرابی کے چادر کو زور سے کھینچنے کی وجہ سے آپ کی مبارک گردن پر چادر کی دھاریوں کے نشان پڑ گئے، پھر اس اعرابی نے تلخ لہجے میں کہا: اپنے پاس موجود اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مال میں سے مجھے کچھ دیجئے۔" تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس اعرابی کی طرف متوجہ ہو کر مسکرانے لگے پھر اس کے لئے کچھ مال دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔[1]

یوں ہی جب قریش نے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو بہت زیادہ تکلیف پہنچائی اور آپ کو لہو لُہان کیا گیا تو آپ نے یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْن یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میری قوم کو معاف فرما کہ یہ لوگ مجھے نہیں جانتے۔[2]

---

[1]... بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المؤلفۃ... الخ، ۲/ ۳۵۹، حدیث: ۳۱۴۹

[2]... بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ۲/ ۴۶۹، حدیث: ۳۴۷۷

منقول ہے کہ یہ دعا آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے غزوۂ اُحد کے دن فرمائی تھی اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے متعلق یہ آیتِ مقدَّسہ نازل فرمائی:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ﴿۴﴾ (پ۲۹، القلم: ۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک تمہاری خُو بُو بڑی شان کی ہے۔

حُسنِ اَخلاق کے متعلق پانچ حِکایات

﴿1﴾... ظلم کرنے والے کو بھی دعا دی:

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کسی صحرا کی طرف تشریف لے گئے تو ایک سپاہی ملا اس نے کہا تم غلام ہو؟ فرمایا: ہاں! اس نے کہا: بستی کس طرف ہے؟ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے قبرستان کی طرف اشارہ فرمایا۔ سپاہی نے کہا: میں بستی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔ فرمایا: وہ تو قبرستان ہی ہے۔ یہ سن کر اسے غصہ آگیا اور اس نے کوڑا آپ کے سر پر دے مارا اور زخمی کر کے آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو شہر کی طرف لے گیا۔ آپ کے اصحاب نے دیکھ کر پوچھا: یہ کیا ہوا؟ سپاہی نے ماجرا بیان کر دیا۔ انہوں نے سپاہی کو بتایا یہ تو (زمانے کے ولی) حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم ہیں۔ یہ سن کر وہ گھوڑے سے اترا اور آپ کے ہاتھ پاؤں چومتے ہوئے معذرت کرنے لگا۔ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا گیا: آپ نے یہ کیوں کہا کہ میں غلام ہوں۔ فرمایا: اس (سپاہی) نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ تم کس کے غلام ہو؟ بلکہ صرف یہ پوچھا کہ تم غلام ہو تو میں نے کہا: ہاں! کیونکہ میں ربّ تعالیٰ کا غلام ہوں۔ جب اس نے میرے سر پر مارا تو میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے لئے جنت کا سوال کیا۔ عرض کی گئی: اس نے آپ پر ظلم کیا تو آپ نے اس کے لئے دعا کیوں مانگی؟ فرمایا: مجھے یہ معلوم تھا کہ مجھے تکلیف برداشت کرنے پر اجر ملے گا تو میں نے یہ مناسب نہ جانا کہ مجھے تو اجر ملے اور وہ عذاب میں گرفتار ہو جائے۔

﴿2﴾... حُسنِ اَخلاق کا عظیم الشان مظاہرہ:

حضرت سیِّدُنا ابو عثمان حِیری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی کو ایک دعوت میں بلایا گیا، میزبان آپ کے حُسنِ اَخلاق کا تجربہ کرنا چاہتا تھا، لہٰذا جب آپ میزبان کے گھر پہنچے تو اس نے آپ سے کہا: مجھ سے دعوت کا اِنتظام نہیں

ہو سکا۔ یہ سن آپ واپس لوٹ آئے۔ ابھی آپ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ میزبان دوبارہ بلانے آگیا، آپ دوبارہ اس کے ساتھ تشریف لے گئے تو اس نے دوبارہ کہا: لوٹ جائیے مجھ سے اِہتمام نہیں ہو سکا۔ آپ لوٹ آئے، وہ تیسری مرتبہ آپ کو بلانے آگیا جب آپ اس کے پاس پہنچے تو اس نے پھر کہا: لوٹ جائیے وقتِ مُقَرَّرہ پر تشریف لائیے گا۔ آپ لوٹ آئے دروازے تک پہنچے تو وہ پھر بلانے آگیا پھر اس نے پہلے کی مثل یہی بات کہی کہ اِہتمام نہیں ہو سکا۔ آپ یہ سن کر لوٹ آئے اس طرح کئی مرتبہ اس نے آپ کے ساتھ یہ معاملہ کیا لیکن آپ کے ماتھے پر شِکَن تک نہ آئی یہ دیکھ کر میزبان آپ کے قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا: میں تو بس آپ کا اِمتحان لینا چاہ رہا تھا کہ آپ کس قدر حُسنِ اَخلاق کے مالک ہیں۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا ابو عثمان حیری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی نے (عاجزی کرتے ہوئے) فرمایا: یہ تو کتے کی عادت کہ جب اسے بلایا جائے تو آجاتا ہے جب دُھتکارا جائے تو چلا جاتا ہے۔

(3)... راکھ ڈالنے والے کو کچھ نہ کہا:

حضرت سیِّدُنا ابو عثمان حیری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کے متعلق یہ واقعہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک گلی سے گزرے تو کسی نے آپ پر راکھ پھینک دی۔ آپ اپنی سواری سے اترے اور سجدہ شکر بجالائے پھر اپنے کپڑوں سے راکھ جھاڑنے لگے اور راکھ ڈالنے والے کو کچھ نہ کہا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ راکھ ڈالنے والے کو جھڑکتے کیوں نہیں؟ تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے (عاجزی کرتے ہوئے) فرمایا: جو جہنّم کی آگ کا مستحق ہو اس پر راکھ پڑے تو اسے غصے میں نہیں آنا چاہئے۔

(4)... سانولی رنگت والے:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا علی بن موسٰی رِضا رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا رنگ سانولا تھا کیونکہ ان کی والدہ سیاہ فام تھیں۔ رہائش نیشاپور میں تھی۔ آپ کے گھر کے دروازے پر ایک حمام تھا۔ جب آپ حمام میں داخل ہونا چاہتے تو آپ کے لئے حمام خالی کر دیا جاتا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ حمام میں داخل ہوئے تو حمام والا بے خبری میں حمام کا دروازہ بند کر کے اپنے کسی کام سے چلا گیا۔ اسی دوران ایک دیہاتی آیا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا اس نے آپ کو دیکھا تو حمام کا خادم خیال کرتے ہوئے کہا: اٹھو اور میرے

لئے پانی لاؤ۔ آپ اُٹھے اور اس کی ہر بات کی تعمیل کرنے لگے۔ حمام والا آیا تو دیہاتی کے کپڑے دیکھے اور آپ کے ساتھ اس کی گفتگو سنی تو خوف کے مارے ان دونوں کو اسی حالت میں چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ جب آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ باہر تشریف لائے تو حمام والے کے متعلق دریافت فرمایا، عرض کی گئی کہ وہ یہ معاملہ دیکھ کر گھبرا کر بھاگ گیا ہے۔ یہ سن کر آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے (بطورِ عاجزی) فرمایا: اسے بھاگنا نہیں چاہئے تھا قصور تو اس شخص کا ہے جس نے اپنا نطفہ سیاہ لونڈی کے رحم میں رکھا۔

(5)... کھوٹے سکے:

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ خَیّاط رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ دُکان پر بیٹھ کر کپڑے سِلائی کرتے تھے، ایک آتش پرست (آگ کی پوجا کرنے والا) آپ سے کپڑے سِلواتا اور ہر بار اُجرت میں کھوٹے سکے دے جاتا۔ آپ خاموشی سے رکھ لیتے اور کھوٹے سکوں کے متعلق کچھ کہتے نہ ہی واپس لوٹاتے۔ ایک دن آپ کسی کام سے کہیں چلے گئے۔ آپ کی غیر موجودگی میں وہ آتش پرست آیا، آپ کو نہ پا کر شاگرد کو کھوٹے سکے دے کر اپنا کپڑا مانگا۔ شاگرد نے کھوٹے سکے دیکھے تو لینے سے انکار کر دیا۔ آپ واپس تشریف لائے تو شاگرد نے سارا ماجرا بیان کیا۔ یہ سن کر آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: تم نے بُرا کیا۔ یہ آتش پرست مجھے کئی سال سے کھوٹے سکے ہی دیتا آ رہا ہے میں اس نیت سے لے کر رکھ لیتا اور کنویں میں ڈال دیتا ہوں کہ کہیں وہ ان سے دوسرے مسلمانوں کو دھوکا نہ دے۔

حُسنِ اَخلاق کی 10 علامات:

حضرت سَیِّدُنا یُوسُف بن اسباط رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: حُسنِ اَخلاق کی 10 علامات ہیں: (۱)...لوگوں سے اختلاف کم کرنا۔ (۲)...اچھی طرح انصاف کرنا۔ (۳)...انتقام نہ لینا۔ (۴)...لوگوں سے ظاہر ہونے والی برائیوں کی اچھی تاویل کرنا۔ (۵)...معذرت کرنا۔ (۶)...تکلیف برداشت کرنا۔ (۷)...اپنے نفس کو ملامت کرتے رہنا۔ (۸)...دوسروں کی عیب جوئی کے بجائے اپنے عُیُوب پر نظر رکھنا۔ (۹)...چھوٹے بڑے سے خوش مزاجی سے پیش آنا اور (۱۰)...ادنیٰ و اعلیٰ دونوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔

حُسنِ اَخلاق کا اَدنیٰ درجہ:

حضرت سَیِّدُنا سَہل بن عبد اللہ تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے حُسنِ اَخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ

نے فرمایا: حُسنِ اَخلاق کا ادنیٰ درجہ یہ ہے: ❀...تکلیف برداشت کرنا، ❀...انتقام نہ لینا، ❀...ظالم پر رحم کرنا، ❀...اس کے لئے بخشش چاہنا اور ❀...اس سے نرمی برتنا۔

بُردباروں کی چھ حِکایات

(1)... سیِّدُنا قیس بن عاصم رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی بُردباری:

حضرت سیِّدُنا اَحنف بن قیس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے بُردباری کہاں سے سیکھی ہے؟ فرمایا: حضرت سیِّدُنا قیس بن عاصم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے۔ پوچھا گیا: وہ کس قدر بُردبار تھے؟ فرمایا: ایک مرتبہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ ایک لونڈی ان کے پاس سیخ لائی جس پر بھنا ہوا گوشت تھا، وہ اس کے ہاتھ سے گر کر آپ کے ایک چھوٹے صاحبزادے پر جاگری جس کے باعث اس کا اِنتقال ہو گیا۔ لونڈی یہ دیکھ کر ڈر گئی تو انہوں نے فرمایا: ڈرنے کی ضرورت نہیں میں نے تجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کے لئے آزاد کیا۔

(2)... سیِّدُنا اُویس قرنی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی بُردباری:

حضرت سیِّدُنا اُویس بن عامر قرنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کو بچے جب پتھر مارتے تو آپ ان سے فرماتے: اے بچو! اگر تم نے پتھر مارنے ہی ہیں تو چھوٹے چھوٹے پتھر مارو کہ کہیں بڑے پتھروں کے باعث میری پنڈلی زخمی نہ ہو جائے اور میں نماز ادا نہ کر سکوں۔

(3)... سیِّدُنا اَحنف بن قیس رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی بُردباری:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا اَحنف بن قیس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو گالی دی آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا وہ گالی دیتے ہوئے آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا جب آپ محلے کے قریب پہنچے تو ٹھہر گئے اور اس سے کہا: تمہارے دل میں کوئی اور بات بھی ہے تو یہیں کہہ دو ورنہ محلے کے نا سمجھ لوگ تمہاری بات سن کر تمہیں تکلیف پہنچائیں گے۔

(4)... سیِّدُنا علی رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی بُردباری:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے اپنے ایک غلام کو بلایا تو اس نے کوئی

جواب نہ دیا دوسری اور تیسری بار پھر بلایا اس نے پھر کوئی جواب نہ دیا یہ دیکھ کر آپ اس کی طرف گئے دیکھا تو وہ لیٹا ہوا ہے آپ نے اس سے کہا: کیا تم نے میری آواز نہیں سنی تھی؟ غلام نے کہا: سنی تھی۔ آپ نے فرمایا: پھر تم نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا؟ غلام نے کہا: آپ کی طرف سے سزا سے بے خوف تھا اس وجہ سے سستی کے باعث جواب نہ دے سکا۔ یہ سن کر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: جا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کے لئے آزاد ہے۔

﴿5﴾... سیِّدُنا مالک بن دینار رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی بُردباری:

ایک عورت نے حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار کو اے ریاکار کہہ کر پکارا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اے عورت! تو نے میرا وہ نام لیا جسے بصرہ کے لوگ بھول گئے تھے۔

﴿6﴾... سیِّدُنا یحییٰ بن زیاد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی بُردباری:

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن زیاد حارثی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا ایک بد اَخلاق غلام تھا۔ لوگوں نے عرض کی: آپ نے اسے اپنے پاس کیوں رکھا ہوا ہے؟ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرمایا: اس لئے تاکہ میں اس سے بُردباری کا مظاہرہ کروں۔

یہ وہ نُفُوسِ قُدسِیَّہ ہیں جنہوں نے مجاہدہ وریاضت کے ذریعے اپنے نفسوں کو مغلوب کیا اور اسے اعتدال پر لے آئے۔ کھوٹ، کینہ اور بغض سے اپنے باطن کو پاک کیا جس کے نتیجے میں یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مشیّت ورضا پر راضی ہوگئے اور یہی حُسنِ اَخلاق کی اِنتہا ہے۔ کیونکہ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کام کو پسند نہیں کرتا اور اس کی رضا پر راضی نہیں رہتا وہ انتہائی درجے کا بد اَخلاق ہے۔ ان نُفُوسِ قُدسِیَّہ کے ظاہر پر یہ علامتیں ظاہر ہو چکیں جیسا کہ ہم نے اسے ذکر کیا تو اگر کوئی شخص اپنے اندر یہ علامات نہیں پاتا تو وہ اپنے نفس کے متعلق دھوکے میں نہ رہے کہ وہ حُسنِ اَخلاق کا پیکر ہے بلکہ اسے چاہئے کہ مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہو جائے یہاں تک کہ وہ حُسنِ اَخلاق کے درجے کو پہنچ جائے اور یہی بلند درجہ ہے جسے مُقَرَّبِین اور صِدِّیقِین ہی پاتے ہیں۔

پانچویں فصل: بچوں کی تعلیم وتربیت کا بیان

یہ بات جان لینی چاہئے کہ بچوں کی تربیت اَہَم اور تاکیدی اُمُور میں سے ہے، بچہ والدین کے پاس امانت

ہے، اس کا پاک دل ایک ایسا جوہر نایاب ہے جو ہر نقش وصورت سے خالی ہے، لہٰذا وہ ہر نقش کو قبول کرنے والا اور جس طرف اسے مائل کیا جائے اس کی طرف مائل ہو جانے والا ہے۔ اگر اسے اچھی باتوں کی عادت ڈالی جائے اور اس کی تعلیم وتربیت کی جائے تو اسی پر اس کی نشوونما ہوتی ہے، جس کے باعث وہ دنیا وآخرت میں سعادت مند ہو جاتا ہے اور اس کے ثواب میں اس کے والدین، اساتذہ اور تربیت کرنے والے سب شریک ہوتے ہیں۔ اگر اسے بُرائی کی عادت ڈالی جائے اور جانوروں کی طرح چھوڑ دیا جائے تو وہ بدبختی کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا گناہ اس کے سرپرست کی گردن پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا (پ۲۸، التحریم: ۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔

بچے کی تربیت کا طریقہ:

جس طرح باپ بچے کو دنیا کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح اسے چاہئے کہ اپنے بچے کو جہنّم کی آگ سے بھی بچائے اور جہنّم کی آگ سے بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ بچے کی تربیت کرے، اسے تہذیب سکھائے، اچھے اخلاق کی تعلیم دے، بُرے دوستوں سے دور رکھے، آسائشوں کی عادت نہ ڈالے، زیب وزینت اور عیش پسندی کی محبت اس کے دل میں پیدا نہ ہونے دے کہ وہ اس کی طلب میں اپنی عمر ضائع کر دے گا۔ پھر جب بڑا ہو گا تو دائمی ہلاکت میں مبتلا ہو جائے گا۔ لہٰذا شروع سے ہی اس کی نگہداشت رکھے، کسی دین دار عورت کی پرورش میں دے جو صرف حلال کھاتی ہو اور اسی سے دودھ پلوائے کیونکہ جو حرام کھاتی ہے اس کے دودھ میں برکت نہیں ہوتی نیز جب بچے کی نشوونما حرام غذا سے ہو گی تو اس میں خباثتیں بھر جائیں گی اور ان ہی خبائث کی طرف اس کی طبیعت مائل ہو گی۔ پھر جب اس میں تمیز اور سمجھداری کے آثار دیکھے تو اچھے طریقے سے اس کی نگرانی کرے اور تمیز اور سمجھداری کے بارے میں اس طرح پتا چلے گا کہ اولاً اس میں حیا کا ظہور ہو گا کیونکہ جب وہ حیا کرتے ہوئے بعض کاموں کو چھوڑ دے گا تو یہ بات اس پر دلالت کرے گی کہ اس میں عقل کا نور چمک رہا ہے جس کی روشنی میں وہ بعض اشیاء کو قبیح دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں، یوں وہ بعض سے حیا کرتے ہوئے بچے گا اور بعض سے نہیں اور یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف

سے ہدایت اور بشارت ہے جو اَخلاق کے مُعْتَدِل ہونے اور قلب کی صفائی پر دلالت کرتی ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ بڑے ہو کر اسے کامل عقل نصیب ہوگی۔ جب بچے میں حیا پیدا ہو جائے تو اس کی طرف سے لاپروائی اختیار نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کی حیا اور تمیز کے مطابق اسے ادب سکھانا چاہئے۔

کھانا کھانے کے 12 آداب:

بُری صفات میں سے جو چیز سب سے پہلے غالب آتی ہے وہ کھانے کی حرص ہے تو مناسب ہے کہ سب سے پہلے بچے کو کھانے کے آداب سکھائے جائیں مثلاً: اسے بتائے کہ (۱)...دائیں ہاتھ سے کھائے۔ (۲)...بِسْمِ اللہ پڑھ کر کھائے۔ (۳)...اپنی جانب سے کھائے۔ (۴)...دوسروں سے پہلے کھانے کی کوشش نہ کرے۔ (۶)... کھانے اور (۷)... کھانے والے کی طرف گھور کر نہ دیکھے۔ (۸)... جلدی جلدی نہ کھائے۔ (۹)...اچھی طرح چبا کر کھائے۔ (۱۰)...پے در پے لقمے نہ لے۔ (۱۱)...ہاتھ سالن سے نہ بھرے۔ (۱۲)... کپڑوں پر سالن نہ گرائے۔

زیادہ کھانے کی مَذمّت بیان کرنا:

بچے کو روکھی روٹی کھانے کی بھی عادت ڈالے تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ روٹی کے ساتھ سالن ضروری ہے، اس کے سامنے زیادہ کھانا کھانے کی مَذمّت بیان کرے اور زیادہ کھانے والے کو جانوروں کے ساتھ تشبیہ دے، اسی طرح اس کے سامنے زیادہ کھانے والے بچے کی بُرائی بیان کرے اور کم کھانے والے بچے کی تعریف کرے، اسے کھانا ایثار کرنے کی ترغیب دلائے، کھانے کے معاملے میں پروا نہ کرنے کا کہے، کھانے میں جو کچھ مُیَسَّر آئے اس پر قناعت کرنے کا کہے۔

کپڑوں کے متعلق آداب:

بچے کو رنگین اور ریشمی لباس کے بجائے سفید لباس کی ترغیب دلائے اور بتائے کہ رنگین اور ریشمی لباس پہننا عورتوں اور ہیجڑوں کا کام ہے جبکہ مرد اسے بُرا جانتے ہیں اور یہ بات اسے بار بار ذہن نشین کرائے، جب بچے کو ریشمی اور رنگین لباس پہنے دیکھے تو ناپسندیدگی کا اِظہار کرے اور اس کی مَذمّت بیان کرے اور بچے کو ایسے بچوں سے دور رکھے جو ناز و نِعَم کے عادی ہیں اور عمدہ کپڑے پہنتے ہیں۔

بچے کی نگرانی کرنا:

بچے کو ایسے شخص کے ساتھ میل جول سے بھی منع کرے جس کی باتیں سن کر اسے بُرے کام کی رغبت پیدا ہو۔ بچے کو شروع میں کھلی چھوٹ نہ دے کیونکہ کھلی چھوٹ دینے کی صورت میں اکثر اوقات وہ بُرے اَخلاق میں مبتلا ہو جاتا ہے جیسے جھوٹ بولنا، حسد کرنا، چوری کرنا، چغلی کھانا، جھگڑنا، فضول گفتگو کرنا، بلاوجہ ہنسنا، دھوکا دہی اور ہنسی مذاق کرنا۔ ان تمام بُرے اخلاق سے اسی صورت میں بچا جا سکتا ہے جب اس کی اچھی تربیت کی جائے۔

بچے کو قرآن و حدیث کی تعلیم دلانا:

مذکورہ آداب کی تکمیل کے بعد بچے کو مدرسے میں بھیجے جہاں وہ قرآن پاک اور احادیثِ مبارکہ کی تعلیم حاصل کرے اور نیک لوگوں کے واقعات اور ان کے احوال سے آگاہی حاصل کرے تاکہ اس کے دل میں صالحین کی محبت پیدا ہو۔ ایسے اشعار سے بچے کو دور رکھے جس میں عشق اور عاشق معشوق کا تذکرہ ہو اور ایسے ادیبوں سے بھی بچے کو دور رکھے جو ان اشعار کو ظرافت اور رِقّتِ طبع (طبیعت کی نرمی) پر محمول کرتے ہیں کیونکہ یہ اشعار بچوں کے دل میں فساد کا بیج بو دیتے ہیں۔

حُسنِ اَخلاق پر اِنعام اور بد اَخلاقی پر ڈانٹ ڈپٹ کرنا:

جب بچے سے اچھے اَخلاق اور عمدہ اَفعال ظاہر ہوں تو اسے کچھ نہ کچھ اِنعام سے نوازے اور اس پر خوشی کا اظہار کرے اور حوصلہ افزائی کے لئے لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرے۔ اگر ایک آدھ بار بچہ حُسنِ اَخلاق کے خلاف کوئی کام کر بیٹھے تو اس سے چشم پوشی کرے اور اس کی پردہ پوشی کرے نیز اس پر ظاہر نہ ہونے دے بالخصوص جب بچہ خود اسے چھپا رہا ہو اور اس کے چھپانے کی کوشش کر رہا ہو کیونکہ اس کے اظہار میں بچہ بسا اوقات جری ہو جاتا ہے پھر وہ راز کھلنے کی بھی پروا نہیں کرتا۔ ہاں! اگر دوبارہ یہ کام کرے تو اکیلے میں اسے ڈانٹ ڈپٹ کرے اور بتائے کہ تو نے بہت بُری حرکت کی ہے خبردار آئندہ ایسا کبھی نہ کرنا اگر ایسا کرو گے تو لوگوں کے سامنے ذِلّت و رُسوائی ہو گی۔ ہر وقت اسے ڈانٹتا بھی نہ رہے کہ اس طرح وہ ملامت سننے کا عادی ہو جائے گا اور بُرے کاموں پر اسے جُرأت ہو جائے گی اور اس کے دل سے بات کی وُقعت

وانسیت نکل جائے گی۔ باپ کو چاہئے کہ گفتگو میں اپنی ہیبت برقرار رکھے، جھڑکنے کی ضرورت ہو تو کبھی کبھار جھڑکے اور ماں کو چاہئے کہ وہ بچے کو باپ کا خوف دلائے اور بُرے کاموں پر اسے ڈانٹ ڈپٹ کرے۔

بچے کو بعض چیزوں کی عادت ڈالو اور بعض سے بچاؤ:

سرپرست کو چاہئے کہ بچے کو دن میں سونے سے روکے کہ دن میں سونا اس کے لئے سستی کا باعث ہے، ہاں! رات کو سونے سے نہ روکے۔ نرم و گداز بستر سے اسے منع کرے تاکہ اس کے اعضاء میں سختی رہے اور اس کے بدن کو موٹا نہ ہونے دے ورنہ وہ کھانے پینے سے صبر نہیں کر سکے گا بلکہ اسے سونے، لباس اور کھانے کے معاملے میں سادگی کی عادت ڈالے۔ بچے کو کوئی بھی کام پوشیدہ طور پر کرنے سے روکے کیونکہ جسے وہ بُرا خیال کرتا ہے اسے چھپ کر کرتا ہے۔ جب اسے پوشیدہ کام کرنے سے رُکنے کی عادت ڈال دے گا تو سامنے کبھی وہ بُرا کام نہیں کرے گا۔ بچے کو دن کے کسی وقت میں پیدل چلنے اور ورزش کی عادت ڈالے تاکہ اس پر سستی غالب نہ ہو اور اسے بتائے کہ اپنے جسم کے حصوں کو (کسی کے سامنے) ظاہر نہ کرے اور تیز چلنے سے گریز کرنے کا کہے نیز اسے بتائے کہ (کسی بڑے کے سامنے) ہاتھوں کو کھلا نہ چھوڑے بلکہ ہاتھ باندھ کر رکھے۔ اسی طرح اسے اپنے دوستوں کے درمیان باپ کی کسی ملکیت یا کھانے اور پہننے یا تختی اور دوات وغیرہ کسی چیز پر فخر کرنے سے منع کرے بلکہ اسے ہر ملنے جلنے والے کی عزت کرنے، عاجزی سے پیش آنے اور ہر کسی کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرنے کا عادی بنائے۔ اسے اپنے ساتھیوں سے کوئی چیز لینے سے منع کرے اگر وہ امیر زادہ ہے تو اسے بتائے بڑائی تو دینے میں ہے نہ کہ لینے میں اور لینے میں ذِلّت ورُسوائی ہے اور اگر وہ غریب ہے تو اسے سمجھائے کہ لالچ کرنا اور مانگ کر لینا ذِلّت ورُسوائی کا باعث اور کتے کی عادت ہے کہ وہ لقمے کے انتظار اور لالچ میں دُم ہلاتا رہتا ہے۔

بچے کے سامنے سونے، چاندی سے محبت کی قباحت اور ان کے لالچ کی مذمت بیان کرے، اسے سانپ اور بچھوؤں کے مقابلے میں زیادہ خطرناک قرار دے کیونکہ بچوں بلکہ بڑوں کے لئے بھی سونے چاندی کی محبت اور اس کی لالچ زہر سے بھی زیادہ نقصان دِہ ہے۔ بچے کو اس بات کی عادت ڈالے کہ جب وہ کسی مجلس میں بیٹھے تو تھوکنے اور ناک صاف کرنے سے گریز کرے اور دوسروں کی موجودگی میں جمائی نہ لے، کسی کی

طرف پیٹھ نہ کرے اور پاؤں پر پاؤں نہ رکھے۔ ٹھوڑی کے نیچے ہتھیلی نہ رکھے اور نہ کلائی کو سر کا تکیہ بنائے کہ یہ سستی کی علامت ہے۔بچے کو بیٹھنے کا طریقہ سکھائے اور اسے زیادہ باتیں کرنے سے منع کرے اور بتائے کہ زیادہ باتیں کرنا بے حیائی کا باعث ہے جو ذلیل لوگوں کا کام ہے۔ قسم کھانے سے چاہے سچی ہو یا جھوٹی بالکل منع کردے تاکہ چھوٹی عمر سے ہی قسم نہ کھانا اس کی عادت ہو جائے۔ گفتگو میں پہل کرنے سے منع کرے اور اسے اس بات کا عادی بنائے کہ جب تم سے کوئی سوال کرے تم اس وقت ہی کلام کرو اور سوال کے مطابق اسے جواب دو۔ اسے سمجھائے کہ جب تم سے عمر میں کوئی بڑا گفتگو کررہا ہو تو غور سے اس کی بات سنو اور بڑے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اسے بیٹھنے کے لئے جگہ دو اور خود اس کے سامنے بیٹھ جاؤ۔ بچے کو بے کار باتوں، بیہودہ گفتگو، لعن طعن اور گالی گلوچ سے روکے اور ایسے لوگوں کی صُحبَت سے بھی منع کرے جن کی زبان پر یہ چیزیں عام رہتی ہیں کیونکہ بُری صحبت سے یقیناً ایسی باتیں بچے میں پیدا ہو جاتی ہیں اور بچوں کی اصل تادیب ہی بُرے دوستوں سے انہیں دور رکھنا ہے۔بچے کو سمجھائے کہ جب اُستاد اسے مارے تو شور شرابہ نہ کرے، نہ ہی کسی کو سفارشی بنائے بلکہ صبر سے کام لے کہ صبر سے کام لینا بہادروں اور مردوں کا شیوہ ہے جبکہ چیخ وپکار کرنا غلاموں اور عورتوں کا کام ہے۔

مدرسے سے واپسی پر بچے کو کوئی اچھا کھیل کھیلنے کی اجازت دے تاکہ اس سے مدرسے کی تھکاوٹ دور ہو کیونکہ بچہ کھیلنے سے نہیں تھکتا اگر اسے کھیلنے سے منع کر دیا جائے اور مسلسل پڑھائی پر لگا دیا جائے تو اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور ذَہانت کو دھچکا لگتا ہے اور اس کی زندگی اس کے لئے تلخ ہو جاتی ہے جس کے باعث وہ پڑھائی سے جان چھڑانے کے لئے حیلے بہانے تلاش کرتا ہے۔بچے کو والدین، استاد اور جو اس کی تربیت کر رہا ہو اس کی اطاعت کی تعلیم دے۔یوں ہی جو اس سے عمر میں بڑا ہے چاہے قریبی ہو یا اجنبی اس کی اِطاعت کا کہے اور اسے سمجھائے کہ بڑوں کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھے اور ان کے سامنے کھیل کود نہ کرے۔

سِنِ تمیز اور اس کے آداب:

جب بچہ سِنِّ تمیز کو پہنچے (یعنی سمجھدار اور باشعور ہو جائے) تو اب وضو و نماز میں اس کی غفلت سے چشم پوشی نہ کرے اور اس سے رمضان کے کچھ نہ کچھ روزے رکھوائے نیز ریشم و حَرِیْر اور سونا پہننے سے اسے منع کرے

اور جو بھی چیز شریعت کی طرف سے اس کے لئے ضروری ہو اس کی تعلیم دے۔ چوری، حرام کھانے، خیانت، جھوٹ، فُحش کلامی اور ہر وہ بُری عادت جو بچوں پر غالب ہو جاتی ہے ان سب سے روکے۔ جب بچے کی اس طرح نَشوونَما ہو گی تو جیسے ہی وہ بلوغت کے قریب پہنچے گا تو وہ ان اُمُور کے اَسرار ورُمُوز کو جان لے گا اور اس بات کو سمجھ لے گا کہ کھانا تو دوائی کی مثل ہے جس سے انسان کا مقصد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اِطاعت پر تقویت حاصل کرنا ہے اور دنیا کی کوئی اصل نہیں کیونکہ یہ باقی رہنے والی نہیں اور موت اس کی نعمتوں کو ختم کرنے والی ہے، یہ دنیا عارضی گھر ہے ہمیشگی کا نہیں جبکہ آخرت ہمیشگی کا گھر ہے عارضی نہیں۔ موت ہر گھڑی اس کی منتظر ہے اور عقل مند آدمی وہ ہے جو دنیا میں رہ کر آخرت کے لئے زادِ راہ تیار کرے۔ جب وہ ان اَسرار ورُمُوز کو سمجھ لیتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں اس کا رُتبہ بلند ہو جاتا ہے اور وہ جنت کی وُسعتوں سے لُطف اندوز ہوتا ہے۔ نشوونما اچھی ہو گی تو بُلُوغت کے وقت یہ باتیں اس کے دل پر اثر انداز ہوں گی اور پتھر پر لکیر کی مثل ہوں گی اور اگر اس کی نشوونما اس کے بَرخِلاف ہوئی یہاں تک کہ بچہ کھیل کود سے مانوس، فحش کلامی، بے حیائی، کھانے، لباس اور زینت کا حریص اور فخر وغرور میں مبتلا ہو جائے تو ایسے بچے کا دل حق قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے جیسے خشک دیوار مٹی کو قبول نہیں کرتی۔

خلاصۂ کلام:

بچے کی حفاظت کا اہتمام کرے کیونکہ بچہ ایک ایسا جوہر ہے جو خیر وشر دونوں کو قبول کرتا ہے اب یہ اس کے والدین پر مُنْحَصِر ہے کہ وہ بچے کو خیر وشر میں سے کس جانب مائل کرتے ہیں جیسا کہ مُعَلِّمِ کائنات، شاہِ موجودات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ یعنی ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔[1]

حکایت: بچے کی مَدَنی تربیت

حضرتِ سَیِّدُنا سَہْل بن عبد اللہ تُسْتَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں، میں تین سال کی عمر کا تھا کہ رات کے

---

1 ... بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات...الخ، ۱/ ۴۵۷، حدیث: ۱۳۵۸

وَقت اُٹھ کر اپنے ماموں حضرتِ سیِّدُنا محمد بن سوار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار کو نَماز پڑھتے دیکھتا۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے فرمایا: کیا تُو اُس اللہ عَزَّوَجَلَّ کو یاد نہیں کرتا جس نے تجھے پیدا فرمایا؟ میں نے پوچھا: میں اسے کس طرح یاد کروں؟ فرمایا: رات کو جب سونے لگو تو زَبان کو حَرَکت دیئے بِغیر مَحْض دل میں تین مرتبہ یہ کَلِمات کہو: اَللّٰہُ مَعِیْ، اَللّٰہُ نَاظِرٌ اِلَیَّ، اَللّٰہُ شَاهِدِیْ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ میرے ساتھ ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ میرا گواہ ہے۔ فرماتے ہیں: میں نے چند راتیں یہ کَلِمات پڑھے، پھر اُنہیں بتایا۔ انہوں نے فرمایا: اب ہر رات سات مرتبہ پڑھو۔ میں نے ایسا ہی کیا اور پھر ان کو مُطَّلع کیا۔ فرمایا: اب ہر رات گیارہ مرتبہ پڑھو۔ (فرماتے ہیں:) میں نے اِسی طرح پڑھا تو مجھے دِل میں اس کی لَذت محسوس ہوئی۔ جب ایک سال گزر گیا تو میرے ماموں جان حضرت سیِّدُنا محمد بن سوار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار نے فرمایا: میں نے جو کچھ تمہیں سکھایا ہے اسے قَبْر میں جانے تک ہمیشہ پڑھتے رَہنا اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ یہ تمہیں دنیا و آخِرت میں نَفْع دے گا۔ حضرت سیِّدُنا سَہْل بن عبداللہ تُسْتَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: میں نے کئی سال تک ایسا ہی کیا تو اپنے اندر اِس کا بے انتہا مزہ پایا۔ میں تنہائی میں یہ ذِکْر کرتا رہا۔ پھر ایک دن میرے ماموں جان نے فرمایا: اے سَہْل! اللہ عَزَّوَجَلَّ جس شخص کے ساتھ ہو، اسے دیکھتا ہو اور اس کا گواہ ہو تو کیا وہ اس کی نافرمانی کرتا ہے؟ ہرگز نہیں، لہٰذا تم خود کو گناہ سے بچاؤ۔ پھر ماموں جان نے مجھے مکتب میں بھیج دیا۔ میں نے سوچا کہیں میرے ذِکْر میں خَلَل نہ آجائے، لہٰذا اُستاد صاحِب سے یہ شَرْط مقرّر کرلی کہ میں ان کے پاس جاکر صِرْف ایک گھنٹہ پڑھوں گا اور واپَس آجاؤں گا۔ میں نے مکتب میں چھ یا سات برس کی عمر میں قرآن پاک حِفْظ کرلیا۔ میں روزانہ روزہ رکھتا تھا، 12 سال کی عمر تک میں جَو کی روٹی کھاتا رہا۔ 13 سال کی عمر میں مجھے ایک مَسئلہ پیش آیا، اس کے حل کیلئے گھر والوں سے اجازت لے کر میں بصرہ آیا اور وہاں کے عُلَما سے وہ مَسئلہ پوچھا لیکن مجھے تسلی بخش جواب نہ ملا۔ پھر میں (بصرہ کے قریب ایک علاقے) عَبَّادان کی طرف چلا گیا۔ میں نے وہاں کے مشہور عالِم دین حضرتِ سیِّدُنا ابو حبیب حمزہ بن ابی عبداللہ عَبَّادانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی سے مَسئلہ پوچھا تو انہوں نے مجھے تسلّی بخش جواب دیا۔ میں ایک عَرصہ ان کی صُحبت میں رہا، ان کے کلام سے فیض حاصِل کرتا اور ان سے آداب سیکھتا پھر میں تُسْتَر کی طرف آگیا۔ میں نے خوراک کا انتِظام یوں کیا کہ میرے لئے ایک دِرْہم کے جَو خرید لئے جاتے اور انہیں پیس کر روٹی پکالی جاتی۔ میں ہر رات سحری کے وَقْت ایک اُوقِیَہ (تقریباً 70 گرام) جَو کی روٹی کھاتا، جس میں نمک نہ ہوتا اور نہ ہی ساتھ

میں سالن ہوتا، یہ ایک دِرہم مجھے سال بھر کے لئے کافی ہوتا۔ پھر میں نے ارادہ کیا کہ مسلسل تین دن فاقہ کروں گا اور اس کے بعد کھاؤں گا۔ پھر پانچ دن، پھر سات دن اور پھر 25 دنوں کا مسلسل فاقہ کیا (یعنی 25 دن کے بعد ایک بار کھانا کھاتا)۔ 20 سال تک یہی طریقہ رہا پھر میں نے کئی سال تک سَیر وسیاحت کی، واپس تُستَر آیا تو جب تک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے چاہا شب بیداری اِختیار کی۔

حضرت سیِّدُنا احمد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الصَّمَد فرماتے ہیں: میں نے مرتے دم تک حضرت سیِّدُنا سَہل بن عبد اللہ تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کو کبھی نمک اِستعمال کرتے نہیں دیکھا۔

چھٹی فصل: اِرادت[1] کی شرائط، مجاہدے کے مُقَدَّمات اور سُلُوکِ رِیاضت میں مُرید کی بتدریج ترقّی

جان لیجئے کہ جو شخص آخرت کا یقینی مشاہدہ کرلیتا ہے وہ اس کا اِرادہ اور شوق رکھتا ہے نیز اس کے راستوں پر چلنے کی کوشش کرتا اور دُنیاوی نعمتوں اور لذتوں کو حقیر سمجھتا ہے جیسے کسی شخص کے پاس موتی ہو اور وہ جَوہر نفیس (بیش قیمت پتھر) دیکھ لے تو اب موتی میں اس کی رغبت باقی نہیں رہتی اور وہ یہ چاہتا ہے کہ موتی کے بدلے جوہر نفیس خرید لے۔ جو شخص نہ تو آخرت کا اِرادہ کرے اور نہ ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کا طالب ہو تو گویا وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اور ایمان سے یہ مراد نہیں کہ بغیر صِدق واِخلاص کے محض زبان سے توحید و رسالت کی گواہی دینا۔ ایسا ایمان تو اس شخص کے ایمان کی طرح ہے جو اس بات کو تو تسلیم کرتا ہے کہ جَوہر موتی سے بہتر ہے مگر جوہر کی حقیقت کو نہیں جانتا صرف جوہر کا نام جانتا ہے اس قسم کی تصدیق کرنے والا جب موتی سے محبت کرنا شروع کر دیتا ہے تو وہ اس کی محبت کی وجہ سے اسے نہیں چھوڑتا۔ اب اس کو موتی کے مقابلے میں جوہر کا اِشتیاق نہیں رہتا تو معلوم ہوا کہ بغیر سُلُوک کے اللہ عَزَّوَجَلَّ

---

[1] ...ارادت راہِ سُلُوک کی اِبتدا ہے اور یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف جانے والوں کی پہلی منزل کا نام ہے اور اسے اِرادت سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ ہر کام سے پہلے ارادہ ہوتا ہے۔ جب تک بندہ کسی چیز کا ارادہ نہ کرلے اسے کرتا نہیں، لہٰذا ان لوگوں کے لئے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے (بتائے ہوئے) راستے پر چلیں، یہ اِبتدا ٹھہری، تو اس کا نام اِرادت رکھ دیا گیا۔ اس اعتبار سے مرید وہ ہے جس کا کوئی اِرادہ ہو مگر صوفیا کی اصطلاح میں مرید وہ ہے جس کا اپنا کوئی اِرادہ نہ ہو۔ (الرسالۃ القشیریۃ، باب الارادۃ، ص۲۳۶)

تک رسائی ممکن نہیں اور سُلُوک بغیر اِرادت نہیں ہو سکتا اور ارادت بغیر ایمان کے نہیں ہو سکتی اور ایمان کے نہ ہونے کا سبب ایسے عُلَما کا نہ ہونا ہے جو ہدایت و نصیحت کرتے اور راہِ طریقت کی طرف رہنمائی کرتے نیز اس بات پر تنبیہ کرتے کہ دنیا حقیر اور فانی ہے اور آخرت کا معاملہ عظیم اور دائمی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مخلوق اس سے غافل، شہوات میں منہمک اور غفلت کے دریا میں غرق ہے۔ عُلَما میں کوئی نہیں جو انہیں اس پر تنبیہ کرے اور اگر کوئی انہیں تنبیہ بھی کر دے تو وہ اپنی جہالت کے سبب راہِ سُلُوک کو طے نہیں کر سکتے کیونکہ جن عُلَما سے وہ راہِ سُلُوک کا راستہ معلوم کرتے ہیں وہ خود خواہشات میں مبتلا اور راہِ سُلُوک سے ہٹے ہوئے ہیں۔ الغرض اِرادت میں کمزوری، راہِ سلوک کا معلوم نہ ہونا ہے اور عُلَما کا خواہشات میں مبتلا ہونا اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے والے راستے کے خالی ہونے کا سبب بن گیا ہے۔ جب مطلوب پردے میں ہو، دلیل موجود نہ ہو، خواہش کا غلبہ ہو اور طالب غفلت میں ہو تو منزلِ مقصود تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے؟ ایسی صورت میں تو لازماً راستہ خالی ہو گا۔ اب اگر کوئی شخص خود بخود مُتَنَبِّہ ہو جائے یا کوئی اسے تنبیہ کر دے اور اس کے لئے راہِ آخرت اور اس کا فائدہ ظاہر ہو جائے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں جن کا اِرادت کی ابتدا میں ہونا ضروری ہے اور اس کے لئے ایک پناہ گاہ ہے جسے مضبوطی سے پکڑنا ضروری ہے اور ایک قلعہ ہے جس میں اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ضروری ہے تاکہ دشمنوں سے حفاظت ہو اور اس کے لئے کچھ وظائف ہیں جن کا راہِ سلوک میں التزام ضروری ہے۔

شرائطِ اِرادت:

ارادت سے پہلے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ان میں سے یہ ہے کہ اپنے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان جو رکاوٹ دیکھے اور حجاب (پردہ) پائے اسے دور کرے کیونکہ مخلوق کے اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنے سے محروم ہونے کا یہی سبب ہے۔ اسی کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝۹ (پ۲۲، یٰسٓ: ۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔

رکاوٹیں اور انہیں دور کرنے کے طریقے:

مرید اور رب تعالیٰ کے درمیان چار رکاوٹیں ہیں:(۱)مال (۲) جاہ و منزلت (۳) تقلید (۴) معصیت (گناہ)۔

پہلی رکاوٹ دور کرنے کا طریقہ:

مال کی رکاوٹ اس وقت دور ہو گی جب مرید اپنی ملکیت سے مال کو نکال دے اور اس قدر ہی مال باقی رہنے دے جس کی اسے حاجت وضرورت ہو کیونکہ جب تک اس کے پاس ایک روپیہ بھی (بلاحاجت وضرورت) رہے گا اس کا دل اس کی طرف متوجہ اور مُقَیَّد رہے گا، لہٰذا وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حجاب میں رہے گا۔

دوسری رکاوٹ دور کرنے کا طریقہ:

جاہ و منزلت کی رکاوٹ اس صورت میں دور ہو گی کہ مرید جاہ و منزلت سے دور رہے، عاجزی وانکساری کو اپنائے، ذکر و شہرت سے دور بھاگے اور ایسے اَعمال کرے جس سے لوگ بظاہر نفرت کرتے ہوں۔

تیسری رکاوٹ دور کرنے کا طریقہ:

تقلید کی رکاوٹ اس صورت میں دور ہو گی کہ مرید فقہی تَعَصُّب چھوڑ دے اور سچے دل سے کلمۂ طَیِّبہ کی تصدیق کرے اور اس کی صداقت کو ثابت کرنے کی حرص رکھے یوں کہ خدا کے علاوہ کسی کو اپنا معبود تسلیم نہ کرے اور خواہش کے پیچھے نہ چلے۔ جب وہ اس طریقہ پر عمل کرے گا تو دوسرے کی تقلید میں جو اِعتقاد اس نے حاصل کیا تھا اس کی حقیقت اس پر واضح ہو جائے گی اور اس پر ضروری ہے کہ وہ اس حقیقت کو مجاہدے سے حاصل کرے نہ کہ جھگڑے وغیرہ سے۔ اگر اس پر جس کا وہ مقلد ہے فقہی تَعَصُّب غالب ہے اور اس کے دل میں اس کے علاوہ کسی کی گنجائش نہ ہو تو ابھی تک وہ قید اور حجاب میں ہے حالانکہ مرید کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ کسی خاص فقہی مذہب سے تعلُّق رکھتا ہو۔

چوتھی رکاوٹ دور کرنے کا طریقہ:

معصیت و نافرمانی کی رکاوٹ اس صورت میں دور ہو گی جب وہ توبہ کرے، زیادتیوں کو ترک کر دے، پختہ ارادے سے آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے، گزشتہ گناہوں پر ندامت کا اظہار کرے اور جس کے ساتھ زیادتی کی

ہے اسے راضی کرنے کی کوشش کرے کیونکہ توبہ اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک وہ ظاہری گناہوں کو نہ چھوڑ دے اور جو معصیت کے باوجود دین کے اَسرار پر کَشف کے ذریعے مُطَّلَع ہونا چاہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو قرآن اور اس کی تفسیر کے اَسرار پر مطلع ہونا چاہے لیکن اس کا حال یہ ہو کہ اسے عربی زبان سے واقفیت نہ ہو جبکہ قرآن اور اس کی تفسیر کے اَسرار کے لئے سب سے پہلے عربی زبان کا سیکھنا ضروری ہے پھر اس سے اس کے معانی کے اَسرار کی طرف ترقی کرے۔ اسی طرح شروع و آخر میں ظاہر شریعت کے مطابق درستی ضروری ہے پھر اس کے بعد اس کی گہرائی اور اَسرار و رُمُوز کی طرف ترقی کرے۔

مُرشِدِ کامل کی ضرورت:

جب مرید نے ان چار شرائط پر عمل کر لیا اور جاہ و منزلت اور مال سے خالی ہو گیا تو وہ اس شخص کی طرح ہو گیا جس نے طہارت و وضو کر کے حدث کو دور کیا اور نماز پڑھنے کے قابل ہو گیا اب اسے امام کی حاجت ہے جس کی وہ اقتدا کرے، اسی طرح مرید کو بھی کسی مرشد و استاد کی حاجت ہوتی ہے جو اس کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرے کیونکہ دین کا راستہ انتہائی باریک ہے جبکہ اس کے مقابلے میں شیطانی راستے بکثرت اور نُمایاں ہیں تو جس کا کوئی مرشد نہ ہو جو اس کی تربیت کرے تو یقیناً شیطان اسے اپنے راستے کی طرف لے جاتا ہے۔ جو پُرخطر وادیوں میں بغیر کسی کی رہنمائی کے چلتا ہے وہ خود کو ہلاکت پر پیش کرتا ہے جیسے خود بخود اُگنے والا پودا جلد ہی سوکھ جاتا ہے اور اگر وہ لمبے عرصے تک باقی بھی رہے تو اس کے پتے تو نکل آئیں گے لیکن وہ پھل دار نہیں ہو گا۔ مرید پر ضروری ہے کہ وہ ان شرائط کی تکمیل کے بعد مرشد کا دامن اس طرح تھام لے جس طرح اندھا نہر کے کنارے اپنی جان نہر پار کرانے والے کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کی اِتّباع میں کسی قسم کی مخالفت نہیں کرتا اور نہ ہی اسے چھوڑتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر اس کا مرشد غَلَطی کر جائے تو اس غَلَطی میں اس کا فائدہ اس نفع سے کئی گنا زیادہ ہے جس میں وہ بغیر کسی مرشد کے چلے اور اس میں دُرُستی پر قائم رہے۔

چار مضبوط قلعوں کے ذریعے مرید کی حفاظت:

جب مرید ایسا ہو جو مذکورہ چاروں شرائط کا جامع ہو اور مرشد کا دامن تھامنے والا ہو تو مرشد پر لازم ہے

کہ وہ مرید کی حفاظت ایسے مضبوط قلعوں کے ساتھ کرے جس میں وہ لٹیروں سے محفوظ ہو جائے اور یہ قلعے چار چیزیں ہیں: (۱)...تنہائی و گوشہ نشینی (۲)...خاموشی (۳)...بھوک اور (۴)...شب بیداری۔

یہ چاروں قلعے ڈاکوؤں اور لٹیروں سے حفاظت کا ذریعہ ہیں کیونکہ مرید کا مقصد اپنے دل کی اِصلاح ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنے رب کا مشاہدہ کر سکے اور اس کے قرب کے لائق ہو سکے۔

﴿1﴾...بھوک:

بھوک کے سبَب دل کا خون کم اور سفیدی مائل ہو جاتا ہے اور یہ سفیدی ہی در حقیقت اس کا نور ہے مزید یہ کہ بھوک کے سبَب دل کی چربی پگھل جاتی ہے اور یہ چربی کا پگھلنا دل کی نرمی کا باعث ہے جیسے دل کی سختی حجاب کا باعث ہے، ایسے ہی دل کی نرمی کَشف کی کُنجی (چابی) ہے۔

❁...فائدہ: جب دل کا خون کم ہو جاتا ہے تو دشمن (شیطان) کا راستہ تنگ ہو جاتا ہے کیوں اس کی گزر گاہیں وہ رگیں ہیں جو خواہشات سے بھری ہوئی ہیں۔

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللهِ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اپنے حواریوں سے ارشاد فرمایا: اے حواریو! اپنے پیٹوں کو بھوک میں مبتلا رکھو تاکہ تمہارے دل رب کا دیدار کر سکیں۔

حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْوَلِی فرماتے ہیں: چار چیزیں اَبدال کے لئے ضروری ہیں: (۱)...بھوک (۲)...شب بیداری (۳)...خاموشی اور (۴)...تنہائی و گوشہ نشینی۔

دل کو روشن کرنے کے سلسلے میں بھوک کا فائدہ تو ظاہر ہے جس پر تجرِبہ بھی شاہد ہے۔ بھوک کے متعلق مزید گفتگو "پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت ختم کرنے" کے بیان میں آئے گی۔

﴿2﴾...شب بیداری:

شب بیداری دل کو روشن، صاف وشفاف اور منوّر کرتی ہے اور جو فائدہ بھوک کے سبَب حاصل ہوا تھا شب بیداری اس میں مزید نکھار پیدا کرتی ہے تو دل چمکتے ہوئے ستارے اور صاف وشفاف شیشے کی طرح ہو جاتا ہے جس میں حق تعالٰی کے انوار چمکتے ہیں اور آخرت کے بلند درجات نیز دنیا کا حقیر ہونا اور اس کی آفات دکھائی دیتی ہیں، اس طرح دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف مکمل توجّہ ہوتی ہے۔ شب بیداری

بھوک ہی کے سبَب ہوتی ہے کہ سیر ہو کر کھانے کی صورت میں شب بیداری ممکن نہیں، نیند دل کو سخت اور مردہ کر دیتی ہے مگر یہ کہ جب وہ بقدرِ ضرورت ہو کہ ایسی نیند قلب کی سختی کا باعث نہیں بلکہ اَسرارِ غَیبِیَّہ پر کَشْف کا سبَب ہے اسی وجہ سے اَبدال کی صفات میں کہا گیا کہ ان کا کھانا بھوک کے وقت، نیند غَلَبہ کی صورت میں اور کلام ضرورت کے وقت ہوتا ہے۔ حضرت سیِّدُنا ابراہیم خَوّاص عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الرَّزَّاق فرماتے ہیں: 70 صِدِّیقِین کے نزدیک نیند کی کثرت زیادہ پانی پینے کے سبَب ہوتی ہے۔

﴿3﴾... خاموشی:

گوشہ نشینی اور خلوت خاموشی کو آسان بنادیتی ہے لیکن گوشہ نشین شخص اسے دیکھنے سے بچ نہیں سکتا جو اس کے کھانے، پینے اور دیگر معاملات کا انتظام کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ ضرورت کے مطابق ہی اس سے گفتگو کرے کہ زیادہ گفتگو دل کو مشغول کرتی ہے اور دل کا گفتگو کی طرف حریص ہونا بہت بڑا خطرہ ہے کیونکہ دل اس سے راحت محسوس کرے گا اور ذکر و فکر کے لئے گوشہ نشینی کو بوجھ خیال کرے گا۔

...فائدہ: خاموشی عقل کو بڑھاتی اور تقویٰ و پرہیزگاری پیدا کرتی ہے۔

﴿4﴾... گوشہ نشینی:

گوشہ نشینی کے سبَب مشاغل دور ہوتے ہیں اور آنکھ اور کان کی حفاظت ہوتی ہے اور یہ دونوں (یعنی آنکھ وکان) قلب کی دہلیز ہیں اور دل حوض کی مانند ہے جس میں حواس کی نہروں سے گندہ اور ناپاک پانی آکر گرتا ہے اور رِیاضت کا مقصد اس گندے پانی اور اس کے کیچڑ سے حوض کو پاک کرنا اور حوض کو کھودتے کھودتے اس کی گہرائی تک جانا ہے تاکہ اس سے صاف و شفاف پانی نکلے اور یہ بات ممکن نہیں کہ حوض اور نہروں کو خالی کیا جائے جبکہ ان میں پانی جاری ہو کیونکہ جس قدر پانی نکالیں گے اس سے زیادہ پانی اس میں دوبارہ آجائے گا تو ضروری ہے کہ حواس میں ضرورت کے علاوہ ضبط سے کام لیا جائے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ اندھیرے کمرے میں گوشہ نشینی کرے اور اگر اندھیرا کمرہ مُیَسَّر نہ ہو تو سر کو اپنے گریبان میں رکھ لے یا کسی چادر وغیرہ سے ڈھانپ لے ایسی حالت میں جا کر وہ حق کی آواز سنے گا اور رب تعالیٰ کی

رَبُوبِیَّت کے جلال کا مشاہدہ کرے گا۔ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اسی حالت میں تھے کہ رب تعالیٰ نے انہیں یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ (پ۲۹، المزمل:۱، ترجمۂ کنزالایمان: اے جھرمٹ مارنے والے) اور یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ (پ۲۹، المدثر:۱، ترجمۂ کنزالایمان: اے بالا پوش اوڑھنے والے) کہہ کر پکارا۔ [1]

راہِ سُلوک میں مرید کا بتدریج ترقی کرنا:

معلوم ہوا کہ یہ چار باتیں ڈھال اور قلعہ ہیں جن کے ذریعے ڈاکوؤں اور لٹیروں سے محفوظ رہا جاتا ہے اور راہ زنی کے عوارض سے بچا جاتا ہے۔ جب مرید ان چار باتوں پر عمل کرلے گا تو اب وہ راہِ سُلوک طے کرنے میں مشغول ہوگا اور راہِ سُلوک گھاٹیوں کو عُبُور کئے بغیر طے نہیں کیا جاسکتا اور یہ گھاٹیاں دل کی صفات ہیں جو دنیا کی طرف متوجہ ہونے کا سبَب ہیں۔ ان میں سے بعض گھاٹیاں بعض سے بڑھ کر ہیں، انہیں طے کرنے کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے جو زیادہ آسان ہے اسے طے کرے پھر جو اس کے مقابلے میں کم آسان ہو اسے طے کرے۔ یہ گھاٹیاں اُن اُمور کے اَسرار و صفات ہیں جنہیں مرید نے ارادت کے شروع میں طے کیا تھا یعنی مال، جاہ و منزلت، دنیا کی محبت اور مخلوق کی طرف التفات اور گناہوں کی رغبت، لہٰذا اسے چاہئے کہ اپنے باطن کو ان صفات سے اسی طرح خالی کرے جس طرح اس نے ظاہر کو ظاہری اَسباب سے خالی کیا تھا اور اس سلسلے میں اسے طویل مجاہدے کی حاجت ہوتی ہے جو کہ (مریدوں کے) اَحوال کے اِختِلاف کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے اور کتنے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کئی اچھی صفات سے مُتَّصِف ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں طویل مجاہدے کی حاجت نہیں ہوتی۔ ہم اس بات کو پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ شہوتوں اور خواہشات کے خلاف مجاہدے کی راہ اختیار کرنا ہر اس صفت میں ہوتا ہے جو مرید کے نفس پر غالب ہوتی ہے، لہٰذا مرید جب شہوت سے محفوظ ہوجائے یا مجاہدے سے اس کی شہوت کمزور پڑجائے اور اس کے دل میں کوئی ایسی چیز باقی نہ رہے جو اس کے قلب کو مشغول کرے تو اس صورت میں مرشد کو چاہئے کہ وہ مرید کو ایسے ذکر میں مشغول کرے جو اس کے ساتھ ہمیشہ رہے اور اسے ظاہری اوراد کی کثرت سے منع کردے

[1]...مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، ص۹۶، حدیث: ۱۶۱

الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی، الباب الاول فیما یختص بالامور الدینیۃ... الخ، فصل فی حکم عقد النبی، ۲/ ۱۰۳

بلکہ اسے صرف فرائض اور سُنَّتِ مُؤَکَّدَہ پر اِکتفا کرائے، لہٰذا مرید کے لئے ایک ہی ورد ہوگا جو تمام اوراد کا خلاصہ ونتیجہ ہے یعنی دل کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں ہمیشہ کے لئے مشغول کرنا جبکہ وہ غیر کے ذکر سے خالی ہو اور جب تک اس کا دل غیر کی طرف متوجہ رہے مرشد اسے اس وظیفے میں مشغول نہ کرے۔

حکایت: تربیتِ مرید کا ایک انداز

حضرت سیِّدُنا ابو بکر شِبْلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی نے اپنے مرید حضرت سیِّدُنا ابو الحسن علی بن ابراہیم حُصْری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے فرمایا: اگر اس جمعہ سے لے کر اگلے جمعہ تک تمہارے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ کسی چیز کا خیال آیا تو آئندہ میرے پاس نہ آنا۔

گوشہ نشینی اور ذکر کی تلقین:

گوشہ نشینی اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک ارادے میں سچائی اور دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت غالب نہ ہو حتّٰی کہ وہ اس پریشان حال عاشق کی طرح ہوجائے جسے ایک ہی غم لگا رہتا ہے جب یہ صورت ہوجائے گی تو مرشد اسے ایک کونے میں تنہا بیٹھنے کا پابند کرے اور کسی کی ذمہ داری لگائے گا جو اسے تھوڑی مقدار میں حلال غذا پہنچانے کا بندوبست کرے کیونکہ رزق حلال اصل دین میں سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرشد اسے کسی ذکر کی بھی تلقین کرے یہاں تک کے دل اور زبان دونوں ذکر میں مشغول ہوجائیں، مثلاً: اسے اللہ، اللہ کی تکرار کرنے یا سُبْحٰنَ اللہ، سُبْحٰنَ اللہ کہنے کا کہے یا پھر مرشد اس کے علاوہ جو مناسب سمجھے اس کی تلقین کرے اور ذکر میں اسے اس قدر مصروف رکھے کہ ذکر اس کی زبان پر بغیر زبان کی حرکت کے جاری ہونے لگے، یوں اسے ذکر کراتا رہے یہاں تک کہ زبان سے بھی اس کا اثر ختم ہوجائے اور صرف قلب میں اس کی لفظی صورت باقی رہ جائے پھر اسی طرح اسے ذکر کراتا رہے یہاں تک کہ قلب سے اس کی لفظی صورت بھی ختم ہوجائے صرف اس کے معنٰی کی حقیقت دل پر باقی رہ جائے جو اسے لازم وحاضر ہو اور اس کے دل پر اس کا غَلَبہ ہو نیز اس کا دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہر چیز سے فارغ ہوجائے کیونکہ دل جب ایک چیز میں مشغول ہوتا ہے تو دوسری چیز سے فارغ ہوجاتا ہے تو جب دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں مشغول

ہو گا جو کہ مقصود ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ ہر چیز سے فارغ ہو جائے گا۔اس وقت مرید پر لازم ہے کہ وہ وسوسوں اور دنیاوی خیالات سے دل کی حفاظت کرے اپنے یا پرائے کے جو اَحوال گزر چکے ہیں ان میں دل کو تھوڑی دیر کے لئے بھی مشغول نہ ہونے دے کیونکہ لحہ بھر بھی اگر اس کا دل مشغول ہو گا تو دل اس لمحے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے غافل ہو گا اور یہ نقصان کا باعث ہے، لہٰذا اسے دور کرنے کی کوشش کرے۔

جب وہ تمام وسوسوں کو دور کر کے دل کو اس ذکر کی طرف پھیر دے گا (جس کی مرشد نے اسے تلقین کی ہے) تو اب ذکر کی طرف سے اسے وسوسے آئیں گے کہ یہ ذکر کیا ہے؟ اللہ، اللہ کہنے کا کیا مطلب؟ کس معنٰی کی وجہ سے وہ الٰہ اور معبود ہے؟ اس وقت اسے ایسے خیالات بھی آئیں گے جو اس پر فکر وسوچ کا دروازہ کھولیں گے اور بسا اوقات وہ ایسے وسوسوں کا بھی شکار ہو گا جو صریح کفر اور بدعتِ سیئہ (بُری بدعت) ہوں گے لیکن جب وہ ان وسوسوں کو بُرا خیال کرے گا اور دل سے انہیں دور کرنے کی کوشش کرے گا تو یہ وسوسے اسے نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

وسوسے کی اقسام:

وسوسے کی دو قسمیں ہیں:

⊛...**پہلی قسم:** وہ وسوسہ جس کے بارے میں قطعی طور پر معلوم ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے پاک ہے لیکن شیطان اس کے قلب میں یہ وسوسہ ڈال دیتا اور اس کے دل پر جاری کر دیتا ہے۔اس میں شرط یہ ہے کہ وہ اس کی پروا نہ کرے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں مشغول ہو جائے نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگے تا کہ وہ اس وسوسے کو دور کر دے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۝۲۰۰

(پ۹، الاعراف: ۲۰۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے سننے والے اگر شیطان تجھے کوئی کونچادے (کسی بُرے کام پر اکسائے) تو اللہ کی پناہ مانگ بیشک وہی سنتا جانتا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَكَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ (پ۹، الاعراف: ۲۰۱)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

❀...**دوسری قسم:** وہ وسوسہ جس کے متعلق شک ہو۔ ایسے وسوسے کی صورت میں اسے چاہئے کہ اپنے مرشد کو اس سے مطلع کرے بلکہ اپنے دل میں جو بھی اَحوال پائے چاہے سُستی ہو یا چُستی یا کسی طرف اِلتفات یا اِرادت میں صدق، مرشد کو ضرور اس سے مطلع کرے، ہاں! دوسروں سے ضرور چھپائے کہ کسی کو اس پر مطلع نہ ہونے دے۔

مُرشد کب مرید کو غور و فکر کا کہے اور کب نہیں؟

وسوسوں سے چھٹکارے کے بعد مرشد مرید کی ذہانت اور عقل مندی پر غور کرے اگر دیکھے کہ مرید کو اگر اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور غور و فکر کی اجازت دی جائے تو اس پر حق کی حقیقت واضح ہو جائے گی تو اب مرشد کو چاہئے کہ مرید کو غور و فکر کا کہے اور اس پر ہمیشگی اختیار کرنے کا حکم دے یہاں تک کہ اس کے قلب میں نور ڈال دیا جائے جو حقیقت کو اس پر منکشف کر دے اور اگر یہ دیکھے کہ مرید غور و فکر کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے ایسے کسی یقینی عمل کی طرف پھیر دے جسے اس کا دل برداشت کر سکے، مثلاً: اسے وعظ و نصیحت کرے اور ذکر کی تلقین کا کہے نیز اسے ایسی دلیل سے سمجھائے جو فہم کے قریب ہو۔

مرشد مرید کے ساتھ کیسا رویہ رکھے؟

مرشد کو چاہئے کہ وہ مرید کے ساتھ دانش مندانہ رویہ رکھے اور نرمی کا برتاؤ کرے کیونکہ یہ راستہ ہلاکتوں اور خطروں سے پُر ہے کتنے ہی مرید ایسے ہیں جو رِیاضت میں مشغول ہوتے ہیں تو اُن پر فاسد خیال کا غَلَبہ ہو جاتا ہے جسے وہ دور نہیں کر پاتے جس کے باعث وہ راہِ سُلُوک سے ہٹ کر باطل میں مشغول ہو جاتے اور اِباحت کی راہ پر چل پڑتے ہیں اور یہ سب سے بڑی ہلاکت ہے اور جو صرف ذکر میں مشغول ہو اور جو مشاغل اس کے قلب کو مشغول رکھتے ہیں دل کو ان سے دور رکھے وہ بھی اس قسم کے اَفکار سے خالی نہ ہو گا کیونکہ وہ پُرخطر کشتی میں سوار

ہے جس سے نجات پاگیا تو دِین کے بادشاہوں میں سے ہے اور اگر خطا کر گیا تو ہلاک ہونے والوں میں سے ہے اسی وجہ سے مروی ہے کہ عَلَيْكُمْ بِدِيْنِ الْعَجَائِزِ یعنی تم بوڑھی عورتوں کی طرح دین کو اختیار کرو۔[1]

مطلب یہ ہے کہ ایمانیات اور اِعتقادیات میں بزرگانِ دین کی پیروی کرے اور نیک اَعمال بجالائے کیونکہ اس سے روگردانی میں بہت خطرہ ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ مرشد اپنے نورِ فراست سے مرید کا حال معلوم کرے کہ اگر وہ ذہین و فَطِین نہ ہو اور ظاہر اِعتقاد پر اسے پختگی نہ ہو تو ذکر و فکر میں مشغول کرنے کے بجائے اسے ظاہری اَعمال اور متواتر اَوْراد کا حکم دے یا پھر اسے ان کی خدمت پر مامور کر دے جو ذکر و فکر میں مشغول ہیں تاکہ ان کی برکت اسے بھی شامل حال رہے جیسے کوئی شخص جہاد میں لڑنے سے عاجز ہو تو اسے چاہئے کہ وہ مجاہدین کو پانی پلائے اور ان کی سواریوں کی حفاظت کرے تاکہ بروزِ قیامت وہ بھی ان کے زُمرے میں شامل ہو اور ان کی برکت سے اسے بھی حصہ پہنچے اگرچہ وہ ایسا کرنے سے ان کے درجات کو نہیں پہنچ سکتا۔

مرید جو ذکر و فکر کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے اس کے سامنے بہت سے راہ زن آتے ہیں جیسے خود پسندی، ریاکاری اور اس پر جو اَحوال منکشف ہوتے ہیں اور شروع میں جو کرامات ظاہر ہوتی ہیں ان پر خوشی وغیرہ۔ وہ جب بھی ان میں سے کسی کی طرف راغب ہوگا اور اپنے نفس کو اس میں مشغول کرے گا تو وہ چیز اس کی راہ میں رکاوٹ بنے گی، لہٰذا مرید کو چاہئے کہ تمام عُمر اپنا حال اس شخص کی طرح رکھے جو ہمیشہ پیاس میں مبتلا رہتا ہے کہ اگر دریاؤں کو بھی اس پر بہا دیا جائے تب بھی سیراب نہ ہو، لہٰذا اس کا اصل سرمایہ یہ ہے کہ مخلوق سے تعلُّق توڑ کر حق اور گوشہ نشینی کی طرف جائے۔

دل ہمیشہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ کیسے لگا رہے؟

ایک سَیّاح (سیر و سیاحت کرنے والے) بُزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے منقول ہے کہ میں نے ایک اَبدال سے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا، عرض کی: حقیقت کی راہ کس طرح ہے؟ فرمایا: تیرا دنیا میں رہنا ایک مسافر کی طرح ہو۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے عرض کی: مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ میرا دل ہمیشہ اللہ عَزَّوَجَلَّ

---

[1] ... المقاصد الحسنة، حرف العين المهملة، ص۲۹۷، حدیث: ۷۱۴ (فیہ: لا اصل لہ بہذا اللفظ)

کے ساتھ لگا رہے۔ فرمایا: تم مخلوق کی طرف مت دیکھو کہ تمہارا مخلوق کی طرف دیکھنا تاریکی ہے۔ میں نے کہا: میرا اس کے بغیر گزارہ نہیں۔ فرمایا: ان کا کلام نہ سنو کہ ان کا کلام دل کی سختی کا باعث ہے۔ میں نے کہا: اس بغیر بھی میرا چارہ نہیں۔ فرمایا: پھر ان سے معاملات نہ رکھو کہ ان سے معاملات رکھنا وحشت کا باعث ہے۔ میں نے کہا: میں تو ان کے درمیان ہوتا ہوں اور مجھے ان سے معاملات کرنے پڑتے ہیں۔ فرمایا: تو پھر ان کے ساتھ سُکُونت (رہائش) نہ رکھو کہ ان کے ساتھ سکونت رکھنا ہلاکت کا باعث ہے۔ میں نے کہا: ان کے درمیان سُکُونت رکھنے کی کوئی وجہ ہے۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا: اے شخص! تم غافل لوگوں کی طرف دیکھتے، جاہلوں کا کلام سنتے اور باطل لوگوں کے ساتھ معاملات رکھتے ہو اس کے ساتھ تم یہ بھی چاہتے ہو کہ تمہارا دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ لگا رہے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

رِیاضت کی اِنتہا:

ریاضت کی اِنتہا یہ ہے کہ دل ہمیشہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ لگا رہے اور یہ چیز بغیر گوشہ نشینی کے ممکن نہیں اور گوشہ نشینی بغیر طویل مجاہدے کے ممکن نہیں۔ جب مرید کا دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ لگا رہے گا تو اس کے لئے رب تعالیٰ کا جلال اور تجلی حق منکشف ہو جائے گی نیز اس کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ایسے لطائف ظاہر ہوں گے جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا بلکہ کسی ایک وصف کا بھی مکمل احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

شیطانی وسوسہ:

جب مرید کے لئے کوئی بات منکشف ہو جاتی ہے تو اس کے لئے سب سے بڑا راہزن وہی بات ہوتی ہے جسے وہ بعد میں وعظ و نصیحت میں بیان کرنے لگتا ہے اور لوگوں کے درمیان اس کے ذکر کرنے کے درپے ہوتا ہے۔ اس میں وہ ایسی لذت پاتا ہے جس سے بڑھ کر اسے کوئی لذت محسوس نہیں ہوتی۔ وہ لذت اسے یہ بات سوچنے کی طرف لے جاتی ہے کہ وہ کس طرح ان معانی اور الفاظ کی خوبصورتی کو تعبیر کرے، کس ترتیب کے ساتھ ذکر کرے، کس طرح حکایات اور قرآن وحدیث کے شواہد کی روشنی میں اسے مُزَیَّن کرے اور کلام میں کیسا حسن لائے جس کے باعث لوگوں کے دل اور کان اس کی طرف متوجہ ہوں۔ بسا اوقات شیطان اس کے دل میں یہ

وسوسہ بھی ڈالتا ہے تیرا یہ عمل غافلوں کے دل زندہ کر دے گا اور تو لوگوں کے درمیان ایک واسطے کی مانند ہے جو انہیں رب تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلاتا ہے۔ اس میں نہ تو کوئی تیرا حصہ ہے اور نہ ہی تیرے نفس کے لئے کوئی لذت ہے۔ ایسی صورت میں شیطانی فریب اس وقت واضح ہوتا ہے جب سالِک (راہِ سُلُوک طے کرنے والے) کا کوئی ہم عَصر لوگوں میں سب سے اچھا کلام کرنے والا اور عمدہ الفاظ استعمال کرنے والا اور عوام کے دلوں کو سب سے زیادہ اپنی جانب مائل کرنے والا ہو۔ اب اگر سالِک کے دل میں حسد کی آگ بھڑکے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے دل میں عوامی مقبولیت کا مکر و فریب اثر انداز ہے کیونکہ اگر اس کا مقصد نیک ہوتا تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دینے کا حریص ہوتا ہے اور اس میں خوشی محسوس کرتا اور یہ کہتا: تمام تعریفیں اس ربُّ العٰلمین کے لئے ہیں جس نے اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے میرا انتخاب کیا اور مجھے اس کی طاقت بخشی۔ ایسا شخص اس آدمی کی طرح ہے جو کسی لاوارث میت کو پاتا ہے اور اس کے دفن کی ذمہ دار اس پر ہوتی ہے اسی دوران کوئی شخص اس کی مدد کے لئے پہنچ جاتا ہے تو اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کرتا ہے حسد میں مبتلا نہیں ہوتا، لہٰذا غافل لوگوں کے دل مردہ ہیں واعظین (یعنی نصیحت آموز بیان کرنے والے) انہیں بیدار اور زندہ کرتے ہیں تو ان کی کثرت ایک دوسرے کے لئے باعثِ فرحت و مُعاوَنت ہونی چاہئے جبکہ ایسا کم ہے، لہٰذا مرید کو اس سے بچنا چاہئے کہ یہ شیطان کے بڑے جالوں میں سے ایک جال ہے جس کے ذریعے وہ ان لوگوں کا راستہ روکتا ہے جن پر معرفت کا کچھ راستہ کھلتا ہے کیونکہ دنیا کی زندگی کو ترجیح دینا انسانی طبیعت پر غالب ہوتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۱۶﴾ (پ۳۰، الاعلیٰ: ۱۶) ترجمۂ کنزالایمان: بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو۔

پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بیان فرمایا کہ شر طبیعتوں میں پہلے سے چلا آرہا ہے اور یہ بات پچھلی آسمانی کتابوں میں بھی مذکور ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى ﴿۱۹﴾ (پ۳۰، الاعلیٰ: ۱۸، ۱۹) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک یہ اگلے صحیفوں میں ہے ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

یہاں تک جو بیان ہوا ہے یہ مرید کی رِیاضت اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کے سلسلے میں بتدریج تربیت کا

طریقہ تھا تفصیلی طریقہ آگے آئے گا۔ انسان پر سب سے غالب صفات پیٹ، شرم گاہ اور زبان سے متعلق خواہشات ہیں پھر غصہ ہے جو خواہشات کی حمایت میں لشکر کی مانند ہے۔ جب انسان پیٹ اور شرم گاہ کی خواہش کی چاہت رکھتا ہے اور اس سے اُنْسِیَّت حاصل کرتا ہے تو وہ دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور پیٹ اور شرم گاہ کی خواہش کا حصول مال اور جاہ ومنصب کے سبب ہوتا ہے اور جب انسان مال اور جاہ ومنصب کی طلب کرتا ہے تو اس کے سبب اس میں تکبُّر، خود پسندی اور حُصُولِ رِیاست کی چاہت پیدا ہو جاتی ہے اور جب یہ چیز ظاہر ہو جاتی ہے تو اس کا نفس دنیا چھوڑنے کو بالکل تیار نہیں ہوتا اور وہ دین میں بھی وہی چیز اختیار کرتا ہے جس کے سبب اسے رِیاست کا حُصُول ہو اور غرور وتکبُّر اس میں پایا جائے۔

لہٰذا اہم پر ضروری ہے کہ پہلے ان دو ابواب (عجائباتِ قلب اور رِیاضتِ نفس) کو بیان کرنے کے بعد مُہلِکات (ہلاکت میں ڈالنے والے اُمور) کی بحث کو ان آٹھ ابواب پر ختم کریں: (۱)...پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت ختم کرنے کا بیان۔ (۲)...زبان کی آفات کا بیان۔ (۳)...غصہ، کینہ اور حسد کی مذمت کا بیان۔ (۴)...دنیا کی مذمت کا بیان۔ (۵)...مال کی محبت اور بخل کی مذمت کا بیان۔ (۶)...حُبِّ جاہ اور ریاکاری کی مذمت کا بیان۔ (۷)... تکبر اور خود پسندی کی مذمت کا بیان۔ (۸)...غرور کی مذمت کا بیان۔

ان مُہلِکات کے ذکر اور ان کے علاج کے طریقے کو بیان کرنے سے اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ پہلے باب میں ہم نے قلبی صفات کی تشریح بیان کی ہے کیونکہ انسانی دل مُہلِکات ومُنْجِیات (نجات دلانے والے اُمور) دونوں کا مرکز ہے جبکہ دوسرے باب میں اَخلاق کو سنوارنے اور اَمراضِ قلب کے علاج کی طرف اِشارہ کیا ہے اور اس کی تفصیل اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ باقی دیگر آٹھ ابواب کے تحت آئے گی۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل وکرم سے "رِیاضتِ نفس کا بیان" مکمل ہوا

❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀

پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت ختم کرنے کا بیان

(اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں)

مقدمہ:

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں جو عظمت ورِفْعَت کے لحاظ سے اپنی بزرگی میں یکتا ہے اور وہی اس بات کا مُسْتَحِق ہے کہ اس کی حمد وپاکی بیان کی جائے۔ وہ حکم لگانے اور فیصلہ کرنے میں عدل وانصاف کو قائم کرنے والا اور انعامات وعطیات میں فضل وکرم فرمانے والا ہے۔ وہی ہر مقام پر اپنے بندے کی حفاظت کا کفیل ہے۔ وہی اپنے بندے کو اس کی ضرورتوں سے زیادہ عطا کرتا ہے بلکہ اس کی آرزوؤں اور خواہشوں تک کو پورا کر کے اسے نوازتا ہے۔ وہی ہے جو اپنے بندے کی رہنمائی فرماتا اور اسے ہدایت دیتا ہے۔ وہی ہے جو اپنے بندے کو موت دیتا ہے پھر اسے زندہ کرے گا۔ جب بندہ بیمار ہو جاتا ہے تو وہ اسے شِفا دیتا ہے اور جب بندہ کمزور ہو جاتا ہے تو وہی قوت عطا فرماتا ہے۔ وہی ہے جو اپنے بندے کو عبادت کی توفیق دے کر اسے اپنا پسندیدہ بنالیتا ہے۔ وہی ہے جو اسے کھلاتا، پلاتا، ہلاکت سے محفوظ رکھتا، دشمنوں سے بچاتا اور غذا اور مشروب کے ذریعے ہلاک کر دینے والی چیزوں سے اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ وہی ہے جو اپنے بندے کو قلیل غذا پر قناعت کرنے کی قدرت عطا فرما کر بھی اس کی طاقت وقوت کو برقرار رکھتا ہے حتّٰی کہ معمولی غذا پر قناعت کے سبب اس کے دشمن شیطان کے راستے تنگ ہو جاتے ہیں اور نفس کا زور ٹوٹ جاتا اور اس کا شر دور ہو جاتا ہے پھر بندہ دل جمعی کے ساتھ اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتا ہے اور دل میں اس کا خوف رکھتا ہے۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوتا ہے جب اللہ عَزَّوَجَلَّ بندے کو لذیذ اور من پسند چیزوں کی اَنْواع واَقسام سے مالامال فرماتا ہے اور اس پر ان چیزوں کی کثرت فرما دیتا ہے جو اسبابِ لذات میں جوش وحرکت پیدا کرتی اور انہیں پختہ ومضبوط کرتی ہیں اور ان تمام چیزوں کے ذریعے بندے کا امتحان لیتا اور اسے آزماتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کیسے وہ اپنی خواہشات پر قلیل غذا کو اختیار کرتا ہے؟ اس کے احکامات کی کیسے حفاظت کرتا ہے؟ ممنوعات کے ارتکاب سے کیسے رکتا ہے؟ اور اس کی طاعت وعبادت پر کیسے ہمیشگی اختیار کرتا ہے؟ نیز گناہوں سے کیسے باز آتا ہے؟

اور اس کے معزّز بندے اور عالی مرتبت رسول حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر ایسا درود ہو جو اُنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مزید قریب کرے اور آپ کے مقام و مرتبے کو بُلند کرے نیز آپ کی نیک اولاد اور قریبی رشتہ داروں اور نیک و پرہیزگار صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اور آپ کی سنّتوں پر چلنے والوں پر بھی درود ہو۔

ابنِ آدم کو ہلاک کرنے والی چیزوں میں سب سے بڑی چیز پیٹ کی خواہش ہے اسی کی وجہ سے حضرت آدم و حوا عَلَیْہِمَا السَّلَام کو جنت سے اس دنیا کی طرف بھیجا گیا جو ذِلّت و محتاجی کا گھر ہے کیونکہ انہیں درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا لیکن وہ وسوسے کا شکار ہوگئے اور ان پر پیٹ کی خواہش غالب آئی حَتّٰی کہ ان دونوں نے اس سے کھالیا اور اُن پر اُن کی شرم کی چیزیں کھل گئیں۔[1]

پیٹ حقیقت میں خواہشات و آفات کا مَنْبَع و مرکز ہے کیونکہ پیٹ کی خواہش پوری ہونے کے بعد عورتوں کی خواہش ہوتی ہے اور شرم گاہ میں شدید ہیجان و جوش پیدا ہو جاتا ہے پھر کھانے اور نکاح کی خواہش کے بعد جاہ و منصب اور مال و دولت جو کہ بیویوں اور غذاؤں میں اضافے و وسعت کا ذریعہ ہیں ان کی طرف میلان و رغبت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ مال و جاہ میں کثرت کی خواہش سے مختلف برائیاں پیدا ہوتی ہیں

(1)... حضرت آدم اور حضرت حواء عَلَیْہِمَا السَّلَام نہایت ہی آرام اور چین کے ساتھ جنت میں رہتے تھے۔ اللہ تعالٰی نے فرمادیا تھا کہ جنت کا جو پھل بھی چاہو بے روک ٹوک سیر ہو کر تم دونوں کھا سکتے ہو۔ مگر صرف ایک درخت کا پھل کھانے کی ممانعت تھی کہ اس کے قریب مت جانا۔ وہ درخت گیہوں تھا یا انگور وغیرہ تھا۔ چنانچہ دونوں اس درخت سے مدت دراز تک بچتے رہے۔ لیکن ان دونوں کا دشمن ابلیس برابر تاک میں لگا رہا۔ آخر اس نے ایک دن اپنا وسوسہ ڈال ہی دیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں اور اللہ تعالٰی نے جس درخت سے تم دونوں کو منع کر دیا ہے وہ "شَجَرَۃُ الْخُلْد" ہے یعنی جو اس درخت کا پھل کھائے گا وہ کبھی جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ پہلے حضرت حوا عَلَیْہَا السَّلَام اس شیطانی وسوسہ کا شکار ہوگئیں اور انہوں نے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو بھی اس پر راضی کر لیا اور وہ ناگہاں غیر ارادی طور پر اس درخت کا پھل کھا گئے۔ آپ نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھ لیا کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (پ۱، البقرۃ: ۳۵) کی نہی تنزیہی ہے اور واقعی ہرگز ہرگز نہی تحریمی نہیں تھی ورنہ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام نبی ہوتے ہوئے ہرگز ہرگز اس درخت کا پھل نہ کھاتے کیونکہ نبی تو ہر گناہ سے معصوم ہوتا ہے بہرحال حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے اس سلسلے میں اجتہادی خطا سرزد ہوگئی اور اجتہادی خطا معصیت نہیں ہوتی۔ لیکن حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام چونکہ دربارِ الٰہی میں بہت مقرب اور بڑے بڑے درجات پر فائز تھے اس لئے اس اجتہادی خطا پر بھی موردِ عتاب ہوگئے۔ فوراً ہی بہشتی لباس دونوں کے بدن سے گر پڑے اور یہ دونوں جنّت کے پتوں سے اپنا ستر چھپانے لگے، اور خداوند قُدّوس کا حکم ہو گیا کہ تم دونوں جنت سے زمین پر اتر پڑو۔ (عجائب القرآن مع غرائب القرآن، ص ۲۷۱، ۲۷۲)

جیسے حسد اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنا، مال وجاہ کے سبب ریاکاری کرنا، باہم فخر کرنا، ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا اور تکبُّر کرنا اور یہ چیزیں بغض وعداوت اور حسد وکینہ کے اِرتِکاب کی طرف بلاتی ہیں اور آدمی کو بے حیائی، برائی اور سرکشی کی حد تک لے جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ معدہ کے معاملے میں لاپروائی وغفلت برتنے اور پیٹ بھرنے کی وجہ سے پیدا ہونے والے تکبر سے بے توجُّہی کا نتیجہ ہے۔ اگر بندہ بھوک کے ذریعے اپنے نفس کو ذلیل کرے اور شیطان کے راستوں کو تنگ کر دے تو ضرور اس کا نفس اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے آمادہ ہو جائے اور غرور وتکبر اور سرکشی کے راستے پر نہ چلے، دنیا میں مُنْہَمِک نہ ہو اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح نہ دے اور نہ ہی دنیا کی حرص رکھتے ہوئے اس پر مکمل طور پر ٹوٹ پڑے۔

جب پیٹ کی خواہش کی آفت اس حد تک بڑی اور سنگین ہے تو اس سے بچنے کے لئے اس کے نقصانات وآفات کی وضاحت وتفصیل ضروری ہے اور اس کے لئے مجاہدہ کے طریقے کی وضاحت اور ترغیب کے لئے اس کی فضیلت پر آگاہی بھی ضروری ہے۔ اسی طرح شرمگاہ کی شہوت کی وضاحت وتفصیل بھی ضروری ہے کیونکہ یہ پیٹ کی خواہش کے تابع ہے۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی توفیق سے مختلف فصلوں میں ان چیزوں کی وضاحت کریں گے جن میں بھوک کی فضیلت، اس کے فوائد، کم اور تاخیر سے کھانے کے ذریعے پیٹ کی خواہش کو توڑنے میں ریاضت کے طریقے ذکر کئے جائیں گے پھر لوگوں کے احوال مختلف ہونے کی وجہ سے بھوک اور اس کی فضیلت کے حکم میں اختلاف کا بیان ہوگا پھر ترکِ خواہش کے سلسلے میں ریاضت کا بیان، پھر شرمگاہ کی شہوت کے متعلق کلام ہوگا اور پھر ان چیزوں کا بیان ہوگا جو نکاح کرنے اور نہ کرنے کے معاملے میں راہِ آخرت کے مسافر پر لازم ہیں اور پھر ان حضرات کی فضیلت کا بیان ہوگا جنہوں نے پیٹ، شرم گاہ اور آنکھ کی خواہش کی مخالفت کی۔

﴿ صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

﴿ تُوبُوْا اِلَی اللّٰه اَسْتَغْفِرُ اللّٰه ﴾

﴿ صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

باب نمبر1: **پیٹ کی شہوت کا بیان** (اس میں پانچ فصلیں ہیں)

پہلی فصل: **بھوک کی فضیلت اور پیٹ بھرنے کی مذمَّت**

بھوک کی فضیلت اور شکم سیری کی مذمت میں 20 فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... بھوک اور پیاس کے ذریعے اپنے نفسوں کے خلاف جہاد کرو کیونکہ اس کا اجر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے اجر جیسا ہے اور کوئی عمل اللہ عَزَّوَجَلَّ کو بھوک اور پیاس سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ نہیں۔

﴿2﴾... جو شخص اپنا پیٹ بھرتا ہے وہ آسمانوں کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

﴿3﴾... بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی: "یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! لوگوں میں کون افضل ہے؟" ارشاد فرمایا: "جس کا کھانا اور ہنسنا کم ہو اور اتنے لباس پر راضی ہو جس سے اپنا سَتْر ڈھانپ سکے۔"

﴿4﴾... سَیِّدُ الْاَعْمَالِ الْجُوْعُ وَذُلُّ النَّفْسِ لِبَاسُ الصُّوْفِ یعنی اعمال کی سردار بھوک ہے اور نفس کی ذلّت اُون کے لباس میں ہے۔

﴿5﴾... (اونی) لباس پہنو اور پیٹ بھر کر کھاؤ نہ پیو بے شک یہ نُبُوَّت کا ایک حصہ ہے۔(1)

﴿6﴾... اَلْفِکْرُ نِصْفُ الْعِبَادَةِ وَقِلَّةُ الطَّعَامِ ھِیَ الْعِبَادَةُ یعنی غور و فکر نصف عبادت ہے اور کم کھانا مکمل عبادت ہے۔

﴿7﴾... بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک مقام و مرتبہ کے اعتبار سے تم میں افضل وہ شخص ہو گا جو زیادہ بھوکا رہنے والا اور زیادہ غور و فکر کرنے والا ہو گا اور زیادہ ناپسندیدہ وہ شخص ہو گا جو زیادہ کھانے، زیادہ پینے اور زیادہ سونے والا ہو گا۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بھوک اختیاری تھی:

ایک روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اختیاری طور پر بھوک برداشت فرمایا کرتے تھے۔(2)

﴿8﴾... بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ فرشتوں کے سامنے دنیا میں کم کھانے اور کم پینے والے شخص پر فخر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: "میرے بندے کی طرف دیکھو! میں نے کھانے پینے کی چیزوں کے ذریعے اسے

---

(1)... فردوس الاخبار، ۱/ ۷۸، حدیث: ۳۳۸، ۳۳۹ ملتقطا

(2)... شعب الایمان، باب فی المطاعم والمشارب... الخ، ۵/ ۲۶، حدیث: ۵۶۴۰

آزمایا تو اس نے صبر کیا اور انہیں چھوڑ دیا۔ اے میرے فرشتو! گواہ ہو جاؤ! اس نے جو لقمہ بھی چھوڑا میں اس کے بدلے اسے جنت میں دَرَجات عطا کروں گا۔"

﴿9﴾... زیادہ کھانے اور پینے کے ذریعے اپنے دل کو مردہ نہ کرو کیونکہ دل کھیتی کی طرح ہے کہ جب اسے زیادہ پانی ملے تو وہ خراب ہو جاتی ہے۔

﴿10﴾... آدمی اپنے پیٹ سے زیادہ بُرا کوئی برتن نہیں بھرتا، آدمی کو اپنی پیٹھ سیدھی رکھنے کے لئے چند لقمے کافی ہیں اگر اس سے زیادہ کھانا ضروری ہو تو پیٹ کا تہائی کھانے کے لئے، تہائی پینے کے لئے اور تہائی سانس کے لئے رکھو۔[1]

روزِ قیامت ربّ تعالیٰ کے زیادہ قریب:

﴿11﴾... بے شک بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں طویل عرصہ تک بھوکے، پیاسے اور غمگین رہے ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو (عام لوگوں کی نظروں سے) پوشیدہ اور مُتَّقِی ہیں کہ اگر موجود ہوں تو پہچانے نہ جائیں، غائب ہوں تو انہیں تلاش نہ کیا جائے، زمین کے ٹکڑے انہیں پہچانتے ہیں اور آسمان کے فرشتے ان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ لوگ دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور یہ لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت و فرمانبرداری سے خوش ہوتے ہیں۔ لوگ نرم و ملائم بستر بچھاتے ہیں جبکہ یہ لوگ پیشانیاں اور گھٹنے بچھاتے ہیں (یعنی راتیں سجدوں میں گزارتے ہیں)۔ لوگ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی سنّتوں اور ان کے اخلاق سے روگردانی کرتے ہیں لیکن یہ ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب ان میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو زمین روتی ہے اور جس شہر میں ان میں سے کوئی نہ ہو اس شہر پر جبّار عَزَّوَجَلَّ غضب فرماتا ہے۔ یہ لوگ دنیا پر اس طرح نہیں ٹوٹ پڑتے جس طرح سڑے ہوئے مردار پر کُتّے ٹوٹ پڑتے ہیں بلکہ یہ لوگ تو کم کھاتے اور پرانا لباس پہنتے ہیں۔ ان کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے غبار آلود ہوتے ہیں۔ لوگ اِنہیں دیکھ کر بیمار گمان کرتے ہیں حالانکہ یہ بیمار نہیں ہوتے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اِنہیں دماغی عارِضہ لاحق ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کی عقلیں چلی گئی ہیں حالانکہ ان کی عقلیں گئی نہیں ہوتیں لیکن انہوں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے معاملے میں غور و فکر کیا تو اس کے سبب ان کے اندر سے دنیا (کی محبت) چلی گئی۔ دنیا والوں کے نزدیک یہ لوگ بے عقل

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی کراھیۃ کثرۃ الاکل، ۴/ ۱۶۸، حدیث: ۲۳۸۷

شخص کی طرح چلتے ہیں حالانکہ ان کی عقلیں اس وقت بھی سلامت ہوں گی جب لوگوں کی عقلیں چلی جائیں گی۔ ان کے لئے آخرت میں بلند مرتبہ ہوگا۔ اے اسامہ! جب تم انہیں کسی شہر میں دیکھو تو جان لینا کہ یہ اس شہر والوں کے لئے امان ہیں۔ جس قوم میں یہ ہوں اللہ عَزَّ وَجَلَّ ان پر عذاب نہیں فرماتا، زمین ان سے خوش اور ربّ عَزَّ وَجَلَّ ان سے راضی ہے، تم انہیں اپنا بھائی بنالینا قریب ہے کہ تم ان کے وسیلے سے نجات پا جاؤ۔ اگر تمہارے لئے ممکن ہو کہ موت کے وقت تمہارا پیٹ بھوکا اور جگر پیاسا ہو تو ایسا ہی کرنا کیونکہ اس کے سبب تم بلند مقام و مرتبہ پالو گے، انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا ساتھ تمہیں نصیب ہوگا، فرشتے تمہاری روح کے آنے سے خوش ہوں گے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ تم پر رحمت فرمائے گا۔[1]

﴿12﴾...اونی لباس پہنو، پاجامہ ٹخنوں سے اوپر رکھو اور پیٹ بھر کر نہ کھاؤ آسمانوں کی سلطنت میں پرواز کرنے لگو گے۔[2]

حصولِ معرفت کا ایک طریقہ:

حضرت سیِّدُنا عیسیٰ روحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: "اے حواریوں کے گروہ! اپنے پیٹوں کو بھوکا پیاسا رکھو اور لباس بقدرِ ضرورت پہنو شاید کہ تمہارے دل اللہ عَزَّ وَجَلَّ کو دیکھ لیں۔" (ایک روایت میں ہے تاکہ تمہارے دل اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی معرفت حاصل کرلیں۔)[3]

یہی بات پیارے مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی مروی ہے جسے حضرت سیِّدُنا طاؤس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے روایت کیا ہے۔

تورات میں لکھا ہے: اللہ عَزَّ وَجَلَّ موٹے عالم کو ناپسند فرماتا ہے۔[4]

یہ اس لئے کہ موٹاپا، غفلت اور زیادہ کھانے پر دلالت کرتا ہے اور یہ بات قبیح اور بری ہے، بالخصوص عالم کے لئے۔

---

1 ...قوت القلوب، الفصل التاسع والثلاثون فی ترتیب الاقوات بالنقصان...الخ، ۲/ ۲۷۸

2 ...فردوس الاخبار، ۱/ ۲۸، حدیث: ۳۳۸ بتغیر قلیل

3 ...قوت القلوب، الفصل التاسع والثلاثون فی ترتیب الاقوات بالنقصان...الخ، ۲/ ۲۸۳

4 ...تفسیر الطبری، پ۷، سورۃ الانعام: ۹۱، ۵/ ۲۶۲، حدیث: ۱۳۵۳۹

حضرت سیِّدُنا ابنِ مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ”بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ موٹے قاری کو ناپسند فرماتا ہے۔“

﴿13﴾... شیطان ابن آدم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے، لہٰذا بھوک اور پیاس کے ذریعے اس کے راستوں کو تنگ کرو۔[1]

﴿14﴾... اِنَّ الْاَكْلَ عَلَى الشِّبَعِ يُوْرِثُ الْبَرَصَ یعنی پیٹ بھرا ہونے کے باوجود کھانا برص پیدا کرتا ہے۔[2]

﴿15﴾... اَلْمُؤْمِنُ يَاْكُلُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ وَّالْمُنَافِقُ يَاْكُلُ فِيْ سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ یعنی مومن ایک آنت سے کھاتا ہے اور منافق سات آنتوں سے کھاتا ہے۔[3]

یعنی منافق مومن سے سات گنا زیادہ کھاتا ہے یا اس کی (کھانے کی) خواہش مومن کی خواہش سے سات گنا زیادہ ہوتی ہے اور آنت کا ذکر کرنے میں خواہشات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ خواہش کھانے کو اس طرح قبول کرتی ہے جس طرح آنت قبول کرتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ منافق کی آنتوں کی تعداد مومن کی آنت سے زیادہ ہوتی ہے۔

﴿16﴾... جنت کا دروازہ ہمیشہ کھٹکھٹاتے رہو تمہارے لئے کھول دیا جائے گا۔ (حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا فرماتی ہیں) میں نے عرض کی: ”ہم جنت کا دروازہ ہمیشہ کس طرح کھٹکھٹائیں؟“ ارشاد فرمایا: ”بھوک اور پیاس کے ذریعے۔“[4]

﴿17﴾... حضرت سیِّدُنا ابو جُحَیْفَہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بارگاہِ رسالت میں ڈکار لی تو سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اپنی ڈکار روکو! کیونکہ بروزِ قیامت زیادہ عرصہ تک وہ لوگ بھوکے رہیں گے جو دنیا میں زیادہ مدت تک پیٹ بھر کر کھاتے رہے ہوں گے۔“[5]

1... قوت القلوب، الفصل التاسع والثلاثون فی ترتیب الاقوات بالنقصان... الخ، ۲/ ۲۸۲

2... قوت القلوب، الفصل التاسع والثلاثون فی ترتیب الاقوات بالنقصان... الخ، ۲/ ۲۸۲

3... المعجم الکبیر، ۷/ ۲۳۰، حدیث: ۷۹۵۹

4... قوت القلوب، الفصل التاسع والثلاثون فی ترتیب الاقوات بالنقصان... الخ، ۲/ ۲۸۸

5... شعب الایمان، باب فی المطاعم والمشارب... الخ، ۵/ ۲۶، حدیث: ۵۶۴۳

سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بھوک:

﴿18﴾... اُمُّ الْمُؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، جب میں آپ کو بھوک کی حالت میں دیکھتی تو آپ سے ہمدردی کرتے ہوئے بسا اوقات رو پڑتی اور آپ کے شِکَمِ اَطہر پر اپنے ہاتھوں کو پھیرتی اور عرض کرتی: "میری جان آپ پر قربان! اگر آپ دنیا سے اتنی مقدار لے لیں جو آپ کو قوت بخشے اور آپ کی بھوک مٹا دے تو اس میں کیا حَرَج ہے؟" آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے: "اے عائشہ! میرے ہمت والے بھائیوں (یعنی رسولوں) نے اس سے بھی زیادہ سختیوں پر صبر کیا اور وہ اپنی اسی حالت پر قائم رہے پھر جب اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو انہیں عزت والا مقام ملا اور بہت زیادہ ثواب عطا کیا گیا، مجھے حیا آتی ہے کہ اگر میں دنیا میں آسانی حاصل کروں تو کل کہیں ان کے مقابلے میں میرا مرتبہ کم نہ ہو جائے، مجھے چند دن صبر کرنا اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ کل آخرت میں میرا حصہ کم ہو، مجھے اپنے رفیقوں اور بھائیوں کے ساتھ ملنے سے بڑھ کر کوئی چیز پسند نہیں ہے۔"(1) اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: "وَاللہ! اس کے بعد ایک ہفتہ نہیں گزرا تھا کہ آپ اس دنیائے فانی سے کوچ فرما گئے۔"

﴿19﴾... حضرت سیِّدُنا انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ خاتونِ جنّت حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ زَہرا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا روٹی کا ایک ٹکڑا لئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دریافت فرمایا: "یہ ٹکڑا کس لئے ہے؟" انہوں نے عرض کی: "میں نے روٹی پکائی تھی، آپ کے بغیر کھانا پسند نہ کیا اس لئے یہ ٹکڑا لے کر حاضر ہوئی ہوں۔" یہ سن کر حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "تین دن کے بعد یہ پہلا کھانا ہے جو تمہارے والد کے منہ میں پہنچا ہے۔"(2)

حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ نبیِّ مختار، سرکارِ نامدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے وصال تک مسلسل تین دن اپنے گھر والوں کو گندم کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھلائی۔(3)

---

(1)... الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، فصل واما زھدہ، ۱/ ۱۴۳ بتغیر

(2)... تاریخ مدینہ دمشق، السیرۃ النبویۃ، باب ذکر تقللہ وزھدہ... الخ، ۴/ ۱۲۲

(3)... مسلم، کتاب الزھد والرقائق، ص ۱۵۹۰، حدیث: ۲۹۷۶

﴿20﴾...بے شک دنیا میں بھوکے رہنے والے آخرت میں شکم سیر ہوں گے[1] اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند لوگ وہ ہیں جو پیٹ بھر کر کھانے کے سبب بدہضمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بندہ خواہش کے باوجود جب کوئی لقمہ چھوڑ دیتا ہے تو (اس کے بدلے) اسے جنت میں ایک درجہ عطا کیا جاتا ہے۔

بھوک کی فضیلت اور شکم سیری کی مذمت میں 10 اقوال:

﴿1﴾...امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ارشاد فرمایا: پیٹ بھر کر کھانے سے بچو کیونکہ یہ دنیا میں زحمت و بوجھ اور مرنے کے بعد بدبو کا باعث ہے۔

﴿2﴾...حضرت سیِّدُنا شقیق بَلْخِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی ارشاد فرماتے ہیں: عبادت ایک پیشہ ہے جس کی دکان خلوت جبکہ اس کا اوزار بھوکا رہنا ہے۔

﴿3﴾...حضرت سیِّدُنا لُقمان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان نے اپنے بیٹے کو (نصیحت کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا: اے میرے بیٹے! جب معدہ بھر جاتا ہے تو غور و فکر کا سلسلہ رک جاتا ہے، حکمت چلی جاتی ہے اور اعضاء عبادت کے معاملے میں سستی کرنے لگتے ہیں۔

﴿4﴾...حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اپنے آپ کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے: تجھے کس چیز کا خوف ہے؟ کیا تو بھوکا رہنے سے ڈرتا ہے؟ تو اس معاملے میں خوف نہ کر کیونکہ اس کی وجہ سے تو عبادت کے لئے ہلکا پھلکا رہتا ہے۔ خود نبیِ مختار، سرکارِ نامدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور ان کے اصحاب عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے بھی بھوک کو اختیار فرمایا۔

﴿5﴾...حضرت سیِّدُنا کَہْمَس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کرتے: الٰہی عَزَّوَجَلَّ! میں بھوکا، پیاسا، لباس سے بے نیاز اور رات کی تاریکی میں بغیر چراغ کے رہا میرا ایسا کون سا عمل ہے جس کے سبب تُو نے مجھے یہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا۔

﴿6﴾...حضرت سیِّدُنا فتح مَوصِلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کی بھوک اور بیماری جب بڑھ جاتی تو بارگاہِ خداوندی میں

---

[1] ...المعجم الکبیر، ۱۱/ ۲۶۷، حدیث: ۱۱۶۹۳

عرض کرتے: "الٰہی! تو نے بیماری اور بھوک کے ذریعے مجھے آزمایا اور تو اپنے اولیا کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتا ہے، تو میں کس عمل کے ذریعے تیری عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کروں؟"

غُربا کے لئے خوشخبری:

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الغَفّار فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا: "اے ابوعبد اللہ! اس شخص کے لئے خیر و بھلائی ہے جس کے پاس تھوڑا سا اناج و غلہ ہو جسے کھا کر وہ اپنا گزارہ کرلے اور لوگوں سے بے نیاز ہو جائے؟" انہوں نے کہا: "اے ابو یحییٰ! اس شخص کے لئے خیر و بھلائی ہے جس کی صبح اور شام بھوک کی حالت میں ہو اور وہ اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ سے راضی ہو۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیْل بن عِیاض رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بارگاہِ رَبُّ العزت میں عرض کرتے ہیں: الٰہی عَزَّوَجَلَّ! تو نے مجھے اور میرے اہل و عیال کو بھوکا پیاسا رکھا اور رات کے اندھیروں میں مجھے چراغ کے بغیر رکھا، ایسا تو صرف تو اپنے اولیا کے ساتھ کرتا ہے، مجھے یہ مقام و مرتبہ کس سبب سے ملا؟

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الجَوَاد فرماتے ہیں: آخرت کی رغبت رکھنے والوں کی بھوک انہیں عزّت و شرافت اور بلندی پر ابھارتی ہے، توبہ کرنے والوں کے لئے بھوک جانچ و آزمائش ہوتی ہے، عبادت میں کوشش کرنے والوں کے لئے بھوک عزّت و کرامت ہوتی ہے، دنیا کی رنگینیوں اور اس کی لذتوں پر صبر کرنے والوں کی بھوک ان کے نفسوں کی نگہداشت ہوتی ہے (تاکہ دنیوی حاجات کی طرف ان کی توجہ نہ جائے) اور زاہدوں کی بھوک حکمت ہوتی ہے۔

توریت شریف میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈر اور جب تو شکم سیر ہو جائے تو بھوکے لوگوں کو یاد کر۔

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی ارشاد فرماتے ہیں: رات کے کھانے سے ایک لقمہ چھوڑ دینا مجھے پوری رات عبادت کرنے سے زیادہ پسند ہے۔ بھوک اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے جسے وہ صرف اپنے محبوب بندوں کو عطا کرتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الوَلِی بیس دن سے زیادہ بھوکے رہتے کچھ نہ کھاتے، آپ کو سال بھر کے کھانے کے لئے ایک درہم کافی ہوتا۔ آپ رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بھوک کو عظیم اور بڑی چیز

خیال کرتے اور بھوکا رہنے کی خوب کوشش کرتے۔

بھوک کے متعلق سیِّدُنا سَہل تُستری رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه کے 12 فرامین:

﴿1﴾... بروزِ قیامت کسی نیک عمل کا اتنا اجر نہیں دیا جائے گا جتنا رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کی پیروی کرتے ہوئے زائد کھانے[1] کو چھوڑ دینے پر دیا جائے گا۔

﴿2﴾... عقل مند لوگ دین و دنیا کے لئے بھوک سے زیادہ نفع مند چیز کسی کو نہیں سمجھتے۔

﴿3﴾... میں آخرت کے طلب گاروں کے لئے (حاجت سے زائد) کھانے سے زیادہ کسی چیز کو نقصان دہ نہیں جانتا۔

﴿4﴾... علم و حکمت کو بھوک میں اور معصیت و جہالت کو شِکَم سیری میں رکھ دیا گیا ہے۔

﴿5﴾... خواہشات کی مخالفت کرتے ہوئے حلال کو بھی چھوڑ دینا افضل ترین عبادت ہے۔

﴿6﴾... حدیث پاک میں ہے: "ثُلُثٌ لِلطَّعَامِ فَمَنْ زَادَ عَلَیْهِ فَاِنَّمَا یَاْکُلُ مِنْ حَسَنَاتِهٖ یعنی (پیٹ کا) تہائی حصہ کھانے کے لئے ہے جو تہائی سے زیادہ کھائے تو وہ اپنی نیکیوں ہی سے کھائے گا۔" حضرت سیِّدُنا سَہل تُستری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی سے زیادتی کا مطلب پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: جب کسی کو بھوکا رہنا کھانے سے زیادہ محبوب ہو، تاکہ اسے عبادت کا موقع ملے پھر وہ کھانے میں مشغول رہے تو یہ زیادتی ہے۔

﴿7﴾... اَبدال بھوک، شب بیداری، خاموشی اور خلوت کے ذریعے ہی ابدال بنتے ہیں۔

﴿8﴾... ہر وہ بھلائی و نیکی جو آسمان سے زمین کی طرف اترتی ہے اس کی اصل بھوکا رہنا ہے اور زمین و آسمان کے درمیان ہر گناہ و بدکاری کی جڑ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔

﴿9﴾... جو اپنے آپ کو بھوکا رکھتا ہے اس سے وسوسے ختم ہو جاتے ہیں۔

﴿10﴾... بھوک، بیماری اور مصیبت کے وقت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت بندے کی جانب متوجہ ہوتی ہے اور یہ چیزیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے نعمت ہیں۔

---

[1]... اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کی خاطر پیٹھ سیدھی رکھنے کے لئے جتنے لقمے کافی ہوتے ہیں اس سے زیادہ کھالینا زائد کھانا کہلاتا ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۹/۱۹)

﴿11﴾... جان لو یہ وہ زمانہ ہے کہ اس میں کوئی شخص اس وقت تک نجات نہیں پا سکتا جب تک بھوک، شب بیداری اور مجاہدہ کرکے اپنے نفس امّارہ کو ذبح نہ کرلے۔

﴿12﴾... روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں گزرا کہ جس نے پانی سیر ہو کر پیا ہو پھر گناہ سے بچ گیا ہو اگرچہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرے، تو جو پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے وہ کیسے گناہ سے محفوظ رہ سکتا ہے؟

نفس کو کس طرح قید کیا جائے؟

ایک دانا سے کسی نے دریافت کیا: "میں اپنے نفس کو کس طرح قید کروں؟" فرمایا: "بھوکا اور پیاسا رکھ کر اسے قید کرو، گمنامی اور ترکِ عزّت کے ذریعے اسے ذلیل کرو، اہل آخرت کے پاؤں تلے رکھ کر اسے چھوٹا کرو، امیر لوگوں کی ھَیئَت (بناوٹ) کو چھوڑ کر اسے توڑو، اس کے ساتھ ہمیشہ بدگمانی رکھ کے اس کی آفتوں سے نجات حاصل کرو اور اس کی خواہشات کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے ساتھ رہو۔"

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی دوستی اور کرم نوازیاں:

حضرت سیِّدُنا عبدالواحد بن زید رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کرتے: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جسے بھی دوست بنایا بھوکا رہنے کے سبب بنایا، اولیائے کرام پانی پر چلتے ہیں تو بھوکا رہنے کے سبب، ان کے لئے زمین لپیٹی جاتی ہے تو بھوکا رہنے کے سبب اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کی مدد بھی فرماتا ہے تو بھوکا رہنے کے سبب۔

پیٹ کی مثال:

حضرت سیِّدُنا ابو طالب مکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی فرماتے ہیں: پیٹ کی مثال سارنگی کی طرح ہے کہ جس کی کھوکھلی و خالی لکڑی میں تار لگے ہوتے ہیں اور اس کی آواز کے اچھا ہونے کی وجہ اس کا ہلکا اور پتلا ہونا ہے نیز اس لئے بھی اس کی آواز اچھی ہوتی ہے کہ وہ اندر سے کھوکھلی ہوتی ہے بھری ہوئی نہیں ہوتی اسی طرح پیٹ بھی جب خالی ہوتا ہے تو تلاوت میں لذت و مٹھاس، شب بیداری میں پابندی اور نیند میں کمی کا باعث بنتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابو بکر بن عبد اللہ مُزَنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی فرماتے ہیں کہ تین لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ عَزَّوَجَلَّ محبت فرماتا ہے: کم سونے والا، کم کھانے والا اور (عبادت میں مشغول رہنے کے سبب) تھوڑا آرام کرنے والا۔

روٹی کا خیال:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام 60 دن تک ربّ عَزَّوَجَلَّ سے مُناجات کرتے رہے اور اس دوران آپ نے کچھ نہ کھایا، دورانِ مُناجات آپ کے دل میں روٹی کا خیال پیدا ہوا تو آپ کے دل سے مُناجات کی اُنسیَّت چلی گئی اور کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک روٹی رکھی ہوئی ہے، آپ اس کیفیت کے چلے جانے پر رونے لگے۔ اچانک ایک نیک شخص آپ کے سامنے آیا۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس نیک شخص سے کہا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نیک بندے! اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں برکت عطا فرمائے، میرے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا کردو! مجھ پر ایک کیفیت طاری تھی جیسے ہی میرے دل میں روٹی کا خیال آیا تو وہ کیفیت مجھ سے دور گئی۔ اس شخص نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تو جانتا ہے کہ جو کچھ مجھے کھانے کے لئے مُیَسَّر ہوا میں نے بے فکر ہو کر کھالیا، جب سے میں نے تجھے پہچانا ہے اگر میرے دل میں روٹی کا خیال آیا ہو تو مجھے نہ بخش۔

40 دن کھانا چھوڑے رکھا:

مروی ہے کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو ہم کلامی کے ذریعے اپنا قرب عطا فرمایا جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے تو اس وقت آپ 40 دن پہلے ہی کھانا چھوڑ چکے تھے۔ پہلے 30 دن پھر مزید 10 دن کیونکہ ایک دن آپ رات میں روزے کی نیت کئے بغیر بھوکے پیاسے رہے تو اس کی وجہ سے آپ نے مزید دس دن روزے رکھے۔

دوسری فصل: بھوک کے فوائد اور شکم سیری کے نقصانات

نفس کے خلاف جہاد:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیُوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جَاهِدُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالْجُوْعِ وَالْعَطَشِ فَاِنَّ الْاَجْرَ فِیْ ذٰلِكَ یعنی بھوک اور پیاس کے ذریعے اپنے نفسوں کے خلاف جہاد کرو کیونکہ اس میں اجر ہے۔"

ایک سوال اور اس کا جواب:

شاید تم یہ کہو کہ بھوک کی یہ عظیم فضیلت کیونکر ہے اور اس کا سبب کیا ہے حالانکہ اس میں معدہ کو

محض تکلیف پہنچانا اور اَذِیَّت جھیلنا ہے۔ اگر ایسا معاملہ ہے تو ہر وہ چیز جس سے انسان کو تکلیف ہو جیسا کہ خود کو مارنا، اپنا گوشت کاٹنا اور ناپسندیدہ اشیاء وغیرہ کو استعمال کرنا ان میں بھی بڑا اجر و ثواب ہونا چاہئے؟

جان لو کہ یہ بات ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص دوا پئے پھر جب اسے فائدہ ہو تو وہ یہ گمان کرے کہ فائدہ دوا کی کڑواہٹ اور ناپسندیدگی کی وجہ سے ہوا ہے۔ چنانچہ وہ ہر ناپسند ذائقے والی چیزوں کو استعمال کرنے لگے حالانکہ یہ غلطی ہے بلکہ فائدہ تو دوا میں موجود خاصِیَّت کی وجہ سے ہوا ہے نہ کہ اس کے کڑوا ہونے کے سبب اور اس خاصیت پر محض اَطِبّا ہی واقف ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بھوک سے حاصل ہونے والے نفع کی وجہ بھی صرف علم والے جانتے ہیں اور جو شخص اس وجہ سے بھوکا رہے کہ شریعت میں اس کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے تو وہ فائدہ اٹھائے گا اگرچہ وہ فائدہ کی وجہ نہ جانتا ہو جیسے کوئی شخص دوا پیتا ہے تو اسے فائدہ حاصل ہوتا ہے اگرچہ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے نفع دینے کی وجہ کیا ہے۔

اگر تم درجۂ ایمان سے ترقی کرتے ہوئے درجۂ علم تک پہنچنا چاہتے ہو تو ہم تمہارے لئے اس کی تشریح و تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ (پ۲۸، المجادلۃ:۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ بھوکا رہنے میں دس فوائد ہیں۔

بھوکا رہنے کے 10 فائدے:

✿... پہلا فائدہ: دل صاف ہوتا، طبیعت میں تیزی آتی اور بصیرت کامل ہوتی ہے۔ کیونکہ پیٹ بھر کر کھانے سے سستی پیدا ہوتی ہے اور دل اندھا ہو جاتا ہے (بخارات معدہ سے دماغ کی طرف چڑھتے ہیں جس کی وجہ سے) دماغ میں بخارات بڑھ جاتے ہیں حتّٰی کہ یہ غور و فکر کی جگہوں پر قبضہ کر کے اس کے راستوں کو بند کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کی وجہ سے فکری میدان میں گھومنے اور کسی بات کو فوری لینے میں دل کو پریشانی ہوتی ہے بلکہ بچہ جب کھانا زیادہ کھالیتا ہے تو اس کی یادداشت و ذہانت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کسی بات کے لینے اور سمجھنے کے معاملے میں سست ہو جاتا ہے۔

دل کی نرمی:

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: بھوک کو اختیار کرو کیونکہ اس سے نفس کمزور پڑتا، دل نرم ہوتا اور آسمانی علم حاصل ہوتا ہے۔

سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَحْیُوْا قُلُوْبَکُمْ بِقِلَّۃِ الضِّحْکِ وَقِلَّۃِ الشِّبْعِ وَطَھِّرُوْھَا بِالْجُوْعِ تَصْفُوْ وَتَرِقُّ یعنی کم ہنسنے اور کم کھانے کے ذریعے اپنے دلوں کو زندہ کرو اور بھوکا رہنے کے ذریعے انہیں پاک کرو تو یہ صاف اور نرم ہو جائیں گے۔[1]

منقول ہے کہ بھوک گرج کی مثل، قناعت بادل کی طرح اور حکمت بارش کی مانند ہے۔

نبیوں کے تاجوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَجَاعَ بَطْنَہٗ عَظُمَتْ فِکْرَتُہٗ وَفَطِنَ قَلْبُہٗ یعنی جو اپنے پیٹ کو بھوکا رکھتا ہے اس کی فکر بلند اور دل سمجھدار ہو جاتا ہے۔

بدن کی زکوٰۃ:

حِبْرُ الْاُمَّہ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا بیان کرتے ہیں کہ خَتْمُ الرُّسُل، مالکِ کل صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَنْ شَبِعَ وَنَامَ قَسٰی قَلْبُہٗ یعنی جو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور سو جائے تو اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: لِکُلِّ شَیْءٍ زَکَاۃٌ وَزَکَاۃُ الْبَدَنِ الْجُوْعُ یعنی ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے اور بدن کی زکوٰۃ بھوکا رہنا ہے۔[2]

حکمت ونصیحت کا دروازہ:

حضرت سیِّدُنا ابو بکر شبلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: "میں جس دن بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر بھوکا رہا میں نے اپنے دل میں حکمت اور عبرت ونصیحت کا ایک ایسا دروازہ کھلتے دیکھا جسے میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا۔"

یہ بات مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے کہ عبادات سے مقصود مَعْرِفت تک پہنچانے والی فکر کا حصول اور حق تعالیٰ کے حقائق کو اچھی طرح دیکھنا ہے اور شکم سیری اس راہ میں رکاوٹ بنتی ہے جبکہ بھوک اس کا دروازہ

1 ...تذکرۃ الموضوعات، باب فضل الحلاوۃ واطعامھا والعسل...الخ، ص ۱۵۱

2 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب فی الصوم زکاۃ الجسد، ۲/ ۳۴۷، حدیث: ۱۷۴۵ بتغیر

کھولتی ہے اور معرفت جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مسلسل بھوکا رہ کر جنت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔

اسی وجہ سے حضرت سیِّدُنا لقمان حکیم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے بیٹے کو ارشاد فرمایا: بیٹا! جب معدہ بھر جاتا ہے تو غور و فکر کا سلسلہ رک جاتا ہے، حکمت چلی جاتی ہے اور اعضاء عبادت کے معاملے میں سستی کرتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا ابویزید بسطامی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: بھوک بادل کی طرح ہے، جب بندہ بھوکا ہوتا ہے تو بھوک دل پر حکمت برساتی ہے۔

دنیا میں حور کا قرب:

مصطفٰے جانِ رحمت، شفیع امت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "بھوک حکمت کا نور ہے، شکم سیری اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دوری ہے اور مساکین سے محبت اور ان کے قریب ہونے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور پیٹ بھر کر نہ کھاؤ کہ اپنے دلوں سے حکمت کا نور بجھا دو گے اور جو کم کھانا کھا کر نماز پڑھتے ہوئے رات گزارتا ہے تو صبح تک اس کے گرد حور رات گزارتی ہے۔"[1]

مناجات کی لذت پانے کا سبب:

❁...دوسرا فائدہ: بھوکا رہنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ دل میں نرمی پیدا ہوتی اور صفائی حاصل ہوتی ہے اور ان دو باتوں کے سبب دل میں مناجات کی لذت پانے اور ذکر کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ زبان پر ذکر جاری ہوتا ہے اور دل بھی حاضر ہوتا ہے یعنی وہ اس کے معانی بھی سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن رِقّت اور صفائی نہ ہونے کے سبب دل کو نہ تو اس سے لذت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی دل اس کا اثر قبول کرتا ہے، دل کی سختی کے باعث دل اور ذکر کے اثر کے مابین گویا ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ جب دل میں رقّت ہوتی ہے تو ذکر کا اس پر بڑا اثر ہوتا ہے اور مناجات سے اسے بہت لذت حاصل ہوتی ہے اور معدہ کا خالی ہونا دل میں رقّت و نرمی کا سب سے واضح اور نمایاں سبب ہے۔

---

[1] ...تاریخ مدینۃ دمشق، الرقم: ۲۳۳۰، زید بن عبد اللہ بن محمد، ۱۹/ ۴۴۷

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: "مجھے عبادت میں سب سے زیادہ لذت وچاشنی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب میری پیٹھ میرے پیٹ سے مل جائے۔"

سیِّدُنا جنید بغدادی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا فرمان:

حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: کوئی شخص اپنے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان کھانے کی ٹوکری رکھ لیتا (یعنی پیٹ بھر کر کھالیتا) ہے اور چاہتا یہ ہے کہ عبادت کی حلاوت ومٹھاس کو پالے۔

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: "جب بندہ بھوکا اور پیاسا ہوتا ہے تو دل صاف اور نرم ہو جاتا ہے اور جب پیٹ بھر کر کھالیتا ہے تو دل اندھا اور سخت ہو جاتا ہے۔"

دل کا مناجات کی لذت کو قبول کرنا معرفت اور فکر کے حصول کے علاوہ دوسری چیز ہے اور یہی دوسرا فائدہ ہے۔

تکبُّر و گھمنڈ ختم کرنے کا طریقہ:

﴿3﴾... تیسرا فائدہ: بھوکا رہنے کا یہ فائدہ بھی ہے کہ عاجزی اور انکساری نصیب ہوتی ہے، غرور وتکبُّر، گھمنڈ اور اِتراہٹ چلی جاتی ہے جو کہ سرکشی ونافرمانی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غفلت کی جڑیں ہیں۔ نفس کسی چیز سے اتنا عاجز اور کمزور نہیں ہوتا جتنا بھوکا رہنے سے ہوتا ہے۔ پس اس وقت نفس اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ (کے ذکر) سے سکون پاتا، اس کے سامنے جھکتا اور اپنے عجز اور کمزوری پر مطلع ہوتا ہے کیونکہ کھانے کے چند لقمے چھوٹ جانے کے سبب نفس کی قوت کمزور اور اس کی تدبیر ناکام ہو جاتی ہے اور پانی کا گھونٹ رہ جانے سے دنیا اس پر تاریک ہو جاتی ہے اور جب تک انسان اپنے نفس میں کمزوری اور عجز نہ دیکھ لے اس وقت تک وہ اپنے مولیٰ عَزَّوَجَلَّ کی طاقت وغلبے کو نہیں دیکھ سکتا۔ انسان کی سعادت صرف اس میں ہے کہ وہ اپنے نفس کو ہمیشہ حقارت اور عجز کی نگاہ سے دیکھے اور اپنے مولیٰ عَزَّوَجَلَّ کو طاقت وقدرت اور غلبے کی نگاہ سے دیکھے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ ہمیشہ بھوکا اور اپنے مولیٰ عَزَّوَجَلَّ کے آگے محتاج بن کر رہے اور اِضطرار وعجز کے سبب نورِ معرفت کا مشاہدہ کرتا رہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے مکی مدنی تاجدار، دو عالم کے مالک ومختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سامنے دنیا اور اس کے خزانے پیش کیے گئے تو آپ نے انہیں نہ لیتے ہوئے عرض کی: "بَلْ اَجُوْعُ یَوْمًا وَ

اَشْبَعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ صَبَرْتُ وَتَضَرَّعْتُ وَاِذَا شَبِعْتُ شَكَرْتُ یعنی بلکہ میں ایک دن بھوکا رہوں گا اور ایک دن شکم سیر ہوں گا پس جب میں بھوکا ہوں گا تو صبر کروں گا اور تیری بارگاہ میں گڑگڑاؤں گا اور جب شکم سیر ہوں گا تو شکر کروں گا۔"[1]

جنت کا دروازہ کھولنا ہے یا جہنم کا؟

پیٹ اور شرم گاہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کی اصل اور جڑ پیٹ بھر کر کھانا ہے اور عاجزی وانکساری جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کی اصل اور بنیاد بھوکا رہنا ہے۔ جس نے جہنم کے کسی دروازہ کو بند کیا تو لازمی طور پر اس نے جنت کے کسی دروازہ کو کھول لیا کیونکہ یہ دونوں مشرق ومغرب کی طرح ایک دوسرے سے دور ہیں تو ایک سے قریب ہونا یقیناً دوسرے سے دور ہونا ہے۔

لوگوں سے ہمدردی قائم رہتی ہے:

﴿۴﴾...چوتھا فائدہ: بھوک کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آزمائش ومصیبت اور اس کے عذاب کو نہیں بھولتا اور نہ ہی مصیبت میں مبتلا لوگوں کو بھولتا ہے جبکہ جس کا پیٹ بھرا ہو وہ تو بھوک کو بھی بھول جاتا ہے۔ نورِ ایمان سے دیکھنے والا سمجھ دار بندہ جب کسی دوسرے کی مصیبت دیکھتا ہے تو آخرت کی مصیبت کو یاد کرتا ہے، اپنی پیاس سے قیامت کی دہکتی ہوئی زمین پر مخلوق کی پیاس کو یاد کرتا ہے اور اپنی بھوک سے جہنمیوں کی بھوک کو یاد کرتا ہے کہ جب جہنمیوں کو بھوک لگے گی تو وہ آگ کے کانٹے اور تھوہڑ (ایک نہایت کڑوا درخت)، دوزخیوں کا جلتا ہوا پیپ اور گلا ہوا تانبا کھائیں گے۔ لہٰذا بندے کے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اس سے آخرت کے عذابات وتکالیف مخفی وپوشیدہ رہیں کیونکہ یہی چیز تو خوف پیدا کرتی ہے اور جو شخص ذلت، بیماری، مال وعزت میں کمی اور آزمائش میں مبتلا نہ ہو وہ عذابِ آخرت کو بھول جاتا ہے، نہ اس کے دل میں عذابِ آخرت کا خیال آتا ہے اور نہ ہی اسے اس معاملے میں اپنے دل پر قابو ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ یا تو بندہ خود مصیبت وتکلیف کو جھیلے یا آزمائش وبلا میں مبتلا شخص کو دیکھتا رہے اور سب سے زیادہ لائق ومناسب مصیبت جسے بندہ جھیل سکتا ہے وہ بھوک ہے کیونکہ اس میں عذابِ آخرت کی

---

[1]...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۱۰، حدیث: ۱۰۴۳۱ بتغیر قلیل

یاد کے علاوہ بھی کثیر فوائد ہیں۔ یہ ان اسباب میں سے ایک سبب ہے جو انبیاواولیااور درجہ بدرجہ دین میں ان حضرات سے قریب لوگوں کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔

کہیں بھوکے کو نہ بھول جاؤں:

جب حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے عرض کی گئی کہ آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں حالانکہ زمین کے خزانے آپ کے قبضے میں ہیں؟ تو ارشاد فرمایا: مجھے اس بات کا خوف ہے کہ میں پیٹ بھر کر کھاؤں تو کہیں بھوکے کو بھول نہ جاؤں۔

معلوم ہوا کہ بھوکوں اور محتاجوں کو یاد رکھنا بھی بھوک کا ایک فائدہ ہے کیونکہ یہ چیز مخلوقِ خدا پر مہربانی وشفقت اور انہیں کھانا کھلانے پر ابھارتی ہے جبکہ شکم سیر بھوکے کی تکلیف سے غافل ہوتا ہے۔

نفسِ اَمّارہ پر غلبے کی صورت:

﴿۵﴾...پانچواں فائدہ: بھوکا رہنے کا ایک فائدہ تمام گناہوں پر ابھارنے والی شہوات کا ٹوٹ جانا اور نفسِ امارہ پر غلبہ حاصل ہونا بھی ہے۔ یہ فائدہ بھوک کے بڑے فوائد میں سے ہے کیونکہ تمام گناہوں کی جڑ شہوات اور قوتیں ہیں اور یقینی طور پر قوتوں اور شہوات کا باعث کھانے کی چیزیں ہیں لہٰذا ان کی کمی ہر شہوت و قوت کو کمزور کر دیتی ہے۔ تمام کی تمام سعادت محض اس بات میں ہے کہ انسان اپنے نفس پر قابو پالے اور بدبختی اس بات میں ہے کہ اس کا نفس اسے قابو کر لے۔ جب سرکش چوپائے کا پیٹ بھرا ہو تو طاقتور ہونے کے سبب وہ بِدَکتا اور سرکشی کرتا ہے تو جیسے بھوکا رکھ کر اسے کمزور کر کے تم اس پر قابو پاتے ہو ایسے ہی نفس بھی ہے۔

کمزوری گناہ سے بچاتی ہے:

کسی بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے کہا گیا: "کیا وجہ ہے کہ آپ بوڑھے ہونے کے باوجود اپنے بدن کی دیکھ بھال نہیں کرتے حالانکہ آپ کمزور ہو چکے ہیں؟" ارشاد فرمایا: "کیونکہ یہ جلد اِترانے لگتا ہے اور غرور و تکبر میں حد سے بڑھ جاتا ہے لہٰذا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ مجھے بے لگام و سرکش بنا کر ہلاکت میں نہ ڈال دے، اسے سختیوں میں مبتلا رکھنا مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ یہ مجھے گناہوں پر آمادہ کرے۔"

حضرت سیِّدُنا ذُوالنُّون مصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: میں نے جب بھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا یا تو گناہ میں مبتلا ہوا یا پھر گناہ کا پختہ ارادہ کیا۔

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: میرے سرتاج، صاحِبِ معراج صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم (کے وصالِ ظاہری) کے بعد سب سے پہلی بدعت جو پیدا ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔

لوگوں کے پیٹ جب بھر جاتے ہیں تو ان کے نُفُوس ان کو سرکش و بے لگام بنا کر دنیا کی طرف دوڑاتے ہیں اور بھوکا رہنے کا یہی ایک فائدہ نہیں ہے بلکہ یہ فوائد کا خزانہ ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ بھوک اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ بھوکا رہنے کے سبب کم سے کم یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ شرم گاہ اور گفتگو کرنے کی خواہش ختم ہو جاتی ہے کیونکہ بھوکے شخص میں فضول گفتگو کرنے کی خواہش حرکت نہیں کرتی۔ چنانچہ وہ بھوکا رہنے کے سبب زبان کی آفات مثلاً غیبت، فحش گوئی، جھوٹ، چغلی وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے اور بھوک ان تمام گناہوں سے اسے باز رکھتی ہے اور جب وہ پیٹ بھر کر کھالیتا ہے تو اس کے دل میں خوش طبعی و ہنسی مذاق کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور لامحالہ وہ لوگوں کی عزتوں و آبروؤں (کی دھجیاں اڑانے) کے ساتھ لطف اندوز ہو گا اور زبان کی لغزشیں ہی لوگوں کو منہ کے بل جہنم میں گراتی ہیں۔

شکم سیری کی آفت:

جہاں تک شرم گاہ کی شہوت کا تعلق ہے تو اس کا فتنہ و بگاڑ پوشیدہ نہیں ہے اور بھوکا رہنا اس کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ جب انسان شکم سیر ہوتا ہے تو شرمگاہ پر قابو نہیں رکھ پاتا اور اگر تقوٰی اسے روک بھی دے تو وہ اپنی آنکھوں کو نہیں بچا پائے گا اور آنکھ بھی ایسے ہی زنا کرتی ہے جیسے شرمگاہ کرتی ہے۔ اگر نگاہیں نیچی رکھ کر اس نے اپنی آنکھوں کی حفاظت کر بھی لی تو پھر بھی اسے اپنی سوچ و فکر پر قابو نہیں ہو گا لہٰذا اسے گھٹیا قسم کے خیالات آئیں گے اور شہوت کے اسباب پائے جانے کی وجہ سے اسے وسوسے آئیں گے جن کے سبب مناجات میں دشواری و خلل واقع ہو گا اور بعض اوقات یہ (وسوسے اور خیالات) دورانِ نماز بھی آتے ہیں۔

ہم نے زبان اور شرم گاہ کی آفت کو تو محض مثال کے طور پر پیش کیا ہے ورنہ ساتوں اعضاء (یعنی آنکھ، زبان، کان، پیٹ، شرمگاہ، ہاتھ اور پاؤں) سے صادر ہونے والے تمام گناہوں کا سبب وہی قوت ہے جو پیٹ بھر کر

کھانے سے حاصل ہوتی ہے۔

عورتوں کے خیالات دور کرنے کا طریقہ:

کسی دانا کا قول ہے: ہر وہ مرید جو اپنے نفس کی نگہداشت پر ڈٹا رہے اس طرح کہ پورا سال صرف روٹی پر گزارہ کرے اور اس کے ساتھ کوئی خواہش (یعنی سالن وغیرہ) نہ ملائے اور پیٹ بھر کر بھی نہ کھائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے عورتوں کی فکر دور فرمادے گا۔

نیند زیادہ آنے کی وجہ:

❀... چھٹا فائدہ: بھوکا رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ نیند دور ہوتی اور شب بیداری میں دوام و ہمیشگی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جو پیٹ بھر کر کھاتا ہے وہ پانی زیادہ پیتا ہے اور جو پانی زیادہ پیتا ہے اسے نیند بھی زیادہ آتی ہے۔ اسی لئے بعض بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کھانا حاضر ہونے کے وقت فرمایا کرتے: ”اے مریدین کے گروہ! زیادہ نہ کھاؤ کہ اس طرح پانی زیادہ پیو گے، پھر نیند بھی زیادہ آئے گی اور یوں زیادہ نقصان اٹھاؤ گے۔“ 70 صِدِّیقین اس بات پر متفق ہیں کہ ”نیند زیادہ آنے کی وجہ زیادہ پانی پینا ہے“ اور زیادہ سونے سے عمر ضائع ہوتی ہے نیز تہجد فوت ہو جاتی، طبعیت میں سستی آتی اور دل سخت ہو جاتا ہے۔ عمر سب سے زیادہ نفیس و قیمتی جوہر ہے اور یہی بندے کا اصل مال اور سرمایہ ہے جس کے ساتھ وہ تجارت کرتا ہے جبکہ نیند ایک طرح کی موت ہے اور اس کی کثرت عمر کو کم کر دیتی ہے۔ پھر تہجد کی فضیلت بھی پوشیدہ نہیں ہے اور سونے کے سبب اس فضیلت کو پانے کا موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور اگر ایسا شخص تہجد پڑھ بھی لے پھر بھی نیند کے غلبہ کے سبب عبادت کی حلاوت و مٹھاس نہیں پاسکے گا۔

شکم سیری کے نقصانات:

پھر غیر شادی شدہ جب ڈٹ کر کھانے کے بعد سوتا ہے تو اسے احتلام ہو جاتا ہے اور یہ چیز بھی تہجد کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے کیونکہ اسے غسل کی حاجت پیش آتی ہے، اب یا تو وہ ٹھنڈے پانی کے ساتھ غسل کرے گا تو ٹھنڈے پانی کے سبب اسے مشقت برداشت کرنی ہو گی یا اسے حَمام کی ضرورت پیش آئے گی اور بسا اوقات رات کو حمام میں نہیں جاسکتا۔ پھر اگر اس نے وِتر تہجد کے وقت تک مؤخر کئے تھے تو اس کے وِتر

بھی فوت ہو جاتے ہیں، حمام کی اُجرت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے اور حمام میں داخل ہونے کی وجہ سے بعض اوقات نگاہ کسی کے سَتر پر پڑ جاتی ہے اور اس میں وہ خطرات ہیں جنہیں ہم (پہلی جلد میں) "طہارت کے بیان" کے تحت ذکر کر چکے اور یہ سب کچھ پیٹ بھر کر کھانے کا نتیجہ ہے۔ حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: "احتلام ایک سزا ہے۔"

آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے یہ بات اس لئے ارشاد فرمائی کہ احتلام کثرتِ عبادات کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے کیونکہ ہر حال میں غسل کرنا ممکن نہیں ہوتا، لہٰذا نیند آفات کا منبع و مرکز ہے اور شکم سیری اس کا سبب ہے جبکہ بھوک اس کو ختم کرتی ہے۔

دوامِ عبادت پر مدد ملتی ہے:

❁---ساتواں فائدہ: بھوکا رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ عبادت پر مُداوَمت آسان ہو جاتی ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا عبادت کرنے سے روکتا ہے کیونکہ کھانے میں مشغولیت کے لئے وقت کی حاجت پڑتی ہے اور بعض اوقات کھانا خریدنے اور پکانے میں بھی وقت صرف ہوتا ہے پھر ہاتھ دھونے اور دانتوں کے خلال کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ پھر زیادہ پانی پینے کے سبب کثرت سے بیت الخلاء کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔ ان کاموں میں صَرف کئے جانے والے اوقات کو اگر وہ ذکر و مناجات اور دیگر عبادات میں صَرف کرتا تو اس کا نفع کثیر ہوتا۔

70 تسبیحات کا فرق:

حضرت سیِّدُنا سَرِی سَقَطی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا جُرجانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی کے پاس ستُّو دیکھے جسے آپ پھانک رہے تھے، میں نے ان سے کہا: "کس چیز نے آپ کو ستّو پھانکنے پر ابھارا؟" فرمایا: "میں نے چبانے اور پھانکنے کے درمیان 70 تسبیحات کا فرق پایا، اس لئے میں نے 40 سال سے روٹی نہیں کھائی۔"

غور کیجئے! یہ اپنے وقت کے متعلق کتنے فکر مند تھے کہ اپنے وقت کو چبانے میں ضائع نہیں کیا۔ زندگی کا تو ہر سانس ہی نفیس جوہر ہے جس کا کوئی مول نہیں، لہٰذا اس سے آخرت میں باقی رہنے والا خزانہ حاصل کر لینا چاہئے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اپنے وقت کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر اور اس کی فرمانبرداری میں گزارا جائے۔

زیادہ کھانے کے سبب مشکل ہو جانے والے کام:

زیادہ کھانے کے سبب جن کاموں کو کرنا مشکل ہو جاتا ہے اُن میں سے طہارت پر قائم رہنا اور مسجد میں ٹھہرنا بھی ہے کیونکہ اسے زیادہ پانی پینے اور پیشاب کرنے کے لئے مسجد سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آئے گی نیز ان کاموں میں سے ایک روزہ بھی ہے کیونکہ روزہ رکھنا اس کے لئے آسان ہوتا ہے جو بھوکا رہنے کا عادی ہو۔

معلوم ہوا کہ روزہ رکھنے، اعتکاف کے لئے مسجد میں ٹھہرنے، طہارت پر قائم رہنے نیز کھانے اور اس کے اسباب میں مشغولیت کے اوقات کو عبادت میں صرف کرنے میں فوائد کثیر ہیں اور ان کاموں کو ایسے غافل لوگ ہی معمولی سمجھتے ہیں جنہیں دین کی قدر نہیں بلکہ وہ دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے اور اسی پر مطمئن ہو گئے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (پ۲۱، الروم:۷)

ترجمۂ کنز الایمان: جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں۔

شکم سیری کی چھ آفات:

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی نے شکم سیری کی چھ آفات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے اس پر چھ آفات آتی ہیں: (۱)... مناجات کی حلاوت و مٹھاس نصیب نہیں ہوتی (۲)... مَعْرِفَتِ الٰہی کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے (۳)... مخلوق پر شفقت سے محرومی ہوتی ہے کیونکہ جب وہ شکم سیر ہوتا ہے تو گمان کرتا ہے کہ سبھی کا پیٹ بھرا ہوا ہے (۴)... عبادت بوجھ محسوس ہوتی ہے (۵)... خواہشات کا ہجوم ہو جاتا ہے اور (۶)... دیگر مسلمان مساجد کی طرف جا رہے ہوتے ہیں جبکہ زیادہ کھانے والا بیت الخلاء کے چکر لگا رہا ہوتا ہے۔

کم غذا مالی و بدنی نقصان سے بچاتی ہے:

﴾... آٹھواں فائدہ: بھوکا رہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کم کھانے سے بندہ صحت مند رہتا اور بیماریوں سے بچا رہتا ہے۔ کیونکہ بیماریوں کا سبب زیادہ کھانا اور معدے اور رگوں میں زائد اخلاط (یعنی صفراء، خون، بلغم، سوداء)

کا پیدا ہوتا ہے۔ پھر مرض عبادات کی راہ میں رکاوٹ بنتا اور دل کو تشویش و پریشانی میں مبتلا کرتا ہے، ذکر و فکر سے روکتا اور زندگی کو دشوار اور اَجیرن کر کے رکھ دیتا ہے نیز بیمار ہو جانے کی صورت میں اسے فاسد خون نکلوانے اور دوا و طبیب کی حاجت پیش آتی ہے اور یہ تمام چیزیں روپیہ پیسہ مانگتی ہیں علاوہ ازیں اس سلسلے میں اسے تھکاوٹ کے ساتھ ساتھ کئی طرح کے گناہوں اور خواہشات کا شکار بھی ہونا پڑتا ہے جبکہ بھوک میں وہ فوائد ہیں جو ان تمام چیزوں سے بچاتے ہیں۔

پیٹ کی بیماری کی بہترین دوا:

منقول ہے کہ ہارون رشید نے چار اَطِبّا کو جمع کیا ان میں ایک ہندوستانی، دوسرا رومی، تیسرا عراقی اور چوتھا سَوادی (عراق کے اطراف میں رہنے والا شخص) تھا، ان سے کہا: "ہر ایک ایسی دوا بیان کرے جسے استعمال کرنے کے سبب کوئی مرض نہ ہو۔" ہندوستانی حکیم نے کہا: "میری نظر میں وہ سیاہ ہَڑ ہے۔" عراقی حکیم نے کہا: "وہ سفید ہالوں (ایک قسم کی بوٹی) ہے۔" رومی حکیم نے کہا: "میرے نزدیک وہ دوا گرم پانی ہے۔" اور سوادی جو کہ ان میں سب سے زیادہ عِلْمِ طِب میں مہارت رکھتا تھا، اس نے کہا: "ہَڑ معدہ میں قبض کر دیتی ہے اور یہ ایک بیماری ہے، ہالوں معدہ میں چکناہٹ پیدا کرتی ہے اور یہ بھی ایک بیماری ہے اور گرم پانی معدہ کو ڈھیلا کر دیتا ہے اور یہ بھی بیماری ہے۔" ہارون رشید نے کہا: "تمہارے نزدیک وہ کون سی دوا ہے؟" سوادی نے کہا: "وہ دوا میرے نزدیک یہ ہے کہ آپ کھانا اس وقت تک نہ کھائیں جب تک آپ کو خواہش نہ ہو اور خواہش ابھی باقی ہو کہ آپ کھانے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیں۔" ہارون رشید نے کہا: "تم نے سچ کہا۔"

یہ ضرور کسی حکیم کا کلام ہے:

اَہْلِ کتاب کے ایک حکیم کے سامنے جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حبیب، طبیبوں کے طبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ فرمان: "ثُلُثٌ لِلطَّعَامِ وَثُلُثٌ لِلشَّرَابِ وَثُلُثٌ لِلنَّفَس یعنی پیٹ کا ایک تہائی کھانے کے لئے، تہائی پینے کے لئے اور تہائی سانس کے لئے کر لے"[1] بیان کیا گیا تو اس نے حیرت کا اظہار کیا اور کہنے لگا: کم کھانے کے متعلق ایسا

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی کراھیۃ کثرۃ الاکل، ۴/ ۱۶۸، حدیث: ۲۳۸۷ بتغیر

مضبوط وپختہ کلام میں نے کبھی نہیں سنا، یہ ضرور کسی حکیم کا کلام ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اَلْبِطْنَۃُ اَصْلُ الدَّاءِ وَالْحِمْیَۃُ اَصْلُ الدَّوَاءِ وَعَوِّدُوْا کُلَّ جِسْمٍ مَا اعْتَادَ یعنی شکم سیری بیماری کی جڑ اور پرہیز دوا کی اصل ہے، ہر جسم کو اسی چیز کا عادی بناؤ جس کا وہ عادی ہے۔"

میرا یہ گمان ہے کہ حکیم پہلی کے مقابلے میں اس حدیث پاک کو سن کر زیادہ حیرت زدہ ہوا ہو گا۔

حضرت سَیِّدُنا ابْنِ سالم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "جو بغیر سالن کے صرف گندم کی روٹی ادب کے ساتھ کھائے اسے موت کے علاوہ کوئی بیماری نہ ہو گی۔" عرض کی گئی: "ادب سے کیا مراد ہے؟" ارشاد فرمایا: "ادب یہ ہے کہ تم بھوک لگنے کے بعد کھاؤ اور پیٹ بھرنے سے پہلے ہاتھ اٹھالو۔"

نمک کی اہمیت:

ایک کامل طبیب نے زیادہ کھانے کی مذمت بیان کرتے ہوئے کہا: آدمی جو چیزیں اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے ان میں سب سے زیادہ نفع بخش چیز اَنار ہے اور سب سے زیادہ نقصان دہ چیز نمک ہے لیکن زیادہ انار کی بنسبت تھوڑا نمک زیادہ بہتر ہے۔

صحت مندی کا راز:

حدیث مبارکہ میں ہے: "صُوْمُوْا تَصِحُّوْا یعنی روزے رکھو صحت مند ہو جاؤ گے۔"[1]

کیونکہ روزے میں بھوک ہے اور کھانا کم کرنے میں اجسام کی بیماریوں سے حفاظت ہے نیز دل کے لئے سرکشی اور غرور و تکبُّر وغیرہ باطنی بیماریوں سے بچاؤ ہے۔

مومن کی شان:

❀...نواں فائدہ: بھوکا رہنے کا فائدہ یہ بھی ہے کہ مشقت و تکلیف کم ہوتی ہے۔ کیونکہ جو کم کھانے کا عادی ہوتا ہے اسے مال کی تھوڑی مقدار بھی کفایت کر جاتی ہے اور جو پیٹ بھر کر کھانے کا عادی ہوتا ہے اس کا پیٹ اس

---

[1] ...المعجم الاوسط، ۶/۱۴۷، حدیث: ۸۳۱۲

کے سر پر سوار رہتا ہے اور اس پر مکمل طور پر غالب آجاتا ہے اور کہتا ہے: "آج تو کیا کھائے گا؟" لہٰذا مختلف مقامات پر اسے جانے کی حاجت پڑتی ہے، چنانچہ وہ حرام کمانے لگتا ہے اور یوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی میں جا پڑتا ہے یا پھر ذلیل و رسوا ہو کر حلال کماتا ہے اور بعض اوقات تو وہ لوگوں کی طرف لالچ بھری نظروں سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے یہ انتہا درجے کی ذلت و بے عزتی ہے جبکہ مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ کم خرچ ہوتا ہے۔

خواہش پوری کرنے کا آسان طریقہ:

کسی دانا شخص کا کہنا ہے: میں اپنی اکثر حاجتوں کو ترک کر کے پورا کرتا ہوں اس سے میرے دل کو زیادہ راحت ملتی ہے (کیونکہ اضطراب و بے چینی کسی چیز کو بنظرِ اشتیاق دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے)۔

کسی دانا نے یہ بھی کہا ہے: جب میں اپنی کسی خواہش کی تکمیل یا مال میں اضافے کے لئے دوسرے سے قرض لینے کا ارادہ کرتا ہوں تو اپنے نفس سے قرض مانگ لیتا ہوں اور خواہش کو چھوڑ دیتا ہوں لہٰذا میرا نفس میرا بہترین قرض خواہ ہے۔

مہنگائی ختم کرنے کا طریقہ:

حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم اپنے مریدوں سے کھانے کی اشیاء کے بھاؤ پوچھا کرتے تو آپ سے کہا جاتا: "ان کی قیمتیں حد سے بڑھ گئی ہیں۔" ارشاد فرماتے: "انہیں خریدنا چھوڑ دو خود ہی سستی ہو جائیں گی۔"

حضرت سیِّدُنا سَہل بن عبد اللہ تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: تین حالتوں میں زیادہ کھانے والا قابل مَذَمَّت ہے: (۱) اگر وہ عبادت گزاروں میں سے ہے تو سست ہو جائے گا (۲) اگر کمانے والا ہے تو آفات سے محفوظ نہیں رہ سکے گا اور (۳) اگر (بغیر کمائے) اس کے پاس آمدنی آتی ہو تو اپنی طرف سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا پورا حق ادا نہیں کر سکے گا۔

لوگوں کی ہلاکت کا سبب:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ لوگوں کی ہلاکت کا سبب دنیا کی حرص ہے اور دنیا کی حرص کی وجہ پیٹ اور شرمگاہ ہے اور شرمگاہ کی شہوت کا سبب پیٹ کی خواہش ہے۔ کھانا کم کرنے سے یہ تمام حالتیں اور کیفیات ختم ہو جاتی ہیں نیز یہ جہنم کے دروازے ہیں اور جہنم کے دروازوں کو بند کرنے سے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں

جیسا کہ سرکارِ مدینہ، فیض گنجینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان باقرینہ ہے: ”اَدِيْمُوْا قَرْعَ بَابِ الْجَنَّةِ بِالْجُوْعِ یعنی بھوک کے ذریعے جنت کا دروازہ ہمیشہ کھٹکھٹاتے رہو۔“(1)

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی یاد سے نہ پھرنے والے:

جو شخص روزانہ ایک روٹی پر راضی و مطمئن ہو جائے وہ دیگر خواہشات میں بھی تھوڑے پر اکتفا کرلے گا نیز (بے عزتی اور لوگوں کی غلامی سے) آزاد ہو جائے گا اور لوگوں سے مستغنی و بے نیاز ہو کر مشقت سے راحت وسکون پائے گا اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی عبادت اور آخرت کی تجارت کے لئے فارغ ہو جائے گا اور ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جن کا ذکر اس آیتِ مُقَدَّسہ میں ہے:

لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (پ۱۸، النور: ۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد (سے)۔

انہیں سودا اور خرید و فروخت اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر سے محض اس لئے غافل نہیں کرتا کیونکہ یہ حضرات قناعت اختیار کرنے کے سبب ان چیزوں سے مستغنی و بے نیاز ہو چکے ہیں اور جو ان کا محتاج ہوتا ہے اسے لازمی طور پر سودا اور خرید و فروخت اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ذکر سے غافل کر دیتا ہے۔

بندے کا مال وہی ہے جسے وہ استعمال کرے:

...دسواں فائدہ: بھوک سے کم کھانے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اضافی کھانا ایثار کرنے اور اسے یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ کرنے پر وہ قادر ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ بحکم حدیث قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سائے میں ہو گا۔(2) انسان جو چیز کھالیتا ہے وہ بَیْتُ الخَلا میں جمع ہو جاتی ہے اور جسے وہ صدقہ کر دیتا ہے وہ فضلِ خداوندی سے اس کے لئے ذخیرہ ہو جاتی ہے، بندے کا مال تو وہی ہے جو اس نے صدقہ کر کے باقی رکھا یا کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا، لہٰذا اضافی کھانے کو صدقہ کر دینا بد ہضمی اور شکم سیری سے بہتر ہے۔

---

1 ...قوت القلوب، الفصل التاسع والثلاثون فی ترتیب الاقوات بالنقصان... الخ، ۱/ ۲۸۸

2 ... الزهد لابن مبارک، باب الصدقة، ص۲۲۷، الحدیث: ۶۴۵

حکمت بھری باتیں:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْغَنِی جب یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتے: "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾"[1] تو فرماتے: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس امانت کو ستاروں سے سجے تہہ در تہہ ساتوں آسمانوں اور عرش اٹھانے والے فرشتوں پر پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کیا تم امانت کو اس کی ذمہ داری کے ساتھ اٹھاؤ گے؟ تو انہوں نے عرض کی: اس کی ذمہ داری کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: اگر تم انہیں اچھی طرح ادا کرو گے تو تمہیں جزا دی جائے گی اور اگر نافرمانی کرو گے تو تمہیں عذاب کیا جائے گا۔ انہوں نے عرض کی: نہیں۔ پھر امانت کو اسی طرح زمین پر پیش فرمایا تو اس نے انکار کر دیا۔ پھر امانت کو نہایت بلند و بالا، سخت اور ٹھوس پہاڑوں پر پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: کیا تم امانت کو اس کی ذمہ داری کے ساتھ اٹھاؤ گے؟ تو انہوں نے عرض کی: اس کی ذمہ داری کیا ہے؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جزا و سزا کا ذکر فرمایا۔ انہوں نے عرض کی: نہیں۔ پھر امانت کو انسان پر پیش فرمایا تو اس نے

---

[1] ...ترجمۂ کنزالایمان: بیشک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔ (پ۲۲، الاحزاب: ۷۲)

اس آیت مبارکہ میں امانت سے کیا مراد ہے اس کے متعلق صدر الافاضل حضرت علامہ سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: "حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ امانت سے مراد طاعت و فرائض ہیں جنہیں اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں پر پیش کیا، انہیں کو آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں پر پیش کیا تھا کہ اگر وہ انہیں ادا کریں گے تو ثواب دیئے جائیں گے نہ ادا کریں گے تو عذاب کئے جائیں گے۔ حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ امانت نمازیں ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، خانہ کعبہ کا حج، سچ بولنا، ناپ اور تول میں اور لوگوں کی ودیعتوں میں عدل کرنا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ امانت سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کا حکم دیا گیا اور جن کی ممانعت کی گئی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ تمام اعضاء کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ سب امانت ہیں اس کا ایمان ہی کیا جو امانت دار نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ امانت سے مراد لوگوں کی ودیعتیں اور عہدوں کا پورا کرنا ہے تو ہر مؤمن پر فرض ہے کہ نہ کسی مؤمن کی خیانت کرے نہ کافر معاہد کی نہ قلیل میں نہ کثیر میں۔" انسان کے علاوہ پر امانت پیش کئے جانے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: "امانت بطورِ تخییر پیش کی گئی تھی یعنی انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ اپنے میں قوت و ہمت پائیں تو اٹھائیں ورنہ معذرت کر دیں، اس کا اٹھانا لازم نہیں کیا گیا تھا اور اگر لازم کیا جاتا تو وہ انکار نہ کرتے۔"

اسے اٹھالیا۔ بے شک انسان اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنے والا اور امرِ باری تعالیٰ سے بڑا نادان ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! ہم نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ امانت کو اپنے اموال کے بدلے خریدتے ہیں اوران کے اموال ہزاروں تک پہنچتے ہیں۔ انہوں نے ان کا کیا کیا؟ ان کے ذریعے انہوں نے اپنے مکانات وسیع کر لئے لیکن اپنی قبریں تنگ کرلیں، اپنے رومی گھوڑوں کو موٹا کر لیا مگر اپنے دین کو کمزور کر دیا، صبح وشام حکمرانوں کے دروازوں پر جاکر اپنے آپ کو تھکا دیا اور مصیبت و پریشانی کی زد میں آگئے حالانکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے عافیت میں تھے۔ ان میں سے کوئی کہتا ہے: "میرے لئے فلاں فلاں چیز تلاش کرواؤ اور اتنی اتنی قیمت میں میرے پاس لے کر آؤ۔" اپنے بائیں طرف ٹیک لگائے ہوتا ہے، غیر کا مال ظلماً کھاتا ہے، ذلیل لوگ اس کے خدمت گار اور مال اس کا حرام ہوتا ہے، حتّٰی کہ (پیٹ بھر کر کھانے کی وجہ سے) جب اسے معدے میں بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے اور بدہضمی ہوجاتی ہے تو کہتا ہے: "اے لڑکے! کوئی ایسی چیز لاؤ جس سے میں اپنا کھانا ہضم کرسکوں۔" او احمق! تو اپنے کھانے کو ہضم کرنا چاہتا ہے بلکہ تُو تو اپنا دین بھی ہضم کر چکا ہے۔ کہاں ہیں وہ فقیر، کہاں گئیں وہ بیوائیں، کدھر ہیں وہ یتیم و مسکین جن کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تجھے حکم دیا ہے؟

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی کی آخری بات میں اسی دسویں فائدے کی طرف اشارہ ہے کہ اضافی کھانا فقیر کو دے دیا جائے تاکہ اس کے ذریعے اجر و ثواب کا ذخیرہ اکٹھا کرلیا جائے اور یہ اس بات سے بہتر ہے کہ وہ خود کھائے اور اس پر بوجھ بڑھ جائے۔ مکی مدنی تاجدار، دوعالم کے مالک و مختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کسی موٹے پیٹ والے شخص کو دیکھا تو اپنی مبارک انگلی سے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "اگر اس قدر کسی دوسرے کے پیٹ میں جاتا تو یہ تیرے لئے بہتر تھا۔"[1] مطلب یہ ہے کہ اگر تو اسے آخرت کے لئے آگے بھیج دیتا اور کسی دوسرے کو دے دیتا تو تیرے حق میں بہتر ہوتا۔

ایثار کا جذبہ:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں نے ایسے حضرات کو پایا ہے کہ ان میں سے کوئی اس حالت میں شام کرتا کہ اس کے پاس بقدرِ کفایت ہی کھانا ہوتا، اگر وہ چاہتا تو اس

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی المطاعم والمشارب...الخ، ۵/ ۳۳، حدیث: ۵۶۶۷

کو کھالیتا لیکن وہ کہتا: ''وَاللہ! میں اسے اپنے پیٹ میں اس وقت تک نہیں ڈالوں گا جب تک اس میں سے کچھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں نہ دے دوں۔''

یہ بھوک کے دس فوائد ہیں اور ہر فائدے سے بے شمار فوائد نکلتے ہیں۔ لہٰذا بھوک آخرت کے فوائد جمع کرنے کے لئے عظیم خزانہ ہے۔ اسی وجہ سے بعض سَلَف صالحین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِیْن نے فرمایا: ''بھوک آخرت کی چابی اور زُہد کا دروازہ ہے جبکہ شکم سیری دنیا کی چابی اور رغبت کا دروازہ ہے۔'' بلکہ یہ بات ہماری بیان کردہ احادیث میں بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ ان فوائد کی تفصیل جان لینے سے تمہیں ان احادیث مبارکہ کے معانی کا علم وفہم حاصل ہو جائے گا، اگر تم اس تفصیل کو نہ جانتے پھر بھی بھوک کی فضیلت کی تصدیق کرتے تو تمہارے لئے ایمان میں مُقَلِّدِین کا رتبہ ہوتا۔

تیسری فصل: پیٹ کی خواہش توڑنے کے لئے طُرُقِ رِیاضت

جان لو کہ پیٹ اور غذا کے معاملے میں مرید پر چار وظائف لازم ہیں:

پہلا وظیفہ: صرف حلال کھائے

صرف حلال کھائے کیونکہ حرام کھانے کے ساتھ عبادت کرنا ایسے ہی ہے جیسے سمندر کی موجوں پر عمارت تعمیر کرنا اور ورع وپرہیز گاری کے جن درجات کی رعایت کرنا ضروری ہے انہیں ہم ''حلال وحرام کے بیان'' میں ذکر کر چکے ہیں اور بقیہ تین وظائف کا تعلق خاص طور پر کھانے کے ساتھ ہے۔ **دوسرا وظیفہ:** کم یا زیادہ کھانے کے اعتبار سے غذا کی مقدار مقرر کرنا۔ **تیسرا وظیفہ:** جلدی یا تاخیر سے کھانے کا وقت مقرر کرنا۔ **چوتھا وظیفہ:** کھانے اور نہ کھانے کے اعتبار سے اشیاء کی جنس مقرر کرنا۔

ان کی تفصیل یہاں ذکر کی جائے گی۔

دوسرا وظیفہ: غذا کم کرنے میں مقدار مقرر کرے

اس سلسلے میں ریاضت کا طریقہ یہ ہے کہ کھانے کو بتدریج آہستہ آہستہ کم کیا جائے کیونکہ جو زیادہ کھانے کا عادی ہو وہ اگر ایک دم کھانا کم کر دے تو اس کی طبیعت برداشت نہیں کر سکے گی اور وہ کمزور پڑ جائے گا نیز

مَشَقَّت ودشواری بڑھ جائے گی، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا کرکے آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھے اس طرح کہ جتنا کھانے کی عادت ہے اس سے تھوڑا تھوڑا کرکے کم کرے۔ مثال کے طور پر وہ دو روٹی کھاتا ہے اور اپنے آپ کو ایک روٹی پر لانا چاہتا ہے دوسری روٹی کو 28 یا 30 حصوں میں تقسیم کرلیا کرے اور روزانہ ایک ٹکڑا کم کرلیا کرے، اس طرح وہ مہینے میں ایک روٹی تک آجائے گا اور اس سے نہ تو اسے نقصان ہوگا اور نہ ہی نقصان کا اثر ظاہر ہوگا۔ اگر چاہے تو وزن کے ذریعے بھی ایسا کرسکتا ہے (اس طرح کہ وہ کھانے کو تر لکڑی کے ساتھ تولے اور ہر رات لکڑی کے خشک ہونے کی مقدار جتنا کھانا کم کرلیا کرے) اگر چاہے تو مشاہدے کے ساتھ بھی کرسکتا ہے اس طرح کہ ہر دن ایک لقمہ کی مقدار کھانا چھوڑ دے اور جتنا کل کھایا تھا اس سے ایک لقمہ کم کردے۔

غذا کم کرنے میں درجات:

غذا کم کرنے کے چار درجات ہیں:

⊛...پہلا درجہ: یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو بقدرِ ضرورت اتنے کھانے کی مقدار پر لے آئے کہ جس سے کم میں وہ زندہ نہ رہ سکے۔ یہ صِدِّیْقِیْن کا معمول ہے اور اسی کو حضرت سَیِّدُنَا سَہل بن عبد اللہ تُسْتَرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی نے پسند فرمایا ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ مخلوق سے تین چیزوں یعنی زندگی، عقل اور قوت کے ساتھ (اپنی) عبادت چاہتا ہے۔ اگر بندہ ان میں سے دو یعنی زندگی اور عقل کے ضائع ہونے کا خوف محسوس کرے تو کھالے، اگر روزے رکھتا ہو تو روزہ رکھنا چھوڑ دے، اگر فقیر ہو تو کھانے کی تلاش میں تکلیف اٹھائے اور اگر زندگی اور عقل کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہو بلکہ قوت وطاقت کے چلے جانے کا ڈر ہو تو مناسب یہ ہے کہ وہ اس کی پروانہ کرے اگرچہ کمزور ہوجائے اور بیٹھ کر نماز پڑھے اور یہ گمان کرے کہ بھوک کی کمزوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے زیادہ کھا کر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے [1]۔

---

[1] ...دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1197 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، جلد سوم، حصہ 16، صفحہ 375 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی "دُرِّ مختار" کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: ریاضت ومُجاہدہ میں ایسی تقلیل غذا (یعنی کھانے میں کمی کرنا) کہ عبادتِ مفروضہ (یعنی فرض کی ہوئی عبادت) کی ادا میں ضُعف پیدا ہوجائے، مثلاً اتنا کمزور ہوگیا کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے گا یہ ناجائز ہے اور اگر اس حد کی کمزوری نہ پیدا ہو تو حرج نہیں۔

سالانہ صرف تین درہم:

حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے سوال کیا گیا کہ آپ راہِ سلوک کی ابتدا میں کیا کھا کر گزارہ کرتے تھے؟ ارشاد فرمایا: میری غذا سالانہ تین درہم کی ہوتی تھی۔ ایک درہم سے کھجور کا شیرہ، دوسرے سے چاولوں کا آٹا اور تیسرے سے گھی لے لیتا اور ان سب کو ملا کر ان سے تین 360 گولیاں تیار کر لیتا اور روزانہ ایک گولی سے روزہ افطار کرتا تھا۔ عرض کی گئی: اب کیسے کھاتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: اب نہ کوئی مقدار مقرر ہے نہ وقت۔

بعض راہبوں کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنی غذا ایک درہم کی مقدار میں پوری کیا کرتے تھے۔

❁...دوسرا درجہ: یہ ہے کہ انسان ریاضت کے ذریعے اپنے آپ کو ایک دن رات میں نصف مُد (تقریباً ڈیڑھ پاؤ) تک لے آئے۔ یہ ایک روٹی اور کچھ حصہ ہو گا۔ یہ مقدار چار حصے ہو تو ایک مَن بنتا ہے۔ یہ اکثر لوگوں کے حق میں پیٹ کے اُس ایک تہائی حصہ کی مقدار ہے جس کا ذکر حدیث پاک میں آیا ہے[1] اور وہ مقدار چند لقموں سے کچھ زائد ہے کیونکہ حدیث میں وارد لفظ ”لُقَیْمَاتٌ“ جمع قلت کے لئے ہے اور یہ دس سے کم تعداد کے لئے آتا ہے اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی عادت کریمہ بھی یہی تھی کہ آپ سات یا نو لقمے کھاتے تھے۔

❁...تیسرا درجہ: یہ ہے کہ انسان ریاضت کے ذریعے بتدریج اپنے آپ کو ایک مُد (تقریباً تین پاؤ) کی مقدار تک لے آئے۔ یہ ڈھائی روٹیاں بنتی ہیں اور اکثر لوگوں کے حق میں یہ پیٹ کے ایک تہائی حصے سے بڑھ کر ہیں بلکہ قریب قریب یہ پیٹ کے دو تہائی حصے تک پہنچ جاتی ہیں اور پینے کے لئے ایک تہائی باقی رہے گا اور ذکر کے لئے کچھ باقی نہیں بچے گا جبکہ بعض روایات میں پیٹ کا ایک تہائی سانس کے لئے رکھنے کے بجائے ذکر کے لئے رکھنے کا بیان ہے۔

❁...چوتھا درجہ: یہ ہے کہ کھانے کی مقدار مُد سے بڑھ کر مَن (تقریباً ایک کلو) تک آجائے اور مَن سے زیادہ کھانا اسراف اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کے خلاف ہے:

وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾ (پ۸، الاعراف: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں۔

میری مراد یہ ہے کہ یہ اکثر کے حق میں (اسراف) ہے۔ کیونکہ کھانے کی طرف حاجت کی مقدار عمر،

---

[1]... مکمل حدیث پاک اسی باب کی پہلی فصل کے تحت صفحہ نمبر 265 پر موجود ہے۔

فرد اور کام میں مشغولیت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔

یہاں ایک پانچواں درجہ بھی ہے جس میں کوئی مقدار مقرر نہیں ہے لیکن اس میں غَلَطی و دھوکے کی گنجائش بھی ہے۔ وہ درجہ یہ ہے کہ کھانا اس وقت کھایا جائے جب صحیح معنوں میں خوب بھوک لگی ہو اور ابھی حقیقی معنوں میں خواہش باقی ہو کہ ہاتھ روک لے۔ مگر زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ جو اپنے لئے ایک یا دو روٹی کی مقدار معین نہیں کرتا وہ حقیقی بھوک کو پہچان نہیں پاتا اور خواہش کے سبب یہ معاملہ اس پر مُشتَبہ ہو جاتا ہے۔

حقیقی بھوک کی علامات:

حقیقی بھوک کی کچھ علامات درج ذیل ہیں: (۱)... نفس سالن طلب نہ کرے بلکہ جیسی بھی روٹی ہو اسے رغبت اور چاہت کے ساتھ بغیر سالن کے کھالے اور جب نفس کسی خاص اور معیّن روٹی کو طلب کرے یا سالن طلب کرے تو یہ حقیقی بھوک نہیں ہے۔ (۲)... جب تھوکے تو اس پر مکھی نہ بیٹھے یعنی اس کے تھوک میں چکناہٹ نہ ہو، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معدہ خالی ہے لیکن اس کی پہچان مشکل ہے۔

راہِ آخرت کے مسافر کے لئے درست یہ ہے کہ اپنے لئے اتنی مقدار مقرر کرے کہ جو عبادت وہ کرتا ہے اسے کرنے سے عاجز نہ ہو جائے، جب کھاتے کھاتے وہ اُس مقدار تک پہنچ جائے تو رک جائے اگرچہ ابھی خواہش باقی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ کھانے کی کوئی مقدار مقرر کر دینا ممکن نہیں کیونکہ یہ حالتوں اور اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ ہاں! صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے ایک گروہ کی ہفتے بھر کی غذا ایک صاع گندم تھی اور یہ حضرات جب کھجور کھاتے تو (ہفتے بھر میں) ڈیڑھ صاع استعمال کرتے اور گندم کا ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے تو یہ ہر دن کا تقریباً نصف مُد بنتا ہے اور ہم یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ یہ (یعنی نصف مُد) پیٹ کے ایک تہائی حصہ کی مقدار ہے جبکہ کھجور میں ایک صاع سے زیادہ کھانے کی حاجت پیش آتی ہے کیونکہ اس میں سے گٹھلی نکال لی جاتی ہے۔

سیِّدُنا ابوذر غِفاری رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی نصیحت:

حضرت سیِّدُنا ابوذر غِفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرمایا کرتے تھے کہ آقائے دوعالم، نورِ مجسم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مبارک زمانے میں میرے ہفتے بھر کا کھانا ایک صاع جَو تھا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں مرتے دم تک

اس میں اضافہ نہیں کروں گا کیونکہ میں نے رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو فرماتے ہوئے سنا: ”اَقْرَبُکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَحَبُّکُمْ اِلَیَّ مَنْ مَاتَ عَلٰی مَا ھُوَ عَلَیْہِ الْیَوْمَ یعنی بروزِ قیامت مجلس میں تم میں میرے زیادہ قریب اور مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہو گا جو اسی حالت پر فوت ہو جس پر وہ آج ہے۔“[1]

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ لوگوں کے اَفعال کو ناپسند کرتے اور انہیں ان اَفعال سے روکتے ہوئے ارشاد فرماتے: ”تم نے سنّت کو تبدیل کر دیا ہے، تمہارے لئے جَو کا آٹا چھانا جاتا ہے حالانکہ زمانۂ رِسالت میں نہیں چھانا جاتا تھا، تم چپاتی پکاتے ہو اور دو سالن جمع کرتے ہو، تمہارے سامنے مختلف انواع و اقسام کے کھانے پیش کئے جاتے ہیں، صبح ایک کپڑے میں ہوتے ہو تو شام کو دوسرے میں حالانکہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانۂ اَقدس میں تم ایسے نہیں تھے۔“

اصحابِ صُفّہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں سے ہر دو افراد کا یومیہ کھانا ایک مُد کھجور تھی[2] جبکہ کھجور میں سے گھٹلی بھی نکال لی جاتی تھی۔ ایک رِطل اور اس کا تہائی حصہ ایک مد کہلاتا ہے۔

مومن کی مثال:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرمایا کرتے تھے: مومن چھوٹی بکری کی مثل ہوتا ہے اس کے لئے ایک مٹھی پرانی کھجوریں، ستّو اور ایک گھونٹ پانی کافی ہوتا ہے جبکہ منافق گوشت کھانے کے عادی و شوقین خونخوار درندے کی طرح ہوتا ہے وہ بڑے بڑے لقمے نگلتا اور ہڑپ کرتا چلا جاتا ہے نہ تو خود بھوکا رہ کر اپنے پڑوسی کو کھلاتا ہے اور نہ ہی اپنا بچا ہوا اضافی کھانا کسی مومن کو دیتا ہے، لہٰذا تم اضافی کھانے کو صدقہ کر کے آخرت کے لئے ذخیرہ کر لو۔

مومن کے کھانے کی مقدار:

حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُسْتَرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: اگرچہ دنیا خالص و تازہ خون ہوتی پھر بھی مومن کی غذا حلال ہی ہوتی کیونکہ مومن ضرورت کے وقت فقط اتنی مقدار میں کھانا کھاتا ہے جو اس

---

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابی عبیدۃ بن الجراح، ١/ ٣١٦، حدیث: ١٦٩٢ بتغیر

[2] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند المکیین، حدیث سہل بن حنیف، ٥/ ٣١٣، حدیث: ١٥٩٨٨

کے زندہ رہنے کے لئے کافی ہو۔

تیسرا وظیفہ: کھانا مؤخر کرنے کا وقت اور مقدار مقرر کرے

اس میں بھی چار درجات ہیں:

❀...پہلا درجہ: یہ ہے کہ انسان تین دن یا اس سے زیادہ دن تک نہ کھائے۔ بعض مریدین تو ریاضت میں اس حد تک بڑھ گئے کہ وہ تعداد مقرر کئے بغیر ہی بھوکے رہتے تھے حتّٰی کہ 30 سے 40 دن تک بھوکے رہتے۔ اس حد تک علما کی کثیر تعداد پہنچی ہے اور ان میں حضرت سیِّدُنا محمد بن عَمْرو قَرنی، حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن ابراہیم دُحَیم، حضرت سیِّدُنا ابراہیم تَیمی، حضرت سیِّدُنا حجاج بن فُرافِصہ، حضرت سیِّدُنا حَفص عابد مصیصی، حضرت سیِّدُنا مسلم بن سعید، حضرت سیِّدُنا زہیر بن نعیم البابی، حضرت سیِّدُنا سلیمان خواص، حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستری اور حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن احمد خواص رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰی شامل ہیں۔

کئی کئی روز کا فاقہ:

امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه چھ دن تک کچھ تناول نہ فرماتے، حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن زبیر رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه سات دن تک نہ کھاتے، حضرت سیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه کے شاگردِ رشید ابُو الْجَوزاء رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه سات دن تک بھوکے رہتے اور بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم اور حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْهِمَا تین تین دن تک فاقہ کشی کرتے۔ یہ تمام حضرات بھوک کے ذریعے آخرت کے راستے پر چلنے میں مدد حاصل کرتے تھے۔

بعض علما رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر 40 دن تک بھوکا رہے اُس پر بعض اسرارِ الٰہیہ کھول دیئے جائیں گے۔

60 دن تک کچھ نہ کھایا:

اس گروہ کے ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک راہب کے پاس سے یہ خواہش لئے گزرے کہ جس دھوکے میں یہ گرفتار ہے اس سے چھٹکارا پائے اور اسلام لے آئے۔ چنانچہ انہوں

نے اس کی حالت کے متعلق اس سے بات چیت کی (یعنی نیکی کی دعوت دی) اور اس معاملے میں اس سے کافی بحث و مُباحَثہ کیا حتّٰی کہ راہب نے کہا: "حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ الله عَلَیْهِ السَّلَام کا معجزہ تھا کہ 40 دن تک کچھ نہ کھاتے تھے اور یہ کمال صرف نبی یا صدیق کو ہی حاصل ہوتا ہے۔" ان صوفی بزرگ نے فرمایا: "اگر میں 50 دن تک کچھ نہ کھاؤں تو کیا تم مسلمان ہو جاؤ گے اور اس بات کو مان لو گے کہ اسلام ہی حق ہے اور تم باطل کے پیروکار ہو؟" راہب نے کہا: "ہاں!" چنانچہ وہ صوفی بزرگ اس کے یہاں ٹھہر گئے اور اس جگہ پر رہتے جہاں وہ آپ کو دیکھتا رہتا حتّٰی کہ 50 دن تک کچھ نہ کھایا۔ پھر کہنے لگے: "میں تمہاری خاطر اس میں مزید اضافہ کروں گا۔" چنانچہ آپ نے (مزید 10 دن بڑھا کر) 60 دن تک فاقہ کر لیا تو راہب حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا: "میرا تو یہ گمان تھا کہ (قصداً بھوکا رہنے کے معاملے میں) کوئی حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ الله عَلَیْهِ السَّلَام سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔" یہی بات اس کے اسلام لانے کا سبب بن گئی۔

یہ بہت بڑا درجہ ہے، اس تک صرف وہی لوگ پہنچتے ہیں جو ان چیزوں کے مشاہدے میں مشغول ہوتے ہیں جو انہیں عادت و طبیعت سے نکال کر مشاہدات کی لذت میں مکمل طور پر مشغول رکھتی ہیں حتّٰی کہ انہیں بھوک اور حاجت تک بھلا دیتی ہیں۔

❀... دوسرا درجہ: کھانا مُؤَخَّر کرنے کا ایک درجہ یہ ہے کہ انسان دو سے تین دن تک کچھ نہ کھائے اور یہ بات کوئی مشکل بھی نہیں بلکہ کوشش اور مجاہدہ کے ذریعے اس تک پہنچنا آسان و ممکن ہے۔

❀... تیسرا درجہ: یہ سب سے ادنٰی درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ دن رات میں ایک مرتبہ کھانے پر اِکتفا کرے۔ کم سے کم درجہ یہی ہے جو اس سے تجاوُز کرے (یعنی ایک مرتبہ سے زیادہ کھائے) تو صوفیاء کے نزدیک یہ اسراف اور شکم سیری پر ہمیشگی ہے حتّٰی کہ حالتِ بھوک اسے نصیب نہیں ہوتی اور یہ عیاش لوگوں کا کام اور سنّت سے دوری ہے۔

حضور صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم دن رات میں ایک بار کھانا تناوُل فرماتے:

حضرت سیِّدُنا ابو سعید خدری رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ حضور نبیِّ اکرم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب دن کو کھانا تناول فرمالیتے تو رات میں نہ کھاتے اور اگر رات کو تناول فرمالیتے تو دن میں نہ کھاتے۔[1]

[1] ...تاریخ مدینہ دمشق، الرقم: ۴۶۱۰، عثمان بن عبد الله، ۳۸/ ۴۲۳

سَلَف صالحین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِیْن دن میں ایک مرتبہ کھانا تناوُل فرماتے۔

دن میں ایک مرتبہ کھانا مُعْتَدِل طریقہ ہے:

مدینے کے تاجدار، دوعالَم کے مالِک و مختار صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا سے ارشاد فرمایا: اِسراف سے بچو! دن میں دو مرتبہ کھانا بے شک اسراف میں سے ہے اور ہر دو دن میں ایک مرتبہ کھانا اپنے اوپر تنگی کرنا ہے اور ہر دن میں ایک مرتبہ کھانا اسراف اور تنگی کرنے کے مابین اعتدال ہے اور کتابُ الله میں اسی کی تعریف کی گئی ہے[1]۔[2]

کھانے کے لئے دن میں کون سا وقت مقرر کرے؟

جو شخص دن میں ایک مرتبہ کھانے پر اکتفا کرے اس کیلئے مستحب یہ ہے کہ طلوعِ فجر سے پہلے سحر کے وقت میں کھائے، یوں اس کا کھانا تہجد کے بعد اور صبح سے پہلے ہو جائے گا اور اسے پانچ سعادتیں حاصل ہوں گی: (۱)...روزے کے سبب دن میں بھوکا رہنے کی سعادت نصیب ہو گی (۲)...رات کی بھوک سے قیام وعبادت میں آسانی ہو گی (۳)...معدہ خالی ہونے کی وجہ سے دل خالی ہو گا (۴)...فکر و سوچ صاف ستھری ہو گی اور دل جمعی نصیب ہو گی اور (۵)...نفس راحت و سکون محسوس کرے گا اور وقت سے پہلے کھانے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

پاؤں میں وَرم ہو جاتا:

حضرت سَیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰى عَنْه ارشاد فرماتے ہیں: سَیِّدُ الْمُرْسَلِین، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِین صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے تمہاری طرح کبھی قیام نہیں فرمایا بلکہ آپ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ کے دونوں مبارک پاؤں میں ورم ہو جاتا اور تمہاری طرح صومِ وِصال[3] نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ صَلَّى الله

---

1 ...حدیث پاک میں اس آیت مبارکہ کی جانب اشارہ ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔ (پ۱۹، الفرقان: ۶۷)

2 ...شعب الایمان، باب فی المطاعم والمشارب...الخ، ۵/ ۲۶، حدیث: ۵۶۴۰ باختصار

3 ...صوم وصال یہ ہے کہ "روزہ رکھ کر افطار نہ کرے اور دوسرے دن پھر روزہ رکھے" یہ مکروہِ تنزیہی ہے۔ (بہار شریعت، ۱/ ۹۶۶، ۹۶۷، حصہ ۵)

تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم افطار کو سحری تک مؤخر کرتے۔[1]

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: حضور نبی ٔ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم روزے کو سحری تک لے جاتے تھے۔[2]

روزہ دار کھانے کو دو حصوں میں تقسیم کردے:

اگر مغرب کے بعد روزہ دار کا دل کھانے کی طرف مائل ہوتا ہو اور تہجد میں حضورِ قلب حاصل نہ ہوتا ہو تو اَولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ وہ کھانے کو دو حصوں میں تقسیم کردے۔ مثال کے طور پر اگر وہ دو روٹی کھاتا ہے تو ایک افطار کے وقت اور ایک سحری کے وقت کھالے تاکہ اس کے دل کو تسکین حاصل ہو اور تہجد کے وقت اس کا بدن ہلکا پھلکا رہے اور سحری کھانے کے سبب اسے شدید بھوک نہ لگے۔ اس طرح وہ ایک روٹی سے تہجد پر اور دوسری سے روزے پر مدد حاصل کرلے گا۔ جو شخص ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتا ہے اس کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ جس دن وہ روزہ نہ رکھے اُس دن ظہر کے وقت اور جس دن روزہ رکھے اُس دن سحری کے وقت کھائے۔

یہ طریقے کھانے کے اوقات مقرر کرنے اور کھانا جلدی اور دیر سے کھانے کے متعلق تھے۔

﴿❀...چوتھا درجہ: اگر دن رات میں ایک مرتبہ کھانے پر اکتفا نہیں کرسکتا اور اپنے جسم کو عبادت کے لئے توانا رکھنا چاہتا ہے اور جانتا ہے کہ دن رات میں دو روٹی سے زیادہ نہیں کھائے گا تو اب اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ روٹیاں کھانے میں بقدرِ حاجت کچھ وقفہ کرے بشرطیکہ نفس بطورِ عادت وشہوت غذا کا مشتاق نہ ہو۔ روٹی (تقریباً) 36 لقموں کی ہوتی ہے، ہر ایک گھنٹے میں نفس کی قوت کے لئے تین لقمے ہونے چاہئیں، اگر اس طریقے پر روٹی کھانا چاہے تو ہر تین لقموں کے بعد پانی کا ایک گھونٹ لے اس طرح 36 لقموں میں پانی کے 12 گھونٹ ہوجائیں گے۔ روزانہ اس ترتیب پر کھانے میں بدنی صحت وتندرستی ہے اور یہ حد عبادت گزاروں کے لئے کافی ہے۔[3]﴾

---

1 ...مسلم، کتاب صفة القيامة والجنة... الخ، ص ۱۵۱۵، حدیث: ۲۸۱۹ باختصار

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، ومن مسند علی بن ابی طالب، ۱/ ۱۹۶، حدیث: ۷۰۰

3 ...یہ درجہ اصل متن میں مذکور نہیں اسے اتحاف سے نقل کیا گیا ہے۔ (اتحاف السادة المتقين، ۹/ ۵۵)

چوتھا وظیفہ: اعلیٰ غذا نہ کھانے کا ارادہ کرے

مرید کے لئے ریاضت کا ایک وظیفہ یہ ہے کہ کھانے میں اعلیٰ غذا نہ کھائے۔ اعلیٰ درجے کا کھانا گندم کا باریک پِسا ہوا آٹا ہے اگر چھانا ہوا ہو تو یہ اور بھی عمدہ کھانا ہے، اوسط اور درمیانے درجے کا کھانا چھنے ہوئے جَو ہیں اور ادنیٰ درجے کا کھانا بغیر چھانے ہوئے جَو ہیں۔ اعلیٰ درجے کا سالن گوشت اور (گھی اور شہد سے مرکب) حلوہ ہے اور ادنیٰ درجے کا سالن نمک اور سرکہ ہے جبکہ اوسط اور درمیانے درجے کا سالن بغیر گوشت کا شوربا ہے۔

جنت کا ولیمہ:

راہِ آخرت کے مسافر بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن کا معمول تھا کہ وہ ہمیشہ سالن کھانے بلکہ تمام خواہشات سے بچتے تھے کیونکہ انسان کو کسی لذیذ چیز کی خواہش ہو اور وہ پوری ہو جائے تو اس کے اندر تکبر پیدا ہوتا، دل سخت ہو جاتا اور دنیا کی لذتوں سے اُنسیت ہو جاتی ہے حتّٰی کہ وہ ان لذتوں سے اس قدر مانوس ہو جاتا ہے کہ موت اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کو ناپسند کرنے لگتا ہے، دنیا اس کے حق میں جنت اور موت قید خانہ بن جاتی ہے۔ جب انسان خود کو خواہشات سے روکتا اور اپنے نفس پر سختی کرتے ہوئے اسے لذاتِ دنیا سے محروم رکھتا ہے تو دنیا اس کے لئے قید خانہ اور تنگ جگہ بن جاتی ہے، اب اس قید خانے سے رہائی کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور موت اس قید خانہ سے آزادی کا پروانہ بن جاتی ہے۔ حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ ہے: "اے صدیقین کے گروہ! جنت الفردوس کے ولیمہ کیلئے اپنے آپ کو بھوکا رکھو کیونکہ خود کو جس قدر بھوکا رکھا جائے اسی قدر کھانے کی خواہش بڑھتی ہے۔"

شکم سیری کی جتنی آفات ہم نے ذکر کی ہیں وہ تمام آفات دیگر خواہشات اور لذات کو اختیار کرنے میں بھی جاری ہوں گی لہٰذا ہم ان کو دوبارہ ذکر کر کے کلام کو طویل نہیں کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جائز خواہشات چھوڑ دینے میں بڑا ثواب ملتا ہے اور ان کو حاصل کرنے میں بڑا خطرہ رہتا ہے۔ چنانچہ

اُمت کے شریر لوگ:

سرکارِ مدینہ، سرورِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "شِرَارُ اُمَّتِی الَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ مُخَّ الْحِنْطَۃِ

یعنی میری امت کے شریر لوگ وہ ہیں جو گندم کا آٹا کھاتے ہیں۔"[1] یہ حدیثِ پاک گندم کا آٹا کھانے کو حرام نہیں کررہی بلکہ گندم کا آٹا کھانا اس معنی پر مباح ہے کہ جس نے ایک یا دو مرتبہ گندم کا آٹا کھایا تو وہ گناہ گار نہ ہوا بلکہ جس نے اس کے کھانے پر ہمیشگی اختیار کرلی وہ بھی اسے کھانے کے سبب گناہ گار نہیں ہوگا لیکن وہ چونکہ نعمتوں اور چین وسکون میں پرورش پارہا ہے تو اس کا دل دنیا میں لگ جائے گا، لذات کو پسند کرنے لگے گا اور ان کی طلب میں خوب کوشش کرے گا تو یہ چیز اسے گناہوں کی طرف لے جائے گی، لہٰذا اس معنی کے اعتبار سے یہ امت کے شریر لوگ ہیں۔ کیونکہ گندم کا آٹا ایسے امور کے ارتکاب کی طرف لے جائے گا جو گناہ ہیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے شریر لوگ وہ ہیں جو نعمت میں پلتے ہیں اور اسی پر ان کے اجسام نَشو ونَما پاتے ہیں۔ ان کی خواہش محض انواع واقسام کے کھانے اور مختلف قسم کے لباس ہوتے ہیں اور وہ زیادہ بولنے والے منہ پھٹ ہوتے ہیں۔[2]

قبر کی یاد کثرت خواہشات سے روک دیتی ہے:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ کلیمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی: تم اپنی قبر کو یاد رکھو! یہ تمہیں کثیر خواہشات سے روک دے گی۔

سَلَف صالحین رَحِمَہُمُ اللہُ الْمُبِیْن لذیذ کھانے تناول کرنے اور نفس کو ان کا عادی بنانے سے بہت خوف کرتے تھے اور اسے شَقاوت وبد بختی کی علامت تصور کرتے اور گمان کرتے کہ اس کے سبب وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ملنے والی عظیم سعادت سے محروم رہیں گے۔

دو فرشتوں کی ملاقات:

حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ چوتھے آسمان پر دو فرشتوں کی ملاقات ہوئی، ایک نے دوسرے سے کہا: "کہاں سے آرہے ہو؟" دوسرے نے جواب دیا: "مجھے سمندر سے مچھلی لے کر فلاں یہودی کو دینے کا حکم دیا گیا ہے کہ اسے اس کی خواہش تھی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر لعنت فرمائے۔"

---

1 ...تذکرۃ الموضوعات، باب فضل الحلاوۃ واطعامھا... الخ، ص۱۵۱. علما نے لکھا ہے کہ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

2 ...شعب الایمان، باب فی المطاعم والمشارب... الخ، ۵/ ۳۳، حدیث: ۵۶۶۹ بتغیر

پہلے نے کہا: "مجھے تیل بہانے کا حکم دیا گیا ہے جس کی فلاں عابد نے خواہش کی تھی۔"

اس روایت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ خواہشات کے اسباب آسان ہو جانا خیر و بھلائی کی علامات میں سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ شہد ملے ٹھنڈے پانی کا گھونٹ پینے سے رُک گئے اور ارشاد فرمایا: "اس کا حساب مجھ سے دور کرو۔" معلوم ہوا کہ لذات کو چھوڑنے اور خواہشات کے معاملے میں نفس کی مخالفت کرنے سے بڑھ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کوئی عبادت نہیں جیسا کہ ہم نے اسے "رِیَاضَۃُ النَّفْس کے بیان" میں ذکر کیا ہے۔

مدینے کی مچھلی:

حضرت سیِّدُنا نافع رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابنِ عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا بیمار تھے، آپ کو تازہ مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی، چنانچہ مدینے میں آپ کے لئے مچھلی تلاش کی گئی لیکن نہ مل سکی (سیِّدُنا نافع رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں) کئی دنوں کے بعد مجھے مل گئی تو میں نے اسے ڈیڑھ درہم میں خرید لیا، پھر اسے بھونا اور ایک روٹی پر رکھ کر خدمت سراپا اقدس میں پیش کر دیا۔ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آگیا، آپ نے مجھ سے فرمایا: "مچھلی روٹی سمیت سائل کو دے دو۔" میں نے عرض کی: "اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کو تندرُستی عطا فرمائے! کئی دنوں سے آپ کو اس کی خواہش تھی لیکن نہ مل سکی، اب چونکہ میں نے اسے ڈیڑھ درہم میں خرید ہی لیا ہے تو ہم سائل کو مچھلی کی قیمت دے دیتے ہیں۔" ارشاد فرمایا: "مچھلی روٹی سمیت سائل کو دے دو۔" پھر میں نے سائل سے کہا: "کیا تم ایک درہم لے کر اس مچھلی کو چھوڑ سکتے ہو؟" اُس نے کہا: "ہاں۔" میں نے اسے ایک درہم دیا اور مچھلی لے کر آپ کے سامنے حاضر کر دی اور عرض کی: "میں نے اسے ایک درہم دے کر اُس سے مچھلی خرید لی ہے۔" سیِّدُنا ابنِ عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ارشاد فرمایا: مچھلی روٹی سمیت سائل کو دے دو اور اُس سے درہم بھی واپس نہ لینا کیونکہ میں نے سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سنا ہے: "اَیُّمَا امْرَءٍ اِشْتَھٰی شَھْوَۃً فَرَدَّ شَھْوَتَہٗ وَاٰثَرَ بِھَا عَلٰی نَفْسِہٖ غَفَرَ اللہُ لَہٗ یعنی جو شخص کسی چیز کی خواہش رکھتا ہو پھر وہ اس خواہش کو روک کر اپنے اوپر (کسی دوسرے کو) ترجیح دے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بخش دیتا ہے۔"(1)

---

(1) ...تاریخ مدینۃ دمشق، الرقم: ۳۳۲۱، عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، ۳۱/ ۱۴۲

کھانے پینے سے مقصود کیا ہے؟

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رسول، رسولِ مقبول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اِذَاسَدَدْتَّ کَلَبَ الْجُوْعِ بِرَغِیْفٍ وَکُوْزٍ مِّنَ الْمَاءِ الْقَرَاحِ فَعَلَی الدُّنْیَا وَاَھْلِھَا الدَّمَار یعنی جب تم ایک روٹی اور پانی کے ایک پیالے سے بھوک کی شدت کو ختم کر دو (تو کہہ دو) دنیا اور دنیا والوں کے لئے ہلاکت ہے۔"[1]

حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس حدیثِ پاک میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کھانے پینے سے مقصود بھوک، پیاس کی تکلیف اور ان کے ضرر کو دور کرنا ہے نہ کہ دنیا کی لذات سے عیش کرنا۔

کھانے کے بعد پھر کھانا...؟

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت سیِّدُنا یزید بن ابو سفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا انواع واقسام کے کھانے کھاتے ہیں تو امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے غلام سے ارشاد فرمایا: "جب تم دیکھو کہ ان کا رات کا کھانا آچکا ہے تو مجھے بتا دینا۔" چنانچہ اس نے آپ کو اطلاع کر دی۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ حضرت یزید بن ابو سفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا کے پاس تشریف لے گئے، ان کے سامنے ثرید اور گوشت لایا گیا تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ان کے ساتھ کھانا کھالیا، پھر بھنا ہوا گوشت پیش کیا گیا تو حضرت سیِّدُنا یزید بن ابو سفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا نے اپنا ہاتھ پھر بڑھایا، امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ان کا ہاتھ روک دیا اور ارشاد فرمایا: "اے یزید بن ابو سفیان! اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو! کیا کھانے کے بعد پھر کھانا؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے! اگر تم اسلاف کے طریقے سے پھر جاؤ گے تو ان کے راستے سے ہٹنے کے سبب ضرور تمہاری مخالفت کی جائے گی۔"

حضرت سیِّدُنا یسار بن عُمَیْر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے لئے جب بھی آٹا چھانا تو ان کی مرضی کے خلاف ایسا کیا۔

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۲۹۵، حدیث: ۱۰۳۶۶

دھوپ کا سوکھا ہوا آٹا اور گرم پانی:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا عُتْبَۃُ الْغُلام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ آٹا گوندھ کر اسے دھوپ میں سکھا کر پھر کھاتے تھے اور فرماتے تھے: "ایک ٹکڑے اور نمک پر گزارہ کرنا چاہئے تاکہ آخرت میں بھنا ہوا گوشت اور پاکیزہ کھانا ملے۔" آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ پیالہ لیتے اور پورا دن دھوپ میں رکھے ہوئے مٹکے سے پانی پیتے تھے۔ آپ کی لونڈی عرض کرتی: "آقا! اگر آپ اپنا آٹا مجھے عطا کر دیتے تو میں اس سے آپ کے لئے روٹی بناتی اور آپ کے لئے پانی ٹھنڈا کر دیتی۔" آپ فرماتے: "اے اُمِّ فُلاں! میں اپنے آپ سے بھوک کی شدت کو ختم کر چکا ہوں۔"

سبز پیالہ:

حضرت سیِّدُنا شقیق بن ابراہیم بلخی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی بیان کرتے ہیں: مکہ مکرمہ زَادَھَا اللہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا میں حضور نبی پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی جائے ولادت کے پاس سُوقُ اللَّیْل کے مقام پر حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم سے میری ملاقات ہوئی، آپ راستے کے کنارے بیٹھے رو رہے تھے۔ میں آپ کے پاس آکر بیٹھ گیا اور عرض کی: "اے ابو اسحاق! آپ کیوں رو رہے ہیں؟" ارشاد فرمایا: "خیر ہے۔" میں نے (اصرار کرتے ہوئے) اپنی بات کو تین مرتبہ دہرایا تو آپ نے ارشاد فرمایا: "اے شقیق! میرا پردہ رکھنا۔" میں نے عرض کی: "اے میرے بھائی! جو جی چاہے فرما دیجئے۔" ارشاد فرمایا: "میرا نفس 30 سال سے سِکْباج (یعنی گوشت اور سرکہ سے تیار کردہ کھانا) کھانے کی خواہش کرتا رہا مگر میں کوشش کرکے نفس کو اس سے روکتا رہا حتّٰی کہ گزشتہ رات جب کہ میں بیٹھا ہوا تھا تو مجھ پر اونگھ غالب آگئی، ایک نوجوان کو ہاتھ میں سبز پیالہ لئے دیکھا جس سے سکباج کی خوشبو دار بھاپ اٹھ رہی تھی، میں ہمت جمع کرکے اس سے دور ہٹا تو اس نوجوان نے وہ پیالہ میری طرف بڑھا کر کہا: اے ابراہیم! کھایئے۔ میں نے جواب دیا: میں نہیں کھاؤں گا، میں اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے چھوڑ چکا ہوں۔ اس نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی نے آپ کو اس سے نوازا ہے کھایئے! میرے پاس کوئی جواب نہیں بچا میں رو دیا۔ اس نوجوان نے کہا: کھایئے! اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ پر رحم فرمائے۔ میں نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب تک اس بات کا علم نہ ہو کہ کہاں سے آیا ہے اسے اپنے پیٹوں میں نہ ڈالیں۔ نوجوان کہنے لگا: اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کو عافیت بخشے آپ کھایئے! مجھے یہ کھانا دے کر کہا گیا "اے خضر! اسے لے جاؤ اور ابراہیم

بن ادہم کو کھلاؤ کہ سکباج سے طویل عرصہ تک رُکے رہنے کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس پر رحم فرمایا ہے" اے ابراہیم! جان لو! میں نے فرشتوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ جسے عطا کیا جائے اور وہ نہ لے تو پھر طلب کرنے پر بھی اُسے نہ دیا جائے گا۔ میں نے کہا: اگر ایسا معاملہ ہے تو لیجیے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کے سبب آپ کے سامنے ہوں پھر میں نے دوسری طرف توجہ کی تو ایک دوسرے نوجوان کو دیکھا اُس نے حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کو کوئی چیز دیتے ہوئے کہا: "اے خضر! آپ ہی انہیں کھلائیے" چنانچہ آپ مجھے لقمے دیتے رہے یہاں تک کہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں اٹھا تو منہ میں اس کا ذائقہ موجود تھا۔

حضرت سیِّدُنا شقیق بن ابراہیم بلخی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اپنا ہاتھ دکھائیے! پس میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا اور عرض کی: اے وہ ذات! جو من پسند چیزوں کی خواہش رکھنے والوں کو کھلاتی ہے جب کہ وہ حقیقی معنوں میں خواہشات سے بچتے ہیں، اے وہ ذات! جو دل میں یقین ڈالتی ہے، اے وہ ذات! جس سے محبت کرنے کے سبب لوگوں کے قُلُوب شِفا و سکون پاتے ہیں! کیا تیرے بندے شقیق کا بھی تیری بارگاہ میں کوئی مقام و مرتبہ ہے؟ پھر میں نے حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کا ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض کی: اس ہاتھ اور اس ہاتھ والے کی جو قدر و منزلت تیرے نزدیک ہے اور جو جُود و کرم تیری طرف سے انہیں عطا ہوا ہے وہ اپنے فضل و احسان اور رحمت کے محتاج بندے کو بھی عطا فرما اگرچہ وہ اس کا مستحق نہیں۔ پھر حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کھڑے ہوئے اور چلنے لگے حتی کہ ہم بیت اللہ شریف پہنچ گئے۔

40سال تک دودھ نوش نہ فرمایا:

حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کو40 سال تک دودھ کی خواہش رہی مگر آپ نے نوش نہ فرمایا۔ ایک دن نذرانہ میں کسی نے پکی ہوئی تازہ کھجوریں پیش کیں تو آپ نے شاگردوں کو عنایت کرتے ہوئے فرمایا: آپ لوگ کھالیجئے میں نے 40 سال سے تازہ کھجوریں نہیں چکھیں۔

مرتے دم تک نمک کھاتے نہیں دیکھا:

حضرت سیِّدُنا احمد بن ابو الحواری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْبَارِی بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ

بِسْطَامِی کو نمک کے ساتھ گرم روٹی کھانے کی خواہش ہوئی تو میں نے آپ کی خدمت میں حاضر کر دی۔ آپ نے اسے دانتوں میں لیا پھر نکال دیا اور روتے ہوئے فرمایا: "مجاہدہ میں طویل کوشش کے بعد میں نے اپنی خواہش کی طرف جلدی کی، ہائے میری بد بختی! (اے اللہ عَزَّوَجَلَّ) میں سچی توبہ کرتا ہوں تو مجھے معاف فرمادے۔"

حضرت سیِّدُنا احمد بن ابو الحواری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْبَارِی کہتے ہیں: پھر میں نے مرتے دم تک آپ کو نمک کھاتے نہیں دیکھا۔

40 راتوں تک سبزی نہیں کھاؤں گا:

حضرت سیِّدُنا مالک بن ضَیغَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں بصرہ کے بازار سے گزرا تو ایک سبزی پر نظر پڑی، نفس نے مطالبہ کیا کہ آج رات یہ سبزی کھلادو، میں نے قسم کھائی کہ 40 راتوں تک یہ سبزی نہیں کھاؤں گا۔

50 سال کھجوریں نہیں کھائیں:

حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار 50 سال بصرہ میں تشریف فرما رہے لیکن بصرہ والوں کی پکی ہوئی تازہ کھجوریں اور ادھ پکی کھجوریں کبھی نہیں کھائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "اے اہل بصرہ! میں تم میں 50 برس رہا، میں نے تمہاری نہ تو پکی ہوئی تازہ کھجوریں کھائیں اور نہ ہی ادھ پکی کھجوریں کھائیں تو جو مجھ سے کم ہوئی وہ تم میں زیادہ نہیں ہوئی اور جو تم میں زیادہ ہوئی وہ مجھ سے کم نہیں ہوئی۔" مزید فرماتے ہیں: "میں نے 50 سال سے دنیا کو طلاق دے رکھی ہے۔ میرا نفس 40 سال سے دودھ کی خواہش کر رہا ہے مگر خدا کی قسم! میں مرتے دم تک اس کی خواہش پوری نہیں کروں گا۔"

خدا عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اب تو کھجور نہیں کھاسکے گا:

حضرت سیِّدُنا اِمام اَعظم اَبو حنیفہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے شہزادے حضرت سیِّدُنا حماد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْجَوَاد بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سیِّدُنا داؤد طائی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تو دروازہ بند تھا، میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا: "اے نفس! تو نے گاجر کی خواہش کی تو میں نے تجھے کھلا دی، اب تو کھجور کی

خواہش کرنے لگا ہے! سن لے! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو اسے کبھی نہیں کھا سکے گا۔" میں سلام کرکے اندر داخل ہوا تو آپ تنہا ہی تھے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! تو پھل نہیں چکھ سکے گا:

ایک دن حضرت سیِّدُنا ابو حازم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بازار سے گزرے تو پھل دیکھ کر اسے کھانے کی خواہش ہوئی اور اپنے بیٹے سے فرمایا: "یہ ختم ہو جانے والا پھل جسے خریدے بغیر لینا ممنوع ہے، اسے ہمارے لئے خرید لاؤ شاید ہمیں وہ میوہ کھانا بھی نصیب ہو جائے جو نہ ختم ہو گا اور نہ ہی اس سے روکا جائے گا۔" جب آپ کے بیٹے نے پھل خرید کر آپ کی بارگاہ میں پیش کیا تو اپنے نفس سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: "تو نے مجھے دھوکا دیا کہ میں دیکھتے ہی خواہش کرنے لگا اور تو مجھ پر اس قدر غالب آگیا کہ میں نے اسے خرید لیا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! تو اسے نہیں چکھ سکے گا۔" پس آپ نے وہ پھل یتیموں کی طرف بھیج دیا۔

حضرت سیِّدُنا موسیٰ اشج رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "20 سال سے میرا نفس پسے ہوئے نمک کی خواہش کر رہا ہے (لیکن میں نے اسے نہیں کھلایا)۔"

حضرت سیِّدُنا احمد بن خلیفہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "20 سال سے میرا نفس صرف پانی سے سیر ہونے کی خواہش کر رہا ہے مگر میں نے اسے نہیں پلایا۔"

کبھی گوشت نہ چکھا:

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سیِّدُنا عُتْبَۃُ الْغُلَام رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو سات سال تک گوشت کی خواہش رہی۔ ایک روز ارشاد فرمایا: مجھے اپنے نفس سے حیا آئی کہ میں 7 سال سے مسلسل اسے گوشت کھانے سے روک رہا ہوں، چنانچہ میں نے روٹی اور گوشت کا ٹکڑا خریدا اور اسے بھون کر روٹی پر رکھا ہی تھا کہ ایک بچہ آگیا، میں نے پوچھا: "تم فلاں کے بیٹے ہو نا اور تمہارے والد بھی فوت ہو چکے ہیں؟" اس نے کہا: "ہاں۔" میں نے روٹی اور گوشت کا ٹکڑا اسے دے دیا۔" لوگ کہتے ہیں پھر آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ رونے لگے اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ۝۸ (پ۲۹، الدھر: ۸)

ترجمۂ کنز الایمان: اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر (قیدی) کو۔

اور اس کے بعد آپ نے کبھی گوشت نہ چکھا۔

خوفناک آندھی:

حضرت سیِّدُنا عُتْبَۃُ الْغُلَام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو کئی سال تک کھجور کی خواہش رہی۔ ایک دن آپ نے ایک قیراط (یعنی درہم کے بارہویں حصے) کی کھجوریں خرید کر افطاری کے لئے رکھ لیں، اتنے میں خوفناک آندھی چلی حتّٰی کہ چاروں طرف تاریکی چھاگئی اور لوگوں میں خوف وہراس پھیل گیا۔ آپ نے اپنے نفس کو مخاطب کرکے فرمایا: "یہ تیری جرأت اور کھجور خریدنے کے سبب ہوا اور تیرے گناہ کی وجہ سے لوگ اس آندھی میں مبتلا ہوئے ہیں، اب مجھ پر لازم ہے کہ تو اسے نہ چکھے۔"

روکھی روٹی پر گزر بسر:

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا داود طائی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے آدھے پیسے کی سبزی اور ایک پیسے کا سرکہ خریدا اور رات بھر اپنے نفس کو مخاطب کرکے فرماتے رہے: "اے داود! تیری خرابی ہو! بروزِ قیامت تیرا حساب کس قدر طویل ہوگا۔" اس کے بعد آپ صرف روکھی روٹی ہی تناول فرمایا کرتے۔

کھجور چھوڑنے کا سچا عزم:

حضرت سیِّدُنا عُتْبَۃُ الْغُلَام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ایک دن حضرت سیِّدُنا عبدالواحد بن زید رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے فرمایا: "فلاں شخص اپنے بارے میں وہ مقام ومرتبہ بیان کرتا ہے جسے میں نہیں جانتا۔" انہوں نے کہا: "آپ روٹی کے ساتھ کھجور کھاتے ہیں جبکہ وہ صرف روٹی کھاتا ہے۔" حضرت سیِّدُنا عُتْبَۃُ الْغُلَام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: "اگر میں کھجور کھانا چھوڑ دوں تو اس مرتبے کو پہچان لوں گا؟" انہوں نے کہا: "جی ہاں! اور اس کے علاوہ مراتب کو بھی۔" یہ سن کر حضرت سیِّدُنا عُتْبَۃُ الْغُلَام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ رونے لگے۔ کسی شاگرد نے عرض کی: "اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کی آنکھ سے آنسو مٹائے کیا کھجور (چھوٹنے) پر رو رہے ہیں؟" حضرت سیِّدُنا عبدالواحد بن زید رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے کہا: "انہیں چھوڑ دو! کھجور چھوڑنے کے سچے عزم کو ان کا نفس پہچان گیا ہے اور جب یہ کسی چیز کو چھوڑ دیتے ہیں تو دوبارہ کبھی اس کی طرف نہیں لوٹتے۔"

منہ میں ڈالی ہوئی انجیر نکال دی:

حضرت سیِّدُنا جعفر بن نصر رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں: سیِّدُ الطائفہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی نے مجھے حکم دیا کہ میرے لئے وزیری انجیر خرید کر لے آؤ۔ میں خرید کر لے آیا۔ افطار کے دوران انجیر منہ میں رکھی ہی تھی کہ نکال دی اور رونے لگے۔ پھر فرمایا: "انہیں لے جاؤ۔" میں نے اس کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا کہ ایک غیبی آواز نے مجھے پکار کر کہا: "تمہیں حیا نہیں آتی؟ تم نے اسے میری خاطر 30 سال چھوڑے رکھا اب دوبارہ اس کی طرف لوٹ رہے ہو۔"

تحفہ واپس کرنے کی وجہ:

حضرت سیِّدُنا صالح مری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا عطاء سُلَمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے کہا: "میں آپ کے لئے ایک چیز بھیجوں گا، تحفہ واپس نہ کیجیے گا۔" انہوں نے کہا: "آپ جو کرنا چاہتے ہیں کیجیے۔" میں نے گھی اور شہد ملا ستّو کا مشروب اپنے بیٹے کے ہاتھ آپ کے پاس بھیجا اور کہا: "ان کے پاس سے اس وقت تک نہ ہلنا جب تک وہ اسے پی نہ لیں۔" (چنانچہ، انہوں نے پی لیا) دوسرے روز میں نے پھر اسی طرح بنا کر بھیجا تو آپ نے بغیر پیئے واپس کر دیا۔ میں نے ان پر ناگواری کا اظہار کیا اور انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا: "سبحان اللہ! میرا تحفہ آپ نے مجھے واپس کر دیا۔" جب انہوں میرا غصہ دیکھا تو کہا: آپ برا نہ مانیں! میں نے پہلی مرتبہ تو پی لیا تھا، دوسری مرتبہ خود کو اس کے پینے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس پر قادر نہ ہو سکا، میں جب بھی اسے پینے کا ارادہ کرتا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمان یاد آ جاتا:

يَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ

ترجمۂ کنزالایمان: بمشکل اس کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ لے گا اور گلے سے نیچے اتارنے کی امید نہ ہوگی۔

(پ۱۳، ابراھیم: ۱۷)

حضرت سیِّدُنا صالح مری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: میں رو پڑا اور اپنے دل میں کہا میں کسی اور وادی میں ہوں جبکہ آپ کسی اور وادی کے باسی ہیں۔

حضرت سیِّدُنا سَری سَقَطِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میرا نفس 30 سال سے مطالبہ کر رہا ہے کہ کھجور

کے شیرے میں گاجر ڈبو کر کھاؤں لیکن میں نے اسے نہیں کھلایا۔

نفس کا عجیب دھوکا:

حضرت سیِّدُنا ابو بکر جَلَّاء رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کا نفس اس سے کہتا ہے: "میں تمہارے لئے دس دن بھوکا رہ لوں گا لیکن اس کے بعد تم مجھے میری خواہش کے مطابق کھلاؤ گے۔" وہ نفس سے کہتا ہے: "میں یہ نہیں چاہتا کہ تو 10 دن بھوکا رہے بلکہ میری تمنا یہ ہے کہ تو اپنی خواہش ہی چھوڑ دے۔"

خوب تَر کی تلاش:

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عابد نے اپنے ایک دوست کو کھانے پر بلایا اور اسے روٹیاں پیش کر دیں۔ وہ سب سے اچھی روٹی کا اِنتخاب کرنے کے لئے روٹیوں کو الٹ پلٹ کرنے لگا۔ عابد نے کہا: "رک جایئے! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ کیا آپ جانتے نہیں کہ جس روٹی کو آپ نے چھوڑ دیا ہے اُس میں یہ یہ حکمتیں ہیں اور اس میں بے شمار کاریگر شریک ہیں حتّٰی کہ یہ پہلے پانی اٹھانے والے بادلوں میں گھومی اور پانی کی شان یہ ہے کہ وہ زمین کو سیراب کرتا ہے پھر ہواؤں، زمین، چوپایوں اور بنی آدم سے ہوتی ہوئی آپ تک پہنچی ہے پھر بھی آپ اس سے ناخوش ہو کر خوب تَر کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔"

ایک روٹی اور 360 کاریگر:

روایت میں ہے کہ روٹی تمہارے سامنے اس وقت تک نہیں رکھی جاتی جب تک اس میں 360 کاریگر اثر انداز نہ ہوں۔ ان میں سب سے پہلے حضرت سیِّدُنا میکائیل عَلَیْہِ السَّلَام ہیں جو کہ رحمت کے خزانے سے پانی کو ناپتے ہیں پھر وہ فرشتے جو بادلوں کو چلاتے ہیں پھر سورج، چاند، اَفلاک اور اس کے بعد ہوا کے فرشتے پھر زمینی چوپائے اور سب سے آخر میں روٹی پکانے والا ہے۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (پ۱۳، ابراھیم: ۳۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔

---

[1] ...فیض القدیر، ۲/ ۱۱۷، تحت الحدیث: ۱۴۲۴

زُہد کسے کہتے ہیں؟

ایک بزرگ رَحمۃُ اللہِ تَعالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سیِّدُنا قاسِم جُوعی عَلَیْہِ رَحمۃُ اللہِ القَوِی کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے زہد کے بارے میں پوچھا؟ آپ نے فرمایا: "تم نے اس کے بارے میں کیا کچھ سن رکھا ہے؟" میں نے چند اقوال بیان کئے لیکن آپ خاموش رہے۔ میں نے عرض کی: "آپ کے نزدیک زہد کیا ہے؟" ارشاد فرمایا: "جان لو! پیٹ بندے کی دنیا ہے، جس قدر اسے اپنے پیٹ پر قابو ہو گا اسی قدر اسے زہد حاصل ہو گا اور جس قدر اس کا پیٹ اس پر غالب ہو گا اسی قدر وہ دنیا کے شکنجے میں ہو گا۔"

تین مہنگی دواؤں کا نعمَ البَدَل:

حضرت سیِّدُنا بِشر بن حارِث حافی عَلَیْہِ رَحمۃُ اللہِ الکَافِی ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو طبیب عبدالرحمٰن کے پاس آئے اور پوچھا: "کھانے میں کون سی چیز میرے موافق رہے گی؟" انہوں نے کہا: "آپ مجھ سے پوچھ تو رہے ہیں لیکن جب میں بیان کروں گا تو آپ قبول نہیں کریں گے۔" حضرت سیِّدُنا بشر حافی عَلَیْہِ رَحمۃُ اللہِ الکَافِی نے فرمایا: "آپ بیان کیجئے تاکہ میں سن لوں۔" طبیب نے کہا: "سِکَنْجَبِین (ایک خاص مشروب) نوش فرمائیے، بِہدانہ (یعنی ناشپاتی کا بیج) چوسیں اور اس کے بعد مرغی کا اُبلا ہوا گوشت کھائیں۔" آپ نے فرمایا: "کوئی ایسی چیز جانتے ہیں جو سِکَنْجَبِین سے کم قیمت اور اس کے قائم مقام ہو؟" کہا: "نہیں۔" آپ نے فرمایا: "میں جانتا ہوں۔" طبیب نے پوچھا: "وہ کیا ہے؟" فرمایا: "سرکہ کے ساتھ کاسنی (ایک پودا)۔" پھر فرمایا: "ایسی چیز جانتے ہیں جو بہدانہ سے کم قیمت اور اس کے قائم مقام ہو؟" طبیب نے کہا: "نہیں۔" آپ نے فرمایا: "میں جانتا ہوں۔" طبیب نے پوچھا: "وہ کیا ہے؟" فرمایا: "خُرنُوب شامی (یعنی کیرب کا درخت)۔" آپ نے پھر پوچھا: "کیا کوئی ایسی چیز جانتے ہیں جو مرغی کے اُبلے ہوئے گوشت سے کم پیسوں کی ہو لیکن فائدہ اس کے قائم مقام ہو؟" طبیب نے کہا: "نہیں۔" آپ نے فرمایا: "میں جانتا ہوں۔ گائے کے دیسی گھی کے ساتھ چنے کا پانی اس کا بدل ہے۔" طبیب نے کہا: "آپ تو مجھ سے زیادہ طِبّ جانتے ہیں پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

تم نے اس تمام گفتگو سے یہ بات جان لی کہ یہ حضرات خواہشات اور پیٹ بھر کر کھانے سے بچتے تھے

اور ان کا بچنا ان فوائد کے پیش نظر تھا جو ہم نے پیچھے ذکر کئے نیز ان کے بچنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ بعض اوقات انہیں خالص حلال چیز میسر نہیں ہوتی تو (پرہیز گاری کی بنا پر) وہ اپنے نفسوں کو صرف ضرورت کی مقدار کھانے کی اجازت دیتے اور یہ بات معلوم ہے کہ ضرورت کی چیزیں خواہشات نہیں ہوتیں۔

روٹی سے زائد چیز خواہش میں شامل ہے:

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّهُ النُّوْرَانِی نے فرمایا: "نمک بھی خواہش ہے کیونکہ یہ روٹی پر اضافہ ہے اور جو چیز روٹی سے زائد ہو وہ خواہش ہے" یہ انتہائی تقویٰ ہے، لہٰذا جو صرف روٹی پر اکتفا نہیں کر سکتا اسے نہ تو اپنے نفس سے غافل ہونا چاہئے اور نہ ہی خواہشات میں منہمک ہونا چاہیے۔

انسان کے فضول خرچ ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جس چیز کی اسے خواہش ہو اسے کھالے اور ہر وہ کام کر گزرے جسے کرنے کی اسے چاہت ہو۔ مناسب یہ ہے کہ گوشت کھانے پر ہمیشگی نہ اختیار کی جائے۔

گوشت کھانا دل کی سختی کا سبب:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: جو شخص 40 دن تک گوشت کھانا چھوڑ دے اس کی طبیعت و مزاج میں خرابی و بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور جو 40 دن تک مسلسل گوشت کھاتا رہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔

کھا کر سو جانا دل سخت کرتا ہے:

منقول ہے کہ ہمیشہ گوشت کھانا شراب کے چسکے کی طرح ایک چسکا ہے۔ جب انسان بھوکا ہو اور جماع کا دل بھی چاہے تو اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ کھانا بھی کھائے اور جماع بھی کرے اور اس طرح اپنے نفس کی دونوں خواہشیں پوری کر دے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا نفس اس پر قابو پالے گا جبکہ نفس بعض اوقات کھانا اس لئے طلب کرتا ہے تاکہ بشاشت اور گرم جوشی کے ساتھ جماع کر سکے۔ بہتر یہ ہے کہ انسان پیٹ بھرا ہونے کی حالت میں نہ سوئے کہ یوں وہ دو غفلتوں کو جمع کرلے گا اور اسے سستی کی عادت پڑ جائے گی نیز اس عمل کے باعث اس کا دل سخت ہو جائے گا بلکہ اسے چاہئے کہ نماز پڑھے یا بیٹھ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرے کہ یہ اس کی نعمت

پر شکر کے زیادہ قریب ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے: "اَذِيْبُوْا طَعَامَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالصَّلَاةِ وَلَا تَنَامُوْا عَلَيْهِ فَتَقْسُوَ قُلُوْبُكُمْ یعنی اپنے کھانے کو ذکر اور نماز کے ذریعے ہضم کرو اور کھانا کھا کر سو نہ جاؤ کہ اس طرح تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔"[1]

پیٹ بھر کر کھالو تو خوب عبادت کرو:

چاہئے کہ کھانا کھانے کے بعد کم از کم چار رکعات نماز پڑھے یا سو مرتبہ تسبیح کرے یا قرآن پاک سے ایک جز پڑھے۔ حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی جب رات کو پیٹ بھر کر کھاتے تو شب بیداری کرتے اور جب دن میں پیٹ بھر کر کھاتے تو اس کے بعد نماز پڑھتے اور ذکر کرتے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ سیاہ فام کو پیٹ بھر کر کھلاؤ اور کام لے کر اسے تھکا دو اور کبھی فرماتے: گدھے کو پیٹ بھر کر کھلاؤ اور کام لیتے ہوئے اسے تھکا دو۔

کھانے کے بجائے پھل کھالے:

جب کبھی کھانا اور عمدہ پھل کھانے کو جی چاہے تو مناسب یہ ہے کہ روٹی نہ کھائے اور اس کے بدلے عمدہ پھلوں کو کھالے تاکہ یہی غذا بن جائیں انہیں بطور پھل ان کو شمار نہ کیا جائے اور نفس کی عادت اور خواہش جمع نہ ہو پائیں۔ حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی نے حضرت سیِّدُنا ابو الحسن علی بن سالم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے ہاتھ میں روٹی اور کھجور دیکھی تو فرمایا: "پہلے کھجور کھالیجئے اگر یہ کافی ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے بعد بقدرِ حاجت روٹی کھالیجئے گا۔"

پہلے ہلکی غذا کھانی چاہئے:

جب کبھی ہلکی اور بھاری غذا پائے تو پہلے ہلکی پھلکی غذا کھالے تاکہ اس کے بعد بھاری کی خواہش نہ رہے۔ اگر بھاری غذا پہلے کھائے گا تو ہلکی غذا بھی اس کے ہلکے پن کے باعث ضرور کھائے گا۔ ایک بُزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے کہ "خواہشات کے مطابق چیزیں مت کھاؤ، اگر کھالو تو ان کی طلب میں نہ رہو، اگر طلب میں رہو تو ان سے محبت نہ کرو اور خاص قسم کی روٹی طلب کرنا خواہش ہے۔"

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: "عراق سے ہمارے پاس روٹی سے زیادہ

---

[1] ...المعجم الاوسط، ۳/ ۳۰۴، حدیث: ۴۹۵۲

پسندیدہ کوئی پھل نہیں آیا۔" آپ نے روٹی کو گویا پھل قرار دیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جائز نفسانی خواہشات کے معاملے میں غفلت برتنے اور ہر حال میں نفس کی پیروی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں بندہ جس قدر اپنی خواہش کو پورا کرتا ہے اسی قدر اسے ڈر جانا چاہئے کہ بروزِ قیامت اس سے کہا جائے گا:

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (پ۲۶، الاحقاف: ۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تم اپنے حصّہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے اور انھیں برت چکے۔

اور جس قدر وہ اپنے نفس سے جہاد کر کے اپنی خواہش چھوڑ دے گا اسی قدر دارِ آخرت میں اپنی خواہشات سے لطف اندوز ہو گا۔ چنانچہ

چاول کی روٹی اور مچھلی:

ایک بصری بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْه فرماتے ہیں: "میرے نفس نے مجھ سے چاول کی روٹی اور مچھلی کا مطالبہ کیا تو میں نے اسے نہ دیا۔ اس کا مطالبہ بڑھ گیا اور میں بھی 20 سال تک نفس سے مجاہدہ کرتا رہا۔" جب ان کا انتقال ہوا تو کسی نے انہیں خواب میں دیکھ کر پوچھا: "مَافَعَلَ اللهُ بِكَ؟ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟" جواب دیا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جس قدر نعمتیں اور عزت مجھے عطا کی میں اسے بیان نہیں کر سکتا اور مجھے سب سے پہلے جو چیز دی گئی وہ چاول کی روٹی اور مچھلی تھی اور ارشاد ہوا کہ "آج جتنا دل چاہے اپنی خواہش کو مزے لے لے کر پورا کرو۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾ (پ۲۹، الحاقۃ: ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: کھاؤ اور پیو رچتا ہوا صلہ اس کا جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجا۔

بے شک بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِيْن نے ترکِ خواہشات (یعنی بھوک، پیاس وغیرہ) کو آگے بھیجا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّهُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: کسی خواہش کو چھوڑ دینا دل کے لئے ایک سال کے روزے اور قیام سے زیادہ نفع بخش ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں ایسے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو اُسے راضی کر دیں۔ (اٰمین)

چوتھی فصل: بھوک کے حکم وفضیلت کے بارے میں اختلاف اور لوگوں کے احوال

جان لو کہ تمام امور اور اخلاق میں انتہائی مطلوب درمیانی درجہ ہے کیونکہ کہا جاتا ہے: "خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُهَا یعنی بہترین امور وہ ہیں جن میں میانہ روی ہو۔" میانہ روی کی دونوں ہی طرفیں (یعنی اِفراط وتفریط) قابل مذمت ہیں۔ بھوک کے فضائل میں جو باتیں ہم نے ذکر کی ہیں ان سے بسااوقات اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اس معاملے میں اِفراط مطلوب ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

شریعت کی پوشیدہ حکمت:

شریعت کی حکمت کے اَسرار میں سے یہ بات ہے کہ ہر وہ چیز جس میں طبیعت انتہائی درجہ کو پسند کرے اور اس میں فوری یا آئندہ فساد کا اندیشہ ہو تو شریعت اس کام سے منع کرنے میں مبالغہ کرتی ہے جبکہ جاہل یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ ممکنہ حد تک طبیعت کے تقاضے کے خلاف کرنا ہی شریعت کو مطلوب ہے لیکن عالم یہ بات جانتا ہے کہ مقصود میانہ روی ہے کیونکہ طبیعت جب خوب پیٹ بھر کر کھانا چاہتی ہے تو شریعت بھی آخری حد تک بھوکا رہنے کی مَدح وتعریف کرتی ہے حتّٰی کہ طبیعت ابھارتی ہے اور شریعت منع کرتی ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں اور یوں اِعْتِدال حاصل ہو جاتا ہے اور کوئی شخص اپنی طبیعت کی خواہش مکمل طور پر دبا دے یہ بہت ہی مشکل ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان بھوک کی آخری حد تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی شخص اپنی طبیعت کا خلاف کرنے میں حد سے بڑھ جائے تو شریعت میں ایسی چیزیں بھی ملتی ہیں جو اس کی خرابی پر دلالت کرتی ہیں جیسے کہ شریعت نے رات میں قیام کرنے اور دن کو روزہ رکھنے کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے لیکن جب حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمَّت صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کو بعض صحابۂ کرام عَلَیْهِمُ الرِّضْوَان کا حال معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں اور پوری رات قیام کرتے ہیں تو آپ نے اس سے منع فرمادیا۔[1]

---

1 ...مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر...الخ، ص۵۸۶، حدیث: ۱۱۵۹

کھانا اتنا کھائے کہ معدہ پر بوجھ محسوس نہ ہو:

جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی تو جان لو کہ مُعْتَدِل طبیعت کے حوالے سے افضل یہ ہے کہ وہ اس طریقے پر کھائے کہ اسے معدے پر بوجھ محسوس نہ ہو اور نہ ہی بھوک کی تکلیف کا احساس ہو بلکہ وہ اپنے پیٹ ہی کو بھول جائے کہ بھوک اس میں بالکل اثر نہ کرے کیونکہ کھانے سے مقصود زندگی کو باقی رکھنا اور عبادت پر قوت حاصل کرنا ہے اور معدے کا بوجھ عبادت سے روکتا ہے اور بھوک کی تکلیف بھی توجہ ہٹاتی اور عبادت سے روکتی ہے۔ تو مقصود یہ ہے کہ انسان اس طریقے پر کھائے کہ جو چیز کھائی ہے اس کا اثر باقی نہ رہے تاکہ وہ فرشتوں کی مثل ہو جائے کیونکہ وہ کھانے کے بوجھ اور بھوک کی تکلیف سے پاک ہیں اور انسان کی انتہائی فضیلت یہ ہے کہ وہ ان کی اقتدا کرے اور جب انسان شِکم سیری اور بھوک دونوں سے بچ نہیں سکتا تو دونوں طرفوں سے دوری کی حالت میانہ رَوی یعنی اِعْتِدال ہے۔

مِیانہ رَوی والے اُمور بہترین ہیں:

باہم مخالف دونوں طرفوں یعنی افراط و تفریط سے بچنے اور درمیانی درجے کی طرف بندے کے لوٹنے کی مثال اس طرح ہے کہ آگ سے گرم کئے ہوئے ایک گول کڑے کو زمین پر رکھا جائے اور اس کے درمیان میں چیونٹی کو ڈال دیا جائے، چیونٹی اس کی گرمی سے بھاگے گی اور چونکہ وہ کڑا چیونٹی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے تو چیونٹی اس سے نکلنے پر قادر نہیں ہو سکے گی لہٰذا وہ بھاگتی رہے گی حتّٰی کہ اس کے مرکز یعنی درمیان میں آکر ٹھہر جائے گی، اب اگر وہ مرتی بھی ہے تو درمیان میں مرے گی کیونکہ کڑے میں موجود گرمی سے سب سے زیادہ دور درمیان ہے۔ تو جس طرح کڑے نے چیونٹی کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے اسی طرح خواہشات نے بھی انسان کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے جبکہ ملائکہ اس حلقے سے باہر ہیں اور انسان کے لئے ان سے نکلنے کا کوئی ذریعہ نہیں حالانکہ انسان ان خواہشات سے چھٹکارا پانے میں فرشتوں کی مثل ہونا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ خواہشات سے دور ہونے میں اس کے احوال بھی ان کے جیسے ہو جائیں اور کناروں سے زیادہ دُور درمیان ہے، لہٰذا ایک دوسرے کے مخالف ان تمام احوال میں درمیان مطلوب

ہوا۔ اسی بات کو حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے فرمان میں اس طرح تعبیر کیا ہے: ”خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُہَا یعنی بہترین امور وہ ہیں جن میں میانہ روی ہو۔“[1]

اس فرمانِ باری تعالیٰ میں اسی جانب اشارہ ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (پ۸، الاعراف: ۳۱) ترجمۂ کنزالایمان: کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو۔

نیز جب انسان کو بھوک اور شکم سیری کا احساس نہ ہو تو اس کے لئے عبادت کرنا اور غور و فکر کرنا آسان ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ میں ہلکا پن محسوس کرتا ہے اور ہلکے پن کے باعث عمل کے معاملے میں قوی ہو جاتا ہے لیکن یہ طبیعت کے معتدل ہونے کے بعد ہوتا ہے اور راہِ سلوک کی ابتدا میں جب کہ نفس سرکش ہوتا اور خواہشات کا شوق رکھتا ہے نیز افراط کی طرف مائل ہوتا ہے تو اعتدال اس کو نفع نہیں دیتا بلکہ ضروری ہے کہ نفس کو بھوکا رکھ کر خوب مشقت میں ڈالا جائے جیسا کہ سرکش چوپائے کو بھوکا رکھ کر اور مار پیٹ وغیرہ کے ذریعے اعتدال پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے، جب وہ قابو میں آکر اعتدال پر آجاتا ہے تو اب اسے تکلیف دینے کا عمل چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اسی راز کے سبب شیخ اپنے مُرید کو ان کاموں کا حکم دیتا ہے جنہیں وہ خود نہیں کر رہا ہوتا۔ چنانچہ وہ اسے بھوکا رہنے کا کہتا ہے حالانکہ خود بھوکا نہیں رہتا، اسے پھل اور من پسند چیزیں کھانے سے منع کرتا ہے حالانکہ خود ان سے نہیں رکتا کیونکہ وہ اپنے نفس کی تادیب و تربیت سے فارغ ہو چکا اور اسے مَشَقَّت میں ڈالنے سے بے نیاز ہو چکا ہے اور چونکہ نفس کے اکثر احوال عبادت سے بچنے، حرص، شہوت اور سرکشی پر مشتمل ہیں، لہٰذا اس کے لئے زیادہ مناسب ایسی بھوک ہے جس کی تکلیف اکثر احوال میں اسے محسوس ہو تاکہ نفس کا زور کم پڑ جائے۔ مقصود یہ ہے کہ نفس کا زور ٹوٹ جائے حتّٰی کہ اس میں اعتدال پیدا ہو جائے، اس کے بعد یہ غذا میں بھی اعتدال کی طرف لوٹ جائے۔

ہمیشہ کی بھوک سے بچنے والے دو افراد:

راہِ آخرت پر چلنے والوں میں سے صرف دو قسم کے لوگ ہی ہمیشہ بھوکا رہنے سے بچتے ہیں، ایک صدیق اور دوسرا دھوکے میں مبتلا بے وقوف۔ صدیق تو اس لئے کہ اس کے نفس کو سیدھی راہ پر ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے اور اسے اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ بھوک کی سختیوں کے ذریعے اسے حق کی طرف گامزن کیا جائے۔ جبکہ

[1] ...شعب الایمان، باب فی الصیام، ۳/ ۴۰۲، حدیث: ۳۸۸۸ عن مطرف بن الشخیر

دھوکے میں مبتلا شخص اپنے متعلق یہ گمان کرتا ہے کہ وہ صدیق ہے، اسے نفس کی تادیب اور تربیت کی ضرورت نہیں اور وہ اپنے نفس کے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہے اور یہ بہت بڑا دھوکہ ہے اور یہی زیادہ غالب ہے کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ نفس مکمل طور پر تربیت یافتہ ہوچکا ہو حالانکہ اکثر تربیت نہیں ہوئی ہوتی۔ ایسا شخص جب صدیق کو اپنے نفس کے ساتھ نرمی برتتا دیکھتا ہے تو خود بھی اپنے نفس کے ساتھ نرمی برتنے لگتا ہے جیسے کوئی مریض صحت مند شخص کو کچھ کھاتا دیکھے تو اپنے آپ کو صحت مند تصور کر کے وہی کچھ کھانے لگے اور یوں ہلاک ہو جائے۔

سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کھانے کا وقت مقرر نہ تھا:

اور رہی وہ بات کہ جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مخصوص وقت میں مخصوص غذا کی تھوڑی سی مقدار مقرر کی جائے تو یہ فی نفسہٖ مقصود نہیں بلکہ مقصود تو محض اس نفس کا مجاہدہ ہے جو حق سے دور ہے اور رتبۂ کمال کو نہیں پہنچا کیونکہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے کھانے کی نہ تو مقدار معیّن تھی اور نہ ہی وقت مقرر تھا۔ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: صاحِبِ معراج صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم روزے رکھتے رہتے حتّٰی کہ ہم کہنے لگتے کہ آپ روزہ نہیں چھوڑیں گے اور (کبھی) روزہ رکھنا چھوڑ دیتے حتّٰی کہ ہم کہنے لگتے: اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔[1]

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے اہل خانہ کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہوتا تو تناول فرمالیتے، اگر نہ میں ہوتا تو فرماتے: ایسا ہے تو میرا روزہ ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سامنے کوئی چیز پیش کی جاتی تو فرماتے: میرا ارادہ تو روزے کا تھا۔ پھر اسے تناول فرمالیتے۔ ایک دن آپ تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: "میرا روزہ ہے" حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ عنہا نے عرض کی: ہمیں حَیْس (یعنی خاص قسم کا حلوہ) تحفہ بھیجا گیا ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: میرا ارادہ روزے کا تھا لیکن تم اسے قریب لے آؤ۔[2]

---

[1]... بخاری، کتاب الصوم، باب صوم شعبان، ۱/ ۶۴۸، حدیث: ۱۹۶۹

[2]... سنن ابی داود، کتاب الصوم، باب النیۃ فی الصیام، ۲/ ۴۸۳، حدیث: ۲۴۵۵

السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الصیام، باب صیام التطوع... الخ، ۴/ ۴۵۶، حدیث: ۸۳۳۰، ۸۳۳۱

اب کوئی مقدار مقرر ہے نہ وقت:

حضرت سیِّدُنا سہل بن عبد اللہ تُستَری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کے بارے میں منقول ہے کہ آپ سے پوچھا گیا: راہِ سلوک کی ابتدا میں آپ کی کیا حالت تھی؟ آپ نے مختلف ریاضتوں کے بارے میں بتایا ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپ ایک مدت تک بیری کے پتے بطور خوراک استعمال کرتے رہے اور ایک ریاضت یہ تھی کہ آپ 3 سال تک اِنْجیر کوٹ کوٹ کر کھاتے رہے اور فرمایا: میں 3 سال تک 3 درہم کی غذا پر گزارہ کرتا رہا۔ پوچھا گیا: اس وقت آپ کی کیفیت کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: اب نہ کوئی مقدار مقرر ہے نہ وقت۔

آپ کے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب میں زیادہ کھاتا ہوں بلکہ مراد یہ ہے کہ جو میں کھاتا ہوں اس کی میں نے کوئی ایک مقدار مقرر نہیں کی ہے۔

مولا عَزَّوَجَلَّ کے گھر کا مہمان:

حضرت سیِّدُنا معروف کَرْخی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کی خدمت میں اچھے اور عمدہ کھانے تحفۃً بھیجے جاتے تو آپ انہیں تناول فرمالیتے۔ عرض کی گئی: آپ کے (مسلمان) بھائی بِشْر حافی تو اس قسم کے کھانے نہیں کھاتے۔ ارشاد فرمایا: میرے بھائی بشر کو تقویٰ نے روک رکھا ہے اور مجھے معرفت نے وسعت اور کشادگی دے رکھی ہے پھر فرمایا: میں تو اپنے مولا عَزَّوَجَلَّ کے گھر میں مہمان ہوں جب وہ مجھے کھلاتا ہے تو کھالیتا ہوں اور جب بھوکا رکھتا ہے تو صبر کرتا ہوں۔ مجھے اعتراض اور فیصلہ کرنے سے کیا سروکار۔

مَردوں کی طرح صَبْر:

حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے اپنے ایک (مسلمان) بھائی کی طرف کچھ درہم بھیجے اور ارشاد فرمایا: ہمارے لئے ان درھموں سے مکھن، شہد اور میدے کی روٹی لے لو۔ عرض کی گئی: اے ابو اسحاق! آپ یہ سب کھائیں گے؟ ارشاد فرمایا: تم پر تعجب ہے! جب ہم پاتے ہیں تو مردوں کی طرح کھاتے ہیں اور جب نہیں پاتے تو مردوں کی طرح صبر کرتے ہیں۔

اسراف سے بے خوفی:

ایک دن حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے بہت سا کھانا پکوایا اور چند لوگوں کو دعوت دی جن میں حضرت سیِّدُنا اِمام اَوزاعی اور حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِمَا الرَّحْمَہ بھی تھے۔ حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے کہا: اے ابواِسحٰق! کیا آپ کو اس کے اسراف کا خوف نہیں؟ آپ نے فرمایا: کھانے میں اسراف نہیں ہوتا، اِسراف تو لباس اور مال ومتاع میں ہوتا ہے۔

سمجھدار اور بے وقوف کی سوچ میں فرق:

جو شخص محض تقلید کرتے ہوئے سماع (سننے) اور نقل سے علم حاصل کرتا ہے وہ جب حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کا یہ معاملہ دیکھتا ہے اور حضرت سیِّدُنا مالک بن دِینار عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْغَفَّار کا یہ قول سنتا ہے "20 سال سے میرے گھر میں نمک داخل نہیں ہوا۔" اور حضرت سیِّدُنا سَری سَقَطی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْقَوِی کے بارے میں یہ سنتا ہے کہ انہیں 40 سال تک کھجور کے شیرے میں گاجر ڈبو کر کھانے کی خواہش رہی لیکن انہوں نے نہیں کھایا۔ تو یہ گمان کرتا ہے کہ ان واقعات میں تضاد ہے، یہ ایک دوسرے کے خلاف ہیں اور حیران ہو جاتا ہے اور اس بات کا یقین کر لیتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک خطا پر ہے۔ لیکن علم کے اسرار و رُموز سے باخبر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک حق پر ہے کیونکہ اِختلاف اَحوال کے اعتبار سے ہے۔

پھر ان مختلف احوال کو محتاط و سمجھدار آدمی سنتا ہے یا دھوکے میں مبتلا بے وقوف شخص۔ محتاط ان واقعات کو سن کر کہتا ہے: میں عارِفین میں سے تو ہوں نہیں کہ اپنے نفس سے نرمی برتوں اور میرا نفس حضرت سیِّدُنا سَری سَقَطی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْقَوِی اور حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْغَفَّار سے زیادہ اطاعت گزار بھی نہیں ہے جبکہ یہ حضرات تو خواہشات سے بچنے والے تھے۔ لہٰذا وہ ان کی پیروی کرتا ہے۔ دھوکے کا شکار شخص کہتا ہے: میرا نفس حضرت ابراہیم بن ادہم اور حضرت معروف کرخی کے نفس سے زیادہ نافرمان نہیں ہے لہٰذا میں ان کی پیروی کرتے ہوئے اپنے کھانے کی مقدار مقرر نہیں کروں گا اور میں بھی اپنے مولا عَزَّوَجَلَّ کے گھر کا مہمان ہوں، مجھے اعتراض سے کیا واسطہ؟ پھر اگر کوئی شخص اس کے حق یا اس کی عزّت کرنے یا مال اور جاہ و مرتبہ کے سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی کرتا ہے تو اس پر قیامت آ جاتی ہے اور اعتراض کرنے لگتا ہے۔

شیطان کے لئے بے وقوفوں کے ساتھ کھیلنے کا یہ ایک وسیع میدان ہے۔ کھانے اور روزہ رکھنے میں کوئی مقدار مقرر نہ کرنا اور خواہشات کے مطابق کھانا اسی شخص کو زیب دیتا ہے جو وِلایت و نُبوّت کے نور سے دیکھتا ہے، اس کے اور اس کے ربّ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان کشادگی اور تنگی بھی علامات ہوتی ہیں (یعنی کھانا میسر ہونا اور نہ ہونا بھی علامت ہے) اور یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب نفس خواہشات اور عادات کی پیروی سے مکمل طور پر نکل جائے حتّٰی کہ اس کا کھانا بھی رِضائے الٰہی کی نیت سے ہوتا ہے جیسا کہ کھانے سے بچنا رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے یوں وہ اپنے کھانے اور نہ کھانے کے معاملے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر عمل کرتا ہے۔

سیِّدُنا فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ جیسی دانائی سیکھو:

ایسے افراد کو حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے دانائی اور دور اندیشی سیکھنی چاہئے کہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ حضور نبیِّ کریم، رءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم شہد پسند فرماتے اور اسے تناول بھی فرماتے تھے[1] پھر بھی خود کو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر قیاس نہیں کیا بلکہ جب آپ کی بارگاہ میں شہد ملا ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا تو برتن کو اپنے ہاتھ میں گھمانے لگے اور ارشاد فرمایا: اسے پیوں گا تو مزہ تھوڑی دیر میں چلا جائے گا لیکن اس کا مواخذہ باقی رہے گا، اس کا حساب مجھ سے دور کر دو۔ چنانچہ آپ نے اسے چھوڑ دیا۔

بھوک کے معاملے میں مرید کی تربیت:

شیخ کے لئے جائز نہیں کہ مرید کے سامنے ان اَسرار کو بیان کرے بلکہ صرف بھوک کے فضائل ذکر کرے اور اسے اعتدال کی طرف بھی نہ بلائے کیونکہ جس کی طرف بھی وہ اسے بلائے گا اس کو کرنے میں مرید لازمی طور پر ناکام رہے گا، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ وہ اسے بھوک کا انتہائی درجہ اختیار کرنے کی دعوت دے حتّٰی کہ اسے اعتدال حاصل ہو جائے۔ اس کے سامنے یہ بات ذکر نہ کرے کہ عارفِ کامل ریاضت سے بے نیاز ہوتا ہے کیونکہ اس طرح اسے پھنسانے کے لئے شیطان کو جال مل جائے گا اور ہر وقت اس کے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ تو عارفِ کامل ہے، تجھے مزید معرفت و کمال کی ضرورت نہیں۔

[1] ... بخاری، کتاب الاشربۃ، باب الباذق ومن نھی عن کل مسکر... الخ، ۳/ ۵۸۵، حدیث: ۵۵۹۹

شیخ مرید کو ہر وقت ادب سکھاتا رہے:

حضرت سیِّدُنا ابراہیم خَوَّاص عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْجَوَاد کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ اپنے مرید کو جس ریاضت کا حکم دیتے خود بھی اس کے ساتھ اس میں شریک ہوتے تاکہ اس کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ جو کام شیخ خود نہیں کرتے مجھے اس کا حکم کیوں دیتے ہیں اور یوں وہ ریاضت چھوڑ بیٹھے۔

قوی شخص جب دوسروں کو ریاضت سکھانے اور ان کی اصلاح کرنے میں مشغول ہو تو ان کی طرح عمل کرتے ہوئے اور انہیں سعادت کی طرف لے جانے میں نرمی برتتے ہوئے اُسے کمزور لوگوں کے درجہ میں اترنا ضروری ہے اور اس میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی بڑی آزمائش ہے۔ جب اعتدال کی حد ہر شخص کے حق میں پوشیدہ ہے تو عقلمندی اور احتیاط اسی میں ہے کہ شیخ مرید کو کسی بھی حالت میں نہ چھوڑے۔

امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے بیٹے کو ادب سکھایا:

یہی وجہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے صاحب زادے حضرت سیِّدُنا عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو اس طرح ادب سکھایا کہ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، انہیں گھی سے پکا ہوا گوشت کھاتے ہوئے پایا تو ان پر دُرّہ بلند کرتے ہوئے فرمایا: "ایک دن گوشت اور روٹی، ایک دن روٹی اور دودھ، ایک دن روٹی اور گھی، ایک دن روٹی اور زیتون، ایک دن روٹی اور نمک اور ایک دن سالن کے بغیر صرف روٹی کھاؤ" اور اعتدال بھی یہی ہے۔ چنانچہ ہمیشہ گوشت اور من پسند چیزیں کھانا، اِفراط (یعنی زیادتی) اور اسراف ہے اور بالکل گوشت چھوڑ دینا تفریط (یعنی تنگی و کمی) ہے اور ان دونوں کے مابین درمیانی راہ ہے۔

پانچویں فصل: پسندیدہ اشیاء چھوڑنے اور کم کھانے کے باعث پیدا ہونے والی ریاکاری کی آفت کا بیان

دو بڑی آفتیں:

جان لو کہ خواہشات کو چھوڑنے والے پر دو بڑی آفتیں آتی ہیں جو کہ حقیقت میں پسندیدہ اشیاء کھانے سے بھی بڑھ کر ہیں۔

﴿۳﴾...پہلی آفت: نفس کو کسی پسندیدہ شے کی خواہش ہو رہی ہو تو اسے چھوڑنے پر قدرت نہیں ہوتی لیکن وہ چاہتا ہے کہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ اسے اس کی خواہش ہے پس وہ خواہش کو چھپاتا ہے اور تنہائی میں ایسی چیزیں کھاتا ہے جو لوگوں کے سامنے نہیں کھاتا اور یہی شرکِ خفی (یعنی ریاکاری) ہے۔ ایک عالم صاحب سے ایک زاہد کے متعلق پوچھا گیا تو وہ خاموش رہے۔ عرض کی گئی: "کیا آپ انہیں قابلِ اِعتراض سمجھتے ہیں؟" ارشاد فرمایا: "یہ خلوت میں ایسی چیزیں کھاتا ہے جو لوگوں کے سامنے نہیں کھاتا۔" اور یہ بہت بڑی آفت ہے بلکہ بندے کا حق یہ ہے کہ جب وہ پسندیدہ اور مرغوب چیز کے کھانے میں مبتلا ہو تو اسے ظاہر کر دے کیونکہ یہ حالت کی سچائی میں سے ہے اور حالت کی سچائی اعمال کے ذریعے کئے جانے والے مجاہدات کے فوت ہو جانے کا بدل ہو جائے گی کیونکہ خامی کو چھپانا اور اس کی ضد یعنی کمال (اور اخلاص) کو ظاہر کرنا مزید دو نقصان ہیں اور جھوٹ بولنا اور ساتھ ساتھ اس کو چھپانا، یہ دو جھوٹ ہیں تو وہ دو وجوہات کی وجہ سے ناراضی کا مستحق ٹھہرا اب اس سے راضی اور خوش بھی اسی وقت ہوا جائے گا جب وہ دو سچی توبہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین کے لئے سخت سزا بیان کی گئی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ (پ۵، النسآء: ۱۴۵)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں۔

کیونکہ کافر کفر کرتا ہے اور اسے ظاہر کرتا ہے جبکہ منافق کفر کرتا ہے اور اسے چھپاتا ہے تو اس کا اپنے کفر کو چھپانا ایک دوسرا کفر ہے۔ منافق نے اپنے دل کی طرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نظر کرنے کو حقیر سمجھا اور مخلوق کے دیکھنے کو بڑا خیال کیا اور یوں اس نے صرف اپنے ظاہر سے کفر کو مٹایا۔

عارفین ریاکاری میں مبتلا نہیں ہوتے:

عارفین من پسند چیزیں کھانے بلکہ گناہوں تک میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن وہ ریاکاری، دھوکا دینے اور چھپانے جیسی برائیوں میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ عارف کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر خواہشات کو چھوڑ دے اور مخلوق کے دلوں سے اپنے مقام و مرتبے کو گرانے کے لئے اپنے نفس کی خواہش کو ظاہر کر دے۔ جیسا کہ "ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه من پسند چیزیں خرید کر گھر میں لٹکا دیتے تھے حالانکہ وہ ان سے

کنارہ کشی اختیار کئے ہوئے تھے۔" اس سے ان کا مقصد صرف اپنے حال کو چھپانا تھا تاکہ غافل لوگوں کے دل ان سے پھر جائیں اور وہ ان کی حالت کے بارے میں پریشانی کا شکار نہ ہوں۔

زُہد کی اِنتہا:

زہد کی انتہا یہ ہے کہ جس چیز سے کنارہ کشی اختیار کی جائے لوگوں کے سامنے اسی کا اظہار کیا جائے (تاکہ لوگوں کو اس کے زہد کا علم نہ ہوسکے)، یہ زہد میں بھی زہد ہے اور یہ صدیقین کا عمل ہے کیونکہ یہ دو صدق جمع کرنا ہے جیسا کہ پہلے دو کِذب کو جمع کیا گیا تھا۔ عارف نے اپنے نفس پر دو بوجھ اٹھائے (ایک تو اپنے کو خواہش سے روکا اور دوسرا مخلوق کی نظروں میں اپنے کو گرایا) اور دو مرتبہ اپنے نفس کو صبر کا پیالہ پلایا ایک مرتبہ اس چیز کو چھوڑ کر اور دوسری مرتبہ لوگوں کے طعن کے باعث۔ تو یقیناً ایسے لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے دُگنا اجر دیا جائے گا اور یہ اس شخص کے طریقے کی طرح ہے جسے علانیہ دیا جائے تو لے لے پھر پوشیدہ طور پر اسے واپس کر دے تاکہ لوگوں کے سامنے لینے کے ذریعے نفس کو ذلیل کر کے اس کا زور کم کرے اور پوشیدہ طور پر فَقر اختیار کر کے نفس کو کمزور کرے۔

دوسروں کی نسبت اپنی اصلاح زیادہ اہم ہے:

جو شخص یہ طریقہ اختیار نہ کر سکے اسے چاہئے کہ اپنی خواہش اور اپنے عیب کو ظاہر کرتا رہے سچائی اسی میں ہے اور اسے شیطان کی اس بات سے دھوکے میں نہیں رہنا چاہئے کہ "اگر تو اسے لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے گا تو لوگ تیری پیروی کریں گے لہٰذا تو لوگوں کی اصلاح کے لئے اسے چھپائے رکھ۔" کیونکہ اگر اس کا قصد لوگوں کی اصلاح کا ہوتا تو دوسروں کی بَنِسْبَت اپنی اصلاح اس کے لئے زیادہ اہم ہے بلکہ اس کا قصد تو محض ریاکاری کا ہے اور دوسروں کی اصلاح کی آڑ میں شیطان اس کے سامنے اصل حقیقت کو چھپا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ظاہر کرنا اس پر بھاری پڑتا ہے اگرچہ اسے یہ بات معلوم بھی ہو جائے کہ جو بھی اس پر مُطَّلَع ہوگا وہ عمل کے معاملے میں اس کی پیروی نہیں کرے گا یا جو اس کے تارکِ شہوات ہونے کا اعتقاد رکھے گا وہ خواہشات سے نہیں رکے گا۔

❀...**دوسری آفت:** یہ ہے کہ نفس پسندیدہ چیزوں کو چھوڑنے پر قادر تو ہوتا ہے لیکن اسے اس بات سے

خوشی ہوتی ہے کہ اس سبب سے وہ پہچانا جائے پس وہ خواہشات سے بچنے کے معاملے میں لوگوں کے درمیان مشہور ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس نے کمزور خواہش یعنی کھانے کی خواہش کی تو مخالفت کی مگر اس خواہش کی اطاعت کی جو اس سے بھی زیادہ بری ہے یعنی جاہ و مرتبہ کی خواہش اور یہی پوشیدہ خواہش ہے لہٰذا جب وہ اس خواہش کو اپنے اندر محسوس کرے تو اسے ختم کر دے کہ اسے ختم کرنا کھانے کی خواہش کو ختم کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔ ایسے شخص کے لئے کھالینا ہی زیادہ بہتر ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: جب تمہیں کوئی ایسی پسندیدہ چیز دی جائے جسے تم چھوڑ چکے ہو تو اس میں سے کچھ نکال لو اور نفس کو اس کی خواہش کے مطابق زیادہ نہ دو تو تم اپنے نفس سے خواہش کو دور کرنے والے ہو جاؤ گے اور جب تک نفس کو اس کی خواہش نہیں دو گے اس وقت تک تم اس کے لئے پریشانی کا باعث بنے رہو گے۔

خواہش پوشیدہ رکھنے پر نفس کو سزا:

حضرت سیِّدُنا امام جعفر بن محمد صادق رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "جب مجھے کوئی پسندیدہ چیز دی جاتی ہے تو میں اپنے نفس کی طرف دیکھتا ہوں اگر وہ اپنی خواہش ظاہر کر دیتا ہے تو اسے کچھ کھلا دیتا ہوں اور یہ اس کو نہ کھلانے سے بہتر ہے اور اگر وہ اپنی خواہش پوشیدہ رکھتا ہے اور اس سے دوری کا اظہار کرتا ہے تو میں اسے چھوڑ کر نفس کو سزا دیتا ہوں اور اسے کچھ نہیں دیتا۔" یہ اس پوشیدہ خواہش پر نفس کو سزا دینے کا طریقہ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو شخص غذا کی خواہش کو چھوڑ کر ریا کی خواہش میں پڑ جائے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو بچھو سے بھاگ کر سانپ کی پناہ لے لے کیونکہ ریا کی خواہش غذا کی خواہش سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی توفیق دینے والا ہے۔

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

﴿ تُوْبُوْا اِلَی اللہ اَسْتَغْفِرُ اللہ ﴾

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

باب نمبر2: **شرم گاہ کی شہوت کا بیان** (اس میں تین فصلیں ہیں)

پہلی فصل: **شرم گاہ کی شہوت کی حقیقت**

خواہشِ جماع کے دو فائدے:

جان لو کہ انسان پر دو فائدوں کے سبب جماع کی خواہش مسلط کی گئی ہے: (۱)...لذت کا حُصُول (۲)...وُجُودِ انسانی کی بَقا۔

جماع میں لذت کا حصول اس لئے ہے کہ جب انسان اس کی لذت کو پائے تو آخرت کی لذتوں کو اس پر قیاس کرے۔ اگر جماع کی لذت دیر پا ہوتی تو تمام جسمانی لذتوں میں سب سے زیادہ قوی ہوتی۔ جیسے آگ اور اس کی تکلیفیں جسم کی تکالیف میں سب سے بڑی ہیں۔ رغبت دلانا اور ڈرانا لوگوں کو ان کی سعادتوں کی طرف لے جاتا ہے اور یہ ترغیب وترہیب قابلِ احساس تکلیف اور قابلِ ادراک لذت ہی کے ساتھ ممکن ہے کیونکہ جس چیز کو چکھ کر نہ جانا جائے تو اس کی طرف شوق نہیں بڑھتا۔ دوسرا فائدہ انسانی وُجود کی بقا ہے۔

شرم گاہ کی شہوت کے یہ فائدے ہیں لیکن اگر اس شہوت پر قابو نہ پایا جائے اور اسے دبا کر اعتدال کی حد میں نہ رکھا جائے تو اس کے سبب وہ آفات پیدا ہوتی ہیں جو دین اور دنیا کو برباد کر دیتی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ (پ۳، البقرۃ:۲۸۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اے رب ہمارے اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار (طاقت) نہ ہو۔

کہا گیا ہے کہ اس کا معنی شہوت کی شدت ہے۔[1]

دو تہائی عقل چلی جاتی ہے:

منقول ہے کہ جب انسان کے عضو مخصوص میں انتشار ہوتا ہے تو اس کی دو تہائی عقل چلی جاتی ہے۔

حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یوں دعا کیا کرتے: "اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَقَلْبِیْ وَمَنِیِّ

●...اس مقام پر موجود ایک آیت اور اس کی تفسیر کا ترجمہ نہیں دیا گیا اس کی عربی عبارت کتاب کے آخر میں دے دی گئی ہے۔

وَمَنِیِّ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں اپنے کان، آنکھ، دل، شرم گاہ اور مادۂ منویہ کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“(1)

عورتیں شیطان کا جال ہیں:

حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اَلنِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّیْطَانِ وَلَوْلَا هٰذِهِ الشَّهْوَةُ لَمَا كَانَ لِلنِّسَاءِ سَلْطَنَةٌ عَلَى الرِّجَالِ یعنی عورتیں شیطان کا جال ہیں(2) اگر یہ شہوت نہ ہوتی تو عورتوں کا مردوں پر قبضہ نہ ہوتا۔“

شیطان کی ٹوپی:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا موسیٰ کلیمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ ابلیس آپ کے پاس آیا، اس کے سر پر ایک ٹوپی تھی جس میں کئی رنگ چمک رہے تھے۔ جب اس نے آپ کے قریب ہونے کا ارادہ کیا تو ٹوپی اتار کر رکھ دی پھر آپ کے قریب آکر سلام کیا، حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام نے پوچھا: تم کون ہو؟ کہا: میں ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ تجھے ہلاک کرے! کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا: چونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں آپ کو مقام ومرتبہ حاصل ہے اس لئے آپ کو سلام کرنے آیا ہوں۔ آپ عَلَیْهِ السَّلَام نے پوچھا: میں نے جو کچھ تم پر دیکھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ ٹوپی ہے جس کے ذریعے میں بنی آدم کے دلوں کو قابو کرتا ہوں۔ حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام نے پوچھا: ایسا کون سا عمل ہے کہ جب انسان اسے کرتا ہے تو تُو اس پر غالب آجاتا ہے؟ شیطان نے کہا: جب وہ خود پسندی میں مبتلا ہو جائے، اپنے اعمال کو زیادہ سمجھنے لگے اور اپنے گناہوں کو بھول جائے۔ پھر اس نے کہا: میں آپ کو تین باتیں بتاتا ہوں: (۱) کسی ایسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کریں جو آپ کے لئے حلال نہ ہو کیونکہ جو شخص بھی کسی اجنبیہ عورت کے ساتھ تنہا ہوتا ہے تو میرے چیلوں کے بجائے اس کے ساتھ میں خود ہوتا ہوں حتّٰی کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے فتنے میں مبتلا کر دیتا ہوں (۲) جب بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے عہد کریں اسے پورا کریں اور (۳) جب بھی صدقہ کرنے کے لئے مال نکالیں تو اسے خرچ کر دیں کیونکہ جب کوئی شخص صدقہ کا مال الگ کر کے رکھتا ہے اور اسے خرچ نہیں کرتا تو وہاں بھی اس کے ساتھ میں خود ہوتا ہوں میرے کارندے

---

(1) ...سنن ابی داود، کتاب الوتر، باب فی الاستعاذة، ۲/۱۳۲، حدیث: ۱۵۵۱، دون ذکر ”وهنی“

(2) ...الترغیب والترهیب، کتاب الحدود وغیرها، الترهیب من شرب الخمر... الخ، ۳/۲۰۴، حدیث: ۳۶۱۵

نہیں ہوتے حتّٰی کہ اس کے خرچ کرنے کی راہ میں رُکاوٹ بن جاتا ہوں۔ پھر شیطان یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ ہائے افسوس! موسیٰ کو وہ باتیں معلوم ہو گئیں جو بنی آدم کو چوکنّا کر دیں گی۔

عورت خطرناک فتنہ ہے:

حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اللہ ربُّ الْعِزت نے جتنے بھی انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام بھیجے ان کے بارے میں ابلیس کو یہی امید رہی کہ "وہ عورتوں کے ذریعے ان کو ہلاک کر دے" اور میرے نزدیک کوئی چیز عورتوں سے زیادہ خطرناک نہیں ہے اور میں مدینہ طَیِّبَہ میں صرف اپنے اور اپنی بیٹی کے گھر جاتا ہوں، جمعہ کے دن وہاں غسل کرتا ہوں پھر واپس آجاتا ہوں۔

عورت شیطان کا تیر ہے:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ شیطان عورت سے کہتا ہے: تو میرا نصف لشکر ہے اور میرا ایسا تیر ہے کہ جس سے نشانہ خطا نہیں ہوتا، تو میری راز دار ہے اور میری حاجت و ضرورت میں میری قاصد ہے۔

معلوم ہوا کہ شیطان کا آدھا لشکر شہوت ہے اور بقیہ آدھا لشکر غُصّہ ہے۔

شہوت کے تین دَرَجات:

سب سے بڑی شہوت و خواہش عورتوں کی خواہش ہے اور اس شہوت کے بھی تین درجے ہیں: اِفراط، تفریط اور اِعْتِدال۔ اِفراط یہ ہے کہ شہوت عقل پر غالب آجائے حتّٰی کہ مردوں کی ہمت بیویوں اور باندیوں سے لطف اندوز ہونے میں صرف ہو جائے اور یوں وہ آخرت کے راستہ پر چلنے سے محروم ہو جائیں۔ یا شہوت دین پر غالب آجائے حتّٰی کہ بے حیائیوں کے اِرتِکاب کی طرف لے جائے اور بعض اوقات شہوت کی زیادتی دو ناپسندیدہ باتوں تک لے جاتی ہے۔

۞...اس قسم کے لوگ ایسی چیزیں استعمال کرتے ہیں جو ان کی شہوت کو قوت دیں اور وہ کثرت سے جماع کر سکیں جیسے بعض لوگ معدے کو تَقْوِیَت دینے والی دوائیاں استعمال کرتے ہیں تاکہ کھانے کی خواہش بڑھے۔ ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو خونخوار درندوں اور حملہ آور سانپوں میں پھنس جائے اور جب

وہ کسی وقت اس سے غافل ہو جائیں تو انہیں بھڑکانے کی تدبیر اختیار کر کے ان کو جوش دلائے پھر ان کے علاج میں مشغول ہو جائے۔ دَرْ حقیقت کھانے اور جماع کی خواہش بھی آلام و تکالیف ہیں، انسان ان سے چھٹکارا چاہتا ہے اور ان سے نجات ملنے کے سبب لذّت پاتا ہے۔[1]

شہوت عشق تک لے جاتی ہے:

❁... شہوت کی زیادتی کے سبب انسان میں پیدا ہونے والی دوسری ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ شہوت بعض بھٹکے ہوئے لوگوں کو عشق تک لے جاتی ہے اور یہ جماع کے مقاصد میں جہالت کی انتہا ہے اور صفتِ حیوانیت میں چوپایوں کی حد کو بھی پار کرنا ہے کیونکہ عاشق جماع کی خواہش پوری ہو جانے پر اِکتفا نہیں کرتا اور یہ سب سے بُری اور قبیح شہوت ہے اور اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ حَتّٰی کہ اس کا یہ اِعتِقاد ہو جاتا ہے کہ شہوت صرف ایک ہی جگہ سے پوری ہوتی ہے جبکہ چوپایہ کو جہاں کہیں موقع ملتا ہے شہوت پوری کر لیتا ہے اور اسی پر اکتفا کر لیتا ہے جبکہ یہ شخص ایک معیّن انسان پر اکتفا کرتا ہے اور اس سلسلے میں ذلت پر ذلت برداشت کرتا اور غلامی کا بوجھ اٹھاتا ہے حتّٰی کہ عقل سے شہوت کی غلامی کا کام لیتا ہے حالانکہ عقل کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نہ کہ اس لئے پیدا کیا گیا کہ یہ شہوت کی غلام ہو اور شہوت پوری کرنے کے لئے تدبیریں کرے۔

عشق لاپروا اور فارغ دل کا مرض ہے:

عشق شہوت کی زیادتی کا نام ہے اور یہ ایسے دل کا مرض ہے جو فارغ ہو اور اسے کوئی فکر نہ ہو۔ اس کے آغاز میں ہی اس سے جان چھڑانا ضروری ہے اس طرح کہ معشوق کو دیکھنے اور اس کے متعلق سوچ وبچار کی عادت کو چھوڑ دیا جائے ورنہ جب یہ پختہ اور مضبوط ہو جائے گا تو اس کو دور کرنا مشکل ہو جائے گا اور اسی طرح مال، مرتبے، زمین اور اولاد کے عشق حتی کہ پرندوں سے کھیل اور شطرنج کھیلنے کی محبت سے بھی ابتداءً جان چھڑانا ضروری ہے کیونکہ یہ چیزیں بعض لوگوں پر غالب آ کر دینی اور دنیوی اعتبار سے ان کے لئے پریشانی کا

---

[1]... یہاں ایک حدیث اور اس کی وضاحت کا ترجمہ نہیں دیا گیا اس کی عربی عبارت کتاب کے آخر میں دے دی گئی ہے۔

باعث بن جاتی ہیں اور یہ لوگ ان سے کسی صورت صبر نہیں کرسکتے۔

عشق بعض اوقات موت کا سبب بن جاتا ہے:

جو شخص عشق کی ابتدا ہی میں اس کے جوش کو کم کر دیتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی چوپائے کی لگام پھیر دے۔ اس وقت اس کی لگام پکڑ کر اسے پھیرنا آسان ہوتا ہے اور جو عشق کے پختہ اور مضبوط ہونے کے بعد اس کا علاج کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو چوپائے کو اس کی حالت پر چھوڑ دے حتّٰی کہ وہ دروازے کو پار کر کے اندر داخل ہو جائے پھر وہ اس کی دُم پکڑ کر اسے پیچھے کی طرف کھینچنے لگے۔ (بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ) آسانی اور مشکل میں دونوں معاملوں کے مابین کس قدر فرق ہے، لہٰذا ابتدائی مراحل میں احتیاط ہونی چاہئے ورنہ جب معاملہ انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو علاج بہت مشکل سے ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے عنقریب عشق روح کو جسم سے جدا کردے۔

معلوم ہوا کہ جب شہوت کی زیادتی عقل پر اس حد تک غالب آجائے تو یہ نہایت مذموم ہے اور شہوت میں کمی ہونا اس طرح کہ وہ نامرد ہو یا بیوی کو مطمئن اور لُطف اَندوز کرنے کے مُعاملے میں کمزور ہو تو یہ بھی قابِلِ مَذمَّت ہے۔

کون سی شہوت قابل تعریف ہے؟

صرف وہ شہوت محمود اور قابل تعریف ہے جو مُعْتَدِل ہو اور کم زیادہ ہونے کے معاملے میں عقل اور شریعت کے تابع ہو اور جب شہوت بڑھ جائے تو بھوک اور نکاح کے ذریعے اسے توڑدو۔ چنانچہ

محسن انسانیت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اے نوجوانوں کے گروہ! تم پر نکاح کرنا لازم ہے تو جسے اس کی طاقت واستطاعت نہ ہو وہ روزہ رکھ لے کہ روزہ شہوت کو ختم کر دیتا ہے۔"[1]

دوسری فصل: نکاح کرنے نہ کرنے کے متعلق مرید پر لازم باتیں

راہِ سلوک کی ابتدا میں مرید کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ نکاح کر کے اپنے دل اور نفس کو مصروف نہ کرے کیونکہ یہ ایک ایسی مصروفیت ہے جو راہِ آخرت پر چلنے سے اسے روک دے گی اور اسے بیوی سے

---

[1] ... بخاری، کتاب النکاح، باب قول النبی من استطع منکم الباءۃ... الخ، ۳/ ۴۲۲، حدیث: ۵۰۶۵

اُنسیّت اور لگاؤ کی طرف لے جائے گی اور جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ کسی سے دل لگائے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل ہو جاتا ہے۔محبوبِ خُدا، محمد مُصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے کثرتِ نکاح کے سبب اسے ہرگز دھوکے میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ دنیا کی کوئی چیز بھی آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے دل کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل نہیں کرتی تھی، لہٰذا فرشتوں کو لوہاروں پر قیاس نہ کیا جائے۔[1] یہی وجہ ہے کہ

باعثِ نحوست مال اور اہل وعیال:

حضرت سیِّدُنا ابوسُلَیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے شادی کی وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا۔ ایک مرتبہ فرمایا: میں نے نہیں دیکھا کہ کسی مرید نے شادی کی ہو اور پھر وہ اپنی پہلی حالت پر ثابت قدم رہا ہو۔ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ کس سبب سے آپ کو عورت سے مانوس ہونے اور دل لگانے کی حاجت پیش آئی؟ ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ عورت میں میرا دل نہ لگائے۔ ایسا اس لئے فرمایا کہ اس سے اُنس ہو گا تو یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ اُنس کے راستے میں رُکاوٹ بنے گا۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: بیوی، مال اور اولاد میں سے جو بھی تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل کر دے وہ تمہارے لئے باعثِ نحوست ہے۔

حضور ہمہ وقت محبتِ الٰہی میں مستغرق رہتے:

حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر کسی دوسرے کو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے حالانکہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت میں مستغرق رہتے تھے حتّٰی کہ آپ اپنے اندر اس کی سوزش اس حد تک پاتے کہ بعض اوقات آپ کو خوف لاحق ہو جاتا کہ کہیں یہ دل سے جسم کی طرف آکر آپ کی صحت پر اثر انداز نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کبھی کبھی اپنا مبارک ہاتھ حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی ران پر مار کر فرماتے: "اے عائشہ! مجھ سے گفتگو کرو"[2] تاکہ ان کی گفتگو کے ذریعے جس عظیم معاملے میں آپ مستغرق ہیں اُس سے دوسری طرف متوجہ ہو جائیں کیونکہ آپ کا ظاہری جسم اس کی طاقت وقدرت نہیں رکھتا تھا۔

---

[1] ...چونکہ لوہے کا کام کرنے کے سبب لوہاروں کے کپڑے بہت زیادہ میلے کچیلے ہو جاتے ہیں لہٰذا اس جملے سے مراد یہ ہے کہ گناہوں سے پاک صاف لوگوں کو گناہوں میں لتھڑے لوگوں پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۹/۹۷)

[2] ...تذکرۃ الموضوعات، باب السماع والشوق من الاھواء، ص۱۹۶۔ علما نے لکھا ہے کہ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

آپ کو طبعی اور فطری طور پر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دائمی اُنس تھا جبکہ مخلوق کے ساتھ آپ کا اُنس عارضی اور اپنے بدن کے ساتھ نرمی کی بنا پر تھا پھر جب آپ مخلوق کے ساتھ بیٹھتے اور اپنے سینے میں کچھ تنگی محسوس کرتے تو ارشاد فرماتے: "اَرِحْنَا بِھَا یَابِلَالُ! یعنی اے بلال! نماز سے ہمیں راحت پہنچاؤ۔"[1] حتّٰی کہ آپ اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی نماز کی طرف لوٹ جاتے۔[2] لہٰذا جب کمزور و ضعیف شخص اس طرح کے معاملات میں آپ کے احوال کو دیکھتا ہے تو دھوکا کھا جاتا ہے کیونکہ عقلیں سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اَفعال کے اَسرار و رُموز جاننے سے قاصر ہیں۔

پہلے آنکھ بہکتی ہے پھر شرم گاہ:

راہِ سلوک کی ابتدا میں مرید کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نکاح نہ کرے تاکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت میں مضبوط وطاقتور ہو جائے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اس پر شہوت کا غلبہ نہ ہو۔ اگر اس پر شہوت غالب ہو تو اسے چاہئے کہ طویل بھوک اور مسلسل روزوں کے ذریعے اسے توڑے۔ اگر اس کے ذریعے بھی شہوت ختم نہ ہو مثلاً وہ آنکھ کی حفاظت پر قادر نہیں ہے اگرچہ شرم گاہ کی حفاظت پر قادر ہے تو شہوت کی تسکین کی خاطر اس کے لئے نکاح کرنا اَولیٰ اور بہتر ہے وگرنہ جب اس کی آنکھ ہی محفوظ نہ ہوگی تو اس کے خیالات بھی سلامت نہیں رہ سکیں گے اور اس کی سوچ منتشر رہے گی اور بعض اوقات ایسی آزمائش و مصیبت میں جا پڑے گا جو اس کی طاقت سے باہر ہو گی اور آنکھ کا زنا (یعنی حرام دیکھنا) صغیرہ گناہوں میں بڑا گناہ ہے اور یہ بہت جلد سخت کبیرہ گناہ یعنی شرم گاہ کے زنا کی طرف لے جاتا ہے اور جو اپنی نگاہ نیچی رکھنے پر قادر نہیں وہ شرمگاہ کی حفاظت پر بھی قادر نہیں ہو سکتا۔

نظر کی حفاظت سے متعلق اقوالِ انبیا و اولیا:

❀... حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: نظر کی حفاظت کرو کیونکہ یہ دل میں شہوت کا بیج بوتی ہے اور شہوت فتنے کے لئے کافی ہے۔

❀... حضرت سیِّدُنا سعید بن جُبَیْر رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: نظر ہی کی وجہ سے حضرت سیِّدُنا داود عَلَیْہِ

---

[1] ... سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی صلاۃ العتمۃ، ۴/ ۳۸۵، حدیث: ۴۹۸۵

[2] ... سنن النسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، ص ۶۴۳، حدیث: ۳۹۴۶

السَّلَام پر آزمائش آئی تھی اور آپ نے اپنے بیٹے حضرت سَیِّدُنا سُلَیمان عَلَیْهِ السَّلَام سے ارشاد فرمایا: بیٹا! شیر اور سانپ کے پیچھے چلے جانا مگر عورت کے پیچھے مت جانا۔

❁...حضرت سَیِّدُنا یحییٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے پوچھا گیا کہ زنا کی ابتدا کیسے ہوتی ہے؟ ارشاد فرمایا: دیکھنے اور خواہش کرنے سے۔

❁...حضرت سَیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: شیطان کہتا ہے نظر میرا پرانا تیر اور کمان ہے جو خطا نہیں ہوتا۔

نظر کے متعلق پانچ فرامینِ مصطفٰے:

﴿1﴾... نظر ابلیس کے زہر میں بجھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر ہے پس جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے اسے ترک کر دے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے ایسا ایمان عطا کرے گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔[1]

﴿2﴾... اب مردوں کے لئے عورت کے فتنے سے زیادہ نقصان دہ فتنہ اور کوئی نہیں۔[2]

﴿3﴾... دنیا اور عورتوں کے فتنے سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے ہوا تھا۔[3]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (پ۱۸، النور: ۳۰)

ترجمۂ کنزالایمان: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں۔

﴿4﴾... ہر ابنِ آدم کے لئے زنا سے حصہ ہے۔ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے، ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا (یعنی چھونا) ہے، پاؤں زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا چلنا ہے، منہ زنا کرتا ہے اور اس کا زنا بوسہ لینا ہے۔ دل ارادہ اور تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔[4]

---

1 ...المستدرک، کتاب الرقاق، الزھد فی الدنیا یحبک اللہ، ۵/ ۴۴۶، حدیث: ۷۹۴۵

2 ...بخاری، کتاب النکاح، باب ما یتقی من شؤم المرأۃ، ۳/ ۴۳۱، حدیث: ۵۰۹۶

3 ...مسلم، کتاب العلم، باب بیان انه یستجاب للداعی...الخ، ص۱۴۶۵، حدیث: ۲۷۴۲

4 ...مسلم، کتاب القدر، باب قدر علی ابن آدم حظه...الخ، ص۱۴۲۸، حدیث: ۲۶۵۷

﴿5﴾... حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ سَلَمَہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: حضرت عبد اللہ بن اُمِّ مَکْتُوم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو کہ نابینا تھے انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضری کی اجازت چاہی۔ میں اور مَیْمُونہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا) وہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم دونوں پردہ کرو۔ ہم نے عرض کی: کیا وہ نابینا نہیں، وہ تو ہمیں دیکھ ہی نہیں سکتے؟ ارشاد فرمایا: تو کیا تم دونوں بھی انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔۔۔؟[1]

نابینا کی عورتوں کے ساتھ تنہائی حرام ہے:

مذکورہ حدیثِ پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کے لئے اجنبی نابینا مردوں کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں جیسا کہ خوشی اور غمی کے اوقات میں اس کا رواج ہے۔ یوں ہی نابینا کے لئے بھی عوتوں کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا حرام ہے۔ عورت کے لئے بغیر کسی حاجت کے نابینا کے ساتھ بیٹھنا اور (شہوت واندیشۂ شہوت سے) اسے دیکھنا حرام ہے۔ عورتوں کو مردوں سے بات چیت کرنے اور ان کی طرف نظر کرنے کی صرف اس لئے اجازت دی گئی ہے کہ عموماً اس کی حاجت پیش آتی ہے۔

اَمْرد کی طرف شہوت سے دیکھنا حرام ہے:

اگر مرید عورتوں سے اپنی آنکھ کی حفاظت پر قادر ہو لیکن لڑکوں سے اپنی نگاہ کی حفاظت نہ کر سکتا ہو تو اس کے لئے نکاح کرنا اَولیٰ اور بہتر ہے کیونکہ لڑکوں کے معاملے میں شر زیادہ ہے اس لئے کہ اگر اس کا دل کسی عورت کی طرف مائل ہوا تو نکاح کے ذریعے جائز طریقے پر اسے حاصل کر سکتا ہے۔ لڑکے کے چہرے کی طرف شہوت سے نظر کرنا حرام ہے بلکہ جو شخص بھی امرد (یعنی خوبصورت لڑکے) کی صورت کے جمال سے اس طرح مُتَاَثِّر ہو کہ داڑھی والے اور امرد کے درمیان فرق محسوس کرے تو اس کے لئے امرد کی طرف نظر کرنا حلال نہیں ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم یہ کہو کہ ہر حس رکھنے والا شخص لازمی طور پر اچھی اور بری صورت کے درمیان فرق محسوس کرے گا اور لڑکوں کے چہرے بھی تو کھلے ہوتے ہیں؟

---

[1] ...سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی قولہ عزوجل: وقل للمؤمنات... الخ، ۴/ ۸۷، حدیث: ۴۱۱۲

تو میں کہوں گا کہ فرق محسوس کرنے سے میری مراد صرف آنکھ کا فرق محسوس کرنا نہیں ہے بلکہ اسے اس طرح فرق محسوس کرنا چاہئے جس طرح وہ سر سبز اور خشک درخت کے درمیان، صاف اور گدلے پانی کے درمیان، ٹہنیوں، کلیوں، پھول والے درختوں اور پتوں سے خالی درختوں کے درمیان محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ اپنی آنکھ اور طبیعت کے ذریعے دو چیزوں میں سے ایک کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن یہ میلان شہوت سے خالی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ٹہنیوں اور پھولوں کو چھونے اور انہیں چومنے سے شہوت نہیں آتی اور نہ ہی صاف پانی کا بوسہ لینے سے آتی ہے۔ اسی طرح آنکھ کبھی کبھی خوبصورت بوڑھی عورت کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس کے درمیان اور بدصورت چہرے کے درمیان فرق محسوس کرتی ہے لیکن اس فرق میں شہوت نہیں ہوتی۔ شہوت کو اس طرح پہچانا جاسکتا ہے کہ نفس اس کا قرب چاہنے اور اسے چھونے کی طرف مائل ہو۔ تو جب انسان یہ میلان اپنے دل میں پائے اور خوبصورت چہرے کے درمیان اور خوبصورت گھاس و پودوں، منقّش کپڑوں، سونے سے آراستہ چھتوں کے درمیان فرق محسوس کرے تو اس وقت اس کی نظر شہوت کی نظر ہوگی اور یہ حرام ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے لوگ معمولی سمجھتے ہیں، اسے کسی خاطر میں نہیں لاتے حالانکہ یہ چیز انہیں غیر شعوری طور پر ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔

امرد سے بچنے کے متعلق اقوالِ بزرگانِ دین:

❁...ایک تابعی بزرگ فرماتے ہیں: مجھے عبادت گزار نوجوان پر کسی خونخوار درندے کا اتنا خوف نہیں جتنا اس کے پاس بیٹھے امرد لڑکے کا ہے۔

❁...حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص پاؤں کی انگلیوں سے کسی لڑکے کو دبائے اور اس کا ارادہ شہوت کا ہو تو ضرور وہ لوطی (یعنی اِغلام باز) ہوگا۔

❁...ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ عنقریب اس امت میں تین قسم کے لوطی ہوں گے: (۱) ایک وہ جو امردوں کو دیکھیں گے (۲) دوسرے وہ جو ان سے ہاتھ ملائیں گے اور (۳) تیسرے وہ جو ان کے ساتھ بدفعلی کریں گے۔

جب معاملہ ایسا ہے تب تو نوجوان لڑکوں کی طرف نظر کرنے میں بڑی آفت ہے۔ جب مرید اپنی نگاہ نیچی رکھنے

اور اپنی سوچ و فکر کو قابو کرنے کے معاملے میں بے بس ہو جائے تو اس کے لئے درست اور بہتر یہ ہے کہ وہ نکاح کے ذریعے اپنی شہوت کو توڑے کیونکہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی شہوت محض بھوک سے قابو نہیں ہوتی۔

غیبی اِمداد:

ایک بزرگ فرماتے ہیں: راہِ سُلوک کی ابتدا میں مجھ پر شہوت کا اس قدر غَلَبہ ہوا جو میری برداشت سے باہر تھا، میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں کثرت سے گریہ وزاری کی۔ چنانچہ میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا، اس نے مجھ سے کہا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے اسے اپنی تکلیف بیان کی تو اس نے کہا: میرے پاس آؤ۔ میں اس کے پاس گیا۔ اس نے میرے سینے پر اپنا ہاتھ رکھا تو میں نے اپنے تمام جسم اور دل میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی۔ جب صبح ہوئی تو وہ غَلَبہ ختم ہو چکا تھا۔ ایک سال تک مجھے اس سے نجات ملی رہی پھر ایک سال بعد دوبارہ وہی کیفیت ہو گئی۔ میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں کثرت سے فریاد کی تو خواب میں ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا: جس کیفیت میں تم مبتلا ہو کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ یہ کیفیت تم سے چلی جائے اور میں تمہاری گردن اڑا دوں؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اپنی گردن جھکاؤ۔ میں نے جھکالی۔ اس نے ایک نورانی تلوار نکالی اور اس سے میری گردن اڑا دی۔ جب صبح ہوئی تو میری وہ کیفیت ختم ہو چکی تھی۔ ایک سال تک مجھے اس سے خَلاصی ملی رہی، ایک سال بعد دوبارہ یہی کیفیت یا اس سے بھی زیادہ شدید ہو گئی تو میں نے اپنے پہلو اور سینے کے درمیان ایک شخص کو دیکھا جو مجھے مخاطب کر کے کہہ رہا تھا: تم پر افسوس ہے! کب تک اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اُس چیز کے دور کرنے کا سوال کرتے رہو گے جسے دور کرنا اسے پسند نہیں۔ وہ بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے شادی کر لی تو مجھ سے یہ کیفیت ختم ہو گئی اور مجھے اولاد کی نعمت بھی مل گئی۔

جب مرید نکاح کا ارادہ کرے چند باتیں ضرور پیش نظر رکھے۔ مثلاً: اچھی نیت کے ساتھ نکاح کرے اور بعد میں ہمیشہ بیوی کے ساتھ حُسنِ اَخلاق سے پیش آئے، اس کے ساتھ دُرُست رَوِیّہ اِختیار کرے اور اس کے حقوقِ واجبہ ادا کرے جیسا کہ ہم نے اس کی تمام تفصیل (دوسری جلد میں) "آدابُ النِّکاح" کے بیان میں ذکر کر دی ہے، لہٰذا ہم اسے دوبارہ ذکر کر کے کتاب طویل کرنا نہیں چاہتے۔ اس کے ارادت میں سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ کسی غریب اور دین دار عورت سے نکاح کرے کسی مالدار کی تلاش نہ کرے۔ چنانچہ

مال دار عورت سے نکاح کی پانچ خرابیاں:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو کسی مالدار عورت سے نکاح کرے گا اسے پانچ خرابیوں کا سامنا کرنا پڑے گا: (۱)... مَہر کا کثیر ہونا (۲)... اس کے گھر والوں کا رخصتی میں ٹال مٹول سے کام لینا (۳)... شوہر کی خدمت نہ کرنا (۴)... اخراجات زیادہ ہونا اور (۵)... اگر وہ طلاق دینے کا ارادہ کرے گا تو (کثیر مہر دینے کے سبب) مال چلے جانے کے خوف سے اس پر قادر نہیں ہو سکے گا۔

جبکہ غریب عورت کا معاملہ اس کے بَرخِلاف ہوتا ہے۔

عورت چار چیزوں میں مرد سے کمتر اور چار میں بڑھ کر ہو:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ عورت کو چار چیزوں میں مرد سے کمتر ہونا چاہئے ورنہ وہ اسے حقیر سمجھے گی: (۱)... عمر میں (۲)... قدو قامت میں (۳)... مال میں اور (۴)... حَسَب میں۔ جبکہ چار چیزوں میں مرد سے بڑھ کر ہونا چاہئے: (۱)... حسن وجمال میں (۲)... ادب میں (۳)... پرہیزگاری میں اور (۴)... حسن اخلاق میں۔

نکاح کے بعد ارادت میں سچے ہونے کی علامت اچھے اخلاق ہیں۔ چنانچہ

بیوی کے ساتھ حُسنِ سُلُوک:

ایک بزرگ نے کسی عورت سے نکاح کیا، وہ ہمیشہ اس کی خدمت کرتے رہتے حتّٰی کہ عورت نے شرم محسوس کی اور اس بات کا شکوہ اپنے والد سے کیا کہ میں اس شخص پر حیران ہوں، کئی سال سے میں اس کے گھر میں ہوں، میں جب بھی بیت الخلا جاتی ہوں یہ مجھ سے پہلے ہی وہاں پانی رکھ دیتا ہے۔

20 سال تک نابینا بنے رہے:

ایک مرید نے کسی خوبصورت عورت سے نکاح کیا۔ جب رخصتی کے دن قریب آئے تو اس عورت کو چیچک نکل آئی۔ اس سبب سے اس کے گھر والے بہت زیادہ پریشان ہو گئے اور انہیں یہ خوف لاحق ہو گیا کہ اس کا شوہر اب اسے ناپسند کرے گا تو مرید نے لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ اسے آنکھ میں تکلیف ہے پھر انہوں نے لوگوں پر یہ ظاہر کر دیا کہ ان کی آنکھیں چلی گئی ہیں حتّٰی کہ وہ عورت رخصت ہو کر ان کے پاس

آگئی اور اس کے گھر والوں کی پریشانی دور ہو گئی۔ وہ عورت مرید کے پاس بیس سال تک رہی (مگر وہ اسی طرح نابینا بنے رہے) جب اس عورت کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ جب اس بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس عورت کے گھر والوں کی خاطر ایسا کیا تا کہ وہ پریشان و غمگین نہ ہوں۔ ان سے عرض کی گئی کہ حُسنِ سُلُوک میں آپ اپنے بھائیوں پر سبقت لے گئے۔

بیوی کی بد اَخلاقی پر صَبْر:

ایک صوفی بُزرگ نے کسی بد اَخلاق عورت سے نکاح کیا۔ وہ بزرگ اس کی بد اخلاقیوں پر صبر کرتے رہتے تھے۔ ان سے عرض کی گئی: آپ اسے طلاق کیوں نہیں دے دیتے؟ ارشاد فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ اس سے کوئی ایسا شخص نکاح نہ کرلے جو اس کو برداشت نہ کر سکے اور یوں اس کے سبب اسے نقصان و تکلیف پہنچے۔

اگر مرید نکاح کرے تو اسے اسی طرح ہونا چاہئے اور اگر وہ نکاح کو چھوڑ دینے پر قادر ہو اور آخرت کے راستے پر چلنے اور نکاح کی فضیلت دونوں کو جمع بھی نہ کر سکتا ہو اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ نکاح اسے اس کی حالت سے غافل کر دے گا تو اس کے لئے نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔

پیغامِ نکاح کا فکر انگیز جواب:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا محمد بن سلیمان ہاشمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کی روزانہ کی آمدنی 80 ہزار درہم تھی۔ آپ نے بصرہ کے عُلَما کو لکھا کہ میں کس عورت سے نکاح کروں؟ تمام علما حضرت سیِّدَتُنا رابعہ بَصَرِیَّہ عَدَوِیَّہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہَا سے نکاح کئے جانے پر مُتَّفِق ہو گئے۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا محمد بن سلیمان ہاشمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے حضرت سیِّدَتُنا رابعہ بصریہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہَا کو خط لکھا: بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم، اَمَّا بَعد: اللہ عَزَّوَجَلَّ دنیا کی آمدنی سے روزانہ مجھے 80 ہزار درہم کا مالک بناتا ہے اور چند دنوں بعد میں انہیں ایک لاکھ تک پہنچا دوں گا اور میں آپ کو بھی اتنے ہی دیا کروں گا لہٰذا میرے نکاح کے پیغام کو قبول کر لیجئے۔ حضرت سیِّدَتُنا رابعہ بصریہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہَا نے آپ کو جواباً لکھا: بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم، اَمَّا بَعد: دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنا دل اور بدن کے لئے راحت کا سبب ہے اور دنیا میں رغبت رنج و غم کا باعث ہے۔ جب میرا یہ خط آپ کے پاس آئے تو اپنا زادِ راہ تیار کیجئے اور آخرت کے لئے عمل

شروع کر دیجئے، اپنا وصی (وصیت پر عمل کرنے والے) خود بنئے، دوسرے لوگوں کو اپنا وصی مت بنائیے کہ وہ آپ کی میراث کو آپس میں بانٹ لیں، روزانہ روزہ رکھیں اور آپ کا روزہ موت کے سبب چھوٹنا چاہئے۔ جہاں تک میرا تعلّق ہے تو اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے بھی اتنا ہی عطا فرمادے جتنا آپ کو دیا بلکہ اس سے بھی دگنا عطا فرمادے تو میں ایک لمحے کے لئے بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل ہونا پسند نہیں کروں گی۔

آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہَا کے جواب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو چیز بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل کردے وہ نقصان دہ ہے۔

شہوت کو جڑ سے ختم کرو اگرچہ نکاح کے ذریعے:

مرید کو اپنی حالت اور اپنے دل پر نظر کرنی چاہئے اگر وہ شادی نہ کرنے میں ہی اپنے دل میں سکون پائے تو یہ آخرت کے راستے پر چلنے کے زیادہ قریب ہے۔ اگر اس معاملے میں وہ بے بس ہو تو نکاح اس کے لئے بہتر ہے اور اس بیماری کی دوا تین چیزیں ہیں: (۱)... بھوک (۲)... نگاہیں نیچی رکھنا اور (۳)... ایسے کام میں مشغول ہو جانا جو اس کے دل پر غالب آجائے۔ اگر یہ تینوں چیزیں بھی نفع نہ دیں تو صرف نکاح ہی ہے جو شہوت کو جڑ سے ختم کرسکتا ہے۔

سلف صالحین اپنی اولاد کا نکاح جلد کر دیتے:

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نکاح کرنے میں جلدی کرتے اور اپنی بیٹیوں کی شادی بھی جلد کر دیتے۔ حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ابلیس کسی سے مایوس نہیں ہوتا اور وہ عورتوں کے ذریعے سے انسان کے پاس آتا ہے۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: مجھے عورتوں سے زیادہ کسی چیز کا خوف نہیں ہے۔ اور یہ بات آپ نے اس وقت ارشاد فرمائی جب آپ کی عمر 84 سال تھی اور آپ ایک آنکھ سے نابینا ہو چکے تھے اور دوسری آنکھ بھی کمزور ہو چکی تھی۔

انوکھا نکاح اور انوکھی رخصتی:

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن ابو وداعہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی مجلس میں آتا جاتا رہتا تھا۔ آپ نے کچھ دن مجھے نہ دیکھا۔ جب میں حاضر ہوا تو فرمایا: تم

کہاں تھے؟ میں نے عرض کی: میری زوجہ کا انتقال ہو گیا تھا تو میں اس میں مصروف تھا۔ فرمایا: تم نے ہمیں خبر کیوں نہیں کی ہم بھی آجاتے؟ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن ابو وداعہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کہتے ہیں: جب میں اٹھنے لگا تو آپ نے فرمایا: کیا دوسری عورت کو لانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی: مجھے کون رشتہ دے گا میری ملکیت میں تو صرف دو سے تین درہم ہیں؟ حضرت سیِّدُنا سعید بن مسیَّب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: میں دوں گا۔ میں نے عرض کی: آپ ایسا کریں گے؟ فرمایا: ہاں! پھر آپ نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی حمد بیان کی اور حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر درود بھیجا اور دو یا تین درہم کے عوض میرا نکاح کر دیا[1]۔ چنانچہ میں وہاں سے اٹھا اور مجھے اس قدر خوشی تھی کہ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں؟ میں اپنے گھر کی طرف چل پڑا اور سوچنے لگا کہ کس سے پیسے لوں اور کس سے قرض حاصل کروں؟ نماز مغرب پڑھ کر گھر آیا، چراغ جلایا، میں چونکہ دن بھر روزے سے تھا، لہٰذا رات کے کھانے کے لئے روٹی اور زیتون سامنے رکھا ہی تھا کہ اچانک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا: کون؟ آواز آئی: سعید۔ میں نے حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے علاوہ ہر سعید نامی شخص کے بارے میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا کیونکہ 40 سال سے آپ کو صرف مسجد اور گھر کے درمیان دیکھا جاتا تھا۔ جب میں باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کھڑے ہیں۔ میں نے یہ گمان کیا کہ آپ نے اپنی بیٹی کے معاملے میں غور و فکر کیا ہو گا تو آپ کے ذہن میں کوئی بات آئی ہو گی شاید اس لئے تشریف لائے ہیں۔ میں نے عرض کی: اگر مجھے بلوا لیا ہوتا تو میں ضرور حاضر ہو جاتا۔ فرمایا: نہیں! تم اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ تمہارے پاس آیا جائے۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن ابو وداعہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: میرے لائق کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم تنہا تھے پھر تم نے نکاح کیا تو مجھے تمہارا اکیلے رات گزارنا اچھا نہیں لگا۔ یہ تمہاری بیوی ہے میں نے دیکھا تو واقعی وہ آپ کے پیچھے سیدھی کھڑی تھیں۔ پھر آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں گھر کے اندر کیا اور دروازہ بند کر دیا تو

---

[1]...احناف کے نزدیک: مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے۔ نکاح میں دس درہم یا اس سے کم مہر باندھا گیا، تو دس درہم واجب اور زیادہ باندھا گیا ہو تو جو مقرر ہوا واجب۔ (ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۷، ۲/۶۴، ۶۵) دس درہم چاندی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ کے برابر ہوتی ہے۔ (فتاوی فیض الرسول، ۱/ ۷۱۲، مطبوعہ: شبیر برادرز)

وہ حیا کے غَلَبہ کی وجہ سے گر پڑیں۔ میں نے دروازہ اچھی طرح بند کیا۔ پھر میں اس برتن کی طرف آیا جس میں روٹی اور زیتون تھا، اسے اٹھا کر چراغ کے سائے میں رکھ دیا تاکہ وہ اسے دیکھ نہ سکیں۔ پھر میں چھت پر چڑھ گیا اور پڑوسیوں کو بلایا۔ وہ میرے پاس آئے اور بولے: کیا ہوا؟ میں نے کہا: آج حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دیا ہے اور بغیر انتظار کئے اپنی بیٹی کو فوراً رات میں لے آئے ہیں۔ وہ بولے: کیا حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے تمہارا نکاح کر دیا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! وہ کہنے لگے: ان کی بیٹی گھر میں ہے؟ میں نے کہا: ہاں! تو وہ ان کے پاس آ گئے اور میری والدہ کو جب خبر پہنچی تو وہ بھی آ گئیں اور فرمایا: میں تین دن تک اس کا بناؤ سنگھار کروں گی اس سے پہلے اگر تم نے اسے ہاتھ لگایا تو مجھے دیکھنا تم پر حرام ہے۔ میں تین دن ٹھہرنے کے بعد جب ان کے پاس آیا تو وہ ایک حسین و جمیل، کتابُ اللّٰہ کی حافِظہ اور سُنَّتِ رسول کو زیادہ جاننے والی اور شوہر کے حق سے بخوبی واقف عورت تھیں۔ پھر ایک مہینے تک حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ میرے پاس نہیں آئے اور نہ ہی میں ان کے پاس گیا۔ ایک مہینے بعد میں آپ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ اپنے حلقۂ اَحباب میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا اور مزید کوئی گفتگو نہیں فرمائی حتّٰی کہ جب لوگ مجلس سے چلے گئے تو فرمایا: اس انسان کا کیا حال ہے؟ (انسان سے آپ کی مراد بیٹی تھی) میں نے کہا: اے ابو محمد! وہ خیریت سے ہے، دوست سے محبت اور دشمن سے نفرت کرتا ہے۔ فرمایا: اگر کسی معاملے میں وہ تمہاری نافرمانی کرے تو لاٹھی اٹھا لینا۔ پھر میں گھر آیا تو آپ نے میری طرف 20 ہزار درہم بھیج دیئے۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللّٰہ بن سلیمان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان فرماتے ہیں: جب عبدُ المَلِک بن مروان نے اپنے بیٹے ولید کو وارثِ تخت و تاج اور اپنا جانشین بنایا تو اس نے ولید کے لئے حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے آپ کی اس بیٹی کا رشتہ مانگا تھا اور آپ نے انکار کر دیا تھا۔ عبد الملک آپ کو تنگ کرنے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا تھا حتّٰی کہ اس نے سردی کے دن میں آپ کو سو کوڑے مارے اور آپ پر پانی کا برتن انڈیل دیا اور اون کا لباس پہنا دیا۔

حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا اسی رات اپنی بیٹی کو جلد رخصت کر دینا تمہیں شہوت کے فتنے اور خرابی کی خبر دیتا ہے اور تمہیں اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ نکاح کے ذریعے شہوت کی آگ کو بجھانے میں جلدی کرنا دین میں ضروری ہے۔

تیسری فصل: **آنکھ اور شرم گاہ کی شہوت کی مخالفت کرنے کی فضیلت**

جان لو کہ یہ شہوت انسان پر سب سے زیادہ غالب آنے والی ہے اور عقل پر چھا جانے کے وقت تمام شہوات میں سب سے زیادہ نافرمانی پر ابھارتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کا نتیجہ ایسا قبیح و برا ہے جس سے شرم محسوس ہوتی ہے اور اسے کر گزرنے سے خوف آتا ہے اور اکثر لوگ جو اس کے تقاضے پر عمل کرنے سے بچتے ہیں یا تو وہ عجز و کمزوری کی وجہ سے بچتے ہیں یا خوف و حیا کے سبب اس سے دور رہتے ہیں یا لوگوں کے مابین اپنے مقام کی حفاظت کی بنا پر اس سے اجتناب کرتے ہیں مگر ان میں سے کسی صورت میں ان کو ثواب نہیں ملے گا کیونکہ یہ تو ایک نفسانی لذت کو دوسری پر ترجیح دینا ہے۔ البتہ شہوت کے تقاضے پر عمل کرنے کے معاملے میں قدرت نہ ہونا عِصْمَت و حِفاظت ہے (کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے بندے کی حفاظت کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے گناہ کرنے پر قدرت نہیں دیتا ہے)۔ ان رکاوٹوں میں فائدہ تو ہے اور وہ ہے گناہ کا دور ہونا، مثلاً کوئی شخص زنا سے باز رہے اور اس گناہ میں مبتلا نہ ہو تو وہ گناہ سے تو بچا رہے گا اگرچہ اس سے باز رہنے کا سبب کوئی بھی ہو۔ جبکہ فضیلت اور بڑا اجر و ثواب اس صورت میں ہے کہ اسے زنا پر قدرت ہو، تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں، اسباب آسان ہو جائیں اور خاص کر شہوت در حقیقت ہو ان سب کے باوجود وہ محض اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے زنا سے باز رہے۔

یہ صدیقین کا درجہ ہے۔ اسی لئے رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: مَنْ عَشِقَ فَعَفَّ فَکَتَمَ فَمَاتَ فَهُوَ شَهِيْدٌ یعنی جسے عشق ہوا اور وہ گناہ سے پاک رہا، اسے چھپائے رکھا اور اسی حال میں انتقال کر گیا تو وہ شہید ہے۔[1]

سایہ عرش پانے والا:

حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ بروزِ قیامت سات اشخاص کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا کہ جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا ان میں سے ایک وہ ہے جسے کوئی حسن

[1]...تاریخ بغداد، المؤمل بن احمد، الرقم: ۷۱۶۰، ۱۳/۱۸۵

وجمال اور حسب والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہے کہ میں اللہ ربُّ العالمین سے ڈرتا ہوں۔[1]

لوگوں کے اِمام:

حضرت سیِّدُنا یُوسُف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا واقعہ لوگوں کے درمیان معروف ہے کہ آپ کو زلیخا پر قدرت حاصل تھی اور آپ کی طرف اس کو رغبت بھی تھی اس کے باوجود آپ اس کے قریب جانے سے بچے رہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی کتابِ عزیز میں اس عمل کے سبب آپ کی تعریف فرمائی ہے اور آپ عَلَیْہِ السَّلَام اس بڑی شہوت میں مجاہدہ کی توفیق پانے والے تمام لوگوں کے امام ہیں۔

پاک دامن کو سیِّدُنا یوسُف عَلَیْہِ السَّلَام کی زیارت:

حضرت سیِّدُنا سُلَیْمان بن یَسار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار بے حد خوب رو اور حسین تھے۔ ایک عورت آپ کے پاس آئی اور بدکاری کی دعوت دی تو آپ نے انکار کر دیا اور اسے گھر میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان بن یسار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: میں نے اسی رات خواب میں حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو دیکھا گویا میں ان سے کہہ رہا ہوں: آپ یوسف ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں! میں وہی یوسف ہوں جو ارادہ کر لیتا (اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتا) اور تم سلیمان ہو جس نے ارادہ نہیں کیا۔

آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس بات سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کی طرف اشارہ فرمایا:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ (پ۱۲، یوسف: ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بیشک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔

بُرقع پوش اَعرابیہ:

حضرت سیِّدُنا سُلَیْمان بن یسار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار کے بارے میں اس سے بھی زیادہ عجیب ایک حکایت منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ مدینہ منورہ سے حج کے لئے نکلے، آپ کے ساتھ ایک رفیق سفر بھی تھا حتی کہ دونوں نے مقام اَبْواء میں قیام کیا۔ آپ کا رَفِیْقِ سَفَر اٹھا اور توشہ دان لے کر کچھ خریدنے کے لئے بازار چلا گیا۔ آپ خیمے میں

1 ...بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ بالیمین، ۱/ ۴۸۰، حدیث: ۱۴۲۳

اکیلے تشریف فرماتھے۔ آپ بے حد حسین وجمیل اور اِنتہائی مُتَّقِی وپرہیزگار شخص تھے۔ ایک بُرقع پوش اَعرابیہ (یعنی دیہاتی عورت) نے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے دیکھ لیا اور نیچے اتر کر آپ کے سامنے کھڑی ہوگئی اور اپنے چہرے سے نقاب اٹھادیا، اتنی حسین تھی گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ کہنے لگی: مجھے کچھ دیجئے۔ آپ سمجھے شاید کھانا مانگ رہی ہے۔ آپ اٹھے تاکہ اسے بچا ہوا کھانا دے دیں۔ کہنے لگی: میرا یہ مقصد نہیں ہے، میں وہ چاہتی ہوں جو بیوی اپنے شوہر سے چاہتی ہے۔ آپ نے فرمایا: تجھے شیطان نے میرے پاس بھیجا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد آپ نے اپنا سر مبارک گھٹنوں کے درمیان رکھا اور باآواز بلند رونے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر اس نے بُرقعے سے اپنے چہرے کو ڈھانپا اور واپس لوٹ گئی۔ جب آپ کا رفیق آیا اور دیکھا کہ آپ کی آنکھیں سوجھ گئی ہیں اور گلا بیٹھ گیا ہے تو اس نے سبَبِ گریہ دَرْیافت کیا۔ آپ نے فرمایا: خیر ہے، مجھے اپنی بچی یاد آگئی تھی۔ اس نے کہا: نہیں! وَاللہ! کوئی تو قصہ ہے بچی سے جدا ہوئے تو آپ کو تین دن ہو چکے ہیں۔ اس کے پیہم اصرار پر آپ نے اَعرابیہ کا واقعہ بیان کر دیا۔ اس نے توشہ دان رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ آپ نے فرمایا: تم کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا: مجھے تو زیادہ رونا چاہئے کیونکہ مجھے خوف ہے کہ اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو شاید صبر نہ کر سکتا۔ دونوں حضرات رونے لگے۔ جب حضرت سیِّدُنا سلیمان بن یسار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار مکہ مکرمہ پہنچے تو سَعی وطواف سے فارغ ہونے کے بعد حَجَرِ اَسْوَد کے پاس آئے اور چادر سے گھٹنوں کے گرد گھیرا باندھ کر بیٹھ گئے۔ آپ پر نیند کا غلبہ ہونے لگا تو آپ سو گئے۔ خواب میں ایک حسن وجمال کے پیکر، مُعَطَّر مُعَطَّر خوش لباس، دراز قد بزرگ نظر آئے۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان بن یسار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ جواب دیا: میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا نبی یوسف ہوں۔ میں نے عرض کی: یُوسُف صِدِّیْق؟ ارشاد فرمایا: ہاں! میں نے عرض کی: زلیخا کے ساتھ آپ کا قصہ بھی ایک عجیب واقعہ ہے۔ فرمایا: مقام ابواء پر اعرابیہ کے ساتھ ہونے والا آپ کا واقعہ عجیب تر ہے۔

چٹان ہٹ گئی:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا بیان کرتے ہیں: میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو فرماتے سنا کہ پچھلے زمانے کے تین شخص کہیں جا رہے تھے، رات گزارنے کے لئے انہوں نے ایک غار کا سہارا لیا، جونہی وہ غار میں داخل ہوئے تو پہاڑ کے اوپر سے ایک چٹان غار کے منہ پر آن گری

جس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔ اُنھوں نے کہا: اس چٹان سے چھٹکارا پانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کر کے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا مانگیں۔ ایک نے کہا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تو جانتا ہے میرے والدین بہت بوڑھے تھے میں ان سے پہلے اپنے بال بچوں کو دودھ پلاتا نہ لونڈی غلام کو دیتا تھا۔ ایک دن مجھے چارے کی تلاش میں دیر ہو گئی، میرے واپس لوٹنے تک والدین سو چکے تھے۔ میں ان کے لئے دودھ لایا تو اُنہیں سوتا ہوا پایا۔ بچے بھوک سے بِلک رہے تھے مگر میں نے والدین سے پہلے بچوں، غلاموں اور لونڈیوں کو پلانا پسند نہ کیا، میں پیالہ ہاتھ میں لئے ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا حتّٰی کہ صبح چمک گئی اب وہ جاگے اور دودھ پیا، اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اگر میں نے یہ کام تیری خوشنودی کے لئے کیا ہے تو اس چٹان کو ہٹا دے، اس کا اتنا کہنا تھا کہ چٹان کچھ سَرک گئی مگر اتنی نہیں ہٹی کہ یہ لوگ غار سے نکل سکیں۔

دوسرے نے کہا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تو جانتا ہے میرے چچا کی ایک لڑکی تھی جس کو میں بہت محبوب رکھتا تھا، میں نے اُس کے ساتھ بُرے کام کا ارادہ کیا اُس نے انکار کر دیا، وہ قَحط کی مصیبت میں مبتلا ہوئی تو میرے پاس کچھ مانگنے کو آئی، میں نے اُسے 120 دینار دیے کہ میرے ساتھ خَلْوت کرے وہ راضی ہو گئی، جب مجھے اُس پر قابو ملا تو بولی کہ ناجائز طور پر اس مُہر کا توڑنا تیرے لئے حلال نہیں کرتی، اس کام کو گناہ سمجھ کر میں ہٹ گیا حالانکہ وہ لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی اور دینار جو دے چکا تھا وہ بھی چھوڑ دیے، اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اگر یہ کام تیری رضا جوئی کے لئے میں نے کیا ہے تو اس کو ہٹا دے، اس کے کہتے ہی چٹان کچھ سرک گئی مگر اب بھی اتنی نہیں ہٹی کہ نکل سکیں۔

تیسرے نے کہا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں نے چند شخصوں کو مزدوری پر رکھا تھا، اُن سب کو مزدوریاں دے دیں تھیں ایک شخص اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا، اُس کی مزدوری سے تجارت کر کے اسے بہت بڑھا دیا، وہ ایک زمانہ کے بعد آیا اور کہنے لگا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندے! میری مزدوری مجھے دے دے۔ میں نے کہا: یہ جو کچھ اونٹ، گائے، بیل، بکریاں، غلام تو دیکھ رہا ہے یہ سب تیری ہی مزدوری کا ہے سب لے لے۔ بولا: اے بندۂ خدا! مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا: مذاق نہیں کرتا ہوں یہ سب تیرا ہی ہے، لے جا۔ وہ سب کچھ لے کر چلا گیا۔ الٰہی! اگر یہ کام میں نے تیری رضا کے لئے کیا ہے تو اسے ہٹا دے۔ وہ پتھر ہٹ گیا

اور تینوں اُس غار سے نکل کر چلے گئے۔[1]

یہ اس شخص کی فضیلت ہے جو شہوت کو پورا کرنے پر قادر ہو لیکن پھر بھی گناہ سے بچا رہے اور اس فضیلت کے قریب وہ شخص بھی ہے جو آنکھ کی شہوت کو پورا کرنے پر قادر ہو (پھر بھی رک جائے) کیونکہ آنکھ زنا کی بنیاد ہے لہٰذا اس کی حفاظت بہت اہم ہے اور یہ اس اعتبار سے مشکل بھی ہے کہ اس کے معاملے کو اہمیت نہیں دی جاتی اور اس معاملے میں خوف کرنے کو بڑی چیز نہیں سمجھا جاتا حالانکہ تمام آفات اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔

عورت کی چادر پر بھی نظر مت ڈالو:

پہلی نظر اگر بغیر قصد کے ہو تو اس پر مُواخَذہ نہیں ہے لیکن جب دوبارہ نظر کرے گا تو اس کی پکڑ ہوگی۔ سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَكَ الْاُوْلٰی وَعَلَيْكَ الثَّانِيَةُ یعنی پہلی نظر تیرے لئے جائز اور دوسری نظر ناجائز ہے۔[2] حضرت سیِّدُنا علاء بن زیاد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْجَوَاد فرماتے ہیں: اپنی نظر کو عورت کی چادر پر بھی نہ ڈالو کیونکہ نظر دل میں شہوت پیدا کرتی ہے۔

دوسری بار نظر کرنے کا نقصان:

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عورتوں اور لڑکوں پر بار بار نظر کرنے سے بچتے ہیں کیونکہ جب حسن وجمال کا خیال آتا ہے تو طبیعت دوبارہ دیکھنے کا تقاضا کرتی ہے۔ اس وقت اپنے دل میں یہ خیال کرنا چاہئے کہ دوبارہ دیکھنا عین جہالت ہے کیونکہ اگر اس نے نظر کی، وہ اسے اچھی لگی، شہوت بھڑک اٹھی اور وہ مطلوب تک پہنچنے سے عاجز ہوا تو اسے سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور اگر اسے بری لگی تو لذت حاصل نہ ہوگی لہٰذا اسے دکھ پہنچے گا کیونکہ اس کا قصد لذت حاصل کرنے کا تھا اور اس نے وہ کام کیا جس نے اسے دکھی کر دیا۔ تو دونوں ہی حالتوں میں وہ گناہ، دکھ اور افسوس سے خالی نہیں ہوگا۔ جب وہ اس طریقے سے آنکھ کی حفاظت کرے گا تو اس کے دل سے کثیر آفات ختم ہو جائیں گی۔ اگر اس کی آنکھ خطا کر جائے تو قدرت ہونے کی صورت میں شرم گاہ کی حفاظت کرنا بہت زیادہ قوت اور انتہائی توفیق کا تقاضا کرتا ہے۔

---

[1] ...بخاری، کتاب البیوع، باب اذا اشتری شیئا لغیرہ... الخ، ۲/۴۸، حدیث: ۲۲۱۵

[2] ...سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب ما یؤمر من غض البصر، ۲/۳۵۸، حدیث: ۲۱۴۹

توبہ کرنے والے پر بادل کا سایہ:

حضرت سیِّدُنا ابو بکر بن عبد اللہ مُزَنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی سے منقول ہے کہ ایک قصّاب اپنے پڑوسی کی لونڈی پر عاشق ہو گیا۔ ایک مرتبہ پڑوسی کے گھر والوں نے اسے کسی کام کے لئے دوسرے گاؤں بھیجا تو یہ بھی اس کے پیچھے ہو لیا اور موقع پا کر اسے بدکاری پر آمادہ کرنے لگا۔ اس نے کہا: تم ایسا مت کرو کیونکہ جتنی تم مجھ سے محبت کرتے ہو اس سے کہیں زیادہ میں تم سے محبت کرتی ہوں لیکن میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتی ہوں۔ قصاب نے کہا: جب تم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتی ہو تو کیا میں نہ ڈروں! پس وہ تائب ہو کر واپس لوٹ آیا۔ راستے میں اسے پیاس لگی حتّٰی کہ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا۔ اتنے میں بنی اسرائیل کے کسی نبی عَلَیْہِ السَّلَام کا قاصد آگیا اور اس نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: پیاس لگی ہے۔ قاصد نے کہا: آؤ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم پر بادل سایہ کرے حتی کہ ہم بستی میں داخل ہو جائیں۔ قصاب نے کہا: میرے پاس کوئی نیک عمل تو ہے نہیں کہ میں دعا کروں، لہٰذا تم ہی دعا کرو۔ قاصد نے کہا: میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہتے جانا۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی تو دعا قبول ہو گئی اور بادل نے ان دونوں پر سایہ کیا یہاں تک کہ دونوں بستی میں پہنچ گئے۔ پھر قصاب اپنے مکان کی طرف جانے لگا تو بادل بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ قاصد نے کہا: تمہارا تو یہ گمان تھا کہ تمہارے پاس کوئی نیک عمل نہیں ہے۔ اس لئے میں نے دعا کی اور تم نے آمین کہی تو بادل نے ہم پر سایہ کیا پھر یہ بادل تمہارے ساتھ کیسے ہو گیا؟ تم اپنے معاملے کی مجھے خبر دو۔ قصاب نے اپنا واقعہ بیان کیا تو قاصد نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے یہاں توبہ کرنے والے کا جو مقام ہے وہ کسی اور کا نہیں۔

باحیا نوجوان:

حضرت سیِّدُنا سعید بن ابراہیم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہمارے یہاں کوفہ میں ایک عبادت گزار نوجوان تھا جو ہر وقت جامع مسجد میں رہتا تھا اور کہیں نہ جاتا تھا۔ وہ خوبصورت چہرے والا، اچھی قد و قامت والا اور خوش نما شخص تھا۔ ایک عقل مند اور حسن و جمال والی عورت نے جب اسے دیکھا تو اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ طویل عرصہ تک وہ اس محبت کی آگ میں جلتی رہی الغرض ایک دن وہ اس کے راستے پر کھڑی ہو گئی نوجوان مسجد کی طرف جا رہا تھا کہ عورت نے کہا: اے نوجوان! میری بات سن لو میں تم سے کچھ کلام کرنا چاہتی

ہوں پھر تمہارا جو جی چاہے کرنا۔ وہ بغیر کوئی کلام کئے گزر گیا۔ وہ دوبارہ اس کے راستے پر کھڑی ہو گئی، اب نوجوان گھر کی طرف جا رہا تھا۔ عورت نے کہا: اے نوجوان! میری بات سن لو میں تم سے کچھ کلام کرنا چاہتی ہوں۔ وہ کچھ دیر تک سر جھکائے خاموش کھڑا رہا پھر کہا: یہ تہمت کی جگہ ہے اور مجھے تہمت کی جگہ ٹھہرنا اچھا نہیں لگتا۔ عورت نے کہا: میں اس جگہ اس لئے کھڑی نہیں ہوئی کہ میں تمہارے معاملے سے ناواقف ہوں بلکہ میں خود اس بات سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتی ہوں کہ اس طرح کے معاملے میں لوگوں کی نگاہیں میری طرف اٹھیں۔ جبکہ اس معاملے میں جس چیز نے مجھے تم سے خود ملاقات کرنے پر ابھارا وہ یہ ہے کہ میں جانتی ہوں کہ اس سلسلے میں لوگ تھوڑی سی بات کو بھی زیادہ سمجھتے ہیں اور تم عبادت گزار لوگ شیشوں کی طرح ہو کہ ادنیٰ سی چیز بھی تمہیں عیب دار کر دیتی ہے۔ میں تم سے جو کچھ کہنا چاہتی ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے تمہارے بغیر کسی صورت قرار نہیں ہے لہٰذا میرے اور اپنے معاملے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو۔

راوی کہتے ہیں: وہ نوجوان اپنے گھر چلا گیا اور نماز پڑھنی چاہی لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ نماز کیسے پڑھے چنانچہ اس نے کاغذ لے کر خط لکھا پھر جب گھر سے نکلا تو عورت اپنی جگہ کھڑی تھی۔ اس نے خط اس تک پہنچایا اور دوبارہ اپنے گھر کی طرف لوٹ گیا۔ اس خط میں لکھا تھا: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم، اے عورت! جان لو کہ جب بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ بردباری فرماتا ہے اور جب وہ دوبارہ نافرمانی کرتا ہے تو وہ اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے پھر جب بندہ بار بار گناہ کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس قدر غضب فرماتا ہے کہ اس سے آسمان، زمین، پہاڑ، درخت اور چوپائے تنگی میں آ جاتے ہیں۔ تو کون اس کے غضب کی تاب لا سکتا ہے! جو کچھ تم نے کہا ہے اگر وہ باطل اور جھوٹ ہے تو میں تمہیں وہ دن یاد دلاتا ہوں جس دن آسمان پگھلی ہوئی دھات کی طرح اور پہاڑ اون کی مانند ہلکے ہو جائیں گے اور اُمتیں جبارِ عظیم عَزَّوَجَلَّ کے دبدبے کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گری ہوں گی اور خدا عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں خود اپنی اصلاح کے معاملے میں کمزور ہوں تو کسی دوسرے کی اصلاح کیسے کر سکتا ہوں۔ اگر تم نے سچی بات کہی ہے تو میں تمہاری راہ نمائی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف کرتا ہوں جو تڑپا دینے والے زخموں اور دردوں کا علاج کرتا ہے، لہٰذا صدقِ دل سے سوال کر کے اس کی بارگاہ میں رجوع کرو کیونکہ میری توجہ تمہارے بجائے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کی طرف ہے:

وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡاٰزِفَةِ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَى الۡحَنَاجِرِ كٰظِمِيۡنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ حَمِيۡمٍ وَّلَا شَفِيۡعٍ يُّطَاعُ ؕ﴿۱۸﴾ يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾ (پ۲۴، المؤمن: ۱۸، ۱۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور انھیں ڈراؤ اس نزدیک آنے والی آفت کے دن سے جب دل گلوں کے پاس آجائیں گے غم میں بھرے اور ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے۔ اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔

اس آیت سے بھاگنے والے کہاں ہیں؟ کچھ دن گزر جانے کے بعد وہ پھر آئی اور نوجوان کے راستے پر کھڑی ہو گئی۔ جب نوجوان نے اسے دور سے دیکھا تو اپنے گھر کی طرف دوبارہ لوٹنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ اس عورت کو نہ دیکھ سکے۔ اس عورت نے کہا: اے نوجوان! تم مت لوٹو آج کے بعد ہماری ملاقات صرف کل (قیامت میں) اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سامنے ہو گی، پھر زار و قطار رونے لگی اور کہنے لگی: میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرتی ہوں کہ جس کے قبضہ میں تمہارے دل کی چابیاں ہیں! تمہارا مشکل معاملہ مجھ پر آسان فرمادے۔ پھر وہ اس کے پاس گئی اور کہا: مجھ پر ایک احسان کرو کہ مجھے کوئی ایسی نصیحت کرو جسے میں برداشت کر سکوں اور ایسی وصیت کرو جس پر میں عمل کر سکوں۔ اس نے کہا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خود کو اپنے نفس (کے شر) سے بچا کر رکھو اور تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمان یاد دلاتا ہوں:

وَهُوَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ بِالَّيۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ (پ۷، الانعام: ۶۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ۔

راوی فرماتے ہیں: وہ عورت سر جھکا کر پہلے سے بھی زیادہ شدت سے رونے لگی۔ پھر جب اِفاقہ ہوا تو گھر جا بیٹھی اور عبادت میں مشغول ہو گئی اور اسی حالت پر رہی حتی کہ رنج و غم کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔ وہ نوجوان اس کی موت کے بعد اس کو یاد کر کے رویا کرتا تھا۔ اس سے کہا جاتا: کس وجہ سے روتے ہو جبکہ تم نے خود اسے اپنے آپ سے مایوس کیا تھا؟ تو وہ کہتا: میں نے پہلے مرحلے میں ہی اس کی خواہش کو مار دیا تھا اور میں نے اس سے لاتعلقی اور علیحدگی کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے یہاں اپنے لئے ذخیرہ بنایا تھا تو مجھے حیا آئی کہ میں اس ذخیرے کو واپس لے لوں جسے میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پاس جمع کروایا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰه! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے "پیٹ اور شرم گاہ کی شہوتیں توڑنے کا بیان" مکمل ہوا

❀ … ❀ … ❀ … ❀

زبان کی آفات کا بیان (اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں)

مقدمہ:

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں جس نے انسان کو اچھی اور معتدل صورت پر پیدا کیا اور اس کے اندر ایمان کا نور ڈال کر اسے ایمان سے آراستہ و مُزَیَّن کیا۔ بیان سکھا کر اس کے سبب (دیگر مخلوقات پر) اسے بلندی اور فضیلت عطا فرمائی اور دل میں مخفی و پوشیدہ عُلُوم ڈال کر کامل بنایا پھر اپنی رحمت سے اس کے دل پر پردہ ڈال دیا۔ زبان کے ذریعے اس کی مدد فرمائی تاکہ اس کے ذریعے وہ اپنے دل اور عقل کی ترجمانی کرے اور دل پر پڑے ہوئے پردے کو دور کرے۔ زبان کو حمد کہنے پر قدرت عطا فرمائی اور علم و کلام جیسی نعمتیں عطا کر کے شکر ادا کرنے کی نعمت سے نوازا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ایسے بندے اور رسول ہیں جن کا رب تعالیٰ نے اعزاز و اکرام فرمایا اور ایسے نبی ہیں جنہیں کتاب کے ساتھ مبعوث فرمایا جس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور ایسے دین کے ساتھ بھیجا جس میں بندوں کے لئے آسانی ہے۔ جب تک ایک بندہ بھی تکبیر و تہلیل کرتا رہے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے آپ پر، آپ کی آل پر، آپ کے اصحاب پر اور آپ کی دعوت قبول کرنے والوں پر درود نازل ہوتا رہے۔

بے شک زبان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت اور اس کی بنائی ہوئی عجیب و غریب اور لطیف اشیاء میں سے ایک شے ہے، اس کا سائز چھوٹا لیکن اس کی اطاعت اور نافرمانی بڑی ہے اس لئے کہ کفر و ایمان کا ظُہُور محض زبان کی شہادت کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایمان اِطاعت کا اور کُفر نافرمانی کا انتہائی درجہ ہے۔ ہر چیز خواہ وہ موجود ہو یا معدوم، خالق ہو یا مخلوق، خیالی ہو یا معلوم، ظنی ہو یا وہمی، ان سب کا تعلق زبان سے ہے۔ زبان ان کو ثابت کرتی ہے یا ان کی نفی کرتی ہے۔ حق ہو یا باطل جس شے کو بھی علم شامل ہو زبان اسے بیان کرتی ہے اور علم ہر شے کو شامل ہے۔ یہ ایسی خاصیت ہے جو دیگر اعضاء میں نہیں پائی جاتی کیونکہ آنکھ کی رسائی رنگوں اور صورتوں کے علاوہ کسی تک نہیں جبکہ کان آواز کے علاوہ کچھ نہیں سن سکتے اور ہاتھ کی پہنچ اجسام کے

علاوہ کسی تک نہیں۔ اسی طرح دیگر اعضاء کا معاملہ ہے جبکہ زبان کا میدان وسیع ہے اس کے لئے نہ کوئی رکاوٹ ہے اور نہ کوئی حد وانتہا۔ نیکی و بھلائی میں اس کا میدان وسیع ہے اور شر میں اس کا دامن لمبا ہے لہذا جو اپنی زبان کو کھلی آزادی دے دیتا ہے اور اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے تو شیطان اس کو ہر میدان میں داخل کر دیتا ہے اور گرنے کے قریب گڑھے کے کنارے لے جاتا ہے حتی کہ اسے ابدی ہلاکت پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہ زبان ہی لوگوں کو فضول گفتگو کے سبب جہنم میں منہ کے بل گراتی ہے۔ زبان کے شر سے وہی نجات پا سکتا ہے جو اسے شریعت کی لگام دے کر قابو کرے اور اسے ان چیزوں میں استعمال کرے جو اسے دنیا و آخرت میں نفع دیں اور اسے ہر اس چیز سے روکے جس کے فتنے و مصیبت کا دنیا و آخرت میں خوف ہو۔ کس جگہ زبان کو استعمال کرنا اچھا ہے اور کہاں برا ہے، اس بات کا علم مخفی اور پیچیدہ ہے اور جو اس بات کو پہچان لے اس کے لئے اس پر عمل مشکل اور دُشوار ہے۔ انسان کے اَعضاء میں جس عضو سے سب سے زیادہ گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ زبان ہی ہے کیونکہ اس کو استعمال کرنے اور اسے حرکت دینے میں کوئی مشقت وتکلیف نہیں اٹھانی پڑتی اور لوگ اس کی آفات اور فتنے وفسادات سے بچنے اور اس کے جالوں اور پھندوں سے محتاط رہنے کے معاملے میں سستی سے کام لیتے ہیں حالانکہ انسان کو بہکانے میں یہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

زبان کی 20 آفات اجمالاً:

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مدد اور اس کی حُسنِ توفیق سے زبان کی آفات کو تفصیل سے ذکر کریں گے اور ایک ایک کر کے ان کی تعریفات، ان کے اسباب اور ان کے فتنوں کو ذکر کریں گے اور زبان کے فتنوں سے بچنے کے طریقے کی پہچان کرائیں گے اور ان کی مذمت میں وارد احادیث و روایات لائیں گے۔ پہلے ہم خاموشی کی فضیلت بیان کریں گے اس کے بعد (زبان کی آفات میں سے) (۱)...بے فائدہ گفتگو کی آفت کو ذکر کریں گے پھر (۲)...فضول کلام کی آفت پھر (۳)...باطل میں مشغول ہونے کی آفت پھر (۴)...مِراء وجِدال کی آفت پھر (۵)...خُصُومَت کی آفت پھر (۶)...بتکلف فصاحت کے اظہار، ہم قافیہ الفاظ کے استعمال اور بناوٹی خطابت کے دعویداروں میں پائی جانے والی باتوں کے ذریعے مشکل اور پیچیدہ کلام کرنے کی آفت پھر (۷)...فُحش کلامی، گالی گلوچ اور بدکلامی کی آفت پھر (۸)...لعنت بھیجنے کی آفت خواہ کسی حیوان پر ہو یا بے جان چیز یا انسان پر ہو

پھر (۹)... گانے اور شعر کی آفت اور کون سا گانا حرام ہے اور کون سا حلال اسے ہم سَماع کے بیان میں ذکر کر چکے لہٰذا ہم اسے دوبارہ نہیں ذکر کریں گے پھر (۱۰)... مزاح کی آفت پھر (۱۱)... مَذاق مَسْخَرِی اور ٹھٹھے کی آفت پھر (۱۲)... راز کھولنے کی آفت پھر (۱۳)... جھوٹا وعدہ کرنے کی آفت پھر (۱۴)... جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے نیز تعریضاً جھوٹ بولنے کی آفت کا بیان پھر (۱۵)... غیبت کی آفت پھر (۱۶)... چغلی کی آفت پھر (۱۷)... منافق اور دوغلے شخص کی آفت کہ جو (فساد پھیلانے کی غرض سے) دو دشمنوں کے پاس آتا جاتا ہے اور ہر ایک سے اس کے موافق گفتگو کرتا ہے پھر (۱۸)... مَدح و تعریف کی آفت پھر (۱۹)... دورانِ کلام باریک غلطیوں سے غفلت کا بیان بالخصوص اس کلام میں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کی صفات اور دین کے اصول کے ساتھ متعلق ہے پھر (۲۰)... اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صفات اور اس کے کلام کے بارے میں عوام کے سوال کرنے کو ذکر کریں گے اور اس بارے میں سوال کرنے کی آفت بیان کریں گے کہ حُرُوف قدیم ہیں یا حادث۔

یوں یہ کل 20 آفتیں ہوئیں اور ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے فضل و کرم کی بدولت حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

باب نمبر 1: زبان کا خطرہ اور خاموشی کے فضائل

زبان کا خطرہ بہت بڑا ہے اور اس کے خطرے سے نجات صرف خاموشی میں ہے اسی وجہ سے شریعت نے خاموشی کی تعریف بیان کی ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ

زبان کی حفاظت سے متعلق 30 روایات:

﴿1﴾... مَنْ صَمَتَ نَجَا یعنی جو چپ رہا اس نے نجات پائی۔[1]

﴿2﴾... اَلصَّمْتُ حُكْمٌ وَّقَلِيْلٌ فَاعِلُهٗ یعنی خاموشی حکمت ہے مگر اس کو اختیار کرنے والے تھوڑے ہیں۔[2]

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن سفیان عَلَيْهِ رَحْمَةُ الرَّحْمٰن اپنے والد سے رِوایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم! مجھے اسلام سے متعلق کسی ایسی بات کی خبر دیجئے جس کے بارے میں آپ کے بعد میں کسی سے نہ پوچھوں؟ ارشاد فرمایا: ”یہ کہو میں ایمان لایا پھر

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة، ۴/ ۲۲۵، حدیث: ۲۵۰۹

2 ...شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، ۴/ ۲۶۳، حدیث: ۵۰۲۷

اس پر قائم رہو۔“ میں نے عرض کی: میں کس چیز سے ڈروں؟ تو آپ نے اپنے ہاتھ مُبارَک سے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔[1]

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا عُقبہ بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! نجات کیا ہے؟ فرمایا: اپنی زبان کی حفاظت کرو، تمہارا گھر تمہیں کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر آنسو بہاؤ۔[2]

﴿5﴾... مَنْ يَّتَكَفَّلْ لِيْ بِمَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَرِجْلَيْهِ اَتَكَفَّلْ لَهٗ بِالْجَنَّةِ یعنی جو مجھے دونوں جبڑوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان والی چیز (یعنی زبان اور شرم گاہ) کی حفاظت کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔[3]

﴿6﴾... مَنْ وُّقِيَ شَرَّ قَبْقَبِهٖ وَذَبْذَبِهٖ وَلَقْلَقِهٖ فَقَدْ وُقِيَ الشَّرَّ كُلَّهٗ یعنی جسے پیٹ، شرم گاہ اور زبان کے شر سے بچایا گیا اسے تمام کے تمام شر سے بچایا گیا۔[4]

انہی تین شہوات کی وجہ سے اکثر لوگ ہلاک ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم پیٹ اور شرم گاہ کی آفت ذکر کرنے کے بعد زبان کی آفات ذکر کرنے میں مشغول ہوئے ہیں۔

﴿7﴾... سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اس عمل کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو لوگوں کو کثرت سے جنت میں داخل کرے گا تو ارشاد فرمایا: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنا اور حسنِ اخلاق۔“ اور اس عمل کے بارے میں سوال کیا گیا جو کثرت سے جہنّم میں داخل کرے گا تو ارشاد فرمایا: ”دو خالی اور کشادہ جگہیں منہ اور شرم گاہ۔“[5]

ممکن ہے منہ سے مراد زبان کی آفات ہوں کیونکہ منہ زبان کا محل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ منہ سے مراد پیٹ ہو کیونکہ منہ پیٹ کا داخلی راستہ ہے۔

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، ۴/ ۱۸۴، حدیث: ۲۴۱۸ بتغیر

2 ...سنن الترمذی، کتاب الزهد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، ۴/ ۱۸۴، حدیث: ۲۴۱۴

3 ...سنن الترمذی، کتاب الزهد، باب فی حفظ اللسان، ۴/ ۱۸۲، حدیث: ۲۴۱۶

4 ...فردوس الاخبار، ۲/ ۳۱۱، حدیث: ۶۳۹۴ بتغیر

5 ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق، ۳/ ۴۰۴، حدیث: ۲۰۱۱

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جَبَل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا ہماری گفتگو پر بھی پکڑ ہو گی؟ ارشاد فرمایا: اے ابنِ جَبَل! تیری ماں تجھ پر روئے (یہ بات بطور شفقت فرمائی) بے فائدہ وفضول گفتگو ہی لوگوں کو جہنّم میں اوندھے منہ گرائے گی۔ (1)

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا سُفیان بن عبد اللہ ثَقَفی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے کوئی ایسی بات بیان کیجیے جسے میں مضبوطی سے تھام لوں۔ ارشاد فرمایا: "یہ کہو میرا رب اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے پھر اس پر قائم رہو۔" میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ مجھ پر سب سے زیادہ کس چیز کا خوف کرتے ہیں؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر ارشاد فرمایا: "اس کا۔" (2)

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے شافعِ محشر، نور کے پیکر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کون سا عمل افضل ہے؟ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنی زبان مبارک باہر نکالی پھر اپنی مبارک انگلی اس پر رکھ دی۔ (3)

﴿11﴾... بندے کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا دل ٹھیک نہ ہو جائے اور اس کا دل اس وقت تک ٹھیک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی زبان دُرُست نہ ہو جائے اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔ (4)

﴿12﴾... مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّسْلَمَ فَلْيَلْزَمِ الصَّمْتَ یعنی جو (دنیا میں مخلوق کی اذیت اور آخرت میں خالق کے عذاب سے) سلامت رہنا پسند کرتا ہے اسے چاہئے کہ خاموشی اختیار کرے۔ (5)

---

(1) ...سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة، ۴/ ۲۸۰، حدیث: ۲۶۲۵

(2) ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، ۴/ ۱۸۴، حدیث: ۲۴۱۸

(3) ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۳۱، حدیث: ۸

(4) ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۳۱، حدیث ۹

(5) ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۳۴، حدیث: ۱۱

﴿13﴾... آدمی جب صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء، زبان سے کہتے ہیں: ہمارے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتے رہنا کیونکہ اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔[1]

﴿14﴾... منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو دیکھا کہ آپ اپنی مبارک زبان کو ہاتھ سے کھینچ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے عرض کی: اے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے خلیفہ! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا: یہ مجھے ہلاکت کی جگہوں پر لے گئی ہے۔ بے شک رسولِ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جسم کا ہر عُضو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے۔"[2]

اکثر خطائیں زبان سے سرزد ہوتی ہیں:

﴿15﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے متعلق منقول ہے کہ آپ صَفا کے پہاڑ پر تَلْبِیَہ پڑھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: اے زبان! بھلائی کی بات کہہ فائدہ اٹھائے گی اور اس سے پہلے کہ تجھے ندامت اٹھانی پڑے، بری بات کہنے سے خاموش رہ سلامت رہے گی۔ آپ سے پوچھا گیا: اے ابو عبد الرحمٰن! یہ بات آپ خود سے کہہ رہے ہیں یا آپ نے کسی سے سنی ہے؟ ارشاد فرمایا: میں نے سرکارِ مدینہ، فیض گنجینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "ابن آدم کی اکثر خطائیں اس کی زبان سے سرزد ہوتی ہیں۔"[3]

﴿16﴾... جو شخص (مسلمانوں کی عزتوں کے متعلق گفتگو کرنے سے) اپنی زبان کو روک لے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور جو اپنے غصے کو قابو میں رکھے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے عذاب سے بچائے گا اور جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عُذر پیش کرے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے عذر کو قبول فرمائے گا۔[4]

﴿17﴾... حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جَبَل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

1... سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی حفظ اللسان، ۴/ ۱۸۳، حدیث: ۲۴۱۵

2... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۳۶، حدیث: ۱۳

3... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۴۰، حدیث: ۱۸

4... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۴۲، حدیث: ۲۱

وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے نصیحت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا: ”اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کرو اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس چیز کے متعلق خبر دوں جو ان تمام چیزوں کے مقابلے میں تمہارے زیادہ اختیار میں ہے۔ یہ کہہ کر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہاتھ کے ذریعے اپنی مبارک زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔[1]

﴿18﴾... حضرت سیِّدُنا صفوان بن سُلَیم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے مروی ہے کہ سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی عبادت کے متعلق خبر نہ دوں جو سب سے زیادہ آسان اور بدن پر سب سے زیادہ ہلکی پھلکی ہے (پھر خود ہی ارشاد فرمایا) وہ خاموشی اور حُسنِ اخلاق ہے۔[2]

﴿19﴾... مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَسْكُتْ یعنی جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔[3]

﴿20﴾... رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا تَكَلَّمَ فَغَنِمَ اَوْ سَكَتَ فَسَلِمَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بندے پر رحم فرمائے جو کلام کرتا ہے تو فائدہ (یعنی ثواب) پاتا ہے یا خاموش رہ کر سلامت رہتا ہے۔[4]

﴿21﴾... حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے عرض کی گئی: ہمیں کوئی ایسا عمل ارشاد فرمائیے جس کے ذریعے ہم جنت میں داخل ہو جائیں؟ ارشاد فرمایا: کبھی بھی نہ بولو۔ عرض کی گئی: ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ ارشاد فرمایا: تو بھلائی کی بات کے سوا کچھ نہ کہو۔

﴿22﴾... حضرت سیِّدُنا سلیمان بن داؤد عَلَیْہِمَا السَّلَام نے ارشاد فرمایا: اگر (اللہ عَزَّوَجَلَّ کی فرمانبرداری پر مشتمل) گفتگو چاندی کی مثل ہے تو (اس کی نافرمانی سے) خاموشی اختیار کرنا سونے کی مثل ہے۔

جنت میں لے جانے والے اعمال:

﴿23﴾... حضرت سیِّدُنا بَراء بن عازِب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اَعرابی بارگاہِ رِسالت میں

1 ... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۳۳، حدیث: ۲۲

2 ... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۳۷، حدیث: ۲۷

3 ... بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف... الخ، ۴/ ۱۳۶، حدیث: ۶۱۳۶

4 ... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۶۴، حدیث: ۶۴

حاضر ہوا اور عرض کی: مجھے کوئی ایسا عمل ارشاد فرمایئے جس کے باعث میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ ارشاد فرمایا: بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور پیاسے کو پانی پلاؤ، نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو۔ اگر ان کاموں کی طاقت نہیں رکھتے تو بھلائی کی بات کے علاوہ کچھ کہنے سے اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔[1]

شیطان کو مغلوب کرنے والا عمل:

﴿24﴾... اِخْزِنْ لِسَانَكَ اِلَّا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّكَ بِذٰلِكَ تَغْلِبُ الشَّيْطَانَ یعنی خیر کے علاوہ کوئی بات کہنے سے اپنی زبان کی حفاظت کرو کیونکہ اس کے سبب تم شیطان پر غالب آجاؤ گے۔[2]

﴿25﴾... اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَ لِسَانِ كُلِّ قَائِلٍ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ امْرُؤٌ عَلِمَ مَا يَقُوْلُ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ ہر قائل (یعنی کہنے والے) کی زبان کے پاس ہوتا ہے، لہٰذا بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنا چاہئے اور غور کرنا چاہئے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔[3]

﴿26﴾... اِذَا رَاَيْتُمُ الْمُؤْمِنَ صَمُوْتًا وَقُوْرًا فَادْنُوْا مِنْهُ فَاِنَّهُ يُلَقَّنُ الْحِكْمَةَ یعنی جب تم مومن کو بہت خاموش رہنے والا اور انتہائی باوقار دیکھو تو اس سے قریب ہو جاؤ کیونکہ اسے حکمت عطا کی گئی ہے۔[4]

تین قسم کے لوگ:

﴿27﴾... لوگ تین قسم کے ہیں: (۱)...غانم (۲)...سالم اور (۳)...شاحب۔ غانم وہ ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا ہے، سالم وہ ہے جو خاموش رہتا ہے اور شاحب وہ ہے جو باطل میں پڑتا ہے۔[5]

مومن اور منافق کی زبان:

﴿28﴾... مومن کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے، جب وہ کسی چیز کے متعلق گفتگو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں اپنے دل میں غور کرتا ہے پھر اسے زبان پر لاتا ہے اور منافق کی زبان اس کے دل

---

1 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۶۶، حدیث: ۶۷

2 ...المعجم الصغیر، ۲/ ۶۷، حدیث: ۹۳۶

3 ...شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، ۴/ ۲۶۵، حدیث: ۵۰۴۳ بتغیر قلیل

4 ...الزواجر عن اقتراف الکبائر، الباب الاول فی الکبائر الباطنة... الخ، ۱/ ۱۸۴

5 ...شعب الایمان، باب فی الاعراض عن اللغو، ۷/ ۳۱۷، حدیث: ۸۱۴۰ بتغیر

کے آگے ہوتی ہے، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اپنی زبان پر لے آتا ہے اور اس کے بارے میں اپنے دل میں غور و فکر نہیں کرتا۔[1]

﴿29﴾... حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام فرماتے ہیں: عبادت کے دس اجزاء ہیں جن میں سے نو خاموشی میں ہیں اور ایک لوگوں سے دور بھاگنے میں۔

﴿30﴾... مَنْ کَثُرَ کَلَامُہٗ کَثُرَ سَقَطُہٗ وَمَنْ کَثُرَ سَقَطُہٗ کَثُرَتْ ذُنُوْبُہٗ وَمَنْ کَثُرَتْ ذُنُوْبُہٗ کَانَتِ النَّارُ اَوْلٰی بِہٖ یعنی جو زیادہ بولتا ہے وہ غلطیاں زیادہ کرتا ہے اور جو غلطیاں زیادہ کرتا ہے اس کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور جس کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں جہنم اس کے زیادہ لائق ہے۔[2]

زبان کی حفاظت سے متعلق 12 اقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ گفتگو سے بچنے کے لئے اپنے منہ میں کنکری رکھا کرتے اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے: یہی وہ چیز ہے جو مجھے ہلاکت کی جگہوں پر لے گئی ہے۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں زبان سے زیادہ کوئی چیز طویل قید کی حق دار نہیں ہے۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن طاؤس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمَا فرماتے ہیں: میری زبان ایک درندہ ہے اگر میں اسے کھلا چھوڑ دوں تو مجھے کھا جائے۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: آلِ داود کی حکمت سے ہے کہ عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اپنے زمانے کی خبر رکھے، اپنی زبان کی حفاظت کرے اور اپنے کام پر توجہ رکھے۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: جو زبان کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ دین کی حقیقت کو نہیں جان سکتا۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا امام اَوزاعی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہ

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، ۴/ ۲۶۶، حدیث: ۵۰۳۴

[2] ...شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، ۴/ ۲۶۳، حدیث: ۵۰۱۹ باختصار

العَزِیْز نے ہماری طرف ایک مکتوب لکھا: اَمَّا بَعْد! جو موت کو کثرت سے یاد کرتا ہے وہ دنیا کے تھوڑے سے مال پر راضی ہو جاتا ہے اور جو اپنی گفتگو کو اپنے عمل میں شمار کرتا ہے وہ بے فائدہ اور بے مقصد کلام کم کرتا ہے۔

﴿7﴾... ایک بزرگ فرماتے ہیں: خاموشی آدمی میں دو فضیلتیں جمع کر دیتی ہے: ایک اس کا دین سلامت رہتا ہے اور دوسرا وہ اپنے ساتھی کی بات کو سمجھ لیتا ہے۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ النَّافِع نے حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الغَفَّار سے فرمایا: اے ابو یحییٰ! لوگوں پر زبان کی حفاظت، درہم و دینار کی حفاظت سے زیادہ سخت ہے۔

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا یونس بن عُبَید رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جس شخص کی زبان دُرستی پر قائم رہتی ہے تم اس کا اثر اس کے ہر عمل میں دیکھو گے۔

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: لوگ حضرت سیِّدُنا اَمیرِ مُعاوِیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس گفتگو کر رہے تھے اور حضرت سیِّدُنا اَحنَف بن قیس رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ خاموش تھے۔ حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت احنف بن قیس رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا: اے ابو بَحْر! کیا وجہ ہے کہ آپ گفتگو نہیں کر رہے؟ انہوں نے کہا: اگر میں جھوٹ بولوں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتا ہوں اگر سچ کہوں تو آپ کا خوف ہے۔

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا ابو بکر بن عَیَّاش رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: چار ممالک ہند، چین، روم اور ایران کے بادشاہ ایک جگہ جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں صرف اپنے کہے پر شرمندہ ہوتا ہوں جبکہ خاموش رہوں تو نادم نہیں ہوتا۔ دوسرے نے کہا: جب میں کوئی بات کہتا ہوں تو وہ مجھ پر حاوی ہو جاتی ہے اور میں اس پر حاوی نہیں رہتا اور جب میں کوئی بات نہ کہوں تو میرا اس پر قابو ہوتا ہے اور اس کا مجھ پر کچھ قابو نہیں ہوتا۔ تیسرے نے کہا: مجھے بولنے والے پر تعجب ہے کہ اگر وہی بات اس کی طرف لوٹ جائے تو اسے نقصان دے اور اگر نہ لوٹے تو نفع بھی نہ دے۔ چوتھے نے کہا: میں کہی ہوئی بات کے مقابلے میں نہ کہی ہوئی بات سے رجوع کرنے پر زیادہ قادر ہوں۔

﴿12﴾... منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا منصور بن مُعْتَمِر رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے چالیس سال تک عشا کے بعد گفتگو نہ کی۔

﴿13﴾... حضرت سیِّدُنا رُبَیع بن خُثَیْم عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الاَکرَم نے بیس سال تک دنیاوی گفتگو نہیں کی۔ جب صبح ہوتی

تو دوات، کاغذ اور قلم رکھتے اور جو گفتگو بھی کرتے اسے لکھ لیتے پھر شام کے وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

خاموشی کی اتنی بڑی فضیلت کس وجہ سے ہے ؟ **جواب:** بولنے میں کثیر آفات ہیں غَلَطی، جھوٹ، غیبت، چغلی، رِیاکاری، نِفاق، فُحش گوئی، بحث ومُباحثہ کرنا، اپنی تعریف کرنا، باطل میں مشغول ہونا، جھگڑا کرنا، فضول گفتگو کرنا، بات بڑھانا گھٹانا، مخلوق کو ایذا دینا اور کسی کی پردہ دری کرنے جیسے عُیوب کا تعلق زبان ہی سے ہے۔ یہ کثیر آفات زبان پر بہت جلد آجاتی ہیں اور زبان پر بوجھ بھی نہیں بنتیں اور دل کو ان کی وجہ سے لُطف وسُرُور حاصل ہوتا ہے، خود طبیعت بھی ان پر اکساتی ہے اور شیطان بھی زور لگاتا ہے۔ ان آفات میں پڑنے والا زبان کی حفاظت کرنے سے قاصر رہتا ہے کیونکہ وہ اپنی من پسند بات کر گزرتا ہے اور جو خود کو ناپسند ہو اس سے خاموش رہتا ہے جبکہ یہ (یعنی کہاں بولنا اچھا ہے اور کہاں برا) مخفی اور پیچیدہ علم میں سے ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آئے گی، لہٰذا بولنے میں خطرہ ہے اور چپ رہنے میں عافیت ہے یہی وجہ ہے کہ خاموشی کی بڑی فضیلت ہے۔ نیز خاموش رہنے سے مُنتَشِر خیالات واَفکار یکجا ہو جاتے ہیں، وقار قائم رہتا ہے، بندہ ذکر وفکر اور عبادت کے لئے فارغ ہوتا ہے، دنیا میں بولنے کے برے انجام سے امن میں اور آخرت میں اس کے حساب سے فارغ رہتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ ترجمۂ کنزالایمان: کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔ (پ۲۶، ق: ۱۸)

کلام کی اَقسام:

خاموشی کے ضروری ہونے پر ایک امر رہنمائی کرے گا اور وہ یہ ہے کہ کلام چار قسموں پر مشتمل ہے:

(۱)...خالص نقصان دہ۔ (۲)...خالص مفید۔ (۳)...نقصان دہ بھی اور مفید بھی۔ (۴)...نہ نقصان دہ اور نہ مفید۔

جو خالص نقصان دہ ہے اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور جو نقصان دہ بھی ہے اور مفید بھی لیکن اس کا فائدہ ونفع، نقصان کے برابر نہیں ہے (بلکہ کم ہے) اس سے بھی بچنا ضروری ہے۔ جو نہ نقصان دہ ہے اور نہ

مفید تو یہ فضول کلام ہے اس میں مشغول ہونا وقت کو ضائع کرنا ہے اور یہ بڑا خسارہ اور نقصان ہے۔ اب صرف چوتھی قسم باقی رہ جاتی ہے تو کلام کا تین چوتھائی حصہ ساقط ہو گیا اور ایک چوتھائی رہ گیا اور اس چوتھائی حصے میں بھی خطرہ ہے کیونکہ خالص مفید گفتگو میں بھی گناہ مثلاً پوشیدہ ریاکاری، دکھلاوا، غیبت، اپنی تعریف چاہنا اور فضول کلام شامل ہو جاتے ہیں اور یہ شمولیت ایسی ہوتی ہے (کہ اکثر لوگوں کے لئے) جسے جاننا مشکل ہوتا ہے لہٰذا انسان خطرے میں ہے اور جو شخص زبان کی آفات کی باریکیوں کو جان لے گا جیسا کہ ہم عنقریب انہیں ذکر کریں گے تو وہ لازماً یہ بھی جان لے گا کہ اللہ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جو ارشاد فرمایا وہ قول فیصل ہے۔ چنانچہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جو چپ رہا اس نے نجات پائی۔"[1] آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو بالیقین حکمتوں کے جواہر اور جامع کلمات عطا کئے گئے ہیں۔[2] اور آپ کے ایک ایک کلمے کے تحت معانی کا جو سَمُندر ہے اسے صرف خَوّاص علما ہی جانتے ہیں۔ اِنْ شَآءَ اللہ زبان کی آفات اور ان سے بچنے کی مشکل میں تم اس حقیقت کو جان لوگے، اب ہم زبان کی آفات ذکر کریں گے اور ابتدا سب سے ہلکی آفت سے کریں گے اور پھر دَرَجہ بدَرَجہ سخت قسم کی آفات بیان کریں گے، غیبت، چغلی اور جھوٹ سے متعلق کلام کو آخر میں ذکر کریں گے کیونکہ ان کے بارے میں گفتگو زیادہ طویل ہے۔ یہ 20 آفتیں ہیں، انہیں جان لو تا کہ تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مدد سے سیدھے راستے پر گامزن ہو سکو۔

باب نمبر 2: زبان کی 20 آفات

آفت نمبر 1: بے فائدہ گفتگو

انسان کے احوال میں سے بہترین حالت یہ ہے کہ وہ ہماری ذکر کردہ آفات یعنی غیبت، چغلی، جھوٹ اور لڑائی جھگڑے وغیرہ سے اپنی گفتگو کی حفاظت کرے اور ایسی جائز ومُباح بات کہے جس میں خود اسے اور کسی دوسرے مسلمان کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اگر انسان ایسی گفتگو کرے گا جس کی اسے حاجت نہ ہو تو اس کے سبب وہ اپنا وقت ضائع کر دے گا اور زبان کو استعمال کرنے پر اس سے حساب لیا جائے گا نیز وہ بہتر کے عِوَض حقیر اور

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، ۴/ ۲۲۵، حدیث: ۲۵۰۹

[2] ...بخاری، کتاب التعبیر، باب المفاتیح فی الید، ۴/ ۴۱۳، حدیث: ۷۰۱۳

کمتر چیز پائے گا کیونکہ اگر وہ گفتگو کرنے کے بجائے اپنا وقت غور و فکر میں صرف کرتا تو بہت ممکن تھا کہ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت کے ایسے خزانے کُھلتے جن کا فائدہ عظیم ہوتا۔ اسی طرح اگر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا اور تسبیح و تہلیل کرتا (یعنی لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور سُبْحٰنَ اللہ کہتا) تو یہ ضرور اس کے حق میں بہتر ہوتا کیونکہ کتنے ہی کلمات ایسے ہیں جن کے سبب جنت میں محل بنایا جاتا ہے۔ جو شخص خزانوں میں سے کسی خزانے کو لینے پر قدرت رکھتا ہے لیکن وہ اس کے بجائے مٹی کا ایسا ڈھیلا لے لیتا ہے جس سے وہ نفع نہیں اٹھا سکتا تو وہ کُھلا نقصان اٹھانے والا ہے۔ ایسے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ذِکْرُ اللہ کو چھوڑ کر ایسے مُباح کام میں مشغول ہو جاتا ہے جو اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتا، اگرچہ وہ اس کے سبب گناہ گار نہیں ہوتا لیکن اس اعتبار سے وہ نقصان ضرور اٹھاتا ہے کہ ذکر کے ذریعے حاصل ہونے والا عظیم فائدہ اس سے فوت ہو جاتا ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے: مومن کی خاموشی صرف فکر کے لئے، نظر صرف عِبْرت کے لئے اور بولنا صرف ذکر کے لئے ہوتا ہے۔[1]

انسان کا سرمایہ:

انسان کا سرمایہ اس کے اوقات ہیں اور جب وہ انہیں بے فائدہ کاموں میں صرف کرتا ہے اور اس سرمایہ کو آخرت کے لئے ذخیرہ نہیں کرتا تو بے شک وہ اپنا سرمایہ ضائع کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ یعنی انسان کے اسلام کی خوبیوں میں سے ہے کہ جو نفع نہ دے اسے چھوڑ دے۔[2] ایک حدیث اس سے بھی زیادہ سخت مضمون پر مشتمل ہے۔ چنانچہ

بے فائدہ گفتگو کا نقصان:

حضرت سیِّدُنا اَنس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں: غزوۂ اُحُد کے دن ہم میں سے ایک نوجوان شہید ہو گیا۔ ہم نے اس کے پیٹ پر (بھوک کی وجہ سے) پتھر بندھا ہوا دیکھا۔ اس کی ماں اس کے چہرے سے مٹی صاف کر کے کہنے لگی: اے میرے بیٹے! تمہیں جنت مبارک ہو۔ یہ سن کر سلطان بحر و بر، تمام نبیوں کے

---

1 ...مشکاۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب البکاء والخوف، ۲/ ۲۷۴، حدیث: ۵۳۵۸ بتغیر

2 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، ۴/ ۱۴۲، حدیث: ۲۳۲۴

سرور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم نے کیسے جان لیا(کہ یہ جنتی ہے۔)ہو سکتا ہے کہ یہ بے فائدہ گفتگو کرتا ہو اور ایسی چیز سے منع کرتا ہو جس کے دینے سے اسے نقصان نہ ہو(یعنی بخل سے کام لیتا ہو)۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو نہ پایا تو ان کے بارے میں پوچھا؟ صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی کہ وہ بیمار ہیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب ان کے پاس پہنچے تو ارشاد فرمایا: اے کعب! تمہیں خوشخبری ہو۔ یہ سن کر ان کی والِدہ نے کہا: اے کعب! تمہیں جنت مبارک ہو۔ رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ پر حکم لگانے والی کون ہے؟ حضرت کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! یہ میری والِدہ ہیں۔ ارشاد فرمایا: اے کعب کی والدہ! تمہیں کیسے معلوم ہوا(کہ یہ جنّتی ہے)ہو سکتا ہے کہ اس نے لایعنی(یعنی بے فائدہ) گفتگو کی ہو اور ایسی چیز سے منع کیا ہو جس کی اسے حاجت نہ ہو۔[2]

مطلب یہ ہے کہ جنت کی مبارک باد کا مُستَحِق وہ ہے جس سے حساب نہیں لیا جائے گا اور جس نے بے فائدہ گفتگو کی ہو گی اس سے تو حساب لیا جائے گا اگرچہ اس کا کلام مُباح و جائز ہو اور حساب میں اگر سختی کی گئی تو یہ عذاب کی ایک قسم ہے۔

جَنّتی شخص:

حضرت سیِّدُنا محمد بن کعب عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دوعالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک مرتبہ (ایک دروازے کی طرف اشارہ کرکے) ارشاد فرمایا: "جو سب سے پہلے اس دروازے سے داخل ہو گا وہ جنتی ہے۔" حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سب سے پہلے اس دروازے سے داخل ہوئے۔ یہ دیکھ کر کچھ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان ان کے پاس گئے اور جو کچھ سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کے متعلق فرمایا تھا اس کی خبر دی اور ان سے کہا کہ آپ ہمیں اپنے اندر ایسے

---

1 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، باب النھی عن الکلام فیما لا یعنیک، ۷/ ۸۵، حدیث: ۱۰۹

2 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۸۶، حدیث: ۱۱۰

مضبوط عمل کے بارے میں بتائیے جس کے سبب آپ کو (جنت میں جانے کی) امید ہے؟ فرمایا: میں تو ایک کمزور شخص ہوں اور مجھے اگر کسی عمل کے سبب (جنت میں جانے کی) امید ہے تو وہ میرے سینے کی (حسد وکینہ وغیرہ سے) سلامتی اور بے فائدہ گفتگو کو چھوڑ دینا ہے۔[1]

بدن پر ہلکے اور میزان میں بھاری اعمال:

حضرت سیِّدُنا ابو ذر غِفّاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو بدن پر ہلکا اور میزان میں بھاری ہو؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ ارشاد فرمایا: وہ خاموشی، حُسْنِ اَخلاق اور بے فائدہ گفتگو کو چھوڑ دینا ہے۔[2]

پانچ نصیحتیں:

حضرت امام مجاہد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَاحِد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو یہ فرماتے سنا کہ پانچ چیزیں مجھے سُواری کے لئے تیار بہترین سیاہ گھوڑوں سے زیادہ محبوب ہیں:

(1)... بے فائدہ گفتگو مت کرو کیونکہ یہ فُضُول ہے اور میں تمہارے گناہ میں پڑنے سے بے خوف نہیں ہوں اور مُفید کلام بھی بے مَحل نہ کرو کیونکہ بہت سے مفید کلام کرنے والے بھی بے موقع مفید کلام کر بیٹھتے ہیں اور یوں مشقت میں پڑ جاتے ہیں۔

(2)... کسی حلیم وبُردبار اور بے عقل وبے وقوف شخص سے بحث مت کرو کیونکہ بردبار تم سے دلی طور پر بُغض رکھے گا اور بے وقوف تم کو (اپنی زبان سے) اَذِیَّت پہنچائے گا۔

(3)... اپنے بھائی کا ذکر اس کے پیٹھ پیچھے اس طرح کرو جس طرح کا ذکر اس کی طرف سے تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اور ان باتوں میں اس کو معاف کر دو جن کے بارے میں تم چاہتے ہو کہ وہ تمہیں معاف کر دے۔

(4)... اپنے بھائی کے ساتھ ایسا معاملہ کرو جیسا تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ کرے۔

(5)... اس شخص کی طرح عمل کرو جسے یقین ہو کہ نیکی پر اسے جزا دی جائے گی اور گناہ پر اس کی پکڑ ہو گی۔

---

1 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۸۶، حدیث: ۱۱۱

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۸۷، حدیث: ۱۱۲

سیِّدُنا لقمان حکیم رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی حکمت:

حضرت سیِّدُنا لُقمان حکیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے عرض کی گئی: آپ کی حکمت کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: جس چیز کی مجھے ضرورت نہیں ہوتی اس کے بارے میں سوال نہیں کرتا اور جو چیز مجھے فائدہ نہیں دیتی اس میں نہیں پڑتا۔

20سال سے ایک چیز کی طلب:

حضرت سیِّدُنا مُوَرِّق عِجلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: میں بیس سال سے ایک چیز کی طلب میں ہوں مگر میں اس پر قادر نہیں ہو سکا لیکن میں نے اس کی طلب بھی نہیں چھوڑی ہے۔ لوگوں نے عرض کی: وہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: بے فائدہ باتوں سے خاموشی۔

فاجر کے پاس نہ بیٹھو:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: بے فائدہ کام میں مت پڑو، اپنے دشمن سے علیحدہ رہو اور اپنے دوست سے بھی ڈرتے رہو البتہ یہ کہ وہ امین ہو اور امین صرف وہی ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتا ہے اور فاجِر کے پاس نہ بیٹھو کیونکہ اس سے گناہ ہی سیکھو گے اور اس کو اپنے راز پر مطلع نہ کرو اور اپنے معاملے میں ان لوگوں سے مشورہ کرو جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتے ہیں۔

بے فائدہ گفتگو کی تعریف:

بے فائدہ گفتگو کی تعریف یہ ہے کہ تمہارا ایسا کلام کرنا کہ اگر اس سے رک جاتے تو گناہ گار نہ ہوتے اور نہ ہی فی الحال یا آیندہ کوئی نقصان ہوتا۔ مثلاً تم کسی مجلس میں لوگوں کے سامنے اپنے سفر کا ذکر کرو اور اس میں جو پہاڑ اور نہریں دیکھیں اور جو واقعات تمہارے ساتھ پیش آئے انہیں بیان کرو نیز جو کھانے اور کپڑے تمہیں اچھے لگے انہیں اور مختلف شہروں کے مشائخ کی تعجب خیز باتیں اور ان کے تعجب انگیز واقعات ذکر کرو۔ تو یہ وہ امور ہیں کہ اگر تم انہیں بیان نہ بھی کرتے تب بھی گنہگار نہ ہوتے اور نہ ہی کوئی نقصان اٹھاتے۔ پھر اگرچہ تم اس بات کی بھرپور کوشش کرو کہ واقعہ بیان کرنے میں کوئی کمی بیشی نہ ہو جائے اور نہ ہی اس میں تزکیۂ نفس ہو کہ ان عظیم واقعات کے مشاہدے پر فخر کرو اور نہ اس میں کسی کی غیبت اور نہ مخلوقِ خُدا کی مذمّت ہو، ان ساری

احتیاطوں کے باوجود بھی تم اپنا وقت برباد کرنے والے ہوگے اور ہماری ذکر کردہ آفات سے نہیں بچ سکو گے۔

غیر ضروری سوال کرنے کی آفتیں:

بے فائدہ گفتگو میں سے تمہارا دوسرے سے غیر ضروری چیز کے بارے میں سوال کرنا بھی ہے اور اس طرح کا سوال کر کے تم اپنا بھی وقت ضائع کروگے اور دوسرے کو بھی جواب دینے کے ذریعے وقت ضائع کرنے پر مجبور کردو گے اور یہ بھی اس وقت ہے جب سوال کرنے میں کوئی آفت نہ ہو ورنہ اکثر سوالات میں عموماً آفات ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر تم کسی سے اس کی عبادت کے بارے میں سوال کرتے ہوئے پوچھو کہ "کیا تم روزہ دار ہو؟" اگر اس نے ہاں میں جواب دیا تو وہ اپنی عبادت کا اظہار کرنے والا ہوا اور یوں وہ ریاکاری میں پڑ سکتا ہے۔ اگر وہ ریاکاری میں نہ بھی پڑے تب بھی اس کی عبادت پوشیدہ عبادت کے رجسٹر سے خارج ہو جائے گی اور پوشیدہ عبادت، علانیہ عبادت سے کئی درجے فضیلت رکھتی ہے اور اگر وہ کہتا ہے کہ "نہیں" تو وہ جھوٹ بولنے والا ہوگا اور اگر وہ خاموش رہے تو وہ تمہیں حقیر سمجھنے والا ہوا اور اس سبب سے تم اذیت اٹھاؤ گے اور اگر وہ جواب دینے میں ٹال مٹول سے کام لے تو اسے مشقت اٹھانی پڑے گی تو تم ایک سوال کے سبب اسے ریاکاری یا جھوٹ بولنے یا حقیر جاننے یا جواب کو ٹالنے کی زد میں لے آئے۔

ایسے ہی تمہارا اس کی دیگر عبادات کے بارے میں سوال کرنا ہے اور اسی طرح گناہ اور ہر اس چیز کے بارے میں سوال کرنا ہے جسے وہ لوگوں سے چھپاتا اور اسے بتانے سے شرماتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی دوسرے سے گفتگو کر رہا ہو اور بعد از گفتگو تم اس سے پوچھو کہ "تم کیا کہہ رہے تھے اور کس بارے میں بات کر رہے تھے؟" اور ایسے ہی راستے میں تم کسی شخص کو دیکھ کر اس سے دریافت کرو کہ "تم کہاں سے آرہے ہو؟" تو بعض اوقات کوئی ایسی رکاوٹ حائل ہوتی ہے جو اس کو بتانے سے روکتی ہے اور اگر بیان کر دیتا ہے تو اسے اذیت ہوتی ہے اور شرم آتی ہے اور اگر وہ سچ نہیں بولتا تو جھوٹ میں جا پڑتا ہے جس کا سبب تم بنتے ہو۔ ایسے ہی تم کوئی ایسا مسئلہ پوچھو جس کی تمہیں حاجت نہ ہو اور جس سے سوال کیا گیا ہوتا ہے بعض اوقات اس کا نفس لَا اَدْرِی (یعنی میں نہیں جانتا) کہنے پر راضی نہیں ہوتا اور یوں وہ بغیر علم و بصیرت کے جواب دے دیتا ہے۔

بے فائدہ گفتگو سے میری مراد اس قسم کے سوالات نہیں کیونکہ ان سے تو گناہ یا ضرر پہنچتا ہے۔ بے فائدہ

گفتگو کی مثال وہ روایت ہے جو حضرت سیِّدُنا لُقمان حکیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے متعلق منقول ہے۔ چنانچہ

حکایت: خاموشی حکمت ہے

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا لُقمان حکیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ عَلَیْہِ السَّلَام زرہ بنا رہے تھے اور چونکہ آپ نے اس سے پہلے زرہ نہیں دیکھی تھی اس لئے اسے دیکھ کر تعجب کرنے لگے اور اس بارے میں سوال کرنا چاہا تو حکمت کے سبب سوال کرنے سے باز رہے۔ جب حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام زرہ بنانے سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور اسے پہن کر ارشاد فرمایا: جنگ کیلئے زرہ کیا ہی اچھی چیز ہے۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا لُقمان حکیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے کہا: خاموشی حکمت ہے مگر اس کو اختیار کرنے والے کم ہیں۔ یعنی سوال کے بغیر ہی اس کے متعلق علم ہو گیا اور سوال کی حاجت نہ رہی۔

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا لُقمان حکیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ایک سال تک حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام کی بارگاہ میں اس ارادے سے حاضر ہوتے رہے کہ انہیں زرہ کے بارے میں بغیر سوال کئے معلوم ہو جائے۔

یہ اور اس طرح کے سوالات میں جب ضرر اور پردہ دری نہ ہو نیز ریاکاری اور جھوٹ میں مبتلا ہونا نہ پایا جائے تو یہ بے فائدہ گفتگو ہے اور اسے چھوڑ دینا اسلام کی خوبی سے ہے۔ یہ بے فائدہ گفتگو کی تعریف تھی۔

بے فائدہ گفتگو کے اسباب اور ان کا علاج:

بے فائدہ گفتگو کا سبب جو اس پر ابھارتا ہے وہ یا تو ان باتوں کو جاننے کی حرص ہے جن کی اسے کوئی حاجت نہیں یا کسی سے محبت اور دوستی کے تعلق کی بنا پر کلام کو پھیلانا ہے یا بے فائدہ احوال کو بیان کرنے میں وقت گزارنا اس کا سبب ہے۔ ان سب کا علاج اس بات کا یقین رکھنا ہے کہ موت اس کے سامنے ہے اور اس سے ہر لفظ کے متعلق سوال کیا جائے گا اور اس کا سانس اس کا سرمایہ ہے نیز یہ ایسا سرمایہ ہے جس کے ذریعے وہ حُورِ عین کو حاصل کر سکتا ہے، لہٰذا اس سے غفلت برتنا اور اس کو ضائع کرنا کھلا نقصان ہے۔ یہ تو علم کے اعتبار سے علاج تھا اور عمل کے اعتبار سے علاج یہ ہے کہ وہ گوشہ نشینی اختیار کرے یا اپنے منہ میں کنکری رکھے اور اس کے ذریعے خود کو بعض مفید باتوں سے بھی خاموش رہنے کا پابند کرے تاکہ زبان بے فائدہ باتوں کو چھوڑنے کی عادی

ہو جائے مگر گوشہ نشینی اختیار نہ کرنے والے کے لئے ایسی باتوں سے زبان کو بچانا بہت مشکل ہوتا ہے۔

آفت نمبر2: **فضول کلام**

یہ بھی قابل مذمت ہے اوراس میں بے فائدہ کلام بھی شامل ہے اور وہ کلام بھی جو مفید تو ہو لیکن حاجت سے زائد ہو کیونکہ مفید کام کو مختصر گفتگو کے ذریعے بھی ذکر کرنا ممکن ہے اور بڑھاچڑھا کر اور تکرار کے ساتھ بھی ذکر کرنا ممکن ہے۔ جب ایک کَلِمہ کے ذریعے اپنے مقصود کو ادا کر سکتا ہے لیکن اس کے باوجود دو کلمے کہتا ہے تو دوسرا کلمہ فضول یعنی حاجت سے زائد ہو گا اور یہ بھی مذموم ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا اگرچہ اس میں کوئی گناہ اور ضرر نہ ہو۔

بُزرگانِ دِین کا اَنداز:

حضرت سیِّدُنا عطاء بن اَبی رَباح رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: تم سے پہلے کے لوگ فضول کلام ناپسند کرتے تھے اور ان کے نزدیک قرآن وسنت، نیکی کی دعوت دینے، برائی سے منع کرنے اور دنیاوی زندگی کی ضرورت کے علاوہ ہر کلام فضول تھا، کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ بے شک تم پر کچھ معزّز لکھنے والے نگہبان ہیں جن میں ایک داہنے بیٹھا اور ایک بائیں، کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے حیا نہیں کرتا کہ جب اس کا نامۂ اعمال کھولا جائے کہ جسے اس نے اپنے دن کی ابتدا ہی میں بھر دیا تھا تو اس میں اکثر وہ باتیں ہوں جن کا دین و دنیا سے کوئی تعلق نہ ہو۔

کہیں یہ فضول کلام نہ ہو:

ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ارشاد فرماتے ہیں: ایک شخص مجھ سے کوئی بات کرتا ہے تو اس کا جواب دینا مجھے اتنا زیادہ مرغوب و پسندیدہ ہوتا ہے جتنا ایک پیاسے شخص کو ٹھنڈا پانی بھی نہیں ہوتا لیکن میں اس خوف سے اس کا جواب نہیں دیتا کہ کہیں یہ فضول کلام نہ ہو۔

شانِ الٰہی کی تعظیم:

حضرت سیِّدُنا مُطَرِّف رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: تمہارے دلوں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظمت و جلالت

بہت زیادہ ہونی چاہئے، لہٰذا تم اس کا ذکر یوں نہ کرو مثلاً تم اپنے کتے یا گدھے کے لئے کہو "اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اسے برباد کردے۔" اور اس جیسے دوسرے جملوں سے بھی بچو۔

فضول کلام کا اِحاطہ نہیں کیا جاسکتا:

یاد رکھئے! فضول کلام کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا البتہ ضروری گفتگو قرآن کریم میں محصور ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِؕ (پ۵، النساء: ۱۱۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اُن کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں صلح کرنے کا۔

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اس شخص کیلئے خوشخبری ہے جو اپنی زبان کی زائد گفتگو کو روک لے اور اپنا زائد مال خرچ کردے۔[1]

لیکن افسوس لوگوں نے معاملے کو کیسے تبدیل کردیا کہ زائد مال کو روک لیتے ہیں اور زبان کو فضول گفتگو کے معاملے میں آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔

شیطان تمہیں جال میں نہ پھنسالے:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن شِخِّیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں بنو عامر کے چند لوگوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، ان لوگوں نے کہا: آپ ہمارے والد ہیں، ہمارے سردار ہیں، ہم میں سب سے افضل ہیں، سب سے زیادہ کرم و مہربانی فرمانے والے ہیں، اور انتہائی مہمان نواز ہیں آپ ایسے ہیں، آپ ویسے ہیں۔ ارشاد فرمایا: تم اپنی بات کہو، کہیں شیطان تمہیں جال میں نہ پھنسالے۔[2]

اس حدیث پاک میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب زبان کسی کی تعریف کیلئے کھلتی ہے، اگرچہ تعریف سچی ہو لیکن یہ خوف ہونا چاہئے کہ شیطان بے ضرورت زائد کلام نکلوا کر اپنے جال میں نہ پھنسالے۔

---

1 ...السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الزکاۃ، باب ما ورد فی حقوق المال، ۴/ ۳۰۶، حدیث: ۷۷۸۳ بتغیر

2 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی کراھیۃ التمادح، ۴/ ۳۳۴، حدیث: ۴۸۰۶

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں تمہیں تمہارے فضول کلام سے ڈراتا ہوں اور آدمی کے لئے اتنا کلام کافی ہے جو اس کی ضرورت کو پورا کر دے۔

بچوں کو بہلاتے ہوئے جھوٹ بولنا:

حضرت سیِّدُنا امام مجاہد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَاحِد فرماتے ہیں: گفتگو لکھی جاتی ہے حتّٰی کہ ایک شخص اپنے بیٹے کو چپ کرانے کے لئے کہتا ہے: میں تمہارے لئے فلاں فلاں چیزیں خریدوں گا (حالانکہ خریدنے کی نیت نہیں ہوتی) تو اسے جھوٹا لکھا جاتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے ارشاد فرمایا: اے ابنِ آدم! تیرا نامۂ اعمال کھول دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ دو معزز فرشتے مقرر کر دیے گئے ہیں، اب تیرا جو جی چاہے عمل کر خواہ تھوڑا کر یا زیادہ۔

ملائکہ لوگوں کی گفتگو لکھ رہے ہیں:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے عِفْرِیت (یعنی ایک طاقتور جن) کو بھیجا اور (اس کے پیچھے) کچھ لوگوں کو بھیجا تاکہ وہ دیکھیں کہ یہ کیا کہتا ہے اور آپ کو آکر خبر دیں۔ چنانچہ انہوں نے بتایا کہ یہ ایک بازار سے گزرا تو اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا پھر لوگوں کی طرف دیکھا اور اپنا سر ہلانے لگا۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے جن سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: مجھے ان فرشتوں پر تعجب ہوا جو انسانوں کے سروں پر ہیں کہ وہ کس قدر جلدی لکھتے ہیں اور جو ان کے نیچے لوگ ہیں ان پر بھی تعجب ہوا کہ وہ کس قدر جلدی لکھواتے ہیں (یعنی مجھے لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ کلام کرنا نہیں چھوڑتے حالانکہ ملائکہ ان کے کلام کو لکھ رہے ہیں)۔

مومن کا کلام:

حضرت سیِّدُنا ابراہیم تیمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: مومن جب بات کرنا چاہتا ہے تو غور کرتا ہے، اگر فائدہ ہو تو کرتا ہے ورنہ خاموش رہتا ہے اور فاجر بلا توقف بے سوچے سمجھے کلام کرتا چلا جاتا ہے۔

زیادہ گفتگو کرنے والا زیادہ جھوٹ بولتا ہے:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: جس کی گفتگو زیادہ ہو اس کا جھوٹ بھی زیادہ ہوتا

ہے اور جس کا مال زیادہ ہو اس کے گناہ بھی زیادہ ہوتے ہیں اور جو بد اَخلاق ہو گا وہ خود کو تکلیف پہنچائے گا۔

فضول گوئی کی مذمت:

حضرت سیِّدُنا عَمْرو بن دِینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق فرماتے ہیں: ایک شخص نے مکی مدنی سلطان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے پاس کثیر گفتگو کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: تمہاری زبان کے آگے کتنے پردے ہیں؟ اس نے عرض کی: میرے دو ہونٹ اور دانت ہیں۔ ارشاد فرمایا: کیا ان میں سے کوئی تمہیں باتوں سے نہیں روک سکتا؟[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ بات اس شخص سے ارشاد فرمائی جس نے آپ کی تعریف میں طویل گفتگو کی تھی پھر آپ نے (مزید) ارشاد فرمایا: کسی شخص کو زبان کی فضول گفتگو سے بڑھ کر بری چیز نہیں دی گئی۔[2]

حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز فرماتے ہیں: فخر و مُباہات کا خوف مجھے زیادہ کلام کرنے سے روکتا ہے۔

ایک دانا کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مجلس میں ہو اور اسے گفتگو کرنا اچھا لگے تو خاموش رہے اور اگر وہ خاموشی کو پسند کرے تو کلام کرے۔

عالم کا فتنہ:

حضرت سیِّدُنا یزید بن حبیب عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّقِیْب فرماتے ہیں: عالم کے فتنے میں سے یہ بھی ہے کہ اسے بولنا سننے سے زیادہ پسند ہو حالانکہ اس بات کے لئے کوئی دوسرا بھی موجود ہے کیونکہ سننے میں سلامتی ہے اور بولنے میں ریاکاری اور کمی بیشی کا خطرہ ہے۔

پاک کئے جانے کی سب سے زیادہ مستحق:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: آدمی جن چیزوں کو پاک کرتا ہے ان میں سب زیادہ پاک کئے جانے کی حقدار اس کی زبان ہے۔

---

1 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۷۸، حدیث: ۹۳

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۷۸، حدیث: ۹۴

گونگی ہوتی تو بہتر تھا:

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک زبان دراز عورت کو دیکھ کر فرمایا: اگر یہ گونگی ہوتی تو اس کے لئے بہتر تھا۔

ہلاک کرنے والی چیزیں:

حضرت سیِّدُنا ابراہیم نَخَعِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: لوگوں کو دو باتیں ہلاک کرتی ہیں: زائد مال اور فضول کلام۔

تو یہ فضول کلام اور زیادہ بولنے کی مذمت تھی اور اس پر ابھارنے والا سبب اور اس کا علاج وہی ہے جو بے فائدہ گفتگو کی آفت میں گزر چکا۔

آفت نمبر3:

باطل میں مشغول ہونا

باطل میں مشغول ہونا یہ ہے کہ گناہوں کے بارے میں گفتگو کی جائے جیسے عورتوں اور شراب اور فاسقوں کی مجالس کے حالات بیان کرنا، مال داروں کی عَیَّاشیوں کا ذکر کرنا اور بادشاہوں کے تکبُّر، ان کے مذموم طرزِ عمل اور ان کے شرعاً ناپسندیدہ اَحوال کو بیان کرنا۔ ان تمام کاموں میں مشغول ہونا حلال نہیں بلکہ حرام ہے۔ رہا بے فائدہ گفتگو کرنا یا مفید بات بھی زیادہ کرنا تو یہ حرام نہیں ہے البتہ اسے ترک کر دینا بہتر ہے مگر جو بے فائدہ گفتگو کثرت سے کرے گا وہ باطل میں پڑنے سے نہیں بچ سکے گا اور اکثر لوگ باہم مل کر اس لئے بیٹھتے ہیں تاکہ گفتگو کے ذریعے فرحت حاصل کریں اور ان کی گفتگو لوگوں کی غیبت سے لطف اندوز ہونے یا باطل میں پڑنے سے آگے نہیں بڑھتی (اسی کے اندر گھومتی رہتی ہے) اور باطل کی قسموں کو ان کے کثیر اور مختلف ہونے کی وجہ سے شمار نہیں کیا جا سکتا لہٰذا ان سے چھٹکارا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ دین و دنیا کی اہم اور ضروری گفتگو پر اکتفا کیا جائے اور اس جنس (یعنی باطل گفتگو) میں کچھ کلمات ایسے نکل جاتے ہیں جو بولنے والے کو ہلاک کر دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں معمولی سمجھ رہا ہوتا ہے۔

ایک کَلِمہ کے سبَب ناراضی:

حضرت سیِّدُنا بلال بن حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ نبیوں کے سلطان، سرورِ ذیشان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ایک شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رِضا پر مَبْنِی ایک ایسا کلمہ کہتا ہے جس کے بارے میں اسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رِضا تک پہنچا دے گا لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے سبب قیامت تک اپنی رضا لکھ دیتا ہے اور ایک شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ناراض کرنے والا کلمہ کہتا ہے اور اسے یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی تک پہنچا دے گا مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی وجہ سے اس کے لئے قیامت تک اپنی ناراضی لکھ دیتا ہے۔[1]

حضرت سیِّدُنا عَلْقَمہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: کتنے ہی کلام ایسے ہیں جن سے مجھے حضرت بلال بن حارث رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی حدیث نے روک دیا۔

سرکارِ مدینہ، فیض گنجینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: آدمی اپنے ہم نشینوں کو ہنسانے کے لئے ایک کلمہ کہتا ہے لیکن اس کے سبب ثُرَیّا (ستارے کے فاصلے) سے بھی دور جا گرتا ہے۔[2]

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: آدمی ایک کلمہ کہتا ہے جس کو کہنے میں وہ کوئی حرج نہیں سمجھتا لیکن اس کی وجہ سے جَہَنَّم میں جا گرتا ہے، کوئی شخص ایک کلمہ کہتا ہے اور اسے معمولی سمجھتا ہے لیکن اس کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ جنت میں اس کے درجات بلند فرما دیتا ہے۔

بڑا خطا کار:

مصطفےٰ جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بروزِ قیامت لوگوں میں بڑا خطا کار وہ ہوگا جو باطل میں زیادہ مشغول رہا ہوگا۔[3]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان دو فرامین میں بھی اسی جانب اشارہ ہے:

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب فی قلۃ الکلام، ۴/ ۱۴۳، حدیث: ۲۳۲۶

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۶۹، حدیث: ۷۱

3 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۷۰، حدیث: ۷۴

﴿1﴾...

وَ كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآىٕضِیْنَ ۙ(۴۵) (پ۲۹، المدثر: ۴۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بے ہودہ فکریں کرتے تھے۔

﴿2﴾...

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ (پ۵، النساء: ۱۴۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو۔

حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ارشاد فرماتے ہیں: بروزِ قیامت ان لوگوں کے گناہ زیادہ ہوں گے جن کی اکثر باتیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی میں ہوں گی۔

حضرت سیِّدُنا امام اِبْنِ سِیْرِیْن عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْمُبِیْن فرماتے ہیں: انصار میں سے ایک شخص لوگوں کی مجلس سے گزرتا تو کہتا: وضو کرو کیونکہ تمہاری بعض گفتگو حَدَث (وضو توڑنے والی شے) سے زیادہ بری ہوتی ہیں۔

بدعات اور مذاہب فاسدہ کو بیان کرنا باطل میں مشغول ہونا ہے:

یہ باطل میں مشغول ہونے سے متعلق گفتگو تھی جبکہ غیبت، چغلی اور فُحش کلامی وغیرہ جن کا بیان آگے آئے گا ان میں مشغول ہونا اس کے علاوہ ہے۔ بلکہ یہ ان ممنوعات میں مشغول ہونا ہوا جو ہو چکیں یا پھر کسی دینی حاجت کے بغیر ان تک پہنچنے کی لئے فکر کرنا یہ تمام باطل ہے یونہی بدعات اور مذاہبِ فاسدہ کو بیان کرنے میں اور صحابہ کے مابین جنگوں کو اس طور پر بیان کرنے میں مشغول ہونا کہ بعض صحابۂ کرام پر طَعْن کا شبہ ہو، یہ بھی باطل میں مشغولیت کے اندر داخل ہے۔ ان میں سے ہر ایک باطل ہے اور ان میں مشغول ہونا باطل میں مشغول ہونا ہے۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے لُطف و کَرَم سے بہترین مدد فرمائے۔

آفت نمبر4:

مِراء و جِدال

اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ،

مِراء و جِدال کے متعلق سات فرامین مصطفےٰ:

﴿1﴾... اپنے مسلمان بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور نہ اس سے ایسا مذاق کرو (جس سے اسے اذیت پہنچے) اور اس

سے وعدہ کرکے اس کی خلاف ورزی نہ کرو۔[1]

﴿2﴾... جھگڑا چھوڑ دو کیونکہ اس کی حکمت سمجھ سے بالاتر ہے اور اس کے فتنے سے امان نہیں ہے۔[2]

﴿3﴾... جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے اس کے لئے جنت کے اعلیٰ درجے میں گھر بنایا جائے گا اور جو باطل پر ہو کر جھگڑا چھوڑ دے اس کے لئے جنت کے کناروں میں گھر بنایا جائے گا۔[3]

﴿4﴾... میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ نے بت پرستی اور شراب نوشی سے بچے رہنے کا حکم دینے کے بعد سب سے پہلا عہد جو مجھ سے لیا وہ لوگوں سے بحث و جھگڑا نہ کرنا ہے۔[4]

﴿5﴾... کوئی قوم ہدایت پر رہنے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر جھگڑوں کے سبب۔[5]

﴿6﴾... بندہ ایمان کی حقیقت میں اس وقت تک کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا نہ چھوڑ دے۔[6]

﴿7﴾... چھ چیزیں جس شخص کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی حقیقت کو پالے گا: (۱)... گرمیوں میں روزے رکھنا (۲)... دشمنانِ خُدا کے ساتھ تلوار (یعنی اسلحے) سے جنگ کرنا (۳)... بارش و گھٹا والے دن نماز میں جلدی کرنا (۴)... مصیبتوں پر صبر کرنا (۵)... مشقت (یعنی ٹھنڈک کی شدت وغیرہ) کے باوجود کامل وضو کرنا اور (۶)... حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا نہ کرنا۔[7]

مراء وجِدال کے متعلق 11 اقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا زبیر بن عوّام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے بیٹے سے ارشاد فرمایا: قرآن کے ذریعے لوگوں

[1]... سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی المراء، ۳/ ۴۰۰، حدیث: ۲۰۰۲

[2]... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۹۴، حدیث: ۱۲۷ موقوفاً علی ابن مسعود

[3]... جامع الاصول، الکتاب الثانی من حرف الجیم، ۲/ ۵۲۳، حدیث: ۱۲۵۷ بتغیر قلیل

سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی المراء، ۳/ ۴۰۰، حدیث: ۲۰۰۰ الحق بدله الکذب

[4]... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۹۸، حدیث: ۱۳۴

[5]... سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورة الزخرف، ۵/ ۱۷۰، حدیث: ۳۲۶۴

[6]... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۰۱، حدیث: ۱۳۹

[7]... شعب الایمان، باب فی الطہارات، ۳/ ۲۱، حدیث: ۲۷۵۵ بتغیر

سے بحث نہ کرنا کیونکہ تم ان کو نہیں پہنچ سکو گے البتہ تم پر سنت لازم ہے (اس کے ذریعے ان سے گفتگو کرنا)۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْعَزِیْز فرماتے ہیں: جو اپنے دین کو جھگڑوں کے لئے نشانہ بناتا ہے وہ اکثر بدلتا رہتا ہے۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا مسلم بن یَسار عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: جھگڑا کرنے سے بچو کیونکہ یہ عالِم کی جہالت کا وقت ہے اور اس وقت شیطان اس کی لغزش کے درپے ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ کوئی قوم ہدایت ملنے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر جھگڑوں کے سبب۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا امام مالک بن انس رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: جھگڑے کا دین سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ نیز آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جھگڑا دلوں کو سخت کر دیتا ہے اور کینہ پیدا کرتا ہے۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا لقمان حکیم رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے اپنے بیٹے کو فرمایا: علما سے مت جھگڑنا ورنہ ان کے دلوں میں تمہارے لئے نفرت پیدا ہو جائے گی۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا بلال بن سعد عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْاَحَد فرماتے ہیں: جب تم کسی شخص کو بحث کرنے والا، جھگڑا کرنے والا اور اپنی رائے کو پسند کرنے والا دیکھو تو جان لو کہ وہ مکمل خسارے میں ہے۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی فرماتے ہیں: اگر میں اپنے بھائی سے انار کے متعلق جھگڑا کروں، وہ کہے کہ میٹھا ہے اور میں کہوں کہ کھٹا ہے تو وہ ضرور مجھے بادشاہ کے پاس لے جائے گا۔

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جس سے چاہو خالص دوستی اور تعلق رکھ لو پھر جھگڑے کے ذریعے ایک مرتبہ اسے غصہ دلاؤ تو وہ تمہیں ایسی آفت و مصیبت میں پھینک دے گا جو تمہیں مَعِیْشَت (یعنی گزر بسر کے سامان) سے بھی محروم کر دے گی۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: میں اپنے صاحب سے جھگڑا نہیں کرتا کیونکہ یا تو میں اس کو جھٹلاؤں گا یا غصہ دلاؤں گا۔

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا ابو دَرداء رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه فرماتے ہیں: تمہارے گناہ گار ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ تم ہمیشہ جھگڑا کرتے رہو۔

جھگڑے کا کفّارہ:

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ہر جھگڑے کا کفارہ دو رکعتیں ہیں۔ [1]

تین باتوں کے لئے علم نہ سیکھو:

﴿10﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ارشاد فرمایا: تین باتوں کے لئے علم حاصل نہ کرو (۱)... جھگڑا کرنے کے لئے (۲)... فخر کرنے کے لئے (۳)... دکھاوے کے لئے اور تین باتوں کی وجہ سے علم کو نہ چھوڑو (۱)... اس کی طلب میں حیا کی وجہ سے (۲)... اس سے بے رغبتی کی وجہ سے اور (۳)... جہالت پر راضی رہنے کی وجہ سے۔

سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے اَقوال:

حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: جو زیادہ جھوٹ بولتا ہے وہ بے رونق ہو جاتا ہے۔ جو جھگڑا کرتا ہے اس کے اندر مُرُوَّت ختم ہو جاتی ہے، جس کی فکریں زیادہ ہوتی ہیں اس کا جسم بیمار ہو جاتا ہے اور جس کے اخلاق برے ہوتے ہیں وہ خود کو تکلیف پہنچاتا ہے۔

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا میمون بن مہران عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان سے عرض کی گئی: کیا وجہ ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود آپ کا بھائی آپ کو نہیں چھوڑتا؟ فرمایا: کیونکہ میں نہ تو اس سے جھگڑا کرتا ہوں اور نہ ہی اس کی مُخالَفت کرتا ہوں۔ بہر حال بحث ومُباحثہ اور جھگڑے کی مذمت میں بہت کچھ وارد ہوا ہے۔

مِراء کی تعریف:

مِراء کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص پر اس کے کلام میں عیب ظاہر کرکے اعتراض کیا جائے خواہ یہ اعتراض صاحبِ کلام کے الفاظ، معنٰی یا اس کے قصد میں ہو۔ انکار اور اعتراض کرنا چھوڑ دیا جائے تو مراء سے بھی جان چھوٹ جائے گی لہٰذا جو کلام بھی تم سنو اگر وہ حق ہو تو اس کی تصدیق کرو اور اگر وہ باطل یا جھوٹ ہو اور اس کا تعلق دینی امور سے نہ ہو تو اس سے خاموشی اختیار کرو۔

[1] ... المعجم الکبیر، ۸/ ۱۴۹، حدیث: ۷۶۵۱

الفاظ میں عیب ظاہر کر کے اعتراض کرنے کی صورت یہ ہے کہ نَحْوِی، لُغَوِی اور عَرَبی انداز تَکَلُّم کے اعتبار سے اس کی غَلَطِی نکالی جائے یا مُقَدَّم کو مُؤَخَّر اور موٴخر کو مقدم کرنے کے سبب کلام کے نظم و ترتیب بگڑنے کی وجہ سے اس کی غلطی نکالی جائے۔ کلام میں اس طرح کی غَلَطِیاں کبھی تو علم کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہیں یا زبان کی لغزش کے سبب۔ اَلْغَرَض غَلَطی کسی بھی سبب سے ہو اس پر اعتراض کا جواز نہیں۔

معنٰی میں عیب ظاہر کر کے اعتراض کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی کہے: بات ویسے نہیں ہے جیسے تم کہہ رہے ہو اور تم نے اس میں فلاں فلاں وجہ سے غلطی کی ہے۔

قصد کی صورت یہ ہے کہ مثلاً: کوئی کہے: یہ کلام حق ہے لیکن اس سے تمہارا مقصود حق نہیں ہے بلکہ اس میں تمہاری کوئی غرض ہے۔ یا پھر اس سے ملتی جلتی کوئی بات کہے۔

اگر یہ معاملہ کسی علمی مسئلہ میں درپیش ہو تو بعض اوقات اسے جدل کا نام دیا جاتا ہے اور یہ بھی قابل مذمت ہے، لہٰذا ان مَواقِع پر خاموش رہنا واجب ہے۔ البتہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے سوال کرنا جبکہ دل میں بغض و عناد اور دوسرے پر اعتراض کرنا نہ ہو یا نرمی سے آگاہ کرنا مقصود ہو طنز نہ ہو تو اس میں مضائقہ نہیں۔

مُجادَلہ کی تعریف:

مجادلہ (یا جِدال) سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کے کلام میں اعتراض کر کے اس کی اہمیت گھٹانے، اسے عاجز و بے بس کرنے اور لاجواب و ساکت کرنے کا ارادہ کرنا اور اسے کم علم اور جاہل قرار دینا۔

مجادَلہ کی علامت اور اس سے بچنے کا طریقہ:

مجادلہ کی علامت یہ ہے کہ اس طریقے کو چھوڑ کر دوسرے طریقے سے اسے حق بات بتانا ناپسند ہو بلکہ اسے یہ پسند ہو کہ وہ اس کی خطا کو ظاہر کرے تاکہ اس طریقے پر وہ اپنی فضیلت اور دوسرے کی خامی کو واضح کرے۔ اس سے نجات کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ ہر اس بات سے خاموشی اختیار کرے جس کو نہ کہنے سے وہ گناہ گار نہ ہو۔

مجادَلہ کا سبب:

اس کا سبب علم و فضل کے اظہار کے ذریعے اپنی برتری جتانا اور دوسرے کی خامی کو ظاہر کر کے اس پر

چڑھائی کرنا ہے۔ یہ دونوں نفس کی ایسی باطنی خواہشات ہیں جو اس کی تقویت کا باعث ہیں۔ اپنی فضیلت کا اظہار خود کو پاک صاف بتانے کے قبیل سے ہے اور یہ چیز بندے میں موجود بلندی اور بڑائی کی خواہش سے جنم لیتی ہے حالانکہ یہ بلندی و بڑائی رَبُوبیّت کی صفات میں سے ہیں۔ جہاں تک دوسرے کی تنقیص کا تعلُّق ہے تو یہ صِفَتِ درندگی کے سبَب ہوتا ہے کیونکہ یہ صفت دوسرے کی آبروریزی، اسے کمزور کرنے، اسے اَذِیَّت پہنچانے کا تقاضا کرتی ہے اور یہ دونوں صفتیں (یعنی اپنی فضیلت کا اظہار اور دوسرے کی تنقیص) مذموم اور ہلاک کرنے والی ہیں اور ان دونوں کی قوّت کا باعث صرف مِراء اور جِدال ہے تو جو شخص مراء اور جدال میں لگا رہتا ہے وہ ان مُہلِک صِفات کو تَقْوِیَت پہنچاتا ہے اور یہ مکروہ سے آگے بڑھنا ہے بلکہ گناہ ہے جبکہ اس میں دوسروں کو اَذِیَّت پہنچانا بھی ہو کیونکہ مراء دوسرے کو ایذا اور غصہ دلائے بغیر اور اسے اس بات پر ابھارے بغیر نہیں ہو سکتا کہ وہ پلٹ کر اپنے کلام کی تائید میں جس قدر اس کے لئے ممکن ہو، دلائل لائے خواہ وہ حق ہوں یا باطل اور مخالف کے کلام میں جو خرابی اس کی سمجھ میں آئے اس کے ذریعے اس پر اعتراض کرے ۔چنانچہ دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان اس طرح جنگ چھڑ جاتی ہے جیسے دو کتے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کو لاجواب کرنے اور اس کا منہ بند کرنے کے لئے زیادہ غالب اور مضبوط دلیل کے ساتھ اس کی پکڑ کرے۔

مجادلہ کا علاج:

اس کا علاج یہ ہے کہ وہ اپنے اندر سے تکبُّر کو دور کر دے جو اسے اپنی فضیلت کے اظہار پر ابھارتا ہے اور اس صفت درندگی کو ختم کر دے جو اسے دوسرے کی تنقیص پر اکساتی ہے جیسا کہ عنقریب اس کے متعلق "تکبر اور عُجب کی مَذمَّت" اور "غضب کی مذمت" کے بیان میں آئے گا، کیونکہ ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کو دور کرنے سے ہوتا ہے اور مراء اور جِدال کا سبب وہ ہے جسے ہم ذکر کر چکے۔ پھر مُجادَلہ پر ہمیشگی اسے عادت اور فطرت بنا دیتی ہے حتّٰی کہ یہ نفس پر غالب آ جاتا ہے اور خود کو اس سے روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔

گوشہ نشینی کی وجہ:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا اِمام اَعظم اَبو حنیفہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے حضرت سیِّدُنا داؤد طائی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی

عَلَیْہ سے ارشاد فرمایا: آپ نے گوشہ نشینی کیوں اختیار کی؟ انہوں نے عرض کی: میں جِدال (یعنی جھگڑے) کو چھوڑ دینے کے ذریعے اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: مجالس میں حاضر ہوا کرو اور جو کہا جائے اسے سنا کرو اور کچھ بولا نہ کرو۔ انہوں نے عرض کی: میں نے اس طرح کیا ہے اور میں نے اپنے اوپر اس سے زیادہ سخت مجاہدہ نہیں دیکھا۔

بات بھی ایسے ہی ہے جیسے انہوں نے ارشاد فرمائی کیونکہ جو دوسرے سے خطا کو سنے اور خطا کو ظاہر کرنے پر قادر بھی ہو تو اس وقت اس کے لئے صبر کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو حق پر ہونے کے باوجود مراء (یعنی جھگڑے) کو ترک کر دے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کیلئے جنت کے اعلیٰ درجے میں گھر بنائے گا۔"[1] کیونکہ یہ نفس پر گراں ہوتا ہے اور اس کا غلبہ اکثر مذاہب و عقائد میں ہوتا ہے اس لئے کہ مراء انسانی فطرت میں شامل ہے اور جب وہ یہ بھی گمان کرے کہ اس پر اسے ثواب ملے گا تو اس کی حرص اور بھی بڑھ جاتی ہے اور اسے شریعت و فطرت کا تعاون حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ یہ محض خطا ہے بلکہ انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی زبان کو اہلِ قبلہ سے روکے۔

نصیحت کب کارآمد ہوتی ہے؟

جب کوئی کسی بدعتی کو دیکھے تو تنہائی میں اسے نرمی سے سمجھائے نہ کہ جدال (یعنی جھگڑے) کے طریقے پر کیونکہ جدال سے اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گا کہ "یہ حقیقت کو چھپانے کی ایک چال ہے اور یہ ایسا طریقہ ہے کہ میرے نظریات والے مناظرین بھی اگر چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔" تو جِدال کی وجہ سے بدعت اس کے دل میں مزید پختہ اور مضبوط ہو جائے گی، لہٰذا جب معلوم ہو کہ نصیحت اسے فائدہ نہیں دے گی تو سمجھانے والے کو چاہئے کہ اسے چھوڑ دے اور اپنی فکر کرے۔

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر رحم فرمائے جو اہل قبلہ سے اپنی زبان کو روکے البتہ جو اچھی بات کہہ سکے وہ کہے۔[2] (اس حدیث کے راوی) حضرت سیِّدُنا ہِشام بن عُروَہ رَحْمَۃُ اللہ

---

[1] ...المعجم الاوسط، ۴/ ۹۵، حدیث: ۵۳۲۸

[2] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۰۱، حدیث: ۱۳۷

تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس بات کو سات مرتبہ دہرایا کرتے تھے۔

جو شخص بھی مدت سے مجادَلَہ کا عادی ہو اور اس پر لوگ اس کی تعریف بھی کرتے ہوں اور اسے وہ اپنی عزت و مقبولیت سمجھتا ہو تو اس کے اندر ہلاکت میں ڈالنے والی یہ چیزیں مضبوط ہو جاتی ہیں اور وہ اس وقت تک ان مُہْلِکات سے چھٹکارا نہیں پا سکتا جب تک اس پر غضب، تکبُّر، رِیا، حُبِّ جاہ اور علم و فضل پر فخر کا غلبہ ہوتا ہے حالانکہ یہ باتیں اگر الگ الگ پائی جائیں پھر بھی مجاہدے میں دشواری ہوتی ہے تو جب یہ تمام ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو مجاہدہ کیونکر ہو سکے گا۔

آفت نمبر5: **خُصومت**

مِراء، جِدال اور خُصومت میں فَرق:

خُصومت بھی قابلِ مذمت ہے اور یہ جدال اور مِراء کے علاوہ ہے۔ مِراء دوسرے کے کلام میں عیب ظاہر کر کے اعتراض کرنے کو کہتے ہیں لیکن اس میں مقصود صرف دوسرے کی تحقیر اور ذہانت و فطانت میں اپنی برتری کا اظہار ہوتا ہے اور جدال سے مراد وہ مِراء (یعنی جھگڑا) ہے جو مذاہب کے اظہار اور ان کی اَبحاث کے متعلق ہوتا ہے اور خُصومت حق یا مال حاصل کرنے کے لئے جھگڑنا ہے اور یہ کبھی خود ہی شروع کیا جاتا ہے اور کبھی اعتراض کی صورت میں ہوتا ہے جبکہ مراء صرف سابقہ کلام پر اعتراض کی صورت میں ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بیان کرتی ہیں کہ میرے سرتاج، صاحِبِ معراج صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو بڑا جھگڑالو ہے۔[1]

رب تعالٰی کی ناراضی کا سبب:

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

---

1 ... بخاری، کتاب الاحکام، باب الألد الخصم ... الخ، ۴/ ۴۶۹، حدیث: ۷۱۸۸

وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بغیر علم کے خُصومت میں پڑتا ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی میں رہتا ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔[1]

ایک بُزرگ فرماتے ہیں: خصومت سے بچو کہ یہ دین کو تباہ کر دیتی ہے۔ منقول ہے کہ متقی و پرہیز گار شخص دین میں کبھی بھی جھگڑا نہیں کرتا۔

حضرت سیِّدُنا سالم بن قُتَیبہ رَحۡمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیۡہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بشیر بن عبید اللہ بن ابو بَکۡرَہ رَحۡمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیۡہ میرے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا: آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ میں نے عرض کی: ایک جھگڑے کے سبب جو میرے اور میرے چچا زاد بھائی کے درمیان چل رہا ہے۔ انہوں نے کہا: آپ کے والد کا مجھ پر کچھ احسان ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کا بدلہ چکا دوں۔ (پھر کہا:) میں نے خُصُومَت سے بڑھ کر کوئی چیز دین کو لے جانے والی، مُرَوَّت کو کم کرنے والی، لذت کو ختم کرنے والی اور دل کو مشغول کرنے والی نہیں دیکھی۔ یہ سن کر میں جانے کے لئے کھڑا ہوا تو میرے مُخالِف نے کہا: کیا ہوا؟ میں نے کہا: میں تم سے جھگڑا نہیں کروں گا۔ اس نے کہا: تو تم نے جان لیا ہے کہ میں حق پر ہوں۔ میں نے کہا: نہیں۔ لیکن میں خود کو اس سے بچانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: میں تم سے کچھ بھی نہیں مانگتا، یہ تمہاری ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم یہ کہو کہ جب آدمی کا کسی پر کوئی حق نکلتا ہو تو اس کو حاصل کرنے کے لئے یا جب ظالم اس پر ظلم کرے تو اس حق کی حفاظت کے لئے لازمی طور پر اسے جھگڑا کرنا پڑے گا تو ایسی صورت میں کیا حکم ہوگا اور تم اس جھگڑے کی کیسے مذمَّت کر رہے ہو؟

جواب: جان لو کہ یہ مذمت اس کو شامل ہے جو باطل کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے اور اس کو شامل ہے جو بغیر علم کے جھگڑا کرتا ہے جیسے قاضی کا وکیل کہ وہ اس بات کو جاننے سے پہلے کہ حق کس طرف ہے وہ خُصومت (یعنی جھگڑے) کی وکالت کرتا ہے خواہ وہ کسی بھی جانب سے ہو اور یوں وہ بغیر علم کے جھگڑے میں پڑتا ہے اور اس مذمت میں وہ شخص بھی شامل ہے جو اپنے حق کو حاصل کرنے میں بَقَدۡرِ حاجت پر اِکتفا نہیں

[1] ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۱۱، حدیث: ۱۵۳

کرتا بلکہ غلبہ پانے اور ایذا پہنچانے کے ارادے سے جھگڑے میں ناحق شدت کرتا ہے اور وہ شخص بھی شامل ہے جو خُصومت میں تکلیف دہ کلمات استعمال کرتا ہے حالانکہ دلیل کی تائید اور حق کے اظہار میں اس کی حاجت نہیں ہوتی اور یہ مذمت اس کو بھی شامل ہے جسے خصومت پر صرف دشمنی ابھارتی ہے تاکہ مخالف کو مغلوب اور زیر کیا جائے (حالانکہ مال کی جس مقدار کی خاطر وہ جھگڑ رہا ہوتا ہے) بعض اوقات وہ مقدار اس کے نزدیک حقیر اور معمولی ہوتی ہے اور کوئی تو اس کی صراحت بھی کر دیتا ہے اور کہتا ہے: میرا مقصد تو محض اس سے دشمنی نکالنا اور اس کی عزت کو خاک میں ملانا ہے اور اگر میں نے اس سے یہ مال لے لیا تو ہو سکتا ہے میں اس کو کنویں میں ڈال دوں اور مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ایسے شخص کا مقصد دشمنی، جھگڑا اور ہٹ دھرمی ہوتا ہے اور یہ صورت بہت زیادہ قابلِ مذمّت ہے۔

خُصُومَت سے دل میں کینہ پیدا ہوتا ہے:

رہا وہ مظلوم جو شرعی طریقے پر اپنی دلیل کی تائید کرے، نہ مقابل کو رسوا کرے اور نہ حد سے بڑھے، حاجت کی مقدار سے زیادہ نہ جھگڑے، نہ دشمنی نکالے اور نہ ایذا پہنچانے کا ارادہ کرے، تو اس کا یہ فعل حرام نہیں ہے لیکن جس حد تک ہو سکے اس کو چھوڑنا بہتر ہے کیونکہ لڑائی جھگڑے میں زبان کو قابو میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ اس سے دل میں کینہ پیدا ہوتا ہے اور غضب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور جب غصہ بھڑک اٹھتا ہے تو جس بات میں جھگڑا ہوتا ہے وہ ذہن سے نکل جاتی ہے اور جھگڑا کرنے والوں کے مابین کینہ باقی رہ جاتا ہے حتّٰی کہ ہر ایک دوسرے کے غم پر خوش اور دوسرے کی خوشی پر غمگین ہو جاتا ہے اور دوسرے کی بے عزتی کے لئے زبان کو آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا جو خصومت کی ابتدا کرتا ہے وہ ان ممنوعہ امور میں پڑ جاتا ہے اور سب سے کم بات جو اس میں پائی جاتی ہے وہ اس کے دل کا پریشان و بے چین ہونا ہے یہاں تک کہ وہ نماز میں بھی اپنے مخالف پر غلبہ پانے میں مشغول رہتا ہے یوں معاملہ ضرورت کی حد تک باقی نہیں رہتا۔

خُصومت ہر شر کی بنیاد ہے:

خُصومت ہر شر کی بنیاد ہے اور مراء اور جدال کا بھی یہی معاملہ ہے، لہٰذا بغیر ضرورت کے اس کا دروازہ

نہ کھولا جائے اور ضرورت کے وقت بھی زبان کو بد کلامی اور دل کو کینے سے محفوظ رکھنا چاہئے تاکہ خُصومت کے برے نتائج سے بچا جاسکے اور یہ بہت مشکل ہے۔ جو خُصومت میں حدِ ضرورت پر اکتفا کرتا ہے وہ گناہ سے بچ جاتا ہے اور اس کی خصومت قابلِ مذمت نہیں ہوتی البتہ اگر کسی معاملے میں اسے خُصومت کی ضرورت نہ ہو کہ اس کے پاس وہ چیز موجود ہو جو اسے کفایت کر جائے (اس کے باوجود وہ خصومت میں پڑے) تو وہ اولیٰ کو ترک کرنے والا ہو گا لیکن گناہ گار نہیں ہو گا۔ مگر خصومت، مراء اور جدال کے سبب ایک چھوٹا سا نقصان ضرور سامنے آئے گا کہ انسان اچھا کلام کرنے سے محروم ہو جائے گا اور جو اس کے متعلق ثواب وارد ہوا ہے اس سے بھی اُسے محروم ہونا پڑے گا کیونکہ اچھے کلام کا کم از کم درجہ تائید کا اظہار ہے اور طعن و اعتراض سے بڑھ کر کلام میں کوئی سختی نہیں کہ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سامنے والے کو جاہل یا جھوٹا قرار دیا جاتا ہے اور یہ اس لئے کہ جو کسی سے مجادَلہ یا مراء یا خُصومت کرے تو یقیناً مدِمقابل کو جاہل یا جھوٹا قرار دے گا لہٰذا اس کے سبب اس سے اچھا کلام فوت ہو جائے گا۔

اچھی گفتگو جنت میں لے جائے گی:

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اچھا کلام اور کھانا کھلانا تمہیں جنت میں لے جائے گا۔[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (پ۱، البقرۃ: ۸۳) ترجمۂ کنزالایمان: اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔

مجوسی کو سلام کا جواب:

حضرت سَیِّدُنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مخلوق میں سے جو بھی تمہیں سلام کرے اس کو سلام کا جواب دو اگرچہ وہ مجوسی ہو[2] کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

---

1. ...المعجم الاوسط، ۱/ ۴۱۶، حدیث: ۱۵۲۴

2. ...دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1197 صفحات پر مشتمل کتاب "بہارِ شریعت، جلد سوم، حصہ 16، صفحہ 462، 461" پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نقل...

وَ اِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡہَاۤ اَوۡ رُدُّوۡہَا ؕ (پ۵، النساء: ۸۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو۔

نیز آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ہی کا فرمان ہے کہ اگر فرعون بھی مجھ سے اچھی بات کہتا تو میں اس کا جواب دیتا۔

جنتی بالاخانے:

حضرت سَیِّدُنا اَنَس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک جنت میں بالاخانے ہیں جن کا بیرونی حصہ اندر سے اور اندرونی حصہ باہر سے نظر آتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں ان لوگوں کے لئے تیار فرمایا ہے جو کھانا کھلاتے ہیں اور گفتگو میں نرمی اختیار کرتے ہیں۔[1]

مروی ہے کہ حضرت سَیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے پاس سے ایک خنزیر گزرا تو آپ نے ارشاد فرمایا: سلامتی کے ساتھ گزر جا۔ آپ سے عرض کی گئی: یَا رُوْحَ اللہ آپ خنزیر سے یہ بات ارشاد فرما رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا: میں اپنی زبان کو شر (یعنی بری بات کہنے) کا عادی نہیں بنانا چاہتا۔

اچھی بات کہنا صَدَقہ ہے:

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اچھی بات کہنا صَدَقہ ہے۔[2]

سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جَہَنَّم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دینے کے ذریعے اگر یہ نہ پاؤ تو اچھی بات کہنے کے ذریعے (بچو)۔[3]

...فرماتے ہیں: کفار کو سلام نہ کرے اور وہ سلام کریں تو جواب دے سکتا ہے مگر جواب میں صرف عَلَیْکُمْ کہے اگر ایسی جگہ گزرنا ہو جہاں مسلم و کافر ہوں تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے اور مسلمانوں پر سلام کا ارادہ کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی کہے۔ کافر کو اگر حاجت کی وجہ سے سلام کیا، مثلاً سلام نہ کرنے میں اس سے اندیشہ ہے تو حرج نہیں اور بقصدِ تعظیم کافر کو ہرگز ہرگز سلام نہ کرے کہ کافر کی تعظیم کفر ہے۔

1 ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، ۸/ ۴۴۹، حدیث: ۲۲۹۶۸

2 ... بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب من اخذ بالرکاب ونحوہ، ۲/ ۳۰۶، حدیث: ۲۹۸۹

3 ... بخاری، کتاب الادب، باب طیب الکلام، ۴/ ۱۰۶، حدیث: ۶۰۲۳ باختصار

آسان نیکی اور نیکو کاروں جیسا ثواب:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: نیکی آسان کام ہے، خندہ پیشانی سے پیش آنا اور نرم گفتگو کرنا۔

ایک دانا کا قول ہے: نرم گفتگو سینوں میں موجود چھپے ہوئے کینوں کو دھو دیتی ہے۔

ایک دانشور کا قول ہے: ہر وہ کلام جو تمہارے رب کو ناراض نہ کرے اور اس کے ذریعے تمہارا اہم نشین راضی رہے تو ایسے کلام میں بخل نہ کرو شاید اس کے عوض تمہیں نیکو کاروں جیسا ثواب عطا کیا جائے۔

یہ تمام گفتگو اچھی بات کہنے کی فضیلت کے متعلق تھی اور خُصُومَت، مِراء، جِدال اور بحث ومُباحَثہ اس کے متضاد اور برعکس ہیں کیونکہ یہ ایسے کلام ہیں جو ناپسندیدہ، وَحشت میں ڈالنے والے، قلب کو اَذِیَّت پہنچانے والے، زندگی کو تنگ کرنے والے، غُصّہ کو بھڑکانے والے اور کینہ پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے احسان اور کرم سے حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

آفت نمبر6: مُسَجَّع ومُقَفّٰی مشکل کلام کرنا

فَصاحَت سے بھرپور پُرتکلف مُسَجَّع ومُقَفّٰی اور مشکل کلام کرنا اور تمہیدات، مُقَدّمات اور ان چیزوں کے ساتھ اس میں بناوٹ اختیار کرنا جو بتکلُّف فصیح کلام کرنے والوں اور خطابت کا دعویٰ کرنے والوں کے مابین رائج ہیں۔ ان میں سے ہر ایک قابلِ مذمت تصنّع اور ناپسندیدہ تکلف سے تعلق رکھتا ہے۔

پرہیزگار تکلُّف سے دور ہوتے ہیں:

اس تکلف کے بارے میں دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحرو بَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میں اور میری امت کے پرہیزگار لوگ تکلف سے دور ہیں۔ [1]

اور ارشاد فرمایا: (بروز قیامت) تم میں میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور میری مجلس سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو بتکلف بہت زیادہ بولنے والے، خوب فصاحت بھری گفتگو کرنے والے اور بغیر

---

[1] ...تاریخ مدینہ دمشق، الرقم: ٣٩١١، عبد الرحمن بن عوف، ٣٥/ ٢٧٨

احتیاط کئے بہت زیادہ کلام کرنے والے ہوں گے۔[1]

امت کے شریر لوگ:

خاتون جنت حضرت سَیِّدَتُنا فاطمہ زہرا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بیان کرتی ہیں کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے شریر لوگ وہ ہیں جو نعمتوں میں پرورش پاتے ہیں، انواع واقسام کے کھانے کھاتے ہیں، طرح طرح کے لباس پہنتے ہیں اور بتکلُّف فصیح کلام کرتے ہیں۔[2]

گہری باتیں کرنے والے ہلاک ہو گئے:

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: گہری باتیں کرنے والے ہلاک ہوگئے۔[3] آپ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔

امیر المومنین حضرت سَیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: بہت زیادہ فصیح گفتگو کرنے والے (جھوٹ اور باطل گفتگو کرنے کے سبب) شیطانی گفتگو کرنے والے ہیں۔

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا...!

عمرو بن سعد اپنے والد حضرت سَیِّدُنا سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت کا سوال کرنے کے لئے آیا اور حاجت کو بیان کرنے سے پہلے اس نے کچھ کلام کیا تو حضرت سَیِّدُنا سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ارشاد فرمایا: تم اپنی حاجت سے اتنا دور تو نہیں ہوتے تھے جتنے آج ہو (یعنی پہلے تو تمہیدیں نہیں باندھتے تھے آج کیا ہوا ہے) میں نے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جس میں لوگ کلام کرتے ہوئے اپنی زبان کو ایسے گھمائیں گے جیسے گائے گھاس کھانے میں اپنی زبان گھماتی ہے (یعنی خوب فصاحت بھری گفتگو کریں گے)۔[4]

---

[1] ...المعجم الکبیر، ۲۲/ ۲۲۱، حدیث: ۵۸۸

[2] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۰۸، حدیث: ۱۵۰

[3] ...مسلم، کتاب العلم، باب ھلک المتنطعون، ص۱۴۳۳، حدیث: ۲۶۷۰

[4] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی اسحاق سعد بن ابی وقاص، ۱/ ۳۸۹، حدیث: ۱۵۹۷

گویا آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے بیٹے کی پُرتکلُّف اور بناوٹی تمہیدی گفتگو کو ناپسند فرمایا اور یہ بھی زبان کی آفات میں سے ہے۔ اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو بتکلُّف مُسَجّع و مُقَفّٰی کلام کرے، اسی طرح بتکلف ایسی فصاحت کا اظہار بھی اس میں شامل ہے جو عادت کی حد سے خارج ہو۔

مُقَفّٰی کلام کرنے کی مذمت:

یوں ہی گفتگو میں بتکلُّف قافیہ باندھنا بھی اسی زُمرے میں آتا ہے۔ چنانچہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جَنِیْن (یعنی پیٹ کے بچے) کو ضائع کرنے کے عوض ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا تو مجرم کی قوم کے ایک فرد نے کہا: کَیْفَ نَدِیْ مَنْ لَا طَعِمَ وَلَا شَرِبَ وَلَا صَاحَ وَلَا اسْتَهَلَّ وَمِثْلُ ذٰلِكَ بَطَلَ یعنی ہم اس کی دیت کیسے دیں جس نے نہ کھایا نہ پیا، نہ بولا نہ رویا ایسے بچے کی دیت تو معاف ہوتی ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے (ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا: کیا عَرَب کے دیہاتیوں کی طرح مُقَفّٰی کلام کرتے ہو؟[1]

کلام کا مقصود غرض کو سمجھانا ہے:

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مُقَفّٰی کلام کو اس لئے ناپسند فرمایا کہ اس میں تکلف اور بناوٹ کا اثر واضح تھا، لہٰذا آدمی کو چاہئے کہ ہر چیز میں مقصود پر اکتفا کرے اور کلام کا مقصود غرض کو سمجھانا ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تصنُّع ہے اور قابلِ مذمت ہے البتہ خطابت میں مبالغہ اور ناقابلِ فہم گفتگو سے بچتے ہوئے خوبصورت الفاظ سے وعظ و نصیحت کرنا اس میں داخل نہیں ہے کیونکہ خطابت سے مقصود دلوں کو نیکیوں کی طرف مائل کرنا اور رغبت دلانا اور انہیں خواہشات سے روکنا اور دلوں میں رضائے الٰہی کے حصول کی جگہ بنانا ہے اور الفاظ کی خوبصورتی اس میں مُؤَثِّر ہوتی ہے، لہٰذا اس میں مضائقہ نہیں۔ رہے وہ محاورات جو حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان میں قافیہ باندھنا اور تکلف کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ ان میں مشغول ہونا قابلِ مذمت ہے اور ان پر ابھارنے والی چیز، ریاکاری، فصاحت کا اظہار اور دوسروں پر فَوقِیَّت وبَرتَری پانے کے ذریعے ممتاز و نمایاں ہونا ہے۔ ان میں سے ہر ایک مذموم ہے، شریعت انہیں ناپسند کرتی ہے اور ان سے روکتی ہے۔

---

[1] ...مسلم، کتاب القسامة، باب دية الجنين... الخ، ص ۹۲۳، حدیث: ۱۶۸۲

آفت نمبر7:
فحش کلامی اور گالی گلوچ

یہ بھی قابل مذمت ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ اس کی بنیاد بد باطنی اور کمینگی و گھٹیا پن ہے۔

فحش کلامی رب تعالیٰ کو ناپسند ہے:

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمَّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: فُحش کلامی سے بچو کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ فُحش اور فحش کہنے کو پسند نہیں فرماتا۔ (1)

بد کلامی کمینگی ہے:

حُسنِ اَخلاق کے پیکر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے غزوۂ بدر میں قتل ہونے والے مشرکین کو گالی دینے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: ان کو گالی نہ دو کیونکہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ ان تک نہیں پہنچتا بلکہ تم زندوں کو اذیت دیتے ہو۔ سن لو! بد کلامی کمینگی ہے۔ (2)

مومن کی پہچان:

سرکارِ والا تَبار، ہم بے کسوں کے مددگار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مومن عیب نکالنے والا، لعنت کرنے والا، فحش گو اور بے حیا نہیں ہوتا۔ (3)

فحش گو پر جنت حرام ہے:

حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ہر فحش کلام کرنے والے پر جنت کا داخلہ حرام ہے۔ (4)

دوزخیوں کی تکلیف کا باعث:

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: چار شخص جہنمیوں کے لئے عذاب میں مبتلا کی تکلیف

---

1 ...الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الغصب، ذکر الزجر عن الظلم... الخ، ۷/ ۳۰۷، حدیث: ۵۱۵۴

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۰۳، حدیث: ۳۲۳

3 ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی اللعنۃ، ۳/ ۳۹۳، حدیث: ۱۹۸۴

4 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۰۴، حدیث: ۳۲۵

کے ساتھ ساتھ مزید تکلیف کا باعث بنیں گے، وہ کھولتے پانی اور بھڑکتی آگ کے درمیان دوڑتے ہوئے موت مانگتے ہوں گے، (ان چار اشخاص میں سے) ایک شخص وہ ہوگا جس کے منہ سے پیپ اور خون بہہ رہا ہوگا، اس سے کہا جائے گا: اس بدنصیب کا کیا معاملہ ہے جس نے ہماری تکلیف کو اور زیادہ کر دیا؟ وہ کہے گا: میں وہ بدنصیب ہوں جو ہر فحش اور خبیث بات کو دیکھ کر ایسے لذت اٹھاتا تھا جیسے فحش کلامی سے لذت اٹھائی جاتی ہے۔[1]

فحش گوئی اگر انسانی شکل میں ہوتی تو...!

آقائے دوجہاں، سرورِ ذیشاں صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! فحش گوئی اگر انسانی شکل میں ہوتی تو برے آدمی کی صورت میں ہوتی۔[2]

مُنافَقَت کے دو شعبے:

حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بدکلامی اور بیان مُنافَقَت کے شعبوں میں سے دو شعبے ہیں۔[3]

بیان سے کیا مراد ہے؟

ممکن ہے کہ حدیثِ پاک میں "بیان" سے مراد ان باتوں کو ظاہر کرنا ہو جنہیں ظاہر کرنا جائز نہ ہو، یہ بھی اِحتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ فصاحت و بلاغت کے اظہار میں اتنا مُبالَغہ کیا جائے کہ تکلُّف کی حد کو پہنچ جائے اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس سے مقصود امورِ دینیہ اور صِفاتِ باری تعالیٰ کی تفصیل ہو کیونکہ اسے لوگوں کے سامنے مختصراً بیان کرنا مبالغہ کے ساتھ بیان کرنے سے بہتر ہے اس لئے کہ بسا اوقات زیادہ تفصیل کرنے سے اس میں شکوک و شُبہات اور وَساوِس پیدا ہو جاتے ہیں تو جب مختصراً بیان ہوگا تو قلوب اس کو جلد قبول کر لیں گے اور پریشان نہیں ہوں گے اور چونکہ حدیث پاک میں "بیان" کو بدکلامی کے ساتھ ذکر

---

1 ... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۳۲، حدیث: ۱۸۷

2 ... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۰۷، حدیث: ۳۳۱

3 ... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۰۹، حدیث: ۳۳۵

کیا گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ان باتوں کو ظاہر کرنا ہو جن کے بیان سے انسان شرماتا ہے کیونکہ اس طرح کے معاملات میں بہتر یہ ہے کہ چشم پوشی اور صرفِ نظر سے کام لیا جائے نہ کہ کشف و اظہار سے۔

بازاروں میں چلّانا رب تعالیٰ کو ناپسند ہے:

مُحسنِ کائنات، فخرِ موجودات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ فحش کلامی کرنے والے، بتکلف فحش کہنے والے اور بازاروں میں چلانے والے کو پسند نہیں فرماتا۔(1)

سب سے اچھا مسلمان:

حضرت سیِّدُنا جابر بن سَمُرَہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر تھا اور میرے والد صاحب میرے سامنے تھے۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک فحش گوئی اور بتکلف فحش کلامی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور لوگوں میں سب سے اچھا مسلمان وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔(2)

فحش گو کا انجام:

حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن مَیْسَرَہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: منقول ہے کہ فحش گو اور بتکلُّف فحش کلام کرنے والے کو بروزِ قیامت کتے کی صورت میں یا کتے کے پیٹ میں لایا جائے گا۔

سب سے بڑی بیماری:

حضرت سیِّدُنا اَحْنَف بن قیس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: کیا میں تمہیں سب سے بڑی بیماری نہ بتاؤں؟ (پھر ارشاد فرمایا) وہ بدکلامی اور بداَخلاقی ہے۔

فحش گوئی کی تعریف:

یہ فحش گوئی کی مذمت تھی اور جہاں تک اس کی تعریف اور حقیقت کا تعلق ہے تو وہ قبیح (یعنی ناپسندیدہ)

---

(1) ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۱۱، حدیث: ۳۳۰

(2) ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۱۲، حدیث: ۳۳۲

امور کو صریح الفاظ میں ذکر کرنا ہے۔ فحش گوئی اکثر جماع اور اس سے متعلق باتوں میں ہوتی ہے اور بد کردار وبد چلن لوگوں کے اس معاملے میں صریح فحش الفاظ ہیں جنہیں وہ استعمال کرتے ہیں جبکہ نیک لوگ ان سے بچتے ہیں بلکہ (بوقتِ ضرورت) کنایتاً کہتے ہیں اور اشاروں کے ذریعے انہیں سمجھاتے ہیں اور ایسے الفاظ ذکر کرتے ہیں جو ان کے قریب قریب اور ان سے متعلق ہوتے ہیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ اشارۃً بیان فرماتا ہے:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: ”بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ حیا والا، کریم ہے اور ناپسندیدہ چیزوں کو صراحتاً بیان نہیں فرماتا بلکہ اشارتاً بیان فرماتا ہے۔ اس نے جماع کا ذکر لَمس (یعنی چھونے) کے ذریعے کیا۔“

چنانچہ مَسِیس و لَمس (یعنی چھونا)، دُخول اور صُحبت وغیرہ اَلفاظ جِماع (یعنی ہم بستری) کی طرف اشارے کے لئے ہیں اور یہ فحش الفاظ نہیں ہیں۔ جبکہ اس موقع پر ایسے فحش الفاظ بولے جاتے ہیں جن کے ذکر کو بھی برا سمجھا جاتا ہے اور ان میں سے اکثر گالی دینے اور عیب لگانے میں استعمال ہوتے ہیں اور یہ الفاظ، فحش میں مختلف ہیں، ان میں سے بعض دوسرے بعض کی نسبت زیادہ فحش ہیں اور یہ بعض اوقات شہروں کی عادت کے سبب مختلف ہو جاتے ہیں اور ان میں جو ابتدائی درجے کے ہیں وہ مکروہ ہیں اور جو آخری درجے کے ہیں وہ ممنوع ہیں اور جو درمیانی درجے کے ہیں ان میں (مکروہ یا ممنوع ہونے کے حوالے سے) تَرَدُّد ہے۔

کنایہ کا استعمال صرف جماع کے ساتھ خاص نہیں:

کنایہ (اشارتاً گفتگو) کا استعمال صرف جِماع کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ پیشاب کے لئے قضائے حاجت کا لفظ بطور کنایہ بولا جاتا ہے اور (عربی میں) اَلتَّغَوُّط اور اَلْخِرَاءَۃ وغیرہ الفاظ کی بنسبت، لفظ غَائِط، اَولیٰ اور زیادہ مناسب ہے (سب کا معنی پاخانہ کرنا ہے)، یہ بھی ان چیزوں میں سے ہے جن کو چھپایا جاتا ہے اور ہر وہ چیز جسے چھپایا جاتا ہے اسے ذکر کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے، لہٰذا انہیں صریح الفاظ میں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنا فحش ہے۔

یوں کہا جائے کہ بچوں کی امی نے یہ کہا:

اسی طرح عورتوں سے کنایہ کرنے کو بھی عموماً اچھا سمجھا جاتا ہے، لہٰذا یہ نہ کہا جائے کہ تمہاری بیوی نے یہ بات کہی بلکہ یہ کہا جائے کہ حجرے (یعنی گھر) میں یوں کہا گیا ہے یا پردے کے پیچھے سے یہ بات کہی گئی ہے یا بچوں کی امی نے یہ کہا، تو (جس حد تک ممکن ہو) ان الفاظ میں پاکیزگی (شرعاً) محمود ہے اور صراحت کے ساتھ ان کا استعمال فحش تک لے جاتا ہے۔

اسی طرح جس شخص میں کچھ عیوب ہوں جن سے وہ شرماتا ہو، انہیں صریح الفاظ میں ذکر نہیں کرنا چاہیے جیسے کہ برص، گنج کی بیماری، اور بواسیر، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اسے ایک مرض ہے جس کے سبب وہ تکلیف میں مبتلا ہے اور اس قسم کے دوسرے الفاظ کہنے چاہئے، انہیں صریح الفاظ کے ساتھ ذکر کرنا فحش میں داخل ہے اور یہ سب زبان کی آفات میں سے ہیں۔

سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه کی حیا:

حضرت سیِّدُنا علاء بن ہارون رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْعَزِیْز محتاط گفتگو فرماتے تھے، آپ کی بغل میں پھوڑا نکل آیا۔ ہم اس کے متعلق آپ سے پوچھنے کے لئے آئے تاکہ دیکھیں کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ چنانچہ ہم نے پوچھا کہ کہاں نکلا ہے؟ ارشاد فرمایا: ہاتھ کے اندرونی حصے میں۔

فحش گوئی کے دو سبب:

فحش گوئی کا سبب مخاطب کو ایذا پہنچانے کا قصد ہوتا ہے یا پھر فحش گوئی عادت کے سبب ہوتی ہے جو کہ فاسقوں سے میل جول اور بدباطن اور کمینے لوگوں کی صحبت سے بنتی ہے اور ان بدباطن اور کمینے لوگوں کی ایک عادت گالی دینا بھی ہے۔

ایک اَعرابی کو نصیحت:

ایک اعرابی نے حُسنِ اَخلاق کے پیکر، محبوبِ رَبِّ اَکبر صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم سے عرض کی: مجھے نصیحت فرمایئے، ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے ڈرتے رہو اور اگر کوئی شخص تمہارا عیب بیان کرے جسے وہ

تمہارے اندر جانتا ہو تو تم اس کا عیب بیان نہ کرو جسے تم اس میں جانتے ہو، اس کا وبال اس پر ہو گا اور اس صورت میں تمہارے لئے اَجْر ہو گا اور کسی چیز کو بھی گالی نہ دو۔ اَعرابی بیان کرتے ہیں: اس کے بعد میں نے کسی چیز کو گالی نہیں دی۔[1]

ایک دوسرے کو گالی دینے والے شیطان ہیں:

حضرت سیِّدُنا عیاض بن حِمار رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینے کے تاجدار، سرکارِ نامدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میری قوم کا ایک شخص مجھے گالی دیتا ہے حالانکہ وہ (حسب و شرافت) میں مجھ سے کمتر ہے، اگر میں اس سے بدلہ لوں تو کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے؟ ارشاد فرمایا: ایک دوسرے کو گالی دینے والے شیطان ہیں جو ایک دوسرے کو جھٹلاتے اور الزام لگاتے ہیں۔[2]

مومن کو گالی دینا فسق ہے:

محبوبِ ربِّ داور، شفیعِ روزِ مَحشر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مومن کو گالی دینا فسق ہے اور (اسلام کے سبب) اس سے لڑنا کفر ہے۔[3]

سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب و سینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ایک دوسرے کو گالی دینے والے جو کچھ کہتے ہیں، اس کا گناہ پہل کرنے والے پر ہے جب تک کہ مظلوم حد سے نہ بڑھے۔[4]

والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے:

حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَلْعُوْنٌ مَّنْ سَبَّ وَالِدَیْہِ یعنی ملعون ہے وہ شخص جو اپنے والدین کو گالی دے۔[5]

---

1 ...مساوئ الاخلاق، باب ما یکرہ من سب الناس... الخ، ص۲۹، حدیث: ۲۶

2 ...مسند ابی داود طیالسی، عیاض بن حمار المجاشعی، ص۱۳۶، حدیث: ۱۰۸۰

3 ...بخاری، کتاب الایمان، باب خوف المؤمن من ان یحبط... الخ، ۱/ ۳۰، حدیث: ۴۸

4 ...مسلم، کتاب البر والصلة، باب النھی عن السباب، ص۱۳۹۶، حدیث: ۲۵۸۷

5 ...تاریخ مدینہ دمشق، الرقم: ۴۶۹۲، عزیر بن جروۃ، ۴۰/ ۳۱۷

ایک رِوایت میں ہے: کبیرہ گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ آدمی کا اپنے والدین کو گالی دینا ہے۔ صحابۂ کِرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کوئی شخص اپنے والدین کو کیسے گالی دے سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا: یہ کسی کے باپ کو گالی دے تو دوسرا اس کے باپ کو گالی دے۔[1]

آفت نمبر8:

لعنت کرنا

لعنت چاہے حیوانات پر ہو، جمادات پر ہو یا پھر انسانوں پر ہو سب قابل مذمت ہے۔

لعنت کی مذمت پر مشتمل چھ فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... اَلْمُؤْمِنُ لَیْسَ بِلَعَّانٍ یعنی مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔[2]

﴿2﴾... لَاتَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰہِ وَلَا بِغَضَبِہٖ وَلَا بِجَہَنَّم یعنی ایک دوسرے پر اللہ عَزَّ وَجَلَّ، اس کے غضب اور جہنم کی لعنت نہ بھیجو۔[3]

حضرت سیِّدُنا حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جو قوم بھی ایک دوسرے پر لعنت بھیجتی ہے ان پر اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا عذاب ثابت (یعنی واجب) ہو جاتا ہے[4]۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا عمران بن حُصَین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کسی سفر میں تھے۔ ایک انصاری عورت بھی اپنی اونٹنی پر سُوار تھی کہ اچانک اونٹنی مُضْطَرِب ہوگئی تو اس نے اس پر لعنت کی۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اس پر سے سامان اتار لو اور اسے بغیر سامان کے خالی چھوڑ دو کیونکہ یہ ملعونہ (یعنی لعنت کی گئی) ہے۔ حضرت سیِّدُنا عمران رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: گویا میں اس اونٹنی کو لوگوں کے درمیان چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں لیکن کوئی اس پر سامان نہیں رکھتا۔[5]

---

[1]... مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر واکبرھا، ص۶۰، حدیث: ۹۰

الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، باب حق الوالدین، ۱/ ۳۱۷، حدیث: ۴۱۳

[2]... سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی اللعنة، ۳/ ۳۹۳، حدیث: ۱۹۸۴

[3]... سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی اللعنة، ۳/ ۳۹۳، حدیث: ۱۹۸۳

[4]... حضرت سیِّدُنا حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے اس فرمان میں تلاعن سے مراد وہ لعان ہے جو مرد و عورت کے مابین ہوتا ہے وہ لعنت مراد نہیں جو لوگ اپنی گفتگو میں ایک دوسرے کو کرتے ہیں۔ (اتحاف السادة المتقین، ۹/ ۱۹۷)

[5]... مسلم، کتاب البر والصلة والاداب، باب النھی عن لعن الدواب وغیرھا، ص ۱۳۹۹، حدیث: ۲۵۹۵

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جب بھی کوئی شخص زمین پر لعنت بھیجتا ہے تو زمین کہتی ہے: اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر لعنت فرمائے جو ہم میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا زیادہ نافرمان ہے۔

کیا صدیق بھی لعنت کرنے والا ہوتا ہے؟

﴿4﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بیان کرتی ہیں کہ حُضور نبیّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے میرے والِدِماجد حضرت ابو بکر صِدِّیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو اپنے کسی غلام کو لعنت کرتے سنا تو ان کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا: "اے ابو بکر! کیا صدیق بھی لعنت کرنے والا ہوتا ہے، ربِّ کعبہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔" آپ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ چنانچہ والِدِماجد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اسی دن اپنے غلام کو آزاد کر دیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔

﴿5﴾... لعنت کرنے والوں کو بروزِ قیامت نہ مرتبۂ شفاعت ملے گا اور نہ ہی وہ (سابقہ امتوں پر) گواہ بنیں گے۔[1]

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا اَنَس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ایک شخص رسولِ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ہم سفر تھا، اس نے اپنے اونٹ کو لعنت کی تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کے بندے! ہمارے ساتھ ملعون (یعنی لعنت کئے گئے) اونٹ پر نہ چلو۔[2]

یہ بات آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے لعنت کے فعل سے منع کرنے کے لئے ارشاد فرمائی۔

لعنت کی تعریف:

لعنت کا مطلب ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ (کی رحمت) سے دھتکارنا اور دور کرنا اور یہ صرف اس شخص پر جائز ہے جس کے اندر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور کرنے والی صِفَت پائی جاتی ہو اور وہ صِفَت کُفر اور ظُلم ہے۔ لعنت کرنے میں اس طرح کہے کہ ظالموں اور کافروں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا رسول غیب پر مطلع ہوتا ہے:

اس سلسلے میں اسے چاہئے کہ شریعت کے بیان کردہ الفاظ کی پیروی کرے کیونکہ لعنت میں خطرہ ہے اس

---

1 ...مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب ما جاء فی اللعنۃ، ص ۱۴۰۰، حدیث: ۲۵۹۸

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۳۶، حدیث: ۳۹۰

لئے کہ اس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ پر اس بات کا حکم لگانا ہے کہ اس نے ملعون کو (اپنی رحمت سے) دور کر دیا ہے۔ یہ معاملہ تو غیب ہے جس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ یا پھر اس کے بتائے سے اس کا رسول مُطَّلَع ہو سکتا ہے۔

لعنت کا تقاضا کرنے والی صفات:

لعنت کا تقاضا کرنے والی صفات تین ہیں: (۱) کُفر (۲) بِدْعَت (۳) فِسْق اور ہر صِفَت میں تین دَرَجے ہیں:

❀...پہلا درجہ: عمومی وصف کے ساتھ لعنت کرنا جیسے یہ کہنا: کافروں، بِدعتیوں اور فاسقوں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لَعْنَت۔

❀...دوسرا درجہ: ایسے وصف کے ساتھ لعنت کرنا جو عمومی وصف سے خاص ہو جیسے یہ کہنا: یہود، نصاریٰ، مجوسیوں، قَدَرِیوں، خارجیوں اور رافضیوں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لَعْنَت یا زانیوں، ظالموں اور سُود کھانے والوں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لَعْنَت۔

عوام کو بد مذہب پر لعنت کرنا منع ہے:

یہ دونوں طریقے جائز ہیں البتہ مختلف قسم کے بد مذہبوں پر لعنت کرنے میں خطرہ ہے کیونکہ بدعت کی مَعْرِفَت پوشیدہ اَمر ہے اور اس سلسلے میں کوئی لفظ شریعت میں وارد نہیں ہے، لہٰذا عوام کو اس سے منع کرنا چاہئے کیونکہ اگر وہ بدمذہبوں پر لعنت بھیجیں گے تو وہ بھی جواب میں ان پر لعنت کریں گے اور یہ بات لوگوں کے مابین جھگڑے اور فساد کا باعث بنے گی۔

❀...تیسرا درجہ: معین و مخصوص شخص پر لعنت کرنا اور اس میں خطرہ ہے۔ مثلاً زید کافر یا فاسق یا بدعتی ہے اور تم کہو: زید پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت۔

مخصوص شخص پر لعنت کرنے کے متعلق تفصیل:

تفصیل اس بارے میں یہ ہے کہ جس شخص کے لئے شریعت میں لعنت ثابت ہو اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے جیسے کوئی کہے کہ فرعون پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت، ابوجہل پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت کیونکہ ان کا کفر پر مرنا شرعاً ثابت اور معلوم ہے۔ جہاں تک ہمارے زمانے میں کسی مُعَیَّن شخص پر لعنت کرنے کا تعلُّق ہے مثلاً: زید یہودی ہے اور تم کہو: زید پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت تو اس میں خطرہ ہے کیونکہ ہو سکتا ہے وہ مسلمان ہو جائے اور

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا مُقرَّب ہو کر مرے تو اس کے ملعون ہونے کا فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کوئی یہ کہے کہ کافر پر لعنت کرنا درست ہونا چاہئے کیونکہ لعنت کے وقت وہ کافر ہے جیسا کہ مسلمان کے لئے رَحِمَہُ اللہ (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر رحم فرمائے) کہا جاتا ہے کیونکہ وہ موجودہ وقت میں مسلمان ہے حالانکہ اس کا مرتد ہو جانا بھی ممکن ہے؟

جواب: جان لیجئے! ہمارا کسی مسلمان کو رَحِمَہُ اللہ کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کو اسلام پر جو کہ رحمت کا سبب ہے اور عبادت پر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کافر کو کفر پر ثابت قدم رکھے جو کہ لعنت کا سبب ہے کیونکہ یہ کفر کا سوال ہے اور یہ سوال از خود کفر ہے البتہ یوں کہنا جائز ہے کہ اگر یہ کفر پر مرے تو اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت اور اگر اسلام پر اس کی موت واقع ہو تو اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت نہ ہو مگر چونکہ ایمان یا کفر پر خاتمے کا تعلق عِلْمِ غیب سے ہے اور مطلق لعنت کرنے میں کوئی جِہَت مُتَعَیَّن نہیں ہوتی لہٰذا اس میں بھی خطرہ ہے اور لعنت نہ کرنے میں کوئی خطرہ نہیں۔ جب آپ نے کافر کے متعلق یہ بات جان لی تو زید اگر فاسق یا بدعتی ہے تو اس پر لعنت کرنے سے بدرجہ اَولیٰ بچنا چاہئے۔ معلوم ہوا مُعَیَّن افراد پر لعنت کرنے میں خطرہ ہے کیونکہ ان کی حالت بدلتی رہتی ہے سوائے یہ کہ جن کے متعلق رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم خبر دے دیں (ان پر لعنت کرنے میں خطرہ نہیں) کیونکہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا کسی شخص کے کفر پر مرنے کی خبر دینا درست ہے اور اسی لئے آپ نے معین لوگوں پر لعنت فرمائی۔ چنانچہ آپ نے قریش کے خلاف اپنی دعا میں کہا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! ابو جہل بن ہِشام اور عُتبہ بن رَبِیعہ کی پکڑ فرما۔[1] اور بدر کے دن کفر پر مرنے والی ایک جماعت کے خلاف بھی دعا کی کیونکہ ان کے انجام کی آپ کو خبر تھی مگر جن کے انجام سے آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے باخبر نہ تھے، ان کے متعلق جب آپ نے لعنت کی تو آپ کو اس سے روک دیا گیا جیسا کہ مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک مہینے تک (نماز فجر کے اندر) دعائے قنوت میں بئرِ معونہ والوں کے قاتلوں پر لعنت بھیجتے رہے[2] تو یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

---

[1] ... بخاری، کتاب الوضوء، باب اذا القی علی ظھر المصلی... الخ، ۱/۱۰۳، حدیث: ۲۴۰

[2] ... مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلاۃ... الخ، ص ۳۴۰، حدیث: ۶۷۷

لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡہِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَہُمۡ فَاِنَّہُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ (پ۴، اٰل عمرٰن:۱۲۸) ترجمۂ کنزالایمان: یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا اُن پر عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں۔

یعنی ہو سکتا ہے کہ وہ اسلام لے آئیں آپ نے کیسے جان لیا کہ یہ لوگ ملعون ہیں؟ اسی طرح جن کا کفر پر مرنا ہم پر واضح ہو ان پر لعنت بھیجنا اور ان کی مذمت کرنا جائز ہے جبکہ اس میں کسی مسلمان کو اَذِیَّت نہ ہو ورنہ جائز نہیں۔ جیساکہ مروی ہے کہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم طائف تشریف لے جاتے ہوئے ایک قبر کے پاس سے گزرے تو امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے اس کے متعلق استفسار فرمایا تو انہوں نے عرض کی: یہ اس شخص کی قبر ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول کا نافرمان و باغی تھا اور وہ سعید بن عاص تھا تو اس کے بیٹے عمرو بن سعید کو غصہ آیا اور انہوں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! یہ اس شخص کی قبر ہے جو ابو قُحافہ سے زیادہ کھانا کھلاتا تھا اور اس سے زیادہ بہادر تھا۔ حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! یہ مجھ سے اس قسم کی بات کہہ رہے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا: ابو بکر سے اپنی زبان روک لو۔ چنانچہ وہ چلے گئے پھر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی طرف مُتَوَجِّہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: اے ابو بکر! جب تم کفار کا ذکر کرو تو عمومی لفظ کے ساتھ کیا کرو، جب مخصوص شخص کا ذکر کروگے تو آباء واجداد کی وجہ سے بیٹوں کو غصہ آئے گا۔[1] چنانچہ لوگ ایسے فعل سے رک گئے۔

اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو:

ایک شخص کو شراب پینے کے سبب حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مجلس میں کئی مرتبہ حد لگائی گئی۔ کسی نے کہا: اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت ہو کتنی بار اسے حد کے لئے لایا گیا (پھر بھی باز نہیں آتا) تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ایسا نہ کہو کیونکہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔[2]

---

[1] ...الزہد لھناد بن السری، باب من کرہ سب الموتی، الجزء الثانی، ص ۵۶۱، حدیث: ۱۱۲۸

[2] ...بخاری، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر... الخ، ۴/ ۳۳۰، حدیث: ۶۷۸۰، ۶۷۸۱

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا لعنت سے روکنا اس بات پر دلیل ہے کہ کسی فاسق کو معین کر کے لعنت بھیجنا جائز نہیں۔

خلاصۂ بحث:

خلاصہ یہ ہے کہ معیَّن اشخاص پر لعنت کرنے میں خطرہ ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔ جب شیطان پر لعنت نہ کرنے میں کوئی خطرہ نہیں تو کسی دوسرے پر لعنت نہ کرنے میں کیونکر خطرہ ہو گا۔

یزید پلید پر لعنت کرنا کیسا؟

اگر کہا جائے کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ وہ امام عالی مقام حضرت سیِّدُنا امام حسین رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہ کا قاتل ہے یا آپ کے قتل کا حکم دینے والا ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل ثابت نہیں، لہٰذا جب تک ثابت نہ ہو جائے یہ کہنا جائز نہیں کہ یزید نے آپ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا، لعنت کرنا تو دور کی بات ہے کیونکہ تحقیق کے بغیر کسی مسلمان کی نسبت کبیرہ گناہ کی طرف کرنا جائز نہیں۔ البتہ یہ کہنا جائز ہے کہ (خارجی) ابنِ مُلجم نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کو اور ابو لُؤلُؤ (مجوسی) نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو شہید کیا کیونکہ یہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے، لہٰذا بغیر تحقیق کے کسی مسلمان پر فِسق وکُفر کی تہمت لگانا جائز نہیں[1]۔

---

[1]...دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، جلد اول، حصہ 1، صفحہ 261 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: یزید پلید فاسق فاجر مرتکبِ کبائر تھا، معاذ اللہ اس سے اور ریحانۂ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سیِّدُنا امام حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کیا نسبت؟! آج کل جو بعض گمراہ کہتے ہیں کہ: ”ہمیں ان کے معاملہ میں کیا دخل؟ ہمارے وہ بھی شہزادے، وہ بھی شہزادے۔“ ایسا بکنے والا مردود، خارجی، ناصبی مستحقِ جہنّم ہے۔ ہاں! یزید کو کافر کہنے اور اس پر لعنت کرنے میں علمائے اہلِ سنّت کے تین قول ہیں اور ہمارے امامِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا مسلک سکوت، یعنی ہم اسے فاسق فاجر کہنے کے سوا نہ کافر کہیں، نہ مسلمان۔

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فتاویٰ رضویہ (مخرجہ)، جلد 14، صفحہ 591 تا 593 پر فرماتے ہیں: ”یزید پلید عَلَیْہِ مَا یَسْتَحِقُّہٗ مِنَ الْعَزِیْزِ الْمَجِیْد قطعاً یقیناً باجماعِ اہلسنت فاسق وفاجر وجری علی الکبائر تھا اس قدر پر ائمۂ اہلِ سنت کا اِطباق واتفاق ہے، صرف اس کی تکفیر ولعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اور...

کفر کی تہمت لگانا:

دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحرو بَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص دوسرے پر کُفر اور فِسْق کی تہمت لگائے اور وہ شخص ایسا نہ ہو تو وہ تہمت کہنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔“(1)

...اور ان کے اتباع و موافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیص نام اس پر لعن کرتے ہیں اور اس آیہ کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓىٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ۝ (پ۲۶، محمد: ۲۲، ۲۳) کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت فرمائی تو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ شک نہیں کہ یزید نے والی مُلک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا، حَرَمَیْنِ طَیِّبَیْن و خود کعبہ مُعَظَّمہ و روضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں، مسجد کریم میں گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اَطہر پر پڑے، تین دن مسجد نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم بے اذان و نماز رہی، مکہ و مدینہ و حجاز میں ہزاروں صحابہ و تابعین بے گناہ شہید کئے، کعبہ معظمہ پر پتھر پھینکے، غِلاف شریف پھاڑا اور جلا دیا، مدینہ طیبہ کی پاکدامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کر دیں، رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جگرپارے کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا، مصطفٰی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے گود کے پالے ہوئے تن نازنین پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام اُستُخوان مبارک چور ہو گئے، سرِ انور کہ محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا بوسہ گاہ تھا کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا، حَرَم محترم مُخَدَّرات مشکوئے رسالت قید کئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے، اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہو گا، ملعون ہے وہ جو ان ملعون حَرَکات کو فِسْق و فجور نہ جانے، قرآن عظیم میں صراحۃً اس پر لَعَنَهُمُ اللّٰهُ (پ۲۲، الاحزاب: ۵۷، ترجمۂ کنزالایمان: ان پر اللہ کی لعنت ہے۔) فرمایا، لہٰذا امام احمد اور ان کے موافقین ان پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے اِمام اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے لعن و تکفیر سے احتیاطاً سُکوت فرمایا کہ اس سے فسق و فجور متواتر ہیں کفر متواتر نہیں اور بحالِ احتمال نسبتِ کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر، اور اَمثالِ وعیدات مشروط بعدَمِ توبہ ہیں لقولہ تعالٰی: فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ (پ۱۶، مریم: ۵۹، ۶۰، ترجمۂ کنزالایمان: تو عنقریب وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے مگر جو تائب ہوئے۔) اور توبہ تادمِ غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عَدَم پر جزم نہیں اور یہی اَحْوَط و اَسْلَم ہے، مگر اس کے فسق و فجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سُنَّت کے خِلاف ہے اور ضَلالت و بدمذہبی صاف ہے، بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبتِ سیدِ عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا شمّہ ہو۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝ ترجمۂ کنزالایمان: اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (پ۱۹، الشعرآء: ۲۲۷)

احکام شریعت، ص130 پر فرماتے ہیں: یزید پلید کے بارے میں اَئِمَّہ اَہْلِ سُنَّت کے تین قول ہیں امام احمد وغیرہ اکابر اسے کافر جانتے ہیں تو ہر گز بخشش نہ ہو گی اور امام غزالی وغیرہ مسلمان کہتے ہیں تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہے اور ہمارے اِمام سُکوت فرماتے ہیں کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر لہٰذا یہاں بھی سُکوت کریں گے۔ وَاللہُ تَعَالٰی اَعْلَم

(1)...بخاری، کتاب الادب، باب ما ینھی من السباب واللعن، ۴/ ۱۱۱، حدیث: ۶۰۴۵

مدینے کے تاجدار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی دوسرے کے کفر پر ہونے کی گواہی دیتا ہے تو کفران دونوں میں سے ایک کی طرف لوٹتا ہے اگر وہ شخص کافر ہو تو وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا اور اگر کافر نہ ہو تو اس کی تکفیر کرنے کے سبب کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔[1]

شرح حدیث:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسے دوسرے شخص کے مسلمان ہونے کا علم ہے پھر بھی اسے کافر قرار دے اور اگر کسی بدعت وغیرہ کے سبب اس کے کافر ہونے کا اسے گمان ہو تو وہ خطاکار ہوگا کافر نہیں ہوگا۔

حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جَبَل رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: میں تمہیں مسلمان کو گالی دینے اور عادل امام کی نافرمانی کرنے سے روکتا ہوں۔[2]

فوت شدہ لوگوں کو بُرا بھلا کہنے کا بہت سخت حکم ہے۔ چنانچہ

مُردوں کو برا نہ کہو:

حضرت سیِّدُنا مَسروق رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں کہ میں اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: فلاں کا کیا حال ہے اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت؟ میں نے عرض کی: اس کا انتقال ہو گیا ہے تو آپ نے فرمایا: اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت ہو۔ میں نے عرض کی: اس کی کیا وجہ ہے؟ (کہ پہلے لعنت اور اب رحمت کی دعا) تو آپ نے فرمایا: رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے: مُردوں کو برا مت کہو کہ وہ اپنے کئے کو پہنچ چکے۔[3]

تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مُردوں کو بُرا نہ کہو کہ اس کے باعث زندوں کو ایذا پہنچتی ہے۔[4]

---

1 ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ما یکرہ من لعن المؤمن وتکفیرہ، ص ۲۵، حدیث: ۱۸

2 ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ما یکرہ من سب الناس وتناول اعراضھم، ص ۳۰، حدیث: ۳۰

3 ...بخاری، کتاب الجنائز، باب ما ینھی من سب الاموات، ۱/ ۴۷۰، حدیث: ۱۳۹۳

4 ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی الشتم، ۳/ ۳۹۵، حدیث: ۱۹۸۹

صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو بُرا بھلا کہنے کی مذمّت:

رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! میرے صحابہ، میرے رُفَقا اور میرے سسرالی رشتہ داروں کے معاملے میں میری عزت و حُرمت کا لحاظ رکھو اور انہیں برا بھلا نہ کہو، اے لوگو! جب مرنے والا مر جائے تو اس کا بھلائی سے تذکرہ کرو۔ (1)

سیِّدُنا امام حسین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کے قاتل کو لعنت کرنا کیسا؟

کیا یہ کہنا درست ہے کہ امام عالی مقام حضرت سیِّدُنا امام حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے قاتل یا قتل کا حکم دینے والے پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ درست یہ ہے کہ یوں کہا جائے: حضرت سیِّدُنا امام حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا قاتل اگر توبہ سے پہلے مر گیا تو اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت ہو، کیونکہ یہ احتمال بہرحال موجود ہے کہ وہ توبہ کے بعد مرا ہو۔ چنانچہ حضرت وحشی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے قبولِ اسلام سے قبل رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے چچا جان حضرت سیِّدُنا حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو شہید کیا اور اسلام لانے کے بعد قتل اور کفر دونوں سے توبہ کر لی، لہٰذا قتل کے سبب (کسی مسلمان پر) لعنت کرنا جائز نہیں کیونکہ قتل اگرچہ کبیرہ گناہ ہے لیکن کفر کے درجہ تک نہیں پہنچتا۔ معلوم ہوا توبہ کی قید کے بغیر مطلقاً لعنت بھیجنے میں خطرہ ہے اور خاموش رہنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے، لہٰذا خاموش رہنا ہی زیادہ مناسب ہے۔

مذکورہ بحث کی غرض:

ہم نے یہ گفتگو صرف اس لئے کی ہے کہ لوگوں نے لعنت کو آسان سمجھ لیا ہے اور لعنت کے معاملے میں زبان کو آزاد چھوڑ دیا ہے حالانکہ مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ لعنت صرف اس پر کی جائے جو کفر پر مرا ہو یا عمومی صفات کے ساتھ کی جائے (جیسے کافروں یا ظالموں پر اللہ کی لعنت) اور مُعَیَّن اَشخاص پر نہ کی جائے۔ لعنت کرنے کے بجائے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں مشغول ہونا زیادہ مناسب ہے اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر

(1) ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب مایکرہ من سب الاموات، ص ۲۱، حدیث ۱۰۰

نہ ہو سکے تو خاموش رہنے میں عافیت ہے۔

دو کلمات:

حضرت سیِّدُنا مکی بن ابراہیم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّحِیْم فرماتے ہیں: ہم حضرت سیِّدُنا ابْنِ عَوْن رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ (بصرہ کے امیر اور قاضی) بلال بن ابی بردہ کا ذکر آیا تو لوگ اس پر لعنت کرنے لگے اور برا بھلا کہنے لگے۔ حضرت ابن عون رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ خاموش رہے تو لوگوں نے کہا: اے ابن عون! ہم اس کی مذمت اس لئے کر رہے ہیں کہ اس نے آپ کے ساتھ برا سلوک کیا۔ حضرت ابن عون رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے سنا تو ارشاد فرمایا: بروزِ قیامت میرے نامۂ اعمال سے دو کلمات ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله“ اور ”فلاں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت“ نکلیں اس کے بجائے مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میرے نامۂ اعمال سے صرف ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله“ نکلے۔

لعنت کرنے والا نہ بننا:

ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: مجھے نصیحت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا: میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ لعنت کرنے والا نہ بننا۔[1]

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: ہر طعنہ دینے والا اور لعنت کرنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔

مومن کو لعنت کرنا قتل کے برابر ہے:

منقول ہے کہ مومن پر لعنت بھیجنا اسے قتل کرنے کے برابر ہے۔ حضرت سیِّدُنا حماد بن زید رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اسے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اگر میں کہوں کہ یہ مرفوع (یعنی یہ حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مروی) ہے تو میں اس میں حرج نہیں جانتا۔[2]

حضرت سیِّدُنا ابو قتادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں: منقول ہے کہ جو شخص کسی مومن پر لعنت کرتا ہے تو گویا وہ اسے قتل کرتا ہے۔ یہ بات حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی مروی ہے۔

---

1 ...المعجم الکبیر، ۲/ ۲۸۳، حدیث: ۲۱۸۰

2 ...بخاری، کتاب الادب، باب من کفر اخاہ بغیر تاویل... الخ، ۴/ ۱۲۸، حدیث: ۶۱۰۵

شر کی دعا کرنا بھی لعنت کے قریب ہے:

کسی شخص کے خلاف شر کی دعا کرنا بھی لعنت کے قریب قریب ہے حتّٰی کہ ظالم کے خلاف دعا کرنا بھی اس کے قریب ہے مثلاً کسی کا یہ کہنا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ فُلاں سے اس کی بیماری دور نہ کرے اور اسے (آفات وغیرہ) سے محفوظ نہ رکھے یا اس قسم کے دوسرے الفاظ کہنا، قابل مذمت ہے۔

حدیث شریف میں ہے: اِنَّ الْمَظْلُوْمَ لَيَدْعُوْ عَلَى الظَّالِمِ حَتّٰى يُكَافِئَهٗ ثُمَّ يَبْقٰى لِلظَّالِمِ عِنْدَهٗ فَضْلَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی مظلوم ظالم کے خلاف دعا کر کے اپنا بدلہ لے لیتا ہے پھر ظالم کے لئے بروزِ قیامت کچھ زیادتی باقی رہ جاتی ہے (جبکہ مظلوم بدلہ لینے میں بڑھ جائے)۔[1]

آفت نمبر9:

گانا اور شاعری

ہم سماع کے بیان میں ذکر کر چکے کہ کون سا گانا حرام ہے اور کون سا حلال ہے، لہٰذا ہم اسے دوبارہ ذکر نہیں کریں گے۔ جہاں تک شاعری کی بات ہے تو کلام اگر اچھا ہو تو اچھا ہے اور برا ہو تو برا ہے البتہ عبادت وغیرہ چھوڑ کر اسی میں لگے رہنا قابل مذمت ہے۔

حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَاَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ اَحَدِكُمْ قَيْحًا حَتّٰى يَرِيَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا یعنی تم میں سے کسی کے پیٹ کا پیپ سے بھر کر خراب ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرا ہوا ہو۔[2]

حضرت سیِّدُنا مسروق رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه سے شعر کے ایک مصرعہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے اسے ناپسند کیا۔ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو ارشاد فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میرے نامۂ اعمال میں کوئی شعر پایا جائے۔

کسی بزرگ سے شعر کے بارے میں پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: اس کی جگہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کیا کرو کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر شعر سے بہتر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شعر کہنا اور اسے مرتب کرنا حرام نہیں ہے جبکہ اس میں ناپسندیدہ کلام نہ ہو۔ چنانچہ،

---

1 ... تذکرة الموضوعات، باب الامام العادل والظالم ... الخ، ص ۱۸۴

2 ... بخاری، کتاب الادب، باب ما یکره ان یکون الغالب علی الانسان ... الخ، ۴/ ۱۴۳، حدیث: ۶۱۵۵

بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں:

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً یعنی بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔(1)

البتہ شعر سے مقصود تعریف، مذمت اور عشقیہ اَوصاف کا ذکر ہوتا ہے تو اس میں کبھی جھوٹ بھی داخل ہو جاتا ہے۔

سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا حَسّان بن ثابِت اَنصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو کفار کی ہَجْو و مذمت میں اشعار کہنے کا حکم دیا۔(2)

تعریف میں مبالغہ کرنا اگرچہ یہ جھوٹ ہے لیکن حرام ہونے کے مُعاملے میں یہ جھوٹ سے منسلک نہیں ہوگا جیسا کہ شاعر کا یہ کہنا:

وَلَوْ لَمْ یَکُنْ فِیْ کَفِّہٖ غَیْرُ رُوْحِہٖ　　لَجَادَ بِہَا فَلْیَتَّقِ اللّٰہَ سَائِلُہٗ

ترجمہ: اگر اس کے پاس روح کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تو وہ اسے ہی لٹا دیتا تو مانگنے والے کو بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنا چاہئے۔

اس شعر میں سخاوت کے انتہائی درجہ کو بیان کرنا مقصود ہے تو شعر میں جس کی تعریف کی گئی ہے اگر وہ سخی نہیں ہے تو شاعر جھوٹا ہوگا اور اگر وہ سخی ہے تو مُبالَغہ فَنِّ شعری سے ہے اور اس سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس صورت کو سچ سمجھتا ہے۔ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سامنے کئی اشعار پڑھے گئے اگر تلاش کیا جائے تو ان میں بھی اس قسم کی باتیں ملیں گی لیکن آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

نورانی پسینہ:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ میرے سرتاج، صاحبِ معراج صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنا مبارک جوتا سی رہے تھے اور میں بیٹھی سوت کات رہی تھی۔ میں نے آپ کی طرف دیکھا تو جَبِیْنِ اَقدس (مبارک پیشانی) پر پسینہ آرہا تھا جس سے نور پیدا ہو رہا تھا۔ آپ فرماتی ہیں: میں حیران ہو کر آپ کو

---

1 ... بخاری، کتاب الادب، باب ما یجوز من الشعر... الخ، ۴/ ۱۳۹، حدیث ۶۱۴۵

2 ... بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، ۲/ ۳۸۳، حدیث: ۳۲۱۳

دیکھنے لگی تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: حیران کیوں ہو؟ میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی مبارک پیشانی پر پسینہ آرہا ہے اور اس سے نور پیدا ہورہا ہے۔ اگر ابوکبیر ہُذلی آپ کو اس حالت میں دیکھ لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ آپ اس کے شعر کے زیادہ مصداق ہیں۔ آپ نے استفسار فرمایا: اے عائشہ! ابوکبیر ہُذلی نے کیا کہا ہے؟ میں نے عرض کی: اس نے یہ دو شعر کہے ہیں:

وَمُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ غُبَّرِ حَيْضَةٍ ... وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءِ مُغْيِلِ

فَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ ... بَرَقَتْ كَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

ترجمہ: وہ حیض کے آخری ایام میں کئے گئے جماع، دودھ پلانے والی کے فساد اور حالتِ حمل کے دودھ پینے سے پیدا ہونے والی بیماری سے پاک ہے اور جب تم اس کی پیشانی کی لکیروں کو دیکھو گے تو وہ چمکنے والے بادل کی طرح چمک رہی ہوں گی[1]۔

فرماتی ہیں: آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے دست مبارک میں موجود چیز کو رکھا، میرے طرف تشریف لائے اور میری آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر ارشاد فرمایا: جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا يَا عَائِشَةُ مَا سُرِرْتِ مِنِّي كَسُرُورِي مِنْكِ یعنی اے عائشہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے، تم مجھ سے اتنی خوش نہیں ہوئی ہو گی جتنا میں تم سے خوش ہوا ہوں۔[2]

شعر زبان پر چیونٹیوں کی طرح رینگتے ہیں:

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے غزوۂ حُنَین کے دن جب مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو حضرت عباس بن مرداس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو چار اونٹنیاں دینے کا حکم فرمایا تو وہ اپنے اشعار میں اس کا

---

1 ...وہ حیض کے آخری ایام میں کئے گئے جماع سے پاک ہے" اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی ماں کے ساتھ حیض کے آخری ایام میں ہم بستری نہیں کی گئی بلکہ وہ طہر کی حالت میں حاملہ ہوئی ہے کیونکہ اہلِ عَرَب کا یہ گمان تھا کہ جب حیض کے آخری ایام میں جماع کیا جائے تو بچہ خراب پیدا ہوگا۔ "وہ دودھ پلانے والی کے فساد سے پاک ہے" اس سے مراد یہ ہے کہ جس عورت نے اسے دودھ پلایا ہے اس سے دودھ پلانے کی حالت میں جماع نہیں کیا گیا کیونکہ عرب کا خیال تھا کہ دودھ پلانے والی سے جماع کیا جائے تو اس کا دودھ خراب ہو جاتا ہے اور جب بچہ وہ دودھ پئے گا تو وہ بھی خراب ہو جائے گا۔ "وہ حالت حمل کے دودھ پینے سے پیدا ہونے والی بیماری سے پاک ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ حاملہ عورت نے اسے دودھ نہیں پلایا، عرب کا خیال تھا کہ حاملہ عورت اگر بچے کو دودھ پلائے گی تو وہ شہسوار نہیں ہو سکتا بلکہ گھوڑے سے گر پڑے گا۔

(اتقان الفراسة فی شرح دیوان الحماسة، ص۷۷...... اتحاف السادة المتقین، ۹/ ۲۱۶)

2 ...سنن الکبری للبیہقی، کتاب العدد، باب الحیض علی الحمل، ۷/ ۶۹۲، حدیث: ۱۵۴۲۷

شکوہ کرتے ہوئے چلے گئے، ان کے اشعار کے آخر میں یہ تھا:

وَمَا كَانَ بَدْرٌ وَلَا حَابِسٌ يَفُوقَانِ مِرْدَاسَ فِي الْمَجْمَعِ

وَمَا كُنْتُ دُونَ امْرِئٍ مِنْهُمَا وَمَنْ تَخْفِضِ الْيَوْمَ لَا يُرْفَعِ

ترجمہ: بدر اور حابس معرکہ میں مرداس سے فوقیت نہیں رکھتے اور میں ان دونوں سے کسی طرح کم نہیں ہوں اور جو آج پست ہوا وہ پھر بلند نہیں ہو گا۔

آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ان کی زبان کو مجھ سے روک لو (یعنی انہیں خوش کر دو تاکہ یہ خاموش ہو جائیں)[1] یہ سن کر امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ان کو لے گئے حتّٰی کہ انہوں نے 100 اونٹ پسند کئے پھر جب لوٹے تو لوگوں میں سب سے زیادہ خوش تھے۔ سرکار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان سے ارشاد فرمایا: کیا میرے بارے میں شعر کہتے ہو؟ تو وہ معذرت کرنے لگے اور عرض کرنے لگے: میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں شعر کو اپنی زبان پر چیونٹیوں کی طرح رینگتا پاتا ہوں پھر وہ مجھے ایسے کاٹتے ہیں جیسے چیونٹی کاٹتی ہے، لہٰذا میں شعر کہنے سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مسکرا دیئے اور ارشاد فرمایا: عرب شعر کو نہیں چھوڑیں گے حتّٰی کہ اونٹ بلبلانا چھوڑ دیں۔

آفت نمبر 10: مزاح کرنا

یہ اپنی اصل کے اعتبار سے مذموم اور ممنوع ہے البتہ اس کی تھوڑی مقدار ممنوع نہیں۔

تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَا تُمَارِ اَخَاکَ وَلَا تُمَازِحْہُ یعنی اپنے بھائی سے جھگڑا کرو نہ اس سے مزاح کرو۔[2]

کون سا مزاح ممنوع ہے؟

اگر کوئی کہے کہ مُمارات (یعنی جھگڑنے) میں تو ایذا رسانی ہے کیونکہ اس میں مومن بھائی اور دوست کو جھٹلایا جاتا ہے یا اسے جاہل قرار دیا جاتا ہے جبکہ مِزاح تو خوش طَبعی کا نام ہے اور اس میں تو خوشی اور دل لگی

---

[1]...تاریخ مدینہ دمشق، الرقم: ۳۱۲۱، عباس بن مرداس، ۲۶/ ۴۱۵

[2]...سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی المراء، ۳/ ۴۰۰، حدیث: ۲۰۰۲

پائی جاتی ہے تو اسے ممنوع نہیں ہونا چاہئے؟

جواب: جاننا چاہیے کہ مزاح وہ ممنوع ہے جو حد سے زیادہ کیا جائے اور ہمیشہ اسی میں لگا رہا جائے اور جہاں تک ہمیشہ مزاح کرتے رہنے کا تعلُّق ہے تو یہ کھیل کود اور دل لگی میں مشغول رہنا ہے اور کھیل کود اگرچہ مباح ہے مگر اس پر ہمیشگی اختیار کرنا قابلِ مذمّت ہے۔ رہی مزاح کی زیادتی تو اس سے زیادہ ہنسی پیدا ہوتی ہے اور زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے، بسا اوقات دل میں بغض وعداوت پیدا ہو جاتا ہے اور ہیبت و وقار بھی ختم ہو جاتا ہے تو جو مزاح ان امور سے خالی ہو وہ قابلِ مذمت نہیں ہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنِّیْ لَاَمْزَحُ وَلَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا یعنی بے شک میں مزاح کرتا ہوں لیکن میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔[1] لیکن یہ آپ ہی کی شان تھی کہ مزاح بھی فرماتے اور جھوٹ بھی نہ ہوتا جبکہ دیگر لوگ جب مزاح شروع کرتے ہیں تو ان کا مقصد لوگوں کو ہنسانا ہوتا ہے خواہ کیسے بھی ہو۔ حالانکہ نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: آدمی اپنے ہم نشینوں کو ہنسانے کے لئے کوئی بات کہتا ہے تو اس کے سبب نارِ جَہَنَّم میں ثُرَیا (ستارے کے فاصلے) سے بھی دور جا گرتا ہے۔[2]

مزاح کا نقصان:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ”جو زیادہ ہنستا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے اور جو مزاح کرتا ہے لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے، جو کسی کام کو کثرت سے کرتا ہے وہ اسی کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے، جو زیادہ بولتا ہے وہ زیادہ غَلَطیاں کرتا ہے اور جس کی غلطیاں زیادہ ہو جائیں اس کی حَیا کم ہو جاتی ہے اور جس کی حیا کم ہو جائے اس کی پرہیز گاری کم ہو جاتی ہے اور جس کی پرہیز گاری کم ہو جائے اس کا دل مر جاتا ہے۔“

ہنسنا غفلت کی علامت ہے:

علاوہ ازیں ہنسنا آخرت سے غفلت پر دلالت کرتا ہے۔ سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار صَلَّی اللہُ

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی المزاح، ۳/ ۳۹۹، حدیث: ۱۹۹۷

[2] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۷۹، حدیث: ۷۱

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا یعنی اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو کم ہنستے اور زیادہ روتے۔ [1]

طویل عرصے تک نہ ہنسنے والے بزرگانِ دین:

ایک شخص نے اپنے دینی بھائی کو (ہنستے ہوئے دیکھا تو اس) سے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم دوزخ سے گزرو گے؟ اس نے کہا: ہاں! اس نے پوچھا: کیا یہ بھی معلوم ہے کہ تم اس سے نکل جاؤ گے؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو اس شخص نے کہا: پھر کس بات پر ہنستے ہو؟

کہا گیا ہے کہ اس کے بعد مرتے دم تک اسے ہنستا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

حضرت سَیِّدُنا یُوسُف بن اَسباط رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: حضرت سَیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی 30 سال تک نہیں ہنسے۔

منقول ہے کہ حضرت سَیِّدُنا عطاء سُلَمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی 40 سال تک نہیں ہنسے۔

کیا یہ خائفین کا فعل ہے؟

حضرت سَیِّدُنا وُہَیْب بن وَرْد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الاَحَد نے عید الفطر کے دن کچھ لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا: اگر ان لوگوں کی مغفرت ہو گئی ہے تو کیا یہ شکر کرنے والوں کا کام ہے اور اگر ان کی بخشش نہیں ہوئی تو کیا یہ خائفین (یعنی ڈرنے والوں) کا فعل ہے۔

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن ابو یعلٰی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الاَعْلٰی فرمایا کرتے: تم ہنس رہے ہو اور ہو سکتا ہے تمہارے کفن تیار ہو چکے ہوں [2]۔

---

1 ... بخاری، کتاب التفسیر، باب لاتسألوا عن اشیاء... الخ، ۳/ ۲۱۸، حدیث: ۴۶۲۱

2 ... علامہ سیّد محمد بن محمد حسینی مرتضٰی زَبیدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الوَلِی فرماتے ہیں: "احیاء کے تمام نسخوں میں یہ قول عبد اللہ بن ابو یعلٰی سے منقول ہے جبکہ مجھے ان کا تذکرہ نہیں ملا اور امام سخاوی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الہَادِی کی مقاصد میں ہے قال عبد اللہ بن ثعلبہ، لہٰذا غور کر لو۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۳۲۱)" اور خود حضرت سَیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الوَالِی نے "بَیَانُ السَّبَبِ فِیْ طُوْلِ الْاَمَلِ وَعِلَاجِہٖ" میں یہ فرمان عبد اللہ بن ثعلبہ سے نقل کیا ہے۔

روتے ہوئے جہنم میں داخلہ:

حضرت سیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُمَا فرماتے ہیں: جو ہنستا ہوا گناہ کرتا ہے وہ روتا ہوا جہنم میں داخل ہو گا۔

حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللہِ النَّافِع فرماتے ہیں: جب تم جنت میں کسی کو روتا ہوا دیکھو گے تو کیا تمہیں اس کے رونے سے تعجُّب نہیں ہو گا؟ عرض کی گئی: ضرور ہو گا۔ ارشاد فرمایا: تو جو دنیا میں ہنستا ہے لیکن اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا ٹھکانا کیا ہے تو اس شخص پر اس سے بھی زیادہ تعجب ہے۔

مذموم اور محمود ہنسی:

یہ گفتگو ہنسنے کی آفت کے متعلِّق تھی اور ہنسنے کی مذموم صورت یہ ہے کہ انسان ہنستا ہی رہے اور قابل تعریف صورت تَبَسُّم ہے کہ جس میں دانت ظاہر ہوتے ہیں اور آواز نہیں سنائی دیتی اور رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ہنسنا بھی ایسا ہی تھا (یعنی آپ تبسم فرماتے)۔ [1]

سرکش اونٹنی:

حضرت سیِّدُنا امیر مُعاوِیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہ کے غلام حضرت سیِّدُنا قاسم رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ بیان کرتے ہیں: ایک اعرابی سرکش اونٹنی پر سوار ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، سلام کرنے کے بعد جب بھی وہ کچھ پوچھنے کے لئے آپ سے قریب ہونے لگتا تو وہ اسے لے کر بھاگ کھڑی ہوتی، صحابۂ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان یہ دیکھ کر ہنسنے لگتے، اونٹنی نے یہ فعل (تین) مرتبہ کیا پھر بالآخر اسے سر کے بل گرا کر مار دیا۔ عرض کی گئی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اونٹنی نے اعرابی کو گرا کر ہلاک کر دیا ہے۔ ارشاد فرمایا: ہاں! اور تمہارے منہ اس کے خون سے بھرے ہوئے ہیں۔

جب مِزاح اس حد تک پہنچ جائے کہ اس سے وقار جاتا رہے تو یہ وہی مزاح ہے جس کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اَعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہ فرماتے ہیں: جو مزاح کرتا ہے وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔

---

[1] ... الشمائل المحمدیۃ للترمذی، باب ما جاء فی ضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۳۷، حدیث: ۲۱۸

بچوں سے مزاح نہ کرو:

حضرت سیِّدُنا محمد بن مُنکَدِر عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَحَد فرماتے ہیں: میری والِدہ مُحتَرَمہ نے مجھ سے فرمایا: اے میرے بیٹے! بچوں سے مِزاح نہ کرنا، ورنہ ان کی نظروں میں تمہاری عزت کم ہو جائے گی۔

مزاح کینہ پیدا کرتا ہے:

حضرت سیِّدُنا سعید بن عاص رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹا کسی شریف سے مزاح نہ کرنا کہ تمہارے خلاف اس کے دل میں کینہ پیدا ہو جائے گا اور نہ کسی گھٹیا آدمی سے مزاح کرنا کہ وہ تم پر جرأت کرے گا۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر بن العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو اور مزاح کرنے سے بچو کیونکہ اس سے کینہ پیدا ہوتا ہے نیز یہ بد کلامی کی طرف لے جاتا ہے، قرآنِ کریم کے فرامین بیان کرو اور اس کے لئے مجلس منعقد کرو اگر اکتا جاؤ تو نیک لوگوں کا تذکرہ کیا کرو۔

مِزاح کو مِزاح کہنے کی وجہ:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مزاح کا نام مزاح کیوں رکھا گیا ہے؟ لوگوں نے عرض کی: نہیں۔ ارشاد فرمایا: مزاح کو مزاح اس لئے کہتے ہیں کہ یہ مزاح کرنے والے کو حق سے دور کر دیتا ہے (کیونکہ مزاح زَوْخ سے بنا ہے اور زَوْخ کا معنی ہے دور کرنا، الگ کرنا)۔ کہا جاتا ہے کہ ہر چیز کا بیج ہوتا ہے اور عداوت و دشمنی کا بیج مزاح ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مزاح عقل کو چھین لیتا اور دوستوں کو جدا کر دیتا ہے۔

مزاح کے جائز ہونے کی شرطیں:

سوال: اگر تم کہو کہ حُضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے تو مزاح منقول ہے تو یہ ممنوع کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب: میں کہتا ہوں اگر تمہیں اس بات پر قدرت ہو جس پر نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور صحابۂ کرام رِضْوَانُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن قادر تھے کہ تم مزاح میں صرف حق بات کہو، کسی کے دل کو اذیت نہ پہنچاؤ،

مزاح میں حد سے نہ بڑھو اور کبھی کبھار کرو تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ کوئی شخص مزاح کو پیشہ بنالے، اس میں ہمیشگی اختیار کرے اور مزاح کرنے میں حد سے بڑھ جائے پھر رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مبارک فعل سے دلیل پکڑے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دن بھر حبشیوں کے ساتھ رہے، انہیں اور ان کے رقص کو دیکھتا رہے اور اس بات سے دلیل پکڑے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو عید کے دن حبشیوں کا رقص دیکھنے کی اجازت عطا فرمائی۔[1] حالانکہ یہ خطا ہے کیونکہ بعض صغیرہ گناہ اِصرار سے کبیرہ ہو جاتے ہیں اور بعض مُباح کام اِصرار سے صغیرہ گناہ بن جاتے ہیں، لہٰذا اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا مزاح:

حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: میں اگرچہ تم سے مزاح کرتا ہوں لیکن حق بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔[2]

حضرت سیِّدُنا عطاء بن ابی رَباح رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے پوچھا کیا رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مزاح فرماتے تھے؟ ارشاد فرمایا: ہاں۔ اس نے پوچھا: آپ کا مزاح کیسا ہوتا تھا؟ فرمایا: آپ کا مزاح اس طرح ہوتا تھا کہ ایک دن آپ نے ایک زوجۂ مُطَہَّرہ کو ایک بڑا کپڑا عطا کیا اور ارشاد فرمایا: اسے پہن لو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرو اور اس کے دامن کو دُلہن کے دامن کی طرح گھسیٹو۔[3]

حضرت سیِّدُنا اَنَس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم لوگوں میں سب سے بڑھ کر اپنی ازواج کے ساتھ خوش طبع تھے۔[4]

---

1 ...مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب الرخصۃ فی اللعب... الخ، ص ۴۴۲، حدیث: ۸۹۲

2 ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی المزاح، ۳/ ۳۹۹، حدیث: ۱۹۹۷

3 ...تاریخ مدینۃ دمشق، السیرۃ النبویۃ، باب ماحفظ من مزاحہ... الخ، ۴/ ۴۱، حدیث: ۸۴۹

4 ...فیض القدیر، ۵/ ۲۲۹، تحت الحدیث: ۶۸۲۵...... تاریخ مدینہ دمشق، باب ماحفظ من مزاحہ... الخ، ۴/ ۳۷

مروی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بہت زیادہ تَبَسُّم فرماتے تھے۔[1]

جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی:

حضرت سَیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی بیان کرتے ہیں: ایک بوڑھی عورت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے فرمایا: "جنت میں کوئی بوڑھی داخل نہیں ہوگی۔" یہ سن کر وہ رونے لگی تو آپ نے ارشاد فرمایا: "تم اس دن بوڑھی نہیں ہوگی۔"[2] اللہ عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءًۙ(۳۵) فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًاۙ(۳۶) (پ۲۷، الواقعۃ: ۳۵، ۳۶)

ترجمۂ کنزالایمان: بیشک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا تو انہیں بنایا کواریاں اپنے شوہر پر پیاریاں۔

آنکھ کی سفیدی:

حضرت سَیِّدُنا زید بن اسلم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم بیان کرتے ہیں: حضرت سَیِّدَتُنا اُمِّ اَیمن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ میرے خاوند آپ کو بلاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: کون؟ وہی جس کی آنکھ میں سفیدی ہے؟ انہوں نے عرض کی: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! ان کی آنکھ میں کوئی سفیدی نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا: ہاں۔ اس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ انہوں نے عرض کی: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! ان کی آنکھ میں کوئی سفیدی نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا: کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو۔[3]

اس سے آپ کی مراد وہ سفیدی تھی جو آنکھ کے سیاہ حلقے کو گھیرے ہوتی ہے۔

اونٹ کا بچہ:

مروی ہے کہ ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے سواری کیلئے اونٹ عطا فرمائیں؟ ارشاد فرمایا: ہم تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کریں گے۔ اس نے عرض کی: میں اس کا کیا کروں گی وہ تو مجھے نہیں اٹھا سکے گا، تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد

---

1 ... الشمائل المحمدیۃ للترمذی، باب ماجاء فی ضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۳۶، حدیث: ۲۱۷

2 ... الشمائل المحمدیۃ للترمذی، باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۴۳، حدیث: ۲۳۰

3 ... سبل الھدی والرشاد، جماع ابواب صفاتہ المعنویۃ، الباب الثانی والعشرون فی مزاحہ، ۷/ ۱۱۴

فرمایا: ہر اونٹ، اونٹ ہی کا تو بچہ ہوتا ہے۔ (1)

نُغَیر کا کیا حال ہے؟

حضرت سیِّدُنا اَنَس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا ابو طَلْحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے ایک بیٹے تھے جنہیں ابو عُمَیر کہا جاتا تھا، حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ان کے گھر تشریف لے جاتے اور (بچے کے ساتھ مزاح کرتے ہوئے) فرماتے: یَا اَبَا عُمَیْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ یعنی اے ابو عُمَیر! نُغَیر کا کیا حال ہے؟ (2) نُغَیر چڑیا کا بچہ تھا جس سے ابو عُمَیر کھیلا کرتے تھے۔

دوڑ کا مقابلہ:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: میں غزوۂ بدر میں سرکارِ نامدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ گئی، آپ نے ارشاد فرمایا: آؤ میں تم سے دوڑ کا مقابلہ کرتا ہوں، چنانچہ میں نے اپنا دوپٹہ مضبوطی سے اپنے پیٹ پر باندھ لیا پھر ہم نے ایک لکیر کھینچی، اس پر کھڑے ہوئے اور دوڑ لگادی تو آپ مجھ سے آگے نکل گئے، آپ نے فرمایا: یہ ذُوالمَجاز کا بدلہ ہے۔ (3) (ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں) ذُوالمَجاز کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک دن آپ تشریف لائے اور ہم مقام ذو المجاز میں تھے، میں اس وقت کم سن تھی اور میرے والد نے مجھے کوئی چیز بھیجی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا: یہ مجھے دے دو، میں نے انکار کیا اور دوڑ پڑی، آپ بھی میرے پیچھے دوڑے لیکن مجھے پکڑ نہیں سکے۔

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا مزید فرماتی ہیں: حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے دوڑ کا مقابلہ کیا تو میں آپ سے نکل گئی پھر جب میں فَربہ ہو گئی اور آپ نے مجھ سے دوڑ کا مقابلہ کیا تو آپ جیت گئے اور ارشاد فرمایا: یہ اس کا بدلہ ہے۔ (4)

---

1 ... سنن ابی داود، کتاب الادب، باب ما جاء فی المزاح، ۴/ ۳۸۹، حدیث: ۴۹۹۸ بتغیر
سبل الهدی والرشاد، جماع ابواب صفاته المعنوية، الباب الثاني والعشرون في مزاحه، ۷/ ۱۱۴

2 ... الشمائل المحمدية للترمذي، باب ما جاء في صفة مزاح رسول الله صلى الله عليه وسلم، ص ۱۴۱، حديث: ۲۲۶

3 ... المنتخب من كتاب ازواج النبي، قصة تزوج عائشة رضي الله عنها، ص ۹

4 ... سنن ابي داود، كتاب الجهاد، باب في السبق على الرجل، ۳/ ۴۲، حديث: ۲۵۷۸

تھوڑا سا کھانا چہرے پر مل دیا:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا فرماتی ہیں: سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم میرے ہاں تشریف فرما تھے اور حضرت سودہ بنتِ زَمعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا بھی موجود تھیں۔ میں خزیرہ (آٹے اور گوشت سے تیار ایک قسم کا کھانا) بنا کر لائی اور حضرت سودہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا سے کہا: کھائیں، انہوں نے کہا: مجھے یہ پسند نہیں ہے۔ میں نے کہا: بخدا! کھاؤ ورنہ میں اسے تمہارے چہرے پر مل دوں گی۔ انہوں نے کہا: میں اسے نہیں چکھوں گی، لہٰذا میں نے پلیٹ سے تھوڑا سا لے کر ان کے چہرے پر مل دیا حضورِ انور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، آپ نے اپنے گھٹنوں کو نیچے کر لیا تاکہ وہ بھی مجھ سے بدلہ لے سکیں۔ چنانچہ انہوں نے بھی پلیٹ میں سے لیا اور میرے چہرے پر مل دیا۔ یہ دیکھ کر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مسکرانے لگے۔[1]

سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسکرا دیئے:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا ضَحّاک بن سُفیان کِلابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ پست قد تھے اور شکل و صورت بھی خوبصورت نہ تھی۔ جب حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں بیعت فرمایا تو انہوں نے عرض کی: میری دو بیویاں ہیں جو اس حُمَیراء (یعنی حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا) سے بہتر ہیں۔ کیا میں ان میں سے ایک کو طلاق نہ دے دوں تاکہ آپ اس سے نکاح کر لیں؟ یہ واقعہ چونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا تھا، لہٰذا اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا ساتھ ہی بیٹھیں یہ گفتگو سن رہی تھیں آپ نے پوچھا: وہ زیادہ خوبصورت ہیں یا تم؟ انہوں نے کہا: میں ان سے کہیں زیادہ حسین و جمیل ہوں۔ سیِّدہ عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا کے اس سوال پر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مسکرا دیئے۔[2]

بچے پر شفقت:

حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم حضرت

---

[1] ...المسند لابی یعلی، مسند عائشۃ رضی اللہ عنہا، ۴/ ۸۸، حدیث: ۴۴۵۹

[2] ...رواہ الزبیر بن بکار فی کتاب الفکاھۃ والمزح (اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۲۲۸)

سَیِّدُنا امامِ حَسَن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے لئے زبان مبارک باہر نکال رہے تھے اور وہ خوش ہو کر آپ کی طرف لپک رہے تھے تو حضرت سَیِّدُنا عُیَیْنَہ بن مِحْصَن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے کہا: میرا بیٹا ہوا اس کی شادی ہو گئی اور اس کے داڑھی بھی نکل آئی لیکن میں نے اسے کبھی نہیں چوما۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (1)

حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اکثر خوش طبعیاں عورتوں اور بچوں کے ساتھ منقول ہیں۔ جس کی وجہ ان کے دلوں کی کمزوری کو دور کرنا تھا محض دل لگی مقصود نہ تھی۔

آنکھ کا درد اور کھجور کھانا؟

حضرت سَیِّدُنا صُہَیْب بن سِنان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی آنکھ دکھ رہی تھی اور وہ کھجور کھا رہے تھے تو حُسنِ اَخلاق کے پیکر، محبوبِ ربِّ اکبر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تمہاری آنکھ دکھ رہی ہے اور تم کھجور کھا رہے ہو؟ عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں دوسری طرف سے کھا رہا ہوں۔ یہ سن کر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اُن کے جواب پر مسکرا دیئے۔ راوی فرماتے ہیں: اتنا مسکرائے کہ میں نے آپ کی مبارک داڑھوں کو دیکھ لیا۔ (2)

سرکش اونٹ:

مروی ہے کہ حضرت سَیِّدُنا خَوَّات بن جُبَیر انصاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ مکہ مکرَّمہ کے راستے میں بنی کَعب کی عورتوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا وہاں سے گزر ہوا تو ارشاد فرمایا: اے ابو عبد اللہ! تمہیں عورتوں سے کیا کام ہے؟ انہوں نے عرض کی: یہ میرے سرکش اونٹ کے لئے رسی کو بل دے کر مضبوط کر رہی ہیں۔ راوی فرماتے ہیں: آپ اپنی حاجت کے لئے تشریف لے گئے، جب واپس تشریف لائے تو ارشاد فرمایا: اے ابو عبد اللہ! کیا ابھی تک اس اونٹ نے سرکشی نہیں چھوڑی؟ فرماتے ہیں: میں شرم کے مارے خاموش رہا، اس کے بعد میں جب بھی آپ کو دیکھتا تو شرم کی وجہ

---

(1)...المسند لابی یعلی، مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، ۵/ ۲۳۲، حدیث: ۵۸۲۶ بتغیر

(2)...سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب الحمیۃ، ۴/ ۹۱، حدیث: ۳۴۴۳

سے بھاگ جاتا اور مدینہ میں آنے کے بعد ایک دن آپ نے مجھے مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میرے پاس بیٹھ گئے میں نے نماز کو طویل کر دیا۔ ارشاد فرمایا: طویل نہ کرو ہم تمہارے منتظر ہیں۔ جب میں نے سلام پھیرا تو ارشاد فرمایا: اے ابو عبد اللہ! کیا ابھی تک اس اونٹ نے سرکشی نہیں چھوڑی؟ میں شرم کے سبب خاموش رہا، آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے بعد میں (حسبِ سابق) آپ سے بھاگتا رہا حتّٰی کہ آپ مجھ سے اس حال میں ملے کہ آپ دراز گوش پر سوار تھے اور آپ نے دونوں پاؤں ایک طرف کئے ہوئے تھے اور ارشاد فرمایا: اے ابو عبد اللہ! کیا ابھی تک اس اونٹ نے سرکشی نہیں چھوڑی؟ میں نے عرض کی: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے جب سے میں اسلام لایا ہوں اونٹ نے سرکشی نہیں کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر اور دعا دی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! ابو عبد اللہ! کو ہدایت عطا فرما۔[1] راوی فرماتے ہیں: چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں حُسنِ اِسلام اور ہدایت سے نوازا۔

ایک انصاری اور محبت رسول:

ایک انصاری بہت مِزاح فرماتے اور مدینہ مُنَوَّرَہ میں شراب نوشی کر لیا کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں بارگاہ رسالت میں لایا جاتا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم انہیں اپنی نعل پاک سے مارتے اور صحابۂ کِرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو بھی حکم دیتے کہ وہ اپنے جوتوں سے انہیں ماریں۔ جب ان کی شراب نوشی کی عادت بڑھ گئی تو ایک صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے انہیں کہا: تجھ پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت ہو۔ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سنا تو ارشاد فرمایا: ایسا نہ کہو کیونکہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

مدینے میں جب کوئی عمدہ چیز آتی تو یہی انصاری اس میں سے کچھ خرید کر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں پیش کر دیتے اور عرض کرتے: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! یہ میں نے آپ کے لئے خریدی ہے اور اسے آپ کی خدمت میں تحفے کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ جب بیچنے والا پیسے مانگتا تو یہ انصاری اسے بارگاہِ رسالت میں لے کر آتے اور عرض کرتے: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اسے اپنے سامان کی قیمت عطا کر دیجئے۔ آپ فرماتے: کیا تم نے ہمیں یہ چیز تحفے میں نہیں دی؟ تو عرض کرتے: یارسولَ

[1] ...المعجم الکبیر، ۴/ ۲۰۳، حدیث: ۴۱۴۶ بتغیر

اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے پاس پیسے نہیں تھے اور مجھے یہ پسند تھا کہ آپ اس میں سے تناول فرمائیں تو آپ مسکرا دیتے اور چیز کے مالک کو پیسے دینے کا حکم فرماتے۔ (1)

تو اس قسم کی خوش طبعی کبھی کبھار مُباح ہے اور اس پر ہمیشگی مذموم دل لگی ہے جو دل کو مردہ کر دینے والی ہنسی کا سبب ہے۔

آفت نمبر11: **مَذاق مَسخَرِی**

یہ بھی حرام ہے جبکہ اس سے تکلیف پہنچے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّۚ

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو نہ مرد مردوں سے ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، دور نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں۔

(پ۲۶، الحجرات:۱۱)

مذاق کی تعریف:

مذاق کا مطلب ہے: دوسرے کو حقیر اور کمتر سمجھتے ہوئے اس کے عُیُوب ونقائص کو اس طور پر ذکر کرنا جس سے ہنسی آئے اور یہ کبھی قول وفعل کی نقل اتارنے کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی اشارے کے ساتھ۔ جس کا مذاق اڑایا جارہا ہے اگر وہ موجود ہو تو اِسے غیبت کا نام تو نہیں دیں گے لیکن اس میں غیبت کا معنٰی پایا جاتا ہے۔

کثیر دنیا مل جائے پھر بھی نقل اتارنا پسند نہیں:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: میں نے کسی کی نقل اتاری تو سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: بخدا! مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی کی نقل اتاروں اور مجھے اس کے سبب کثیر دنیا مل جائے۔ (2)

---

(1) ...الاصابة فی تمييز الصحابة، حرف النون، الرقم: ۸۸۱۱، النعيمان بن عمرو، ۶/ ۳۶۶

(2) ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الغيبة، ۴/ ۳۵۳، حديث: ۴۸۷۵

لوگوں پر ہنسا گناہ میں داخل ہے:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ (پ۱۵، الکھف:۴۹)

ترجمۂ کنز الایمان: ہائے خرابی ہماری اس نَوِشْتہ (تحریر) کو کیا ہوا نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہاں چھوٹے گناہ سے مراد کسی مومن کے ساتھ مذاق کر کے مسکرانا ہے اور بڑے گناہ سے مراد اس پر قَہْقَہہ لگانا ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں پر ہنسا گناہ میں داخل ہے۔

ریح خارج ہونے پر ہنسا:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن زَمعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ لوگوں کو گوز (یعنی آواز کے ساتھ ریح خارج ہونے) پر ہنسنے کے بارے میں نصیحت کرتے ہوئے فرما رہے تھے: تم میں سے کوئی شخص اس بات پر کیوں ہنستا ہے جسے وہ خود کرتا ہے۔ (1)

مذاق کرنے والے کا انجام:

حُسنِ اَخلاق کے پیکر، محبوبِ رَبِّ اکبر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لوگوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے والوں میں سے ایک کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا: آجاؤ! آجاؤ! وہ دکھ درد میں مبتلا آئے گا، جب دروازے کے پاس پہنچے گا تو وہ بند کر دیا جائے گا پھر اس کے لیے دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا: آجاؤ! آجاؤ! وہ تکلیف اور غم کی حالت میں آئے گا جب دروازے کے پاس پہنچے گا تو اسے بند کر دیا جائے گا اسی طرح ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اس کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا: آؤ! آؤ! لیکن وہ (مایوس ہونے کے سبب) نہیں آئے گا۔ (2)

حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جَبَل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں: شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی

---

1 ...مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب النار یدخلھا الجبارون... الخ، ص۱۵۲۴، حدیث: ۲۸۵۵ / ۳/ ۳۷۸، حدیث: ۲۹۴۲

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۸۳، حدیث: ۲۸۷

عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو اپنے بھائی کو کسی ایسے گناہ پر عار دلائے جس سے وہ توبہ کر چکا ہو تو وہ اس میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں مرے گا۔[1]

یہ سب باتیں جو بیان ہوئیں ان میں دوسرے کو حقیر جاننا، اس پر ہنسنا، اسے ہلکا اور کمتر سمجھنا پایا جاتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان میں اسی پر تنبیہ کی گئی ہے:

عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ (پ۲۶، الحجرات:۱۱) ترجمۂ کنزالایمان: عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں۔

یعنی کسی کو چھوٹا سمجھتے ہوئے حقیر نہ جانو ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو۔

جو مذاق کئے جانے سے خوش ہوتا ہو تو...!

مذاق صرف اس شخص کے حق میں حرام ہے جسے اس سے اَذِیَّت پہنچے البتہ جو خود کو مذاق کا محل بنا لے اور اس بات سے خوش ہوتا ہو کہ اس سے مذاق کیا جائے تو اس سے مذاق کرنا مزاح (یعنی خوش طبعی) میں شمار ہو گا اور کون سا مزاح مذموم اور کون سا قابل تعریف ہے اس کا بیان گزر چکا، لہٰذا مذاق حرام اس صورت میں ہو گا جب دوسرے کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا جائے جس کے سبب اسے تکلیف ہو کیونکہ ایسی صورت میں اس کی تحقیر و تذلیل لازم آتی ہے۔ مثلاً: کسی کے بے ترتیب کلام یا اس کے بے تکے افعال پر ہنسنا، کسی کی تحریر یا اس کے پیشے پر ہنسنا یا کسی کی صورت اور خِلقت پر ہنسنا جب وہ پستہ قد یا کسی عیب (یعنی آنکھ کی کمزوری یا لنگڑا وغیرہ ہونے) کے سبب ناقص ہو تو ان تمام باتوں پر ہنسنا ممنوع مذاق میں داخل ہے۔

آفت نمبر12: رازفاش کرنا

اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں ایذا رسانی اور اپنوں اور دوستوں کے حق کو معمولی سمجھنا ہے۔

گفتگو امانت ہے:

محبوبِ ربِّ داور، شفیعِ روزِ محشر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص بات کر کے اِدھر اُدھر دیکھے تو وہ بات اَمانت ہے۔[2]

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ والشمس وضحاها، ۵/ ۲۲۶، حدیث: ۲۵۱۳

2 ... سنن الترمذی، کتاب البر و الصلۃ، باب ماجاء ان المجالس امانۃ، ۳/ ۳۸۶، حدیث: ۱۹۶۶

آپ نے یہ بات (اِدھر اُدھر دیکھنے کی قید کے بغیر) مطلقاً بھی ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تمہاری باہمی گفتگو اَمانت ہے۔[1]

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: تمہارا اپنے بھائی کے راز کو بیان کرنا بھی خیانت سے ہے۔

خطا کی غلامی سے آزاد کر دیا:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا امیر مُعاوِیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے (اپنے بھتیجے) حضرت ولید بن عُتْبہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے کوئی راز کی بات کہی تو انہوں نے اپنے والد سے کہا: اے میرے والد! امیر المؤمنین نے مجھ سے ایک راز کی بات کہی ہے اور میرا نہیں خیال کہ جو بات انہوں نے آپ کے علاوہ کسی دوسرے پر ظاہر کر دی، وہ آپ سے چھپائیں۔ والد صاحب نے ارشاد فرمایا: مجھ سے وہ بات بیان نہ کرنا کیونکہ جو اپنے راز کو چھپاتا ہے اختیار اس کے ہاتھ میں رہتا ہے اور جو ظاہر کر دیتا ہے اس کا اختیار دوسرے کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔

حضرت ولید رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: اے میرے والد! کیا باپ اور بیٹے کے درمیان بھی یہی معاملہ ہے؟ فرمایا: اے میرے بیٹے! اللّٰہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! نہیں۔ لیکن مجھے یہ پسند ہے کہ تم راز کو ظاہر کر کے اپنی زبان کو بے وُقعت نہ کرو۔ ولید کہتے ہیں: میں حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس آیا اور ان کو تمام بات بتائی تو آپ نے ارشاد فرمایا: تمہارے والد نے تمہیں خطا کی غلامی سے آزاد کر دیا۔

توراز فاش کرنا خیانت ہے اور جب اس میں ایذا رسانی ہو تو حرام ہے اگر ایذا رسانی نہ ہو تو کمینگی ہے۔ ہم راز چھپانے کے متعلق ہم نشینی کے آداب میں کلام کر چکے ہیں، لہٰذا دوبارہ ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔

آفت نمبر 13: جھوٹا وعدہ

بے شک زبان وعدہ کرنے میں بہت زیادہ سبقت کرتی ہے پھر بعض اوقات نفس اس کو پورا نہیں کرتا تو یوں وعدہ خلافی ہو جاتی ہے اور یہ نِفاق کی علامات میں سے ہے۔ اللّٰہ عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ (پ۶، المآئدۃ:۱) ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو اپنے قول (عہد) پورے کرو۔

---

[1] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۴۳، حدیث: ۴۰۶

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلْعِدَةُ عَطِیَّةٌ یعنی وعدہ کرنا عطیہ ہے۔(1) (یعنی جس طرح عطیہ دے کر واپس لینا مناسب نہیں ہے اسی طرح وعدہ کرکے بھی اس کا خلاف نہیں کرنا چاہئے)

وعدہ قرض سے بھی سخت تر ہے:

مصطفٰے جانِ رحمت، شمع بزم ہدایت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلْوَأْیُ مِثْلُ الدَّیْنِ اَوْ اَفْضَلُ وعدہ قرض کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی سخت تر ہے۔(2)

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی کتاب عزیز میں حضرت سیِّدُنا اسماعیل عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (پ۱۶، مریم: ۵۴) ترجمۂ کنز الایمان: بے شک وہ وعدے کا سچا تھا۔

22 دن تک منتظر رہے:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا اسماعیل ذَبِیْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے کسی شخص سے ایک جگہ کا وعدہ فرمایا تو وہ شخص وہاں نہیں آیا بلکہ بھول گیا تو آپ بائیس دن تک اس جگہ پر اس کے انتظار میں ٹھہرے رہے۔

بیٹی کا نکاح کردیا:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو ارشاد فرمایا: ایک قریشی شخص نے مجھ سے میری بیٹی کا ہاتھ مانگا تھا اور میں نے اس سے مُبْہَم سا وعدہ کیا تھا۔ بخدا! میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے نِفاق کی تیسری علامت کے ساتھ ملاقات نہیں کرنا چاہتا، میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح اس شخص سے کر دیا۔

تین دن تک انتظار کرتے رہے:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن ابو الحَسْنَاء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: میں نے حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی

---

1 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۶۷، حدیث: ۴۵۶

2 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۶۸، حدیث: ۴۵۷

عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے آپ کی بعثت سے پہلے کوئی چیز خریدی جس کا کچھ بقایا رہ گیا، میں نے وعدہ کیا کہ اسی جگہ آپ کے پاس لے کر حاضر ہوتا ہوں لیکن میں اس دن بھول گیا اور اس کے اگلے دن بھی مجھے خیال نہ آیا پھر میں تیسرے دن آپ کے پاس آیا تو آپ اسی جگہ موجود تھے اور ارشاد فرمایا: اے نوجوان! تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا میں یہاں تین دن سے تمہارا منتظر ہوں۔[1]

حضرت سیِّدُنا ابراہیم نَخَعِی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی سے پوچھا گیا: ایک شخص کسی سے مقررہ وقت پر آنے کا وعدہ کرے پھر نہ آئے (تو اس کا کتنی دیر انتظار کیا جائے؟) ارشاد فرمایا: وہ آئندہ نماز کا وقت داخل ہونے تک اس کا انتظار کرے۔

پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب کسی سے وعدہ فرماتے تو لفظ "عَسٰی" (یعنی امید ہے) فرماتے۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ جب بھی وعدہ کرتے تو اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرماتے۔ اور یہی (یعنی اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ کہنا) زیادہ مناسب ہے۔ پھر اس کے ساتھ جب وعدہ میں جَزم (یعنی پختگی) سمجھ آئے تو اسے پورا کرنا ضروری ہے سوائے یہ کہ (کسی سبب سے) اسے پورا کرنا مشکل ہو۔ اگر وعدے کے وقت اس بات کا عزم ہو کہ اسے پورا نہیں کرے گا تو یہ نفاق ہے۔

منافق کی علامات:

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ ابد قرار، دوعالَم کے مالک ومختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تین عادتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں ہوں وہ منافق ہے اگرچہ روزہ رکھے، نماز پڑھے اور یہ گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے: (۱)...بات کرے تو جھوٹ بولے (۲)...وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور (۳)...امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔[2]

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمرو رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا بیان کرتے ہیں کہ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: چار عادتیں جس شخص میں ہوں وہ منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک ہو اس

---

1 ...سنن ابی داود، کتاب الادب فی العدۃ، ۴/ ۳۸۸، حدیث: ۴۹۹۶

2 ...الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الایمان، باب ماجاء فی الشرک والنفاق، ۱/ ۲۳۷، حدیث: ۲۵۷

میں نِفاق کی ایک عادت ہے حتّٰی کہ اسے چھوڑ دے: (۱)...بات کرے تو جھوٹ بولے (۲)...وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (۳)...عہد کرے تو عہد شکنی کرے اور (۴)...جھگڑا کرے تو گالم گلوچ کرے۔[1]

حدیث کا مصداق:

حدیث میں وعدہ خلافی کا مصداق وہ شخص ہے جس کا عَزْم یہ ہو کہ وہ وعدہ پورا نہیں کرے گا یا وہ جو بغیر کسی عذر کے وعدہ پورا نہ کرے۔ رہا وہ شخص جس کا وعدہ پورا کرنے کا عزم ہو پھر اسے کوئی ایسا عذر پیش آجائے جو اسے وعدہ پورا کرنے سے روک دے تو وہ منافق نہیں ہوگا اگرچہ یہ بھی صورتاً نفاق ہے جس سے ایسے ہی بچنا چاہئے جیسے حقیقی نفاق سے بچا جاتا ہے اور معقول عذر کے بغیر خود کو معذور نہیں سمجھنا چاہئے۔

ایفائے عہد کو صاحبزادی پر ترجیح دی:

مروی ہے کہ سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا ابوالھَیْثَم مالک بن تیہان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے ایک خادِم کا وعدہ فرمایا تھا[2]، آپ کے پاس تین قیدی آئے تو آپ نے دو کچھ لوگوں کو عطا کر دیئے اور ایک باقی رہ گیا۔ خاتونِ جنَّت حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ زَہرا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا حاضر ہوئیں، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے خادم مانگا اور عرض کی: کیا آپ میرے ہاتھوں پر چکی کے نشانات ملاحظہ نہیں فرما رہے ہیں؟ آپ کو حضرت ابُوالھَیْثَم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کیا ہوا وعدہ یاد آگیا تو آپ فرمانے لگے: میرا ابو الھیثم سے کیا ہوا وعدہ کیسے پورا ہوگا؟ چنانچہ آپ نے خاتونِ جنَّت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا پر حضرت ابوالھیثم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو ترجیح دی کیونکہ آپ ان سے وعدہ کر چکے تھے حالانکہ حضرت خاتونِ جنَّت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اپنے کمزور ہاتھوں سے چکی پیستی تھیں۔

80 بھیڑیں اور چرواہا:

تاجدارِ رِسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم غزوۂ حُنَین کے موقع پر قبیلہ ہَوازِن سے حاصل شدہ مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

1 ...سنن النسائی، کتاب الایمان و شرائعہ، باب علامۃ المنافق، ص ٨٠٢، حدیث: ٥٠٣٠

2 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی، ٤/ ١٦٣، حدیث: ٢٣٧٦

وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔ ارشاد فرمایا: تم سچ کہتے ہو تم جو چاہو مانگو۔ اس نے عرض کی: 80 بھیڑیں اور ایک چرواہا چاہتا ہوں۔ ارشاد فرمایا: تمہارے لئے اسی قدر ہے اور تم نے تھوڑا مانگا ہے جبکہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے زمانہ کی وہ (بوڑھی) عورت جس نے حضرت یُوسُف عَلَیْہِ السَّلَام کے جِسْمِ اَطْہَر کا پتا دیا تھا وہ تم سے زیادہ عقل مند اور دانا تھی۔ جب حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس کو اختیار دیا تو اس نے عرض کی: میں دوبارہ جوان ہونا اور آپ کے ساتھ جنت میں داخل ہونا چاہتی ہوں۔[1]

منقول ہے کہ لوگوں کو اس شخص کا مانگنا اتنا کم معلوم ہوا کہ اس کا مانگنا ضربُ الْمَثَل بن گیا، چنانچہ کہا جانے لگا: فلاں شخص 80 بھیڑوں اور چرواہے والے سے بھی زیادہ کم سوچ کا حامل ہے۔

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ایک شخص کسی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت پورا کرنے کی ہو تو یہ وعدہ خلافی نہیں۔

ایک دوسری روایت میں یہ ہے: جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی سے وعدہ کرے حالانکہ اس کی نیت پورا کرنے کی ہو لیکن (کسی سبب سے) وہ پورا نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔[2]

آفت نمبر 14: گفتگو اور قسم میں جھوٹ بولنا (اس میں تین فصلیں ہیں)

پہلی فصل: جھوٹ سے بچنے کے متعلق 33 روایات

گفتگو اور قسم میں جھوٹ بولنا کبیرہ گناہوں اور بدترین عیوب میں سے ہے۔ چنانچہ

﴿1﴾... حضرت سَیِّدُنا اَوسط بن اسماعیل رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں: میں نے امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصالِ ظاہری کے بعد خطبہ دیتے سنا، آپ فرما رہے تھے: پچھلے سال رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہمارے درمیان اسی طرح قیام فرما تھے جس طرح میں کھڑا ہوں۔ اتنا کہہ کر آپ رونے لگے پھر ارشاد فرمایا: جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ

---

1 ... الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب الورع والتوکل، ۲/ ۵۳، حدیث: ۷۲۱ بتغیر

2 ...سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی علامۃ المنافق، ۴/ ۲۸۷، حدیث: ۲۶۴۲

حق تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں (یعنی جھوٹ اور حق تعالیٰ کی نافرمانی) جہنم میں (لے جاتے) ہیں۔[1]

﴿2﴾... آقائے دوعالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جھوٹ نِفاق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔[2]

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: منقول ہے کہ ظاہر و باطن اور قول و فعل میں یکسانیت نہ ہونا اور گھر کے اندر اور باہر میل جول میں اختلاف رکھنا نفاق سے ہے اور نفاق کی بنیاد جھوٹ ہے۔

﴿4﴾... صادِق و امین آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کتنی بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے کوئی بات کہو جس میں وہ تمہیں سچا سمجھ رہا ہو حالانکہ تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔[3]

﴿5﴾... حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بندہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور اس میں خوب کوشش کرتا رہتا ہے حتّٰی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں اسے کذّاب (بہت بڑا جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔[4]

﴿6﴾... آقائے نامدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دو شخصوں کے پاس سے گزرے جو بکری کا سودا کرتے ہوئے قسمیں کھا رہے تھے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا: بخدا! میں اتنی قیمت سے کم نہیں کروں گا اور دوسرا کہہ رہا تھا: خدا کی قسم! میں اتنی رقم سے زیادہ نہیں دوں گا۔ پھر آپ کا وہیں سے گزر ہوا دیکھا ان میں سے ایک نے اسے خرید لیا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ان میں سے ایک نے گناہ اور کَفّارہ لازم کر لیا۔[5]

﴿7﴾... محبوب ربِّ غفّار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جھوٹ رزق کو تنگ کر دیتا ہے۔[6]

﴿8﴾... آقائے دوجہاں صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک تُجّار ہی فاجر ہیں۔ عرض کی گئی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے خرید و فروخت کو حلال نہیں کیا؟ ارشاد فرمایا: ہاں!

---

1 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب الدعاء بالعفو والعافیۃ، ۴/ ۲۷۳، حدیث: ۳۸۴۹

2 ... مساویٔ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی الکذب وقبح ما اتی بہ اھلہ، ص ۶۸، حدیث: ۱۱۱

3 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی المعاریض، ۴/ ۳۸۱، حدیث: ۴۹۷۱

4 ...بخاری، کتاب الادب، باب قول اللہ تعالٰی "یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ"...الخ، ۴/ ۱۲۵، حدیث: ۶۰۹۴

5 ...سنن الکبرٰی للبیہقی، کتاب الایمان، باب ابرار القسم اذا کان الیٰ طاعۃ...الخ، ۱۰/ ۲۲، حدیث: ۱۹۸۲۶

6 ...مساویٔ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی الکذب وقبح ما اتی بہ اھلہ، ص ۷۰، حدیث: ۱۱۷

لیکن یہ لوگ (جھوٹی) قسمیں کھا کر گناہ گار ہوتے ہیں[1] اور بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔

﴿9﴾... حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ امت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ بروزِ قیامت اللہ عَزَّ وَجَلَّ ان سے کلام کرے گا نہ ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا: (۱)...دے کر احسان جتانے والا (۲)... جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا اور (۳)...(تکبُّر سے) اپنا تہبند (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے والا۔[2]

﴿10﴾... اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم کھائے اور اس میں مچھر کے پَر برابر جھوٹ ملا دے تو قیامت کے دن تک وہ قسم اس کے دل پر (سیاہ) نکتہ بن جائے گی۔[3]

﴿11﴾... تاجدارِ رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ محبت فرماتا ہے ایک وہ شخص جو کسی معرکہ میں ہو اور دشمن کے خلاف ڈٹا رہے حتی کہ اسے قتل کر دیا جائے یا اللہ عَزَّ وَجَلَّ اسے اور اس کے ساتھیوں کو فتح سے ہمکنار فرمائے، دوسرا وہ شخص جس کا پڑوسی برا ہو وہ اسے اَذِیَّت پہنچاتا ہو اور یہ اس کی اَذِیَّت پر صَبْر کرتا ہو حتی کہ ان کے مابین موت یا روانگی کے سبب جدائی واقع ہو جائے اور تیسرا وہ شخص جو کچھ لوگوں کے ساتھ سَفَر میں یا سریہ (یعنی فوجی دستے) میں ہو اور وہ لوگ رات میں اتنا طویل سفر کریں کہ زمین سے مَس ہونا انہیں اچھا محسوس ہو (یعنی نیند ان پر غالب آنے لگے) چنانچہ وہ (آرام کے لئے) سواریوں سے اتریں اور یہ شخص الگ ہو کر (پوری رات) نماز پڑھتا رہے حتّٰی کہ (صُبْح کے وقت) اپنے ساتھیوں کو کوچ کے لئے جگائے۔ اور تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ ناپسند فرماتا ہے: (۱)...بہت قسمیں کھانے والا تاجر (۲)...مُتَکَبِّر فقیر اور (۳)...احسان جتانے والا بخیل۔[4]

﴿12﴾... رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو بات کرتا ہے

---

1 ...سنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب البیوع، باب کراھیۃ الیمین فی البیع، ۵/ ۴۳۷، حدیث: ۱۰۴۱۵

2 ...مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار... الخ، ص ۶۷، حدیث: ۱۰۶

3 ...سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ النساء، ۵/ ۱۸، حدیث: ۳۰۳۱

4 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث ابی ذر الغفاری، ۸/ ۱۲۶، حدیث: ۲۱۵۸۶

تو جھوٹ بولتا ہے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو ہنسائے، اس کے لئے ہلاکت ہے، اس کے لئے ہلاکت ہے۔[1]

﴿13﴾... نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا: چلئے۔ میں اس کے ساتھ چل دیا۔ میں نے دو آدمیوں کو دیکھا، ان میں سے ایک کھڑا تھا اور دوسرا بیٹھا تھا، کھڑے ہوئے شخص کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور تھا جسے وہ بیٹھے شخص کے ایک جبڑے میں ڈال کر اسے اتنا کھینچتا حتّٰی کہ گُدی تک پہنچا دیتا پھر اسے نکالتا اور اسے دوسرے جبڑے میں ڈال کر کھینچتا، اتنے میں پہلے والا اپنی پہلی حالت پر لوٹ آتا، میں نے لانے والے شخص سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ جھوٹا شخص ہے اسے قیامت تک قبر میں عذاب دیا جاتا رہے گا۔[2]

﴿14﴾... نبیوں کے سُلطان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا گیا: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا مومن زنا کرتا ہے؟ ارشاد فرمایا: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ عرض کی: یا نَبِیَّ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا مومن جھوٹ بول سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا: نہیں۔[3] اس کے بعد آپ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی:

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِۚ (پ۱۴، النحل: ۱۰۵)

ترجمۂ کنزالایمان: جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے۔

﴿15﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سعید خُدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اس طرح دعا کرتے ہوئے سنا: اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَفَرْجِیْ مِنَ الزِّنَا وَلِسَانِیْ مِنَ الْكَذِبِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میرا دل نفاق سے، میری شرم گاہ زنا سے اور میری زبان جھوٹ سے پاک رکھ۔[4]

﴿16﴾... مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نہ تو ان سے کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف نظرِ رحمت کرے گا اور نہ انہیں پاک فرمائے گا اور ان کے لئے

---

1 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی التشدید فی الکذب، ۴/ ۳۸۷، حدیث: ۴۹۹۰

2 ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی الکذب وقبح ما اتی بہ اھلہ، ص ۷۶، حدیث: ۱۳۱

3 ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی الکذب وقبح ما اتی بہ اھلہ، ص ۷۷، حدیث: ۱۳۲

4 ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی الکذب وقبح ما اتی بہ اھلہ، ص ۷۷، حدیث: ۱۳۴

دردناک عذاب ہے: (۱)... بوڑھا زانی (۲)... جھوٹا بادشاہ اور (۳)... مُتکبِّر فقیر۔[1]

﴿17﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہمارے گھر تشریف لائے، اس وقت میں چھوٹا تھا کھیلنے کے لئے باہر جانے لگا تو میری والدہ نے آواز دی: یہاں آؤ میں تمہیں کچھ دوں گی۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے استفسار فرمایا: تم اسے کیا دینا چاہتی ہو؟ عرض کی: کھجور۔ ارشاد فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتی تو تم پر ایک جھوٹ لکھا جاتا۔[2]

﴿18﴾... حُضُورِ انور، شافعِ مَحشر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ مالِ غنیمت میں مجھے ان کنکریوں کی تعداد کے برابر جانور عطا فرماتا تو میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا پھر تم مجھے نہ تو کنجوس پاتے نہ جھوٹ بولنے والا نہ بزدل[3]۔[4]

﴿19﴾... حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شریک ٹھہرانا اور والِدَین کی نافرمانی کرنا ہے، آپ ٹیک لگائے تشریف فرما تھے پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: سنو! اور جھوٹ بولنا بھی (بڑا گناہ ہے)۔[5]

﴿20﴾... سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو کے سبب فرشتے اس سے ایک میل دور چلے جاتے ہیں۔[6]

چھ کے بدلے جنت:

﴿21﴾... مدینے کے تاجدار، ہم بے کسوں کے مددگار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم مجھے چھ

---

1 ... مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار... الخ، ص ۶۸، حدیث: ۱۰۷

2 ... سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی حسن الظن، ۴/ ۳۸۷، حدیث: ۴۹۹۱

3 ... یعنی مجھے اللہ تعالٰی نے ان تین عیبوں سے بَری کیا ہے، بخل، بزدل، جھوٹ۔ حضور انور سخی نہیں بلکہ جواد ہیں، خود نہ کھائیں زمانہ بھر کو کھلائیں۔ (مراۃ المناجیح، ۸/ ۷۰، مطبوعہ: ضیاء القرآن لاہور)

4 ... بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المؤلفۃ... الخ، ۲/ ۳۵۹، حدیث: ۳۱۴۸

5 ... بخاری، کتاب الاستئذان، باب من اتکأ بین یدی اصحابہ، ۴/ ۱۸۰، ۱۸۱، حدیث: ۶۲۷۳، ۶۲۷۴

6 ... سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی الصدق والکذب، ۳/ ۳۹۲، حدیث: ۱۹۷۹

چیزوں کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: وہ کون سی چیزیں ہیں؟ ارشاد فرمایا: (۱)...جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے۔ (۲)...وعدہ کرے تو خلاف نہ کرے۔ (۳)... (کسی راز پر) امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے۔ (۴)...اپنی نگاہوں کو پست رکھے۔ (۵)...اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرے۔ (۶)...اپنے ہاتھوں کو (حرام سے) روکے رکھے۔[1]

﴿22﴾... سرکارِ ابدِ قرار، ہم بے کسوں کے مدد گار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک شیطان کے پاس سرمہ، چاٹنے والی شے اور ناک میں ڈالنے والی شے ہے، پس اس کی چاٹنے والی شے جھوٹ ہے اور ناک میں ڈالنے والی شے غصہ ہے اور اس کا سرمہ نیند ہے۔[2]

﴿23﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے مقام جابِیہ پر اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہمارے درمیان اس طرح کھڑے ہوئے جس طرح میں تم میں کھڑا ہوں اور ارشاد فرمایا: میرے صحابہ اور ان سے متصل زمانے والے لوگوں کے ساتھ اچھا سُلوک کرنا (ان کے بعد) پھر جھوٹ پھیل جائے گا حتّٰی کہ آدمی کسی چیز پر قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہوگا، گواہی دے گا حالانکہ اس سے گواہی طلب نہیں کی گئی ہوگی۔[3]

﴿24﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غُیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو میری طرف سے کوئی حدیث بیان کرے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ بڑے جھوٹوں میں سے ایک ہے۔[4]

﴿25﴾... سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو کسی مسلمان کا مال ناحق ہتھیانے کے لئے جھوٹی قسم کھائے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔[5]

﴿26﴾... مروی ہے کہ حضورنبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک مرتبہ جھوٹ بولنے کے سبب ایک

---

1 ...المستدرک، کتاب الحدود، باب ست یدخل بها الرجل الجنة، ۵/ ۵۱۳، حدیث: ۸۱۳۱

2 ...شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، ۴/ ۲۰۹، حدیث: ۴۸۱۹

3 ...سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعة، ۴/ ۶۷، حدیث: ۲۱۷۲

4 ...مسلم، المقدمة، باب وجوب الروایة عن الثقات...الخ، ص۷

5 ...مسلم، کتاب الایمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم...الخ، ص ۸۳، حدیث: ۱۳۷

شخص کی گواہی رد فرمادی۔[1]

﴿27﴾... نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سرور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تمام عادتیں مومن کی فطرت میں ہوسکتی ہیں سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔[2]

﴿28﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے صحابہ پر جھوٹ سے بڑھ کر کوئی عادت سخت نہ تھی اور رسولِ خُدا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کسی کے جھوٹ پر مُطَّلَع ہوتے تو اس کی بات آپ کے سینے سے اس وقت تک دور نہ ہوتی جب تک یہ نہ جان لیتے کہ اس نے اس سے توبہ کرلی ہے۔[3]

﴿29﴾... حضرت سیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کی: اے رب! عمل کے اعتبار سے تیرے بندوں میں کون سب سے بہتر ہے؟ ارشاد فرمایا: جس کی زبان جھوٹ نہ بولے، دل بدکار نہ ہو اور اس کی شرمگاہ زنا نہ کرے۔

﴿30﴾... حضرت سیِّدُنا لقمان حکیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے بیٹے سے ارشاد فرمایا: اے میرے بیٹے! جھوٹ سے بچو کیونکہ یہ چڑیا کے گوشت کی طرح لذیذ ہوتا ہے اور تھوڑی دیر میں اس کا مالک اسے بھون لیتا ہے۔

﴿31﴾... نبیِّ کریم، رَءُوف رحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سچ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جب تم میں چار عادتیں ہوں تو دنیا کے فوت ہو جانے کے وقت تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں: (۱)... سچ بولنا (۲)... اَمانت کی حفاظت (۳)... حُسنِ اخلاق اور (۴)... حلال کمائی۔[4]

﴿32﴾... سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصالِ ظاہری کے بعد خلیفہ اوّل امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا: پچھلے سال رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہمارے درمیان اسی طرح کھڑے تھے جس طرح میں کھڑا ہوں پھر آپ رو دیئے اور ارشاد فرمایا: سچ

---

1 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۸۴، حدیث: ۴۹۰

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث ابی امامة الباھلی، ۸/ ۲۷۶، حدیث: ۲۲۲۳۲

3 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدة عائشة رضی اللہ عنھا، ۹/ ۳۹۱، حدیث: ۲۵۲۳۸

4 ...شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، ۴/ ۲۰۵، حدیث: ۴۸۰۱

بولتے رہو کیونکہ یہ نیکی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں (یعنی سچ بولنے والا اور نیکوکار) جنت میں ہوں گے۔[1]

﴿33﴾... سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے، سچ بولنے، اَمانت ادا کرنے، عہد پورا کرنے، سلام کو عام کرنے اور عاجزی اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔[2]

جھوٹ کے متعلق 10 اقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک سب سے زیادہ خطا کرنے والی جھوٹی زبان ہے اور بدترین ندامت قیامت کے دن کی ندامت ہے۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز فرماتے ہیں: جب سے میں نے تہبند باندھنا شروع کیا ہے (یعنی جب سے شعور آیا ہے) کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

﴿3﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جب تک ہماری تم سے ملاقات نہ ہو اس وقت تک ہمیں تم میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہوتا ہے جس کا نام سب سے اچھا ہو اور جب ہم تم سے ملاقات کر لیتے ہیں تو ہمیں سب سے اچھا وہ لگتا ہے جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق ہو پھر جب ہم تمہیں آزمالیتے ہیں تو ہمیں تم میں سب سے زیادہ وہ شخص پسند آتا ہے جو سب سے زیادہ سچ بولنے والا اور سب سے زیادہ اَمانت دار ہو۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا میمون بن ابو شبیب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں بیٹھا خط لکھ رہا تھا، ایک حرف پر آکر رک گیا کہ اگر اسے لکھتا ہوں تو خط کو خوبصورت بنا دیتا ہوں لیکن جھوٹ سے اپنا دامن نہیں بچا پاتا چنانچہ میں نے اس کو چھوڑنے کا عزم کر لیا تو مجھے گھر کے ایک کونے سے ندا کی گئی:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (پ۱۳، ابراھیم: ۲۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا امام شَعْبی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ جھوٹے یا بخیل میں سے کون

---

[1] ...سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب الدعاء بالعفو والعافیۃ، ۴/ ۲۷۳، حدیث: ۳۸۴۹

[2] ...مکارم الاخلاق للخرائطی، باب فضیلۃ صدق، ۲/ ۲، حدیث: ۹۲

آگ میں زیادہ گہرائی تک جائے گا۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا ابنِ سَمّاك عَلَیْهِ رَحمَةُ اللهِ الرَّزّاق فرماتے ہیں: میرا نہیں خیال کہ مجھے جھوٹ چھوڑنے پر اجر و ثواب ملتا ہو کیونکہ میں اسے غیرت کی بنا پر چھوڑتا ہوں۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا خالد بن صَبِیْح رَحمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه سے پوچھا گیا: کیا ایک بار جھوٹ بولنے پر کسی کو جھوٹا کہا جاسکتا ہے؟ ارشاد فرمایا: ہاں۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْهِ رَحمَةُ اللهِ الغَفّار فرماتے ہیں: میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ ہر خطیب کے خطبے کو اس کے عمل پر پیش کیا جائے گا، اگر وہ سچا ہوا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر جھوٹا نکلا تو اس کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جائے گا، جب بھی ان کو کاٹا جائے گا تو یہ دوبارہ پیدا ہو جائیں گے۔

﴿9﴾... آپ ہی کا فرمان ہے: سچ اور جھوٹ دونوں دل میں لڑتے رہتے ہیں حتّٰی کہ ان میں سے ایک دوسرے کو نکال دیتا ہے۔

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْهِ رَحمَةُ اللهِ العَزِیْز نے ولید بن عبد الملک سے کسی چیز کے بارے میں گفتگو کی تو اس نے کہا: آپ جھوٹ کہتے ہیں تو حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْهِ رَحمَةُ اللهِ العَزِیْز نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم! مجھے جب سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جھوٹ آدمی کو عیب دار کر دیتا ہے اس وقت سے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

دوسری فصل: کن مواقع پر جھوٹ بولنا جائز ہے

جان لیجئے! جھوٹ فی نفسہٖ حرام نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں مخاطب یا کسی دوسرے کو ضرر پہنچتا ہے کیونکہ جھوٹ کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ جسے جھوٹی خبر دی گئی ہے وہ خلافِ حقیقت کا یقین کر لیتا ہے یوں وہ حقیقت سے بے خبر ہو جاتا ہے اور کبھی اس بے خبری کے سبب دوسرے کو نقصان بھی پہنچ جاتا ہے مگر عموماً ایسا نہیں ہوتا کبھی بے خبری میں مَنْفَعَت اور مَصْلَحَت بھی ہوتی ہے اور جھوٹ بولنے کے سبب اس چیز سے بے خبری رہتی ہے تو (مَنْفَعَت و مَصْلَحَت کے پیش نظر) اسی صورت میں جھوٹ بولنے کی اجازت ہے اور بعض اوقات جھوٹ بولنا واجب ہوتا ہے۔

جھوٹ کی ایک وُجوبی صورت:

حضرت سیِّدُنا میمون بن مہران عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْمَنَّان فرماتے ہیں: بعض مواقع پر جھوٹ بولنا، سچ کہنے سے بہتر ہے، تمہارا کیا خیال ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کو قتل کرنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑ رہا ہو اور وہ کسی گھر میں داخل ہو جائے اور قتل کا ارادہ کرنے والا شخص تمہارے پاس پہنچ کر پوچھے: کیا تم نے فلاں کو دیکھا ہے؟ تو تم کیا کہو گے؟ کیا یہ نہیں کہو گے کہ میں نے اسے نہیں دیکھا؟ کیا تم سچ کہو گے؟ یہ وہ صورت ہے جس میں جھوٹ بولنا واجب ہے۔

جھوٹ کب مُباح ہوتا ہے اور کب واجب؟

ہم کہتے ہیں کہ کلام مقاصد تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتا ہے تو ہر اچھا مقصود جس تک پہنچنا سچ اور جھوٹ دونوں کے ذریعے ممکن ہو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر اس تک پہنچنا سچ کے بجائے صرف جھوٹ کے ذریعے ممکن ہو تو اگر اس مقصد کو حاصل کرنا مُباح ہو تو اس میں جھوٹ بولنا مباح ہے۔ اگر مقصود واجب ہو تو جھوٹ واجب ہو گا جیسے مسلمان کے خون کی حفاظت واجب ہے چنانچہ جب سچ بولنے میں ظالم سے روپوش کسی مسلمان کا خون بہتا ہو تو اس میں جھوٹ بولنا واجب ہے اور جب جنگی مقاصد، دو ناراض ہونے والوں کے مابین صلح، مظلوم کے دل کو خوش کرنا بغیر جھوٹ کے حاصل نہ ہوتا ہو تو جھوٹ بولنا مباح ہے لیکن جس حد تک ممکن ہو جھوٹ سے بچنا چاہئے کیونکہ جب وہ اپنے اوپر جھوٹ کا دروازہ کھولے گا تو اس بات کا خوف ہے کہ وہ بلا ضرورت جھوٹ بولے اور حد ضرورت پر اِکتفا نہ کرے تو اصل کے اعتبار سے جھوٹ حرام ہے البتہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔ ضرورت کے سبب جائز ہونے پر حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ کُلثُوم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی روایت دلالت کرتی ہے۔

تین مواقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت ہے:

حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ کُلثُوم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو تین مواقع کے علاوہ کبھی جھوٹ کی اجازت دیتے ہوئے نہیں سنا: (۱)...لوگوں کے درمیان صلح

کرانے کے موقع پر (۲) جنگ کے موقع پر اور (۳) آدمی کا اپنی زوجہ سے اور زوجہ کا اپنے خاوند سے کوئی بات کہنے کے موقع پر۔[1]

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا ہی بیان کرتی ہیں: سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ باقرینہ ہے: وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو دو آدمیوں کے درمیان صُلْح کرانے کے لیے بھلی بات کہے یا بھلائی کی بات پہنچائے۔[2]

حضرت سَیِّدَتُنا اَسماء بنتِ یزید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بیان کرتی ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: آدمی کا ہر جھوٹ لکھا جاتا ہے لیکن اس شخص کا جھوٹ نہیں لکھا جاتا جو دو مسلمانوں کے درمیان صُلْح کرانے کے لئے جھوٹ بولے۔[3]

لوگوں میں صلح کراؤ اگرچہ جھوٹ بولنا پڑے:

حضرت سَیِّدُنا ابو کاہل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: دو صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے درمیان کچھ بحث ہوئی حتی کہ دونوں نے باہم قَطْعِ تَعَلُّق کر لیا تو میں نے ان میں سے ایک سے ملاقات کی اور کہا: تمہارا افلاں کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ میں نے تو اس سے تمہاری بہت تعریف سنی ہے پھر میں دوسرے سے ملا اور اس سے بھی اسی طرح کہا حتّٰی کہ ان دونوں کے مابین صلح ہو گئی پھر میں (نے اپنے دل میں) کہا: میں نے دونوں کے درمیان صلح تو کرا دی لیکن (جھوٹ بول کر) خود کو ہلاک کر دیا چنانچہ میں نے اس بات کی خبر رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو دی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے ابو کاہل! لوگوں کے درمیان صلح کرایا کرو اگرچہ جھوٹ بولنا پڑے۔[4]

حضرت سَیِّدُنا عطاء بن یَسار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی: کیا میں اپنی اہلیہ سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ ارشاد فرمایا: جھوٹ میں کوئی خیر نہیں۔ عرض

---

1 ...شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، ۴/ ۲۰۴، حدیث: ۴۷۹۸ عن نواس بن سمعان کلابی، بتغیر

2 ... بخاری، کتاب الصلح، باب لیس الکاذب الذی یصلح بین الناس، ۲/ ۲۱۰، حدیث: ۲۶۹۲

3 ...شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، ۴/ ۲۰۴، حدیث: ۴۷۹۸ عن نواس بن سمعان الکلابی

4 ...المعجم الکبیر، ۱۸/ ۳۶۱، حدیث: ۹۲۷

کی: کیا میں اس سے وعدہ کرلوں (کہ میں تمہارے لئے یہ یہ کروں گا)؟ ارشاد فرمایا: تم پر کوئی گناہ نہیں۔[1]

کم ہی گھر محبت پر قائم ہوتے ہیں:

مروی ہے کہ ابن ابی عَذرَہ دُؤَلی امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے دورِ خِلافت میں عورتوں سے نکاح کرکے خُلَع کرالیا کرتے تھے اور اس سبب سے وہ لوگوں کی گفتگو کا موضوع بن گئے تھے۔ امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جب یہ بات سنی تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔ ابْنِ اَبِی عَذرَہ کو جب معلوم ہوا کہ آپ نے اسے ناپسند کیا ہے تو حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن اَرْقَم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے گھر لے آئے اور اپنی زوجہ سے کہا: میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تم مجھے ناپسند کرتی ہو؟ اس نے کہا: مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم نہ دو۔ انہوں نے کہا: میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ اس نے کہا: ہاں۔ میں تمہیں ناپسند کرتی ہوں۔ انہوں نے حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کہا: کیا آپ نے سن لیا؟ پھر دونوں امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس آئے اور ابْنِ اَبِی عَذرَہ نے کہا: آپ حضرات یہ گفتگو کرتے ہیں کہ میں عورتوں پر ظلم کرتا ہوں اور ان سے خُلَع کرتا ہوں۔ آپ حضرت ابْنِ اَرْقَم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے پوچھ لیجئے۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ان سے پوچھا، انہوں نے واقعہ بیان کردیا۔ آپ نے ابْنِ اَبِی عَذرَہ کی زوجہ کو بلوایا وہ اپنی پھوپھی کے ساتھ حاضر ہوئیں تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم نے ہی اپنے شوہر سے یہ کہا ہے کہ تم اسے ناپسند کرتی ہو؟ اس نے کہا: سب سے پہلے میں توبہ کرتی ہوں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف رُجُوع لاتی ہوں۔ انہوں نے مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھا تھا، لہٰذا میں جھوٹ نہ بول سکی، اے امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ! کیا میں ایسی حالت میں جھوٹ بول لیتی؟ فرمایا: ہاں! جھوٹ بول لیتی۔ اگر تم میں سے کوئی بھی ہم مردوں میں سے کسی کو ناپسند کرتی ہو تو اس سے یہ نہ کہے میں تجھے ناپسند کرتی ہوں کیونکہ کم ہی ایسے گھر ہوتے ہیں جو محبت پر قائم ہوتے ہیں مگر لوگ اسلام اور خاندانی سلسلے کے سبَب مل جل کر رہتے ہیں۔

[1] ...الموطأ للامام مالک، کتاب الکلام، باب ماجاء فی الصدق والکذب، ۲/ ۴۶۷، حدیث: ۱۹۰۹

تین جھوٹ کے علاوہ ہر جھوٹ لکھا جاتا ہے:

حضرت سیِّدُنا نَوّاس بن سَمعان کِلابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ آقائے نامدار، دوعالم کے مالک و مختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں جھوٹ پر اس طرح گرتے دیکھتا ہوں جس طرح پروانے آگ (یعنی روشنی) میں گرتے ہیں؟ آدمی کا ہر جھوٹ یقینی طور پر لکھا جاتا ہے سوائے یہ کہ آدمی جنگ میں جھوٹ بولے کیونکہ جنگ میں فریب ہی ہوتا ہے یا دو شخصوں کے درمیان بُغض وعداوت ہو اور وہ ان کے درمیان صُلح کرائے یا اپنی زوجہ کو خوش کرنے کے لئے کوئی بات کہے۔[1]

حضرت سیِّدُنا ثَوبان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ہر جھوٹ میں گناہ ہے البتہ جس سے کسی مسلمان کو نفع پہنچے یا کسی مسلمان سے کوئی ضرر دور ہو اس میں گناہ نہیں۔

آسمان سے گرایا جانا آسان ہے:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی شیرِ خدا کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: جب میں تم سے حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی کوئی حدیث بیان کروں تو خدا کی قسم! اگر مجھے آسمان سے گرا دیا جائے تو یہ مجھے آپ پر جھوٹ باندھنے سے زیادہ محبوب ہے مگر جنگ کے موقع پر (دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے) تم سے خلاف حقیقت بات کہہ دوں (تو یہ جھوٹ نہیں ہے) کیونکہ جنگ دھوکہ ہی کا نام ہے۔

صحیح مقصد کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے:

یہ تین مَواقع ایسے ہیں جن میں جھوٹ بولنے کی صریح اجازت موجود ہے اور ان تین مواقع کی طرح کچھ اور بھی مواقع ہیں جہاں جھوٹ بولنے کی رخصت ہے جبکہ ان سے اپنا یا کسی دوسرے کا صحیح مقصود متعلق ہو۔ اپنے مقصد کی مثال یہ ہے کہ اسے کوئی ظالم پکڑ لے اور مال کا پوچھے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مال کے اپنے پاس ہونے کا انکار کر دے یا بادشاہ پکڑ لے اور اس سے بے حیائی کے مُتَعَلِّق پوچھے جس کا وہ مُرتکِب ہوا ہے اور وہ بے حیائی ایسی ہے جو اس کے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کا

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، ۴/ ۲۰۴، حدیث: ۴۷۹۸

انکار کر دے اور کہہ دے کہ نہ میں نے زنا کیا ہے اور نہ شراب پی ہے۔

بے حیائی کا اظہار بھی بے حیائی ہے:

حضور نبیِّ پاک، صاحِبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو شخص زنا جیسی فُحش برائیوں میں سے کسی کا مرتکب ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پردے میں چھپ جائے۔[1]

اس کی وجہ یہ ہے کہ بے حیائی کا اظہار بھی بے حیائی ہے تو آدمی کے لئے جائز ہے کہ وہ زبان کے ذریعے اپنی جان، اپنے مال جسے ظلماً لیا جا رہا ہے اور عزت کی حفاظت کرے اگرچہ اسے جھوٹ بولنا پڑ جائے۔

دوسرے کی خاطر جھوٹ بولنے کی رخصتیں:

جہاں تک دوسرے کی عزت کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس سے اس کے مسلمان بھائی کے راز کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کے معلوم ہونے سے انکار کر دے اور یہ بھی جائز ہے کہ جھوٹ بول کر دو شخصوں اور اپنی بیویوں کے درمیان صلح کرا دے اس طرح کہ ہر ایک کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ وہ اسے سب سے زیادہ پسند کرتا ہے۔ اگر اس کی بیوی کسی ایسے وعدے کے بغیر اس کی بات نہ مانے جس پر وہ قادر نہیں تو اس کے دل کو خوش کرنے کے لئے فی الحال وعدہ کر لے یا وہ کسی شخص سے معذرت کرے جس کے بارے میں یہ جانتا ہو کہ وہ کوتاہی کا اقرار کرتے ہوئے اور تھوڑی محبت کے اظہار سے راضی نہیں ہو گا تو ایسی صورت میں جھوٹ بول کر کوتاہی کے انکار اور زیادہ محبت کے اظہار میں حَرَج نہیں۔ لیکن حد اس میں یہ ہے کہ جھوٹ بولنا ممنوع ہے، اگر ان جگہوں میں سچ بولنے سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہو تو ان میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ موازنہ کرے اور انصاف کے ترازو میں تولے پھر جب وہ جان لے کہ سچ سے حاصل ہونے والی برائی شریعت میں جھوٹ سے زیادہ سخت ہے تو اس کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے اور اگر کمتر ہو تو سچ بولنا واجب ہے کبھی دونوں طرفیں اس طرح برابر ہوتی ہیں کہ ان میں سے کسی جانب کو ترجیح دینے میں تَرَدُّد ہوتا ہے، اس وقت سچ کی طرف میلان زیادہ مناسب ہے کیونکہ جھوٹ کو کسی ضرورت یا اہم حاجت کی وجہ سے مُباح کیا گیا ہے چنانچہ اگر حاجت

---

[1] ...الموطأ للامام مالک، کتاب الحدود، باب ماجاء فیمن اعترف... الخ، ۲/ ۳۳۶، حدیث: ۱۵۸۸

کے اہم ہونے میں شک ہو تو اصل جھوٹ کی حرمت ہے، لہٰذا اصل کی طرف لوٹا جائے گا اور چونکہ مقاصد کے درجات کو سمجھنا مشکل ہے اس لئے آدمی کو جھوٹ سے ممکنہ حد تک بچنا چاہئے۔ اسی طرح جب جھوٹ کی حاجت ہو تو مستحب یہ ہے کہ اپنی اغراض کو چھوڑ کر جھوٹ سے دور بھاگے مگر جب جھوٹ سے کسی دوسرے کی غرض متعلق ہو تو اس کے حق کے سلسلے میں چشم پوشی کرنا اور اس کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔

لوگوں کے اکثر جھوٹ محض اپنے نفسوں کو خوش کرنے کے لئے پھر مال اور جاہ و منصب کی زیادتی اور ایسے کاموں کے لئے ہوتے ہیں جن کے فوت ہو جانے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی حتّٰی کہ عورت اپنے خاوند کے ایسے کاموں کو بیان کرتی ہے جن کے ذریعے وہ برتری جتاتی ہے اور سوکنوں کو جلانے کے لئے جھوٹ بولتی ہے اور یہ حرام ہے۔

دو جھوٹے کپڑے پہننے والے کی مانند:

حضرت سیِّدَتُنا اسماء بنتِ ابو بکر صِدِّیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا بیان کرتی ہیں: میں نے ایک عورت کو رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سوال کرتے ہوئے سنا کہ میری ایک سوکن ہے اگر میں اس کو جلانے کے لئے یہ کہوں کہ میرا شوہر مجھے زیادہ دیتا ہے حالانکہ وہ نہیں دیتا تو کیا اس میں مجھ پر کوئی گناہ ہے؟ ارشاد فرمایا: نہ دی گئی چیز کو ظاہر کرنے والا دو جھوٹے کپڑے پہننے والے کی مانند ہے[1]۔[2]

سرکارِ ابد قرار، شافعِ روزِ شمار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے: جو اپنی غذا وہ ظاہر کرے جو وہ نہ کھاتا ہو یا کہے میرے پاس یہ چیز ہے حالانکہ وہ اس کے پاس نہ ہو یا کہے مجھے فلاں چیز دی گئی ہے حالانکہ اسے نہ دی گئی ہو تو وہ بروزِ قیامت دو جھوٹے کپڑے پہننے والے کی طرح ہو گا۔

اس میں مفتی کا وہ فتویٰ بھی داخل ہے جو اس نے بلا تحقیق بیان کیا ہو اور وہ روایت حدیث بھی اس میں

---

1 ...یعنی وہ دو جھوٹ بولنے والے یا دو جھوٹی چیزوں کو ظاہر کرنے والے کی طرح ہے اور "میرا شوہر مجھے زیادہ دیتا ہے" اس جملے میں بھی دو جھوٹ ہیں ایک تو یہ کہ میرا شوہر مجھے زیادہ دیتا ہے اور دوسرا یہ کہ میرا شوہر میری سوکن سے زیادہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب البیوع، ۶/ ۲۱۲، تحت الحدیث: ۳۰۲۳)

2 ...بخاری، کتاب النکاح، باب المتشبع بمالم ینل...الخ، ۳/ ۴۶۸، حدیث: ۵۲۱۹

داخل ہے جسے کسی نے تحقیق کئے بغیر بیان کیا ہو جبکہ فتویٰ اور روایت حدیث سے غرض اپنی فضیلت کا اظہار ہو جس کی وجہ سے وہ لَا اَدْرِیْ (یعنی میں نہیں جانتا) نہ کہے تو یہ حرام ہے۔

مُباح جھوٹ بھی لکھا جاتا ہے:

بچوں کا حکم بھی عورتوں کی طرح ہے کیونکہ بچہ اس وقت تک مکتب جانے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس سے جھوٹا وعدہ نہ کیا جائے یا اسے جھوٹی دھمکی نہ دی جائے یا جھوٹ موٹ ڈرایا نہ جائے تو ایسا جھوٹ مباح ہے۔ البتہ ہماری روایت کردہ احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر جھوٹ لکھا جاتا ہے اور جھوٹ کبھی مباح بھی ہوتا ہے تو اس پر اس سے حساب لیا جائے گا اور جھوٹ بولنے کا مقصد اس سے دریافت کیا جائے گا اگر مقصد صحیح ہوا تو پھر اسے مُعاف کر دیا جائے گا کیونکہ جھوٹ کو محض اصلاح (درستی) کے ارادے سے مباح کیا گیا ہے لیکن چونکہ اس میں دھوکہ بہت ہوتا ہے اس لئے بعض اوقات اس کا باعث خود کو خوش کرنا اور وہ غرض ہوتی ہے جس کی اسے حاجت نہیں ہوتی اور ظاہری طور پر وہ اصلاح کا بہانہ کرتا ہے تو اسی وجہ سے اس کا جھوٹ لکھا جاتا ہے۔

جھوٹ سے بچنے میں عافیت ہے مگر یہ کہ جب...!

جو شخص جھوٹ بولنا چاہتا ہے اسے اس بات کو جاننے کے لئے مشقت میں پڑنا پڑتا ہے کہ جس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ جھوٹ بولنا چاہتا ہے کیا وہ شریعت میں سچ سے زیادہ اہم ہے یا نہیں اور یہ بہت پیچیدہ معاملہ ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ جھوٹ کو چھوڑ دیا جائے سوائے یہ کہ جھوٹ بولنا واجب ہو جائے کہ اسے چھوڑنا جائز نہ ہو جیسا کہ سچ بولنے سے مسلمان بھائی کا خون بہتا ہو یا ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوتا ہو جو گردن سے دین کا پٹا اُترنے کا سبب بنتا ہو خواہ کیسے بھی ہو۔

احادیث گھڑنے والوں کا رد:

بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ فضائل اعمال اور گناہوں کی سختی واضح کرنے کے سلسلے میں احادیث گھڑنا جائز ہے اور اس سلسلے میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا ارادہ درست ہے حالانکہ یہ واضح غلطی ہے کیونکہ

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ یعنی جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔[1]

جھوٹ کا اِرتکاب ضرورت کی بنا پر کیا جاتا ہے اور احادیث گھڑنے میں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ سچ کے ہوتے ہوئے جھوٹ کی طرف مجبور ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور جس قدر آیات واحادیث موجود ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی غیر کی محتاجی نہیں ہے اور کہنے والے کا یہ کہنا کہ "یہ احادیث بار بار سنی جاچکی ہیں، ان کا اَثَر باقی نہیں رہا اور جو نئی بات ہوتی ہے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے" تو یہ بے ہودہ خیال ہے کیونکہ یہ بات ان اغراض میں سے نہیں ہے جو رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور اللہ عَزَّوَجَلَّ پر جھوٹ باندھنے کی خرابی کے برابر ہوسکے اور اگر اس کا دروازہ کھول دیا جائے تو یہ ایسے امور کا سبب بن جائے گا جو شریعت کو بِگاڑ کر رکھ دیں گے، لہٰذا اس کا خیر، اس کے شر کے برابر اصلاً نہیں اور رسولِ خدا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر جھوٹ باندھنا تو ان کبیرہ ترین گناہوں میں سے ہے جس کے برابر کوئی چیز نہیں۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو معاف فرمائے!

تیسری فصل: تَورِیہ[2] سے بچنے کا بیان

بزرگانِ دین سے منقول ہے کہ توریہ کے سبب جھوٹ کی حاجت نہیں رہتی۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: توریہ میں وہ چیز ہے جو آدمی کو جھوٹ سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ یہ بات حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا وغیرہ سے بھی مروی ہے۔ اس سے ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ جب آدمی جھوٹ کہنے پر مجبور ہو جائے تب توریہ کی اجازت ہے۔ بہر حال جب حاجت اور ضرورت نہ ہو تو کنایۃً اور صراحتًا دونوں طرح جھوٹ بولنا جائز نہیں البتہ توریہ میں جھوٹ کے مقابلے میں گناہ کم ہے۔

---

[1] ...بخاری، کتاب الادب، باب من سمی باسماء الانبیاء، ۴/ ۱۵۴، حدیث: ۶۱۹۷

[2] ...توریہ: ایسا لفظ یا فعل جس کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر دوسرا معنی مراد لیا جائے جو صحیح ہے۔ مثلاً کسی کو کھانے کے لئے بلایا وہ کہتا ہے میں نے کھانا کھالیا۔ اس کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ اس وقت کا کھانا کھالیا ہے مگر وہ یہ مراد لیتا ہے کہ کل کھایا ہے۔ (ماخوذ از بہار شریعت، ۳/ ۵۱۸)

توریہ کی مثالیں:

حضرت سیِّدُنا مطرِّف رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ زیاد کے پاس گئے اس نے کافی دن بعد آنے پر آپ کو ملامت کی تو آپ نے اس پر یہ ظاہر کیا کہ آپ مریض تھے۔ چنانچہ آپ نے کہا: جب سے میں امیر کے پاس سے گیا ہوں میں نے اپنے پہلو کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے چاہے بغیر بستر سے نہیں اٹھایا۔

حضرت سیِّدُنا ابراہیم نَخَعِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: جب تمہاری کہی ہوئی بات کسی شخص تک پہنچ جائے اور تم جھوٹ بولنا ناپسند کرو تو کہو: اِنَّ اللهَ لَیَعْلَمُ مَا قُلْتُ مِنْ ذٰلِکَ مِنْ شَیْءٍ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ جانتا ہے میں نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا یا اللہ عَزَّوَجَلَّ جانتا ہے جو کچھ میں نے اس سلسلے میں کہا۔

تو سننے والا اس کے قول "مَا" سے حرف نفی سمجھے گا اور کہنے والے کے نزدیک یہ ابہام کے لئے ہو گا۔

حکایت: نگاہ رکھنے والا

حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی طرف سے عامل تھے۔ جب آپ واپس آئے تو آپ کی زوجہ نے پوچھا: عامِلِیْن اپنے گھر والوں کے لئے جو کچھ لاتے ہیں آپ ان میں سے کیا چیز لائے ہیں؟ چونکہ آپ کچھ بھی لے کر نہیں آئے تھے تو آپ نے کہا: میرے ساتھ ایک نگاہ رکھنے والا تھا۔ زوجہ نے کہا: آپ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے نزدیک تو قابل اعتماد تھے تو امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے آپ کے ساتھ نگاہ رکھنے والا کیوں بھیجا؟ آپ کی زوجہ نے نگاہ رکھنے والی بات دیگر عورتوں سے بھی کہی اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی شکایت کی۔ جب امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو بلا کر پوچھا: کیا میں نے آپ کے ساتھ کوئی نگاہ رکھنے والا بھیجا تھا؟ حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے عرض کی: سوائے اس کے میں نے کوئی ایسی بات نہیں پائی جس کے ذریعے میں اس کے سامنے عذر بیان کرتا۔ امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ مسکرا دیئے اور حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو کچھ دے کر فرمایا: اس کے ذریعے اسے راضی کرو۔

نِگاہ رکھنے والے سے حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جَبَل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی مراد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات تھی۔

حضرت سیِّدُنا ابراہیم نَخَعِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی اپنی بیٹی سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ میں تمہارے لئے شُکَّر خریدوں گا بلکہ فرماتے: تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہارے لئے شُکَّر خریدلوں کیونکہ بعض اوقات شُکَّر حاصل نہیں ہوتی تھی۔

آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی تلاش میں جب کوئی شخص آپ کے گھر آتا اور آپ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتے تو آپ لونڈی سے فرماتے: اس سے کہہ دو کہ تم انہیں مسجد میں تلاش کرو اور یہ مت کہنا کہ یہاں نہیں ہیں تاکہ جھوٹ نہ ہو جائے۔

حضرت سیِّدُنا عامر شَعْبِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کے گھر کوئی آپ کا پوچھنے کے لئے آتا اور آپ اس سے ملنے کو ناپسند کرتے تو آپ ایک دائرہ کھینچتے اور لونڈی سے فرماتے: اپنی انگلی کو اس میں رکھ کر کہو: یہاں نہیں ہیں۔

جھوٹ سے ملتی جلتی بات سے بھی بچو:

یہ تمام صورتیں ضرورت کے وقت ہیں اور بِلا ضرورت ان کی اجازت نہیں کیونکہ توریہ کرنے والا اگرچہ لفظوں میں جھوٹ نہیں بولتا لیکن دوسرا شخص اس سے خلاف حقیقت بات سمجھتا ہے، لہٰذا یہ مکروہ ضرور ہے۔

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبدُاللہ بن عُتْبَہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں: میں اپنے والد کے ساتھ حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز کی خدمت میں حاضر ہوا جب میں آپ کے پاس سے نکلا تو مجھ پر چونکہ ایک نیا کپڑا تھا، لہٰذا لوگ پوچھنے لگے: کیا یہ تمہیں امیر المؤمنین نے پہنایا ہے؟ تو میں (بطورِ توریہ) کہہ رہا تھا: اللہ عَزَّوَجَلَّ امیر المؤمنین کو جزائے خیر عطا فرمائے! یہ سن کر میرے والِد نے فرمایا: اے میرے بیٹے! جھوٹ اور جھوٹ سے ملتی جلتی بات سے بھی بچو۔

یہ توریہ سے منع فرمانا اس لئے تھا کیونکہ ایسی صورت میں فَخْر کی غرض سے لوگوں کو جھوٹے خیال پر پکا کرنا پایا جا رہا تھا اور یہ باطل غرض ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں۔

توریہ معمولی غَرَض کے سبَب بھی مُباح ہے:

باطل غَرَض نہ ہو تو توریہ معمولی غرض کے سبب بھی مباح ہے جیسا کہ مزاح کے ذریعے دوسرے کے

دل کو خوش کرنا چنانچہ رسولِ بے مثال صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ فرمانا کہ ”جنّت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی“ اور عورت سے یہ فرمانا کہ ”تمہارے خاوند کی آنکھ میں سفیدی ہے“ نیز ایک عورت سے یہ فرمانا کہ ”ہم تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کریں گے“[1] اور اس طرح کی دیگر مثالیں اس میں داخل ہیں۔

دَرَجۂ ایمان میں کمی کا ایک سبَب:

جہاں تک صریح جھوٹ کا تعلُّق ہے جیسا کہ ایک انصاری نے ایک نابینا کو امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بارے میں کہا کہ یہ نعیمان ہے۔ یوں ہی لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بے وقوفوں کے ساتھ تفریح کرتے ہیں اور ان کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے کہتے ہیں کہ فلاں عورت تم سے شادی کرنے میں رغبت رکھتی ہے، تو اگر اس میں ایسا ضرر ہو جو دل آزاری کا باعث بنے تو یہ حرام ہے اور اگر صرف خوش طبعی کے لئے ہو تو ایسے شخص کو فاسق نہیں کہا جائے گا لیکن اس سے ایمان کے درجے میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

کامل ایمان:

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: آدمی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جب تک اپنے مزاح میں جھوٹ سے نہ بچے۔[2]

رہا سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ فرمان کہ ”آدمی لوگوں کو ہنسانے کے لئے کوئی بات کہتا ہے تو اس کے سبَب نارِ جہنّم میں ثُریّا (ستارے کے فاصلے) سے بھی دور جا گرتا ہے۔“[3] تو اس سے آپ کی مراد وہ بات ہے جس میں کسی مسلمان کی غیبت ہو یا جس سے کسی مسلمان کے دل کو اذیت پہنچتی ہو محض مزاح مراد نہیں ہے۔

---

[1] ...الشمائل المحمدیۃ للترمذی، باب ماجاء فی صفۃ مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۴۳، حدیث: ۲۳۰ بتغیر قلیل

سبل الھدی والرشاد، جماع ابواب صفات المعنویۃ، الباب الثانی والعشرون فی مزحہ، ۷/ ۱۱۴

[2] ...کنز العمال، کتاب الایمان والاسلام، الباب الاول فی الایمان والاسلام...الخ، ۱/ ۳۷، حدیث: ۱۰۶

[3] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۶۹، حدیث: ۷۱

مُبالَغہ کرنا کیسا؟

لوگوں کے درمیان جو مبالغہ عام طور پر رائج ہے یہ ممنوع جھوٹ میں داخل نہیں جیسے کسی کا یہ کہنا: میں نے تمہیں سو مرتبہ بلایا یا میں نے یہ بات تمہیں سو بار کہی۔ کیونکہ اس سے قائل کا مقصود تعداد سمجھانا نہیں بلکہ مبالغہ کرنا ہوتا ہے، لہٰذا اگر اس نے صرف ایک مرتبہ بلایا تھا تو وہ جھوٹا ہو گا جبکہ چند بار بلایا تھا تو اس مبالغہ کے سبب گناہ گار نہیں ہو گا اگرچہ سو مرتبہ نہ بلایا ہو۔ مبالغہ کے سلسلے میں دَرَجات ہیں بعض اوقات مبالغہ کے سلسلے میں زبان کو آزاد چھوڑنے والا شخص جھوٹ کے خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ بعض ایسے معاملات ہیں جن میں لوگ غفلت کے سبب جھوٹ کے عادی ہیں مثلاً کوئی کہے: ”کھانا کھایئے“ تو جواب دیا جاتا ہے: ”مجھے خواہش نہیں“ یہ ممنوع اور حرام ہے جبکہ اس میں کوئی صحیح غَرَض نہ ہو۔

بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو:

حضرت سیِّدُنا امام مجاہد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَاحِد سے روایت ہے کہ حضرت سیِّدَتُنا اسماء بنتِ عُمَیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بیان فرماتی ہیں کہ میں اس رات حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی سہیلی تھی جس رات میں آپ کو سجا سنوار کر رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے پاس لے گئی تھی اور میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی تھیں۔ ہم نے مہمان نوازی کے لئے آپ کے پاس دودھ کے ایک پیالے کے سوا کچھ نہ پایا (پہلے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس میں سے کچھ نوش فرمایا) پھر حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو عطا کیا تو وہ شرمانے لگیں۔ میں نے کہا: رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے دستِ مبارک کو مت لوٹاؤ اور لے لو۔ تو انہوں نے شرماتے ہوئے لے لیا اور اس میں سے کچھ پیا پھر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اپنی سہیلیوں کو دے دو۔ انہوں نے کہا: ہمیں اس کی خواہش نہیں۔ ارشاد فرمایا: بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو۔ حضرت سیِّدَتُنا اسماء بنت عُمَیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اگر ہم میں سے کسی کو کسی چیز کی خواہش ہو اور وہ کہے کہ مجھے اس کی خواہش نہیں تو کیا یہ جھوٹ میں شمار ہو گا؟ ارشاد فرمایا: بے شک جھوٹ کو جھوٹ لکھا

جاتا ہے حتّٰی کہ چھوٹے جھوٹ کو چھوٹا جھوٹ لکھا جاتا ہے [1]۔[2]

جھوٹ سے اجتناب میں اَسلاف کی احتیاطیں:

پرہیزگار لوگ اس قسم کے جھوٹ میں بھی نرمی برتنے سے بچتے تھے۔ چنانچہ،

طبیب سے کی ہوئی بات سچ کر دکھائی:

حضرت سیِّدُنا لَیث بن سَعد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَحَد فرماتے ہیں: حضرت سیدنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی آنکھوں میں میل کچیل جمع ہو جاتا حتّٰی کہ آنکھوں سے باہر پہنچ جاتا۔ آپ سے کہا جاتا: اگر آپ اپنی آنکھیں صاف کر لیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ ارشاد فرماتے: پھر طبیب کی بات کا کیا ہو گا؟ اس نے کہا تھا کہ اپنی آنکھوں کو مت چھونا اور میں نے کہا تھا کہ نہیں چھوؤں گا۔

تو یہ اَسلاف کی سوچ اور احتیاط تھی اور جو اس احتیاط کو چھوڑ دے گا اس کی زبان جھوٹ میں پڑ کر اس کے اختیار کی حد سے نکل جائے گی اور وہ جھوٹ بول رہا ہو گا لیکن اسے شُعُور نہیں ہو گا۔

آپ کا کیا جاتا اگر آپ سچ بولتیں:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ربیع بن خُثَیم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کی بہن بھتیجے کی عیادت کے لئے آئیں تو اس کی طرف جھک کر پوچھنے لگیں: اے میرے بیٹے! تم کیسے ہو؟ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا ربیع بن خُثَیم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم اٹھ کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: کیا آپ نے اسے دودھ پلایا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ ارشاد فرمایا: آپ کا کیا جاتا اگر آپ سچ بولتیں اور کہتیں: اے میرے بھتیجے! تم کیسے ہو؟

عادت یہ ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو تو اس کے متعلق (بطور توریہ) کہا جاتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ جانتا ہے، حضرت سیِّدُنا عیسٰی روحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں یہ بڑے گناہوں میں سے ہے کہ انسان جس بات کو نہ جانتا ہو اس کے بارے میں (بطور توریہ) کہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ جانتا ہے۔ بعض اوقات جھوٹا خواب بیان کیا جاتا ہے حالانکہ اس میں بہت بڑا گناہ ہے۔ چنانچہ

---

[1]... درست یہ ہے کہ حدیث کی راویہ اسماء بنت یزید ہیں۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۲۸۳)

[2]... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۲۹۷، حدیث: ۵۲۴

جھوٹا خواب بیان کرنے سے متعلق دو وعیدیں:

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے علاوہ کسی غیر کی طرف منسوب ہو یا خواب میں ایسی چیز دیکھنے کا دعویٰ کرے جو اس نے نہیں دیکھی یا مجھ سے وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی۔(1)

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو شخص جھوٹا خواب بیان کرے قیامت کے دن اسے جَو کے دو دانوں کے درمیان گِرَہ لگانے کا عذاب دیا جائے گا اور وہ کبھی بھی گرہ نہیں لگا سکے گا۔(2)

آفت نمبر15: غیبت (اس میں آٹھ فصلیں ہیں)

غیبت کے متعلق بحث طویل ہے، اولاً ہم غیبت کی مذمت اور اس کے بارے میں وارد شرعی دلائل (یعنی آیات واحادیث) کو ذکر کریں گے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی کتاب میں صراحت کے ساتھ اس کی مذمت بیان کی ہے اور غیبت کرنے والے کو مردار کا گوشت کھانے والے کے مُشابہ قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ (پ۲۶، الحجرات: ۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے تو یہ تمہیں گوارا نہ ہوگا۔

پہلی فصل: احادیث مبارکہ اور آثارِ بزرگان دین

حضور نبیِّ اکرم، شفیعِ معظّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا (ناحق) خون بہانا، اس کا مال لینا اور اس کی آبروریزی کرنا حرام ہے۔(3)

غیبت، عزّت کو لے جاتی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے مال اور خون کے ساتھ بھی ذکر فرمایا ہے۔

---

1 ...بخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل، ۲/ ۴۷۶، حدیث: ۳۵۰۹

2 ...بخاری، کتاب التعبیر، باب من کذب فی حلمه، ۴/ ۴۲۲، حدیث: ۷۰۴۲

3 ...مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم ظلم المسلم... الخ، ص۱۳۸۷، حدیث: ۲۵۶۴

بھائی بھائی بن جاؤ:

حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، نہ باہم بُغض وعداوت رکھو، نہ نَفرت دِلانے والے کام کرو، نہ آپس میں بے رُخی اختیار کرتے ہوئے قَطعِ تعلُّق کرو، نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔(1)

غیبت زِنا سے بھی سخت تر ہے:

حضرت سیِّدُنا جابر و حضرت سیِّدُنا ابو سعید خُدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ مصطفٰے جانِ رحمت، شَمعِ بَزمِ ہِدایت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: غیبت سے بچو بے شک غیبت زنا سے بھی سخت تر ہے کیونکہ مرد زِنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کی مغفرت اس وقت تک نہ ہوگی جب تک جس کی غیبت کی ہے وہ معاف نہ کردے۔(2)

غیبت کرنے والوں کا انجام:

حضرت سیِّدُنا اَنس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میں شبِ معراج ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جو اپنے چہروں کو اپنے ناخنوں سے نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: یہ لوگوں کی غیبت کرتے اور ان کی آبرو ریزی کرتے تھے۔(3)

کسی بھی نیکی کو چھوٹی مت سمجھو:

حضرت سیِّدُنا سُلَیم بن جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: مجھے کوئی بھلائی کی بات سکھایئے جس سے میں فائدہ اٹھا سکوں؟ ارشاد فرمایا: کسی بھی نیکی کو چھوٹی مت سمجھنا اگرچہ وہ نیکی اپنے ڈول سے پیاسے کے برتن میں پانی ڈالنا اور اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا

---

1 ...مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظن والتجسس... الخ، ص۱۳۸۶، حديث: ۲۵۶۳

موسوعة الامام ابن ابي الدنيا، كتاب الصمت، ۷/ ۱۱۷، حديث: ۱۶۳

2 ...موسوعة الامام ابن ابي الدنيا، كتاب الصمت، ۷/ ۱۱۸، حديث: ۱۶۴

3 ...سنن ابي داود، كتاب الادب، باب في الغيبة، ۴/ ۳۵۳، حديث: ۴۸۷۸

ہو اور اگر وہ چلا جائے تو ہرگز اس کی غیبت نہ کرنا۔[1]

مسلمانوں کے عُیوب تلاش مت کرو:

حضرت سیِّدُنا بَراء بن عازِب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہمیں (بلند آواز سے) خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ گھروں میں پردہ نشین عورتوں نے بھی سنا، چنانچہ آپ نے فرمایا: اے لوگوں کے وہ گروہ! جو اپنی زبان سے ایمان لائے اور دل سے ایمان نہ لائے مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور نہ ان کے عیوب تلاش کرو کیونکہ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے عیوب ظاہر کرتا ہے اور جس کے عیوب اللہ عَزَّوَجَلَّ ظاہر فرماتا ہے، اسے رُسوا کر دیتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔[2]

جہنم میں جانے والا پہلا شخص:

منقول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ جو غیبت سے توبہ کر کے مرا وہ آخری شخص ہو گا جو جنت میں جائے گا اور جو غیبت پر اصرار کرتے ہوئے (یعنی غیبت پر قائم رہتے ہوئے) مرا وہ پہلا شخص ہو گا جو جہنم میں داخل ہو گا۔

دو غیبت کرنے والیوں کی حکایت:

حضرت سیِّدُنا اَنَس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے لوگوں کو ایک دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: جب تک میں اجازت نہ دوں کوئی بھی افطار نہ کرے۔ چنانچہ لوگوں نے روزہ رکھا حتّٰی کہ جب شام ہوئی تو ہر آدمی آتا اور عرض کرتا: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں پورا دن روزے سے رہا ہوں، مجھے افطار کی اجازت عطا فرما دیجئے تو آپ اسے اجازت عطا فرماتے حتّٰی کہ ایک شخص آیا اور عرض گزار ہوا: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ کے قبیلے کی دو نوجوان عورتوں نے روزہ رکھا ہے اور وہ آپ کے پاس آنے سے شرماتی ہیں آپ انہیں افطار کی اجازت عطا

[1] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۱۹، حدیث: ۱۷۶

[2] ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، ۴/ ۳۵۴، حدیث: ۴۸۸۰

فرمادیجئے۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے اپنا رُخِ انور پھیر لیا اس نے پھر اجازت مانگی، آپ نے اس سے روگردانی فرمائی، اس نے پھر عرض کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”ان دونوں نے روزہ نہیں رکھا اور اس کا روزہ کیسے ہو سکتا ہے جس کا دن لوگوں کا گوشت کھاتے ہوئے گزرتا ہے، جاؤ اور انہیں کہہ دو کہ اگر وہ روزہ سے تھیں تو قے کریں۔“ وہ شخص ان کے پاس گیا اور انہیں یہ بات بتائی، ان دونوں نے قے کی تو دونوں کے پیٹ سے جما ہوا خون کا ٹکڑا نکلا۔ یہ دیکھ کر وہ شخص بارگاہِ رسالت میں آیا اور جو دیکھا اس کی خبر دی۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر یہ ان کے پیٹوں میں باقی رہتا تو ضرور انہیں جہنم کی آگ کھاتی۔“[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ نے اس سے رُخِ انور پھیرا تو وہ شخص واپس چلا گیا اور کچھ دیر بعد دوبارہ آیا اور عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! بخدا! وہ دونوں مرنے کے قریب ہیں تو رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔“ وہ دونوں آپ کے پاس حاضر ہوئیں تو آپ نے ایک پیالہ منگوایا اور ان میں سے ایک سے ارشاد فرمایا: ”قے کرو۔“ تو اس نے پیپ، خون اور کچ لَہو (یعنی خون ملی پیپ) کی اتنی قے کی کہ پیالہ بھر دیا اس کے بعد آپ نے دوسری سے بھی قے کرنے کا حکم دیا، اس نے بھی اسی طرح قے کی پھر آپ نے ارشاد فرمایا: ”ان دونوں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حلال کردہ چیز سے روزہ رکھا اور حرام کردہ چیز سے روزہ افطار کیا کہ ایک دوسری کے پاس گئی اور دونوں مل کر لوگوں کے گوشت کھانے لگیں (یعنی غیبت کرنے لگیں)۔[2]

آبروریزی سود سے بڑا گناہ ہے:

حضرت سَیِّدُنا اَنَس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہمیں خطبہ دیا اور سود اور اس کے مُعاملے کی سَنگینی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: آدمی کو ملنے والا سود کا ایک درہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک چھتیس بار زنا کرنے سے زیادہ برا ہے اور سود سے بڑھ کر گناہ

1 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۲۲، حدیث: ۱۷۰

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث عبید مولی النبی، ۹/ ۱۶۵، حدیث: ۲۳۷۱۴

کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے۔[1]

عذابِ قبر کے دو سبب:

حضرت سیِّدُنا جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لَولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ دو قبروں کے پاس تشریف لائے جن میں مَیِّت کو عذاب ہو رہا تھا، ارشاد فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے امر کی وجہ سے نہیں ہو رہا۔ ان میں سے ایک لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا پھر آپ نے ایک یا دو تر ٹہنیاں منگوائیں اور ان کے دو ٹکڑے کئے اور ہر ٹکڑے کو قبر پر گاڑنے کا حکم دے کر ارشاد فرمایا: جب تک یہ تر رہیں گی یا خشک نہ ہو جائیں ان کے عذاب میں کمی رہے گی۔[2]

فوت شُدہ کی بُرائی کرنا بھی غیبت ہے:

جب رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت ماعِز اَسْلَمِی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو زنا کی سزا میں سنگسار کروایا تو ایک شخص نے دوسرے سے کہا: اسے کتے کی طرح مارا گیا۔ (واپسی پر) حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک مُردار کے پاس سے گزرے وہ دونوں بھی آپ کے ساتھ تھے، آپ نے ان سے ارشاد فرمایا: "اس مُردار سے کھاؤ۔" ان دونوں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہم اس مُردار کو کھائیں؟ ارشاد فرمایا: جو کچھ تم نے اپنے مسلمان بھائی کے متعلق کہا ہے، وہ اس سے بھی زیادہ بدبودار ہے۔[3]

صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان آپس میں خندہ پیشانی کے ساتھ ملا کرتے تھے اور عدم موجودگی میں غیبت نہیں کرتے تھے اور اسے افضل عمل جانتے تھے اور اس کے خلاف عمل کو منافقین کی عادت سمجھتے تھے۔

آخرت میں اپنے بھائی کا گوشت کھانا پڑے گا:

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: "جو دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھائے گا آخرت

---

1 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنيا، كتاب الصمت، ٧/ ١٢٦، حديث: ١٧٥

2 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنيا، كتاب الصمت، ٧/ ١٢٧، حديث: ١٧٦

3 ...سنن ابی داود، كتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالك، ٤/ ١٩٧، حديث: ٤٤٢٨

میں اس کا گوشت اس کے قریب کیا جائے گا اور کہا جائے گا جیسے تو اس کا گوشت زندگی میں کھاتا تھا، اب مر کر بھی کھا، لہٰذا وہ اسے کھائے گا تو چیخیں مارے گا اور منہ بگاڑے گا۔"

اور یہی بات رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بھی مروی ہے۔

نماز لوٹانے کا حکم دیا:

مروی ہے کہ دو شخص مسجدُ الْحَرام کے دروازوں میں سے کسی دروازے کے پاس بیٹھے تھے، ان کے پاس سے ایک شخص گزرا جو عورتوں کی مُشابَہَت اِختیار کرتا تھا پھر اس نے یہ کام چھوڑ دیا تھا، ان دونوں نے کہا: اس میں اس کا کچھ اثر باقی ہے پھر جماعت قائم ہوئی، دونوں نے اندر داخل ہو کر لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی پھر انہیں اپنی گفتگو کا کھٹکا محسوس ہوا چنانچہ دونوں مفتیِ مکہ حضرت سیِّدُنا عطاء بن ابی رَباح رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ وہ نئے سرے سے وضو کر کے نماز لوٹائیں اور اگر روزے سے تھے تو روزے کی قضا کریں۔

حضرت سیِّدُنا مجاہد رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اس آیتِ مبارکہ: وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ ترجمۂ کنزالایمان: خرابی ہے اس کے لئے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے پیٹھ پیچھے بدی کرے۔ (پ۳۰، الھمزۃ: ۱) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: هُمَزَة سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کی عزتوں پر حملہ کرتا ہے اور لُمَزَة سے مراد وہ ہے جو لوگوں کا گوشت کھاتا ہے (یعنی غیبت کرتا ہے)۔

عذابِ قبر کے تین حصے:

حضرت سیِّدُنا قتادہ رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہمیں بتایا گیا ہے کہ عذاب قبر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے (۱) ایک تہائی عذاب غیبت کی وجہ سے (۲) ایک تہائی چغلی کی وجہ سے اور (۳) ایک تہائی پیشاب (کے چھینٹوں سے خود کو نہ بچانے) کی وجہ سے ہوتا ہے۔

غیبت دین میں فساد پیدا کرتی ہے:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَةُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: غیبت بندۂ مومن کے دین میں اس سے بھی

جلدی فساد پیدا کرتی ہے جتنی جلدی آکلہ [1] کی بیماری اس کے جسم کو خراب کرتی ہے۔

مسلمان کی عزت اسلاف کی نظر میں:

ایک بُزرگ فرماتے ہیں: ہم نے اسلاف کو دیکھا کہ وہ حضرات لوگوں کی بے عزتی کرنے سے بچنے کو نماز روزے سے بڑھ کر عبادت تصور کیا کرتے تھے۔

اپنے عیبوں پر نظر ہو:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: جب تو کسی کے عیوب بیان کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے عیبوں کو یاد کر لیا کر۔

حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: تمہیں اپنے مسلمان بھائی کی آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک پسندیدہ بندہ:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرمایا کرتے: اے ابنِ آدم! تم اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پا سکتے جب تک لوگوں کے اس عیب کو بیان کرنا چھوڑ نہ دو جو تمہارے اندر ہے اور جب تک کہ اس عیب کی اصلاح شروع کر کے اسے اپنی ذات سے دور نہ کر لو۔ جب تم ایسا کر لوگے تو یہ چیز تمہیں اپنی ہی ذات میں مشغول کر دے گی اور ایسا شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کو بہت زیادہ محبوب ہے۔

مرے ہوئے کتے کی برائی سے بھی پرہیز:

حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ایک مرے ہوئے کتے کے پاس سے گزرے، آپ کے ہمراہ آپ کے حواری بھی تھے۔ حواریوں نے کہا: یہ کتا کس قَدَر بدبودار ہے؟ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: اس کے دانت کتنے سفید ہیں۔ گویا آپ نے ان کو کتے کی غیبت سے بھی منع فرما دیا اور ان کو خبردار کیا کہ اللہ

---

[1]... آکلہ پہلو میں ہونے والے اس پھوڑے کو کہتے ہیں جس سے گوشت پوست (کھال) سڑ جاتے ہیں اور گوشت جھڑنے لگتا ہے۔

عَزَّوَجَلَّ کی کسی بھی مخلوق کا تذکِرہ ہمیشہ اچھا کرنا چاہئے۔

غیبت کی مَذمّت میں دو فرامین:

حضرت سیِّدُنا امام زَینُ العابدِین عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن نے کسی شخص کو غیبت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: غیبت سے بچو کیونکہ یہ انسان نما کتّوں کا سالن ہے۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کیا کرو بے شک اس میں شِفا ہے اور لوگوں کے تذکروں سے بچو کہ یہ بیماری ہے۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کی اطاعت کے لئے حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

دوسری فصل: غیبت کی تعریف اور مثالیں

غیبت کی تعریف یہ ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کا تذکرہ اس طرح کرو کہ اگر اس تک وہ بات پہنچے تو وہ اسے ناپسند کرے خواہ تم اس کی بدنی یا خاندانی خامی کا تذکرہ کرو یا اَخلاق اور قول وفعل میں کوئی برائی بیان کرو یونہی اس کی دُنیاوی یا دینی خامی کا ذکر کرو یہاں تک کہ اُس کے کپڑے، مکان اور جانور کے حوالے سے بھی خامی بیان کرو تو یہ بھی غیبت میں داخل ہے۔

بدن میں غیبت کی مثالیں:

تم کسی کا تذکِرہ کرتے ہوئے کہو: وہ چُندھا (یعنی کمزور نظر والا یا تیز روشنی برداشت نہ کرنے کے سبب آنکھیں جھپکانے والا)، بھینگا یا گنجا ہے، اس کا قد چھوٹا یا لمبا ہے، اس کا رنگ سیاہ یا زرد ہے اور اسی طرح ہر اس بات کا خیال جسے بیان کیا جانا اسے ناپسند ہو اُس کا تذکِرہ کرنا خواہ کسی بھی طریقے سے ہو (غیبت ہے)۔

خاندان کے حوالے سے غیبت کی مثالیں:

تم کہو: فلاں کا باپ کسان، ہندی (یعنی ہندوستان کا باشندہ) یا فاسق ہے، کمینہ، موچی ہے یا کوڑا کرکٹ صاف کرنے والا ہے۔

اخلاق کے حوالے سے غیبت کی مثالیں:

تم کہو: فلاں بد اخلاق، بَخِیْل، مُتَکَبِّر، رِیاکار ہے یا بہت غصّے والا، بزدل، عاجز، کمزور دل ہے یا بے وقوف قسم کا بہادُر ہے۔

دینی حوالے سے غیبت کی مثالیں:

تم کہو: فلاں چور، جھوٹا، شرابی، خیانت کرنے والا یا ظالم ہے، نماز یا زکوۃ میں سستی کرنے والا ہے یا رُکوع اور سجدہ اچھی طرح نہیں کرتا یا نَجاستوں سے نہیں بچتا، ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سُلوک نہیں کرتا، زکوٰۃ نہیں دیتا یا زکوۃ کی درست تقسیم نہیں کرتا یا فحش کلامی، غیبت اور لوگوں کی عزّتوں کو خراب کرنے سے اپنے روزے کو محفوظ نہیں رکھتا۔

دنیاوی حوالے سے غیبت کی مثالیں:

تم کہو: فلاں بے ادب ہے، لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے، اپنے اوپر کسی دوسرے کا حق نہیں جانتا جبکہ دوسروں پر اپنا حق سمجھتا ہے یا یہ کہو کہ وہ باتونی ہے، بہت کھاتا ہے، بہت سوتا ہے، بے وقت سوتا ہے یا دوسروں کی جگہ بیٹھتا ہے۔ کپڑوں کے مُتَعَلِّق غیبت یہ ہے کہ تم کہو: فلاں کھلی آستین یا لمبے دامن والا ہے یا میلے کچیلے کپڑوں والا ہے۔

ایک فاسد اِستِدلال اور اس کا جواب:

استدلال: کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ دین سے متعلق افعال میں کوئی غیبت نہیں ہوتی کیونکہ یہ تو اس شخص کی مذمت کرنا ہے جس کی مذمت اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کی ہے، لہٰذا گناہوں کے سبب اس کی غیبت کرنا اور برائی بیان کرنا جائز ہے اور دلیل یہ ہے کہ بارگاہِ رسالت میں ایک عورت کا ذکر کیا گیا کہ وہ بہت زیادہ نمازیں پڑھتی اور روزے رکھتی ہے لیکن اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو ایذا دیتی ہے۔ ارشاد فرمایا: وہ جہنم میں ہے۔[1]

ایک دوسری عورت کا ذکر کیا گیا کہ وہ بخیل ہے۔ ارشاد فرمایا: تب تو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔[2]

---

1 ...الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الغیبۃ، ۷/ ۵۰۷، حدیث ۵۷۳۴

2 ...الزھد للامام وکیع بن الجراح، باب السخاء والبخل، الجزء الاول (ب)، ص ۲۷۱، حدیث: ۳۷۵

جواب: یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان ان باتوں کا ذکر اس لئے کرتے تھے کہ انہیں سوال کے ذریعے احکام کو جاننا ہوتا تھا، ان کی غرض عیب لگانا نہیں ہوتی تھی اور سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مجلس کے علاوہ انہیں اس قسم کی باتوں کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی اور دلیل اس پر یہ ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کسی دوسرے کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کرے جو اسے ناپسند ہو تو وہ غیبت کرنے والا ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے غیبت کی جو تعریف کی ہے یہ اس میں داخل ہے۔

غیبت اور بُہتان کا فرق:

ان تمام باتوں میں اگرچہ وہ سچا ہو لیکن پھر بھی وہ غیبت کرنے والا، اپنے ربّ کی نافرمانی کرنے والا اور اپنے مسلمان بھائی کا گوشت کھانے والا ہے اور دلیل یہ ہے کہ حُسنِ اخلاق کے پیکر، محبوبِ رَبِّ اَکبر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ یعنی تم اپنے بھائی کا اس طرح تذکرہ کرو جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔ کسی نے عرض کی: جو میں کہہ رہا ہوں اگر وہ میرے مسلمان بھائی میں موجود ہو تو؟ فرمایا: جو بات تم کہہ رہے ہو اگر وہ اس میں موجود ہو تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں نہ ہو تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔[1]

حضرت سَیِّدُنا مُعاذ بن جَبَل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ نبیّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں ایک شخص کا ذکر کیا گیا تو لوگوں نے عرض کی: وہ کتنا عاجز ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تم نے اپنے بھائی کی غیبت کی، عرض کی گئی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہم نے تو وہی بات کہی جو اس میں موجود ہے۔ ارشاد فرمایا: اگر تم ایسی بات کہتے جو اس میں موجود نہیں ہے تو تم اس پر بہتان باندھتے۔[2]

اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبیّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں ایک عورت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس کا قد چھوٹا ہے تو آپ

---

[1] ...مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الغيبة، ص۱۳۹۷، حديث: ۲۵۸۹

[2] ...المعجم الكبير، ۲۰/ ۳۹، حديث: ۵۷

صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم نے اس کی غیبت کی۔[1]

دوسرے کا ذکر تین طرح سے ہوتا ہے:

حضرت سیِّدُنا حَسَن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: دوسرے کا ذکر تین طرح سے ہوتا ہے۔ (۱)...غیبت (۲)...بُہتان اور (۳)...اِفک کی صورت میں اور ان تمام کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ غیبت یہ ہے کہ تم ایسی بات کہو جو اس میں موجود ہو۔ بہتان یہ ہے کہ ایسی بات کہو جو اس میں موجود نہ ہو اور افک یہ ہے کہ جو بات تم تک پہنچے اسے کہہ دو (یعنی ہر سنی سنائی بات کہہ دو اس کی تحقیق نہ کرو)۔

غیبت سے ہاتھوں ہاتھ توبہ:

حضرت سیِّدُنا امام ابنِ سیرین عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ المُبِین نے ایک شخص کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ وہ سیاہ فام ہے پھر فرمایا: اَسْتَغْفِرُ اللہ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اس کی غیبت کی ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے حضرت سیِّدُنا ابراہیم نَخَعِی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی کا تذکرہ کیا تو اپنا ہاتھ اپنی ایک آنکھ پر رکھ لیا اور انہیں کانا نہیں کہا۔

گوشت کا ٹکڑا نکال کر پھینکا:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: تم میں سے کوئی شخص کسی کی غیبت ہرگز نہ کرے کیونکہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر تھی تو میں نے ایک عورت کے بارے میں کہا: یہ لمبے دامن والی ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”جو کچھ تمہارے منہ میں ہے نکال پھینکو۔“ میں نے گوشت کا ٹکڑا نکال کر پھینکا۔[2]

تیسری فصل: غیبت زبان کے ساتھ خاص نہیں

جان لیجئے کہ زبان کے ساتھ غیبت کرنا حرام اس لئے ہے کہ اس میں دوسرے کو اپنے مسلمان بھائی کی

---

1 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا، ۱۰/ ۱۹، حدیث: ۲۵۷۶۶

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۳۵، حدیث: ۲۱۶

خامی سمجھانا اور اس طرح اس کی پہچان کرانا ہوتا ہے جسے وہ ناپسند کرے۔ اس سلسلے میں اشارۃً گفتگو صریح گفتگو کی طرح ہے اور فعل اس میں قول کی طرح ہے، لہٰذا ہاتھ یا آنکھ سے اشارہ کرنا، لکھنا، کسی کی نقل اتارنا اور ہر وہ چیز جس سے مقصود سمجھ آجائے وہ غیبت میں داخل ہے اور حرام ہے۔

اور اسی (زبان کے علاوہ غیبت کی) قسم سے اُمّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا قول ہے کہ ہمارے پاس ایک عورت آئی، جب وہ چلی گئی تو میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ یہ پستہ قد ہے تو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم نے اس کی غیبت کی۔[1]

غیبت کی سب سے سخت قسم:

اور اسی قسم سے نقل اتارنا بھی ہے مثلاً لنگڑا کر چلنا یا اس کے چلنے کی طرح چلنا، یہ بھی غیبت ہے بلکہ غیبت کی قسموں میں سب سے سخت قسم ہے کیونکہ اس میں منظر کشی اور دوسرے کو سمجھانا زیادہ پایا جاتا ہے۔

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب اُمّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو ایک عورت کی نقل اتارتے ہوئے ملاحظہ کیا تو ارشاد فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی کی نقل اتاروں اور مجھے یہ یہ چیز مل جائے (یعنی کثیر دنیا مل جائے)۔[2]

لکھ کر بھی غیبت ہوتی ہے:

اسی طرح لکھ کر بھی غیبت ہوتی ہے کیونکہ قلم منظر کشی اور سمجھانے کے معاملے میں زبان کی مثل ہے اور مصنف کا کتاب میں مُعَیَّن شخص کا ذکر کرنا اور اس کے کلام کے نقص کو بیان کرنا بھی غیبت ہے سوائے یہ کہ کسی عذر کے باعث اس کو ذکر کرنے کی حاجت ہو جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ رہا یوں کہنا کہ کچھ لوگ یوں کہتے ہیں تو یہ غیبت نہیں ہے، غیبت صرف مُعَیَّن شخص کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کا نام ہے خواہ وہ شخص زندہ ہو یا مردہ۔

یہ کہنا بھی غیبت ہے کہ "ایک آدمی جو آج ہمارے پاس سے گزر اتھا یا جسے ہم نے دیکھا تھا وہ ایسا تھا" جبکہ مخاطب اس سے شخص معین سمجھے کیونکہ ممنوع معین شخص کی برائی کے ساتھ پہچان کرانا ہے نہ کہ

---

[1] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۳۳، حدیث: ۲۰۸

[2] ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، ۴/ ۳۵۳، حدیث: ۴۸۷۵

وہ بات جسے سمجھایا جارہا ہے لہٰذا جب معین شخص کی پہچان نہ ہو پائے تو جائز ہے۔

اصلاح کا حسین انداز:

تاجدارِ رِسالت، شَہَنشاہِ نُبُوَّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب کسی شخص سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھتے تو ارشاد فرماتے: مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَفْعَلُوْنَ کَذَا وَکَذَا یعنی لوگوں کو کیا ہوگیا جو ایسا ایسا کرتے ہیں۔[1]

تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کسی کو معین نہیں کرتے تھے۔ تمہارا یہ کہنا کہ "ایک شخص جو سفر سے واپس آیا یا ایک آدمی جو عالم ہونے کا دعوی کر رہا ہے وہ ایسا ہے" اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ ہو جس سے معین شخص سمجھا جارہا ہو تو یہ غیبت ہے۔

غیبت کی بدترین قسم:

غیبت کی بدترین قسم وہ ہے جو ریاکار عُلَما کرتے ہیں کیونکہ وہ نیک لوگوں کے طریقے پر مقصود کو سمجھاتے ہیں تاکہ اپنی طرف سے لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ وہ غیبت سے بچے ہوئے ہیں اور مقصود کو سمجھا رہے ہیں اور اپنی جہالت کے سبب یہ نہیں جانتے کہ انہوں نے دو برائیوں کو جمع کر لیا ہے، ایک غیبت اور دوسری ریاکاری۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اس طرح کے شخص کے پاس کسی کا تذکرہ ہو تو کہتا ہے: تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں جس نے ہمیں بادشاہ کے پاس جانے اور دنیا کی طلب میں ذلیل ہونے کی مصیبت سے بچایا یا کہتا ہے: ہم بے حیائی سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگتے ہیں، ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے، اس کا مقصد صرف دوسرے کا عیب سمجھانا ہوتا ہے تو وہ اسے دعا کے طریقے پر ذکر کرتا ہے۔

اسی طرح جس کی وہ غیبت کرنا چاہتا ہے تو پہلے کبھی اس کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے: فلاں کے اَحوال کتنے اچھے تھے کہ عبادات میں بالکل کوتاہی نہیں کرتا تھا لیکن اب وہ سست پڑ گیا ہے اور ایسی چیز میں مبتلا ہو گیا ہے جس میں ہم سبھی گھرے ہوئے ہیں یعنی اس کے اندر (مشقتوں پر) صبر کرنے کا جذبہ کم ہو گیا ہے اور یوں اپنی

---

[1] ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی حسن العشرۃ، ۴/ ۳۲۸، حدیث: ۴۷۸۸

تعریف کرتا ہے۔ اس کا مقصود تعریف کے ضِمن میں اُس کی مذمت کرنا اور خود کو نیک لوگوں کے ساتھ تشبیہ دے کر اپنی تعریف کرنا ہوتا ہے کہ وہ بھی نیک لوگوں کی طرح اپنے نفس کی مذمت کرتا ہے تو ایسا شخص غیبت کرنے والا، ریاکار اور اپنی پاکی بیان کرنے والا ہے اور یوں وہ تین گناہوں کو جمع کرتا ہے اور اپنی جہالت کے سبب خود کو نیک لوگوں میں سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو غیبت سے پاک صاف گمان کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ شیطان جاہلوں کے ساتھ کھیلتا ہے جب وہ بغیر علم کے عبادت میں مشغول ہوتے ہیں، اس طرح کہ انہیں مَشَقَّت میں ڈال کر اپنے مکر و فریب کے ذریعے ان کے اَعمال برباد کر دیتا ہے، ان پر ہنستا ہے اور ان کا مذاق اڑاتا ہے۔

اسی سے (یعنی بدترین غیبت میں سے) یہ بھی ہے کہ وہ کسی انسان کا عیب ذکر کرے اور جب بعض حاضرین اس پر آگاہ نہ ہوں تو وہ کہے: سبحٰن اللہ! کیا ہی عجیب بات ہے، تاکہ وہ اس غیبت کرنے والے کی طرف متوجہ ہوں اور جو وہ کہتا ہے اسے جان لیں۔ پس وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا ہے اور اپنی خباثت کو ثابت کرنے کے لئے اِس کے نام کو اپنے لئے آلے کے طور پر استعمال کرتا ہے اور جہالت اور دھوکے کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ پر اس کا ذکر کر کے احسان جتاتا ہے۔

اسی طرح وہ کہتا ہے کہ ہمارے دوست کی جو تذلیل کی گئی ہے اس پر مجھے بہت دکھ ہوا ہے، ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اسے راحت عطا فرمائے، تو وہ غمگین ہونے کے دعوے اور اس کے لئے دعا کے اظہار میں جھوٹا ہے، اگر دعا کا ارادہ تھا تو نماز کے بعد تنہائی میں اس کے لئے دعا کرتا، اگر اسے اس بات پر غم ہوتا ہے تو جس بات کے کہے جانے کو اس کا دوست ناپسند کرتا ہے، اس کے اظہار پر بھی اسے غم ہوتا۔

اسی طرح وہ کہتا ہے: بے چارہ فلاں بڑی آفت میں مبتلا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ ہماری اور اس کی توبہ قبول فرمائے۔ تو ان تمام صورتوں میں وہ دعا کا اظہار کرتا ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی باطنی خباثت اور اس کے پوشیدہ ارادے سے باخبر ہے اور اسے اپنی جہالت کے سبب اس بات کا علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ایسی ناراضی کی زد میں آچکا ہے جو اُس ناراضی سے بھی بڑھ کر ہے جس کی زد میں جاہل لوگ آتے ہیں جب وہ کھلم کھلا غیبت کرتے ہیں۔

غیبت سننا اور اس کی تصدیق کرنا بھی غیبت ہے:

اسی سے (یعنی بدترین غیبت میں سے) اَز راہِ تَعَجُّب تَوَجُّہ سے غیبت سننا بھی ہے کیونکہ وہ تعجب کا اظہار محض

اس لئے کرتا ہے تاکہ غیبت کرنے والے کا جوش بڑھ جائے اور وہ غیبت کرتا رہے گویا یوں وہ اس سے غیبت نکلواتا ہے اور اس پر کہتا ہے: تعجب ہے میں تو اسے ایسا نہیں جانتا تھا، میں تو اب تک اسے صرف اچھائی کے ساتھ ہی پہچانتا تھا، میں تو اس کے بارے میں کچھ اور ہی گمان کرتا تھا، اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں اس مصیبت سے محفوظ رکھے، یہ سب کچھ غیبت کرنے والے کی تصدیق ہے اور غیبت کی تصدیق بھی غیبت ہوتی ہے بلکہ غیبت سن کر خاموش رہنے والا بھی گناہ میں غیبت کرنے والے کا شریک ہے۔ چنانچہ

دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلْمُسْتَمِعُ اَحَدُ الْمُغْتَابِیْنَ یعنی غیبت سننے والا بھی، غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہوتا ہے۔[1]

مروی ہے کہ حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق اور حضرت سَیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: اِنَّ فُلَانًا لَنَؤُوْمٌ یعنی فلاں شخص بہت سوتا ہے۔ پھر انہوں نے سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سالن مانگا تاکہ اس کے ساتھ روٹی کھائیں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم سالن کھا چکے ہو۔ انہوں نے عرض کی: ہمیں تو اس کا علم نہیں۔ فرمایا: ہاں۔ تم دونوں نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے۔[2]

تو دیکھو کس طرح رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دونوں کو (غیبت میں) ملایا حالانکہ غیبت کرنے والے ان میں سے ایک تھے اور دوسرے سن رہے تھے۔

اسی طرح دو شخصوں میں سے ایک نے حضرت ماعِز رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے متعلق کہا کہ انہیں کتے کی طرح مارا گیا۔ سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: دونوں اس مردار کا گوشت کھاؤ۔[3]

تو سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے غیبت میں دونوں کو ملایا (حالانکہ غیبت کرنے والا ایک تھا)۔

غیبت سننے سے کیسے بچے؟

غیبت سننے والا، غیبت کے گناہ سے اسی وقت نکل سکتا ہے جب وہ اپنی زبان کے ساتھ اسے غیبت کرنے

---

1 ...الزواجر عن اقتراف الکبائر، الباب الثانی فی الکبائر الظاھرۃ، الکبیرۃ الثامنۃ والتاسعۃ والاربعون بعد المائتین، ۲/ ۳۵

2 ...التوبیخ والتنبیۃ لابی الشیخ اصبہانی، ۳/ ۱۰۷، حدیث: ۲۳۸

3 ...سنن ابی داود، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک، ۳/ ۱۹۸، حدیث: ۴۴۲۸

سے روک دے یا ضرر کا خوف ہو تو اپنے دل سے برا جانے، اگر وہاں سے اٹھ کر جا سکتا ہے یا گفتگو کا رخ بدل سکتا ہے تو ایسا کرے ورنہ گناہ گار ہو گا۔ اگر زبان سے کہہ بھی دیتا ہے کہ "خاموش ہو جاؤ" مگر دل سے سننا چاہتا ہے تو یہ منافقت ہے اور جب تک دل سے برا نہ جانے گناہ سے باہر نہ ہو گا، فقط ہاتھ یا اپنی ابرو یا پیشانی کے اشارے سے چپ کرانا کافی نہ ہو گا کیونکہ ایسا کرنا غیبت کئے گئے شخص کو حقیر سمجھنا ہے بلکہ اس کو بڑا جانتے ہوئے غیبت کرنے والے کو واضح الفاظ میں روکنا چاہئے۔

اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کرے:

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے پاس کسی مومن کو ذلیل کیا جا رہا ہو اور وہ طاقت رکھنے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اسے رُسوا کرے گا۔[1]

حضرت سَیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت کا تَحَفُّظ کرے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذِمَّۂ کَرَم پر ہے کہ قیامت کے دن اس کی عزت کی حفاظت فرمائے۔[2]

حُسنِ اَخلاق کے پیکر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی عزت کا دِفاع کرے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذِمَّۂ کَرَم پر ہے کہ اسے نارِ جَہَنَّم سے آزاد کر دے۔[3]

غیبت کے وقت مسلمان کی مدد کرنے اور اس کی فضیلت کے متعلق کثیر احادیث موجود ہیں جنہیں ہم نے آدابِ صُحبت اور حُقُوقِ مسلمین میں ذکر کر دیا ہے، لہٰذا ہم انہیں دوبارہ لا کر کلام کو طویل نہیں کریں گے۔

چوتھی فصل: غیبت پر اُبھارنے والے اسباب

جان لیجئے غیبت پر ابھارنے والے امور کثیر ہیں لیکن یہ سب گیارہ اسباب کے تحت داخل ہیں، آٹھ ان

1 ...المعجم الکبیر، ٦/ ٧٣، حدیث: ٥٥٥٤

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ٧/ ١٢٦، حدیث: ٢٥٢

3 ...المعجم الکبیر، ٢٤/ ١٧٦، حدیث: ٤٤٣

میں سے عوام کے حق میں عام ہیں اور تین دین دار اور خاص لوگوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عوام میں موجود آٹھ اسباب:

...پہلا سبب: غُصَّہ نکال کر دل کو ٹھنڈا کرنا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی ایسا سبب واقع ہو جس کی بنا پر اسے دوسرے پر غصہ آئے کیونکہ جب اس کے غصے کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے تو وہ اس کی برائیاں ذکر کر کے اپنے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے اور غصے کے فِطرت میں داخل ہونے کے سبب زبان اس کی برائیاں بیان کرنے کی طرف بڑھتی ہے جبکہ وہاں کوئی دِینی رُکاوَٹ نہ ہو اور کبھی اس کے لئے غُصَّہ نکالنا ممکن نہیں ہوتا تو غصہ دل میں جم جاتا ہے اور کینہ ہو کر برائیاں بیان کرنے کا دائمی سبَب بن جاتا ہے تو کینہ اور غُصَّہ غیبت پر اُبھارنے والے بڑے اسباب میں سے ہیں۔

...دوسرا سبب: اپنے ہم زمانہ لوگوں کی مُوافقت کرنا اور دوستوں سے اظہارِ تَعَلُّق کرتے ہوئے گفتگو میں ان کی مدد کرنا کیونکہ جب وہ لوگوں کی غیبت کر کے لطف اندوز ہوتے ہیں تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس نے ان کو غیبت کرنے سے روکا یا مجلس سے اٹھ کر چلا گیا تو وہ اسے بوجھ شُمار کریں گے اور اس سے دور بھاگیں گے، لہٰذا وہ ان کی مدد کرتا ہے اور اسے حُسْنِ اَخلاق سے خیال کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا یہ فعل دوستی یاری میں ان کی دلجوئی ہے اور کبھی اس کے دوستوں کو غصہ آتا ہے تو خوشی غمی میں شرکت کا اظہار کرنے کے لئے ان کے غصہ کرنے کے سبب اسے بھی غصہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، لہٰذا وہ ان کے ساتھ عیوب اور برائیاں ذکر کرنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

...تیسرا سبب: کسی شخص سے اس بات کا خوف محسوس کرنا کہ وہ اسے نشانہ بنا کر اپنی زبان سے اسے اذیت پہنچائے گا یا سردار وذِی وقار شخص کے سامنے اس کی حالت کی بُرائی بیان کرے گا یا اس کے خِلاف کسی بات کی گواہی دے گا تو قبل اس کے کہ وہ اس کی حالت کی برائی بیان کرے اور اس پر الزام لگائے، وہ خود ہی پہل کر دیتا ہے تاکہ اس کی گواہی (اور گفتگو) کا اثر ختم ہو جائے۔

یا جس بات میں وہ سچا ہے، ابتداءً اسے ذکر کرتا ہے تاکہ اس کے بعد اس کے خلاف جھوٹ بولے۔ چنانچہ وہ جھوٹ کو پہلے سچ کے ساتھ آراستہ کرتے ہوئے بولتا ہے اور اس (یعنی پہلے سچ) کو دلیل بناتے ہوئے

کہتا ہے: جھوٹ بولنا میری عادت نہیں ہے کیونکہ میں نے آپ کو اس کے احوال سے ان ان باتوں کی خبر دی ہے لہٰذا وہ ایسا ہی ہے جیسا میں نے کہا۔

﴿…چوتھا سبب: کسی کی طرف کوئی کام منسوب ہو تو وہ اپنی بَراءت کے اظہار کے لئے اس شخص کا ذکر کر دے جس نے وہ کام کیا تھا حالانکہ درست یہ تھا کہ وہ خود کو بے قُصُور بتاتا اور اس کا نام نہ لیتا جس نے وہ کام کیا تھا تاکہ وہ اس کام کی طرف منسوب نہ ہوتا یا پھر دوسرے کا یوں ذکر کرے کہ اس فعل میں فلاں بھی اس کے ساتھ شریک تھا تاکہ اس کے سبب اس کام کو کرنے میں اپنا عذر بیان کرے۔

﴿…پانچواں سبب: تَصَنُّع اور فَخْر کا ارادہ کرنا اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص میں عیب نکال کر اپنی برتری کا اظہار کرے اور کہے: فلاں شخص جاہل ہے، اس کی سمجھ ناقص ہے اور کلام کمزور ہے اور اِس سے اُس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ اُس کی برائی کے ضِمْن میں اپنی فضیلت ثابت کرے اور لوگوں کو یہ دکھائے کہ وہ اُس سے زیادہ علم رکھتا ہے یا پھر دوسرے شخص کے متعلق اس بات کا خوف محسوس کرے کہ کہیں میری طرح اس کی بھی تعظیم نہ کی جانے لگے لہٰذا اس میں کیڑے نکالنے لگ جائے۔

﴿…چھٹا سبب: حسد ہے بعض اوقات کسی کو اس شخص سے بھی حسد ہوتا ہے جس کی لوگ تعریف کرتے ہیں، جس سے محبت کرتے ہیں اور جس کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ اس سے نعمت کا زوال چاہتا ہے اور اس میں کیڑے نکالنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں پاتا اور وہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کی عزت نہ رہے تاکہ لوگ اس کی تعظیم اور تعریف کرنے سے رک جائیں کیونکہ جب وہ سنتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف میں رَطْبُ اللِّسان ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ بات اس پر گراں گزرتی ہے اور یہی چیز عین حسد ہے اور یہ غصے اور کینے کے علاوہ ہے کیونکہ غصہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جس پر غصہ ہے، اس سے خطا سَرزَد ہو جائے اور حَسَد کبھی محسن اور مہربان دوست سے بھی ہوتا ہے (یوں یہ ایک الگ سبب ہے)۔

﴿…ساتواں سبب: کھیل کود، خُوش طَبْعی اور ہنسی میں وقت گزارنا۔ چنانچہ وہ نقل اتار کر دوسرے کے عیوب اس طرح ذکر کرتا ہے کہ لوگ ہنسیں اور اس کا سبب تکبر اور خود پسندی ہے۔

﴿…آٹھواں سبب: دوسرے کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑانا اور یہ کبھی اس شخص کی موجودگی میں

اور کبھی عدم موجودگی میں ہوتا ہے اور اس کا سبب تکبر اور جس سے مذاق کیا جارہا ہے اسے کمتر سمجھنا ہے۔

خواص میں موجود تین اَسباب:

جہاں تک اُن تین اَسباب کا تعلق ہے جو خواص میں پائے جاتے ہیں تو وہ بہت زیادہ باریک اور پوشیدہ ہیں کیونکہ یہ وہ خرابیاں ہیں جنہیں شیطان نیکیوں کے راستوں میں لے آتا ہے حالانکہ ان میں خیر ہوتی ہے لیکن شیطان ان میں شر کو ملا دیتا ہے۔

﴿۱﴾...**پہلا سبب:** دین داری کے باعث، بُرائی اور دینی خطا کو عجیب سمجھتے ہوئے حیرانی کے سبب کا پیدا ہونا جس کے باعث وہ کہتا ہے: کتنی عجیب بات ہے جو میں نے فلاں سے صادِر ہوتے دیکھی، کبھی وہ اس میں سچا ہوتا ہے اور اس کا تعجب برائی پر ہوتا ہے لیکن دُرُست یہ تھا کہ وہ تعجب کرتے ہوئے اس کا نام نہ لیتا تو شیطان اظہارِ تعجب میں دوسرے کا نام ذکر کرنا اس کے لئے آسان کر دیتا ہے اور یوں وہ غیبت کرنے والا اور گناہ گار ہو جاتا ہے اور اسے اس کا شُعُور تک نہیں ہوتا۔

اسی طرح کسی شخص کا یہ کہنا بھی غیبت ہے کہ مجھے فلاں آدمی پر حیرت ہوتی ہے کہ کیسے وہ اپنی کنیز کو پسند کرتا ہے حالانکہ وہ تو بدصورت ہے اور کیسے وہ فلاں سے پڑھتا ہے حالانکہ وہ تو جاہل ہے۔

﴿۲﴾...**دوسرا سبب:** رَحْم کھانا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی شخص کے گناہ میں مبتلا ہونے کے سبب غمگین ہو جائے اور کہے: بے چارے فلاں کے معاملے اور اس کے گناہ میں مبتلا ہونے نے مجھے غمگین کر دیا ہے، وہ اپنے غم کے دعوے میں تو سچا ہوتا ہے لیکن وہ غم کے سبب اس کا نام لینے سے پرہیز کرنے سے غافل ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ اس کا ذکر کر دیتا ہے اور یوں غیبت کا مُرتکِب ہو جاتا ہے۔ اس کا غمگین ہونا، رحم کھانا اور اسی طرح اس کا تعجب کرنا اچھا ہے لیکن شیطان اس کو شَر کی طرف اس طرح سے لے جاتا ہے کہ اسے معلوم تک نہیں ہوتا۔ رحم کھانا اور غمگین ہونا اس کا نام لئے بغیر بھی تو ممکن ہے مگر شیطان اسے نام لینے پر ابھارتا ہے تاکہ اس کے سبب اس کے غمگین ہونے اور رحم کھانے کا ثواب باطل ہو جائے۔

﴿۳﴾...**تیسرا سبب:** اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے غصہ کرنا ہے کیونکہ بعض اوقات جب وہ کسی کو برائی کرتے ہوئے دیکھتا یا سنتا ہے تو غصے کا اظہار کرتے ہوئے اس کا نام ذکر کر دیتا ہے حالانکہ واجب تو یہ تھا کہ وہ نیکی کی دعوت

دیتے ہوئے اور برائی سے منع کرتے ہوئے اس پر اپنے غصہ کا اظہار کرتا اور کسی دوسرے پر اپنا غصہ ظاہر نہ کرتا یا اس کے نام کو چھپاتا اور برائی کے ساتھ اس کا تذکرہ نہ کرتا۔

ان تین اسباب کو سمجھنا عوام تو درکنار علما کے لئے بھی مشکل ہے کیونکہ علما یہ گمان کرتے ہیں کہ تعجب کرنا، رحم کھانا اور غصہ کرنا جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہو تو یہ نام لینے کے معاملے میں عذر ہے حالانکہ یہ خطا ہے بلکہ غیبت کی رخصت مخصوص ضَرُورتوں کے تحت ہے جن کا ذکر آگے آئے گا اور ان کے نہ ہوتے ہوئے نام لینے کی رُخصت نہیں۔

نفلی عبادت نہ کرنے والے سے نفرت کرنا کیسا؟

حضرت سیِّدُنا عامر بن واثِلہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حیاتِ مبارکہ میں ایک صاحب کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو انہوں نے سلام کیا۔ لوگوں نے سلام کا جواب دیا، جب وہ صاحب وہاں سے تشریف لے گئے تو ان میں سے ایک شخص نے ان صاحب کے بارے میں کہا: میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے اس شخص سے نفرت کرتا ہوں۔ اہلِ مجلس نے کہا: تم نے کیا ہی بری بات کہی۔ بخدا! ہم ضرور اس بات کی اسے خبر دیں گے پھر ان لوگوں نے اپنے میں سے ایک شخص سے کہا: اے فلاں! کھڑے ہو جاؤ اور اس کے پاس پہنچ کر اس بات کی خبر دو۔ چنانچہ قاصِد نے اس کے پاس پہنچ کر اس بات کی خبر دی تو اس نے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا عرض کیا اور فریاد کی کہ آپ اس کو بُلا کر دریافت فرمایئے کہ مجھ سے کیوں نفرت کرتا ہے؟ حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے بُلوا کر پوچھا تو اس نے اقرار کیا کہ میں نے یہ بات کہی ہے۔ ارشاد فرمایا: تم اس سے کیوں نفرت کرتے ہو؟ اس نے کہا: میں اس کا پڑوسی ہوں اور اس کے متعلق خبر رکھتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں نے اس کو فرض نمازوں کے علاوہ کبھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ فریادی نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اس سے پوچھئے: کیا اس نے مجھے نماز کو اس کے وقت سے مُؤَخَّر کرتے ہوئے یا نماز کے لئے وُضُو یا رُکوع و سُجُود میں کوئی غَلَطی کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ آپ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: نہیں۔ پھر اس نے کہا: بخدا! میں نے اِس کو رَمضان کے علاوہ کسی مہینے کا روزہ رکھتے نہیں دیکھا کہ رمضان میں تو نیک و بد سبھی روزہ رکھتے ہیں۔ فریادی نے عرض کی:

یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اس سے پوچھئے: کیا اس نے مجھے کبھی رمضان کے مہینے میں روزہ نہ رکھتے ہوئے یا اس کے حق میں کچھ کمی کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ آپ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا: نہیں۔ پھر اس نے کہا: میں نے اسے سائل یا مسکین کو کچھ دیتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی راہِ خدا میں زکوٰۃ کے علاوہ اپنے مال سے کچھ خرچ کرتے ہوئے دیکھا ہے، زکوٰۃ تو نیک و بد سبھی دیتے ہیں۔ فریادی نے عرض کی: آپ اس سے پوچھئے کہ کیا میں نے زکوٰۃ کی ادائیگی میں کچھ کوتاہی کی یا میں نے اس میں ٹال مٹول سے کام لیا ہے؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا: نہیں۔ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس نفرت کرنے والے سے ارشاد فرمایا: اٹھ جاؤ، شاید یہ تم سے بہتر ہو۔[1]

پانچویں فصل: زبان کو غیبت سے بچانے کا علاج

جان لیجئے! تمام بری عادات کا علاج علم و عمل کے مرکب سے ہوتا ہے اور ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کی ضد سے ہوتا ہے، لہٰذا ہمیں اس کا سبب تلاش کرنا چاہئے۔

زبان کو غیبت سے روکنے کا علاج دو طریقے سے ہوتا ہے، ایک اِجمالی اور دوسرا تفصیلی۔

غیبت کا اجمالی علاج:

غیبت کا اجمالی علاج یہ ہے کہ وہ اس بات کو جانے کہ ہماری روایت کردہ احادیث کے مطابق وہ غیبت کرکے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کی زد میں آجائے گا اور اس بات کو جانے کہ غیبت بروزِ قیامت اس کی نیکیوں کو برباد کر دے گی کیونکہ دوسرے کی آبروریزی کرنے کے عوض قیامت میں اس کی نیکیاں اس شخص کی طرف منتقل ہو جائیں گی جس کی اس نے غیبت کی، تو اگر اِس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو اُس کے گناہ اِس کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے، اس کے باوجود اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی برقرار رہے گی اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک مردار کا گوشت کھانے والے کی طرح ہوگا بلکہ وہ نارِ جہنّم میں داخل ہونے کا مستحق ہو جائے گا اس طرح کہ اس کے گناہوں کا پلڑا نیکیوں کے پلڑے سے بھاری ہو جائے گا اور بعض اوقات جس شخص کی غیبت کی ہے، اس کا ایک گناہ اس کے کھاتے میں ڈالنے کے سبب سے ہی گناہوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اور

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابی الطفیل عامر بن واثلۃ، ۹/ ۲۱۰، حدیث: ۲۳۸۶۴

یہ نارِ جہنّم میں داخلے کا حق دار ہو جائے گا۔ کم سے کم غیبت کا نقصان یہ ہو گا کہ اس کے اعمال کا ثواب کم ہو جائے گا اور یہ مُخاصَمَت، مُطالَبے، سُوال وجواب اور حِساب کے بعد ہو گا۔

غیبت نیکیوں کو کھا جاتی ہے:

محبوبِ ربِّ داوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَا النَّارُ فِی الْیَبَسِ بِاَسْرَعَ مِنَ الْغِیْبَۃِ فِی حَسَنَاتِ الْعَبْدِ یعنی آگ خشک لکڑیوں کو اتنی جلدی نہیں کھاتی جتنی جلدی غیبت بندے کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔[1]

اپنی نیکیاں تمہیں کیوں دوں؟

مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی سے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ آپ میری غیبت کرتے ہیں۔ فرمایا: میرے نزدیک تمہاری اَہَمِّیَّت اتنی زیادہ بھی نہیں کہ میں اپنی نیکیاں تمہارے حوالے کر دوں۔

اپنے بھائی کے عیب پر نظر نہ رکھے:

جب بندہ غیبت کی مَذَمَّت میں موجود اَحادیث پر یقین رکھے گا تو ان وَعیدوں سے خوف کے سبَب اپنی زبان کو آزاد نہیں چھوڑے گا اور اپنے بارے میں غَور وفِکر کرنا اس کے لئے مفید رہے گا۔ لہٰذا اگر اپنے اندر کوئی عیب پائے تو اس کو دور کرنے میں مشغول ہو جائے اور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان کو یاد کرے کہ طُوْبٰی لِمَنْ شَغَلَہٗ عَیْبُہٗ عَنْ عُیُوْبِ النَّاسِ یعنی اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جسے اس کے عیب نے دوسروں کی عیب جوئی سے پھیر دیا۔ تو جب وہ کوئی عیب پائے تو اسے اس بات سے شرم آنی چاہئے کہ اپنی مذمت کو چھوڑ کر دوسرے کی مذمت کر رہا ہے بلکہ اسے یہ یقین رکھنا چاہئے کہ دوسرا شخص اس عیب کو اپنے سے دور کرنے سے عاجز ہو گیا ہو گا جیسا کہ وہ خود عاجز ہو گیا تھا اور یہ بھی اس وقت ہے جبکہ اس کے عیب کا تعلُّق اس کے فعل اور اختیار سے ہو اور اگر اس عیب کا تعلق خِلقت سے ہو تو اس کی برائی کرنا خالق کی برائی کرنا ہے کیونکہ جو کسی صَنعَت میں عیب نکالتا ہے یقیناً وہ صانع کی برائی بیان کرتا ہے۔

[1] ...تذکرۃ الموضوعات، باب آفۃ الذنب والرضا بہ... الخ، ص۱۲۹

کسی نے ایک دانا شخص سے کہا: اے بری صورت والے! دانا نے کہا: چہرے کا بنانا میرے اختیار میں تو نہیں تھا کہ میں اسے اچھا بناتا۔

خود کو عیبوں سے پاک سمجھنا ایک بڑا عیب ہے:

جب وہ اپنے اندر کوئی عیب نہ پائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرے اور ہر گز اپنے آپ کو سب سے بڑے عیب کے ساتھ آلودہ نہ کرے کیونکہ لوگوں کے عیب بیان کرنا اور مردار کا گوشت کھانا بڑے عیوب میں سے ہے بلکہ اگر وہ اِنصاف سے کام لیتا تو ضرور یہ بات جان لیتا کہ اس کا اپنے بارے میں یہ گُمان کرنا کہ وہ ہر عیب سے پاک ہے، اپنے آپ سے جہالت ہے اور یہ بھی بڑے عیوب میں سے ہے۔

اس بات کا جاننا بھی اس کے لئے مُفید ہو گا کہ اس کے غیبت کرنے سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے جیسے دوسرا شخص اس کی غیبت کرے تو اسے اذیت ہوتی ہے تو جب وہ اپنے لئے اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ اس کی غیبت کی جائے تو دوسرے کے لئے بھی اس بات پر راضی نہیں ہونا چاہئے جسے وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتا، تو یہ غیبت کا اِجمالی علاج تھا۔

غیبت کا تفصیلی عِلاج:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ اس سبب پر غور کرے جو اس کو غیبت پر ابھار رہا ہے کیونکہ بیماری کا علاج اس کے سبب کو ختم کرنے سے ہوتا ہے اور اسباب کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

رہا غصہ تو اس کا علاج ان باتوں کے ذریعے کرے جو عنقریب غضب کی آفات کے بیان میں آئیں گی، اور اسے علاج کے طور پر اس طرح سوچنا چاہئے کہ اگر میں غیبت کر کے اس کے مُتَعَلِّق غُصّہ نکالوں گا تو غیبت کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھ پر بھی غضبناک ہو گا کیونکہ ربّ تعالیٰ نے مجھے اس سے منع فرمایا ہے، لہٰذا اس کے منع کرنے کے باوجود میں نے بے باکی کی اور اس کے ڈرانے کو ہلکا سمجھا تو نور کے پیکر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: اِنَّ لِجَهَنَّمَ بَابًا لَا يَدْخُلُهُ اِلَّا مَنْ شَفٰى غَيْظَهُ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ یعنی جہنم کا ایک دروازہ ہے جس سے وہی لوگ

داخل ہوں گے جن کا غصہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کے بعد ہی ٹھنڈا ہوتا ہے۔[1] اور سرکارِ نامدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَنِ اتَّقٰی رَبَّہٗ اَمْسَکَ لِسَانَہٗ وَلَمْ یَشْفِ غَیْظَہٗ یعنی جو اپنے ربّ سے ڈرتا ہے وہ اپنی زبان روکے رکھتا ہے اور اپنا غصہ نہیں نکالتا۔[2]

غصہ پینے کی فضیلت:

دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس نے غصہ نکالنے پر قدرت کے باوجود غصہ پی لیا بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے مخلوق کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ وہ حورِ عین میں سے جسے چاہے اختیار کرے۔[3]

کسی نبی عَلَیْہِ السَّلَام پر نازل کردہ کتاب میں ہے کہ اے ابن آدم! تو مجھے اپنے غصے کے وقت یاد رکھ، میں تجھے اپنے غضب کے وقت یاد رکھوں گا اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ تجھے ہلاک نہیں کروں گا۔

مخلوق کی رضا کے لئے رضائے الٰہی کو نہ چھوڑو:

جہاں تک دوستوں کے ساتھ موافقت کا تعلق ہے تو تم یہ بات سوچو کہ جب تم مخلوق کی رضامندی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کو پانے کی کوشش کرو گے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر غضب فرمائے گا۔ اور تم اپنے لئے کیسے اس بات پر راضی ہو کہ دوسرے کی تعظیم و تکریم تو کرو مگر اپنے مولیٰ عَزَّوَجَلَّ کو حقیر جانو اور مخلوق کی رضا کے لئے اس کی رضا کو چھوڑ دو البتہ تمہارا غضب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہو تو حرج نہیں لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ جس پر غصہ ہے اس کا ذکر تم برائی کے ساتھ کرو بلکہ جب تمہارے دوست اس کا برا تذکرہ کریں تو تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر ان پر غصہ کرنا چاہئے کیونکہ انہوں نے بہت بُرے گناہ یعنی غیبت کے ساتھ تمہارے ربّ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی ہے۔

جہاں تک دوسرے کی طرف خیانت کی نسبت کرکے خود کو عیب و نقص سے پاک سمجھنے کا تعلق ہے

---

1 ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۳۲۰، حدیث: ۸۳۳۱

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الورع، ۱/ ۲۱۱، حدیث: ۱۰۴

3 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب من کظم غیظاً، ۴/ ۳۲۵، حدیث: ۴۷۷۷

جبکہ دوسرے کا تذکرہ کرنے کی حاجت نہ ہو تو اس کے علاج کی صورت یہ ہے کہ تم اس بات کو پہچانو کہ خالق کی ناراضی، مخلوق کی ناراضی سے زیادہ سخت ہے، تم غیبت کرکے یقینی طور پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی مول لے رہے ہو مگر یہ نہیں جانتے کہ مخلوق کی ناراضی سے بچ پاؤ گے یا نہیں۔ تو ایک وہمی بات سے تم اپنے آپ کو بچا رہے ہو لیکن یقینی بات سے خود کو نہ بچا کر آخرت کی ہلاکت اور اپنی نیکیوں کا خسارہ قبول کر رہے ہو۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مذمت تمہیں نقد حاصل ہو رہی ہے اور مخلوق کی مذمت دور کرنے کا انتظار ادھار پر اٹھا رکھتے ہو، یہ انتہا درجہ کی جہالت اور رسوائی ہے۔

شریعت کی خلاف ورزی میں کسی کی پیروی جائز نہیں:

رہا تمہارا اس طرح اظہارِ براءت کرنا کہ اگر میں نے حرام کھا لیا تو کیا ہوا، فلاں (عالم) بھی تو کھاتا ہے، اگر میں نے بادشاہ کا مال قبول کیا ہے تو فلاں بھی تو قبول کرتا ہے۔ تو یہ جہالت ہے کیونکہ تم ایسے شخص کی پیروی کرنے کا عذر بیان کر رہے ہو کہ جس کی پیروی کرنا ہی جائز نہیں ہے کیونکہ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کی پیروی نہیں کی جائے گی خواہ وہ کوئی بھی ہو، اگر کوئی شخص آگ میں داخل ہو جائے اور تم آگ میں داخل نہ ہونے کی قدرت رکھتے ہو تو تم ضرور اس کی مُوافقت نہیں کرو گے، اگر کرو گے تو کم عقل کہلاؤ گے نیز تم نے اس کا نام ذکر کرکے غیبت کر دی اور اپنے فعل سے اِظْہارِ بَراءت کرنے کی خاطر ایک اور گناہ کا اضافہ کر لیا اور دو گناہوں کو جمع کرکے اپنی جہالت اور کم عقلی پر مہر لگا دی اور تمہاری مثال اس بکری کی طرح ہے جو پہاڑی بکری کو پہاڑ کی بلندی سے خود کو گراتا دیکھ کر اپنے آپ کو بھی گرا دیتی ہے۔ اگر بکری کی عُذر بیان کرنے والی زبان ہوتی اور وہ یوں عذر بیان کرتی کہ پہاڑی بکری چونکہ مجھ سے زیادہ سمجھ دار تھی جب اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا تو میں نے بھی ایسے ہی کیا تو ضرور تم یہ دیکھ کر اس کی جہالت پر ہنستے۔ تمہارا حال بھی اس کے حال کی طرح ہے لیکن اس کے باوجود تم اپنے آپ پر نہ تعجب کرتے ہو نہ ہنستے ہو۔

مخلوق تمہیں ربّ تعالیٰ سے بچا نہ سکے گی:

رہا تمہارا فخر کا ارادہ کرنا اور علم و فضل کی زیادتی کی وجہ سے دوسرے کے عیب نکالنے کے ذریعے اپنی تعریف کرنا تو تمہیں یہ جاننا چاہئے کہ تم نے اس کا برا تذکرہ کرکے اپنی فضیلت کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں ختم کر

دیا۔ اور جہاں تک لوگ تمہارے بارے میں علم وفضل کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ معاملہ بھی خطرے سے خالی نہیں چنانچہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کی آبروریزی کرتے ہو تو تمہارے بارے میں ان کا اعتقاد کم ہو جاتا ہے تو تم نے مخلوق کی ظنی قَدْر ومَنْزِلَت کے بدلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یقینی قدر ومنزلت کا سودا کر دیا۔

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے:

جہاں تک حسد کی وجہ سے غیبت کرنے کا تعلق ہے تو یہ دو عذابوں کو جمع کرنا ہے کیونکہ تم نے دنیاوی نعمت پر حسد کیا تو حسد کے سبب دنیا میں عذاب میں مبتلا ہوئے پھر تم نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ اس میں عذابِ آخرت کا بھی اضافہ کر لیا۔ دنیا میں تو نقصان اٹھایا ہی تھا آخرت کے نقصان کو بھی گلے لگالیا اور دو سزاؤں کو جمع کر لیا۔ تمہارا ارادہ تو محسود (یعنی حسد کیے گئے شخص) کو نقصان پہنچانے کا تھا لیکن تم نے اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچا دیا اور اپنی نیکیاں اسے ہدیۃً کر دیں تو اس طرح تم اس کے دوست اور اپنے دشمن ہوئے کیونکہ تمہارا غیبت کرنا اسے نقصان نہیں دے گا بلکہ تمہیں نقصان اور اسے فائدہ دے گا۔ اس طرح کہ تمہاری نیکیاں اس کی طرف منتقل ہو جائیں گی یا اس کے گناہ تمہارے کھاتے میں آجائیں گے لہٰذا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا نیز تم نے حسد کی خباثت کے ساتھ جہالت کی حماقت کو بھی جمع کر لیا اور بعض اوقات تمہارا حسد کرنا اور مذمت کرنا محسود کی فضیلت کے پھیلنے کا سبب بن جاتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے:

وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ نَشْرَ فَضِیْلَۃٍ طُوِیَتْ اَتَاحَ لَھَا لِسَانَ حَسُوْدٍ

ترجمہ: جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی کی چھپی ہوئی فضیلت پھیلانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے حاسدین کی زبان مہیا فرما دیتا ہے۔

کیا اب بھی مذاق اڑاؤ گے؟

جہاں تک مذاق اڑانے کا تعلق ہے تو تمہارا اس سے مقصود لوگوں کے سامنے دوسرے کو رسوا کرنا ہے لیکن اس کے سبب تم خود کو بروزِ محشر اللہ عَزَّوَجَلَّ، ملائکہ اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے سامنے رسوا کر دو گے، اگر تم اپنی حسرت، اپنے جرم اور قیامت کے دن کی شرمندگی اور رسوائی کے متعلق غور وفکر کرتے کہ جس دن تم اس شخص کے گناہ اٹھائے ہوئے ہو گے جس سے تم نے مذاق کیا تھا اور تمہیں آگ کی طرف

لے جایا جارہا ہو گا تو یہ غور وفکر ضرور تمہیں دوسرے کو رسوا کرنے سے خوف میں ڈال دیتا، اگر تم اپنے حال کو پہچان لیتے تو تم اپنے آپ پر ہنسنے کے زیادہ حق دار تھے۔ تم تو کچھ لوگوں کے سامنے اس کے ساتھ مذاق کر کے خود کو رسوائی کی زد میں لے آئے کیونکہ بروز قیامت تمہارا ہاتھ پکڑ کر لوگوں کے سامنے لایا جائے گا اور جس شخص کے ساتھ تم نے مذاق کیا تھا وہ گدھے کو لے جائے جانے کی طرح اپنے گناہوں کا بوجھ تم پر لاد کر تمہارے ساتھ مذاق کرتا، تمہاری رسوائی پر خوش ہوتا اور تمہارے خلاف اللہ عَزَّوَجَلَّ کا اس کی مدد کرنے اور تم سے انتقام کا موقع ملنے پر مسرور ہوتا ہوا تمہیں جہنم کی طرف لے جائے گا۔

قابلِ رَحم:

جہاں تک دوسرے کے گناہ میں مبتلا ہونے کے سبب رحم کھانے کا تعلق ہے، یہ فی نفسہٖ تو اچھا ہے لیکن ابلیس نے تم سے حسد کرتے ہوئے راہ حق سے تمہیں بہکا دیا اور تم سے وہ بات کہلوا دی جس کے سبب تمہاری نیکیاں دوسرے کی طرف منتقل ہو گئیں جو کہ تمہارے رحم کھانے کی نیکیوں سے زیادہ ہیں تو یوں جس پر تم نے رحم کھایا اسکے گناہ کی تلافی ہو گئی اور وہ قابل رحم نہیں رہا بلکہ الٹے تم مستحق ہو گئے اس لئے کہ اب تم قابل رحم ہو کیونکہ تمہارا اجر ضائع ہو گیا اور تمہاری نیکیاں کم ہو گئیں۔ اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر غصہ کرنا بھی غیبت کا سبب نہیں بنا لیکن شیطان نے تمہارے سامنے غیبت کو اس لئے پسندیدہ بنا دیا ہے تاکہ تمہارے غصہ کرنے کا ثواب ضائع ہو جائے اور غیبت کرنے کے سبب تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کا شکار ہو جاؤ۔

دنیاوی سزا:

جہاں تک تعجب کے سبب تمہارا غیبت کرنا ہے تو اپنے آپ پر تعجب کرو کہ کیسے تم نے اپنے آپ کو اور اپنے دین کو دوسرے کے دین یا دنیا کے بدلے میں ہلاک کر دیا نیز یہ کہ تم دنیا کی سزا سے بھی محفوظ نہیں ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہارا پردہ چاک کر دے جیسا کہ تم نے تعجب کر کے اپنے بھائی کی پردہ دری کی۔

ان تمام اسباب کا علاج صرف معرفت (یعنی علم) ہے اور اُن تمام امور پر یقین رکھنا ہے جو ایمان کے ابواب میں سے ہیں تو جس کا ان پر ایمان مضبوط ہو گا اس کی زبان یقیناً غیبت سے رک جائے گی۔

چھٹی فصل: **بدگمانی کی حرمت کا بیان**

جان لیجئے! بدگمانی اسی طرح حرام ہے جس طرح زبان سے برائی کرنا حرام ہے تو جس طرح تم پر یہ حرام ہے کہ اپنی زبان سے دوسرے کی برائی کرو اسی طرح یہ بھی تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ دل میں اپنے بھائی کے بارے میں کوئی بات کہو اور اس کے ساتھ برا گمان رکھو۔ بدگمانی سے میری مراد وہ گمان ہے جو دل میں جم جائے اور کسی دوسرے پر برائی کا حکم لگائے، رہے خیالات اور وسوسے تو وہ معاف ہیں بلکہ شک بھی معاف ہے البتہ ممنوع برا گمان ہے۔

گمان کسے کہتے ہیں؟

جس بات کی طرف نفس جھک جائے اور دل اس کی طرف مائل ہو جائے اسے گمان کہتے ہیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘-اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (پ۲۶، الحجرات: ۱۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

بدگمانی کی حرمت کا سبب:

بدگمانی حرام ہونے کا سبب یہ ہے کہ دل کے بھیدوں کو سوائے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کوئی نہیں جانتا اور جب تک کسی شخص کی برائی اس طرح ظاہر نہ دیکھو کہ اس میں تاویل کی گنجائش باقی نہ رہے اس وقت تک تمہارے لئے اس کے بارے میں برائی کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں اور جب اس طرح دیکھو کہ اس میں کوئی تاویل کی گنجائش باقی نہ رہے تو اس وقت جو بات تمہیں معلوم ہوئی یا جس کا تم نے آنکھوں سے مُشاہَدہ کیا ہے اس کا اعتقاد رکھے بغیر تو کوئی چارہ نہیں لیکن جس بات کو تم نے آنکھوں سے نہیں دیکھا اور نہ ہی کانوں سے سنا پھر بھی وہ تمہارے دل میں آگئی تو یہ شیطان نے ڈالی ہے، لہٰذا اسے جھٹلانا چاہئے کہ شیطان سب سے بڑا فاسق ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ (پ۲۶، الحجرات: ۶)

ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو۔

لہٰذا ابلیس کی تصدیق کرنا جائز نہیں اور اگر وہاں کوئی ایسی علامت ہو جو فساد پر دلالت کرتی ہو مگر اس کے خلاف کا بھی احتمال ہو تو تمہارا اس کی بھی تصدیق کرنا جائز نہیں اگرچہ فاسق کے متعلق یہ مُتَصَوَّر ہے کہ وہ اپنی خبر میں سچا ہو لیکن تمہارے لئے اس کی تصدیق کرنا جائز نہیں۔ حتّٰی کہ

منہ کی بدبو کے باوجود شرابی گمان نہ کیا جائے:

کوئی شخص کسی کا منہ سونگھے اور اس سے شراب کی بو پائے تو اس کو حد لگانا جائز نہیں کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے اس نے شراب کا گھونٹ بھرا ہو پھر اسے پھینک دیا ہو اور اسے پیا نہ ہو یا اسے زبردستی پینے پر مجبور کیا گیا ہو۔[1] چونکہ یہاں یقینی طور احتمال پایا جارہا ہے لہٰذا دل کے ساتھ تصدیق کرنا اور اس کے سبب مسلمان کے ساتھ برا گمان رکھنا جائز نہیں۔ چنانچہ سرکارِ والا تَبار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے مسلمان کے خون، مال اور اس کے بارے میں بدگمانی کو حرام قرار دیا ہے۔[2]

بدگمانی اسی صورت میں جائز ہے جس صورت میں مال لینا جائز ہوتا ہے یعنی وہ خود مشاہدہ کرے یا عادل شخص گواہی دے، اگر یہ بات نہ ہو بلکہ محض بدگمانی کے وسوسے پیدا ہوں تو تمہیں ان کو اپنے سے دور کرنا چاہئے اور دل میں یہ بات بٹھانی چاہئے کہ اس کا حال تم سے چھپا ہوا ہے جیسے پہلے تھا اور تم نے اس سے جو کچھ دیکھا ہے وہ خیر اور شر دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔

بدگمانی کی پہچان:

سوال: اگر تم کہو کہ شکوک بھی پیدا ہوتے ہیں اور وسوسے بھی آتے ہیں تو (ان کے ہجوم میں) بدگمانی کی پہچان کیسے ہو؟

---

[1]...دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1182 صفحات پر مشتمل کتاب بہار شریعت، جلد دوم، حصہ9، صفحہ 391 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: شراب پینے کا ثبوت فقط مونھ میں شراب کی سی بدبُو آنے بلکہ قے میں شراب نکلنے سے بھی نہ ہوگا یعنی فقط اتنی بات سے کہ بُو پائی گئی یا شراب کی قے کی حد قائم نہ کرینگے کہ ہو سکتا ہے حالتِ اِضطرار یا اکراہ میں پی ہو مگر بو یا نشہ کی صورت میں تعزیر کرینگے جبکہ ثبوت نہ ہو اور اس کا ثبوت دو مردوں کی گواہی سے ہوگا۔ اور ایک مرد اور دو عورتوں نے شہادت دی تو حد قائم کرنے کے لیے یہ ثبوت نہ ہوا۔

[2]...شعب الایمان، باب فی تحریم اعراض الناس...الخ، ٥/ ٢٩٦، حدیث: ٦٧٠٦

جواب: بد گمانی کے پختہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ جس کے بارے میں اسے بد گمانی ہے اس کے متعلق قلبی کیفیت تبدیل ہو جائے، اس سے بہت نفرت کرنے لگے، اسے بوجھ تصور کرے، اس کے احوال کی رعایت، اس کے بارے میں پوچھ گچھ، اس کے عزت و اکرام، اس کے مصیبت میں مبتلا ہونے کے سبب غمگین ہونے کے معاملے میں کوتاہی کرے۔ یہ گمان کے جمنے اور اس پر یقین کرنے کی علامت ہے۔ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "تین باتیں مومن میں ہوتی ہیں اور اس کے لئے ان سے نکلنے کی راہ بھی ہے اور بد گمانی سے نکلنے کی راہ یہ ہے کہ اس پر یقین نہ کرے۔"[1]

یعنی بد گمانی کو دل میں جگہ دے نہ جمائے اور نہ فعل اور اعضاء کے ذریعے اس کی تصدیق کرے۔ دل میں تو اس طرح کہ اس کی قلبی کیفیت تبدیل ہو جائے اور اس سے نفرت کرتے ہوئے اسے ناپسند کرے اور اعضاء میں اس طرح کہ بد گمانی کے مطابق عمل کرے۔

کبھی شیطان ادنیٰ خیال کے ذریعے دل میں لوگوں کی برائیاں پکی کر دیتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈالتا ہے کہ یہ تیری ہوشیاری، سمجھ کی تیزی اور ذہانت ہے اور چونکہ تو مومن ہے لہٰذا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نور سے دیکھتا ہے حالانکہ درحقیقت وہ شیطان کے دھوکے اور اس کی تاریکی کے ساتھ دیکھتا ہے۔

خبر دینے والے کی تحقیق کرو:

بہر حال جب کوئی عادل شخص تمہیں کسی بات کی خبر دے اور تمہارا گمان اس کی تصدیق کی طرف مائل ہو تو تم معذور ہو کیونکہ اگر تم اسے جھٹلاتے ہو تو اس پر ظلم کرنے والے قرار پاؤ گے اس لئے کہ تم نے اسے جھوٹا گمان کیا اور یہ بھی بد گمانی ہے، لہٰذا یوں نہیں ہونا چاہئے کہ ایک کے بارے میں حسن ظن رکھو اور دوسرے کے ساتھ بد گمانی۔ البتہ تمہیں چاہئے کہ اس بات کی تحقیق کرو کہ کیا ان دونوں کے مابین دشمنی، حسد اور عناد تو نہیں اگر ہے تو تہمت کا شبہ ہو سکتا ہے اور بے شک تہمت کی وجہ سے شریعت نے عادل باپ کی بیٹے کے حق میں گواہی اور دشمن کی گواہی کو رد کیا ہے تو ایسی صورت میں تمہارے لئے توقف کرنا جائز ہے اگرچہ خبر دینے والا عادل ہو، تم نہ تو اس کی تصدیق کرو نہ اس کو جھٹلاؤ لیکن اپنے آپ سے یوں کہو کہ جس

[1]... المعجم الکبیر، ۳/ ۲۲۸، حدیث: ۳۲۲۷

شخص کا حال ذکر کیا گیا ہے وہ میرے نزدیک اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پردے میں ہے، اس کا معاملہ مجھ سے حجاب میں ہے، میرے نزدیک وہ ایسا ہی ہے جیسا پہلے تھا، اس کا کچھ بھی معاملہ میرے سامنے ظاہر نہیں ہوا۔

غیبت کے عادی کی گواہی مردود ہے:

بعض اوقات آدمی ظاہری طور پر عادل ہوتا ہے، کسی سے اسے حسد بھی نہیں ہوتا لیکن اس کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور ان کی برائیاں کرتا رہتا ہے تو ایسے شخص کو بعض اوقات عادل گمان کیا جاتا ہے حالانکہ وہ عادل نہیں ہوتا کیونکہ غیبت کرنے والا فاسق ہوتا ہے۔ اگر غیبت اس کی عادت میں شامل ہے تو اس کی گواہی مردود ہے مگر عادت کی کثرت کے سبب لوگ غیبت کے معاملے میں سستی برتتے ہیں اور لوگوں کی آبروریزی کرنے کی پروا نہیں کرتے۔

جب تمہارے دل میں کسی مسلمان کے بارے میں بُرا خیال پیدا ہو تو تمہیں اس کے حال کی رعایت میں مزید اضافہ کر دینا چاہئے اور اس کے لئے دعائے خیر کرنی چاہئے کیونکہ یہ چیز شیطان کو غصہ دلائے گی اور اسے تم سے دور کر دے گی، لہٰذا وہ اس ڈر سے کہ کہیں تم دعا اور اس کے احوال کی رعایت میں مشغول نہ ہو جاؤ تمہارے دل میں برا خیال نہیں ڈالے گا۔

غلطی کرنے پر اصلاح کا طریقہ:

جب تم کسی مسلمان کی لغزش دلیل کے ساتھ جان لو تو پوشیدگی میں اسے نصیحت کرو اور شیطان تمہیں فریب دے کر اس کی غیبت کرنے پر ہرگز نہ ابھارے، جب تم اسے نصیحت کرو تو اس طرح نہ کرو کہ اس کی خامی پر مطلع ہونے پر خوش رہو تاکہ وہ تمہیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے اور نہ تم اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھو اور نہ نصیحت کرنے کے سبب خود کو اس سے بلند سمجھو بلکہ تمہارا ارادہ اس کو گناہ سے نجات دلانے کا ہونا چاہئے اور تم اس طرح غمگین ہو جس طرح اپنے دینی نقصان پر اَفْسُردہ ہوتے ہو اور تمہیں اس کا نصیحت کے بغیر گناہ چھوڑنا نصیحت کے ساتھ چھوڑنے سے زیادہ پسند ہو۔ جب تم ایسا کرو گے تو نصیحت کے اجر، اس کی مصیبت پر غمگین ہونے کے اجر اور دین پر اس کی مدد کرنے کے اجر کو جمع کر لو گے۔

تَجَسُّس بد گمانی کا نتیجہ ہے:

بد گمانی کے نتائج میں سے تجسس بھی ہے کیونکہ دل صرف گمان پر صبر نہیں کرتا بلکہ یقین کی تلاش میں رہتا ہے اور اس طرح تَجَسُّس میں مشغول ہو جاتا ہے حالانکہ اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَجَسَّسُوْا (پ۲۶، الحجرات: ۱۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور عیب نہ ڈھونڈھو۔

معلوم ہوا کہ ایک ہی آیت میں غیبت، بد گمانی اور تجسس سے منع کیا گیا ہے۔

تَجَسُّس کا معنٰی:

تجسس کا معنٰی ہے: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں کو اس کے پردے کے نیچے نہ چھوڑا جائے اور مطلع ہونے اور پردہ ہٹانے کی کوشش کی جائے حتّٰی کہ اس کے سامنے وہ بات کھل جائے کہ اگر اُس سے چھپی رہتی تو اس کا دل اور دین زیادہ محفوظ رہتا۔

ہم نے تجسس کے حکم اور اس کی حقیقت کو "اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف وَنَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَر" کے بیان میں ذکر کر دیا ہے۔

ساتویں فصل: غیبت جائز ہونے کی وجوہات

جان لیجئے! دوسرے کی برائی بیان کرنے کی اجازت شرعاً کسی صحیح غرض کی وجہ سے ہوتی ہے اور کسی غرضِ صحیح کی بنا پر ہی دوسرے کی برائی (غیبت) کرنا درست ہے، اس غیبت کا گناہ نہیں۔ یہ اغراض چھ ہیں:

﴿1﴾... مظلوم کا شکایت (کر کے اپنا حق حاصل) کرنا: خیال رہے جو شخص مظلوم نہ ہو وہ اگر قاضی کے متعلق ظلم، خیانت اور رشوت لینے کا ذکر کرے گا تو وہ غیبت کا مُرتکِب اور گناہ گار ہوگا۔ رہا وہ شخص جس پر قاضی کی طرف سے ظلم ہوا تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ بادشاہ کے پاس ظلم کی شکایت کرے اور قاضی کو ظلم کی طرف منسوب کرے کیونکہ شکایت کئے بغیر اپنا حق حاصل کرنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

﴿ تُوْبُوْا اِلَی اللہ اَسْتَغْفِرُ اللہ ﴾

ظلم کے متعلق تین فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾...اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا یعنی بے شک حقدار کو گفتگو کرنے کا حق ہے۔[1]

﴿2﴾...مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ یعنی غنی کا (قدرت کے باوجود) ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔[2]

﴿3﴾...لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عُقُوْبَتَهٗ وَعِرْضَهٗ یعنی مالدار آدمی کا (قدرت کے باوجود) تاخیر کرنا اس کی سزا اور عزت کو حلال کر دیتا ہے۔[3] [4]

﴿2﴾...**برائی ختم کرنے اور گناہ گار کی اصلاح کے لئے (حاکم وغیرہ کی) مدد چاہنا:** جیسا کہ روایت میں ہے حضرت سَیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ حضرت سَیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ یا حضرت سَیِّدُنا طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس سے گزرے۔ آپ نے انہیں سلام کیا لیکن انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا تو آپ امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا ذکر کیا تو حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ان کے پاس اصلاح کی غرض سے تشریف لے گئے۔

صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے نزدیک یہ غیبت نہ تھی۔

یہ غیبت نہیں:

اسی طرح جب امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو یہ خبر ملی کہ ابو جندل ملک شام میں شراب کے عادی ہو گئے ہیں تو آپ نے انہیں مکتوب لکھا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ۙ (پ۲۴، المؤمن: ۱تا۳)

ترجمۂ کنزالایمان: یہ کتاب اتارنا ہے اللہ کی طرف سے جو عزّت والا علم والا گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب کرنے والا۔

---

[1]...بخاری، کتاب الوکالة، باب الوکالة فی قضاء الدیون، ۲/ ۸۰، حدیث: ۲۳۰۶

[2]...بخاری، کتاب فی الاستقراض... الخ، باب مطل الغنی ظلم، ۲/ ۱۰۹، حدیث: ۲۴۰۰

[3]...سنن ابی داود، کتاب الاقضیة، باب فی الحبس فی الدین وغیرہ، ۳/ ۴۳۸، حدیث: ۳۶۲۸

[4]... علامہ سَیِّد محمد بن محمد مرتضٰی زَبیدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: سزا حلال ہونے سے مراد یہ ہے کہ قاضی بطور تعزیر اسے قید کر سکتا اور مار سکتا ہے اور عزت حلال ہونے سے مراد یہ ہے کہ قرض دینے والا اسے ظالم وغیرہ ایسے الفاظ کہہ سکتا ہے جن میں فحش اور تہمت نہ ہو۔ (اتحاف السادة المتقین، ۹/ ۳۲۹ ملخصًا)

چنانچہ انہوں نے توبہ کرلی۔ معلوم ہوا کہ جو بات امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہ تک پہنچی آپ نے اسے غیبت نہ سمجھا کیونکہ خبر پہنچانے والے کا مقصد یہ تھا کہ آپ انہیں اس سے روک دیں گے اور جس قدر آپ کی نصیحت ان کے لئے نفع بخش ہو سکتی ہے اتنی کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی اور غیبت کی اجازت صرف صحیح مقصد کی وجہ سے ہے اس کے علاوہ حرام ہے۔

﴿3﴾... **فتوٰی طلب کرنا:** جیسے کوئی شخص کسی مفتی صاحب سے سوال کرے کہ میرے والد یا زوجہ یا بھائی مجھ پر ظلم کرتے ہیں تو میں بچنے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کروں؟ اس سلسلے میں بہتر یہ ہے کہ وہ اشارۃً یوں پوچھے: آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس پر اس کے والد یا بھائی یا زوجہ ظلم کرتے ہیں؟ البتہ تعیین کی اس قدر اجازت ہے۔ چنانچہ

شوہر خرچ کم دے تو...؟

حضرت سیِّدَتُنا ہند بنتِ عُتْبہ رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہَا کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی کہ (میرے شوہر) حضرت سیِّدُنا ابو سفیان رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہ بہت زیادہ بخیل ہیں، مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو کیا میں ان کے مال سے ان کی لاعلمی میں کچھ لے سکتی ہوں؟ ارشاد فرمایا: دستور کے مطابق اتنا مال لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو۔[1]

انہوں نے بخل اور خود پر اور اپنی اولاد پر ہونے والے ظلم کا تذکرہ کیا اور آپ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں نہیں روکا کیونکہ ان کا مقصد مسئلہ پوچھنا تھا۔

﴿4﴾... **مسلمان کو شر سے بچانا:** چنانچہ جب تم بدعتی یا فاسق کے پاس کسی فقیہ کی آمد و رفت دیکھو اور تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ بھی بدعت یا فسق میں مبتلا ہو جائے گا تو تمہارے لئے اس (بدعتی یا فاسق) کی بدعت اور اس کے فسق کا انکشاف کرنا جائز ہے جبکہ اس کا باعث صرف اس بات کا خوف ہو کہ بدعت اور فسق اس فقیہ کے اندر سرایت نہ کر جائے کوئی اور سبب نہ ہو لیکن یہ دھوکے کی جگہ ہے کیونکہ کبھی اس کا باعث حسد ہوتا ہے اور شیطان اسے مخلوق پر شفقت کے اظہار کے صورت میں پیش کرتا ہے۔

---

[1]... بخاری، کتاب البیوع، باب من اجری امر الامصار... الخ، ۲/ ۳۶، حدیث: ۲۲۱۱

اسی طرح کوئی شخص غلام خرید رہا ہو اور تم غلام کے چوری کرنے یا اس کے فسق یا اس کے کسی دوسرے عیب کو جانتے ہو تو تمہارے لئے ان باتوں کا ذکر کرنا جائز ہے کیونکہ تمہارے خاموش رہنے میں خریدار کا نقصان ہے اور بتانے میں غلام کا اور خریدار غلام کے مقابلے میں اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی رعایت کی جائے۔ ایسے ہی گواہوں کے بارے میں چھان پھٹک کرنے والے شخص سے جب گواہ کے بارے میں پوچھا جائے تو اگر وہ عیب جانتا ہو تو اس کے لئے عیب بیان کرنا جائز ہے۔

فاجر کا پردہ فاش کرو:

یونہی جس سے شادی کے سلسلے یا کسی کے پاس امانت رکھوانے کے بارے میں رائے طلب کی گئی تو اس کے لئے جائز ہے کہ جو بات وہ جانتا ہو بتا دے جبکہ مقصود مشورہ مانگنے والے کی خیر خواہی ہو نہ کہ برائی۔ اس سلسلے اگر اسے یہ معلوم ہو کہ صرف اتنا کہنے سے ہی وہ شادی نہیں کرے گا کہ وہ عورت تمہارے لئے ٹھیک نہیں ہے تو یہی واجب ہے اور اسی میں کفایت ہے لیکن اگر وہ جانتا ہو کہ جب تک صراحت کے ساتھ عیب نہیں بیان کرے گا وہ شادی سے نہیں رکے گا تو اس کے لئے صراحت کے ساتھ عیب بیان کرنا جائز ہے کیونکہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "کیا فاجر کا ذکر کرنے سے رکتے ہو، اس کا پردہ فاش کرو تاکہ لوگ اسے پہچانیں، اس میں موجود برائی کے ساتھ اس کا ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔"[1]

تین شخصوں کی برائی کرنا غیبت نہیں:

بزرگان دین رَحِمَہُمُ اللہُ الْمُبِیْن فرماتے ہیں: تین شخصوں کی غیبت نہیں: (۱)... ظالم حاکم (۲)... بدعتی اور (۳)... سرعام اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کرنے والا۔

﴿5﴾... انسان مشہور ایسے لقب سے ہو جس کا معنٰی عیب ظاہر کرتا ہو: جیسے "اَعْرَج یعنی لنگڑا" اور "اَعْمَش یعنی کمزور نظر والا"۔ چنانچہ جو یہ کہے: "رَوَی اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ وَسَلْمَانُ عَنِ الْاَعْمَش یعنی حضرت ابوزناد نے امام اعرج سے اور حضرت سلمان نے امام اعمش سے روایت کیا۔" یا اس جیسے دیگر القاب سے پکارے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

---

[1] ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۵۰، حدیث: ۲۲۱

علمائے کرام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام نے اس کی اجازت پہچان کی ضرورت کی وجہ سے دی ہے۔ خیال رہے کہ یہ اسی وقت جائز ہے جبکہ کوئی شخص ایسے لقب سے اتنا مشہور ہو کہ وہ اس لقب سے پکارے جانے کو برا نہ جانے، ہاں! اگر اس لقب کے علاوہ کسی اچھے لفظ سے اسے پکارنا ممکن ہو تو وہی زیادہ بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیب کے ذکر سے بچتے ہوئے اندھے کو "بَصِیْر یعنی دیکھنے والا" کہا جاتا ہے (اور مراد دل کے ساتھ دیکھنے والا لیا جاتا ہے)۔

﴿6﴾... **سرعام ربّ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا:** (جن کی برائی بیان کرنا غیبت نہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے) جیسے ہیجڑا، شراب کی محفل قائم کرنے والا، سرعام شراب پینے والا، لوگوں کا مال لینے کے لئے انہیں اغوا کرنے والا اور یہ لوگ ان برائیوں میں اس قدر بے باک ہوں کہ ان برائیوں کے ساتھ ان کا ذکر کیا جائے تو نہ شرم محسوس کرتے ہوں نہ ہی انہیں ناگوار گزرتا ہو۔ ان لوگوں کی سرعام کی جانے والی برائیوں کا ذکر کرنا کوئی گناہ نہیں۔

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَلْقٰی جِلْبَابَ الْحَیَاءِ عَنْ وَجْهِهٖ فَلَا غِیْبَةَ لَهٗ یعنی جو اپنے چہرے سے حیا کی چادر اُتار لے اس کی کوئی غیبت نہیں۔[1]

علانیہ گناہ کرنے والے کی مذمت کرنا غیبت نہیں:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے ارشاد فرمایا: "فاجر کی کوئی عزت نہیں۔" اس سے آپ کی مراد وہ فاجر ہے جو سرعام اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کرتا ہو، چھپ کر نافرمانی کرنے والا مراد نہیں کیونکہ چھپ کر نافرمانی کرنے والے کی عزت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

حضرت سیِّدُنا صَلْت بن طَرِیْف رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی سے پوچھا: "جو فاسق علانیہ گناہ کرتا ہے اگر میں اس کا ذکر اس برائی کے ساتھ کروں جو اس میں موجود ہے تو کیا یہ اس کی غیبت ہوگی؟" فرمایا: "نہیں، اس کی کوئی عزت نہیں۔"

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی نے ارشاد فرمایا کہ تین شخصوں کی برائی کرنا غیبت نہیں: (۱)... نفسانی خواہشات پر چلنے والا (۲)... علانیہ گناہ کرنے والا اور (۳)... ظالم حاکم۔

---

[1] ...السنن الکبری للبیھقی، کتاب الشھادات، باب الرجل من اھل الفقه... الخ، ۱۰/ ۳۵۴، حدیث: ۲۰۹۱۵

ان تینوں میں یہ بات مشترک ہے کہ یہ لوگ سرعام گناہ کرتے ہیں اور بعض اوقات اس پر فخر بھی کرتے ہیں تو کیسے وہ اس کا ذکر کئے جانے کو ناپسند کریں گے حالانکہ ان کا قصد ہی اسے ظاہر کرنے کا ہے۔ لیکن جو برائیاں وہ لوگ سرعام نہیں کرتے انہیں بیان کرنا گناہ ہے۔ چنانچہ

حضرت سیِّدُنا عوف بن ابوجمیلہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سیِّدُنا امام محمد بن سیرین عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے پاس حجاج بن یوسف کو برا بھلا کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ فیصلہ فرمانے والا اور انصاف کرنے والا ہے، وہ حجاج کی غیبت کرنے والے شخص سے حجاج کا بدلہ لے گا جیسا کہ حجاج سے ان لوگوں کا بدلہ لے گا جن پر اس نے ظلم کیا اور کل بروز قیامت جب تم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کرو گے تو تمہارا سب سے چھوٹا گناہ حجاج کے سب سے بڑے گناہ سے بڑھ کر تم پر سخت ہو سکتا ہے۔

آٹھویں فصل: غیبت کا کفّارہ

جان لیجئے! غیبت کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ نادم ہو کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور اپنے کئے پر افسوس کرے تا کہ اس کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حق سے باہر آجائے پھر جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی طلب کرے تا کہ وہ معاف کر دے اور یوں وہ اپنی زیادتی سے بَرِیُّ الذِّمہ ہو جائے۔ معافی مانگتے وقت اسے غمگین، افسردہ اور اپنے فعل پر شرمندہ ہونا چاہئے کیونکہ بعض اوقات ریاکار بھی اپنی پرہیزگاری کے اظہار کے لئے معافی مانگتا ہے حالانکہ دلی طور پر وہ نادم نہیں ہوتا اور اس طرح وہ ایک دوسرے گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

جس کی غیبت کی اس کیلئے مغفرت طلب کرے:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "جس کی غیبت کی ہے اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا کافی ہے معاف کروانے کی حاجت نہیں۔" ممکن ہے اس معاملے میں وہ حضرت سیِّدُنا اَنس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی روایت سے دلیل پکڑتے ہوں۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا انس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "كَفَّارَةُ مَنِ اغْتَبْتَهُ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُ یعنی غیبت کے کفارے میں یہ ہے کہ جس کی تم نے غیبت کی ہے اُس کے لئے مغفرت طلب کرو۔"[1]

---

[1] ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۸۸، حدیث: ۲۹۳

حضرت سیِّدُنا مجاہد عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْوَاحِد فرماتے ہیں: تمہارا اپنے بھائی کی غیبت کرنے کا کفارہ یہ ہے کہ تم اس کی تعریف کرو اور اس کے لئے دعائے خیر کرو۔

جس کی غیبت کی اس سے معافی مانگنا ضروری ہے:

حضرت سیِّدُنا عطاء بن ابی رباح رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے غیبت سے توبہ کے بارے میں پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا کہ جس کی تم نے غیبت کی ہے اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو: میں نے جو کہا وہ جھوٹ تھا، میں نے تم پر ظلم کیا اور ایک برا کام کیا، اگر چاہو تو اپنا حق لے لو اور چاہو تو معاف کر دو۔

یہی طریقہ زیادہ صحیح ہے، اور کسی کا یہ کہنا "عزت کا کوئی عوض نہیں ہوتا لہٰذا اس سلسلے میں معافی مانگنا ضروری نہیں البتہ مال کا معاملہ اس کے بر خلاف ہے" تو یہ ایک کمزور بات ہے کیونکہ عزت کے معاملے میں کبھی حدِّ قذف بھی واجب ہو جاتی اور اس کا مطالبہ ثابت ہو جاتا ہے بلکہ حدیث پاک میں ہے کہ آقائے نامدار، محبوب ربِّ غفّار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جس نے عزت یا مال کے معاملے میں اپنے بھائی پر ظلم کیا ہو اسے چاہئے کہ اس دن کے آنے سے پہلے پہلے اس سے معافی مانگ لے جس دن نہ کوئی دینار ہوگا نہ درہم، (اس دن) اس کی نیکیوں میں سے لے لیا جائے گا اگر اس کی نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہوں سے لے کر اس کے گناہوں میں اضافہ کر دیا جائے گا۔"[1]

ایک عورت نے کسی دوسری عورت کے بارے میں کہا کہ وہ لمبے دامن والی ہے، اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے ارشاد فرمایا: تم نے اس کی غیبت کی لہٰذا اس سے معافی مانگو۔

جس کی غیبت کی اگر اس کے پاس جانا ممکن ہو تو اس سے معافی مانگنا ضروری ہے، اگر وہ غائب ہو یا اس کا انتقال ہو گیا ہو تو اس کے لئے کثرت سے استغفار اور دعا کرے اور بکثرت نیکیاں کرے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر پوچھا جائے کہ معاف کرنا واجب ہے؟ تو میں کہتا ہوں: نہیں۔ کیونکہ یہ تَبَرُّع (یعنی احسان) ہے اور

[1] ...بخاری، کتاب المظالم والغصب، باب من کانت لہ مظلمۃ عند الرجل... الخ، ۲/ ۱۲۸، حدیث: ۲۴۴۹

تبرع فضل و کرم ہوتا ہے واجب نہیں ہوتا لیکن معاف کرنا اچھا عمل ہے۔

جس کی غیبت کی اس سے معافی مانگنے کا طریقہ:

معافی مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی خوب تعریف کرے اور اس سے بہت زیادہ محبت کا اظہار کرے اور یونہی کرتا رہے حتی کہ اس کا دل راضی ہو جائے۔ اگر اس کے باوجود اس کا دل راضی نہ ہو تو معافی مانگنا اور محبت کا اظہار کرنا بھی نیکی ہے اس پر اسے اجر ملے گا جو بروز قیامت غیبت کے گناہ کے مقابلے میں ہو گا۔

بعض بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللہُ الْمُبِیْن معاف نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حرام کردہ شے کو میں کبھی حلال نہیں کر سکتا:

حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جو (میری عزت گھٹا کر) مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف نہیں کروں گا۔

حضرت سیِّدُنا امام ابنِ سیرین عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن فرماتے ہیں: غیبت میں نے حرام نہیں کی کہ میں معاف کر کے کسی کے لئے اسے حلال کر دوں، بے شک غیبت اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حرام کی ہے اور جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حرام قرار دیا ہے میں اسے کبھی حلال نہیں کر سکتا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان "جس نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہو اسے چاہئے کہ اس سے ظلم کو حلال کروالے" کا کیا مطلب ہے حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حرام کردہ شے کو حلال کرنا ممکن نہیں ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ حلال کروانے سے مراد ظلم سے معافی مانگنا ہے نہ یہ کہ حرام حلال میں تبدیل ہو جائے گا اور جو بات حضرت سیِّدُنا امام ابن سیرین عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن نے فرمائی ہے وہ غیبت کرنے سے پہلے پر محمول کی جائے گی کیونکہ ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کے لئے غیبت کو حلال کر دیں۔

اپنی عزت لوگوں پر صدقہ کرنے کا مطلب:

اگر تم کہو کہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان: "کیا تم میں سے کوئی اس بات سے

عاجز ہے کہ وہ ابو ضَمْضَم کی طرح ہو، جب وہ اپنے گھر سے نکلتا تو کہتا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں نے اپنی عزت لوگوں پر صَدَقَہ کر دی "[1] کا کیا مطلب ہے اور عزت کیسے صدقہ کی جاتی ہے اور جو اسے صدقہ کر دے تو کیا اس کی آبروریزی کرنا جائز ہو جاتا ہے اور اگر اس کا صدقہ نافذ نہیں ہوتا تو اس پر ابھارنے کے کیا معنی ہیں؟

ہم کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ میں قیامت میں اس سے اپنے چھینے ہوئے حق کا مطالبہ نہیں کروں گا اور نہ ہی اس سے جھگڑا کروں گا۔ معلوم ہوا کہ اس کے سبب غیبت حلال نہیں ہو جائے گی اور نہ ہی ظُلم ساقِط ہو گا کیونکہ یہ قبل از وُقوع معاف کرنا ہے۔ البتہ یہ وعدہ ہے اور اس کے لئے اسے پورا کرنے کا عزم کرنا جائز ہے کہ وہ اس سے جھگڑا نہیں کرے گا، اگر وہ اس وعدے سے رجوع کر لے اور جھگڑا کرے تو قیاس یہ ہے کہ دیگر حُقُوق کی طرح اس کا بھی اسے ضرور حق حاصل ہو گا بلکہ فُقہائے کِرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ السَّلَام نے اس بات کی صَراحت کی ہے کہ جو اپنے اوپر زنا کی تہمت لگانے کی اجازت دیدے تو حدِّ قذف کے سلسلے میں اس کا حق ساقط نہیں ہو گا۔ اسی طرح آخرت کے حقوق بھی دنیا کے حقوق کی طرح ہیں، خلاصہ یہ کہ معاف کر دینا بہتر ہے۔

معاف کرنے کی فضیلت:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَيْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْقَوِی فرماتے ہیں: جب اُمتیں بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حضور گھٹنوں کے بل گِری ہوں گی تو اعلان کیا جائے گا: "جس کا اجر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذمۂ کرم پر ہے وہ کھڑا ہو جائے۔" تو صرف وہی لوگ کھڑے ہوں گے جو دنیا میں لوگوں کو معاف کر دیا کرتے تھے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿١٩٩﴾ (پ۹، الاعراف: ۱۹۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے دریافت فرمایا: "اے جبریل! یہ معاف کرنا کیا ہے؟" عرض کی: "اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ جو آپ پر ظُلم کرے اسے معاف کر دیں، جو آپ

[1] ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، ۳/ ۱۵۲، حدیث: ۷۰۰۸

سے تعلُّق توڑے اس سے جوڑیں اور جو آپ کو محروم کرے اسے عطا کریں۔"[1]

غیبت کرنے والے کو تحفہ:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی کو کسی نے کہا کہ فلاں نے آپ کی غیبت کی ہے تو آپ نے غیبت کرنے والے آدمی کو کھجوروں کا ایک تھال بھر کر روانہ کیا اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے مجھے اپنی نیکیاں ہدیۃً دی ہیں تو میں نے چاہا کہ آپ کو اس کا بدلہ دے دوں اور مجھے معاف کر دیجئے گا کیونکہ میں مکمل طور پر آپ کو اس کا بدلہ دینے پر قدرت نہیں رکھتا۔

آفت نمبر16: چغل خوری (اس میں دو فصلیں ہیں)

پہلی فصل: چغل خوری کے مُتَعَلِّق آیات وروایات

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ ﴿۱۱﴾ (پ۲۹، القلم:۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: بہت طعنے دینے والا بہت اِدھر کی اُدھر لگاتا پھرنے والا۔

اور فرماتا ہے:

عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ ﴿۱۳﴾ (پ۲۹، القلم:۱۳)

ترجمۂ کنزالایمان: دُرُشت خُو اس سب پر طُرّہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا۔

زَنِیْم سے مراد:

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مبارک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: "زَنِیْم سے مراد وہ وَلَدُ الزِّنا (یعنی حرام کی اولاد) ہے جو بات کو نہ چھپائے۔" آپ نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اسی فرمان: "عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ ﴿۱۳﴾" سے اخذ کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ہر وہ شخص جو بات کو نہ چھپائے اور چغلی کھائے تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ وہ وَلَدُ الزِّنا ہے۔ زنیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے نسب میں شک ہو۔

---

[1] ...الدر المنثور، پ۹، سورۃ الاعراف: ۳/ ۱۹۹، ۶۲۸

چغلی قرآن کی رو سے:

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ﴿۱﴾ (پ۳۰، الھمزۃ:۱) ترجمۂ کنز الایمان: خرابی ہے اس کے لئے جو لوگوں کے منہ پر عیب کرے پیٹھ پیچھے بدی کرے۔

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ "هُمَزَةٍ" سے مراد چغل خور ہے۔

اور ارشاد فرماتا ہے:

حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ﴿۴﴾ (پ۳۰، اللھب:۴) ترجمۂ کنز الایمان: لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے۔

اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ وہ (یعنی ابولہب کی بیوی) چغل خوری کرتی اور باتوں کو اٹھائے پھرتی تھی۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمۡ يُغۡنِيَا عَنۡهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا (پ۲۸، التحریم:۱۰) ترجمۂ کنز الایمان: پھر انہوں نے ان سے دغا کی تو وہ اللہ کے سامنے انہیں کچھ کام نہ آئے۔

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا لوط عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے یہاں جب بھی مہمان آتے تو آپ کی بیوی اپنی قوم کو ان کے آنے کی خبر دیتی اور حضرت سیِّدُنا نوح عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی بیوی ان کے بارے میں اپنی قوم سے کہتی کہ یہ مجنون ہیں۔

چغل خور جنت میں نہیں جائے گا:

سرکارِ والا تَبار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ نَمَّام یعنی چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔[1] دوسری حدیث میں ہے: "لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّات"۔ قَتَّات سے مُراد بھی چُغَل خور ہے۔

چغل خور ربّ تعالیٰ کو ناپسند ہے:

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

---

[1] ...مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم النمیمۃ، ص٦٦، حدیث: ١٠٥

وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق ہیں، جن کے ساتھ رہنے والا ان سے اَذِیَّت نہیں پاتا، جو لوگوں سے اور لوگ ان سے محبت کرتے ہیں اور تم میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ لوگ وہ ہیں جو چغلیاں کھاتے، دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے اور پاکباز لوگوں کے عیب تلاش کرتے ہیں۔[1]

شریر لوگ:

دوجہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر وبَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "کیا میں تمہارے درمیان موجود شریر لوگوں کے بارے میں تمہیں نہ بتاؤں؟" صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: "ضرور۔" ارشاد فرمایا: "چغل خور، دوستوں کے درمیان فساد ڈالنے والے اور پاکباز لوگوں کے عیب تلاش کرنے والے۔"[2]

ناحق عیب لگانے کے متعلق دو وعیدیں:

۞...حضرت سَیِّدُنا ابوذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ مصطفٰے جانِ رحمت، شفیعِ اُمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مسلمان کے بارے میں کوئی بات پھیلائے تاکہ اس کے سبب اسے ناحق عیب لگائے تو قیامت کے دن اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے نارِ جہنّم میں عیب دار کر دے گا۔[3]

۞...حضرت سَیِّدُنا ابودرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ نبیوں کے سرور، مالک بحر وبر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو کسی شخص کے بارے میں کوئی ایسی بات پھیلائے جو اس میں نہ ہو اور اس کے سبب دنیا میں اس پر عیب لگائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر حق ہے کہ بروزِ قیامت اسے نارِ جہنّم میں پگھلا دے۔[4]

مسلمان کے خلاف جھوٹی گواہی دینے کی وعید:

حضرت سَیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

---

1 ...المعجم الاوسط، ۵/ ۳۸۷، حدیث: ۷۶۹۷

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، من حدیث اسماء ابنۃ یزید، ۱۰/ ۴۴۲، حدیث: ۲۷۶۷۰

3 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۶۹، حدیث: ۲۵۸

4 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۷۰، حدیث: ۲۵۹

وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو کسی مسلمان کے خلاف ایسی بات کی گواہی دے جو اس میں نہ ہو تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنّم میں بنالے۔[1]

منقول ہے کہ قبر کا ایک تہائی عذاب چغلی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

آٹھ لوگ جنّت میں نہیں جائیں گے:

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ میٹھے میٹھے آقا، مدینے والے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جب جنّت کو پیدا فرمایا تو اس سے ارشاد فرمایا: کلام کر۔ اس نے کہا: جو میرے اندر داخل ہو گا وہ خوش نصیب ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: میری عزت و جلال کی قسم! تجھ میں آٹھ قسم کے لوگ نہیں جائیں گے: (۱) شراب کا عادی (۲) زنا پر اِصرار کرنے والا (۳) چغل خور (۴) دَیُّوث[2] (۵) ظالم کا مدد گار (۶) مخنّث (۷) رشتہ داروں سے قَطع تعلُّق کرنے والا اور (۸) وہ شخص جو کہے: مجھ پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عہد ہے اگر میں یہ یہ کام نہ کروں اور پھر اسے نہ کرے۔[3]

چغل خور کی وجہ سے بارش نہ ہوئی:

حضرت سَیِّدُنا کَعْبُ الْاَحبار رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل جب قحط میں مبتلا ہوئے تو حضرت سَیِّدُنا موسٰی کلیمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے متعدد مرتبہ بارش کی دعا کی مگر بارش نہ ہوئی۔ پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے وحی کے ذریعے آپ سے فرمایا کہ میں تمہاری اور تمہارے ساتھ لوگوں کی دعا قبول نہیں کروں گا کیونکہ تم میں چغل خور موجود ہے جو چغلی پر مُصِر ہے۔ حضرت سَیِّدُنا موسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے عرض کی: اے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ! مجھے بتا وہ کون ہے تاکہ اسے اپنے درمیان سے نکال دوں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: اے موسٰی! میں تمہیں چغلی سے منع کرتا ہوں، لہٰذا میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ پس سب نے مل کر توبہ کی تو بارش ہو گئی۔

---

1 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت، ۷/ ۱۷۱، حدیث: ۲۶۰

2 ...جو لوگ باوُجودِ قدرت اپنی عورتوں اور مَحارِم کو بے پردگی سے منع نہ کریں وہ "دَیُّوث" ہیں۔ (پردے کے بارے میں سوال جواب، ص ۶۵، مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ، باب المدینہ کراچی)

3 ...جامع الاحادیث القدسیة، ص ۳۸، حدیث: ۷۹

حِکمت کا مَدَنی گلدستہ:

منقول ہے کہ ایک شخص سات باتوں کو جاننے کے لئے ایک دانا کے پیچھے سات سو فَرسَخ کا طویل سفر طے کر کے گیا، جب اس کے پاس پہنچا تو کہا: میں آپ کے پاس اس علم کی خاطر آیا ہوں جس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو نوازا ہے، آپ مجھے آسمان اور آسمان سے زیادہ بھاری چیز کے بارے میں بتایئے، زمین اور زمین سے زیادہ وسیع چیز کے بارے میں، پتھر اور پتھر سے زیادہ سخت چیز کے بارے میں، آگ اور آگ سے زیادہ گرم چیز کے بارے میں، زَمہریر اور زَمہریر سے زیادہ ٹھنڈی چیز کے بارے میں، سمندر اور سمندر سے زیادہ بے فکر چیز کے بارے میں اور یتیم اور یتیم سے زیادہ حقیر کے بارے میں بتایئے؟ دانا نے کہا: بے گناہ پر بُہتان باندھنا آسمان سے زیادہ بھاری ہے، حق (یعنی سچائی) زمین سے زیادہ وسیع ہے، قناعت پسند دل سمندر سے زیادہ بے فکر ہے، حرص اور حسد آگ سے زیادہ گرم ہیں، کسی قریبی سے ضرورت کا پورا نہ ہونا زَمہریر سے زیادہ ٹھنڈا ہے، کافر کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے اور چغل خور کا معاملہ جب ظاہر ہو جائے تو وہ یتیم سے زیادہ حقیر ہے۔

دوسری فصل: چغلی کی تعریف اور اس سے چھٹکارے کی صورت

چغلی کی تعریف اور اس کی حقیقت:

جان لیجئے! عموماً چغلی کسی کی بات اس شخص تک پہنچانے کو کہتے ہیں جس کے بارے میں بات کہی گئی ہے جیسے آپ کہیں کہ فلاں تمہارے بارے میں یہ یہ بات کہہ رہا تھا حالانکہ چغلی صرف اس کا نام نہیں بلکہ اس کی تعریف یہ ہے کہ ناپسندیدہ بات کو ظاہر کرنا خواہ اسے برا لگے جس نے کہا یا اسے جس کے بارے میں کہا گیا یا کسی تیسرے شخص کو، برابر ہے کہ وہ اِظہار گفتگو کے ذریعے ہو یا لکھنے کے ذریعے یا اشارے کے ذریعے، جسے نقل کیا گیا وہ عمل ہو یا قول خواہ اس کا تعلُّق منقول عنہ (یعنی جس سے بات نقل کی گئی ہے اس) کے عیب اور نَقص سے ہو یا نہ ہو بلکہ چغلی کی حقیقت راز فاش کرنا اور اس بات سے پردہ ہٹا دینا ہے جس کے ظاہر ہونے کو انسان ناپسند کرتا ہو بلکہ آدمی لوگوں کے جو بھی ناپسندیدہ احوال دیکھے تو اسے اس سے خاموشی اختیار کرنی چاہئے سوائے یہ کہ جسے بیان کرنے میں کسی مسلمان کو نفع ہو یا اس سے نقصان دور ہو مثلاً جب وہ کسی کو دوسرے کا

مال لیتا دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ صاحِبِ مال کے حق کا لحاظ کرتے ہوئے اِس کی گواہی دے۔ بہر حال جب وہ اسے اپنا ہی مال چھپاتے دیکھے تو اسے بیان کرنا چغلی اور راز کو فاش کرنا ہے اور اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی وہ بات بیان کرے جس کا تعلق اس کے عیب اور نقص سے ہو تو یقیناً اس نے غیبت اور چغلی دونوں کو جمع کر لیا۔

چُغلی پر اُبھارنے والی چیزیں:

چُغلی پر ابھارنے کا سبب یا تو جس کے بارے میں خبر دے رہا ہے اس کے ساتھ برائی کا ارادہ ہوتا ہے یا جس سے بات بیان کر رہا ہے اس سے محبت کا اظہار ہوتا ہے یا پھر فضول اور جھوٹی باتوں میں مشغول ہو کر دل بہلانا ہوتا ہے۔

چغلی اور چغل خور سے چھٹکارا دلانے والے چھ اُمور:

جس شخص کے پاس چغلی کی جائے اور اس سے کہا جائے کہ فُلاں نے تمہارے بارے میں یہ کہا یا تمہارے خلاف ایسا کیا یا وہ تمہارے معاملے کو بگاڑنے کی سازش کر رہا ہے یا تمہارے دشمن سے دوستی کرنے کی تیاری کر رہا ہے یا تمہاری حالت کو خراب کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا ہے یا اس قسم کی دوسری باتیں کہی جائیں تو ایسی صورت میں اس پر چھ باتیں لازم ہیں۔

﴿1﴾... اس کی تصدیق نہ کرے کیونکہ چُغل خور فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی گواہی مردود ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ (پ۲۶، الحجرات: ۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو۔

﴿2﴾... اسے چغلی سے منع کرے، سمجھائے اور اس کے سامنے اس کے فِعل کی قَبَاحَت ظاہر کرے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پ۲۱، لقمٰن: ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اچھی بات کا حکم دے اور بُری بات سے منع کر۔

﴿3﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رِضا کے لئے اس سے بُغض رکھے کیونکہ چغل خور اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ناپسند ہے اور جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ ناپسند کرے اس سے بُغض رکھنا واجب ہے۔

﴿4﴾... اپنے مسلمان بھائی یعنی جس کی غیبت کی گئی اس سے بدگمان نہ ہو کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (پ۲۶، الحجرات:۱۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

﴿5﴾... جو بات تمہیں بتائی گئی وہ تمہیں تَجَسُّس اور بحث پر نہ اُبھارے کہ تم اسے حقیقت سمجھنے لگ جاؤ۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَجَسَّسُوْا (پ۲۶، الحجرات:۱۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور عیب نہ ڈھونڈھو۔

﴿6﴾... جس بات سے تم چغل خور کو منع کر رہے ہو اسے اپنے لئے پسند نہ کرو اور نہ ہی اس کی چغلی آگے بیان کرو کہ یہ کہو: اس نے مجھ سے یہ یہ بات بیان کی۔ اس طرح تم چغل خور اور غیبت کرنے والے ہو جاؤ گے اور جس بات سے تم نے منع کیا خود اس کے کرنے والے بن جاؤ گے۔

سَیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا طرزِ عمل:

مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز کی خدمت بابرکت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کسی کے بارے میں کوئی مَنفی بات کی۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو ہم تمہارے مُعاملے کی تحقیق کریں، اگر تم جھوٹے نکلے تو اس آیتِ مبارکہ کے مِصداق قرار پاؤ گے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا (پ۲۶، الحجرات:۶)

ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو۔

اور اگر تم سچے ہوئے تو یہ آیتِ مقدّسہ تم پر صادق آئے گی:

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ ﴿۱۱﴾ (پ۲۹، القلم:۱۱)

ترجمۂ کنز الایمان: بہت طعنے دینے والا بہت اِدھر کی اُدھر لگاتا پھرنے والا۔

اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں مُعاف کر دیں۔ اس نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! معاف کر دیجئے

آئندہ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔

تین برائیاں لے کر آئے:

منقول ہے کہ کسی دانا (عقل مند) کا دوست اس سے ملاقات کے لئے آیا اور کسی دوسرے دوست کی کچھ منفی باتیں بتائیں، اس پر اس دانا شخص نے کہا کہ تم اتنے دنوں میں ملنے آئے اور تین برائیاں لے کر آئے: (۱) مجھے میرے مسلمان بھائی سے نفرت دلائی (۲) میرے دل کو (تشویشوں اور وسوسوں میں) مشغول کیا اور (۳) اپنے اَمانت دار نَفْس پر تُہمت لگائی (یعنی میں تمہیں امانت دار سمجھتا تھا)۔

حکایت: چغل خور کبھی سچا نہیں ہو سکتا

مروی ہے کہ بادشاہ سلیمان بن عبد الملک بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا، حضرت سیِّدُنا امام محمد بن شہاب زُہری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْقَوِی بھی وہاں تشریف فرما تھے، سلیمان نے آنے والے سے کہا: مجھے پتا چلا ہے تم نے میرے خلاف فلاں فلاں بات کی ہے۔ اس نے جواب دیا: میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔ سلیمان نے کہا: جس نے مجھے بتایا ہے وہ سچا آدمی ہے۔ حضرت سیِّدُنا امام زُہری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے یہ سنا تو ارشاد فرمایا: چغل خور کبھی سچا نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر بادشاہ کہنے لگا: آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اس شخص سے کہا: تم سلامتی کے ساتھ لوٹ جاؤ۔

چغل خور کی بات پر بھروسا نہیں کرنا چاہئے:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "جو تمہارے سامنے کسی کی چغلی کرتا ہے وہ تمہاری بھی چغلی کرے گا۔" اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چغل خور سے بغض رکھنا چاہئے اور اس کی بات پر بھروسا نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی اس کے سچے ہونے کا اعتبار کرنا چاہئے اور اس سے بغض کیسے نہ رکھا جائے جبکہ وہ جھوٹ، غیبت، عَہد شِکنی، خِیانت، کینہ، حَسَد، نِفاق، لوگوں کے مابین فساد پھیلانے اور دھوکا دہی کو نہیں چھوڑتا اور ان لوگوں میں سے ہے جو اس چیز کو کاٹنے کی کوششوں میں لگے ہوتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ ترجمۂ کنز الایمان: اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کے

يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ (پ۱، البقرۃ:۲۷) جوڑنے کا خدا نے حکم دیا اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

اور ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ (پ۲۵، الشوریٰ:۴۲) ترجمۂ کنزالایمان: مواخذہ تو انہیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی پھیلاتے ہیں۔

چغل خور انہیں میں سے ہے۔

بُرے شخص کی پہچان:

سرورِ ذیشان، محبوبِ رحمٰن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنِ اتَّقَاهُ النَّاسُ لِشَرِّهٖ یعنی برے لوگوں میں سے ہے وہ شخص ہے جس کے شر کی وجہ سے لوگ اس سے بچتے ہوں۔[1]

قاطع، جنت میں داخل نہیں ہو گا:

حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ یعنی قاطع جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ عرض کی گئی: قاطع کون ہے؟ ارشاد فرمایا: لوگوں کے مابین اِختِلافات پیدا کرنے والا۔[2]

اور یہی چغل خور ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قاطعِ رِحم (رشتہ داری توڑنے والا) ہے۔

حکایت: امیر المؤمنین! مجھے معاف کر دیجئے

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کے مُتَعَلِّق مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کسی کی چغلی کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے فلاں! جو کچھ تم نے کہا ہے ہم اس کے بارے پوچھ گچھ کریں گے، اگر تم سچے ہوئے تو ہم تم سے ناراض ہوں گے اور اگر تم جھوٹے ہوئے تو ہم تمہیں سزا دیں گے اور اگر تم چاہو کہ ہم تمہیں معاف کر دیں تو ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔ اس نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! مجھے معاف کر دیجئے۔

---

1 ...بخاری، کتاب الادب، باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا...الخ، ۴/۱۰۸، حدیث: ۶۰۳۲

2 ...بخاری، کتاب الادب، باب اثم القاطع، ۴/۹۷، حدیث: ۵۹۸۴

مومن کی قَدْر و مَنْزِلَت گھٹانے والی عادت:

حضرت سیِّدُنا محمد بن کَعْب قُرَظِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی سے عرض کی گئی: مومن کی کون سی عادت اس کی قَدْر ومنزلت گھٹاتی ہے؟ فرمایا: زیادہ بولنا، راز فاش کرنا اور ہر ایک کی بات کو قبول کر لینا۔

حکایت: مجھے اپنی زبان سے خود کو برا کہنا پسند نہیں

امیر بصرہ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عامر رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے ایک شخص نے کہا: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ فُلاں نے آپ کو بتایا کہ میں نے آپ کی بُرائی کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ایسا ہی ہوا ہے۔ اس نے کہا: تو آپ مجھے بتایئے کہ اس نے آپ سے کیا کہا تاکہ میں اس کے جھوٹ کو آپ کے سامنے ظاہر کر دوں۔ ارشاد فرمایا: مجھے اپنی زبان سے خود کو برا کہنا پسند نہیں ہے اور میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ میں اس کی بات کی تصدیق نہ کروں اور تم سے تعلق نہ توڑوں۔

کسی بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے سامنے سِعَایَہ (یعنی چغلی) کا ذکر ہوا تو ارشاد فرمایا: ان حضرات کے مُتَعَلِّق تمہارا کیا خیال ہے جو چغل خوروں کے علاوہ ہر طبقے کے لوگوں کے سچ کی تعریف کرتے ہیں۔

چُغلی کو دُرُست مان لینا زیادہ بُرا ہے:

حضرت سیِّدُنا مُصْعَب بن زُبَیْر رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہم سعایہ کے مقابلے میں سعایہ قبول کرنے کو زیادہ برا سمجھتے ہیں کیونکہ سعایہ (یعنی چغلی کھانا) اِطّلاع دینا ہے اور قبول کرنا درست مان لینا ہے اور جو شخص کسی چیز پر رہنمائی کرتے ہوئے اس کی خبر دے وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جو اسے قبول کرتے ہوئے درست مان لے لہٰذا چغلی کھانے والے سے بچو۔ اگر وہ اپنی بات میں سچا ہے تو سچ بولنے کے سبب ہی تو وہ کمینہ ہوا ہے کیونکہ اس نے (دوسرے کی) عزت کی حفاظت نہیں کی اور عیب نہیں چھپایا۔

سِعَایَہ چغلی ہی ہے مگر یہ کہ جس طرف سے خوف ہو اُسے سِعَایَہ کا نام دیا جاتا ہے۔

مکی مدنی مصطفٰے، احمد مجتبٰی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: "اَلسَّاعِیْ بِالنَّاسِ اِلَی النَّاسِ لِغَیْرِ رِشْدَۃٍ" یعنی

لوگوں سے لوگوں کی چغلی کھانے والا صحیح النسب نہیں ہے۔"(1) یعنی وہ حلال کی اولاد نہیں ہے۔

حکایت: بادشاہِ وقت کو تنبیہ

اُمَوی خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کے پاس ایک شخص آیا اور کلام کی اجازت مانگی اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! میں آپ سے کچھ کلام کروں گا اگرچہ آپ کو برا لگے لیکن آپ صَبر وتَحَمُّل سے کام لیجئے گا، اگر آپ نے اسے قبول کر لیا تو اس کے پیچھے میں آپ کی پسندیدہ بات ہے۔ سلیمان نے کہا: کہو۔ اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کو کچھ ایسے لوگوں نے گھیر رکھا ہے جنہوں نے آپ کی دنیا کو اپنے دین کے بدلے میں اور آپ کی رضا کو اپنے رب کی ناراضی کے بدلے میں خرید لیا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے معاملے میں آپ سے تو خوف رکھتے ہیں لیکن آپ کے معاملے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے نہیں ڈرتے، آپ انہیں اس چیز پر ذمہ دار نہ بنایئے گا جس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو امین بنایا ہے، جس چیز کی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ سے حفاظت چاہی ہے وہ ان کی حفاظت میں نہ دیجئے گا کیونکہ یہ لوگ ایسے کام کرنے میں ہرگز کوتاہی نہیں کریں گے جن سے امت میں دھنسنا ہو، امانتیں ضائع ہوں اور عزتیں پامال ہوں اور ان کی بے حرمتی ہو، ان کے لئے آپ کا قرب پانے کی اعلیٰ چیز سرکشی اور چغلی ہے اور سب سے بڑا وسیلہ غیبت اور لوگوں کی برائیاں کرنا ہے، ان کے جرائم کے بارے میں تو آپ سے پوچھا جائے گا مگر آپ کے جرم کے بارے میں ان سے نہیں پوچھا جائے گا لہٰذا اپنی آخرت خراب کر کے ان کی دنیا مت سنواریئے کیونکہ سب سے زیادہ نقصان وہ شخص اٹھاتا ہے جو دوسرے کی دنیا کے بدلے اپنی آخرت کا سودا کرتا ہے۔

خائن اور گناہ گار:

سلیمان بن عبد الملک سے ایک شخص نے زِیادُ الْاَعْجَم کی چغلی کھائی تو اس نے دونوں کو صُلْح صفائی کیلئے جمع کیا۔ زیاد نے اس شخص کو مخاطب کر کے کہا:

فَاَنْتَ امْرُؤٌ اِمَّا ائْتَمَنْتُکَ خَالِیًا ۔۔۔ فَخُنْتَ وَاِمَّا قُلْتَ قَوْلًا بِلَا عِلْمِ

فَاَنْتَ مِنَ الْاَمْرِ الَّذِیْ کَانَ بَیْنَنَا ۔۔۔ بِمَنْزِلَۃٍ بَیْنَ الْخِیَانَۃِ وَالْاِثْمِ

1 ...المستدرک، کتاب الاحکام، باب لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی، ۵/ ۱۳۰، حدیث: ۷۱۵۲ مفہومًا

ترجمہ: تم ایک ایسے شخص ہو جسے میں نے بے فائدہ امین بنادیا تو تم نے خیانت کر دی اور بلا علم بات کہہ دی، لہٰذا ہمارے درمیان جو معاملہ تھا اس کی وجہ سے تم خائن اور گناہ گار ہوئے۔

حکایت: چغل خوری باعث ندامت

ایک شخص نے عَمرو بن عُبَید سے کہا کہ قبیلہ اُساوِرہ سے تعلُّق رکھنے والا ایک شخص اپنی گفتگو میں تمہاری برائیاں کرتا ہے۔ عمرو بن عبید نے کہا: تم نے اس کے ساتھ بیٹھنے کی رعایت نہیں کی کہ اس کی بات ہم تک پہنچادی اور میرا حق بھی ادا نہ کیا کہ میرے بھائی کی طرف سے مجھ تک وہ بات پہنچادی جسے میں ناپسند کرتا ہوں لیکن خیر! تم اسے بتادینا کہ موت ہم دونوں کو آئے گی، قبر نے ہم دونوں کو دبانا ہے اور قیامت میں ہم دونوں اکٹھے ہوں گے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمارے مابین فیصلہ فرمادے گا اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

حکایت: چغل خور پر لعنت

ایک چغل خور نے وزیر اسماعیل بن عَبّاد کو ایک رُقعہ بھیجا جس میں اس نے یتیم کے مال کی اطلاع دی تھی اور یتیم کے مال کے کثیر ہونے کے سبب اسے اس کے لینے پر اکسایا تھا۔ وزیر نے رقعہ کی پشت پر اس کے جواب میں لکھا: چغل خوری بری چیز ہے اگرچہ وہ بات درست ہی کیوں نہ ہو، اگر تو نے یہ رقعہ خیر خواہی کے ارادے سے بھیجا ہے تو اس میں تیرا خسارہ نَفع سے زیادہ ہے اور اس بات سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ کہ ہم چھپی ہوئی چیز کی پردہ دری کو قبول کریں، اگر تو بڑھاپے کی پناہ میں نہ ہوتا تو تیرے فعل کا جو تقاضا ہے اس کے سبب ہم ضرور ایسا کام کرتے جس سے تجھ کو عِبرت ہوتی، اے ملعون! عیب لگانے سے بچ بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ غیب زیادہ جانتا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ مَیِّت پر رَحْم فرمائے، یتیم کے حال کو درست کرے، اس کے مال میں اضافہ فرمائے اور چغل خور پر لعنت کرے۔

حکمت بھرے مَدَنی پھول:

حضرت سیِّدُنا حکیم لقمان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْمَنَّان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے بیٹے! میں تمہیں چند عادتیں اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگر تم نے انہیں اپنالیا تو ہمیشہ سردار رہو گے، ہر ایک سے خوش اخلاقی سے

پیش آؤ خواہ وہ قریبی ہو یا اس سے کوئی دور کا تعلق ہو، عزت دار اور کمینے شخص سے اپنی جہالت پوشیدہ رکھو، اپنے دوستوں کی حُرمت کا تحفُّظ کرو، اپنے قریبی رشتہ داروں سے صِلہ رِحمی کرو، جو تمہیں نقصان پہنچانا اور دھوکا دینا چاہتا ہے اس کی بات نہ قبول کرکے یا کسی مُخالِف کی بات نہ سن کے دوستوں کی حفاظت کرو اور تمہارے دوست ایسے ہونے چاہئیں کہ جب تم ان سے اور وہ تم سے جدا ہوں تو نہ تم ان کی برائی کرو اور نہ وہ تمہاری برائی کریں۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: چغلی کی بنیاد جھوٹ، حسد اور نفاق پر ہے اور ان ہی تینوں پر ذلت کی عمارت کھڑی ہے۔

بُردباری کا زیادہ حق دار:

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جو بات چغل خور نے تم تک پہنچائی اگر وہ درست ہے تو وہ تمہیں برا کہہ کر تم پر جسارت کرتا ہے اور جس شخص کی بات اس نے نقل کی وہ تمہاری بردباری کا زیادہ حق دار ہے کیونکہ اس نے تمہارے سامنے تمہاری برائی نہیں کی۔

خلاصہ یہ کہ چغل خور کا شر بڑا ہے جس سے بچنا چاہئے۔

حکایت: چغل خور غلام

حضرت سیِّدُنا حمّاد بن سَلَمہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے غلام بیچا اور خریدار سے کہا: اس میں چغل خوری کے علاوہ کوئی عیب نہیں۔ اس نے کہا: مجھے منظور ہے اور اس غلام کو خرید لیا۔ غلام چند دن تو خاموش رہا پھر اپنے مالک کی بیوی سے کہنے لگا: میرا آقا تجھے پسند نہیں کرتا اور دوسری عورت لانا چاہتا ہے، جب تیرا خاوند سو رہا ہو تو اُسترے کے ساتھ اس کی گدی کے چند بال مونڈ لینا تاکہ میں کوئی منتر کروں اس طرح وہ تجھ سے محبت کرنے لگے گا۔ دوسری طرف اس کے شوہر سے جاکر کہا: تمہاری بیوی نے کسی کو دوست بنا رکھا ہے اور تمہیں قتل کرنا چاہتی ہے، تم جھوٹ موٹ سو جانا تاکہ تمہیں حقیقت حال معلوم ہو جائے۔ چنانچہ وہ شخص بناوٹی طور پر سو گیا، عورت اُسترا لے کر آئی تو وہ سمجھا کہ اسے قتل کرنا چاہتی ہے لہٰذا وہ اٹھا اور اپنی بیوی کو قتل کر دیا۔ پھر عورت کے گھر والے آئے اور انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اس طرح

چغل غور کی وجہ سے دو قبیلوں کے درمیان جنگ ہو گئی۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

آفت نمبر 17: دورُخے شخص کی گفتگو

دورُخا وہ شخص ہے جو دو دشمنوں کے پاس آتا ہے اور ہر ایک سے اس کی رائے کے موافق کلام کرتا ہے اور دو دشمنوں سے ملنے والا کم ہی اس سے بچ پاتا ہے اور یہی عین نفاق ہے۔

آگ کی دو زبانیں:

حضرت سیِّدُنا عمار بن یاسر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان عبرت نشان ہے: مَنْ کَانَ لَہٗ وَجْھَانِ فِی الدُّنْیَا کَانَ لَہٗ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ یعنی جو دنیا میں دورُخا ہوگا قیامت کے دن اس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔[1]

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ مدینے کے تاجدار، دوعالم کے مالک ومختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم قیامت کے دن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں میں سب سے برا دورُخے شخص کو پاؤ گے کہ جو (دنیا میں) ایک کے پاس آکر کچھ کہتا تھا اور دوسرے کے پاس آکر کچھ۔[2]

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو (دنیا میں) ایک کے پاس ایک چہرے سے آتا تھا اور دوسرے کے پاس دوسرے چہرے سے۔[3]

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: دورُخا شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں امین نہیں ہو سکتا۔

دو مختلف ہونٹوں والے شخص کی بروز قیامت ہلاکت:

حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ امانت باطل ہو گئی اور آدمی اپنے دوست کے ساتھ دو مختلف ہونٹوں کے ساتھ ہوتا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ بروز قیامت ہر دو

---

1. ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی ذی الوجھین، ۴/ ۳۵۲، حدیث: ۴۸۷۳
2. ...مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب خیار الناس، ص ۱۳۷۸، حدیث: ۲۵۲۶ بتغیر قلیل
3. ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی ذی الوجھین، ۴/ ۳۵۲، حدیث: ۴۸۷۲

مختلف ہونٹوں والے شخص کو ہلاک (جہنم میں داخل) کرے گا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک ناپسند لوگ:

حضور نبیِّ پاک، صاحب لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بروز قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ ناپسند وہ لوگ ہوں گے جو جھوٹ بولتے، تکبُّر کرتے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے اپنے سینوں میں بغض چھپائے رکھتے ہیں اور جب ان سے ملتے ہیں تو محبت سے پیش آتے ہیں نیز وہ لوگ جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تو سستی دکھاتے اور شیطانی کام کی طرف بلایا جائے تو جلدی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔[1]

اِمَّعَہ نہ ہونا:

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی ہر گز اِمَّعَہ نہ ہو۔ لوگوں نے عرض کی: اِمَّعَہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: جو ہر ہوا کے ساتھ چل پڑتا ہے (یعنی وہ جس کی اپنی رائے کچھ نہ ہو، جو دوسروں کو کرتے دیکھے خود بھی کرنے لگے)۔

علمائے کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دو آدمیوں سے دو چہروں (یعنی مختلف رویّوں) کے ساتھ ملنا نفاق ہے اور نفاق کی بہت سی علامات ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

مروی ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا تو حضرت سَیِّدُنا حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی، امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ان سے فرمایا: ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور آپ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی؟ تو انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! یہ شخص منافقین میں سے تھا[2]۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ میں منافقین میں سے ہوں یا نہیں؟ انہوں نے کہا: بخدا نہیں لیکن آپ کے بعد میں کسی اور کے بارے میں اس سے بے خوف نہیں۔

---

[1]... مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ذم النفاق والتعوذ باللہ منہ، ص ۱۴۴، حدیث: ۲۹۹

[2]... یہاں منافقت سے مراد منافقتِ عملی ہے نہ کہ اعتقادی۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۳۵۹)

دو رُخے پن کی تعریف:

سوال: اگر تم کہو کہ آدمی کس چیز کے سبب دو رُخا ہو جاتا ہے اور اس کی تعریف کیا ہے؟

جواب: جب کوئی شخص دو دشمنوں کے پاس آئے اور ہر ایک سے اچھی طرح پیش آئے اور اس (یعنی اچھی طرح پیش آنے) میں سچا ہو تو وہ منافق اور دو رخا نہیں ہے کیونکہ ایک شخص کی کبھی دو دشمنوں سے دوستی ہوتی ہے لیکن وہ دوستی کمزور ہوتی ہے پکی دوستی کی حد تک نہیں پہنچی ہوتی اس لئے کہ اگر دوستی سچی ہوتی تو وہ دوست کے دشمن سے بھی دشمنی کا تقاضا کرتی جیسا کہ ہم "ہم نشینی اور بھائی چارے کے آداب" میں یہ بات ذکر کر چکے ہیں۔ مگر جب کوئی دو شخصوں میں سے ہر ایک کی بات دوسرے تک پہنچائے تو وہ دو رُخا ہو گا اور یہ چغلی سے زیادہ برا ہے کیونکہ آدمی جانبین میں سے صرف ایک کی بات پہنچانے کے سبب چغل خور ہو جاتا ہے تو جب وہ دونوں جانب کی بات پہنچائے گا تو چغل خور سے بھی بدتر ہو گا اور اگر وہ بات تو نہ پہنچائے لیکن ان دونوں میں سے ہر ایک کی نظر میں اپنے مخالف کے ساتھ دشمنی کو بھڑکا دے تب بھی وہ دو رُخا ہے اور ایسے ہی جب وہ دونوں میں سے ہر ایک سے یہ وعدہ کرے کہ وہ دوسرے کے خلاف اس کی مدد کرے گا، یوں ہی اس دشمنی رکھنے میں ہر ایک کی تعریف کرے، اسی طرح جب ان میں سے کوئی اس کے پاس آئے تو اس کی تعریف کرے اور جب وہ چلا جائے تو اس کی مذمت کرے تو ان صورتوں میں بھی وہ دو رُخا ہو گا۔

اسے چاہئے کہ خاموش رہے یا دونوں دشمنوں سے جو حق پر ہو اس کی تعریف کرے اور یہ تعریف اس کی غیر موجودگی، موجودگی اور اس کے دشمن کے سامنے بھی ہونی چاہئے تو یہ اس کے لئے نِفاق سے چھٹکارے کی راہ ہے۔

مال وجاہ کی محبت دل میں نفاق اُگاتی ہے:

حضرت سیِّدُنا عبدُ اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے پوچھا گیا: ہم اپنے حُکّام کے پاس جاتے ہیں تو ایک بات کہتے ہیں لیکن جب ان کے پاس سے نکلتے ہیں تو دوسری بات کہتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ ارشاد فرمایا: ہم اسے زمانۂ رسول میں نفاق شمار کرتے تھے۔[1]

---

[1]... المعجم الکبیر، ۱۲/ ۳۲۱، حدیث: ۱۳۵۳۸

یہ نفاق اس وقت ہے جب اسے حاکم کے پاس جانے اور اس کی تعریف کرنے کی حاجت نہ ہو، یونہی اگر وہ حاجت نہ ہونے کے باوجود حاکم کے پاس جائے اور جانے کے بعد تعریف نہ کرنے کی صورت میں خوف زدہ ہو تو بھی یہ نفاق ہے کیونکہ اس نے خود اپنے آپ کو اس عمل کا محتاج بنایا اگر وہ تھوڑے پر قناعت کرتا اور مال و منصب کو چھوڑ دیتا تو اسے اس کے پاس جانے کی ضرورت پیش نہ آتی لیکن وہ مال و منصب کی ضرورت کی وجہ سے اس کے پاس گیا اور اس کی تعریف کی لہٰذا وہ منافق ہے۔ حضور نبیِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فرمان کا یہی معنی ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: حُبُّ الْمَالِ وَالْجَاهِ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ یعنی مال و جاہ کی محبت دل میں نفاق کو ایسے اگاتی ہے جیسے پانی سبزی کو اگاتا ہے۔[1]

کیونکہ مال و جاہ کی محبت حکام اور ان کے احوال کی رعایت کرنے اور دکھلاوے کا محتاج بنا دیتی ہے۔ بہر حال جب کسی ضرورت کی وجہ جانے پر مجبور ہو اور تعریف نہ کرنے کی صورت میں اسے ڈر ہو تو وہ معذور ہے کیونکہ شر سے بچنا جائز ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ہم کچھ لوگوں کے سامنے (خوشی و محبت کا اظہار کرتے ہوئے) ہنس دیتے ہیں لیکن ہمارے دل ان پر لعنت کر رہے ہوتے ہیں۔

سب سے بُرا شخص:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: اِسے اجازت دے دو یہ قبیلے کا بُرا شخص ہے۔ جب وہ آیا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے نرم گفتگو فرمائی، پھر جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ نے پہلے تو اس کے بارے میں کچھ کہا پھر اس سے نرم گفتگو کی؟ ارشاد فرمایا: اے عائشہ! لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جس کے شر سے بچنے کے لئے اس کی عزت کی جائے۔[2]

---

[1] ... فیض القدیر، ۶/ ۲۷۲، تحت الحدیث: ۸۹۷۸ باختصار

[2] ... بخاری، کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء ... الخ، ۴/ ۱۰۸، حدیث: ۶۰۳۲

اس حدیثِ پاک سے ایسے شخص کی طرف مُتَوَجِّہ ہونے، اس کے سامنے خوشی کا اظہار کرنے اور مسکرانے کی اجازت ملتی ہے جہاں تک تعریف کرنے کا تعلق ہے تو یہ صریح جھوٹ ہے اور بلا ضرورت یا ایسے اِکراہ (زبردستی) کے بغیر یہ جائز نہیں کہ جس میں جھوٹ بولنا مباح ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم نے اسے "جھوٹ کی آفت" میں ذکر کر دیا ہے بلکہ کسی بھی باطل کلام پر تعریف کرنا، اس کی تصدیق کرنا اور اس کی تائید میں سر ہلانا جائز نہیں اگر ایسا کرے گا تو منافق ہو گا بلکہ اُسے باطل کلام سے روکنا چاہئے، اگر اس پر قادر نہ ہو تو زبان سے خاموشی اختیار کرے اور اپنے دل سے اسے برا جانے۔

آفت نمبر18: تعریف کرنا

پہلی فصل: تعریف کرنے والے اور ممدوح میں موجود خرابیاں

بعض جگہوں میں تعریف کرنے کی مُمانَعَت ہے، رہی مذمت تو وہ غیبت اور برائی کرنا ہے اور اس کا حکم ہم ذکر کر چکے۔ تعریف چھ خرابیوں سے خالی نہیں ہوتی، چار خرابیوں کا شکار تعریف کرنے والا ہوتا ہے اور دو کا شکار وہ شخص ہوتا ہے جس کی تعریف کی جائے۔

تعریف کرنے والے کی خرابیاں:

﴿1﴾... کبھی وہ تعریف کرنے میں حد سے بڑھ جاتا ہے حتّٰی کہ جھوٹ بول دیتا ہے۔ چنانچہ

حضرت سیِّدُنا خالد بن مَعْدان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان فرماتے ہیں: جو شخص لوگوں کے سامنے حاکم یا کسی دوسرے شخص کی تعریف میں ایسی بات کہے جو اس میں نہ ہو تو بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے اس حال میں اٹھائے گا کہ اس کی زبان لڑکھڑا رہی ہو گی۔

﴿2﴾... کبھی تعریف کرنے میں ریاکاری بھی شامل ہو جاتی ہے کیونکہ وہ تعریف کر کے محبت کا اظہار کر رہا ہوتا ہے حالانکہ اس کے دل میں نہ تو محبت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ ان تمام باتوں کا اعتقاد رکھتا ہے جنہیں وہ کہہ رہا ہے تو اس طرح وہ ریاکار اور منافق ہو جاتا ہے۔

تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی:

﴿3﴾... کبھی انسان ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کی اسے صحیح معلومات نہیں ہوتی اور نہ ہی اسے جاننے کا کوئی ذریعہ ہوتا ہے۔ مروی ہے کہ ایک شخص نے تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نُبوّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سامنے کسی کی تعریف کی تو آپ نے ارشاد فرمایا: تمہاری خرابی ہو، تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی اگر وہ اسے سن لیتا تو فلاح نہ پاتا۔ پھر ارشاد فرمایا: اگر تم میں سے کسی کے لئے اپنے بھائی کی تعریف کرنا ضروری ہو تو اسے چاہئے کہ یوں کہے: میں فلاں کو ایسا گمان کرتا ہوں اور میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں کسی کو پاک صاف نہیں بتاتا، اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی اس کا حساب لینے والا ہے۔ یہ کلمات بھی اس وقت کہے جبکہ وہ اسے ایسا ہی خیال کرے۔[1]

یہ خرابی اُن اوصاف کے ساتھ تعریف کرنے کی صورت میں آتی ہے جنہیں علامات کے ذریعے پہچانا جاتا ہے جیسے یہ کہنا کہ وہ مُتَّقِی، پرہیزگار، زاہد (عبادت گزار) یا نیک شخص ہے۔ بہر حال جب وہ یوں کہے کہ میں نے اسے رات میں نماز پڑھتے، صَدَقہ کرتے اور حج کرتے ہوئے دیکھا ہے تو یہ یقینی اُمور ہیں۔

اسی طرح یہ بھی علامات کے ذریعے پہچانے جانے والے اوصاف میں سے ہیں مثلاً یہ کہنا: وہ عادل ہے، قناعت پسند ہے۔ یہ مَخْفِی اُمور ہیں، لہٰذا جب تک باطن کی واقِفِیَّت نہ ہو اس وقت تک ان کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہنا چاہئے۔

میرے خیال میں تم اسے نہیں جانتے:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک شخص کو کسی کی تعریف کرتے ہوئے سنا تو اس سے دریافت کیا: کیا تم نے اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا خرید و فروخت اور دیگر مُعامَلات میں اس کے ساتھ تمہارا کوئی واسطہ رہا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: کیا صبح شام اس کے پڑوس میں گزارتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میرے خیال میں تم اسے نہیں جانتے۔

[1]... بخاری، کتاب الادب، باب ما یکرہ من التمادح، ۴/ ۱۱۲، حدیث: ۶۰۶۱

فاسق کی تعریف پر اللہ عَزَّوَجَلَّ غضب فرماتا ہے:

﴿4﴾... کبھی ممدوح (یعنی جس کی تعریف کی جارہی ہے اس) کو خوش کرنے کے لئے تعریف کی جاتی ہے حالانکہ وہ ظالم یا فاسق ہوتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ چنانچہ

حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یَغْضَبُ اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ یعنی جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ غضب فرماتا ہے۔[1]

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: جو ظالم کے لئے لمبی زندگی کی دعا کرتا ہے تحقیق وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی زمین میں اس کی نافرمانی کو پسند کرتا ہے۔

ظالم فاسق ہی ہوتا ہے جس کی تعریف نہیں مذمت کرنی چاہئے تاکہ وہ غمگین ہو۔

ممدوح میں پیدا ہونے والی دو خرابیاں:

تعریف ممدوح (یعنی جس کی تعریف کی جائے اس) کو دو طرح سے نقصان پہنچاتی ہے۔

﴿1﴾... تعریف سے دل میں تکبر و خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور یہ دونوں صفتیں ہلاکت کا باعث ہیں۔

سیِّدُنا فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا ممدوح کو دُرّہ مارنا:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ دُرّہ لئے تشریف فرما تھے اور دیگر لوگ آپ کے گرد حاضر تھے، اتنے میں جارُود بن مُنْذِر آئے تو حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: یہ ربیعہ قوم کا سردار ہے۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ اور مجلس میں موجود لوگوں نے بھی یہ جملہ سنا اور جارود بن منذر نے بھی، جب وہ آپ سے قریب ہوئے تو آپ نے انہیں آہستہ سے دُرّہ مارا۔ انہوں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! میرے اور آپ کے درمیان کیا معاملہ ہوا ہے؟ فرمایا: میرے اور تمہارے درمیان کوئی معاملہ نہیں۔ کیا تم نے یہ بات نہیں سنی؟ عرض کی: میں نے اس کے منہ سے سنی ہے۔ ارشاد فرمایا: مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ تمہارے دل کی

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، ۴/ ۲۳۰، حدیث: ۴۸۸۵

خرابی کا باعث نہ بن جائے اس لئے میں نے پسند کیا کہ میں (تمہاری نظروں میں) تمہارا مرتبہ گھٹادوں۔

منہ پر تعریف کرنا گویا ذبح کرنا ہے:

﴿2﴾...جب کسی شخص کے نیک اعمال کی تعریف کی جائے گی تو وہ خوش ہو جائے گا اور (عبادت کے معاملے میں) سُست پڑ جائے گا اور اپنے آپ سے راضی ہو جائے گا اور جو خود کو اچھا سمجھنے لگے عبادت میں اس کی محنت و کوشش کم ہو جاتی ہے کیونکہ عمل کی کوشش وہی کرتا ہے جو خود کو کوتاہ اور سُست سمجھتا ہے۔ جب زبانوں پر تعریفی کلمات ہوں گے تو انسان یہ گمان کرے گا کہ اس نے مقام کی بلندی کو پالیا ہے۔

اسی وجہ سے حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے (ایک شخص کے تعریف کرنے پر اس سے) ارشاد فرمایا: تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی اگر وہ اسے سن لیتا تو فلاح نہ پاتا۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: جب تم نے اپنے بھائی کی اس کے منہ پر تعریف کی تو گویا تم نے اس کے حلق پر تیز اُسترا پھیر دیا۔[1]

کسی کی تعریف کرنے والے ایک شخص سے خَاتَمُ الْمُرْسَلِین، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: عَقَرْتَ الرَّجُلَ عَقَرَکَ اللہُ یعنی تم نے اس شخص کو ذبح کر دیا اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں ہلاک کرے۔

عوام اور خواص:

حضرت سَیِّدُنا مُطَرِّف رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب بھی میں نے کسی سے اپنی تعریف اور خوبیاں سنیں تو میں اپنی نظروں میں گر گیا۔

حضرت سَیِّدُنا زِیاد بن مسلم رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جو شخص بھی اپنی تعریف یا کوئی خوبی سنتا ہے تو شیطان اسے دکھائی دیتا ہے لیکن مومن یاد آجانے پر لوٹ جاتا ہے۔

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مبارک رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے (ان دونوں حضرات کے کلام کو نقل کرنے کے بعد) فرمایا: دونوں نے ہی سچ فرمایا اور حضرت سَیِّدُنا زِیاد بن مسلم رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے جس کے متعلق فرمایا وہ عوام کا دل ہے اور حضرت سَیِّدُنا مُطَرِّف رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے جس کے متعلق فرمایا وہ خواص کا دل ہے۔

---

1 ... الزھد لابن مبارک فی نسخة زائدة، باب فی المداحین، ص ۱۳، حدیث: ۵۲

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص کسی کی طرف تیز چُھری لے کر جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کے منہ پر اس کی تعریف کرے۔[1]

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: کسی کی تعریف کرنا اسے ذبح کرنا ہے۔

ذبح کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ:

تعریف کو ذبح کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ مذبوح (یعنی ذبح ہونے والا) عمل سے رک جاتا ہے اور تعریف بھی عمل میں سستی کا باعث بنتی ہے یا اس لئے کہ تعریف سے خود پسندی اور تکبُّر پیدا ہوتا ہے اور یہ دونوں صفتیں ذبح کی طرح ہلاک کرنے والی ہیں اسی وجہ سے تعریف کو ذبح سے تشبیہ دی گئی۔

البتہ! تعریف کرنے والا اور جس کی تعریف کی جائے ان دونوں کے حق میں تعریف اِن خرابیوں سے محفوظ ہو تو تعریف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بعض اوقات تعریف کرنے پر ابھارا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوجہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرات صحابہ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کی تعریف فرمائی۔

عاشقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کی فضیلت:

دوجہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَوْ وُزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ بِاِیْمَانِ الْعَالَمِ لَرَجَحَ یعنی اگر ابو بکر کے ایمان کو تمام مخلوق کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ضرور ابو بکر کا ایمان غالب ہو گا۔[2]

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثْتَ یَا عُمَرُ یعنی اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو اے عمر! تمہیں مبعوث کیا جاتا (یعنی تمہیں نبی بنا کر بھیجا جاتا)۔[3]

اس سے بڑھ کر اور کون سی تعریف ہو سکتی ہے لیکن یہ کہ آپ نے اپنی بصیرت سے سچی بات ارشاد فرمائی اور حضراتِ صحابہ کا رتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ تعریف کے سبب ان کے دل میں تکبر اور خود پسندی

---

1 ...آداب النفوس، مذھب الصالحین واھل الریاء فی المدح والذم، ص۱۰۰

2 ...تاریخ مدینۃ دمشق، الرقم: ۳۳۹۸، ابوبکر الصدیق خلیفۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، ۳۰/ ۱۲۶، حدیث: ۶۱۳۶

3 ...تاریخ مدینۃ دمشق، الرقم: ۵۲۰۶، عمر بن الخطاب، ۴۴/ ۱۱۶، حدیث: ۹۵۶۸، "منکر"

پیدا ہو اور عمل کے معاملے میں سستی آئے بلکہ آدمی کا اپنی تعریف خود کرنا برا ہے کیونکہ اس میں تکبر اور دوسروں پر فخر کرنا پایا جاتا ہے اس لئے حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ یعنی میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔[1]

یعنی میں یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہتا جیسا کہ لوگوں کا اپنی تعریف سے مقصد فخر کرنا ہوتا ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فخر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات اور اس سے قرب کی بنا پر تھا، اولادِ آدم اور آپ کے ان سے مقدم ہونے کی بنا پر نہ تھا۔ مثلاً کوئی شخص بادشاہ کے ہاں بہت زیادہ مقبول ہو تو وہ بادشاہ کے دربار میں اپنی اس مقبولیت پر تو فخر کرے اور اس پر خوش ہو لیکن اس بات پر فخر نہ کرے کہ وہ بعض رعایا پر مُقَدَّم ہے۔

ان خرابیوں کی تفصیل کے سبب تمہیں تعریف کی مذمت اور اس پر ابھارے جانے کے مابین فیصلہ کرنے پر قدرت حاصل ہو جائے گی۔

جب صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے ایک فوت شدہ شخص کی تعریف کی تو رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: وَجَبَتْ یعنی جنت واجب ہو گئی۔[2]

عیوب کی پردہ پوشی پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کر:

حضرت سیِّدُنا امام مجاہد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَاحِد فرماتے ہیں: بنی آدم کے لئے فِرِشتوں میں سے کچھ ہم نشین ہوتے ہیں، جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کا بھلائی کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: تیرے لئے بھی اسی کی مثل ہو اور جب اس کا ذکر برائی کے ساتھ کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: اے وہ ابنِ آدم جس کے عیبوں پر پردہ رکھا گیا ہے رک جا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کر کہ جس نے تیرے عیبوں کو چھپایا ہے۔

یہ تعریف کی خرابیاں تھیں۔

دوسری فصل: ممدوح پر لازم اُمور

جان لیجئے کہ ممدوح پر لازم ہے کہ وہ تکبر، خود پسندی اور اعمال میں سستی جیسی خرابیوں سے بہت زیادہ

---

[1] ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر الشفاعۃ، ۴/ ۵۲۲، حدیث: ۴۳۰۸

[2] ...مسلم، کتاب الجنائز، باب فیمن یثنی علیہ خیر... الخ، ص ۴۷۳، حدیث: ۹۴۹

بچے اور ان سے نَجات اسی صورت میں پا سکتا ہے جب وہ اپنے آپ کو پہچانے اور خاتمہ کی ہولناکی، ریا کی باریکیوں اور اعمال کی آفات میں غور کرے کیونکہ وہ اپنے اندر موجود ان باتوں کو جانتا ہے جن سے تعریف کرنے والا واقف نہیں، اگر اس کی تمام پوشیدہ باتیں اور دلی خیالات تعریف کرنے والے کے سامنے ظاہر ہو جائیں تو ضرور وہ تعریف نہ کرے، لہٰذا اس پر لازم ہے کہ تعریف کرنے والے کو ذلیل و رُسوا کر کے تعریف کی ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔ چنانچہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فرمان میں اسی کی طرف اشارہ ہے: "اُحْثُوا التُّرَابَ فِیْ وُجُوْہِ الْمَدَّاحِیْنَ یعنی بکثرت تعریف کرنے والوں کے مونہوں میں مٹی ڈالو۔" (1)

حضرت سیِّدُنا سُفیان بن عُیَیْنَہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جو خود کو پہچان لیتا ہے تعریف اسے نقصان نہیں دیتی۔

تعریف کئے جانے پر بزرگانِ دین کا طرزِ عمل:

ایک نیک شخص کی تعریف کی گئی تو اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! یہ لوگ مجھے نہیں پہچانتے مگر تو مجھے جانتا ہے۔

ایک بُزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی تعریف کی گئی تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تیرا یہ بندہ تیری ناراضی کے ذریعے میری قُربت چاہتا ہے اور میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں اس سے ناخوش ہوں۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی تعریف کی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میری جن خطاؤں سے یہ لوگ واقف نہیں انہیں بخش دے، جو کچھ یہ میری تعریف میں کہتے ہیں اس پر میری پکڑ نہ فرمانا اور مجھے ان کے گمانوں سے بہتر بنا دے۔

ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا: کیا تو مجھے اور اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔

ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی ان کے سامنے تعریف

---

1 ...مسلم، کتاب الزھد، باب النھی عن المدح... الخ، ص۱۵۹۹، حدیث: ۳۰۰۲

کی اور آپ تک یہ بات پہنچ چکی تھی کہ یہ آپ کی برائیاں کرتا ہے تو آپ نے فرمایا: جو بات تیری زبان پر ہے میں اس سے کم ہوں اور جو تیرے دل میں ہے اس سے بڑھ کر ہوں۔

آفت نمبر19: دورانِ گفتگو ہونے والی خطاؤں سے غفلت

دورانِ گفتگو باریک غلطیوں سے غفلت برتنا بھی ایک آفت ہے بالخصوص ان باتوں میں جن کا تعلُّق اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات اور اُمورِ دین سے ہو۔ اُمورِ دین سے مُتَعَلِّق صحیح اَلفاظ کی ادائیگی پر فَصِیْحُ اللِّسان عُلَما ہی قدرت رکھتے ہیں اور جو علم یا فصاحت میں کامل نہ ہو اس کا کلام لَغْزِش سے خالی نہیں ہوتا لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی جہالت کے سبب اسے معاف فرمادیتا ہے۔

کلام میں باریک خطا کی مثال:

اس کی مثال حضرت سیِّدُنا حُذَیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی روایت ہے کہ تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نبوت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ مَا شَآءَ اللّٰہُ وَشِئْتُ وَلٰکِنْ لِیَقُلْ مَا شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ مَا شِئْتُ یعنی تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے چاہا اور میں نے چاہا بلکہ یوں کہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے چاہا پھر میں نے چاہا۔[1]

کیونکہ عَطْفِ مُطْلَق (جو کہ واؤ کے ساتھ ہوتا ہے اس) میں شراکت اور برابری ہوتی ہے اور یہ مقام رُبُوبِیَّت کے احترام کے خلاف ہے۔

کیا مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے برابر ٹھہراتے ہو؟

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور کسی معاملے میں گفتگو کرتے ہوئے کہنے لگا: "مَا شَآءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ یعنی جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آپ چاہیں۔" تو آپ نے فرمایا: کیا تم مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے برابر ٹھہراتے ہو! صرف مَا شَآءَ اللّٰہ کہو۔[2]

---

1 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب لایقال خبثت نفسی، ۴/ ۳۸۳، حدیث: ۴۹۸۰

2 ...سنن الکبری للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، ۶/ ۲۴۵، حدیث: ۱۰۸۲۵

خطبہ پڑھنے والے کی اصلاح:

ایک شخص نے سرکارِ مدینہ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کے سامنے خطبہ پڑھتے ہوئے کہا: "مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى یعنی جس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا۔" تو رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ یوں کہو: "وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ غَوٰى یعنی جس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا۔"[1]

رسولُ اللہ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے "وَمَنْ يَّعْصِهِمَا" کو ناپسند فرمایا[2] کیونکہ اس میں برابری اور جمع ہے۔

کلام میں باریک خطا کی مزید مثالیں:

حضرت سیِّدُنا ابراہیم نَخَعِی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص کہے: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَبِكَ یعنی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اور تمہاری پناہ چاہتا ہوں۔" اس طرح کہنے کو جائز سمجھتے تھے: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ یعنی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتا ہوں پھر تمہاری پناہ چاہتا ہوں۔" اور یوں کہنے کو جائز سمجھتے تھے: "لَوْلَا اللّٰهُ ثُمَّ فُلَانٌ" اور یوں کہنا درست نہیں سمجھتے تھے: "لَوْلَا اللّٰهُ وَفُلَانٌ۔"

بعض بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللهُ الْمُبِیْن نے اس طرح دعا کرنے کو ناپسند فرمایا: "اَللّٰهُمَّ اَعْتِقْنَا مِنَ النَّار یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! ہمیں نارِ جہنم سے آزاد کر دے۔" اس کی توجیہ یہ ہے کہ آزادی تو نارِ جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہوتی ہے لہٰذا یہ حضرات نارِ جہنم ہی سے پناہ مانگتے تھے[3]۔

---

[1]... مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة، ص ۴۳۲، حدیث: ۸۷۰

[2]... اس بارے میں علما کا اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ یہ اسلام کی ابتدا میں تھا پھر جب اسلام پھیل گیا اور ایمان کا نور مکمل ہو گیا تو اس کی اجازت دے دی گئی جیسا کہ اسے شفاء شریف کے شارحین نے ذکر کیا ہے اور اس بارے میں بعض علما فرماتے ہیں کہ یہ کہنا شاید زیادہ درست ہو کہ دو کریم ناموں کو ذکر نہ کرنا غیر مناسب ہے اگرچہ مقامِ اختصار کے طور پر ضمیر کا تقاضا کرے اور اسی وجہ سے قرآن پاک میں کثیر مقامات میں اس طرح آیا ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (اتحاف السادة المتقین، ۹/ ۳۷۰)

[3]... علامہ سیِّد محمد بن محمد حسینی مرتضٰی زَبِیدی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْوَلِی فرماتے ہیں: یہ بھی باریک خطاؤں میں سے ہے، اگر کہنے والا عتق سے مراد عصمت اور حفاظت مراد لے تو میری نظر میں کوئی حرج نہیں اور بغیر کسی انکار کے اس طرح کے الفاظ کے ساتھ دعا کرنا مشہور ہے۔ (اتحاف السادة المتقین، ۹/ ۳۷۱)

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شفاعت گناہ گاروں کے لئے ہوگی:

ایک شخص نے اس طرح دعا کی: "اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دے جنہیں محمد مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شفاعت نصیب ہوگی۔" حضرت سَیِّدُنا حذیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ (کامل) مؤمنین کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا اور حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شفاعت گناہ گار مسلمانوں کے لئے ہوگی۔

بتا کیا میں نے اسے گدھا بنایا تھا؟

حضرت سَیِّدُنا ابراہیم نَخَعِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص کسی کو گدھا یا خنزیر کہہ کر پکارے گا تو بروز قیامت اس سے پوچھا جائے گا: بتا کیا میں نے اسے گدھا بنایا تھا، بتا کیا میں نے اسے خنزیر پیدا کیا تھا۔

کُتّے کے ذریعے شرک:

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ تم لوگ شرک کرتے ہو حتّٰی کہ کوئی اپنے کتے کے ذریعے بھی شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: اگر یہ کتا نہ ہوتا تو ہمارے ہاں رات کو چوری ہو گئی ہوتی۔

قسم اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے نام کی کھانی چاہئے:

امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْھٰی کُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَآئِکُمْ مَنْ کَانَ حَالِفًا فَلْیَحْلِفْ بِاللّٰہِ اَوْ لِیَصْمُتْ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ اپنے آبا کے نام کی قسم کھاؤ، جس شخص کو قسم کھانی ہو اسے چاہئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نام کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔[1]

امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں نے اس ارشاد مبارک کو سننے کے بعد کبھی باپ دادا کے نام کی قسم نہیں کھائی۔

---

[1] ... بخاری، کتاب الادب، باب من لم یر اکفار... الخ، ۴/ ۱۲۸، حدیث: ۶۱۰۸

انگور کو "کَرْم" نہ کہو:

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْکَرْمَ فَاِنَّ الْکَرْمَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ یعنی انگور کو کَرْم نہ کہو کہ کرم تو مسلمان آدمی ہے[1]۔[2]

سب اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے بندے ہیں:

حضرت سَیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ میٹھے میٹھے آقا، مکی مدنی مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص غلام کو "عَبْدِیْ یعنی میرا بندہ" اور لونڈی کو "اَمَتِیْ یعنی میری بندی" نہ کہے، تم سب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بندیاں ہیں بلکہ میرا غلام، میری کنیز، میرا خادم اور میری خادمہ کہا کرو اور مملوک (یعنی غلام وکنیز) اپنے آقا کو "رَبِّیْ یا رَبَّتِیْ" کہہ کر نہ پکاریں بلکہ "سَیِّدِیْ یا سَیِّدَتِیْ" کہا کریں، تم سب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندے ہو اور ربّ تعالٰی پاک اور برتر ہے۔[3]

فاسق کو سردار نہ کہو:

مُحْسِنِ کائنات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَا تَقُوْلُوْا لِلْفَاسِقِ سَیِّدَنَا فَاِنَّہٗ اِنْ یَّکُنْ سَیِّدُکُمْ فَقَدْ اَسْخَطْتُمْ رَبَّکُمْ یعنی فاسق کے لئے سَیِّدُنا (یعنی ہمارا سردار) نہ کہو، اگر وہ تمہارا سردار ہوا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔[4]

---

1 ... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد6، صفحہ 413 پر اس کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: "اہل عرب انگور کو اس لیے کرم کہتے تھے کہ اس سے شراب بنتی ہے شراب پی کر انسان نشہ میں بہت سخی بن جاتا ہے کہ اپنا مال جائز ناجائز جگہ خوب اُڑاتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انگور شراب کی اصل ہے اور شراب کرم وسخاوت کی اصل لہٰذا انگور گویا سراپا کرم وسخاوت ہے۔ جب شراب حرام کی گئی تو انگور کو کرم کہنے سے بھی منع کر دیا گیا اور فرمایا گیا کہ کرم تو مومن کا قلب یا خود مومن، تم ایسا اچھا نام ایسی خبیث چیز کو کیوں دیتے ہو۔ عربی میں اچھی زمین، انگور، حج، جہاد سب کو کرم کہتے ہیں۔" کچھ آگے مزید فرماتے ہیں: "بہر حال یہ ممانعت یا محض تنزیہی ہے یا منسوخ ہے۔"

2 ... مسلم، کتاب الالفاظ من الادب وغیرھا، باب النھی عن سب الدھر، ص۱۲۳۵، حدیث: ۲۲۴۷

3 ... مسلم، کتاب الالفاظ من الادب وغیرھا، باب حکم اطلاق لفظۃ العبد... الخ، ص۱۲۳۵، حدیث: ۲۲۴۹

4 ... سنن ابی داود، کتاب الادب، باب لا یقول المملوک ربی وربتی، ۴/ ۳۸۳، حدیث: ۴۹۷۷

زبان کی بے احتیاطی:

تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نبوت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: جس شخص نے کہا کہ (اگر میں نے ایسا کیا یا ایسا کروں تو) میں اسلام سے بَری ہوں، اگر وہ سچا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا[1] اور اگر جھوٹا ہے تو وہ اسلام کی طرف ہرگز صحیح سالم نہیں لوٹے گا[2]۔

یہ اور اس جیسی دیگر خطائیں جنہیں شمار نہیں کیا جاسکتا کلام میں شامل ہو جاتی ہیں۔ جو شخص ان تمام باتوں میں غور کرے جو ہم نے زبان کی آفات کے سلسلے میں ذکر کی ہیں تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ جب وہ اپنی زبان کو آزاد چھوڑے گا تو زبان کی آفات سے محفوظ نہیں رہ سکے گا اور اس وقت وہ رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس ارشادِ گرامی کے راز کو پہچان لے گا "جو چپ رہا اس نے نجات پائی"[3] کیونکہ یہ تمام آفات ہلاکت و بربادی کا باعث ہیں اور یہ آفات کلام کرنے والے کی راہ میں موجود ہیں تو اگر وہ خاموش رہے گا تو تمام آفات سے محفوظ رہے گا، اگر بولے گا اور گفتگو کرے گا تو اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دے گا سوائے یہ کہ اُسے فصیح زبان، وسیع علم، حفاظت کرنے والی پرہیزگاری اور دائمی مُراقَبہ حاصل

---

1 ... مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد5، صفحہ 200 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: یہ فرمان انتہائی ڈرانے کیلئے ہے جیسے فرمایا گیا جو نماز چھوڑے اس نے کفر کیا، مطلب یہ ہے کہ اس قسم میں اس کے کفر کا اندیشہ ہے، خیال رہے کہ اگر گزشتہ پر یہ قسم کھائی ہے تو (یہ غموس قسم ہے) صرف گناہ ہو گا کفارہ نہ ہو گا کیونکہ غموس قسم میں کفارہ نہیں ہوتا۔ اگر آئندہ پر یہ الفاظ بولے کہ اگر میں یہ کام کروں تو اسلام سے بیزار و بری ہو جاؤں اگر حلال کو حرام کرنے کیلئے کہا ہے تو قسم ہو جائے گی کہ تحریم حلال قسم ہے۔

2 ... مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد5، صفحہ 200 پر اس کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: یعنی اگر اپنے کو سچا سمجھ کر یہ کلمات کہے اور واقعہ تھا وہ جھوٹا تب بھی اس نے بڑا گناہ کیا، مثلاً اس نے کہا کہ اگر میں نے فلاں سے بات کی ہو تو میں اسلام سے دور ہو جاؤں، اُسے خیال تھا کہ میں نے بات نہیں کی مگر کی تھی، تب بھی اس کلمہ میں گناہ ہے کہ اس نے اسلام کو معمولی دیکھا سمجھا، یہ ہی حکم ہے یہ کہنے کا میں نماز و روزہ حج زکوٰۃ سے بری ہوں، کیونکہ اسلامی احکام کو ہلکا جاننا بات بات پر ان سے بیزاری کا اظہار کرنا بڑا ہی خطرناک ہے۔

"(اگر کسی نے) یہودی (یا نصرانی) ہونے کی قسم کھائی تو یہودی (و نصرانی) ہو گیا۔" (بہار شریعت، ۲/ ۳۰۱، حصہ ۹)

3 ... سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، ۴/ ۲۲۵، حدیث: ۲۵۰۹

ہو اور گفتگو کم کرتا ہو تو اُس وقت اس کے محفوظ رہنے کی امید ہے اور اِن تمام چیزوں کے حاصل ہونے کے باوجود وہ مسلسل خطرے میں ہے۔ تو اگر تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو سکتے جو بول کر فائدہ اٹھاتے ہیں تو اُن لوگوں میں سے ہو جاؤ جو خاموش رہ کر سلامت رہتے ہیں کیونکہ سلامتی بھی دو فائدوں میں سے ایک ہے۔

آفت نمبر 20: صفات باری تعالٰی کے متعلق عوام کا سوال کرنا

عام انسان علمی بحث میں پڑ کر کفر بک دیتا ہے:

عوام کا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صفات، اس کے کلام اور حروف کے بارے میں سوال کرنا اور یہ پوچھنا کہ یہ صفات قدیم ہیں یا حادث؟ یہ بھی ایک آفت ہے حالانکہ عوام کے لائق یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے میں مشغول رہیں لیکن دلوں پر یہ بات شاق گزرتی ہے اور فُضُول باتوں سے دلوں کو لذت حاصل ہوتی ہے اور عام انسان علمی بحث میں پڑنے سے خوش ہوتا ہے کیونکہ شیطان اس کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تو علما اور اہل فضل میں سے ہے اور اس کے دل میں اس کی محبت ڈالتا رہتا ہے حتّٰی کہ وہ علمی بحث میں پڑ کر کفر بک دیتا ہے اور اسے اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔ عام انسان کے لئے علمی بحث کرنے کے مقابلے میں کبیرہ گناہ کرنے میں زیادہ بچت ہے خاص طور پر وہ بحثیں کہ جن کا تعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات سے ہے۔

عوام کا کام سننا اور عمل کرنا ہے:

عوام کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ بحث کئے بغیر عبادت میں مشغول رہیں جو کچھ قرآن میں ہے اس پر ایمان لائیں اور جو باتیں انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام لے کر آئے انہیں تسلیم کریں اور عبادت سے تعلق نہ رکھنے والے امور کے بارے ان کا سوال کرنا بے ادبی ہے، اس سے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کے مستحق ہوتے ہیں اور کُفر کے خطرے میں جا پڑتے ہیں اور یہ اسی طرح ہے کہ چوپایوں کی رکھوالی کرنے والے بادشاہوں کے رازوں کے بارے میں سوال کریں حالانکہ یہ سوال ان کے لئے سزا کا باعث بن جائے گا اور ہر وہ شخص جو دقائق (مسائل کی باریکیوں) کے بارے میں سوال کرے حالانکہ اس کی سمجھ اس دَرَجے کو نہیں پہنچی ہو تو وہ قابلِ مَذمّت ہے کیونکہ وہ اس اعتبار سے ایک عام انسان ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”میں تمہیں جس میں آزادی دوں مجھے چھوڑے رکھو کیونکہ تم سے اگلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ سوالات اور زیادہ جھگڑنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے، لہٰذا جب میں تمہیں کسی کام سے منع کردوں تو اسے چھوڑ دو اور جب کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو جہاں تک ہوسکے اسے بجالاؤ۔“[1]

فضول سوالات کی ممانعت:

حضرت سیِّدُنا اَنَس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن لوگوں نے سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بکثرت سوالات کئے حتّٰی کہ چہرۂ اَقدس پر ناگواری کے آثار دیکھے گئے۔ چنانچہ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا: ”سَلُوْنِیْ وَلَا تَسْاَلُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا اَنْبَاْتُکُمْ بِہٖ یعنی مجھ سے سوالات کرواتم جس چیز کے بارے میں پوچھوگے میں تمہیں اس کی خبر دوں گا۔“ ایک شخص نے کھڑے ہوکر دریافت کیا: ”یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرا باپ کون ہے؟“ فرمایا: ”تمہارا باپ حُذافہ ہے۔“ پھر دو نوجوان بھائی اٹھے اور عرض کی: ”یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہمارا باپ کون ہے؟“ ارشاد فرمایا: ”تمہارا باپ وہی ہے جس کی طرف تم منسوب ہو۔“ پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا اور عرض کی: ”یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں؟“ ارشاد فرمایا: ”نہیں! بلکہ تم دوزخ میں جاؤ گے۔“ جب لوگوں نے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی جلالت کو ملاحظہ کیا تو خاموش ہوگئے، پھر حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے کھڑے ہوکر عرض کی: ”ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔“ ارشاد فرمایا: ”اے عمر! بیٹھ جاؤ، اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر رحم فرمائے! تمہیں توفیق دی گئی ہے۔“[2]

حدیثِ پاک میں ہے کہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قیل و قال (یعنی بحث و مباحثہ کرنے)، مال ضائع کرنے اور زیادہ سوالات کرنے سے منع فرمایا۔[3]

---

(1) ...مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر، ص۶۹۸، حدیث: ۱۳۳۷

(2) ...مسلم، کتاب الفضائل، باب توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم وترک اکثار... الخ، ص۱۲۸۵، حدیث: ۲۳۶۰ باختصار

(3) ...بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال... الخ، ۴/ ۵۰۳، حدیث: ۷۲۹۲

شیطان مردود سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ:

تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نبوت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: عنقریب لوگ ایک دوسرے سے سوالات کریں گے حتّٰی کہ کہیں گے: مخلوق کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پیدا کیا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جب وہ یہ بات کہیں تو تم کہو:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۠﴿۴﴾ (پ۳۰، الاخلاص: ۱تا۴)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔

پھر تم میں سے کوئی اپنے بائیں طرف تین مرتبہ تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگے۔[1]

حضرت سَیِّدُنا جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: آیت مُتَلَاعِنِیْن[2] صرف کثرت سوال کی وجہ سے نازل ہوئی۔

سوال کرنے میں جلدی نہ کی جائے:

حضرت سَیِّدُنا موسٰی اور حضرت سَیِّدُنا خضر عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ السَّلَام کے واقعہ میں اس بات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے کہ سوال کرنے میں جلدی نہ کی جائے کیونکہ حضرت سَیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام نے حضرت سَیِّدُنا موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام سے کہا تھا:

فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْــٴَـلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۠﴿۷۰﴾ (پ۱۵، الکھف: ۷۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اگر آپ میرے ساتھ رہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کو نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں۔

---

1 ... مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الوسوسۃ فی الایمان... الخ، ص۸۱، حدیث: ۱۳۴ باختصار

2 ... آیت "مُتَلَاعِنِیْن" سے سورۂ نور کی یہ چار آیتیں مراد ہیں: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۶﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۷﴾ وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۙ﴿۸﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۹﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو اپنی عورتوں کو عیب لگائیں اور ان کے پاس اپنے بیان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کے نام سے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹا ہو اور عورت سے یوں سزا ٹل جائے گی کہ وہ اللہ کا نام لے کر چار بار گواہی دے کہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں یوں کہ عورت پر غضب اللہ کا اگر مرد سچا ہو۔ (پ۱۸، النور: ۶تا۹)

جب حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے کشتی توڑنے سے متعلق سوال کیا تو حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام کو ناگوار گزرا حتّٰی کہ حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے معذرت کرتے ہوئے کہا:

لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ (پ۱۵، الکھف: ۷۳)

ترجمۂ کنزالایمان: مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو اور مجھ پر میرے کام میں مشکل نہ ڈالو۔

پھر جب حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام سے صبر نہ ہوا حتّٰی کہ آپ نے تین مرتبہ سوال کر لیا تو حضرت سیِّدُنا خضر عَلَیْہِ السَّلَام نے کہا:

هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَ ۚ (پ۱۶، الکھف: ۷۸)

ترجمۂ کنزالایمان: یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔

یہ کہہ کر آپ سے جدائی اختیار کر لی۔

معلوم ہوا کہ عوام کا دین کے باریک مسائل کے بارے میں سوال کرنا بہت بڑی آفت ہے اور اس سے کئی فتنے پیدا ہو سکتے ہیں، لہٰذا عوام کو اس سے روکنا اور منع کرنا واجب ہے۔ قرآنی حروف کے حادث و قدیم ہونے کے بارے میں عوام کا مشغول ہونا ایسے ہی ہے جیسے بادشاہ کسی شخص کی طرف کوئی خط لکھے اور اس کے لئے اس میں چند امور بیان کرے تو وہ ان پر عمل کرنے کے بجائے اس بات پر اپنا وقت ضائع کر دے کہ اس خط کا کاغذ پرانا ہے یا نیا تو ایسا آدمی یقیناً سزا کا مستحق ہوگا اسی طرح عام آدمی کا معاملہ ہے کہ جب وہ قرآن کی حدود کو ضائع کرے اور اس کے حروف کے قدیم یا حادث ہونے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی دیگر صفات کے قدیم یا حادث ہونے میں مشغول رہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے "زبان کی آفات کا بیان" مکمل ہوا

❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

﴿ تُوْبُوْا اِلَی اللہ اَسْتَغْفِرُ اللہ ﴾

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

غصہ، کینہ اور حسد کی مذمت کا بیان

(اس میں ایک مقدمہ اور چار ابواب ہیں)

مقدمہ:

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے جس کے عَفْو ودَرْ گُزر اور رحمت پر وہی لوگ بھروسا کرتے ہیں جو رحمت کی امید رکھنے والے ہیں اوراس کے غضب اور دبدبے سے وہی ڈرتے ہیں جو اس کا خوف رکھتے ہیں۔ وہ اپنے بندوں کو آہستہ آہستہ وہاں لے جائے گا جہاں سے اُنہیں خبر نہ ہوگی اور ان پر خواہشات کو مسلَّط کر کے جن خواہشات کو وہ چاہتے ہیں انہیں چھوڑنے کا حکم دیا۔ انہیں غصے میں مبتلا کر کے اس بات کا حکم دیا کہ وہ غصے کی حالت میں غصہ پی جائیں اور انہیں تکالیف اور لذّات میں مبتلا کر کے انہیں اس میں چھوڑے رکھا تاکہ جانچ ہو کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں اور ان کی محبت کا امتحان لیا تاکہ ان کے دعوے کی سچائی ظاہر ہو۔ انہیں یہ بتادیا کہ جو کچھ وہ چھپاتے یا ظاہر کرتے ہیں اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے اور انہیں اس بات سے ڈرایا کہ وہ اچانک انہیں غفلت کی حالت میں پکڑ لے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّ لَاۤ اِلٰۤى اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ (پ۲۳، یٰسٓ: ۴۹، ۵۰)

ترجمۂ کنزالایمان: راہ نہیں دیکھتے مگر ایک چیخ کی کہ انہیں آلے گی جب وہ دنیا کے جھگڑے میں پھنسے ہوں گے تو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر پلٹ کر جائیں۔

اور دُرُود ہو ہمارے سردار حضرت محمد صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم پر جو ایسے رسول ہیں جن کے جھنڈے تلے بروزِ قیامت تمام انبیائے کرام عَلَيْهِمُ السَّلَام ہوں گے اور ان کی آل واصحاب پر جو ہدایت کے چراغ اور پسندیدہ قائد ہیں اِن پر تمام اگلی پچھلی مخلوق کی تعداد کے برابر درود اور خوب سلام ہو اور اِن کی بَرَکت سے تمام اَوَّلین وآخِرین کو بلند مقام نصیب ہو۔

غصہ دلوں پر چڑھنے والی بھڑکتی آگ کا ایک شُعلہ ہے جو دل کے اندر اس طرح چُھپا ہوتا ہے جس طرح راکھ کے نیچے چنگاری ہوتی ہے۔ یہ غصہ ہر ہٹ دھرم سرکش کے دل میں چُھپے تکبُّر کو اس طرح باہر نکالتا ہے

جس طرح پتھر لوہے سے آگ نکالتا ہے۔ اربابِ نظر و اہلِ مُکاشَفہ نے نورِ یقین سے اس بات کو جان لیا ہے کہ انسان کی ایک رگ کا سلسلہ شیطان لعین تک دراز ہے پس جس شخص پر غصے کی آگ غالب ہوئی یقیناً شیطان سے اس کی قربت بھی مضبوط ہو گئی ہے کیونکہ شیطان ہی نے کہا تھا:

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ترجمۂ کنزالایمان: تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اُسے مٹی سے بنایا۔

(پ۸، الاعراف: ۱۲)

مٹی کی شان سُکون اور وقار ہے جبکہ آگ کی خاصیت بھڑک اٹھنا اور حرکت واضطراب ہے اور غصے کا نتیجہ کینہ وحسد ہیں۔ ان کے سبب جس نے ہلاک ہونا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور جس نے خراب ہونا ہے وہ خراب ہو جاتا ہے اور ان دونوں کا مرکز گوشت کی ایک بوٹی ہے جب وہ ٹھیک ہوتی ہے تو جسم کے تمام اعضاء ٹھیک ہوتے ہیں۔ کینہ، حَسَد اور غُصّہ ان کاموں میں سے ہیں جو انسان کو ہلاکت کے مقامات کی طرف لے جاتے ہیں، لہٰذا ہلاکت کے مقامات سے واقِفِیَّت ضروری ہے تاکہ ان سے ڈرے اور بچے اور اگر یہ باتیں دل میں پیدا ہو گئی ہیں تو انہیں دل سے دور کرے اور اگر دل میں راسخ ہو گئی ہیں تو دَوا سے ان کا علاج کرے کیونکہ جو شَر کو نہیں پہچانتا وہ اس میں پڑ جاتا ہے اور اگر کوئی پہچانتا تو ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ کس طریقے سے شر کو دور کیا جائے تو یہ اس کے لئے کافی نہیں۔

ہم اس باب میں غصے کی مَذمّت اور کینہ وحَسَد کی آفات کے مُتَعَلِّق دَرج ذیل امور بیان کریں گے: (۱)...غصہ کی مذمت۔ (۲)...غصہ کی حقیقت۔ (۳)...رِیاضت کے ذریعے مکمل طور پر غصے کا ازالہ ممکن ہے یا نہیں؟ (۴)...غصہ دلانے والے امور۔ (۵)...غصہ کے وقت اس کا عِلاج۔ (۶)...غُصّہ پی جانے کی فضیلت۔ (۷)...تحمُّل مزاجی کی فضیلت۔ (۸)...انتقام اور تَشَفِّی کے لئے جائز کلام کی مقدار۔ (۹)...کینہ اور اس کے نتائج۔ (۱۰)...عَفْو ودَرْ گُزر اور نرمی برتنے کی فضیلت۔ (۱۱)...حَسَد کی مذمت۔ (۱۲)...حَسَد کی حقیقت، اسباب اور علاج نیز اس کا ازالہ کس قدر ضروری ہے۔ (۱۳)...دوست اَحباب، بھائیوں، چچازاد بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں سے زیادہ حَسَد کرنے کی وجہ۔ (۱۴)...(ان کے مقابلے میں) دوسروں سے کم حَسَد ہونے کی وجہ۔ (۱۵)...دل سے حسد کی بیماری کو دُور کرنے کی دوا۔ (۱۶)...دل سے حسد کو دور کرنا کس قدر ضروری ہے؟

باب نمبر1: **غصہ کا بیان** (اس میں پانچ فصلیں ہیں)

پہلی فصل: **غصہ کی مذمّت کا بیان**

اللہ عَزَّوَجَلَّ قرآن مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَاؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۠ (۲۶) (پ۲۶، الفتح: ۲۶)

ترجمۂ کنزالایمان: جب کہ کافروں نے اپنے دلوں میں اَڑ (ضد) رکھی وہی زمانۂ جاہلیت کی اَڑ تو اللہ نے اپنا اطمینان اپنے رسول اور ایمان والوں پر اتارا اور پرہیز گاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اس کے اہل تھے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کفارِ مکہ کی مذمت بیان کی کہ انہوں نے باطل غصے کی بنیاد پر جاہلیت کی حَمِیَّت (غیرت) کا مظاہرہ کیا جبکہ مسلمانوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان پر سکون اور وقار اتارا۔

غصہ کی مَذَمَّت میں 10 فرامینِ مصطفےٰ:

﴿1﴾... ایک شخص نے رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے کوئی مختصر عمل بتائیے؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”لَا تَغْضَبْ یعنی غصہ نہ کیا کرو۔“ اس نے دوبارہ یہی سوال کیا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”لَا تَغْضَبْ یعنی غصہ نہ کیا کرو۔“[1]

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: مجھے کوئی مختصر بات بتائیے تاکہ میں اسے سمجھ سکوں۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔ میں نے پھر یہی سوال کیا لیکن آپ نے دوبارہ یہی فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔[2]

1 ... بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، ۴/ ۱۳۱، حدیث: ۶۱۱۶

2 ... المسند للامام احمد بن حنبل، احادیث رجال من اصحاب النبی، ۹/ ۵۰، حدیث: ۲۳۱۹۸

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا ابن عمرو رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا فرماتے ہیں: میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب سے مجھے کیا چیز بچا سکتی ہے؟ آپ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔[1]

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه فرماتے ہیں: حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہم سے پوچھا تم پہلوان کسے سمجھتے ہو؟ ہم نے عرض کی: جسے لوگ پچھاڑ نہ سکیں۔ آپ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: وہ پہلوان نہیں بلکہ پہلوان وہ شخص ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔[2]

﴿5﴾... کسی کو پچھاڑ دینے والا بہادر نہیں ہوتا بلکہ بہادر تو وہ ہوتا ہے جو غصے کے وقت خود کو قابو میں رکھے۔[3]

﴿6﴾... جو شخص اپنے غصے پر قابو پاتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا عیب چھپاتا ہے۔[4]

حضرت سیِّدُنا سلیمان بن داود عَلَیْہِمَا السَّلَام نے ارشاد فرمایا: اے بیٹے! زیادہ غصہ کرنے سے بچو کیونکہ زیادہ غصہ بُردبار آدمی کے دل کو ہلکا کر دیتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا عِکرِمہ رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه اس آیتِ مقدسہ:

وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا (پ۳، اٰل عمرٰن: ۳۹) ترجمۂ کنزالایمان: اور سردار اور ہمیشہ کے لئے عورتوں سے بچنے والا۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "سیِّد" سے مراد وہ ہے جس پر غصہ غالب نہ آئے۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا ابو دَرداء رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه فرماتے ہیں: میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت میں لے جائے۔ آپ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔[5]

حضرت سیِّدُنا یحییٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللهِ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے

---

1 ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو، ۲/ ۵۸۷، حدیث: ۶۶۴۶
2 ... مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب قبح الکذب... الخ، حدیث: ۲۶۰۸، ص ۱۴۰۶
3 ... بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، ۴/ ۱۳۰، حدیث: ۶۱۱۴
4 ... المعجم الکبیر، ۱۲/ ۳۴۷، حدیث: ۱۳۶۴۶
5 ... المعجم الاوسط، ۲/ ۲۰، حدیث: ۲۳۵۳

فرمایا: غصہ نہ کرو۔ انہوں نے فرمایا: مجھے اس کی طاقت نہیں کہ میں انسان ہونے کے باوجود غصہ نہ کروں۔ فرمایا: مال کے فتنے میں نہ پڑو۔ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: یہ ممکن ہے۔

﴿8﴾... غصہ ایمان کو یوں خراب کر دیتا ہے جیسے ایلوا (ایک کڑوے درخت کا جما ہوا رس) شہد کو خراب کر دیتا ہے۔[1]

﴿9﴾... جو شخص غصہ کرتا ہے وہ جہنّم کے کنارے پر جا پہنچتا ہے۔[2]

﴿10﴾... ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: کون سی چیز زیادہ سخت ہے؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کا غضب۔ عرض کی: مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب سے کیا چیز بچا سکتی ہے؟ فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔[3]

حسد کی مَذمَّت میں فرامین بزرگانِ دین:

حضرت سیِّدُنا حَسَن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: اے ابنِ آدم! جب تُو غصہ کرتا ہے تو اُچھلتا ہے قریب ہے کہ کہیں تو ایسی چھلانگ نہ لگا بیٹھے جو تجھے جہنم میں پہنچا دے۔

حضرت سیِّدُنا ذُوالقَرنَین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی ایک فِرِشتے سے ملاقات ہوئی تو اس سے کہا: مجھے کوئی ایسی بات بتاؤ جس سے میرے ایمان اور یقین میں اضافہ ہو۔ فرشتے نے کہا: غصہ نہ کیا کرو کیونکہ شیطان غصہ کے وقت انسان پر سب سے زیادہ غالب ہوتا ہے، لہٰذا غصے کے بدلے عَفْو و دَرْ گُزر سے کام لیا کرو اور وقار کے ساتھ غصہ ٹھنڈا کیا کرو اور جلد بازی سے بچتے رہو کیونکہ جب آپ جلد بازی سے کام لیں گے تو اپنا حصہ گنوا بیٹھیں گے، اَقرِبا اور دیگر لوگوں کے لئے نرمی و آسانی مُہیّا کرنے والے بن جاؤ، عناد رکھنے والے اور ظالم نہ بنو۔

حکایت: ایک راہب اور شیطان

حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ایک راہب اپنی عبادت گاہ میں مصروفِ عبادت تھا شیطان نے اسے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن ناکام رہا، پھر اس نے راہب کو عبادت گاہ کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا مگر پھر بھی راہب خاموش رہا، شیطان نے اس سے کہا: اگر میں چلا گیا تو تجھے بہت افسوس ہوگا۔ راہب پھر بھی

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۳۱۱، حدیث: ۸۲۹۴

[2] ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۳۲۰، حدیث: ۸۳۳۱ بتغیر

[3] ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ما جاء فی فضل الحلم... الخ، ص ۱۶۲، حدیث: ۳۴۲

خاموش رہا، یہاں تک کہ شیطان نے کہا: میں مسیح (یعنی عیسٰی) ہوں۔ راہب نے جواب دیا: اگر آپ مسیح ہیں تو میں کیا کروں؟ کیا آپ نے ہی ہمیں عبادت میں کوشش کرنے کا حکم نہیں دیا؟ اور کیا آپ نے ہم سے قیامت کا وعدہ نہیں کیا؟ آج اگر آپ ہمارے پاس کوئی اور چیز لے کر آئے ہیں (جو پہلی باتوں کے خلاف اور ظاہر شریعت کے معارض ہو) تو ہم آپ کی بات ہرگز نہ مانیں گے۔ بالآخر شیطان نے کہا: میں شیطان ہوں اور تجھے گمراہ کرنے آیا تھا مگر نہ کر سکا۔ اس کے بعد شیطان نے راہب سے کہا: تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں چاہو سوال کر سکتے ہو۔ راہب نے کہا: میں تجھ سے کچھ نہیں پوچھنا چاہتا۔ جب شیطان منہ پھیر کر جانے لگا تو راہب نے اس سے کہا: کیا تو سن رہا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! کیوں نہیں۔ تو راہب نے اس سے پوچھا: مجھے انسان کی اس عادت کے بارے میں بتا جو اس کے خلاف تیری مددگار ہے۔ شیطان بولا: وہ غصہ ہے، آدمی جب غصہ میں ہوتا ہے تو میں اسے اس طرح اُلٹ پلٹ کرتا ہوں جیسے بچے گیند کو اُلٹ پلٹ کرتے ہیں۔

انسان پر شیطان کب غالب آتا ہے؟

حضرت سیِّدُنا خَیثَمَہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: شیطان کہتا ہے انسان مجھ پر کیسے غالب آسکتا ہے جب وہ خوشی کی حالت میں ہوتا ہے تو میں اس کے دل میں چلا جاتا ہوں اور جب وہ غصے کی حالت میں ہوتا ہے تو میں اُڑ کر اس کے سر میں چلا جاتا ہوں۔

حماقت کی اصل اور برائی کی چابی غصہ ہے:

حضرت سیِّدُنا جعفر بن محمد رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: غصہ ہر بُرائی کی چابی ہے۔

ایک انصاری کا قول ہے: گرم مزاج ہونا حماقت کی اصل ہے اور غصہ اس کا راہ نُما ہے اور جو جہالت پر راضی ہوتا ہے وہ بردباری سے محروم رہتا ہے حالانکہ بُردباری زینت اور نَفْع کا سبب ہے جبکہ جہالت عیب اور نقصان کا سبب ہے نیز احمق کی بات کے جواب میں خاموش رہنا ہی اس کا جواب ہے۔

شیطان کا دعوٰی:

حضرت سیِّدُنا مجاہد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَاحِد فرماتے ہیں کہ اِبلیس کہتا ہے: انسان مجھے عاجز نہیں کر سکتا اور تین

چیزوں میں تو بالکل بھی نہیں:(۱)...جب وہ نشے میں ہوتا ہے تو میں اس کے نتھنوں سے پکڑ کر اسے جہاں چاہتا ہوں لے جاتا ہوں پھر وہ میری خاطر ہر وہ کام کرتا ہے جسے میں پسند کرتا ہوں (۲)...جب غصہ میں ہوتا ہے تو ایسی بات کہہ جاتا ہے جسے نہیں جانتا اور ایسا عمل کرتا ہے جس پر بعد میں نادم ہوتا ہے اور (۳)...جب اپنے مال میں بخل کرتا ہے تو میں اسے ایسی اُمیدیں دلاتا ہوں جن پر وہ قدرت نہیں پاتا۔

کسی عقلمند سے کہا گیا: فلاں شخص اپنے نفس پر خوب قابو رکھتا ہے۔ اس نے کہا: ایسی بات ہے تو اسے شہوت رُسوا نہیں کر سکتی، خواہش اسے پچھاڑ نہیں سکتی اور غصہ اس پر غالب نہیں آسکتا۔

غصہ ایمان و عزت کو خراب کر دیتا ہے:

ایک بزرگ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: غصے سے بچو کیونکہ وہ تمہیں معذرت کی ذِلّت تک لے جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ غصے سے بچو کیونکہ یہ ایمان کو یوں خراب کر دیتا ہے جیسے ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

بردباری واَمانت داری کو ایسے پہچانو:

حضرت سیِّدُنا عبدُاللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: آدمی کی بُردباری اس کے غصہ کے وقت اور اس کی اَمانت داری اس کی لالچ کے وقت دیکھو کیونکہ جب وہ غصہ میں نہ ہو تو تمہیں اس کے حِلْم کا کیسے پتہ چلے گا؟ اور جب اسے کسی چیز کی لالچ نہ ہو تو تمہیں اس کی امانت داری کیسے معلوم ہوگی؟

غصہ کی حالت میں سزا مت دو:

حضرت سیِّدُنا عمر بن عبدالعزیز عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ العَزِیْز نے اپنے ایک عامل کو مکتوب بھیجا: غصہ کے وقت کسی کو سزا نہ دو بلکہ اسے قید کر لو اور جب تمہارا غُصّہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس کے جرم کے مطابق سزا دو اور اسے پندرہ سے زیادہ کوڑے مت مارو۔

حضرت سیِّدُنا علی بن زید رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ایک قُرَیشی نے حضرت سیِّدُنا عمر بن عبدالعزیز عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ العَزِیْز سے سخت بدکلامی کی تو آپ دیر تک سر جھکائے رہے پھر ارشاد فرمایا: کیا تو چاہتا ہے کہ شیطان مجھ پر بادشاہی کی عزت کا خیال دلا کر قابو پالے اور میں تیرے ساتھ ایسا سلوک کر بیٹھوں جس کی وجہ سے کل قیامت میں تو مجھ سے بدلہ لے سکے!

غصے سے بچنے میں فلاح ہے:

ایک بزرگ رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! غصے کے وقت عقل ٹھکانے نہیں رہتی جس طرح جلتے تنور میں زندہ آدمی کی رُوح قائم نہیں رہتی۔ لوگوں میں سب سے زیادہ عقل مند وہی ہے جسے سب سے کم غصہ آتا ہے پھر اگر وہ ایسا دنیا کے لئے کرتا ہے تو یہ اس کا مکر و حیلہ ہے اور اگر آخرت کے لئے کرتا ہے تو یہ علم و حکمت ہے۔ کہا گیا ہے: غصہ عقل کا دشمن اور اس کی ہلاکت ہے۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے: جو شخص خواہشات، لالچ اور غصہ سے بچ گیا وہ فَلاح پا گیا۔ منقول ہے: جو اپنی خواہشات اور غصہ کی اطاعت کرے گا تو یہ دونوں اسے جہنّم کی طرف لے جائیں گی۔

مسلمان کی علامتیں:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں کہ مسلمان کی علامتیں یہ ہیں: دین میں مضبوط، نرم مزاجی پر ثابت قدم رہنے والا، یقین کے ساتھ ایمان رکھنے والا، علم رکھنے والا بُردبار، نرمی کے ساتھ دانائی رکھتا ہو، جائز مقام میں خرچ کرتا ہو، مال داری میں مَیانہ روی، فاقہ میں صبر، قدرت کے وقت احسان، دوستی میں تَحَمُّل مزاجی اور تنگی میں صبر کرتا ہو، غصہ اس پر غالب نہ ہو، حَمِیَّت وغیرت کا شکار نہ ہو، خواہش کے آگے مغلوب نہ ہو، اس کا پیٹ اس کے لئے رُسوائی کا باعث نہ ہو، حرص و طمع کی وجہ سے ذلیل نہ ہو، اپنے ارادے میں لاپروانہ ہو، مظلوم کی مدد کرتا اور کمزور پر رحم کھاتا ہو، بخیل ہو نہ فضول خرچ ہو، حد سے بڑھنے والا ہو نہ ہی تنگی کرنے والا ہو، جب اس پر ظُلْم ہو تو مُعاف کر دیتا ہو، جاہل سے دَرگُزر کرتا ہو اور اس کا نفس اس سے تنگ ہو جبکہ لوگ اس سے خوش ہوں۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مبارَک رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے کہا گیا کہ ایک ہی جملے میں اچھے اَخلاق کو بیان کیجئے۔ آپ رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: غصے کو چھوڑ دینا۔

غصہ نہ کرنے پر اعلیٰ مقام:

ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے اُمتیوں سے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو مجھے غصہ نہ کرنے کی ضمانت دے گا وہ

میرا خلیفہ اور میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا۔ ایک نوجوان نے عرض کی: میں ضمانت دیتا ہوں۔ نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی بات دہرائی تو اس نوجوان نے دوبارہ عرض کی: میں ضمانت دیتا ہوں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو وہ نوجوان اُن کے مقام پر فائز ہو گیا۔ وہ نوجوان حضرت سَیِّدُنا ذُوالْکِفْل عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام تھے[1]، ان کا یہ نام اس لئے مقرر ہوا کہ انہوں نے غصہ نہ کھانے کی کفالت (ذمہ داری) اٹھائی اور اسے پورا کیا۔

حضرت سَیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ کفر کے چار اَرکان ہیں: (۱)... غصہ (۲)... شہوت (۳)... بیوقوفی اور (۴)... طمع۔

دوسری فصل: غصّہ کی حقیقت

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جاندار کو اس طرح پیدا فرمایا کہ وہ اپنے بدن کے داخلی اور خارجی اسباب کے لحاظ سے فنا اور ہلاک ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایک ایسی چیز عطا کی ہے جو اسے ایک مقررہ مدت تک فساد اور ہلاکت سے محفوظ رکھتی ہے۔

داخلی سبب یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے حرارت اور رطوبت سے مرکب کیا اور حرارت ورطوبت کے مابین تضاد رکھا، حرارت رَطُوبَت کو تحلیل وخشک کرتی اور اس کے بخارات بناتی رہتی ہے حتّٰی کہ رطوبت کے اجزا بھاپ بن کر بلند ہونے لگتے ہیں اگر تحلیل اور بھاپ بن کر ضائع ہو جانے والی رطوبت کو پورا کرنے کے لئے غذا کی مدد رطوبت کے ساتھ نہ ہو تو انسان ضرور ہلاک ہو جائے۔ لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے غذا کو انسانی

---

[1] ...نبوت وہبی ہے کسبی نہیں۔ چنانچہ دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، جلد اول، حصہ اول، صفحہ 38 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی نقل فرماتے ہیں: نبوّت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت وریاضت کے ذریعہ حاصل کر سکے، بلکہ محض عطائے الٰہی ہے، کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے، ہاں! دیتا اسی کو ہے جسے اس منصبِ عظیم کے قابل بناتا ہے، جو قبلِ حصولِ نبوت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک، اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارجِ ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب وجسم و قول وفعل وحرکات وسکنات میں ہر ایسی بات سے منزّہ ہوتا ہے جو باعثِ نفرت ہو، اُسے عقلِ کامل عطا کی جاتی ہے، جو اوروں کی عقل سے بدرجہا زائد ہے، کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اس کے لاکھویں حصہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ (پ۸، الانعام: ۱۲۴، ترجمۂ کنزالایمان: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے) ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾ (پ۲۷، الحدید: ۲۱، ترجمۂ کنزالایمان: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے) اور جو اسے (نبوت) کو کسبی مانے کہ آدمی اپنے کسب وریاضت سے منصبِ نبوت تک پہنچ سکتا ہے، کافر ہے۔

بدن کے مُوافِق بنایا اور انسان میں ایسی خواہش پیدا کی جو اسے غذا کے حُصُول پر اُبھارتی ہے تاکہ اس کے ذریعے نقصان کا تدارُک ہو اور ہلاکت سے حِفاظت ہو۔

انسان کو جو خارجی اسباب پیش آتے ہیں وہ تلوار، نیزہ اور دیگر مُہلِک ہتھیار ہیں جن سے ہلاکت کا قصد کیا جاتا ہے۔ اب انسان ایک ایسی غیرت اور قوت کا محتاج ہوا جو اس کے باطن سے جوش مار کر نکلے اور ان مُہلِکات کو اس سے دور کر دے۔ چنانچہ

قوتِ غضب کی حقیقت اور اس کا محل:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قوتِ غضب کو آگ سے بنایا ہے اور اسے انسان کے اندر رکھ دیا ہے، اب جب بھی اسے کسی غرض اور مقصد سے روکا جاتا ہے تو اس کے اندر موجود غضب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور جوش میں آجاتی ہے جس کے باعث اس کے دل کا خون کھول اٹھتا ہے اور رگوں میں پھیل جاتا ہے اور بدن کے بالائی حصے کی طرف بلند ہو جاتا ہے جس طرح آگ کی لپٹیں اوپر اٹھتی ہیں یا جیسے ہانڈی کا اُبال اوپر کو اٹھتا ہے۔ لہٰذا وہ چہرے کی طرف بلند ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے آنکھیں اور چہرہ سرخ ہو جاتے ہیں اور چونکہ چہرہ صاف وشفاف ہوتا ہے اس لئے چہرے میں سرخی صاف دکھائی دیتی ہے جیسے شیشے کے گلاس میں کوئی چیز ہو تو باہر سے اس کی رنگت صاف دکھائی دیتی ہے۔ یہ خون کا پھیلنا اس وقت ہوتا ہے جب انسان کو اپنے سے کمزور آدمی پر غصہ آئے اور اسے اس بات کا علم ہو کہ وہ اس پر اپنا غصہ نکال سکتا ہے اور اگر غصہ اپنے سے طاقتور آدمی پر آئے اور اس سے انتقام نہ لے سکتا ہو تو یہ خون ظاہری جلد سے سمٹ کر دل کے اندر چلا جاتا ہے اور حُزن ومَلال کا باعث بنتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس وقت انسان کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور اگر غصہ اپنے سے ہم پلہ پر آئے تو یہ دونوں کیفیتیں ظاہر ہوتی ہیں اور اضطراب کی وجہ سے کبھی چہرہ سُرخ اور کبھی زَرد ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قوت غضب کا مَحَل دل ہے اور اس کا معنٰی ہے کہ اِنتقام کے لئے دل کے خون کا جوش مارنا۔ یہ قوت مہلکات کے واقع ہونے سے قبل جوش مارتی ہوئی ان کے دفاع کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور مہلکات کے واقع ہونے کے بعد اس کی غرض تسلی اور انتقام ہوتا ہے۔ انتقام اور اس کی خواہش اس قوت کی غذا ہے، اسی میں اس کو لذت ملتی ہے اور اسی کے ذریعے یہ پُرسُکون ہوتی ہے۔

قوت غضب کے درجات:

قوتِ غضب میں لوگ فطرتاً تین درجوں پر ہیں:(۱)... تفریط (۲)...اِفراط اور (۳)...اِعتدال۔

غصہ کا نہ ہونا بھی قابل مذمت ہے:

﴿﴾... تفریط: قوت غضب میں تفریط سے مراد غصے کا بالکل نہ ہونا یا کم ہونا ہے اور یہ مذموم ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان میں حَمِیَّت وغیرت نام کی کوئی چیز نہیں۔

وہ گدھا ہے:

حضرت سَیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: "جسے غصہ دلایا جائے اور وہ غصے میں نہ آئے تو وہ گدھا ہے۔"

لہٰذا جس شخص میں غصے کی قوت اور غیرت بالکل نہ ہو تو وہ انتہائی ناقص ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ مجید میں صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے غصے اور غیرت کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (پ۲۶، الفتح: ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

اور اپنے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ (پ۱۰، التوبۃ: ۷۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو۔

یہ سختی اور شدت غیرت کی علامات میں سے ہے جسے غصے سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

غصے کی زیادتی بھی قابل مذمت ہے:

﴿﴾...اِفراط: قوتِ غضب میں افراط سے مراد یہ ہے کہ غصہ انسان پر اس قدر غالب آجائے کہ وہ عقل ودِین دونوں کی سوجھ بوجھ سے عاری ہو جائے اور اس کے پاس کسی قسم کی بَصارت، نظر و فکر اور اختیار نہ رہے بلکہ وہ ایک مُضطَر (یعنی بے چین) اور مجبور قسم کا انسان بن جائے۔ غصے کے غلبے کا سبب یا تو پیدائشی ہوتا ہے یا

عادت کے سبب ایسا ہوتا ہے۔ چنانچہ کئی لوگ فطری طور پر انتہائی غُصیلے ہوتے ہیں حتّٰی کہ ان کی صورت بھی گویا فطری طور پر غصے سے بھری ہوئی دکھائی دیتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے مزاج کی گرمی بھی اس پر مُعاوِن ہوتی ہے۔ چونکہ غصہ آگ سے ہے۔[1] جیسا کہ حضور نبیِّ اکرم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے۔ جبکہ مزاج کی ٹھنڈک اسے بجھاتی اور اس کے جوش کو ختم کرتی ہے۔

غصے کے اَسبابِ عادِیہ:

غصے کے اسباب عادیہ یہ ہیں: مثلاً وہ ایسے لوگوں میں اٹھتا اور بیٹھتا ہو جو فخریہ غصے کا اظہار کرتے ہوں اور اسے بَہادُری اور مردانگی سے تعبیر کرتے ہوں جیسے ان میں سے کوئی یہ کہتا ہے: ہم کسی کے مکروفریب پر صبر نہیں کرتے اور نہ کسی کی بات برداشت کرتے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ (وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ) نہ ہم میں عقل ہے اور نہ بردباری۔ مزید یہ کہ وہ اس بات کو اپنی جہالت کے سبب فخریہ بیان کر رہے ہوتے ہیں، لہٰذا ان میں سے جو اس کو سنتا ہے اس کے دل میں غصے کی اچھائی راسخ ہو جاتی ہے اور وہ ان لوگوں کی طرح ہونا پسند کرتا ہے۔ اس طرح اس کے اندر غصے کی عادت پختہ ہوتی ہے حتی کہ جب غصے کی آگ بھَڑک جاتی ہے اور اس کی لَپٹیں اٹھتی ہیں تو وہ شخص اندھا ہو جاتا ہے اور ہر قسم کی نصیحت سننے سے بہرہ ہو جاتا ہے اور جب اسے نصیحت کی جائے تو اس پر نصیحت اثر انداز نہیں ہوتی بلکہ اُلٹا اسے نصیحت کرنے والے پر غصہ آتا ہے۔

ایسی حالت میں جب وہ نورِ عقل سے روشنی حاصل کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا کیونکہ اس وقت عقل کا نور بجھ چکا ہوتا ہے اور غصے کی آگ کا دھواں اس کا احاطہ کر لیتا ہے چونکہ سوچ وفکر کا سرچشمہ دِماغ ہے، جب غصے کی شدت کی وجہ سے دل کا خون کھولنے لگتا ہے تو تاریک وسیاہ دھواں دل سے معدنِ فکر دماغ کی طرف چڑھتا ہے اور اس پر چھا جاتا ہے اور کبھی محسوس کرنے کے معادن کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے اس صورت میں اس کی آنکھوں پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ دنیا اس پر تاریک ہو جاتی ہے اور اس کا دماغ اس اندھیرے غار کی طرح ہو جاتا ہے جس میں آگ روشن کی جائے تو اَطراف میں دھواں ہی پھیلے اور فضا تاریک ہو جائے اور اردگرد کا ماحول آگ کے باعث گرم ہو جائے اور اگر وہاں کوئی چھوٹا سا چراغ بھی ہو تو وہ بھی اس

[1] ... الزواجر عن اقتراف الکبائر، الباب الاول فی الکبائر الباطنۃ... الخ، الکبیرۃ الثالثۃ الغضب بالباطل... الخ، ۱/ ۱۲۳

کے باعث بجھ جائے اب نہ وہاں کسی کے قدم ٹھہر سکیں نہ کسی کی آواز سنائی دے اور نہ کوئی چہرہ دکھائی دے اور نہ کوئی اندر یا باہر سے آگ بجھانے پر قادر ہو۔ اب اس ماحول میں بیٹھے رہنے والا شخص صبر ہی کر سکتا ہے یہاں تک کہ آگ ان تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دے جو جلنے کے قابل ہوں۔ دل و دماغ کے ساتھ غصے کا معاملہ بھی یہی ہے، بعض اوقات غصے کی آگ میں اس قدر شدت آجاتی ہے کہ وہ اس رُطُوبَت کو بھی ختم کر دیتی ہے جس پر دل کی حیات کا مدار ہوتا ہے اس طرح آدمی غصے کی آگ میں جل کر خود ہی ہلاک ہو جاتا ہے جیسے غار میں جلنے والی آگ جب زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہے تو وہ در و دیوار کو جلا کر خَاکِسْتَر کر دیتی ہے جس کی وجہ سے غار کی چھت بھی مُنْہَدِم ہو جاتی ہے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ آگ ان اَجزا کو جلا کر ختم کر دیتی ہے جن پر چھت کی بنیاد ہوتی ہے، یہی حال غصے کے وقت دل کا ہوتا ہے (کہ وہ غصے کی آگ کی شدت میں جل کر خاکستر ہو جاتا ہے)۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ کشتی جو سمندری طوفان میں پھنس جائے اور سمندر کے درمیان تیز ہواؤں اور موجوں کی شدت کی وجہ سے ہچکولے کھائے اس کی حالت زیادہ اچھی ہوتی ہے اور اس کی سلامتی کی زیادہ امید کی جاتی ہے اس نفس کے مقابلے میں جو غیظ و غضب کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے کیونکہ کَشتی میں تو ایسا شخص موجود ہے جو کشتی کو پر سکون رکھنے، اسے بچانے اور ساحِلِ سمندر تک پہنچانے کی تدبیر کرتا ہے جبکہ دل جو انسان کے لئے کشتی چلانے والے کی طرح ہے جب وہ خود ہی غصے کی آگ میں جل کر اندھا اور بہرا ہو چکا ہے تو وہ کشتی (یعنی جسم) کی حفاظت کا کیا حیلہ کرے گا!

ظاہری جسم پر غصے کے اثرات:

غَضَب کے جسم پر جو اَثرات طاری ہوتے ہیں وہ یہ ہیں: رنگ کا مُتَغَیَّر ہونا، بدن پر کپکپی طاری ہونا، اپنے اَفعال پر قابو نہ رہنا، حَرَکات و سکنات میں بے چینی کا پایا جانا نیز کلام کا مُضْطَرِب ہو جانا یہاں تک کہ باچھوں سے جھاگ نکلنا، آنکھوں کی سرخی حد سے بڑھ جانا، ناک کے نتھنے پھول جانا بلکہ ساری صورت ہی کا تبدیل ہو جانا۔ اگر کوئی غضبناک شخص اس حالت میں اپنی ہی شکل دیکھ لے تو شرم کے مارے اپنی خوبصورت شکل کو بدصورتی میں تبدیل پا کر خود ہی اس کا غصہ ختم ہو جائے گا، باطن کا برا ہونا یہ ظاہر کے برے ہونے سے زیادہ برا ہوتا ہے کیونکہ ظاہر باطن کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ پہلے باطن بُرا ہوتا پھر اس کی بُرائی ظاہر پر پھیلتی ہے اور ظاہر کا بدلنا پھل

ہے باطن کے بدلنے کا، لہٰذا تم پھل (ظاہر) دیکھ کر پھل دینے والے (باطن) کا اندازہ لگالو۔

زبان پر غصے کے اَثرات:

زبان پر غصے کے اثرات اس طرح مرتب ہوتے ہیں کہ اس سے بری باتیں نکلتی ہیں مثلاً: ایسی فُحش اور گندی گالیاں وغیرہ کہ جن سے ہر صاحبِ عقل کو حیا آئے، یہاں تک کہ غصہ ختم ہو جائے تو خود اس شخص کو اپنی باتوں پر شرم محسوس ہو، یہی وجہ ہے کہ کلام بے رَبط اور الفاظ خَلَط مَلَط ہو جاتے ہیں۔

اَعضاء پر غصے کے اَثرات:

اعضاء پر غصے کے اَثرات اس طرح مُرتَّب ہوتے ہیں کہ وہ مار دھاڑ کرتا ہے، کپڑے پھاڑتا ہے اور لاپروائی سے زخمی اور قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ جس پر غصہ آیا ہے اگر وہ بھاگ جائے یا کسی وجہ سے اس کے قابو میں نہ آئے تو وہ غصہ اپنے پر اُتارتا ہے مثلاً وہ اپنے کپڑے پھاڑتا ہے، اپنے چہرے پر مارتا ہے اور بسا اوقات اپنے ہاتھ زمین پر مارتا ہے یا نشے والے اور مدہوش اور حیران وپریشان شخص کی طرح دوڑتا ہے اور بعض اوقات غصے کی شدت کی وجہ سے اس طرح گر پڑتا ہے کہ اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات غصے کی وجہ سے حیوانات کو مارنا اور چیزوں کو توڑنا شروع کر دیتا ہے کبھی وہ برتن زمین پر دے مارتا ہے اور کبھی دستر خوان اٹھا پھینکتا ہے اور کبھی وہ غصے کے سبب پاگلوں کی سی حرکتیں کرتا ہے، بے زبان جانوروں اور جَمادات کو گالیاں دیتا ہے اور انہیں مخاطب کر کے کہتا ہے: کب تک تم ایسا کرتے رہو گے؟ وغیرہ وغیرہ اور ان سے اس طرح بات کرتا ہے جیسے وہ سمجھدار ہوں، اسی دوران اگر کوئی جانور اسے لات مار دے تو وہ بھی اسے واپس لات مارتا ہے اور اس طرح اس کا مقابلہ کرتا ہے۔

دِل پر اَثرات:

دل پر اس کے اثرات یہ مرتب ہوتے ہیں کہ جس پر غصہ ہو اس کے خلاف دل میں کینہ اور حسد پیدا ہو جاتا ہے، اس کی مصیبت پر خوشی کا اور خوشی پر غم کا اظہار کرتا ہے، اس کا راز فاش کرنے، دامنِ عزت چاک کرنے اور مذاق اُڑانے کا عزمِ مُصَمَّم (یعنی پختہ ارادہ) کئے ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کئی دیگر برائیاں جنم لیتی ہیں۔

یہ جو کچھ ابھی مذکور ہوا حد سے بڑھنے والے غصے کا نتیجہ ہے۔

غصے میں تفریط کا نتیجہ:

طبیعت میں غصہ ضرورت سے بھی کم ہونے کا نتیجہ بے حیائی کی صورت میں نکلتا ہے لہٰذا جس کام پر غصہ آنا چاہئے اس پر غصہ نہ آنا، مثلاً: اپنے محارِم، بیوی اور ماں کی طرف سے کسی نامناسب بات پر چشم پوشی کرنا، کمینے اور گھٹیا لوگوں کی طرف سے رُسوائی کا سامنا کرنا اور احساس کمتری میں مبتلا ہونا، یہ سب بھی قابل مذمت ہے، کیونکہ اس کے نتائج میں سے ہے کہ انسان اپنے محارِم کے معاملے میں بھی بے غیرت ہو جاتا ہے اور یہ نامردی ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ غَیُوْر ہے:

پیکرِ شرم وحیا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مبارک فرمان ہے: اِنَّ سَعْدًا لَغَیُوْرٌ اَنَا اَغْیَرُ مِنْ سَعْدٍ وَاِنَّ اللہَ اَغْیَرُ مِنِّیْ یعنی بے شک سعد غیرت مند ہیں اور میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے۔ [1]

غیرت مند ہونا دین سے ہے:

غیرت اس لئے پیدا کی گئی تاکہ نسب کی حفاظت ہو۔ اگر لوگ اس میں چشم پوشی سے کام لیں تو نسب خلط ملط ہو جائیں اور امتیاز باقی نہ رہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ "ہر وہ قوم جس کے مردوں میں غیرت نہ رہے اس قوم کی عورتیں شرم وحیا کی چادر اُتار پھینکتی ہیں" برائیوں کو دیکھ کر خاموش رہنا بھی غصے میں تفریط کی علامات میں سے ہے۔ رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "خَیْرُ اُمَّتِیْ اَحِدَّاؤُھَا یعنی میری امت کے وہ لوگ اچھے ہیں جو (دین کے معاملے میں) سخت ہیں۔" [2]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ (پ۱۸، النور: ۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں۔

بلکہ جس میں غصہ نہ ہو وہ اپنی تربیت سے بھی عاجز ہوتا ہے کیونکہ بذریعہ غصہ خواہش کو مغلوب کرنے

---

1 ...المعجم الاوسط، ۲/ ۱۳۸، حدیث: ۲۷۹۷

2 ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۳۱۳، حدیث: ۸۳۰۱

ہی سے تربیت مکمل ہوتی تا کہ جب نفس بُری خواہشات کی طرف مائل ہو تو بندہ اس پر غصہ کرے۔ معلوم ہوا کہ غصے کا بالکل نہ ہونا بھی مذموم ہے۔

غصہ کس حد تک ہونا چاہئے؟

⊛...اِعتِدال:(اِفراط و تفریط کے بجائے) قابل تعریف وہ غصہ ہے جو عقل اور دین کے تابع ہو یعنی جہاں غیرت کا معاملہ ہو وہاں غصہ آئے اور جہاں بُردباری کا موقع ہو وہاں غصہ نہ آئے، غصے کو حدِ اعتدال پر رکھنا ہی استقامت ہے اور اسی استقامت کا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے بندوں کو مکلّف بنایا ہے اور یہی وہ درمیانی حالت ہے جس کی تعریف رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی: "خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُهَا یعنی بہترین امور وہ ہیں جن میں میانہ روی ہو۔"(1)

جس شخص میں غصے کی کمی ہو حتّٰی کہ وہ اس کے سبب اپنے میں غیرت کی کمی اور گھٹیا پن پائے اور اس کی وجہ سے بلاوجہ ذلیل ورُسوا ہوتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے نفس کا علاج کرے تا کہ اس میں غصے کی قوت پیدا ہو اور جس شخص کا غصہ حد سے بڑھا ہوا ہو یہاں تک کہ وہ اس کے سبب بے وقوفانہ اور بُرے کاموں میں ملوث ہو تو اسے بھی چاہئے کہ اپنا علاج کرے تا کہ غصے کی شدت میں کمی کرے اور اِفراط و تفریط سے ہٹ کر درمیانی راہ پر چلے جو کہ صراطِ مستقیم ہے اور یہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور اگر راہِ اعتدال پر چلنے سے عاجز ہو تو کم از کم اس کے قریب رہنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (پ۵، النسآء:۱۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو چاہے کتنی ہی حرص کرو تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ کہ دوسری کو اَدھر (درمیان) میں لٹکتی چھوڑ دو۔

لہٰذا جو شخص مکمل طور پر خیر کے کام نہ کر سکتا ہو تو اس کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اب وہ شر کے کام کرنے لگ جائے کیونکہ بعض بُرے کام دوسرے بُرے کاموں کے مقابلے میں ہلکے ہوتے ہیں جبکہ بعض خیر کے کام دوسرے نیک کاموں کے مقابلے میں زیادہ قدر و منزلت والے ہوتے ہیں۔

---

(1)...شعب الایمان، باب الاقتصاد فی النفقة...الخ، ۵/ ۲۶۱، حدیث: ۶۶۰۱ عن مطرف

یہ غصے کی حقیقت اور اس کے درجات تھے۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حُسنِ تَوفیق اور اس کے پسندیدہ کاموں کا سوال کرتے ہیں بے شک وہ جو چاہے کرتا ہے۔

تیسری فصل: کیا ریاضت کے ذریعے غصّے کا ازالہ ممکن ہے؟

بعض لوگوں کے خیال میں غصے کو بالکل ختم کیا جاسکتا ہے اور رِیاضَت (مشق) کے ذریعے یہ ممکن ہے اور ریاضت کا مقصود بھی یہی ہے جبکہ بعض لوگوں کے خیال میں غصہ ایک ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں اور یہ ان لوگوں کی رائے ہے جو عادات کو جسمانی بناوٹ کی طرح خیال کرتے ہیں کہ جس طرح جسمانی بناوٹ میں تبدیلی نہیں آسکتی اسی طرح عادات میں بھی تبدیلی نہیں آسکتی۔ یہ دونوں رائیں غلط ہیں۔ حق وہ ہے جو ہم ذکر کررہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسان جب تک کسی چیز کو پسند یا ناپسند کرتا ہے تو اس میں وہ غصے سے خالی نہیں رہتا کیونکہ ہمیشہ سے یہی ہوتا ہے کہ ایک چیز اس کے موافق ہوتی ہے تو دوسری اس کے مخالف۔ تو جو چیز اس کے موافق ہوتی ہے اسے پسند اور مخالف چیز کو ناپسند کرتا ہے اور اسی پر اسے غصہ بھی آتا ہے کیونکہ اگر اس کی پسندیدہ چیز اس سے چھین لی جائے تو وہ اس کے سبب یقیناً غصے میں آتا ہے اور اگر اسے کوئی ناپسندیدہ چیز پہنچے تو ضرور وہ غَضَب ناک ہوتا ہے۔

پسندیدہ چیزوں کی اقسام:

انسان جن چیزوں کو پسند کرتا ہے وہ تین اقسام پر مشتمل ہیں:

❀...**پہلی قسم:** اس قسم میں وہ چیزیں داخل ہیں جو تمام انسانوں کے لئے ضروری ہیں جیسے کھانا، مکان، لباس اور بدن کی حفاظت وغیرہ۔ لہٰذا مار پیٹ کے ذریعے کوئی اگر کسی کے بدن کا ارادہ کرے یا اسے زخمی کرے تو وہ ضرور اس پر غضب ناک ہوتا ہے، یونہی اگر کوئی کسی کو بَرَہنَہ کرے یا اسے اس گھر سے نکال دے جس میں وہ رہائش پذیر ہے یا پیاس بجھانے کے لئے رکھے ہوئے کسی کے پانی کو گرادے تو یقیناً غصہ آئے گا کیونکہ یہ ضروریات ہیں، انسان ان کے زوال کو پسند نہیں کرتا اور جو انہیں ضائع کرنے کے درپے ہو اس پر غصہ بھی آتا ہے۔

❀...**دوسری قسم:** میں وہ چیزیں داخل ہیں جو مخلوق میں سے کسی ایک کے لئے بھی ضروری نہیں جیسے جاہ و مرتبہ، مال کی کثرت، غلام و خُدّام اور سُواری کے جانور وغیرہ۔ یہ چیزیں چونکہ ضروری نہیں ہیں لیکن عادت اور امورِ مقاصد سے جہالت کے سبب محبوب ہوگئیں یہاں تک کہ سونا چاندی کو فی نفسہٖ محبوب خیال کرلیا گیا اور

اسے جمع کیا جانے لگا، لہٰذا اب اس کی چوری پر غصہ آتا ہے اگرچہ غذا کے طور پر اس کے استعمال کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس قسم سے تعلق رکھنے والی چیزوں سے غصے کا دور ہونا ممکن ہے جیسے اگر کسی کا رہائش کے علاوہ کوئی اور مکان بھی ہو اور کوئی ظالم اسے مُنْہَدِم کر دے تو یہ ہو سکتا ہے کہ اسے غصہ نہ آئے کیونکہ ممکن ہے کہ مالک مکان ایسا ہو جو امور دنیا کی بصیرت رکھتا ہو اور زائد از ضرورت سے بے رغبتی اختیار کرتا ہو تو وہ اس کے چلے جانے پر غصہ نہیں کرے گا کیونکہ اسے اس کے وجود سے محبت نہیں ہے اگر اسے اس کے وجود سے محبت ہوتی تو وہ ضرور غضب ناک ہوتا جبکہ اکثر لوگوں کا یہ معاملہ ہے کہ وہ غیر ضروری چیزوں کے سبب غصے میں آجاتے ہیں جیسے جاہ و مرتبہ، شہرت، مجالس میں صدارت، علم پر فخر وغیرہ۔ تو جسے ان چیزوں کی محبت ہوگی اسے اس وقت ضرور غصہ آئے گا جب کوئی اس سلسلے میں اس سے مزاحمت کرے گا جیسے صدر نشینی کے معاملے میں کوئی کسی کی مزاحمت کرے تو اسے ضرور غصہ آتا ہے اور جسے ان چیزوں کی محبت نہیں ہوتی اسے کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی حتی کہ اگر اسے جوتوں کی جگہ اور دوسرے کو اس سے بلند جگہ بیٹھا دیا جائے تو اسے اس پر بھی غصہ نہیں آتا۔ اکثر لوگ مذکورہ بُری عادتوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں، لہٰذا اس کے سبب غصہ بھی زیادہ کرتے ہیں۔

لایعنی امور پر غصہ کرنا جہالت کی علامت ہے:

جن کے ارادے اور خواہشات زیادہ ہوتی ہیں ان میں نَقص بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے کیونکہ حاجت ایک نقصانی صِفَت ہے اور جب اس میں اضافہ ہوگا تو نقصان بھی زیادہ ہوگا۔ جاہل آدمی ہمیشہ اپنی حاجات اور خواہشات میں اضافہ کرتا رہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ وہ اپنی حاجات اور خواہشات میں نہیں بلکہ غم اور پریشانی کے اسباب میں اضافہ کر رہا ہے، حتّٰی کہ بعض جاہل ان بری عادتوں اور برے دوستوں کی ہم نشینی کی وجہ سے اس قدر آگے بڑھ گئے کہ اگر انہیں کہا جائے کہ تم پرندوں کے ساتھ اچھا نہیں کھیل سکتے، تمہیں شطرنج کھیلنے میں مہارت نہیں، زیادہ شراب پینا اور زیادہ کھانا وغیرہ تمہارے بس کی بات نہیں تو وہ یہ سن کر غصے میں آجاتے ہیں حالانکہ اس قسم کے کاموں پر غصہ کرنا قطعاً ضروری نہیں کیونکہ ان سے محبت کرنا بھی ضروری نہیں (بلکہ بعض سے محبت نہ کرنا ضروری ہے)۔

﴾3﴿۔۔۔ **تیسری قسم:** اس قسم میں وہ امور داخل ہیں جو بعض کے حق میں ضروری ہیں اور بعض کے لئے نہیں۔ جیسے کتاب عالم کے لئے ضروری ہے اور وہ اس سے محبت بھی کرتا ہے تو اگر کوئی اسے جلادے یا پھاڑ دے تو وہ

ضرور اس کے سبب غصے میں آتا ہے۔ اسی طرح کام کرنے والوں کے اوزار بھی ان کے حق میں ضروری ومحبوب ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کے ذریعے اپنی روزی کماتے ہیں اور جو چیز ضرورت اور محبت کے لئے وسیلہ ہوتی ہے وہ بھی ضروری اور محبوب ہو جاتی ہے۔ بہرحال کسی چیز کا ضروری ومحبوب ہونا مختلف لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ ضروری محبت وہ ہے جس کی طرف رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اشارہ فرمایا: مَنْ اَصْبَحَ اٰمِنًا فِیْ سِرْبِہٖ مُعَافًی فِیْ بَدَنِہٖ وَلَہٗ قُوْتُ یَوْمِہٖ فَکَاَنَّمَا حِیْزَتْ لَہُ الدُّنْیَا بِحَذَافِیْرِھَا یعنی جو شخص اپنے گھر میں محفوظ ہو، بدن سلامت ہو اور اس کے پاس ایک دن کی غذا بھی ہو تو گویا تمام دنیا اس کے لئے جمع کر دی گئی ہے۔ [1]

جو شخص امور کے حقائق سے واقف ہوا اور اسے یہ تینوں باتیں بھی حاصل ہوں تو اس کے بارے میں یہی تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان کے علاوہ میں غصہ نہیں کرے گا۔ یہ تین قسمیں ہیں اب ہم ہر ایک میں انتہائی درجہ ریاضت کو بیان کریں گے۔

رِیاضَت کے ذریعہ غُصّہ کم کرنے کا طریقہ:

جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو اس میں ریاضت کا یہ مقصد نہیں کہ غصے کو بالکل ختم کر دیا جائے بلکہ اس کو ایک ایسی حد پر رکھنا مقصد ہے جس کو شرع اور عقل دونوں اچھا جانتے ہوں، جو کہ مجاہدہ وریاضت کے ذریعے ممکن ہے وہ اس طرح کہ ایک مدت تک بناوٹی تَحَمُّل اور بُردباری سے کام لیا جائے یہاں تک کہ وہ تحمل وبردباری اس کی فطرت میں شامل ہو جائے۔ دل سے غصے کو بالکل ختم کرنا یہ طبیعت کا تقاضا نہیں ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے البتہ اس کی شدت کو ختم کرنا اور اس کا زور کم کرنا ممکن ہے تاکہ باطن میں غصے کا ہیجان زیادہ نہ ہو اور وہ اس قدر کمزور ہو جائے کہ اس کا اثر چہرے پر دکھائی نہ دے لیکن یہ بہت مشکل امر ہے۔ تیسری قسم کا بھی یہی حکم ہے کہ جو بات کسی کے حق میں ضروری ہوتی ہے تو دوسرے کے حق میں اس کا ضروری نہ ہونا اسے غصے سے نہیں روکتا اور اس میں ریاضت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ غصے پر عمل کرنے سے رکے اور باطن میں پیدا ہونے والے غصے کے ہیجان کو کمزور کرے تاکہ اسے صبر کرنے پر زیادہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔

جہاں تک دوسری قسم کی بات ہے تو اس میں ریاضت کے ذریعے غصے کو دل سے نکالنا ممکن ہے اور یہ

---

1 ...الادب المفرد، باب من اصبح امنا فی سربہ، ص۹۷، حدیث: ۳۰۳ ...... الجامع الصغیر، ص۵۱۵، حدیث: ۸۳۵۵

اس طرح کہ انسان کے پیشِ نظر یہ ہو کہ اس کا حقیقی وطن قبر اور ٹھکانا آخرت ہے دنیا تو محض ایک راہ گزر اور بقدرِ ضرورت زادِ راہ اکٹھا کرنے کی جگہ ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تو وطن (یعنی قبر) اور ٹھکانے (یعنی آخرت) میں اس پر وبال ہی ہو گا، لہٰذا دنیا کی محبت کو دل سے مٹا کر زاہدوں جیسی زندگی گزارنا چاہئے۔ مثلاً: کسی شخص کا کوئی کتا ہے جس سے اسے محبت نہیں اب اس کتے کو کوئی مارتا ہے تو اسے غصہ نہیں آئے گا کیونکہ غصہ مَحَبَّت کے تابع ہے۔ اس قسم میں ریاضت کا مقصود غصے کو جڑ سے ختم کرنا ہے لیکن یہ انتہائی مشکل ہے جبکہ اس کے مقابلے میں غصے سے رُک جانا اور اس پر عمل نہ کرنا آسان ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کہ پہلی قسم کے تحت وہ چیزیں بھی ہیں جن کے فوت ہونے پر تکلیف تو ہوتی ہے لیکن غصہ نہیں آتا مثلاً کسی شخص کی ایک بکری ہے جو اس کے گزر بسر کا ذریعہ ہے، وہ مر جاتی ہے تو اسے اس کی وجہ سے تکلیف تو ہوتی ہے لیکن کسی پر غصہ نہیں آتا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ انسان کو ہر ناپسندیدہ چیز پر غصہ آئے مثلاً بسا اوقات انسان فصد کھولنے یا پچھنے لگانے کے سبب تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن اس کی وجہ سے وہ فَصد اور پَچھنے لگانے والے پر غصہ نہیں کرتا۔ یونہی اگر کسی پر توحید کا غلبہ ہو اور وہ تمام امور کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے خیال کرے تو اس کی وجہ سے وہ مخلوق میں سے کسی پر غصہ نہیں کرے گا کیونکہ وہ تمام چیزوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دستِ قُدرت میں سمجھتا ہے مثلاً قلم، کاتب کے ہاتھ میں ہو تو اگر بادشاہ کسی کی گردن مارنے کا حکم لکھ دے تو وہ قلم پر غصہ نہیں کھائے گا اور کوئی اس کی بکری ذبح کر دے جس پر اس کی گزر بسر ہوتی ہو تو اس کی وجہ سے غصے میں نہیں آئے گا جیسے وہ اس کی طبعی موت پر غصے میں نہیں آتا کیونکہ وہ ذبح اور موت دونوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے خیال کرتا ہے لہٰذا وہ توحید کے غلبے کے سبب غصے میں نہیں آتا۔ اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اچھے گمان کی وجہ سے بھی مخلوق پر غصہ آنا ختم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بہتر ہی کرے گا، لہٰذا وہ بھوک، بیماری، زخم پہنچنے اور قتل ہونے کی صورت میں بھی غصے میں نہیں آتا جیسے وہ فصد کھولنے اور پچھنے لگانے والے پر غصے میں نہیں آتا کیونکہ وہ اس میں اپنی بہتری خیال کرتا ہے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ توحید کا ایسا غلبہ ممکن تو ہے لیکن دیرپا نہیں بلکہ بجلی کی چمک کی طرح ہوتا ہے جو بعض احوال میں اس پر غالب آجاتا ہے لیکن اس میں دَوام نہیں ہوتا بلکہ دل جلد ہی طبعی طور پر وسائل کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور یہ ایک طَبْعی تقاضہ ہے جس سے بچنا ممکن نہیں۔ اگر کسی بشر کے لئے اس حالت کا دوام (ہمیشہ کے لئے) ہونا مُتَصَوَّر ہوتا تو حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لئے ضرور ہوتا لیکن آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو غصہ آتا تھا یہاں تک کہ آپ کے مبارک رُخسار سرخ ہو جاتے۔[1]

رسولِ پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا غضب فرمانا بھی رحمت ہے:

تاجدارِ انبیا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَللّٰھُمَّ اَنَا بَشَرٌ اَغْضَبُ کَمَا یَغْضَبُ الْبَشَرُ فَاَیُّمَا مُسْلِمٍ سَبَبْتُہٗ اَوْ لَعَنْتُہٗ اَوْ ضَرَبْتُہٗ فَاجْعَلْھَا مِنِّیْ صَلَاۃً عَلَیْہِ وَزَکَاۃً وَّقُرْبَۃً تُقَرِّبُہٗ بِھَا اِلَیْکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں بشر ہوں اور بشر کی طرح مجھے بھی غصہ آتا ہے، تو جس مسلمان کو میں بُرا بھلا کہوں یا اس پر ملامت کروں یا اسے ماروں تو میرے ان افعال کو قیامت کے دن میری جانب سے اس کے حق میں رحمت، باعثِ طہارت اور اپنے قُرب کا ذریعہ بنا دے۔[2]

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم غصے کی حالت میں بھی حق بات فرماتے:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عَمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ رِسالت میں عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا میں ہر وہ بات تحریر کر لیا کروں جو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم غصے اور رِضا کی حالت میں ارشاد فرماتے ہیں؟ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ہاں! لکھ لیا کرو، اس ذات کی قَسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اس سے کبھی حق کے علاوہ کوئی بات نہیں نکلی[3] (اپنی زبانِ حَقِّ ترجمان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے یہ بات فرمائی)۔ یہ نہ ارشاد فرمایا: میں تو غصے ہوتا ہی نہیں۔ بلکہ ارشاد فرمایا: غصہ مجھے حق بات کہنے سے نہیں روکتا۔ یعنی میں غصہ کے مطابق عمل نہیں کرتا۔

---

1 ...بخاری، کتاب فی اللقطۃ، باب اذا جاء صاحب اللقطۃ... الخ، ۲/ ۱۲۳، حدیث: ۲۴۳۶

2 ...مسلم، کتاب البر والصلۃ والاداب، باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوسبہ... الخ، ص ۱۴۰۱، حدیث: ۲۶۰۱ بتغیر قلیل

3 ...سنن ابی داود، کتاب العلم، باب فی کتاب العلم، ۳/ ۴۳۶، حدیث: ۳۶۴۶

رسول پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ہم زاد مسلمان ہو چکا ہے:

ایک مرتبہ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو کسی بات پر غصہ آگیا تو سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تجھے کیا ہوا کہ تیرا شیطان تیرے پاس آیا؟ انہوں نے عرض کی: کیا آپ کے ساتھ شیطان نہیں ہے؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بَلٰی وَلٰـکِنِّیْ دَعَوْتُ اللہَ فَاَعَانَنِیْ عَلَیْہِ فَاَسْلَمَ فَلَا یَاْمُرُنِیْ اِلَّا بِالْخَیْرِ یعنی ہاں! میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میری مدد فرمائی کہ وہ (ہم زاد شیطان) مسلمان ہوگیا، لہٰذا وہ مجھے بھلائی ہی کی بات کہتا ہے۔[1]

آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے ساتھ شیطان نہیں ہے اور شیطان سے آپ کی مراد غصہ دلانے والا شیطان ہے جس کے متعلق آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ فرمایا کہ وہ مجھے برائی کی ترغیب نہیں دیتا۔

سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا غصہ حق کے لئے ہوتا:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دنیا کے لئے غصہ نہ فرماتے جب آپ کو حق بات کے لئے غصہ آتا تو کسی کو خبر نہ ہوتی اور نہ کوئی آپ کے غضب کے مقابلے کی تاب لاسکتا یہاں تک کہ حق کا انتقام نہ لے لیں۔[2]

یعنی حق کے لئے غصہ فرماتے، آپ کا غصہ اگرچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہوتا مگر مِنْ جُملہ وہ بھی وسائل کی طرف متوجہ ہوتا، لہٰذا کسی آدمی سے ضروری غذا اور ایسی چیز چھین لی جائے جو اس کی دِینی ضَرورت ہو تو اس پر جو غصہ ہوگا وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہوگا اور اس طرح کے غصے کا اس سے جدا ہونا ممکن نہیں۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص ضروری چیز کے چھن جانے پر اس لئے غصہ نہ ہو کہ اس کا دل اس سے زیادہ ضروری چیز میں مشغول ہو اور اس میں مشغولیت کی وجہ سے دل میں غصے کے لئے جگہ نہ ہو کیونکہ دل کا کسی اہم کام میں مشغول ہونا اسے دِیگر چیزوں کے احساس سے روک دیتا ہے۔ چنانچہ

---

1 ...مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، باب تحریش الشیطان... الخ، ص ۱۵۱۲، حدیث: ۲۸۱۴ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

2 ...الشمائل المحمدیۃ للترمذی، باب کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۳۵، حدیث: ۲۱۵

اپنے غصے کو ایسے قابو کرو:

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا سلیمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو کسی نے گالی دی تو آپ نے اس سے فرمایا: اگر میزانِ عمل میں میرے نامۂ اعمال کا پلڑا ہلکا ہوا تو جو کچھ تو کہتا ہے میں اس سے بھی بُرا ہوں اور اگر میرے نامۂ اعمال کا پلڑا بھاری ہوا تو تیری گالی سے مجھے کچھ نقصان نہیں ہوگا۔

چونکہ حضرت سیِّدُنا سلیمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا قلب آخرت کی طرف متوجہ تھا اس لئے ان کے دل پر گالی کا اثر نہ ہوا۔

اسی طرح ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا ربیع بن خُثَیْم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو گالی دی تو آپ نے اسے مخاطب کر کے کہا: اے فلاں! یقیناً اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے تیرا کلام سنا ہے اور بے شک جنت کے راستے میں ایک گھاٹی ہے اگر میں نے اسے طے کر لیا تو مجھے تمہاری بات نقصان نہیں پہنچا سکتی اور اگر میں اسے طے نہ کر سکا تو جو تو نے کہا ہے میں اس بھی زیادہ بُرا ہوں۔

ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صِدِّیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو برا بھلا کہا تو آپ نے (اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا: اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے تیرے جو عُیُوب چھپا رکھے ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں۔ گویا اس وقت آپ اپنے نفس کو اس نگاہ سے دیکھ رہے تھے کہ وہ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت اور اس سے کماحقہ ڈرنے میں کوتاہی کر رہا ہے، لہٰذا آپ اس کی بات پر غصہ نہ ہوئے کیونکہ آپ اپنے نفس میں ہی کمی خیال فرما رہے تھے۔ یہ آپ کی عظمت وشان تھی۔

ایک عورت نے حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار سے کہا: اے ریاکار! آپ نے فرمایا: تیرے علاوہ مجھے کسی نے نہیں پہچانا۔ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ چونکہ نفس سے ریاکاری کی آفت دور کرنے میں مشغول تھے اور نفس میں جو بات شیطان ڈالتا تھا اس کی مخالفت کرتے تھے لہٰذا اس وجہ سے آپ کو جب ریاکار کہا گیا تو آپ غصے میں نہیں آئے۔

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا امام شَعْبِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کو گالی دی تو آپ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ میری مغفرت فرمائے اور اگر تم جھوٹے ہو تو اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ تمہاری مغفرت فرمائے۔

یہ اقوال ظاہری طور پر اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ لوگ غصہ نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے دل اہم دینی امور میں مشغول تھے اور یہ بھی احتمال موجود ہے کہ یہ سبّ وشتم ان کے دلوں پر اثر انداز تو ہوتی لیکن وہ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے کیونکہ ان کے دل اس بات میں مشغول ہوتے جو ان کے دلوں پر زیادہ غالب ہے۔ لہٰذا یہ بعید نہیں کہ دل جب بعض اہم امور میں مشغول ہو تو بعض محبوب چیزوں کے چلے جانے پر غصے میں نہیں آتا۔ حاصل یہ ہے کہ غصے کا مفقود ہونا دل کے کسی اہم کام میں مشغول ہونے کے سبب متصور ہوگا یا توحید کے غلبے کی وجہ سے ہوگا یا پھر تیسرے سبب سے ہوگا اور وہ یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ غصہ نہ کرنے کو پسند فرماتا ہے لہٰذا اس سے شدّتِ محبت کی وجہ سے وہ غصہ نہ کرے اور یہ بعض نادر صورتوں میں ناممکن نہیں ہے۔

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ دل سے دنیا کی محبت کو نکال کر غصے کی آگ سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب بندہ دنیا کی آفات اور اس کی خرابیوں کو جانتا ہو جس کا ذکر "دنیا کی مذمت کے بیان" میں آئے گا۔

جو شخص فخر و غُرور کو اپنے دل سے نکال دے تو وہ غصے کے اکثر اسباب سے نجات حاصل کر لے گا اور جس چیز کو ختم کرنا ممکن نہیں تو اس کی شدت کو ختم کرنا اور کمزور کرنا تو ممکن ہے لہٰذا اس طرح غصے کو کمزور کرنے اور دور کرنے کی کوشش کرے۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے لطف و کرم سے حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں اور تمام تعریفیں اللہ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ کے لئے ہیں۔

چوتھی فصل: غصہ دلانے والے اُمور

آپ جانتے ہیں کہ ہر بیماری کا علاج اس کے مادے اور اس کے اسباب کو ختم کر کے کیا جاتا ہے لہٰذا غصے کے اسباب کی پہچان ضروری ہے۔

حضرت سیِّدُنا یحییٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے پوچھا: کونسی چیز زیادہ سخت ہے؟ فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کا غضب۔ پوچھا: کونسی چیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب کے قریب کرتی ہے؟ فرمایا: غصہ کرنا۔ پوچھا: کونسی باتیں غصہ دلاتی ہیں؟ فرمایا: تکبُّر، فخر و غُرور اور حَمِیَّت (جاہلانا غیرت)۔

غصے کے اسباب اور ان سے بچنے کا طریقہ:

غصے کے اسباب یہ ہیں: فخر و غُرور، خود پسندی، مِزاح، فُضُول گفتگو کرنا، لوگوں کا مذاق اُڑانا، عار دلانا، جھگڑنا، بات کاٹنا اور زائد اَز ضرورت مال اور جاہ و منصب کی شدید حرص کرنا۔ یہ تمام عادات شرعاً مذموم ہیں اور جب تک یہ عادات موجود ہیں غصے سے نَجات حاصل کرنا ممکن نہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ان عادات کو ان کی مخالف عادات کے ذریعے زائل کیا جائے۔ مثلاً عاجزی کے ذریعے فخر و غُرور کو اور اپنے نفس کی پہچان کے ذریعے خود پسندی کو دور کرے جیسے اس کے متعلِّق تکبُّر اور خود پسندی کے بیان میں آئے گا۔ فخر و غُرور کو دور کرنے کے لئے یہ گمان کرے کہ خود بھی اپنے خادموں کی طرح ایک عام بندہ ہے کیونکہ:

اَلنَّاسُ یَجْمَعُھُمْ فِی الْاِنْتِسَابِ اَبٌ وَاِنَّمَا اخْتَلَفُوْا فِی الْفَضْلِ اَشْتَاتَا

ترجمہ: نسب کے لحاظ سے لوگ ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، بعد میں محض فضیلت کے اعتبار سے بٹ گئے۔

یعنی اولادِ آدم ایک جنس ہے جبکہ فخر صرف فضائل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ فخر، خود پسندی اور تکبر تمام برائیوں سے بڑھ کر ہیں بلکہ ان کی اصل اور جڑ ہیں۔ جب تک تم ان سے خالی نہ ہو گے تو تمہیں دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہ ہو گی۔ جب تم بھی اپنے غلاموں کی طرح ایک جنس ہو، ایک باپ کی اولاد ہو، ایک ہی نسب سے تمہارا تعلق ہے اور ظاہری اور باطنی اعضاء میں بھی تم ایک ہی طرح ہو تو پھر تم کیوں فخر کرتے ہو؟

مزاح سے بچنے کے لئے ان اہم دینی امور میں مشغول ہو جائے جو تمام زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور اگر تو جانے تو ان سے فرصت نہیں۔ جبکہ فضولیات سے اس طرح بچے کہ فضائل اور اَخلاقِ حَسنہ کو حاصل کرنے کی کوشش میں لگ جائے اور عُلوم دِینیہ کی تَحصیل شروع کر دے جو انسان کو اُخروی سعادت تک پہنچاتے ہیں۔ دوسروں کا مذاق اُڑانے سے اس طرح بچے کہ لوگوں کو ایذا پہنچانے سے خود کو روکے اور اپنے نفس کو سمجھائے کہ تجھے بھی مذاق کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ لوگوں کو عار دلانے سے اس طرح بچے کہ بری بات کہنے سے رک جائے اور نفس کو کڑوا جواب دینے سے بچائے۔ مال اور جاہ و منصب کی شدید حرص سے اس طرح بچے کہ بقدرِ ضرورت مال پر قناعت کرے تاکہ اِستِغناء حاصل ہو جائے اور محتاجی کی ذلت دور ہو جائے۔

یہ تمام عادات اور اوصاف علاج کے سلسلے میں مجاہدہ و رِیاضت کے محتاج ہیں اور مجاہدہ و ریاضت کا

حاصل یہ ہے کہ پہلے ان عادات اور اَوصاف کی برائیوں سے آگاہ ہو تاکہ نفس ان سے اعراض کرے اور ان کے قبیح ہونے کی وجہ سے ان سے نفرت کرے۔ پھر ان بری عادات کے مقابلے میں ان کی مخالف عادات کی ایک طویل عرصے تک پابندی کرے یہاں تک نفس ان کا عادی ہو جائے اور بُری عادات اس سے دور ہو جائیں۔ جب نفس ان بری عادات سے پاک وصاف ہو جائے گا تو غصے سے بھی چھٹکارا حاصل کرلے گا۔

یہ بہادری نہیں جہالت ہے:

اکثر جاہل لوگوں کو شدید غصہ آنے کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ غصے کو بہادری، مردانگی، عِزّتِ نفس اور بلند ہمتی قرار دیتے ہیں اور اپنی جہالت اور کند ذہنی کے سبب اسے اچھے القاب سے موسوم کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا نفس اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اسے اچھا سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ کبھی جاہل لوگ شدت غضب کے لئے بزرگوں کی حکایات کو دلیل بناتے ہیں اور بزرگوں کے شدت غضب کو تعریف کے ساتھ شجاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ نُفُوس بزرگوں سے مشابہت اختیار کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں تو اس سبب سے ان کے دل میں غصے کی شدت پیدا ہوتی ہے حالانکہ شدتِ غضب کو عزتِ نفس وشجاعت سے تعبیر کرنا جہالت، قلبی مرض اور کم عقلی کی دلیل ہے اور اس کی وجہ نفس کی کمزوری اور اس کا نقص ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بیمار کو تندرست آدمی کے مقابلے میں، عورت کو مرد کے مقابلے میں، بچے کو بڑے کے مقابلے میں، بوڑھے کو جوان کے مقابلے میں اور بد اخلاق کو حسن اخلاق والے کے مقابلے میں جلد غصہ آتا ہے کیونکہ یہ ضَعِیْفُ النَّفْس (کمزور دل) ہوتے ہیں۔ چنانچہ کمینہ خصلت شخص اپنی خواہش کے لئے ایک لقمے کی خاطر اور اپنے بخل کے باعث ایک دانے کی وجہ سے غصے میں آجاتا ہے حتّٰی کہ اپنے اہل وعیال اور اپنے دوستوں پر بھی غصہ کرتا ہے جبکہ مضبوط تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے جیسا کہ رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ یعنی بہادر وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر تو وہ ہے جو غصہ کے وقت خود پر قابو رکھے۔" (1)

---

(1)... بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، ۴/ ۱۳۰، حدیث: ۶۱۱۴

بے جا غصہ کرنے والوں کا علاج:

اس قسم کے جاہل لوگوں کے عِلاج کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں صالحین کے عَفْوودَرْگُزر پر مشتمل واقعات سنائے جائیں اور انہیں بتایا جائے کہ وہ غصہ پی جایا کرتے تھے اور اس طرح کے واقعات انبیا، اولیا، حکما، عُلَما اور نیک خصلت بادشاہوں سے منقول ہیں اور جو واقعات اس کے برعکس ہیں وہ کردوں، ترکوں، جاہلوں اور کند ذہن لوگوں سے منقول ہیں جنہیں نہ تو عقل حاصل ہے اور نہ ہی کوئی فضیلت۔

پانچویں فصل: شدتِ غضب کے وقت غصے کا علاج

اس سے پہلے جو کچھ ہم نے ذکر کیا وہ غصہ کے مادے اور اس کے اَسباب کو ختم کرنے کے متعلق تھا تاکہ غصہ شدت ہی اختیار نہ کرے اور اگر غصے کی شدت کے اسباب پائے جانے کی وجہ سے شدید غصہ آجائے تو اس وقت صبر واستقامت کا دامن تھامنا ضروری ہے تاکہ جسے غصہ آیا ہے وہ مذموم غصے پر عمل کرنے کی طرف مجبور نہ ہو جائے اور غصے کی شدت کے وقت علم وعمل کے مجموعے سے غصے کی شدت کا علاج کرے۔

علم کے ذریعے شدید غصے کے علاج کے چھ طریقے:

۞...**پہلا طریقہ:** ان اَحادیث میں غور وفکر کرے جو عنقریب ہم عفوودرگزر، بُردباری اور صبر کے فضائل میں ذکر کریں گے تاکہ ان کے ثواب میں رغبت ہو انتِقام اور غَیظ وغَضَب کی آگ سے نجات حاصل ہو۔ حضرت سیِّدُنا مالک بن اوس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک شخص کو مارنے کا حکم دیا تو اس نے یہ آیتِ مبارکہ پڑھی:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ (پ۹، الاعراف: ۱۹۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے یہ آیتِ طیبہ سنی تو آپ نے بھی اس آیتِ مقدسہ کو پڑھا اور اس میں غور وفکر کرنے لگے۔ آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ قرآنِ پاک سُن کر سزا دینے سے رُک جاتے اور قرآنِ پاک میں بہت زیادہ غور وفکر شروع کر دیتے، لہٰذا یہاں بھی آپ نے یہی کیا اور اسے چھوڑ دیا۔

حضرت سَیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز نے ایک شخص کو مارنے کا حکم دیا پھر یہ آیت طیبہ تلاوت کی:

وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۳۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور غصہ پینے والے۔

اور اپنے غلام سے فرمایا: اسے جانے دو۔

﴿...دوسرا طریقہ: اپنے نفس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عذاب سے ڈرائے اور کہے کہ مجھے جو اس انسان پر قدرت حاصل ہے اس سے بڑھ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کو مجھ پر قدرت ہے۔ اگر میں نے اس پر اپنا غصہ نکال دیا تو میں قیامت کے دن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب سے نہیں بچ سکتا حالانکہ اس وقت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مغفرت کا زیادہ محتاج ہوں گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آسمانی کتابوں میں سے ایک کتاب میں فرمایا: اے ابنِ آدم! جب تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کر لیا کر، میں اپنے غضب کے وقت تجھے یاد رکھوں گا اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ تجھے ہلاک نہ کروں گا۔ حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک خادم کو کسی کام کے لئے بھیجا تو اس نے آنے میں دیر کر دی، جب وہ واپس آیا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "لَوْلَا الْقِصَاصُ لَاَوْجَعْتُكَ یعنی اگر بدلہ نہ ہوتا تو میں تجھے ضرور سزا دیتا۔"[1] مطلب یہ کہ قیامت میں اس کا بدلہ ہوگا۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے ہر بادشاہ کے ساتھ ایک دانشور ہوتا تھا جب بادشاہ کو غصہ آتا تو وہ بادشاہ کو ایک پرچہ تھما دیتا جس میں لکھا ہوتا: مسکین پر رحم کر، موت سے ڈر اور آخرت کو یاد کر۔ بادشاہ اسے پڑھتا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا۔

﴿...تیسرا طریقہ: اگر نفس میں آخرت کا خوف نہ ہو تو اسے غصے کے دنیوی انجام سے ڈرائے کہ اس سے عداوت اور انتقام کا سامنا کرنا پڑے گا، دشمن مدمقابل ہوگا اور مقاصد کو ختم کرنے کی کوشش کرے گا نیز مصائب پر خوشی کا اظہار کرے گا اور یوں مصائب کا شکار ہوگا، لہٰذا نفس کو غصے کے دنیاوی انجام سے ڈرائے اگرچہ وہ آخرت کے انجام سے نہ ڈرتا ہو تو یہ خواہش کو غصے پر مُسَلَّط کرنا ہے جس کا اعمالِ آخرت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس پر ثواب ملے گا کیونکہ وہ فوری ملنے والی لذت کے حصول کے لئے ان امور کو باہم ٹکراتا ہے اور بعض کو بعض پر مقدم کرتا ہے۔ البتہ اگر اس کا یہ خیال ہو کہ غصے کی وجہ سے وہ دنیا میں علم و عمل کے لئے فراغت حاصل نہیں کر سکے گا یا

[1] ...الطبقات الکبرٰی لابن سعد، ذکر لمحاسن اخلاقہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۱/ ۲۸۹

آخرت کے لئے مدد نہیں ملے گی تو اس مقصد کے تحت غصہ نہ کرنے پر ثواب حاصل ہو گا۔

❀...**چوتھا طریقہ:** غصے کے وقت صورت بگڑنے کا سوچے کہ جب کوئی غصہ کرتا ہے تو غصے کی حالت میں اس کی شکل کس قدر بھیانک نظر آتی ہے اور غصہ والے شخص کو کاٹنے والے کتے اور خونخوار دَرِندے کی طرح خیال کرے اور بردبار شخص کو انبیا، اولیا، علما اور حکما کی طرح خیال کرے، پھر اپنے نفس کو اختیار دے کہ وہ خود کو کتوں، درندوں اور ذلیل لوگوں کے ساتھ تشبیہ دینا پسند کرے گا یا علما اور انبیا کی عادات کے ساتھ تشبیہ دینا پسند کرے گا تاکہ اگر اس کے پاس کچھ عقل باقی ہو تو نفس ان نُفُوسِ قُدسِیہ کی طرف مائل ہو۔

❀...**پانچواں طریقہ:** اُس سبب کے بارے میں غور و فکر کرے جو اسے انتقام پر ابھارتا ہے اور غصہ پینے سے روکتا ہے۔ ظاہر ہے اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی مثلاً شیطان اسے کہتا ہے: "اگر تو نے انتقام نہ لیا تو لوگ تجھے عاجز، کمتر، ذلیل اور گھٹیا خیال کریں گے اور تو لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو جائے گا۔" تو اس صورت حال میں وہ اپنے نفس سے کہے: "تعجب ہے تو وقتی رُسوائی سے ڈرتا ہے اور قیامت کی ذلت و رسوائی سے نہیں گھبراتا، جب یہی شخص تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھ سے انتقام لے گا! تو لوگوں کی نظروں میں ذلیل و حقیر ہونے سے ڈرتا ہے اور قیامت کے دن اللہ عَزَّوَجَلَّ، ملائکہ اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے سامنے ذلیل ہونے کا تجھے کچھ خوف نہیں! جب تو نے غصہ پینا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے پی جا تجھے لوگوں سے کیا غرض! یہی چیز تجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں عظیم بنا دے گی۔ آج کی رُسوائی اور لوگوں کی پروا نہ کر کیونکہ اگر تو نے انتقام لے لیا تو قیامت میں اس سے زیادہ رُسوائی ہو گی۔ کیا تو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ قیامت کے دن جب کہا جائے کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جن کا اللہ عَزَّوَجَلَّ پر حق ہے تو تُو بھی کھڑا ہو! اس وقت وہی کھڑے ہوں گے جنہوں نے درگزر کیا ہو گا۔"

اس قسم کی باتیں ایمان کی پہچان ہیں، لہٰذا اپنے دل میں ان کو خوب بٹھا لے۔

❀...**چھٹا طریقہ:** غور و فکر کرے کہ اس کا غصہ کس وجہ سے ہے؟ کیا اس وجہ سے وہ غصے میں ہے کہ اس کی مرضی کے مطابق کام نہیں ہوا بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مرضی کے موافق ہوا۔ تو وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میری مرضی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مرضی سے بہتر ہے (اگر وہ یہ کہے گا تو) قریب ہے کہ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا غَضَب ہو جو اس کے غضب سے بھی بڑھ کر ہو۔

غصے کا علاج:

جہاں تک عمل کے ذریعے غصے کو دور کرنے کا تعلق ہے تو وہ اپنی زبان سے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم" پڑھے، رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسی طرح کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔[1]

غصہ ختم کرنے کا طریقہ:

اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہا کو جب غصہ آتا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ان کی ناک پکڑ کر ارشاد فرماتے کہ اے عُوَیْش! یوں کہو: "اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَاَذْھِبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اے محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے رب! میرے گناہ بخش دے، میرے دل کے غصے کو ختم فرما اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے محفوظ فرما۔"[2] غصے کے وقت یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔

اگر اس طریقے سے بھی غصہ نہ جائے تو کھڑا ہونے کی صورت میں بیٹھ جائے اگر بیٹھا ہوا ہے تو لیٹ جائے اور زمین کے قریب ہو جائے جس سے اسے پیدا کیا گیا تاکہ اپنے نفس کی حقارت کو جانے۔ بیٹھنے اور لیٹنے میں مَصلَحَت یہ ہے کہ اس طرح سکون ملتا ہے کیونکہ غصے کا سبب حرارت ہے اور حرارت کا سبب حرکت ہے۔

غصہ دل میں دہکنے والا انگارہ ہے:

شفیعِ امت، سراپائے رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَۃٌ تُوْقَدُ فِی الْقَلْبِ اَلَمْ تَرَوْا اِلَی انْتِفَاخِ اَوْدَاجِہٖ وَحُمْرَۃِ عَیْنَیْہِ فَاِذَا وَجَدَ اَحَدُکُمْ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا فَاِنْ کَانَ قَائِمًا فَلْیَجْلِسْ وَاِنْ کَانَ جَالِسًا فَلْیَنَمْ یعنی بے شک غصہ دل میں دہکنے والا ایک انگارہ ہے، کیا تم غصہ کرنے والے کی رگیں پھولتے اور آنکھیں سرخ ہوتے ہوئے نہیں دیکھتے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا تھا تو لیٹ جائے۔[3]

اگر اس طرح بھی غصہ ختم نہ ہو تو ٹھنڈے پانی سے وضو یا غسل کرے کیونکہ پانی ہی آگ کو بجھاتا ہے۔

1... بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، ۴/ ۱۳۱، حدیث: ۶۱۱۵

2... تاریخ مدینۃ دمشق، الرقم: ۹۱۶۶، مؤذن عمر بن عبد العزیز، ۶۸/ ۱۸۱

3... شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۳۱۰، حدیث: ۸۲۹۰ بتغیر قلیل

غصہ آگ سے ہے:

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ بِالْمَاءِ فَاِنَّمَا الْغَضَبُ مِنَ النَّارِ یعنی جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ پانی سے وضو کرے کیونکہ غصہ آگ سے ہے۔(1)

ایک روایت میں ہے: اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّیْطٰنِ وَاِنَّ الشَّیْطٰنَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ یعنی غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ وضو کرلے۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِذَا غَضِبْتَ فَاسْکُتْ یعنی جب تمہیں غصہ آئے تو خاموش ہو جاؤ۔(2)

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو جب غصہ آتا اور آپ کھڑے ہوتے تو بیٹھ جاتے اور بیٹھے ہوتے تو لیٹ جاتے اس طرح آپ کا غصہ ختم ہو جاتا۔(3)

رُخسار زمین پر رکھ دو:

حضرت سیِّدُنا ابو سعید خُدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ رحمتِ عالَم، نورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اَلَا اِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَۃٌ فِیْ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ اَلَا تَرَوْنَ اِلٰی حُمْرَۃِ عَیْنَیْہِ وَانْتِفَاخِ اَوْدَاجِہٖ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا فَلْیُلْصِقْ خَدَّہٗ بِالْاَرْضِ یعنی سُن لو! غصہ آدمی کے دل میں دَہکنے والا انگارہ ہے کیا تم اس کی آنکھوں کی سرخی اور رگوں کے پھولنے کو نہیں دیکھتے، لہٰذا جسے غصہ آئے اسے چاہئے کہ اپنا رخسار زمین سے لگادے۔(4)

گویا یہ سجدے کی طرف اشارہ ہے جس میں انسان معزز ترین اَعضاء (رخسار اور پیشانی) کو ذلیل ترین جگہ یعنی مٹی پر لگاتا ہے تاکہ نفس ذلت کا احساس پائے اور اس کی عزتِ نفس اور غُرور وتکبُّر جو کہ غصہ کے اسباب

1 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب ما یقال عند الغضب، ۴/ ۳۲۸، حدیث ۴۷۸۴

2 ...المعجم الکبیر، ۱۱/ ۳۳، حدیث: ۱۰۹۵۱

3 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب ما یقال عند الغضب، ۴/ ۳۲۷، حدیث: ۴۷۸۲ بتغیر، عن ابی ذر رضی اللہ عنہ

4 ...سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ما اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ... الخ، ۴/ ۸۱، حدیث: ۲۱۹۸

ہیں، دور ہو جائیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن امیر المومنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو غصہ آ گیا تو آپ نے پانی منگوا کر ناک میں چڑھایا اور فرمایا: غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور یہ عمل غصے کو لے جاتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا عروہ بن محمد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الصَّمَد فرماتے ہیں: جب مجھے یمن کا حاکم مقرر کیا گیا تو میرے والد نے مجھ سے پوچھا کیا تو حاکم مقرر ہوا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: جب تمہیں غصہ آئے تو اپنے اوپر آسمان کی طرف دیکھو اور اپنے نیچے زمین کی طرف دیکھو پھر ان دونوں کے خالق کی عظمت بیان کرو۔

تم کسی سرخ وسیاہ سے افضل نہیں:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابوذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے باہمی جھگڑے کے دوران ایک شخص کو یَاابْنَ الْحَمْرَاء (یعنی اے سرخ عورت کے بیٹے!) کہہ کر پکارا۔ حضور سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تک یہ بات پہنچی تو ارشاد فرمایا: "یَا اَبَا ذَرٍّ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ الْیَوْمَ عَیَّرْتَ اَخَاکَ بِاُمِّہٖ یعنی اے ابوذر! مجھے خبر ملی ہے کہ آج تم نے اپنے (مسلمان) بھائی کو اس کی ماں کے ذریعے عار دلائی ہے۔" انہوں نے عرض کی: جی ہاں۔ پھر وہ اس شخص کو راضی کرنے چلے گئے، اتنے میں اس شخص نے سبقت کی اور انہیں سلام کیا۔ حضرت سیِّدُنا ابوذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے یہ بات بارگاہِ رسالت میں عرض کی تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اے ابوذر! اپنا سر اٹھا کر دیکھو اور جان لو کہ تم کسی سُرخ وسیاہ سے افضل نہیں البتہ یہ کہ تم عمل کے ذریعے فضیلت حاصل کرلو۔ اس کے بعد فرمایا: جب تمہیں غصہ آئے اور تم کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہوئے ہو تو ٹیک لگا لو اور اگر ٹیک لگائے ہوئے ہو تو لیٹ جاؤ۔[1]

حکایت: تین آدمی تین کاغذ

حضرت سیِّدُنا مُعْتَمِر بن سُلَیْمان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْمَنَّان فرماتے ہیں: تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص تھا جسے بہت زیادہ غصہ آتا تھا۔ اس نے تین کاغذ لکھے اور تین آدمیوں کو دے دیئے، پہلے سے کہا: جب مجھے غصہ

---

[1] ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الثانی فی الاخلاق والافعال المذمومۃ، ۳/ ۳۳۲، حدیث: ۸۸۲۷

آئے تو یہ کاغذ مجھے دے دینا، دوسرے سے کہا: جب میرا غصہ کچھ تھم جائے تو یہ کاغذ مجھے دے دینا اور تیسرے سے کہا: جب میرا غصہ بالکل چلا جائے تو یہ کاغذ مجھے دینا۔ ایک دن اسے بہت زیادہ غصہ آیا تو اسے پہلا کاغذ دیا گیا جس میں لکھا تھا: تیری اور تیرے اس غصے کی کیا حیثیت ہے؟ تُو خدا تو نہیں بلکہ ایک انسان ہے، عنقریب تیرے جسم کا ایک حصہ دوسرے کو کھائے گا۔ یہ پڑھ کر اس کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر اسے دوسرا کاغذ دیا گیا جس میں لکھا تھا: تم زمین والوں پر رحم کرو عرش والا تم پر رحم کرے گا۔ پھر تیسرا کاغذ دیا گیا جس میں لکھا تھا: لوگوں کو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے حق کے ساتھ پکڑو ان کی اصلاح اسی بات سے ہو گی۔ یعنی حُدُود کو معطل نہ کرو۔

ایک دن خلیفہ مَہدی کو ایک شخص پر غصہ آگیا تو حضرت سیِّدُنا شبیب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے کہا: **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا واسطہ اس زیادہ غصہ نہ کر جتنا کوئی اپنے نفس کے لئے کرتا ہے۔

باب نمبر2: تحمُّل مزاجی کا بیان (اس میں تین فصلیں ہیں)

پہلی فصل: غصہ پینے کی فضیلت

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۳۴) ترجمۂ کنز الایمان: اور غصہ پینے والے۔

یہ بات **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے تعریف کے مقام پر ارشاد فرمائی ہے۔

غصہ پینے کی فضیلت پر مشتمل سات فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... جو شخص اپنے غصے کو روکتا ہے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اس سے اپنے غضب کو روکتا ہے اور جو شخص **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں عُذر پیش کرتا ہے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اس کے عذر کو قبول فرماتا ہے اور جو آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرتا ہے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔[1]

﴿2﴾... تم میں سب سے زیادہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت خود پر قابو پالے اور سب سے زیادہ بُردبار وہ ہے جو طاقت کے باوجود مُعاف کر دے۔[2]

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۳۱۵، حدیث: ۸۳۱۱

[2] ...کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الثانی فی الاخلاق والافعال المذمومۃ، ۳/ ۲۰۷، حدیث: ۷۶۹۳

﴿3﴾... جو شخص غصہ نکالنے پر قدرت کے باوجود غصہ پی جاتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کے دن اس کے دل کو اپنی رضا سے بھر دے گا۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ "اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے دل کو امن وایمان سے بھر دے گا۔"

﴿4﴾... رِضائے الٰہی کے لئے جو بندہ غصے کا گھونٹ پی لے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک اس سے زیادہ اجر والا کوئی گھونٹ نہیں۔[2]

﴿5﴾... بے شک جَہَنَّم میں ایک ایسا دروازہ ہے جس سے وہی شخص داخل ہو گا جس کا غصہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی پر ہی ٹھنڈا ہوتا ہے۔[3]

﴿6﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک کوئی گھونٹ اتنا پسندیدہ نہیں جتنا بندے کا غصے کا گھونٹ پینا ہے، جو بندہ غصہ پی لیتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے سینے کو ایمان سے بھر دیتا ہے۔[4]

﴿7﴾... جو شخص غصہ نکالنے پر قدرت کے باوجود اسے پی جاتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کے دن اسے لوگوں کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ جس حُور کو چاہے لے لے۔[5]

غصہ پینے کی فضیلت پر مشتمل سات اَقوال بزرگانِ دین:

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتا ہے وہ غصہ نہیں کرتا اور جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف رکھتا ہے وہ اپنی مَن مانی نہیں کرتا اور اگر قیامت کا دن نہ ہوتا تو تم وہ نہ دیکھتے جو آج تم دیکھ رہے ہو۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا لُقمان حکیم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: مانگ کر اپنی عزت کا سودا مت کر، اپنی رُسوائی کے سبب غصہ مت کر اور اپنی قدر خود پہچان یہ چیز تجھے زندگی میں نفع دے گی۔

---

1 ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، ۳/ ۱۶۳، حدیث: ۷۱۶۰

2 ... سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الحلم، ۴/ ۴۶۳، حدیث: ۴۱۸۹

3 ... شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۳۲۰، حدیث: ۸۳۳۱

4 ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، ۳/ ۵۶، حدیث: ۵۸۱۸

5 ... سنن ابی داود، کتاب الادب، باب من کظم غیظا، ۴/ ۳۲۵، حدیث: ۴۷۷۷

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا ایوب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: لمحہ بھر کی تحمل مزاجی بہت سے فتنوں کو دبا دیتی ہے۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری، ابو خُزَیْمَہ یَربوعی اور فُضَیل بن عِیاض رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی اکٹھے ہو کر زُہد کے بارے میں گفتگو کرنے لگے تو انہوں نے اس بات پر اِتّفاق کیا کہ سب سے افضل عمل غصے کے وقت تحمل مزاجی اور پریشانی کے وقت صبر سے کام لینا ہے۔

﴿5﴾... ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کہا: آپ نہ تو عدل کرتے ہیں اور نہ دل کھول کر عطا کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ غصے میں آگئے حتّٰی کہ آپ کے چہرے پر غصے کے آثار دکھائی دینے لگے۔ ایک شخص نے عرض کی: امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ! کیا آپ نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا یہ فرمان نہیں سنا:

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ (پ۹، الاعراف: ۱۹۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

لہٰذا یہ شخص بھی جاہلوں میں سے ہے۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے، گویا وہ ایک آگ تھی جو بجھ گئی۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا محمد بن کعب قُرَظی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: جس آدمی میں یہ تین خصلتیں ہوں اس کا اللہ عَزَّ وَجَلَّ پر کامل ایمان ہوتا ہے: (۱) جب وہ حالتِ رضا میں ہو تو اس کی یہ حالت اسے باطل کی طرف نہ لے جائے۔ (۲) جب غصے میں ہو تو حق سے تجاوز نہ کرے اور (۳) جب اسے طاقت حاصل ہو تو وہ چیز نہ لے جو اس کی نہیں۔

﴿7﴾... ایک شخص حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے بندے! مجھے کچھ وصیت فرمائیے! آپ نے فرمایا: غصہ نہ کرنا۔ اس نے کہا: میں ایسا نہیں کر سکتا۔ فرمایا: پھر جب غصے میں ہو تو اپنی زبان اور ہاتھ روک لینا۔

دوسری فصل: تَحَمُّل مِزاجی کی فضیلت

اس بات کو جان لو کہ تحمل مزاجی غصہ پینے سے افضل ہے کیونکہ غصہ پی جانا "تَحَلُّم" سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے بتکلُّف بُردبار بننا اور غصہ پینے کی ضرورت اسے ہوتی ہے جس کا غصہ شدید ہو جاتا ہو، اس سلسلے میں اسے شدید مجاہدے و ریاضت کی حاجت ہوتی ہے لیکن جب ایک مدّت تک بتکلُّف اس کی عادت

بنائی جائے تو اس طرح اس کی عادت پختہ ہو جاتی ہے اور وہ غصے کی حالت میں جوش میں نہیں آتا اور اگر غصہ آ بھی جائے تو اسے غصہ پینے میں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔ یہی طَبعی بُردباری ہے جو عقل کے کمال اور غلبے پر دلالت کرتی ہے۔ قوتِ غضب کا ٹوٹ جانا اور کمزور ہونا عقل کے باعث ہوتا ہے لیکن اس کی ابتدا بتکلُّف تحمل مزاج ہونے اور غصہ پینے سے ہوتی ہے۔

تَحَمُّل مزاجی کی فضیلت پر مشتمل چھ فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... علم سیکھنے سے آتا ہے، تحمل مزاجی بتکلُّف برداشت کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور جو بھلائی حاصل کرنے کی کوشش کرے اسے بھلائی دی جاتی ہے اور جو شر سے بچنا چاہتا ہے اسے بچایا جاتا ہے۔[1]

اس حدیثِ پاک میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح علم سیکھنے سے آتا ہے اسی طرح بردباری کا حصول شروع میں بتکلف حلیم بننے اور بردباری اختیار کرنے سے ہوتا ہے۔

﴿2﴾... علم حاصل کرو اور علم کے ساتھ سکون اور بردباری بھی سیکھو، اپنے اساتذہ اور شاگردوں سے نرمی سے پیش آؤ اور مُتَکَبِّر عُلَما میں سے نہ بنو ورنہ تمہاری جہالت تمہاری بردباری پر غالب آ جائے گی۔[2]

اس میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ غرور و تکبُّر ہی غصے میں شدت پیدا کرتے اور تحمل مزاجی اور نرمی سے روکتے ہیں۔

﴿3﴾... حضور سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یہ دعا کیا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اَغْنِنِیْ بِالْعِلْمِ وَزَیِّنِّیْ بِالْحِلْمِ وَاَکْرِمْنِیْ بِالتَّقْوٰی وَجَمِّلْنِیْ بِالْعَافِیَۃِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے علم کے ذریعے غنی، تحمل مزاجی سے مُزَیَّن، تقویٰ سے مُکَرَّم اور عافیت سے مُنَوَّر فرما۔[3]

﴿4﴾... رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں عزت و بُزرگی چاہو۔" صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: "کیسے؟" ارشاد فرمایا: "جو تم سے قَطعِ تعلُّق کرے اس سے صِلَۂ رِحمی کرو، جو تمہیں

---

[1]...تاریخ مدینۃ دمشق، الرقم: ۲۱۶۲، رجاء بن حیوۃ، ۱۸/ ۹۸

[2]...الکامل فی ضعفاء الرجال، الرقم: ۱۱۲۵، عباد بن کثیر، ۵/ ۵۴۲

[3]...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الحلم، ۲/ ۲۱، حدیث: ۳

محروم کرے اسے عطا کرو اور جو تم سے جہالت سے پیش آئے تم اس کے ساتھ بُردباری اختیار کرو۔"[1]

﴿5﴾... پانچ کام انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی سنّت ہیں: (۱)...حیا (۲)...تحمل مزاجی (۳)...سینگی لگوانا[2] (۴)...مسواک کرنا اور (۵)...خوشبو لگانا۔[3]

﴿6﴾... بے شک انسان بردباری کی وجہ سے روزہ دار اور شب بیدار کا درجہ پالیتا ہے اور کبھی ہٹ دھرم اور سرکش لکھا جاتا ہے حالانکہ وہ اپنے اہل خانہ کے علاوہ کسی کا مالک نہیں ہوتا۔[4]

بُردباری کا انعام:

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ الله صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتا ہوں لیکن وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آتا ہوں لیکن وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں، میں ان کے ساتھ بردباری سے پیش آتا ہوں لیکن وہ مجھ سے جاہلانہ برتاؤ کرتے ہیں۔ آپ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اگر معاملہ اسی طرح ہے جیسے تو کہہ رہا ہے تو تُو ان کے منہ میں بھوبل (گرم راکھ) ڈال رہا ہے اور تیرے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ایک مددگار رہے گا جب تک تو اس حال پر رہے گا۔[5] [6]

---

[1] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الحلم، ۲/ ۲۱، حدیث: ۴

[2] ...یہ درد کے علاج کا ایک مخصوص طریقہ ہے جس میں سوراخ کیا ہوا سینگ درد کی جگہ رکھ کر منہ کے ذریعے جسم کی گرمی کھینچتے ہیں۔ (فیضانِ سنت، جلد اول، صفحہ ۱۰۵۳، حاشیہ)

[3] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الحلم، ۲/ ۲۳، حدیث: ۶

[4] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الحلم، ۲/ ۲۷، حدیث: ۸

[5] ...مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب صلۃ الرحم... الخ، ص ۱۳۸۴، حدیث: ۲۵۵۸

[6] ... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد6، صفحہ 524 پر حدیثِ پاک کے جز "منہ میں بھوبل ڈال رہا ہے" کے تحت فرماتے ہیں: اس جملے کے بہت معنی ہیں ایک یہ کہ اس حالت میں ان لوگوں کو تیرا مال حرام ہے اور پھر وہ کھا رہے ہیں تو گویا اپنے منہ میں بھوبل (گرم راکھ) بھر رہے ہیں دوسرے یہ کہ ان کو ان حالات میں ایسی شرمندگی چاہئے کہ ان کے منہ جھلس جاویں جیسے بھوبل پڑنے سے منہ جھلس جاتا ہے تیسرے یہ کہ ان کی بُرائیوں کے عوض تیرا ان سے سلوک کرنا گویا ان کے منہ سے بُھوبَل بھرنا ہے تو انھیں ذلیل کر رہا ہے تیری عزت بڑھ رہی ہے ان کی شر...

انوکھا صَدَقہ:

ایک شخص نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جسے میں صَدَقہ کروں، لہٰذا جو کوئی میری بے عزتی کرے تو یہی میری طرف سے اس پر صدقہ ہے (یعنی میں نے اسے معاف کیا) اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس وقت کے نبی عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے اس شخص کو بخش دیا۔[1]

ابوضمضم کون؟

سردارِ دو جہاں، رحمتِ عالمیان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ابو ضمضم کی طرح نہیں ہو سکتا؟ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: ابو ضمضم کون ہے؟ ارشاد فرمایا: تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا جب صبح ہوتی تو وہ یوں کہتا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں نے آج کے دن اپنی عزت اس شخص پر صدقہ کی (یعنی اسے معاف کیا) جو مجھ پر ظلم کرے۔[2]

بُردباری کے متعلق پانچ تفسیری اَقوال:

﴿1﴾...اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمان "رَبّٰنِیّٖنَ"[3] کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد بردبار علما ہیں۔

﴿2﴾...حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی اس فرمانِ باری تعالیٰ:

وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ (پ۱۹، الفرقان: ۶۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ان سے تحمل مزاج لوگ مراد ہیں کہ جب ان سے جہالت کا برتاؤ کیا جائے تو

... مندگی وذلت۔ خیرات سے مال بڑھتا ہے عفو وکرم سے عزت بڑھتی ہے۔ اور حدیث پاک کے جز "اللہ عَزَّوَجَلَّ مددگار" کے تحت فرماتے ہیں: یعنی جب تک تیرا یہ حلم اور برائی کی عوض بھلائی ہے تب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھے مدد پہونچتی رہے گی یا تجھ پر رب کی طرف سے فرشتہ مقرر رہے گا جو تجھے ان کے شر سے بچائے گا اور تیرے عزت ومال میں برکت دے گا۔

[1] ...الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، باب الکنی، حرف الضاد المعجمۃ، الرقم: ۱۰۱۶۴، ابو ضمضم، ۷/ ۱۹۱

[2] ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب ماجاء فی الرجل...الخ، ۴/ ۳۵۶، حدیث: ۴۸۸۶، ۴۸۸۷

[3] ...ترجمۂ کنزالایمان: اللہ والے۔ (پ۳، اٰل عمرٰن: ۷۹)

فِيْهِ الْعَلِيْمَ وَلَا يَسْتَحْيُوْنَ فِيْهِ مِنَ الْحَلِيْمِ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الْعَجَمِ وَاَلْسِنَتُهُمْ اَلْسِنَةُ الْعَرَبِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھ پر کوئی ایسا وقت نہ آئے اور نہ میں کسی ایسے وقت کو پاؤں جس میں لوگ علم والے کی اتباع نہ کریں اور حلم والے سے حیا نہ کریں اور ان کے دل تو عجمی ہوں اور زبانیں عربی۔[1]

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قربت کے لائق لوگ:

حضور نبیِّ اَکرم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لِيَلِيَنِيْ مِنْكُمْ ذَوُو الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ وَاِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْاَسْوَاقِ یعنی تم میں سے میرے قریب وہ لوگ رہیں جو بُردبار اور عقل مند ہیں پھر وہ جو ان کے قریب ہیں اور پھر وہ جو ان کے قریب ہیں اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا اور بازاروں کے شور و غل سے الگ رہو۔[2]

دو پسندیدہ عادتیں:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا اَشَجّ عبدُ القیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ وفد کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، انہوں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور باندھ دیا، پھر اپنے کپڑے اتار کر تھیلی میں سے دو نہایت عمدہ کپڑے نکال کر پہنے۔ حضور نبیِّ اَکرم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یہ سب کچھ مُلاحَظہ فرما رہے تھے، پھر وہ چلتے ہوئے خدمتِ اَقدس میں پہنچ گئے، سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے اَشَجّ! تم میں دو عادتیں ایسی ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کو پسند ہیں۔ انہوں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں وہ دو عادتیں کون سی ہیں؟ ارشاد فرمایا: بُردباری اور وقار۔ انہوں نے عرض کی: کیا مجھ میں ان دو عادات کو پیدا کیا گیا ہے یا میری فطرت میں رکھی گئی ہیں؟ ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ دو عادتیں تمہاری فطرت میں رکھی ہیں۔[3] اس پر حضرت سیِّدُنا اَشَجّ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ہے جس نے میری فطرت ان دو عادتوں پر رکھی جو اللہ عَزَّوَجَلَّ

---

1 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث ابی مالک سھل بن الساعدی، ۸/ ۴۴۳، حدیث: ۲۲۹۴۲

2 ...سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب من یستحب ان یلی الامام...الخ، ۱/ ۲۶۷، ۲۶۸، حدیث: ۶۷۴، ۶۷۵

3 ...سنن الکبری للبیھقی، کتاب النکاح، باب قول اللہ تعالٰی ''وانکحوا الایامٰی منکم''...الخ، ۷/ ۱۶۴، حدیث: ۱۳۵۸۷

وہ جہالت سے پیش نہیں آتے۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا عطاء بن ابو رباح رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه اس فرمانِ باری تعالیٰ:

يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (پ۱۹، الفرقان:۶۳) ترجمۂ کنزالایمان: زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس سے ان کی بردباری مراد ہے۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا ابن حبیب عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْمَجِیْد "وَ كَهْلًا"(1) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "کَھْل" سے مراد تحمل مزاجی کی انتہا ہے۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا مجاہد عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْوَاحِد اس فرمانِ باری تعالیٰ:

وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (پ۱۹، الفرقان:۷۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور جب بیہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی جب انہیں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو دَرگُزر کرتے ہیں۔

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبد الله بن مسعود رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه ایک بیہودہ بات سے اِعراض کرتے ہوئے گزر گئے تو رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَصْبَحَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ كَرِيْمًا یعنی ابن مسعود نے صبح بردباری میں بسر کی۔(2)

ایک روایت میں "اَصْبَحَ" کی جگہ "اَمْسٰی یعنی شام" کا ذکر ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن مَیسرہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد یہ آیتِ طیبہ تلاوت کی:

وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (پ۱۹، الفرقان:۷۲) ترجمۂ کنزالایمان: اور جب بیہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں۔

حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے دعا کی: اَللّٰهُمَّ لَا يُدْرِكُنِيْ وَلَا اُدْرِكُ زَمَانٌ لَا يَتَّبِعُوْنَ

---

1 ...ترجمہ کنزالایمان: اور پکی عمر میں۔ (پ۳، اٰل عمران:۴۶)

2 ...الدر المنثور، پ۱۹، سورۃ الفرقان: ۷۲، ۶/ ۲۸۳

اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو پسند ہیں۔

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ امت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ مکرم ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْحَلِیْمَ الْحَیِیَّ الْغَنِیَّ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِیَالِ التَّقِیَّ وَیُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ الْمُلْحِفَ الْغَبِیَّ یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ بردبار، حیادار، لوگوں سے مستغنی، سوال سے بچنے والے عیال دار اور متقی شخص کو پسند کرتا ہے اور بے ہودہ فُحش گو، مانگنے میں اصرار کرنے والے بھکاری اور بیوقوف کو ناپسند فرماتا ہے۔[1]

اس کے عمل کو کچھ شمار مت کرو:

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: نبیوں کے سُلطان، رحمتِ عالمیان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ثَلَاثٌ مَّنْ لَّمْ تَکُنْ فِیْہِ وَاحِدَۃٌ مِّنْھُنَّ فَلَا تَعْتَدُّوْا بِشَیْءٍ مِّنْ عَمَلِہٖ تَقْوٰی تَحْجُزُہٗ عَنْ مَعَاصِی اللّٰہِ وَحِلْمٌ یَکُفُّ بِہِ السَّفِیْہَ وَخُلُقٌ یَّعِیْشُ بِہٖ فِی النَّاسِ یعنی جس میں تین باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو تم اس کے عمل کو کچھ بھی شمار نہ کرو۔ (۱) تقویٰ جو اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی سے بچائے (۲) حلم جس کے ذریعے بیوقوف سے بُردباری کرے (۳) حُسنِ اَخلاق جس کے ساتھ وہ معاشرے میں زندگی بسر کرے۔[2]

اہلِ فضل کہاں ہیں؟

تاجدارِ انبیا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ بروزِ قیامت جب اللہ عَزَّوَجَلَّ مخلوق کو جمع فرمائے گا تو ایک پکارنے والا پکارے گا: ''اَیْنَ اَھْلُ الْفَضْلِ یعنی اہل فضل کہاں ہیں؟'' تھوڑے سے لوگ اٹھیں گے اور جلدی جلدی جنت کی طرف چلیں گے۔ فرشتے ان سے ملیں گے تو کہیں گے: ''اِنَّا نَرَاکُمْ سِرَاعًا اِلَی الْجَنَّۃِ یعنی کیا بات ہے کہ ہم تمہیں تیزی سے جنت کی طرف جاتے ہوئے دیکھتے ہیں؟'' وہ کہیں گے: ''نَحْنُ اَھْلُ الْفَضْلِ یعنی ہم اہل فضل ہیں۔'' فرشتے پوچھیں گے: ''تمہاری کیا فضیلت ہے؟'' وہ جواب دیں گے: ''کُنَّا اِذَا ظُلِمْنَا صَبَرْنَا وَاِذَا اُسِیْءَ اِلَیْنَا عَفَوْنَا وَاِذَا جُھِلَ عَلَیْنَا حَلُمْنَا یعنی جب ہم پر ظُلم کیا جاتا تو ہم صبر کرتے جب ہم سے بُرا سلوک کیا جاتا تو ہم مُعاف کر دیتے اور جب ہم سے جہالت کا برتاؤ کیا جاتا تو ہم بردباری سے کام لیتے۔'' اس وقت ان سے کہا جائے

---

[1] ...المعجم الکبیر، ۱۰/ ۱۹۷، حدیث: ۱۰۴۴۳ بتغیر قلیل

[2] ...مکارم الاخلاق للطبرانی علی ہامش مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا، باب فضل الرفق والحلم والأناۃ، ص ۳۲۲، حدیث: ۳۰

گا: "اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ یعنی جنت میں داخل ہو جاؤ عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔"[1]

بُردباری کے متعلق آٹھ اَقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾...امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: علم سیکھو اور علم کے لئے وقار اور بُردباری اختیار کرو۔

﴿2﴾...امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: خیر اس چیز کا نام نہیں کہ تمہارا مال اور اولاد زیادہ ہو بلکہ خیر و برکت یہ ہے کہ تمہارا عِلْم اور حِلْم زیادہ ہو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے ساتھ لوگوں کے سامنے فخر نہ کرو جب نیکی کرو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرو اور جب گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مغفرت طلب کرو۔

﴿3﴾...حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں علم حاصل کرو اور اسے وقار اور بردباری سے مُزَیَّن کرو۔

﴿4﴾...حضرت سیِّدُنا اَکْثَم بن صَیْفِی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: عقل کا ستون بردباری ہے اور صبر تمام باتوں کا جامع ہے۔

﴿5﴾...حضرت سیِّدُنا ابو دَرْداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں نے پہلے کے لوگوں کو اس طرح پایا کہ وہ پتے تھے جن میں کانٹوں کا نام ونشان نہ تھا لیکن اب دیکھتا ہوں تو کانٹے ہی کانٹے ہیں ان میں پتوں کا نام ونشان نہیں۔ اگر تم اِنہیں جاننے کی کوشش کرو گے تو وہ تمہیں پرکھیں گے اور اگر تم اِنہیں چھوڑنا چاہو گے تو پھر بھی وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ حاضرین نے کہا: پھر ہم کیا طریقہ اختیار کریں؟ فرمایا: قیامت کے دن کے لئے اپنی عزت انہیں قرض دو (یعنی ان سے درگزر کرو)۔

﴿6﴾...امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: بُردبار شخص کو بردباری کا پہلا بدلہ یہ ملتا ہے کہ جاہل کے مقابلے میں تمام لوگ اس کے مددگار ہو جاتے ہیں۔

﴿7﴾...امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا امیر مُعاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: آدمی اس وقت تک رائے دینے کے قابل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی بردباری اس کی جہالت پر اور اس کا صبر اس کی خواہش پر غالب نہ

[1] ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۲۶۳، حدیث: ۸۰۸۶

آجائے اور یہ چیز علم کی قوت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

﴿8﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا امیر مُعاوِیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا عَمْرو بن اَہْتَم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے پوچھا: کون زیادہ بہادر ہے؟ فرمایا: جو اپنی جہالت کو اپنی بردباری کے ذریعے دور کرے۔ پھر پوچھا: کون زیادہ سخی ہے؟ فرمایا: جو اپنی دنیا کو اپنے دین کی بہتری کے لئے خرچ کرے۔

اگر تو سچا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ میری مغفرت فرمائے:

حضرت سیِّدُنا انس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ اس فرمانِ باری تعالیٰ:

فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْاۚ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾

ترجمۂ کنزالایمان: جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔

(پ۲۴، حم السجدۃ: ۳۴، ۳۵)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ شخص ہے جسے اس کا بھائی گالی دیتا ہے تو وہ کہتا ہے اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ تجھے بخش دے اور اگر سچا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ میری مغفرت فرمائے۔

بُردباری کا بہترین صلہ:

ایک شخص نے کہا: میں نے بصرہ والوں میں سے ایک شخص کو برا بھلا کہا لیکن اس نے میرے ساتھ بردباری سے کام لیا گویا اس نے ایک عرصہ تک مجھے اپنا غلام بنالیا۔

حکایت: سرداری کیسے ملی

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا امیر مُعاوِیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا عَرَابہ بن اَوس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے پوچھا: اے عرابہ! تم اپنی قوم کے سردار کیسے بنے؟ انہوں نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! میں ان کے جاہلوں سے درگزر کرتا، سوال کرنے والوں کو عطا کرتا اور ان کی حاجات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ تو جو شخص میری طرح یہ کام کرے گا وہ مجھ جیسا ہو جائے گا اور جو مجھ سے بھی بڑھ کر کرے گا وہ مجھ سے افضل

ہو گا اور جو میرے عمل سے کم کرے گا تو میں اس سے بہتر ہوں۔

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو برا بھلا کہا، جب وہ کہہ چکا تو آپ نے اپنے غلام عِکرِمہ سے فرمایا: اس شخص کا کوئی کام ہو تو پورا کر دو۔ اس شخص نے یہ بات سنی تو شرم سے اپنا سر جھکا لیا۔

ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز سے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ فاسق ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہاری گواہی قبول نہیں۔

حکایت: برائی کا بہترین جواب

حضرت سیِّدُنا اِمام زَیْنُ الْعَابِدِین عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن کے بارے میں منقول ہے کہ ایک شخص نے آپ کو برا بھلا کہا تو آپ نے اپنی سیاہ رنگ کی چادر اتار کر اسے دے دی اور اسے ایک ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ بعض بزرگوں نے کہا: انہوں نے اس طرح پانچ خصلتوں کو جمع کیا: (۱) بردباری (۲) تکلیف نہ دینا (۳) اس شخص کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دُور کرنے والی بات سے بچانا (۴) توبہ اور ندامت پر اُکسانا اور (۵) برائی کے بدلے بھلائی کرنا۔ اس طرح آپ نے معمولی دنیا کے بدلے یہ تمام چیزیں خرید لیں۔

حکایت: ذلیل تو زیادتی کرنے والا ہوتا ہے

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا امام جعفر صادق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے عرض کی: کچھ لوگوں کے ساتھ میرا کسی بات پر جھگڑا ہو گیا ہے میں اس جھگڑے کو ختم کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے یہ نہ کہا جائے کہ "پیچھے ہٹنے میں تمہاری ذِلّت ہے۔" حضرت سیِّدُنا امام جعفر صادق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ذلیل تو زیادتی کرنے والا ہوتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا خلیل بن احمد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الصَّمَد فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ اگر برائی سے پیش آنے والے کے ساتھ حُسنِ سُلُوک کیا جائے تو اس کے دل میں ایک ایسی بات پیدا ہو جاتی ہے جو اسے اس طرح کی برائی سے روکتی ہے۔

حضرت سیِّدُنا اَحنف بن قیس رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں بردبار نہیں ہوں لیکن بردباری کی کوشش کرتا ہوں۔

بہترین نصیحتیں:

حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ❁...جو شخص رَحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا

ہے ۞۔۔۔ جو خاموشی اختیار کرتا ہے سلامتی میں رہتا ہے ۞۔۔۔ جو جہالت سے پیش آتا ہے وہ مغلوب ہوتا ہے ۞۔۔۔ جو جلدی کرتا ہے وہ خطا کرتا ہے ۞۔۔۔ جو برائی کی حرص کرتا ہے وہ محفوظ نہیں رہتا ۞۔۔۔ جو شخص جھگڑتا ہے اسے گالیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۞۔۔۔ جو بُرائی سے نفرت نہیں کرتا وہ گناہ گار ہوتا ہے ۞۔۔۔ جو برائی سے نفرت کرتا ہے وہ اس سے بچ جاتا ہے ۞۔۔۔ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کی پیروی کرتا ہے ہلاکت سے محفوظ رہتا ہے ۞۔۔۔ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتا ہے بے خوف رہتا ہے ۞۔۔۔ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کو دوست رکھتا ہے وہ محفوظ رہتا ہے ۞۔۔۔ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے نہیں مانگتا وہ محتاج رہتا ہے ۞۔۔۔ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خُفیہ تدبیر سے بے خوف رہتا ہے وہ ذلیل ورسوا ہوتا ہے اور ۞۔۔۔ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مدد مانگتا ہے وہ کامیاب وکامران رہتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار سے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ میری برائی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر یہ بات ہوتی تو تم مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتے کیونکہ اگر میں ایسا کرتا تو سمجھو اپنی نیکیاں تمہیں تحفے میں دے دیتا۔

بعض عُلَما فرماتے ہیں: حِلْم رتبے میں عقل سے بڑھ کر ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ایک نام حَلِیْم بھی ہے۔

ایک شخص نے کسی دانِشْوَر سے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں تجھے ایسی گالی دوں گا جو تیرے ساتھ قبر تک جائے گی۔ دانشور نے کہا: وہ تمہارے ساتھ جائے گی میرے ساتھ نہیں۔

ہر شخص وہی خرچ کرتا ہے جو اس کے پاس ہے:

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام یہود کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو انہوں نے آپ کو برا بھلا کہا: آپ نے جواب میں ان کو اچھا کہا۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام سے عرض کی گئی کہ وہ لوگ آپ کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور آپ جواباً انہیں اچھا کہتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہر شخص وہی خرچ کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے۔

بردبار، بہادر اور بھائی کی پہچان:

حضرت سیِّدُنا لقمان حکیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: تین آدمی تین اوقات میں پہچانے جاتے ہیں: بُردبار غصے کے وقت، بہادر لڑائی کے وقت اور بھائی ضَرورت کے وقت۔

حکایت: بردباری ہر درد کی دوا ہے

کسی عقل مند کے پاس اس کا ایک دوست گیا تو عقل مند نے اس کے سامنے کھانا رکھا، اس کی بیوی انتہائی بداَخلاق تھی، اس نے آکر دستر خوان اٹھایا اور اپنے شوہر کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا، دوست یہ معاملہ دیکھ کر غصے کی حالت میں باہر نکل گیا، عقل مند اس کے پیچھے گیا اور کہا: اس دن کو یاد کرو جب ہم تمہارے گھر میں کھانا کھا رہے تھے اور ایک مرغی دستر خوان پر آگری جس نے سارا کھانا خراب کر دیا لیکن ہم میں سے کسی کو بھی غصہ نہ آیا۔ دوست نے کہا: ہاں بات تو یہی ہے۔ عقل مند نے کہا: اس عورت کو بھی اس مرغی کی طرح سمجھو۔ چنانچہ دوست کا غصہ ختم ہو گیا، واپس لوٹا اور کہنے لگا: کسی دانش وَر نے سچ کہا ہے کہ بردباری ہر درد کی دوا ہے۔

حکایت: میں نے اسے پتھر سمجھا اس لئے غصہ نہیں کیا

کسی شخص نے ایک دانش ور کے پاؤں پر چوٹ لگائی جس کے باعث اسے تکلیف تو ہوئی لیکن غصہ نہ آیا، اس بارے میں اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا: میں نے اس شخص کو ایک پتھر سمجھا کہ جس کے سبب مجھے چوٹ آگئی لہٰذا میں نے غصہ نہیں کیا۔

حضرت سیِّدُنا محمود وَرَّاق عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق نے اشعار کی صورت میں فرمایا:

سَاَلْزِمُ نَفْسِی الصَّفْحَ عَنْ کُلِّ مُذْنِبٍ — وَاِنْ کَثُرَتْ مِنْہُ عَلَیَّ الْجَرَآئِم

وَمَا النَّاسُ اِلَّا وَاحِدٌ مِّنْ ثَلَاثَۃٍ — شَرِیْفٌ وَّمَشْرُوْفٌ وَّمِثْلٌ مُقَاوِم

فَاَمَّا الَّذِیْ فَوْقِیْ فَاَعْرِفُ قَدْرَہٗ — وَاَتْبَعُ فِیْہِ الْحَقَّ وَالْحَقُّ لَازِم

وَاَمَّا الَّذِیْ دُوْنِیْ فَاِنْ قَالَ صُنْتُ عَنْ — اِجَابَتِہٖ عِرْضِیْ وَاِنْ لَامَ لَآئِم

وَاَمَّا الَّذِیْ مِثْلِیْ فَاِنْ زَلَّ اَوْ ھَفَا — تَفَضَّلْتُ اِنَّ الْفَضْلَ بِالْحِلْمِ حَاکِم

ترجمہ: (۱)... ہر خطا کو معاف کرنا میں نے خود پر لازم کر لیا ہے چاہے اس کے جرائم زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

(۲)... لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں: اعلیٰ، کمتر اور ہم پلّہ۔

(۳)... اپنے سے اعلیٰ کا مقام و مرتبہ میں جانتا ہوں، اس کے بارے میں حق کی اِتّباع کرتا ہوں اور حق ہی لازم ہے۔

(۴)... اپنے سے کمتر کو جواب نہ دے کر اپنی عزت بچاتا ہوں اگرچہ ملامت کرنے والا مجھے ملامت کرے۔

(۵)...اور اگر میرا ہم پلہ غلطی یا کوتاہی کرے تو میں مہربانی کر کے فضیلت پاتا ہوں کیونکہ بردباری کے ذریعے افضل ہونا حاکم بنا دیتا ہے۔

تیسری فصل: اِنْتِقام اور تَشَفِّی کے لئے جائز کلام کی مقدار

جان لیجئے! کوئی شخص اگر ظلم کرے تو اسی کی مِثل ظلم کر کے بدلہ لینا جائز نہیں جیسے غیبت کے مقابلہ غیبت، جاسوسی کے مقابلے میں جاسوسی، گالی کے مقابلے میں گالی جائز نہیں اور اسی طرح دیگر گناہوں کا معاملہ ہے کہ ان کے مقابل گناہ کے ذریعہ بدلہ لینا جائز نہیں۔ قصاص یا تاوان اسی طریقے پر جائز ہے جس کی شریعت میں اجازت ہے اور ہم نے فقہ کے بیان میں اس کا ذکر کیا ہے۔

برائی کا بدلہ برائی سے دینا جائز نہیں:

برائی کا بدلہ برائی سے دینا اس لئے جائز نہیں ہے کہ حُضُور نبیِ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنِ امْرُؤٌ عَیَّرَکَ بِمَا فِیْکَ فَلَا تُعَیِّرْہُ بِمَا فِیْہِ یعنی اگر کوئی شخص (تیرے کسی عیب کے سبب) تجھے عار دلائے تو اس میں پائے جانے والے عیب پر تُو اسے عار مت دِلا۔[1]

تاجدارِ انبیا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَهُوَ عَلَى الْبَادِئِ مَالَمْ یَعْتَدِ الْمَظْلُوْمُ یعنی بُرا بھلا کہنے والے جو کچھ کہیں اس کا وبال ابتدا کرنے والے پر ہے جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔[2][3]

ایک روایت میں ہے: اَلْمُسْتَبَّانِ شَیْطَانَانِ یَتَهَاتَرَانِ یعنی باہم گالی گلوچ کرنے والے دو آدمی شیطان ہیں جو ایک

---

1 ...سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار، ۴/ ۷۸، حدیث: ۴۰۸۴ بتغیر قلیل

2 ... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الحَنَّان مراۃ المناجیح، جلد6، صفحہ 449 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: یعنی دونوں کی برائیوں کا وبال ابتدا کرنے والے پر ہوگا جبکہ دوسرا زیادتی نہ کر جاوے صرف اگلے کو جواب دے۔ خیال رہے کہ گالی کے بدلے میں گالی نہ دینا چاہئے کہ گالی فحش ہے جس سے زبان اپنی ہی خراب ہوتی ہے سَبٌّ کے معنی ہیں برا کہنا نہ کہ گالی دینا، گالی دینے والے سے بدلہ اور طرح لو اسے گالی نہ دو اگر کتا کاٹ لے تو تم اسے کاٹو مت بلکہ لکڑی سے مار دو۔ لہٰذا حدیث واضح، اس میں گالیاں بکنے کی اجازت نہ دی گئی۔

3 ...مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب النھی عن السباب، حدیث: ۲۵۸۷، ص ۱۳۹۶

دوسرے کے خلاف بے بُنیاد بات کہتے ہیں۔[1]

تم خاموش رہو فرشتہ جواب دے گا:

ایک شخص نے مصطفےٰ جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی موجودگی میں حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو برا بھلا کہا تو آپ خاموش رہے، جب آپ نے جواب دینا شروع کیا تو پیارے مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم (وہاں سے تشریف لے جانے کے لئے) اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! جب تک یہ شخص برا بھلا کہتا رہا تو آپ خاموش رہے اور جب میں نے جواب دیا تو آپ تشریف لے جانے لگے۔ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جب تک تم خاموش تھے ایک فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا جب تم نے بولنا شروع کیا تو فرشتہ چلا گیا اور شیطان آگیا اور میں ایسی مجلس میں نہیں بیٹھتا جس میں شیطان ہو۔[2]

عُلَما کی ایک جماعت کے نزدیک ایسا جواب دینا جائز ہے جس میں جھوٹ نہ ہو۔ آقائے دوجہاں صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسی کے جیسے الفاظ کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ مُمانَعت تَنْزِیہی ہے جس کا چھوڑنا افضل ہے البتہ اس کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہوگا۔

گالی کا جواب دینا کن الفاظ کے ساتھ جائز ہے؟

جس قسم کے الفاظ کی جواب میں اجازت ہے وہ یہ ہیں مثلاً تو کون ہے؟ کیا تو فلاں خاندان کا نہیں؟ جس طرح حضرت سیِّدُنا سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کہا: تم تو بَنِی ھُذَیْل کے خاندان سے ہی ہو۔ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جواباً کہا: تم بھی تو بنو اُمَیَّہ کے خاندان سے ہو۔ اسی طرح اے احمق! کے جواب میں اسی کی مثل کہنا۔

حضرت سیِّدُنا مُطَرِّف رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہر انسان اپنے اور اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کے مابین معاملہ میں احمق ہے مگر بعض کی حماقت بعض سے کم ہوتی ہے۔ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے

[1]...الادب المفرد، باب المستبان شیطانان...الخ، ص۱۲۶، حدیث: ۴۳۲

[2]...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الانتصار، ۴/ ۳۵۸، حدیث: ۴۸۹۶

مروی ایک طویل حدیث میں ہے: "حَتّٰی تَرَی النَّاسَ کُلَّهُمْ حَمْقٰی فِیْ ذَاتِ اللهِ تَعَالٰی یعنی حتّٰی کہ تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات کے مقابلے میں سب کو احمق خیال کرو۔" اسی طرح کسی کو "اے جاہل" کہنا ہے کیونکہ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ جہالت ہوتی ہے تو اس نے اسے ایسی بات کے ذریعے اَذِیَّت پہنچائی ہے جس میں جھوٹ نہیں ہے۔

اسی طرح اے بد اخلاق! اے بے حیا! اور اے عیب جو! جیسے الفاظ کہنا بشرطیکہ یہ باتیں اس میں موجود ہوں۔ اسی طرح یہ کہنا: اگر تمہارے اندر حیا ہوتی تو تم ایسی بات نہ کرتے، تم اپنے اس فعل کی وجہ سے میری نظروں میں گر گئے ہو، اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں ذلیل کرے اور اس کا تم سے بدلہ لے۔

غیبت، چغلی، جھوٹ اور گالی دینا حرام ہے:

جہاں تک چغلی، غیبت، جھوٹ اور ماں باپ کو گالی دینے کا تعلق ہے تو یہ بالاِتِّفاق حرام ہے کیونکہ روایت میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا خالد بن ولید اور حضرت سیِّدُنا سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے درمیان کچھ بات ہوگئی تھی۔ ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے حضرت سیِّدُنا خالد بن ولید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا برائی سے ذکر کرنا چاہا تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "رک جاؤ! ہمارے درمیان اِختلاف دین پر اثر انداز نہیں ہوا ہے یعنی ہمارا اختلاف گناہ کی نوبت تک نہیں پہنچا۔"

بیان کرنا تو دور کی بات ہے انہوں نے تو برائی کو سننا تک گوارا نہ کیا۔

محبتِ سرکار کا انوکھا انداز:

جو بات نہ جھوٹ ہو اور نہ ہی حرام مثلاً: زنا، فُحش کلامی اور گالی گلوچ کی طرف نسبت کرنا نہ ہو تو اس کے جواز کی دلیل اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی یہ روایت ہے کہ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اَزْواجِ مُطَہَّرات نے خاتونِ جنّت حضرت سیِّدَتُنا فاطمۃ الزہرا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو آپ کی خدمت میں بھیجا، انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ کی ازواجِ مطہرات نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے، وہ حضرت ابوقُحافہ کی بیٹی (یعنی حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا) کے بارے میں آپ سے اِنصاف طَلَب کرتی ہیں۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس وقت آرام فرما رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے بیٹی! کیا تم اسے پسند کرتی ہو جسے میں پسند کرتا ہوں؟ انہوں نے عرض کی: جی ہاں! ارشاد

فرمایا: تو پھر ان (یعنی عائشہ) سے محبت کرو۔ حضرت سیِّدَتُنا فاطمۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے واپس آکر اُمہاتُ المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ کو بتایا تو انہوں نے فرمایا: آپ تو ہمارا کچھ کام نہ کر سکیں۔ پھر انہوں نے اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا زَینب بنتِ جَحْش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو بھیجا، وہ بھی محبت میں میری برابری کی دعویدار تھیں۔ انہوں نے آکر کہنا شروع کر دیا ابو بکر کی بیٹی ایسی ہے، ابو بکر کی بیٹی ویسی ہے وہ بولتی رہیں، میں خاموشی سے سنتی رہی اور حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اجازت کی مُنتظِر رہی، جب آپ نے مجھے جواب دینے کی اجازت دی تو میں نے انہیں ایسا جواب دیا کہ میں ان پر غالب آگئی، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت زینب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے فرمایا: "واقعی یہ ابو بکر کی بیٹی ہے۔"[1] یعنی تم گفتگو میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے جو جواب دیا وہ فُحش کلامی نہ تھی بلکہ حق کے مطابق جواب تھا اور انہوں نے سچی گفتگو کے ذریعے مقابلہ کیا۔

جھگڑے کا وَبال کس پر؟

مُصْطَفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَی الْبَادِیِٔ مَا لَمْ یَعْتَدِ الْمَظْلُوْم یعنی برا بھلا کہنے والے جو کچھ کہیں اس کا وبال ابتدا کرنے والے پر ہے جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔[2]

ثابت ہوا کہ مظلوم کو انتقام لینے کا حق حاصل ہے بشرطیکہ حد سے نہ بڑھے اسے علما نے جائز کہا ہے اور یہ اجازت صرف اس حد تک ہے کہ جتنی تکلیف اسے پہنچی ہے اتنی ہی کا بدلہ لے اور اس قسم کی اجازت عقل سے بعید نہیں لیکن بہتری اس میں ہے کہ انتقام نہ لے کیونکہ اس میں حد سے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے اس لئے کہ بقدرِ حق انتقام لینا آسان نہیں جب کہ جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کرنا زیادہ آسان ہے کیونکہ بقدرِ حق انتقام لینے میں شرعی حد سے آگاہی ضروری ہے۔

غصے کے اعتبار سے لوگوں کی اقسام:

بعض لوگ غصے کی شِدّت پر قابو پانے پر قادر نہیں ہوتے البتہ ان کا غصہ جلد ختم ہو جاتا ہے جب کہ

---

[1] ...مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فی فضل عائشۃ رضی اللہ عنہا، ص ۱۳۲۵، حدیث: ۲۴۴۲

[2] ...مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب النھی عن السباب، ص ۱۳۹۶، حدیث: ۲۵۸۷

بعض لوگ ابتدا میں تو خود پر قابو کرتے ہیں لیکن دل میں ہمیشہ کے لئے کینہ رکھتے ہیں۔ غصے کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں: (۱)... بعض لوگ گھاس کی طرح ہوتے ہیں جسے آگ جلد جلاتی ہے اور جلد ہی بجھ جاتی ہے۔ (۲)... بعض لوگ جھاؤ کے درخت کی طرح ہوتے ہیں جسے دیر سے آگ لگتی ہے اور دیر سے بجھتی ہے۔ (۳)... بعض لوگ گیلی لکڑی کی طرح ہوتے ہیں جسے دیر سے آگ لگتی ہے اور جلد ہی بجھ جاتی ہے۔ یہ لوگ قابل تعریف ہیں بشرطیکہ ان میں غیرت وحَمِیَّت کی کمی نہ ہو۔ (۴)... بعض لوگ جلد غصے میں آجاتے ہیں اور دیر سے ان کا غصہ ختم ہوتا ہے۔ یہ انتہائی برے لوگ ہیں۔

کامِل مومن کی علامت:

حدیثِ پاک میں ہے: اَلْمُؤمِنُ سَرِیْعُ الْغَضَبِ سَرِیْعُ الرِّضَا یعنی مومن کو غصہ جلد آتا ہے اور جلد ہی چلا جاتا ہے۔[1]

گدھا اور شیطان:

حضرت سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: جس شخص کو غصہ دلایا جائے اور اسے غصہ نہ آئے تو وہ گدھا ہے اور جسے راضی کیا جائے اور وہ راضی نہ ہو تو وہ شیطان ہے۔

ابن آدم کو مختلف درجوں پر پیدا کیا گیا ہے:

حضرت سیِّدُنا ابو سعید خُدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلَا اِنَّ بَنِیْ اٰدَمَ خُلِقُوْا عَلٰی طَبَقَاتٍ شَتّٰی فَمِنْهُمْ بَطِیْءُ الْغَضَبِ سَرِیْعُ الْفَیْءِ وَمِنْهُمْ سَرِیْعُ الْغَضَبِ سَرِیْعُ الْفَیْءِ، فَتِلْکَ بِتِلْکَ وَمِنْهُمْ سَرِیْعُ الْغَضَبِ بَطِیْءُ الْفَیْءِ اَلَا وَاِنَّ خَیْرَهُمُ الْبَطِیْءُ الْغَضَبِ السَّرِیْعُ الْفَیْءِ وَشَرَّهُمُ السَّرِیْعُ الْغَضَبِ الْبَطِیْءُ الْفَیْءِ یعنی سنو! اولادِ آدم کو مختلف دَرَجوں پر پیدا کیا گیا ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو غصہ دیر سے آتا ہے لیکن جلدی ختم ہو جاتا ہے اور بعض کو غصہ جلدی آتا ہے اور جلدی ہی ختم ہو جاتا ہے تو یہ برابر برابر ہیں۔ بعض کو غصہ جلدی آتا ہے لیکن دیر سے ختم ہوتا ہے، ان میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جن کو غصہ دیر سے آتا ہے اور جلدی ختم ہو جاتا اور ان میں سے برے لوگ وہ ہیں جن کو غصہ جلدی آتا ہے لیکن دیر سے ختم ہوتا ہے۔[2]

---

[1] ...الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرۃ الثالثۃ الغضب بالباطل...الخ، ۱/ ۱۲۴

[2] ...سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ما اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ، ۴/ ۸۱، حدیث: ۲۱۹۸ ملتقطا

جب یہ بات ثابت ہوئی کہ انسان میں غصہ جوش مارتا ہے اور یہ ہر انسان پر اثر انداز ہوتا ہے تو حاکم کے لئے ضروری ہے کہ غصے کی حالت میں کسی کو سزا نہ دے کیونکہ بسا اوقات آدمی قَدْرِ واجب سے تجاوُز کر جاتا ہے اور بعض اوقات غصے میں اپنے نفس کا حصہ شامل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے غصے کی بھڑاس نکالنے اور نفس کو راحت پہنچانے کے لئے غصہ کرتا ہے حالانکہ اسے چاہئے کہ اس کا اِنتقام اور بدلہ صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہو اپنی ذات کے لئے نہ ہو۔

اپنی ذات کے لئے کسی کو سزا نہ دی:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے نشے میں مبتلا ایک شخص کو دیکھا تو اسے پکڑ کر سزا دینے کا ارادہ کیا، اس نے آپ کو بُرا بھلا کہا تو آپ وہاں سے چلے آئے۔ لوگوں نے آپ سے عرض کی: یا امیرَ المؤمنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ! اس نے آپ کو برا بھلا کہا اس کے باجود آپ نے اسے معاف کر دیا؟ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: اس نے مجھے غصہ دلایا، اب اگر میں اسے سزا دیتا تو یہ اپنی ذات کے لئے غصہ ہوتا اور میں نہیں چاہتا کہ کسی مسلمان کو اپنی ذات کی وجہ سے سزا دوں۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کو ایک شخص نے غصہ دلایا تو آپ نے فرمایا: اگر تم مجھے غصہ نہ دلاتے تو میں تمہیں ضرور سزا دیتا۔

باب نمبر3: کینہ کا بیان (اس میں تین فصلیں ہیں)

پہلی فصل: کینہ کا معنٰی اور اس کے نتائج

جان لو! جب انسان کو غصہ آتا ہے اور وہ اس وقت انتقام لینے سے عاجز ہونے کی وجہ سے غصہ پینے پر مجبور ہوتا ہے تو اس کا یہ غصہ اس کے باطن کی طرف چلا جاتا اور قرار پکڑ لیتا ہے پھر کینہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ کینہ کا معنٰی ہے: ”دل کا کسی کو بھاری سمجھنا اور ہمیشہ کے لئے اس سے نفرت کرنا اور دشمنی رکھنا۔“

رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلْمُؤْمِنُ لَیْسَ بِحَقُوْدٍ یعنی مومن کینہ پَرْوَر نہیں ہوتا۔[1]

---

[1] ...الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرۃ الثالثۃ الغضب بالباطل...الخ، ۱/ ۱۲۴

کینہ کی وجہ سے پیدا ہونے والی آٹھ برائیاں:

﴿1﴾... حَسَد: یعنی تمہارا کینہ تمہیں اس چیز پر ابھارے گا کہ تم اس شخص سے زوالِ نِعْمَت کی تمنّا کرو۔ اگر اسے کوئی نعمت ملی تو تم غمگین ہو جاؤ گے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچی تو تم خوش ہو جاؤ گے۔ یہ مُنافِقوں کا کام ہے۔ اِنْ شَآءَ الله عنقریب اس کی مَذمَّت بیان کی جائے گی۔

﴿2﴾... بُغْض وعَداوَت: دل میں اس کی عداوت اس قدر بڑھ جائے گی کہ تم اس کی مصیبت پر خوش ہو گے۔

﴿3﴾... قَطعِ تعلقی: تم اس سے بالکل تعلُّق توڑ دو گے اگرچہ وہ تم سے ملنا ہی کیوں نہ چاہے۔

﴿4﴾... حقیر سمجھنا: اسے حقیر سمجھ کر تم اس سے منہ پھیر لو گے۔

﴿5﴾... غلط باتیں منسوب کرنا: تم اس کے متعلق ایسی باتیں کرو گے جو جائز نہ ہوں گی مثلاً: جھوٹ، غیبت، راز فاش کرنا اور پوشیدہ عیب بیان کرنا وغیرہ۔

﴿6﴾... مذاق اُڑانا: اس کا مذاق اُڑانے کے لئے اس کی نقل اتارو گے۔

﴿7﴾... تکلیف پہنچانا: مار وغیرہ کے ذریعے اسے جسمانی تکلیف پہنچاؤ گے۔

﴿8﴾... حقوق کی ادائیگی نہ کرنا: تم اس کا حق ادا نہ کرو گے یعنی اس کا قَرض ہوا تو اسے ادا نہ کرو گے، صلہ رِحمی نہ کرو گے اور اگر اس سے کوئی چیز تم نے چھین لی ہے تو اسے واپس نہیں لوٹاؤ گے۔

یہ سب کام حرام ہیں۔ کینہ کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ تم مذکورہ بالا آٹھ آفتوں سے بچو اور کینہ کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی والے کاموں کی طرف نہ بڑھو البتہ اگر اسے قلبی طور پر بھاری جانو اور دل کو اس کے بُغض سے نہ روکو یعنی پہلے کی طرح خوش مزاجی اور نرمی و مہربانی کے ساتھ اس سے پیش نہ آؤ، اس کی حاجات کو پورا نہ کرو، ذِکر کی محفل میں اس کے ساتھ نہ بیٹھو، اس کے نَفع میں معاون نہ بنو، اس کے لئے دعا نہ کرو، اس کی تعریف نہ کرو، اسے نیکی کی ترغیب نہ دو اور اس کی خیر خواہی کا خیال نہ کرو تو یہ تمام چیزیں تمہارے دین میں کمی کا باعث بنیں گی اور تم اس کے باعث بڑے ثَواب سے محروم ہو جاؤ گے اگرچہ تمہیں اس کی وجہ سے عذاب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

سیِّدُنا صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا رجوع:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صِدِّیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جب قسم کھائی کہ وہ اپنے قریبی عزیز حضرت سیِّدُنا مِسطَح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ پر مال خرچ نہیں کریں گے کیونکہ وہ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ طَیِّبہ طاہِرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا پر تہمت لگانے والوں میں شامل تھے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ

(پ۱۸، النور: ۲۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزریں کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے۔

یہ آیتِ مبارکہ سن کر حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: کیوں نہیں! بے شک میری آرزو ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ میری بخشش کرے، لہٰذا آپ پھر سے پہلے کی طرح ان پر مال خرچ کرنے لگے۔[1]

بہتر یہی ہے کہ کینہ پیدا ہو جانے کے بعد بھی پہلے جیسا رَوِیَّہ برقرار رکھے اور ہو سکے تو نفس و شیطان کو شکست دینے کی خاطر مزید حُسنِ سلوک کرے۔ یہ صِدِّیقِین کا مرتبہ اور مُقَرَّبِین کے افضل اعمال میں سے ہے۔

جس کے ساتھ کینہ برتا گیا ہے قدرت کی صورت میں اس کی تین حالتیں ہیں: (۱)... کینہ رکھنے والے سے بغیر کسی کمی زیادتی کے اپنا پورا حق وُصول کرے۔ یہ عدل ہے۔ (۲)... درگُزر اور صلہ رِحمی کر کے اس پر احسان کرے۔ یہ فضل ہے۔ (۳)... اپنے حق سے زیادہ لے کر اس پر زیادتی کرے۔ یہ ظلم ہے اور کمینے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ دوسری صورت صدیقین کا طرزِ عمل ہے اور پہلی صورت صالحین کا انتہائی درجہ ہے۔ اب ہم عفو و درگزر اور احسان کی فضیلت بیان کریں گے۔

دوسری فصل: عَفْو و دَرگُزر اور احسان کی فضیلت

عفو کا معنٰی یہ ہے کہ آدمی اپنا حق چھوڑ دے اور بالکل بَرِیُّ الذِّمہ ہو جائے مثلاً قصاص یا تاوان وغیرہ نہ

[1] ...مسلم، کتاب التوبة، باب فی حدیث الافک... الخ، ص ۱۴۹۱، حدیث: ۲۷۷۰ ملتقطاً

لے۔ عفو یعنی معاف کرنا بردباری اور غصہ پی جانے کے علاوہ ایک الگ خوبی ہے اسی لئے ہم نے اسے الگ بیان کیا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ (۱۹۹) (پ۹، الاعراف: ۱۹۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ (پ۲، البقرۃ: ۲۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے مردو تمہارا زیادہ دینا پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے۔

عفوودرگزراوراحسان کی فضیلت میں 13احادیث مبارکہ

تین اہم باتیں:

﴿1﴾... خَلْق کے رَہبَر، محبوب ربِّ داوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر میں قسم اُٹھاتا تو ان پر ضرور اُٹھاتا: (۱) صَدَقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، لہٰذا صدقہ کیا کرو (۲) جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خوشنودی کی خاطر اپنا حق معاف کر دے تو روزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی عزت میں اضافہ فرمائے گا اور (۳) جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔[1]

﴿2﴾... عاجِزی بندے کو بلند کرتی ہے، لہٰذا عاجزی کیا کرو اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں بلندی عطا فرمائے گا اور عفوودرگزر سے بندے کی عزت بڑھتی ہے، لہٰذا عفوودرگزر سے کام لیا کرو اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں عزت عطا فرمائے گا اور صدقہ مال میں اضافہ کرتا ہے، لہٰذا صدقہ کیا کرو اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر رحم فرمائے گا۔[2]

آقا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ظلم کا بدلہ نہ لیتے:

﴿3﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ طَیِّبہ طاہِرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: میں نے کبھی بھی

[1]... مسند البزار، مسند ابو سلمہ بن عبد الرحمن، ۳/ ۲۴۳، حدیث: ۱۰۳۲

[2]... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، ۳/ ۴۸، حدیث: ۵۷۱۶

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اپنی ذات پر کئے گئے ظُلْم کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا، جب تک اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مقرر کردہ حدود کو نہ توڑا جائے اور جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مقرر کردہ حدود میں سے کسی حد کو توڑا جاتا تو آپ شدید غضبناک ہو جاتے اور جب آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو آسان کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔[1]

تین بہترین خوبیاں:

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا عُقبہ بن عامر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ایک دن میں نبیوں کے سُلطان، رحمتِ عالمیان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا یہ بات یاد نہیں کہ پہلے میں نے آپ کا دستِ مبارک تھاما یا آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے فرمایا: اے عُقبہ! کیا میں تمہیں دنیا و آخرت والوں کے بہترین اخلاق نہ بتاؤں؟ جو تم سے تعلق توڑے اس سے جوڑو، جو تمہیں مَحْرُوم کرے اسے عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کرو۔[2]

دنیا و آخرت میں مُعَزَّز بننے کا نسخہ:

﴿5﴾... تاجدارِ انبیا، حبیبِ کبریا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: حضرت موسیٰ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ! تیرا کون سا بندہ تیرے نزدیک زیادہ عزت والا ہے؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: جو قدرت ہونے کے باوجود مُعاف کر دے۔[3]

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے پوچھا گیا: لوگوں میں مُعَزَّز ترین کون ہے؟ فرمایا: جو انتقام پر قدرت کے باوجود معاف کر دے، تم بھی معاف کیا کرو اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں عزت عطا فرمائے گا۔

﴿6﴾... ایک شخص اپنے حق کی شکایت لئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا، آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اسے اس کا حق دلوایا جائے۔ آپ صَلَّی اللہ

1 ... الشمائل المحمدیۃ للترمذی، باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۱۹۸، حدیث: ۳۳۲

2 ... شعب الایمان، باب فی صلۃ الارحام، ۶/ ۲۲۲، حدیث: ۷۹۵۹

3 ... تاریخ مدینہ دمشق، الرقم: ۷۷۳۱، موسی بن عمران، ۶۱/ ۱۳۳

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے ارشاد فرمایا: "قیامت کے دن مظلوم ہی کامیاب ہوں گے۔"[1] اس نے جب یہ سنا تو اپنے حق سے دَسْت بَردار ہو گیا۔

بددعا نہ کرو بلکہ معاف کرو:

﴿7﴾... جس نے ظالم کے لئے بددعا کی اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔[2]

﴿8﴾... قیامت کے دن جب اللہ عَزَّوَجَلَّ مخلوق کو اٹھائے گا تو ایک مُنادِی عرش کے نیچے سے تین مرتبہ ندا دے گا کہ اے توحید پر قائم رہنے والو! بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہیں معاف کر دیا، تم بھی ایک دوسرے کو معاف کر دو۔[3]

فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان:

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بیتُ اللہ شریف کا طواف کیا اور دو رکعتیں پڑھ کر کعبۃُ اللہ کے دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر لوگوں سے فرمایا: "مَا تَقُوْلُوْنَ وَمَا تَظُنُّوْنَ؟ یعنی تم کیا کہتے ہو اور کیا گمان رکھتے ہو؟" لوگوں نے عرض کی: ہم کہتے ہیں کہ آپ ہمارے بھائی، چچا کے بیٹے اور مہربان وبُردبار ہیں۔ لوگوں نے تین بار یہ بات کہی۔ رحمتِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ میں وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف نے کہا تھا:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ ۫ وَ ہُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۹۲﴾ (پ۱۳، یوسف: ۹۲)

ترجمۂ کنزالایمان: آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: یہ سن کر لوگ اس طرح نکل پڑے جیسے قبروں سے اٹھے ہوں اور اسلام میں داخل ہو گئے۔[4]

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا سہیل بن عَمرو رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ جب سرکارِ مکہ مکرَّمہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

---

1 ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الثانی فی الاخلاق والافعال المذمومۃ، ۳/ ۲۰۲، حدیث: ۷۶۳۰

2 ... سنن الترمذی، کتاب الدعوات، ۵/ ۳۲۴، حدیث: ۳۵۶۳

3 ... المعجم الاوسط، ۱/ ۳۶۶، حدیث: ۱۳۳۶

4 ... السنن الکبرٰی للبیہقی، کتاب السیر، باب فتح مکۃ حرسہا اللہ تعالٰی، ۹/ ۲۰۰، حدیث: ۱۸۲۷۵

وَسَلَّم مکہ مکرّمہ تشریف لائے تو آپ نے اپنا دستِ مبارک کعبہ شریف کے دروازے پر رکھا، آپ کے اِرد گرد لوگوں کا جمِ غفیر تھا۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ صَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا لشکروں کو شکست دی۔[1] پھر فرمایا: اے گروہِ قریش! تم کیا کہتے ہو اور کیا گمان رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہم اچھی بات کہتے ہیں اور اچھا گمان رکھتے ہیں، آپ شریف بھائی اور مہربان چچازاد ہیں اور یقیناً آپ ہم پر قادر ہیں۔ رحیم وکریم آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام نے کہا تھا:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ترجمۂ کنزالایمان: آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے۔ (پ۱۳، یوسف: ۹۲)

کس کا اجر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذِمّۂ کرم پر ہے؟

﴿11﴾... جب لوگ میدانِ محشر میں ٹھہرے ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ جس کا اجر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذِمّۂ کرم پر ہے وہ اٹھے اور جنت میں داخل ہو جائے۔ پوچھا جائے گا: کس کا اجر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذِمّۂ کرم پر ہے؟ منادی کہے گا: معاف کر دینے والوں کا۔ یہ سن کر ہزاروں لوگ کھڑے ہوں گے اور بلا حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔[2]

حاکم ضرور حد قائم کرے:

﴿12﴾... حضرت سیِّدُنا عبدُاللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ رِوایَت کرتے ہیں کہ مُعَلِّمِ کائنات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کسی حاکم کے لئے جائز نہیں کہ اس کے پاس کوئی حد کا معاملہ پہنچے اور وہ حد قائم نہ کرے، اللہ عَزَّوَجَلَّ معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ ترجمۂ کنزالایمان: اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزریں

[1]... سنن ابی داود، کتاب الدیات، باب فی الخطاء شبہ العمد، ۴/ ۲۴۵، حدیث: ۴۵۴۷

[2]... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الاھوال، ۶/ ۲۲۷، حدیث: ۲۱۶

اللّٰہُ لَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۲﴾ (پ۱۸، النور: ۲۲)

کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔[1]

جس حور سے چاہو نکاح کرو:

﴿13﴾... حضرت سیِّدُنا جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جس شخص میں ایمان کے ساتھ ساتھ تین باتیں پائی جائیں وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو اور جس حور سے چاہے نکاح کرے: (۱) جو پوشیدہ قرض ادا کرے[2] (۲) جو ہر نماز کے بعد 10 مرتبہ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) سورۂ اِخلاص پڑھے اور (۳) جو اپنے قاتل کو معاف کردے[3]۔ حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اگر کوئی ایک پر عمل کرے تو؟ فرمایا: ایک پر عمل کرنے والا بھی۔[4]

عَفْوودَرگُزر اور احسان کی فضیلت میں 20 اَقوال وحِکایات

مظلوم فائدے میں ہے:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا ابراہیم تَیْمِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: جو مجھ پر ظلم کرتا ہے میں اس پر ترس کھاتا ہوں۔ یہ معاف کرنے سے بڑھ کر ایک اور احسان ہے کیونکہ وہ شخص ظلم کے ذریعے اپنے دل کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی میں مشغول رکھتا ہے اور جب قیامت کے دن اس سے سوال ہوگا تو اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔

﴿2﴾... ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی بندے کو تحفہ دینا چاہتا ہے تو اس پر

1... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن مسعود، ۲/ ۹۸، حدیث: ۳۹۷۷

2... پوشیدہ قرض سے مراد یہ ہے کسی مستحق کو اس قرض کی ادائیگی کردینا جس کے بارے میں اسے علم نہ ہو جیسے کسی شخص کا انتقال ہوا اور اس شخص کا کسی پر قرض تھا۔ بعد انتقال مقروض نے وہ قرض آکر اس کے وارث کو دے دیا حالانکہ وارث کو اس کے بارے میں علم نہ تھا۔ (ماخوذ از اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۳۶۲)

3... مقتول کے معاف کرنے سے مراد یہ ہے کہ قاتل کسی کو جان لیوا ضرب لگائے اور وہ مرنے سے قبل اسے معاف کردے۔ (ماخوذ از اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۳۶۲)

4... الدعاء للطبرانی، ص ۲۱۳، حدیث: ۶۷۳

کسی ظالم کو مُسَلَّط کر دیتا ہے۔

﴿3﴾...ایک شخص حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز کے پاس آیا اور اپنے اوپر ظلم کرنے والے کی شکایت کرتے ہوئے اسے برا بھلا کہنے لگا۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس حال میں ملو کہ تمہارا حق ابھی باقی ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے بجائے اس کے کہ تم اس حال میں ملاقات کرو کہ بدلہ لے چکے ہو۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا یزید بن مَیْسَرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جب کوئی مظلوم ظالم کے لئے بددعا کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس مظلوم سے فرماتا ہے: تمہارے خلاف بھی کوئی بددعا کر رہا ہے کیونکہ تم نے اس پر ظلم کیا ہے اگر تم چاہو تو ہم تمہاری دعا قبول کر لیں اور تمہارے خلاف جو دعا کی جا رہی ہے وہ بھی قبول کر لیں اور اگر چاہو تو تم دونوں کا معاملہ بروزِ قیامت اپنی رحمت کے سپرد کر دیں۔

﴿5﴾...ایک شخص اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے خلاف بددعا کر رہا تھا، حضرت سیِّدُنا مُسْلِم بن یَسار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار نے سنا تو فرمایا: ظالم کو اس کے ظلم کے حوالے کر تیری بددعا سے پہلے ہی اسے ظلم کی سزا مل جائے گی بشرطیکہ کسی عمل سے اس نے اپنے ظلم کا تدارُک نہ کیا ہو اور گمان تو یہی ہے کہ وہ اپنے ظلم کا تدارک نہیں کرے گا۔

حکایت: حق دار کھڑے ہو جائیں

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ قیامت کے دن اللہ عَزَّوَجَلَّ ایک منادی کو حکم دے گا تو وہ اعلان کرے گا کہ جس شخص کا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پاس کوئی حق ہو وہ کھڑا ہو جائے۔ یہ سن کر معاف کرنے والے کھڑے ہوں گے۔ پس اللہ عَزَّوَجَلَّ ان لوگوں کو معاف کرنے کا بدلہ عطا فرمائے گا۔

﴿7﴾...ہِشام بن محمد کلبی کہتے ہیں کہ دو آدمی نعمان بن مُنْذِر کے پاس لائے گئے، ان میں سے جس نے بہت بڑا گناہ کیا تھا اسے معاف کر دیا اور دوسرے نے چھوٹا گناہ کیا تھا اسے سزا دی اور کہا:

تَعْفُو الْمُلُوْکُ عَنِ الْعَظِیْمِ مِنَ الذُّنُوْبِ بِفَضْلِہَا

وَلَقَدْ تُعَاقِبُ فِی الْیَسِیْرِ وَلَیْسَ ذَاکَ لِجَہْلِہَا

اِلَّا لِيُعْرَفَ حِلْمُهَا وَيُخَافَ شِدَّةَ نَكْلِهَا

ترجمہ: بادشاہ بڑے جرم اپنے فضل سے معاف کرتے ہیں اور چھوٹی سی غلطی پر پکڑ کرلیتے ہیں یہ ان کی نادانی نہیں بلکہ ایسا صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے حِلْم کی پہچان ہو اور ان کے دبدبے کا خوف برقرار رہے۔

حکایت: معاف کرو انعام پاؤ!

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا مُبارَک بن فَضالہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا سوار بن عبد اللہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے مجھے اہلِ بصرہ کے ایک وفد کے ساتھ خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس بھیجا۔ میں خلیفہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی کو لایا گیا، خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ میں نے سوچا میرے ہوتے ہوئے ایک مسلمان کو قتل کیا جارہا ہے! لہٰذا میں نے کہا: امیر المؤمنین! اجازت ہو تو آپ کو ایک حدیث سناؤں جو میں نے حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے سنی ہے۔ خلیفہ نے کہا: کونسی حدیث؟ میں نے کہا: میں نے حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن اللہ عَزَّ وَجَلَّ سب لوگوں کو ایک ایسی جگہ پر جمع فرمائے گا جہاں وہ پکارنے والے کی آواز سن سکیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکیں گے پھر ایک پکارنے والا کھڑا ہو کر پکارے گا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے پاس جس کا انعام ہو وہ کھڑا ہو جائے۔ پس اس دن صرف وہی کھڑا ہو گا جس نے کسی کو معاف کیا ہو گا۔ ابو جعفر منصور نے پوچھا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! کیا تم نے واقعی یہ حدیث حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے سنی ہے؟ میں نے کہا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! میں نے یہ حدیث انہی سے سنی ہے۔ یہ سن کر خلیفہ نے کہا: ہم نے اسے معاف کر دیا۔

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا امیر مُعاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جب تک بدلہ لینے کا موقع نہ ملے تم بُردباری اور تَحَمُّل مِزاجی سے کام لو اور جب موقع مل جائے تو درگزر اور احسان کرو۔

نبوت کی چار صفات:

﴿10﴾... منقول ہے کہ ایک راہب خلیفہ ہِشام بن عبدُ المَلِک کے پاس گیا۔ اس نے راہب سے پوچھا: کیا ذُوالْقَرْنَیْن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نبی تھے؟ راہب نے کہا: نہیں! لیکن انہیں نبوت کی چار صفات عطا کی گئیں تھیں: (۱) بدلہ لینے کی طاقت کے باوجود معاف کر دیتے (۲) وعدہ کرتے تو پورا کرتے (۳) گفتگو کرتے تو سچ بولتے

اور (۴) آج کا کام کل پر نہ چھوڑتے۔

دانش مندانہ باتیں:

﴿11﴾... ایک بُزرگ رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ بُردبار وہ نہیں کہ جب اس پر ظلم کیا جائے تو برداشت کرے اور جب بدلہ لینے کی طاقت حاصل ہو تو بدلہ لے بلکہ بردبار وہ ہے کہ جب اس پر ظلم ہو تو بردباری سے کام لے اور جب بدلہ لینے پر قادر ہو تو معاف کرے۔

زیاد بن عبداللہ کہتے ہیں: باوجود قدرت بدلہ نہ لینا کینہ اور غصہ ختم کر دیتا ہے۔

﴿12﴾... خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس ایک شخص کو لایا گیا، خلیفہ کو اس کی شکایت ملی تھی۔ جب وہ سامنے کھڑا کیا گیا تو اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔ ہشام نے کہا: ایک تو تم نے جرم کیا ہے اور اوپر سے بولتے بھی ہو۔ اس نے کہا: امیر المؤمنین! اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

یَوۡمَ تَاۡتِیۡ کُلُّ نَفۡسٍ تُجَادِلُ عَنۡ نَّفۡسِهَا ترجمۂ کنزالایمان: جس دن ہر جان اپنی ہی طرف جھگڑتی آئے گی۔
(پ۱۴، النحل: ۱۱۱)

تو کیا ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے جھگڑا کر سکتے ہیں اور آپ کے سامنے بات بھی نہیں کر سکتے؟ ہشام نے کہا: کیوں نہیں! تمہارا ناس ہو، کرو جو بات کرنی ہے۔

﴿13﴾... مروی ہے کہ مقامِ صِفِّین میں ایک چور حضرت سیِّدُنا عمار بن یاسر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے خیمے میں گھس گیا۔ آپ سے کہا گیا: اس کا ہاتھ کاٹ دیں کیونکہ یہ ہمارے دشمنوں میں سے ہے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: نہیں! بلکہ میں اس کی پردہ پوشی کروں گا شاید قیامت کے دن اللہ عَزَّوَجَلَّ میری پردہ پوشی فرمائے۔

حکایت: چور کو بھی دعا دی

﴿14﴾... حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کچھ سامان خریدنے بازار گئے، خریدنے کے بعد اپنے عمامے شریف میں باندھے گئے دراہم نکالنے لگے تو گرہ کھلی ہوئی تھی اور دراہم نہیں تھے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: جب میں بیٹھا تھا تب تو میرے پاس ہی تھے۔ یہ سن کر لوگ چور کو بددعائیں دینے لگے۔ کوئی کہنے لگا: یَا اللہ عَزَّوَجَلَّ! جس نے یہ رقم لی ہے اس کا ہاتھ کاٹ دے۔ کوئی کہنے لگا: یَا اللہ عَزَّوَجَلَّ! اس کے

ساتھ بُرا سُلوک کر۔ یہ دیکھ کر حضرت سیِّدُنا عبدُ اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوئے: یَا اللہ عَزَّوَجَلَّ! اگر اس نے یہ دراہم کسی ضرورت کی وجہ سے لئے ہیں تو اس کے لئے ان میں برکت عطا فرما اور کسی گناہ کے لئے چرائے ہیں تو اسے اس کا آخری گناہ بنا دے۔

حکایت: چور کے لئے آنکھیں بھر آئیں

﴿15﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں نے خُراسان کے ایک شخص سے بڑھ کر کسی کو زاہد نہیں پایا۔ وہ مسجد حرام میں میرے پاس بیٹھا ہوا تھا پھر جب طواف کرنے کے لئے اٹھا تو اس کے دینار چوری ہو گئے، وہ رونے لگا۔ میں نے پوچھا: کیا دیناروں کے لئے رو رہے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! بلکہ میرے سامنے ایک نقشہ ہے کہ میں اور چور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سامنے کھڑے ہیں اور اس کے پاس اس چوری پر کوئی دلیل نہیں، میں اس پر ترس کھاتے ہوئے رو رہا ہوں۔

حکایت: نصیحت کا بہترین انداز

﴿16﴾... حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں ایک رات ہم حکم بن ایّوب کے گھر گئے وہ اس وقت بصرہ کا امیر تھا، اتنے میں حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی بھی کچھ ڈرے سہمے آئے تو ہم ان کے ساتھ اندر داخل ہو گئے، ہم ان کے سامنے مرغی کے چوزے لگ رہے تھے۔ انہوں نے امیر کے سامنے حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا قصہ بیان کرنا شروع کر دیا کہ ان کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا، کنویں میں ڈالا، ان کو بیچا اور اپنے باپ کو غمگین کیا اور عورتوں کا حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے ساتھ مکر اور آپ کا قیدی بننا بھی بیان کیا۔ پھر فرمایا اے امیر! دیکھیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، بھائیوں پر ان کو برتری دی، ان کا ذکر بلند کیا اور ان کو زمین کے خزانوں کا مالک بنا دیا اور جب انہیں حکومت مل گئی اور ان کے گھر والے ان کے سامنے جمع ہوئے تو انہوں نے کیا خوب فرمایا:

قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۹۲﴾ (پ۱۳، یوسف: ۹۲)

ترجمۂ کنزالایمان: کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کا اس بیان سے مقصد یہ تھا کہ جس طرح حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا تھا حکم بن ایوب بھی آپ کے ساتھیوں کو معاف کر دے۔ حکم نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں: آج تم پر کچھ ملامت نہیں، اگر میرے پاس ان کپڑوں کے علاوہ کچھ اور ہوتا تو میں تمہیں اس میں ڈھانپ لیتا۔

افضل تو معاف کرنا ہی ہے:

﴿17﴾... ابن مُقَفَّع نے اپنے ایک دوست کو اپنے بھائیوں کی سفارش میں ایک مکتوب لکھا کہ فلاں شخص اپنی غَلَطی پر شرمندہ اور تم سے معافی کی امید لگائے ہوئے ہے، یاد رکھو! جرم جتنا بڑا ہو اس کو معاف کرنا بھی اتنا ہی افضل ہوتا ہے۔

﴿18﴾... عبد الملک بن مَرْوان کے پاس جب ابْنِ اَشْعَث کے قیدی لائے گئے تو اس نے حضرت سیِّدُنا رَجاء بن حَیْوَہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے کہا: آپ کا ان قیدیوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو پسندیدہ شے یعنی فتح عطا فرمائی ہے تو آپ بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کو اس کا پسندیدہ عمل یعنی مُعافی پیش کریں۔ یہ سن کر اس نے قیدیوں کو مُعاف کر دیا۔

حکایت: کیا خُوب اِستِدلال ہے

﴿19﴾... مروی ہے کہ زِیاد نے خارجیوں میں سے ایک آدمی کو پکڑا تو وہ چھوٹ کر فرار ہو گیا۔ زیاد نے اس کے بھائی کو پکڑ لیا اور کہا: اپنے بھائی کو لاؤ ورنہ تمہاری گردن اُڑا دوں گا۔ اس نے کہا: اگر میں امیر المؤمنین کا حکم نامہ پیش کروں تو کیا آپ مجھے چھوڑ دیں گے؟ زیاد نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: میں غالب حکمت والے کا حکم لاتا ہوں اور اس پر بطور گواہ دو حضرت سیِّدُنا ابراہیم خَلِیْلُ اللہ اور حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو پیش کرتا ہوں۔ پھر اس نے یہ آیتِ طَیِّبَہ تلاوت کی:

اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳٦﴾ وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ (پ۲۷، النجم: ۳٦تا۳۸)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا اسے اس کی خبر نہ آئی جو صحیفوں میں ہے موسیٰ کے اور ابراہیم کے جو احکام پورے بجالایا کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔

زیاد نے کہا: اس کو چھوڑ دو اس نے اپنی رہائی کی دلیل بیان کر دی ہے۔

﴿20﴾...اِنجیل میں لکھا ہے کہ جو شخص اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے لئے اِستغفار کرے یقیناً اس نے شیطان کو شکست دے دی۔

تیسری فصل: نرمی کی فضیلت

نرمی قابلِ تعریف ہے اور اس کی ضد سختی اور گرم مزاجی ہے۔ سختی غصے اور بد خُلقی کا نتیجہ ہے جبکہ نرمی اچھے اخلاق اور آسانی کا ثمرہ ہے۔ گرم مزاجی کا سبب کبھی تو غصہ ہوتا ہے اور کبھی اس کا سبب شدتِ حرص۔ اس کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ انسان غور و فکر اور مُستقِل مزاجی سے محروم ہو جاتا ہے۔ بہر حال نرمی اچھے اخلاق کا ثمرہ و نتیجہ ہے اور اچھے اخلاق اسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب غصے اور شہوت کی قوت کو حدِ اِعتدال تک رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حُسنِ اَخلاق کے پیکر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے نرمی کی بہت زیادہ تعریف فرمائی ہے۔

نرمی کی فضیلت پر مشتمل 10 فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾...اے عائشہ! جسے نرمی سے حصہ عطا کیا گیا یقیناً اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی سے حصہ عطا کیا گیا اور جو نرمی کے حصہ سے محروم رکھا گیا وہ دنیا اور آخرت کی بھلائی کے حصہ سے محروم رکھا گیا۔[1]

﴿2﴾...اللہ عَزَّ وَجَلَّ جب کسی گھر والوں کو پسند فرماتا ہے تو ان میں نرمی پیدا کر دیتا ہے۔[2]

﴿3﴾...بے شک اللہ عَزَّ وَجَلَّ نرمی پر جس قدر اَجر عطا فرماتا ہے سختی پر اس قدر اجر نہیں دیتا اور جب اللہ عَزَّ وَجَلَّ کسی بندے کو پسند فرماتا ہے تو اسے نرمی عطا فرماتا ہے اور جس گھر والے نرمی سے محروم ہوں وہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی محبت سے محروم ہوتے ہیں۔[3]

﴿4﴾...بے شک اللہ عَزَّ وَجَلَّ نرمی فرمانے والا ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور جو انعام نرمی پر عطا فرماتا ہے وہ

1...معرفۃ السنن والآثار للبیھقی، کتاب المکاتب، ۷/ ۵۷۱، حدیث: ۶۱۳۶

2...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا، ۹/ ۳۳۵، حدیث: ۲۴۴۸۱

3...المعجم الکبیر، ۲/ ۳۰۶، حدیث: ۲۲۷۴

سختی پر عطا نہیں فرماتا۔[1]

﴿5﴾... اے عائشہ! نرمی اختیار کرو، بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی گھر والوں کو عزت دینا چاہتا ہے تو نرمی کے دروازے کی طرف ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔[2]

﴿6﴾... جو نرمی سے محروم کیا گیا وہ تمام بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔[3]

﴿7﴾... جو شخص حاکم بنایا گیا اور اس نے لوگوں سے نرمی اور آسانی برتی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کے دن اس سے نرمی برتے گا۔[4]

﴿8﴾... کیا تم جانتے ہو قیامت کے دن کون آگ پر حرام ہو گا؟ ہر نرم طبیعت، نرم زبان، درگزر کرنے والا اور لوگوں سے قریب۔[5]

﴿9﴾... نرمی برکت اور سختی نحوست ہے۔[6]

﴿10﴾... اطمینان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے[7]۔[8]

---

1 ...المعجم الکبیر، ۲/ ۳۰٦، حدیث: ۲۲۷۳ ...... مسلم، کتاب البر والصلۃ والآدب، باب فضل الرفق، ص۱۳۹۸، حدیث: ۲۵۹۳ ملتقطا

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند السیدۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا، ۹/ ۴۰۵، حدیث: ۲۴۷۸۸

3 ...مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل الرفق، ص۱۳۹۸، حدیث: ۲۵۹۲

4 ...کنز العمال، کتاب الامارۃ، الباب الاول فی الامارۃ، ٦/ ۴، حدیث: ۱۴۵۸۷

5 ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ٦/ ۲۷۲، حدیث: ۸۱۲۵

6 ...شعب الایمان، باب الحیاء، ٦/ ۱۳۸، حدیث: ۷۷۲۲

7 ... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد6، صفحہ 625 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: یعنی دنیاوی اور دینی کاموں کو اطمینان سے کرنا اللہ تعالیٰ کے اِلہام سے ہے اور ان میں جلد بازی سے کام لینا شیطانی وسوسہ ہے۔ اس ترجمہ اور شرح سے معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث اس آیتِ کریمہ کے خلاف نہیں: وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (پ۴، اٰل عمران: ۱۳۳، ترجمہ کنزالایمان: اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف۔) اور نہ اس آیت کے خلاف ہے: یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِؕ (پ۴، اٰل عمران: ۱۱۴، ترجمہ کنزالایمان: نیک کاموں پر دوڑتے ہیں۔) کہ وہاں شرعت یعنی دینی کام میں دیر نہ لگانے، جلد ادا کر لینے کی تعریف ہے اور یہاں خود کام میں جلد بازی کرنا کہ کام بگڑ جائے اس سے مُمانَعت ہے بعض لوگ دو منٹ میں چار رکعتیں پڑھ لیتے ہیں یہ ہے عُجلت، نفسِ عبادت میں جلدی بُری ہے۔

8 ...شعب الایمان، باب فی تعدید نعم اللہ، ۴/ ۸۹، حدیث: ۴۳٦۷

پہلے انجام دیکھو پھر کام کرو:

مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کی بدولت تمام مسلمانوں کو برکت عطا فرمائی ہے تو آپ مجھ پر بھی خاص کرم فرمادیں۔ حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دو یا تین مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر دو یا تین مرتبہ ارشاد فرمایا: کیا تم نصیحت کے طالب ہو؟ اس نے عرض کی: جی ہاں۔ ارشاد فرمایا: جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے انجام کے بارے میں سوچو اگر انجام میں خیر ہو تو اسے کر گزرو اور اگر اس کے علاوہ ہو تو رک جاؤ۔[1]

نرمی زینت بخشتی ہے:

مروی ہے کہ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طَیِّبہ طاہِرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ہم راہ سفر میں ایک سرکش اونٹ پر سوار تھیں آپ اسے دائیں بائیں پھیرنے لگیں، یہ دیکھ کر رحیم و کریم آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! نرمی اختیار کرو، کیونکہ جب یہ کسی چیز میں ہو تو اسے زینت بخشتی ہے اور جب کسی چیز سے نکال لی جائے تو اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔[2]

نرمی سے مُتَعَلِّق حِکایات ورِوایات اور اَقوال

حکایت: حاکم و رعایا اپنے حقوق کا خیال رکھیں

❀...امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو اطلاع ہوئی کہ رعایا میں سے کچھ لوگوں کو اپنے حُکّام سے شکایت ہے تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حکام اور رعایا کو بلا لیا۔ جب وہ آئے تو آپ کھڑے ہوئے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اے لوگو! اور اے رعایا! بے شک ہمارے تم پر دو حق ہیں: (۱) پیٹھ پیچھے خیر خواہی کرو اور (۲) اچھے کاموں پر ہماری مدد کرو۔ اے حاکمو! تم پر رعایا کے کچھ حقوق ہیں اور جان لو کہ حکمران کی بُردباری اور نرمی سے بڑھ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کو کوئی چیز پسند نہیں اور حاکم کے جَہل اور سخت

---

1 ...الزھد لابن مبارک، ص ۱۴، حدیث: ۴۱

2 ...مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، ص ۱۳۹۸، حدیث: ۲۵۹۴

گیری سے زیادہ کوئی چیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں ناپسندیدہ اور بُری نہیں۔ یاد رکھو! جو شخص اپنے ماتحتوں کو امن وعافیت میں رکھتا ہے اسے اپنے مافوق سے عافیت پہنچتی ہے۔

۞...حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: نرمی بردباری کا ثمرہ ونتیجہ ہے۔

مومن کا دوست، وزیر، باپ اور بھائی:

۞...روایت میں ہے کہ نبیوں کے سردار، شفیعِ روزِ شمار صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلْعِلْمُ خَلِیْلُ الْمُؤْمِنِ وَالْحِلْمُ وَزِیْرُهٗ وَالْعَقْلُ دَلِیْلُهٗ وَالْعَمَلُ قَیِّمُهٗ وَالرِّفْقُ وَالِدُهٗ وَاللِّیْنُ اَخُوْهُ وَالصَّبْرُ اَمِیْرُ جُنُوْدِهٖ یعنی علم مومن کا دوست، بُردباری اس کا وزیر، عقل رہنما، عمل نگران، نرمی اس کا والد اور شفقت بھائی ہے جبکہ صَبْر اس لشکر کا امیر ہے۔[1]

اچھا ایمان، علم اور عمل:

۞...ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: کتنا اچھا ہے وہ ایمان جو علم سے آراستہ ہو اور کتنا اچھا ہے وہ علم جسے عمل خوبصورتی بخشے اور کتنا اچھا ہے وہ عمل جس میں نرمی کی خوشبو آئے اور جو نسبت بُردباری کو علم سے ہے ایسی کسی چیز کو کسی سے نہیں۔

نرمی کیا ہے اور سختی کیا ہے؟

۞...حضرت سیِّدُنا عَمرو بن عاص رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے اپنے بیٹے حضرت عبدالله رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه سے پوچھا کہ نرمی کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ باوقار وبردبار رہیں اور حاکموں سے مہربانی والا معاملہ کریں۔ پوچھا: سختی کیا ہے؟ کہا: آپ کا اپنے امام اور ان لوگوں سے دشمنی رکھنا جو آپ کو نقصان پہنچاسکتے ہیں۔

۞...حضرت سیِّدُنا سفیان ثَوری رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ نرمی کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اے ابو محمد! آپ ہی بتادیں۔ فرمایا: کاموں کو ان کے موقع محل پر رکھنا نرمی ہے، سختی کی جگہ سختی، نرمی کی جگہ نرمی، تلوار کی جگہ تلوار اور کوڑے کی جگہ کوڑا ہونا چاہئے۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مزاج میں سختی بھی ہونی چاہئے اور نرمی بھی۔ جیسے کہا گیا ہے:

---

[1]...نوادر الاصول، الاصل التاسع والثلاثون، الجزء الاول، ص ۱۵۷، حدیث: ۲۳۹

وَوَضْعُ النَّدٰى فِيْ مَوْضِعِ السَّيْفِ بِالْعُلَا مُضِرٌّ كَوَضْعِ السَّيْفِ فِيْ مَوْضِعِ النَّدٰى

ترجمہ: جہاں تلوار اٹھانا ہو وہاں سخاوت سے کام لینا اسی طرح نقصان دہ ہے جیسے سخاوت کے موقع پر تلوار اٹھانا۔

دِیگر اَخلاق کی طرح یہاں بھی نرمی اور سختی میں میانہ روی قابلِ تعریف ہے لیکن سختی اور گرم مزاجی کی طرف طبیعتیں زیادہ جھکاؤ رکھتی ہیں اسی وجہ سے انہیں نرمی کی طرف راغب کرنے کی ضَرورت بھی زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ شریعت نے سختی کے مقابلے میں نرمی کی زیادہ تعریف کی ہے اگرچہ اپنے مقام پر سختی بھی اچھی ہے جس طرح نرمی اپنے مقام پر اچھی ہے۔

جس جگہ سختی ضروری ہو اور خواہش بھی حق کے موافق ہو جائے تو یہ مکھن ملے شہد سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔ ایسا ہی حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز نے بھی فرمایا ہے۔

حکایت: نصیحت آموز جواب

﴾... حضرت سیِّدُنا عَمرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا امیر مُعاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو مکتوب لکھا جس میں انہیں کسی کام کی تاخیر پر ملامت کی تو انہوں نے جواب میں لکھا: بھلائی کے کاموں میں غور و فکر کرنا زیادہ عقل مندی ہے اور عقل مند وہی ہے جو جلد بازی سے پرہیز کرے اور جو بردباری سے محروم ہو وہ ناکام و نامراد ہے۔ مُستَقِل مزاج شخص کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے یا پھر کامیابی کے قریب ہو جاتا ہے جبکہ جلد باز غَلَطی کرتا ہے یا پھر غَلَطی کرنے کے قریب ہو جاتا ہے۔ جسے نرمی نفع دیتی ہے اسے سختی نقصان بھی دیتی ہے اور جو تجرِبات سے نہیں سیکھتا وہ بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔

نرمی و بردباری میں کامیابی ہے:

﴾... حضرت سیِّدُنا ابو عَون انصاری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْبَارِی فرماتے ہیں: بعض لوگ سخت الفاظ بول جاتے ہیں حالانکہ ان کے مقابل نرم الفاظ بھی ہوتے ہیں جو سخت الفاظ کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔

﴾... حضرت سیِّدُنا ابو حمزہ کوفی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: ضرورت کے مطابق خدمت گزار رکھو کیونکہ ہر آدمی کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے (زیادہ خدمت گزار رکھو گے تو زیادہ شیطان ہوں گے) یاد رکھو! تم نرمی کے ذریعے اپنے خدمت گزاروں سے جتنا کام لے سکتے ہو اتنا کام سختی کے ذریعے نہیں لے سکتے۔

﴿۞﴾...حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: مومن سَنجیدَہ وباوقار ہوتا ہے رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح نہیں ہوتا (کہ جو ہاتھ آیا اٹھالیا)۔ یہ تھی اہلِ علم کی زبان سے نرمی کی فضیلت۔

کیونکہ نرمی واقعی قابلِ تعریف ہے اور اکثر اُمور واَحوال میں مفید بھی ہے جبکہ سختی کی نوبت کبھی کبھی بلکہ شاذ ونادر ہی پیش آتی ہے۔ کامل شخص وہ ہے جو نرمی اور سختی کے مواقع کے درمیان فرق کرنے اور ہر کام کو اس کا حق دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر وہ کامل نہ ہو یعنی اس کی بصیرت کم ہو یا کسی واقعہ کا فیصلہ کرنا اس کے لئے مشکل ہو جائے تو اس صورت میں اسے نرمی کی طرف مائل ہونا چاہئے کیونکہ اکثر اوقات کامیابی نرمی وآسانی میں ہوتی ہے۔

﴿ہے فلاح وکامرانی نرمی وآسانی میں ہر بنا کام بگڑ جاتا ہے نادانی میں﴾

باب نمبر4: حَسَد کا بیان (اس میں چھ فصلیں ہیں)

پہلی فصل: حَسَد کی مَذَمَّت

حسد بھی کینے کے نتائج میں سے ہے اور کینہ غصے کے نتائج میں سے ہے گویا حسد غصہ کی فرع ہے اور غصہ اس کی اصل ہے۔ حسد کی بے شمار مذموم قسمیں ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ خاص طور پر حسد کی مَذَمَّت میں کثیر احادیث مبارکہ وارِد ہیں۔ چنانچہ

حسد کی مذمت میں وارِد 14 روایات:

﴿1﴾... حسد نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاجاتی ہے۔[1]

﴿2﴾... رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حسد، اس کے اسباب اور نتائج سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا: آپس میں حسد نہ کرو، قطع تعلقی نہ کرو، ایک دوسرے سے بُغض وعداوت نہ رکھو، پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی نہ کرو اور اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو۔[2]

---

[1] ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الحسد، ۴/ ۳۶۰، حدیث: ۴۹۰۳

[2] ...المسند لابی داود الطیالسی، الزهری عن انس، حدیث: ۲۰۹۱، ص ۲۸۰ بتقدم وتاخر

جنت میں لے جانے والا عمل:

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا اَنَس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نبوت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "ابھی اس راستے سے تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا۔" اتنے میں ایک انصاری صحابی آئے جن کی داڑھی سے وُضو کا پانی ٹپک رہا تھا، انہوں نے اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے، حاضرِ بارگاہ ہو کر سلام عرض کیا۔ دوسرے دن پھر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہی ارشاد فرمایا تو پھر وہی انصاری صحابی پہلے کی طرح آئے۔ تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ جب آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مجلس سے اُٹھے تو حضرت عبدُاللہ بن عَمرو بن العاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ان صحابی کے پیچھے ہو لئے اور اُن سے کہنے لگے: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں نے اپنے والد سے حیا کی ہے، میں تین دن تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا اگر آپ مناسب سمجھیں تو 3 دن مجھے اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت عطا فرمائیں۔" انصاری صحابی نے اجازت دے دی۔ چنانچہ میں نے تین راتیں ان کے ساتھ گزاریں لیکن انہیں رات میں عبادت کرتے نہ دیکھا، ہاں! جب وہ اپنے بستر پر کروٹ لیتے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتے یہاں تک کہ نمازِ فجر کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے۔

حضرت سیِّدُنا عبدُاللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ میں نے انصاری صحابی سے اچھی بات کے علاوہ کچھ نہ سنا۔ جب تین دن پورے ہوئے تو قریب تھا کہ میں اُن کے اعمال کو حقیر جانتا لیکن جب میں نے ان سے کہا: "اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندے! میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی ناراضی اور جدائی نہیں ہے لیکن میں نے حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو تین بار فرماتے سنا کہ ابھی تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا اور تینوں بار آپ ہی آئے۔ چنانچہ میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ آپ کا عمل جانوں گا لیکن میں نے آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا تو پھر آپ کو یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟" انصاری صحابی نے جواب دیا: "اور تو کوئی عمل نہیں بس یہی ہے جو آپ نے دیکھا۔" حضرت سیِّدُنا عبدُاللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ یہ بات سن کر جب میں وہاں سے چلنے لگا تو انصاری صحابی نے مجھے آواز دی اور کہا: "میرا کوئی اور عمل نہیں بس یہی ہے جو آپ نے دیکھا، اس کے علاوہ میں کسی بھی مسلمان کے لئے اپنے دل میں کھوٹ نہیں پاتا اور جو اللہ عَزَّوَجَلَّ

نے کسی کو دیا ہے اُس پر حسد نہیں کرتا۔" حضرت سیِّدُنا عبدالله بن عمرو رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: "یہی وہ عمل ہے جس نے آپ کو رفعتیں بخشیں اور ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔"[1]

بدگمانی، بدشگونی اور حسد سے بچنے کا طریقہ:

﴿4﴾... تین چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی بھی نجات حاصل نہیں کر سکتا: (۱) بدگمانی (۲) بدشگونی اور (۳) حسد۔ میں تمہیں ان سے بچنے کا طریقہ بتاتا ہوں کہ جب تمہارے دل میں بدگمانی آئے تو اسے سچ نہ جانو، جب کوئی بدشگونی لو تو اپنا کام جاری رکھو اور جب حسد پیدا ہو تو حد سے نہ بڑھو۔[2]

ایک روایت میں ہے: "تین باتیں ایسی ہیں کہ بہت کم کوئی ان سے خالی ہوتا ہے۔" اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حسد سے نجات ممکن ہے۔

باہم محبت قائم کرنے کا نسخہ:

﴿5﴾... تم میں پچھلی اُمتوں کی بیماری، بغض اور حسد سرایت کر گئے ہیں، بغض تو مونڈنے والا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ بال مونڈتا ہے لیکن یہ تو دین مونڈتا ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) کی جان ہے! تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ ہو جاؤ اور اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اس پر عمل کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو؟ آپس میں سلام عام کرو۔[3]

فقر و حسد کی آفت:

﴿6﴾... قریب ہے کہ فقیری کفر ہو جائے اور حسد تقدیر پر غالب آجائے۔[4] [5]

---

[1]... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک، ۴/ ۳۳۲، حدیث: ۱۲۶۹۷ بدون "من هذا الفج"

[2]... الجامع الصغیر، ص ۲۰۹، حدیث: ۳۴۶۶

[3]... سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، ۴/ ۲۲۸، حدیث: ۲۵۱۸

[4]... شعب الایمان، باب فی الحث علی ترک الغل... الخ، ۵/ ۲۶۷، حدیث: ۶۶۱۲

[5]... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْهِ رَحْمَةُ الْحَنَّان مرآة المناجیح، جلد 6، ص 623 پر حدیثِ پاک کے جز ...

پچھلی اُمتوں کی بیماریاں:

﴿7﴾...ایک مرتبہ حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: عنقریب میری اُمت کو پچھلی اُمتوں کی بیماری لاحق ہو گی۔ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: پچھلی اُمتوں کی بیماری کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: تکبُّر کرنا، اِترانا، کثیر مال جمع کرنا، دنیا میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا اور آپس میں بغض و حسد رکھنا یہاں تک کہ یہ سب حد سے بڑھ جائے گا اور پھر قتل عام ہو گا۔ (1)

﴿8﴾...اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو! کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ اسے عافیت دے دے اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے۔ (2)

سایۂ عرش میں جگہ بناؤ:

﴿9﴾...مروی ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام رب عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو عرش کے سائے میں ایک شخص کو دیکھا، انہیں اس کے مرتبے پر بڑا رشک آیا اور کہا: بے شک یہ شخص اپنے رب عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں معزز ہے۔ پھر اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے اس شخص کا نام پوچھا تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اس کا نام نہ بتایا بلکہ فرمایا کہ میں تمہیں اس کے تین عمل بتاتا ہوں: (۱) جو نعمتیں میں نے لوگوں کو اپنے فضل سے عطا فرمائیں یہ ان پر حسد نہیں کرتا تھا (۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کرتا تھا اور (۳) نہ ہی چغل خور تھا۔

...”کفر ہو جاوے“ کے تحت فرماتے ہیں: فقیر آدمی کبھی اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر دیتا ہے کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا کہ فقیر کر دیا۔ کبھی لوگوں سے اللہ کی شکایت کرتا ہے، کبھی مال حاصل کرنے، اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اسلام چھوڑ کر دوسرے مذہب میں داخل ہو جاتا ہے اپنے دین کو فروخت کر ڈالتا ہے۔ کبھی رضا بالقضاء سے منہ موڑ لیتا ہے یہ سب کفر یا سببِ کفر ہیں۔ امیری کے فتنوں سے غریبی کے فتنے زیادہ ہیں۔ خیال رہے کہ فقر مع صبر اللہ کی رحمت ہے جس کے متعلق ارشاد ہوا الفقر فخری اور فقر مع ضجر (ناشکری) اللہ کا عذاب ہے لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ فقیر صابر کو غنی شاکر سے افضل مانا گیا ہے۔ اور ”تقدیر پر غالب آ جاوے“ کے تحت فرماتے ہیں: یعنی قریب ہے کہ حسد تقدیر کو بدل دے کیونکہ حاسد خود محسود کی تقدیر بدلنا چاہتا ہے، اس کی نعمت کا زوال چاہتا ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتا حاسد کی نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ چونکہ کبھی حسد بھی کفر تک پہونچا دیتا ہے اس لئے حسد کو فقیر کے ساتھ بیان فرمایا، شیطان حسد کا کافر ہے۔

(1)...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم البغی، ۵/ ۲۳۳، حدیث: ۲

(2)...سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، ۴/ ۲۲۷، حدیث: ۲۵۱۴

نعمت الٰہی کا دشمن:

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا زکریا عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: حاسد میری نعمت کا دشمن ہے، میرے فیصلے پر ناخوش اور میری اُس تقسیم پر ناراض ہوتا ہے جو میں نے اپنے بندوں کے درمیان کی۔

﴿11﴾... حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مجھے اپنی اُمت پر سب سے زیادہ اس بات کا خوف ہے کہ ان میں مال کی کثرت ہو جائے گی تو آپس میں حسد کرنے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں گے۔[1]

﴿12﴾... حاجتیں پوری کرنے کے لئے نعمتیں چھپا کر مدد چاہو کیونکہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔[2]

﴿13﴾... رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کے بھی دشمن ہوتے ہیں۔ عرض کی گئی: وہ کون ہیں؟ ارشاد فرمایا: جو لوگوں سے اس لئے حسد کرتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے فضل وکرم سے اُن کو نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔[3]

حساب سے پہلے جہنم میں:

﴿14﴾... حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: چھ قسم کے لوگ حساب سے ایک سال پہلے جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔ عرض کی گئی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! وہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا: (۱) اُمرا ظلم کی وجہ سے (۲) عرب تعصُّب[4] کی وجہ سے (۳) سردار تکبُّر کی وجہ سے (۴) تاجر خیانت کی وجہ سے (۵) دیہاتی جہالت کی وجہ سے اور (۶) عُلَما حسد کی وجہ سے۔[5]

---

①... میزان الاعتدال، حرف الثاء، الرقم: ۱۵۵۲، ثابت بن ابی ثابت، ۱/ ۳۷۱

②... المعجم الکبیر، ۲۰/ ۹۴، حدیث: ۱۸۳

③... تفسیر غرائب القران، پ ۱، البقرۃ: ۱۰۹، ۱/ ۳۶۳

④... حضرت سیِّدُنا واثلہ بن اسقع رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! تعصُّب کیا چیز ہے۔ ارشاد فرمایا: یہ ہے کہ تم اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرو۔ (سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی العصبیۃ، ۴/ ۴۲۷، الحدیث: ۵۱۱۹) مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مرآۃ المناجیح، جلد6، صفحہ 511 پر اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں: اپنی قوم سے محبت کرنا، ان کی مدد کرنا، لوگوں کے طعنہ دفع کرنا تعصُّب نہیں بلکہ برائی پر ان کی مدد کرنا یہ ہے تعصُّب، یہ ہی ممنوع ہے کیونکہ اس میں گناہ پر مدد ہے اور گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے۔

⑤... تفسیر غرائب القران، پ ۱، البقرۃ: ۱۰۹، ۱/ ۳۶۳

حَسَد کی مَذَمّت میں وارد اَقوال وحِکایات

سب سے پہلا گناہ:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا گناہ حسد تھا۔ ابلیس نے حضرت سیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے رتبے پر ان سے حسد کیا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ حسد ہی تھا جس نے اسے نافرمانی پر ابھارا۔

سیِّدُنا عون رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی نصیحتیں:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا عَون بن عبد اللہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فَضْل بن مُہَلَّب[1] کے پاس گئے وہ اس وقت (عراق کے ایک شہر) واسط کا حاکم تھا، فرمایا: میں تجھے کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: تکبر سے بچتے رہو کیونکہ یہ پہلا گناہ ہے جس کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی گئی۔ پھر آپ نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ٘ۗ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ(۳۴) (پ۱، البقرۃ: ۳۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

اور فرمایا: خواہش سے بچتے رہو کیونکہ اسی کے سبب حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام جنت سے زمین پر بھیجے گئے، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں ایسی جنت میں ٹھہرایا جس کی چوڑائی زمین و آسمان جتنی ہے۔ جو چاہتے اس میں سے کھاتے سوائے ایک درخت کے جس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں منع فرمایا تھا، پس خواہش کے سبب آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس سے کھا لیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو جنت سے زمین پر بھیج دیا۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًاۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ(۳۸) (پ۱، البقرۃ: ۳۸)

ترجمۂ کنز الایمان: تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم۔

---

[1]... احیاء العلوم کے تمام نسخوں میں فضل بن مہلب ہے لیکن درست مُفَضَّل بن مُہَلَّب ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۳۸۶)

مزید فرمایا: حسد سے بچتے رہو کیونکہ حسد ہی نے حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بیٹے کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ پھر یہ آیتِ مقدسہ تلاوت کی:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

(پ۶، المآئدۃ: ۲۷ تا ۳۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک نیاز (قربانی) پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ قبول ہوئی بولا قسم ہے میں تجھے قتل کر دوں گا کہا اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک سارے جہان کا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے ہی پلہ پڑے تو تُو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے تو اس کے نفس نے اسے بھائی کے قتل کا چاؤ دلایا (قتل پر ابھارا) تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا نقصان میں۔

اور فرمایا: جب صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا ذکر ہو تو (برائی کے ساتھ ان کا تذکرہ کرنے سے) خاموش رہو، جب تقدیر کا تذکرہ ہو تب بھی خاموش رہو، اسی طرح جب ستاروں کا تذکرہ ہو تو بھی خاموش رہو۔

حاسد کا عبرت ناک انجام:

حضرت سیِّدُنا بکر بن عبد اللہ مُزَنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَنِی فرماتے ہیں کہ ایک شخص کسی بادشاہ کے پاس جایا کرتا تو اس کے سامنے کھڑا ہو کر کہا کرتا: احسان کرنے والے کو احسان کا بدلہ دو کیونکہ بُروں کو تو عنقریب ان کی برائی کافی ہو جائے گی۔ ایک شخص اس سے حسد کرنے لگا کہ اسے بادشاہ کا اتنا قرب حاصل ہے لہٰذا وہ بادشاہ کے پاس گیا اور کہا: جناب! یہ شخص جو آپ کے سامنے کھڑا ہو کر باتیں کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ کے منہ سے بدبو آتی ہے۔ بادشاہ نے کہا: میں کیسے اس بات کا یقین کر لوں؟ اس شخص نے کہا: آپ اسے اپنے قریب

بلا کر دیکھیں، جب وہ آپ کے قریب ہو گا تو اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لے گا تا کہ آپ کے منہ کی بدبو نہ سونگھ سکے۔ بادشاہ نے اس سے کہا: تم جاؤ میں خود اسے دیکھ لوں گا۔ یہ شخص وہاں سے نکلا اور اس شخص کو اپنے گھر دعوت پر بلایا اور اسے ایسا کھانا کھلایا جس میں لہسن ملا ہوا تھا، وہ شخص وہاں سے نکل کر بادشاہ کے پاس آیا اور حسبِ عادت بادشاہ سے کہا: احسان کرنے والے کو احسان کا بدلہ دو کیونکہ بروں کو تو عنقریب ان کی برائی کافی ہو جائے گی۔ بادشاہ نے اس سے کہا: میرے قریب آؤ۔ وہ قریب آیا تو اس نے اس خوف سے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا کہ کہیں بادشاہ کو لہسن کی بو نہ پہنچے، تو بادشاہ نے اپنے دل میں سوچا کہ فلاں آدمی نے سچ کہا ہے۔ اس بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ کسی کے لئے اپنے ہاتھ سے صرف انعام دینے کا ہی فرمان لکھا کرتا تھا، لیکن اب کی بار اس نے اپنے ایک گورنر کو اپنے ہاتھ سے لکھا کہ جب میرا یہ خط لانے والا تمہارے پاس آئے تو اسے ذبح کر دینا اور اس کی کھال اتار کر اس میں بھوسہ بھر کر میرے پاس بھیج دینا۔ اس شخص نے وہ خط لیا اور دربار سے نکلا تو وہی سازشی شخص اسے ملا، اس نے پوچھا: یہ خط کیسا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا: بادشاہ نے مجھے انعام لکھ کر دیا ہے۔ سازشی شخص نے کہا: یہ مجھے تحفہ دے دو۔ اس شخص نے کہا: لو تم لے لو۔ پھر جب وہ سازشی خط لے کر خوشی خوشی عامل کے پاس پہنچا تو عامل نے اس سے کہا: تمہارے خط میں لکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر دوں اور تمہاری کھال اتار دوں۔ اس سازشی نے کہا: یہ خط میرا نہیں ہے خدا کا واسطہ میرے معاملے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو اور بادشاہ سے اس معاملے میں رابطہ کرو۔ عامل نے کہا: بادشاہ کے خط کو لوٹایا نہیں جاتا۔ لہٰذا عامل نے اسے ذبح کر کے اور اس کی کھال میں بھوسہ بھر کر بادشاہ کو بھیج دیا، پھر وہی شخص (جس کے خلاف سازش کی گئی تھی) حسبِ عادت بادشاہ کے پاس آیا اور اپنی بات دہرائی: "احسان کرنے والے کو احسان کا بدلہ دو۔" تو بادشاہ نے حیرت زدہ ہو کر اس سے پوچھا: تم نے خط کا کیا کیا؟ اس نے جواب دیا: مجھے فلاں شخص ملا تھا، اس نے مجھ سے وہ خط مانگا تو میں نے اسے دے دیا۔ بادشاہ نے کہا: اس نے تو مجھے بتایا تھا کہ تم کہتے ہو کہ میرے منہ سے بدبو آتی ہے۔ اس نے جواب دیا: میں نے تو ایسا نہیں کہا۔ پھر بادشاہ نے پوچھا: تم نے اپنی ناک پر ہاتھ کیوں رکھا تھا؟ کہنے لگا: اس شخص نے مجھے لہسن کھلا دیا تھا اور میں نے پسند نہ کیا کہ آپ کو اس کی بدبو سے تکلیف پہنچے۔ بادشاہ نے کہا: تم اپنی جگہ پر لوٹ جاؤ تم نے سچ کہا یقیناً بُرے آدمی کی برائی اسے کِفَایَت کر گئی۔

میں حسد کیوں کروں؟

حضرت سیِّدُنا امام محمد بن سیرین عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن فرماتے ہیں: میں نے دنیا کی کسی چیز پر کسی سے حسد نہیں کیا کیونکہ اگر وہ شخص جنتی ہے تو میں دنیا کی وجہ سے کیسے اس سے حسد کر سکتا ہوں جبکہ دنیا تو جنت کے مقابلہ میں بہت حقیر ہے اور اگر وہ جہنمی ہے تو میں دنیا کے کسی معاملے پر کیوں اس سے حسد کروں جبکہ اس کا انجام ہی جہنم ہے۔

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے پوچھا: کیا مومن حسد کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا تم حضرت سیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بیٹوں کا واقعہ بھول گئے! ہاں! مومن حسد کرتا ہے لیکن حسد کا غم تمہارے سینے میں ہی رہے گا اور اس وقت تک تمہیں کوئی نقصان نہ دے گا جب تک اس کی وجہ سے تم اپنی زبان اور ہاتھ سے زیادتی نہ کرو۔

چند دانش مندانہ اَقوال:

❁...حضرت سیِّدُنا ابو دَرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: بندے کا موت کو کثرت سے یاد کرنا خوشی اور حسد کو کم کر دیتا ہے۔

❁...حضرت سیِّدُنا امیر مُعاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: نعمت پر حسد کرنے والے کے سوا میں ہر شخص کو راضی کر سکتا ہوں کیونکہ حاسد زوالِ نعمت پر ہی راضی ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

كُلُّ الْعَدَاوَاتِ قَدْ تُرْجٰى اَمَانَتُهَا　　　اِلَّا عَدَاوَةُ مَنْ عَادَاكَ مِنْ حَسَدٍ

ترجمہ: تمام دشمنیوں کو ختم کرنے کی توقع کی جاسکتی ہے سوائے اس شخص کی دشمنی کے جو تم سے حسد کی وجہ سے دشمنی کرتا ہے۔

❁...ایک دانشور کا قول ہے کہ حسد ایسا زخم ہے جو کبھی نہیں بھرتا اور حاسد کے لئے یہی سزا کافی ہے۔

❁...ایک اعرابی نے کہا: میں نے حاسد کے سوا کسی ظالم کو مظلوم کے جیسا نہیں دیکھا وہ تیرے پاس جو نعمت دیکھتا ہے اس کے لئے وہ سزا بن جاتی ہے۔

﴿۞﴾...حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تو اپنے بھائی سے حسد کیوں کرتا ہے۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کی تکریم کے لئے اپنے فضل سے وہ نعمت اسے عطا فرمائی ہے تو اس پر حسد کیوں! اور اگر کسی اور وجہ سے عطا فرمائی ہے تو اس سے حسد کیوں جس کا ٹھکانا جہنم ہے!

﴿۞﴾...ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: حاسد مجلس میں ذلت اور مذمت پاتا ہے، ملائکہ سے لعنت اور بُغض پاتا ہے، مخلوق سے غم اور پریشانیاں اٹھاتا ہے، نزع کے وقت سختی اور مصیبت سے دوچار ہوتا ہے اور قیامت کے دن رسوائی اور عذاب کا سامنا کرے گا۔

دوسری فصل: حسد کی تعریف، حکم، اقسام اور درجات

حسد صرف نعمت پر ہی ہوتا ہے جب اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہارے کسی مسلمان بھائی کو نعمت عطا فرماتا ہے تو اس وقت تمہاری دو حالتیں ہوتی ہیں:

حسد کی تعریف:

﴿۞﴾...**پہلی حالت:** تم اس کی نعمت کو ناپسند کرو اور اس کے زوال کی خواہش کرو۔ اس حالت کو حسد کہتے ہیں۔ لہٰذا حسد کی تعریف یہ ہوئی کہ "نعمت کو ناپسند کرنا اور جسے دی گئی ہے اس سے زوالِ نعمت کی خواہش رکھنا۔"

﴿۞﴾...**دوسری حالت:** تم زوالِ نعمت کی خواہش نہ کرو اور نہ اس کے وجود اور اس کی ہمیشگی کو ناپسند جانو البتہ تمہارے دل میں یہ چاہت ہو کہ تمہیں بھی اس قسم کی نعمت ملے۔ اس حالت کو رَشک کہتے ہیں اور اسے مُنافَست (آگے بڑھنے کی خواہش) سے بھی موسوم کرتے ہیں۔

بسا اوقات حسد کو مُنافَست اور منافست کو حسد سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے یعنی ان دونوں لفظوں کو ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے اور معنیٰ کو سمجھ لینے کے بعد الفاظ کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغْبِطُ وَالْمُنَافِقَ يَحْسُدُ یعنی مومن رشک کرتا ہے جبکہ منافق حسد کرتا ہے۔"(1)

(1)...تفسیر القرطبی، پ۳۰، الفلق: ۵، ۱۰/ ۱۹۰، الجزء العشرون

حسد کا حکم:

حسد ہر حال میں حرام ہے البتہ کسی فاسق وفاجر یا کافر کو کوئی نعمت ملے اور وہ اسے فتنہ انگیزی اور فساد کے لئے اور لوگوں کو نقصان پہنچانے کے لئے استعمال کرے تو اس کے لئے اس نعمت کو ناپسند کرنا اور اس کے زوال کی تمنا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ تم اس کا زوال اس کے نعمت ہونے کی وجہ سے نہیں چاہتے بلکہ اس لئے زوال کی تمنا کرتے ہو کہ وہ فساد کا آلہ ہے اگر وہ اس سے فتنہ وفساد نہ کرے تو تمہیں اس کی نعمت بری معلوم نہ ہو۔

حسد کے حرام ہونے پر دلالت کرنے والی روایات ہم نقل کر چکے ہیں اور اس کے علاوہ یہ اس لئے بھی ناپسندیدہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بندوں کو جو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کا فیصلہ فرمایا ہے اس پر ایک طرح کا اظہارِ ناراضی ہے اور یہ بات نہ قابلِ عذر ہے اور نہ ہی اس میں کوئی رخصت ہے۔ اس بات سے بڑھ کر اور کون سا گناہ ہو گا کہ تم اپنے بھائی کو سکون میں نہیں دیکھ سکتے حالانکہ اس کے پرسکون ہونے میں تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں۔ قرآنِ پاک کی کئی آیات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، چند آیات ملاحظہ ہوں:

حسد کے متعلق نو فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ٘ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَاؕ (پ۴، ال عمرٰن:۱۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں۔

یہ خوشی، شَماتَت (یعنی کسی کی مصیبت پر خوش ہونا) ہے اور حسد اور شماتت ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں۔

﴿2﴾...

وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ (پ۱، البقرۃ:۱۰۹)

ترجمۂ کنز الایمان: بہت کتابیوں نے چاہا کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں اپنے دلوں کی جلن سے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ ان کا نعمتِ ایمان کا زوال چاہنا حسد ہے۔

﴿3﴾...

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (پ۵، النسآء: ۸۹)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک سے ہو جاؤ۔

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا یوسُف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بھائیوں کے حسد کو بیان فرما کر ان کے دلوں کے حال کو اپنے اس فرمان سے تعبیر فرمایا:

﴿4﴾...

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۙۚ ﴿۸﴾ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ (پ۱۲، یوسف: ۸،۹)

ترجمۂ کنزالایمان: جب بولے کہ ضرور یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بیشک ہمارے باپ صراحۃً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں یوسف کو مار ڈالو یا کہیں زمین میں پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا منہ صرف تمہاری ہی طرف رہے۔

برادرانِ یوسُف نے جب دیکھا کہ والد محترم حضرت یعقوب (عَلَیْہِ السَّلَام) حضرت یوسُف (عَلَیْہِ السَّلَام) سے زیادہ محبت کرتے ہیں تو انہوں نے اسے ناپسند جانا اور انہیں یہ بات بُری معلوم ہوئی، لہٰذا انہوں نے اس محبت کا زوال چاہا اور حضرت سیِّدُنا یوسُف عَلَیْہِ السَّلَام کو باپ کی نظروں سے غائب کر دیا۔

﴿5﴾...

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا (پ۲۸، الحشر: ۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے۔

یعنی نہ ان کے سینے تنگ ہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں۔ حسد نہ کرنے پر ان کی تعریف فرمائی گئی۔

﴿6﴾... (یہود کے حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نبوت کا) انکار کرنے پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (پ۵، النسآء: ۵۴)

ترجمۂ کنزالایمان: یا لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔

…﴿7﴾

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ۪ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ (پ۲، البقرۃ: ۲۱۳)

ترجمۂ کنزالایمان: لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اُتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کردے اور کتاب میں اختلاف انہیں نے ڈالا جن کو دی گئی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن حکم آچکے آپس کی سرکشی سے۔

"آپس کی سرکشی سے" کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حسد ہے۔

…﴿8﴾

وَ مَا تَفَرَّقُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ (پ۲۵، الشوریٰ: ۱۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور انہوں نے پھوٹ نہ ڈالی مگر بعد اس کے کہ انہیں علم آچکا تھا آپس کے حسد سے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں علم اس لئے عطا فرمایا تھا کہ ان میں اِتّحاد پیدا ہو اور وہ اطاعتِ الٰہی پر یکجا ہو جائیں اور انہیں اس بات کا حکم ہوا کہ علم کے ذریعے باہم اُلفت و محبت اختیار کریں لیکن اس کے برعکس وہ آپس میں حسد کرنے لگے کیونکہ ان میں سے ایک یہ چاہتا تھا کہ حکومت مجھے ملے اور میری بات مانی جائے نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ایک دوسرے کو جھٹلانے لگے۔

یہود بھی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وسیلہ پیش کرتے:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بعثت سے پہلے یہود جب کسی قوم سے جنگ کرتے تو کہتے: "نَسْئَلُكَ بِالنَّبِیِّ الَّذِیْ وَعَدْتَّنَا اَنْ تُرْسِلَهٗ وَبِالْكِتَابِ الَّذِیْ تُنْزِلُهٗ اِلَّا مَا نَصَرْتَنَا یعنی (اے اللہ عَزَّوَجَلَّ!) اس نبی کے وسیلے سے جس کے بھیجنے کا تو نے وعدہ فرمایا ہے اور اس کتاب کے طفیل جو تو ہم پر نازل فرمائے گا ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری مدد فرما" تو ان کی مدد کی جاتی لیکن جب حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حضرت سیِّدُنا اسماعیل عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی

اولاد سے تشریف آوری ہوئی تو پہچاننے کے باوجود یہود نے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نبوت کا انکار کر دیا۔ اس کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

...﴿9﴾

وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ٘ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْیًا (پ۱، البقرۃ: ۸۹، ۹۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس سے پہلے اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر کس برے مولوں انہوں نے اپنی جانوں کو خریدا کہ اللہ کے اُتارے سے منکر ہوں اس کی جلن سے۔

"بَغْیًا" کی تفسیر میں فرمایا گیا ہے یعنی حسد کرتے ہوئے یہود نے حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی رسالت کا انکار کیا۔[1]

بشارتِ موسٰی:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا صفیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: ایک دن میرے والد اور چچا آپ کے پاس سے آئے تو میرے والد نے میرے چچا سے کہا: آپ ان (یعنی حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ چچا نے کہا: میرا تو یہی کہنا ہے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی بشارت حضرت سیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ عَلَیْہِ السَّلَام نے دی۔ والد نے پوچھا: آپ کا کیا ارادہ ہے؟ چچا نے کہا: میں تو زندگی بھر ان سے دشمنی رکھوں گا۔[2]

یہاں تک حسد کی حرمت کا حکم بیان ہوا۔

مُنافَسَت کا حکم:

جہاں تک مُنافَسَت یعنی رشک کی بات ہے تو یہ حرام نہیں بلکہ بعض صورتوں میں واجب، بعض میں مستحب اور بعض میں مباح ہے اور بعض اوقات مُنافَسَت کی جگہ حسد اور حسد کی جگہ مُنافَسَت کا لفظ بھی

---

1 ...التفسیر الکبیر للرازی، پ۱، البقرۃ: ۱۰۹، ۱/ ۶۴۲

2 ...التفسیر الکبیر للرازی، پ۱، البقرۃ: ۱۰۹، ۱/ ۶۴۲

استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سیِّدُنا قُثَم بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے، انہوں نے اور حضرت سیِّدُنا فضل بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ارادہ کیا کہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کریں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہمیں صَدَقہ کی وُصُولی پر مُقرّر فرمائیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے مشورہ کیا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے منع کرتے ہوئے فرمایا: پیارے مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تمہارے کہنے پر تمہیں مقرّر نہیں فرمائیں گے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا: آپ مُنافَسَت (حسد) کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں حالانکہ مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنی صاحبزادی آپ کے نکاح میں دی لیکن ہم نے تو آپ سے حسد نہ کیا۔

یعنی یہ آپ کی طرف سے حسد ہے جبکہ حضرت سیِّدَتُنا فاطمۃ الزہرا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا آپ کے نکاح میں دی گئیں تو ہم نے آپ سے حسد نہ کیا۔

مُنافَسَت لُغَت میں نَفاسَت سے مُشتق ہے۔ مُنافَسَت کے مباح ہونے کی مثال یہ فرامین باری تعالیٰ ہیں:

﴿1﴾...

وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور اسی پر چاہیے کہ للچائیں للچانے والے۔

(پ۳۰، المطففین: ۲۶)

﴿2﴾...

سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (پ۲۷، الحدید: ۲۱) ترجمۂ کنزالایمان: بڑھ کر چلو اپنے رب کی بخشش (کی طرف)۔

کسی سے سبقت لے جانے کی کوشش اسی وقت کی جاتی ہے جہاں کسی چیز کے چلے جانے کا خوف ہوتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے دو غلام اپنے آقا کی خدمت کے لئے ایک دوسرے سے اس نیت سے سبقت کریں کہ وہ آقا کے منظورِ نظر ہو جائیں۔

رشک جائز ہونے کے دلائل:

﴿1﴾... حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے رشک کے جائز ہونے کی تصریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَا حَسَدَ اِلَّا فِیْ اثْنَتَیْنِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ مَالًا فَسَلَّطَ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللّٰہُ عِلْمًا فَھُوَ یَعْمَلُ بِہٖ

وَیُعَلِّمُہُ النَّاس یعنی حسد جائز نہیں مگر دو شخصوں پر ایک وہ جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مال دیا اس نے اسے راہِ حق میں خرچ کیا اور دوسرا وہ جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے علم عطا کیا وہ اس پر عمل بھی کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا بھی ہے[1]۔[2]

حضرت سیِّدُنا ابو کَبْشَہ اَنماری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی رِوایَت میں اس مضمون کی تفصیل ہے۔

چار قسم کے لوگ:

﴿2﴾... نبیِّ رحمت، شفیعِ امت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَثَلُ ہٰذِہِ الْاُمَّۃِ مَثَلُ اَرْبَعَۃِ رَجُلٌ اٰتَاہُ اللہُ مَالًا وَّعِلْمًا فَھُوَ یَعْمَلُ بِعِلْمِہٖ فِیْ مَالِہٖ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللہُ عِلْمًا وَّلَمْ یُؤْتِہٖ مَالًا فَیَقُوْلُ رَبِّ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا مِّثْلَ مَالِ فُلَانٍ لَکُنْتُ اَعْمَلُ فِیْہِ بِمِثْلِ عَمَلِہٖ فَھُمَا فِی الْاَجْرِ سَوَآءٌ وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللہُ مَالًا وَّلَمْ یُؤْتِہٖ عِلْمًا فَھُوَ یُنْفِقُہٗ فِیْ مَعَاصِی اللہِ وَرَجُلٌ لَّمْ یُؤْتِہٖ عِلْمًا وَّلَمْ یُؤْتِہٖ مَالًا فَیَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مِثْلَ مَالِ فُلَانٍ لَکُنْتُ اُنْفِقُہٗ فِیْ مِثْلِ مَا اَنْفَقَہٗ فِیْہِ مِنَ الْمَعَاصِیْ فَھُمَا فِی الْوِزْرِ سَوَآءٌ یعنی اس امت کی مثال چار قسم کے لوگوں جیسی ہے، ایک وہ شخص جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مال اور علم عطا فرمایا اور وہ اپنے مال میں اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے، دوسرا وہ شخص جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے علم عطا کیا لیکن مال نہیں دیا اور وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! اگر میرے پاس فلاں شخص کی طرح مال ہوتا تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا، یہ دونوں اجر و ثواب میں برابر ہیں، تیسرا وہ شخص جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مال عطا کیا لیکن علم نہیں دیا اور وہ اپنا مال اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے

---

[1]... دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1332 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، جلد سوم، حصہ 16 صَفْحَہ 543 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: اس حدیث سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دو چیزوں میں حسد جائز ہے مگر بغور دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی حسد حرام ہے، بعض علما نے یہ بتایا کہ اس حدیث میں حسد بمعنی غِبطہ (رشک) ہے۔ امام بخاری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے ترجمۃ الباب سے بھی یہی پتا چلتا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ حدیث کا یہ مطلب ہے کہ اگر حسد جائز ہوتا تو ان میں جائز ہوتا مگر ان میں بھی ناجائز ہے۔ جیسا کہ حدیث: لَاشُؤْمَ اِلَّا فِی الدَّارِ میں اسی قسم کی تاویل کی جاتی ہے۔ اور بعض علما نے فرمایا کہ معنی حدیث یہ ہیں کہ حسد انہیں دونوں میں ہو سکتا ہے اور چیزیں تو اس قابل ہی نہیں کہ ان میں حسد پایا جاسکے کہ حسد کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے میں کوئی نعمت دیکھے اور یہ آرزو کرے کہ وہ مجھے مل جائے اور دنیا کی چیزیں نعمت نہیں کہ جن کی تحصیل کی فکر ہو دنیا کی چیزوں کا مآل اللہ تعالٰی کی ناراضی ہے اور یہ چیزیں وہ ہیں کہ ان کا مآل اللہ تعالٰی کی خوشنودی و رضا ہے، لہٰذا نعمت جس کا نام ہے وہ یہی ہیں ان میں حسد ہو سکتا ہے۔

[2]... التفسیر الکبیر للرازی، پ ۱، البقرۃ: ۱۰۹، ۱/ ۶۴۷

اور چوتھا وہ شخص جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نہ علم دیا نہ مال اور وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس بھی فلاں شخص کی طرح مال ہوتا تو میں بھی اس کی طرح اسے گناہ کے کاموں پر خرچ کرتا، یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔[1]

حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے چوتھے شخص کی مذمّت اس لئے نہیں فرمائی کہ وہ فلاں شخص کی طرح مال کی آرزو رکھتا ہے بلکہ اس لئے فرمائی کہ وہ مال پاکر فلاں شخص کی طرح اسے گناہوں میں خرچ کرنے کی تمنا رکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دوسرے کی نعمت پر رشک کرنا اور اپنے لئے اس جیسی نعمت کی تمنا کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک اس سے نعمت کا زوال نہ چاہا جائے اور اُس کے پاس اِس نعمت کے باقی رہنے کو ناپسند نہ کرے۔

واجب، مستحب اور مباح رشک:

اگر کوئی نعمت دینی ہو اور واجب ہو مثلاً ایمان، نماز اور زکوٰۃ تو ایسی نعمت پر رشک کرنا بھی واجب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ اپنے لئے بھی ایسی ہی نعمت پسند کرے اگر ایسا نہیں کرے گا تو وہ گناہ پر راضی ہو گا اور یہ حرام ہے۔ اگر نعمت ایسی ہو جو فضائل سے تعلق رکھتی ہو مثلاً اچھے کاموں میں مال خرچ کرنا اور صدقہ وخیرات وغیرہ کرنا تو ایسی نعمت پر رشک کرنا مستحب ہے۔ اگر نعمت ایسی ہو جس سے فائدہ اٹھانا جائز ہو تو اس پر رشک کرنا مباح ہے۔ ان تمام صورتوں میں اس کا ارادہ اس شخص کے مساوی ہونا اور نعمت میں اس کے ساتھ شریک ہونا ہے، نعمت کا اس کے پاس ہونا ناپسند نہیں۔

گویا یہاں دو باتیں ہیں: ایک یہ کہ جس کے پاس نعمت ہے وہ نعمت کے سبب راحت میں ہے اور دوسری یہ کہ جو اس نعمت سے محروم ہے وہ اس کی وجہ سے نقصان میں ہے۔ رشک کرنے والا پہلی بات کو ناپسند نہیں کرتا بلکہ اپنا محروم ہونا اور پیچھے رہ جانا ناپسند کرتا اور نعمت والے کی برابری چاہتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان مباح اشیاء میں اپنے نقصان اور پیچھے رہنے کو ناپسند جانے۔ البتہ اس طرح فضائل میں کمی ضرور آتی ہے کیونکہ اس طرح کی باتیں زُہد، توکُّل اور رضا کے خلاف اور اعلیٰ مقامات کے حصول میں رکاوٹ ہیں تاہم گناہ کا باعث نہیں۔

دقیق نکتہ:

یہاں ایک باریک و دقیق نکتہ ہے اور وہ یہ کہ جو انسان دوسروں جیسی نعمت کے حصول سے مایوس ہو جاتا

[1] ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی مثل الدنیا مثل اربعۃ نفر، ۴/ ۱۴۵، حدیث: ۲۳۳۲ بتغیر

ہے تو وہ خود کو اس نعمت کے حامل شخص سے کم تر و ناقص سمجھنے لگتا ہے نیز اس کا نفس یہ پسند کرنے لگتا ہے کہ اس کا نقص کسی طریقہ سے دور ہو جائے اور یہ نقص دو ہی طریقوں سے دور ہو سکتا ہے یا تو اس جیسی نعمت مل جائے یا دوسرے شخص کے پاس بھی وہ نعمت باقی نہ رہے۔ جب ایک راستہ بند ہو جاتا ہے تو لامحالہ دوسرا راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب دوسرے شخص کے پاس بھی وہ نعمت باقی نہیں رہتی تب اسے سکون ملتا ہے کیونکہ اس کی نعمت کے زَوال سے اسے برابری مل جاتی ہے بلکہ ممکن ہے اب بھی اس کے دل میں اس نعمت کی خواہش جاگزیں ہو۔ اگر یہ صورت پیش آئے تو نفس سے دریافت کرے کہ اگر دوسرے شخص کی نعمت کا اختیار مجھے مل جائے تو میں کیا کروں؟ اگر جواب یہ ہو کہ میں یہ نعمت اس سے چھین لوں گا تو سمجھ جائے کہ وہ بہت زیادہ حسد میں مبتلا ہے اور اگر اس نعمت کے زوال پر قدرت کے باوجود اس کا تقویٰ و پرہیز گاری اسے اس کام سے اور اس کی نعمت کے زوال کی تمنا سے روک دے تو سمجھ جائے کہ دل میں پیدا ہونے والی زوالِ نعمت کی خواہش سے اسے نجات مل گئی ہے کیونکہ اب وہ عقل و دین کی رو سے یہ نہیں چاہتا کہ دوسرے سے نعمت جاتی رہے۔ ممکن ہے کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس ارشاد گرامی سے یہ مراد ہے۔

حسد کا ایک علاج:

ارشاد فرماتے ہیں: "ثَلَاثٌ لَّا یَنْفَکُّ الْمُؤْمِنُ عَنْهُنَّ اَلْحَسَدَ وَالظَّنَّ وَالطِّیَرَۃَ یعنی تین باتیں ایسی ہیں کہ مومن ان سے الگ نہیں ہو سکتا: (۱) حسد (۲) بدگمانی اور (۳) بدفالی۔" پھر فرمایا: "وَلَهٗ مِنْهُنَّ مَخْرَجٌ اِذَا حَسَدْتَ فَلَا تَبْغِ اور اس کے لئے ان سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب تم حسد کرو تو حد سے نہ بڑھو۔"[1]

یعنی اگر تم اپنے دل میں کسی کے بارے میں کوئی چیز پاؤ تو اس پر عمل نہ کرو۔ لیکن جو شخص اپنے بھائی سے کسی نعمت میں برابری حاصل کرنا چاہے اور پھر اس سے عاجز آجائے تو بہت مشکل ہے کہ وہ زوالِ نعمت کی تمنا سے بچ سکے کیونکہ جب تک بھائی کے پاس نعمت رہے گی یقیناً اس کے دل میں اس کی برتری کا خیال انگڑائی لیتا رہے گا۔ یہ رَشک کی وہ حد ہے جو حرام حسد کے مقابل پہنچ جاتی ہے، لہٰذا اس میں احتیاط ضروری ہے کیونکہ یہ پُر خطر مقام ہے۔ ہر انسان جب اپنی جان پہچان والوں یا پڑوسیوں کو اپنے سے بلند دیکھتا ہے تو

[1] ...الجامع الصغیر، ص ۲۰۹، حدیث: ۳۴۶۶ بتغیر

ان سے برابری کی خواہش کرتا ہے، مضبوط ایمان اور شدید تقویٰ نہ ہونے کی صورت میں ممکن ہے کہ عنقریب یہ خواہش اسے ممنوعہ حسد تک لے جائے۔

بعض اوقات دوسرے سے کم تر ہونے کا خوف انسان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ ممنوع حسد کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کی طبیعت اپنے بھائی سے زوالِ نعمت کی طرف مائل ہو جاتی ہے تاکہ دونوں میں مساوات ہو سکے کیونکہ وہ نعمت حاصل کر کے اس کے برابر آنے سے تو پہلے ہی عاجز ہے۔ اس معاملے میں کوئی رخصت نہیں خواہ اس کا تعلق دینی مقاصد سے ہو یا دُنیوی مقاصد سے، دونوں صورتوں میں یہ حرام ہے۔ ہاں! اگر وہ اس پر عمل نہ کرے تو امید ہے کہ اس صورت میں گناہ نہ ہو اور اس کا اپنی خواہش کو ناپسند کرنا ہی اس کے لئے کفارہ ہو جائے۔

یہاں تک حسد کی تعریف اور اس کے اَحکام بیان ہوئے اب ہم حسد کے درجے بیان کرتے ہیں۔

حسد کے چار درجے:

❀...پہلا درجہ: دوسرے سے زوالِ نعمت کا خواہش مند ہونا اگرچہ خود کو بھی نہ ملے۔ یہ خباثت کی انتہا ہے۔

❀...دوسرا درجہ: دوسرے کی نعمت میں ایسی رغبت کرنا کہ بعینہٖ وہ نعمت اس سے زائل ہو کر میرے پاس آجائے مثلاً دوسرے کے عمدہ مکان، خوبصورت عورت یا جاہ و منصب میں رغبت کرنا۔ یہ ایسی صورت ہے جس میں حاسد فقط زوالِ نعمت کا خواہش مند نہیں بلکہ عَین اسی نعمت کا طلب گار ہے اور اس کی یہ ناپسندیدگی دوسرے کے عیش و آرام کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے پاس یہ سب کچھ نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

❀...تیسرا درجہ: دوسرے کو جو نعمت حاصل ہے بعینہٖ اس کی خواہش نہ کرنا بلکہ اس جیسی نعمت کی خواہش کرنا۔ اب اگر حاسد کو اس جیسی نعمت نہ ملے تو وہ محسود سے زوالِ نعمت کی خواہش کرتا ہے تاکہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ رہے۔

❀...چوتھا درجہ: دوسرے کی نعمت جیسی نعمت کی خواہش کرنا اور خواہش پوری نہ ہونے کی صورت میں زوالِ نعمت کی تمنا نہ کرنا۔

چوتھا درجہ قابلِ معافی ہے اگر اس کا تعلق اُمورِ دُنیا سے ہو اور اگر دینی اُمور سے تعلُّق ہو تو اس صورت میں یہ مستحب ہے اور تیسرے درجے میں خیر و شر دونوں پہلو ہیں اور دوسرا مرتبہ تیسرے کے مقابلے میں

ہلکا ہے[1] اور پہلا مرتبہ تو ہر حال میں مذموم ہے اور دوسرے مرتبے پر حسد کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے[2] لیکن یہ بھی اس فرمانِ باری تعالیٰ کی وجہ سے مذموم ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍؕ (پ۵، النساء: ۳۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ دوسروں جیسی نعمت کی تمنا کرنا مذموم نہیں البتہ بعینہٖ اسی نعمت کی تمنا کرنا مذموم ہے۔

تیسری فصل: حسد اور رشک کے اسباب

رشک کا سبب قابلِ رشک چیز کی محبت ہے۔ اگر اس کا تعلّق دینی اُمور سے ہے تو رشک کا سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت اور اس کی اِطاعت کی چاہت ہے اور اگر دُنیاوی اُمور سے ہے تو رشک کا سبب دنیا کی مُباح اَشیاء کی محبت اور ان سے لُطف اَندوز ہونے کی چاہت ہے۔ اگر ہم مذموم حسد میں غور کریں تو اس کے راستے بہت زیادہ ہیں لیکن ان تمام کو سات ابواب میں جمع کیا گیا ہے: (۱) دشمنی (۲) تعزُّز (۳) تکبُّر (۴) تعجُّب (۵) محبوب مقاصد کے فوت ہونے کا خوف (۶) حکومت کی چاہت اور (۷) خُبثِ باطن اور بخلِ نفس۔

حسد کے سات اَسباب اور اُن کی تفصیل

ایک شخص جب دوسرے کے پاس نعمت کو ناپسند کرتا ہے تو اس کی ایک وجہ دشمنی ہوتی ہے جس کے سبب وہ اس کی بھلائی نہیں چاہتا اور حسد کا یہ سبب صرف ہم پلّہ لوگوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کبھی ادنیٰ شخص بادشاہ سے حسد کرتا ہے اور اس سے زوالِ نعمت کی چاہت کرتا ہے اور وہ بادشاہ سے اس وجہ سے بغض رکھتا ہے کہ اسے یا اس کے محبوب کو بادشاہ کی طرف سے تکلیف پہنچی ہوتی ہے۔ کبھی حسد کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حاسد جانتا ہے کہ صاحبِ نعمت اپنی نعمت کے ذریعے اس پر تکبر کرے گا اور وہ عزتِ نفس کی خاطر اس کے تکبر اور بڑائی

---

1 ...صاحبِ اتحاف علامہ سیّد محمد بن محمد مرتضٰی زَبیدی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: دُرُست یہ ہے کہ یوں کہا جائے: تیسرا مرتبہ دوسرے کے مقابلے میں ہلکا ہے۔ (اتحاف السادة المتقین، ۹/ ۵۰۳)

2 ...اِحیاء کے نسخوں میں دوسرے مرتبے کا ذکر ہے لیکن صاحبِ اتحاف علامہ سیّد محمد بن محمد مرتضٰی زَبیدی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: یہاں چوتھا مرتبہ کہنا زیادہ اولیٰ ہے۔ (اتحاف السادة المتقین، ۹/ ۵۰۳)

کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، لہٰذا وہ حسد کرنے لگتا ہے، **تعزُّز** کے سبب حسد ہونے سے یہی مراد ہے۔ کبھی حسد کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جس سے حسد ہوتا ہے طبیعت اس پر بڑائی حاصل کرنے کی خواہش رکھتی ہے لیکن اس کا نعمتوں سے مالا مال ہونا راستے میں رکاوٹ بن جاتا ہے، **تکبُّر** کے سبب حسد ہونے سے یہی مراد ہے۔ بعض اوقات کوئی شخص عظیم نعمت اور بڑے منصب کا مالک ہوتا ہے اور حاسد اس بات پر حیران ہوتا ہے کہ اتنی بڑی نعمت فلاں کو کیسے ملی لہٰذا وہ حسد کا شکار ہو جاتا ہے، **تعجُّب** کی وجہ سے حسد سے یہی مراد ہے۔ کبھی انسان کو دوسرے کی نعمتوں کے سبب اپنے مقاصد کے فوت ہونے یا اپنی اَغراض کی تکمیل میں دشواری کا خوف ہوتا ہے لہٰذا یہ اس کے حسد کا سبب بن جاتا ہے۔ کبھی حسد کا سبب حکومت کی چاہت ہوتی ہے کہ وہ چاہتا ہے اسے ایسی نعمتِ حکومت ملے جس میں کوئی اس کا ہم پلہ نہ ہو۔ کبھی حسد کا سبب ان اسباب میں سے کوئی نہیں ہوتا بلکہ انسان اپنی باطنی خباثت اور بخل کے باعث حسد کرتا ہے۔ ان اسباب کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

﴿1﴾... دشمنی اور بُغض و عداوت:

حسد کا یہ سبب تمام اسباب میں زیادہ سخت ہے۔ جب کسی شخص کو کسی بھی سبب سے اَذِیَّت دی جائے یا اس کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ڈالی جائے تو وہ اذیت پہنچانے والے یا مقاصد کی راہ میں رُکاوَٹ ڈالنے والے کے لئے دل میں بُغض رکھتا ہے اور اس پر غضبناک ہوتا ہے نیز اپنے دل میں اس کے لئے کینہ رکھتا ہے اور کینہ اسے بدلہ اور انتقام لینے پر اُکساتا ہے، اب اگر خود انتقام لینے سے عاجز ہو تو چاہتا ہے کہ زمانہ ہی اس سے انتقام لے لے اور اگر ایسا ہو جائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں اسے اپنی بزرگی خیال کرتا ہے۔ جب جب دشمن کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو حاسد خوش ہو جاتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اس کی زیادتی کا بدلہ ہے اور اگر دشمن کو کوئی نعمت مل جائے تو جلنے لگتا ہے کیونکہ یہ اس کی مراد کے خلاف ہوتا ہے اور بسا اوقات وہ اس سوچ میں بھی پڑ جاتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں میرا کوئی مقام نہیں کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میرے دشمن سے بدلہ نہیں لیا بلکہ اس پر انعام فرمایا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حسد دشمنی و بُغض و عَداوَت کو لازِم ہے، لہٰذا تقوٰی اِختیار کرتے ہوئے بُغض

وعداوت میں حد سے نہ بڑھے اور دل میں اسے ناپسندیدہ جانے۔ بہر حال کسی انسان سے بغض ہو اور پھر اس کی خوشی و غم کو ایک ہی نظر سے دیکھا جائے یہ ناممکن ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کفار کی یہ خرابی بیان فرمائی کہ وہ عداوت کی وجہ سے حسد کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۱۹، ۱۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے تم فرما دو کہ مر جاؤ اپنی گھٹن (قلبی جلن) میں اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو کوئی برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں۔

اسی طرح ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَ مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۱۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اُن کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے بَیر (بغض) ان کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے۔

بغض و عداوت کی وجہ سے حسد بسا اوقات لڑائی جھگڑے اور باہمی قِتال تک لے جاتا ہے اور تمام عمر محسود (یعنی جس سے حسد کیا جائے اس) کی نعمتوں کو ضائع کرنے کی تدبیروں اور اس کی پردہ دری وغیرہ میں صرف ہو جاتی ہے۔

﴿2﴾... تعزُّز:

تعزُّز یہ ہے کہ خود پر دوسرے کی برتری کو برداشت نہ کرنا، اس سے بھی حسد پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً اس کے برابر حیثیت رکھنے والے شخص کو حکومت یا علم یا مال وغیرہ ملتا ہے تو اسے ڈر ہوتا ہے کہ وہ اس وجہ سے بڑائی کا اظہار کرے گا جبکہ حاسد کو اس کی بڑائی برداشت نہیں اور اس کا نفس چاہتا ہے کہ کوئی اس پر فخر نہ کرے۔ ایسا کرنے سے حاسد کی غرض اپنی بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ محسود کے تکبر کو دور کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاسد بسا اوقات اس کے ساتھ برابری پر بھی راضی ہو جاتا ہے لیکن اس کی ترقی پر خوش نہیں ہوتا۔

﴿3﴾...تکبُّر:

تکبُّر یہ ہے کہ انسان فطرتاً دوسرے پر خود کو بڑا سمجھے اور دوسرے کو ذلیل وحقیر خیال کرے اور یہ خواہش کرے کہ دوسرا اس کی خدمت کرے اور اس کے سامنے بچھا رہے نیز اس کے مقاصد کو پورا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس دوسرے شخص کو نعمت ملتی ہے تو متکبر کو ڈر ہوتا ہے کہ اب وہ میری بات نہیں سنے گا یا میری برابری کا دعویٰ کرے گا یا مجھ سے بلند مرتبہ ہو جائے گا اور پھر مجھ پر تکبر کرے گا جبکہ پہلے میں اس پر تکبر کرتا تھا۔ کفار کا پیارے مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے حسد کرنا ان ہی دو سببوں یعنی تعزُّز اور تکبر کے باعث تھا کیونکہ وہ کہتے تھے کہ ایک (دُرِّ یتیم) بچہ کس طرح ہم سے آگے بڑھ سکتا ہے؟ اور ہم کیونکر اس کے سامنے اپنے سر جھکا لیں؟ چنانچہ قرآن کریم نے ان کے قول کو اس طرح بیان کیا:

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾ (پ۲۵، الزخرف: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بولے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دوشہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عظیم شَخْصِیَّت ہوتی تو اس کے لئے جھکنا اور اس کی پیروی کرنا ہمارے لئے مشکل نہ ہوتا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ قریش کا قول بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَاؕ (پ۷، الانعام: ۵۳)

ترجمۂ کنزالایمان: کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے۔

انہوں نے مسلمانوں کو حقیر جانتے ہوئے اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔

﴿4﴾...تَعَجُّب:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پچھلی امتوں کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے (اپنے نبی عَلَیْہِ السَّلَام سے) کہا:

مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَاۙ (پ۲۲، یٰس: ۱۵)

ترجمۂ کنزالایمان: تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی۔

نیز انہوں نے یہ بھی کہا:

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا (پ۱۸، المؤمنون: ۴۷)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو آدمیوں پر۔

یونہی بعض کُفّار نے اپنے نبی عَلَیْہِ السَّلَام کی نسبت اپنی قوم کے لوگوں سے کہا:

وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ (پ۱۸، المؤمنون: ۳۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔

انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان جیسا ایک آدمی رسالت، وحی اور قربِ خداوندی کے دَرَجے پر کیسے فائز ہو سکتا ہے، لہٰذا انہوں نے حسد کیا اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام سے اس خوف سے نُبُوّت کا زوال چاہا کہ جو شخص تخلیق میں ان کی مثل ہے ان پر فضیلت حاصل نہ کر سکے۔ تکبُّر کے ارادے، حکومت کی طَلَب اور سابقہ عداوت یا کسی دوسرے سبب کے باعث انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا:

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۹۴)

ترجمۂ کنز الایمان: کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا۔

اور کہنے لگے:

لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ (پ۱۹، الفرقان: ۲۱)

ترجمۂ کنز الایمان: ہم پر فرشتے کیوں نہ اتارے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ (پ۸، الاعراف: ۶۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اور کیا تمہیں اس کا اچنبھا (تعجب) ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں کے ایک مرد کی معرفت۔

﴿5﴾... مقاصد کا فوت ہونا:

یہ سبب ہر ان دو افراد کے ساتھ خاص ہے جو ایک مقصود پر جھگڑتے ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی ہر اس نعمت میں حسد کرتا ہے جو انفرادی طور پر اس کے مقصد میں مددگار ہوتی ہے۔ سوتنوں کا حسد بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ وہ زَوجیّت کے مقاصد میں ایک دوسرے سے جھگڑتی ہیں، یونہی بھائیوں کا حسد کہ وہ والدین کے دل میں جگہ بنانے کے لئے ایک دوسرے سے مُزاحمَت کرتے ہیں تاکہ مال وجاہ حاصل ہو۔ اسی طرح شاگردوں کا استاد کے دل میں مقام حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے حسد کرنا۔ درباریوں کا بادشاہ کے دل میں جگہ پانے کے لئے ایک دوسرے سے حسد کرنا۔ اسی طرح ایک ہی شہر

کے واعظین کا حسد کہ ان کی غرض لوگوں کے درمیان مقبولیت حاصل کر کے مال حاصل کرنا ہوتی ہے اور اسی طرح علما کا باہم حسد کرنا کہ وہ بعض مشہور فُقہا کے ہاں مرتبہ حاصل کرنے کے لئے جھگڑتے ہیں تا کہ وہ ان تک پہنچ کر اپنے مقاصد حاصل کریں۔

﴿6﴾... حکومت کی خواہش:

حکومت کی خواہش اور منصب کی چاہت ہو اس کے علاوہ کوئی مقصد نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص چاہتا ہے کہ کسی فن میں بے مثل ہو جائے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس پر اپنی تعریف سننے کی چاہت غالب ہو اور وہ یہ سننے پر خوش ہو کہ اسے اپنے فن میں یکتائے زمانہ کہا جائے اور کوئی اس کا مثل نہ ہو۔ کیونکہ اگر وہ سنے کہ دنیا کے دور دراز علاقے میں بھی کوئی اس کا ہم مثل ہے تو یہ بات اسے بُری معلوم ہو اور وہ شخص شریک کی موت یا کم از کم اس سے نعمت کا زوال چاہے گا۔ مثلاً: شُجاعت، عِلْم، عبادت، ہنر، حسن اور مالداری وغیرہ میں یکتا ہونا اور اس کے سبب خوش ہونا۔ اس سبب میں نہ عداوت کار فرما ہوتی ہے، نہ تعزُّز، نہ محسود پر تکبُّر اور نہ مقاصد کے فوت ہونے کا خوف بلکہ صرف یہ سبب کار فرما ہوتا ہے کہ وہ حکومت میں منفرد ہو۔

علما کا لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے کے لئے جاہ و مرتبہ کی چاہت کرنا اس سے الگ ہے کیونکہ ان کے مقاصد حکومت و ریاست کے حصول سے علاوہ ہیں۔ اس سبب کی مثال علمائے یہود کا تاجدارِ انبیا، محبوبِ کبریا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پہچان سے انکار کرنا اور آپ پر ایمان نہ لانا ہے کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ اس طرح وہ اپنی سرداری سے محروم ہو جائیں گے اور ان کا علم منسوخ ہو جائے گا۔

﴿7﴾... باطنی خباثت اور بخل:

باطنی خباثت اور بھلائی کے کاموں میں بخیل ہونا بھی حسد کا ایک سبب ہے۔ آپ کو ایسے لوگ بھی نظر آئیں گے جنہیں حکومت، تکبر اور مال سے کوئی سروکار نہیں ہوتا لیکن جب ان کے سامنے کسی بندۂ خدا پر خدا عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کا ذکر کیا جائے تو انہیں بوجھ محسوس ہو گا اور جب ان کے سامنے لوگوں کی خستہ حالی، تنگی، تنگ زندگی اور محرومی کو بیان کیا جائے تو وہ خوش ہوں گے۔ ایسے لوگ ہمیشہ دوسروں کے نقصان کو پسند کرتے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے بندوں پر جو انعام فرمایا ہے اس سے بخل کرتے ہیں گویا وہ ان کی ملکیت و خزانے سے لے

رہے ہوں۔ کہا گیا ہے کہ ''بخیل وہ ہے جو اپنے مال میں کنجوسی کرے اور شَحِیح وہ ہے جو دوسرے کے مال میں بخل کرے'' ایسے لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے انعام یافتہ بندوں سے بخل کرتے ہیں حالانکہ اِن کے اور اُن کے مابین نہ کوئی دشمنی ہے نہ کوئی رابطہ۔ اس حسد کا کوئی ظاہری سبب نہیں بس باطنی خباثت اور طبعی کمینگی ہے جو ان کی عادت بن چکی ہے وہی حسد کا سبب ہے۔ اس کا علاج بہت مشکل ہے کیونکہ حسد کے بقیہ اسباب عارضی ہیں اور انہیں ختم کرنا آسان معلوم ہوتا ہے جبکہ یہ باطنی وفطری خباثت ہے کسی عارضی سبب سے نہیں، لہٰذا اسے دور کرنا کافی مشکل ہے کیونکہ جو چیز عادت بن جائے اس کا ازالہ تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔

یہ حسد کے اسباب ہیں۔ کبھی بعض، کبھی اکثر اور کبھی تمام کے تمام ایک ہی شخص میں پائے جاتے ہیں، اس وقت اس کا حسد بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے اور وہ اس کو چھپانے اور بظاہر حسن سلوک کرنے سے بھی عاجز آجاتا ہے بلکہ حسن سلوک کے پردے چاک ہو جاتے اور دشمنی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اکثر حاسدین میں یہ تمام اسباب ہی پائے جاتے ہیں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی میں صرف ایک ہی سبب پایا جائے۔

چوتھی فصل: دوسروں کے مقابلے میں دوستوں اور ذوی الارحام سے حسد زیادہ ہونے کی وجہ

یاد رکھیں! حسد ان لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے جن میں مذکورہ اسباب زیادہ ہوتے ہیں اور ان لوگوں میں تو بہت زیادہ پایا جاتا ہے جن کی آپس میں وابستگی ہو اور مذکورہ اسباب بیک وقت ان میں پائے جائیں۔ اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص اس لئے حسد کرتا ہو کہ اسے دوسرے کا اپنے لئے بڑائی بیان کرنا پسند نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خود متکبر ہو یا پھر دوسرے سے دشمنی کی وجہ سے حسد کرتا ہو یا ان کے علاوہ کوئی اور سبب ہو۔

حسد کے اسباب ان لوگوں کے درمیان زیادہ ہوتے ہیں جن کے درمیان باہمی روابط ہوتے ہیں اور ان رَوابِط کے باعث وہ مجالس میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے اَغراض وابستہ ہوتی ہیں۔ جب ان میں سے کوئی کسی غرض میں دوسرے کی مخالفت کرتا ہے تو اس سے طَبْعِی طور پر نفرت ہو جاتی ہے اور وہ اس سے بغض رکھتا ہے نیز اس کے دل میں کینہ پیدا ہو جاتا ہے، اس وقت وہ اسے ذلیل سمجھتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے اور چونکہ اس نے اس کی کسی غرض کی مخالفت کی ہے، لہٰذا وہ اس سے انتقام لینا چاہتا ہے اور اسے اس کے

مقصد تک پہنچانے والی ہر نعمت کو ناپسند کرتا ہے۔ پھر جہاں ایک سبب پیدا ہوتا ہے وہاں دوسرے اسباب خود ہی پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔

حسد کن لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے؟

دو مختلف شہروں میں رہنے والے دو آدمیوں کے درمیان چونکہ رابطہ نہیں ہوتا اس لئے ان کے مابین حسد نہیں ہوتا، اسی طرح دو مختلف مقامات پر رہنے والوں کے درمیان بھی حسد نہیں ہوتا۔

ہاں! جب کوئی بھی دو انسان مکان یا بازار یا مدرسے یا مسجد میں ایک دوسرے کے پڑوسی بنیں اور ایک جیسے مقاصد رکھیں جو دونوں میں مشترک ہوں تو وہ مقاصد کے سلسلے میں ایک دوسرے سے اِعْراض کریں گے جس کے نتیجے میں ان کے درمیان نفرت اور بغض پیدا ہوگا اور حسد کے دوسرے اسباب جنم لیں گے۔ اسی وجہ سے آپ دیکھیں کہ ایک عالم عابد سے نہیں بلکہ دوسرے عالم سے حسد کرتا ہے اور عابد عالم کے بجائے دوسرے عابد سے حسد کرتا ہے۔ اسی طرح تاجر، تاجر سے اور موچی کپڑا بیچنے والے سے نہیں بلکہ موچی سے حسد کرتا ہے، البتہ پیشے کی شرکت کے علاوہ حسد کا کوئی دوسرا سبب بھی ہو سکتا ہے جس کے باعث وہ حسد کرتا ہو تو یہ الگ بات ہے کیونکہ کپڑے بیچنے والے کا مقصد موچی کے مقصد کے علاوہ ہوتا اس لئے وہ ایک دوسرے سے مقابلہ نہیں کرتے۔ کپڑے بیچنے والے کا مقصد مال کا حصول ہے اور اس کے لئے زیادہ خریداروں کی ضرورت ہوتی ہے البتہ دوسرا کپڑا فروش اس سے مزاحمت کرتا ہے کیونکہ کپڑا فروش کا حریف موچی نہیں بلکہ کپڑا فروش ہی ہوتا ہے۔ پھر کپڑے کا جو تاجر اس کا پڑوسی ہے اس سے مزاحمت زیادہ ہوتی ہے بمقابلہ اس کپڑا فروش کے جو بازار کے دوسرے کَنارے پر ہے۔ معلوم ہوا کہ پڑوسی سے حسد زیادہ کیا جاتا ہے۔ انسان دوسروں کی نسبت اپنے بھائی اور چچازاد سے زیادہ حسد کرتا ہے اور عورت اپنی سوتن اور خاوند کی لونڈی سے جتنا حسد کرتی ہے اس قدر حسد خاوند کی ماں اور اس کی بیٹی سے نہیں کرتی۔

اسی طرح بہادر شخص بہادر ہی سے حسد کرتا ہے عالم سے نہیں کرتا کیونکہ وہ اپنی شجاعت کا تذکِرہ اور شُہرت چاہتا ہے نیز وہ چاہتا ہے کہ وہ اس وصف میں اکیلا ہو اور عالم کا اس سلسلے میں اس سے کوئی مقابلہ نہیں۔ اسی طرح عالم، عالم سے حسد کرتا ہے کسی پہلوان سے نہیں اور واعظ جس قدر دوسرے واعظ سے حسد کرتا ہے

اس قدر کسی فقیہ یا طبیب سے حسد نہیں کرتا کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایک مقصد پر جھگڑا ہوتا ہے۔

ان حسدوں کی اصل وجہ دشمنی ہے اور دشمنی کی بنیاد ان کا باہم ایک مقصد پر جمع ہونا ہے اور ایک غرض پر باہم مزاحمت ان ہی لوگوں کے درمیان ہوتی ہے جن میں مناسبت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان حسد زیادہ ہوتا ہے۔ ہاں جو شخص جاہ و مرتبے کی حرص زیادہ رکھتا ہو اور اطرافِ عالَم میں شہرت کا طالب ہو تو وہ دنیا کے ہر اس آدمی سے حسد کرے گا جو اس کے ساتھ اس وصف میں مقابلہ کرے اگرچہ وہ اس سے کوسوں میل دور ہو۔

غرض ان تمام باتوں کی بنیاد محبتِ دنیا ہے کیونکہ دنیا ہی وہ چیز ہے جو دو مزاحمت کرنے والوں پر تنگ ہوتی ہے اور جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی تنگی نہیں۔ آخرت کی مثال نعمتِ علم جیسی ہے، جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت چاہتا ہے نیز اس کی صفات، فرشتوں، انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کی معرفت کا خواہش مند ہے وہ کسی سے حسد نہیں کرتا کیونکہ عارِفین کے درمیان معرفت میں کوئی تنگی نہیں ہوتی بلکہ ایک بات کا جسے علم حاصل ہوتا ہے اسے لاکھوں عالم جانتے ہیں اور وہ اس کی معرفت سے خوش ہوتے اور اس سے لذت حاصل کرتے ہیں، ایک کی وجہ سے دوسرے کی لذت میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ جس قدر عارفین زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر اُنس و محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور اِفادہ واِستفادہ بڑھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے دین ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے کیونکہ ان کا مقصد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت ہے اور معرفَتِ الٰہی نہایت وسیع سمندر ہے جس میں تنگی نہیں اور ان کی غرض اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں مقام حاصل کرنا ہے اور اس میں بھی کوئی تنگی نہیں کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں سب سے زیادہ خوبصورت نعمت اس کی ملاقات سے لطف اندوز ہونا ہے اور اس میں کوئی ممانعت اور مزاحمت نہیں ہے اور ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ ان کی کثرت سے اُنس و محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

علما کب حسد کرتے ہیں؟

ہاں جب علما، علم کے ذریعے مال اور مرتبہ حاصل کرنا چاہیں تو وہ ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں کیونکہ مال ایک ٹھوس چیز ہے جب وہ ایک کے ہاتھ میں جاتی ہے تو دوسرا اس سے خالی ہو جاتا ہے اور مرتبے سے مراد دلوں کا مالک بننا ہے اور جب ایک شخص کا دل کسی ایک عالم کی تعظیم سے لبریز ہوتا ہے تو وہ

دوسرے کی تعظیم سے پھر جاتا ہے یا اس میں کچھ نہ کچھ کمی آجاتی ہے اور یہی بات باہمی حسد کا باعث بنتی ہے جبکہ اگر ایک انسان کا دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت کی خوشی سے بھر جائے تو وہ دوسرے آدمی کے دل کے بھرنے میں رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ وہ اس کے باعث خوش ہوتا ہے۔

علم اور مال میں فرق:

علم اور مال میں فرق یہ ہے کہ مال اس وقت تک کسی کے ہاتھ میں نہیں آتا جب تک وہ ایک کے ہاتھ سے نکل نہ جائے جبکہ علم عالم کے دل میں محفوظ ہوتا ہے اور اس کے سکھانے سے دوسرے کے دل میں چلا جاتا ہے اور اس کے دل سے بھی نہیں نکلتا۔

عارفین کسی سے حسد نہیں کرتے:

مال ایک جسم رکھنے والی ٹھوس چیز ہے جو ایک حد پر جا کر ختم ہو جاتا ہے جیسے اگر کوئی شخص زمین کی تمام اشیاء کا مالک بن جائے تو کوئی چیز ایسی باقی نہیں بچے گی جس کا مالک دوسرا شخص بن سکے جبکہ علم کی کوئی انتہا نہیں اور نہ اس کو گھیرنے کا تصور کیا جا سکتا ہے جو شخص اپنے نفس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جلال و عظمت اور زمین و آسمان کی سلطنت میں غور و فکر کا عادی بناتا ہے تو اسے اس میں ہر نعمت سے بڑھ کر لذت حاصل ہوتی ہے، نہ اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ بنتا ہے اور نہ کوئی اس سے مزاحمت کرتا ہے اور اس کے دل میں مخلوق میں سے کسی شخص کے لئے حسد نہیں ہوتا کیونکہ اگر دوسرے لوگوں کو بھی اس کی طرح معرفتِ خداوندی حاصل ہو جائے تو اس کی لذّت میں کمی نہیں آتی بلکہ اس کو اُنس و محبت کی وجہ سے زیادہ لذت حاصل ہو گی، لہٰذا ان لوگوں کو مَلَکُوت کے مُطالَعَہ کی وجہ سے جو دائمی لذّت حاصل ہوتی ہے وہ اس لذت سے بھی زیادہ عظیم ہوتی ہے جو جنت کے درختوں اور باغات کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے ذریعے حاصل ہوتی ہے کیونکہ عارف کی نعمت اور جنت معرفت ہی ہے جو اس کی ذات کی صفت ہے اور زوال سے محفوظ ہے۔ عارف ہمیشہ اس کا پھل چُنتا ہے اور اپنی روح اور دل کے ذریعے اپنے علم کے پھل سے لطف اندوز ہوتا ہے اور یہ پھل ختم ہونے والا نہیں اور نہ اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ ہے بلکہ اس کے میوے قریب ہیں۔ اگر عارف کی ظاہری آنکھ بند بھی ہو پھر بھی اس کی روح جنتِ اعلیٰ میں نفع حاصل کرتی ہے، اگر عارفین کی کثرت بھی ہو جائے پھر بھی وہ ایک

دوسرے سے حسد نہیں کرتے بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کی طرح ہوتے ہیں:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ (پ۱۴، الحجر: ۴۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کینے تھے سب کھینچ لئے آپس میں بھائی ہیں تختوں پر روبرو بیٹھے۔

ان کا یہ حال تو دنیا کی زندگی کا ہے اور جب آخرت میں پردہ اٹھالیا جائے گا اور وہ محبوب پروردگار کا دیدار کریں گے تو اس وقت ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں ایک دوسرے سے حسد کا تصوُّر نہیں ہو گا اور جنتی دنیا میں بھی ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے کیونکہ جنت میں نہ تو کسی قسم کی تنگی ہے اور نہ کسی چیز کے حصول میں کوئی رکاوٹ ہے اور جنت کا حصول اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں اور جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل ہو وہ دنیا میں کسی سے مزاحمت نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ اہل جنت دنیا اور آخرت دونوں میں حسد سے محفوظ ہیں بلکہ حسد تو ان لوگوں کا وصف ہے جو جنت کی وُسعتوں سے دور ہو کر جہنّم کی تنگی کے قریب ہو گئے اسی وجہ سے شیطان کو لَعِین (یعنی رحمت الٰہی سے دور) کہا جاتا ہے۔ اس کی صفات میں ذکر کیا گیا کہ اس نے حضرت سیِّدُنا آدم صَفِیُّ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے حسد کیا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کو اپنا مُنتخب بندہ کیوں بنایا اور جب اسے سجدے کی طرف بلایا گیا تو اس نے تکبُّر کیا، انکار کیا اور سرکشی کرتے ہوئے نافرمان ہوا۔

ایسی نعمت طلب کرو جس میں مزاحمت نہ ہو:

تم نے جان لیا کہ حسد اسی صورت میں ہو گا جب ایک مقصود ہو جو تمام کو کفایت نہ کرتا ہو، یہی وجہ ہے کہ تم لوگوں کو آسمان کی زینت کی طرف دیکھنے میں حسد کرتا ہوا نہیں دیکھو گے جب کہ وہ باغوں کو دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں کیونکہ یہ زمین کے ایک چھوٹے سے حصے میں ہوتے ہیں اور آسمان کے مقابلے میں تمام زمین کچھ بھی نہیں کیونکہ آسمان اس قدر وسیع ہے کہ اسے تمام نگاہیں دیکھ سکتی ہیں اس لئے اس میں نہ تو مزاحمت ہے اور نہ ہی کسی قسم کا حسد، لہٰذا اگر تم بصیرت رکھتے ہو اور اپنے نفس پر شفیق ہو تو ایسی نعمت طلب کرو جس میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہو اور ایسی لذت ہو جس میں کوئی گدلا پن نہ ہو اور دنیا میں یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات اور اس کی صفات و افعال نیز زمین و آسمان کی بادشاہی کی

معرفت حاصل ہو اور آخرت میں بھی اس کا حصول اسی معرفت کے ذریعے ہوگا۔ اگر تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت کی رغبت نہیں اور نہ ہی تم اس کی لذت پاتے ہو تو تمہاری رائے کمزور اور رغبت ضعیف ہے، تم اس سلسلے میں معذور ہو کیونکہ نامرد آدمی کو جماع کی لذت سے کوئی سروکار نہیں اور بچہ بادشاہی کی لذت کا شوق نہیں رکھتا ان لذتوں کا ادراک بالغ مردوں کو ہی ہوتا ہے بچوں اور نامَردوں کو نہیں، اسی طرح لذتِ معرفت بھی مردوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (پ۱۸، النور: ۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

عارفین کے سوا لذتِ معرفت کا شوق کسی کو نہیں ہوتا کیونکہ شوق تو چکھنے کے بعد ہوتا ہے اور جس نے چکھا ہی نہیں اسے معرفت بھی نہیں اور جسے معرفت نہیں اسے شوق نہیں اور جسے شوق نہ ہو وہ طلب نہیں کرتا اور جو طلب نہ کرے وہ پاتا بھی نہیں اور جو پاتا نہیں وہ محروم لوگوں کے ساتھ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ (پ۲۵، الزخرف: ۳۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جسے رَتوند (اندھاپا) آئے رحمٰن کے ذکر سے ہم اس پر ایک شیطان تعینات کریں کہ وہ اس کا ساتھی رہے۔

پانچویں فصل: حسد کی بیماری کو دل سے دُور کرنے کی دوا

حسد دل کے بڑے اَمراض میں سے ہے اور قلبی اَمراض کا علاج علم و عمل کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

علم کے ذریعے حسد کا علاج:

حسد کے مرض کے لئے علم نافع یہ ہے کہ تم یہ بات جان لو کہ حسد تمہارے دین اور دنیا دونوں کے لئے نقصان دہ ہے جبکہ جس سے حسد کیا جائے اس کے دین و دنیا کو کوئی نقصان نہیں دیتا بلکہ دونوں میں فائدہ ہی دیتا ہے۔ جب تم دانائی کے ساتھ یہ بات جان لوگے اور اپنے نفس کے دشمن اور اپنے دشمن کے دوست نہیں بنو گے تو تم یقیناً حسد سے گریز کرو گے۔

حسد کا دینی ضرر:

حسد کا دینی ضرر یہ ہے کہ تم اس کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی مول لیتے ہو اور ان نعمتوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہو جو اس نے اپنے بندوں پر کی ہیں اور اس کے عدل وانصاف پر انگلی اٹھاتے ہو جو اس نے اپنی مملکت میں مخفی حکمتوں کے ذریعے قائم کیا ہے، توحید وایمان کی حدود میں یہ ایک سنگین جرم ہے۔ اس کے علاوہ تم نے ایک مسلمان کو دھوکہ دیا ہے اور اس کی خیر خواہی کو چھوڑ دیا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے انبیائے کرام اور اولیائے عظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی راہ سے علیحدگی اختیار کی حالانکہ یہ مخلوق خدا کے لئے بھلائی کے طلبگار ہوتے ہیں اور تم شیطان اور کفار کے ساتھ مل گئے جو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان مصیبتوں کا شکار ہوں اور ان سے نعمتیں زائل ہوں۔ دل میں موجود حسد کی یہ خباثتیں نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہیں جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اور نیکیوں کو اس طرح مٹا دیتی ہیں جس طرح رات دن کو مٹا دیتی ہے۔

حسد کا دُنیاوی ضرر:

تمہیں دنیا میں حسد کا یہ نقصان اٹھانا پڑے گا کہ حسد کی وجہ سے تکلیف وعذاب میں رہو گے اور ہمیشہ رنج وغم میں مبتلا رہو گے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہارے دشمنوں کو جو نعمت عطا فرمائی ہے وہ ان سے واپس نہیں لے گا اور تم جب بھی ان پر کوئی انعام دیکھو گے جلو گے اور ان سے دور ہونے والی ہر مصیبت تمہیں غمگین کر دے گی یوں تم پریشان دل اور سینہ تنگ لئے مغموم ومحروم رہو گے۔ یقیناً اب تم ایسی بلا میں گرفتار ہو گئے ہو جو تم دشمن کے لئے اور دشمن تمہارے لئے پسند کرتے تھے اور جس بلا ومصیبت میں تم دشمن کو دیکھنا چاہتے تھے اب وہ فوراً ہی تمہارے گلے آپڑی ہے جبکہ تمہارے حسد کی وجہ سے تمہارے دشمن کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔

اگر بالفرض تمہیں قیامت کے دن اٹھنے اور حساب وکتاب پر یقین نہ بھی ہو پھر بھی عقل مندی کا تقاضا ہے کہ تم حسد سے دور رہو کیونکہ اس میں دلی غم اور تکلیف کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا جبکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ حسد کے باعث آخرت میں سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تعجب ہے اس پر جسے دنیا کا نفع بھی حاصل نہ ہو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی بھی مول لے اس طرح کہ نقصان اٹھائے اور تکلیف برداشت کرے، یوں وہ اپنے دین ودنیا کو تباہ کر دیتا ہے اور ہاتھ بھی کچھ نہیں آتا۔

جس سے حسد کیا جائے اسے دینی و دنیاوی کوئی ضرر نہیں پہنچتا:

یہ بات واضح ہے کہ محسود (جس سے حسد کیا جائے اس) کو دینی اور دنیاوی طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ حسد کے سبب کسی سے نعمت زائل نہیں ہوتی بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جو عزت اور نعمت اس کے لئے مقدر فرمائی ہے وہ اپنے مقررہ وقت تک اس کے ساتھ رہے گی اسے دور کرنے کا کوئی حیلہ نہیں بلکہ ہر چیز کی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں ایک مقدار مقرر ہے اور ہر کام کا ایک وقت لکھا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے بارگاہِ ربُّ العزت میں ایک ظالم عورت کی شکایت کی جو مخلوق پر حکومت کرتی تھی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نبی عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو یہاں تک کہ اس کے دن پورے ہو جائیں یعنی جو ہم نے اَزَل میں مُقَدَّر کر دیا ہے وہ بدل نہیں سکتا، اب تم صبر کرو یہاں تک کہ اس کی شان وشوکت کی مقررہ مدت پوری ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ حسد سے نعمت زائل نہیں ہوتی اور جب زائل نہیں ہوتی تو جس سے حسد کیا جائے اسے حسد سے نہ دنیا میں کوئی نقصان پہنچے گا اور نہ ہی آخرت میں اس پر کوئی گناہ ہو گا۔ شاید تم یہ کہو کہ کاش میرے حسد کی وجہ سے اس سے نعمت زائل ہو جائے تو یہ تمہاری جہالت ہے اور ایک مصیبت ہے جس کی تم اپنے لئے تمنا کر رہے ہو کیونکہ تمہارا بھی کوئی نہ کوئی دشمن ہو گا جو تم سے حسد کرتا ہو گا۔ اگر حسد کی وجہ سے نعمت چلی جاتی تو تمہارے پاس اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کوئی نعمت باقی نہ رہتی بلکہ مخلوق میں سے کسی کے پاس بھی نہ رہتی حتّٰی کہ ایمان کی نعمت بھی باقی نہ رہتی کیونکہ کفار، مومنوں سے ان کے ایمان پر حسد کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم

ترجمۂ کنزالایمان: بہت کتابیوں نے چاہا کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں اپنے دلوں کی جلن سے۔

(پ۱، البقرۃ:۱۰۹)

حاسد جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا نہیں ہاں! وہ دوسروں کی گمراہی کا ارادہ رکھنے کے سبب خود گمراہ ہو جاتا ہے کیونکہ کُفر کا ارادہ کرنا بھی کفر ہے لہٰذا جو شخص چاہتا ہے کہ حسد کی وجہ سے فلاں شخص سے نعمت زائل ہو جائے گویا وہ کفار کے حسد کی وجہ سے مومن سے نعمتِ ایمان کو سلب کرنا چاہتا ہے اور یہی معاملہ تمام نعمتوں کا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارے حسد کی وجہ سے مخلوق سے نعمت چلی جائے لیکن دوسروں کے حسد

کی وجہ سے تم سے نعمت نہ جائے تو یہ بہت بڑی جہالت اور کم عقلی ہے کیونکہ ہر بیوقوف حاسد یہی چاہتا ہے اور تم بھی اپنے غیر سے بہتر نہیں ہو۔ یہ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا احسان ہے کہ حسد کی وجہ سے نعمت زائل نہیں ہوتی تمہیں تو اس پر شکر ادا کرنا چاہئے اور تم ہو کہ اپنی جہالت کی وجہ سے اسے ناپسند کرتے ہو۔

جس سے حسد کیا جائے وہ دنیا و آخرت میں نفع میں ہے:

جس سے حسد کیا جائے اس کا دین و دنیا میں نفع میں ہونا بالکل واضح ہے، جہاں تک دینی نفع کا تعلق ہے تو حسد کے سبب وہ مظلوم ہے خصوصاً جب حسد کرنے والا قول و فعل کے ذریعے حسد کا اظہار کرے مثلاً جب تم غیبت اور اس کی بے عزتی یا کسی اور ذریعے سے اس کو تکلیف پہنچا کر اپنے حسد کو ظاہر کرتے ہو تو ایسی صورت میں تم خود اپنی جانب سے اس کی خدمت میں اپنی نیکیوں کو بطور تحفہ پیش کر رہے ہوتے ہو حتّٰی کہ قیامت کے دن تم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس حال میں ملاقات کرو گے کہ تم مفلس و محروم ہو گے جس طرح تم دنیا میں نعمتوں سے محروم رہے۔ گویا تم نے اس سے نعمت کا زوال چاہا لیکن نعمت کا زوال تو در کنار اسے مزید نعمت ملی کہ تمہاری نیکیاں بھی اس کو مل گئیں گویا تم نے اس کی نعمت میں اور اپنی بدبختی میں اِضافہ کیا۔

جہاں تک دنیاوی نَفْع کا تعلق ہے تو وہ اس طرح ہے کہ لوگ اپنے دشمن کی برائی چاہتے ہیں کہ ان کا دشمن سختی، غم اور تکلیف میں مبتلا ہو، عذاب جھیلے اور بدبختی اس کا مقدر ہو، اب حسد سے بڑھ کر حاسد کے لئے کیا تکلیف ہو سکتی ہے؟ اور دشمن کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ خود چین و سکون سے رہے اور تم نے حسد کے سبب غم اور حسرت کی زندگی گزار کر اس تمنا کو پورا کر دیا یہی وجہ ہے کہ تمہارا دشمن تمہاری موت کی تمنا نہیں کرتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تم لمبی زندگی گزارو لیکن ہمیشہ حسد کے عذاب میں مبتلا رہو تاکہ اس کو ملنے والی نعمت کو دیکھ کر تمہارا دل حسد کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اسی لئے کہا گیا ہے:

لَامَاتَ اَعْدَاؤُكَ بَلْ خَلَّدُوْا ۔۔۔ حَتّٰى يَرَوْا فِيْكَ الَّذِيْ يَكْمَدُ

لَا زِلْتَ مَحْسُوْدًا عَلٰى نِعْمَةٍ ۔۔۔ فَاِنَّمَا الْكَامِلُ مَنْ يُّحْسَدُ

ترجمہ: (۱)...تمہارے دشمن کو موت نہ آئے بلکہ وہ طویل عرصہ زندہ رہے اور تمہیں دیکھ کر رنجیدہ خاطر رہے۔

(۲)...نعمت کے سبب تم سے ہمیشہ حسد کیا جاتا رہے کیونکہ کامل وہی ہوتا ہے جس سے حسد کیا جائے۔

حاسد شیطان کو خوش کرتا ہے:

تمہارے دشمن کو جتنی خوشی تمہارے غم وحسد پر ہوتی ہے اتنی اپنی نعمت پر بھی نہیں ہوتی اور اگر اسے معلوم ہو جائے کہ تم حسد کی تکلیف اور عذاب سے آزاد ہو گئے ہو تو یہ اس کے لئے بہت بڑی بلا ومصیبت ہو گی۔ پس تمہیں حسد کا جو غم ملا ہوا ہے یہی تمہارے دشمن کی خواہش بھی ہے۔ اب اگر تم ان باتوں پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم خود اپنے دشمن ہو اور اپنے دشمن کے دوست ہو کیونکہ تم جو کام کر رہے ہو اس سے تمہیں دنیا و آخرت میں نقصان اور تمہارے دشمن کو دنیا و آخرت میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ تم خالق اور مخلوق کے نزدیک قابل مذمت اور دنیا و آخرت میں بدبخت ہو گئے ہو جبکہ تم چاہو یا نہ چاہو دشمن کو ملنے والی نعمت جوں کی توں باقی ہے۔ تم نے صرف اپنے دشمن کی مراد کو پورا کرنے کی کوتاہی نہیں کی بلکہ اپنے دشمن سے بڑے دشمن شیطان کو بھی خوش کیا ہے کیونکہ جب وہ تمہیں علم، تقویٰ، جاہ و مرتبہ اور اس مال سے محروم دیکھتا ہے جو تمہارے دشمن کے ساتھ خاص ہے تو وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں تم اپنے دشمن کے لئے یہ سب کچھ پسند نہ کرنے لگو کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو تم اس کے ساتھ ثواب میں شریک ہو جاؤ گے، اس لئے کہ جو شخص مسلمانوں کے لئے بھلائی چاہتا ہے وہ اس بھلائی میں شریک ہوتا ہے اور جو شخص دینی اعتبار سے اکابرین کا درجہ نہیں پا سکتا وہ کم از کم اکابرین سے محبت کر کے ثواب تو حاصل کر سکتا ہے۔ شیطان لعین کو ڈر ہوتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے بندے (یعنی تمہارے دشمن) پر جو دین و دنیا کی بہتری انعام فرمائی ہے کہیں تم اسے پسند کر کے کامیاب نہ ہو جاؤ، لہٰذا وہ تمہارے دل میں اس کا بغض ڈالتا ہے تا کہ جس طرح تم اپنے عمل کے سبب اس تک نہیں پہنچ سکے اسی طرح اپنی محبت کے ذریعے بھی اس تک نہ پہنچ سکو۔

بروزِ قیامت کون کس کے ساتھ ہو گا؟

ایک بدوی صحابی نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت تو کرتا ہے مگر ان کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا؟ ارشاد فرمایا: ”اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنی آدمی جس سے محبت کرتا ہے (روز قیامت) اسی کے ساتھ ہو گا۔“[1]

[1] ... بخاری، کتاب الادب، باب علامۃ حب اللہ... الخ، ۴/۱۴۷، حدیث: ۶۱۶۸

میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں:

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اَعرابی کھڑا ہوا اور عرض کی: "یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! قیامت کب قائم ہوگی؟" ارشاد فرمایا: "مَا اَعْدَدْتَّ لَهَا؟ یعنی تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟" اس نے عرض کی: "اس کے لئے میرے پاس نماز، روزوں کی کثرت تو نہیں ہے البتہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے محبت کرتا ہوں۔" ارشاد فرمایا: "اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے۔"(1) حضرت سیِّدُنا اَنَس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد اس دن جتنی خوشی ہوئی اتنی کبھی نہ ہوئی تھی۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا سب سے بڑا مقصد اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے پیارے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی محبت تھی۔

صحابہ سے پیار ہے تو بیڑا پار ہے:

حضرت سیِّدُنا اَنَس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ہم تاجدارِ انبیا، محبوبِ کبریا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق اور حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے محبت کرتے ہیں اگرچہ ہمارے اَعمال اُن کے اَعمال کے برابر نہیں لیکن ہم اُمید کرتے ہیں کہ (بروزِ قیامت) اُن کے ساتھ ہوں گے۔

اولیا سے محبت کرنے کا انعام:

حضرت سیِّدُنا ابو موسیٰ اَشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو نمازیوں سے محبت کرتا ہے لیکن خود (فرائض پر ہی اکتفا کرتا ہے نفل) نماز نہیں پڑھتا؟ روزہ داروں سے محبت کرتا ہے لیکن خود (فرض روزوں کے علاوہ نفل) روزے نہیں رکھتا؟ اسی طرح اور بہت سی اَشیاء کا ذکر کیا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "هُوَ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنی وہ اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔"(2)

---

(1) ... بخاری، کتاب الادب، باب علامۃ حب اللہ... الخ، ۴/۱۴۷، حدیث: ۶۱۷۱

(2) ... المتحابین فی اللہ لابن قدامۃ، ص ۲۸، حدیث: ۷ بتغیر قلیل

عالِم بنویاطالِبِ علم یاان سے محبت کرنے والے بنو:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز سے کہا: کہا جاتا ہے کہ ”اگر تم سے ہو سکے تو عالِم بنو، اگر عالِم نہ بن سکو تو طالِبِ علم بنو اور اگر طالِبِ علم بھی نہ بن سکو تو اِن سے محبت کرو اگر محبت نہ کر سکو تو ان سے دشمنی بھی نہ رکھنا۔“ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے یہ سنا تو فرمایا: سُبْحٰنَ اللّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمارے لئے راہ نکالی ہے۔

جنتی تین قسم کے ہیں:

دیکھو شیطان نے تم سے کس طرح حسد کر کے اس محبت کا ثواب ضائع کر دیا پھر اس پر ہی قناعت نہ کی بلکہ تمہارے مسلمان بھائی کو تمہارے نزدیک قابلِ نفرت بھی بنادیا اور تمہیں اس سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیا یہاں تک کہ تم اس کے سبب گناہ گار ہو گئے۔ ممکن ہے عنقریب تمہیں کسی عالِم سے حسد ہو جائے اور تم دین خداوندی میں اس کی خطا کو پسند کرنے لگو اور چاہو کہ اس کی غَلَطی ظاہر ہو تاکہ وہ رسوا ہو اور تم یہ چاہو کہ اس کی زبان بند ہو جائے اور وہ گفتگو نہ کر سکے یا وہ بیمار ہو جائے تاکہ نہ علم سیکھ سکے اور نہ سکھا سکے۔ اب تم ہی بتاؤ کیا اس سے بڑا بھی کوئی گناہ ہو گا؟ کاش! ایسا ہو جائے کہ عالِم کے مرتبے تک نہ پہنچنا تمہیں غمگین کر دے یوں تم گناہ اور عذابِ آخرت سے محفوظ ہو جاؤ کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ ”اَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ اَلْمُحْسِنُ وَالْمُحِبُّ لَهٗ وَالْكَافُّ عَنْهُ یعنی جنتی تین قسم کے ہیں: (۱) نیکی کرنے والا (۲) نیکوکار سے محبت کرنے والا اور (۳) اس سے اَذِیَّت کو دُور کرنے والا۔“

یعنی جو اس سے اَذِیَّت، بغض، حسد اور نفرت کو دور کرے۔ دیکھو کس طرح شیطان نے تمہیں ان تین راستوں سے دُور کر دیا حتّٰی کہ تم ان تینوں میں سے کسی کے اہل بھی نہ رہے۔ یقیناً شیطان کے حسد نے تم میں اپنا کام کر دکھایا جبکہ تمہارے حسد نے تمہارے دشمن کو آنچ بھی نہیں پہنچائی بلکہ اُلٹا تمہیں ہی نقصان اٹھانا پڑا۔

اندھا تیر انداز:

اے حاسد! اگر تجھے بیداری یا خواب میں تیری اپنی صورت دکھائی جائے تو تُو اپنی صورت کو اس شخص کی طرح دیکھے گا جو اپنے دشمن کی طرف تیر پھینکتا ہے تاکہ اسے قتل کر دے لیکن وہ تیر پلٹ کر خود اسی کی دائیں آنکھ

میں آکر لگتا ہے اور اس کی آنکھ کو نکال دیتا ہے، یہ دیکھ کر اس کا غصہ بڑھ جاتا ہے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ دوبارہ تیر اندازی کرتا ہے تو وہ تیر پلٹ کر اسی کی دوسری آنکھ میں آلگتا ہے اور اسے بالکل اندھا کر دیتا ہے اب اس کا غصہ اور بڑھتا ہے وہ تیسری مرتبہ تیر پھینکتا ہے تو وہ اس کے سر کی طرف پلٹ کر آتا ہے اور اسے زخمی کر دیتا ہے جب کہ اس کا دشمن ہر حال میں محفوظ رہتا ہے وہ اسے بار بار نشانہ بناتا ہے لیکن ہر بار خود اپنے ہی تیر کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے دشمن اس کے گرد ہنستے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ حسد کرنے والے کا حال ہے جس کا شیطان بھی مذاق اڑاتا ہے۔ بلکہ دیکھا جائے تو حاسد کا حال اس تیر پھینکنے والے شخص سے بھی برا ہے کیونکہ وہ جو تیر پھینکتا ہے خود اس کی اپنی ہی آنکھوں کی طرف لوٹتا ہے اگر یہ آنکھیں بچ بھی جائیں تو موت کے ساتھ لازماً یہ فنا ہونے والی ہیں جب کہ حاسد تو گناہ کے ساتھ لوٹتا ہے اور گناہ موت سے ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب اور جہنم کی طرف لے جاتا ہے تو دنیا میں اس کی آنکھوں کا چلا جانا آخرت میں آنکھوں کے ساتھ جہنم میں جانے سے بہتر ہے کیونکہ جہنم کے شعلے ان آنکھوں کو نکال دیں گے۔

گناہ سے بچنا بھی نعمت ہے:

دیکھو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حاسد سے کس طرح انتقام لیا کہ حاسد نے جس سے زوالِ نعمت کا ارادہ کیا اس سے تو نعمت نہ گئی لیکن حاسد سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نعمت سلب کر لی کیونکہ گناہ سے بچنا بھی نعمت ہے اسی طرح رنج و غم سے محفوظ ہونا بھی نعمت ہے اور یہ دونوں نعمتیں حسد کے سبب اس سے چلی گئیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمان اس کی تصدیق کرتا ہے:

وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (پ۲۲، فاطر: ۴۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بُرا داؤں (فریب) اپنے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے۔

بسا اوقات حاسد جس چیز کی تمنا دوسرے کے لئے کرتا ہے خود اسی میں مبتلا ہو جاتا ہے مثلاً کبھی دوسرے کو گالی دینا چاہتا ہے لیکن خود گالیاں سننی پڑ جاتی ہیں۔

حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: میں نے حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے لئے جس چیز کی تمنا کی وہ مجھ پر ہی پڑی، اگر میں ان کے قتل کی تمنا کرتی تو خود قتل ہو جاتی۔

یہ تو صرف حسد کا گناہ ہے اور ان گناہوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کی طرف حسد لے جاتا ہے

جیسے اِختلاف، انکارِ حق اور دشمنوں سے اِنتقام لینے کے لئے ہاتھ اور زبان کو گمراہیوں میں کھلا چھوڑ دینا۔ یہ وہ بیماریاں ہیں ہے جن کے سبب پچھلی اُمتیں ہلاک ہوئیں۔

یہ علمی دوائیں ہیں جب انسان صاف ذہن اور حضورِ قلب کے ساتھ ان میں غور و فکر کرتا ہے تو اس کے دل سے حسد کی آگ بجھ جاتی ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ حسد اس کو ہلاکت میں ڈالنے اور اس کے دشمن کو خوش کرنے کا سبب ہے نیز ربّ عَزَّوَجَلَّ کو ناراض کرتا اور زندگی کو اَجیرَن بنا دیتا ہے۔

عمل کے ذریعے حسد کا علاج:

عمل کے ذریعے حسد کا علاج یہ ہے کہ آدمی حسد کا مقابلہ کرے، حسد جس قول و فعل کا تقاضا کرے اپنے نفس کو زبردستی اس کے خلاف عمل کرنے پر ابھارے جیسے اگر حسد محسود کے عیب نکالنے پر ابھارے تو حاسد کو چاہئے کہ زبردستی اس کی تعریف کرے اور اگر حسد اسے تکبر کی طرف لے جانا چاہے تو اپنے اوپر عاجزی اور اس سے معذرت کرنے کو لازم کرلے، اگر حسد کا تقاضا ہو کہ اس کو کچھ نہ دے تو پہلے سے زیادہ دے۔ جب وہ زبردستی یہ کام کرے گا اور محسود کو بھی اس کا علم ہو گا تو اس کا دل خوش ہو گا اور وہ اس سے محبت کرے گا اور جب وہ محبت کرنے لگے گا تو جواباً حاسد کو بھی اس سے محبت ہو جائے گی۔ یوں باہمی محبت سے موافقت پیدا ہو گی جو حسد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی کیونکہ عاجزی، تعریف اور نعمت پر اظہارِ مسرّت یہ چیزیں مُنْعَم علیہ (یعنی جسے نعمت عطا کی جائے اس) کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں جس کی وجہ سے وہ نرمی سے پیش آتا ہے اور احسان کے مقابلے میں احسان کرتا ہے پھر یہ احسان شخص اَوّل کی طرف لوٹتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اب وہ بات جو پہلے تکلف کے طور پر کرتا تھا اس کی عادت بن جاتی ہے اور اب اسے شیطان کا یہ فریب بھی گمراہ نہیں کرتا کہ "اگر تم سامنے عاجزی سے پیش آؤ گے یا دشمن کی تعریف کرو گے تو وہ تمہیں ڈرپوک، مُنافق یا لاچار سمجھے گا اور یہ تمہارے لئے نہایت ذلت و رسوائی کا باعث ہے۔" یہ بات شیطان کا فریب اور دھوکہ ہے، بلکہ دونوں طرف سے اچھا معاملہ تکلُّف کے طور پر ہو یا طَبعی طریقے پر دونوں طرف سے دشمنی کی دیوار کو توڑتا ہے اور حسد کی رغبت کو کم کرتا ہے جس کے باعث دل باہمی محبت و اُلفت کی طرف لوٹ آتے ہیں اور یوں دل حسد کی تکلیف اور بغض کے غم سے آرام پاتا ہے۔

حسد کی یہ دوائیں انتہائی نَفْع بخش ہیں اگرچہ یہ دلوں کو بہت کڑوی معلوم ہوتی ہیں لیکن نفع کڑوی دوا سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ جو آدمی کڑوی دوا پر صبر نہیں کرسکتا وہ شِفا کی مٹھاس نہیں پاسکتا۔ اس دوا یعنی دشمنوں کے لئے عاجزی کرنے اور ان کے قریب ہونے کی کڑواہٹ اس وقت کم ہوگی جب ہماری ذکر کردہ علمی دواؤں کی قوت کی مدد سے دشمنوں کی تعریف وتوصیف کی جائے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فیصلے پر راضی رہنے اور ربّ عَزَّوَجَلَّ کی پسند کو پسند کرنے کی صورت میں جو ثواب ملنے والا ہے اس میں رغبت رکھی جائے۔ اپنے آپ کو معزز خیال کرنا اور یہ سوچنا کہ دنیا میں کوئی بھی بات میری مرضی کے خلاف نہ ہو یہ جہالت ہے۔ ایسی صورت میں وہ ناممکن کی تمنا کرتا ہے کیونکہ ایسا ممکن نہیں کہ آدمی جس چیز کی بھی طمع کرے وہ ہوجائے اور تمنا کا پورا نہ ہونا ذلت ورسوائی ہے اور اس ذلت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) آدمی کی خواہش پوری ہوجائے یا (۲) جو کچھ ہو گا وہی آدمی کی خواہش ہو۔ پہلی بات تو آدمی کے اختیار میں نہیں اور اس سلسلے میں تکلف اور مجاہدہ کا بھی کوئی فائدہ نہیں اور جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو مجاہدہ کرنے سے ایسا ہوسکتا ہے اور ریاضت کے ذریعے اس کا حصول ممکن ہے لہٰذا ہر عقل مند پر اس کا حاصل کرنا لازم ہے اور یہ کُلّی علاج ہے۔

یہ اِجمالی علاج تھا جہاں تک تفصیلی علاج کا تعلق ہے تو اسبابِ حسد یعنی تکبُّر، عزت نفس اور غیر ضروری امور میں مشغول ہونا وغیرہ وغیرہ، ان تمام اسباب کا تفصیلی علاج اِنْ شَآءَ اللہ اپنے مقام پر آئے گا کیونکہ اس مرض کی جڑیں یہی اسباب ہیں اور جب تک جڑوں کو ختم نہ کیا جائے بیماری دور نہیں ہوتی جڑوں کو ختم نہ کرنے کی صورت میں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے صرف وقتی تسکین ہوگی اور یہ مرض ہمیشہ لوٹتا رہے گا اور جڑوں کے باقی رہنے کی صورت میں اس کو دبانے کے لئے طویل جِدّ وجہد کرنا ہوگی کیونکہ جب تک آدمی جاہ ومرتبہ کا خواہش مند رہے گا تو اپنے جیسے ہر اس شخص سے حسد کرے گا جو دوسروں کے دلوں میں جگہ بنانا چاہتا ہے اور یقیناً اس کے سبَب غم میں بھی مبتلا رہے گا الغرض! اندر ہی اندر اس غم میں گھٹتا رہے گا اور زبان وہاتھ سے اس کا اظہار بھی نہیں کرے گا۔ بہرحال اس سے مکمل طور پر چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ توفیق دینے والا ہے۔

چھٹی فصل: دل سے کس قدر حسد کو دور کرنا واجب ہے

جان لو! تکلیف دہ چیز سے طبیعت نفرت کرتی ہے۔ اگر تمہیں کوئی ایذا پہنچائے تو یہ ممکن نہیں کہ تم اس پر ناراضی کا اظہار نہ کرو اور اگر دشمن کو کوئی نعمت ملے تو یہ ممکن نہیں کہ تم اس پر ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرو حتّٰی کہ تمہارے نزدیک دشمن کا اچھا اور برا حال برابر ہو جائے بلکہ تم ہمیشہ ان دونوں حالتوں کے درمیان فرق محسوس کرو گے اور شیطان اسی سے فائدہ اٹھا کر تمہیں اس سے حسد پر مجبور کرے گا، اگر تم پر شیطان غالب آجائے اور قول یا فعل کے ذریعے حسد کے اظہار پر ابھارے حتّٰی کہ تمہارے اختیاری افعال سے حسد ظاہر ہونے لگے تو تم حاسد قرار پاؤ گے اور اسی حسد کے سبب گناہ گار ٹھہرو گے اور اگر اپنے ظاہر کو مکمل طور پر اس سے روک لو لیکن دل سے اس کی نعمت کا زوال چاہو اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی نہ کرو تب بھی تم حاسد قرار پاؤ گے اور گناہ گار ٹھہرو گے کیونکہ حسد دل کی صِفَت ہے فعل کی نہیں۔

حسد دل کی صفت ہے:

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا (پ۲۸، الحشر:۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (پ۵، النسآء:۸۹)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک سے ہو جاؤ۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ٘ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا (پ۴، ال عمرٰن:۱۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں۔

جہاں تک فعل کی بات ہے تو وہ غیبت اور جھوٹ ہے جو حسد کے باعث صادر ہوتا ہے بذات خود حسد

نہیں کیونکہ حسد کا محل دل ہے اعضاء نہیں۔ یہ حسد ایسا گناہ نہیں ہے جو بندے سے معاف کروایا جائے بلکہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جو بندے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے درمیان ہے کیونکہ بندے سے معاف کروانا وہاں ضروری ہوتا ہے جہاں گناہ کا صُدُور ظاہری اعضاء سے ہو۔ اب اگر ظاہری اعضاء سے حسد ظاہر نہ ہو اور دل میں بھی کسی سے زوالِ نعمت کی تمنا نہ ہو اور حسد کی طرف طبیعت کے رجحان کو بھی تم برا خیال کرو تو اس صورت میں تم اپنا فرض پورا کر چکے ہو باقی جو کچھ ہے وہ تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ جہاں تک طبیعت کی تبدیلی کا تعلق ہے کہ اس کے نزدیک ایذا دینے والا اور احسان کرنے والا دونوں برابر ہو جائیں اور نعمت یا تکلیف میں سے جو کچھ حاصل ہو دونوں صورتوں میں خوشی اور غم برابر ہو تو جب تک طبیعت دنیا کی لذتوں کی طرف مائل ہے ایسا ہونا ممکن نہیں البتہ جب وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت میں اس طرح مُسْتَغْرَق ہو جائے کہ اسے کسی اور شے کا ہوش ہی نہ رہے، دل بھی بندوں کے احوال کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ وہ تمام کو ایک ہی نظر یعنی نگاہِ رحمت سے دیکھے، تمام کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا بندہ سمجھے اور ان کے افعال کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے خیال کرے اور اس بات کا یقین رکھے کہ تمام کے تمام تابع قدرت ہیں۔ لیکن یہ حالت بجلی کی چمک کی طرح ہوتی ہے، دائمی نہیں ہوتی اس کے بعد دل اپنی طبعی حالت کی طرف واپس لوٹ آتا ہے اور دشمن یعنی شیطان اسے ورغلانے اور اس کے دل میں وسوسے ڈالنے لگتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ شیطان کا مقابلہ کرتے ہوئے شیطان کی ان حرکتوں کو برا خیال کرے اور اپنے دل کو اسی حالت پر برقرار رکھے تو یقیناً اس نے اس چیز کا حق ادا کر دیا جس کا اسے مکلَّف بنایا گیا تھا۔

بعض علما یہ کہتے ہیں جب تک ظاہری اعضاء سے حسد ظاہر نہ ہو اس وقت تک کوئی گناہ نہیں جیسے حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے حسد کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اسے پوشیدہ رکھو جب تک ظاہر نہیں کرو گے تمہیں نقصان نہیں دے گا۔ ان ہی سے ایک حدیث موقوف اور مرفوع دونوں طرح سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”ثَلَاثَۃٌ لَا یَخْلُو مِنْھُنَّ الْمُؤْمِنُ وَلَہٗ مِنْھُنَّ مَخْرَجٌ فَمَخْرَجُہٗ مِنَ الْحَسَدِ اَنْ لَّا یَبْغِی یعنی تین باتیں ایسی ہیں جن سے مومن خالی نہیں ہوتا اور اس کے لئے ان سے نکلنے کا راستہ ہے تو حسد سے نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ وہ حد سے نہ بڑھے۔“(1)

(1) ...المعجم الکبیر، ۳/ ۲۲۸، حدیث: ۳۲۲۷

بہتر یہ ہے کہ اس حدیث کو اس بات پر محمول کرنا چاہئے جو ہم نے ذکر کی ہے یعنی دین و عقل کے اعتبار سے حسد کو برا خیال کرے اور جس سے حسد کرے اس سے زوالِ نعمت کو ناپسند جانے اور یہ ناپسندیدگی اسے حد سے بڑھنے اور ایذا دینے سے روکے۔ حسد کی مذمت میں جتنی روایات آئی ہیں ان سب کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر حاسد گناہ گار ہے اور پھر یہ کہ حسد کا تعلق دل سے ہے افعال سے نہیں، لہٰذا جو شخص کسی بھی مسلمان کی برائی چاہے وہ حاسد ہے۔ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ جس حسد کا تعلق دل سے ہو اور فعل کے ذریعے اس پر عمل نہ ہو تو اس صورت میں گناہ گار ہونے کا معاملہ مختلف فیہ (یعنی فقہا کا اس کے گناہ ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف) ہے مگر جو کچھ آیات و احادیث کے ظاہر اور معنٰی کے اعتبار سے ہم نے ذکر کیا وہ واضح ہے کیونکہ ایک آدمی دوسرے مسلمان کی برائی چاہے اور اس بات کو دل سے بھی بُرا نہ جانے پھر اسے معاف کر دیا جائے تو یہ بات ناممکن سی لگتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمہاری اپنے دشمنوں کے ساتھ تین حالتیں ہیں:

❀...**پہلی حالت:** تم طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر دشمن کی برائی چاہو لیکن عقل و دل طبیعت کے اس میلان کو برا جانیں اور نفس حسد پر راضی نہ ہوں بلکہ یہ پسند کریں کہ کسی طرح تم سے یہ حسد کی کیفیت ختم ہو جائے۔ یہ حالت یقیناً معاف ہے کیونکہ اس میں آدمی کے اختیار میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

❀...**دوسری حالت:** تم دشمن کی برائی چاہو اور اس کی تکلیف پر خوشی کا اظہار کرو چاہے اظہار زبان سے ہو یا دیگر اعضاء سے۔ یہ حسد قطعی طور پر ممنوع ہے۔

❀...**تیسری حالت:** یہ دونوں حالتوں کی درمیانی حالت ہے یعنی تمہارے دل میں حسد ہو اور تمہارا نفس بھی تمہارے حسد پر ناراض یا منکر نہ ہو لیکن تم اپنے اعضاء کو حسد کی پیروی کرنے سے محفوظ رکھو۔ اس حالت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ دشمن سے زوال نعمت کی چاہت زیادہ ہو گی تو گناہ بھی زیادہ ہو گا چاہت کمزور ہو گی تو گناہ بھی کم ہو گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے "غصہ، کینہ اور حسد کی مذمت کا بیان" مکمل ہوا

❀...❀...❀...❀...❀...❀

دُنیا کی مَذمّت کا بیان (اس میں ایک مقدمہ اور تین ابواب ہیں)

مُقَدَّمَہ:

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں جس نے اپنے اولیا کو دنیا کے فتنوں اور آفات کی پہچان کرادی، اس کے عیبوں اور قباحتوں کو ان کے لئے ظاہر فرمادیا حتّٰی کہ جب انہوں نے اس کے شواہد اور نشانیوں میں غور و فکر کیا اور اس کی اچھائیوں کا برائیوں سے مُوازنہ کیا تو انہوں نے جان لیا کہ اس کی برائیاں اچھائیوں پر غالب ہیں، اس کا خوف اس کی امیدوں سے بڑھ کر ہے اور یہ دنیا فنا ہونے سے محفوظ نہیں، یہ ایک خوبصورت عورت کے روپ میں لوگوں کو اپنی خوبصورتی کی طرف مائل کرتی ہے جبکہ اس میں پوشیدہ برائیاں اس کے حصول میں رغبت رکھنے والوں کو ہلاک کرتی ہیں، یہ اپنے طالبین سے دور بھاگتی اور اپنی طرف آنے کا لالچ دیتی ہے، جب کوئی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ اس کے شر اور وبال سے محفوظ نہیں رہ پاتا، اگر ایک گھڑی بھلائی کرتی ہے تو سال بھر برائی سے پیش آتی ہے اور اگر ایک بار بُرائی سے پیش آئے تو سال بھر مسلسل برائی ہی سے پیش آتی ہے، اس کی توجہ کے دائرے اس قدر قریب ہیں کہ گویا وہ ایک دائرہ معلوم ہوتے ہیں، اس کی تجارت خسارے اور نقصان کا باعث ہوتی ہے، اس کی آفات مسلسل ہوتی ہیں کیونکہ اس کے طالب ایک دوسرے پر طعنہ زنی کرتے رہتے ہیں، طالبِ دنیا پر اس کے راستے بھی ذِلّت کی گواہی دیتے ہیں کیونکہ جو بھی اس کے مکر و فریب میں مبتلا ہوتا ہے ذِلّت اس کا ٹھکانا ہوتی ہے اور جو اس کے سبب تکبُّر کرتا ہے حسرت اس کی منزل ہوتی ہے۔

اس کا کام طالبِ دنیا سے بھاگنا اور دنیا سے منہ موڑنے والے کو تلاش کرنا ہے، جو اس کا خادم بنتا ہے یہ اسے چھوڑ دیتی ہے اور جو اس سے اِعراض کرتا ہے اس کے پاس چلی آتی ہے، اگر یہ باہر سے صاف بھی ہو تو اندر سے گندگیوں کے میل سے خالی نہیں ہوتی، اس کی خوشی پریشانیوں سے بھرپور ہوتی ہے، اس کی تندرستی اپنے پیچھے بیماری لاتی ہے، اس کی جوانی بڑھاپے کی طرف لے جاتی ہے، اس کی نعمتیں حسرت اور ندامت کے علاوہ کچھ نہیں، یہ دنیا دھوکے باز، مکار، اڑنے والی اور بھاگنے والی ہے، اپنے چاہنے والوں کے لئے ہمیشہ بن سنور کر رہنے والی ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کے دوست بن جاتے ہیں تو یہ ان پر (دھوکے میں مبتلا ہونے کے سبب) ہنستی ہے، اپنے

مُزَیَّن جال ان پر ڈالتی اور حیرت انگیز پوشیدہ خزانے ان کے لئے کھولتی ہے، پھر انہیں اپنے زہرِ قاتل سے ہلاکت کا مزا چکھاتی ہے، دنیادار خوشی اور نعمتوں میں ہوتے ہیں تو یہ یک دم ان سے منہ پھیر لیتی ہے گویا کہ وہ خوشی و نعمتیں خواب ہوں پھر ان پر حملہ کرتی اور اپنے تیروں سے زخم لگاتی ہے، جب حملہ آور ہوتی ہے تو کٹنے کے بعد پسی ہوئی کھیتی کی طرح پیس کر رکھ دیتی اور انہیں کفن پہنا کر زیرِ زمین پہنچا دیتی ہے، اسی طرح اگر کسی کی ملکیت میں پوری دنیا آجائے تو اسے بھی کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کاٹ دیتی ہے گویا کہ کل اس کا وجود ہی نہ تھا، اس کے چاہنے والے خوشی کی امید رکھتے ہیں لیکن یہ ان کے ساتھ خیانت کرتی ہے کہ وہ بہت زیادہ اس دنیا سے امیدیں وابستہ رکھتے اور عالی شان محلات تعمیر کرتے ہیں جبکہ ان کی صبح قبر میں ہوتی ہے، ان کا جمع شدہ مال ہلاک و برباد ہو جاتا ہے، ان کی کوشش باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرات کی طرح ہوتی ہے، ان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

یہ ہے اس دنیا کی حقیقت اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم ہو کر رہنا ہے اور درود اور خوب سلام ہو ہمارے سردار حضرت محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندے اور رسول ہیں جنہیں تمام عالَم کی طرف خوشخبری دینے والا، ڈر سنانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ کے آل واصحاب پر بھی درود وسلام ہو جو دین کے مددگار اور دشمنوں کے خلاف (آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے) مددگار ہیں۔

دنیا سب کی دشمن ہے:

یہ دنیا اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے اولیا کی دشمن ہے، نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دشمنوں کی بھی دشمن ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی دشمن اس طرح ہے کہ یہ بندگانِ خدا کو اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے نہیں دیتی، اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جب سے اسے پیدا کیا ہے اس کی طرف نظرِ عنایت نہیں فرمائی۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اولیا کی دشمن اس طرح ہے کہ ان کے سامنے بن سَنْوَر کر آتی ہے اور خود کو خوشنما اور تروتازہ دکھاتی ہے یہاں تک کہ انہیں اس سے رُکنے میں صبر کے کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دشمنوں کی دشمن اس طرح ہے کہ اپنے مکروفریب کے ذریعے آہستہ آہستہ انہیں اپنے جال میں پھنساتی ہے، جب وہ اس کے جال میں پھنس جاتے اور اس پر اِعتماد کر بیٹھتے ہیں تو یہ انہیں ذِلَّت وخواری میں مبتلا کر دیتی اور پہلے سے زیادہ محتاج کر دیتی ہے۔ اب اگر وہ اس سے کنارہ کشی کرتے ہیں تو حسرت وندامت ہی ان کا مقدر ہوتی ہے۔ ان کے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو

جاتے ہیں پھر وہ ہمیشہ کے لئے خوش بختی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ اس کی جدائی پر حسرت کا اظہار کرتے اور اس کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے مدد طلب کرتے ہیں لیکن ان کی مدد نہیں کی جاتی بلکہ انہیں (ربّ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے) کہا جاتا ہے: دُھتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔ یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مَوْل لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ ان کی مدد کی جائے۔

جب دنیا کی آفات اور اس کے شر بہت زیادہ ہیں تو ضروری ہے کہ پہلے دنیا کی حقیقت جان لی جائے کہ دنیا کیا ہے؟ اور دشمن ہونے کے باوجود اسے پیدا کرنے کا کیا مقصد ہے؟ اس کے دھوکے اور شر کا راستہ کیا ہے؟ کیونکہ جو شر کے متعلق نہیں جانتا وہ شر سے بچ نہیں پاتا اور قریب ہوتا ہے کہ وہ شر میں مبتلا ہو جائے۔ اب ہم اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ دنیا کی مذمت، اس کی مثالیں، اس کی حقیقت و معانی کی تفصیل اور اس میں مشغول لوگوں کی اقسام، نیز اس کی حاجاتِ ضَرُوریہ کی وجہ ذکر کریں گے اور اس بات کو بھی بیان کریں گے کہ مخلوق دنیا کے فضول مشاغل میں مصروف ہونے کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ سے پھر گئی ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی اپنی رضا کی باتوں پر مدد گار ہے۔

باب نمبر1: دنیا کی مذمت کے متعلق روایات (اس میں دو فصلیں ہیں)

دنیا کی مذمت میں قرآن پاک کی بہت سی آیات وارد ہیں اور قرآن پاک کا اکثر حصہ دنیا کی مَذمَّت، مخلوق کو اس سے دور رکھنے اور آخرت کی طرف بلانے پر مشتمل ہے اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی تشریف آوری کا مقصد بھی یہی تھا۔ قرآن پاک کی آیات اس سلسلے میں بالکل ظاہر ہیں انہیں ذکر کرنے کی حاجت نہیں، لہٰذا ہم صرف اس کے متعلق مروی روایات کو ذکر کرتے ہیں۔

پہلی فصل: دنیا کی مَذَمَّت میں مروی 46 روایات

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت:

﴿1﴾... ایک دن رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک مردار بکری کے پاس سے گزرے تو صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ یہ بکری اپنے گھر والوں کے نزدیک کس قدر حقیر ہے؟" صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: اسی حقارت کی وجہ سے تو انہوں نے اسے یہاں پھینکا ہے۔

ارشاد فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! جس قدر یہ بکری اپنے گھر والوں کی نظر میں حقیر ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔ اگر دنیا کی قدر و قیمت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔[1]

﴿2﴾... اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِر یعنی دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔[2]

﴿3﴾... اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا اِلَّا مَا کَانَ لِلّٰهِ مِنْهَا یعنی دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ملعون ہے سوائے اس کے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہو۔[3]

﴿4﴾... جو شخص اپنی دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو اپنی آخرت سے محبت کرتا ہے وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے، پس فنا ہونے والی پر باقی رہنے والی کو ترجیح دو۔[4]

﴿5﴾... حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ یعنی دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔[5]

سیِّدُنا صدیقِ اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی گریہ وزاری:

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا زید بن ارقم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ہم امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے پانی منگوایا، تو شہد ملا پانی پیش کیا گیا۔ جب آپ نے اسے اپنے منہ کے قریب کیا تو رو پڑے اور اتنا روئے کہ دیگر لوگوں کو بھی رُلا دیا، پھر لوگ تو خاموش ہو گئے مگر آپ مسلسل روتے رہے حتّٰی کہ لوگ خیال کرنے لگے کہ ہم آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کچھ پوچھ نہیں سکیں گے۔ پھر آپ نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے تو لوگوں نے عرض کی: اے خلیفۂ رسول رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ! آپ کو کس بات نے رُلایا؟ ارشاد فرمایا: میں رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ تھا اور میں نے دیکھا کہ آپ کسی چیز کو اپنے سے دور فرما رہے ہیں حالانکہ مجھے کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی، میں نے عرض

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی ھوان الدنیا علی اللہ، ۴/ ۱۴۳، حدیث: ۲۳۲۷، ۲۳۲۸

2 ...مسلم، کتاب الزھد والرقائق، ص ۱۵۸۲، حدیث: ۲۹۵۶

3 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی ھوان الدنیا علی اللہ، ۴/ ۱۴۴، حدیث: ۲۳۲۹

4 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الکوفیین، حدیث ابی موسی الاشعری، ۷/ ۱۶۵، حدیث: ۱۹۷۱۷

5 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم الدنیا، ۵/ ۲۲، حدیث: ۹

کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ کس چیز کو خود سے دور فرما رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا: یہ دنیا ہے جو مثالی صورت میں میرے سامنے آئی، میں نے اس سے کہا: مجھ سے دور ہو جا تو وہ دوبارہ آکر کہنے لگی: اگرچہ آپ مجھ سے دور ہو جائیں گے لیکن آپ کے بعد والے مجھ سے دور نہیں ہو سکیں گے۔[1]

﴿7﴾... اس شخص پر بہت تعجب ہے جو آخرت پر یقین رکھتا ہے لیکن دھوکے والے گھر (دنیا) کے لئے کوشش کرتا ہے۔[2]

﴿8﴾... مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبیِّ اکرم، نورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کچرے کے ایک ڈھیر کے پاس کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: آؤ دنیا کی طرف، پھر اس ڈھیر سے کپڑے کا ایک بوسیدہ ٹکڑا اور گلی ہوئی ہڈی اٹھائی اور ارشاد فرمایا: یہ ہے دنیا۔[3]

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی زینت عنقریب کپڑے کے اس ٹکڑے کی طرح بوسیدہ ہو جائے گی اور جسم جو اس دنیا میں دکھائی دے رہا ہے عنقریب گلی ہوئی ہڈیوں میں تبدیل ہو جائے گا۔

﴿9﴾... مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک دنیا میٹھی اور سر سبز ہے اور **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے تمہیں اس میں باقی رکھا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ جب بنی اسرائیل کے لئے دنیا خوب آراستہ و پیراستہ کی گئی اور پھیلا دی گئی تو وہ زیورات، عورتوں، خوشبو اور کپڑوں میں مست ہو گئے۔[4]

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: دنیا کو اپنا آقا نہ بناؤ ورنہ وہ تمہیں اپنا غلام بنا لے گی، اپنا مال اس کے پاس جمع کرو جو اسے ضائع نہیں کرتا کیونکہ جس کے پاس دنیا کا خزانہ ہو اسے آفت کا ڈر رہتا ہے جبکہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے پاس مال جمع کروانے والے کو آفت کا خوف نہیں ہوتا۔

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلَیْہِ السَّلَام نے ارشاد فرمایا: اے حواریو! میں نے تمہارے لئے دنیا کو اوندھا کر دیا ہے میرے بعد اسے اٹھا کر کھڑا نہ کرنا۔ دنیا کی خرابی یہ ہے کہ اس میں **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی جاتی ہے

1... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم الدنیا، ۵/ ۲۴، حدیث: ۱۱

2... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم الدنیا، ۵/ ۲۵، حدیث: ۱۴

3... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم الدنیا، ۵/ ۲۷، حدیث: ۱۹

4... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم الدنیا، ۵/ ۲۸، حدیث: ۲۰

اوراس کو اپنانے والا آخرت کو حاصل نہیں کر سکتا تو خبر دار! دنیا کو گزر گاہ بناؤ اس کی تعمیر نہ کرو اور یہ جان لو کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے اور کبھی گھڑی بھر کی شہوت انسان کے لئے طویل غم کا باعث ہوتی ہے۔

﴿12﴾... آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے (اپنے حواریوں سے) یہ بھی فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے دنیا کو اوندھا کیا اور تم اس پر بیٹھ گئے، لہٰذا اب تم سے دنیا کے متعلق بادشاہ اور عورتیں جھگڑا نہ کریں۔ بادشاہ تم سے نہ جھگڑیں اس کے لئے تم انہیں اور ان کی دنیا کو ان کے لئے چھوڑ دو وہ تمہارے درپے نہیں ہوں گے اور جہاں تک عورتوں کی بات تو ان سے نماز و روزے کے ذریعے بچو۔

طالب و مطلوب:

﴿13﴾... آپ عَلَیْہِ السَّلَام ہی سے مروی ہے کہ دنیا طالِب بھی ہے اور مطلوب بھی۔ تو جو آخرت کو طلب کرتا ہے دنیا اس کی طالِب ہوتی ہے اور وہ اس سے اپنا رزق پورا کر لیتا ہے اور جو دنیا کو طلب کرتا ہے آخرت اس کی طالِب ہوتی ہے یہاں تک کہ موت آ کر اس کی گردن دبوچ لیتی ہے۔

سب سے ناپسندیدہ مخلوق:

﴿14﴾... رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک دنیا سے بڑھ کر کوئی مخلوق مبغوض (ناپسندیدہ) نہیں اور اُس نے جب سے اسے پیدا کیا ہے اس کی طرف نظر (عِنایت) نہیں کی۔[1]

سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی بادشاہت سے بہتر:

﴿15﴾... منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا سلیمان بن داوٗد عَلَیْہِمَا السَّلَام اپنے لشکر کے ہمراہ یوں جارہے تھے کہ پرندوں نے آپ پر سایہ کیا ہوا تھا اور جن و انس آپ کے دائیں بائیں تھے اسی دوران آپ کا گزر ایک عابد کے پاس سے ہوا تو اس نے آپ کو دیکھ کر کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اے ابنِ داوٗد عَلَیْہِمَا السَّلَام! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو بہت بڑی بادشاہت عطا فرمائی ہے۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: مومن

[1] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم الدنیا، ۵/ ۳۵، حدیث: ۴۰

کے اعمال نامے میں ایک تسبیح (اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پاکی بیان) اُس سے بہتر ہے جو ابنِ داود کو دیا گیا ہے کیونکہ یہ سب کچھ ختم ہو جائے جبکہ تسبیح باقی رہے گی۔

انسان کا حقیقی مال:

﴿16﴾... مُعَلِّمِ کائنات، شاہِ موجودات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مال کی زیادہ طلبی نے تمہیں غافل کر دیا ہے انسان کہتا ہے: میرا مال، میرا مال حالانکہ تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا صدقہ کر کے اسے باقی رکھا۔[1]

﴿17﴾... حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو، اسے وہی جمع کرتا ہے جو عقل مند نہ ہو، اس پر دشمنی وہی مول لیتا ہے جو جاہل ہو، اس کے لئے حسد وہی کرتا ہے جو سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو اور اس کے لئے وہی کوشاں رہتا ہے جسے یقین نہ ہو۔[2]

چار چیزیں:

﴿18﴾... حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس نے اس حالت میں صبح کی کہ اس کا سب سے بڑا مقصد دنیا ہو تو اس کا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رِضا و قُربت سے کچھ تعلُّق نہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے دل میں چار چیزیں پیدا کر دیتا ہے: (۱)...ایسا غم جو کبھی ختم نہ ہو (۲)...ایسی مَشْغُولِیَّت جس سے فراغت نہ ہو (۳)...ایسا فقر جس کے بعد خوشحالی نہ ہو اور (۴)...ایسی امید جو کبھی پوری نہ ہو۔[3]

دنیا کی حقیقت:

﴿19﴾... حضرت سَیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبیِّ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا میں تمہیں دنیا اور جو کچھ اس میں ہے نہ دکھاؤں؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے مدینہ منورہ کی ایک وادی میں لے

---

[1]...مسلم، کتاب الزھد و الرقائق، ص ۱۵۸۲، حدیث: ۲۹۵۸

[2]...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم الدنیا، ۵/ ۹۸، حدیث: ۱۸۲

[3]...فردوس الاخبار، ۲/ ۲۹۲، حدیث: ۶۳۲۷

آئے جہاں کچرے کا ڈھیر تھا جس میں انسانی کھوپڑیاں، گندگی کے ڈھیر، بوسیدہ کپڑے اور ہڈیاں تھیں۔ پھر فرمایا: اے بوہریرہ! یہ ان لوگوں کے سر ہیں جو تم لوگوں کی طرح (دنیا کی) حرص کیا کرتے تھے اور تم لوگوں کی طرح لمبی امیدیں باندھتے تھے آج ان کا یہ حال ہے کہ یہ ہڈیوں کی صورت میں ہیں جن پر گوشت نہیں اس کے بعد یہ راکھ ہو جائیں گی اور یہ گندگی کے ڈھیر طرح طرح کے کھانے ہیں جنہیں انہوں نے مختلف جگہوں سے حاصل کیا تھا اور پھر اپنے پیٹوں سے نکالا اب لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اور یہ بوسیدہ کپڑے ان کے لباس تھے اب انہیں ہَوا اِدھر اُدھر اُڑاتی پھرتی ہے اور یہ ہڈیاں ان کے جانوروں کی ہیں جن پر سوار ہو کر وہ شہر شہر پھرا کرتے تھے تو جو دنیا پر رونا چاہتا ہے وہ روئے۔ حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جب تک ہم رو نہ لئے وہاں سے نہ ہٹے۔[1]

﴿20﴾... مروی ہے کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا آدم صَفِیُّ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو زمین پر اتارا تو ان سے فرمایا: ویران ہونے کے لئے عمارت بناؤ اور فنا ہونے کے لئے بچے جَنو۔

نیک لوگوں کے لئے خوشخبری ہے:

﴿21﴾... منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابراہیم خَلِیْلُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے صحیفوں میں لکھا تھا: "اے دنیا! تو نیک لوگوں کی نظر میں کس قدر ذلیل ہے حالانکہ تو ان لوگوں کے لئے بن سنور کر اور زیب وزینت اختیار کر کے نکلتی ہے۔ میں نے ان لوگوں کے دلوں میں تیری نفرت ڈال دی اور ان کو تجھ سے روک دیا۔ میرے نزدیک کوئی مخلوق تجھ سے زیادہ حقیر نہیں۔ تیری ہر حالت حقارت پر مبنی ہے اور تو فنا کی طرف چلی جارہی ہے۔ میں نے جس دن سے تجھے پیدا کیا ہے اسی دن سے یہ فیصلہ کیا کہ تو کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہے گی اور نہ تیرے لئے کوئی ہمیشہ رہے گا۔ اگرچہ وہ تیرے معاملے میں بخل اور کنجوسی سے کام لے۔ خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں میری رِضا ہے اور ان کے ضمیر سچائی اور استقامت سے پُر ہیں۔ خوشخبری ہے ان کے لئے جن کی جزا میرے پاس یہ ہو گی کہ جب وہ قبروں سے نکل کر میرے حضور آئیں گے تو ان کے آگے ایک نور ہو گا اور فرشتے انہیں گھیرے ہوئے ہوں گے حتّٰی کہ جس قدر وہ مجھ سے

[1] ...العاقبۃ فی ذکر الموت، ص ٥٠

رحمت کی امید رکھیں گے میں انہیں عطا کروں گا۔“

﴿22﴾...پیارے مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: دنیا زمین و آسمان کے درمیان موقوف ہے جب سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے پیدا کیا ہے اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائی۔ قیامت کے دن یہ دنیا کہے گی: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! آج کے دن اپنے کسی کم درجہ ولی کے لئے مجھ سے حصہ بنا دے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرمائے گا: ”اے ناچیز! خاموش ہو جا! جب میں نے دنیا میں تجھے ان کے لئے پسند نہیں کیا تو آج کیسے پسند کر سکتا ہوں؟“

سیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام اور ممنوعہ پھل:

﴿23﴾...مروی ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا آدم صَفِیُّ اللہ عَلَیْہِ السَّلَام نے درخت سے ممنوعہ پھل کھالیا تو اس کے سبب آپ کے معدے میں قضائے حاجت کے لئے حرکت پیدا ہوئی اور جنت میں صرف اسی درخت میں یہ خاصیت رکھی گئی تھی اسی وجہ سے اس سے منع کیا گیا تھا۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے جنت میں اِدھر اُدھر گھومنا شروع کر دیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایک فرشتے سے ارشاد فرمایا: ان سے پوچھیں کیا چاہتے ہیں؟ حضرت سیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: میں اپنے پیٹ سے اس تکلیف کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ فرشتے سے کہا گیا ان سے پوچھو کہ اپنی ضرورت کہاں پوری کرنا چاہتے ہیں؟ فرش، تختوں، نہروں یا درختوں کے سائے میں، کیا یہاں کوئی جگہ آپ کو مناسب دکھائی دیتی ہے جہاں آپ قضائے حاجت کریں۔ آپ اس کے لئے دنیا میں چلے جائیں۔

﴿24﴾...قیامت کے دن کچھ لوگوں کو لایا جائے گا، جن کے پاس تہامہ پہاڑوں کی مثل نیکیاں ہوں گی، انہیں جہنم میں لے جانے کا حکم ہو گا۔ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا وہ نمازی ہوں گے؟ ارشاد فرمایا: ہاں نمازی ہوں گے، روزے بھی رکھتے ہوں گے اور شب بیداری بھی کرتے ہوں گے لیکن جب ان کے سامنے دنیا کی کوئی چیز پیش کی جاتی تو وہ اس پر کود پڑتے تھے۔[1]

﴿25﴾...پیارے مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: مومن دو خوفوں کے درمیان ہوتا ہے ایک اس مدت پر جو گزر گئی اور وہ نہیں جانتا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے بارے میں کیا معاملہ فرمائے گا؟ دوسری وہ مدت جو باقی ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کیا فیصلہ فرمائے گا؟

---

[1]...الزھد وصفة الزاھدین، المقلل من الدنیا، ص۶۹، حدیث: ۱۳۱

لہٰذا انسان کو اپنی ذات سے اپنی ذات کے لئے، اپنی دُنیا سے اپنی آخرت کے لئے، اپنی زندگی سے موت کے لئے اور اپنی جوانی سے بڑھاپے کے لئے زادِ راہ تیار کرنا چاہئے کیونکہ دُنیا تمہارے لئے اور تمہیں آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! موت کے بعد معافی مانگنے کی کوئی جگہ نہیں اور دُنیا کے بعد جنت یا دوزخ کے علاوہ کوئی گھر نہیں۔[1]

﴿26﴾... حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: جس طرح ایک برتن میں پانی اور آگ جمع نہیں ہو سکتے اسی طرح مومن کے دل میں دنیا و آخرت دونوں کی محبت جمع نہیں ہو سکتی۔

دو دروازوں والا گھر:

﴿27﴾... مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے حضرت سیِّدُنا نوح نَجِیُّ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے عرض کی: اے تمام انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام میں زیادہ عمر والے! آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ارشاد فرمایا: دو دروازوں والے گھر کی طرح پایا ایک سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل آیا۔

﴿28﴾... حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے عرض کی گئی کہ آپ رہائش کے لئے ایک گھر بنا لیں۔ تو ارشاد فرمایا: ہمیں پہلے لوگوں کے کھنڈرات ہی کافی ہیں۔

﴿29﴾... اِحْذَرُوا الدُّنْیَا فَاِنَّهَا اَسْحَرُ مِنْ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ یعنی دنیا سے بچو کہ یہ ہاروت و ماروت سے بھی بڑھ کر جادو سکھانے والی ہے۔[2]

50 صدیقین کا ثواب:

﴿30﴾... مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے اندھے پن کو دور کر کے بینائی عطا کرے، تو سنو! جو شخص دنیا میں رغبت رکھتا اور اس میں لمبی امید لگاتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی امید و رغبت کے بقدر اس کے دل کو اندھا کر دیتا ہے اور جو شخص دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے اور اس میں لمبی امید نہیں رکھتا تو

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۶۰، حدیث: ۱۰۵۸۱

[2] ...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۳۹، حدیث: ۱۰۵۰۴

اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بغیر سیکھے علم اور بغیر کسی کی راہ نمائی کے ہدایت عطا فرتا ہے۔ سنو! میرے بعد ایک قوم آئے گی جن کی سلطنت قتل و تشدُّد کے بغیر، مال داری تکبُّر اور بخل کے بغیر، محبت خواہشات کی اِتّباع کے بغیر نہیں ہو گی۔ تو جو تم میں سے یہ زمانہ پائے اور مال داری پر قدرت کے باوجود فقر پر صبر کرے، محبت پر قدرت کے باوجود دشمنی پر صبر کرے اور عزت کے حصول پر قدرت کے باوجود ذلت برداشت کرے اور ان تمام باتوں سے اس کا مقصد رضائے الٰہی ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے 50 صدیقین کا ثواب عطا فرمائے گا۔[1]

چار ہزار سال تک ولیمے کا کھانا:

﴿31﴾... مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سَیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سخت بارش اور بجلی کی گرج وچمک میں گھر گئے، آپ نے کوئی پناہ گاہ تلاش کرنا شروع کی تو آپ کو دور ایک خیمہ دکھائی دیا، آپ اس کی طرف تشریف لے گئے، دیکھا کہ وہاں ایک عورت ہے۔ یہ دیکھ کر آپ وہاں سے پلٹ آئے پھر ایک غار میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک شیر تھا آپ اس پر ہاتھ رکھ کر عَرْض گزار ہوئے: الٰہی تو نے ہر چیز کو پناہ دی ہے اور میرے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں بنائی۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی طرف وحی فرمائی: تیری پناہ گاہ میری رحمت کا ٹھکانا ہے میں قیامت کے دن 100 حوروں سے جنہیں میں نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے تیرا نکاح کروں گا اور چار ہزار سال تک تیرے ولیمے کا کھانا کھلاؤں گا جن میں سے ایک دن دنیا کی تمام عمر کے برابر ہو گا اور میں ایک مُنادی کو حکم دوں گا کہ وہ یہ ندا کرے: کہاں ہیں دنیا میں زُہد اختیار کرنے والے؟ وہ چلیں اور عیسٰی بن مریم کی شادی میں شرکت کریں۔

دنیا دار کے لئے ہلاکت ہے:

﴿32﴾... حضرت سَیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: دنیا دار کے لئے ہلاکت ہے کہ کس طرح وہ مر جاتا ہے اور دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اسے چھوڑ جاتا ہے، دنیا اسے دھوکے میں مبتلا کرتی ہے اور یہ اس سے بے خوف رہتے ہوئے اس پر بھروسا کرتا ہے حالانکہ یہ اسے ذلیل ورسوا کر دیتی ہے اور دھوکا کھانے والوں کے لیے ہلاکت ہے کیسے یہ دنیا انہیں وہ چیز دکھاتی ہے جسے وہ ناپسند کرتے ہیں اور ان کی پسندیدہ چیز کو ان

[1]... شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۶۰، حدیث: ۱۰۵۸۲

سے جدا کر دیتی ہے یہاں تک کہ ان کی موت کا وعدہ آپہنچتا ہے اور اس شخص کے لئے بھی ہلاکت ہے جو دنیا کو اپنا مقصد اور گناہوں کو اپنا عمل بناتا ہے کہ وہ کس طرح کل (قیامت کے دن) ذلیل و رسوا ہو گا؟

ظالموں کا گھر:

﴿33﴾... مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی: اے موسیٰ! تمہیں ظالموں کے گھر (دنیا) سے کیا کام؟ یہ تمہارا گھر نہیں، اپنی ہمت اور عقل کو اس سے الگ ہی رکھو۔ یہ (دنیا) بُرا گھر ہے مگر اس شخص کے لئے اچھے گھر کی طرح ہے جو اس میں رہتے ہوئے اچھا عمل کرے۔ اے موسٰی! میں ظالم کے انتظار میں ہوتا ہوں حتّٰی کہ اس سے مظلوم کا بدلہ لے لیتا ہوں۔

دنیا پہلے کے لوگوں کی طرح تمہیں بھی ہلاک کر دے گی:

﴿34﴾... مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اَمِیْنُ الْاُمَّۃ حضرت سیِّدُنا ابوعُبَیْدہ بن جَرّاح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو بَحْرَین کی طرف (جِزیہ وصول کرنے کے لئے) بھیجا، جب وہ مال لے کر واپس لوٹے تو انصار کو آپ کی آمد کی خبر ہو گئی، لہٰذا سب نے فجر کی نماز حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ ادا کی، جب آپ فارغ ہوئے تو سارے سامنے آگئے، آپ نے انہیں دیکھ کر تَبَسُّم فرمایا اور ارشاد فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم لوگوں نے ابو عبیدہ کی آمد کی خبر سن لی ہے کہ وہ کچھ مال لائے ہیں۔ انہوں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ایسا ہی ہے۔ ارشاد فرمایا: خوشخبری سنا دو اور اُس کی امید رکھو جو تمہیں خوش کر دے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! مجھے تم پر فقر (غربت) کا خوف نہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائے گی جیسا کہ تم سے پہلی قوموں پر پھیلائی گئی تھی تو اس کی خاطر پہلے کے لوگوں کی طرح تم بھی باہم مقابلہ کرو گے اور یہ تمہیں ویسے ہی ہلاک کر دے گی جیسے انہیں ہلاک کیا۔[1]

﴿35﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ خوف زمین کی ان برکات کا ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہارے لئے نکالے گا۔ عرض کی گئی:

---

[1]... بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، ۲/ ۳۶۳، حدیث: ۳۱۵۸

زمین کی برکات کیا ہیں؟ فرمایا: دنیا کی تروتازگی۔[1]

﴿36﴾...لَا تَشْغَلُوْا قُلُوْبَكُمْ بِذِكْرِ الدُّنْيَا یعنی اپنے دلوں کو دنیا کی یاد میں مشغول نہ رکھو۔[2]

اس حدیثِ پاک میں غور کرو کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دنیا تک پہنچنا تو دور کی بات اس کی یاد ہی سے روک دیا۔

دنیا کی محبت کے سبب عذابِ الٰہی:

﴿37﴾...منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اپنے حواریوں (یعنی اصحاب کے ساتھ) ایک بستی سے گزرے تو دیکھا کہ وہاں کے رہنے والے گھروں اور راستوں میں مرے پڑے ہیں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ارشاد فرمایا: اے حواریو! یہ لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عذاب سے ہلاک ہوئے، اگر کسی اور وجہ سے مرتے تو ایک دوسرے کو دفن کرتے۔ حواریوں نے عرض کی اے رُوْحُ اللہ عَلَیْہِ السَّلَام! ہم ان کے متعلق جاننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلَیْہِ السَّلَام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ رات کے وقت ان لوگوں کو پکارنا یہ جواب دیں گے۔ جب رات ہوئی تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام ایک ٹیلے پر چڑھے اور پکار کر کہا: اے بستی والو! تو ایک جواب دینے والے نے جواب دیا کہ اے رُوْحُ اللہ! لَبَّیْک یعنی میں حاضر ہوں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ارشاد فرمایا: تمہارا حال اور تمہارا قِصّہ کیا ہے؟ اس نے کہا: ہم نے عافیت کے ساتھ رات گزاری اور صُبْح ہوئی تو جہنم میں جا پڑے۔ اِستفسار فرمایا: کیوں؟ عرض کی: ہم نے دنیا سے محبت کی اور گناہ گاروں کی اِطاعت کی۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے پوچھا: دنیا سے تمہاری محبت کیسی تھی؟ عرض کی: جس طرح ماں بچے سے محبت کرتی ہے، جب وہ (دنیا) آتی تو ہم خوش ہو جاتے اور جب چلی جاتی تو غم زدہ ہو جاتے اور اس پر روتے۔ استفسار فرمایا: تمہارے دوسرے ساتھی جواب کیوں نہیں دیتے؟ عرض کی: ان کو جہنم کی آگ کی لگام ڈالی گئی ہے جو سخت فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: تم کیسے جواب دے رہے ہو حالانکہ تم بھی انہی میں سے ہو؟ عرض کی: میں ان لوگوں کے درمیان ضرور رہتا تھا لیکن ان کے

---

[1]... بخاری، کتاب الرقاق، باب ما یحذر من زھرۃ الدنیا... الخ، ۴/ ۲۲۶، حدیث: ۶۴۲۷

[2]... شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۶۱، حدیث: ۱۰۵۸۴

طریقے پر نہیں چلتا تھا مگر جب ان پر عذاب نازل ہوا تو میں بھی اس کی لپیٹ میں آگیا اور اب میں جہنم کے کنارے پر لٹکا ہوں مجھے نہیں معلوم کہ میں اس سے نجات حاصل کرلوں گا یا اس میں گر جاؤں گا۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: اگر دنیا و آخرت میں سلامتی چاہتے ہو تو جو کی روٹی پسے ہوئے نمک کے ساتھ کھاؤ، ٹاٹ پہنو اور گھاس پھونس پر سو جاؤ۔

﴿38﴾... مروی ہے کہ رسول اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ایک اونٹنی تھی جس کا نام عضباء تھا، اس سے کوئی اونٹنی دوڑ میں آگے نہ بڑھ سکتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک اَعرابی اپنی اونٹنی لے کر آیا وہ دوڑ میں آگے بڑھ گئی یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: **اللہ** عَزَّوَجَلَّ دنیا کی کسی چیز کو بلندی عطا کرتا ہے تو اسے پست بھی کر دیتا ہے۔[1]

﴿39﴾... حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو سمندر کی موج پر مکان بنائے؟ تمہاری دنیا کی مثال بھی یہی ہے، لہٰذا اسے مستقل ٹھکانا نہ بناؤ۔

محبت الٰہی کے حصول کا ذریعہ:

﴿40﴾... حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے عرض کی گئی: ہمیں ایسا علم سکھادیں جس کی وجہ سے **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ہم سے محبت فرمائے۔ ارشاد فرمایا: دنیا سے نفرت کرو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ تم سے محبت فرمائے گا۔

﴿41﴾... لَوْتَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّلَھَانَتْ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا وَلَاٰثَرْتُمُ الْاٰخِرَۃَ یعنی اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے اور تمہارے سامنے دنیا ذلیل و حقیر ہو کر آتی اور تم آخرت کو ترجیح دیتے۔[2]

سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی نصیحت:

اس حدیثِ پاک کو بیان کرنے کے بعد حضرت سیِّدُنا ابودَرْداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: اگر تم وہ بات جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم خود پر روتے چلاتے پہاڑوں کی طرف نکل جاتے اور اپنے مالوں کو چھوڑ چھاڑ کر کسی کی حفاظت میں دیئے بغیر چلے جاتے، صرف اس قدر مال اپنے پاس رکھتے جس کی تمہیں ضرورت ہوتی، تمہاری حالت یہ ہے

1... بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب ناقة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۲/ ۲۷۳، حدیث: ۲۸۷۲

2... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم الدنیا، ۵/ ۱۷۹، حدیث: ۴۲۷

کہ تمہارے دل آخرت کی یاد سے غافل اور امیدوں سے پُر ہیں، دنیا تم پر چھاگئی ہے اور تم ایسے لوگوں کی طرح ہوگئے ہو جنہیں کچھ علم نہیں، تم میں سے بعض جانوروں سے بھی زیادہ بُرے ہیں کہ وہ اپنی خواہش کو اس ڈر سے بھی نہیں چھوڑتے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ تمہیں کیا ہوچکا ہے کہ تم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے اور نہ ہی ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہو؟ حالانکہ تم آپس میں دینی بھائی ہو، تمہاری باطنی خباثت نے تمہارے مقاصد میں تفریق کردی اگر تم نیکی پر اِتّفاق کرلیتے تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگتے، تمہیں کیا ہوگیا کہ تم دنیاوی معاملات میں تو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہو لیکن آخرت کے معاملے میں نصیحت نہیں کرتے؟ تم اپنے بھائی کی خیر خواہی نہیں کرتے اور نہ ہی آخرت کے معاملے میں اس کی مدد کرتے ہو اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ تمہارے دلوں میں ایمان کی کمزوری ہے، اگر تم آخرت کے ثواب وعذاب پر یقین رکھتے جس طرح تم دنیا پر یقین رکھتے ہو تو ضرور آخرت کو ترجیح دیتے کیونکہ یہی تمہارے امور کے زیادہ لائق ہے، اگر تم کہو کہ فوری نفع کی محبت غالب ہوتی ہے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ تم دنیا کی آنے والی چیزوں کی خاطر موجودہ کو چھوڑ دیتے ہو، تم اپنے نفسوں کو ایسے معاملے کے لئے تکلیف ومشقت میں ڈالتے ہو جس کا ملنا یقینی نہیں، تم کتنی بری قوم ہو کہ جس چیز سے تمہارا ایمان مضبوط ہوتا ہے اس پر تمہارا یقین نہیں! اگر تمہیں رسولِ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لائے ہوئے دین میں شک ہے تو ہمارے پاس آؤ ہم تمہیں بیان کرتے ہیں اور تمہیں وہ نور دکھاتے ہیں جو تمہارے قلوب کو اطمینان بخشے، خدا عَزَّوَجَلَّ کی قسم! تمہاری عقل میں کمی نہیں کہ ہم تمہارا عذر قبول کریں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے معاملے میں تمہاری رائے پختہ ہے اور دنیاوی معاملات میں تم اِحتیاط کا پہلو اپناتے ہو، تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ دنیا کی تھوڑی سی چیز ملنے پر خوش ہوتے ہو اور نہ ملنے پر غمگین حتّٰی کہ یہ غم تمہارے چہرے سے عیاں ہوتا اور تمہاری زبان اسے بیان کرتی ہے، تم اسے مصیبت کا نام دیتے اور اس پر سوگ مناتے ہو، اس کے بَرخِلاف تمہاری اکثریت نے دین کا اکثر حصہ چھوڑ دیا ہے لیکن نہ چہروں سے غم عیاں ہیں اور نہ ہی احوال سے اس کا اظہار ہے، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تم سے ناراض ہے کہ ایک دوسرے سے ملتے وقت (بتکلُّف) خوشی کا اظہار کرتے ہو محض اس وجہ سے کہ اگر ہم نے اس کے سامنے ایسی بات کی جو اسے پسند نہ ہو تو وہ ہمارے ساتھ بھی بدسلوکی سے پیش آئے گا، تمہارے دلوں میں بُغض وکینہ

ہے، تمہارا ظاہر اچھا جبکہ باطن میلا ہے، موت کو بھولنے میں تم سب یکساں ہو، اگر تمہارے اندر بھلائی نام کی کوئی چیز ہے تو میں نے تمہارے سامنے ایک ایک بات بیان کر دی ہے، اگر تم اس چیز کو طلب کرو جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں ہے تو وہ کچھ مشکل نہیں اور میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے تمہارے اور اپنے لئے مدد طلب کرتا ہوں۔

تھوڑے پر دین کی سلامتی کے ساتھ راضی رہو:

﴿42﴾... حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اپنے حواریوں سے ارشاد فرمایا: اے حواریو! جس طرح اہل دنیا تھوڑے دین پر دنیا کی سلامتی کے ساتھ راضی رہتے ہیں اسی طرح تم تھوڑی دنیا پر دین کی سلامتی کے ساتھ راضی رہو۔

اسی بات کو اشعار میں یوں بیان کیا گیا ہے:

أَرٰى رِجَالًا بِأَدْنَى الدِّيْنِ قَنِعُوْا وَمَا أَرَاهُمْ رَضُوْا فِي الْعَيْشِ بِالدُّوْنِ

فَاسْتَغْنِ بِالدِّيْنِ عَنْ دُنْيَا الْمُلُوْكِ كَمَا اسْتَغْنَى الْمُلُوْكُ بِدُنْيَا هُمْ عَنِ الدِّيْنِ

ترجمہ: (۱)...میں (کچھ) لوگوں کو دین کے تھوڑے حصے پر تو قناعت کئے ہوئے دیکھتا ہوں جبکہ دنیا کے تھوڑے حصے پر رضامند نہیں دیکھتا۔

(۲)...لہٰذا جس طرح بادشاہ اپنی دنیا میں مگن ہونے کے سبب دین سے بے پرواہیں اسی طرح تم دین پر قناعت کرتے ہوئے بادشاہوں کی دنیا سے بے پرواہو جاؤ۔

سب سے بڑی نیکی:

﴿43﴾... حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا: اے دنیا کے طالب! اگر تو یہ گمان رکھتا ہے کہ دنیا کی طلب نیکی کے سبب کر رہا ہے تو تیرا دنیا کو چھوڑنا ہی سب سے بڑی نیکی ہے۔

﴿44﴾... لَتَأْتِيَنَّكُمْ بَعْدِيْ دُنْيَا تَأْكُلُ اِيْمَانَكُمْ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ یعنی میرے بعد ضرور تمہارے پاس دنیا آئے گی جو تمہارے ایمان کو اس طرح کھا جائے گی جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔[1]

---

[1]...شرح نہج البلاغۃ، الاصل: ۳۷۲، الجزء۱۹، ص۲۸۹

﴿45﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی: اے موسیٰ! دنیا کی محبت کی طرف مائل نہ ہونا کیونکہ یہ تمام برائیوں سے بڑھ کر ہے۔

دنیا کی محبت کی نحوست:

﴿46﴾... حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ رو رہا تھا، واپس تشریف لائے تو تب بھی وہ رو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! تیرا بندہ تیرے خوف کے سبب رو رہا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: اے ابن عمران![1] اگر اس کے آنسوؤں کے ساتھ اس کا دماغ بھی بہہ پڑے اور ہاتھوں کو اٹھائے یہاں تک کہ وہ گر جائیں تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا کیوں کہ یہ دنیا سے محبت کرتا ہے۔

دنیا کی مذمت پر مشتمل 69 اَقوالِ بُزُرگانِ دِین

چھ باتیں:

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے فرمایا: جس شخص میں یہ چھ باتیں جمع ہو جائیں اس نے جنَّت کی طَلَب اور جہنَّم سے بھاگنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی: (۱)...اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت کے ساتھ اس کی عبادت کرے (۲)... شیطان کو پہچانے اور پھر اس کی اطاعت نہ کرے (۳)... حق کو پہچان کر اس کی اتباع کرے (۴)... باطل کو پہچان کر اس سے بچے (۵)... دنیا کو پہچان کر اسے چھوڑ دے اور (۶)... آخرت کی پہچان کر کے اس کی طلب میں رہے۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ ان لوگوں پر رحم فرمائے جن کے پاس دنیا بطور امانت تھی انہوں نے امانت مالکوں کی طرف لوٹا دی اور ہلکے ہو کر چل پڑے۔

﴿3﴾... آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ہی فرماتے ہیں: جو شخص دین میں تجھ سے مقابلہ کرے تو بھی اس سے مقابلہ کر اور جو شخص دنیا میں تجھ سے مقابلہ کرے تو اسے اسی کے حوالے کر دے۔

---

[1]... عمران دو ہیں: ایک عمران بن یَصْہُر بن فاہِث بن لاوی بن یعقوب یہ تو حضرت موسیٰ وہارون (عَلَیْہِمَا السَّلَام) کے والد ہیں، دوسرے عمران بن ماثان یہ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی والدہ مریم (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا) کے والد ہیں۔ دونوں عمرانوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو (1800) برس کا فرق ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، اٰلِ عمران، تحت الآیۃ: ۳۵، ص ۱۱۱)

دنیا ایک گہرے سمندر کی مانند ہے:

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا لقمان حکیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! دنیا ایک گہرے سمندر کی مانند ہے جس میں بہت سے لوگ غرق ہو چکے ہیں، لہٰذا اس میں خوفِ خدا کی کشتی پر سفر کرو، ایمان کو ہم سفر اور اللہ عَزَّوَجَلَّ پر توکُّل کو بادبان[1] بناؤ تاکہ نجات حاصل کرو لیکن مجھے نہیں دکھائی دیتا کہ تم (آسانی سے) نجات حاصل کر سکو گے۔

حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے اس آیت میں بہت زیادہ غور و فکر کیا ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا ۝ (پ۱۵، الکھف: ۷، ۸)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم نے زمین کا سنگار کیا جو کچھ اس پر ہے کہ انہیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر ہیں اور بیشک جو کچھ اس پر ہے ایک دن ہم اسے پٹ پر (چٹیل، بے کار) میدان کر چھوڑیں گے۔

﴿5﴾... ایک دانا (عقل مند) کا قول ہے کہ دنیا سے جو کچھ ملتا ہے پہلے وہ کسی اور کی ملکیت تھا اور تمہارے مرنے کے بعد پھر وہ کسی اور کی ملکیت ہو گا اور دنیا تیرے لئے صبح و شام کا کھانا ہے جس کے کھانے میں تو ہلاک مت ہونا، لہٰذا دنیا سے روزہ رکھ (یعنی کَنارہ کش رہ) اور آخرت سے افطار کر کیونکہ دنیا کا سرمایہ خواہش نفس اور نفع آگ ہے۔

زمانے کو کیسا دیکھتے ہیں؟

کسی راہِب (دنیا سے کنارہ کش شخص) سے پوچھا گیا کہ آپ زمانے کو کیسا دیکھتے ہیں؟ کہا: زمانہ بدنوں کو پرانا کرتا، آرزوئیں تازہ کرتا، موت کو قریب کرتا اور خواہشات کو دور کرتا ہے۔ پوچھا گیا: اس کے اہل کا کیا حال ہے؟ کہا: جو اس میں کامیاب ہوتا ہے وہ تھک جاتا ہے اور جسے یہ نہیں ملتا وہ پریشان ہو جاتا ہے۔

اسی وجہ سے کہا گیا ہے:

---

[1]... کشتی کے اوپر بندھا ہوا وہ کپڑا جو کشتی کی رفتار تیز کرنے اور اس کا رخ موڑنے کے کام آتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۷۲)

وَمَنْ يَّحْمَدُ الدُّنْيَا لِعَيْشٍ يَسُرُّهُ فَسَوْفَ لَعَمْرِيْ عَنْ قَلِيْلٍ يَلُوْمُهَا

اِذَا اَدْبَرَتْ كَانَتْ عَلَى الْمَرْءِ حَسْرَةً وَاِنْ اَقْبَلَتْ كَانَتْ كَثِيْرًا هُمُوْمُهَا

ترجمہ:(۱)...جو شخص مسرت بھری زندگی کے باعث دنیا کی تعریف کرتا ہے عنقریب اس کے قلیل ہونے کے سبب اسے ملامت کرے گا۔

(۲)...دنیا اگر دور ہو جائے تو بندہ پر حسرت طاری ہو جاتی ہے اور اگر قریب آجائے تو غموں میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔

دنیا کے عُیوب:

﴿6﴾... کسی دانش وَر سے منقول ہے کہ دنیا اس وقت بھی تھی جب میں نہیں تھا اور اس وقت بھی ہو گی جب میں نہیں ہوں گا تو میں اس سے کیوں دل لگاؤں جب کہ اس کی زندگی تلخ ہے اور اس کی صفائی میں گدلا پن ہے اور اس کے اہل خوف میں مبتلا ہیں، یہ خوف انہیں زوالِ نعمت کا ہے یا کسی مصیبت کے نزول کا یا پھر موت کا۔

کسی دانا کا قول ہے کہ دنیا کے عیوب میں سے ایک عیب یہ ہے کہ وہ حق دار کو اس کے حق کے مطابق نہیں بلکہ کسی کو زیادہ دیتی ہے اور کسی کو کم۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: کیا تم نااہلوں کو دی گئی دنیاوی نعمتوں کو نہیں دیکھتے گویا یہ ان پر (اللہ عَزَّوَجَلَّ) کی ناراضی ہے۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: جو دنیا سے محبت کرتے ہوئے اسے طلب کرتا ہے تو جتنی ملی ہے اس سے زیادہ کا طالب رہتا ہے اور جو آخرت سے محبت کرتے ہوئے اسے طلب کرتا ہے تو اس کا بھی یہی حال کہ جتنی ملی ہے اس سے زیادہ کا طالب رہتا ہے، نہ طالب دنیا کے طلب کی کوئی انتہا ہے اور نہ طالب آخرت کے طلب کی کوئی حد۔

دنیا میں سے صرف حلال لو:

﴿9﴾... ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا ابو حازِم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے کہا: میں آپ سے محبت دنیا کی شکایت کرتا ہوں حالانکہ میں جانتا ہوں کہ دنیا میں مجھے رہنا نہیں ہے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: یہ دیکھو کہ

تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ اس دنیا میں سے کیا عطا کر رہا ہے تو اس میں سے صرف حلال لو اور اسے جائز مقام میں خرچ کرو تمہیں دنیا کی محبت نقصان نہیں پہنچائے گی۔

آپ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ اگر صرف محبت دنیا پر ہی نفس کا مُواخذہ ہو تو آدمی بہت زیادہ مشقت میں پڑ جائے گا حتّٰی کہ دنیا سے بیزار ہو کر موت کی طلب کرنے لگے گا۔

شیطان کی دُکان:

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: دنیا شیطان کی دُکان ہے۔ اس کی دُکان سے کوئی چیز نہ چُراؤ کیونکہ وہ اس کی طلب میں آئے گا اور تمہیں پکڑ لے گا۔

سونا اور ٹھیکری:

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: اگر دنیا سونے کی ہوتی پھر بھی فنا ہو جاتی اور اگر آخرت ٹھیکری کی ہوتی تو بھی باقی رہتی، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم باقی رہنے والی ٹھیکری کو ختم ہو جانے والے سونے پر ترجیح دیں۔

﴿12﴾... حضرت سیِّدُنا ابو حازِم رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: دنیا سے بچو کیونکہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو شخص دنیا کو عظیم خیال کرتا ہے قیامت کے دن اسے کھڑا کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اس چیز کو عظیم خیال کیا جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حقیر کیا۔

﴿13﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے فرمایا: ہر شخص کی صبح اس حالت میں ہوتی ہے کہ وہ مہمان ہے اور اس کا مال امانت ہے۔ مہمان ایک روز چلا جائے گا اور امانت مالک کے سپرد ہو جائے گی۔

اسی لئے کہا گیا ہے:

وَمَا الْمَالُ وَالْاَهْلُوْنَ اِلَّا وَدَآئِعٌ ۔۔۔ وَلَابُدَّ يَوْمًا اَنْ تُرَدَّ الْوَدَآئِعُ

ترجمہ: مال اور اہل وعیال امانتیں ہیں، ایک نہ ایک دن امانتوں کو واپس لوٹانا ہی ہو گا۔

﴿14﴾... حضرت سیِّدَتُنا رابعہ بَصرِیَّہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْهَا کے اَصحاب ان سے ملاقات کے لئے آئے تو دنیا کا ذکر

کرکے اس کی مذمت کرنے لگے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہَا نے فرمایا: اس کے ذکر سے خاموش ہو جاؤ! اگر تمہارے دلوں میں اس کی جگہ نہ ہوتی تو تم کثرت سے اس کا ذکر نہ کرتے، سنو! جو شخص کسی چیز سے محبت کرتا ہے اسی کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔

دین بچتا ہے نہ دنیا:

﴿15﴾... حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم سے پوچھا گیا: آپ کیسے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

نُرَقِّعُ دُنْیَانَا بِتَمْزِیْقِ دِیْنِنَا   فَلَا دِیْنُنَا یَبْقٰی وَلَا مَا نُرَقِّعُ

فَطُوْبٰی لِعَبْدٍ اٰثَرَ اللہَ رَبَّہٗ   وَجَادَ بِدُنْیَاہُ لِمَا یَتَوَقَّعُ

ترجمہ: (۱)...ہم اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے دنیا بہتر بناتے ہیں تو ہمارا دین بچتا ہے نہ دنیا۔

(۲)...اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جس نے اپنے رب اللہ عَزَّوَجَلَّ (کے احکامات) کو ترجیح دی اور آخرت میں ملنے والے ثواب پر دنیا قربان کردی۔

اسی کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے:

اَرٰی طَالِبَ الدُّنْیَا وَاِنْ طَالَ عُمْرُہٗ   وَنَالَ مِنَ الدُّنْیَا سُرُوْرًا وَّاَنْعُمَا

کَبَانٍ بَنٰی بُنْیَانَہٗ فَاَقَامَہٗ   فَلَمَّا اسْتَوٰی مَا قَدْ بَنَاہُ تَھَدَّمَا

ترجمہ: طالبِ دنیا کی عمر اگرچہ طویل ہو اور وہ دنیا سے سُرُور اور نعمتیں بھی حاصل کرلے لیکن میں اسے اس شخص کی طرح خیال کرتا ہوں جو ایک عمارت کی تعمیر کرکے اسے کھڑا کرتا ہے لیکن جیسے ہی وہ فارغ ہوتا ہے وہ عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے۔

یہ بھی کہا گیا:

ھَبِ الدُّنْیَا تُسَاقُ اِلَیْکَ عَفْوًا   اَلَیْسَ مَصِیْرُ ذَاکَ اِلَی انْتِقَالٖ

وَمَا دُنْیَاکَ اِلَّا مِثْلَ فَیْءٍ   اَظَلَّکَ ثُمَّ اٰذَنَ بِالزَّوَالٖ

ترجمہ: (۱)...فرض کرو اگر دنیا تمہیں مفت میں مل جاتی ہے تو کیا تمہیں اسے چھوڑنا نہیں پڑتا۔

(۲)...دنیا کی مثال تو سائے کی طرح ہے جو تجھے سایہ مہیا کرتی اور پھر چلے جانے کا اعلان کرتی ہے۔

﴿16﴾... حضرت سیِّدُنا لقمان حکیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹا! اپنی دنیا کو اپنی آخرت کے عوض بیچ دے دونوں میں نفع پاؤ گے، اپنی آخرت کو دنیا کے عوض مت بیچنا ورنہ دونوں میں نقصان اٹھاؤ گے۔

﴿17﴾... حضرت سیِّدُنا مُطَرِّف بن عبد اللہ بن شِخِّیْر عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَبِیْر فرماتے ہیں: بادشاہوں کے عیش و آرام اور ان کے نرم و ملائم بستروں کو نہ دیکھو بلکہ ان کے جلد رخصت ہونے اور بُرے انجام کو دیکھو۔

دنیا تین حصوں میں منقسم ہے:

﴿18﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دنیا کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے: ایک حصہ مومن کے لئے، ایک منافق کے لئے اور ایک کافر کے لئے۔ مومن اسے آخرت کے لئے زادِ راہ سمجھتا ہے، منافق اسے ظاہری زینت سمجھتا ہے اور کافر اس سے نفع اٹھاتا ہے۔

﴿19﴾... ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: دنیا مردار ہے، جو شخص اس میں سے کچھ لینا چاہے وہ کتوں کے ساتھ رہنے پر صبر کرے۔

اسی سلسلے میں کہا گیا ہے:

يَا خَاطِبَ الدُّنْيَا اِلٰى نَفْسِهَا تَنَحَّ عَنْ خِطْبَتِهَا تَسْلَمِ

اِنَّ الَّتِيْ تَخْطُبُ غَدَّارَةٌ قَرِيْبَةُ الْعُرْسِ مِنَ الْمَاتَمِ

ترجمہ: (۱)...اے دنیا کو نکاح کا پیغام دینے والے اس سے باز آجا سلامتی میں رہے گا۔

(۲)...یہ دنیا جسے تو نکاح کا پیغام دے رہا ہے دھوکے باز ہے اور یہ شادی کی تقریب عنقریب ماتم میں بدلنے والی ہے۔

دنیا کے ذلیل ہونے کی وجہ:

﴿20﴾... حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک دنیا ذلیل اس وجہ سے ہے کہ اس پر اس کی نافرمانی کی جاتی ہے اور جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں ہے اس کا حصول دنیا کو چھوڑنے پر ہی موقوف ہے۔

اسی سلسلے میں کہا گیا ہے:

اِذَا امْتَحَنَ الدُّنْيَا لَبِيْبٌ تَكَشَّفَتْ لَهٗ عَنْ عَدُوٍّ فِيْ ثِيَابِ صَدِيْقٍ

ترجمہ: اگر کوئی عقل مند شخص دنیا کا امتحان لے تو یہ اسے دوست کے لباس میں دشمن نظر آئے گی۔

یہ بھی کہا گیا ہے:

یَا رَاقِدَ اللَّیْلِ مَسْرُوْرًا بِاَوَّلِہٖ	اِنَّ الْحَوَادِثَ قَدْ یَطْرُقْنَ اَسْحَارَا
اَفْنَی الْقُرُوْنَ الَّتِیْ کَانَتْ مُنَعَّمَۃً	کَرُّ الْجَدِیْدَیْنِ اِقْبَالًا وَّ اِدْبَارَا
کَمْ قَدْ اَبَادَتْ صُرُوْفُ الدَّھْرِ مِنْ مَلِکٍ	قَدْ کَانَ فِی الدَّھْرِ نَفَّاعًا وَّ ضَرَّارَا
یَامَنْ یُّعَانِقُ دُنْیَا لَابَقَاءَ لَھَا	یُمْسِیْ وَیُصْبِحُ فِیْ دُنْیَاہُ سَفَّارَا
ھَلَّا تَرَکْتَ مِنَ الدُّنْیَا مُعَانَقَۃً	حَتّٰی تُعَانِقَ فِی الْفِرْدَوْسِ اَبْکَارَا
اِنْ کُنْتَ تَبْغِیْ جِنَانَ الْخُلْدِ تَسْکُنُھَا	فَیَنْبَغِیْ لَکَ اَنْ لَّا تَاْمَنَ النَّارَا

ترجمہ: (۱)...اے رات کے اول حصے میں خوش ہو کر سونے والے حوادثات کبھی سحر کے وقت بھی دستک دیتے ہیں۔

(۲)...کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جو خوشحال تھیں انہیں زمانے کے عروج وزوال نے فنا کر دیا۔

(۳)...کتنے ہی بادشاہ ایسے ہیں جو زمانے میں نفع ونقصان کے مالک تھے انہیں زمانے کی گردشوں نے ختم کر دیا۔

(۴)...اے ناپائیدار دنیا کو گلے لگانے والے تُو تو اس دنیا میں صبح وشام مسافر کی طرح کرتا ہے۔

(۵)...تو نے جنت میں حوروں کو گلے لگانے کے لئے دنیا کو گلے لگانا ترک کیوں نہ کیا۔

(۶)...اگر تو دائمی جنت میں رہنا چاہتا ہے تو جہنم سے بے خوف مت رہ۔

شیطانی جال:

﴿21﴾... حضرت سیِّدُنا ابواُمامہ باہلی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جب رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مبعوث ہوئے تو شیطان کے پاس اس کا لشکر آیا اور کہنے لگا: ایک نبی کی تشریف آوری ہوئی ہے اور ایک امت ظاہر ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا: وہ دنیا سے محبت رکھتی ہے؟ شیطانی لشکر نے کہا: ہاں! اس نے کہا: اگر وہ دنیا سے محبت رکھتے ہیں تو مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ وہ بت پرستی میں مبتلا نہیں اور میں صبح وشام تین باتیں لے کر ان کے پاس جاؤں گا: (۱) ناحق مال لینا (۲) ناحق مقام پر خرچ کرنا اور (۳) ناحق مال کو روکنا اور یہ (دنیا کی محبت) ایسی برائی ہے کہ تمام برائیاں اس سے پیچھے ہیں۔

دنیا کے حلال میں حساب اور حرام میں عذاب ہے:

﴿22﴾... ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم سے عرض کی: اے امیر المومنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ! ہمیں دنیا کی تعریف بتائیے۔ فرمایا: میں ایسی چیز کی کیا تعریف کروں جہاں صحت مند بیمار، بے خوف نادم، محتاج غم زدہ اور مال دار آزمائش میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے حلال میں حساب، حرام میں عذاب اور متشابہ میں عتاب ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ سے دوبارہ یہی بات پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: میں اسے تفصیل سے بیان کروں یا مختصر؟ عرض کی گئی: مختصر ہی بیان کر دیجئے۔ فرمایا: اس کے حلال میں حساب اور حرام میں عذاب ہے۔

﴿23﴾... حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: اس جادو گرنی (یعنی دنیا) سے بچو کہ یہ تو علما کے دلوں پر بھی اپنا جادو کر دیتی ہے۔

﴿24﴾... حضرت سیِّدُنا سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: جب دل میں آخرت ہوتی ہے تو دنیا آکر مزاحمت کرتی ہے اور جب دل میں دنیا ہوتی ہے تو آخرت آکر اس کا مقابلہ نہیں کرتی کیونکہ آخرت معزز اور دنیا ذلیل ہے یہ قول بڑی شدت کا حامل ہے۔ (حضرت سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَالِی فرماتے ہیں:) میرے خیال میں اس سلسلے میں سیّار بن حکم[1] کا قول زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ،

﴿25﴾... حضرت سیِّدُنا سیار بن حکم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: دنیا اور آخرت ایک دل میں جمع ہوتے ہیں ان میں سے جو غالب آجائے دوسرا اس کے تابع ہو جاتا ہے۔

﴿26﴾... حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: جتنا تم دنیا کے لئے غمگین ہو گے اسی قدر فکرِ آخرت تمہارے دل سے نکل جائے گی اور جس قدر تم فکرِ آخرت کرو گے اسی قدر تمہارے دل سے دنیا کی فکر نکل جائے گی۔

---

[1]... علامہ سیّد محمد بن محمد حسینی مرتضٰی زَبیدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: احیاء العلوم کے تمام نسخوں میں "سیار بن حکم" ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ "سیار ابو الحکم بصری" ہیں جنہیں "یسار بن ابی یسار" کہا جاتا ہے ان کا نام "وردان" اور بعض نے کہا: "ورد" یا "دینار" ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۵۲۲)

اس بات سے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم کے درج ذیل قول کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ،

دو سوکنیں:

﴿27﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: دنیا اور آخرت ایک دوسری کی سوکنیں ہیں جس قدر ایک سے راضی ہو گے اسی قدر دوسری ناخوش ہو گی۔

﴿28﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں نے کچھ ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جن کے نزدیک دنیا اس خاک سے بڑھ کر نہیں جس پر تم چلتے ہو۔ انہیں اس کی کوئی پروا نہیں کہ دنیا کس پر طلوع ہوتی اور کس پر غروب اور کس طرف سے آتی اور کدھر چلی جاتی ہے۔

﴿29﴾... ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے دریافت کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جسے اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے مال دیا ہو اور وہ اس سے صدقہ اور صلہ رحمی کرتا ہے، کیا وہ خود بھی اس سے خوشحالی کے ساتھ گزر بسر کر سکتا ہے۔ فرمایا: اگر اسے تمام دنیا بھی مل جائے پھر بھی اسے اس دنیا سے بقدر کفایت ہی لینا چاہئے اور باقی آخرت کے لئے آگے بھیج دینا چاہئے۔

﴿30﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیْل بن عِیاض رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اگر تمام دنیا مجھے حلال طریقے سے دے دی جائے اور آخرت میں مجھے اس کا حساب بھی نہ دینا پڑے تو بھی میں اس سے اس طرح بچوں گا جس طرح تم میں کوئی مرے ہوئے جانور کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنے کپڑے بچا کر گزرتا ہے۔

سیِّدُنا ابو عُبَیدہ بن جَرّاح رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی سادگی:

﴿31﴾... جب امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ملک شام تشریف لے گئے تو حضرت سیِّدُنا ابو عُبَیدہ بن جَرّاح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ان کا استقبال کیا اور سلام اور خیریت دریافت کی، اس وقت حضرت سیِّدُنا ابو عُبَیدہ بن جَرّاح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ایک اونٹنی پر سوار تھے جس کی مُہار (نکیل) سوکھی ہوئی گھاس کی تھی۔ جب امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ان کی رہائش گاہ پر تشریف لائے تو

وہاں تلوار، ڈھال اور کجاوے کے سوا کچھ نہ دیکھا تو ان سے فرمایا: اگر آپ گھر میں کچھ سازو سامان رکھ لیتے تو کیا حَرَج تھا؟ عرض کی: اے امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ! یہ سامان تو ہمیں راحتوں ہی کا عادی بناتا ہے۔

﴿32﴾... حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: دنیا سے جسم کی ضرورت کے مطابق لو اور دل کے لئے آخرت حاصل کرو۔

﴿33﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: خدا عَزَّوَجَلَّ کی قسم! بنی اسرائیل نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے بعد بتوں کی پوجا دنیا کی محبت کے سبب کی تھی۔

عقل مندوں کی غنیمت اور جاہلوں کی غفلت:

﴿34﴾... حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ دنیا عقل مندوں کے لئے غنیمت اور جاہلوں کے لئے غفلت ہے وہ اس دنیا کو پہچانے بغیر ہی کوچ کر جاتے ہیں پھر وہ واپس آنا چاہتے ہیں مگر نہیں آسکتے۔

﴿35﴾... حضرت سیِّدُنا لقمان حکیم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے بیٹے! جب سے تو دنیا میں پیدا ہوا ہے وہ تجھ سے پیٹھ پھیرے جا رہی ہے جبکہ آخرت سامنے آتی جا رہی ہے، لہٰذا تو اس گھر کے زیادہ قریب ہے جو تیرے قریب آرہا ہے اس کے نہیں جس سے تو دور ہو رہا ہے۔

﴿36﴾... حضرت سیِّدُنا سعید بن مسعود رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ اس کی دنیا بڑھ رہی ہے اور آخرت کم ہو رہی ہے اور وہ اس پر راضی بھی ہے تو وہ شخص خسارے میں ہے، اپنی زندگی سے کھیل رہا ہے اور اسے اس کا ذرا بھی احساس نہیں۔

﴿37﴾... حضرت سیِّدُنا عَمْرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بَرسرِ منبر فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں نے تم لوگوں سے بڑھ کر کسی کو اس چیز میں رغبت کرتے نہیں دیکھا جس سے رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دُور رہتے تھے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! آپ پر تین دن بھی نہ گزرتے تھے کہ آپ کا قرض آپ کے موجودہ مال سے بڑھ جاتا۔[1]

---

[1] ... المستدرک، کتاب الرقاق، باب اربع اذا کُن فیک... الخ، ۵/ ۴۴۸، حدیث: ۷۹۵۱

دنیا میں مشغول ہونے سے بچو:

﴾38﴿... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے یہ آیت مُقَدَّسہ تلاوت فرمائی:

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (پ۲۱، لقمٰن: ۳۳) ترجمۂ کنزالایمان: تو ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی۔

پھر فرمایا: یہ کس کا فرمان ہے؟ اسی کا جس نے اس دنیا کو پیدا کیا اور وہ اس کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔ دنیا میں مشغول ہونے سے بچو کیونکہ دنیا کے مشاغل بہت زیادہ ہیں بندہ خود پر مشغولیت کا ایک دروازہ کھولتا ہے تو اس پر مشغولیت کے 10 دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

قابلِ رحم ہے وہ شخص جو...!

﴾39﴿... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی ہی سے منقول ہے کہ انسان قابلِ رحم ہے کہ وہ اس گھر پر راضی ہے جس کے حلال میں حساب اور حرام میں عذاب ہے، اگر حلال کماتا ہے تو حساب کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر حرام کماتا ہے تو عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ وہ اپنے مال کو کم سمجھتا ہے لیکن اپنے عمل کو کم نہیں سمجھتا، دینی مصیبت پر خوش ہوتا ہے جبکہ دنیاوی مصیبت پر روتا چلاتا ہے۔

﴾40﴿... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز کو ایک خط لکھا جس میں سلام کے بعد فرمایا: خود کو ان لوگوں میں سے آخری تصور کیجئے جنہیں موت نے آلیا ہے اور وہ مردہ شمار ہوچکے۔ حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز نے جواب میں لکھا: آپ خود کو یوں خیال کیجئے گویا کہ آپ دنیا میں تھے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے آخرت میں ہیں۔

﴾41﴿... حضرت سیِّدُنا فُضَیْل بن عِیَاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: دنیا میں داخل ہونا آسان ہے لیکن اس سے نکلنا مشکل ہے۔

﴾42﴿... ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ❀... اس شخص پر تعجب ہے جو موت کو برحق جانتا ہے پھر بھی خوش ہوتا ہے، ❀... اس شخص پر تعجب ہے جو جہنم کو حق سمجھتا مگر پھر بھی ہنستا ہے، ❀... اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا کو اپنے اہل سے بے وفائی کرتے دیکھتا ہے پھر بھی اس پر مطمئن ہے اور ❀... اس شخص پر بھی تعجب ہے جو تقدیر کو حق سمجھتا ہے مگر پھر بھی تکلیف اٹھاتا ہے۔

دنیا کو کیسا پایا؟

﴿43﴾... حضرت سیِّدُنا امیرِ مُعاوِیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس نجران کا ایک شخص آیا جس کی عمر 200 سال تھی۔ آپ نے اس سے پوچھا: تم نے دنیا کو کیسا پایا؟ اس نے کہا: کچھ برس مصیبت کی نظر ہو گئے اور کچھ آرام وسکون سے گزر گئے، دن رات یوں ہی گزرتے چلے گئے، پیدا ہونے والے پیدا ہوتے رہے اور مرنے والے دنیا سے کوچ کرتے رہے۔ اگر بچے پیدا نہ ہوتے تو مخلوق ختم ہو جاتی اور اگر کوئی شخص فوت نہ ہوتا تو دنیا لوگوں کے لئے تنگ ہو جاتی۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اس شخص سے فرمایا: جو چاہتے ہو مانگو۔ اس شخص نے کہا: میری عمر لوٹا دیجئے یا موت کو مجھ سے دور کر دیجئے۔ فرمایا: یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ اس شخص نے کہا: پھر مجھے آپ سے کوئی حاجت نہیں۔

﴿44﴾... حضرت سیِّدُنا داود طائی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اے ابنِ آدم! تو اپنی آرزو کی تکمیل پر خوش ہوتا ہے جبکہ اپنی عمر کا ایک حصہ خرچ کر کے تو نے یہ آرزو پائی ہے پھر تو عمل میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہے گویا اس کا نفع تجھے نہیں کسی اور کو ملے گا۔

﴿45﴾... حضرت سیِّدُنا بِشر بن حارِث حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: جو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دنیا طلب کرتا ہے وہ اس کے سامنے حساب کے لئے زیادہ دیر ٹھہرنے کا سوال کرتا ہے۔

﴿46﴾... حضرت سیِّدُنا ابو حازِم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: دنیا کی جو چیز بھی تمہیں خوش کرتی ہے اس کے ساتھ تکلیف ضرور ہوتی ہے۔

تین چیزوں کی حسرت:

﴿47﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: انسان جب دنیا سے جاتا ہے تو اسے تین چیزوں کی حسرت ہوتی ہے: (۱)... جو کچھ اس نے جمع کیا اس سے سیر نہ ہو سکا۔ (۲)... اپنی خواہش کی تکمیل نہ کر سکا اور (۳)... آخرت کے لئے تیاری نہ کر سکا۔

﴿48﴾... کسی عبادت گزار سے کہا گیا کہ آپ تونگری کو پہنچ چکے ہیں۔ عبادت گزار نے کہا: تونگری اسے نصیب ہوتی ہے جو دنیا کی غلامی سے آزاد ہو جائے۔

﴿49﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: دنیا کی خواہشات سے وہی شخص رُک سکتا ہے جس کا دل آخرت میں مشغول ہو۔

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع نہ کرنے کی وجہ:

﴿50﴾... حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: ہم سب دنیا کی محبت میں گرفتار ہو گئے اس لئے ایک دوسرے کو نیکی کا حکم نہیں دیتے اور نہ ہی ایک دوسرے کو برائی سے منع کرتے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمارا یہ قصور معاف نہیں کرے گا اور معلوم نہیں کہ وہ ہم پر کون سا عذاب نازل کرے گا۔

﴿51﴾... حضرت سیِّدُنا ابو حازِم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: تھوڑی سی دنیا کثیر آخرت سے دُور کر دیتی ہے۔

دنیا کو ذلیل خیال کرو:

﴿52﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: دنیا کو ذلیل خیال کرو۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اس سے بڑھ کر ذلیل کوئی چیز نہیں۔ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی بندے کے لئے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دنیا کی کوئی نعمت دینے کے بعد روک لیتا ہے اور جب وہ ختم ہو جاتی ہے تو اسے دوبارہ دیتا ہے اور جو بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک حقیر ہوتا ہے وہ اس کے لئے دنیا کشادہ کر دیتا ہے۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ یوں دعا کیا کرتے تھے: یَا مُمْسِکَ السَّمَآءِ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِکَ اَمْسِکِ الدُّنْیَا عَنِّی یعنی اے وہ ذات! جو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے مگر جب تیرا اِذن ہو، دنیا کو مجھ سے روک دے۔

﴿53﴾... حضرت سیِّدُنا محمد بن مُنْکَدِر رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے عمر بھر روزہ رکھا ناغہ نہ کیا، رات بھر قیام کیا سویا نہیں، اپنے مال کو صَدَقہ کیا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حرام کردہ چیزوں سے بچتا رہا ان اعمال کے باوجود اسے قیامت میں لا کر کہا جائے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی نگاہ میں اس چیز کو عظیم خیال کیا جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حقیر کیا اور اسے حقیر سمجھا جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے عظیم کیا اب بتاؤ اس کا انجام کیا ہو گا؟ اور ہم میں سے کون ایسا ہے کہ جس کے نزدیک دنیا عظیم نہیں اور ساتھ ہی سر پر گناہوں کا بوجھ بھی نہیں؟

﴿54﴾... حضرت سیِّدُنا ابوحازِم رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: دنیا و آخرت کا معاملہ شدت اختیار کر گیا، آخرت کا معاملہ تو یوں شدت اختیار کر گیا کہ تم اس پر کسی کو مدد گار نہیں پاتے اور دنیاوی معاملہ یوں شدت اختیار کر گیا کہ تم دنیا کی جس چیز کی طرف بھی ہاتھ بڑھاؤ گے تو کسی فاسق کو اس کی طرف سبقت کرتا پاؤ گے۔

﴿55﴾... حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: دنیا آسمان و زمین کے درمیان پرانے مشکیزے کی صورت میں لٹکی ہوئی ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جس دن سے اسے پیدا کیا ہے اس دن سے فنا ہونے تک یوں پکارتی رہتی ہے: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! میں تجھے ناپسند کیوں ہوں؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: اے ناچیز! خاموش ہو جا۔

﴿56﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مبارَک رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: انسان کے دل کو دنیا کی محبت اور گناہ دونوں گھیرے رکھتے ہیں تو وہ کیسے بھلائی تک پہنچے گا؟

حکمت کو گم کر دیا:

﴿57﴾... حضرت سیدنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جس نے اپنے دل کو دنیا کی کسی چیز کے ساتھ خوش کیا تو اس نے حکمت کو گم کر دیا اور جس نے اپنی خواہش کو قدموں تلے روندا تو شیطان اس کے سائے سے بھی دور ہو گیا اور جس نے اپنے علم کو اپنی خواہش پر غالب رکھا تو وہ ہی غالب ہے۔

﴿58﴾... حضرت سیِّدُنا بِشر بن حارِث حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الْکَافِی کو بتایا گیا کہ فلاں شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔ تو آپ رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اس نے دنیا کو جمع کیا اور اپنے نفس کو ضائع کر کے آخرت کی طرف چلا گیا۔ عرض کی گئی: وہ تو فلاں فلاں عمل کرتا تھا اور اس کے مختلف نیک اعمال کا ذکر کیا گیا تو فرمایا: جب وہ دنیا جمع کرتا تھا تو یہ اعمال اسے کیسے فائدہ پہنچائیں گے۔

﴿59﴾... ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہم دنیا کو دشمن خیال کرنے کے باوجود اس سے محبت کرتے ہیں اگر اسے دوست سمجھتے تو پھر کیا حال ہوتا۔

﴿60﴾... کسی دانا (عقل مند) سے پوچھا گیا کہ دنیا کس کے لئے ہے؟ تو جواب ملا: جو شخص اسے چھوڑ دے۔ پوچھا گیا: آخرت کس کے لیے ہے؟ فرمایا: جو اسے طلب کرے۔

ویران اور آباد دل:

﴿61﴾... ایک دانا کا قول ہے کہ دنیا ویران اور خراب گھر کی طرح ہے اور اس سے زیادہ ویران وہ دل ہے جو اسے آباد کرتا ہے اور جنت ایک آباد مکان کی طرح ہے اور اس سے بھی زیادہ آباد وہ دل ہے جو اسے طلب کرتا ہے۔

سیِّدُنا امام شافعی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی نصیحت:

﴿62﴾... سیِّدُ الطائفہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو دنیا میں حق گوئی سے مشہور تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک دینی بھائی کو نصیحت کی اور اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف دلاتے ہوئے کہا کہ دنیا لغزش کی جگہ اور ذلت کا مقام ہے، اس کی عمارتیں ویرانی کی طرف اور رہنے والے قبروں کی طرف جا رہے ہیں، اس میں اکٹھے رہنے والے لوگ ایک دن جدا ضرور ہوں گے، اس کی مالداری فقر اور کثرت تنگدستی کا باعث ہے اور اس میں تنگدستی فراخی کا باعث ہے۔ تو تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ رہو، اس کے رزق پر راضی رہو اور باقی رہنے والے گھر کو فنا ہونے والے گھر پر ترجیح دو کیونکہ تمہاری زندگی ڈھلتے ہوئے سائے اور گرتی ہوئی دیوار کی طرح ہے، لہٰذا عمل زیادہ کرو اور امیدیں کم رکھو۔

ایک درہم اور ایک دینار:

﴿63﴾... حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے ایک شخص سے پوچھا: کیا خواب میں ملنے والا ایک درہم تجھے زیادہ پسند ہے یا بیداری میں ملنے والا ایک دینار؟ اس نے کہا: بیداری میں ملنے والا دینار زیادہ پسند ہے۔ فرمایا: تو جھوٹا ہے کیونکہ دنیا میں جو تمہیں پسند ہے گویا کہ وہ تمہاری خواب کی پسند ہے اور آخرت کے معاملے میں جو تمہیں ناپسند ہے گویا کہ وہ تمہاری بیداری کی ناپسند ہے۔

دنیا کا سب سے بُرا نام:

﴿64﴾... حضرت سیِّدُنا اسماعیل بن عَیَّاش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب دنیا کو خنزیر کے نام سے پکارتے ہوئے کہتے ہیں: اے خنزیر! ہم سے دور ہو۔ اگر انہیں اس سے بھی برا نام ملتا تو وہ دنیا کو اسی نام سے پکارتے۔

﴿65﴾... حضرت سیِّدُنا کعب بن عاصم رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: تمہیں دنیا اس قدر محبوب کر دی جائے گی کہ تم دنیا اور دنیا والوں کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگ جاؤ گے۔

عقل مند تین ہیں:

﴿66﴾... حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْهَادِی فرماتے ہیں: عقل مند تین ہیں: (۱)...جو دنیا کو چھوڑ دے اس سے پہلے کہ دنیا اسے چھوڑ دے۔ (۲)...جو قبر میں جانے سے پہلے اس کی تیاری کر لے۔ (۳)...جو رب عَزَّوَجَلَّ سے ملنے سے پہلے اسے راضی کر لے۔ مزید فرماتے ہیں: دنیا اس قدر منحوس ہے کہ محض اس کی تمنا ہی اطاعتِ الٰہی سے روک دیتی ہے تو پھر اس میں مُنْہَمِك ہونے والے کا کیا حال ہے؟

﴿67﴾... حضرت سیِّدُنا بکر بن عبد الله مُزَنِی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْغَنِی فرماتے ہیں: جو شخص دنیا سے بچنے کے لئے دنیا اختیار کرتا ہے اس کی مثال بھوسے سے آگ بجھانے والے شخص کی سی ہے۔

شیطان کے مسخرے اور انمول پتھر کی مانند:

﴿68﴾... حضرت سیِّدُنا ابو الحسین بندار عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: جب تم دنیاداروں کو زُہد و تقویٰ کے متعلق گفتگو کرتے دیکھو تو جان لو کہ وہ شیطان کے مسخرے ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا: جو شخص دنیا کی طرف متوجہ ہو گا اسے اس کی آگ یعنی حرص جلا کر راکھ کر دے گی اور جو آخرت کی طرف متوجہ ہو گا اسے اس کی حرارت ڈھلے ہوئے سونے کی طرح کر دے گی جس سے نفع اٹھایا جاتا ہے اور جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہوتا اسے توحید کی حرارت انمول پتھر کی مانند بنا دیتی ہے جس کی قیمت کوئی ادا نہیں کر سکتا۔

دنیا چھ چیزیں ہیں:

﴿69﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: دنیا چھ چیزیں ہیں: (۱)...غذا (۲)...مشروب (۳)...لباس (۴)...سواری (۵)...نکاح اور (۶)...خوشبو۔ سب سے اعلیٰ کھانا شہد ہے اور وہ مکھی کا لعاب ہے۔ سب سے اعلیٰ مشروب پانی ہے اور اس کے پینے میں نیک و بد سب برابر ہیں۔ اعلیٰ لباس ریشم ہے اور وہ کیڑے کے لعاب سے بنتا ہے۔ سب سے اعلیٰ سواری گھوڑا ہے اور اس پر سوار ہو کر آدمیوں

کو قتل کیا جاتا ہے۔ نکاح میں اہم چیز عورت سے صحبت کرنا ہے اور یہ شرم گاہ کا شرم گاہ سے ملنا ہے اور عورت اپنے بدن کے سب سے اچھے حصے کو سنوارتی ہے لیکن اس کے سب سے بُرے مقام کا ارادہ کیا جاتا ہے اور سب سے اعلیٰ خوشبو کستوری ہے اور وہ (ہرن کا) خون ہے۔

باب نمبر2: دنیا کی صفت (اس میں دو فصلیں ہیں)

پہلی فصل: دنیا کی مذمت اور صفت پر مشتمل وعظ ونصیحت

ایک بزرگ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: اے لوگو! ٹھہر ٹھہر کر عمل کرو، اللّٰه عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتے رہو، امیدوں سے دھوکا نہ کھاؤ، موت کو مت بھولو، دنیا کی طرف رغبت نہ کرو کہ یہ غدار اور دھوکے باز ہے، بَن سنور کر تمہارے سامنے آتی، اپنی خواہشات کے ذریعے تمہیں فتنے میں مبتلا کرتی ہے اور اپنے چاہنے والوں کے لئے اس طرح مُزَیَّن ہوتی ہے جس طرح دلہن سجتی سنورتی ہے کہ لوگوں کی نگاہیں اس پر پڑتی، دل اس پر فریفتہ ہوتے اور نفس اس کے عشق میں مبتلا ہوتے ہیں، اس نے کتنے ہی عاشقوں کو ہلاک کر دیا، جنھوں نے اس پر بھروسا کیا انہیں ذلیل ورسوا کر دیا، لہٰذا اسے حقیقت کی نظر سے دیکھو کیونکہ یہ کثیر خرابیوں کا گھر ہے، اس کے خالق نے اس کی مذمت کی ہے، اس کی نئی چیز پرانی ہونے والی ہے، اس کا مالک فنا ہونے والا ہے، اس کا عزت دار رسوا ہونے والا ہے، اس کا کثیر کم ہونے والا ہے، اس میں زندہ مرنے والا ہے اور اس کی خیر ختم ہونے والی ہے۔ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ تم پر رحم فرمائے! خواب غفلت سے جاگو اور آنکھیں کھولو اس سے پہلے کہ یہ کہا جائے کہ فلاں بیمار ہے اور اس کا مرض بڑھ گیا ہے اور پھر یہ کہا جائے کہ اسے کوئی دوائی وغیرہ دی جائے اور اس کے لئے کسی طبیب کو بلایا جائے تو تمہارے لئے طبیبوں کو بلایا جائے لیکن وہ تمہاری صحت سے نہ امید ہو جائیں، پھر کہا جائے فلاں نے مال کی تقسیم اور وصیت کر دی ہے، پھر کہا جائے کہ فلاں کی زبان بند ہو گئی ہے، نہ وہ اپنے بھائیوں سے بات چیت کر رہا ہے اور نہ اپنے پڑوسیوں کو پہچان رہا ہے۔ اس وقت تمہاری پیشانی پسینے سے تر ہو جائے گی اور پے در پے آہوں سے تم مُضْطَرِب ہو جاؤ گے اور تمہیں موت کا یقین ہو جائے گا، تمہاری پلکیں بند ہو جائیں گی، موت کے متعلق تمہارا گمان یقین میں بدل جائے گا، تمہاری زبان لڑکھڑا جائے گی اور بھائی بہن سب رونے لگ جائیں گے۔ تمہیں کہا جائے گا یہ تیرا بیٹا ہے، یہ تیرا بھائی ہے لیکن تم کوئی جواب نہ دے سکو گے اور زبان پر خاموشی کی مُہر لگ جائے گی پھر تم پر

موت طاری ہو جائے گی اور تمہارے جسم سے روح نکل کر آسمان کی طرف بلند ہو جائے گی، تمہارے دوست واحباب جمع ہوں گے اور تمہارے لئے کفن تیار کیا جائے گا اور غسل دے کر تمہیں پہنایا جائے گا اور پھر تمہاری عِیادت ختم ہو جائے گی، حاسِدین تمہارے مرنے پر خوش ہوں گے، اہل وعیال تمہارے مال کی طرف متوجہ ہو جائیں گے جبکہ تم اپنے اعمال میں گروی ہو گے۔

دنیا کی مذمت اور دشمنی کے زیادہ حق دار لوگ:

ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه نے کسی بادشاہ سے فرمایا: دنیا کی مذمت اور دشمنی کے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جن کے لئے دنیا پھیلا دی گئی اور ان کی حاجتیں پوری کی گئیں کیونکہ ایسے ہی لوگوں کو ڈر رہتا ہے کہ ان کا مال آفت کی نظر ہو کر ہلاک نہ ہو جائے، جمعیت مُنْتَشِر نہ ہو جائے، سلطنت کی بنیادیں وقت کے زلزلوں سے ہل نہ جائیں، جسمانی اعضاء کسی مرض کا شکار نہ ہو جائیں اور ایسی چیز کے جانے کا غم نہ اٹھانا پڑے جسے اپنے دوستوں سے چھپا کر رکھتے ہیں، دنیا زیادہ قابل مذمت ہے کہ وہ جو کچھ دیتی ہے اسے واپس لے لیتی ہے، ہِبہ کرتی ہے تو اس میں رجوع کرتی ہے اگر کسی کو ہنساتی ہے تو دوسروں کو اس پر بھی ہنساتی ہے اور اگر کسی کے لئے روتی ہے تو کسی کو رلاتی بھی ہے، اگر کسی کو دینے کے لئے ہاتھ کھولتی ہے تو فوراً بند بھی کر لیتی ہے، ایک دن سر پر تاج رکھتی ہے تو دوسرے دن سر کو خاک آلود بھی کرتی ہے، اس کے لئے جانے اور باقی رہنے والے سب برابر ہیں وہ باقی رہنے والوں میں جانے والوں کا نائب ڈھونڈ لیتی ہے اور ہر ایک سے اس کے بدل پر راضی ہو جاتی ہے۔

نصیحتوں بھرا خط:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ القَوِی نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ العَزِیز کو خط لکھا: دنیا سفر کی جگہ ہے ٹھہرنے کی نہیں، انسان کو آزمائش کے لئے زمین پر اتارا گیا ہے، لہٰذا اے امیر المومنین! اس سے بچیں آخرت کا زادِ راہ اس کا چھوڑنا ہی ہے، یہاں کی مال داری آخرت کی محتاجی ہے، یہ ہر لمحہ کسی نہ کسی کو ہلاک کرتی ہے، جو اس کی عزت کرتا ہے اسے ذلیل کرتی ہے، جو اسے جمع کرتا ہے اسے محتاج کرتی ہے، یہ زہر کی مانند ہے کہ جو اسے نہیں جانتا کھاتا ہے جس کے باعث اس کی موت ہو جاتی ہے، لہٰذا آپ دنیا

میں اس زخمی مریض کی طرح رہیں جو زخم کے اچھا ہونے کی امید پر دوا کی کڑواہٹ برداشت کرتا ہے تاکہ بیماری میں اضافہ نہ ہو،پس آپ اس دنیا سے بچیں جو غدار، فریبی اور اپنی زیب وزینت سے لوگوں کو دھوکا دینے والی، فتنے میں مبتلا کرنے والی اور امیدیں دلا کر ہلاک کرنے والی ہے، یہ اپنے چاہنے والوں کے لئے اس طرح آراستہ ہوتی ہے جس طرح سج دھج کر دلہن آراستہ ہوتی ہے، جس کی طرف نگاہیں اٹھتی، دل فریفتہ ہوتے اور لوگ اس کے عاشق ہوتے ہیں حالانکہ یہ اپنے چاہنے والوں کو قتل کرنے والی ہے، باقی رہنے والے لوگ اب گزرے ہوئے لوگوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے، بعد میں آنے والے اگلوں کے انجام سے نصیحت نہیں پکڑتے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت رکھنے والے دنیا کے معاملے میں کسی کی نصیحت کا اثر نہیں لیتے، دنیا کا عاشق اسے پاکر بھی دھوکا کھاجاتا اور سرکش بن کر اپنی آخرت کو فراموش کر دیتا ہے، اس کی عقل دنیا کی محبت میں اس قدر منہمک ہوجاتی ہے کہ اس کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں پھر اس کی شرمندگی میں اِضافہ ہوجاتا اور حسرت بڑھ جاتی ہے، موت درد والَم کی سختی لئے اس پر جمع ہوجاتی ہے اور اس پر رنج وغم کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اس میں رغبت رکھنے والا مطلوب کو حاصل نہیں کرپاتا اور نہ اپنے نفس کو تھکاوٹ ومشقت سے آرام دے پاتا ہے، وہ بغیر توشہ لئے اور تیاری کئے اس دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔

اے امیر المؤمنین! دنیا سے بچئے جو کچھ اس میں ہے جب اس پر خوشی زیادہ ہو تو اس کے انجام سے ڈریئے کیونکہ دنیادار جب اس سے مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے تو یہ اسے تکلیف میں مبتلا کرتی ہے، اس میں آج خوش ہونے والا فریب میں ہے، اس میں آج نفع اٹھانے والا کل نقصان اٹھائے گا، اس کا راحت وسکون مصائب وآلام کے بغیر نہیں ملتا، اس کی بقا درحقیقت فنا ہے، اس کی خوشی میں غموں کی ملاوٹ ہے، اس سے جو جاچکا ہے وہ واپس نہیں لوٹ سکتا اور اس میں رہتے ہوئے یہ معلوم نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے تاکہ اس کا انتظار کیا جائے، اس کی امیدیں جھوٹی اور آرزوئیں باطل ہیں، اس کی صفائی ونکھار میں گدلاپن اور اس کی زندگی تنگ ہے، انسان اس میں ہر وقت خطرے میں ہے، اگر غور وفکر سے کام لے تو اسے نعمتوں کے چھن جانے کا خوف الگ اور مصیبتوں کے نازل ہونے کا ڈر الگ ہے، بالفرض اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دنیا کے متعلق خبر نہ دی ہوتی اور اس کی حقیقت واضح کرنے کے لئے مثالیں بیان نہ کی ہوتیں تو بھی یہ خود سونے والے کو جگانے کے لئے اور

غافل کو غفلت سے بیدار کرنے کے لئے کافی ہوتی حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے زَجر و توبیخ اور وَعظ و نصیحت آچکی ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک دنیا کی کوئی قدر و منزلت نہیں، جب سے اس نے اسے پیدا کیا ہے اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں کی اور حضورِ اکرم، شاہ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو دنیا کے تمام خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں[1] اگر آپ قبول فرماتے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہ آتی لیکن آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے (یعنی دنیا کو) قبول نہ فرمایا۔ کیونکہ آپ کو یہ بات بالکل پسند نہیں تھی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کی مخالَفت کریں یا اسے پسند کریں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کو پسند نہیں یا اسے عزت دیں جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حقیر کیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نیک لوگوں کی آزمائش کے لئے دنیا کو ان سے دور رکھا اور اپنے دشمنوں پر اسے پھیلا دیا تاکہ وہ فریب میں مبتلا رہیں اور جو شخص دنیا کے دھوکے میں مبتلا ہو جاتا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دنیا (کی آسائشوں) کے ذریعے اسے عزت بخشی ہے اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ معاملے کو بھول گیا کہ آپ نے بھوک کے سبب اپنے شکمِ اَطْہَر پر پتھر باندھے۔[2]

صالحین کے شعار کو مرحبا!

مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ اے موسیٰ! جب مال و دولت کو اپنی جانب آتے دیکھو تو کہو کہ کسی لَغزِش پر عِتاب جلدی ہو گیا اور جب فقر کو اپنی طرف آتا دیکھو تو کہو کہ صالحین کے شِعار کو مرحبا!

زمین میں مجھ سے بڑھ کر کوئی مال دار نہیں:

حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی اقتدا کرو آپ فرماتے ہیں: میرا سالن بھوک، میرا شِعار خوف، میرا لباس اُون، سردیوں میں میری انگیٹھی سورج کی دھوپ، میرا چراغ چاند ہے، میری سواری میرے پاؤں ہیں، میرا کھانا اور پھل وہ ہے جسے زمین اگاتی ہے۔ رات کو سوتا ہوں تو میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اور صبح اٹھتا ہوں تو بھی میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اس کے باوجود روئے زمین پر مجھ سے بڑھ کر کوئی مال دار بھی نہیں۔

---

[1]... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند المکیین، حدیث ابی مویھبۃ، ۵/ ۴۱۲، حدیث: ۱۵۹۹۷

[2]... الزھد لابن ابی الدنیا، ص ۵۱، حدیث: ۵۰

اولیاءُ اللہ کی قدر و منزلت:

حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: جب اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسٰی اور حضرت سیِّدُنا ہارون عَلَیْہِمَا السَّلَام کو فرعون کی طرف بھیجا تو ان سے ارشاد فرمایا: تم اس کے دنیاوی لباس سے مرعوب نہ ہونا، اس کی پیشانی میرے قبضے میں ہے اس کا گفتگو کرنا، آنکھ کا جھپکانا اور سانس لینا میرے حکم سے ہے اور تمہیں اس کی ظاہری شان وشوکت تعجب میں نہ ڈالے کہ یہ ظاہری دنیا کی چمک دمک اور مال دار لوگوں کی زینت ہے اگر میں چاہوں تو تمہیں دنیا کی زینت سے اتنا عطا کروں جسے دیکھ کر فرعون بھی اپنے آپ کو کم محسوس کرے اور میں ایسا کر سکتا ہوں لیکن میں تمہیں اس سے بے رغبت اور دور رکھنا چاہتا ہوں اور میں اپنے اولیا کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہوں کہ انہیں دنیاوی نعمتوں سے دور رکھتا ہوں جیسے کوئی شفیق چرواہا اپنی بکریوں کو ہلاکت میں ڈالنے والی چراگاہ سے دور رکھتا ہے یا اپنے اونٹوں کو خارش زدہ اونٹوں سے بچاتا ہے۔ ایسا میں اس وجہ سے نہیں کرتا کہ میرے نزدیک اولیا کی قدر و منزلت نہیں بلکہ اس لئے کہ آخرت کے جو انعام میں نے مقرر کر رکھے ہیں انہیں وہ پورے طور پر حاصل کریں۔ میرے اولیا عاجزی وانکساری، خوف وخشیت اور تقویٰ وپرہیزگاری کے ذریعے زینت حاصل کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور ان کے جسموں پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اوصاف ان کے لباس ہیں جسے وہ پہنتے ہیں اور چادر ہیں جسے وہ اوڑھتے ہیں اور یہی ان کا ضمیر ہے جسے وہ محسوس کرتے ہیں اور ان کی نجات ہے جس کے ذریعے کامیاب ہوتے ہیں اور ان کی امید ہے جس کی وہ توقع رکھتے ہیں اور ان کی بزرگی ہے جس پر وہ فخر کرتے ہیں اور ان کی نشانی ہے جس کے ذریعے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ جب تم ان سے ملو تو نرمی اور زبان ودل کی عاجزی سے پیش آؤ کیونکہ جو میرے ولی کو ڈراتا ہے وہ مجھ سے اعلانِ جنگ کرتا ہے جس کا قیامت کے دن میں اس سے بدلہ لوں گا۔

سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی رَضِیَ اللهُ عَنْه کا نصیحتوں بھرا خطبہ:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْكَرِیْم نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: یاد رکھو! تم مرنے والے ہو اور موت کے بعد تم دوبارہ اٹھائے جاؤ گے اور تمہارے اعمال پر تمہارا حساب موقوف ہے، اس کے مطابق ہی تمہیں جزا دی جائے گی، لہٰذا تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے جو مصائب سے

لبریز اور جس کا فنا ہونا معروف ہے اور دھوکا دہی اس کی صِفَت میں داخل ہے، جو کچھ اس میں ہے زوال پذیر ہے اور یہ اپنے اہل کے گرد گردش کرتی رہتی ہے، اس کے اَحوال یکساں نہیں اور اس کے رہائشی اس کے شر سے مامون نہیں، اس کے رہائشی خوشی و فرحت میں ہوتے ہیں کہ اچانک انہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے، اس کے احوال تبدیل ہوتے اور مراتب بدلتے رہتے ہیں، اس کی زندگی مذموم اور خوشی عارضی ہے، اس کے رہنے والے نشانے پر ہیں جنہیں یہ اپنے تیروں کا نشانہ بنا رہی ہے اور موت کے ذریعے ان کی زندگی کا خاتمہ کر رہی ہے، اس میں رہنے والے ہر شخص کے مقدر میں موت لکھ دی گئی ہے جو اسے پہنچ کر رہے گی۔

اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندو! جان لو کہ تم اور یہ دنیا جس میں تم رہتے ہو اس میں تمہارا حال گزرے ہوئے لوگوں کی طرح ہے جن کی عمریں تم سے زیادہ طویل تھیں اور وہ تم سے زیادہ قوت وطاقت والے تھے اور ان کی عمارتیں تمہاری عمارتوں کے مقابلے میں زیادہ مضبوط تھیں لیکن اب یہ حال ہے کہ طویل زمانہ گزرنے کے بعد ان کی آوازیں بھی دب کر رہ گئیں، ان کے جسم بوسیدہ ہو گئے، ان کے شہر الٹ گئے اور ان کے نام و نشان تک مٹ گئے، ان کے بلند و بالا محلات، تخت اور گاؤ تکیے اب قبروں کے پتھر اور چٹانوں سے بدل گئے، ان کی قبریں تو ایک دوسرے کے قریب ہیں لیکن قبر والے ایک دوسرے سے اجنبی ہیں، نہ ان کو آبادی سے اُنسیت ہے اور نہ وہ بھائیوں اور پڑوسیوں کی طرح رہتے ہیں، اگرچہ ان میں مکان کی قربت ہے لیکن دلوں کے فاصلے برقرار ہیں ان میں وصل کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مصیبتوں نے انہیں پیس ڈالا اور مٹی انہیں کھا گئی ہے، زندگی کے بعد وہ موت کا شکار ہو چکے، پُر تَعَیُّش زندگی کے بعد ان کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے اور وہ مٹی کے نیچے خاموش پڑے ہوئے ہیں اور دنیا سے ایسے گئے کہ اب واپس نہیں آسکتے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝

(پ۱۸، المؤمنون: ۱۰۰)

ترجمۂ کنزالایمان: ہشت (ہرگز نہیں) یہ تو ایک بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جس میں اٹھائے جائیں گے۔

گویا تمہارا بھی وہی حشر ہو گا جو ان کا ہوا، وہی قبر کی وحشت ہو گی اور گلنا سڑنا، وہی تمہاری خواب گاہ ہو گی جس میں آج وہ سو رہے ہیں اور وہی ٹھکانا ہو گا، اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم دیکھو گے کہ لوگوں کو

قبروں سے نکالا جارہا ہوگا اور سینوں کے رازوں کو ظاہر کیا جارہا ہوگا اور تمہیں عظیم و برتر بادشاہ کے روبرو کھڑا کیا جائے گا اور تمہارے دل گزشتہ گناہوں کے سبب دھڑک رہے ہوں گے، تم سے تمام پردوں کو دور کر دیا جائے گا اور تمہارے عیوب اور چھپے ہوئے گناہوں کو ظاہر کر دیا جائے گا، اس وقت ہر انسان اپنے کئے کا بدلہ پائے گا جیسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ارشاد ہے:

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ۚ (پ۲۷، النجم: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: تاکہ برائی کرنے والوں کو ان کے کئے کا بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے۔

نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ارشاد ہے:

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ (پ۱۵، الکہف: ۴۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور نامہ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں اور تمہیں اس کی کتاب پر عمل کرنے والا اور اس کے اولیا کی راہ پر چلنے والا بنائے تاکہ ہم اور تم اس کے فضل سے آخرت کا گھر پائیں بلاشبہ وہی تعریف اور بزرگی کے لائق ہے۔

ایام تیروں کی مثل ہیں:

کسی دانا (عقل مند) کا قول ہے کہ ایام تیروں کی مثل ہیں اور لوگ اس کے نشانے پر ہیں اور زمانہ روز تمہاری طرف تیر پھینکتا ہے، اس کے دن اور رات تمہیں لاغر و کمزور بنا رہے ہیں یہاں تک کہ کمزوری تمہارے تمام جسم پر چھا گئی ہے تو ایام کے جلد گزرنے کے ساتھ بدن کی سلامتی کیسے ممکن ہے؟ ایام کے گزرنے نے تمہارے اندر جو نقصان کیا ہے اسے اگر ظاہر کر دیا جائے تو تمہارے لئے ہر آنے والا دن آزمائش کا باعث ہو جائے گا اور ایک ایک گھڑی گزارنا مشکل ہو جائے گا لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تدبیر ہر تدبیر سے بلند ہے کہ انسان ان آفات کے باوجود انہیں بھول کر دنیاوی لذات سے فائدہ اٹھاتا ہے حالانکہ ان لذات کا ذائقہ ایلوے سے بھی زیادہ کڑوا ہے، جب کوئی حکیم اسے گوندھتا ہے تو اس کے ظاہر کو دیکھ کر کوئی بھی اس کا عیب بیان نہیں کر سکتا اور اس دنیا کے عجائبات اس قدر کثیر ہیں کہ کوئی واعظ بھی اس کا احاطہ نہیں

کر سکتا۔ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! ہمیں سیدھی راہ پر ثابت قدمی نصیب فرما۔

دنیا کا حال اور اس کے باقی رہنے کی مقدار:

ایک عاقل سے کسی نے دنیا کا حال اور اس کے باقی رہنے کی مقدار پوچھی تو اس نے کہا: دنیا اس قلیل مدت کا نام ہے جس میں تم پلک جھپکتے ہو کیونکہ جو گزر چکا ہے وہ آنے والا نہیں اور جو آنے والا ہے اس کے متعلق علم نہیں۔ زمانے میں ایک دن آتا ہے اور چلا جاتا ہے، رات اس کے ماتم میں سیاہ پوش رہتی ہے، ساعتیں یوں ہی گزرتی چلی جاتی ہیں اور حوادثات انسان پر آتے رہتے ہیں جو انسان میں تَغَیُّر و نقصان کا باعث بنتے ہیں اور زمانہ جماعتوں میں تفریق ڈالتا اور شیرازہ بکھیرتا اور اِقتِدار کو ایک سے دوسرے کی طرف منتقل کرتا ہے۔ دنیا میں امید تو لمبی ہوتی ہے لیکن عمر چھوٹی ہوتی ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف ہی تمام اُمور کا پھرنا ہے۔

سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا نصیحتوں بھرا خطبہ:

حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تمہیں ایک مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اگر (اسے چھوڑ کر) اس کی تصدیق کرتے ہو تو تم بیوقوف ہو اور اگر تکذیب (انکار) کرتے ہو تو ہلاکت میں پڑتے ہو، تمہیں ہمیشہ رہنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے لیکن یہاں نہیں بلکہ دوسرے عالَم میں۔ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندو! اس دنیا میں تمہارے گلے میں کھانا اٹک جاتا ہے، پانی پیتے ہو تو اُچھو[1] لگ جاتا ہے، ایک نعمت کے حصول پر تمہیں خوشی ہوتی ہے تو دوسری نعمت کے چلے جانے پر افسوس بھی ہوتا ہے، لہٰذا جس طرف تمہیں جانا ہے اس کے لئے تیاری کر لو۔ اِتنا کہنے کے بعد آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ پر گریہ طاری ہو گیا اور منبر سے اتر آئے۔

دنیا چھوڑنے کی نصیحت:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: میں تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتے رہنے اور دنیا کے چھوڑنے کی نصیحت کرتا ہوں جو تمہیں چھوڑنے والی ہے اگرچہ تم

[1]... کھانسی جو سانس کی نالی میں پانی وغیرہ پھنس جانے سے آنے لگتی ہے۔ (فیروز اللغات، ٧٣)

اسے چھوڑنا نہیں چاہتے، وہ تمہارے جسموں کو پُرانا کرنے والی ہے اور تم اسے نئی دیکھنا چاہتے ہو، تمہاری اور دنیا کی مثال اس قوم کی سی ہے جو سفر کے لئے کسی راہ پر چلیں اور اسے طے کرلیں یا پہاڑ پر چڑھیں اسے سر کرلیں اور راستہ آخر کار کسی منزل پر ختم ہو ہی جاتا ہے، موت تیزی کے ساتھ انسان کے پیچھے رواں ہے جو اسے آخر کار دنیا سے جدا کر دے گی، لہٰذا دنیا کی تکلیف اور نقصان پر پریشان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اسے ایک نہ ایک دن ختم ہونا ہے اور اس کے مال و متاع اور نعمتوں پر خوش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کی نعمتوں کو زوال ہے، مجھے دنیا کے طالب پر تعجب ہے کہ موت اس کی طلب میں ہے اور وہ غافل ہے جبکہ موت اس سے غافل نہیں۔

اہل علم نے دنیا کی حقیقت کو جان لیا:

حضرت سیِّدُنا محمد بن حسن رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب عُلَما، فُضَلا، عارفین اور لوگوں کی تربیت کرنے والے بزرگوں نے دیکھا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دنیا کو کوئی حیثیت نہیں دی، اپنے اولیا کے لئے اسے پسند نہیں فرمایا، اپنے نزدیک اسے حقیر و ذلیل ٹھہرایا اور رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے بے رغبتی اختیار فرمائی اور اپنے اَصحاب کو اس کے فتنے سے بچایا تو ان حضرات نے اِعتِدال کے طریقے پر کھایا کہ جس سے بھوک ہی مٹ سکے اور دنیا کو اس نظر سے دیکھا کہ یہ فنا ہونے والی ہے اور آخرت کی طرف اس حیثیت سے دیکھا کہ یہ باقی رہنے والی ہے تو انہوں نے دنیا سے اسی قدر زادِ راہ لیا جتنا ایک مسافر لیتا ہے، انہوں نے اپنی دنیا کو خراب کر کے آخرت کو آباد کیا، جب انہوں نے آخرت کو اپنے دل کی نگاہوں سے دیکھا تو جان لیا کہ اس کا ظاہری آنکھوں سے بھی مشاہدہ ہو گا تو انہوں نے اپنے دل کے ذریعے آخرت کی طرف کوچ کیا اور پختہ یقین رکھا کہ اپنے جسموں کے ذریعے بھی اس کی طرف کوچ کریں گے، انہوں نے دنیا میں تھوڑی سی مشقت برداشت کی اور اس کے سبب طویل نعمت پائی، یہ سب کچھ ان کے مولیٰ کریم عَزَّوَجَلَّ کی توفیق کے سبب ہوا کہ انہوں نے وہ چیز پسند کی جو ان کے ربّ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے لئے پسند کی اور وہ چیز ناپسند کیا جو ان کے مولیٰ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے لئے ناپسند فرمائی۔

دوسری فصل: مثالوں کے ذریعے دنیا کی حقیقت کا بیان

یاد رکھئے! دنیا جلد فنا ہونے والی اور ختم ہونے والی ہے، ہر ایک سے باقی رہنے کا وعدہ کرتی ہے لیکن پورا

نہیں کرتی، دیکھنے والا اسے ساکن اور ٹھہری ہوئی محسوس کرتا ہے جبکہ وہ بڑی ہی تیز رفتاری سے جاری ہے لیکن دیکھنے والا اس کی حرکت کو محسوس نہیں کرتا، لہٰذا وہ اس پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اسے اس کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب یہ چلی جاتی ہے۔

پہلی مثال: دنیا سائے کی مثل ہے

دنیا کی مثال سائے کی مانند ہے جو بظاہر تو ٹھہرا ہوا ہے لیکن حقیقت میں مُتَحَرِّک ہے جس کی حَرَکت ظاہری آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی بلکہ باطنی آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ حضرت سَیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کے پاس دنیا کا تذکرہ ہوا تو انہوں نے یہ شعر پڑھا:

اَحْلَامُ نَوْمٍ اَوْ کَظِلٍّ زَائِلٍ　　اِنَّ اللَّبِیْبَ بِمِثْلِهَا لَا یُخْدَعُ

ترجمہ: دنیا ایک خواب ہے یا ڈھلنے والا سایا بے شک عقل مند ایسی چیزوں سے دھوکا نہیں کھاتا۔

حضرت سَیِّدُنا امام حسن بن علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا بطورِ تمثیل اکثر یہ شعر پڑھا کرتے:

یَا اَهْلَ لَذَّاتِ دُنْیَا لَا بَقَاءَ لَهَا　　اِنَّ اغْتِرَارًا بِظِلٍّ زَائِلٍ حُمُقٌ

ترجمہ: اے دنیا کی لذتوں میں کھونے والو! یہ لذتیں باقی نہیں رہیں گی، بلاشبہ ڈھلتے ہوئے سائے سے دھوکا کھانا حماقت ہے۔

منقول ہے کہ ایک دیہاتی کسی قوم کا مہمان ہوا انہوں نے اسے کھانا پیش کیا تو وہ کھانا کھا کر خیمے کے سائے میں سو گیا۔ انہوں نے جب خیمہ اکھیڑا تو اسے دھوپ لگی تو وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا:

اَلَا اِنَّمَا الدُّنْیَا کَظِلٍّ ثَنِیَّةٍ　　وَ لَا بُدَّ یَوْمًا اَنَّ ظِلَّکَ زَائِلٌ

ترجمہ: سنو! بے شک دنیا ٹیلے کے سائے کی مثل ہے اور ایک نہ ایک دن تیرا یہ سایہ ضرور زائل ہونے والا ہے۔

اسی طرح کہا گیا ہے:

فَاِنَّ امْرَاً دُنْیَاهُ اَکْبَرُ هَمِّهٖ　　لَمُسْتَمْسِکٌ مِنْهَا بِحَبْلِ غُرُوْرٍ

ترجمہ: اگر کسی شخص کا سب سے بڑا غم اس کی دنیا ہو تو ضرور وہ دھوکے کی رسی کو پکڑے ہوئے ہے۔

دوسری مثال: **دنیا خواب کی مانند ہے**

دنیا چونکہ اپنے خیالات سے دھوکا دیتی ہے اور آدمی جب ان خیالات سے نکلتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پاس کچھ نہیں، اس اعتبار سے دنیا کی مثال خواب کی سی ہے۔ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَلدُّنْیَا حُلْمٌ وَّاَھْلُھَا عَلَیْھَا مُجَازَوْنَ وَمُعَاقَبُوْنَ یعنی دنیا ایک خواب کی مثل ہے[1] جس کے رہنے والوں کے لئے جزا و سزا ہوگی۔

حضرت سیِّدُنا یُونُس بن عُبَید رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں اپنے نفس کو دنیا میں سوئے ہوئے شخص سے تشبیہ دیتا ہوں، وہ خواب میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ دونوں طرح کی چیزیں دیکھتا ہے ابھی وہ اسی حالت میں ہوتا ہے کہ اس کی آنکھ کھل جاتی ہے، اسی طرح لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تو خوابِ غفلت سے جاگ جائیں گے لیکن اس وقت ان کے ہاتھوں میں کچھ نہ ہوگا کہ جس کا سہارا لیں اور اُسے دیکھ کر وہ خوش ہوں۔

کسی عقل مند سے پوچھا گیا: دنیا کس کی مثل ہے؟ جواب ملا: سونے والے کے خواب کی مثل۔

تیسری مثال: **دنیا بوڑھی عورت کی صورت میں**

یاد رکھو! دنیا کی فطرت یہ ہے کہ شروع شروع میں یہ نرمی کرتی ہے اور بالآخر ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے۔ دنیا کی مثال ایسی عورت کی طرح ہے جو نکاح کا پیغام دینے والے کے لئے زینت اختیار کرتی ہے یہاں تک کہ جب اس سے نکاح کر لیا جاتا ہے تو اپنے شوہر کو قتل کر دیتی ہے۔

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو دنیا دکھائی گئی تو انہوں نے دنیا کو ایک بڑھیا کی روپ میں دیکھا جس کے دانت ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ ہر طرح کی زیب و زینت سے آراستہ تھی۔ پوچھا: تم نے کتنی شادیاں کیں؟ اس نے کہا: مجھے اس کا شمار نہیں۔ پوچھا: کیا تمام کے تمام مر گئے یا انہوں نے تجھے طلاق دے دی؟ کہا: نہیں بلکہ میں نے تمام کو قتل کر ڈالا۔ یہ سن کر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ارشاد فرمایا: تیرے باقی ماندہ شوہروں کے لئے خرابی ہے کہ وہ تیرے پہلے شوہروں سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ تو نے انہیں چن چن کر قتل کیا یہ جان کر بھی وہ تجھ سے نہیں ڈرتے۔

---

[1]... موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم الدنیا، ٥/ ١٢٥، حدیث: ٢٥٧ باختصار عن بعض الحکماء

چوتھی مثال: ## دنیا بوڑھی عورت کی مثل ہے

جان لو! دنیا ظاہر میں آراستہ اور باطن میں بہت بدصورت ہے اور اس کی مثال ایسی بوڑھی عورت کی طرح ہے جو بن سنور کر نقاب کئے نکلتی ہے لوگ اس کی ظاہری زیب وزینت کو دیکھ کر اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں لیکن جب وہ اپنے چہرے سے نقاب اٹھاتی ہے تو لوگوں کو اس کی اَصْلیت معلوم ہوتی ہے اور وہ اس کا پیچھا کرنے پر اپنی کم عقلی کے سبب نادم وپشیمان ہوتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا علاء بن زیاد رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: میں نے خواب میں ایک بڑی عمر کی بوڑھی عورت کو دیکھا جس کی جلد سکڑی ہوئی تھی لیکن وہ زیب وزینت سے آراستہ وپیراستہ تھی لوگ اس پر جھکے ہوئے تھے اور تعجب سے اسے دیکھ رہے تھے یہ دیکھ کر میں اس کے پاس آیا، میں نے اسے دیکھا تو مجھے لوگوں کے دیکھنے اور وہاں کھڑے ہونے پر حیرت ہوئی۔ میں نے اسے کہا: تیری ہلاکت ہو تو کون ہے؟ اس نے کہا: کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ میں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: میں دنیا ہوں۔ میں نے کہا: میں تجھ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میرے شر سے پناہ میں رہو تو مال ودولت سے نفرت کرو۔

حضرت سیِّدُنا ابو بکر بن عیاش رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: میں نے خواب میں دنیا کو ایک بدصورت بڑھیا کے روپ میں دیکھا جو تالیاں بجارہی ہے اور لوگ بھی اس کی پیروی میں تالیاں بجارہے اور رقص کر رہے ہیں۔ جب وہ میرے سامنے آئی تو مجھے دیکھ کر کہنے لگی: اگر تم میرے ہاتھ میں آجاتے تو میں تمہارے ساتھ بھی وہی کرتی جو ان لوگوں سے کیا۔ یہ کہہ کر حضرت سیِّدُنا ابو بکر بن عیاش رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه رو پڑے اور فرمایا: یہ خواب میں نے بغداد میں آنے سے پہلے دیکھا تھا۔

حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه سے روایت ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا فرماتے ہیں: بروزِ قیامت دنیا کو قبیح صورت نیلی آنکھوں والی ایک پست قد بڑھیا کی شکل میں لایا جائے گا جس کے دانت باہر نکلے ہوں گے، جب وہ لوگوں کے سامنے آئے گی تو ان سے کہا جائے گا: کیا تم اسے جانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہم اس کے جاننے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں۔ انہیں کہا جائے گا: یہ وہی دنیا ہے جس کے لئے تم نے خونریزی، قطعِ رِحمی اور باہم بغض وحسد کیا اور غفلت کا شکار ہوئے۔ پھر دنیا کو جہنّم میں

پھینک دیا جائے گا تو وہ جہنم سے پکارے گی: اے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ! میری اِتّباع کرنے والے اور میری جماعت کہاں ہے؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرمائے گا: اس کی پیروی کرنے والوں اور اس کی جماعت کو بھی اس کے ساتھ کر دو۔

حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی کہ ایک شخص نے خواب میں ایک عورت کو دیکھا جو راستے کے درمیان عمدہ لباس زیبِ تن کئے اور زیورات سے آراستہ بیٹھی ہے جو بھی اس کے پاس سے گزرتا وہ اسے زخمی کر دیتی۔ جب وہ پیٹھ دکھاتی تو انتہائی خوبصورت محسوس ہوتی اور جب سامنے آتی تو انتہائی بدصورت نیلی اور بھینگی آنکھوں والی دکھائی دیتی۔ اس شخص نے اس عورت سے کہا: میں تجھ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگتا ہوں۔ عورت نے کہا: بخدا! اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں مجھ سے اس وقت پناہ دے گا جب تم مال و دولت سے نفرت کرنے لگو گے۔ اس شخص نے عورت سے کہا: تم کون ہو؟ کہا: میں دنیا ہوں۔

پانچویں مثال: دنیا سے انسان کے گزرنے کی مثال

انسان کی تین حالتیں ہیں: ❁...پہلی: وہ حالت ہے جس میں انسان کچھ نہ تھا اور یہ اَزَل سے لے کر پیدائش کے پہلے کی حالت ہے۔ ❁...دوسری: وہ حالت ہے جس میں انسان دنیا کو نہیں دیکھتا اور یہ مرنے کے بعد سے لے کر اَبَد تک کی حالت ہے۔ ❁...تیسری حالت: ان دونوں حالتوں کی درمیانی حالت ہے اور یہ تمہاری زندگی کے ایام ہیں۔ اگر تم اَزَل اور اَبَد کے لحاظ سے اپنی دنیا کی زندگی کی مقدار کو دیکھو تو تمہیں یہ طویل سفر کی ایک چھوٹی سی منزل دکھائی دے گی۔

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا وَاِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ الدُّنْیَا کَمَثَلِ رَاکِبٍ سَارَ فِیْ یَوْمٍ صَائِفٍ فَرُفِعَتْ لَہٗ شَجَرَۃٌ فَقَالَ تَحْتَ ظِلِّھَا سَاعَۃً ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَھَا یعنی میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی سی ہے جو گرمی کے دن میں سفر کرتا ہے اسے ایک درخت دکھائی دیتا ہے جس کے سائے میں آکر وہ کچھ دیر آرام کرتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر چل پڑتا ہے۔[1]

جو دُنیا کو اس نظر سے دیکھتا ہے وہ دنیا کی طرف مائل نہیں ہوتا، اسے اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ ایام زندگی تکلیف اور تنگی میں گزر رہے ہیں یا کشادگی اور خوشحالی میں بسر ہو رہے ہیں اور وہ تعمیرات میں مشغول

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی اخذ المال، ۴/۱۶۷، حدیث: ۲۳۸۴ بتغیر

نہیں ہوتا کیونکہ سیّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنی ظاہری حیات میں اینٹ پر اینٹ رکھی نہ بانس پر بانس رکھا (یعنی عمارت تعمیر نہیں کی)۔[1] آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو اپنے مکان پر چونے کا پلستر کرتے دیکھ کر فرمایا: میں (موت کے) معاملے کو اس سے بھی جلدی دیکھ رہا ہوں[2]۔[3] پس آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے ناپسند فرمایا۔

دنیا ایک پُل ہے:

حضرت سیّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: دنیا ایک پل ہے اسے عُبُور کرو اس کی تعمیر نہ کرو۔

یہ ایک واضح مِثال ہے کہ دنیا کی زندگی آخرت کی طرف ایک پل ہے جس پل کا پہلا سرا مَہْد (پنگوڑا) اور آخری سرا قبر ہے اور ان دونوں کے درمیان محدود مسافت ہے۔ کوئی یہ پل نصف طے کرچکا ہے تو کوئی ایک تہائی اور کوئی دو تہائی اور کسی کا ایک ہی قدم طے ہونا باقی ہے اور اسے علم نہیں۔ بہر حال کچھ بھی ہو انسان کے لئے اس پُل سے گزرنا ضروری ہے اور اس پل پر تعمیرات کرنا اور اسے آراستہ و پیراستہ کرنا انتہائی درجہ کی حماقت اور بیوقوفی ہے۔

چھٹی مثال: دنیا میں داخل ہونا آسان اور نکلنا مشکل ہے

جان لیجئے! دنیا شروع میں بظاہر نرم و سَہْل لگتی ہے اور اس میں مشغول ہونے والا خیال کرتا ہے کہ وہ آسانی سے نکل جائے گا لیکن دنیا میں داخل ہونا تو آسان ہے مگر اس سے سلامتی کے ساتھ نکلنا بہت مشکل ہے۔

امیر المؤمنین حضرت سیّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے حضرت سیّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو مثال کے ذریعے دنیا سے متعلق آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ دنیا سانپ کی مثل ہے جو چھونے میں تو

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۹۵، حدیث: ۱۰۷۲۶

[2] ... مُفَسِّرِ شہیر، حکیمُ الاُمَّت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد 7، ص 91 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: تمہاری موت اس گھر کے فنا ہونے سے پہلے آجائے گی لہٰذا اس کی مرمت میں پھنس کر اپنے قلب و قالب کی مرمت سے غافل نہ ہو جاؤ۔ نیک اعمال قالب کی مرمت ہے اللہ (عَزَّوَجَلَّ) کا خوف، حضور (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) سے محبت دل کی مرمت ہے اس کی کوشش کرو۔

[3] ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب ماجاء فی البناء، ۴/ ۴۶۰، حدیث: ۵۲۳۶

نرم وملائم ہے لیکن اس کا زہر قاتل ہے، لہٰذا اس میں سے جو چیز تمہیں اچھی لگے اس سے اِعراض کرو کیونکہ وہ تھوڑا عرصہ ہی تمہارے پاس رہے گی۔ جب تمہیں اس کی جدائی کا یقین ہے تو اس کی فکروں کو اپنے سے دور رکھو اور جب تم اس میں خوش ہو تو اس سے زیادہ محتاط رہو کیونکہ دنیادار جب اس سے خوش ہو کر مطمئن ہو جاتا ہے تو یہ اسے تکلیف پہنچاتی ہے۔

ساتویں مثال: دنیاوی آفتوں سے محفوظ رہنا مشکل ہے

رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الدُّنْیَا کَالْمَاشِیْ فِی الْمَآءِ هَلْ یَسْتَطِیْعُ الَّذِیْ یَمْشِیْ فِی الْمَآءِ اَنْ لَّا تَبْتَلَّ قَدَمَاہُ یعنی دنیادار کی مثال پانی میں چلنے والے شخص کی طرح ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں گیلے نہ ہوں۔[1]

شیطانی فریب:

اس روایت سے ان لوگوں کی جہالت واضح ہو گئی جو یہ کہتے ہیں کہ ان کے جسم تو دنیا کی نعمتوں میں مشغول ہیں لیکن دل اس سے پاک اور باطن دنیا کی نعمتوں سے دور ہیں۔ یہ شیطانی فریب ہے کیونکہ اگر ان سے دنیا کی نعمتوں کو دور کر دیا جائے تو وہ اس کی جدائی کے سبب غمگین ہو جائیں تو جیسے پانی پر چلنے والے کے قدم لامحالہ گیلے ہوتے ہیں اسی طرح دنیا سے تعلق رکھنے والے کے دل میں اس کا اثر ضرور ہوتا ہے اور جب دل میں اثر ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے عبادت کی مٹھاس دل سے ختم ہو جاتی ہے۔

سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے فرامین:

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ارشاد فرمایا:

❁...سچ ہے کہ جس طرح مریض کو کھانے سے لذت محسوس نہیں ہوتی اسی طرح دنیادار کو عبادت سے لذت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ جو دنیا کی محبت سے لذت محسوس کرتا ہے وہ عبادت کی لذت نہیں پا سکتا۔

❁...سچ ہے کہ اگر جانور پر سواری ترک کر دی جائے اور اسے چھوڑ دیا جائے تو وہ سرکش ہو جاتا اور اس کا

---

[1]...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۶۰، حدیث: ۱۰۵۸۳

مزاج بگڑ جاتا ہے اسی طرح دلوں کا معاملہ ہے کہ اگر انہیں موت کی یاد نہ دلائی جائے اور عبادت کے لئے کمربستہ نہ کیا جائے تو یہ سخت ہو جاتے ہیں۔

❀...سچ ہے کہ مشکیزہ جب تک پھٹ نہ جائے یا خشک نہ ہو جائے تب تک وہ شہد رکھنے کے کام آتا ہے اسی طرح دلوں کا معاملہ ہے کہ وہ جب تک شہوات سے نہیں پھٹتے، حرص و طمع سے میلے نہیں ہوتے اور نعمتوں کے سبب سخت نہیں ہوتے اس وقت تک حکمت سے بھرے رہتے ہیں۔

عمل برتن کی مثل ہے:

نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا بَقِیَ مِنَ الدُّنْیَا بَلَاءٌ وَفِتْنَةٌ وَّاِنَّمَا مَثَلُ عَمَلِ اَحَدِکُمْ کَمَثَلِ الْوِعَاءِ اِذَا طَابَ اَعْلَاہُ طَابَ اَسْفَلُہٗ وَاِذَا خَبُثَ اَعْلَاہُ خَبُثَ اَسْفَلُہٗ یعنی بے شک دنیا سے (انسان کے لئے) آزمائش اور فتنہ ہی باقی رہ گیا ہے اور تم میں سے ہر ایک کے عمل کی مثال برتن کی سی ہے جس کا اوپر والا حصہ اچھا ہو تو نیچے والا حصہ بھی اچھا ہوتا ہے اور اگر اوپر والا اچھا نہ ہو تو نیچے والا حصہ بھی اچھا نہیں ہوتا۔[1]

آٹھویں مثال: گزشتہ کے مقابلے میں دنیا کی مقدار کم رہ گئی ہے

حضور نبیِّ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَثَلُ هٰذِهِ الدُّنْیَا مَثَلُ ثَوْبٍ شُقَّ مِنْ اَوَّلِہٖ اِلٰی اٰخِرِہٖ فَبَقِیَ مُتَعَلِّقًا بِخَیْطٍ فِیْ اٰخِرِہٖ فَیُوْشِکُ ذٰلِکَ الْخَیْطُ اَنْ یَّنْقَطِعَ یعنی دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو شروع سے آخر تک پھٹ گیا صرف ایک دھاگے کی مقدار باقی رہ گیا ہے اور قریب ہے کہ یہ دھاگا بھی ٹوٹ جائے۔[2]

نویں مثال: دنیا کی ایک چیز دوسری کی طرف لے جا کر ہلاکت کا باعث بنتی ہے

حضرت سَیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللهِ عَلَیْہِ السَّلَام نے ارشاد فرمایا: دنیا کے طالب کی مثال سمندر کا پانی پینے والے کی طرح ہے کہ وہ جس قدر پانی پیتا ہے اسی قدر اس کی پیاس بڑھتی ہے یہاں تک کہ پیاس اسے ہلاک کر دیتی ہے۔

1...سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب شدة الزمان، ۴/ ۳۷۶، حديث: ۴۰۳۵
سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب التوقي على العمل، ۴/ ۴۶۸، حديث: ۴۱۹۹

2...شعب الايمان، باب في الزهد وقصر الامل، ۷/ ۲۶۰، حديث: ۱۰۲۴۰

دسویں مثال: دنیا کا اول و آخر یکساں نہیں، ابتدا اچھی اور انتہا خراب ہے

یاد رکھئے! دل کو دنیاوی خواہشات اس طرح اچھی لگتی ہیں جس طرح معدے کو مختلف کھانے اچھے لگتے ہیں لیکن موت کے وقت آدمی ان خواہشات کے متعلق اپنے دل میں کَراہت، بدبو اور خرابی پائے گا جس طرح لذیذ اور عمدہ کھانے معدے میں پہنچنے کے بعد غلاظت میں بدل جاتے ہیں اور جس قدر کھانے لذیذ و مُرَغَّن اور مٹھاس سے بھرپور ہوتے ہیں اسی قدر اس کی گندگی بدبو اور غلاظت سے بھرپور ہوتی ہے اسی طرح دلی خواہش کا حال ہے کہ جس قدر وہ اور اس سے حاصل ہونے والی لذت و تقویت زیادہ ہوگی اسی قدر موت کے وقت اس کی بدبو، کَراہت اور تکلیف زیادہ ہوگی، بلکہ دنیا میں بھی اس کا مُشاہدہ ہوتا ہے کہ جس شخص کا مکان چھن جائے اور اہل و عیال اور مال و دولت بھی چلے جائیں تو اسے مصیبت کا سامنا، تکلیف اور دکھ درد بھی اسی قدر ہوگا جس قدر وہ ان سے لذت اٹھاتا اور محبت و حرص رکھتا تھا۔ تو کسی چیز کی موجودگی میں جس قدر اس کی خواہش و لذت ہوتی اس کے چلے جانے کی صورت میں اسی قدر تکلیف اور کڑواہٹ کا سامنا ہوتا ہے اور موت کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہے وہ انسان سے چلا جائے گا۔

دنیا گندگی کی مثل ہے:

حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا ضحاک بن سفیان کِلابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے اِستِفسار فرمایا: کیا تمہیں نمک اور مصالحوں کے ساتھ کھانا نہیں ملتا؟ پھر تم اس کے بعد دودھ اور پانی پیتے ہو۔ انہوں نے عرض کی: جی ہاں! ایسا ہی ہے۔ ارشاد فرمایا: پھر وہ کہاں جاتا ہے؟ عرض کی: آپ اس کے متعلق باخوبی جانتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دنیا کی مثال اسی چیز کے ساتھ دی ہے جس سے انسان کا کھانا بدل جاتا ہے۔[1]

حضرت سیِّدُنا اُبَی بن کَعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ تاجدارِ رِسالت، شہنشاہِ نُبوّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الدُّنْیَا ضُرِبَتْ مَثَلًا لِّابْنِ اٰدَمَ فَانْظُرْ اِلٰی مَا یَخْرُجُ مِنِ ابْنِ اٰدَمَ وَاِنْ قَزَّحَہٗ وَمَلَّحَہٗ اِلٰی مَا یَصِیْرُ یعنی دنیا کی مثال آدمی سے بیان کی گئی ہے تو دیکھے کہ آدمی کے پیٹ سے کیا نکلتا ہے اگرچہ وہ اس میں نمک اور مصالحہ

---

[1] ...المعجم الکبیر، ۸/ ۲۹۹، حدیث: ۸۱۳۸

ڈالے لیکن وہ جاتا کہاں ہے؟[1]

سرکارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دنیا کی مثال انسانی غذا سے اور انسانی غذا کی مثال دنیا سے دی ہے اگرچہ وہ اپنی غذا میں مصالحہ ونمک ڈالے۔[2]

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ پہلے کھانوں میں مصالحے ڈالتے ہیں، پھر اسے خوشبو سے مُعطّر کرتے ہیں اور پھر کھا کر جہاں نکالتے ہیں تم خوب جانتے ہو۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾ (پ۳۰، عبس: ۲۴) ترجمۂ کنزالایمان: تو آدمی کو چاہئے اپنے کھانوں کو دیکھے۔

حضرت سیِّدُنا ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی کھانے کے انجام کو دیکھے۔

حضرت سیِّدُنا ابن عُمَر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے کسی شخص نے عرض کی: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن مجھے شرم آتی ہے۔ فرمایا: شرم نہ کرو، پوچھو۔ اس نے کہا: کیا آدمی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر اس کی طرف دیکھ سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں! فرشتہ اس سے کہتا ہے دیکھ یہ وہ چیز ہے جس پر تو نے بُخل کیا، دیکھ اس کا کیا انجام ہوا[3]۔

حضرت سیِّدُنا بشیر بن کَعب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ لوگوں سے فرمایا کرتے: چلو! میں تمہیں تمہاری دنیا دکھاتا ہوں تو وہ لوگوں کو کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر لے جاتے اور فرماتے: اپنے پھلوں، مرغیوں، شہد اور گھی کی طرف دیکھو۔

گیارہویں مثال: آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا كَمَثَلِ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهٗ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ بِمَ يَرْجِعُ اِلَيْهِ یعنی آخرت کے مقابلے میں دنیا اسی طرح ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی کو سمندر میں ڈالتا ہے تو اسے دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا لے کر آتی ہے۔[4]

---

1 ...الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، باب الفقر والزھد والقناعۃ، ۲/ ۳۳، حدیث: ۷۰۰ بتغیر

2 ...الزھد لابن مبارک، باب توبۃ داود... الخ، ص ۱۷۰، حدیث: ۴۹۵

3 ...بغیر ضرورت اپنی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے اور نہ اس نَجاست کو دیکھے جو اس کے بدن سے نکلی ہے۔ (بہار شریعت، ۱/ ۴۰۹)

4 ...مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب فناء الدنیا... الخ، ص ۱۵۲۹، حدیث: ۲۸۵۸

بارھویں مثال: **دنیا میں اِنْہِماک اور آخرت سے غفلت کی مثال**

دنیا والوں کی غفلت کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور وہ انہیں ایک جزیرے میں پہنچا دیتی ہے۔ ملّاح انہیں قضائے حاجت وغیرہ سے فارغ ہونے کا کہتا اور اس بات سے ڈراتا ہے کہ زیادہ دیر نہ ٹھہریں ورنہ کشتی روانہ ہو جائے گی۔ لوگ یہ سن کر جزیرے میں اِدھر اُدھر مُنْتَشِر ہو جاتے ہیں، بعض لوگ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر جلد کشتی کی طرف لوٹ آتے ہیں تو انہیں کشتی میں کھلی، آسان اور موافق جگہ مُیَسَّر آجاتی ہے اور بعض جزیرے میں تھوڑی دیر رک جاتے اور وہاں پھولوں، غنچوں اور شگوفوں کو دیکھنے اور پرندوں کے خوبصورت و عمدہ نغمات سننے میں منہمک ہو جاتے ہیں اور خشکی کے پتھروں، جواہرات، مختلف رنگ کی معدنیات کو دیکھنے میں مگن ہو جاتے ہیں، جو انہیں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں ان کے عمدہ نُقُوش اور زَبَرْجَد کے حسن کی وجہ سے انہیں دیکھنے سے نگاہیں خیرہ ہوتی ہیں، اچانک انہیں کشتی کے چلے جانے کا خیال آتا ہے تو واپس لوٹ آتے ہیں لیکن انہیں وہاں تنگ جگہ ملتی ہے، وہ مجبوراً وہاں بیٹھ جاتے ہیں، بعض موتیوں اور پتھروں کی طرف اس قدر مائل ہو جاتے ہیں کہ انہیں ان کی خوبصورتی اچھی لگتی اور ان کا نفس انہیں چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا تو وہ کچھ پتھر اور پھول وغیرہ اپنے ساتھ لے لیتے ہیں، جب کشتی کے پاس پہنچتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جگہ تنگ ہے اور ساتھ میں پتھروں کا بوجھ بھی ہے تو وہ انہیں لینے پر پشیمان ہوتے ہیں کہ اب انہیں پھینک سکتے ہیں نہ کشتی میں کہیں رکھ سکتے ہیں، لہٰذا مجبوراً انہیں پتھروں کے بوجھ کے ساتھ تنگ جگہ میں بیٹھنا پڑتا ہے اور اب افسوس کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو جزیرے کی خوبصورتی میں اس قدر مشغول ہوتے ہیں کہ انہیں کشتی کے چلے جانے کا خیال نہیں رہتا اور وہ جزیرے میں اس قدر دور نکل جاتے ہیں کہ ملّاح کی آواز بھی بمشکل سنائی دے، وہ پھل کھانے، پھول سونگنے اور درختوں کے بیچ سیر و تفریح میں مشغول ہو جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں درندوں کا خوف بھی ہوتا ہے، گرنے اور مال کے چھن جانے کا خطرہ، کانٹوں سے بدن چھلنی ہونے، کپڑوں کے پھٹنے کا اندیشہ اور خوف زدہ کرنے والی آوازوں کا ڈر بھی رہتا ہے، جب کشتی والوں کی آواز پہنچتی ہے تو ساز و سامان کے ساتھ واپس آتے ہیں لیکن انہیں کشتی میں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی تو وہ کنارے پر ہی رہ

جاتے اور وہیں بھوک سے مر جاتے ہیں، جبکہ بعض وہ ہیں جن تک کشتی والوں کی آواز نہیں پہنچتی اور کشتی چل پڑتی ہے تو بعض کو درندے چیر پھاڑ دیتے ہیں، کوئی بھٹک بھٹک کر مر جاتا ہے، کوئی دَلدَل میں گر کر مر جاتا ہے اور بعض کو سانپ ڈس لیتے ہیں اور وہ بدبودار مردار کی طرح اِدھر اُدھر بکھر جاتے ہیں۔

جو کشتی میں پتھروں اور پھولوں کے بوجھ سمیت سوار ہوئے انہیں ان کی فکر دامن گیر رہتی اور ضائع ہونے کا ڈر رہتا ہے جگہ کی تنگی کے سبب پھول مُرجھا جاتے اور خوبصورت پتھروں کے رنگ تبدیل ہو جاتے ہیں، اب بدبو پھیلتی ہے تو جگہ کی تنگی کے ساتھ ساتھ یہ نئی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے، اب کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آتا تو وہ انہیں سمندر کی نذر کر دیتے ہیں اور جو کچھ ان میں سے کھا لیا تھا اس کا اثر ان پر ظاہر ہوتا ہے اور وہ اپنے وطن پہنچنے سے پہلے بیماریوں کا شکار ہو جاتے اور بیمار ہو کر گھر پہنچتے ہیں اور جو لوگ معمولی تاخیر سے کشتی میں سوار ہوئے انہیں کشتی میں جگہ کی تنگی کا سامنا تو کرنا پڑا لیکن یہ پریشانی وقتی تھی گھر پہنچتے ہی وہ راحت و سکون میں آجاتے ہیں اور جو پہلے کشتی میں آگئے تھے انہیں کھلی جگہ ملی اور وہ سفر میں آسانی کے ساتھ اپنے وطن پہنچ گئے۔

یہ اَہلِ دُنیا کی مثال ہے جو دنیاوی نعمتوں میں مشغولیت کے سبب آخرت کو بھول کر اس سے غافل ہو جاتے ہیں۔ یہ کس قدر بُرا خیال ہے کہ آدمی خود کو ہوشیار اور عقل مند سمجھتا ہے لیکن پتھروں، سونا چاندی اور دنیا کی زیب وزینت سے دھوکا کھا جاتا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی شے موت کے بعد اس کے ساتھ نہیں رہے گی بلکہ اس کے لئے بوجھ اور وبال بنے گی اور وہ اس کے سبب غم اور خوف میں مبتلا ہو گا۔ تمام مخلوق کا یہی حال ہے مگر جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ محفوظ رکھے۔

تیرہویں مثال: دنیا کا لوگوں کو دھوکا دینا اور ان کا ایمان کمزور کرنا

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے ارشاد فرمایا: بے شک میری، تمہاری اور دنیا کی مثال ایسے لوگوں کی طرح ہے جو کسی بیابان میں سفر کرتے ہیں اور انہیں یہ نہیں معلوم کہ جس قدر انہوں نے راستہ طے کیا وہ زیادہ ہے یا باقی راستہ۔ اسی حال میں ان کا زادِ راہ ختم ہو جاتا اور سُواری کے جانور مر جاتے ہیں اور وہ سواری و زادِ راہ کے بغیر اس بیابان میں تنہا رہ جاتے ہیں تو انہیں اس حال میں ہلاکت کا یقین ہو جاتا ہے۔ وہ اسی حالت میں ہوتے ہیں کہ

اچانک ان پر ایک شخص اچھے لباس میں ظاہر ہوتا ہے جس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوتے ہیں تو وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کسی قریبی زرخیز علاقے سے آرہا ہے۔ جب وہ شخص ان کے قریب پہنچتا ہے تو انہیں پکارتا ہے وہ اس کی پکار کا جواب دیتے ہیں پھر وہ شخص ان سے پوچھتا ہے تمہارا کیا حال ہے؟ تو وہ لوگ کہتے ہیں: تم دیکھتے نہیں کہ ہمارا کیا حال ہے؟ وہ شخص کہتا ہے: اگر میں صاف وشفاف پانی اور سرسبز وشاداب باغات کی طرف تمہاری رہنمائی کردوں تو تم کیا کرو گے؟ کہتے ہیں: جو تم کہو گے ہم وہی کریں گے۔ وہ شخص کہتا ہے: اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم اٹھا کر وعدہ کرو۔ تو وہ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم اٹھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تیری اطاعت سے رُوگردانی نہیں کریں گے۔ یہ سن کر وہ شخص ان لوگوں کو سرسبز وشاداب باغات میں لے جاتا ہے جہاں میٹھا پانی ہوتا ہے۔ جب تک اللہ عَزَّوَجَلَّ چاہتا ہے وہ وہاں ٹھہرے رہتے ہیں، پھر ایک دن وہ شخص ان سے کہتا ہے: اے لوگو! اب یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ لوگ کہتے ہیں: کہاں؟ وہ شخص کہتا ہے: ایسی جگہ کی طرف جہاں کا پانی یہاں کے پانی سے زیادہ میٹھا ہے اور جہاں کے باغات یہاں کے باغات سے زیادہ سرسبز وشاداب ہیں۔ اکثر لوگ کہتے ہیں ہمیں ان جیسے باغات کہیں نہیں مل سکتے اور ہمارے خیال میں ہم ایسی عیش والی زندگی کہیں اور نہیں گزار سکتے۔ کچھ لوگ جو تعداد میں کم تھے، کہتے ہیں: کیا تم نے اس شخص سے عہد وپیمان نہیں کیا تھا، جب اس نے اپنا پہلا وعدہ سچا کر دکھایا تو یہ وعدہ بھی پورا کرے گا۔ پس جن لوگوں نے اس شخص کی پیروی کی وہ فائدے میں رہے اور جنہوں نے اس کی مخالفت کی ان کا یہ حشر ہوا کہ دشمن نے ان پر یلغار کی تو ان میں سے کچھ قیدی بنالئے گئے اور بعض قتل کر دیئے گئے۔[1]

چودھویں مثال: دنیا کی نعمتوں پر خوشی اور جدائی پر غم ہوتا ہے

یاد رکھئے! دنیا میں جو کچھ لوگوں کو ملتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص گھر بنائے اور اس کی تزئین وآرائش کرے پھر لوگوں کو اپنے گھر مدعو کرے (دعوت پر بلائے) لوگ ایک ایک کرکے اس کے گھر میں داخل ہوں اور ہر کسی کو خوشبوؤں اور پھولوں سے لبریز سونے کا طباق پیش کیا جائے جسے وہ سونگھ کر آگے بڑھ جائے اور طباق واپس کر دے۔ ایک شخص داخل ہو جسے اس رسم کا علم نہ ہو، وہ یہ سمجھے کہ پیش کیا جانے والا طباق اس

[1] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم الدنیا، ۵/ ۵۷، حدیث: ۸۸

کے لئے تحفہ ہے اور اسی سوچ میں اس کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے اور جب اس سے طباق واپس طلب کیا جائے تو وہ اس کے سبب افسردہ و غمگین ہو جائے، جبکہ اس رسم سے واقف شخص طباق سے نفع اٹھا کر شکریہ ادا کرتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ اسے واپس کر دے گا، یہی حال ان لوگوں کا ہے جو دنیا کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کے طریقے کو جانتے ہیں کہ دنیا ایک مہمان خانہ ہے جو گزرنے والوں کے لئے وَقْف ہے مستقل ٹھہرنے والوں کے لئے نہیں اور وہ یہاں سے زادِ راہ لے کر جائیں اور اس سے اسی قدر نفع اٹھائیں جس طرح مسافر اُدھار لی ہوئی چیز سے نفع اٹھاتا ہے، یہ نہ ہو کہ وہ اس سے دل لگا بیٹھیں اور بوقتِ جدائی ان کے لئے جانا دُشوار ہو۔

یہاں تک دنیا، اس کی آفات اور مصیبتوں کی مثالیں بیان ہوئیں۔ ہم مہربان و خبردار اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اُس کے کَرَم و بخشش کا سوال کرتے ہیں۔

باب نمبر3: دنیا کی حقیقت کا بیان (اس میں دو فصلیں ہیں)

پہلی فصل: انسان کے حق میں دنیا کی حقیقت و ماہِیَّت

یاد رکھئے! صرف دنیا کی مذمت کافی نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ دنیا مذموم کیوں ہے؟ اور دنیا کی کس چیز سے بچا جائے اور کس سے نہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ مذموم دنیا کی وضاحت کی جائے جس سے بچنے کا حکم ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسان کی دشمن دنیا کون سی ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں چلنے والوں پر ڈاکہ ڈالتی ہے۔ دنیا و آخرت کو دو حالتوں سے تعبیر کیا گیا ہے، جو قریب ہے اس کا نام دنیا ہے اور یہ موت سے پہلے ہے اور جو دُور ہے اسے آخرت کہتے ہیں اور یہ موت کے بعد ہے۔

انسان کی مرغوب چیز کی تین اقسام:

ہر وہ چیز جس میں موت سے پہلے انسان کی کوئی غرض، شہوت، لذت اور حصہ ہو وہ اس کے حق میں دنیا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہر وہ چیز جس میں انسان کی رغبت ہو یا اس کا حصہ ہو مذموم ہے بلکہ اس کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

وہ چیز جو آخرت میں ساتھ ہوگی اور موت کے بعد بھی اس کا ثمرہ ونتیجہ باقی رہے گا اور وہ دو چیزیں ہیں: (۱)... علم اور (۲)... عمل۔

علم سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات، اس کے اَفعال، اس کے فِرِشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، زمین وآسمان کی بادشاہی اور رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شریعت کا علم مراد ہے اور عمل سے مراد خاص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت ہے۔

بسا اوقات عالِم اپنے علم سے اس قدر مانوس ہو جاتا ہے کہ اس کے نزدیک علم ہی سب سے زیادہ لذیذ چیز بن جاتی ہے اور وہ اس میں اس قدر مشغول ہوتا ہے کہ نیند، کھانا اور نکاح کی لذت کو بھی بھول جاتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک علم تمام چیزوں سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ لیکن جب ہم مذموم دنیا کی بات کرتے ہیں تو اسے اس میں شمار نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ آخرت سے ہے۔ اسی طرح عبادت گزار شخص عبادت سے اس قدر مانوس ہو جاتا ہے کہ وہ اس سے لذت محسوس کرتا ہے حتّٰی کہ اگر اسے عبادت سے روک دیا جائے تو یہ اس کے حق میں بہت بڑی سزا ہوگی۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں موت سے اس وجہ سے ڈرتا ہوں کہ یہ میرے اور نمازِ تہجد کے درمیان حائل ہو جائے گی۔

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ قُوَّۃَ الصَّلٰوۃِ وَالرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ فِی الْقَبْرِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے قبر میں بھی نماز، رکوع اور سجود کی توفیق عطا فرمانا۔

وہ یہ دعا اس لئے مانگا کرتے تھے کہ نماز ان کے نزدیک لذتِ عاجِلہ یعنی فوری ملنے والی لذت بن گئی تھی اور ہر فوری ملنے والے حصے کو دنیا کہا جاتا ہے کیونکہ دنیا "دُنُوّ" سے بنا ہے جس کا معنی ہے نزدیک ہونا اور جو نزدیک ہو وہ فوری ملتا ہے۔ لیکن ہم اسے مذموم دنیا میں شمار نہیں کرسکتے کیونکہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ: اَلنِّسَآءُ وَالطِّیْبُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ یعنی تمہاری دنیا میں سے مجھے تین

چیزیں پیاری کی گئیں: (۱)...بیویاں (۲)...خوشبو[1] اور (۳)...میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔[2]

معلوم ہوا کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے نماز کو دنیاوی لذتوں میں شمار کیا ہے کیونکہ جو بھی چیز محسوسات میں داخل ہوتی ہے اور اس کا مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ عالَم شہادت میں سے ہے اور عالَم شہادت دنیا سے ہے چونکہ لذّتِ رُکوع وسُجود اعضاء کی حرکت کے سبب حاصل ہوتی ہے، اس طرح یہ بھی (عالَم شہادت میں سے ہونے کی وجہ سے) دنیا میں شامل ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی طرف اس کی اضافت فرمائی گئی ہے۔ چونکہ یہ مذموم دنیا میں داخل نہیں اس لئے ہم اس سے تَعَرُّض نہیں کرتے۔

دوسری قسم:

یہ قسم پہلی قسم کے برعکس ہے اور یہ فوری ملنے والی لذّات ہیں جن کا آخرت میں کوئی ثمرہ ونتیجہ نہیں جیسے ہر قسم کے گناہوں سے لذت حاصل کرنا، مُباح نعمتوں سے حاجت اور ضرورت سے زائد لُطف اندوز ہونا جو عیش وعشرت کے دائرے میں آتا ہو مثلاً سونے چاندی کے ڈھیر، نشان لگے گھوڑے اور چوپائے، کھیتیاں، غلام، باندیاں، چرائی کے جانور، محلات، مکانات، اچھے کپڑے اور انواع واَقسام کے لذیذ کھانے جیسی نعمتوں سے لُطف اندوز ہونا۔ ان تمام چیزوں سے انسان کا فائدہ اٹھانا مذموم دنیا میں داخل ہے۔ اس میں سے کسے حاجت سے زائد اور کسے حاجت کے مطابق قرار دیں یہ ایک طویل بحث ہے۔

مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو حِمْص کا گورنر بنایا تو انہوں نے وہاں دو درہم کا سائبان بنایا۔ امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کی طرف خط لکھا: امیر المؤمنین عمر بن خطاب کی طرف سے عُوَیْمِر (یعنی حضرت ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ) کی طرف۔ تمہارے لئے روم وفارس کی عمارتیں ہی کافی تھیں مزید دنیا کی تعمیر کی کیا حاجت تھی جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس دنیا کو برباد کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو تم

1 ...مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد 7، صفحہ 83 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: حُبِّبَ فرما کر بتایا کہ یہ محبت ہماری نفس کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ (عَزَّوَجَلَّ) کی طرف سے ہے رب تعالی نے ان چیزوں کو ہمارا محبوب بنادیا۔

2 ...سنن النسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، ص ۶۴۴، حدیث: ۳۹۴۵، ۳۹۴۶

اپنے اہل وعیال کے ساتھ دِمَشق چلے جانا۔ اس کے بعد حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ دمشق میں رہے یہاں تک کہ آپ کا وہیں وصال ہوا۔

غور کیجئے! امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے دو درہم سے تیار کئے ہوئے سائبان کو بھی حاجت سے زائد شمار کیا۔

تیسری قسم:

یہ پہلی دو قسموں کا درمیان ہے اور یہ ہر وہ فوری لذت ہے جو اَعمال آخرت میں مددگار ہے جیسے بقدرِ ضرورت غذا کھانا اور موٹی قمیص اور اسی طرح ہر وہ چیز جو انسان کی بقاو صحت کے لئے ضروری ہے جن کے ذریعے وہ علم و عمل تک پہنچتا ہے اور یہ قسم بھی پہلی قسم کی طرح (مذموم) دنیا میں سے نہیں کیونکہ یہ قسمِ اوّل کے لئے مددگار اور وسیلہ ہے۔ اگر انسان اسے علم و عمل پر مدد کے لئے اپنائے تو وہ دنیادار شمار نہیں ہوگا اور اگر اس کا مقصود تقوٰی پر اِعانت نہیں بلکہ فوری لذت کا حصول ہے تو یہ دوسری قسم کی طرح ہوگی اور وہ دنیادار شمار ہوگا۔

بعدِ موت ساتھ رہنے والی تین چیزیں:

موت کے بعد انسان کے ساتھ تین چیزیں باقی رہتی ہیں: (۱)...دل کی صفائی یعنی دنیاوی میل کچیل سے طہارت (۲)...اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے اُنسیّت اور (۳)...اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت۔

دل کی صفائی اور طہارت شہوات سے بچے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے اُنسیّت بغیر ذکر کی کثرت اور پابندی کے نہیں ہو سکتی اور اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت بغیر معرفت کے نہیں ہو سکتی اور مَعْرِفَت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ہمیشہ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے عَظَمَت وجلال میں مُتَفَکِّر نہ رہا جائے۔

اعمال انسان کا دفاع کرتے ہیں:

مذکورہ تینوں چیزیں موت کے بعد نجات دینے والی اور سعادت کا باعث ہیں۔ جہاں تک شہواتِ دنیا سے قلب کی صفائی کی بات ہے تو یہ نجات دینے والی چیزوں میں سے ہے کہ بندے اور عذابِ الٰہی کے درمیان آڑ بنتی ہے جیسا کہ روایت میں ہے: اِنَّ اَعْمَالَ الْعَبْدِ تُنَاضِلُ عَنْهُ فَاِذَا جَآءَ الْعَذَابُ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ جَآءَ قِيَامُ اللَّيْلِ يَدْفَعُ عَنْهُ وَاِذَا جَآءَ

مِنْ جِهَةِ يَدَيْهِ جَاءَتِ الصَّدَقَةُ تَدْفَعُ عَنْهُ یعنی انسان کے اعمال اس کا دفاع کرتے ہیں جب پاؤں کی طرف سے عذاب آتا ہے تو شب بیداری آتی ہے جو اسے دور کر دیتی ہے اور ہاتھوں کی طرف سے عذاب آتا ہے تو صَدَقہ آکر اسے دور کر دیتا ہے۔

جہاں تک اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے اُنْسِیَّت اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے محبت کا تعلُّق ہے یہ دونوں سعادت کی علامات ہیں اور انسان کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ملاقات اور مشاہدے کی لذت تک پہنچاتی ہیں اور یہ سعادت موت کے فوراً بعد حاصل ہو جاتی ہے حتّٰی کہ جنت میں دیدارِ الٰہی سے مشرف ہو جائے اور اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ دنیا میں اس کا محبوب ایک ہی تھا اور دنیاوی معاملات اس کے محبوب کے دائمی اُنس اور ذکر کی راہ میں رکاوٹ تھے اور جمالِ الٰہی کی زیارت سے روکے ہوئے تھے۔ اب یہ رکاوٹیں ختم ہو گئیں اور وہ قید سے رہائی پا گیا اور اب اس کے اور محبوب کے درمیان کوئی نہ رہا اور وہ اس کی بارگاہ میں خوشی خوشی رکاوٹوں اور آفتوں سے بچ کر حاضر ہو گیا۔ نیز دنیا سے محبت کرنے والے کو موت کے وقت عذاب کیوں نہ ہو جبکہ دنیا ہی اس کی محبوب تھی اور اب وہ اس سے چھین لی گئی، اس کے اور دنیا کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی اور واپسی کے تمام راستے بند کر دیئے گئے۔

اسی سلسلے میں کہا گیا ہے:

مَاحَالُ مَنْ كَانَ لَهٗ وَاحِدٌ غُيِّبَ عَنْهُ ذٰلِكَ الْوَاحِدُ

ترجمہ: اس کا کیا حال ہو گا جس کا ایک ہی محبوب تھا اور وہ بھی اس سے پوشیدہ ہو گیا۔

موت بالکل ختم ہونے کا نام نہیں بلکہ وہ دنیا کی محبوب چیزوں سے جدا ہو کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کا نام ہے۔ تو جو راہِ آخرت کا مسافر ہوتا ہے وہ ان تین اسباب پر پابندی رکھتا ہے: (۱)...ذکر (۲)...فکر اور (۳)...ایسے عمل پر جو اسے دنیا کی خواہشات سے دور اور اس کی لذات سے نفرت کرنے پر اُبھارتا ہے۔ یہ تمام باتیں اسی صورت میں ممکن ہیں جب بدن تندرست ہو اور بدن کی تندرستی کھانے، لباس اور رہائش کے بغیر ممکن نہیں اور ان میں سے ہر ایک کا حصول اسباب پر موقوف ہے تو ان میں سے جس قدر بندے کو حاجت ہو اس قدر آخرت کی نیت سے لینے پر وہ دنیا دار شمار نہیں ہو گا اور دنیا اس کے حق میں آخرت کی کھیتی کی طرح ہو گی، اگر اس نے لذتِ نفس اور فائدہ اٹھانے کی نیت سے یہ چیزیں لیں تو وہ دنیا دار اور دنیا کی لذتوں سے رغبت رکھنے والا ہو گا۔

دنیاوی لذات میں رغبت کی اقسام:

دنیاوی لذات میں رغبت دو قسموں پر مشتمل ہے:(۱)...جو دنیادار کو عذابِ نار کا مستحق بنا دیتی ہے اسے حرام سے تعبیر کرتے ہیں۔(۲)...جو اعلیٰ درجات تک پہنچنے میں حائل اور اسے طویل حساب میں ڈالنے والی ہے اسے حلال سے تعبیر کرتے ہیں۔

عقل مند آدمی یہ سمجھتا ہے کہ طویل عرصے تک میدان محشر میں حساب وکتاب کے لئے کھڑا رہنا یہ بھی عذاب کی طرح ہے کیونکہ (حدیث پاک میں ہے:)فَمَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ یعنی جس سے قیامت کے دن حساب میں پوچھ گچھ کی گئی تو گویا اسے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔[1]

حلال میں حساب اور حرام پر عذاب:

حضور نبیِّ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:حَلَالُهَا حِسَابٌ وَّحَرَامُهَا عَذَابٌ یعنی دنیا کے حلال میں حساب اور حرام پر عذاب ہے۔[2]

ایک روایت میں ہے:حَلَالُهَا عَذَابٌ یعنی دنیا کے حلال میں عذاب ہے۔ اگرچہ اس کا عذاب حرام کے عذاب سے ہلکا ہے اور اگر حساب نہ بھی ہو تو جنت میں بلند درجات سے محرومی اور حقیر وذلیل دنیا کی فانی لذتوں پر دلی حسرت بھی تو عذاب ہے۔ تم اپنا حال دنیا میں ہی دیکھ لو کہ جو لوگ تم سے دنیاوی نعمتوں میں بڑھ کر ہیں انہیں دیکھ کر تمہیں کس قدر حسرت ہوتی ہے حالانکہ تم اس بات کو جانتے ہو کہ یہ نعمتیں فانی اور آلودگی سے بھرپور ہیں جن میں صفائی کا نام ونشان نہیں۔ پھر اگر تم سے اُخروی سعادت فوت ہو جائے اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا؟ جس کی عظمت کا اظہار لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا، زمانے گزر گئے مگر اس کی انتہا نہ ہوئی۔ جو شخص دنیا کی کسی نعمت سے فائدہ اٹھاتا ہے اگرچہ پرندے کی آواز سنتا یا سبزے کی طرف دیکھتا ہے یا ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو اسی قدر اس کی اُخروی نعمت میں کمی ہوتی ہے۔ سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے فرمان کا بھی یہی مطلب ہے جو آپ نے ٹھنڈے پانی سے متعلق امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے ارشاد فرمایا:هٰذَا

---

[1]...بخاری، کتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عذب، ۴/ ۲۵۶، حدیث: ۶۵۳۶

[2]...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۷۱، حدیث: ۱۰۶۲۲ بتغیر قلیل

مِنَ النَّعِيْمِ الَّذِيْ تُسْئَلُ عَنْهُ یعنی یہ ان نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے میں تم سے سوال ہوگا۔[1]

سیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا زہد:

آخرت میں سوال کا جواب دینے میں ذلت، خوف، خطرہ اور مشقت وانتظار ہے اور یہ سب کچھ اُخروی نقصان کا باعث ہے، اسی لئے جب امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو پیاس لگی تو آپ کو شہد ملا ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا، آپ اسے ہاتھوں میں گھماتے رہے اور پھر یہ کہتے ہوئے پینے سے منع فرمادیا: اِعْزِلُوْا عَنِّيْ حِسَابَهَا یعنی مجھ سے اس کا حساب دور کرو۔

حاصل کلام:

دنیا قلیل ہو یا کثیر، حلال ہو یا حرام سب ملعون ہے مگر جو تقویٰ پر مددگار ہو وہ مقدار اس سے خارج ہے یعنی دنیا میں شامل نہیں۔ تو جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جس قدر معرفت رکھتا ہے وہ اسی قدر دنیا کی نعمتوں سے بچتا ہے۔ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ایک مرتبہ اپنے سر کے نیچے پتھر رکھ کر سو رہے تھے کہ شیطان نے آکر کہا: آپ بھی دنیا کی طرف راغب ہوگئے۔ یہ سن کر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے وہ پتھر سر کے نیچے سے نکال کر پھینک دیا۔ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اپنی بادشاہی میں لوگوں کو لذیذ کھانے کھلاتے اور خود جو کی روٹی تناول فرماتے۔ یوں انہوں نے اپنے نفس کا امتحان لیا اور اس پر سختی کی۔ لذیذ کھانوں کی موجودگی میں ان پر قدرت کے باوجود صبر کرنا بڑی ہمت کا کام ہے۔

یوں ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اِمامُ الْاَنبیا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو دنیاوی نعمتوں سے دور رکھا، حتّٰی کہ آپ کئی کئی دن تک کھائے بغیر رہتے[2] اور بھوک کے باعث شکم اطہر پر پتھر باندھتے۔[3] یہی وجہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام، اولیائے عظام اور دیگر مُقَرَّبِیْن رَحِمَہُمُ اللہُ الْمُبِیْن کو دَرَجہ بدَرَجہ آزمائشوں میں مبتلا کیا اور یہ سب کچھ ان پر شفقت اور احسان کے طور پر کیا تاکہ انہیں آخرت سے وافر حصہ ملے جیسے شفیق

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی معیشة اصحاب النبی، ۴/ ۱۶۳، حدیث: ۲۳۷۶ مفھومًا

2 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی معیشة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۴/ ۱۶۰، حدیث: ۲۳۶۷

3 ...الزھد لابن ابی الدنیا، ص ۵۱، حدیث: ۵۰

باپ اپنے بیٹے کو پھلوں کی لذّت سے منع کرتا ہے اسے فَصد اور پچھنے لگانے پر مجبور کرتا ہے تو اس کا یہ کرنا بخل کے باعث نہیں ہوتا بلکہ بچے پر شفقت اور اس سے محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس گفتگو سے معلوم ہوگیا جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے نہ ہو وہ دنیا ہے نہ کہ وہ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہو۔

کون سی شے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہے؟

سوال: اگر آپ کہیں کہ کون سی شے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اشیاء کی تین قسمیں ہیں:

(1)... وہ اشیاء جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے نہیں ہوسکتیں انہیں گناہوں اور ممنوعات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی میں مختلف مباح نعمتوں سے لذت حاصل کرنا بھی داخل ہے اور یہ قسم صورت اور معنی دونوں کے لحاظ خالص مذموم دنیا کے تحت داخل ہے۔

(2)... وہ اشیاء جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے صورتاً ہوسکتیں ہیں اور غیرُاللہ کے لئے بھی اس کا ہونا ممکن ہے، یہ تین چیزیں ہیں: (۱) ذکر (۲) فکر اور (۳) خواہشات سے بچنا۔ جب یہ تینوں امور پوشیدہ ہوں اور حکمِ الٰہی اور خوفِ آخرت کے علاوہ اِن کا کوئی باعث نہ ہو تو یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں اور اگر فکر سے اس کی غرض ایسے علم کا حصول ہے جس کے ذریعے اس کی شہرت اور مخلوق کے درمیان پذیرائی ہو اور اس کا چرچا ہو یا ترکِ خواہش سے اس کی غرض مال بچانا یا اپنے کو تندرست رکھنا یا لوگوں میں زاہد مشہور ہونا ہو تو یہ معنیٰ کے لحاظ سے دنیا ہے اگرچہ صورتاً اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہی گمان کیا جائے گا۔

(3)... وہ اشیاء جو صورتاً نفس کے لئے ہوتی ہیں اور معنوی اعتبار سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے بھی ہوسکتی ہیں جیسے کھانا، نکاح اور ہر وہ کام جس میں اس کی اور اس کی نسل کی بقا ہے۔ اگر اس سے اس کا مقصود نفس کی خوشی ہے تو یہ دنیا ہے اور اگر مقصود تقویٰ پر مدد حاصل کرنا ہے تو یہ معنوی اعتبار سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہے اگرچہ صورتاً اس کا شمار دنیا میں ہوتا ہے۔

چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا چہرہ:

حُسنِ اَخلاق کے پیکر، محبوبِ رَبِّ اَکبر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا مُكَاثِرًا مُفَاخِرًا لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ وَمَنْ طَلَبَهَا اسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَصِيَانَةً لِنَفْسِهٖ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهٗ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ

اَلْبَدْر یعنی جو شخص مال حلال اس لئے طلب کرے تاکہ اسے بڑھائے اور دوسروں پر فخر کرے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر غضب ناک ہوگا اور جو شخص مال حلال اس لئے طلب کرے تاکہ خود کو سوال کرنے سے بچائے اور اپنے نفس کی حفاظت کرے تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔[1] دیکھئے نیت کی تبدیلی سے کس طرح حکم تبدیل ہوگیا۔

معلوم ہوا کہ دنیا اس جلد حاصل ہونے والے حصے کا نام ہے جس کا آخرت سے کوئی تعلق نہیں اسے ھَوٰی (خواہش) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اس فرمانِ باری تعالیٰ میں اسی طرف اشارہ ہے:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ (پ۳۰، النّٰزعٰت: ۴۰، ۴۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنّت ہی ٹھکانا ہے۔

اور خواہش نفس کا مجموعہ پانچ امور ہیں جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یوں بیان فرمایا ہے:

اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (پ۲۷، الحدید: ۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔

ان پانچ سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ سات امور ہیں جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے اس فرمان میں جمع فرمایا ہے:

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ (پ۳، اٰل عمرٰن: ۱۴)

ترجمۂ کنز الایمان: لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی، یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے۔

یہ بات تو آپ جان چکے ہیں کہ جو چیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہو وہ دنیا میں شمار نہیں اور بقدر ضرورت کھانا، مکان اور لباس جن سے رضائے الٰہی مقصود ہو وہ بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں البتہ ان چیزوں کی کثرت تنعُّم (عیاشی) میں

[1] ...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۲۹۸، حدیث: ۱۰۳۷۵ بتقدم وتاخر

داخل ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے نہیں۔ تنعُّم اور ضرورت کے درمیان ایک درجہ ہے جسے حاجت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے دو کنارے اور ایک درمیان ہے، ایک کنارہ ضرورت کے قریب ہے یہ نقصان دہ نہیں کیونکہ ٹھیک حدِ ضرورت پر رہنا ممکن نہیں اور ایک کنارہ جو پہلے والے کنارے کے مدِّ مقابل ہے اور تنعُّم کے قریب ہے، اس سے بچنا چاہئے۔ ان دونوں کناروں کے درمیان متشابہات ہیں (ان سے بھی بچنا چاہئے) کیونکہ جو شخص شاہی چراگاہ کے قریب اپنے جانور چراتا ہے قریب ہے کہ اس کے جانور شاہی چراگاہ میں پڑ جائیں، لہٰذا شبہات سے بچے اور تقویٰ اختیار کئے رہے اور جہاں تک ممکن ہو انبیائے کرام اور اولیائے عِظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی پیروی میں حدِ ضرورت کے قریب قریب رہے کیونکہ یہ نُفوسِ قُدسیہ خود کو حدِ ضرورت تک ہی محدود رکھتے تھے۔ چنانچہ

سیرتِ سیِّدُنا اُوَیس قَرنی:

حضرت سیِّدُنا اُوَیس قَرَنی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْغَنِی کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اپنے نفس پر اس قدر سختی کیا کرتے کہ ان کے گھر والے انہیں مجنوں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان کے لئے اپنے گھر کے دروازے کے قریب الگ مکان بنایا ہوا تھا۔ گھر والے انہیں سال، دو سال اور کبھی تین سال کے بعد دیکھتے، اتنے عرصے میں کوئی بھی ان کی زیارت نہ کرتا۔ صبح کی اذان شروع ہوتے گھر سے نکلتے اور عشا کے بعد تشریف لاتے اور آپ کی غذا یہ ہوتی کہ آپ گری پڑی گٹھلیاں جمع کر لیتے اور اگر کوئی سوکھی کھجور مل جاتی تو اسے افطار کے لئے رکھ لیتے ورنہ گٹھلیاں بیچ کر بقدرِ ضرورت کھانے کی کوئی چیز لے لیتے اور آپ رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا لباس یہ ہوتا کہ آپ کچرے کے ڈھیر پر پڑے پھٹے پرانے کپڑے اٹھا لیتے جنہیں دریائے فُرات پر دھو کر اور پھر سی کر پہن لیتے۔ آپ جب بچوں کے پاس سے گزرتے تو بچے آپ کو پتھر مارتے، آپ انہیں کہتے: اے بھائیو! اگر تم نے مجھے پتھر مارنے ہی ہیں تو چھوٹے چھوٹے پتھر مارو، مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری پیٹھ خون آلود ہو جائے اور نماز کا وقت آجائے اور میں پانی پر قدرت نہ پاسکوں۔

یہ ہے حضرت سیِّدُنا اویس قرنی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْغَنِی کی مبارک سیرت۔ حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کی فضیلت و عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ جَانِبِ الْیَمَنِ یعنی بے شک میں یمن کی طرف سے خوشبوئے رحمٰن پاتا ہوں۔

سیِّدُنا فاروقِ اعظم اور سیِّدُنا اُویس قرنی رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا:

خلیفہ بننے کے بعد ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے (حج پر آئے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا: اے لوگو! تم میں سے جو عراق کے رہنے والے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں یہ سن کر تمام عراقی کھڑے ہوگئے، پھر فرمایا: اہلِ کوفہ کے علاوہ سب بیٹھ جائیں۔ تو اہل کوفہ کے علاوہ سب بیٹھ گئے، پھر آپ نے فرمایا: قبیلہ مُراد کے علاوہ سب بیٹھ جائیں۔ تو قبیلہ مراد کے علاوہ باقی سب بیٹھ گئے، پھر فرمایا: قَرَن والوں کے علاوہ باقی بیٹھ جائیں تو ایک ہی شخص کھڑا رہا باقی سب بیٹھ گئے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اس سے فرمایا: کیا تم قرن سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے عرض کی: جی ہاں! پوچھا: کیا تم اُویس قرنی کو جانتے ہو؟ یہ کہتے ہوئے آپ نے ان کا حلیہ بیان فرمایا۔ اس نے عرض کی: جی ہاں! مگر اے امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ! جن کے متعلق آپ پوچھ رہے ہیں ہمارے ہاں ان سے بڑھ کر کوئی احمق، مجنوں، بے سروسامان اور کمتر نہیں۔ یہ سن کر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے روتے ہوئے فرمایا: میں نے حضور نبیِّ غیب داں صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو فرماتے سنا ہے کہ اُویس قَرَنی کی شفاعت سے قبیلہ رَبِیْعَہ اور قبیلہ مُضَر[1] کی تعداد کے برابر لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔[2]

سیِّدُنا ابن حَیان کی سیِّدُنا اویس قرنی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِمَا سے ملاقات:

حضرت سیِّدُنا ہَرِم بن حَیان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْمَنَّان فرماتے ہیں: جب میں نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی یہ بات سنی تو میں کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ میرا وہاں جانے کا مقصد صرف حضرت سیِّدُنا اویس قَرَنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی کی زیارت کرنا اور ان کی صُحبت سے فیضیاب ہونا تھا۔ کوفہ پہنچ کر میں انہیں تلاش کرتا رہا۔ بالآخر میں نے انہیں دوپہر کے وقت فُرات کے کنارے وضو کرتے پایا۔ جو نشانیاں مجھے ان کے متعلق بتائی گئی تھیں ان کی وجہ سے میں نے انہیں پہچان لیا۔ ان کا رنگ تیز گندمی، جسم فربہ، سر منڈا

---

1 ... قبیلہ رَبِیْعَہ و مُضَر حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے جَدِّ امجد نزار بن معد (جن سے حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نسب اکیسویں پشت میں جا کر ملتا ہے) کی اولاد میں سے ہیں۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، ذکر ولد نزار بن معد، ص ۳۴)

2 ... کنز العمال، کتاب الفضائل، فضائل من لیسوا بالصحابۃ، ۱۴/ ۷، حدیث: ۳۷۸۳۱

ہوا، گھنی داڑھی اور چہرہ انتہائی بارُعب تھا۔ میں نے قریب جا کر انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور میری طرف دیکھا۔ میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن انہوں نے مصافحہ نہ کیا۔ میں نے کہا: اے اویس! اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ پر رحم فرمائے! آپ کیسے ہیں؟ انہیں اس حالت میں دیکھ کر اور ان سے شدید محبت کی وجہ سے میری آنکھیں بھر آئیں اور میں رونے لگا، مجھے روتا دیکھ کر وہ بھی رونے لگے اور مجھ سے فرمانے لگے: اے میرے بھائی ہَرِم بن حَیان! اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کو سلامت رکھے! آپ کیسے ہیں؟ اور میرے بارے میں آپ کو کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں؟ میں نے جواب دیا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے تمہاری طرف راہ دی ہے۔ یہ سن کر آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اور سُبْحٰنَ اللہِ کی صدائیں بلند کیں اور فرمایا: بے شک ہمارے ربّ عَزَّوَجَلَّ کا وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے۔ پھر میں نے ان سے پوچھا: آپ کو میرا اور میرے والد کا نام کیسے معلوم ہوا؟ حالانکہ آج سے پہلے نہ کبھی میں نے آپ کو دیکھا اور نہ ہی آپ نے مجھے دیکھا۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا: مجھے میرے علیم و خبیر پَرْوَرْدَگار عَزَّوَجَلَّ نے خبر دی ہے۔ اے میرے بھائی ہرم بن حیان! میری روح تیری روح کو اس وقت سے جانتی ہے جب (عالَمِ اَرواح) میں تمام روحوں کی آپس میں ملاقات ہوئی تھی۔ بے شک بعض مومن اپنے بعض مومن بھائیوں کو جانتے ہیں اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم سے ایک دوسرے سے اُلفت و محبت رکھتے ہیں، اگرچہ ان کی ملاقات نہ ہوئی ہو، اگرچہ وہ ایک دوسرے سے بہت دور رہتے ہوں۔ پھر میں نے ان سے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ پر رَحْم فرمائے، مجھے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی کوئی حدیث سنایئے۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا: رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر میرے ماں باپ قربان! مجھے نہ تو حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی صحبت بابَرَکت نصیب ہوئی اور نہ ہی میں ان کی زیارت سے مشرف ہو سکا البتہ اتنا ضرور ہے کہ میں نے ان عظیم ہستیوں کی زیارت کی ہے جن کی نظریں میرے آقا و مولیٰ حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے چہرے کی زیارت کر چکی ہیں۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اپنے اوپر اس بات کا دروازہ کھولوں کہ لوگ مجھے مُحَدِّث، مُفْتِی یا قاضی کہیں، میں لوگوں سے دور رہنا چاہتا ہوں اور اپنی اس حالت پر خوش ہوں۔

پھر میں نے ان سے کہا: اے میرے بھائی! مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کلام ہی سے کچھ سنا دیجئے اور مجھے کچھ نصیحت

فرمایئے تا کہ اسے یاد رکھوں۔ بے شک میں آپ سے صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رِضا کی خاطر محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا اویس قرنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی نے میرا ہاتھ پکڑا اور اَعُوْذُ بِاللہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر فرمایا: میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ کا کلام سب کلاموں سے اچھا ہے۔ پھر سورۂ دُخان کی یہ آیاتِ مبارکہ تلاوت فرمائیں:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿ۙ۴۰﴾ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَیْــٴًـا وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿ۙ۴۱﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۲﴾

(پ۲۵، الدخان: ۳۸تا۴۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر ہم نے انہیں نہ بنایا مگر حق کے ساتھ لیکن ان میں اکثر جانتے نہیں بے شک فیصلہ کا دن ان سب کی میعاد ہے جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد ہوگی، مگر جس پر اللہ رحم کرے، بے شک وہی عزت والا مہربان ہے۔

پھر ایک زور دار چیخ ماری۔ میں یہ سمجھا شاید آپ بیہوش ہوگئے ہیں، جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو فرمانے لگے: اے ابنِ حیان! تیرا باپ فوت ہو چکا، عنقریب تو بھی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا، پھر یا تو تیرا ٹھکانا جنت ہو گا یا جہنم۔ اے ابنِ حیان! تیرے جَدِّ امجد حضرتِ سیِّدُنا آدم صَفِیُّ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور تیری والدہ حضرت سیِّدَتُنا حوا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اس فانی دنیا سے جا چکے ہیں۔ حضرت سیِّدُنا نوح نَجِیُّ اللہ، حضرت سیِّدُنا ابراہیم خَلِیْلُ اللہ، حضرت سیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ، حضرت سیِّدُنا داؤد اور ہمارے پیارے آقا، مدینے والے مصطفٰے عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام بھی اس دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں۔ خَلِیْفَۃُ الْمُسْلِمِیْن حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ بھی وصال فرما چکے اور میرے بھائی اور دوست امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا بھی وصال ہو گیا۔ یہ کہہ کر آپ ہائے عمر! ہائے عمر! کہنے لگے: جب میں نے یہ سنا تو کہا: یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ تو حیات ہیں، ان کا ابھی وصال نہیں ہوا۔ یہ سُن کر حضرت سیِّدُنا اویس قرنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی نے فرمایا: مجھے میرے پَروَرْدگار عَزَّوَجَلَّ نے خبر دی ہے اور میرا دل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے، عنقریب میں اور آپ بھی اس فانی دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ پھر انہوں نے بارگاہِ رسالت میں

درود و سلام کے گجرے نچھاور کئے اور آہستہ آواز میں دعا مانگنا شروع کی۔ پھر فرمایا: اے ہَرِم بن حَیان! میری ایک نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کتاب کو پکڑے اور صالحین کے طریقے کو اپنائے رہنا، مجھے تمہارے اور اپنے مرنے کی خبر مل چکی ہے، ہمیشہ موت کو یاد رکھنا۔ اپنے دل کو دنیا میں نہ الجھانا، جب اپنی قوم کے پاس جاؤ تو انہیں (عذابِ آخرت) سے ڈرانا اور تمام لوگوں کے خیر خواہ اور ناصح بن کر رہنا، مسلمانوں کی جماعت سے کبھی بالشت بھر بھی جدا نہ ہونا، اگر تم سواد اعظم (مسلمانوں کی بڑی جماعت) سے جدا ہو گئے تو دین سے اس طرح جدا ہو جاؤ گے کہ تمہیں معلوم بھی نہ ہو گا پھر تم جہنم میں داخل ہو گے۔

پھر فرمایا: اے میرے بھائی! تم اپنے لئے بھی دعا کرنا اور مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اس کے بعد آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوئے: اے پَرْوَرْدگار عَزَّوَجَلَّ! ہَرِم بن حَیان کا گمان ہے کہ یہ مجھ سے تیری خاطر محبت کرتا اور تیری رضا ہی کی خاطر مجھ سے ملاقات کرنے آیا ہے۔ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے جنت میں اس کی پہچان کرا دینا اور جنت میں اسے میرا پڑوس دینا۔ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! جب تک یہ دنیا میں رہے اس کی حفاظت فرما! اسے تھوڑی دنیا پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اسے جو نعمتیں تو نے عطا کی ہیں، ان پر شکر کرنے والا بنا، میری طرف سے اسے خوب بھلائی عطا فرما۔ پھر مجھ سے فرمایا: اے ابنِ حیان! تجھ پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اور خوب برکتیں ہوں، آج کے بعد میں تجھ سے ملاقات نہ کر سکوں گا، بے شک میں شہرت کو پسند نہیں کرتا۔ جب میں لوگوں کے درمیان ہوتا ہوں تو سخت پریشان اور غمگین رہتا ہوں۔ بس مجھے تو تنہائی بہت پسند ہے۔ آج کے بعد تم میرے متعلق کسی سے نہ پوچھنا اور نہ ہی مجھے تلاش کرنا۔ میں ہمیشہ تمہیں یاد رکھوں گا اگرچہ تم مجھے اور میں تمہیں نہ دیکھ سکوں گا۔ میرے بھائی! تم مجھے یاد رکھنا میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ میرے لئے دعا کرتے رہنا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے چاہا تو میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا اور تمہارے لئے دعا کرتا رہوں گا۔ اب تم اس سمت چلے جاؤ اور میں دوسری طرف چلا جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ایک طرف چل دیئے۔ میں نے خواہش ظاہر کی کہ کچھ دُور تک آپ کے ساتھ چلوں، لیکن آپ نے انکار فرما دیا اور ہم دونوں روتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ میں مڑ کر آپ کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا حتّٰی کہ آپ ایک گلی کی طرف مڑ گئے۔ اس کے بعد میں نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن آپ مجھے نہ مل سکے اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ملا جو مجھے آپ کے متعلق خبر دیتا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ

ان پر رحم فرمائے اور ان کی بخشش فرمائے! (امین)

تو آخرت میں رغبت رکھنے والوں کی سیرت اس طرح تھی جو دنیا سے اعراض کئے ہوئے تھے۔

دنیا کے بارے میں اب تک جو کچھ بیان کیا گیا اور انبیائے کرام و اولیائے عظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی سیرت کے متعلق جو کچھ گزرا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے جو کچھ ہے وہ دنیا ہے سوائے ان کاموں کے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہوں۔ دنیا کی ضد آخرت ہے اور اس میں ہر وہ کام داخل ہے جس سے رضائے الٰہی مقصود ہو۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت پر قوت حاصل کرنے کے لئے بقدر ضرورت دنیا سے لینا دنیا میں شمار نہیں۔ اس بات کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ مثلاً: ایک حاجی سفر حج میں یہ قسم اٹھائے کہ وہ سوائے حج کے کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوگا، پھر وہ زادِ راہ کی حفاظت، سواری کے چارے اور مشک کے سینے یا کسی ایسے کام میں مشغول ہو جائے جو حج کے سلسلے میں اس کے لئے ضروری ہے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور وہ حج کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہیں کہلائے گا۔ پس بدن نفس کی سواری ہے جس کے ذریعے زندگی کا سفر طے کیا جاتا ہے تو بدن کو علم و عمل کے راستے پر چلنے کے لئے جس قدر قوت کی حاجت ہوتی ہے اس قدر دنیا سے حاصل کرنا آخرت سے ہے نہ کہ دنیا سے۔ ہاں! اگر بدن کو لذت دینا اور ان اَسباب سے لُطف اندوز ہونا مقصود ہو تو یہ راہِ آخرت سے اِنحراف ہے اور ایسے شخص کے دل کے سخت ہونے کا خوف ہے۔ حضرت سیِّدُنا محمد بن عبید طَنافِسِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: "میں مسجد حرام کے باب بنو شیبہ پر سات دن سے بھوکا تھا، آٹھویں رات کو میں نے نیم بیداری کی حالت میں کسی کو یہ کہتے سنا: سنو! جو دنیا سے حاجت سے زائد لے گا اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے دل کو اندھا کر دے گا۔"

یہ تمہارے حق میں دنیا کی حقیقت کا بیان تھا اسے خوب اچھی طرح سمجھ لو اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں ہدایت عطا فرمائے گا۔

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب ﴾ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴿
﴿ تُوْبُوْا اِلَی اللہ ﴾ اَسْتَغْفِرُ اللہ ﴿
﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب ﴾ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴿

دوسری فصل: **فی نفسہٖ دنیا کی حقیقت اور ان مشغولیات کا بیان جن میں ڈوب کر انسان خالق حقیقی اور موت کو بھول جاتا ہے**

جان لو! دنیا ان موجودہ اشیاء کا نام ہے جس میں انسان کے لئے حصہ ہے اور وہ ان کی درستی میں مشغول رہتا ہے اور یہ تین امور ہیں اور یہ گمان کرنا کہ دنیا ان میں سے کسی ایک کا نام ہے، درست نہیں (بلکہ تینوں کا مجموعہ دنیا ہے) موجودہ اشیاء کی بات کریں تو یہ زمین اور زمین کے اوپر جو کچھ ہے اس کا نام ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ (پ۱۵، الکھف: ۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک ہم نے زمین کا سنگار کیا جو کچھ اس پر ہے کہ انھیں آزمائیں ان میں کس کے کام بہتر ہیں۔

تو زمین انسانوں کے لئے بچھونا، مسکن اور ٹھکانا ہے اور زمین کے اوپر جو کچھ ہے وہ انسان کے لئے لباس، کھانا، پینا اور نکاح ہے۔

زمین پر موجود چیزوں کی تقسیم:

زمین پر جتنی چیزیں ہیں ان کی تین قسمیں ہیں: (۱) معدنیات (۲) نباتات اور (۳) حیوانات۔

نباتات کو انسان خوراک اور دوائیوں کے لئے استعمال کرتا ہے اور معدنیات سے سامان اور برتن بناتا ہے جیسے سیسے اور لوہے سے چیزیں بنائی جاتی ہیں یا بطور نقدی استعمال کرتا ہے جیسے سونا چاندی سے سکے بنائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر مقاصد کے لئے بھی معدنیات کا استعمال ہوتا ہے۔

حیوانات کی دو قسمیں ہیں: (۱) انسان اور (۲) جانور

جانوروں سے انسان گوشت حاصل کرتا ہے جسے وہ کھاتا ہے اور ان کی پیٹھوں پر سواری کرتا ہے اور زینت کے لئے رکھتا ہے۔ انسانوں کی بات کریں تو کبھی انسان کی غرض دوسرے سے خدمت لینا اور بلا اُجرت کام کروانا ہوتا ہے جیسے غلاموں سے بلا اُجرت خدمت لی جاتی ہے۔ یا نفع اٹھانا مقصود ہوتا ہے جیسے لونڈیوں اور عورتوں سے نفع اٹھایا جاتا ہے یا جاہ و مرتبے کا حصول ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف

مائل کرے اور وہ اس کی عزت و تکریم کریں اور جاہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ لوگوں کے دلوں کا مالک ہونا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں دنیا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس آیتِ طیبہ میں انہیں کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِیْنَ (پ۳، اٰل عمرٰن: ۱۴)

ترجمۂ کنز الایمان: لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے۔

اس کا تعلق انسان سے ہے۔

وَ الْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ (پ۳، اٰل عمرٰن: ۱۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر۔

اس کا تعلق معدنیات سے ہے۔

وَ الْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ (پ۳، اٰل عمرٰن: ۱۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اور نشان کئے ہوئے گھوڑے اور چوپائے۔

اس کا تعلق حیوانات سے ہے۔

وَ الْحَرْثِ (پ۳، اٰل عمرٰن: ۱۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اور کھیتی۔

اس کا تعلق نباتات سے ہے۔

موجودات سے انسانی تعلق:

یہ دنیا کی موجودات ہیں جس سے انسان کا تعلق دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) قلبی تعلق کہ انسان اس سے محبت کرتا، اس سے نفع اٹھاتا اور اپنی فکر کو اس میں اس قدر مشغول رکھتا ہے کہ اس کا دل غلام کی طرح ذلیل یا دنیا پر فریفتہ عاشق کی طرح ہو جاتا ہے اور اس تعلق میں دل کی وہ تمام صفات داخل ہیں جو دنیا سے تعلق رکھتی ہیں جیسے تکبُّر، کینہ، حسد، ریا، شہرت، بدگمانی، چاپلوسی، تعریف چاہنا، مال کی کثرت چاہنا اور فخر کرنا ان تمام کا تعلق باطن سے ہے اور جن کا تعلق ظاہر سے ہے انہیں ہم بیان کر چکے ہیں۔

(۲) بدنی تعلق یوں کہ انسان کا ان موجودات کی درستی میں مشغول ہونا جو اس کے اور دوسروں کے لئے نفع کا باعث ہوں، اس میں تمام صنعتیں اور پیشے داخل ہیں جن میں مخلوق مشغول ہے۔ قلبی تعلق کی محبت اور بدنی تعلق میں مشغولیت کے سبب مخلوق خود کو اور اپنے انجام کو نیز دنیا کے انقلاب کو بھول گئی ہے۔ اگر انسان

خود کو پہچان لے، اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل کرلے، اس دنیا کی حکمت اور راز کو جان لے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ موجودات جسے ہم دنیا سے تعبیر کر رہے ہیں اس جانور کے چارے کی طرح ہے جس پر سوار ہو کر بارگاہِ الٰہی کی طرف سفر کیا جائے اور جانور سے مراد انسانی بدن ہے جو کھانے، پینے، لباس اور رہائش کے بغیر نہیں رہ سکتا جیسے سفر حج میں چلنے والا اونٹ بغیر چارے اور پانی کے نہیں رہ سکتا۔

اپنے نفس اور زندگی کے مقصد کو بھلا دینے والے انسان کی مثال اس حاجی کی طرح ہے جو سفر حج میں مختلف منازل پر ٹھہرتا اور اپنی سواری کے چارے، اسے صاف رکھنے اور مختلف اقسام کے کپڑے پہنانے میں مشغول ہوتا ہے اور کبھی اس کے لئے گھاس جمع کرنے اور ٹھنڈے پانی کا بندوبست کرنے بیٹھ جاتا ہے، اسی اثنا میں قافلہ روانہ ہو جاتا ہے اور وہ حج و قافلے کے روانہ ہونے سے غافل ہو جاتا ہے یوں وہ اور اس کی سواری جنگل میں درندوں کا لقمہ بننے کے لئے رہ جاتے ہیں۔

لیکن عقل مند حاجی اس طرح کے کاموں میں مشغول نہیں ہوتا بلکہ وہ سواری کی اس قدر ہی خدمت کرتا ہے کہ وہ چلنے کے قابل رہے اور اس کا دل خانہ کعبہ اور حج کی طرف متوجہ رہتا ہے اور سواری کی طرف اس کی توجہ بقدر ضرورت ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح سفر آخرت طے کرنے والے عقل مند کا حال ہے کہ وہ بدن کی دیکھ بھال میں مشغول نہیں ہوتا مگر جس قدر اسے ضرورت ہو جیسے بیت الخلا میں آدمی ضرورت کے لئے جاتا ہے اور اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ آدمی پیٹ میں کیا ڈالتا اور کیا نکالتا ہے کیونکہ دونوں بدن کی ضرورت سے ہیں، لہٰذا جو شخص کھانے کی فکر میں رہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ پیٹ سے نکلنے کی صورت میں اس کی قیمت دیکھ لے اور اکثر لوگ پیٹ ہی کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل ہوتے ہیں کیونکہ رہائش و لباس کے مقابلے میں کھانا زیادہ ضروری ہے۔ اگر لوگ ان امور کی طرف حاجت کے سبب کو جان لیتے اور حدِ ضرورت پر ہی اکتفا کرتے تو دنیا کے مشاغل میں مشغول نہ ہوتے اور دنیا میں مشغول ہونے کا سبب ان کا دنیا اور اس کی حکمت سے ناواقف ہونا اور اس بات سے بے خبر ہونا ہے کہ ان کا دنیا میں کس قدر حصہ ہے؟ لہٰذا وہ اس سبب سے جہالت اور غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور دنیا کے مشاغل میں مسلسل مصروف ہیں اور یہ مشاغل دوسرے مشاغل کے ساتھ ملے ہوئے ہیں جو انہیں دوسرے کاموں کی طرف لے جاتے ہیں اس طرح یہ

ناختم ہونے والا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور وہ دنیا کے مشاغل میں حیران و پریشان اپنے مقاصد کو بھول جاتے ہیں۔

اب ہم دنیا کے مشاغل کی تفصیل اور ان کی طرف حاجت کی کیفیت نیز یہ کہ کس طرح لوگ اپنے مقاصد سے ہٹ گئے ہیں، اسے بیان کرتے ہیں تا کہ دنیا کے مشاغل کی وضاحت ہو کہ کیسے لوگ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ سے پھر گئے اور اپنے انجام کار کو بھول گئے ہیں۔

انسان کی ضرورتیں اور انسانی پیشے:

دنیوی مشاغل وہ صنعتیں، پیشے اور وہ اعمال ہیں جن میں تم مخلوق کو مشغول دیکھتے ہو اور ان مشاغل کی کثرت کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی ضرورتیں تین ہیں: (۱) کھانا (۲) مکان اور (۳) لباس۔ کھانا زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے، لباس سردی گرمی سے بچاؤ کے لئے ہے اور مکان سردی گرمی سے بچاؤ کے لئے بھی ہے اور اہل ومال کی حفاظت کے لئے بھی۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے غذا، مکان اور لباس اس طور پر نہیں بنائے کہ اسے بغیر انسانی عمل دخل کے استعمال کیا جائے۔ البتہ جانوروں کے حق میں یہ بات ہے کہ ان کو کھانے کے سلسلے میں پکانے کی، گرمی سردی سے بچاؤ کے لئے مکان اور کپڑوں کی ضرورت نہیں ہوتی کہ یہ کام ان کی کھال اور بال کرتے ہیں لیکن انسان کا معاملہ ایسا نہیں، لہٰذا انسان کو پانچ قسم کی بنیادی صنعتوں کی حاجت ہوتی ہے جو تمام صنعتوں کی اصل ہیں، اور وہ یہ ہیں: (۱) زراعت (۲) جانور پالنا (۳) اِقْتِناص (۴) کپڑا وغیرہ بننا اور (۵) عمارت تعمیر کرنا۔

عمارت کی تعمیر رہائش کے لئے، **کپڑا بننا**، کاتنا اور سینا وغیرہ لباس کے لئے، **زراعت** کھانے کے لئے اور **جانور پالنا** کھانے اور سواری کے لئے ہوتا ہے اور **اقتناص** سے مراد یہ ہے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے جو اس کے لئے شکار، معدنیات، گھاس اور لکڑی پیدا کی ہے اسے حاصل کرنا۔

کسان غلّہ اگاتا ہے، چرواہا حیوانات کی حفاظت کرتا ہے اور ان سے بچے حاصل کرتا ہے، اقتناص کا پیشہ اختیار کرنے والا زمین پر خود بخود پیدا ہونے والی چیزوں کو اور زمین کی معدنیات کو حاصل کرتا ہے جس کی پیدائش میں انسانی صنعت کا عمل دخل نہیں ہوتا۔

انسانی پیشوں کی تقسیم:

اس کے تحت مختلف صنعتیں اور پیشے آتے ہیں۔ پھر ان پیشوں کے لئے مختلف آلات کی حاجت ہوتی ہے جیسے کپڑا بُننے، زراعت، عمارت کی تعمیر اور شکار کرنے کے لئے آلات کی حاجت ہوتی ہے اور یہ آلات یا تو نباتات سے حاصل ہوتے ہیں یعنی لکڑی سے یا معدنیات سے یعنی لوہے اور سیسے وغیرہ سے یا پھر حیوانات کی کھالوں سے حاصل ہوتے ہیں، لہٰذا مزید تین پیشوں کی حاجت پیش آئی اور وہ پیشے یہ ہیں: (۱) بڑھئی (۲) لوہار اور (۳) چمڑا سینے کا کام۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آلات بناتے ہیں۔ بڑھئی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو لکڑی کا کام کرتا ہے چاہے وہ کسی بھی نوعیت کا ہو۔ لوہار سے مراد ہر وہ شخص ہے جو لوہے اور دیگر معدنیات یعنی تانبے وغیرہ کو بنانے اور جوڑنے کا کام کرے۔ ہماری غرض یہاں پیشوں کی اَجناس کا ذکر کرنا ہے ورنہ پیشے تو بہت ہیں۔ چمڑا سینے والے سے ہماری مراد ہر وہ شخص ہے جو حیوانات کے چمڑوں اور ان کے اجزا کا کام کرتا ہے۔ یہ تین پیشے تمام پیشوں کی اصل ہیں۔

انسان اور فلسفۂ اجتماعیت:

انسان کی تخلیق اس طرح ہوئی ہے کہ وہ اکیلے زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ وہ اپنی جنس کے دوسرے فرد کے ساتھ مل کر رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس کے دو سبب ہیں: (۱) جنس انسان کو باقی رکھنے کے لئے نسل بڑھانے کی حاجت ہوتی ہے اور یہ چیز مرد و عورت کے اجتماع اور ملاپ کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ (۲) کھانے، لباس اور تربیت اولاد کے سلسلے میں وہ دوسرے کے تعاون کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور مرد و عورت کے ملاپ سے لامحالہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور اکیلا شخص بچے کی حفاظت و تربیت سے لے کر غذا و لباس کی فراہمی تک تمام امور کا مُتَحَمِّل نہیں ہو سکتا اور پھر اہل و عیال کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہنے سے بھی گزارہ نہیں ہو سکتا جب تک بہت سارے لوگوں کے ساتھ اجتماعیت نہ ہو اور ہر ایک مخصوص پیشہ اختیار نہ کرے۔ ایک شخص کھیتی باڑی کے کام تن تنہا انجام نہیں دے سکتا کیونکہ ان کاموں کو انجام دینے کے لئے اسے آلات کی حاجت ہوتی ہے تو اسے پھر لوہار اور بڑھئی کی حاجت پڑتی ہے نیز کھانے کے لئے آٹا پیسنے والے اور روٹی پکانے والے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح تن تنہا انسان لباس حاصل

نہیں کر سکتا اسے پہلے روئی حاصل کرنی ہوگی اور پھر اسے کپڑا بُننے اور سینے کے آلات اور اس کے علاوہ دیگر آلات کی حاجت ہوگی۔ معلوم ہوا کہ انسان اکیلا زندگی نہیں گزار سکتا اسے اجتماعیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

شہروں کی حاجت:

صرف اجتماعیت سے بھی گزارہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر لوگوں کو کسی کھلے صحرا میں جمع کر دیا جائے تو وہ گرمی، سردی اور بارش کی تکلیف اور چوروں کے ہاتھوں ہلاکت میں پڑ جائیں گے تو اجتماعیت کے ساتھ ساتھ ضرورت محسوس ہوئی مضبوط عمارتوں کی اور ایسے گھروں کی جس میں گھر والے الگ الگ رہیں اور ان کا ساز وسامان ان کے ساتھ رہے۔ گھروں کی تعمیر انسانوں کو گرمی، سردی اور بارش سے محفوظ رکھتی ہے اور قریب رہنے والے چوروں ولٹیروں سے بچاتی ہے لیکن اس میں یہ خوف بھی تھا کہ باہر سے چوروں کی کوئی جماعت آکر پورے محلّے کو لوٹ کر نہ لے جائے، لہٰذا ایک دوسرے کے تعاون اور مدد کی ضرورت پیش آئی اور فصیلوں (شہر کی اونچی چار دیواری) کی حاجت سامنے آئی جو پورے شہر کو محیط ہو تو اس ضرورت کی وجہ سے شہروں کی بنیاد رکھی گئی۔

مختلف صنعتوں کی ضرورت اور ریاست کی حاجت:

جب لوگ گھروں اور شہروں میں اکٹھے رہنے لگے اور باہم مُعاملات کرنے لگے تو ان کے درمیان جھگڑے اور اختلافات جنم لینے لگے کیونکہ شوہر کو بیوی پر وِلایت ہے اور اسی طرح والدین کو اولاد پر۔ چونکہ اولاد کمزور ہے اسے زندگی گزارنے کے لئے ماں باپ کے سہارے کی حاجت ہوتی ہے اور جب کبھی کسی عاقل پر ولایت حاصل ہوتی ہے تو یہ بات جھگڑے کی طرف لے کر جاتی ہے بر خلاف جانوروں کے کہ ان میں جھگڑنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اگرچہ کوئی ان پر ظُلْم کرے جبکہ عورت اپنے شوہر سے اور اولاد اپنے والدین سے جھگڑا کرتی ہے۔ یہ تو گھروں کا معاملہ ہے یہی حال اہل شہر کا بھی ہے کہ وہ باہم مختلف ضروریات کے تحت معاملات کرتے ہیں اور اس میں جھگڑتے ہیں تو اگر ان کو اس طرح چھوڑ دیا جائے تو وہ باہم جھگڑا کرتے کرتے ہلاک ہو جائیں گے۔

چرواہوں اور کاشتکاروں کا معاملہ دیکھ لیں کہ اگر وہ چراگاہوں، زمینوں اور پانی سے مُشْتَرکہ فائدہ اٹھائیں اور ان کے مقاصد پورے نہ ہوں تو ان میں جھگڑا ہونا یقینی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ نابینا ہونے، بیماری،

بڑھاپے یا ان کے علاوہ کسی اور وجہ سے زراعت اور صَنْعَت سے عاجز ہوتے ہیں۔ اب اگر ان کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائیں۔ اگر ان کی خبر گیری سب پر ڈال دی جائے تو وہ رسوا ہوں اور اگر بغیر کسی سبب کے کسی ایک فرد پر ان کی ذمہ داری ڈال دی جائے تو وہ کیوں ان کی ذمہ داری اٹھائے گا؟ لہٰذا ان وُجوہات اور عوارض کو دیکھتے ہوئے دیگر صنعتوں کی ضرورت پیدا ہوئی، ان میں سے ایک زمین کی پیمائش کا فن ہے جس سے زمین کی مقدار معلوم ہوتی ہے تاکہ لوگوں کے درمیان زمین کی تقسیم انصاف پر مبنی ہو۔ اسی طرح فن سپہ گری ہے تاکہ تلوار کے ذریعے شہر کی حفاظت ہو سکے اور چوروں کو اس سے دور رکھا جائے۔ ایک فن کا تعلّق لوگوں کے مابین جھگڑوں کا فیصلہ کرنے سے ہے تاکہ لوگوں کے جھگڑوں کا تصفیہ ہو سکے اور ایک فن کا تعلق فقہ سے ہے اور وہ ان شرعی معاملات اور احکام کے جاننے کا نام ہے جس کے ذریعے مخلوق کے درمیان نظم وضبط قائم کیا جا سکے اور انہیں شرعی حدود سے آگاہ کیا جا سکے تاکہ جھگڑوں کی کثرت نہ رہے۔

یہ فُنُون سیاسی امور سے تعلق رکھتے ہیں جن کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان فنون میں صرف وہی لوگ مشغول ہو سکتے ہیں جو مخصوص صفات علم، تمیز اور ہدایت سے موصوف ہوں اور جب وہ ان امور میں مشغول ہوں گے تو دوسرے کام نہیں کر سکیں گے جبکہ انہیں بھی معاش کی ضرورت ہے اور اہل شہر کو ان کی ضرورت ہے۔ بالفرض اگر تمام اہل شہر جنگ میں مشغول ہو جائیں تو تمام صنعتیں مُعَطَّل ہو کر رہ جائیں گی اور اگر فوج طَلَبِ معاش کے لئے مختلف پیشوں میں مصروف ہو جائے تو شہر محفوظ نہیں رہیں گے اور لوگ تکلیف میں پڑ جائیں گے، لہٰذا اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسے لوگوں کی معاش اور رزق پر ان اموال کو خرچ کیا جائے جن کا کوئی مالک نہ ہو یا کافروں سے جنگ کے بعد ان سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت ان پر خرچ کیا جائے۔ اب اگر وہ لوگ دیانتدار اور تقویٰ کے حامل ہوں گے تو اسی پر قناعت کریں گے ورنہ اگر وہ زیادہ مال چاہیں تو اس بات کی ضرورت محسوس ہو گی کہ اہل شہر اپنے اموال کے ذریعے ان کی مدد کریں اور وہ اس کے بدلے شہر کی حفاظت کریں، لہٰذا اب مَحْصُول (ٹیکس) کی ضرورت محسوس ہوئی اور پھر محصول کے سلسلے میں مختلف محکموں کی حاجت پیش آئی جیسے ایک ایسا محکمہ ہو جس میں کوئی شخص انصاف کے ساتھ کاشتکاروں اور مال دار لوگوں پر محصول مقرر کرے ایسا کرنے والے کو عامل کہا جاتا ہے اور ایک ایسا

محکمہ ہو جس میں ایسے لوگ ہوں جو نرمی کے ساتھ لوگوں سے تَحْصُول وُصُول کریں انہیں مُحَصِّل کہتے ہیں اور ایک ایسا محکمہ بھی ہو جن میں ایسے لوگ ہوں جن کے پاس یہ محصول کی آمدنی جمع ہو اور وہ تقسیم ہونے تک اس کی حفاظت کریں انہیں خزانچی کہا جاتا ہے اور پھر کسی ایسے محکمے کی بھی حاجت ہوگی جس میں ایسے لوگ ہوں جو انصاف کے ساتھ مستحق لوگوں میں محصول کی آمدنی تقسیم کریں۔

پھر یہ ایسے کام ہیں کہ اگر ان کی ذمہ داری متعدد لوگوں پر ڈال دی جائے اور ان کے درمیان مربوط نظام نہ ہو تو تمام انتظام ٹوٹ جائے گا، لہٰذا ایک ایسے بادشاہ اور امیر کی ضرورت پیش آئی جو سب کی تدبیر کرے اور اس کی بات مانی جائے۔ ہر شخص کو وہ ایک کام سپرد کرے اور جس منصب کے وہ لائق ہو اس کے مطابق اسے کام دے۔ ٹیکس لینے اور دینے میں انصاف سے کام لے۔ جنگ میں لشکر کا تَقَرُّر اور انہیں اَسلحہ کی تقسیم، لڑائی کی جہات کا تعین اور لشکر کی ہر جماعت پر ایک ایک امیر اور قائد کا تعین اس کی ذمہ داری ہو۔ اس کے علاوہ سلطنت کے کئی دوسرے معاملات بھی اس کی ذمہ داری ہوں مثلاً مُسَلَّح فوج اور اس کے سپہ سالار کا تقرر، حساب و کتاب اور امور خزانہ کے لئے کسی کی تقرری، عاملین و مُحَصِّلِین کا انتخاب اور ان تمام محکموں سے وابستہ لوگ معاش کے محتاج ہیں اور وہ اپنی متعلقہ ذمہ داریوں کی موجودگی میں دوسرے پیشے اختیار نہیں کرسکتے، لہٰذا ایک محصول کے ساتھ ساتھ دیگر محصولات کی بھی ضرورت پیش آئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان صَنعتوں کے لحاظ سے تین قسموں میں مُنْقَسِم ہے: (۱) زِراعت، جانوروں کو چرانے اور مختلف پیشوں سے وابستہ افراد (۲) فوج (۳) حکومتی نمائندگان اور حکومت کی طرف سے محصول وصول کرنے والے۔

غور کرو! غذا، لباس اور رہائش کی حاجت سے معاملہ شروع ہوتے ہوئے کہاں تک جا پہنچا۔

دنیاوی ضرورتیں اور خرید و فروخت کی حاجت:

اسی طرح دنیاوی امور کا حال ہے کہ اس کا ایک دروازہ کھلتا ہے تو اس کی وجہ سے کئی دوسرے دروازے کھل جاتے ہیں اور یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے گویا یہ ایک ایسا گڑھا ہے جس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہیں جو اس کے ایک حصے میں گرتا ہے تو وہ وہاں سے دوسرے میں گرتا ہے اور یوں گرتا ہی رہتا ہے۔

یہ صنعتیں اور پیشے ہیں جن کا ذکر ہوا ان کے لئے مال اور آلات کی ضرورت پڑتی ہے اور مال زمین پر ان

چیزوں کا نام ہے جن سے نفع اٹھایا جاتا ہے۔ ان میں اعلیٰ غذائیں ہیں پھر وہ مکانات ہیں جس میں انسان پناہ لیتا ہے اور پھر وہ مکانات ہیں جہاں انسان اپنی روزی کماتا ہے جیسے دکانیں، بازار اور کھیتیاں اس کے بعد لباس پھر گھر کا سازوسامان اور اوزار اور پھر دیگر آلات۔ بسا اوقات حیوانات بھی آلات بنتے ہیں جیسے کتا شکار کا آلہ ہے، گائے کھیتی باڑی کا آلہ ہے اور گھوڑا جنگ میں سواری کا آلہ ہے۔ پھر یہیں سے خرید وفروخت کی ضرورت بھی جنم لیتی ہے کیونکہ بسا اوقات کاشتکار ایسے علاقے میں ہوتا ہے جہاں آلات زراعت نہیں ہوتے اور لوہار اور بڑھئی اس علاقے میں ہوتے ہیں جہاں زِراعت ممکن نہیں۔ اس ضرورت کے تحت کاشتکار بڑھئی اور لوہار کا محتاج ہوتا ہے اور وہ دونوں اس کے محتاج ہوتے ہیں، لہٰذا ان میں سے ہر ایک شخص دوسرے کا محتاج ہے کہ جو اس کے پاس ہے اسے دے کر اپنی غرض پوری کرے اور یہ مُعاوضے کے طریقے پر ہوتا ہے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بڑھئی اپنے اوزار کے بدلے کاشتکار سے غلہ طلب کرتا ہے لیکن اس وقت کاشتکار کو اوزار کی حاجت نہیں ہوتی، لہٰذا وہ اپنا غلہ نہیں بیچتا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاشتکار کو اوزار کی حاجت ہوتی ہے اور بڑھئی کے پاس اس وقت غلہ موجود ہوتا ہے، لہٰذا وہ اَوزار نہیں دیتا۔ اس طرح دونوں کی غرض پوری نہیں ہوتی تو اب دکانوں کی حاجت پیش آئی جہاں ہر طرح کی صنعت کے آلات موجود ہوں اور ضرورت مند وہاں سے خرید سکیں اور منڈیوں کی حاجت پیش آئی جہاں کاشتکار اپنا غلہ بیچ کر اپنی حاجت پوری کریں اور وہاں سے بازار والے خرید کر ضرورت مندوں تک پہنچائیں، اس طرح مارکیٹیں اور بازار وجود میں آئے۔ اب کاشتکار اپنا غلہ بازار لے جاتا ہے وہاں اگر اسے کوئی ضرورت مند نہیں ملتا تو وہ سستے داموں بازار کے خریداروں کو دے آتا ہے اور وہ خریدار نفع کے لالچ میں ضرورت مندوں کا انتظار کرتے ہیں۔ غلہ کے علاوہ دیگر اجناس کا بھی یہی حال ہے۔

پھر گاؤں اور شہروں کے درمیان آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوا کہ لوگ دیہاتوں سے غلہ اور شہروں سے آلات خریدتے اور پھر اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ فروخت کردیتے اور یوں اپنی زندگی بسر کرتے تاکہ ان کے ذریعے لوگوں کے امور مُنَظَّم رہیں کیونکہ ہر شہر میں تمام قسم کے آلات نہیں ہوتے اور نہ ہی ہر گاؤں میں تمام قسم کا غلہ موجود ہوتا ہے، لہٰذا جب وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ مال منتقل کرنے میں ایک دوسرے کے محتاج ہوئے تو ایسے تاجروں کا ظُہور ہوا جو ایک جگہ سے دوسری جگہ مال فروخت کرتے ہیں اور

ان کے پیشِ نظر مال کی حرص ہوتی جس کے لئے وہ رات دن دوسروں کے مقاصد کے لئے دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ اس مال میں ان کا حصہ اس قدر ہی ہوتا ہے جو وہ کھالیتے ہیں ورنہ بقیہ مال ڈاکو چھین لے جاتے یا ظالم بادشاہ کی نظر ہوجاتا لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کی غفلت اور جہالت میں ہی شہروں کا نظام رکھا ہے اور اس میں بندوں کے لئے مصلحت پوشیدہ ہے بلکہ دنیا کے تمام اُمور غفلت اور کم ہمتی کے باعث ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر تمام لوگ عقل مند ہوجائیں اور ان کی سوچ بلند ہوجائے تو وہ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرلیں اور اگر ایسا ہوجائے تو نظامِ زندگی ہی مُعَطَّل ہوجائے اور اس سبب سے زاہد لوگ خود بھی ہلاک ہوجائیں۔

انسانی ضرورتوں کا سلسلہ نہ ختم ہونے والا ہے:

پھر جو مال ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ہے انسان اس کا بوجھ اٹھانے پر قادر نہیں، لہٰذا ایسے جانوروں کی ضرورت پیش آئی جو اس بوجھ کو اٹھاسکیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے صاحبِ مال کے پاس بوجھ اٹھانے کے لئے جانور نہیں ہوتا تو اسے کسی جانور کے مالک کے ساتھ معاملے کی حاجت ہوتی ہے اور اسے اجارے اور کرائے سے موسوم کیا جاتا ہے جو کمائی ہی کا ایک ذریعہ ہے۔ پھر خرید و فروخت کے سلسلے میں نقدی (پیسوں) کی ضرورت پیش آئی کیونکہ جو شخص کپڑے کے بدلے غلہ خریدنا چاہتا ہے تو اسے کیسے معلوم ہوگا کہ کس قدر کپڑے کی مقدار کے برابر کس قدر غلہ ہے اور چونکہ معاملہ مختلف اَجناس میں ہوتا ہے تو کبھی کپڑا کھانے کے بدلے بیچا جائے گا اور کبھی حیوان کپڑے کے بدلے فروخت ہوگا اور ان امور میں کوئی مُناسَبَت نہیں، لہٰذا ایسی چیز کی ضرورت پڑی جو خریدار اور بیچنے والے کے درمیان مُتَوَسِّط ہو اور دوسری چیز کے مقابلے میں برابر ہو تو جب اس چیز کو جنسِ مال میں تلاش کیا گیا تو اس ضرورت کو بھی سامنے رکھا گیا چونکہ اس کی ضرورت ہمیشہ رہے گی، لہٰذا ایسے مال کی ضرورت پیش آئی جو طویل عرصے تک باقی رہ سکے اور یہ چیز معدنیات میں دکھائی دی، لہٰذا سونے چاندی اور پیتل کے سکے بنائے گئے۔ پھر ان سکوں پر مہر، نقش و نگار اور مقدار مقرر کرنے کے لئے ٹکسال (وہ جگہ جہاں سکے ڈھالے جاتے ہیں) اور صراف (سونا چاندی پرکھنے والے) کی حاجت پیش آئی۔ اس طرح ایک کام سے دوسرا کام اور ایک مشغلے سے دوسرا مشغلہ پیدا ہوتا رہا اور معاملہ وہاں تک پہنچا جو تم دیکھ رہے ہو۔ پس یہ لوگوں کے مشاغل ہیں جن سے وہ کسب معاش کرتے ہیں۔ اس کے لئے انہیں شروع میں سیکھنا پڑتا ہے اور محنت کرنی پڑتی ہے۔

چوری کرنا اور بھیک مانگنا:

بعض لوگ بچپن میں نہ سیکھنے یا کسی رکاوٹ کی وجہ سے ان سے غافل ہوتے ہیں تو اب وہ کمائی سے عاجز ہو جاتے ہیں اور وہ دوسروں کی کمائی کھانے کے محتاج ہوتے ہیں۔اس وجہ سے دو گھٹیا پیشے سامنے آئے: (۱)چوری اور (۲)بھیک مانگنا۔

ان دونوں پیشوں سے وابستہ لوگ دوسروں کی کمائی کھاتے ہیں اس لحاظ سے یہ دونوں پیشے برابر ہیں چونکہ لوگ اپنے مالوں کو چوروں اور بھکاریوں سے بچاتے ہیں، لہٰذا انہوں نے لوگوں کا مال ہضم کرنے کے لئے مختلف حیلے اور تدابیر اختیار کرلیں۔چوروں میں سے بعض نے اپنے معاوِن تلاش کر لئے اور ایک جماعت کے ساتھ مل کر انہوں نے اپنی قوت کو بڑھالیا۔اس طرح انہوں نے ڈاکہ زنی اور رہزنی شروع کر دی جیسے عَرَب کے دیہاتیوں اور کُرد قبیلے کے لوگوں نے یہی طریقہ اختیار کیا۔چوروں میں جو لوگ کمزور تھے انہوں نے یہ حیلے اختیار کئے کہ دیوار میں نقب لگا کر یا دیوار پھلانگ کر لوگوں کی غفلت سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا یا جیب کاٹ کر یا مال چھین کر فرار ہونے کا طریقہ اختیار کرلیا۔اسی طرح آج کل کے چوروں نے اپنی سوچ و فکر سے چوری کے مختلف طریقے ایجاد کر لئے ہیں۔

لوگوں سے مال بٹورنے کے مختلف طریقے:

جہاں تک بھیک مانگنے والوں کا تعلق ہے چونکہ وہ دوسروں کی کمائی حاصل کرتے ہیں تو انہیں سنایا جاتا ہے کہ تمہیں کیا تکلیف ہے دوسروں کی طرح کما کر کیوں نہیں کھاتے؟ کیوں اپنے آپ کو بیکار بنایا ہوا ہے؟ اس طرح کہہ کر انہیں کوئی چیز نہیں دیتے تو انہوں نے لوگوں سے مال بٹورنے کے لئے مختلف قسم کے حیلے اور عذر بیان کرنا شروع کر دیئے۔ بعض تو حقیقتاً عاجز بن جاتے ہیں کہ وہ خود یا اپنی اولاد کو اندھا کر دیتے تاکہ لوگ معذور خیال کر کے انہیں کچھ دیں اور بعض محض بناوٹی طور پر اپنے آپ کو اندھا، مفلوج، مجنون اور مختلف بیماریوں میں مبتلا ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں قدرتی طور پر یہ چیزیں پہنچی ہیں اور یہ وہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ لوگ ترس کھا کر انہیں کچھ دیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ایسی باتیں اور کام کرتے

ہیں جنہیں دیکھ کر لوگ حیرت وخوشی کا اظہار کرتے ہیں اور خوش ہو کر انہیں کچھ مال دے دیتے ہیں۔ جب یہ خوشی ختم ہوتی ہے تو انہیں اپنے کئے پر ندامت ہوتی ہے اور اس وقت انہیں ندامت کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی مسخرے پن کا مظاہرہ کرتا ہے، کوئی قصے کہانیاں سناتا ہے، کوئی شُعْبَدہ بازی کرتا ہے اور کوئی لوگوں کو ہنسانے والے کام کرتا ہے، کوئی عجیب وغریب اشعار اور مُسَجَّع کلام کو خوش الحانی سے بیان کرتا ہے اور موزون اشعار دل میں زیادہ تاثیر پیدا کرتے ہیں خاص طور پر جب ان کا تعلق مذہبی رنگ سے ہو جیسے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اور اہلِ بیتِ اطہار رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام کے فضائل ومناقب پر مشتمل اشعار، کوئی عشقِ مجازی اور ناروا محبت پر مشتمل کلام سناتا ہے جیسے بازاروں میں بعض لوگ ڈھول بجابجا کر ایسے گیت سناتے ہیں۔ اسی میں ایسے مشاغل بھی شامل ہیں جن میں ایسے کام ہوتے ہیں جو عوض کے مشابہ ہوتے ہیں حالانکہ ان میں عوض نہیں ہوتا مثلاً بعض لوگ غیر شرعی تعویذات اور جعلی جڑی بوٹیاں وغیرہ بیچتے ہیں اور اسے دوائی قرار دے کر بچوں اور جاہلوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ فال نکالنے والے اور نجومی بھی اسی شمار میں ہیں نیز اسی میں وہ واعظین ومقررین بھی شامل ہیں جو منبروں پر بیٹھ کر لوگوں کو علمی ودینی فائدہ نہیں پہنچاتے بلکہ وعظ وبیان سے ان کی غرض لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور مفت میں لوگوں سے مال بٹورنا ہے۔ یہ تمام کام بھیک کے زُمرے میں آتے ہیں اور ان طریقوں کی تعداد ہزاروں سے بھی اوپر پہنچ گئی ہے اور یہ سب ان کی مفت میں مال حاصل کرنے کی سوچ وفکر کا نتیجہ ہے۔

یہ ہیں وہ مشاغل اور کام جن پر لوگ اوندھے پڑے ہیں اور ان کی طرف جانے کا سبب رزق اور لباس کا حصول ہے اور اس میں وہ اس قدر مُنْہَمِک ہیں کہ انہیں اپنا، اپنے مقصد اور مرنے کے بعد زندگی کا کچھ خیال نہیں یوں وہ اس میں حیران وپریشان سیدھی راہ سے بھٹک ہوئے ہیں۔ ان کی کمزور عقلیں دنیا کی مشغولیت اس قدر راسخ ہیں کہ اب ان میں فاسد خیالات پیدا ہو چکے ہیں جس کے باعث ان کے مذاہب اور آراء میں اختلاف واقع ہو چکا ہے۔

دنیا میں منہمک لوگوں کی قسمیں:

دنیا میں منہمک لوگوں کے پانچ گروہ ہیں:

⊛...**ایک گروہ:** ان کا ہے جن پر جہالت اور غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے جس کے باعث وہ اپنے انجام کو نہیں دیکھ پاتے۔ اس لئے وہ کہتے ہیں: "مقصود دنیا میں چند روز کی زندگی ہے تو کیوں نہ ہم روزی کمائیں اور کما کر کھائیں اور کھانے کے بعد طاقت حاصل کر کے دوبارہ کمانے میں لگ جائیں۔" یعنی ان کا مقصد کھانے کے لئے کمانا اور کمانے کے لئے کھانا ہے اور یہ کاشتکاروں اور مختلف پیشوں سے وابستہ افراد کی سوچ ہے اور جسے دنیا میں آسائش نہیں اور نہ ہی وہ دیندار ہے تو وہ دن میں مشقت برداشت کرتا ہے تاکہ رات کو پیٹ بھر کر کھاسکے اور رات کو اس لئے کھاتا ہے تاکہ دن میں محنت کر سکے تو وہ کولھو کے بیل کی طرح چکر کاٹتا رہتا ہے اور اس کا یہ چکر موت پر ہی ختم ہو گا۔

⊛...**دوسرا گروہ:** ان لوگوں کا ہے جن کا گمان ہے کہ "شریعت کا مقصود محض دنیا میں آخرت کے لئے عمل کرنا نہیں بلکہ دنیا سے نفع اٹھانا بھی ہے اور سعادت تو اسی میں ہے کہ آدمی اپنی دنیاوی خواہشات یعنی پیٹ و شرم گاہ کی خواہشات کو پورا کرے۔" یہ لوگ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں اور عورتوں اور لذیذ کھانوں کو حاصل کرنے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ جانوروں کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اس طرح سعادت کو حاصل کر لیں گے حالانکہ وہ اس میں مشغولیت کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

⊛...**تیسرا گروہ:** ان لوگوں کا ہے جن کا خیال ہے کہ "مال و دولت کی کثرت اور فراوانی میں سعادت ہے۔" تو وہ اس کے لئے رات دن محنت اور دور دراز کے سفر کرتے ہیں، مال کمانے اور اسے جمع کرنے کے لئے مشکل کام کرتے ہیں اور جو کماتے ہیں بخل اور لالچ کرتے ہوئے کہ کہیں کم نہ ہو جائے محض تھوڑا سا کھاتے ہیں۔ یہی مال کا حصول ان کی لذت ہوتا ہے اور وہ موت تک اس کے حصول کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ موت کے بعد ان کا مال زمین میں مدفون ہو جاتا ہے یا ان لوگوں کو ملتا ہے جو اسے دنیاوی لذات و خواہشات میں خرچ کرتے ہیں۔ تو انجام یہ ہوا کہ کمانے والے نے صرف مشقت اٹھائی اور وبال بھی اپنے سر لیا اور دوسرے نے کھا کر اس سے لذت حاصل کی۔ حیرت ہے ان لوگوں پر جو ایسے بخیل لوگوں کو دیکھتے ہیں پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔

⊛...**چوتھا گروہ:** ان لوگوں کا ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ "سعادت کا حصول ناموری اور لوگوں کے منہ سے اپنی تعریف سننے میں ہے۔" یہ لوگ کسبِ معاش میں اپنے آپ کو تھکاوٹ میں ڈالتے ہیں اور اپنی جانوں پر کھانے پینے

کے معاملے میں تنگی کرتے ہوئے اچھے کپڑے اور عمدہ سواریاں لینے میں مشغول ہوتے ہیں۔ اپنے گھر کے دروازوں اور جس پر لوگوں کی نگاہیں پڑیں اسے سجانے سنوارنے میں لگے رہتے ہیں کہ لوگ انہیں مالدار اور صاحب حیثیت سمجھیں۔ اس ناموری اور لوگوں کے منہ سے اپنی تعریف سننے کو وہ اپنے لئے باعث سعادت خیال کرتے ہیں اور وہ رات دن اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کس طرح لوگوں کی نظروں میں خود کو اونچا رکھا جائے۔

﴾...**پانچواں گروہ:** ان لوگوں کا ہے جو یہ گمان رکھتا ہے کہ "سعادت کا حصول یہ ہے کہ قدر و مَنْزِلَت ملے اور لوگ ان کے سامنے عاجزی وانکساری اور ان کا احترام کرتے ہوئے جھکیں۔" چنانچہ ایسے لوگ دوسروں کو اپنا مُطیع بنانے کے لئے اپنی سوچوں کو حکومتی عہدے لینے میں لگائے رکھتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے لوگوں پر اپنا حکم چلا سکیں اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ان کو کسی وسیع علاقے کی حکمرانی ملے اور لوگ ان کے مطیع ہوں تو یہ ان کے لئے بہت بڑی سعادت اور یہی ان کا انتہائی مقصود ہے۔ غافل لوگوں میں یہی خواہش سب سے زیادہ غالب رہتی ہے، لہٰذا ان لوگوں کا شغل اس بات کی چاہت ہوتی ہے کہ لوگ ان کے لئے جھکیں اور اس سبب سے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں جھکنے، اس کی عبادت بجالانے اور قبر و آخرت کے بارے میں سوچنے کی فکر سے غافل ہوتے ہیں۔

ان لوگوں کے علاوہ اور بھی کچھ گروہ ہیں جن کی تعداد 70 سے کچھ اوپر جا پہنچتی ہے اور یہ سارے گروہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی سیدھے راستے سے گمراہ کرنے والے ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے کھانے، لباس اور رہائش کی حاجت کے مقاصد کو بھلا دیا اور یہ بھی یاد نہ رکھا کہ انہیں ان کی کس قدر مقدار کافی ہے اور وہ اس میں اس قدر منہمک ہوئے کہ اس کی انتہا کو پہنچ گئے اور ایسے گڑھے میں جا گرے جس سے اب نکل نہیں سکتے۔ جو شخص ان اسباب اور مشاغِل کی حاجت کو جان لے اور ان کی غایت مقصود کو پہچان لے تو وہ کسی شغل، پیشے اور کام میں داخل ہونے سے پہلے اس کے مقصود کو جان لے گا اور یہ بات معلوم کر لے گا کہ اس میں اس کا کس قدر حصہ ہے۔ کھانے اور لباس میں غایت مقصود بدن کو ہلاکت سے بچانا ہے اور ان میں کمی اختیار کرنے کے سبب انسان مختلف مشاغل سے بچ جاتا ہے جس کے باعث اس کا قلب فارغ ہو جاتا ہے اور اس پر آخرت کی یاد غالب آجاتی ہے پھر وہ اپنی ہمت کو آخرت کی تیاری میں صَرف

کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر وہ کھانے اور لباس کے مُعامَلے میں حَدِّ ضرورت سے بڑھتا ہے تو وہ بہت سارے مشاغل میں پھنس کر رہ جاتا ہے ایک سے نکلتا ہے تو دوسرے میں چلا جاتا ہے اور دوسرے سے نکلتا ہے تو تیسرے میں چلا جاتا ہے یوں یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور جب مشاغل کی کثرت ہوتی ہے تو فکریں بڑھ جاتی ہیں اور جب کسی کی دنیاوی فکریں بڑھ جائیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ اسے دنیا کی کس وادی میں ہلاک کرے۔ یہ دنیا میں اِنْہِماک رکھنے والوں کا حال ہے۔

باطل و گمراہ فرقے:

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دنیا سے باخبر ہو کر اس سے اعراض کرتے ہیں لیکن شیطان حسد کرتے ہوئے ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا اور اعراض کرنے کے باجود انہیں گمراہ کرتا ہے حتّٰی کہ اس سلسلے میں ان کے کئی گروہ بن گئے۔

ان میں سے ایک گروہ کا خیال ہے کہ "دنیا مصیبت اور آزمائش کی جگہ ہے اور آخرت سعادت کا مقام ہے، جو اس میں پہنچا سعادت سے ہم کنار ہوا خواہ اس نے دنیا میں عبادت کی ہو یا نہ کی ہو۔" یعنی انہوں نے یہ خیال کیا کہ بہتری اسی میں ہے کہ انسان خود کو قتل کر کے دنیا کی مَشَقَّت سے خَلاصی پالے۔ بعض ہندو پجاریوں نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ انہوں خود کو آگ سے جلا کر اپنی جانوں کو ہلاک کیا اور یہ خیال کیا کہ اس طرح وہ دنیا کی مشقتوں سے خلاصی پا گئے۔

❁--**ایک گروہ:** کا یہ خیال ہے کہ "اپنے آپ کو قتل کرنے میں خلاصی نہیں ہے بلکہ پہلے نفس سے بشری صفات کا خاتمہ ضروری ہے اور پھر سعادت کے حصول کے لئے شہوت اور غصے کا خاتمہ ضروری ہے۔" لہٰذا وہ مجاہدے اور ریاضتوں میں لگ گئے اور اپنے نفس پر سختیاں کرنے لگے حتّٰی کہ ان میں سے بعض مجاہدہ و ریاضت کی سختی کے باعث ہلاک ہو گئے اور بعض اپنی عقل کھو بیٹھے اور پاگل ہو گئے اور بعض اس سختی کے باعث ایسے مرض میں مبتلا ہوئے کہ عبادت سے ہی گئے۔ بعض نے جب یہ دیکھا کہ وہ مجاہدہ و ریاضت کے باجود ان صِفاتِ بَشَرِیہ کا قَلْع قَمْع کرنے میں ناکام ہیں تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ "شریعت پر عمل کرنا ناممکن ہے اور یہ کہ شریعت سراسر دھوکہ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔" لہٰذا وہ گمراہی و بے دینی میں پڑ گئے۔ بعض

کے سامنے یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ تمام کی تمام محنت ومشقت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کو بندوں کی عبادت کی حاجت نہیں کہ نہ گناہ گاروں کے گناہ اسے نقصان پہنچاسکتے ہیں اور نہ عبادت گزاروں کی عبادت اسے فائدہ پہنچاسکتی ہے، لہٰذا وہ دوبارہ دنیاوی شہوتوں میں مگن ہوگئے اور اِباحت (سب جائز ہے) کے راستے پر چل پڑے اور انہوں نے شریعت اور اس کے احکام کی بساط کو اُلٹ دیا اور اپنے اس عقیدے کے باعث کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہے، یہ گمان کرنے لگے کہ اِباحت پسندی توحید خالص کی دلیل ہے۔

⊛...**ایک گروہ:** نے یہ گمان کیا کہ عبادت سے مقصود مجاہدہ ہے جس کے ذریعے انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل کرتا ہے اور جب اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل کرلی تو اس نے اپنے مقصد کو پالیا اور اب اس مقصد کے حصول کے بعد اسے وسیلے اور حیلے کی حاجت نہیں، لہٰذا انہوں نے عبادت وغیرہ کو ترک کردیا اور یہ گمان کربیٹھے کہ وہ اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں ان سے شریعت کے احکام اٹھالئے گئے ہیں اور یہ شرعی احکام اب صرف عوام پر ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی باطل اور گمراہ گروہ ہیں جن کی تعداد 70 سے کچھ اوپر جا پہنچتی ہے۔

نجات پانے والا ایک ہی گروہ ہے جو حضور نبیِّ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور آپ کے صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے طریقے پر چلنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ دنیا کو بالکل چھوڑتے ہیں اور نہ شہوات کو بالکل ختم کرتے ہیں بلکہ دنیا سے بقدر زادِ راہ لیتے ہیں اور انہی شہوات کو ترک کرتے ہیں جو شریعت اور عقل کی اطاعت سے خارج ہوں، لہٰذا یہ نہ ہر خواہش کی پیروی کرتے ہیں اور نہ ہر خواہش کو ترک کرتے ہیں بلکہ اِعتِدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ دنیا کی ہر چیز کو ترک بھی نہیں کرتے ہیں اور نہ دنیا کی ہر چیز کو طلب کرتے ہیں بلکہ دنیا میں جو کچھ پیدا کیا گیا وہ اس کے مقصد کو جانتے ہیں اور اپنے مقصود کی حد تک اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ اسی قدر غذا استعمال کرتے ہیں جس سے بدن کو عبادت پر قوت حاصل ہوسکے اور رہائش کے سلسلے میں اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں جو انہیں گرمی، سردی اور چوروں سے بچائے اور لباس میں بھی اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس سبب سے جب ان کا دل بدن کی مشغولیت سے فارغ ہوجاتا ہے تو وہ پوری ہمت کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہوتے اور عمر بھر ذکر و فکر میں مشغول رہتے ہیں اور شہوات کے معاملے میں حکمت عملی اپنائے رکھتے ہیں اور اس کی نگرانی رکھتے ہیں حتّٰی کہ وہ اس

وجہ سے تقویٰ اور پرہیزگاری میں حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔

اس بات کی تفصیل انسان کو اسی وقت معلوم ہو سکتی ہے جب وہ نجات پانے والی جماعت کی اقتدا کرے اور وہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان ہیں کیونکہ جب رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "اَلنَّاجِیْ مِنْهَا وَاحِدَةٌ" یعنی ان میں سے ایک گروہ نجات پانے والا ہے۔" تو صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: "يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ هُمْ؟" یعنی یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! وہ کونسا گروہ ہے؟" فرمایا: "اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ یعنی اہلسنت وجماعت۔" عرض کی گئی: "وَمَنْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ؟ یعنی اہلِ سُنَّت وجماعت سے کون لوگ مراد ہیں؟" فرمایا: "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ یعنی جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں (یعنی حضور نبیِّ دوجہاں صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور آپ کے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی پیروی کرنے والے)۔"(1)

اور صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا راستہ اعتدال پر مبنی تھا اور وہ اس واضح راستے پر تھے جس کا ذکر ابھی ہم نے کیا۔ کیونکہ وہ دنیا کو دنیا کے لئے نہیں بلکہ دین کے لئے اختیار کرتے اور رُہبانیت اور دنیا سے بالکل کنارہ کشی نہیں کرتے تھے۔ اپنے امور میں اِفراط و تفریط سے کام لینے کے بجائے میانہ روی اختیار کرتے جو کہ اِفراط و تفریط کا وسط ہے اور یہی میانہ روی اللہ عَزَّوَجَلَّ کو تمام امور میں سب سے زیادہ پسند ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے "دنیا کی مذمت کا بیان" مکمل ہوا

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

﴿ تُوْبُوْا اِلَی اللہ اَسْتَغْفِرُ اللہ ﴾

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

---

(1)... سنن الترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی افتراق ھذہ الامۃ، ۴/ ۲۹۲، حدیث: ۲۶۵۰

سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب افتراق الامم، ۴/ ۳۵۲، الحدیث: ۳۹۹۲

مرقاۃ المفاتیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ۱/ ۳۱۹، تحت الحدیث: ۱۷۱

بُخل اور مَحبَّت مال کی مَذَمَّت کا بیان

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں جو اپنے کُشادہ رزق کے باعث حمد کا لائق ہے، وہ نا امیدی کے بعد تکلیف کو دور کرنے والا ہے، اس نے مخلوق کو پیدا کیا اور انہیں وسیع رزق عطا فرمایا اور جہاں والوں کو طرح طرح کی مالی نعمتوں سے فیضیاب کیا، ان کو اِنْقِلابِ اَحوال کے ساتھ آزمائشوں میں مبتلا کیا اور انہیں تنگی اور خوشحالی، مالداری اور محتاجی، اُمید اور نااُمیدی، دولت اور اِفلاس، عجز اور اِستِطاعت، حرص اور صَبْر، بُخل اور سخاوت، موجود پر خوشی اور مفقود پر افسوس، ایثار اور خرچ، وُسعت اور تنگی، فضول خرچی اور کنجوسی، تھوڑے پر راضی رہنے اور زیادہ کو تھوڑا سمجھنے کے درمیان رکھا۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ بندوں کی جانچ ہو کہ ان میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے، کون دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتا اور کون آخرت سے منہ موڑتے ہوئے دنیا کو ذخیرہ اور خزانہ بناتا ہے۔ خوب دُرُود و سلام ہو حضرت سیِّدُنا محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر جن کی مِلَّت کے سبَب رب عَزَّوَجَلَّ نے تمام سابِقہ مِلَّتوں کو منسوخ کر دیا اور آپ کی شریعت کے ذریعے تمام اَدیان کو لپیٹ دیا اور عاجزی کے ساتھ اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے راستے پر چلنے والے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے آل واصحاب پر خوب سلام ہو۔

دنیا کے فتنے بہت کثیر ہیں اور نہایت وسیع و فراخ ہیں، ان فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ مال کا ہے جو زیادہ آزمائش کا باعث ہے اور مال میں ایک بڑا فتنہ یہ بھی ہے کہ کوئی اس سے بے نیاز نہیں، جو اسے پالیتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں رہتا اگر مال نہ ملے تو وہ محتاج ہوتا ہے اور یہ محتاجی اسے کُفر تک لے جاسکتی ہے اور اگر مل جائے تو سرکشی کا خطرہ ہوتا ہے جس کا انجام نقصان کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ خُلاصۂ کلام یہ ہے کہ مال کے فائدے بھی ہیں اور آفتیں بھی، اس کے فوائد نجات دینے والے اور آفتیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔ اس کے خیر کو اس کے شر سے ممتاز کرنا مشکل اَمر ہے اس کی طاقت دینی بصیرت میں راسخ عُلَما ہی کو ہے، لوگوں کو دھوکا دینے والے نام نہاد عُلَما کے بس کی بات نہیں۔

دنیا کی مذمت کے باب میں ہم نے خاص طور پر مال کی طرف نظر نہیں کی بلکہ عمومی طور پر دنیا کی مذمت پر کلام کیا ہے کیونکہ دنیا تو انسان کو فوری حاصل ہونے والے فائدے کا نام ہے جبکہ مال اس کا بعض

حصہ ہے اسی طرح جاہ ومَنْزِلَت بھی اس کا جز ہے، پیٹ اور شرم گاہ کی خواہش کی پیروی کرنا بھی دنیا کا بعض حصہ ہے، اسی طرح غصہ اور حسد بھی دنیا کا بعض ہے، تکبُّر اور بلند مقام کی چاہت بھی اس کا ایک حصہ ہے گویا اس کے بہت سے حصے ہیں اور ان سب کا مجموعہ انسان کو فوری ملنے والا نفع ہے۔

یہاں ہم صرف مال کا ذکر کریں گے کیونکہ اس کی آفات اور نقصانات زیادہ ہیں۔ اگر آدمی کو مال نہیں ملتا تو فقیر بن جاتا ہے اور اگر مل جاتا ہے تو مالدار بن جاتا ہے۔ یہ دو حالتیں ہیں جن کے سبب اِمتحان اور آزمائش کا سلسلہ شروع ہوتا ہے پھر جس کو مال نہیں ملتا اس کی بھی دو حالتیں ہوتی ہیں: قناعت اور حرص، ان میں سے ایک قابلِ تعریف اور دوسری قابلِ مَذَمَّت ہے، حرص کرنے والے کی بھی دو حالتیں ہیں جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کی طمع کرنا یا لوگوں سے نا امیدی کے باعث روزی کمانے کے مختلف ذرائع اپنانا، ان دونوں حالتوں میں طَمَع زیادہ بُری حالت ہے۔ جسے مال حاصل ہوتا ہے اس کی بھی دو حالتیں ہیں: وہ بخل اور کنجوسی کی وجہ سے مال روک کر رکھتا ہے یا پھر خرچ کرتا ہے۔ ان میں سے بھی ایک قابلِ مذمت اور دوسری قابلِ تعریف ہے، خرچ کرنے والے کی بھی دو حالتیں ہیں: وہ فضول خرچی کرتا ہے یا اِعتِدال کی راہ اختیار کرتا ہے اور خَرْچ کرنے کے معاملے میں اعتدال قابلِ تعریف ہے۔ یہ امور چونکہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں لہٰذا ان سے پردہ اٹھانا اور ان کو واضح کرنا ضروری ہے۔ ہم ان تمام باتوں کو اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ 14 فصلوں میں واضح کریں گے:

(١)...مال کی مذمت (٢)...مال کی مدح سرائی (٣)...مال کے فوائد اور آفات کی تفصیل (٤)...حرص اور طمع کی مذمت (٥)...حرص اور طمع کا علاج (٦)...سخاوت کی فضیلت (٧)...سخی لوگوں کے واقعات (٨)...بخل کی مذمت (٩)...بخیل لوگوں کے واقعات (١٠)...ایثار اور اس کی فضیلت (١١)...سخاوت اور بخل کی تعریف (١٢)...بخل کا علاج (١٣)...مال میں لازمی ذِمّہ داریاں (١٤)...مال داری کی مذمت اور فقر کی تعریف۔

صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد

تُوْبُوْا اِلَی اللہ اَسْتَغْفِرُ اللہ

صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد

پہلی فصل: **مال کی مَذَمَّت اور اس کی مَحَبَّت کی بُرائی**

مال کی مَذَمَّت میں پانچ فرامینِ باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ(۹) (پ۲۸، المنٰفقون: ۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو تمہارے مال نہ تمہاری اولاد کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے تو وہی لوگ نقصان میں ہیں۔

﴿2﴾...

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ(۱۵) (پ۲۸، التغابن: ۱۵)

ترجمۂ کنزالایمان: تمہارے مال اور تمہارے بچے جانچ ہی ہیں اور اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

لہٰذا جس نے اپنے مال اور اولاد کو اس چیز پر ترجیح دی جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پاس ہے تو یقیناً اس نے گھاٹے کا سودا کیا۔

﴿3﴾...

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَ هُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ(۱۵)

(پ۱۲، ھود: ۱۵)

ترجمۂ کنزالایمان: جو دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتا ہو ہم اس میں ان کا پورا پھل دے دیں گے اور اس میں کمی نہ دیں گے۔

﴿4﴾...

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤى(۶) اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰىؕ(۷)

(پ۳۰، العلق: ۶،۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک آدمی سرکشی کرتا ہے اس پر کہ اپنے آپ کو غنی سمجھ لیا۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم نیکی کرنے کی توفیق اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی طرف سے ہے۔

﴿5﴾...

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُۙ(۱) (پ۳۰، التکاثر: ۱)

ترجمۂ کنزالایمان: تمہیں غافل رکھا مال کی زیادہ طلبی نے۔

مال کی مذمت میں سات فرامینِ مصطفےٰ:

﴿1﴾... حُبُّ الْمَالِ وَالشَّرَفِ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ یعنی مال اور جاہ کی محبت دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزی اُگاتا ہے۔[1]

﴿2﴾... بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑے گئے دو بھوکے بھیڑیئے اتنا نقصان نہیں کرتے جتنا نقصان جاہ و مَنْصَب اور مال کی محبت مسلمان آدمی کے دین میں کرتی ہے۔[2]

﴿3﴾... زیادہ مال والے ہلاک ہوئے مگر جس نے اپنا مال اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں میں اس طرح اور اس طرح دیا (یعنی صدقہ و خیرات کیا) اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔[3]

﴿4﴾... قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ اَيُّ اُمَّتِكَ شَرٌّ؟ قَالَ الْاَغْنِيَاءُ یعنی بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ کی امت میں کون سے لوگ برے ہیں؟ ارشاد فرمایا: "مال دار لوگ۔"

﴿5﴾... حضور نبیِّ اکرم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے فرمایا: تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو دنیا کے عُمدہ اور رَنگ بَرنگے کھانے کھائیں گے، مختلف رنگوں کے تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوں گے، خوبصورت عورتوں سے نکاح کریں گے، رنگین اور عمدہ کپڑے پہنیں گے، ان کے پیٹ تھوڑی چیز پر سیر نہ ہوں گے اور نہ ان کے نفس زیادہ پر قناعت کریں گے، صبح و شام دنیا پر جھکے رہیں گے، اپنے حقیقی معبود اور رب کو چھوڑ کر دنیا ہی کو اپنا معبود اور رب بنالیں گے، اسی کی بات مانیں گے اور اسی کی خواہشات کی پیروی کریں گے۔[4] جو آدمی ایسے زمانے کو پائے وہ تمہاری اولاد سے ہو یا تمہاری اولاد کی اولاد سے ہو اسے محمد بن عبد اللہ (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی طرف سے حکم ہے کہ ان لوگوں کو سلام نہ کرے، نہ ان کے مریضوں کی عیادت کرے، نہ ان کے جنازوں میں شرکت کرے اور نہ ان کے بڑوں کی عزت کرے جس نے ایسا کیا یقیناً اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی۔

---

1 ...الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرۃ الثالثۃ والخمسون بعد المائتین، ۲/ ۴۹

2 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی اخذ المال، ۴/ ۱۶۶، حدیث: ۲۳۸۳

3 ...المصنف لعبد الرزاق، کتاب الجامع، باب الرخص والشدائد، ۱۰/ ۲۵۶، حدیث: ۲۰۷۱۴

4 ...تذکرۃ الموضوعات، باب ذم الدنیا والغنی...الخ، ص ۱۷۴

﴿6﴾... دنیا کو دنیاداروں کے لئے چھوڑ دو جو شخص دنیا سے حاجت سے زیادہ لیتا ہے وہ اپنی موت کو لیتا ہے جس کی اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔[1]

﴿7﴾... آدمی کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔[2]

موت ناپسند کیوں؟

ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں موت کو پسند نہیں کرتا؟ ارشاد فرمایا: کیا تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! فرمایا: اپنا مال آگے بھیج دو (یعنی آخرت کے لئے صدقہ کرو)، کیونکہ مومن کا دل اپنے مال کے ساتھ ہوتا ہے اگر اس نے اسے آگے بھیج دے تو اس سے ملنا چاہتا ہے اور اگر پیچھے چھوڑ دے تو اس کے ساتھ پیچھے رہنا چاہتا ہے۔[3]

انسان کے تین دوست:

شفیعِ مَحشر، ساقیِ کوثر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: انسان کے دوست تین ہیں: **ایک** وہ جو اس کی روح نکلنے تک اس کے ساتھ ہوتا ہے، **دوسرا** اس کی قبر تک ساتھ جاتا ہے اور **تیسرا** میدانِ محشر تک ساتھ دیتا ہے۔ وہ دوست جو اس کے مرنے تک ساتھ ہوتا ہے وہ اس کا مال ہے اور جو قبر تک جاتا ہے وہ اس کے گھر والے ہیں اور میدانِ مَحْشَر تک ساتھ دینے والا دوست اس کا عمل ہے۔[4]

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے حواریوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی: کیا وجہ ہے کہ آپ پانی پر چلتے ہیں اور ہم نہیں چل سکتے؟ ارشاد فرمایا: تمہارے نزدیک درہم و دینار کی کیا قَدْر و مَنْزِلت ہے؟ انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک اس کی اچھی قدر و منزلت ہے۔ فرمایا: میرے نزدیک درہم و دینار اور مٹی کا ڈھیلا برابر ہیں۔

1... تاریخ مدینۃ دمشق، ۵۵/ ۱۹۱، الرقم: ۶۹۵۴، محمد بن محمد بن عمیر، حدیث: ۱۱۶۶۷

2... مسلم، کتاب الزھد والرقائق، ص۱۵۸۲، حدیث: ۲۹۵۸

3... الزھد لابن مبارک، باب فی طلب الحلال، ص۲۲۴، حدیث: ۶۳۴

4... الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الجنائز، باب المریض وما یتعلق، ۵/ ۴۲، حدیث: ۳۰۹۸ مفھوما

دنیا کا مال آخرت کا وبال:

حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا ابو دَرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو لکھا:[1] اے میرے بھائی! اتنی دنیا جمع نہ کرنا جس کا شکر ادا نہ کر سکو کیونکہ میں نے رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو فرماتے ہوئے سنا: (بروزِ قیامت) ایک دنیا دار کو لایا جائے گا جس نے دنیا میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم مانا ہو گا، اس کا مال اس کے سامنے ہو گا، جب وہ پُل صراط پر چلنے لگے گا تو اس کا مال کہے گا چلو چلو تم نے مجھ سے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حق ادا کر دیا تھا، پھر ایک ایسے دنیادار کو لایا جائے گا جس نے دنیا میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حق کو ادا نہیں کیا ہو گا اس کا مال اس کے کاندھوں کے درمیان رکھا ہو گا، جب وہ پُل صراط پر اِدھر اُدھر جھکے گا تو اس کا مال کہے گا تیری خرابی ہو تو نے میرے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حق کو کیوں ادا نہیں کیا؟ وہ اسی حالت پر رہے گا حتی کہ پکار اٹھے گا: ہائے ہلاکت ہائے بربادی۔[2]

جو کچھ ہم نے زُہد اور فَقر کے باب میں مال داری کی مذمت اور فقر کی تعریف میں لکھا ہے وہ سب مال کی مذمت سے متعلّق ہے، لہٰذا ہم اسے دوبارہ ذکر کر کے کلام کو بڑھانا نہیں چاہتے۔ اسی طرح جو کچھ ہم نے دنیا کی مذمت میں لکھا ہے وہ عام ہونے کی وجہ سے مال کی مذمت کو بھی شامل ہے کیونکہ مال دنیا کا سب سے بڑا رُکن ہے۔ اب ہم صرف وہ روایات وحکایات ذکر کریں گے جو صرف مال سے تعلق رکھتی ہیں۔

مال کے متعلق دو فرامینِ مصطفٰے:

﴿1﴾... اِذَا مَاتَ الْعَبْدُ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ مَا قَدَّمَ وَقَالَ النَّاسُ مَا خَلَّفَ یعنی جب کوئی بندہ فوت ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اس نے آگے کیا بھیجا اور لوگ کہتے ہیں اس نے پیچھے کیا چھوڑا۔[3]

1... حافظ عراقی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْبَاقِی فرماتے ہیں: یہ روایت حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی نہیں بلکہ حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی طرف یہ خط لکھا۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۱۷۲)

2... شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۷۹، حدیث: ۱۰۶۵۷

3... شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۲۸، حدیث: ۱۰۴۷۵

﴿2﴾...لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فَتَحِبُّوا الدُّنْيَا یعنی جائداد نہ بناؤ ورنہ دنیا کے ہو کر رہ جاؤ گے۔ [1]

مال کے متعلق 11 اقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه کو ایک شخص سے کچھ تکلیف پہنچی تو آپ نے یوں دعا مانگی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! جس نے میرے ساتھ بُرا سُلُوک کیا ہے اس کو تَنْدُرُسْتی عطا فرما، اس کی عمر کو دراز کر اور اس کے مال کو بڑھا دے۔

غور کیجئے کہ آپ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے جسمانی تندرستی اور لمبی عمر کے ساتھ مال کے زیادہ ہونے کو کس قدر بڑی آزمائش خیال کیا کیونکہ ایسی صورت میں دشمن ضرور سرکشی کی طرف بڑھے گا۔

﴿2﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم نے اپنی ہتھیلی میں ایک دِرْہَم رکھا پھر فرمایا: تو جب تک مجھ سے دور نہیں ہو گا مجھے نَفْع نہیں دے گا۔

﴿3﴾... مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے اُمّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا زینب بنتِ جَحْش رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا کی طرف عَطِیّات بھیجے، آپ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ لانے والوں نے کہا: یہ حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے آپ کے لئے بھیجے ہیں۔ فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کی مَغْفِرت فرمائے، پھر ایک پردہ کھینچا اور اسے پھاڑ کر تھیلیاں بنائیں اور وہ تمام مال اپنے گھر والوں، رشتہ داروں اور یتیموں میں تقسیم کر دیا، اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اس سال کے بعد مجھے حضرت عمر رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه کا عَطِیَّہ نہ پہنچے۔ لہٰذا رسولِ اکرم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کے وِصال کے بعد ازواجِ مُطَہَّرات میں سب سے پہلے آپ کا انتقال ہوا۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! جو شخص روپے پیسے کی عزت کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے ذلیل کرتا ہے۔

منقول ہے کہ سب سے پہلے جب درہم و دینار تیار ہوئے تو شیطان نے ان کو اٹھایا اور اپنی پیشانی پر رکھا پھر ان کو بوسہ دیا اور کہا: جس نے تم دونوں سے محبت کی وہ میرا حقیقی غلام ہے۔

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، ۴/۱۴۷، حدیث: ۲۳۳۵ بلفظ "فترغبوا"

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا سُمَیط بن عَجْلان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن نے فرمایا: درہم اور دینار منافقوں کی لگامیں ہیں وہ ان کے ذریعے دوزخ کی طرف کھینچے جائیں گے۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: درہم بچھو ہیں اگر تم اس کے زہر کا دم نہیں جانتے تو اسے ہاتھ مت لگاؤ کیونکہ اگر اس نے تمہیں ڈس لیا تو اس کا زہر تمہیں ہلاک کر دے گا۔ پوچھا گیا: اس کا دم کیا ہے؟ فرمایا: حلال طریقے سے لو اور حلال میں خرچ کرو۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا علاء بن زیاد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَہَّاب فرماتے ہیں: میرے سامنے دنیا خوب سَج سَنْوَر کر آئی تو میں نے اس سے کہا: میں تیرے شَر سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتا ہوں۔ اس نے کہا: اگر تم مجھ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہو تو درہم ودینار سے نفرت کرو، تمام کی تمام دنیا درہم ودینار ہی ہیں کیونکہ ان ہی کے ذریعے آدمی دنیا کی ہر لذت حاصل کرتا ہے، لہٰذا جو ان دونوں سے صبر کرے گا وہ دنیا سے بھی صبر کرلے گا۔

اسی وجہ سے کسی شاعر نے کہا ہے:

اِنِّیْ وَجَدْتُ فَلَا تَظُنُّوْا غَیْرَہٗ　　اِنَّ التَّوَرُّعَ عِنْدَ ھٰذَا الدِّرْھَمِ

فَاِذَا قَدَرْتَ عَلَیْہِ ثُمَّ تَرَکْتَہٗ　　فَاعْلَمْ بِاَنَّ تُقَاکَ تَقْوَی الْمُسْلِمِ

ترجمہ: میں تو سمجھ چکا ہوں اب تم بھی سمجھ لو کہ تقوٰی کی پہچان مال کے ذریعے ہوتی ہے اگر تم اس پر قادر ہونے کے باوُجود اسے چھوڑ دو تو سمجھ لو کہ تمہارا تقوٰی مسلمان کا تقوٰی ہے۔

اس بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے:

لَا یَغُرَّنَّکَ مِنَ الْمَرْءِ قَمِیْصٌ رَقَعَہٗ　　اَوْ اِزَارٌ فَوْقَ عَظْمِ السَّاقِ مِنْہُ رَفَعَہٗ

اَوْ جَبِیْنٌ لَاحَ فِیْہِ اَثَرٌ قَدْ خَلَعَہٗ　　اَرِہِ الدِّرْھَمَ تَعْرِفْ حُبَّہٗ اَوْ وَرَعَہٗ

ترجمہ: کسی آدمی کی قمیص پر لگے ہوئے پیوند یا پنڈلی سے اوپر کی ہوئی شلوار یا سجدوں کے نشان سے چمکتی پیشانی سے دھوکا نہ کھانا بلکہ یہ دیکھنا کہ وہ مال دولت سے محبت کرتا ہے یا اس سے دور رہتا ہے۔

﴿8﴾... مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز کے وصال کے وقت مَسْلَمَہ بن عبد الملک ان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی: یا امیر المؤمنین! آپ نے ایسا کام کیا ہے جو آپ سے پہلے

کسی نے نہیں کیا آپ نے اولاد چھوڑی ہے لیکن ان کے لئے مال نہیں چھوڑا۔ حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ العَزِیْز نے فرمایا: مجھے بٹھاؤ۔ چنانچہ آپ کو بٹھایا گیا تو آپ نے فرمایا: تمہارا یہ کہنا کہ میں نے ان کے لئے مال نہیں چھوڑا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے ان کا حق مارا ہے البتہ میں نے دوسروں کا حق ان کو نہیں دیا اور میری اولاد کی دو میں سے کوئی ایک حالت ہو گی: (۱)...وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کو کافی ہو گا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نیکوں کا والی ہے یا (۲)...پھر اس کی نافرمانی کریں گے تو مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ ان کے ساتھ کیا مُعاملہ ہو گا۔

﴿9﴾...ایک روایت میں ہے کہ حضرت سیِّدُنا کَعب قُرَظی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الوَلِی کو بہت مال ملا تو آپ سے کہا گیا: کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے اسے ذخیرہ کر لیں؟ انہوں نے فرمایا: نہیں! بلکہ میں اسے اپنے لئے اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے پاس ذخیرہ کروں گا اور اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کو اپنی اولاد کے لیے چھوڑوں گا۔

﴿10﴾...مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا ابو عبدِ رب عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الصَّمَد سے کہا: اے میرے بھائی ایسا نہ ہو کہ تم دنیا سے برائی کے ساتھ چلے جاؤ اور اپنی اولاد کے لئے خیر (یعنی مال) چھوڑ جاؤ۔ یہ سن کر ابو عبدِ رب عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الصَّمَد نے اپنے مال سے ایک لاکھ درہم خیرات کر دیئے۔

﴿11﴾...حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الہَادِی فرماتے ہیں: موت کے وقت بندے کو اپنے مال میں دو ایسی مصیبتیں پیش آتی ہیں جن کی مثل نہ اگلوں نے کوئی مصیبت سنی نہ پچھلوں نے۔ پوچھا گیا: وہ کونسی مصیبتیں ہیں؟ فرمایا: ایک یہ کہ اس سے اس کا تمام مال لے لیا جائے گا اور دوسری یہ کہ اسے تمام مال کا حساب دینا پڑے گا۔

دوسری فصل: مال کی مَدح سَرائی اور اس کی مَدح وذَم میں تطبیق

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر مال کو "خیر" کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنۡ تَرَکَ خَیۡرَۨا ۚۖ الۡوَصِیَّۃُ لِلۡوَالِدَیۡنِ وَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ

(پ۲، البقرۃ: ۱۸۰)

ترجمۂ کنز الایمان: اگر کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر جائے اپنے ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لیے موافق دستور۔

سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ یعنی کیا ہی اچھی ہے نیک آدمی کے لئے ستھری کمائی۔[1] نیز صدقہ اور حج کے ثواب کے سلسلے میں جو کچھ وارِد ہوا ہے وہ مال کی مدح سرائی ہے کیونکہ مال کے بغیر اس تک پہنچنا ممکن نہیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ﳓ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ (پ۱۶، الکھف: ۸۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اپنا خزانہ نکالیں آپ کے رب کی رحمت سے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾ (پ۲۹، نوح: ۱۲)

ترجمۂ کنز الایمان: اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں بنائے گا۔

سردارِ دوجہاں صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: كَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّكُوْنَ كُفْرًا یعنی قریب ہے کہ محتاجی کفر تک لے جائے۔[2]

مال کی مَدح اور ذَم میں تطبیق:

مال کی تعریف اور مذمت کے متعلق اس وقت تک آگاہی نہیں ہوسکتی جب تک مال کی حکمت، اس کا مقصود، اس کی آفات اور اس کی خرابیوں کو جان نہ لیا جائے یہاں تک کہ یہ واضح ہوجائے کہ اس کا اچھا ہونا کسی اور وجہ سے ہے اور اس کا بُرا ہونا کسی اور سبب سے ہے اور یہ اس لئے قابل تعریف ہے کہ اس کا سبب اچھا ہے اور مذموم اس لئے ہے کہ اس کا سبب برا ہے۔ نہ تو یہ محض اچھا ہے اور نہ محض برا ہے بلکہ یہ خیر و شر دونوں باتوں کا سبب ہے اور جس چیز کا وصف یوں ہو وہ کبھی قابلِ تعریف ہوتی ہے اور کبھی لائقِ مذمت لیکن جو شخص بصیرت اور تمیز کی صلاحیت رکھتا ہے اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ جس صورت میں قابلِ تعریف ہے اس صورت میں مذموم نہیں۔

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث عمرو بن العاص، ۶/ ۲۲۸، حدیث: ۱۷۷۶۸

[2] ...شعب الایمان، باب فی الحث علی ترک...الخ، ۵/ ۲۶۷، حدیث: ۶۶۱۲

اس کے مُتَعَلِّق مزید تفصیل دیکھنی ہو تو شکر کے بیان میں نیکیوں اور نعمتوں کے درجات کے متعلق جو ہم نے تفصیلاً گفتگو کی ہے وہاں اس کا مُطالَعَہ کریں۔ یہاں اس قدر کافی ہے کہ عقل مند اور اَربابِ بصیرت کا مقصد اُخروی سعادت کا حُصُول ہے جو دائمی نعمت اور ناقابلِ زَوال ملکیت ہے۔ عقل مند اور سمجھ دار لوگ ہی اس کا قصد کرتے ہیں۔ چنانچہ حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ امت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں بُزرگ تر اور زیادہ عقل مند کون ہے؟ فرمایا: اَکْثَرُھُمْ لِلْمَوْتِ ذِکْرًا وَّاَشَدُّھُمْ لَہٗ اسْتِعْدَادًا یعنی موت کو کثرت سے یاد کرنے والا اور اس کے لئے زیادہ تیاری کرنے والا۔[1]

آخرت کی سعادت کے ذرائع:

دنیا میں آخرت کی سعادت کا حصول تین ذرائع کے بغیر ممکن نہیں: (۱)... طَبْعِی فضائل جیسے عِلْم اور حُسْنِ اَخلاق (۲)... بدَنی فضائل جیسے صحت اور تندرُستی اور (۳)... خارِجی فضائل جیسے مال اور اسبابِ دنیا۔ ان میں سب سے اعلیٰ طبعی فضائل ہیں پھر بدنی فضائل اور آخر میں خارجی فضائل ہیں۔ یعنی خارجی فضیلت سب سے نچلے درجے میں ہے اور مال بھی خارجی اسباب میں سے ہے اور مال میں سب سے ادنیٰ درہم و دینار ہیں جو کہ انسان کے خادم ہیں جبکہ ان کا کوئی خادم نہیں۔ ان کا قصد ان کی ذات کی وجہ سے نہیں کیا جاتا کیونکہ نفس ہی ایک ایسا جوہرِ نفیس ہے جس کی سعادت مطلوب ہے وہ علم و معرفت اور مَکارِمِ اَخلاق کی خدمت کرتا ہے تاکہ یہ اوصاف نَفْس کی صِفات ذاتیہ میں داخل ہو جائیں پھر بدن حواس اور اعضاء کے ذریعے نفس کی خدمت کرتا ہے جبکہ کھانا اور لباس بدَن کی خدمت کرتے ہیں اور یہ بات گزر چکی ہے کہ کھانے کا مقصد بدن کی سلامتی ہے اور نکاح کا مقصد نَسْلِ اِنسانی کی بَقا ہے۔ بدن کے ذریعے نفس کی تکمیل اور اس کا تزکیہ ہوتا ہے جبکہ علم اور اخلاق کے ذریعے اسے زِینت حاصل ہوتی ہے۔

جس شخص نے اس ترتیب کو سمجھ لیا اس نے مال کی قدر اور شرافت کو پہچان لیا اور یہ بھی جان لیا کہ مال کھانے اور لباس کی ضرورت ہے اور کھانا اور لباس بدن کے باقی رہنے کے لیے ضروری ہے اور بدن کا باقی رہنا کمالِ نفس کی ضرورت ہے اور یہ سب خیر ہی ہے۔ جو شخص کس چیز کے فائدے کو سمجھ کر، اس کی غایت اور اس

[1]... سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر الموت... الخ، ۴/ ۴۹۶، حدیث: ۴۲۵۹

کے مقصود کو جان کر نیز اس کے مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسے استعمال کرتا ہے یقیناً وہ اچھا کرتا اور نفع اٹھاتا ہے۔مال جس طرح کسی صحیح مقصد کا وسیلہ ہو سکتا ہے اسی طرح وہ فاسد مقاصد کے لئے بھی ذریعہ بن سکتا ہے اور یہ وہ مقاصد ہیں جو اُخروی سعادت سے ٹکراتے ہیں اور عِلْم وعَمَل کی راہ میں رُکاوٹ بن جاتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مال اس وقت قابلِ تعریف ہو گا جب اس کی نِسبَت اچھے مقاصِد کی طرف ہو گی اور جب اس کی نسبت مذموم مقاصِد کی طرف ہو گی تو یہ قابلِ مذمت ہو گا۔ حدیث مبارک میں آتا ہے: ”جس نے اپنی ضرورت سے زیادہ دنیا میں سے لیا یقیناً اس نے غیر شُعُوری طور پر اپنی ہلاکت کو دعوت دی۔“[1]

انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام نے مال کے شر سے پناہ مانگی:

انسانی طبیعتیں چونکہ خواہشات کی پیروی میں رغبت رکھتی ہیں اور یہ خواہشات اللہ عَزَّوَجَلَّ کے راستے سے روکنے والی ہیں اور مال ان خواہشات تک رسائی کا آسان ذریعہ اور آلہ ہے لہٰذا جو مال ضرورت سے زیادہ ہو تا اس میں خطرہ بھی بڑا ہوتا ہے اسی لئے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام نے اس کے شر سے پناہ مانگی ہے حتّٰی کہ ہمارے پیارے نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یوں دعا مانگی: ”اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَفَافًا یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تو آلِ محمد کو بقدرِ کفایت رزق عطا فرما۔“[2] آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دنیا میں سے اتنے ہی کو طلب فرمایا جتنے میں صرف بھلائی تھی اور آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ دعا بھی مانگی: ”اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکین ہی وفات دے اور مساکین کی جماعت میں اٹھا۔“[3] حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے مال سے اس طرح پناہ مانگی:

وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔ (پ۱۳، ابراھیم: ۳۵)

آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اَصنام (بتوں) سے سونے اور چاندی کے دو پتھر مراد لئے کیونکہ مَنْصَبِ نبوّت اس

---

1 ...تاریخ مدینۃ دمشق، ۵۵/ ۱۹۱، الرقم: ۶۹۵۴، لحمد بن لحمد بن عمیر، حدیث: ۱۱۶۷۷

2 ...بخاری، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی... الخ، ۴/ ۲۳۶، حدیث: ۶۴۶۰ بتغیر قلیل

3 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء ان الفقراء المھاجرین... الخ، ۴/ ۱۵۷، حدیث: ۲۳۵۹

سے پاک ہے کہ کوئی نبی پتھروں کو اپنا معبود سمجھنے لگے جبکہ نبی تو نبوت سے پہلے بچپن میں بھی بتوں کی پوجا سے دور رہتے ہیں۔ یہاں عبادتِ اصنام سے مراد سونا چاندی سے محبت کرنا، ان سے دھوکا کھانا اور ان کی طرف مائل ہونا اور جُھکنا ہے۔

درہم ودینار کے غلام کی تباہی:

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمَّت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَتَعِسَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ تَعِسَ وَلَا انْتَعَشَ وَاِذَا شِیْکَ فَلَا انْتَقَشَ یعنی درہم ودینار کا غلام تباہ وبرباد ہو اور ایسا گرے کہ اٹھ نہ سکے اور اگر اسے کوئی کانٹا چبھے تو کبھی نہ نکلے۔[1] معلوم ہوا کہ ان سے محبت کرنے والا گویا ان کی پوجا کرنے والا ہے اور جو کسی پتھر کی پوجا کرتا ہے وہ بتوں کو پوجنے والا ہے بلکہ جو شخص بھی غَیْرُ خدا کی پوجا کرتا ہے وہ بت پرست ہے یعنی جس شخص کو مال اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے روک دے وہ بت پرست کی طرح ہے جو کہ مشرک ہے لیکن شرک کی دو قسمیں ہیں: (۱)...شِرْکِ خَفِی: جس کا مُرتکِب ہمیشہ جہنّم میں نہیں رہے گا اور مومن اس سے کم ہی خالی ہوتا ہے کیونکہ یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔ (۲)...شِرْکِ جَلِی: جس کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ ہم ان دونوں سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں۔

تیسری فصل: مال کے نُقصانات اور فوائد کی تفصیل

مال سانپ کی طرح ہے اس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی۔ تریاق اس کے فوائد ہیں اور اس کی آفات اس کا زہر ہیں تو جو شخص اس کے فوائد اور آفات دونوں سے واقف ہو گا اس کے لئے اس کے شر سے بچنا اور خیر سے نفع اٹھانا ممکن ہو گا۔

مال کے دو فائدے:

مال کے فوائد دو طرح کے ہیں: (۱)...دینی اور (۲)...دنیاوی۔ جہاں تک دنیاوی فوائد کا ذکر ہے تو اس سے سب لوگ واقف ہیں، لہٰذا اس کے بیان کی حاجت نہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ اس کی طلب میں ہلاکت وبربادی میں نہ پڑتے۔

---

[1] ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب فی المکثرین، ۴/ ۴۴۰، حدیث: ۴۱۳۵ باختصار

مال کے دینی فوائد کی اقسام:

جہاں تک دینی فوائد کی بات ہے تو یہ تین اَقسام میں مُنْحَصِر ہیں:

پہلی قسم:

مال اپنے اوپر خرچ کرے خواہ عبادت میں یا عبادت پر مدد حاصل کرنے کے لئے۔ عبادت میں اس طرح مثلاً: حج یا جہاد میں خرچ کرے کیونکہ یہ دونوں عبادتیں بغیر مال کے ادا نہیں ہوسکتیں اور یہ دونوں کام اصول عبادات میں سے ہیں اور فقیر آدمی ان دونوں فضیلتوں سے محروم ہوتا ہے۔ عبادت پر مدد حاصل کرنے میں اس طرح کہ وہ کھانے، لباس، رہائش، نکاح اور دیگر ضروریات زندگی پر مال خرچ کرے کیونکہ یہ بنیادی ضرورتیں ہیں اور جب تک یہ پوری نہیں ہوتیں دل ان میں مشغول رہتا ہے اور دین کے لئے فارغ نہیں ہوپاتا اور جو چیز عبادت تک پہنچنے کا ذریعہ بنے وہ بھی عبادت ہوتی ہے، لہٰذا دین پر مدد حاصل کرنے کے لیے دنیا سے بقدرِ ضرورت لینا دینی فوائد میں سے ہے لیکن عَیّاشی اور حاجت سے زائد لینا اس میں شامل نہیں کیونکہ یہ محض دنیاوی فوائد میں سے ہے۔

دوسری قسم:

وہ مال جو لوگوں پر خرچ کیا جائے۔ اس کی چار قسمیں ہیں: (۱)...صَدَقہ کرنا (۲)...مُرَوَّت کے طور پر دینا (۳)...عزت کی حفاظت کے لئے دینا اور (۴)... خدمت کی اجرت دینا۔

جہاں تک صدقہ کی بات ہے تو اس کا ثواب کسی پر مخفی نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا نیک عمل ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ صدقہ کے باب میں ہم اس کی فضیلت کو بیان کرچکے۔

جہاں تک مروت کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ مال دار اور مُعَزَّز لوگوں کی مہمان نوازی کرنا، انہیں تحفے تحائف دینا اور ان کی مدد وغیرہ کرنا۔ اسے صدقہ نہیں کہیں گے کیونکہ صدقہ وہ ہوتا ہے جو محتاجوں کو دیا جائے۔ مگر یہ دینی فوائد میں سے ضرور ہے کیونکہ اس طرح آدمی بھائی اور دوست بنالیتا ہے نیز سخاوت کی صِفَت سے مُتَّصِف ہو کر سخی لوگوں کی جماعت میں شامل ہوجاتا ہے اور وہی شخص سخاوت کی

صفت سے موصوف ہوتا ہے جو لوگوں کے ساتھ احسان اور مروت کا سلوک کرتا ہے اور مروت سے پیش آنا بھی بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے کیونکہ بہت سی رِوایات میں تحفے تحائف دینے، مہمان نوازی کرنے اور بغیر فقر و فاقہ کی قید کے دوسرے کو کھانا کھلانے کے بارے میں بھی فضائل مروی ہیں۔

عزت بچانے کے لئے مال خرچ کرنے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اس لئے مال خرچ کرے تاکہ شُعرا کی ہَجْو سے بچے اور کمینے لوگوں کے شر سے محفوظ رہے۔ یہ اگرچہ دنیا کا فوری حاصل ہونے والا نفع ہے لیکن اس کا دینی فائدہ بھی ہے۔ سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: مَاوَقٰی بِهِ الْمَرْءُ عِرْضَهٗ كُتِبَ لَهٗ بِهٖ صَدَقَةٌ یعنی جس چیز کے ذریعے بندہ اپنی عزت بچائے اس پر اسے صدقہ کا ثواب دیا جاتا ہے۔[1] اور یہ خرچ کرنا دینی کیوں نہ ہو جبکہ اس کے ذریعے غیبت کرنے والے کو غیبت کے گناہ سے اور عداوت کرنے والے کو انتقام اور بدلہ لینے کی صورت میں حُدُودِ شَرع توڑنے سے روکا جارہا ہے۔

جہاں تک خدمت کے بدلے اُجرت دینے کی بات ہے تو یہ بھی اَجْر و ثواب سے خالی نہیں کیونکہ آدمی کو اپنے اسباب کی تیاری میں جن کاموں کی حاجت ہوتی ہے وہ بہت زیادہ ہیں اگر وہ خود ہی تمام کام انجام دینے لگے تو وقت ہو جائے گی اور راہِ آخرت پر چلنا اس کے لئے مشکل ہو جائے گا اور ذکر و فکر جو سالکین کے لئے اعلیٰ مقامات میں سے ہے اس کی بجا آوری نہ ہو سکے گی۔ ظاہر ہے جس کے پاس مال نہیں ہوگا وہ اپنے کام تنہا انجام دینے پر مجبور ہوگا مثلاً: غلہ خریدنا اور اسے پیسنا، گھر کی صفائی کرنا یہاں تک کہ جس کتاب کی اسے ضرورت ہوگی اسے خود ہی لکھنا ہوگا جبکہ جو کام دوسروں کے ذریعے ہو سکتے ہیں، اس سے انسانی غَرَض پوری ہو جاتی ہے اب اگر وہ اس میں مشغول ہوتا ہے تو یہ اس کے لئے خسارے کا باعث ہے کیونکہ علم کا حصول اور اس پر عمل کرنا اور ذکر و فکر میں مشغول رہنا یہ ایسے کام ہیں جو دوسروں کے ذریعے نہیں ہو سکتے، لہٰذا ان کو چھوڑ کر دوسرے کاموں میں وقت ضائع کرنا نقصان کا باعث ہے۔

تیسری قسم:

مال کسی متعین آدمی پر خرچ نہ ہو بلکہ اس سے عام فائدہ حاصل ہو۔ مثلاً: مساجِد، پُل، مسافر خانے اور

---

[1] ...المستدرک، کتاب البیوع، باب کل معروف صدقة، ۲/ ۳۵۸، حدیث: ۲۳۵۸

بیماروں کے لئے ہسپتال وغیرہ بنانا، راستے میں پانی کی سبیلیں لگانا اور اس کے علاوہ اچھے مقاصِد کے لئے زمین وَقْف کرنا یہ ایسے صَدَقاتِ جارِیہ ہیں جو آدمی کو مرنے کے بعد بھی نفع پہنچاتے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نیک بندے ایسے لوگوں کے حق میں مُدَّتوں دعائے خیر کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا خیر کا کام ہو گا؟

مال کے دنیاوی فوائد:

یہ دین کے اعتبار سے مالی فوائد تھے اس کے ساتھ ساتھ دنیوی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں مثلاً جس کے پاس مال ہوتا ہے وہ مانگنے کی ذِلَّت اور مُفْلِسی کے عیب سے محفوظ رہتا ہے اور مخلوق کے درمیان اسے عزت اور بزرگی حاصل ہوتی ہے، اس کے دوست، اَحباب اور مُعاوِن زیادہ ہوتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت اور وَقار بڑھتا رہتا ہے، یہ سب مال کے دنیاوی فوائد ہیں۔

مال کی آفات اور اس کی اقسام:

مال کی آفات دِینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی۔مال کے دینی نقصانات تین قسم کے ہیں:

پہلی قسم:

مال آدمی کو گناہ کے راستے پر ڈال دیتا ہے کیونکہ خواہشات کی یَلْغار مسلسل رہتی ہے جبکہ مال سے عاجز ہونا بعض اوقات آدمی اور گناہ کے درمیان رکاوٹ بنتا ہے اور بچنے کا ایک ذریعہ مال کا نہ ہونا بھی ہے اور جب تک انسان کسی گناہ کے اِرتِکاب سے مایوس ہوتا ہے اس وقت تک اس کا شوق حَرَکت میں نہیں آتا اور جوں ہی اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ اب اس پر قادر ہے تو شوق اُبھر آتا ہے اور مال بھی ایک قسم کا گناہ پر قدرت کا ذریعہ ہے جو گناہوں کے شوق کو حرکت دیتا ہے اور فِسْق و فُجُور کا اِرْتِکاب کرواتا ہے۔اگر وہ اپنی خواہش پر عمل کرتا ہے تو ہلاکت میں پڑتا ہے اور اگر صبر سے کام لیتا ہے تو تکلیف میں مُبْتَلا ہوتا ہے کیونکہ قدرت اور طاقت کے باوجود صبر کرنا انتہائی دشوار ہوتا ہے اور مال داری کا فتنہ مُفْلِسی کے فتنے سے بڑا ہے۔

دوسری قسم:

مُباحات میں خَرچ انسان کو عَیْش وعِشْرت تک پہنچا دیتا ہے اور یہ سب سے پہلا درجہ ہے اور مال دار

آدمی سے ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ جَو کی روٹی کھائے، موٹا کپڑا پہنے اور لذیذ کھانے چھوڑ دے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنی سلطنت میں کیا۔ جسے مالی وُسْعَت مُیَسَّر ہو گی وہ مُباحات میں ضرور خوش حالی اختیار کرے گا اور اپنے نفس کو عیش و عشرت کا عادی بنائے گا اور پھر جب خوش حالی میں اسے لذت ملنے لگے گی تو پھر اس سے رکنا ممکن نہ ہو گا بلکہ پھر تو یہ حال ہو جائے گا کہ اگر حلال آمدنی عیش و عشرت کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہو گی تو وہ مشکوک اور حرام ذرائع استعمال کرنے پر دریغ نہیں کرے گا۔ ریاکاری، مُنافقت، جھوٹ اور اس کے علاوہ دیگر بُری خصلتوں کو دل میں جگہ بنانے کا موقع دے گا تاکہ اس کے ذریعے دنیاوی مُعاملات مُنْتَظَم رہیں اور اس کے عیش و عشرت میں کمی نہ آئے کیونکہ جس کا مال زیادہ ہوتا ہے اسے لوگوں کی بھی زیادہ حاجت پڑتی ہے اور جسے لوگوں کی زیادہ حاجت پڑتی ہے وہ اس سلسلے میں مُنافِقانہ رَوِش بھی اختیار کرتا ہے اور لوگوں کی رضا حاصل کرنے کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی سے بھی گُریز نہیں کرتا۔ اگر آدمی پہلی آفت یعنی مال کے ذریعے گناہ اختیار کرنے سے بچ بھی جائے لیکن وہ مخلوق کی طرف محتاجی سے نہیں بچ سکتا۔

مخلوق کی محتاجی دوستی اور دشمنی کا سبب بنتی ہے اور اس سے حَسَد، کینہ، رِیاکاری، تکبُّر، جھوٹ، چغلی، غیبت اور ایسے تمام گناہ پیدا ہوتے ہیں جو دل اور زبان کے ساتھ خاص ہیں اور پھر یہ بھی امکان رہتا ہے کہ یہ گناہ دل و زبان سے بڑھ کر دوسرے اعضاء کی طرف منتقل ہو جائیں اور یہ سب کچھ مال کی نُحُوست ہے کہ اس کی حفاظت اور اصلاح کی وجہ سے آدمی غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔

تیسری قسم:

یہ آفت ہر مال دار میں پائی جاتی ہے۔ وہ مال کی درستی میں گم ہو کر یادِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے اور ہر وہ چیز جو یادِ الٰہی سے غافل کر دے وہ مَحْض نُقصان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: مال میں تین آفتیں ہیں: ایک یہ کہ بندہ حرام طریقے سے مال حاصل کرے گا۔ عرض کی گئی اگر حلال طریقے سے حاصل کرے تو؟ فرمایا: پھر وہ اسے ناحق استعمال کرے گا۔ عرض کی گئی: اگر حق کے مقام پر خرچ کرے تو؟ فرمایا: اس کی دُرُستی مال دار کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل کر دے گی۔

غفلت جیسے مَرَض کا علاج اِنتہائی دُشوار ہے کیونکہ عبادات کی اصل اور اس کا مَغز اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر اور اس کی عظمت و جلالت میں تفکر ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ دل ذکر و فکر کے لئے فارغ ہو جبکہ جس کے پاس زمین ہو وہ رات دن کھیتی کے جھگڑوں میں اُلجھا رہتا ہے۔ کبھی حساب کتاب کر رہا ہوتا ہے، کبھی شُرَکا سے جھگڑ رہا ہوتا ہے، کبھی پانی اور حد بندی کے معاملے پر اختلاف کر رہا ہوتا ہے، کبھی زمین کے خراج کے معاملے پر حکومتی کارندوں سے جھگڑ رہا ہوتا ہے، کام میں کوتاہی کے سبب مزدوروں پر برس رہا ہوتا ہے اور خیانت اور چوری کے حوالے سے کاشتکاروں سے جھگڑ رہا ہوتا ہے۔ جبکہ تاجر کو اپنے شریک کی طرف سے خیانت کی فکر لگی رہتی ہے نیز اسے یہ غم بھی ستائے رہتا ہے کہ وہ نفع میں برابر کا شریک رہتا ہے لیکن کام میں برابر ہاتھ نہیں بٹاتا، علاوہ ازیں اسے شریک کی طرف سے مال ضائع کرنے کی شکایت بھی رہتی ہے۔ یہی حال جانوروں کے مالکوں کا بھی ہے بلکہ دیکھا جائے تو جتنے بھی اموال ہیں ان سب کے مالکان بھی اسی قسم کے مسائل سے دوچار ہیں۔ اَلْغَرَض مال کی کوئی بھی صورت ہو یہی پریشانیاں لگی رہتی ہیں لیکن جو خزانہ زمین میں دفن کیا گیا ہو اس میں مشغولیت کم ہوتی ہے اگرچہ یہاں بھی دل کا تردُّد باقی رہتا ہے کہ کہاں خرچ کرے؟ اس کی حفاظت کیسے کرے؟ لوگوں کی لالچ سے کیسے بچائے؟ غَرَض دنیاداروں کی افکار کی وادیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے اور جس آدمی کے پاس صرف ایک وقت کا کھانا ہو وہ ان تمام پریشانیوں سے محفوظ ہے۔

یہ ہیں مال کی دنیوی آفات اس کے ساتھ ساتھ مال داروں کو دنیا میں پریشانی، غم و خوف، حاسدوں کے حَسَد کو دور کرنے کی مَشَقَّت، مال کی حفاظت اور کمائی وغیرہ جیسی بہت سے پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں، لہٰذا مال کا تِریاق (علاج) یہ ہے کہ اس سے گُزر بَسَر کے لئے لینے کے بعد باقی مال کو اچھے کاموں میں خَرچ کر دیا جائے کیونکہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زہر اور آفات ہیں۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لُطف و کَرَم سے سلامتی اور بہترین مدد کا سوال کرتے ہیں، بے شک وہ اس پر قادر ہے۔

چوتھی فصل: حِرْص و طَمَع کی مَذَمَّت اور قَناعَت کی تعریف

یہ بات ذِہن نشین کر لیں کہ فَقر ایک عُمدہ صِفَت ہے جیسا کہ فقر کے باب میں ہم نے اس کو بیان کیا ہے لیکن فقیر کو قناعت پسند ہونا چاہئے اس طرح کہ لوگوں کے مال میں طمع نہ رکھے اور ہر جائز و ناجائز ذریعہ سے مال

کمانے کا حریص نہ ہو۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ کھانے، پہننے اور رہنے میں بقدرِ ضرورت پر قانع ہو اور ان میں بھی سب سے کم اور ہلکی مقدار پر اکتفا کرے۔ ایک دن یا ایک ماہ کی امید سے آگے نہ بڑھے اور نہ دل کو ایک ماہ بعد کے مشاغِل میں مشغول کرے۔ زیادہ کے شوق اور لمبی امید کے سبب آدمی قناعت کی دولت سے محروم اور حرص و طَمَع کی گندگی سے آلودہ ہو جاتا ہے اور پھر وہ حرص و طمع کے باعث مروت سے عاری دیگر برائیوں کے ارتکاب پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حرص و طمع کی زیادتی اور قناعت کی کمی انسانی فطرت میں شامل ہے۔

حرص کی مذمت اور قناعت کی تعریف کے متعلق 11 فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَا بْتَغٰى لَهُمَا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللهُ عَلٰى مَنْ تَابَ یعنی اگر انسان کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا اور انسان کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔[1]

﴿2﴾... حضرت سَیِّدُنا ابو واقِد لَیْثی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف جب کوئی وحی ہوتی تو ہم اسے سیکھنے کے لئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے۔ ایک دن میں حاضرِ خدمت ہوا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: بے شک ہم نے مال نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے اتارا ہے اور اگر انسان کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ ضرور دوسری کی خواہش کرتا ہے اور اگر دوسری بھی ہو تو چاہتا ہے ان دو کے ساتھ تیسری بھی مل جائے اور انسان کے پیٹ کو تو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔[2]

انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے:

حضرت سَیِّدُنا ابو موسیٰ اَشْعَرِی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: سورۂ براءت جیسی ایک سورت نازل ہوئی پھر وہ اُٹھالی گئی لیکن اس کی یہ آیت اب بھی باقی ہے: اِنَّ اللهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِاَقْوَامٍ لَّا خَلَاقَ لَهُمْ وَلَوْ اَنَّ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَيْنِ

1 ...مسلم، کتاب الزکاۃ، باب لو أن لابن آدم... الخ، ص ۵۲۱، حدیث: ۱۰۴۸

2 ...شعب الایمان، باب فی الزهد وقصر الامل، ۷/ ۲۷۱، حدیث: ۱۰۲۷۷

مِنْ مَالٍ لَتَمَنّٰى وَادِيًا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللهُ عَلٰى مَنْ تَابَ یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ اس دین کی تائید ایسے لوگوں کے ذریعے بھی فرماتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور اگر انسان کے لئے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا اور انسان کے پیٹ کو تو صرف (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے اور جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔[1]

﴿3﴾... رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمُ الْعِلْمِ وَمَنْهُوْمُ الْمَالِ یعنی دو شیدائی سیر نہیں ہوتے ایک علم کا شیدائی اور دوسرا مال کا۔[2]

﴿4﴾... نُور کے پیکر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: يَهْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَيَشِبُّ مَعَهُ اثْنَتَانِ الْاَمَلُ وَحُبُّ الْمَالِ یعنی انسان بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن اس میں دو چیزیں جوان رہتی ہیں: (۱)... امید اور (۲)... مال کی محبت۔[3]

حرص و طمع اور قناعت کی کمی انسان کی فطرت میں شامل ہیں اور یہ چیزیں ہلاکت اور گمراہی کا سبب ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے پیارے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قناعت کی یہ کہتے ہوئے تعریف فرمائی:

﴿5﴾... طُوْبٰى لِمَنْ هُدِيَ لِلْاِسْلَامِ وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَقَنَعَ بِهٖ یعنی اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جسے اسلام کی ہدایت اور بقدرِ کفایت رزق ملا اور اس نے اس پر قناعت کی۔[4]

﴿6﴾... مَا مِنْ اَحَدٍ فَقِيْرٍ وَلَا غَنِيٍّ اِلَّا وَدَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَّهُ كَانَ اُوْتِيَ قُوْتًا فِي الدُّنْيَا یعنی قیامت کے دن ہر فقیر اور مالدار اس بات کی چاہت کرے گا کہ (کاش) دنیا میں اسے صرف ضرورت کے مطابق رزق دیا جاتا۔[5]

﴿7﴾... لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ اِنَّمَا الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ یعنی امیری زیادہ مال واسباب سے نہیں بلکہ امیری تو دل کی امیری ہے۔[6]

---

1 ...مسلم، کتاب الزکاۃ، باب لو ان لابن آدم... الخ، ص ۵۲۲، حدیث: ۱۰۴۸ دون قول ان اللہ لیؤید الی... لا خلاق لہم

2 ...سنن الدارمی، باب فی فضل العلم، ۱/ ۱۰۸، حدیث: ۳۳۱ بتغیر

3 ...مسلم، کتاب الزکاۃ، باب کراھۃ الحرص علی الدنیا، ص ۵۲۱، حدیث: ۱۰۴۷ بتغیر قلیل

4 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الکفاف... الخ، ۴/ ۱۵۶، حدیث: ۲۳۵۶

5 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب القناعۃ ٤/ ٤٤٢، حدیث: ۴۱۴۰

6 ...بخاری، کتاب الرقاق، باب الغنی غنی النفس، ۴/ ۲۳۳، حدیث: ۶۴۴۶

﴿8﴾... شفیع روزِ محشر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کسبِ مال میں شدید حرص سے منع کرتے ہوئے فرمایا: اَلَا اَیُّھَا النَّاسُ اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ لِعَبْدٍ اِلَّا مَا کُتِبَ لَہٗ وَلَنْ یَّذْھَبَ عَبْدٌ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی یَاْتِیَہٗ مَا کُتِبَ لَہٗ مِنَ الدُّنْیَا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ یعنی اے لوگو سنو! کمانے میں میانہ روی اختیار کرو، بے شک ہر آدمی کو وہی ملے گا جو اس کے لیے لکھ دیا گیا ہے اور آدمی دنیا سے اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک کہ جس قدر دنیا اس کے لیے لکھ دی گئی ہے وہ اس کے پاس ذلیل ہو کر ہی کیوں نہ آجائے۔[1]

سب سے زیادہ مال دار:

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سَیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ربعَزَّوَجَلَّ سے عرض کی، اے میرے ربعَزَّوَجَلَّ! تیرا کون سا بندہ زیادہ مالدار ہے؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: وہ شخص جو میرے عطا کئے ہوئے پر زیادہ قناعت کرنے والا ہے۔ عرض کی: زیادہ انصاف کرنے والا کون ہے؟ فرمایا: جو اپنے آپ سے انصاف کرنے والا ہے۔

﴿9﴾... اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَھَا فَاتَّقُوا اللہَ وَاَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ یعنی رُوح القدس حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی نفس اپنا رزق مکمل کئے بغیر نہیں مرے گا، لہٰذا تم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو اور روزی کمانے کے معاملے میں میانہ روی اختیار کرو۔[2]

﴿10﴾... حضرت سَیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے فرمایا: یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ اِذَا اشْتَدَّ بِکَ الْجُوْعُ فَعَلَیْکَ بِرَغِیْفٍ وَکُوْزٍ مِنْ مَّاءٍ وَعَلَی الدُّنْیَا الدَّمَارُ یعنی اے ابوہریرہ! جب تمہیں بھوک کی سختی محسوس ہو تو تمہارے لئے ایک روٹی اور پانی کا ایک پیالہ ہی کافی ہو اور دنیا پر ہلاکت ہو۔[3]

﴿11﴾... کُنْ وَرِعًا تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَکُنْ قَنِعًا تَکُنْ اَشْکَرَ النَّاسِ وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا یعنی پرہیزگاری اختیار کرو لوگوں میں زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے، قناعت پسند بن جاؤ لوگوں میں زیادہ شکر والے ہو جاؤ گے، جو

---

1 ...المستدرک، کتاب الرقاق، باب الحسب المال والکرم التقوی، ۵/ ۴۶۳، حدیث: ۷۹۹۴ مفہومًا

2 ...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۲۹۹، حدیث: ۱۰۳۷۶ بتغیر قلیل

3 ...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۲۹۵، حدیث: ۱۰۳۶۲

اپنے لئے پسند کرو وہی لوگوں کے لئے پسند کرو (کامل) مومن بن جاؤ گے۔[1]

لالچ کی ممانعت:

دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر و بَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے لالچ سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ

حضرت سیِّدُنا ابو ایوب انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے ایک مختصر سی نصیحت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو زندگی کی آخری نماز سمجھ کر پڑھو اور ہرگز ایسی بات نہ کرو جس سے تمہیں کل معذرت کرنی پڑے اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے مکمل ناامید ہو جاؤ۔[2]

بیعت کی پاسداری:

حضرت سیِّدُنا عوف بن مالک اَشْجَعِی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے، اس وقت ہم نو، آٹھ یا سات افراد تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: کیا تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رسول سے بیعت نہیں کرو گے؟ ہم نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا ہم نے آپ سے بیعت نہیں کی؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دوبارہ فرمایا: کیا تم رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرو گے؟ چنانچہ ہم نے ہاتھ بڑھا کر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ہم میں سے ایک نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہم تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اب آپ کس بات پر ہم سے بیعت لے رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ”اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَتُصَلُّوا الْخَمْسَ وَاَنْ تَسْمَعُوْا وَتُطِیْعُوْا یعنی اس پر کہ تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، پانچوں نمازیں پڑھو گے اور امیر کا حکم سنو گے اور اس کی اِطاعت کرو گے۔“ پھر آہستہ سے فرمایا: ”وَلَا تَسْاَلُوا النَّاسَ شَیْئًا اور لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرو گے۔“[3]

---

[1] ...سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الورع والتقوى، ۴/ ۴۷۶، حديث: ۴۲۱۷

[2] ...سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الحكمة، ۴/ ۴۵۵، حديث: ۴۱۷۱

[3] ...سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب كراهية المسألة، ۲/ ۱۶۹، حديث: ۱۶۴۲

راوی فرماتے ہیں: میں نے ان بیعت کرنے والوں میں سے بعض کو دیکھا کہ اگر ان میں سے کسی کے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو وہ کسی سے یہ نہ کہتے کہ یہ اٹھا کر مجھے دے دو۔

مال دار ہونے کا نسخہ:

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: بے شک طمع مفلسی ہے اور لوگوں سے ناامید ہونا مال داری ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کے مال سے ناامید ہو جاتا ہے اسے ان کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔

کسی عقل مند سے پوچھا گیا کہ مال داری کیا ہے؟ اس نے کہا: تیری آرزو کم ہو اور جو تجھے کفایت کرے اس پر تو راضی ہو۔ شاعر اسی کے متعلق کہتا ہے:

اَلْعَيْشُ سَاعَاتٌ تَمُرُّ وَ خُطُوْبُ اَيَّامٍ تُكَرُّ

اِقْنَعْ بِعَيْشِكَ تَرْضَهُ وَاتْرُكْ هَوَاكَ تَعِيْشُ حُرُّ

فَلَرُبَّ حَتْفٍ سَاقَهُ ذَهَبٌ وَيَاقُوْتٌ وَدُرُّ

ترجمہ: زندگی تو چند گھڑیاں ہیں گزر ہی جائے گی مصیبتیں ہر دن پلٹ پلٹ کر آئیں گیں۔ قناعت اختیار کرو راضی رہو گے خواہشات کو ترک کر دو تو آزادی مل جائے گی۔ کتنی ہی موتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا سبب سونا، یاقوت اور موتی ہوتے ہیں۔

قناعت اور میانہ روی کے متعلق چھ اقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ خشک روٹی کو پانی کے ساتھ تر کر کے کھا لیا کرتے اور فرمایا کرتے تھے جو اس رزق پر قناعت کرتا ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: تمہاری بہترین دنیا وہ ہے جس میں تم مبتلا نہیں ہوئے اور تمہارے ہاتھوں سے جو نکل گیا وہ اس سے بہتر ہے جس میں تم مبتلا ہو۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ہر دن ایک فرشتہ پکار کر کہتا ہے: اے ابنِ آدم! تجھے کفایت کرنے والا تھوڑا تجھے سرکش بنانے والے زیادہ سے بہتر ہے۔

﴿4﴾... حضرت سَیِّدُنا سُمَیط بن عَجْلان عَلَیْہِ رَحمَۃُ الحَنّان فرماتے ہیں: اے انسان! تیرا پیٹ تو بالشت بھر ہے پھر وہ تجھے کیوں جہنّم میں لے جاتا ہے؟

﴿6﴾... کسی دانش مند سے پوچھا گیا کہ آپ کا مال کیا ہے؟ اس نے کہا: ظاہر میں اچھی حالت میں رہنا، باطن میں میانہ روی اختیار کرنا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوس ہونا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: اے ابنِ آدم! اگر تمام دنیا تیرے لئے ہو جائے تب بھی تجھے غذا کے علاوہ کچھ نہ ملے گا اور اگر میں تجھے غذا دوں اور دنیا کا حساب کسی دوسرے پر رکھوں تو یہ میرا تجھ پر احسان ہو گا۔

ضرورت کی وجہ سے اگر کوئی سوال کرے تو تھوڑا مانگے:

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی ضرورت کی وجہ سے سوال کرے تو تھوڑا مانگے اور کسی کے پاس جا کر یہ نہ کہے کہ تم ایسے ہو تم ایسے ہو (یعنی تعریفوں کے پل نہ باندھے) کہ اس کی کمر جھک جائے کیونکہ جو قسمت میں ہے وہ مل کر رہے گا۔

سَیِّدُنا ابو حازم رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی قناعت:

بنو اُمَیّہ کے کسی حکمران نے حضرت سَیِّدُنا ابو حازِم رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی طرف خط لکھا کہ اگر آپ کی کچھ ضرورتیں ہیں تو بتا دیں میں پوری کر دوں۔ حضرت سَیِّدُنا ابو حازم رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے جواباً لکھا: میں نے اپنی ضرورتیں اپنے آقا کی بارگاہ میں پیش کر دی ہیں وہ مجھے جو عطا کرتا ہے میں اسے قبول کر لیتا ہوں اور جو کچھ مجھ سے روکتا ہے میں اس سے صبر کرتا ہوں۔

عقل مند کو کس چیز سے زیادہ خوشی ہوتی ہے؟

کسی دانشور سے پوچھا گیا کہ عقل مند کو کس چیز سے زیادہ خوشی ہوتی ہے اور کون سی چیز غم دور کرنے میں اس کی زیادہ معاوِن ہوتی ہے؟ اس نے کہا: اسے زیادہ خوشی اس نیک عمل سے ہوتی ہے جو اس نے آگے بھیجا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فیصلے پر رضامندی اس کا غم دور کرنے میں زیادہ مُعاوِن (مددگار) ہوتی ہے۔

کسی کا قول ہے: میں نے حسد کرنے والے کو سب سے زیادہ غمگین اور قناعت پسند کو سب سے زیادہ خوش وخرم زندگی گزارنے والا، حریص کو اپنی طمع کے سبب سب سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے والا، دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے کو آسانی کے ساتھ زندگی گزارنے والا دیکھا اور حد سے بڑھنے والے عالِم کو زیادہ ندامت اٹھاتے ہوئے دیکھا۔

اسی مضمون کو اشعار میں یوں بیان کیا گیا ہے:

أَرْوَحُهُ بِبَالٍ فَتًى أَمْسَى عَلَى ثِقَةٍ ... أَنَّ الَّذِيْ قَسَّمَ الْأَرْزَاقَ يَرْزُقُهُ

فَالْعِرْضُ مِنْهُ مَصُوْنٌ لَا يُدَنِّسُهُ ... وَالْوَجْهُ مِنْهُ جَدِيْدٌ لَيْسَ يُخْلِقُهُ

إِنَّ الْقَنَاعَةَ مَنْ يَّحْلُلْ بِسَاحَتِهَا ... لَمْ يَلْقَ فِيْ دَهْرِهٖ شَيْئًا يُؤَرِّقُهُ

ترجمہ: وہ نوجوان زیادہ خوش وخرم ہوتا ہے جو اس بات کا یقین کرتا ہے کہ جس ذات نے رزق کی تقسیم کی ہے وہ اسے ضرور رزق دے گی، لہٰذا اس کی عزت محفوظ رہتی ہے وہ اسے داغدار نہیں کرتا، چہرہ تروتازہ رہتا ہے وہ اسے (سوال کی ذلت سے) پرانا نہیں کرتا اور جس آدمی کے صحن میں قناعت اترے وہ زمانے میں کسی چیز کا محتاج نہیں رہتا۔

اسی طرح ایک شاعر کہتا ہے:

حَتّٰى مَتٰى أَنَا فِيْ حِلٍّ وَّتَرْحَالٍ ... وَّطُوْلِ سَعْيٍ وَّإِدْبَارٍ وَّإِقْبَالٍ

وَنَازِحِ الدَّارِ لَا أَنْفَكُّ مُغْتَرِبًا ... عَنِ الْأَحِبَّةِ لَا يَدْرُوْنَ مَا حَالِيْ

بِمَشْرِقِ الْأَرْضِ طَوْرًا ثُمَّ مَغْرِبِهَا ... لَا يَخْطُرُ الْمَوْتُ مِنْ حِرْصِيْ عَلٰى مَالٍ

وَلَوْ قَنَعْتُ أَتَانِي الرِّزْقُ فِيْ دَعَةٍ ... إِنَّ الْقُنُوْعَ الْغِنٰى لَا كَثْرَةُ الْمَالِ

ترجمہ: میں سَفَر و حَضَر، طویل جِدّ و جُہد آمد و رفت، وطن سے بیگانہ اور دوستوں سے دور رہتا ہوں کہ وہ میرے بارے میں خبر نہیں رکھتے، کبھی زمین کے مشرق میں ہوتا ہوں تو کبھی مغرب میں، مال کی حرص کے سبب مجھے موت کا خیال نہیں رہتا۔ اگر میں قناعت اختیار کروں تو مجھے سکون سے رزق ملے گا کیونکہ مالداری قناعت کا نام ہے مال کی کثرت کا نہیں۔

سَیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی قناعت:

امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ میں

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مال میں سے کس قدر اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں؟ دو جوڑے ایک سردی اور ایک گرمی کے لئے، ایک سواری حج و عمرہ کے لئے اور اتنی غذا جتنی ایک قریشی کی ہوتی ہے نہ اس سے بڑھ کر اور نہ اس سے کم۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں نہیں جانتا یہ بھی میرے لئے حلال ہے یا نہیں؟

گویا آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو شک تھا کہ کہیں یہ مقدار اس سے زیادہ تو نہیں جس پر قناعت کرنا واجب ہے؟

ایک دیہاتی نے اپنے بھائی کو حرص پر ملامت کی اور اس سے کہا: اے میرے بھائی! تو طالب بھی ہے اور مطلوب بھی، تیرا طالب وہ ہے جس سے تو بچ نہیں سکتا اور تیرا مطلوب تو تجھے مل ہی رہا ہے۔ گویا جو تجھ سے اوجھل تھا وہ یقیناً تیرے سامنے ہے اور جہاں تو آج ہے وہاں سے منتقل ہو جائے گا۔ اے میرے بھائی! تو اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ لالچی کو رزق ملتا ہے اور عبادت گزار اس سے محروم ہوتا ہے۔

اسی کے متعلق شاعر کہتا ہے:

أَرَاكَ يَزِيْدُكَ الْإِثْرَاءُ حِرْصًا ... عَلَى الدُّنْيَا كَأَنَّكَ لَا تَمُوْتُ

فَهَلْ لَكَ غَايَةٌ إِنْ صِرْتَ يَوْمًا ... إِلَيْهَا قُلْتَ حَسْبِيْ قَدْ رَضِيْتُ

ترجمہ: (۱)...میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ مال داری دنیا پر تیری حرص کو بڑھا رہی ہے گویا تجھے ہی مرنا نہیں ہے۔

(۲)...کیا تیری حرص کی کوئی انتہا بھی ہے جہاں پہنچ کر تُو یہ کہے کہ بس یہ کافی ہے اب میں راضی ہوں۔

چڑیا کی نصیحت:

حضرت سیِّدُنا امام شَعْبِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے ایک چڑیا شکار کی۔ چڑیا نے اس شخص سے کہا: تم میرا کیا کرو گے؟ اس نے کہا: میں تجھے ذبح کروں گا اور کھاؤں گا۔ چڑیا نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! مجھ سے نہ تیری خواہش پوری ہوگی نہ ہی تیری بھوک مٹے گی البتہ میں تجھے تین باتیں بتا سکتی ہوں جو مجھے کھانے سے بہتر ہیں۔ پہلی بات تو میں تجھے تیرے ہاتھ ہی میں بتاؤں گی اور دوسری بات اس وقت بتاؤں گی جب میں درخت پر ہوں گی جبکہ تیسری بات اس وقت بتاؤں گی جب میں پہاڑ پر ہوں گی۔ اس شخص نے کہا: پہلی بات بتاؤ۔ چڑیا نے کہا: گزری ہوئی بات پر افسوس نہ کرنا۔ اس نے اسے چھوڑ دیا جب وہ درخت پر چلی گئی تو اس نے کہا: دوسری بات بتاؤ۔ چڑیا نے کہا: جو کام نہیں ہو سکتا اس کے ہونے کا یقین نہ کرنا،

پھر وہ اڑ کر پہاڑ پر جا بیٹھی اور کہا اے بدبخت! اگر تو مجھے ذبح کرتا تو میرے پوٹے میں سے دو موتی نکلتا ہر موتی کا وزن 20 مثقال ہوتا۔ حضرت سیِّدُنا امام شَعْبِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: یہ سن کر شکاری نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہنے لگا! اب تیسری بات تو بتا۔ چڑیا نے کہا: پہلی دو باتیں تو بھول چکا ہے میں تجھے تیسری بات کیسے بتاؤں؟ کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ جو کچھ ہاتھوں سے نکل جائے اس پر افسوس نہ کرنا اور جو کچھ نہیں ہو سکتا اس کے ہونے کا یقین نہ کرنا؟ میں تو گوشت، خون اور پروں کا مجموعہ ہوں جو سب ملا کر بھی بیس مثقال کو نہیں پہنچتا تو میرے پوٹے سے بیس بیس مثقال کے دو موتی کیسے نکل سکتے ہیں؟ یہ کہہ کر وہ اڑ گئی۔

یہ واقعہ انسان کے انتہائی لالچی ہونے کی مثال ہے اور یہ لالچ حق کی پہچان سے اندھا کر دیتی ہے حتّٰی کہ وہ ناممکن کو ممکن سمجھنے لگتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابن سماک عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الوَہَّاب فرماتے ہیں: امید تیرے دل کی رسی اور پاؤں کی بیڑی ہے اپنے دل سے امید نکال دے تیرے پاؤں سے بیڑی خود ہی نکل جائے گی۔

نصیحت آموز تین اشعار:

حضرت سیِّدُنا ابو محمد یحییٰ بن مبارک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: میں خلیفہ ہارونُ الرشید کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ ایک کاغذ کو دیکھ رہے ہیں جس میں سونے کے پانی سے لکھا ہوا تھا۔ جب مجھ پر نظر پڑی تو مسکرا دیئے۔ میں نے کہا: یا امیر المؤمنین! اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کو سلامت رکھے کیا کوئی فائدہ مند بات ہے؟ کہنے لگے: ہاں! بنو اُمَیَّہ کے ایک خزانے سے مجھے یہ دو شعر ملے ہیں اور مجھے پسند آئے ہیں اب ان کے ساتھ تیسرا شعر ملا رہا ہوں پھر آپ نے مجھے وہ اشعار سنائے:

إِذَا سَدَّ بَابٌ عَنْکَ مِنْ دُوْنِ حَاجَةٍ فَدَعْهُ لِأُخْرٰى يَنْفَتِحْ لَكَ بَابُهَا

فَإِنَّ قِرَابَ الْبَطْنِ يَكْفِيْكَ مِلْؤُهُ وَيَكْفِيْكَ سَوْءَاتِ الْأُمُوْرِ اجْتِنَابُهَا

وَلَا تَكُ مِبْذَالًا لِعِرْضِكَ وَاجْتَنِبْ رُكُوْبَ الْمَعَاصِيْ يَجْتَنِبْكَ عِقَابُهَا

ترجمہ:(۱)...جب تیری حاجت کا ایک دراوازہ بند ہو جائے تو تُو اسے چھوڑ دے تیرے لئے دوسرا دروازہ کھل جائے گا۔

(۲)... تیرے پیٹ کے مشکیزے کا بھر جانا ہی تیرے لئے کافی ہے اور برائی کے کاموں سے بچ جانا ہی تجھے کفایت کرے گا۔

(۳)...اپنی عزت کو داؤ پر نہ لگا اور گناہوں پر سوار ہونے سے بچ جا سزا سے بچ جائے گا۔

علما سے علم کیوں ضائع ہو جاتا ہے؟

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن سلام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا کعب الاحبار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار سے پوچھا: کون سی چیز علما کے دلوں سے علم کو لے جاتی ہے جبکہ وہ اسے سمجھ بھی لیتے ہیں اور یاد بھی کر لیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: لالچ، نفسانی ہوس اور حاجات کی طلب۔

100 مُسْنَد رِوایتوں سے بہتر:

ایک شخص نے حضرت سیدنا فُضَیْل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے حضرت سیِّدُنا کعب الاحبار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار کے مذکورہ قول کی وضاحت پوچھی تو آپ نے فرمایا: جب آدمی کسی چیز کی طمع کرتا ہے تو اسے طلب بھی کرتا ہے یوں وہ اپنا دین کھو بیٹھتا ہے اور جہاں تک نفس کی ہَوَس کا تعلُّق ہے تو انسان کا نفس کبھی ایک چیز کی حرص کرتا ہے اور کبھی دوسری چیز کی حتی کہ وہ چاہتا ہے ان میں سے کوئی چیز ضائع نہ ہو، کبھی ایک شخص سے غرض ہوتی ہے اور کبھی دوسرے سے اور جو اس کی حاجت روائی کر دے وہ اس کا محسن بن جاتا ہے اور اس کی نکیل اس کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے وہ جہاں چاہتا ہے اسے لے جاتا ہے پھر وہ محسن کے سامنے جھکتا ہے اور جب اس کے پاس سے گزرتا ہے تو اسے سلام کرتا ہے اور جب وہ بیمار ہوتا ہے تو اس کی عیادت کرتا ہے لیکن اس کا یہ سلام اور عیادت کرنا رضائے الٰہی کے لئے نہیں ہوتا، کیا ہی اچھا ہوتا اسے کسی سے کوئی غَرَض نہ ہوتی۔ پھر حضرت سیِّدُنا فُضَیْل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے سائل سے فرمایا: یہ بات تیرے لئے 100 مسند [1] روایتوں سے بہتر ہے۔

کسی عاقل کا قول ہے کہ انسان کا معاملہ بڑا عجیب ہے اگر اعلان کر دیا جائے کہ اب ہمیشہ دنیا میں رہنا ہے تو یہ سن کر اسے دنیا جمع کرنے کی حرص اتنی نہ ہو گی جتنی اب ہے حالانکہ اب نفع حاصل کرنے کی مدت کم ہے اور زندگی چند روزہ ہے۔

---

1 ...مسند حدیث: صحابی کی مرفوع کردہ ایسی سند کے ساتھ جس کے ظاہر میں اتصال ہے۔

(نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ص ۱۱۴، مطبوعہ: مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی)

مُتَوَکِّل راہب:

حضرت سیِّدُنا عبدُالواحِد بن زَید رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں ایک راہب کے پاس سے گزرا تو میں نے اس سے پوچھا: آپ کا ذریعۂ مَعاش کیا ہے؟ اس نے اپنے دانتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: جس مہربان خبر رکھنے والی ذات نے دانتوں کی چکی بنائی ہے وہی اس میں دانے ڈالتا ہے۔ پاکی ہے اس ذات کے لئے جو قادِر اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

پانچویں فصل: حِرْص و طَمَع کا عِلاج اور قَناعَت پیدا کرنے والی دَوا

یہ دوا تین چیزوں سے مُرَکَّب ہے: صَبْر، عِلْم اور عَمَل اور ان سب کا مجموعہ پانچ کام ہیں:

صَبْر، عِلْم اور عَمَل کا مجموعہ پانچ کام ہیں:

﴿...پہلا کام: عَمَل ہے کہ معیشت یعنی اسبابِ زندگی میں مِیانہ روی اور خرچ میں نرمی سے کام لینا۔ جو شخص قناعت کی بزرگی چاہتا ہو اسے چاہئے کہ ضرورت کے مطابق خرچ کرے اور جس قدر ممکن ہو اپنے اوپر غیر ضروری اخراجات کے دروازے بند کرے اور صرف ضروریات پر خرچ کرے اس لئے کہ جس کے اخراجات کا دائرہ کار وسیع ہو وہ قناعت کی دولت نہیں پاسکتا، لہٰذا اگر وہ اکیلا ہے تو ایک موٹے کپڑے اور جو کھانا میسر ہو اس پر قناعت کرے اور جس قدر ممکن ہو سالن کم کھائے اور اپنے نفس کو ان چیزوں کا عادی بنائے اور اگر وہ عِیال دار ہے تو اپنے گھر والوں کو ان چیزوں کی ترغیب دلائے کیونکہ لباس وغذا کی یہ مقدار بآسانی تھوڑی سی کوشش سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے چاہئے کہ کمانے میں اعتدال اور معیشت میں میانہ روی رکھے کیونکہ قناعت میں یہی اصل ہے اور اس سے ہماری مراد خرچ کرنے میں نرمی اختیار کرنا اور بُرے طریقے سے بچنا ہے۔

خرچ میں نرمی اور اعتدال کے متعلق چھ فرامینِ مصطفےٰ:

﴿1﴾... اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الرِّفْقَ فِی الْاَمْرِ کُلِّہٖ یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔[1]

[1]... بخاری، کتاب الاستئذان، باب کیف یرد علی اھل الذمۃ... الخ، ۴/ ۱۷۳، حدیث: ۶۲۵۶

﴿2﴾... مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ یعنی میانہ روی کرنے والا تنگدست نہیں ہوتا۔[1]

﴿3﴾... تین باتیں نجات دینے والی ہیں: (۱)... خلوت وجلوت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنا (۲)...مال داری اور فقیری (دونوں حالتوں) میں مِیانہ روی اختیار کرنا اور (۳)... حالتِ رضا اور غضب (دونوں صورتوں) میں انصاف سے کام لینا۔[2]

مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو دیکھا کہ آپ زمین سے ایک دانا چُن رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ گزر بسر میں نرمی برتنا سمجھ داری کی دلیل ہے۔

﴿4﴾... میانہ روی، اچھا طریقہ اور حُسنِ سیرت نبوت کے بیس سے زائد حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔[3]

﴿5﴾... اَلتَّدْبِیْرُ نِصْفُ الْمَعِیْشَةِ یعنی تدبیر سے کام لینا نصف معیشت ہے۔[4]

﴿6﴾... مَنِ اقْتَصَدَ اَغْنَاهُ اللهُ وَمَنْ بَذَّرَ اَفْقَرَهُ اللهُ وَمَنْ ذَكَرَ اللهَ عَزَّوَجَلَّ اَحَبَّهُ الله یعنی جو شخص میانہ روی اختیار کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے مالدار بنا دیتا ہے اور جو فضول خرچی کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے محتاج کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے پسند فرماتا ہے۔[5]

جلدی بازی سے کام نہ لو:

شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اِذَا اَرَدْتَ اَمْرًا فَعَلَيْكَ بِالتُّؤَدَةِ حَتّٰى يَجْعَلَ اللهُ لَكَ فَرَجًا وَمَخْرَجًا یعنی جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس میں تاخیر برتو (یعنی جلد بازی سے کام نہ لو) یہاں تک کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہارے لئے کُشادگی اور راستہ کھول دے۔[6]

---

1 ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن مسعود، ۲/ ۱۵۸، حدیث: ۴۲۶۹

2 ... المعجم الاوسط، ۴/ ۲۱۳، حدیث: ۵۷۵۴ بتقدم و تاخر

3 ... سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الوقار، ۴/ ۳۲۵، حدیث: ۴۷۷۶ بتقدم و تاخر

4 ... فردوس الاخبار، ۱/ ۳۰۷، حدیث: ۲۲۳۰

5 ... مسند البزار، مسند طلحۃ بن عبید اللہ، ۳/ ۱۶۱، حدیث: ۹۴۶

کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق و الافعال المحمودۃ، ۳/ ۵۰، حدیث: ۵۴۳۳

6 ... تاریخ مدینۃ دمشق، ۶۰/ ۸۹، الرقم: ۷۶۰۵، حدیث: ۱۲۴۰۲ مفضل بن غسان

اور خرچ کرنے کے معاملے میں تاخیر برتنا اَہم امور میں سے ہے۔

❀...دوسرا کام: اگر فی الحال اتنا موجود ہے جو کفایت کر رہا ہے تو مستقبل کے لئے زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ امیدوں کا چھوٹا ہونا اور اس بات کا یقین ہونا کہ شدید حرص نہ بھی کروں تب بھی جو مقدر میں ہے وہ ضرور مل کر رہے گا تو یہ سوچ مستقبل کی فکر سے آزاد کرنے میں مددگار ثابت ہو گی، کیونکہ حرص کا شدید ہونا رزق تک پہنچنے کا سبب نہیں ہے بلکہ بندے کو چاہئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے وعدے پر پختہ یقین رکھے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرماتا ہے:

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (پ۱۲، ھود: ۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ شیطان اسے محتاجی سے ڈراتا اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور کہتا ہے: اگر تو مال اکٹھا کرنے اور اسے ذخیرہ کرنے کی حرص نہیں کرے گا تو کبھی تو بیمار پڑ جائے تو مال نہ ہونے کی وجہ سے تجھے مانگنے کی رُسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا، لہٰذا شیطان اسے ایک مَوہُوم (فرضی) تھکاوٹ سے ڈرا کر تمام عمر طلبِ مال کی تھکاوٹ میں مبتلا رکھتا ہے اور اس پر ہنستا ہے کہ وہ نقد تکلیف برداشت کر رہا ہے اور ساتھ ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل بھی ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ اسے دوسرے وقت کی مَشَقَّت اور تکلیف کا وہم ہوتا ہے حالانکہ یہ بھی ممکن ہے کہ مستقبل میں اسے کسی قسم کی پریشانی نہ اٹھانا پڑے۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں کہا گیا ہے:

وَمَنْ يُّنْفِقُ السَّاعَاتِ فِیْ جَمْعِ مَالِهٖ مَخَافَةَ فَقْرٍ فَالَّذِیْ فَعَلَ الْفَقْرَ

ترجمہ: جو شخص محتاجی کے خوف سے اپنا تمام وقت مال جمع کرنے میں صرف کرتا ہے درحقیقت اس کا یہ فعل ہی محتاجی ہے۔

رزق سے مایوس نہ ہونا:

خالد بن عامر بن صَعْصَعَہ کے دو فرزند بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان دونوں سے فرمایا: جب تک تمہارے سروں میں حرکت (یعنی جسم میں روح باقی) ہے تم رزق سے مایوس نہ ہونا انسان کو اس کی ماں جَنْتی ہے تو وہ سُرخ رنگ کا ہوتا ہے اور اس پر (سخت) کھال بھی نہیں ہوتی پھر

اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے رزق عطا فرماتا ہے۔[1]

جو مقدر میں ہے وہ مل کر رہے گا:

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس سے گزرے تو آپ کو غمگین بیٹھے دیکھ کر فرمایا: "لَا تُکْثِرْ ھَمَّکَ مَا یُقَدَّرْ یَکُنْ وَمَا تُرْزَقْ یَاْتِکَ یعنی زیادہ رنج نہ کرو جو قسمت میں ہے وہ ہو کر رہے گا اور جو رزق تمہیں ملنا ہے وہ مل کر رہے گا۔"[2]

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اے لوگو سنو! کمانے میں میانہ روی اختیار کرو کیونکہ ہر آدمی کو وہی ملے گا جو اس کے لیے لکھ دیا گیا ہے اور آدمی دنیا سے اس وقت تک نہیں جائے گا جب تک اس کے پاس اس کا لکھا ہوا نہ آجائے اگرچہ دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے۔[3]

غیب سے روزی:

بندہ حرص سے اس وقت تک خلاصی نہیں حاصل کر سکتا جب تک وہ بندوں کے رزق کے معاملے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تدبیر کا یقین نہ کر لے اور یہ کہ طَلَب میں اِعتِدال سے بھی رزق ضرور ملتا ہے بلکہ اسے یہ بھی جان لینا چاہئے کہ اکثر اوقات اللہ عَزَّوَجَلَّ وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے بندے کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ؕ (پ۲۸، الطلاق: ۲، ۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔

لہٰذا جس دروازے سے رزق ملنے کی امید ہو اگر وہ دروازہ بند ہو جائے تو اس کی وجہ سے رنجیدہ خاطر (افسردہ) نہیں ہونا چاہئے کیونکہ حضور رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَبَی اللّٰہُ اَنْ

---

1 ...سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب التوكل واليقين، ۴/ ۴۵۲، حديث: ۴۱۶۵

2 ...شعب الایمان، باب التوكل بالله عزوجل والتسليم، ۲/ ۶۸، حديث: ۱۱۸۸

3 ...المستدرک، کتاب الرقاق، باب الحسب المال والكرم التقوى، ۵/ ۴۶۴، حديث: ۷۹۹۴ مفهومًا

يَرْزُقَ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ اِلَّا مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کو یہی منظور ہے کہ اپنے مومن بندے کو وہاں سے رزق عطا فرمائے جہاں سے اسے وہم و گمان نہ ہو۔[1]

کسی متقی کو محتاج نہیں دیکھا:

حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: "اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو، میں نے کسی مُتَّقِی کو محتاج نہیں دیکھا۔" یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی متقی کو یوں نہیں چھوڑتا کہ اس کی ضرورتیں پوری نہ ہوں بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے کہ وہ اس تک اس کا رزق پہنچائیں۔

حضرت سیِّدُنا مُفَضَّل ضَبِّی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: میں نے ایک اعرابی سے کہا: تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے؟ اس نے کہا: حاجیوں کے نذرانے۔ میں نے کہا: جب وہ چلے جاتے ہیں تو پھر تم کیا کرتے ہو؟ یہ سن کر وہ رونے لگا اور کہنے لگا: اگر ہم یہ جانتے کہ ہمیں رزق کہاں سے ملتا ہے تو ہم زندہ ہی نہ رہتے۔

دنیا کو دو چیزوں میں پایا:

حضرت سیِّدُنا ابو حازم رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے دنیا کو دو چیزوں میں پایا: **ایک** وہ ہے جو میرے لئے ہے اسے میں وقت سے پہلے حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ اسے حاصل کرنے کے لئے زمین و آسمان کی قوت ہی کیوں نہ صرف کر دوں۔ **دوسری** وہ ہے جو غیر کے لئے ہے یہ مجھے نہ ماضی میں ملی ہے اور نہ مستقبل میں ملنے کی تَوَقُّع ہے کیونکہ جو ذات میری چیز کو غیر سے محفوظ رکھتی ہے وہی ذات غیر کی چیز کو مجھ سے محفوظ رکھتی ہے پھر بھلا میں ان دو چیزوں میں اپنی زندگی کیوں صرف کروں؟

یہ معرفت کی وہ دوا ہے جس کا پاس ہونا ضروری ہے تاکہ شیطان کی طرف سے ملنے والے فقر و فاقہ کے خوف کو دور کیا جائے۔

❀... **تیسرا کام:** بندہ یہ بات جان لے کہ قناعت میں دوسروں سے بے نیازی کی عزت حاصل ہوتی ہے جبکہ حرص و طمع میں ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ اس کا یقین کر لیتا ہے تو قناعت کی طرف مائل ہوتا ہے کیونکہ

---

[1]... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، ۳/ ۴۵، حدیث: ۵۶۸۲

حرص کی صورت میں مشقت اور طمع کی صورت میں ذلت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ قناعت میں صرف خواہشات اور فضولیات پر صبر کرنے کی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے اور یہ وہ تکلیف ہے جس پر صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی باخبر ہے اور اس میں آخرت کا ثواب بھی ہے۔ جبکہ حرص و طمع لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ پاتی اور اس کا وبال اور گناہ بھی الگ ہوتا ہے۔ پھر اس کے سبب عزتِ نَفْس بھی چلی جاتی ہے اور حق کی اِتّباع کی طاقت نہیں رہتی کیونکہ جو شخص زیادہ حریص اور لالچی ہوتا ہے وہ لوگوں کا زیادہ محتاج ہوتا ہے اور اس محتاجی کے سبب سے وہ لوگوں کو حق کی طرف نہیں بلا سکتا، لہٰذا وہ مُنافقت سے کام لیتا ہے اور یہ چیز اس کے دین کے لئے باعث ہلاکت ہے اور جو شخص پیٹ کی خواہش کو عزتِ نَفْس پر ترجیح دیتا ہے وہ بیوقوف اور ناقص ایمان والا ہے۔

عزت کے حصول کا نسخۂ کیمیا:

سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "عِزُّ الْمُؤْمِنِ اِسْتِغْنَاؤُہٗ عَنِ النَّاسِ یعنی مومن کی عزت لوگوں سے بے پرواہونے میں ہے۔"[1] لہٰذا معلوم ہوا کہ قناعت میں آزادی اور عزت ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے: جس سے کچھ لینے کی چاہت ہو اس سے بے پرواہو جا، تو تُو اس کے برابر ہو جائے گا اور جس سے تو کوئی حاجت طلب کرے گا اس کا قیدی بن جائے گا اور جس پر تو احسان کرے گا اس کا امیر بن جائے گا۔

﴿﴾...**چوتھا کام:** اس حقیقت پر غور و فکر کرے یہود و نصاریٰ، ذلیل و رسوا قسم کے لوگ، بیوقوف کُرد، اَحمق دیہاتی اور وہ لوگ جو بے عقل اور بے دین ہیں کس قَدَر عَیْش پَرَسْت ہیں جبکہ دوسری طرف انبیاء، اولیاء، خلفائے راشدین اور ان کے علاوہ دیگر تمام صحابہ و تابعین رِضْوَانُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ کو دیکھے کہ وہ کس قدر سادہ زندگی گزارنے والے ہیں، ان کے واقعات سنے اور ان کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرے پھر عقل کو یہ اختیار دے کہ وہ کس گروہ کی مشابہت اختیار کرنا چاہے گی؟ ذلیل و رسوا قسم کے لوگوں کی یا ان لوگوں کی جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ معزز ہیں۔ اس غور و فکر کے نتیجے میں تنگی پر صبر اور تھوڑے رزق پر قناعت آسان ہو جائے گی، کیونکہ اگر پیٹ کو زیادہ بھرنا ہی مقصود ہے تو گدھا اس سے زیادہ کھاتا ہے اور اگر لذتِ جماع کی زیادتی مقصود ہے تو اس کے مقابلے میں خنزیر اس سے بڑھ کر ہے اور اگر

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی الصلوۃ، ۳/ ۱۷۱، حدیث: ۳۲۴۸ عن معافی بن عمران

لباس اور سواریوں کی زینت کی چاہت ہے تو یہودی اس میں اس سے بڑھ کر ہیں جبکہ اگر وہ تھوڑے پر قناعت کرے اور اس پر راضی رہے تو اس صورت میں وہ انبیا اور اولیا کے اُسْوَۂ حَسَنَہ کو اپنانے والا ہوگا۔

۞...**پانچواں کام:** مال جمع کرنے میں جو خطرات ہیں اس میں غور و فکر کرنا چاہئے جیسا کہ ہم نے مال کی آفتوں میں ان کو بیان کیا ہے۔ ان ہی خطرات میں سے چوری، لُوٹ کھسوٹ اور ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا ہے وہ ان خطرات سے مامون ہوتا اور اس کا دل فارغ ہوتا ہے۔ آفاتِ مال کے باب میں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس پر غور کرنا چاہئے مزید یہ کہ وہ اس بات میں غور و فکر کرے کہ مال دار جنت سے 500 برس تک دور رہیں گے اور جو بقدرِ کفایت پر قناعت نہیں کرتا وہ مالداروں کے گروہ میں شامل ہے اور فقرا کی فہرست سے خارج ہے۔

دنیاوی معاملات میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھے:

اس غور و فکر کی تکمیل اس طرح ہوگی وہ دنیاوی معاملات میں ہمیشہ اپنے سے نیچے والوں کو دیکھے اوپر والوں کی طرف نظر نہ کرے کیونکہ شیطان ہمیشہ اس کی نظر کو دنیاوی معاملات میں اوپر والوں کی طرف پھیراتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ طلبِ مال میں کوتاہی کیوں کرتے ہو مال داروں کو دیکھو کہ انہیں کیسے اچھے کھانے اور عمدہ لباس حاصل ہیں اور دینی معاملات میں شیطان اس کی نگاہ اس سے نیچے والوں کی طرف پھیراتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے نفس کو کیوں مَشَقَّت اور تکلیف میں ڈالتے ہو اور کیوں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس قدر ڈرتے ہو فلاں شخص کو دیکھو وہ تم سے زیادہ علم رکھنے کے باوجود اللہ عَزَّوَجَلَّ سے نہیں ڈرتا، تمام لوگ تو عیش و عشرت میں مشغول ہیں جبکہ تم لوگوں سے ممتاز ہونا چاہتے ہو۔

حضرت سَیِّدُنا ابوذر غِفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: مجھے میرے خلیل صَلَوَاتُ اللہِ عَلَیْہ نے وصیت فرمائی: میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھوں، اوپر والوں کی طرف نظر نہ کروں۔[1] یعنی دنیاوی کاموں میں۔

حضرت سَیِّدُنا ابوہُرَیْرَہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ امامُ الانبیا، حبیبِ خدا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مال و جسم میں تم پر فضیلت دی ہے

---

[1]... الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، باب صلۃ الرحم وقطعھا، ۱/ ۳۳۷، حدیث: ۴۵۰

تو تمہیں چاہئے کہ تم اپنے سے نیچے والے کو دیکھو جس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہیں فضیلت دی ہے۔[1]

یہ پانچ کام ایسے ہیں جن کے سبب انسان قناعت کی صِفَت حاصل کرنے پر قادر ہوتا ہے اور ان کی اصل صبر کرنا اور امید کا چھوٹا ہونا ہے اور یہ بات جان لیں کہ دنیا میں صبر کی انتہا چند دن ہے لیکن اس کا نفع طویل زمانے تک ہے، یہ ایسے ہے جیسے مریض کا دوا کی تلخی پر صبر کرنا کیونکہ اسے شفا کا یقین ہوتا ہے۔

چھٹی فصل: سخاوت کی فضیلت

جب انسان کے پاس مال نہ ہو تو اسے چاہئے کہ قناعت اختیار کرے اور حرص نہ رکھے اور جب مال موجود ہو تو ایثار اور سخاوت اختیار کرے اچھے کام کرے اور کنجوسی اور بخل سے دُور رہے کیونکہ سخاوت انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے اخلاق سے ہے اور نجات کی اصل بھی یہی ہے۔

سخاوت کے متعلق 26 فرامینِ مصطفٰے:

﴿1﴾... سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں زمین کی طرف جھکی ہوئی ہیں جو شخص ان میں سے کسی ایک ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے وہ اسے جنت کی طرف لے جاتی ہے۔[2]

﴿2﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ فرماتا ہے: یہ وہ دین ہے جسے میں نے اپنے لئے پسند کیا اور اس کی اصلاح سخاوت اور اچھے اخلاق کے ذریعے ہی ممکن ہے، لہٰذا اس دین کو جس قدر ممکن ہو سخاوت اور اچھے اخلاق کے ذریعے مزین کرو۔[3] ایک روایت میں ہے: جب تک تم اس دین پر رہو اس دین کو سخاوت اور اچھے اخلاق کے ذریعے مُزَیَّن رکھو۔

﴿3﴾... مَاجَبَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلِیًّا لَّہٗ اِلَّا عَلٰی حُسْنِ الْخُلُقِ وَالسَّخَاءِ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے ولی کو اچھے اخلاق اور سخاوت پر پیدا فرماتا ہے۔[4]

﴿4﴾.. ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کون سا عمل

---

1 ...بخاری، کتاب الرقاق، باب لینظر الی من ھو اسفل... الخ، ۴/ ۲۴۴، حدیث: ۶۴۹۰

2 ...شعب الایمان، باب فی الجود و السخاء، ۷/ ۴۳۴، حدیث: ۱۰۸۷۵

3 ...شعب الایمان، باب فی الجود و السخاء، ۷/ ۴۳۲، حدیث: ۱۰۸۶۶

4 ...تاریخ مدینۃ دمشق، ۵۴/ ۴۷۲، الرقم: ۶۸۵۵، ابو عبد اللہ محمد بن عمر الحمصی، حدیث: ۱۱۵۷۰

سب سے افضل ہے؟ ارشاد فرمایا: صبر اور سخاوت۔[1]

دو عادتوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ پسند فرماتا ہے:

﴿5﴾... دو عادتوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ پسند فرماتا ہے اور دو عادتوں کو نا پسند فرماتا ہے، جن دو عادتوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ پسند فرماتا ہے وہ حُسنِ اخلاق اور سخاوت ہیں اور جن دو کو نا پسند فرماتا ہے وہ بُرے اخلاق اور بخل ہیں اور جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں لگا دیتا ہے۔[2]

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا مِقدام بن شُرَیح رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اپنے دادا سے اپنے والد کے ذریعے روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنّت میں داخل کر دے۔ ارشاد فرمایا: کھانا کِھلانا، سلام عام کرنا اور اچھی گفتگو کرنا مغفرت کو لازم کرنے والے امور میں سے ہیں۔[3]

سخاوت جنت میں ایک درخت ہے:

﴿7﴾... سخاوت جنت میں ایک درخت ہے جو سخی ہوا اس نے اس درخت کی شاخ پکڑی وہ شاخ اسے نہ چھوڑے گی حتّٰی کہ اسے جنّت میں داخل کر دے گی اور بخل جہنّم میں ایک دَرَخْت ہے جو بخیل ہوا اس نے اس کی شاخ پکڑی وہ اسے نہ چھوڑے گی حتّٰی کہ اسے آگ میں داخل کر دے گی۔[4]

﴿8﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: میرے رحم دل بندوں سے کرم کی درخواست کرو اور ان کے سائے میں زندگی بسر کرو کیونکہ میں نے ان میں اپنی رحمت رکھی ہے اور سخت دل لوگوں سے نہ مانگو کیونکہ میں نے ان پر اپنا غَضَب نازل کیا ہے۔[5]

---

❶... الزھد الکبیر للبیھقی، ص ۲۷۴، حدیث: ۷۰۶

❷... شعب الایمان، باب فی التعاون علی البر والتقوی، ۶/ ۱۱۷، حدیث: ۷۶۵۹

❸... المعجم الکبیر، ۲۲/ ۱۸۰، حدیث: ۴۶۹، ۴۷۰

❹... شعب الایمان، باب فی الجود والسخاء، ۷/ ۴۳۵، حدیث: ۱۰۸۷۷

❺... الضعفاء للعقیلی، الجزء الثانی، ص ۷۶۵، الرقم: ۹۵۹، عبد الرحمن السدی

﴿9﴾... تَجَافَوْا عَنْ ذَنْبِ السَّخِيِّ فَاِنَّ اللّٰهَ اٰخِذٌ بِيَدِهٖ كُلَّمَا عَثَرَ یعنی سخی کی غَلَطی سے دَرگُزر کرو کیونکہ جب بھی وہ لَغزِش کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔[1][2]

﴿10﴾... اونٹ کی کوہان تک چُھری اتنی جلدی نہیں پہنچتی جتنی جلدی کھانا کھلانے والے تک رزق پہنچتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ فِرِشتوں کی مجلس میں ان لوگوں پر فخر کا اظہار فرماتا ہے جو کھانا کھلاتے ہیں۔[3]

﴿11﴾... اِنَّ اللّٰهَ جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُوْدَ وَيُحِبُّ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ سخاوت فرمانے والا اور سخاوت کرنے کو پسند فرماتا ہے اور اسے اچھے اخلاق پسند اور بد اخلاقی ناپسند ہے۔[4]

پیارے آقا کی سخاوت:

﴿12﴾... حضرت سَیِّدُنا اَنَس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: قاسِمِ نعمت، شَفِیعِ اُمَّت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اسلام لانے پر جو کچھ مانگا جاتا آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم عطا فرما دیتے۔ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور سوال کیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے صدقے کے مال سے اتنی بکریاں دینے کا حکم فرمایا کہ وہ دو پہاڑوں کے درمیان کو بھر دیتیں۔ وہ اپنی قوم کی طرف لوٹا اور کہنے لگا: اے میری قوم! اسلام لے آؤ بے شک محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس قدر عطا فرماتے ہیں کہ محتاجی کا خوف نہیں رہتا۔[5]

﴿13﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کچھ بندے ہیں جنہیں اس نے خصوصی نعمتوں سے نوازا ہے تاکہ وہ دوسرے بندوں کو نفع پہنچائیں، لہٰذا جو شخص ان بندوں کے مَنافِع میں بُخل سے کام لیتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ان نعمتوں کو اس سے پھیر کر دوسرے شخص کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔[6]

﴿14﴾... حضرت سَیِّدُنا ہِلالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَالِی فرماتے ہیں کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے پاس قبیلہ

---

1 ... یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا مددگار ہوتا ہے کہ اسے ہلاکت میں پڑنے سے خلاصی عطا فرماتا ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۲۵۷)

2 ... شعب الایمان، باب فی الجود و السخاء، ۷/ ۴۳۳، حدیث: ۱۰۸۶۷

3 ... سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب الضیافۃ، ۴/ ۵۱، حدیث: ۳۳۵۶، ۳۳۵۷ مفہومًا

4 ... المصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب الادب، باب ما ذکر فی الشح، ۶/ ۲۵۴، حدیث: ۱۱

5 ... مسلم، کتاب الفضائل، باب ما سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئًا... الخ، ص ۱۲۶۵، حدیث: ۲۳۱۲

6 ... المعجم الاوسط، ۴/ ۳۶، حدیث: ۵۱۶۲

بنو عنبر کے کچھ قیدی لائے گئے۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کے قتل کا حکم ارشاد فرمایا اور ایک شخص کو ان میں سے آزاد چھوڑ دیا۔ حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے عرض کی: یا رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! رب ایک ہے، دین ایک ہے اور ان کا جرم بھی ایک ہے پھر اس ایک کو ان سے الگ کیوں کیا گیا؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس جبریل عَلَیْہِ السَّلَام آئے اور فرمایا: ان سب کو قتل کر دیں لیکن اس ایک کو چھوڑ دیں کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے اس کی سخاوت کا بدلہ دیا ہے۔[1]

﴿15﴾... اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ ثَمَرَۃً وَّثَمَرَۃُ الْمَعْرُوْفِ تَعْجِیْلُ السَّرَاحِ یعنی ہر چیز کا ایک پھل ہوتا ہے اور نیکی کا پھل جلدی نجات مل جانا ہے۔[2]

﴿16﴾... طَعَامُ الْجَوَادِ دَوَآءٌ وَطَعَامُ الْبَخِیْلِ دَآءٌ یعنی سخی کا کھانا دوا اور بخیل کا کھانا بیماری ہے۔[3]

﴿17﴾... جس شخص کے پاس اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت زیادہ ہوتی ہیں اس پر لوگوں کا بوجھ بھی زیادہ ہوتا ہے۔[4] اور جو آدمی اس بوجھ کو برداشت نہیں کرتا اس سے یہ نعمت زائل ہو جاتی ہے۔

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: ایسی چیز کو بکثرت حاصل کرو جسے آگ نہ کھائے۔ عرض کی گئی: وہ کیا ہے؟ فرمایا: بھلائی۔

﴿18﴾... اَلْجَنَّۃُ دَارُ الْاَسْخِیَآءِ یعنی جنت سخیوں کا گھر ہے۔[5]

سخی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے قریب ہے:

﴿19﴾... شہنشاہ خوش خِصال، صاحِبِ جُودونَوال صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: سخی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، آگ سے دور ہے اور کنجوس اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور

---

1. ...نثر الدر، الفصل السابع، الشجاعۃ والجبن، ۲/ ۷۷
2. ...تفسیر القرطبی، پ ۵، سورۃ النساء: ۱۱۴، ۳/ ۲۶۳
3. ...فردوس الاخبار، ۲/ ۴۹، حدیث: ۳۷۶۷
4. ...شعب الایمان، باب فی التعاون علی البر والتقوی، ۶/ ۱۱۸، حدیث: ۷۶۶۴
5. ...فردوس الاخبار، ۱/ ۳۳۳، حدیث: ۲۴۳۰

ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، آگ کے قریب ہے اور جاہل سخی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک بخیل عالم سے بہتر ہے اور بدترین مرض بخل ہے۔[1]

﴿20﴾...ہر آدمی کے ساتھ نیکی کرو چاہے وہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو کیونکہ اگر تم نے اہل سے نیکی کی تو یقیناً وہ اسی کا اہل تھا اور نااہل کے ساتھ کی تو تم تو اس کے اہل ہو۔[2]

﴿21﴾...میری اُمّت کے اَبدال مَحض نماز اور روزے کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ سخاوت، سینوں کی پاکیزگی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے سبب جنت میں جائیں گے۔

﴿22﴾...اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی مخلوق میں سے کچھ لوگوں کے لئے نیکی کرنا آسان فرما دیا ہے (اس طرح کہ) خود ان میں نیکی کی محبت ڈال دی، پھر نیکی کرنے کی چاہت ان میں رکھ دی، بھلائی چاہنے والوں کو ان کی طرف راہ دکھائی اور ان پر طَلَب گاروں کو دینا آسان فرما دیا۔ جیسے خشک علاقے پر بارش کے برسنے کو آسان کر دیا اور اس کے سبب خشک سالی کو دور کر دیا اور اس کے اہل کو زندگی بخش دی۔[3]

﴿23﴾...ہر بھلائی صَدَقہ ہے اور مرد جو کچھ بھی خود پر اور اپنے اَہلِ خانہ پر خرچ کرتا ہے اس کے لئے صدقہ لکھا جاتا ہے اور جس کے ذریعے اپنی عزت بچائے وہ بھی صدقہ ہے اور جو کچھ وہ بطورِ نَفَقہ خرچ کرتا ہے اس کا بدلہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذمہ کرم پر ہے۔[4]

﴿24﴾...كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَالدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ وَاللّٰهُ يُحِبُّ إِغَاثَةَ اللَّهْفَان یعنی ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ مصیبت زدہ کی مدد کو پسند فرماتا ہے۔[5]

﴿25﴾...كُلُّ مَعْرُوْفٍ فَعَلْتَهٗ إِلٰى غَنِيٍّ أَوْ فَقِيْرٍ صَدَقَةٌ ہر بھلائی خواہ تم کسی مال دار سے کرو یا فقیر سے صدقہ ہے۔[6]

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی السخاء، ۳/ ۳۸۷، حدیث: ۱۹۶۸ بتغیر قلیل

2 ...جامع الاحادیث للسیوطی، حرف الھمزة مع الصاد، ۱/ ۴۵۲، حدیث: ۳۱۵۸

3 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب قضاء الحوائج، ۴/ ۱۴۲، حدیث: ۴

4 ...السنن الکبری للبیھقی، کتاب الشھادات، باب ما جاء فی اعطاء الشعراء، ۱۰/ ۴۰۹، حدیث: ۲۱۱۳۲

5 ...شعب الایمان، باب فی التعاون علی البر والتقوی، ۶/ ۱۱۶، حدیث: ۷۶۵۷

6 ...المعجم الکبیر، ۱۰/ ۹۰، حدیث: ۱۰۰۴۷ بتغیر

مروی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی: لَا تَقْتُلِ السَّامِرِیَّ فَاِنَّہٗ سَخِیٌّ یعنی سامری کو قتل نہ کرنا کیونکہ وہ سخی ہے۔

﴿26﴾... والیِ دو جہاں، حامیِ بے کساں صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا قَیْس بن سعد بن عُبادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا کی سربراہی میں ایک لشکر بھیجا جنہوں نے جہاد کیا۔ حضرت سیِّدُنا قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ان کے لئے نو اونٹ ذبح کئے، لشکر والوں نے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے اس خیر خواہی کا ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الْجُوْدَ لَمِنْ شِیْمَۃِ اَھْلِ ذٰلِکَ الْبَیْتِ یعنی سخاوت اس گھرانے کی خصلت ہے۔ [1]

سخاوت کے متعلق بزرگانِ دین کے 15 اقوال:

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: اگر تمہارے پاس دنیا کی دولت آئے تو اس میں سے کچھ خرچ کرو کیونکہ خرچ کرنے سے وہ ختم نہیں ہو جائے گی اور اگر دنیا کی دولت تم سے منہ پھیر کر جانے لگے تو بھی اس میں سے کچھ خرچ کرو کیونکہ اس نے باقی نہیں رہنا۔ اس کے بعد آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے دو شعر کہے:

لَا تَبْخَلَنَّ بِدُنْیَا وَھِیَ مُقْبِلَۃٌ ۔۔۔ فَلَیْسَ یَنْقُصُھَا التَّبْذِیْرُ وَالسَّرَفُ

وَاِنْ تَوَلَّتْ فَاَحْرٰی اَنْ تَجُوْدَ بِھَا ۔۔۔ فَالْحَمْدُ مِنْھَا اِذَا مَا اَدْبَرَتْ خَلَفُ

ترجمہ: جب دنیا آرہی ہو تو بخل نہ کرو کیونکہ خرچ کرنے سے وہ کم نہیں ہو گی اور اگر وہ تجھ سے پیٹھ پھیر کر جا رہی ہو تو بھی سخاوت زیادہ مناسب ہے کیونکہ جب وہ چلی جائے گی تو تعریف تو باقی رہ جائے گی۔

مُرَوَّت، دلیری اور سخاوت کسے کہتے ہیں؟

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا امامِ حسن مجتبیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروت، دلیری اور کرم کی تعریف پوچھی۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: مُروت یہ ہے کہ آدمی اپنے دین کی حفاظت کرے، نفس کو بچا کر رکھے، مہمان کی مہمان نوازی اچھے انداز میں کرے اور ناپسندیدہ اُمور میں سے

[1] ... تاریخ مدینۃ دمشق، ۴۹/ ۴۱۱، الرقم: ۵۷۵۶، قیس بن سعد بن عبادۃ، حدیث: ۱۰۵۸۰

اَحسن انداز میں نکل جائے۔ دلیری اور بہادری یہ ہے کہ پڑوسی کی تکلیف دور کرے اور صَبْر کے مَواقع پر صبر کرے اور کرم یہ ہے کہ کسی کے مانگنے سے پہلے ہی اپنی طرف سے نیکی کا سلوک کرے، قحط سالی میں کھانا کھلائے اور سائل کو کچھ دینے کے ساتھ ساتھ اس سے شفقت و مہربانی کا سلوک کرے۔

﴿3﴾... ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا امام حسن مُجتبیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی۔ فرمایا: تمہاری ضرورت پوری ہو جائے گی۔ عرض کی گئی: اے نواسۂ رسول رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ! آپ اس کی درخواست پڑھ لیتے پھر اس کے مطابق جواب دے دیتے۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: جب تک میں اس کی درخواست پڑھتا وہ میرے سامنے ذلیل کھڑا رہتا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھ سے اس کی باز پُرس فرماتا۔

﴿4﴾... حضرت سیدنا ابنِ سماک عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: مجھے اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو مال کے ذریعے غلام و باندی خریدتا ہے لیکن بھلائی کے ذریعے آزاد لوگوں کو نہیں خریدتا۔

کسی دیہاتی سے پوچھا گیا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ اس نے کہا: وہ شخص جو ہماری طرف سے پہنچنے والی برائی کو برداشت کرے ہمارے مانگنے والوں کو عطا کرے اور ہمارے جاہلوں سے درگزر کرے۔

سخی کون ہے؟

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا امام زینُ العابدین رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: سخی وہ نہیں جو مانگنے والوں کو دیتا ہے بلکہ سخی وہ ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمانبرداروں کے حقوق کی ادائیگی میں پہل کرتا ہے اور اپنی تعریف کا خواہشمند نہیں ہوتا بشرطیکہ بارگاہِ خداوندی سے کامل ثواب کا یقین رکھے۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی سے پوچھا گیا کہ سخاوت کیا ہے؟ فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے اپنا مال خوب خرچ کرنا۔ پھر پوچھا: حزم (احتیاط) کیا ہے؟ فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے مال روکے رکھنا۔ پھر پوچھا گیا: اِسراف کیا ہے؟ فرمایا: اِقتِدار کی چاہت میں مال خرچ کرنا۔

جُود و کرم ایمان میں سے ہے:

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا امام جعفر صادِق رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: عقل سے بڑھ کر کوئی مال مُعاوِن نہیں،

جہالت سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں اور مشورے جیسی کوئی مُعاوَنَت نہیں۔ سنو! اللہ عَزَّوَجَلَّ فرماتا ہے: میں جواد و کریم ہوں اور کوئی کنجوس میرا قُرب حاصل نہیں کر سکتا اور کنجوسی کفر (یعنی ناشکری) میں سے ہے اور کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے جبکہ جُود و کرم ایمان میں سے ہے اور اہل ایمان کا ٹھکانہ جنت ہے۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا حُذَیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: دین کے گناہ گار اور زندگی میں لاچار و بدحال بہت سے لوگ صرف اپنی سخاوت کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا اَحنف بن قیس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ایک شخص کے ہاتھ میں درہم دیکھا تو فرمایا: یہ کس کا ہے؟ اس نے کہا: میرا ہے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: تیرا اس وقت ہو گا جب تیرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اسی مفہوم کو شعر میں یوں بیان کیا گیا:

اَنْتَ لِلْمَالِ اِذَا اَمْسَکْتَہٗ   فَاِذَا اَنْفَقْتَہٗ فَالْمَالُ لَکَ

ترجمہ: جب تک تو مال کو روک رکھے گا تو تُو مال کے لئے ہے اور جب تو اسے خرچ کر دے گا تو مال تیرا ہو جائے گا۔

واصِل بن عطا مُعْتَزِلِی کو غَزَّال (یعنی سوت کاتنے والا) اس لئے کہا گیا کہ وہ سوت کاتنے والوں کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور جب کسی غریب عورت کو دیکھتا تو اسے کچھ نہ کچھ دے دیتا۔

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا امام اَصمعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا امام حسن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے بھائی حضرت سیِّدُنا امام حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ پر اظہار ناراضی فرماتے ہوئے لکھا کہ آپ شاعروں کو مال کیوں دیتے ہیں؟ حضرت سیِّدُنا امام حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جواباً لکھا: بہترین مال وہ ہے جس کے ذریعے عزت کی حفاظت کی جائے۔

50ہزار دِرْہم صَدقہ کر دیئے:

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا سُفیان بن عُیَیْنَہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا گیا: سخاوت کیا ہے؟ فرمایا: اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بھلائی کرنا اور ان پر خُوب مال خرچ کرنا۔ پھر فرمایا: میرے والد کو وراثت میں 50 ہزار درہم ملے تو انہوں نے وہ دراہم تھیلیوں میں بھر کر اپنے بھائیوں کی طرف بھیج دیئے اور فرمانے لگے: میں نماز میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اپنے بھائیوں کے لئے جنت کا سوال کرتا ہوں تو کیسے ممکن ہے کہ مال کے معاملے میں اُن سے بُخل کروں؟

﴿12﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: بَذْلُ الْمَجْهُودِ فِي بَذْلِ الْمَوْجُودِ مُنْتَهَى الْجُودِ یعنی موجودہ مال کو خرچ کرنے میں پوری جِدّ و جُہد صرف کرنا سخاوت کی انتہا ہے۔

کسی عقل مند سے پوچھا گیا: آپ کو کون سا شخص زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: جس نے مجھ پر زیادہ احسانات کئے۔ کہا گیا: اگر ایسا کوئی نہ ہو تو؟ اس نے کہا: پھر جس پر میں نے زیادہ احسانات کئے۔

﴿13﴾... حضرت سیِّدُنا عبد العزیز بن مروان عَلَیْہِ رَحمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: جب کوئی شخص مجھے اپنے ساتھ بھلائی کرنے کا موقع دے تو میں سمجھوں گا میں نے نہیں بلکہ اس نے میرے ساتھ بھلائی کی۔

﴿14﴾... خلیفہ مہدی نے حضرت سیِّدُنا شَبِیب بن شَیبَہ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا: آپ نے میرے گھر میں لوگوں کو کیسا پایا؟ انہوں نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! لوگ امید لے کر آپ کے گھر آتے ہیں اور راضی ہو کر جاتے ہیں۔

﴿15﴾... ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا عبد اللّٰہ بن جَعفَر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے سامنے یہ دو شعر پڑھے:

إِنَّ الصَّنِيعَةَ لَا تَكُونُ صَنِيعَةً   حَتّٰى يُصَابَ بِهَا طَرِيقُ الْمَصْنَعِ

فَإِذَا اصْطَنَعْتَ صَنِيعَةً فَاعْمَلْ بِهَا   لِلّٰهِ أَوْ لِذَوِي الْقَرَابَةِ أَوْ دَعِ

ترجمہ: (۱)...احسان اس وقت احسان ہوتا ہے جب وہ موقع محل کے مطابق ہو۔

(۲)...لہٰذا جب تم کوئی احسان کرنے لگو تو راہِ خدا میں دو یا قرابت داروں کو دو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو خرچ ہی نہ کرو۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللّٰہ بن جَعفَر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے یہ اشعار سن کر فرمایا: یہ دو شعر تو لوگوں کو بخیل بنا دیں گے تم موسلادھار بارش کی طرح احسان کرو اگر وہ اچھے لوگوں تک پہنچ گیا تو وہ اسی کے مستحق ہیں اور اگر بُرے لوگوں کو پہنچا تو تم تو اس کے اہل ہو۔

سخیوں کی 36 حِکایات

﴿1﴾... سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کی سخاوت:

حضرت سیِّدُنا محمد بن مُنکَدِر رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی

خادمہ حضرت اُمِّ درہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہَا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دو بوروں میں ایک لاکھ اسی ہزار درہم اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے پاس بھیجے۔[1] آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے ایک تھال منگوایا اور درہم لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیئے۔ جب شام ہوئی تو اپنی خادمہ سے فرمایا: اے لڑکی! ہماری افطاری لاؤ۔ وہ روٹی اور زیتون لائی۔ آپ کی کنیز حضرت اُمِّ درہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہَا نے عرض کی: آپ نے اتنا مال تقسیم فرمادیا اگر ایک درہم کا گوشت خرید لیتیں تو ہم اس سے افطاری کر لیتے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا: اگر تم مجھے یاد دلا دیتیں تو میں ایسا کر لیتی۔

﴿2﴾... سیِّدُنا ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کی سخاوت:

حضرت سیِّدُنا اَبان بن عثمان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اور قریش کے سرداروں کے پاس جا کر کہا: حضرت سیِّدُنا ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے کل صبح کے ناشتے پر آپ سب کی دعوت کی ہے۔ چنانچہ وہ سب آگئے حتّٰی کہ ان سے گھر بھر گیا، حضرت سیِّدُنا ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے یہ دیکھا تو پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ آپ کو پورا واقعہ بتایا گیا۔ یہ سن کر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پھل خریدنے کا حکم دیا اور کچھ لوگوں سے فرمایا: کھانا اور روٹی تیار کرو۔ چنانچہ پہلے مہمانوں کو پھل پیش کئے گئے ابھی وہ پھل کھا ہی رہے تھے کہ دستر خوان پر کھانا لگا دیا گیا حتّٰی کہ انہوں نے کھانا کھایا اور واپس چلے گئے۔ حضرت سیِّدُنا ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے کھانا کھلانے والوں سے پوچھا: کیا ہم لوگوں کی روزانہ اس طرح کی دعوت کر سکتے ہیں؟ انہوں کہا: جی ہاں۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ان لوگوں سے کہہ دینا کہ روزانہ ہمارے ہاں آکر ناشتہ کیا کریں۔

﴿3﴾... سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی سخاوت:

حضرت سیِّدُنا مُصْعَب بن زُبَیر رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حج کیا اور حج سے واپسی پر جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ کی آمد کی خبر سن کر حضرت سیِّدُنا امام حسین رَضِیَ اللہُ

[1]... درہم بھیجنے والے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نہیں بلکہ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۷۳۹)

تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے بھائی حضرت سیِّدُنا امامِ حسن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کہا: آپ نہ ان سے ملاقات کرنا اور نہ ہی انہیں سلام کرنا۔ جب حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ مدینہ شریف سے باہر تشریف لے جاچکے تو حضرت سیِّدُنا امام حسن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ہم پر قرض ہے ہم ان سے ضرور ملیں گے چنانچہ آپ سواری پر سوار ہوئے اور ان کے پیچھے چل پڑے حتّٰی کہ ان سے ملاقات ہوگئی، انہیں سلام کیا اور پھر اپنے قرض کے بارے میں بتایا۔ اسی دوران حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس سے کچھ لوگ گزرے جو ایک بُختی اونٹ کو ہانک کر لے جارہے تھے جس پر اسی ہزار دینار لدے ہوئے تھے زیادہ بوجھ کے باعث وہ تھک کر دوسرے اونٹوں سے پیچھے رہ گیا تھا۔ حضرت سیِّدُنا امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے پوری بات آپ کے گوش گزار کردی، آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: اس بُختی اونٹ پر جتنے بھی دینار ہیں سب ابو محمد (یعنی امام حسن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ) کے حوالے کردو۔

﴿4﴾... سیِّدُنا امام واقدی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی سخاوت:

حضرت سیِّدُنا واقِد بن محمد واقِدِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے بتایا کہ میں نے خلیفہ مامون کو ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر کیا کہ مجھ پر بہت زیادہ قرض ہے اور اب مجھ سے صبر نہیں ہوسکتا۔ مامون نے خط کی پشت پر لکھا: تم ایسے آدمی ہو جس میں دو خصلتیں جمع ہیں ایک سخاوت اور دوسری حیا، سخاوت نے تمہارے دونوں ہاتھ خالی کردیئے اور حیا نے تمہاری حالت ہم سے چھپائے رکھی۔ میں تمہارے لیے ایک لاکھ درہم کا حکم دیتا ہوں اگر تمہارا دل چاہے تو خوب سخاوت کرو اگر میں تمہیں یہ نہ دیتا تب بھی تم درستی پر ہی تھے البتہ تمہارا قصور (یعنی اپنے ہاتھ خالی کردینا) تمہارے ہی گلے ہے، تم خلیفہ ہارونُ الرشید کے زمانے میں قاضی تھے تو تم نے مجھے ایک حدیث سنائی تھی کہ حضرت سیِّدُنا محمد بن اسحٰق عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الرَّزَّاق نے حضرت سیِّدُنا امام زُہری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الوَلِی سے اور انہوں نے حضرت سیِّدُنا انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت کی کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا زُبَیر بن عوام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے فرمایا: ”یَا زُبَیرُ! اِعْلَمْ اَنَّ مَفَاتِیحَ اَرْزَاقِ الْعِبَادِ بِاِزَاءِ الْعَرْشِ یَبْعَثُ اللہُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی کُلِّ عَبْدٍ بِقَدْرِ نَفَقَتِہٖ فَمَنْ کَثَّرَ کُثِّرَ لَہٗ وَمَنْ قَلَّلَ قُلِّلَ لَہٗ یعنی اے زبیر! جان لو بے شک بندوں کے رزق کی کنجیاں عرش کے بالمقابل ہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ ہر

بندے کو اس کے خرچ کے مطابق رزق عطا فرماتا ہے جو زیادہ خرچ کرتا ہے اسے زیادہ دیا جاتا ہے اور جو کم خرچ کرتا ہے اسے کم دیا جاتا ہے۔"[1] (پھر مامون نے حضرت سیِّدُنا امام واقدی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:) تم اس بارے میں مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہو۔ حضرت سیِّدُنا امام واقِدِی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! امامون کا مجھے یہ حدیث یاد دلانا ایک لاکھ درہم کا انعام دینے سے زیادہ محبوب ہے۔

(5)... سیِّدُنا امام حسن رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی سخاوت:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا امام حسن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کسی حاجت کا سوال کیا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "اے شخص! تیرا سوال مجھ پر بہت بڑا حق ہے اور میرے لئے یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ میں تجھے کیا دوں؟ تم جس چیز کے اہل ہو میں اس سے عاجز ہوں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے زیادہ دینا بھی تھوڑا ہے۔ میری ملکیت میں جس قدر مال ہے اس سے مکمل طور پر تمہارا حق تو پورا نہیں ہو سکتا البتہ جو کچھ میسر ہے اسے قبول کرلو تو میں مزید اہتمام کرنے کی مَشَقَّت سے بچ جاؤں گا، اب بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟" اس شخص نے کہا: اے نواسۂ رسول! میں آپ کے عَطِیَّہ کو قبول بھی کروں گا اور شکریہ بھی ادا کروں گا اور نہ دینے پر عذر بھی تسلیم کروں گا۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے وکیل کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ اخراجات کا حساب کتاب کرے، اس کے بعد فرمایا: "تین لاکھ دراہم سے جو کچھ زائد ہے وہ لے آؤ۔" اس نے پچاس ہزار دراہم حاضر کر دیئے تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: پانچ سو دینار بھی تو تھے وہ کہاں ہیں؟ اس نے کہا: وہ میرے پاس ہیں۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: وہ بھی لے آؤ چنانچہ وہ لے کر حاضر ہوا تو حضرت سیِّدُنا امام حسن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے وہ تمام درہم اور دینار اس شخص کو دے دیئے اور اس سے فرمایا: اپنے لئے کوئی بوجھ اٹھانے والا مزدور لے آؤ۔ وہ بوجھ اٹھانے والے دو مزدور لے آیا آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اجرت میں ان مزدوروں کو اپنی چادر عطا فرمادی۔ آپ کے غلاموں نے عرض کی: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! آپ نے ہمارے پاس ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑا۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں میرے لیے بہت بڑا اجر ہوگا۔

---

[1]... تاریخ مدینۃ دمشق، ۵۴/ ۴۶۵، الرقم: ۶۸۵۰، ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقدی

﴿6﴾... جہیز کی تیاری میں مدد:

بصرہ کے چند قُرَّاء حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی خدمت میں حاضر ہوئے ان دنوں آپ بصرہ کے حاکم تھے انہوں نے کہا: ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتا ہے جو روزہ دار اور شب بیدار ہے ہم میں سے ہر ایک اس کی مثل ہونا چاہتا ہے اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ اپنے بھتیجے کو دیا ہے لیکن فقیر ہونے کے باعث اپنی بیٹی کو جہیز دینے سے عاجز ہے۔ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کھڑے ہوئے اور ان قراء کے ہاتھ پکڑ کر انہیں گھر کے اندر لے گئے، ایک صندوق کھولا، اس سے چھ تھیلیاں نکالیں اور فرمایا: ان کو اٹھالو۔ انہوں نے وہ تھیلیاں اٹھالیں تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ہم نے انصاف نہیں کیا ہم نے اسے جو کچھ دیا ہے وہ اسے رات کے قیام اور روزے سے دور کر دے گا، لہٰذا اسے چھوڑدو، آؤ ہم مل کر جہیز کی تیاری میں اس کی مدد کریں کیونکہ دنیا کی اتنی حیثیت نہیں کہ وہ کسی مومن بندے کو عبادت خداوندی سے روک دے اور ہم میں اتنا تکبُّر نہیں ہے کہ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دوستوں کی مدد نہ کریں چنانچہ آپ نے اوران سب نے مل کر جہیز تیار کر کے دیا۔

﴿7﴾... امیر مصر عبدُ الْحمید بن سعد کی سخاوت:

منقول ہے کہ امیر مصر عبد الحمید بن سعد رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے دور میں جب لوگ قَحط سالی میں مبتلا ہوئے اس وقت انہوں نے کہا: میں شیطان کو ضرور یہ باور کراؤں گا کہ میں اس کا دشمن ہوں، لہٰذا وہ مہنگائی کے ختم ہونے تک برابر لوگوں کی حاجتیں پوری کرتے رہے پھر انہیں معزول کر دیا گیا جب انہوں نے وہاں سے کوچ کیا تو ان پر تاجروں کے دس لاکھ درہم قرض تھے انہوں نے اپنے اہل خانہ کے زیورات ان کے پاس گروی رکھ دیئے جن کی قیمت پچاس کروڑ درہم تھی جب ان زیورات کی واپسی مشکل ہوگئی تو آپ نے تاجروں کو لکھ بھیجا کہ ان کو بیچ کر جو رقم بچ جائے وہ ان لوگوں تک پہنچادی جائے جن کو میری طرف سے کچھ نہیں ملا۔

﴿8﴾... سیِّدُنا علی رَضِیَ اللہُ عَنْہ کے نام کا صَدَقہ:

ابو طاہر بن کثیر شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا تھا ایک شخص نے اس سے کہا: امیر المؤمنین حضرت

سَیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجۡہَہُ الْکَرِیۡم کا واسطہ اپنا فلاں باغ مجھے دے دو۔ اس نے کہا: جاوہ باغ تیرا ہوا اور امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کا واسطہ دینے کے سبب اس باغ سے متصل سارے باغ بھی تجھے دیئے۔ یہ سب کچھ اس شخص کے مُطالَبہ سے کئی گناہ زیادہ تھا۔

﴿9﴾...10ہزار درہم کا دعوٰی:

ابو مَرثَد ایک سخاوت پیشہ شخص تھا کسی شاعر نے اس کی تعریف کی تو اس نے شاعر سے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میرے پاس تجھے دینے کے لئے کچھ نہیں لیکن تو ایسا کر کہ قاضی کے پاس مجھ پر دس ہزار درہم کا دعوی کر دے، میں اس کا اقرار بھی کرلوں گا پھر قاضی مجھے قید کر دے گا۔ اب میرے گھر والے مجھے قید کی حالت میں نہیں چھوڑیں گے (اور تجھے 10 ہزار درہم دے دیں گے)۔ اس شاعر نے اسی طرح کیا یہاں تک کہ شام ہونے سے پہلے پہلے اسے 10 ہزار درہم بھی مل گئے اور ابو مرثد کو بھی قید سے چھڑا لیا گیا۔

﴿10﴾... مَعْن بن زائدہ کی سخاوت:

معن بن زائدہ جن دنوں عراق پر حاکم ہونے کی وجہ سے بصرہ میں تھا تو اس کے دروازے پر ایک شاعر آیا وہ معن بن زائدہ کے پاس جانے کے لیے ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہا لیکن اسے کامیابی نہ ہو سکی، ایک دن اس نے معن بن زائدہ کے خادم سے کہا: جب امیر باغ میں داخل ہو تو مجھے بتادینا جب امیر باغ میں داخل ہوا تو خادم نے اسے اطلاع دے دی۔ شاعر نے لکڑی پر ایک شعر لکھا اور باغ میں داخل ہونے والے پانی میں ڈال دیا، امیر معن بن زائدہ پانی کے کنارے ہی بیٹھا تھا جب لکڑی کو دیکھا تو اٹھا کر اس پر لکھی تحریر پڑھنے لگا کہ "اے معن کی سخاوت تو ہی اس سے میری حاجت کہہ دے معن کے پاس تیرے سوا میرا کوئی سفارشی نہیں۔" معن بن زائدہ نے پوچھا یہ کس نے لکھا ہے؟ چنانچہ اس شخص کو بلایا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ شعر کیوں کہا؟ اس نے وجہ بتائی تو امیر نے اسے دس تھیلیاں دینے کا حکم دیا اس نے وہ تھلیاں لے لیں اور امیر نے لکڑی اپنے بچھونے کے نیچے رکھ لی۔ جب دوسرا دن آیا تو اس نے اسے بچھونے کے نیچے سے نکال کر پڑھا اور اس شاعر کو بلا کر اسے ایک لاکھ درہم دیئے اس نے لے لئے لیکن سوچنے لگا کہ کہیں امیر اس سے

یہ درہم واپس نہ لے لے یہ سوچ کر وہ وہاں سے کہیں چلا گیا جب تیسرا دن ہوا تو امیر معن بن زائدہ نے پھر وہ شعر پڑھا اور اس شاعر کو بلایا اسے ڈھونڈا گیا لیکن وہ نہ ملا۔ معن بن زائدہ نے کہا: مجھ پر لازم ہے کہ میں اسے اتنا دوں کہ میرے گھر میں ایک درہم اور ایک دینار بھی باقی نہ رہے۔

(11)... حسنین کریمین اور عبد اللہ بن جعفر رَضِیَ اللہُ عَنْہُم کی سخاوت:

حضرت سیِّدُنا ابو الحسن مدائنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا امام حسن وامام حسین اور حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم حج کے لئے نکلے، راستے میں ان کے مال بردار جانور ان سے بچھڑ گئے۔ اب انہیں بھوک اور پیاس کی شدت محسوس ہوئی اسی دوران ان کا گزر ایک خیمہ نشین بوڑھی عورت کے پاس سے ہوا تو انہوں نے اس بوڑھی عورت سے کہا: کیا تمہارے پاس کچھ پینے کو ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ پھر خیمے کے کِنارے بندھی ہوئی ایک لاغر بکری کی طرف اشارہ کر کے کہا: اس کا دودھ دوھ کر اسے پی لو۔ ان حضرات نے اسی طرح کیا، پھر انہوں نے اس بوڑھی عورت سے فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا: اس بکری کے سِوا کچھ نہیں آپ میں سے کوئی اسے ذَبح کر دے تا کہ میں آپ کے کھانے کا بندوبست کر سکوں چنانچہ ان حضرات میں سے ایک کھڑے ہوئے اور بکری ذبح کر کے اس کی کھال اتار دی۔ بوڑھی عورت نے ان کے لیے کھانا تیار کیا تینوں نے کھایا اور دھوپ کی شدت کم ہونے تک ٹھہرے رہے جب جانے لگے تو بوڑھی عورت سے فرمایا: ہم قریشی لوگ ہیں حج کے لیے جا رہے ہیں اگر صحیح سلامت واپس اپنے گھروں کو لوٹ آئے تو ہمارے پاس آنا ہم تمہارے ساتھ حُسنِ سلوک کریں گے۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ جب اس عورت کا خاوند آیا تو اس نے تمام قصہ اس کے گوش گزار کر دیا، یہ سن کر اس کے شوہر کو غصہ آگیا اور کہنے لگا: تیری ہلاکت ہو تو نے ان لوگوں کے لئے بکری ذبح کر ڈالی جنہیں تو جانتی نہیں اور یہ کہتی ہے کہ وہ قریش کے چند لوگ تھے۔ راوی کہتے ہیں پھر کچھ مدت کے بعد ان دونوں میاں بیوی کو مدینہ طیبہ جانے کی ضرورت پڑی وہ وہاں پہنچے اور اونٹوں کی مینگنیاں بیچ کر گزارہ کرنے لگے۔ ایک مرتبہ وہ بوڑھی خاتون مدینہ منورہ کی ایک گلی سے گزری، حضرت سیِّدُنا امام حسن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس بوڑھی عورت کو دیکھا تو پہچان لیا لیکن وہ آپ کو پہچان نہ سکی

آپ نے غلام کو بھیج کر اس خاتون کو بُلوایا اور فرمایا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بندی! مجھے پہچانتی ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ حضرت سیِّدُنا امام حَسَن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: میں فلاں فلاں دن تمہارے پاس مہمان تھا۔ بوڑھی عورت نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا آپ وہی ہیں؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں۔ پھر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے حکم پر اس عورت کے لیے صدقہ کی بکریوں میں سے ایک ہزار بکریاں خریدی گئیں اور ان کے ساتھ ایک ہزار دینار بھی اسے دے دیئے گئے۔ پھر اپنے غلام کے ہمراہ اسے حضرت سیِّدُنا امام حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس بھیجا تو انہوں نے پوچھا: میرے بھائی نے تمہیں کیا دیا؟ اس نے کہا: ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار۔ حضرت امام حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بھی اسی قدر مال دینے کا حکم دیا پھر اسے اپنے غلام کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس بھیجا تو انہوں نے اس بوڑھی عورت سے پوچھا: تمہیں امام حسن وامام حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے کتنا مال عطا کیا۔ بوڑھی عورت نے کہا: دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اسے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینا دینے کا حکم دیا اور اس سے فرمایا: اگر تم پہلے میرے پاس آجاتیں تو میں تمہیں اتنا مال دیتا کہ ان دونوں کے لئے اس قدر مال دینا مشکل ہو جاتا۔ اَلْمُختصر وہ بوڑھی عورت چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار لے کر اپنے خاوند کے پاس لوٹ گئی۔

(12)... سیِّدُنا عبداللہ بن عامر رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی سخاوت:

حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عامر بن کُرَیز رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ مسجد سے اکیلے گھر جانے کے لیے نکلے تو قبیلہ ثقیف کا ایک لڑکا آپ کے پیچھے ہو لیا اور آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ حضرت عبداللہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اے لڑکے! کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟ اس نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کو فلاح و کامرانی عطا فرمائے مجھے آپ سے کوئی کام نہیں ہے بس میں نے آپ کو اکیلے چلتا دیکھا تو میں نے سوچا آپ کی حفاظت کروں اور میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتا ہوں کہ آپ کو کوئی ناپسندیدہ اَمر پہنچے۔ حضرت عبداللہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اس لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ گھر لے گئے پھر ایک ہزار دینار منگوا کر اس لڑکے کو دے دیئے اور فرمایا: یہ خرچ کرو واقعی تمہارے گھر والوں نے تمہاری بہت اچھی تربیت کی ہے۔

﴿13﴾... مرنے کے بعد بھی سخاوت:

منقول ہے کہ اَہلِ عَرَب کا ایک قافِلہ اپنے ایک سخی کی قبر کی زیارت کے لئے دور دراز کی مسافت کے بعد وہاں پہنچا، رات وہیں قیام کیا تو ان میں سے ایک شخص نے خواب میں صاحِبِ قَبْر کو دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہا ہے: کیا تم میرے بہترین اونٹ کے بدلے اپنا اونٹ مجھے دینے پر راضی ہو؟ اس سخی صاحب قبر کا ایک بہترین اونٹ تھا جو اس کی پہچان تھا جبکہ خواب دیکھنے والے کے پاس ایک موٹا تازہ اونٹ تھا چنانچہ اس نے خواب میں ہامی بھر لی اور اس کے بہترین اونٹ سے اپنے اونٹ کا تبادلہ کر لیا، جب ان کے درمیان سودا طے ہو گیا تو خواب دیکھنے والا شخص خواب ہی میں اپنے اونٹ کی طرف بڑھا اور اسے نَحْر کر دیا، اچانک اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹ کی گردن سے خون بہہ رہا ہے چنانچہ وہ اٹھا اور اونٹ کو نحر کر کے اس کا گوشت اَہلِ قافلہ میں تقسیم کر دیا انہوں نے گوشت پکایا، اس سے اپنی ضرورتوں کو پورا کیا اور رختِ سفر باندھ کر چل پڑے۔ دوسرے دن یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ چند سوار ان کے سامنے آئے اور ان میں سے ایک نے کہا: تم میں فلاں بن فلاں کون ہے؟ یعنی خواب دیکھنے والے کا نام لے کر پوچھا۔ خواب دیکھنے والے نے کہا: میں ہوں۔ پوچھنے والے نے صاحب قبر کا نام لے کر پوچھا: کیا تم نے ان سے کسی چیز کی خرید وفروخت کی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، میں نے خواب کی حالت میں ان کے اونٹ کے بدلے اپنا اونٹ فروخت کیا ہے۔ اس نے کہا: یہ ان کا عمدہ اونٹ ہے لو یہ اب تمہارا ہوا۔ پھر کہا: وہ صاحبِ قبر میرے والد ہیں میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں: اگر تم میرے بیٹے ہو تو میرا یہ عمدہ اونٹ فلاں بن فلاں کو دے دو اور تمہارا نام بھی انہوں نے ہی بتایا ہے۔

﴿14﴾... سائل کو چار ہزار درہم دے دیئے:

ایک قُرَیْشی سَفَر سے واپس لوٹ رہا تھا کہ راستے میں اس کا گزر ایک مفلس و بیمار دیہاتی کے پاس سے ہوا۔ دیہاتی نے اسے مدد کے لئے پکارا تو اس نے اپنے غلام سے کہا: جو کچھ ہمارے خرچ سے بچا ہوا ہے وہ اس شخص کو دے دو۔ غلام نے اس دیہاتی کی گود میں چار ہزار درہم ڈال دیئے۔ وہ اٹھنے لگا لیکن کمزوری کے

باعث اٹھ نہ سکا اور رو پڑا۔ قریشی نے پوچھا: تم کیوں روتے ہو؟ شاید تم نے ہمارے عطیہ کو کم سمجھا ہے۔ اس دیہاتی نے کہا: یہ بات نہیں ہے بلکہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ زمین تیرے کَرَم کو بھی کھا جائے گی۔

﴿15﴾... مال اور مکان دونوں دے دیئے:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عامر عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الغَافِر نے حضرت سیِّدُنا خالد بن عُقْبَہ بن اَبِی مُعَیط رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے ان کا بازار والا مکان نوے ہزار درہم میں خریدا۔ جب رات کا وقت ہوا تو انہوں نے حضرت خالد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے گھر والوں کا رونا سنا تو اپنے گھر والوں سے پوچھا ان کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا: یہ اپنے مکان کے لئے رو رہے ہیں۔ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عامر عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الغَافِر نے اپنے غلام سے فرمایا: ان کے پاس جا کر کہو کہ مال اور مکان دونوں ان کے ہوئے۔

﴿16﴾... سیِّدُنا لَیث بن سعد رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی سخاوت:

خلیفہ ہارونُ الرشید عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ المَجِید نے حضرت سیِّدُنا امام مالک عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الخَالِق کی خدمت میں 500 دینار بھیجے، حضرت سیِّدُنا لیث بن سعد عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الاَحَد کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے امام مالک عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الخَالِق کی خدمت میں ایک ہزار دینار بھیج دیئے۔ خلیفہ کو یہ دیکھ کر غصہ آ گیا اور حضرت لیث بن سعد عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الاَحَد سے کہا: میں نے 500 دینار دیئے اور تم نے ایک ہزار دینار دے دیئے حالانکہ تم میری رعایا میں سے ہو۔ حضرت سیِّدُنا لیث بن سعد عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الاَحَد نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! غلے کی تجارت سے میری یومیہ آمدنی ایک ہزار دینار ہے میں نے اس بات میں شرم محسوس کی کہ میں اپنی یومیہ آمدنی سے کم پیش کروں۔

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا لیث بن سعد عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الاَحَد پر کبھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی باوجود یہ کہ ان کی یومیہ آمدنی ایک ہزار دینار تھی (کیونکہ انہیں جو کچھ ملتا وہ خرچ کر دیتے، لہٰذا کبھی صاحبِ نصاب ہی نہیں ہوئے)۔

﴿17﴾... ایک مشک شہد عطا کر دیا:

منقول ہے کہ ایک عورت نے حضرت سیِّدُنا لیث بن سعد عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الاَحَد سے تھوڑا سا شہد مانگا تو آپ نے ایک مشک شہد دینے کا حکم دیا۔ آپ سے کہا گیا کہ اس عورت کا کام تو اس سے کم میں بھی چل جائے گا۔

آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اس نے اپنی ضرورت کے مطابق مانگا ہے اور ہم پر جس قدر نعمت خداوندی ہے ہم نے اسی کے مطابق اسے دیا ہے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا معمول تھا جب تک تین سو ساٹھ مِسکینوں کو صَدَقہ نہ دے دیتے اس وقت تک گفتگو نہ فرماتے۔

﴿18﴾... کاش بکری بیمار ہی رہتی:

حضرت سَیِّدُنا امام اعمش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میری ایک بکری بیمار ہو گئی تو حضرت خَیْثَمہ بن عبدالرحمٰن عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن صُبْح وشام اسے دیکھنے آتے اور مجھ سے پوچھتے: اس نے گھاس کھائی ہے یا نہیں؟ اور بچے اس کے دودھ کے بغیر کس طرح گزارہ کر رہے ہیں؟ میں ایک گدے پر بیٹھا کرتا تھا جب وہ جانے لگتے تو فرماتے گدے کی نیچے جو کچھ ہے لے لو، حتی کہ جب تک بکری بیمار رہی اس وقت تک وہ مجھے 300 سے زیادہ دینار دے چکے تھے، یہ دیکھ کر میں تمنّا کرنے لگا کہ کاش بکری بیمار ہی رہتی۔

﴿19﴾... سائل کو اس کی مانگ سے زیادہ ہی دیا:

خلیفہ عبدالملک بن مَروان نے حضرت سَیِّدُنا اسماء بن خارِجہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے کہا کہ مجھے آپ کی چند اچھی عادتوں کی خبر ملی ہے، آپ وہ مجھ سے بیان کیجئے۔ حضرت سَیِّدُنا اسماء بن خارجہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: آپ میرے علاوہ کسی اور سے سنیں تو زیادہ بہتر ہے۔ عبدالملک بن مروان نے کہا: میں نے یہ تَہَیَّہ کر لیا ہے کہ میں تم سے ہی سنوں گا۔ حضرت سَیِّدُنا اسماء بن خارجہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: یا امیر المؤمنین! میں نے کبھی اپنے ہم نشین کے سامنے پاؤں نہیں پھیلائے، میں نے جب بھی لوگوں کو کھانے پر دعوت دی تو اپنے آپ کو ان کا محسن نہیں بلکہ انہیں اپنا محسن خیال کیا اور جب بھی کوئی شخص میرے سامنے سوالی بن کر آیا تو میں نے اُسے اُس کی مانگ سے زیادہ ہی دیا۔

﴿20﴾... سَیِّدُنا سعید بن خالد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی سخاوت:

حضرت سَیِّدُنا سعید بن خالد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَاحِد بہت سخی آدمی تھے جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو سائل کو ایک دستاویز لکھ کر دے دیتے کہ جب میرے پاس کچھ مال آئے گا تو تمہیں دوں گا۔ ایک مرتبہ حضرت

سیِّدُنا سعید عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْمَجِیْد، خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کے پاس تشریف لے گئے، سلیمان بن عبد الملک نے آپ کو دیکھا تو شعر کے ساتھ مثال دیتے ہوئے کہا:

اِنِّیْ سَمِعْتُ مَعَ الصَّبَاحِ مُنَادِیًا ۔۔۔ یَا مَنْ یُّعِیْنُ عَلَی الْفَتَی الْمِعْوَانِ

ترجمہ: میں نے صبح کے وقت ایک ندا دینے والے سے سنا کہ کون ہے! جو انتہائی مددگار نوجوان کی مدد کرے۔

پھر خلیفہ نے پوچھا: کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ حضرت سیِّدُنا سعید رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: مجھ پر قرض ہے۔ خلیفہ نے پوچھا: کتنا؟ فرمایا: تیس ہزار دینار۔ خلیفہ نے کہا: قرض کی رقم بھی آپ کی ہوئی اور جتنا قرض ہے اتنا مزید آپ کا ہوا۔

﴿21﴾... سیِّدُنا قیس بن سعد رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی سخاوت:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا قَیس بن سعد بن عُبادہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا بیمار ہوئے تو ان کے دوست واَحباب نے ان کی عِیادت میں تاخیر کی، آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کہا گیا: چونکہ انہوں نے آپ کا قرض دینا ہے اس لیے وہ حیا کے باعث نہیں آئے۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اس مال کو ذلیل ورُسوا کرے جو دوستوں کو ملاقات سے روک دیتا ہے، پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اعلان کردے کہ جس آدمی پر قیس بن سعد کا قرض ہو وہ اس سے بری ہے۔ راوی کہتے ہیں: یہ سن کر شام تک ملاقات وعیادت کرنے والوں کی اتنی بھیڑ لگ گئی کہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے مکان کی سیڑھی ٹوٹ گئی۔

﴿22﴾... سیِّدُنا اَشْعَث بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی سخاوت:

حضرت سیِّدُنا ابو اسحاق عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الرَّزَّاق فرماتے ہیں: میں کوفہ میں اپنے ایک قرضدار کو تلاش کرنے گیا تو وہاں مسجد اشعث میں نمازِ فجر ادا کرنے لگا جب میں نماز پڑھ چکا تو دیکھا میرے سامنے کپڑوں اور جوتوں کا ایک جوڑا رکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا: میں یہاں کا رہنے والا نہیں ہوں۔ لوگوں نے کہا: حضرت اشعث بن قیس کندی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ گذشتہ رات مکہ مکرمہ سے آئے ہیں اور انہوں نے حکم دیا ہے کہ اس مسجد کے ہر نمازی کو کپڑے اور جوتوں کا ایک ایک جوڑا دیا جائے۔

﴿23﴾...کون زیادہ سخی ہے...؟

حضرت سیِّدُنا شیخ ابو سعد خَرکوشی نیشاپوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی سے مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا حافظ محمد بن محمد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الصَّمَد بیان کرتے ہیں: میں نے مکہ کے ایک شافعی مجاوِر کو یہ کہتے سنا کہ مصر میں ایک غریب شخص کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی اس نے ایک سماجی کارکن سے رابِطہ کیا جو ضرورت مندوں کے لئے چندہ جمع کرتا تھا، وہ نومولود کے والد کو لے کر کئی لوگوں سے ملا مگر کسی نے مالی امداد نہ کی، آخرکار ایک مزار پر حاضری دی جہاں اُس سماجی کارکن نے کچھ اس طرح فریاد کی: "یا سیِّدی! اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ آپ پر رحم فرمائے، آپ اپنی ظاہری زندگی میں بہت کچھ دیا کرتے تھے، آج کئی لوگوں سے نومولود کے لئے مانگا مگر کسی نے کچھ نہ دیا۔" یہ کہنے کے بعد اُس سماجی کارکن نے ذاتی طور پر آدھا دینار نومولود کے والد کو ادھار پیش کرتے ہوئے کہا: "جب بھی آپ خوش حال ہوں تو لوٹا دینا۔" دونوں اپنے اپنے راستے ہو لئے۔ سماجی کارکن کو رات خواب میں صاحبِ مزار کا دیدار ہوا۔ فرمایا: تم نے مجھ سے جو کہا وہ میں نے سُن لیا تھا مگر اُس وقت جواب دینے کی اجازت نہ تھی، میرے گھر والوں سے جا کر کہئے کہ انگیٹھی کے نیچے کی جگہ کھودیں، ایک مشکیزہ نکلے گا اُس میں 500 دینار ہوں گے وہ ساری رقم اس نومولود کے والد کو پیش کر دیجئے۔ چُنانچہ وہ صاحبِ مزار کے گھر والوں کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ان لوگوں نے نشاندہی کے مطابق جگہ کھو دی اور 500 دینار نکال کر حاضِر کر دیئے۔ سماجی کارکن نے کہا: یہ سب دینار آپ ہی کے ہیں، میرے خواب کا کیا اعتبار! وہ بولے، جب ہمارے بزرگ دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی سخاوت کرتے ہیں تو ہم کیوں پیچھے ہٹیں! چُنانچہ ان لوگوں نے باصرار وہ دینار سماجی کارکن کو دیئے اور اس نے جا کر نومولود کے والد کو پیش کر دیئے اور سارا واقعہ سنایا۔ اُس غریب شخص نے آدھے دینار سے قرضہ اُتارا اور آدھا دینار اپنے پاس رکھتے ہوئے کہا: "مجھے یہی کافی ہے۔" باقی سب اُسی سماجی کارکن کو دیتے ہوئے کہا: بقیہ تمام دینار غریب و نادار لوگوں میں تقسیم فرما دیجئے۔ راوی کا بیان ہے: مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ان سب میں زیادہ سخی کون ہے؟

﴿24﴾...ایک غسّال کی سخاوت:

منقول ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْکَافِی مصر میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے

تو آپ نے فرمایا: فلاں آدمی سے کہنا کہ وہ مجھے غسل دے۔ جب آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا انتقال ہوا تو اس کو اطلاع دی گئی وہ حاضر ہوا اور کہنے لگا: ان کے اخراجات کا رجسٹر لاؤ۔ جب رجسٹر لایا گیا تو اس نے اس میں دیکھا کہ حضرت سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی پر 70 ہزار درہم قرض ہیں اس نے وہ تمام قرض اپنے ذمہ لے کر اسے ادا کر دیا اور کہا: یہ ہے میرا حضرت سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی کو غسل دینا۔

یعنی حضرت سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی کی غسل سے مراد یہ تھی کہ میں ان کی جانب سے قرض ادا کر دوں۔ حضرت سیِّدُنا ابو سعید واعظ خرکوشی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں جب میں مصر میں آیا تو میں نے اس شخص کا مکان تلاش کیا تو لوگوں نے میری راہ نمائی کی میں نے اس کی اولاد اور پوتوں میں سے بعض کو دیکھا تو ان میں خیر اور بھلائی کے آثار نظر آئے، میں نے (دل میں) کہا: اس شخص کی بھلائی کے اثرات اور اس کی برکت ان میں ظاہر ہے اور میں نے قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کیا:

وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ (پ۱۶، الکھف: ۸۲) ترجمۂ کنز الایمان: اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔

﴿25﴾... سیِّدُنا حَمّاد بن ابو سُلَیمان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی سخاوت:

حضرت سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: جب سے میں نے حضرت سیِّدُنا حماد بن ابو سلیمان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْمَنَّان کے متعلق یہ واقعہ سنا تو مجھے ان سے محبت ہو گئی ہے کہ ایک مرتبہ وہ گدھے پر سوار ہوئے جب اسے حرکت دی تو آپ کی قمیص کا بٹن ٹوٹ گیا۔ ایک درزی کے پاس سے گزر ہوا تو اس ارادے سے رک گئے کہ اتر کر بٹن لگوا لیتا ہوں، درزی نے کہا: آپ کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! آپ نہ اتریں چنانچہ اس نے خود ہی کھڑے ہو کر بٹن لگا دیا۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ایک تھیلی نکالی جس میں دس دینار تھے، وہ درزی کے حوالے کر دی اور اس کے کم ہونے پر معذرت بھی کی۔ پھر حضرت سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی نے یہ اشعار پڑھے:

يَالَهْفَ قَلْبِي عَلٰى مَالٍ اَجُوْدُ بِهٖ عَلَى الْمُقِلِّيْنَ مِنْ اَهْلِ الْمُرُوْءَاتِ

اِنَّ اعْتِذَارِيْ اِلٰى مَنْ جَاءَ يَسْاَلُنِيْ مَا لَيْسَ عِنْدِيْ لَمِنْ اِحْدَى الْمُصِيْبَاتِ

ترجمہ: (۱)...ہائے حسرت میرے دل کے لئے اس مال پر جس کے ذریعے میں اہل مروت میں سے کم مال والوں پر سخاوت کروں۔

(۲)... لیکن معذرت کے علاوہ میرے پاس کوئی چارہ نہیں کیونکہ کسی ضرورت مند کو دینے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں۔

﴿26﴾... سیِّدُنا امام شافعی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی سخاوت:

حضرت سیِّدُنا رَبیع بن سلیمان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْمَنَّان سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی کی سُواری کی رِکاب پکڑی تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اے ربیع! اسے چار درھم دے دو اور میری طرف سے اس سے (کم دینے پر) مَعْذِرَت بھی کر لو۔

﴿27﴾... ایک دن میں 10 ہزار درہم خرچ کر دیئے:

حضرت سیِّدُنا رَبیع بن سلیمان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْمَنَّان فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا امام حُمَیدِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کو فرماتے سنا کہ حضرت سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی صنعاء سے مکہ مکرمہ آئے تو آپ کے پاس دس ہزار درہم تھے، آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے مکہ مکرمہ سے باہر ایک خیمہ نصب کیا اور وہ درہم ایک کپڑے پر بچھا دیئے پھر جو بھی آتا اسے ایک مٹھی بھر کر دے دیتے حتی کہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھ کر کپڑا جھاڑا تو اس پر کچھ نہ تھا۔

﴿28﴾... حاجیوں کے لئے مکان وَقْف کر دیا:

حضرت سیِّدُنا فقیہ ابو ثور رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی نے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا تو آپ کے پاس کچھ مال تھا اور آپ اتنی سخاوت کرتے کہ کبھی کبھی ہی آپ کے پاس کچھ باقی بچتا تھا۔ میں نے عرض کیا: مناسب ہے کہ آپ اس مال سے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے کوئی زمین خرید لیں۔ اس کے بعد آپ کہیں تشریف لے گئے اور پھر جب ہمارے پاس واپس تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس مال کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: میں نے مکہ مکرمہ میں کوئی ایسی زمین نہیں پائی جسے میں خرید سکوں کیونکہ میری معلومات کے مطابق ان میں سے اکثر وقف ہیں لیکن میں نے مِنٰی میں ایک مکان بنایا ہے کہ جب ہمارے احباب حج کے لئے جائیں تو وہاں ٹھہریں، پھر امام شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی نے اپنے بارے میں یہ اشعار کہے:

اَرٰی نَفْسِیْ تَتُوْقُ اِلٰی اُمُوْرٍ یُقَصِّرُ دُوْنَ مَبْلَغِهِنَّ مَالِیْ

فَنَفْسِيْ لَا تُطَاوِعُنِيْ بِبُخْلٍ وَمَالِيْ لَا يُبَلِّغُنِيْ فَعَالِيْ

ترجمہ:(۱)...میں اپنے نفس کو دیکھتا ہوں کہ وہ کچھ باتوں کی خواہش رکھتا ہے لیکن میرے مال کی کمی اس خواہش کی تکمیل نہیں کر سکتی۔

(۲)...میرا نفس مجھے بخل کرنے نہیں دیتا اور سخاوت کے لئے میرے پاس مال نہیں۔

﴿29﴾...ایک لاکھ درہم صدقہ کر دیئے:

محمد بن عَبّاد مُهَلَّبِی کہتے ہیں میرے والد خلیفہ مامون کے پاس گئے تو اس نے انہیں ایک لاکھ درہم دیئے جب وہ وہاں سے اٹھے تو انہوں نے تمام درہم صدقہ کر دیئے۔ یہ خبر مامون تک بھی پہنچ گئی جب وہ دوبارہ مامون کے پاس گئے تو اس نے انہیں اس بات پر جھڑکا۔ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! موجود چیز کو روکنا معبود کے بارے میں بد گمانی کرنا ہے (کہ وہ مزید عطا نہیں کرے گا)۔ یہ سن کر مامون نے ان کو ایک لاکھ درہم مزید دے دیئے۔

﴿30﴾...سیِّدُنا سعید بن عاص رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی سخاوت:

ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا سعید بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کچھ مانگا تو آپ نے اسے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا وہ شخص یہ سن کر رو پڑا۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ زمین آپ جیسے لوگوں کو بھی کھا جائے گی، یہ سن کر حضرت سیِّدُنا سعید بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اسے مزید ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔

﴿31﴾...ہم نے کچھ نہیں دیا:

ابو تمام شاعر، ابراہیم بن شَكْلَہ کی تعریف پر مشتمل اپنے کچھ اشعار لے کر اس کے پاس گیا اس وقت ابراہیم بن شکلہ بیمار تھا، لہٰذا اس نے وہ قصیدہ قبول کر لیا اور دربان کو حکم دیا کہ اس کے مطابق ابو تمام کو کچھ عطیہ دیا جائے پھر کہا: امید ہے عنقریب میں ٹھیک ہو جاؤں تو اس کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ ابو تمام شاعر وہیں دو مہینے تک ابراہیم بن شکلہ کی صحت یابی کے انتظار میں ٹھہرا رہا جب زیادہ دیر ٹھہرنے سے اُکتا گیا تو اس نے

ابراہیم بن شکلہ کو لکھا:

اِنَّ حَرَامًا قُبُوْلُ مَدْحَتِنَا وَتَرْكُ مَا نَرْتَجِيْ مِنَ الصَّفَدِ

كَمَا الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيْرُ فِي الْبَيْعِ حَرَامٌ اِلَّا يَدًا بِيَدٍ

ترجمہ: (۱)...ہمارے مدحیہ قصیدے کو قبول کرنا اور جس عطیے کی ہم امید رکھتے تھے اسے چھوڑ دینا حرام ہے۔

(۲)...جس طرح درہموں اور دیناروں کی بیع نقد ہی جائز ہے ورنہ حرام ہے۔

جب یہ دو شعر ابراہیم کو پہنچے تو اس نے اپنے دربان سے پوچھا: یہ شخص دروازے پر کتنا عرصہ کھڑا رہا ہے؟ اس نے بتایا کہ دو مہینے۔ ابراہیم نے کہا: اسے تیس ہزار درہم دے دو اور میرے پاس دوات لاؤ چنانچہ اس نے شاعر کی طرف لکھا:

اَعْجَلْتَنَا فَاَتَاكَ عَاجِلُ بِرِّنَا قُلًّا وَلَوْ اَمْهَلْتَنَا لَمْ نُقْلِلْ

فَخُذِ الْقَلِيْلَ وَكُنْ كَاَنَّكَ لَمْ تَقُلْ وَنَقُوْلُ نَحْنُ كَاَنَّنَا لَمْ نَفْعَلْ

ترجمہ: (۱)...تم نے جلدی چاہی تو ہم سے جو بن پڑا ہم نے کیا اگر تم ہمیں کچھ مہلت دیتے تو ہم اس قدر تھوڑے پر اکتفا نہ کرتے۔

(۲)...یہ تھوڑا لے لو اور یوں سمجھو کہ تم نے کچھ نہیں کہا اور ہم یہ سمجھیں گے کہ ہم نے کچھ نہیں دیا۔

﴿32﴾...سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی سخاوت:

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ پر امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پچاس ہزار درہم قرض تھے، ایک دن امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ مسجد کی طرف تشریف لے جا رہے تھے کہ حضرت سیِّدُنا طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: آپ کا مال تیار ہے لے لیجئے۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: اے ابو محمد! وہ سب آپ کے ہوئے تاکہ آپ کو مروت (سخاوت) پر مدد حاصل ہو۔

﴿33﴾...سیِّدُنا طلحہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی سخاوت:

حضرت سیِّدَتُنا سُعدٰی بنتِ عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: میں حضرت سیِّدُنا طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے

پاس حاضر ہوئی تو میں نے ان کی طبیعت کو بوجھل دیکھ کر پوچھا: آپ کو کیا ہوا؟ انہوں نے فرمایا: میرے پاس مال جمع ہو گیا ہے جس کی وجہ سے میں غمگین ہوں۔ میں نے کہا: آپ کو غم کرنے کی کیا ضرورت ہے اپنی قوم کو بلا کر مال ان میں تقسیم فرمادیں۔ چنانچہ انہوں اپنے غلام کو بلایا اور اس سے کہا: میری قوم کو بلا لاؤ، پھر آپ نے وہ مال اپنی قوم میں تقسیم فرمادیا۔ میں نے خادم سے پوچھا: کتنا مال تھا؟ اس نے کہا چار لاکھ درہم۔

﴿34﴾... رشتہ داری کے نام پر تین لاکھ درہم عطا کر دیئے:

ایک اعرابی نے حضرت سیِّدُنا طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی رشتہ داری کے نام پر کچھ مانگا۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: مجھ سے رشتہ داری کے نام پر آج تک کسی نے کچھ نہیں مانگا، میری ایک زمین ہے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اس کے تین لاکھ درہم لگائے ہیں اگر چاہو تو اس زمین پر قبضہ کر لو اور اگر چاہو تو میں اسے امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے ہاتھ فروخت کر دیتا اور اس کی رقم تمہیں دے دیتا ہوں۔ اس نے کہا: مجھے رقم چاہئے۔ چنانچہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے وہ زمین امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو فروخت کر دی اور اس شخص کو نقد پیسے دے دیئے۔

﴿35﴾... سات روز سے مہمان نہ آنے پر رونا:

منقول ہے کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم رو پڑے، پوچھا گیا آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا: سات روز ہو گئے ہیں میرے پاس کوئی مہمان نہیں آیا مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے ذلیل و حقیر تو نہیں کر دیا۔

﴿36﴾... دوستی کی عمدہ مثال:

ایک شخص اپنے دوست کے پاس گیا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اس نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا: مجھ پر چار سو درہم قرض ہیں۔ اس نے چار سو درہم تول کر اس کے حوالے کر دیئے اور روتا ہوا واپس آیا۔ بیوی نے کہا: اگر تجھے ان درہموں سے تجھے اتنی محبت تھی تو دیئے کیوں؟ اس نے کہا: میں تو اس لئے رو رہا ہوں کہ مجھے اس کا حال اس کے بتائے بغیر کیوں معلوم نہ ہو سکا حتّٰی کہ وہ میرا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہوا۔

ان صفات سے متصف تمام لوگوں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت اور مغفرت ہو۔

بُخْل کی مَذَمَّت

بخل کے متعلق تین فرامینِ باری تعالیٰ:

﴿1﴾...اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾

(پ۲۸، التغابن: ۱۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اپنی جان کی لالچ سے بچایا گیا تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔

﴿2﴾...

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِؕ

(پ۴، آل عمران: ۱۸۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔

﴿3﴾...

اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖؕ

(پ۵، النسآء: ۳۷)

ترجمۂ کنزالایمان: جو آپ بخل کریں اور اوروں سے بخل کے لئے کہیں اور اللہ نے جو انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اُسے چھپائیں۔

بخل کی مذمت میں 24 فرامین مصطفےٰ:

﴿1﴾...بخل سے بچو کہ بخل نے اگلوں کو ہلاک کیا، اسی بخل نے اُنھیں خون بہانے اور حرام کو حلال ٹھہرانے پر آمادہ کیا۔[1]

﴿2﴾...بخل سے بچو کہ اس نے اگلوں کو ایک دوسرے کا خون بہانے پر ابھارا تو انہوں نے ایک دوسرے کا

[1]...مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، ص ۱۳۹۴، حدیث: ۲۵۷۸
مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی ذم البخل...الخ، ص ۱۶۲، حدیث: ۳۵۵

خون بہایا، حرام کو حلال سمجھا اور رشتہ داری کو کاٹا۔ [1]

﴿3﴾...لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بَخِيْلٌ وَّلَا خَبٌّ وَّلَا سَيِّئُ الْمَلَـكَةِ یعنی بخیل، دھوکے باز، خیانت کرنے والا اور بد اخلاق جنت میں نہیں جائیں گے۔ [2]

ایک روایت میں: ''سرکش''[3] اور ایک روایت میں ''احسان جتانے والے''[4] کا بھی ذکر ہے (کہ یہ دونوں بھی جنت میں نہیں جائیں گے)۔

﴿4﴾...ثَلَاثٌ مُّهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُّطَاعٌ وَّهَوًى مُّتَّبَعٌ وَّاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ یعنی تین چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں: (۱)...بخل جس کی پیروی کی جائے (۲)...نفسانی خواہش جس کی اطاعت کی جائے اور (۳)...انسان کا اپنے آپ کو اچھا جاننا۔ [5]

﴿5﴾...اِنَّ اللهَ يُبْغِضُ ثَلَاثَةً اَلشَّيْخَ الزَّانِيَ وَالْبَخِيْلَ الْمَنَّانَ وَالْمُعِيْلَ الْمُخْتَالَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ تین قسم کے لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے: (۱)...بوڑھا زانی (۲)...احسان جتانے والا بخیل اور (۳)...متکبر فقیر۔ [6]

گلے کا پھندا:

﴿6﴾...مال خرچ کرنے والے اور بخیل کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے جنہوں نے پورے سینے پر زرہ پہن رکھی ہے، مال خرچ کرنے والا جس قدر مال خرچ کرتا ہے اسی قدر زرہ کشادہ ہوتی چلی جاتی ہے حتّٰی کہ وہ اس کی انگلی کے پوروں کو بھی چھپا لیتی ہے اور بخیل جب مال خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی زرہ بلند ہوتی اور ہر گرہ اپنی جگہ تنگ ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے گلے کو بھی جکڑ لیتی ہے، وہ اسے ڈھیلا کرنا چاہتا ہے لیکن وہ ڈھیلی نہیں ہوتی۔ [7]

---

1 ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی ذم البخل... الخ، ص ۱٦٦، حدیث: ۳۵٦

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابی بکر الصدیق، ۱/ ۲۰، حدیث: ۱۳

3 ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی ذم البخل... الخ، ص ۱٦۸، حدیث: ۳٦۱

4 ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی ذم البخل... الخ، ص ۱٦۸، حدیث: ۳٦۲

5 ...شعب الایمان، باب فی الخوف من اللہ، ۱/ ۴۷۱، حدیث: ۷۴۵

6 ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی الزنامن التغلیظ، ص ۲۱۲، حدیث: ۵۰۵ بتغیر

7 ...مسلم، کتاب الزکاۃ، باب مثل المنفق والبخیل، ص ۵۱۰، حدیث: ۱۰۲۱

﴿7﴾... خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ: اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ یعنی مومن میں دو عادتیں جمع نہیں ہوتیں ایک بخل اور دوسری بداخلاقی۔[1]

﴿8﴾... اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ اَنْ اُرَدَّاِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں، بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور بڑھاپے کی انتہائی عمر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔[2]

﴿9﴾... ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہوگا اور فحش کلامی سے بچو کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ بے حیائی کے کام اور بے شرمی کی باتیں کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ بخل سے بچو کہ بخل نے اگلوں کو ہلاک کیا، اسی بخل نے اُنہیں جھوٹ پر ابھارا تو انہوں نے جھوٹ بولا، ظلم پر ابھارا تو انہوں نے ظلم کیا اور قطع رحمی پر ابھارا تو انہوں نے قطع رحمی کی۔[3]

﴿10﴾... شَرُّ مَا فِی الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ یعنی بخل کی زیادتی اور بزدلی کی شدت مرد کے بُرے اخلاق میں سے ہے۔[4]

﴿11﴾... رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانے میں ایک شخص شہید ہوگیا تو اس پر ایک خاتون رونے لگی اور روتے ہوئے کہا: ہائے رے شہید...! رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ شہید ہے، ہوسکتا ہے اس نے بے کار گفتگو کی ہو یا نہ گھٹنے والی چیز میں بخل کیا ہو۔[5][6]

﴿12﴾... حضرت سیِّدُنا جُبَیر بن مُطْعِم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ہم رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

1... سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی البخل، ۳/ ۳۸۷، حدیث: ۱۹۶۹

2... بخاری، کتاب الدعوات، باب التعوذ من البخل، ۴/ ۲۰۷، حدیث: ۶۳۶۵

3... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ۲/ ۶۲۲، حدیث: ۶۸۰۶

المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ۲/ ۶۳۰، حدیث: ۶۸۵۲ دون قولہ: امرھم بالکذب فکذبوا

4... سنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب الجرأة والجبن، ۳/ ۱۸، حدیث: ۲۵۱۱

5... المسند لابی یعلی، مسند ابی هریرة، ۵/ ۵۰۹، حدیث: ۶۶۱۵

6... مُفَسِّر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحۡمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد6، صفحہ 466 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ فوری جنتی ہونے کا فیصلہ کسی کے لئے نہیں کیا جاسکتا۔ ممکن ہے کہ اس شخص نے بے کار بات کرلی ہو یا مال یا علم میں بخل کیا ہو اس کے حساب میں گرفتار ہو جنت کا داخلہ اس کے حساب سے فراغت کے بعد میسر ہو۔

کے ہمراہ جا رہے تھے اور آپ کے ساتھ کچھ لوگ تھے جو خیبر[1] سے لوٹ رہے تھے۔ راستے میں دیہاتی لوگ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مانگتے ہوئے چمٹ گئے یہاں تک کہ وہ آپ کو ایک کانٹے دار درخت کی طرف لے گئے، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مبارک چادر درخت سے الجھ گئی تو آپ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے: مجھے میری چادر دے دو، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر میرے پاس ان خار دار درختوں کی تعداد کے برابر جانور ہوتے تو میں تم میں تقسیم کر دیتا پھر تم مجھے نہ تو کنجوس پاتے، نہ جھوٹ بولنے والا اور نہ بزدل۔[2]

﴿13﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ ساقیِ کوثر، قاسمِ نعمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کچھ مال تقسیم فرمایا تو میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ان لوگوں نے میرے بارے میں دو چیزوں کو اختیار کیا ہوا ہے یا تو مجھ سے بے حیائی سے سوال کرتے ہیں یا مجھے بخیل قرار دیتے ہیں اور میں بخیل نہیں ہوں۔[3]

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے بخل سے منع فرمایا ہے:

﴿14﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: دو آدمی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ایک اونٹ کی قیمت مانگی۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں دو دینار عطا فرمائے، جب وہ آپ کے پاس سے نکلے تو راستے میں حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے ملاقات ہو گئی، انہوں نے رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے حُسنِ سلوک کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔ حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان دونوں کی بات آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو بتائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے فلاں کو 10 سے 100 کے درمیان دینار دیئے لیکن اس نے تو ایسی بات نہیں کہی، تم میں

1... بخاری شریف میں "حُنَین" کا ذکر ہے۔

2... بخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب الشجاعة فی الحرب والجبن، ۲/ ۲۶۰، حدیث: ۲۸۲۱

3... مسلم، کتاب الزکاة، باب اعطاء من سال بفحش وغلظة، ص ۵۲۳، حدیث: ۱۰۵۶

کوئی مجھ سے کچھ مانگتا اور اپنی منہ مانگی مراد بغل میں لئے چلتا بنتا ہے حالانکہ وہ آگ ہوتی ہے۔ حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے عرض کی: اگر وہ آگ ہے تو آپ انہیں کیوں دیتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: وہ مجھ سے مانگے بغیر نہیں رہتے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے بخل سے منع فرمایا ہے (اس لئے میں انہیں عطا کر دیتا ہوں)۔ [1]

﴿15﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: سخیوں کے داتا، بے کسوں کے آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: سخاوت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جُود و کرم سے ہے تم سخاوت کرو تاکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر کَرَم فرمائے! سنو! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے سخاوت کو پیدا فرمایا پھر اسے ایک مرد کی شکل دی اور اس کی جڑ کو طُوبیٰ درخت کی جڑ میں راسخ کیا اور طوبیٰ درخت کی ٹہنیوں کو سِدْرَۃُ الْمُنْتَہٰی کی ٹہنیوں سے باندھ دیا اور پھر اس کی بعض شاخوں کو دنیا کی طرف جھکا دیا تو جو آدمی اس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔ سنو! بے شک سخاوت ایمان سے ہے اور اہْلِ ایمان جنَّت میں ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بخل کو اپنے غضب سے پیدا کیا اور اس کی جڑ کو تھوہڑ کے درخت کی جڑ میں راسخ کیا اور اس کی بعض شاخوں کو زمین کی طرف جھکا دیا تو جو شخص اس کی کسی ٹہنی کو پکڑ لیتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے جہنم میں داخل فرما دیتا ہے، سنو! بخل کفر (یعنی ناشکری) ہے اور ناشکری جہنم میں لے جانے والی ہے۔ [2]

﴿16﴾... سخاوت جنت میں اُگنے والا ایک درخت ہے، لہٰذا سخی جنت میں جائے گا، بخل جہنم میں اُگنے والا ایک درخت ہے، لہٰذا بخیل جہنم میں جائے گا۔ [3]

﴿17﴾... حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: رحیم وکریم آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بنو لحیان کے وَفْد سے پوچھا: تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے کہا: جَدّ بن قیس ہمارے سردار ہیں مگر ان میں بخل ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بخل سے بڑی کونسی بیماری ہے، تمہارا سردار اب عَمْرو بن جَمُوح ہے۔ [4]

1... المستدرک، کتاب الایمان، ۱/ ۲۱۴، حدیث: ۱۵۰، ۱۵۱

2... کنز العمال، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی فی السخاء والصدقۃ، ۶/ ۱۲۹، حدیث: ۱۶۲۱۳

3... کنز العمال، کتاب الزکاۃ، الباب الثانی فی السخاء والصدقۃ، ۶/ ۱۲۸، حدیث: ۱۶۲۰۳

4... المعجم الصغیر، ۱/ ۱۱۵، حدیث: ۳۱۸

﴿18﴾...ایک روایت میں ہے کہ بنو لحیان نے کہا: ہمارے سردار جد بن قیس ہیں۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: تم نے ان کو کس وجہ سے سردار بنایا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ ہم میں سے زیادہ مال دار ہیں مگر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان میں بخل ہے۔ سرکارِ مکۂ مکرمہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بخل سے بڑھ کر کونسی بیماری ہے وہ اب تمہارا سردار نہیں ہے۔ انہوں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! پھر کون ہمارا سردار ہے؟ ارشاد فرمایا: تمہارا سردار بِشر بن بَراء ہے۔[1]

﴿19﴾...اِنَّ اللّٰہَ یَبْغَضُ الْبَخِیْلَ فِیْ حَیَاتِہِ السَّخِیَّ عِنْدَ مَوْتِہِ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس شخص کو ناپسند فرماتا ہے جو زندگی بھر بخل اور مرتے وقت سخاوت کرے۔[2]

﴿20﴾...اَلسَّخِیُّ الْجَہُوْلُ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنَ الْعَابِدِ الْبَخِیْلِ یعنی جاہل سخی اللہ عَزَّوَجَلَّ کو عبادت گزار بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔[3]

﴿21﴾...اَلشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ یعنی کسی بندے کے دل میں بخل اور ایمان جمع نہیں ہوسکتے۔[4]

﴿22﴾...خَصْلَتَانِ لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ یعنی دو عادتیں کسی مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں: (۱)...بخل اور (۲)...بداخلاقی۔[5]

﴿23﴾...لَا یَنْبَغِیْ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّکُوْنَ بَخِیْلًا وَّلَا جَبَانًا یعنی مومن کو بخیل اور بزدل نہیں ہونا چاہئے۔

﴿24﴾... تم کہتے ہو لالچی کا عذر ظالم سے زیادہ قابل قبول ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک لالچ سے بڑھ کر بھی کوئی ظلم ہے؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت، عظمت اور جلال کی قسم! لالچی اور بخیل جنت میں داخل نہیں ہوگا۔[6]

---

1 ...المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، بشر بن البراء بن معرور، ۴/ ۲۳۲، حدیث: ۵۰۱۸ عن بنی سلمۃ
المعجم الکبیر، ۱۹/ ۸۱، حدیث: ۱۶۳ عن کعب بن مالک۔

2 ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الثانی فی الاخلاق والافعال المذمومۃ، ۳/ ۱۸۰، حدیث: ۷۳۷۳

3 ...شعب الایمان، باب فی الجود والسخاء، ۷/ ۴۲۸، حدیث: ۱۰۸۴۷
سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی السخاء، ۳/ ۳۸۷، حدیث: ۱۹۶۸

4 ...سنن النسائی، کتاب الجہاد، باب فضل من عمل فی سبیل اللّٰہ...الخ، ص ۵۰۵، حدیث: ۳۱۰۸

5 ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی البخل، ۳/ ۳۸۷، حدیث: ۱۹۶۹

6 ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الثانی فی الاخلاق والافعال المذمومۃ، ۳/ ۱۸۲، حدیث: ۷۴۰۴

ایک روایت میں ہے کہ حضور سرورِ کونین، رحمتِ دارین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم خانہ کعبہ کا طواف کررہے تھے کہ ایک شخص خانہ کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا کہہ رہا تھا: اس گھر کی حُرمت کے صدقے میرے گناہ بخش دے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مجھے بتاؤ تمہارا گناہ کیا ہے؟ اس نے کہا: وہ اتنا سنگین ہے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ ارشاد فرمایا: تمہیں کیا ہوگیا ہے تمہارا گناہ زیادہ بڑا ہے یا (ساتوں) زمینیں؟ اس نے کہا: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرا گناہ زیادہ بڑا ہے۔ فرمایا: تمہارا گناہ زیادہ بڑا ہے یا پہاڑ؟ اس نے کہا: میرا گناہ زیادہ بڑا ہے۔ فرمایا: تمہارا گناہ زیادہ بڑا ہے یا سمندر؟ اس نے کہا: میرا گناہ زیادہ بڑا ہے۔ ارشاد فرمایا: تیرا گناہ زیادہ بڑا ہے یا آسمان؟ اس نے کہا: میرا گناہ زیادہ بڑا ہے۔ ارشاد فرمایا: تیرا گناہ زیادہ بڑا ہے یا اللہ عَزَّوَجَلَّ؟ اس نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ بہت بڑا اور بہت بلند ہے۔ ارشاد فرمایا: اپنا گناہ بیان کرو۔ اس نے کہا: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں ایک صاحبِ ثروت اور مال دار آدمی ہوں اور جب کوئی سوالی مجھ سے مانگتا ہے تو مجھے لگتا ہے گویا وہ آگ کا شعلہ میری طرف بڑھا رہا ہے۔ جناب سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مجھ سے دور ہو جا اور مجھے اپنی آگ سے نہ جلا! اس ذات کی قسم جس نے مجھے ہدایت اور عزت کے ساتھ بھیجا ہے اگر تم حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر 20 لاکھ سال تک نماز پڑھو پھر روتے رہو یہاں تک کہ تمہارے آنسوؤں سے نہریں جاری ہو جائیں اور درخت ان سے سیراب ہوں پھر اسی بخل کی حالت میں تمہیں موت آجائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اوندھے منہ تمہیں دوزخ میں ڈال دے گا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بخل کفر (ناشکری) ہے اور کافر (ناشکرا) جہنم میں جائے گا، کیا تمہیں خبر نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے[1]:

وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ (پ۲۶، محمد: ۳۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو بخل کرے وہ اپنی ہی جان پر بخل کرتا ہے۔

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ارشاد ہے:

وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو

---

[1] ... عُلَما نے لکھا ہے کہ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

اَلْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾ (پ۲۸، الحشر: ۹) وہی کامیاب ہیں۔

بخل کے متعلق 20 اقوال بزرگان دین:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جَنَّتِ عَدْن کو بنایا تو اس سے فرمایا: آراستہ ہو جا، وہ آراستہ ہو گئی، پھر اس سے فرمایا: اپنی نہروں کو ظاہر کر، اس نے سلسبیل، کافور اور تسنیم کے چشمے ظاہر کئے تو ان سے جنتوں میں شراب، شہد اور دودھ کی نہریں جاری ہو گئیں۔ پھر فرمایا: اپنے تخت، پازیب، کرسی، زیور، لباس اور حُور عِین ظاہر کر۔ اس نے ظاہر کر دیئے۔ پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کی طرف نظر کی اور فرمایا: کلام کر۔ اس نے عرض کی: خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جو مجھ میں داخل ہو گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: مجھے اپنی عزت کی قسم! میں کسی بخیل کو تجھ میں جگہ نہ دوں گا۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کی بہن حضرت سیِّدَتُنا اُمُّ الْبَنِیْن رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہَا فرماتی ہیں: بخیل پر افسوس ہے اگر بخل قمیص ہوتی تو میں اسے نہ پہنتی اور اگر بخل راستہ ہوتا تو میں اس پر نہ چلتی۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا طلحہ بن عبید اللہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ہم اپنے مالوں کو خرچ کر کے اسی طرح تکلیف اٹھاتے ہیں جس طرح بخیل اٹھاتے ہیں لیکن ہم اس پر صبر کرتے ہیں (جبکہ بخیل اس پر صبر نہیں کرتے)۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا محمد بن مُنْکَدِر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی قوم کو برائی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو ان کے برے لوگوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے اور ان کا رزق بخیلوں کے ہاتھ میں رکھ دیتا ہے۔

﴿5﴾... امیر المومنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: عنقریب لوگوں پر ایک ایسا سخت زمانہ آئے گا جس میں مال دار لوگ اپنا مال مضبوطی سے پکڑ لیں گے حالانکہ انہیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ ؕ (پ۲، البقرۃ: ۲۳۷) ترجمۂ کنز الایمان: اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کو بھلا نہ دو۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا عبدُ الله بن عَمْرو رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: شُح (حرص) بُخْل سے زیادہ برا ہے کیونکہ شَحِیح (حریص) وہ ہوتا ہے جو اس بات کی حرص رکھتا ہے کہ دوسرے کا مال بھی اسے مل جائے اور اپنا مال بھی خرچ نہ کرنا پڑے جبکہ بَخِیل صرف اپنے مال میں ہی بُخْل کرتا ہے۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا امام شَعْبِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ القَوِی فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ بُخْل اور جھوٹ میں سے کون سا عمل جہنم کی زیادہ گہرائی میں لے جانے والا ہے۔

منقول ہے کہ (فارس کے بادشاہ) نوشیرواں کے پاس دو دانشور آئے جن میں ایک ہندوستانی اور دوسرا رومی تھا۔ نوشیرواں نے ہندوستانی دانشور سے کچھ کہنے کو کہا، اس نے کہا: لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو سخی ہو، غصے کی حالت میں تَحَمُّل مِزاج ہو، گفتگو میں ٹھہراؤ ہو اور بلند مرتبہ ہونے کے باوُجود عاجزی کرنے والا ہو نیز تمام رشتہ داروں سے شفقت سے پیش آنے والا ہو۔ رُومی دانشور کھڑا ہوا اور کہا: جو بَخِیل ہوتا ہے اس کا دشمن اس کے مال کا وارث بن جاتا ہے، جس نے شکر نہیں کیا وہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا، جھوٹا قابلِ مذمت ہوتا ہے، چغل خور محتاجی کی حالت میں مرتا ہے اور جو رحم نہیں کرتا اس پر بے رحم مُسَلَّط کر دیا جاتا ہے۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا ضَحّاک عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الرَّزَّاق نے الله عَزَّوَجَلَّ کے اس ارشاد: اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا [1] کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے بُخْل مراد ہے کہ الله عَزَّوَجَلَّ نے ان لوگوں کے ہاتھوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے سے روکا ہوا ہے، لہٰذا انہیں ہدایت کی راہ نہیں ملتی۔

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا کَعْبُ الْاَحبار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ الغَفَّار فرماتے ہیں: ہر صُبْح پر دو فرشتے مُقَرَّر ہیں جو پُکار کر کہتے ہیں: اے الله عَزَّوَجَلَّ! روک کر رکھنے والے کا مال جلد ضائع فرما اور خرچ کرنے والے کو جلد اس کا بدلہ عطا فرما۔

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا اَصْمَعِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللهِ القَوِی فرماتے ہیں: میں نے ایک اَعرابی کو کسی شخص کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں میری نظروں سے گر گیا ہے کیونکہ اس کی نظر میں دنیا کی وَقْعت ہے اور جب وہ کسی سائل کو اپنے سامنے دیکھتا ہے تو اسے لگتا ہے جیسے موت کا فرِشتہ اس کے سامنے آ گیا ہو۔

﴿12﴾... حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: میرے نزدیک کسی بَخِیل کو عادل کہنا

---

[1]... ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیئے ہیں۔ (پ۲۲، یٰس: ۸)

درست نہیں کیونکہ وہ انتہائی چھان بین کرتا ہے اور نقصان کے اندیشہ سے اپنے حق سے زیادہ لیتا ہے اور جو شخص اس قسم کا ہو وہ امین نہیں ہو سکتا۔

﴿13﴾... حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! سخی کبھی اپنا کامل حق نہیں لیتا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍۚ ترجمۂ کنز الایمان: نبی نے اسے کچھ جتایا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی۔

(پ۲۸، التحریم: ۳)

﴿14﴾... جاحِظ نے کہا ہے: لذتیں تو صرف تین ہی رہ گئی ہیں: (۱)... بخیل لوگوں کی مذمت (۲)... دھوپ میں سکھایا ہوا گوشت کھانا اور (۳)... خارش زدہ جسم کھجانا۔

﴿15﴾... حضرت سیِّدُنا بِشر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: بخیل کی غیبت، غیبت نہیں ہے کیونکہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے (ایک شخص کی غیر موجودگی میں) فرمایا: اِنَّكَ اِذَنْ لَبَخِیْلٌ یعنی یقیناً پھر تو وہ بخیل ہے۔

﴿16﴾... شہنشاہِ ابرار، شفیعِ روزِ شُمار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سامنے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے ایک عورت کی تعریف کرتے ہوئے عرض کی: وہ بہت روزے رکھنے والی اور شب بیداری کرنے والی ہے لیکن اس میں بخل ہے۔ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: پھر تو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔[1]

﴿17﴾... حضرت سیِّدُنا بِشر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: بخیل کو دیکھنے سے دل سخت ہوتا ہے اور بخیل لوگوں سے ملاقات مؤمنین کے دلوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔

﴿18﴾... حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی فرماتے ہیں: سخیوں کے بارے میں دل میں محبت ہی ہوتی ہے اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہوں جبکہ بخیل لوگوں سے نفرت اور عداوت ہی ہوتی ہے اگرچہ وہ نیک ہوں۔

﴿19﴾... اِبنِ مُعْتَز کا قول ہے: جو شخص مال کے معاملے میں جتنا زیادہ بخیل ہوتا ہے اتنا ہی اپنی عزت کے معاملے میں سخی ہوتا ہے (یعنی اسے اپنی عزت کی پروا نہیں ہوتی)۔

﴿20﴾... حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن زکریا عَلَیْہِمَا السَّلَام نے شیطان کو اس کی اصلی صورت میں دیکھا تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام

---

1 ...شعب الایمان، باب فی الجود والسخاء، ۷/ ۴۳۲، حدیث: ۱۰۹۱۲

نے فرمایا: اے شیطان! مجھے یہ بتا تجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے اور کس سے تجھے سب سے زیادہ نفرت ہے؟ شیطان نے کہا: مجھے بخیل مومن لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے اور میں فاسق سخی سے سب سے زیادہ نفرت کرتا ہوں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے پوچھا: کیوں؟ شیطان نے کہا: کیونکہ بخیل کا بخل مجھے کافی ہے جبکہ فاسق سخی کے بارے میں مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی سخاوت کو قبول نہ کرلے، پھر شیطان نے پیٹھ پھیری اور یہ کہتے ہوئے چل دیا: اگر آپ یحییٰ (عَلَیْہِ السَّلَام) نہ ہوتے تو میں آپ کو اس کی خبر نہ دیتا۔

بخیلوں کی آٹھ حکایات

(1)... موت تو قبول ہے لیکن قے نہیں کروں گا:

منقول ہے کہ بصرہ میں ایک مال دار بخیل تھا، ایک مرتبہ اس کے ایک پڑوسی نے اس کی دعوت کی اور اس کے سامنے انڈوں سمیت بھنا ہوا گوشت رکھا اس نے اس میں سے بہت زیادہ کھالیا اور پھر اس پر پانی بھی پی لیا چنانچہ اس کا پیٹ پھول گیا اور وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہو گیا اور موت اس کے سر پر منڈلانے لگی حتّٰی کہ وہ تکلیف کے باعث پیچ و تاب کھانے لگا، جب معاملہ زیادہ بگڑ گیا تو طبیب کو بلایا گیا، اس نے کہا: گھبرانے کی کوئی بات نہیں جو کچھ کھایا ہے اسے قے کر دو۔ یہ سن کر اس مال دار بخیل نے کہا: ہائے افسوس! انڈوں کے ساتھ کھائے ہوئے اس عُمدہ بھنے ہوئے گوشت کو میں کیسے قے کروں؟ مجھے موت تو قبول ہے لیکن میں قے نہیں کروں گا۔

(2)... اِنجیر کا ذکر کہاں ہے؟

ایک دیہاتی کسی شخص کو تلاش کر رہا تھا جبکہ وہ شخص اپنے سامنے انجیر رکھے بیٹھا تھا، دیہاتی کو آتا دیکھ کر اس شخص نے انجیر پر اپنی چادر ڈال دی۔ دیہاتی اس کے پاس آکر بیٹھ گیا اس شخص نے دیہاتی سے کہا: کیا تم قرآن پاک سے کچھ پڑھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: کیوں نہیں، چنانچہ اس نے پڑھا: وَالزَّیْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ﴿۲﴾ [1] اس شخص نے پوچھا: اس میں انجیر کا ذکر کہاں ہے (یعنی "وَالتِّیْنِ" کیوں نہیں پڑھا)۔ دیہاتی نے کہا: وہ تمہاری

---

[1] ... ترجمۂ کنزالایمان: اور زیتون اور طور سینا (کی قسم)۔ (پ۳۰، التین: ۱، ۲)

چادر کے نیچے ہے۔[1]

﴿3﴾... گوشت بھننے کی آواز:

ایک شخص نے اپنے کسی دوست کو بلایا لیکن اسے کھانے کو کچھ نہ دیا بیٹھے بیٹھے عصر کا وقت ہو گیا یہاں تک کہ اسے شدید بھوک لگ گئی اور اس پر جُنونی کیفیت طاری ہو گئی۔ میزبان نے سِتار (گٹار) لیا اور دوست سے کہا: تم کون سی آواز سننا پسند کرو گے؟ اس نے کہا: گوشت بھننے کی آواز۔

﴿4﴾... چار انگل کا دستر خوان:

منقول ہے کہ محمد بن یحییٰ بن خالد برمکی انتہائی بخیل آدمی تھا، ایک مرتبہ کسی نے اس کے ایک قریبی واقف کار سے کہا: مجھے محمد بن یحییٰ برمکی کے دستر خوان کے بارے میں بتاؤ۔ اس نے کہا: اس کے دستر خوان کی وُسعت چار اُنگل ہے اور اس کے پیالے اس قدر چھوٹے ہیں گویا خَشخاش کے دانوں سے بنائے گئے ہیں۔ سائل نے پوچھا: اس کے پاس کون آتا ہے؟ اس نے کہا: کراماً کاتبین (اعمال لکھنے والے فرشتے)۔ سائل نے کہا: کیا اس کے ساتھ کوئی کھانا بھی کھاتا ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! مکھیاں اس کے ساتھ کھاتی ہیں۔ سائل نے کہا: تم اس کے خاصے قریبی ہو لیکن اس کے باوجود تمہاری بدحالی عیاں ہے اور تمہارے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میرے پاس تو سُوئی بھی نہیں ہے جس سے میں سلائی کر لوں۔ اگر محمد بن یحییٰ برمکی کو بغداد سے نوبہ (سوڈان کے ایک علاقہ) تک سوئیوں سے بھرے ہوئے گھر کا مالک کر دیا جائے اور پھر حضرت سیِّدُنا یعقوب عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام حضرت سیِّدُنا جبریل اور میکائیل عَلَیْہِمَا السَّلَام کو ہمراہ لے کر حضرت سیِّدُنا یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کی وہ قمیص سینے کے لئے سوئی مانگیں جو پیچھے سے چاک ہو گئی تھی تو وہ پھر بھی سوئی نہیں دے گا۔

﴿5﴾... ایک سری میں کئی مزے:

منقول ہے کہ مَروان بن اَبِی حَفْصَہ بُخل کی وجہ سے گوشت نہیں کھاتا تھا اور جب اس کا گوشت کھانے

---

[1]... عربی میں انجیر کو "تین" کہتے ہیں۔

کو جی چاہتا تو وہ اپنے غلام کو بازار بھیج کر سری منگواتا اور اسے کھالیتا۔ اس سے کہا گیا: ہم تمہیں سردی، گرمی میں سری کھاتا ہوا ہی دیکھتے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ مروان نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اس کی قیمت معلوم ہے لہٰذا میں غلام کی خیانت سے محفوظ رہتا ہوں اور وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا اور یہ ایسا گوشت ہے کہ غلام اسے پکاتے وقت اس میں سے کھا نہیں سکتا کیونکہ اگر وہ اس کی آنکھ، کان یا چہرے میں سے کھائے گا تو مجھے اس کا علم ہوجائے گا پھر یہ کہ اس میں سے مجھے مختلف ذائقے حاصل ہوتے ہیں آنکھ کا مزہ الگ ہے، کان کا ذائقہ جدا ہے، زبان کی لذت مختلف ہے اس کی گُدی اور دماغ کے ذائقے بھی جدا جدا ہیں اور میں اس کے پکانے کی مُشَقَّت سے بھی چھٹکارے میں رہتا ہوں تو اس میں بیک وقت میرے لئے کئی آسانیاں ہیں۔

﴿6﴾...چار دانق:

ایک دفعہ مَروان بن اَبِی حَفْصَہ خلیفہ مہدی کے پاس جانے لگا تو اس کے گھر کی ایک عورت نے کہا: اگر خلیفہ نے آپ کو انعام دیا تو آپ مجھے کیا دیں گے؟ اس نے کہا: اگر مجھے ایک لاکھ ملے تو تجھے ایک درہم دوں گا۔ چنانچہ اسے 60 ہزار درہم ملے تو اس نے اسے چار دانق دیئے (ایک دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے)۔

﴿7﴾...ایک دانق کا نقصان:

ایک مرتبہ مَروان بن اَبِی حَفْصَہ نے ایک درہم کا گوشت خریدا اتفاق سے اسی دن اس کے دوست نے اس کی دعوت کردی تو اس نے گوشت قصاب کو واپس کردیا اور ایک دانق کا نقصان اٹھایا اور کہنے لگا: مجھے فضول خرچی پسند نہیں ہے۔

﴿8﴾...وعدے کا پکا بخیل:

حضرت سیِّدُنا امام اَعْمَش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا ایک پڑوسی تھا جو آپ کو برابر اپنے گھر آنے کی دعوت دیتا اور کہتا: اگر آپ میرے گھر تشریف لائیں تو میں آپ کو نمک کے ساتھ روٹی پیش کروں گا لیکن حضرت سیِّدُنا امام اعمش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ہمیشہ معذرت کرلیتے۔ آخر ایک دن اس نے آپ کو پیشکش کی تو اتفاق سے اس وقت آپ کو بھوک بھی لگی ہوئی تھی، آپ نے اس کی دعوت قبول کرلی، جب آپ اس کے گھر میں

داخل ہوئے تو اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا اور نمک پیش کیا اتنے میں ایک سائل آگیا تو میزبان نے کہا: معاف کرو، اس نے پھر سوال کیا تو میزبان نے پھر کہا: معاف کرو۔ جب تیسری مرتبہ سوال کیا تو میزبان نے کہا: جاتے ہو یا ڈنڈا لے کر آؤں۔ حضرت سیِّدُنا امام اعمش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے یہ دیکھ کر سائل کو آواز دی بھائی چلے جاؤ میں نے اس شخص سے زیادہ کسی کو وعدے کا پابند نہیں دیکھا یہ ایک مدت سے مجھے روٹی کے ٹکڑے اور نمک کی دعوت دیتا رہا، بخدا! اس نے اس میں ذرہ بھر اضافہ نہیں کیا۔

آٹھویں فصل: ایثار اور اس کی فضیلت

سخاوت اور بخل کے بہت سے دَرَجات ہیں، سخاوت میں سب سے اعلیٰ درجہ ایثار ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنی ضرورت کا مال دوسرے پر خرچ کر دینا جبکہ ضرورت یا ضرورت سے زائد مال خرچ کرنا مطلق سخاوت کہلاتا ہے اور حاجت کے باوجود خرچ کرنا انتہائی دشوار عمل ہے، لہٰذا سخاوت کی انتہا یہ ہے کہ آدمی حاجت کے باوجود دوسروں پر سخاوت کرے اور بخل کی انتہا یہ ہے کہ ضرورت کے باوجود انسان اپنے پر بھی خرچ نہ کرے، کتنے ہی بخیل ایسے ہیں کہ وہ مال روک کر رکھتے ہیں بیمار ہوتے ہیں تو دوائی نہیں لیتے۔ کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے تو صرف اس لئے اسے پورا نہیں کرتے کہ پیسہ خرچ کرنا پڑے گا لہٰذا بخل سے کام لیتے ہیں اور اگر وہی چیز انہیں مفت میں مل جائے تو ضرور کھالیتے ہیں۔ ایک طرف بخیل ہے جو حاجت کے باوجود اپنے اوپر خرچ نہیں کرتا اور دوسری طرف وہ شخص ہے جو حاجت مند ہونے کے باوجود بھی دوسرے کو اپنے پر ترجیح دیتا ہے تو دیکھئے دونوں میں کتنا فرق ہے! یقیناً اچھے اخلاق اللہ عَزَّوَجَلَّ کا عطیہ ہیں وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

سخاوت میں ایثار سے بڑھ کر کوئی درجہ نہیں ہے اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ (پ۲۸، الحشر: ۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔

رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اَیُّمَا امْرَءٍ اِشْتَھٰی شَھْوَۃً فَرَدَّ شَھْوَتَہٗ وَاٰثَرَ عَلٰی نَفْسِہٖ غُفِرَ لَہٗ یعنی جو شخص کسی چیز کی خواہش کرے اور پھر اپنی خواہش کو ترک کردے اور دوسرے کو اپنے پر ترجیح دے تو

اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی مغفرت فرمادیتا ہے۔[1]

اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: رسولِ خدا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے وِصالِ ظاہری تک کبھی متواتر تین دن تک سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا اگر ہم چاہتے تو سیر ہو کر کھا سکتے تھے لیکن ہم دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے۔[2]

ایک اَنصاری صحابی رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا اِیثار:

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے یہاں ایک مہمان آیا، گھر میں اس وقت مہمان کی ضِیافت کے لئے کچھ موجود نہ تھا۔ اسی دوران ایک اَنصاری آئے اور مہمان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر بیوی کو چراغ بجھانے کا حکم دے دیا، خود کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے رہے گویا کھا رہے ہوں حالانکہ کھا نہیں رہے تھے یہاں تک کہ مہمان سیر ہو گیا۔ جب صبح ہوئی تو رحیم و کریم آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تمہاری رات کی مہمان نوازی اللہ عَزَّوَجَلَّ کو بہت پسند آئی ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی ہے:

وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴿۟﴾ (پ۲۸، الحشر: ۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انھیں شدید محتاجی ہو۔[3]

تیرے خُلق کو حق نے عظیم کہا:

سخاوت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اخلاق میں سے ایک خُلق ہے اور ایثار، سخاوت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور رسولِ اَکرم، نورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عادتِ مُبارکہ بھی ہے حتّٰی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے خُلق کو عظیم فرمایا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

1 ... کنز العمال، کتاب المواعظ والرقائق ... الخ، الباب الاول فی المواعظ والترغیبات، ۱۵/ ۳۳۲، حدیث: ۴۳۱۰۵

2 ... بخاری، کتاب الاطعمة، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه ... الخ، ۳/ ۵۳۲، حدیث: ۵۴۱۶ مختصرًا

3 ... بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ویؤثرون علی انفسهم ... الخ، ۲/ ۵۵۹، حدیث: ۳۷۹۸

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ۝۴ (پ۲۹، القلم: ۴) ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے۔

من پسند جنتی ٹھکانا حاصل کرنے کا نسخۂ کیمیا:

حضرت سیِّدُنا سَہْل بن عبداللہ تُسْتَری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے حضرت سیِّدُنا محمد مصطفےٰ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور آپ کی امت کے بعض دَرَجات دکھا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! آپ اس کی تاب تو نہیں لاسکتے مگر میں آپ کو ان کی منازل میں سے ایک عظیم و جلیل منزل دکھاتا ہوں جس کے ذریعے میں نے اپنے محبوب کو آپ پر اور تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔ حضرت سیِّدُنا سہل رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام کی نگاہوں کے سامنے سے آسمانی سلطنتوں کے پردے اٹھائے گئے تو آپ نے ایک منزل کو دیکھا قریب تھا کہ بارگاہِ الٰہی سے اس کے قریب ہونے اور اس کے انوار و تجلیات کی وجہ سے آپ کی جان نکل جاتی۔ آپ نے عرض کی: اے رب عَزَّوَجَلَّ! کس وجہ سے وہ اس عظیم مرتبے تک پہنچے ہیں؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ایک ایسے وَصْف کی وجہ سے جو میں نے انہی کے ساتھ خاص رکھا ہے اور وہ ایثار ہے۔ اے موسیٰ! جس نے زندگی میں ایک مرتبہ بھی ایثار کیا مجھے اس سے حساب لینے میں حیا آتی ہے اور میں اپنی جنت میں اسے وہاں جگہ دوں گا جہاں وہ چاہے گا۔

حکایت: نوکر مالک بن گیا

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن جعفر رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه اپنی کسی زمین کو دیکھنے نکلے راستے میں ایک باغ سے گزرے تو آپ نے دیکھا وہاں ایک سیاہ فام غلام کام کر رہا ہے جب اس کا کھانا آیا تو اسی وقت ایک کتا بھی باغ میں داخل ہوا اور غلام کے قریب ہو گیا، غلام نے ایک روٹی اس کے سامنے ڈال دی، کتے نے وہ کھالی پھر دوسری ڈالی تو وہ بھی اس نے کھالی غلام نے تیسری روٹی بھی ڈال دی تو کتا وہ بھی کھا گیا۔ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن جعفر رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه یہ سب کچھ مُلاحظہ فرما رہے تھے آپ نے فرمایا: اے غلام! تمہیں دن میں کتنا کھانا ملتا ہے؟ اس نے کہا: وہی کچھ جو آپ نے دیکھا۔ پوچھا: تم نے اس کتے کو کیوں ترجیح دی؟ اس نے کہا: اس علاقے میں کتے نہیں ہوتے یہ کہیں دور سے آیا ہے اور بھوکا ہے، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ

میں سیر ہو کر کھاؤں اور یہ بھوکا رہے۔ آپ نے فرمایا: تم آج کیا کرو گے؟ اس نے کہا: بھوکا رہوں گا۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے سوچا میں اسے سخاوت پر ملامت کر رہا ہوں جبکہ یہ غلام تو مجھ سے بھی زیادہ سخی ہے چنانچہ آپ نے باغ، باغ کے آلات اور غلام سب خرید لیا، غلام کو آزاد کیا اور سب کچھ اسی کو دے دیا۔

ایک سری سات گھروں میں:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ایک صحابی کو بکری کی ایک سری تحفہ پیش کی گئی تو انہوں نے سوچا میرے فُلاں بھائی کو اس کی زیادہ ضرورت ہے چنانچہ انہوں نے وہ سری اس کی طرف بھیج دی، اس نے بھی یہی سوچ کر آگے بھیج دی حتّٰی کہ وہ سری سات گھروں میں گھومتی ہوئی پھر پہلے والے کے پاس لوٹ آئی۔

سیِّدُنا علی رَضِیَ اللہُ عَنْہ کا اپنی جان ایثار کرنا:

ہجرت کے موقع جب حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم آقائے دوجہاں، رحمتِ عالمیاں صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بستر مبارک پر آرام فرما ہوئے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا جبرائیلِ امین اور حضرت سیِّدُنا میکائیل عَلَیْہِمَا السَّلَام کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ قائم کر دیا ہے اور تم دونوں میں سے ایک کی عمر کو دوسرے سے بڑھا دیا ہے، اب تم میں سے کون ہے جو اپنی زندگی کو دوسرے پر ایثار کرے؟ تو ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی کو ترجیح دی اور اسے اپنے ہی لئے پسند کیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان دونوں کی طرف وحی فرمائی: کیا تم دونوں علی بن ابی طالب جیسے بھی نہ ہو سکے کہ میں نے ان کے اور اپنے نبی محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تو وہ نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بستر پر سو گئے اور اپنی زندگی کو ان کی زندگی پر قربان کر دیا۔ تم دونوں زمین پر جاؤ اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرو۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام آپ کے سرہانے اور حضرت سیِّدُنا میکائیل عَلَیْہِ السَّلَام آپ کے پاؤں کی طرف آ پہنچے۔ حضرت سیِّدُنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام فرمانے لگے: واہ واہ اے ابن ابی طالب! آپ کی مثل کون ہو سکتا ہے؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ ملائکہ کے درمیان آپ پر فخر فرماتا ہے۔[1]

---

[1] ...تفسیر الثعلبی، ۲/ ۱۲۶، پ ۲، سورۃ البقرۃ: ۲۰۷

اسی سے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ (پ۲، البقرۃ:۲۰۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہنے میں اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

انوکھا ایثار:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابوالحسن اَنْطاکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْبَاقِی کے پاس (خُراسان کے ایک علاقے) رَے سے متصل ایک بستی کے تیس سے کچھ زائد افراد جمع ہوگئے۔ ان لوگوں کے پاس کچھ روٹیاں تھیں جو سب کو پوری نہیں ہوسکتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے روٹیوں کے ٹکڑے کر دیئے، چراغ بجھادیا اور کھانا کھانے کے لئے بیٹھ گئے جب دستر خوان کو اٹھایا جانے لگا تو دیکھا کہ دستر خوان پر کھانا جوں کا توں موجود ہے کہ ہر ایک نے اپنے ساتھی پر ایثار کرتے ہوئے اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔

سیِّدُنا امام شعبہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کا اِیثار:

مروی ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت سیِّدُنا امام شعبہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے پاس ایک سائل آیا، اس وقت آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے پاس کچھ نہ تھا، لہٰذا آپ نے گھر کی چھت سے ایک لکڑی نکال کر سائل کو دے دی اور ساتھ میں معذرت بھی کی۔

حکایت: مرتے ہوئے ایثار

حضرت سیِّدُنا ابو جَہْم بن حُذَیفہ عَدَوی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ[1] فرماتے ہیں: جنگ یرموک کے موقع پر میں اپنے چچازاد بھائی کو تلاش کر رہا تھا اور میرے پاس کچھ پانی تھا میں نے سوچا اگر ان میں زندگی کی کچھ رَمَق باقی ہوگی تو میں انہیں پانی پلاؤں گا اور ان کا (خون آلود) چہرہ دھوؤں گا میں نے انہیں زندہ پایا تو میں نے پوچھا: کیا آپ کو

1... یہ واقعہ اِحیاءُ الْعُلُوم کے تمام نسخوں میں حذیفہ عَدَوی سے مروی ہے جو کہ حضرت سیِّدُنا ابو جہم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے والد ہیں جن کا قبولِ اسلام معلوم نہیں، درست یہ ہے کہ یہ واقعہ ان کے والد سے نہیں بلکہ حضرت سیِّدُنا ابو جہم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے جیسا کہ "شعب الایمان" میں ہے۔

(اتحاف السادۃ المتقین، ۹/ ۸۳ ۷ وانظر شعب الایمان، باب فی الزکاۃ التی جعلھا اللہ، ۳/ ۲۶۰، حدیث: ۳۴۸۳)

پانی پلاؤں ؟ انہوں نے مجھے اشارے سے کہا: ہاں۔ اتنے میں ایک شخص کی کَراہنے کی آواز آئی میرے چچازاد بھائی نے اس کی جانب اشارہ کیا جب میں وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ حضرت سیِّدُنا ہِشام بن عاص رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تھے میں نے پوچھا: آپ کو پانی پلاؤں؟ اتنے میں کسی اور زخمی کی کراہنے کی آواز آئی انہوں نے اس کی اشارہ کیا جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا اس کا انتقال ہو چکا تھا، حضرت سیِّدُنا ہِشام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی طرف واپس لوٹا تو وہ بھی فوت ہو چکے تھے پھر میں اپنے چچازاد بھائی کی طرف آیا تو دیکھا کہ ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی، اللہ عَزَّوَجَلَّ ان تمام نُفُوسِ قُدسیہ پر رحمت نازل فرمائے۔[1]

مَرَضُ الْمَوت میں اِیثار:

حضرت سیِّدُنا عباس بن دِہقان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا بِشر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْکَافِی کے علاوہ کوئی شخص دنیا سے ایسے نہیں گیا جیسے آیا تھا۔ آپ مرض الموت میں مبتلا تھے کہ ایک شخص نے آکر سوال کیا آپ نے اپنی قمیص اتار کر اسے دے دی اور اپنے لئے ادھار کپڑا لے لیا پھر اسی میں انتقال فرمایا۔

ایک کتے کا ایثار:

بعض صوفیا سے منقول ہے کہ ہم (ملک شام کے ایک علاقے) طَرَسُوس میں تھے تو ہم میں سے ایک جماعت مُتَّفِق ہو کر جہاد کے لیے نکلی شہر سے ایک کتا بھی ہمارے پیچھے ہو لیا جب ہم شہر کے دروازے سے باہر نکلے تو ہم نے وہاں ایک مردار جانور دیکھا، ہم ایک بلند مقام پر جا کر بیٹھ گئے، جب کتے نے مردار کو دیکھا تو وہ شہر کی طرف چلا گیا کچھ دیر کے بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ بیس کتے تھے وہ اس مردار کے پاس آیا اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا باقی کتے مردار پر جھپٹ پڑے وہ کھاتے رہے اور یہ کتا بیٹھ کر ان کو دیکھتا رہا جب وہ کھا چکے اور ہڈیاں باقی رہ گئیں اور سب کتے واپس شہر کی طرف چلے گئے تو اس کتے نے اٹھ کر ان ہڈیوں سے باقی ماندہ گوشت نوچ کر کھانا شروع کر دیا اور کھا کر واپس شہر کی طرف چلا گیا۔

ہم نے ایثار سے متعلق روایات اور اولیا کرام کے حالات "فقر و زہد کے بیان" میں ذکر کر دیئے ہیں یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی توفیق دینے والا ہے اسی پر توکل ہے جو وہ پسند فرمائے۔

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی الزکاۃ التی جعلھا اللّٰہ، ۳/ ۲۶۰، حدیث: ۳۴۸۳

نویں فصل: سخاوت وبخل کی تعریف اور ان کی حقیقت

دلائلِ شرعیہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بخل، ہلاکت میں ڈالنے والے امور میں سے ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بخل کی تعریف کیا ہے اور کس عمل سے آدمی بخیل ہوتا ہے؟ کیونکہ کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو اپنے آپ کو سخی نہ سمجھتا ہو حالانکہ بعض اوقات دوسرے کی نظر میں بخیل ہوتا ہے۔ ایک شخص کے عمل کے بارے میں لوگوں کے خیالات مختلف ہو سکتے ہیں کوئی اس کے فعل کو بخل سے تعبیر کرے گا تو کوئی اس کے فعل کو بخل نہیں سمجھے گا علاوہ ازیں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے دل میں مال کی محبت نہ ہو اسی وجہ سے وہ مال کی حفاظت کرتا ہے اور اسے روک کر رکھتا ہے تو اگر مال کو روکنے کے سبب اسے بخیل قرار دیا جائے تو کوئی بھی شخص بخل سے خالی نظر نہیں آئے گا اور اگر مطلقاً مال روکنے کو بھی بخل سے تعبیر نہ کریں تو پھر بخل کا کیا مطلب ہو گا؟ حالانکہ بخیل تو وہی ہوتا ہے جو مال روک کر رکھتا ہے، لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کونسا بخل ہلاکت کا باعث ہے؟ اس سخاوت کی کیا تعریف ہے جس کے ذریعے آدمی سخی کہلاتا اور ثواب کا حقدار ٹھہرتا ہے؟

بخل کی تعریف میں مختلف اقوال:

بعض لوگوں نے کہا ہے: بخیل وہ ہے کہ جو چیز اس کے ذمہ واجب ہے اسے روکے لہٰذا آدمی پر جو کچھ واجب ہے اگر اسے ادا کر دے تو وہ بخیل نہیں کہلائے گا۔ لیکن یہ تعریف نامکمل ہے کیونکہ جو شخص قصاب سے گوشت یا نانبائی سے روٹی لیتا ہے پھر کچھ کم قیمت کے ساتھ واپس کر دیتا ہے تو اسے بالاتفاق بخیل کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنے اہل وعیال کو قاضی کی طرف سے مقرر کردہ یومیہ دینے میں تو کوتاہی نہیں کرتا لیکن اگر وہ ایک آدھ لقمہ زیادہ مانگیں تو نہیں دیتا ہے یا اس کے مال سے ایک کھجور بھی کھالیں تو وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا تو یہ بھی بخیل کہلاتا ہے اسی طرح کسی شخص کے سامنے روٹی رکھی ہوئی ہو اور کوئی ایسا آدمی آجائے جس کے بارے میں اس کا خیال ہو کہ وہ اس کے ساتھ کھائے گا تو وہ اسے چھپا دیتا ہے تو ایسا شخص بھی بخیل شمار ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے بخیل وہ ہے جو عَطِیَّہ دینے میں مشکل محسوس کرے۔ یہ تعریف بھی ناقص ہے کیونکہ اگر اس سے مراد یہ ہو کہ اس پر ہر قسم کا عطیہ دینا گراں گزرتا ہے تو کتنے ہی

بخیل ایسے ہیں جو تھوڑی سی چیز دینے میں کوئی مشکل محسوس نہیں کرتے جیسے ایک یا دو دانے دینا لیکن اس سے زیادہ دینا ان پر گراں گزرتا ہے اور اگر عطیہ سے بعض عطیات مراد ہوں تو کتنے ہی سخی ایسے ہیں کہ ان پر بعض عطیات دینا گراں محسوس ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے ایسے عطیہ کا کہا جائے جو ان کے تمام مال کو گھیرے ہوئے ہو یا بہت بڑا مال ہو تو اس کے دینے میں سخی بھی مشکل محسوس کرے گا، لہٰذا اس تعریف پر کسی کو بخیل نہیں قرار دیں گے۔

سخاوت کی تعریف میں مختلف اقوال:

بخل کی طرح سخاوت کی تعریف کے متعلق بھی مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے یہ کہا: ریاکاری اور احسان جتلائے بغیر دینا سخاوت ہے اور بعض کے نزدیک بغیر مانگے دینا اور اسے بھی تھوڑا سمجھنا سخاوت ہے۔ کسی نے کہا سخاوت یہ ہے کہ سائل کو دیکھ کر خوش ہو اور جس قدر ممکن ہو خوشی سے اسے دے۔ بعض کے خیال میں سخاوت یہ ہے کہ اس تصور سے مال دینا کہ مال اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ہے اور بندہ بھی اسی کا ہے لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا مال بغیر فقر و فاقہ کے خوف سے دے رہا ہے۔ کسی نے کہا کہ کچھ مال دینا اور کچھ روک رکھنا سخاوت ہے اور زیادہ دینا اور تھوڑا سا بچا کر رکھنا جود ہے اور جو شخص خود مشقت اٹھا کر دوسروں کو اپنے پر ترجیح دے وہ ایثار کرنے والا ہے اور جو شخص کچھ بھی خرچ نہ کرے وہ بخیل ہے۔

امام غزالی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے نزدیک بخل و سخاوت کی تعریف:

بخل اور سخاوت کی تعریف کے متعلق جو اقوال ذکر کئے گئے ہیں ان میں کوئی قول بھی بخل اور سخاوت کی تعریف کا احاطہ نہیں کرتا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مال کو ایک حکمت اور مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے مخلوق کی ضروریات پوری ہوں۔ اب جس شخص کو مال مل جائے تو وہ اسے مخلوق کی ضروریات میں خرچ کرنے سے روک بھی سکتا ہے اور وہاں بھی خرچ کر سکتا ہے جہاں خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس مال کو اعتدال کے ساتھ خرچ کرے اور جہاں خرچ کرنے کی حاجت نہ ہو وہاں خرچ کرنے سے گریز کرے اور جہاں ضرورت ہو وہاں خرچ کرے۔ چنانچہ معلوم ہوا جہاں خرچ کرنا

ضروری ہے وہاں خرچ نہ کرنا بخل ہے اور جہاں خرچ کرنے کی حاجت نہ ہو وہاں خرچ کرنا اسراف اور دونوں کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے یہی درجہ قابل تعریف ہے اور جود وسخا اسی درجے کا نام ہے کیونکہ سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو سخاوت کا حکم دیا گیا اور آپ سے فرمایا گیا:

وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۲۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے۔

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ (پ۱۹، الفرقان: ۶۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی کریں اور ان دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔

تو معلوم ہوا کہ فضول خرچی اور کنجوسی نیز کشادگی اور تنگی کی درمیانی راہ کا نام جود وسخا ہے یعنی خرچ کرنے اور خرچ سے رُکنے میں واجب مقدار کو اختیار کرنا۔ جب تک دل صاف اور راضی نہ ہو محض ظاہری اعضا سے خرچ کرنا کافی نہیں۔ اگر آدمی وہاں خرچ کرے جہاں خرچ کرنا ضروری ہو لیکن اس کا دل اس پر راضی نہ ہو مگر پھر بھی وہ صبر کرتے ہوئے خرچ کرے تو وہ حقیقتاً سخی نہیں ہے ہاں بتکلُّف سخاوت کرنے والا ضرور ہے کیونکہ مال کے ساتھ تو دل کا تعلق اس قدر ہی ہونا چاہئے کہ وہ ضروری مقامات پر خرچ کرے۔

جہاں تک خرچ کرنے کے معاملے میں واجب مقدار کی بات ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ واجب مقدار کیا ہے؟

میں کہتا ہوں کہ اس کی دو قسمیں ہیں: **ایک** وہ جو شریعت کی طرف سے واجب ہے اور **دوسری** وہ جو عادت اور مروت کی وجہ سے واجب ہے۔ سخی وہ ہے جو نہ تو شریعت کی طرف سے جو اس پر واجب ہے اس کے خرچ کرنے سے اپنے آپ کو روکتا ہے اور نہ ہی مروتاً جو اس پر خرچ کرنا لازم ہے اس کے خرچ کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھتا ہے۔ ہاں! اگر وہ ان دونوں قسموں میں سے کسی ایک جگہ خرچ کرنے سے اپنے آپ کو روکے گا تو بخیل کہلائے گا اور واجب شرعی میں خرچ نہ کرنے والا صرف بخیل ہی نہیں بلکہ بہت بڑا بخیل

ہے۔واجب شرعی کی مثال یہ ہے کہ وہ زکوۃ ادا نہ کرے، اہل وعیال کو ان کا نفقہ نہ دے اور اگر زکوۃ ادا کرے اوراہل وعیال کو ان کا نفقہ بھی دے لیکن خوش دلی سے نہ دے تو ایسا شخص طبعاً بخیل ہے اور بتکلف سخاوت کرنے والا ہے۔ایسا شخص بھی بخیل ہے جو(واجب شرعی میں) اپنا خراب مال دے اوراچھا یا اوسط درجے کا دینے میں اس کی طبیعت خوش نہ ہو۔جہاں تک مروت کے اعتبار سے وجوباً خرچ کرنے کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معمولی سی چیزوں کے خرچ کرنے میں تنگی نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا برائی ہے اور یہ برائی حالات اور شخصیات کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے جیسا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے اگر امیر آدمی کسی چیز کے خرچ کرنے میں تنگی کرے تو اسے معیوب خیال کیا جاتا ہے اور اگر یہ فعل کسی فقیر سے صادر ہو تو اسے معیوب خیال نہیں کیا جاتا۔اسی طرح ایک فعل پڑوسی سے صادر ہو تو اسے کنجوسی پر محمول کیا جاتا ہے جبکہ اجنبی سے وہی فعل صادر ہو تو اسے کنجوسی سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔مہمان نوازی کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ اس میں ایک چیز پر تنگی معیوب خیال ہوتی ہے جبکہ معاملات میں اس چیز پر تنگی معیوب خیال نہیں ہوتی تو اس طرح اس تنگی کے اختلاف کی مختلف(چار) صورتیں ہوئیں:

(۱)...جس چیز کے خرچ میں تنگی کی راہ اختیار کی جائے اس کا تعلق ضِیافت اور معاملات سے ہو۔ (۲)...جس چیز کے خرچ میں تنگی کی راہ اختیار کی جائے اس کا تعلق کھانے اور کپڑے سے ہو اور کھانے اور کپڑوں کے معاملے میں تنگی اختیار کرنا دوسری چیزوں میں تنگی اختیار کرنے سے زیادہ بُرا ہے اسی طرح کفن کا کپڑا خریدنے یا قربانی کا جانور خریدنے یا صدقہ کے لئے روٹی خریدنے میں تنگی،دوسری چیزوں میں تنگی اختیار کرنے سے زیادہ بری ہے۔(۳)...جس سے تنگی برتی جارہی ہے وہ دوست ہے یا بھائی یا قریبی رشتہ دار یا بیوی یا بیٹا یا اجنبی ہے۔ (۴)...جو تنگی کررہا ہے وہ بچہ ہے یا عورت یا بوڑھا یا نوجوان یا عالم یا جاہل یا مالدار یا فقیر ہے۔(تو ان تمام صورتوں میں تنگی کا حکم مختلف ہوگا کہیں تنگی کرنا زیادہ برا ہوگا اور کہیں اس میں برائی کم ہوگی۔)

بخیل اور بخل کی تعریف:

بخیل وہ ہے جو اس مقام پر خرچ کرنے سے باز رہے جہاں خرچ کرنا شریعت اور مروت کے اعتبار سے لازمی ہو اور اس کی کوئی مقدار معین کرنا ممکن نہیں۔

بخل کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کسی ایسے مقصد کے لئے مال خرچ نہ کرنا جو مال کی حفاظت سے زیادہ اہم ہو جیسے دین کی حفاظت، مال کی حفاظت سے زیادہ اہم ہے، لہٰذا زکوٰۃ اور اہل وعیال کا نفقہ روکنے والا بخیل ہے۔ اسی طرح مروت کی حفاظت مال کی حفاظت سے زیادہ اہم ہے تو جو شخص معمولی چیزوں میں ان لوگوں کے ساتھ تنگی اختیار کرے جن کے ساتھ ایسا سلوک مناسب نہیں ہے تو وہ مال کی محبت میں بے مروتی اختیار کرنے والا ہے اور بخیل ہے۔

بخل کا ایک درجہ:

بخل کا ایک اور درجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص واجب شرعی بھی ادا کرتا ہے اور مروت کی حفاظت بھی کرتا ہے لیکن اس نے بہت سامال جمع کر رکھا ہے اور اس مال میں سے نہ تو صدقہ نکالتا ہے اور نہ محتاجوں پر خرچ کرتا ہے تو یہاں دو اَغراض متعارض ہو رہی ہیں: ایک غرض خرچ نہ کرنے کی صورت میں حفظِ مال کی پائی جارہی کہ مال مصائب کے وقت کام آتا ہے اور دوسری غرض خرچ کرنے کی صورت میں حصولِ ثواب کی پائی جارہی ہے کہ خرچ کرے گا تو ثواب پائے گا اور آخرت میں اس کے درجات بلند ہوں گے، لہٰذا اس صورت میں عقل مند لوگوں کے نزدیک مال روکنا بخل ہے اگرچہ عوام الناس کے نزدیک بخل نہیں ہے کیونکہ عوام کی نظر دنیاوی فوائد پر ہوتی ہے لہٰذا وہ مصائب کے وقت کے لئے جمع رکھنے کو اہم سمجھتے ہیں اگرچہ بعض اوقات عوام کے نزدیک بھی ایسے لوگوں پر بخل کی نشانی ظاہر ہوجاتی ہے۔ مثلاً اگر اس کے پڑوس میں کوئی شخص محتاج ہو اور یہ اس کو مال نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ مجھ پر جو زکوٰۃ فرض تھی وہ میں نے ادا کردی ہے اب مجھ پر کچھ بھی لازم نہیں ہے۔ یہ بات یقیناً بُری ہے لیکن یہ برائی مال دار کے مال کی مقدار اور محتاج کی حاجت شدیدہ اور اس کی دینداری اور اس کے مستحق ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے تو جو شخص شریعت کی طرف سے جو اس پر واجب ہے اس کی ادائیگی کرے اور اسی طرح مروت کے حوالے سے جو اس پر خرچ کرنا لازمی ہے اس کی ادائیگی کرے تو وہ بخل سے بَری ہے تاہم جود وسخا سے متّصِف نہیں اور جود وسخا کی صفت سے اس وقت متصف ہوگا جب وہ فضیلت حاصل کرنے اور بلند درجات کو پانے کے لئے مقدارِ واجب سے زیادہ خرچ کرے، لہٰذا اگر کوئی شخص کُشادہ دلی سے مال خرچ کرے باوجود یہ کہ نہ اس پر

کوئی واجب شرعی ہو اور نہ ہی اسے خرچ نہ کرنے کی صورت میں ملامت کا سامنا کرنا پڑے تو وہ بہت بڑا سخی ہے اور جس قدر زیادہ خرچ کرے گا اتنا ہی بڑا سخی کہلائے گا کیونکہ سخاوت میں قِلَّت و کثرت کے اعتبار سے درجات ہیں اور ان درجات کا کوئی شمار نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے زیادہ سخی ہیں۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس قدر عادت اور مروت کے اعتبار سے خرچ کرنا ضروری ہے اس سے زیادہ خرچ کرنا جود (سخاوت) ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دل کی خوشی سے ہو اور کسی قسم کی لالچ نہ ہو نیز خدمت، بدلہ، شکریا تعریف کی امید نہ رکھے کہ جو شخص شکریہ یا تعریف کی طَمَع رکھتا ہے وہ سوداگر ہے سخی نہیں کیونکہ وہ مال کے ذریعے تعریف خرید تا ہے اور چونکہ تعریف میں لذت ہوتی اور حقیقت میں انسان کا مقصود لذت ہی ہوتا ہے جبکہ جُود تو بلا غَرَض مال خرچ کرنے کا نام ہے، حقیقی جُود یہی ہے اور اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی قادر ہے وہی حقیقی جواد ہے جبکہ بندوں کو جواد کہنا مجازی طور پر ہے کیونکہ اگر مال خرچ کرنے والے کو مال خرچ کرنے میں کوئی غرض نہ ہو تو آخرت کے ثواب، سخاوت کی فضیلت کا حصول اور بخل جیسی گھٹیا عادت سے نفس کو پاک کرنے کی غرض تو ضرور ہوتی ہے، لہٰذا اس وجہ سے اسے (مجازاً) جواد کہا جاتا ہے۔ اگر خرچ کرنے والے کو اس بات کا خوف ہو کہ خرچ نہ کرنے کی صورت میں لوگ اس کی برائی کریں گے یا اسے ملامت کریں گے یا پھر خرچ کرنے والا ایسے شخص پر خرچ کر رہا ہے جس سے کسی نفع کی تَوَقُّع ہے تو ان تمام صورتوں میں اسے سخی نہیں کہا جائے گا کیونکہ وہ ان اَسباب و مُحَرِّکات کی وجہ سے مال خرچ کرنے پر مجبور ہے اور ان میں حاصل ہونے والے فوری فوائد اس کے عِوَض ہیں گویا وہ عوض لینے والا ہے، سخی نہیں۔

دینی سخاوت:

ایک عبادت گزار خاتون کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حضرت سیِّدُنا حَبّان بن ہِلال رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے پاس کھڑی ہوئی وہ اس وقت اپنے رفقا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس خاتون نے کہا: تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس سے میں مسئلہ پوچھوں؟ رفقا نے حضرت سیِّدُنا حَبّان بن ہِلال رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: جو چاہو پوچھ لو۔ اس نے پوچھا: تم لوگوں کے نزدیک سخاوت کسے کہتے ہیں؟ رفقا نے کہا: عطا کرنا،

خرچ کرنا اور ایثار کرنا سخاوت ہے۔خاتون نے کہا: یہ تو دنیاوی سخاوت ہے دینی سخاوت کیا ہے؟ رُفَقا نے کہا: ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یوں عبادت کریں کہ اس میں کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔خاتون نے کہا: کیا تم عبادت پر اَجر طلب کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں۔خاتون نے پوچھا: کیوں؟ کہنے لگے: اس لئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں ایک نیکی کے بدلے دس کا ثواب دینے کا وعدہ کیا ہے۔خاتون نے کہا: سُبْحٰنَ اللہ! تم ایک دے کر دس لیتے ہو پھر تم کس بنا پر اپنے آپ کو سخی کہتے ہو؟ انہوں نے خاتون سے پوچھا: اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ پر رحم فرمائے، آپ کس چیز کو سخاوت کہتی ہیں؟ خاتون نے کہا: میرے نزدیک سخاوت یہ ہے کہ تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت اس طرح کرو کہ تمہیں اس میں لذت ملے، ناپسندیدگی تم پر ظاہر نہ ہو اور نہ تم اس پر کسی قسم کے اجر کی توقع رکھو حتّٰی کہ تمہارا مالک جو چاہے تم سے سلوک کرے، کیا تم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حَیا نہیں کرتے کہ وہ تمہارے دلوں پر باخبر ہے اور جانتا ہے کہ تم اس کی عبادت اجر کے عوض کرتے ہو۔ یقیناً یہ بات تو دنیاوی اعتبار سے بھی بُری ہے۔

ایک عبادت گزار خاتون نے لوگوں سے کہا: کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ سخاوت کا تعلق صرف روپے پیسے سے ہے؟ لوگوں نے کہا: پھر کس چیز سے؟ اس نے کہا: میرے نزدیک اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر خونِ دل بہا دینا سخاوت ہے۔

حضرت سیِّدُنا حارِث مُحَاسِبی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: دینی سخاوت یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہلاک کر دو اور اپنے دل وجان کو راہ خدا میں قربان کر دو اور یہ عمل خوش دلی سے کرو کسی کے مجبور کرنے سے نہیں اور نہ اس سے فوری اور نہ آئندہ اجر کی امید رکھو اگرچہ تمہیں ثواب کی حاجت ہے اور کامل سخاوت کا حسن تمہارے وہم وگمان میں اس طرح غالب آجائے کہ تم سب کچھ اللہ عَزَّوَجَلَّ پر چھوڑ دو اگرچہ تمہارا مولیٰ عَزَّوَجَلَّ تم سے ایسا سلوک ہی کیوں نہ کرے جو تم اپنے لئے پسند نہ کرو۔

دسویں فصل: بُخْل کا عِلاج

بخل مال کی محبت سے پیدا ہوتا ہے اور مال کی محبت کے دو سبب ہیں:

﴿…پہلا سبب: ان خواہشات کی چاہت ہوتی جن تک مال کے بغیر پہنچنا ممکن نہیں اور ساتھ ہی لمبی زندگی کی امید بھی ہوتی ہے، اگر آدمی کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ ایک دن بعد مر جائے گا تو شاید اپنے مال میں بخل

نہ کرے کیونکہ جس مقدار کا وہ ایک دن یا ایک مہینے یا ایک سال کے لئے محتاج ہو تا وہ قریب ہے۔ بسا اوقات آدمی طویل عمر کا مُتَمَنِّی نہیں ہوتا لیکن اولاد طویل عمر کے قائم مقام بن جاتی ہے کیونکہ وہ ان کے باقی رہنے کو اپنی بقا سمجھتا ہے، لہٰذا ان کے لئے مال کو روک کر رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے سیّدِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اَلْوَلَدُ مَبْخَلَۃٌ مَجْبَنَۃٌ مَجْہَلَۃٌ یعنی اولاد بخل، بُزدِلی اور جہالت کا سبب بنتی ہے۔''[1] اور اگر اسے تنگ دستی کا خوف اور رزق ملنے پر بے اعتمادی بھی ہو تو اس صورت میں بخل مزید قوی ہو جاتا ہے۔

﴾…**دوسرا سبب:** یہ ہے کہ وہ محض مال سے محبت کرتا ہے کیونکہ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے پاس اس قدر مال ہوتا ہے جو ان کی تمام عمر کے لئے کافی ہوتا ہے اگر وہ عادتاً جتنا خرچ کرنے کا معمول ہے اس کے مطابق خرچ کریں تو تمام عمر خرچ کرنے کے باوجود ہزاروں روپے بچا سکتے ہیں مگر ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ بوڑھے ہو چکے ہوتے، ان کی اولاد بھی نہیں ہوتی اور مال کثیر ہونے کے باوجود ان کا نفس زکوٰۃ نکالنے کے لئے تیار نہیں ہوتا بلکہ یہاں تک کہ اگر خود بیمار بھی ہو جائیں تو ان کا نفس عِلاج مُعالَجے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا کیونکہ وہ روپے پیسے سے محبت کرتے ہیں اور اس کے عاشق ہوتے ہیں، ان کے ہاتھ میں روپیہ پیسہ ہو تو اس سے لذّت حاصل کرتے ہیں اور روپے پیسے پر قادر ہونا ان کے نزدیک لذیذ ہوتا ہے۔ وہ اپنا مال زمین کے اندر دفن کر دیتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ انہیں مرنا ہے اور ان کے مرنے کے بعد یہ مال ضائع ہو جائے گا یا اسے دشمن نکال لیں گے لیکن اس کے باوجود ان کا نفس اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ وہ اس میں سے کھائیں یا ایک دانہ صدقہ کریں یہ دل کا ایک سنگین مَرَض ہے جس کا علاج مشکل ہے۔ خصوصاً جب آدمی اسی حالت میں بڑھاپے میں پہنچ جاتا ہے تو یہ مرض لاعلاج مرض کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو کسی پر عاشق ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے ایلچی سے محبت کرنے لگتا ہے پھر اپنے محبوب کو بھول جاتا ہے اور اس کے قاصد میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روپیہ پیسہ بھی ایک قاصد ہے جو حاجات تک پہنچاتا ہے، لہٰذا اسی سے محبت ہو جاتی ہے کیونکہ جو چیز لذت تک پہنچائے وہ بھی لذیذ ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ضرورتوں کو بھول جاتا ہے اور اس کے نزدیک محض روپیہ پیسہ ہی محبوب ہو جاتا ہے اور

[1]…المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر الاسود بن خلف، ۴/ ۳۲۶، حدیث: ۵۳۳۶

یہ بات انتہائی درجہ کی حماقت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص سونے اور پتھر میں (حاجت کے پورا ہونے کے علاوہ) کوئی فرق سمجھے وہ جاہل ہے، لہٰذا ضرورت سے بچ جانے والا مال اور پتھر برابر ہیں۔

علاج کے مختلف طریقے:

ہر بیماری کا علاج اس کے سبب کی ضد کے ساتھ ہوتا ہے، لہٰذا زیادہ مال کی خواہش کا علاج تھوڑے مال پر قناعت اور صبر کے ذریعے ہوگا۔ لمبی امید کا علاج موت کو کثرت سے یاد کرنے اور ہم عصر لوگوں کی موت کی طرف نظر کرنے نیز اس بات کو سامنے رکھنے سے کہ ان لوگوں نے مال کمانے کے لئے کس قدر تکلیف اٹھائی لیکن بالآخر خالی ہاتھ گئے اور ان کے بعد ان کا مال ضائع ہوگیا۔ اولاد کے لئے مال بچا کر رکھنے کی امید کا علاج اس طرح ہے کہ وہ اس بات کو پیش نظر رکھے کہ ان کو پیدا کرنے والے نے ان کا رزق بھی ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور کتنے ہی بچے ایسے ہیں جن کو باپ کی وراثت سے کچھ نہیں ملتا لیکن وہ ان لوگوں سے زیادہ خوش حال زندگی گزارتے ہیں جو اپنے باپ کے مال کے وارث ہوتے ہیں اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ آدمی اولاد کے لئے جو مال جمع کرتا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اولاد کو اچھی حالت میں چھوڑے لیکن بعض اوقات وہ برائی کی طرف چلے جاتے ہیں اگر اس کی اولاد نیک اور متقی ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے کفایت کرتا ہے اور اگر وہ فاسق ہو تو وہ اس مال کے ذریعے گناہ پر مدد حاصل کرتی ہے اور اس کا وَبال اس مال چھوڑنے والے پر ہوتا ہے۔

دل کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ جو احادیث بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف میں آئی ہیں ان میں غور و فکر کرے اور بخل کی صورت میں جس سخت عذاب سے ڈرایا گیا ہے اسے پیش نظر رکھے نیز بخیل لوگوں کے حالات میں زیادہ غور کرے ان سے نفرت کرے اور ان کو بُرا جانے کیونکہ ہر بخیل دوسرے شخص میں بھی بخل کو برا سمجھتا ہے، لہٰذا اسے یہ سوچنا چاہئے کہ اگر میں بخل کروں گا تو لوگوں کے دلوں میں ذلیل و حقیر ٹھہروں گا جس طرح دوسرے بخیلوں کا حال ہے۔ بخل سے دل کے علاج کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مقاصدِ مال میں غور و فکر کرے کہ مال کو کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور بقدرِ حاجت مال ہی اپنے پاس محفوظ رکھے اور باقی مال کو اپنی آخرت کے لئے ذخیرہ بنائے یعنی اسے خرچ کرکے ثواب کمائے۔

یہ تمام علاج علم و معرفت کی جہت سے ہیں جب کسی کو چشمِ بصیرت سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ مال کو

روکنے کے بجائے خَرْچ کرنا اس کے لئے دنیا اور آخرت میں بہتر ہے تو اگر وہ عقل مند ہو گا تو خرچ کرنے میں اس کی رَغبت بڑھ جائے گی۔ اور جب انسان میں خرچ کرنے کی رغبت پیدا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ جلد ہی اس پر عمل کرے، تاخیر نہ کرے کیونکہ شیطان اسے فقر و محتاجی کا خوف دلا کر خرچ کرنے سے روکتا ہے۔

میں اپنے نفس سے مطمئن نہیں ہوں:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابو الحسن بُوشَنْجِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَنِی ایک دن بَیْتُ الخلا میں تھے تو آپ نے اپنے شاگرد کو بلایا اور فرمایا: میری یہ قمیص فلاں کو دے آؤ۔ شاگرد نے عرض کی: آپ باہر آنے تک تو صبر فرمالیتے۔ فرمایا: میں اپنے نفس سے مطمئن نہیں ہوں کیونکہ یہ بدل سکتا ہے، لہٰذا میرے دل میں اسی وقت قمیص دینے کا خیال پیدا ہوا ہے۔

تو بخل کی صفت اسی وقت زائل ہو سکتی ہے جب بتکلُّف خرچ کرے جس طرح عشق اسی صورت میں زائل ہو سکتا ہے جب معشوق کے مقام سے جدائی اختیار کرے حتّٰی کہ جب وہ وہاں سے جدا ہو جائے اور ایک مدت تک اس سے صبر کرے تو اس کے دل کو عشق سے تَسلّی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جو شخص بخل کا علاج کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ بتکلف مال خرچ کرے بلکہ اسے پانی میں پھینک دے تو یہ مال کو محبت کے باعث اپنے پاس روکے رکھنے سے بہتر ہے۔ اس سلسلے میں ایک لطیف حیلہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو اچھے نام کا دھوکہ دے کہ تو لوگوں میں سخی مشہور ہو جائے گا اس طرح وہ ریاکاری کے باعث خرچ کرے گا اور سخی کے نام سے مشہور ہونے کی طَمَع کے باعث اسے خَرچ کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہو گی، لہٰذا اس طرح اس کے نفس سے بخل کی خَباثَت زائل ہو جائے گی مگر وہ ریاکاری کی خباثت سے آلودہ ہو جائے گا لیکن اس کے بعد وہ ریاکاری کی طرف متوجہ ہو کر اس کے ازالے کی کوشش کرے اور ریاکاری کو اس کے علاج کے ذریعے زائل کرے۔ درحقیقت نام و نُمود اور شُہرت مال کے جانے کے بعد اس کے لئے تسکینِ قَلْب کا ذریعہ بنتی ہے جیسے بچے کو دودھ چُھڑانے کے بعد چڑیوں وغیرہ سے کھیلنے میں لگا دیتے ہیں جس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ ان سے کھیلتا رہے بلکہ مقصود تو صرف دودھ چھڑانا ہے پھر اسے اس کھیل سے بھی علیحدہ کر دیتے ہیں اسی طرح ان بری عادات کو ایک دوسرے پر مُسَلَّط کر دینا چاہئے جیسے بسا اوقات خواہش کو غُصّے پر غالب کر کے اس کی تیزی کو خَتْم کیا جاتا

ہے اور بعض اوقات غصے کو خواہش پر غالب کر کے اس کے گھمنڈ کو ختم کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تدبیر صرف ایسے شخص کے حق میں مفید ہے جس کی طبیعت میں بخل کا مَرَض ریاکاری اور قدر و منزلت کی خواہش سے بڑھ کر ہو اس طرح ضعیف کو قوی سے تبدیل کیا جاتا ہے اور اگر مال کی چاہت قدر و منزلت کی خواہش کی طرح پائی جاتی ہو تو اب کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس طرح وہ ایک بیماری سے چھٹکارا حاصل کر کے اس جیسی دوسری بیماری میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس کی پہچان یوں ہو گی کہ اگر اسے ریاکاری کے باعث مال خرچ کرنے میں کسی قسم کی کوئی مشکل نہ ہو تو اس پر ریاکاری کا غلبہ ہے اور اگر اسے ریاکاری کے باوجود مال خرچ کرنے میں مشکل محسوس ہو تو اسے چاہئے کہ وہ مال خرچ کرے کیونکہ یہ گرانی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس پر بخل کا غلبہ ہے۔ ان بُری صِفات میں سے بعض کو بعض کے ذریعے ختم کرنے کی مثال یہ ہے کہ میت کے تمام اجزاء کو جب کیڑے کھا لیتے ہیں تو پھر وہ کیڑے ایک دوسرے کو کھانا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کی تعداد کم ہو جاتی ہے اور آخر میں صرف دو مضبوط اور بڑے کیڑے ہی رہ جاتے ہیں پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جو ان میں غالب آتا ہے وہ دوسرے کو کھا کر سیر ہوتا ہے پھر وہ بھی بالآخر مسلسل بھوکا رہنے کی وجہ سے مر جاتا ہے اسی طرح ان بری صفات کا معاملہ ہے کہ ان میں سے بعض کو بعض پر مُسَلَّط کرے اور پھر ان میں سے کمزور کو طاقتور کی غذا بنائے یہاں تک کہ صرف ایک ہی رہ جائے تو پھر اس کا ارادہ کرتے ہوئے مجاہدہ کے ذریعے اسے ختم کر دے یعنی اس کی خوراک کو روک دے تو وہ بُری صِفَت خود بخود ختم ہو جائے گی۔ بری صفات سے خوراک کو روکنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے تقاضے کے مطابق عمل نہ کرے کیونکہ یہ لامحالہ کچھ اعمال کا تقاضا کرتی ہیں اور جب ان کی مخالفت کی جائے تو یہ صفات خود بخود ختم ہو جاتی ہیں مثلاً بخل کا تقاضا یہ ہے کہ مال روک کر رکھا جائے مگر جب اس کے تقاضے پر عمل نہ کیا جائے اور کوشش کر کے بار بار مال خرچ کیا جائے تو بخل کی صفت ختم ہو جاتی ہے اور مال کا خرچ کرنا فطری و طبعی بن جاتا ہے اور اب خرچ کرنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہیں ہوتی۔

بخل کا علمی و عملی علاج:

خلاصہ یہ ہے کہ بخل کا علاج علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ عِلْم سے مراد یہ ہے کہ بخل کے نقصان اور

سخاوت کے فائدہ کی پہچان حاصل کرے اور عمل سے مراد یہ ہے کہ تکلف کر کے سخاوت کرے اور مال خرچ کرے لیکن بسا اوقات بخل اس قدر قوی ہوتا ہے کہ وہ انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے اور یوں معرفت کے راستے میں رکاوٹ بن جاتا ہے اور جب تک معرفت متحقق نہ ہو رغبت مُتَحَرِّک نہیں ہوتی اور عمل آسان نہیں ہوتا اور بیماری لاعلاج مرض کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو دَوا کو قبول نہیں کرتی اور اس صورت میں پھر موت تک صبر کرنے کے سوا کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوتا۔ بعض مشائخ صوفیائے کِرام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے مریدین کے بخل کا علاج کرتے ہوئے ان کو کسی خاص گوشے میں پڑے نہ رہنے دیتے حتّٰی کہ جب دیکھتے کہ ان کا کوئی مرید کسی ایک گوشے میں خوش ہے تو اسے دوسرے گوشے میں بھیج دیتے اور دوسرے مرید کو وہاں جانے کا حکم دیتے اور اس کا تمام سامان بھی اس سے لے لیتے اور جب دیکھتے کہ وہ نئے کپڑوں یا نئے مصلے پر خوش ہو رہا ہے تو اسے حکم دیتے کہ یہ چیزیں دوسروں کو دیدے اور اسے پُرانے کپڑے پہنا دیتے جن کی طرف اس کا دل مائل نہیں ہوتا، اس طرح اس کا دل دنیاوی سامان سے الگ ہو جاتا، لہٰذا جو شخص اس طریقہ علاج کو اختیار نہیں کرتا وہ دنیا سے مانوس ہو جاتا ہے اور اسے پسند کرنے لگتا ہے اگر اس کے پاس ہزار سامان ہوں تو اس کے ہزار محبوب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب ان میں سے ایک چیز چوری ہو جائے تو جس قدر اس شخص کو اس سے محبت ہوتی ہے اسی اعتبار سے اسے تکلیف پہنچتی ہے اور جب وہ مرنے لگتا ہے تو ہزار مصیبتیں بیک وقت اس پر اترتی ہیں کیونکہ وہ ان سب سے محبت کرتا ہے اور موت کی صورت میں وہ سب چھوٹ جاتی ہیں بلکہ زندگی میں بھی اسے ان چیزوں کے ضائع اور کم ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

کاش! یہ پیالہ مجھے نہ ملا ہوتا:

کسی بادشاہ کو فیروزہ (آسمانی رنگ کے ایک قیمتی پتھر) سے بنا ہوا پیالہ پیش کیا گیا جس پر جَواہر جَڑے ہوئے تھے اور وہ پیالہ بے مثل تھا۔ بادشاہ اس کے ملنے پر بہت خوش ہوا اور اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک دانشور سے پوچھا: اس پیالے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: میں تو اسے مصیبت یا فقر سمجھتا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا: وہ کیوں؟ اس نے جواب دیا: اگر یہ ٹوٹ جائے تو ایسا نقصان ہو گا جس کی تلافی ممکن نہیں اور اگر چوری ہو جائے تو آپ اس کے محتاج ہو جائیں گے اور آپ کو اس کا ثانی نہیں ملے گا اور جب تک یہ آپ کے

پاس نہیں تھا تو آپ مصیبت اور فقر سے امن میں تھے۔ اتفاق سے ایک روز وہ پیالہ ٹوٹ گیا یا چوری ہو گیا تو بادشاہ بہت غمگین ہوا اور اس نے کہا: اس دانشور شخص نے سچ کہا تھا کاش! یہ پیالہ مجھے نہ ملا ہوتا۔

دنیا کے تمام مال واسباب کا یہی معاملہ ہے دنیا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دشمنوں کی دشمن ہے کہ ان کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور اولیاءُ اللہ کی بھی دشمن ہے کہ ان کو صبر کرنے کا غم دلاتی ہے نیز یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بھی دشمن ہے کہ اس کے بندوں کو اس کے راستے پر چلنے سے روکتی ہے، بلکہ یہ خود اپنی بھی دشمن ہے کیونکہ یہ اپنے آپ کو کھالیتی ہے اور وہ اس طرح کہ مال کی حفاظت کے لئے پہرہ داروں کی ضرورت ہوتی ہے اور پہرہ دار بغیر مال کے مقرر نہیں ہوتے یعنی روپیہ پیسہ خرچ کرکے ان کو حاصل کیا جاتا ہے تو گویا مال خود اپنے آپ کو کھاتا ہے اور اپنی ہی مخالفت کرتا ہے یہاں تک کہ فنا ہو جاتا ہے اور جو شخص مال کی آفت کو جان لیتا ہے وہ اس سے مانوس نہیں ہوتا اور نہ ہی اس پر خوش ہوتا ہے، لہٰذا وہ حسبِ ضرورت مال حاصل کرتا ہے اور جو شخص ضرورت کے مطابق مال پر قناعت اختیار کرتا ہے وہ بخل نہیں کرتا کیونکہ جو کچھ اپنی ضرورت کے لئے روکتا ہے وہ بخل نہیں ہے اور جس کی اسے ضرورت نہیں اس کی حفاظت میں اپنے آپ کو نہیں تھکاتا بلکہ اسے خرچ کر دیتا ہے جیسے دریائے دِجلہ کے کنارے کا پانی کہ کوئی اس میں بخل نہیں کرتا کیونکہ لوگ اس میں سے صرف قَدْرِ ضرورت ہی پر قناعت کرتے ہیں۔

گیارہویں فصل: مال کے سلسلے میں انسانی ذمہ داریاں

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مال ایک وجہ سے اچھا اور ایک وجہ سے بُرا ہے اور اس کی مثال سانپ کی طرح ہے جسے سپیرا پکڑ لیتا ہے اور اس میں سے تریاق (زہر کے اثر کو ختم کرنے والی دوا) نکالتا ہے لیکن جاہل انسان جب اسے پکڑنے لگتا ہے تو اس کا زہر اسے ہلاک کر دیتا ہے کیونکہ وہ سانپ کو پکڑنا نہیں جانتا، لہٰذا مال کے زہر سے وہی شخص بچ سکتا ہے جو مال کے سلسلے میں پانچ ذمہ داریوں کو پورا کرے۔

❀...**پہلی ذمہ داری:** مال کے مقصد کو سمجھے کہ اسے کس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی حاجت کیوں ہے؟ اس صورت میں وہ جو کمائے گا تو بقدرِ حاجت مال ہی اپنے پاس محفوظ رکھے گا اور جس قَدْر مال میں اس کا حق ہو گا اس کے مطابق ہی اپنی طاقت صرف کرے گا۔

❁...**دوسری ذمہ داری:** آمدنی کے ذرائع پر نظر رکھے، خالص حرام اور جس پر حرام کا غلبہ ہو جیسے بادشاہوں کا مال اس سے اجتناب کرے اور ان مکروہ طریقوں سے بھی بچے جو اس کی مروت کو نقصان پہنچاتے ہوں جیسے وہ تحائف جن میں رشوت کا شائبہ ہو اور وہ سوال جس کی وجہ سے ذلت اٹھانی پڑے اور شرافت کا پردہ چاک ہو، یونہی اس کی مثل دوسری خرابیاں۔

❁...**تیسری ذمہ داری:** کمانے میں نہ تو زیادتی کرے اور نہ کمی بلکہ واجب مقدار کو اپنائے اور اس کا معیار حاجت ہے اور حاجتیں تین ہیں: (۱)...لباس (۲)...رہائش اور (۳)...خوراک اور ان میں سے ہر ایک کے تین درجے ہیں: (۱)...ادنیٰ (۲)...اوسط اور (۳)...اعلیٰ۔ جب تک آدمی کمی کی جانب مائل اور ضرورت کی حد کے قریب رہے گا تو وہ حق پر رہے گا اور حق والوں میں سے ہو گا اور اگر اس سے تجاوز کرے گا تو جہنّم کے ایسے گڑھے میں گرے گا جس کی گہرائی کی کوئی حد نہیں۔ ہم نے زُہد کے بیان میں ان درجات کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

❁...**چوتھی ذمہ داری:** خرچ کے ذرائع پر نظر رکھے اور خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے نہ تو ضرورت سے زیادہ خرچ کرے اور نہ کم جیسا کہ ہم نے اسے بیان کر دیا ہے، لہٰذا جو حلال مال کمایا ہے اسے حلال ذرائع میں خرچ کرے ناحق جگہ پر خرچ نہ کرے کیونکہ ناحق مال لینا اور ناحق جگہ پر خرچ کرنا دونوں برابر ہیں۔

❁...**پانچویں ذمہ داری:** مال لینے، چھوڑنے، خرچ کرنے اور روکنے میں صحیح نیت ہونی چاہئے مثلاً: مال لینے میں عبادت پر مدد حاصل کرنے کی نیت کرے اور چھوڑنے میں زُہد کی نیت کرے اور اسے حقیر سمجھتے ہوئے چھوڑے۔ جب یہ طریقہ اختیار کرے گا تو مال کا موجود ہونا اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اسی لئے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے فرمایا: اگر کوئی شخص تمام روئے زمین کا مال حاصل کرے اور اس کا ارادہ اس سے رضائے الٰہی کا ہو تو وہ زاہد (دنیا سے کنارہ کش) ہے اور اگر دنیا کا تمام مال چھوڑ دے لیکن اس سے رضائے الٰہی مقصود نہ ہو تو وہ زاہد نہیں۔

لہٰذا تمام حرکات و سکنات اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہوں چاہے وہ حرکات عبادت ہوں یا عبادت پر مددگار ہوں۔ عبادت سے ہٹ کر دو عمل ہیں: کھانا کھانا اور قضائے حاجت مگر یہ دونوں عبادت پر مددگار ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص کھانے اور قضائے حاجت میں اچھی نیت کرے گا تو یہ دونوں عمل اس کے حق میں عبادت شمار ہوں

گے۔ اسی طرح جو چیزیں انسان کے لئے ضروری ہیں: مثلاً قمیص، تہبند، بستر اور برتن وغیرہ تو ان میں بھی اچھی نیّت ہونی چاہئے کیونکہ دین کے سلسلے میں ان تمام چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جو کچھ ضرورت سے زائد ہو اس سے بندوں کو نفع پہنچانے کی نیت کرے اور کسی ضرورت مند کو انکار نہ کرے۔ جو کوئی اس طرح کا عمل کرے گا اس نے مال کے سانپ سے اس کا جوہر اور تریاق لے لیا اور اس کے زہر سے بچ گیا، لہٰذا اب اسے مال کی کثرت نقصان نہیں پہنچاتی لیکن یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس کے قدم دین میں مضبوط اور علم زیادہ ہو۔ عام آدمی جب زیادہ مال حاصل کرنے میں کسی عالم سے مُشابہت اختیار کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ تو مال دار صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے مشابہت ہے تو اس کی مثال اس بچے کی طرح ہے جو کسی ماہر فن سپیرے کو سانپ قابو کرتے ہوئے اور اپنے عمل کے ذریعے اس میں سے تریاق نکالتے ہوئے دیکھتا ہے تو یہ بچہ اس کی پیروی و نقل کرتے ہوئے یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے اس کی صورت اور شکل کو اچھا سمجھ کر اور اس کی جلد کو نرم سمجھ کر پکڑا ہے تو یہ بھی اس کی نقل کرتے ہوئے سانپ کو پکڑتا ہے تو سانپ اسے اسی وقت ہلاک کر دیتا ہے۔ ان دونوں میں فرق صرف یہی ہے کہ سانپ کا کاٹا ہوا معلوم ہو جاتا ہے لیکن جو شخص مال سے ہلاک ہوتا ہے اس کی ہلاکت کی وجہ کبھی معلوم نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے دنیا کو سانپ سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا گیا ہے:

هِيَ دُنْيَا كَحَيَّةٍ تَنْفُثُ السَّمَّ وَاِنْ كَانَتِ الْمَجَسَّةُ لَانَتْ

ترجمہ: یہ دنیا سانپ کی مثل زہر اگلتی ہے اگرچہ اس کی جلد نرم و ملائم ہے۔

جس طرح نابینا شخص کا بینا شخص کی طرح پہاڑوں کی چوٹیاں سر کرنا، دریاؤں کے کناروں تک پہنچنا اور کانٹے دار راستوں سے گزرنا ناممکن ہے اسی طرح مال حاصل کرنے میں عام آدمی کا کسی عالِم باعمل کے مشابہ ہونا ناممکن ہے۔

بارھویں فصل: مال داری کی مَذَمَّت اور فَقْر کی تعریف

شکر گزار مال دار افضل ہے یا صَبْر کرنے والا فقیر اس میں اِختلاف ہے، ہم نے یہ بات "فَقْر و زُہد" کے بیان میں ذکر کر کے وہاں اس کی تحقیق کر دی ہے۔ یہاں ہم صرف اس بات کی طرف رہنمائی کریں گے کہ بحیثیت مجموعی فقر مال داری سے افضل اور اعلیٰ ہے چاہے احوال کی تفصیل کچھ بھی ہو اور اس سلسلے میں ہم

یہاں صرف وہ بات نقل کریں گے جو حضرت سیِّدُنا حارِث مُحاسِبی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی نے اپنی ایک کتاب میں نقل کی ہے جس میں انہوں نے ان بعض مال دار علما پر رد کیا ہے جو بعض مال دار صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اور حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی کثرتِ دولت سے اِستِدلال کرتے ہیں اور اپنی مال داری کو اِن نُفوسِ قُدسیہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ حضرت سیِّدُنا حارِث مُحاسِبی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی عِلْمِ مُعاملہ کو سمجھنے والے ایک بڑے عالِمِ دِین ہیں عُیُوبِ نَفْس، آفاتِ اعمال اور عبادات کی گہرائی میں بحث کرنے والے عُلَما میں انہیں سبقت حاصل ہے اور ان کا کلام اس لائق ہے کہ اسے لفظ بلفظ نقل کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے عُلَمائے سُوء (بُرے علما) کا رد کرنے کے بعد لکھا ہے: ”ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: اے عُلَمائے سُوء! تم روزہ رکھتے ہو، نماز پڑھتے ہو اور صَدَقہ وخیرات کرتے ہو لیکن جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ نہیں کرتے، دوسروں کو جس چیز کا دَرْس دیتے ہو خود اس کے بارے میں نہیں جانتے ہو، کیا ہی برا ہے وہ جو تم حکم لگاتے ہو۔ زبان سے تم توبہ کرتے ہو لیکن عمل نفس کی خواہش کے مطابق کرتے ہو اور تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا کہ تمہارے ظاہری بدن تو صاف ستھرے ہوں لیکن دلوں میں گندگی بھری ہوئی ہو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم چھلنی کی طرح مت بنو جس میں سے آٹا نکل جاتا ہے اور بھوسی باقی رہ جاتی ہے ایسے ہی تم اپنے مُونہوں سے حکمت بھری باتیں کرتے ہو لیکن تمہارے دل میں کھوٹ باقی ہے۔

اے دنیا کے غلامو! وہ شخص جو دنیاوی خواہشات کو نہیں چھوڑ سکتا، دنیا سے بے رغبت نہیں ہو سکتا وہ آخرت کو کیسے پا سکتا ہے؟ میں سچ کہتا ہوں! تمہارے دل تمہارے اعمال پر آنسو بہاتے ہیں، تم نے دنیا کو اپنی زبانوں کے نیچے اور عمل کو اپنے پاؤں تلے ڈال دیا ہے، میں سچ کہتا ہوں! تم نے اپنی آخرت کو تباہ وبرباد کر دیا ہے، تمہیں دنیا کی بہتری آخرت کی بہتری سے زیادہ محبوب ہے، لہٰذا تم سے زیادہ نقصان میں کون ہو گا، کاش کہ تم جان سکتے، تمہاری خرابی ہو! کب تک تم اندھیرے میں چلنے والوں کو راستہ دکھاتے رہو گے اور خود حیران کھڑے رہو گے گویا تم دنیا والوں کو ترکِ دنیا کی اس لئے تلقین کرتے ہو کہ وہ اسے تمہارے لئے چھوڑ دیں، چھوڑ دو اس دنیاداری کو اب بس بھی کرو۔ تمہاری خرابی ہو! اگر چراغ گھر کی چھت پر رکھا جائے تو گھر کا

اندرونی حصہ کیسے روشن ہو گا؟ اسی طرح اگر علم کا نور صرف تمہاری زبانوں پر رہے گا اور تمہارے دل اس سے خالی رہیں گے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہو گا؟

اے دنیا کے غلامو! تم پرہیزگار لوگوں کی طرح نہیں ہو اور نہ ہی تم مُعَزَّز لوگوں کی طرح آزاد ہو، قریب ہے کہ یہ دنیا تمہیں جڑ سے اُکھاڑ پھینکے اور منہ کے بل گرا دے اور تم اپنے نتھنوں کے بل اوندھے گر جاؤ اور پھر تمہاری خطائیں تمہیں پیشانی سے جکڑ لیں اور تمہیں پیچھے سے دھکا دیں اور تم اس حالت میں خالقِ کائنات کے حضور پہنچو کہ تم بے لباس اور تنہا ہو پھر وہ تمہیں تمہارے بُرے اعمال کی سزا دے۔" یہ بیان کرنے کے بعد پھر حضرت سیِّدُنا حارث محاسبی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "اے میرے بھائیو! یہ علمائے سُوء ہیں جو انسانوں میں سے شیطان ہیں یہی لوگ انسانوں کے لئے باعثِ فتنہ ہیں۔ انہوں نے دنیوی مال ومتاع اور قدْر و مَنْزِلَت کی حرص کی، دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اور دنیا کے لئے دین کو رُسوا کیا۔ یہ لوگ دنیا میں باعثِ ننگ وعار اور آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں یا پھر وہ کریم ذات اپنے فَضْل سے مُعاف فرما دے۔ میں نے دنیا کو ترجیح دینے کے باعث ہلاک ہونے والے شخص کی خوشی دیکھی کہ اس کی خوشی غموں سے بھری ہوئی ہے اور اس سے طرح طرح کے غم اور کئی قسم کے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور وہ ہلاکت اور بربادی کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہوتا ہے، وہ ایک مَوْہُوْم (فرضی) امید پر خوش ہو رہا ہوتا ہے حالانکہ نہ تو اسے دنیا ملتی ہے اور نہ ہی اس کا دین سلامت رہتا ہے بالآخر وہ دنیا و آخرت میں نقصان اٹھاتا ہے اور یہی واضح خسارہ ہے، اس سے بڑھ کر مصیبت اور سنگین آفت اور کیا ہو سکتی ہے...؟"

صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی مال داری کو حُجّت بنانا دُرُست نہیں:

اے میرے بھائیو! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف دھیان کرو تمہیں شیطان اور اس کے دوستوں کے فریب میں نہ آنا چاہئے جو باطل دلائل پر ڈٹے ہوئے ہیں اور دنیا میں مستغرق ہیں، پھر اس کے لئے حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے پاس بھی مال تھا۔ یہ دھوکے میں پڑے ہوئے لوگ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے ناموں کو اپنی بدعملی کے لئے دلیل بناتے ہیں تاکہ لوگوں کو مال جمع کرنے کا عُذر بیان کر سکیں حالانکہ یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے جسے وہ سمجھ نہیں رہے۔ اے نادان اور مال کے فتنے میں

مبتلا! حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے مال سے تیرا دلیل پکڑنا شیطانی فریب ہے۔ یہ بات تیری زبان پر جاری کر کے وہ تجھے ہلاکت میں ڈالتا ہے کیونکہ جب تو یہ خیال کرتا ہے کہ جَلِیْلُ الْقَدْر صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے مال کو کثرت اور شرف و زینت کے لئے حاصل کیا تو در حقیقت تو ان نُفوسِ قُدسیہ کی غیبت کرتا ہے اور ان کی طرف ایک بہت بڑی بات منسوب کرتا ہے اور تیرا یہ گمان کہ حلال مال جمع کرنا چھوڑنے سے افضل اور اعلیٰ ہے تو گویا تو نے حضرت سیِّدُنا محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور دیگر انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو عیب لگایا ہے کہ انہوں نے اس خیر و بھلائی سے رُوگردانی کی ہے اور تو اور تیرے اصحاب ہی اس خیر و بھلائی میں رغبت کر رہے ہیں اور تو نے ان انبیا و مرسلین عَلَیْہِمُ السَّلَام کی طرف جہالت کی نِسبَت بھی کی ہے کہ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ مال جمع کرنا خیر و بھلائی ہے جیسا کہ تو نے اسے خیر و بھلائی سمجھ کر جمع کیا ہے نیز تیرا یہ خیال کہ حلال مال چھوڑنے کے مقابلے میں اسے جمع کرنا اعلیٰ ہے تو گویا رسولِ اکرم، شاہِ دو عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنی امت کی خیر خواہی نہیں فرمائی کہ انہیں مال جمع کرنے سے منع فرمایا۔ (بالفرض) اگر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جانتے تھے کہ امت کے لئے مال جمع کرنا بہتر ہے تو (مَعَاذَ اللہ) تیرے خیال میں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے امت کو دھوکا دیا کہ ان کو مال جمع کرنے سے منع فرمایا۔ خدا کی قسم! تو نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر جھوٹ باندھا ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تو امت کے خیر خواہ، ان پر مُشْفِق اور مہربان ہیں۔ جب تیرا یہ گمان ہے کہ مال جمع کرنا افضل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے بندوں پر نظرِ عنایت نہیں فرمائی کہ انہیں مال جمع کرنے سے منع فرمایا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ ان کے حق میں مال کا جمع کرنا بہتر ہے یا تیرا خیال یہ ہے کہ (نَعُوْذُ بِاللہ) اللہ عَزَّوَجَلَّ کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ مال جمع کرنا باعثِ فضیلت ہے اس وجہ سے اس نے جمعِ مال سے منع فرمایا جبکہ تجھے علم ہے کہ مال میں بھلائی اور فضیلت ہے اسی لئے تو زیادہ مال کے حصول میں رغبت رکھتا ہے، گویا بھلائی اور فضیلت کے مقام کو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے زیادہ جانتا ہے۔ (اَلْاَمَان وَالْحَفِیْظ)

اے نادان اور مال کے فتنے میں مبتلا! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات جہالت سے پاک ہے، اپنی عقل سے غور و فکر کر کہ شیطان نے کس طرح تجھے فریب دیا کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے مال سے اِستِدلال کو تیرے لئے

خوبصورت کر دکھایا۔ تیرا ناس ہو! حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے مال سے استدلال تجھے کیا نفع دے گا جبکہ قیامت کے دن تو وہ یہ خواہش کریں گے کاش انہیں دنیا میں بَقَدْرِ حاجت ہی رزق ملتا اور مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جب حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا انتقال ہوا تو بعض صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے فرمایا: ہمیں حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر کثرت مال کی وجہ سے خوف ہے۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا کَعْبُ الْاَحبار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار نے فرمایا: سُبْحٰنَ اللّٰہ! تمہیں حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ پر کیوں خوف ہے حالانکہ انہوں نے حلال کمایا، حلال خرچ کیا اور حلال مال ہی ترکہ میں چھوڑا۔ حضرت سیِّدُنا ابو ذر غِفَّاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ تک یہ بات پہنچی تو وہ غصے کی حالت میں حضرت سیِّدُنا کعب الاحبار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار کو تلاش کرنے لگے، راستے میں انہیں اونٹ کے جبڑے کی ہڈی ملی تو اسے اٹھالیا۔ حضرت سیِّدُنا کعب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو بتایا گیا کہ حضرت سیِّدُنا ابو ذر غِفَّاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ آپ کی تلاش میں ہیں تو وہ حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس مدد طَلَب کرنے کے لئے حاضر ہوگئے اور انہیں سارے واقعے سے آگاہ کردیا۔ حضرت سیِّدُنا ابو ذر غِفَّاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ان کے پیچھے حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے گھر پہنچ گئے اور جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو حضرت سیِّدُنا کَعب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ڈرتے ہوئے اٹھے اور حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پیچھے جا بیٹھے۔ حضرت سیِّدُنا ابو ذر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے کہا: اے یہودی عورت کے بیٹے! تیرا خیال ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جو مال چھوڑا ہے اس میں کوئی حرج نہیں حالانکہ رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک دن اُحد کی طرف تشریف لے گئے میں آپ کے ساتھ تھا، آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے ابو ذر! میں نے عرض کی: لَبَّیْكَ یا رسولَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ارشاد فرمایا: زیادہ دولت مند ہی قیامت کے دن کم سرمائے والے ہوں گے مگر جس نے اس طرح اور اس طرح کیا یعنی آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دائیں بائیں، آگے اور پیچھے کی طرف اشارہ کیا اور ارشاد فرمایا: ایسے لوگ کم ہیں۔ پھر فرمایا: اے ابو ذر! میں نے عرض کی: جی یا رسولَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ''اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر خزانہ ہوتا اور میں اسے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ

میں خرچ کرتا اور جس دن میں انتقال کرتا تو اس میں سے دو قیراط (یعنی ایک معمولی مقدار) بچ جاتی تو میں یہ بھی پسند نہ کرتا۔" میں نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اگر دو ڈھیر بچ جاتے تو بھی۔ فرمایا: نہیں بلکہ دو قیراط۔" پھر فرمایا: "اے ابوذر! تم زیادہ چاہتے ہو اور میں کم چاہتا ہوں۔"[1]

رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تو یہ چاہ رہے ہیں اور اے یہودی کے بیٹے! تو کہتا ہے کہ عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جو مال چھوڑا ہے اس میں کوئی حرج نہیں، جھوٹ کہتا ہے تو اور جو کوئی یہ بات کہے وہ بھی جھوٹا ہے۔ حضرت سیِّدُنا کعب الاحبار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار نے خوف کے مارے ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا یہاں تک حضرت سیِّدُنا ابوذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ وہاں سے چلے گئے۔

ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس یمن کا ایک قافلہ آیا تو مدینہ طیبہ میں ایک شور مچ گیا۔ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے اونٹ آئے ہیں۔ یہ سن کر اُمُّ المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سچ فرمایا ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے اُمُّ المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے اس بارے میں دریافت فرمایا تو اُمُّ المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے ارشاد فرمایا: میں نے سیِّدِ عالم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے سنا: "میں نے دیکھا کہ مہاجرین اور عام غریب و نادار مسلمان دوڑے دوڑے جنت میں داخل ہو رہے ہیں، میں نے ان کے ساتھ کسی مال دار شخص کو داخل ہوتے نہیں دیکھا البتہ عبد الرحمٰن بن عوف کو دیکھا کہ وہ ان کے ساتھ گھٹنوں کے بل چل کر داخل ہو رہے ہیں۔"[2] حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے یہ سن کر فرمایا: یہ تمام اونٹ مع ساز و سامان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں خیرات ہیں اور ان کے ساتھ جو غلام ہیں وہ سب آزاد ہیں شاید کہ میں بھی ان کے ساتھ دوڑتا ہوا داخل ہو جاؤں۔

ہمیں یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ تاجدارِ انبیا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن

---

1 ... المسند للامام احمد بن حنبل، ۱/ ۱۳۹، مسند عثمان بن عفان، حدیث: ۴۵۳ باختصار

2 ... المسند للامام احمد، ۹/ ۴۲۳، مسند السيدة عائشة، حديث: ۲۴۸۹۶، بلفظ "رأیت عبد الرحمن بن عوف يدخل الجنة حبوا"

عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے فرمایا: "میری امت کے مال دار لوگوں میں سے تم سب سے پہلے جنت میں جاؤ گے مگر گھٹنوں کے بل۔"[1]

اے نادان اور مال کے فتنے میں مبتلا! تیرے پاس مال جمع کرنے کی دلیل کیا ہے اور یہ حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ وہ صحابی ہیں جو اپنے فضل، تقویٰ، نیک اعمال، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے راستے میں مال خرچ کرنے اور رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے صحابی ہونے نیز زبانِ رِسالت سے جنت کی خوشخبری حاصل کرنے میں ممتاز ہیں۔[2] مگر اس کے باوجود اپنے مال کے سبب میدانِ قیامت میں اس کی ہولناکیوں میں کھڑے رہیں گے حالانکہ انہوں نے مانگنے سے بچنے کے لئے حلال مال کمایا اور اس سے نیک کام سرانجام دیئے اور اس مال میں سے میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے رہے نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کے راستے میں سخاوت کی لیکن فُقَرائے مُہاجِرین کے ساتھ دوڑتے ہوئے جنت میں نہیں داخل ہوں گے بلکہ ان کے پیچھے گھٹنوں کے بل جائیں گے تو ہم جیسے لوگوں کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جو دنیا کے فتنوں میں غرق ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ تو ہمیشہ مشتبہ اور حرام مال میں پڑا ہوا ہے اور لوگوں کے ہاتھوں کے میل پر فَرِیفتہ ہے، خواہشات، زینت، باہم فَخر کرنے میں مگن ہے اور دنیا کے فتنوں میں گم صُم ہے اس کے باجود تو حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے مال سے دلیل پکڑتا ہے اور تیرا یہ گمان ہے کہ تیرا مال جمع کرنا درست ہے کیونکہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے بھی مال جمع کیا گویا تو اسلاف اور ان کے عمل سے مشابہت اختیار کرتا ہے، تیرا برا ہو! یہ شیطانی قیاس اور شیطان کے چیلوں کی طرف سے باطل بہانے ہیں۔

بزرگانِ دین کیسے تھے؟

میں تمہیں بتاتا ہوں تم کیا ہو اور بزرگانِ دین کیسے تھے تاکہ تمہیں اپنی خرابی اور صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی فضیلت معلوم ہو جائے۔ بعض صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے پاس مال تھا لیکن ان کا مقصد سوال سے بچنا اور راہ خدا میں خرچ کرنا تھا، لہٰذا انہوں نے حلال کمایا، پاکیزہ کھایا، میانہ روی کے ساتھ خرچ کیا اور اپنی

---

[1]...المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب لترکیۃ المال باضافۃ الضیف...الخ، ۴/ ۳۶۹، حدیث: ۵۴۰۹ بتغیر

[2]...سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب عبد الرحمن بن عوف، ۴/ ۴۱۶، حدیث: ۳۷۶۸

آخرت کے لئے آگے بھیجا۔ جو کچھ ان پر مالی حقوق لازم تھے اس میں انہوں نے کوتاہی نہیں کی اور نہ بخل سے کام لیا بلکہ انہوں نے اکثر مال اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کے لئے خرچ کرڈالا یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے تو تمام مال ہی راہِ خدا میں خرچ کرڈالا اور تنگی کے وقت میں اکثر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کو اپنی ذات پر ترجیح دی۔ خدا کے لئے ذرا بتاؤ! کیا تم بھی ایسے ہی ہو؟ اللہ کی قسم! تمہاری ان کے ساتھ ادنیٰ سی مشابہت بھی نہیں ہے۔ اکابر صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان مسکین رہنا پسند فرماتے تھے، محتاجی کے ڈر سے بے خوف رہتے تھے اور اپنے رزق کے معاملے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ پر یقین رکھتے تھے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جو ان کے لئے مقدر فرمایا اس پر خوش رہتے تھے، مصیبت وبلا کی حالت میں رب عَزَّوَجَلَّ کی رضا پر راضی، خوشحالی میں شاکر، تنگی میں صابر، راحت میں اس کی تعریف کرنے والے تھے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عاجزی کرنے والے اور غرور و تکبر اور کثرت مال پر فخر سے دور رہنے والے تھے، وہ دنیا کے مال سے مباح کی حد تک حاصل کرتے اور بقدرِ حاجت پر راضی رہتے۔ انہوں نے دنیا کو ٹھوکر ماری اور اس کی سختیوں پر صبر کیا اور اس کا کڑوا گھونٹ پیا نیز اس کی نعمتوں اور آسائشوں سے بے رغبت رہے۔ کھاؤ قسم کیا تم بھی ایسے ہی ہو؟

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جب دنیا ان کی طرف متوجہ ہوتی تو وہ غمگین ہو جاتے اور فرماتے کہ یہ کسی گناہ کی سزا ہے جو انہیں فوراً ملی ہے اور جب فقر کو اپنی طرف آتا دیکھتے تو فرماتے صالحین کی علامت کا آنا مبارک ہو۔

ہمیں یہ بات بھی پہنچی ہے کہ ان میں سے بعض جب صبح کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس کچھ مال دیکھتے تو غمگین ہو جاتے اور جب ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو اس پر خوشی کا اظہار کرتے۔ ان میں سے کسی سے پوچھا گیا کہ لوگوں کا طرز عمل تو یہ ہے کہ جب ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو وہ غمگین ہوتے ہیں اور جب ان کے پاس کچھ ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں جبکہ آپ کا عمل اس کے برخلاف ہے۔ انہوں نے فرمایا: جب میں صبح کے وقت دیکھتا ہوں کہ میرے اہل وعیال کے پاس کچھ نہیں ہے تو میں اس وجہ سے خوش ہوتا ہوں کہ میں نے مکی مدنی مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مبارک زندگی کے طرز عمل کو اپنایا اور جب میرے گھر والوں کے پاس کچھ ہوتا ہے تو میں غمگین اس وجہ سے ہوتا ہوں کہ میں نے اس سلسلے میں آلِ رسول کے طرز عمل کو نہیں اپنایا۔

ہمیں یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ جب ان کو مالی آسودگی حاصل ہوتی ہے تو یہ غمگین ہوتے اور

ڈرتے اور فرماتے ہمارا دنیا سے کیا تعلُّق ہے وہ ہماری مقصود نہیں۔ گویا وہ خوف محسوس کرتے اور جب تکالیف اور پریشانیاں ان پر نازل ہوتیں تو اس پر خوش ہوتے اور فرماتے: اب ہمارے رب نے ہم پر نظرِ کَرَم فرمائی ہے۔ یہ تھے سَلَف صالحین کے احوال اور ان کے اوصاف، ان کے فضائل تو اس قَدْر ہیں جن کا بیان ممکن نہیں۔ قسم کھا کر بتاؤ کیا تم بھی ایسے ہو؟ تمہاری تو ان لوگوں کے ساتھ ادنیٰ مُشابہَت بھی نہیں ہے۔

اب میں تمہاری حالت بیان کروں گا جو ان کے اوصاف کے بَرخِلاف ہے۔ تم مال داری کی حالت میں سرکشی کرتے ہو، خوشحالی میں ناشکری کرتے ہو اور مال و دولت کی فراوانی میں اَکڑتے ہو، نعمتوں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا نہیں کرتے، تکلیف کی حالت میں ناامیدی اختیار کرتے ہو، آزمائش کے وقت ناراض ہوتے ہو اور اس کی رضا پر راضی نہیں ہوتے۔ ہاں! تم فَقر کو ناپسند کرتے اور مسکینی سے نفرت کرتے ہو حالانکہ یہ رسولوں کا فخر ہے اور تم اس فخر سے دور بھاگتے ہو، تم مال ذخیرہ کرتے ہو اور محتاجی کے ڈر سے اسے جمع کرتے ہو، درحقیقت یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ پر تمہاری بدگمانی ہے اور اس نے جو رزق کا ذمہ لیا اس پر تمہارے اِعْتِماد کی کمی ہے اور تمہارے گناہ گار ہونے کے لئے بس یہی کافی ہے۔ شاید تم دنیا کی عیّاشیوں، آسائشوں، خواہشات اور لذتوں کے لئے مال جمع کرتے ہو حالانکہ ہمیں مُحسنِ کائنات، شاہِ موجودات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”میری امت کے بُرے لوگ وہ ہیں جنہوں نے آسائشوں میں پرورش پائی اور اسی پر ان کے جسم پلے بڑھے۔“[1]

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک اہلِ علم فرماتے ہیں: بروزِ قیامت کچھ لوگ اپنی نیکیاں تلاش کرتے ہوئے آئیں گے تو ان سے کہا جائے گا:

اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ (پ۲۶، الاحقاف: ۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تم اپنے حصّہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے اور انہیں برت چکے۔

تم غفلت کا شکار ہو اور دنیاوی نعمتوں میں مگن ہونے کے باعث آخرت کی نعمتوں سے دور ہو چکے ہو، کس قدر حسرت و افسوس کا مقام ہے۔ ہاں! تم مال کی زیادتی، تکبُّر و غُرور اور دنیوی زینت کے لئے مال جمع

[1] ...تاریخ مدینۃ دمشق، الرقم: ۵۱۳۱، عمار بن راشد، ۴۳/ ۳۱۱، حدیث: ۹۱۹۴

کرتے ہو حالانکہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ "جو شخص مال بڑھانے اور دوسروں پر فخر کا اظہار کرنے کے لئے دنیا حاصل کرتا ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر ناراض ہو گا۔" تمہاری حالت یہ ہے کہ تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کی ذرا پروا نہیں ہے کہ تم مال کی کثرت اور بلندی کے حصول میں لگے ہوئے ہو۔ شاید! تمہیں آخرت کی طرف جانے کی نِسْبَت دنیا میں رہنا زیادہ پسند ہے۔ تم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کو پسند نہیں کرتے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہاری ملاقات کو پسند نہیں فرماتا ہے اور تم اس بات سے غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ شاید تم دنیا کے اس مال پر افسوس کر رہے ہو جو تمہیں مل نہیں سکا حالانکہ ہمیں رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی یہ حدیث شریف پہنچی ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص دنیا کی کسی چیز کے چلے جانے پر افسوس کرتا ہے وہ ایک ماہ کی مسافت جہنم کے قریب ہو جاتا ہے۔"[1] اور ایک روایت میں ایک سال کا بھی ذکر ہے۔ تم مال کے نہ ملنے پر تو افسوس کا اظہار کر رہے ہو مگر تم اس بات کا اِحساس نہیں کر رہے کہ تم اس وجہ سے عذابِ الٰہی کے کس قدر قریب ہو رہے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی دنیا کو سنوارنے کے چکّر میں اپنے دین سے ہی ہاتھ دھو بیٹھو۔ تم دنیا کو اپنی طرف آتا دیکھ کر خوش ہوتے ہو اور اس خوشی میں راحت پاتے ہو حالانکہ ہمیں تاجدارِ انبیا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے یہ بات پہنچی ہے کہ "جو شخص دنیا سے محبت کرتا ہے اور اسے پا کر خوش ہوتا ہے تو اس کے دل سے آخرت کا خوف نکل جاتا ہے۔"[2]

ہمیں ایک عالِم کا یہ قول بھی پہنچا ہے کہ دنیا کے مال کے چلے جانے پر افسوس کرنے اور دنیا کے آنے پر خوش ہونے کا حساب بھی دینا پڑے گا جبکہ اس پر قدرت ہو۔

دنیا پانے کی تمہیں اس قَدَر خوشی ہے کہ تمہارے دل سے خوفِ خدا نکل چکا ہے۔ شاید تم دنیا کو آخرت کے مقابلے میں دُگنی اہمیت دیتے ہو۔ گناہوں کی مصیبت تمہارے نزدیک اتنی بڑی نہیں ہوتی جتنی بڑی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ تمہیں دنیا نہیں ملی اور ہاں! تمہیں گناہوں سے اتنا خوف نہیں ہوتا جتنا خوف تمہیں

---

[1] ...کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاوّل فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، ۳/ ۸۱، حدیث: ۶۱۲۴ "مسیرۃ شھر" بدلہ "مسیرۃ الف سنۃ"

[2] ...جامع العلوم والحکم، الحدیث الحادی والثلاثون، ص ۳۷۳ فیہ قول الحسن بصری

مال کے چلے جانے کا ہوتا ہے۔ تم جو مال لوگوں پر خرچ کرتے ہو اس سے تمہارا مقصود قدر و منزلت کا حصول ہوتا ہے۔ تم اپنی عزت و تکریم کے لئے خالق و مالک عَزَّوَجَلَّ کو ناراض کر کے مخلوق کو خوش کرتے ہو۔ گویا قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں حقیر ہونے کے مقابلے میں تم دنیا میں لوگوں کے سامنے حقیر ہونے کو معمولی خیال کرتے ہو، لوگوں سے اپنے گناہ چھپاتے ہو اور اس بات کی ذرا پروا نہیں کرتے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہارے احوال سے باخبر ہے۔ یعنی لوگوں کے سامنے ذلیل ہونے کے مقابلے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں ذلیل و رسوا ہونے کو معمولی خیال کرتے ہو گویا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نسبت اس کے بندوں کی قدر و منزلت تمہارے نزدیک زیادہ ہے، تمہاری اس جہالت سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ۔ جب تمہارے اندر اتنے عیب ہیں تو پھر عقل مند لوگوں سے برابری کی بات کس طرح کرتے ہو؟ تم پر افسوس ہے تم نَجاست سے بھرے ہوئے ہو اور نیک لوگوں کے مال سے استدلال کرتے ہو۔ تمہارا ان نیک لوگوں سے کیا مقابلہ؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! مجھے تو یہ بات پہنچی ہے کہ وہ لوگ حلال مال سے بھی اس قدر بچتے تھے جتنا تم حرام مال سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ تم جس مال میں کوئی حرج نہیں جانتے ہو وہ اسے مُہلِک خیال کرتے تھے، وہ چھوٹی سی لَغزِش کو بھی اپنے نزدیک بڑا گناہ خیال کیا کرتے تھے۔ کاش! تمہارا پاکیزہ اور حلال مال ان کے مشتبہ مال کی طرح ہی ہوتا۔ کاش! جس قدر وہ اپنی نیکیوں کے قبول نہ ہونے کا خوف رکھتے تھے اس قدر تم اپنے گناہوں سے خوف رکھتے۔ کاش! تمہارا روزہ دار ہونا ان کے بے روزہ ہونے کے برابر ہی ہو جاتا اور تمہاری عبادت میں مشقت ان کے راحت و آرام کے برابر ہی ہو جاتی۔ کاش! تمہاری تمام نیکیاں ان کی ایک نیکی کے برابر ہو جاتیں۔

ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک صحابی رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ”صِدِّیْقِیْن کی غنیمت وہ دنیاوی مال ہے جو ان کو نہ مل سکا اور ان کی خواہش وہ ہے جو ان سے لپیٹ لی گئی۔“ اور جس شخص کی یہ حالت نہ ہو وہ نہ دنیا میں ان کا ساتھی ہو سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں۔

سبحٰن اللہ! ان دونوں فریقوں کے درمیان کس قدر فرق ہے ایک اکابِر صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا وہ گروہ ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں بلند مقام پر فائز ہے اور دوسرا گروہ تم جیسے لوگوں کا ہے جو پستی میں ہیں مگر جس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے عفو و درگزر کے ذریعے کرم فرمائے (یعنی اسے اس پستی سے نجات عطا فرمادے)۔ اور

جہاں تک تمہارا یہ خیال ہے کہ تم بھی صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی طرح مانگنے سے بچنے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے راہ میں خرچ کرنے کے لئے مال جمع کرتے ہو تو اپنی اس بات میں ذرا غور و فکر کرو، کیا تمہارے زمانے میں اس طرح حلال مال مل سکتا ہے جس طرح ان کے زمانے میں مُیَسَّر تھا یا تمہارا یہ خیال ہے کہ جس طرح وہ کسبِ حلال میں محتاط تھے اس طرح تم بھی محتاط ہو۔ اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "ہم حرام کے دروازے میں داخل ہونے کے ڈر سے حلال کے 70 دروازے چھوڑ دیتے تھے۔" کیا تم اپنے نفس کے مُتَعَلِّق اس قسم کے احتیاط کی امید رکھتے ہو؟ ربِّ کعبہ کی قسم! میں تمہارے بارے میں اس طرح گمان نہیں کرتا۔ جان لو کہ نیکی کی نیت سے مال جمع کرنے کا تمہارا خیال ایک شیطانی فریب ہے تاکہ وہ نیکی کے ذریعے تمہیں ان شبہات میں ڈالے جن میں حرام کی ملاوٹ ہے اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رحمتِ عالم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جو شخص شُبہات والے کاموں میں پڑنے کی جراَت کرتا ہے قریب ہے کہ وہ حرام کام میں جا پڑے۔[1]

اے دھوکے میں مبتلا! کیا تو نہیں جانتا کہ مشتبہ مال کما کر اسے راہِ خدا اور نیک کاموں میں خرچ کرنے کی نسبت شُبہات میں پڑنے سے تیرا ڈرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں تیری قدر و منزلت کو بڑھاتا ہے۔ ایک صاحبِ علم کا قول ہے کہ "حرام کے خوف سے کسی کا ایک درہم چھوڑ دینا ہزار مشتبہ دینار صَدَقہ کرنے سے افضل ہے کیونکہ ان میں شبہ ہے کہ وہ اس کے لئے حلال ہیں یا نہیں۔" اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ تم متقی اور پرہیز گار ہونے کی وجہ سے شبہات سے بچتے ہو اور حلال مال کماتے ہو تاکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں خرچ کرو بالفرض اگر تم ایسے ہی ہو پھر بھی تمہیں قیامت کے حساب سے بے خوف نہیں ہونا چاہئے کیونکہ جَلِیْلُ الْقَدْر صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اِحتِساب سے ڈرتے تھے۔

اور ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "اگر میں روزانہ ایک ہزار دینار حلال مال سے کماؤں اور اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں خَرْچ کروں اور اس کمائی کی وجہ سے میری باجماعت نماز میں رکاوٹ بھی نہ پڑے تو بھی میں یہ پسند نہ کروں۔" حاضِرین نے پوچھا: اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ پر رحم فرمائے!

---

[1]... المعجم الاوسط، ۲/ ۱۵۸، حدیث: ۲۸۶۸ بتغیر

اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: ”میں قیامت کے دن (طویل حساب وکتاب) کے لئے کھڑا ہونے سے بچ جاؤں گا کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ پوچھے گا: اے میرے بندے! تونے (مال) کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟“

یہ مُتَّقِی لوگ اسلام کے دورِ اَوّل کے تھے، اس زمانے میں آمدنی کے حلال ذرائع موجود تھے لیکن انہوں نے حساب کے خوف سے اسے ترک کر دیا، انہیں اس بات کا ڈر رہتا تھا کہ مال کے ذریعے نیکی کمانا کہیں بدی میں بدل نہ جائے اور تمہاری حالت یہ ہے کہ تم تو سرکشی والے دور میں ہو جس میں حلال مَفقُود ہے اور تم لوگوں کی ہاتھ کی میل پر جھپٹتے ہو اس کے باوجود تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم حلال مال جمع کرتے ہو، تمہارا بُرا ہو! حلال مال کہاں ہے جسے تم جمع کرتے ہو؟ پھر اگر تمہارے پاس حلال مال موجود بھی ہو تو کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ مال دار ہو جانے کے بعد تمہارا دل بدل جائے؟ اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ وِراثت میں حلال مال کے وارث ہوئے تو صرف اس خوف سے اسے چھوڑ دیا کہ کہیں میرا دل بدل نہ جائے۔ کیا تمہیں یہ گمان ہے کہ تمہارا دل صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے دلوں سے زیادہ متقی ہے کہ کسی بھی حال میں حق سے تجاوُز نہیں کرے گا۔ اگر تم اپنے نفس کے متعلق یہ گمان کرتے ہو تو اس کا مطلب تم اپنے نَفْسِ اَمّارہ کے متعلق حُسنِ ظن رکھتے ہو۔

اے نادان! میری نصیحت ہے کہ بقدرِ ضرورت پر قناعت کر اور نیک اعمال کی نیت سے مال جمع کر کے اپنے آپ کو حساب کے لئے پیش نہ کر کیونکہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”فَمَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ یعنی جس سے قیامت کے دن حساب میں چھان بین کی گئی اسے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔“[1] اور رحمتِ عالم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: ”قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا جس نے حرام طریقے سے مال کمایا اور حرام کام میں خرچ کیا ہو گا، حکم ہو گا اسے جہنم کی طرف لے جاؤ اور ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے حلال طریقے سے مال کمایا اور حرام کام میں خرچ کیا ہو گا، حکم ہو گا اسے بھی جَہَنَّم میں لے جاؤ پھر ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے حرام طریقے سے مال جمع کیا اور جائز کاموں میں خرچ کیا ہو گا، حکم ہو گا اسے بھی جہنم میں لے جاؤ پھر ایک ایسے شخص کو

[1] ... بخاری، کتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عذب، ۴/ ۲۵۶، حدیث: ۶۵۳۶

لایا جائے گا جس نے حلال طریقے سے مال کما کر جائز کاموں میں خرچ کیا اس سے کہا جائے گا ٹھہر جا! شاید تو نے مال کمانے میں کسی فرض میں کوتاہی کی ہو، وقت پر نماز نہ پڑھی ہو یا پھر اس کے رُکوع وسُجود اور وضو میں کوئی کوتاہی کی ہو۔ وہ کہے گا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں نے حلال طریقے پر مال کمایا اور جائز کاموں میں خرچ کیا اور تیرے فرائض میں سے کسی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی۔ کہا جائے گا: شاید تو نے اس مال پر تکبُّر کیا یا سُواری یا لباس کے ذریعے تو نے دوسروں پر فخر کا اظہار کیا ہو۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! نہ تو میں نے تکبر کیا اور نہ کسی چیز پر فخر کا اظہار کیا۔ کہا جائے گا: شاید تو نے قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو دینے کا جو میں نے حکم دیا ہے اس کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہو۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! میں نے ایسا نہیں کیا، میں نے حلال ذرائع سے مال کمایا اور جائز کاموں میں خرچ کیا، تیرے کسی فرض کو ضائع نہیں کیا، فَخْر وغُرُور سے بھی دور رہا اور جسے دینے کا تو نے حکم دیا اس کی ادائیگی میں بھی کوتاہی نہیں کی۔ پھر وہ سب (یعنی یتیم، مسکین اور قریبی رشتہ دار وغیرہ) آئیں گے اور اس سے جھگڑا کریں گے وہ کہیں گے: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تو نے اسے مال عطا کیا، مال دار بنایا، ہمارا مددگار کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ ہمیں دے۔ اگر اس نے ان کو دیا ہو گا اور فرائض میں کوتاہی بھی نہیں کی ہو گی، غرور و تکبر بھی نہیں کیا ہو گا پھر بھی اس سے کہا جائے گا ابھی ٹھہر جا! میں نے تجھے جو نعمتیں دی ہیں چاہے وہ کھانا یا پانی یا مختلف لذتیں ہوں ان کا شکر پیش کر، اسی طرح اس سے پوچھ گچھ ہوتی رہے گی۔"

اے نادان! یہ تو بتا ان سوالات کے لئے کون تیار ہو گا؟ یہ تو اس شخص کا حال ہے جس نے حلال طریقے سے مال کمایا تمام حقوق اور فرائض صحیح طریقے سے ادا کئے پھر بھی اسے اس سے حساب و کتاب سے گزرنا پڑا تو ہمارے جیسے لوگوں کا کیا حال ہو گا جو دنیاوی فتنوں میں مبتلا، شبہات، خواہشات اور دنیاوی زینتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اے نادان! ان سوالات کے باعث متقی لوگ دنیا میں مشغول ہونے سے خوف زدہ رہتے، بقدرِ ضرورت ہی پر راضی رہتے اور جو مال انہیں حاصل ہوتا اس سے طرح طرح کے اچھے کام کرتے۔ تمہیں ان نیک لوگوں کے طریقے کو اختیار کرنا ہو گا اگر تم اس بات کو نہ مانو اور یوں کہو کہ تم تقویٰ اور پرہیز گاری میں اعلیٰ مرتبے کو پہنچے ہوئے ہو اور تمہارا گمان یہ ہے کہ تم حلال مال کماتے ہو اور تمہارا مقصود اس سے

سوال سے بچنا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں خرچ کرنا ہے اور پھر یہ بھی کہ تم حلال مال سے ناحق خرچ بھی نہیں کرتے نیز مال کے سبب تمہاری قلبی کَیْفِیَّت میں بھی تبدیلی بھی نہیں آتی اور تم اپنے کسی ظاہر اور پوشیدہ عمل سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ناراض بھی نہیں کرتے اگر ایسا ہے حالانکہ ایسا ہونا ممکن دکھائی نہیں دیتا تو پھر بھی تمہیں بَقَدْرِ ضرورت مال پر راضی رہنا چاہئے اور مال دار لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنی چاہئے کیونکہ جب ان کو حساب وکتاب کے لئے روکا جائے گا تو تم حضرت سَیِّدُنا محمد مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی قیادت میں جانے والے پہلے قافلے میں شامل ہوگے، تمہیں حساب وکتاب اور سوال کے لئے روکا نہیں جائے گا کیونکہ حساب کے بعد نجات ہوگی یا ہلاکت۔ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ محبوب ربِّ داور، شفیعِ روزِ محشر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "غریب ونادار مُہاجِرِین مال دار مہاجرین سے 500 سال پہلے جنّت میں جائیں گے۔"[1]

اور حضورِ انور، شافعِ مَحشر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: "غریب ونادار مؤمنین مالدار مؤمنین سے پہلے جنت میں جائیں گے اور وہاں کھائیں گے اور جنتی نعمتوں سے لُطف اندوز ہوں گے جبکہ مالدار گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرمائے گا: میرا مطالبہ تم ہی سے ہے تم لوگوں کے حکمران اور بادشاہ تھے، مجھے بتاؤ میں نے تمہیں جو کچھ عطا کیا اس میں تم نے کیا کیا عمل کیا؟

اور ہمیں ایک عالم کی یہ بات بھی پہنچی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں سرخ اونٹوں کا مالک بنوں لیکن جنت میں داخل ہونے والے پہلے قافلے میں شامل نہ ہوں جو رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور آپ کی جماعت پر مشتمل ہے۔" اے لوگو! ان لوگوں کی طرح سبقت کرو جو ہلکے پھلکے ہیں اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی جماعت کے ساتھ شامل ہیں اور سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پیچھے رہنے سے اس طرح ڈرو جس طرح متقی لوگ ڈرتے ہیں۔ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا ابو بکر صِدِّیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو ایک مرتبہ پیاس محسوس ہوئی تو ان کے پاس شہد ملا پانی لایا گیا، انہوں نے جب اسے چکھا تو ہچکی بندھ گئی پھر رو پڑے اور حاضِرِین کو بھی رُلا دیا اس کے بعد اپنے چہرے سے آنسو پونچھے اور گفتگو کرنے لگے تو دوبارہ رونا آگیا۔ جب رونا زیادہ ہوگیا تو عرض کی گئی: کیا یہ سب

[1] ...سنن ابی داود، کتاب العلم، باب فی القصص، ۳/ ۴۵۲، حدیث: ۳۶۶۶

کچھ پانی کے اس گھونٹ کی وجہ سے ہے؟ فرمایا: ہاں۔ پھر ارشاد فرمایا: ایک دن میں شافِعِ محشر، ساقیِ کوثر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ تھا اور گھر میں میرے علاوہ آپ کے ساتھ کوئی نہیں تھا اسی دوران آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کسی چیز کو اپنے آپ سے دور کرتے ہوئے ارشاد فرمانے لگے: مجھ سے دور ہو جا۔ میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے تو کوئی چیز نہیں دکھائی دے رہی، آپ کس سے گفتگو فرمارہے ہیں؟ ارشاد فرمایا: یہ دنیا ہے اس نے اپنی گردن اور سر میری طرف بڑھا کر کہا: اے محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! مجھے لے لیں۔ میں نے کہا: مجھ سے دور ہو جا۔ اس نے کہا: اے محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اگر آپ مجھ سے بچ بھی جائیں تو آپ کے بعد والے لوگ مجھ سے بچ نہیں پائیں گے۔[1]

لہٰذا مجھے ڈر ہوا کہ یہ (شہد ملا ہوا پانی) مجھے رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے دور نہ کر دے۔

اے لوگو! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے یہ نیک بندے اس ڈر سے بھی رو دیتے تھے کہ کہیں حلال پانی بھی انہیں رسولِ اکرم، شاہ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے دور نہ کر دے، عجیب بات ہے تم طرح طرح کی نعمتوں اور مختلف قسم کی خواہشات میں مبتلا ہو جو حرام اور مشتبہ ذرائع سے حاصل کی گئیں لیکن تمہیں رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے دوری کا خوف نہیں تم پر تُف ہے تم کس قدر جاہل ہو۔ اگر تم قیامت کے دن حضرت سیِّدُنا محمد مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پیچھے رہ گئے تو تمہیں ایسے دہشت ناک مناظِر کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے فرشتوں اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام نے بھی پناہ مانگی ہے اور اگر اب سبقت کرنے سے کوتاہی کرو گے تو ان سے ملنا دشوار ہو جائے گا اور اگر مال کی کثرت کا ارادہ کرو گے تو حساب وکتاب کی مشقت میں پھنس جاؤ گے اگر تھوڑے مال پر قناعت نہیں کرو گے تو زیادہ دیر تک میدانِ مَحْشَر میں کھڑا رہنا پڑے گا اور آہ وبکا کرنا پڑے گی، اگر پیچھے رہنے والوں کے حالات کو پسند کرو گے تو اصحابِ یمین اور سیِّدِ عالم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ضرور الگ ہو جاؤ گے اور جنت کی نعمتوں تک دیر سے پہنچو گے۔ اگر تم نے متقی لوگوں کے احوال کی مُخالَفت کی تو قیامت کے دن کی ہولناکیوں میں تمہیں حساب وکتاب کے مرحلے سے گزرنا پڑے گا، لہٰذا تم نے جو کچھ سنا اس پر غور کرو۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اگر تم اپنے

[1] ...شعب الایمان، باب فی الزھد وقصر الامل، ۷/ ۳۶۵، حدیث: ۱۰۵۹۶

آپ کو بزرگانِ دین کی مثل خیال کرتے ہو تو تھوڑے مال پر قناعت کرو، حلال مال میں زیادہ کی رغبت نہ رکھو، مال خرچ کرنے والے اور دوسروں کو خود پر ترجیح دینے والے بنو، محتاجی سے نہ ڈرو، کل کے لئے کوئی چیز جمع نہ کرو، مال کی کثرت اور مال داری سے نفرت کرو، فقر اور مصیبت پر راضی رہو، تھوڑے مال اور مسکینی پر خوش رہو، ذلت وانکساری پر خوش رہو، فخر وغرور کو ناپسند کرو، اپنے معاملات میں مضبوط رہو، ہدایت سے تمہارا دل نہ پھرے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لازم کردہ احکام میں اپنے نفس کا مُحاسَبَہ کرو اور اپنے تمام کاموں کو رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھال لو پھر ہرگز تم حساب کے لئے روکے نہیں جاؤ گے اور نہ ہی تمہارے جیسے متقی لوگوں کا حساب ہو گا۔ تمہارا حلال مال جمع کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے ہو گا۔

اے نادان! غور تو کر کیا تو نہیں جانتا کہ مال کی مشغولیت کو چھوڑ کر دل کو ذکر و فکر اور وعظ و نصیحت کے لئے فارغ کرنے میں دین کی زیادہ سلامتی، حساب میں آسانی اور سوال میں تخفیف ہے مزید یہ کہ اس سے قیامت کی سختیوں میں آسانی ہوتی ہے اور ثواب بھی کثیر ملتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک قدر و منزلت بھی بڑھتی ہے۔ ہمیں ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے متعلق یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اگر ایک شخص کی جھولی میں دینار ہوں اور وہ لوگوں کو دے اور دوسرا شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر کرے تو ذکر کرنے والا افضل ہے۔" ایک عالِم دِین سے نیک کاموں کے لئے مال جمع کرنے والے شخص کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: "اس شخص کا مال کا چھوڑنا ہی سب سے بڑی نیکی ہے۔" ہمیں یہ بات بھی پہنچی ہے کہ ایک تابعی بُزرگ سے دو آدمیوں کے بارے میں پوچھا گیا جن میں سے ایک حلال طریقے سے دنیا کا مال کماتا ہے، اس سے صِلَۂ رِحْمی کرتا ہے اور توشۂ آخرت بناتا ہے جبکہ دوسرا دنیا سے اِجْتِناب کرتا ہے، نہ اسے حاصل کرتا ہے اور نہ ملنے پر لیتا ہے تو ان میں سے کون افضل ہے؟ انہوں نے فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! ان دونوں میں سے افضل بچنے والا ہے اور ان کے درمیان مشرق و مغرب جتنی دوری ہے۔"

اے نادان! یہ فضیلت ترک دنیا سے حاصل ہوتی ہے اگر تو بھی دنیا کو اس کے طَلَب کرنے والوں پر چھوڑ دے تو تجھے بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی بلکہ مال میں مشغولیت کو چھوڑنے کے سبب تجھے کئی دنیاوی فوائد حاصل ہوں گے مثلاً: تیرے بدن کو زیادہ راحت ملے گی، تھکاوٹ کم ہو گی، زندگی سکون سے

گزرے گی، دل مُطْمَئِن ہو گا اور تفکرات دامن گیر نہیں ہوں گے۔ جب نیک کاموں کے لئے مال جمع کرنے سے افضل مال ترک کرنا ہے تو اب تیرے پاس مال جمع کرنے کا کیا عذر رہے؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی نسبت اس کے ذکر میں مشغول ہونا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ اس طرح تمہیں دنیاوی راحت بھی ملے گی اور آخرت کی سلامتی اور فضیلت بھی۔ اگر بالفرض مال جمع کرنے میں بہت بڑی فضیلت بھی ہو پھر بھی اچھے اخلاق کے حصول کے سلسلے میں تجھے اپنے نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی پیروی کرنی چاہئے کیونکہ ان ہی کے ذریعے تجھے ہدایت ملی ہے، لہٰذا جس طرح انہوں نے اپنے لئے دنیا سے کنارہ کشی اِختیار فرمائی اس طرح تم بھی اس بات پر راضی رہو۔

اے نادان! جو کچھ تم نے سنا ہے اس پر غور کر اور اس بات پر یقین رکھ کہ سعادت مندی اور کامیابی دنیا سے بچنے میں ہے، لہٰذا تو بھی مصطفےٰ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے جھنڈے تلے جنتِ ماوٰی کی طرف چل۔

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ تاجدارِ انبیا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”جنت میں مؤمنین کے سردار وہ لوگ ہوں گے جن کو صُبح کا کھانا ملتا ہے تو شام کا کھانا نہیں ملتا، جب وہ قرض مانگتے ہیں تو انہیں قرض نہیں ملتا، ان کے پاس شرمگاہ ڈھانپنے سے زیادہ کپڑا نہیں ہوتا وہ اتنا مال کمانے پر بھی قادر نہیں ہوتے جو ان کو کِفایت کرے اس کے باوُجود وہ صبح وشام اپنے رب سے راضی رہتے ہیں۔“

فَاُولٰٓىٕكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓىٕكَ رَفِیْقًاؕ﴿۶۹﴾ (پ۵، النساء: ۶۹)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اے میرے بھائی! اس بیان کے بعد بھی اگر تم مال جمع کرو تو تمہارا یہ دعوٰی جھوٹ ہو گا کہ تم نیکی اور فضیلت کے باعث مال جمع کرتے ہو بلکہ تم محتاجی کے ڈر سے اور عیش وعشرت، زیب وزینت، مالداری، فخر، بڑائی، ریاکاری، ناموَری اور شہرت وعزت کے لئے مال جمع کرتے ہو مگر ان سب کے باوجود تمہارا خیال ہے کہ تم نیک اعمال کے لئے مال جمع کرتے ہو، اے دھوکے میں مبتلا! اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈر اور اپنے دعوٰی پر شَرْمَسار ہو۔ اگر تو مال اور دنیا کے فتنے میں مبتلا ہے تو اس بات کو سمجھنے کی کوشش کر کہ ضرورت کے مطابق

مال پر راضی رہنا اور زائد از ضرورت مال سے بچنا ہی فضیلت کا باعث ہے اور مال جمع کرتے وقت تو اپنے نفس کو حقیر جان اور اپنے گناہ کا اعتراف کر نیز حساب و کتاب سے ڈر کیونکہ یہ بات مال جمع کرنے پر دلائل پیش کرنے کے مقابلے میں زیادہ باعثِ نجات و فضیلت ہے۔

میرے بھائیو! اس بات کو جان لو کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے زمانے میں حلال مال موجود تھا اس کے باوجود وہ مال سے باقی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ بچتے تھے حالانکہ وہ مال ان کے لئے جائز ہوتا تھا۔ جبکہ ہم ایسے زمانے میں ہیں جس میں حلال مال مفقود ہے ہمیں ایک دن کی روزی اور ستر ڈھانپنے کے لئے حلال کیسے مُیَسَّر ہو سکتا ہے؟ اور جہاں تک مال جمع کرنے کی بات ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں اور تمہیں اس سے بچائے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان جیسا تقوٰی، اُن جیسا زُہد اور ان جیسی اِحتیاط ہم میں کہاں ہے؟ خدا کی قسم! ہم پر نفسانی بیماریاں اور خواہشات چھائی ہوئی ہیں حالانکہ قیامت کی حاضری قریب ہے۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو قیامت کے دن ہلکے پھلکے ہوں گے اور جن لوگوں نے دنیا میں زیادہ مال جمع کیا وہ اس دن بہت زیادہ غمگین ہوں گے۔ یہ میری نصیحت ہے اگر تم قبول کرو لیکن اس نصیحت کو قبول کرنے والے لوگ بہت کم ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں اور تمہیں اپنی رحمت سے ہر قسم کی نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

حضرت سیِّدُنا حارِث محاسِبی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کا کلام ختم ہوا اس کلام میں مال داری پر فقر کی فضیلت کو جتنا واضح کیا گیا ہے اس پر مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ ہم نے دنیا کی مذمت اور فقر و زُہد کے بیان میں جو احادیث ذکر کی ہیں وہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں نیز اس سلسلے میں حضرت سیِّدُنا ابو اُمامہ باہلی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی روایت بھی شہادت دیتی ہے۔ چنانچہ

ثَعْلَبَہ بن حاطب کا قصہ:

ثعلبہ بن ابی حاطِب حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمتِ اَقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے مال عطا فرمائے۔ سرکارِ مدینہ، باعثِ نزولِ سکینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس پر تُو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرے اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس پر تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا نہ کر سکے۔ ثعلبہ نے پھر عرض

کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے مال عطا فرمائے۔ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اے ثَعلبہ! کیا تیرے لئے میری زندگی نمونہ نہیں ہے؟ کیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نبی کے نقشِ قدم پر نہیں چلنا چاہتا؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر میں چاہوں کہ یہ پہاڑ میرے ساتھ سونا اور چاندی بن کر چلیں تو یہ چل پڑیں گے۔ ثعلبہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے! اگر آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا مانگیں کہ وہ مجھے مال عطا فرمائے تو میں اس میں سے ضرور ہر حق دار کو اس کا حق دوں گا اور فُلاں فُلاں (نیک کام) کروں گا۔ قاسِمِ نعمت، ساقیِ کوثر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دعا فرمائی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! ثعلبہ کو مال عطا فرما۔ اس کے بعد اس نے کچھ بکریاں خریدیں تو وہ بکریاں ایسے بڑھنے لگیں جیسے کیڑے بڑھتے ہیں حتّٰی کہ مدینہ طَیِّبہ میں ان کے لئے جگہ تنگ ہو گئی تو وہ وہاں سے ایک وادی میں چلا گیا اور صرف ظہر اور عصر کی جماعت میں حاضری دینے لگا باقی نمازوں میں جماعت کی حاضری چھوڑ دی پھر اس کی بکریاں مزید بڑھ گئیں تو وہ وہاں سے بھی آگے چلا گیا حتّٰی کہ اب صرف جمعہ کی نماز میں حاضری دینے لگا اور باقی تمام نمازوں میں حاضری چھوڑ دی اور پھر جب اس کی بکریاں اور بڑھیں تو جمعہ کی حاضری بھی اس سے چھوٹ گئی پھر وہ مدینہ منورہ کی خیر خبر ان قافلے والوں سے لیتا جو نمازِ جمعہ کے لئے مدینہ طیبہ میں حاضر ہوتے۔ ایک مرتبہ سرکارِ نامدار، مدینے کے تاجدار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس کے بارے میں پوچھا کہ ثَعلَبہ بن ابی حاطِب کو کیا ہوا؟ آپ کو اس کی حالت بتائی گئی تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے (تین مرتبہ) ارشاد فرمایا: "ثعلبہ کے لئے ہلاکت ہے، ثعلبہ کے لئے ہلاکت ہے، ثعلبہ کے لئے ہلاکت ہے۔" (اسی دوران) اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک کی یہ آیت نازل فرمائی:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَتُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا وَصَلِّ عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّہُمۡ ؕ (پ۱۱، التوبۃ: ۱۰۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل (وصول) کرو جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بیشک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔

اس آیت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے زکوٰۃ فرض فرمادی تو حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک

آدمی قَبِیْلَه جُهَیْنَه سے اور ایک بنو سُلَیم سے زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر فرمایا اور ان کو زکوٰۃ کی وصولی کا حکم نامہ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ وہ جائیں اور مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کریں نیز ان سے یہ بھی فرمایا کہ ثعلبہ اور بنو سُلیم کے فلاں شخص کو بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کہنا۔ وہ دونوں رخصت ہوئے حتّٰی کہ ثعلبہ کے پاس گئے اور اس سے زکوٰۃ کا مُطالَبہ کیا نیز اسے رحمتِ عالم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا حکم نامہ پڑھ کر سنایا۔ اس نے کہا یہ تو ٹیکس ہے یا ٹیکس ہی کی طرح ایک مالی مَحْصُول ہے، لہٰذا تم لوگ ابھی چلے جاؤ اور اپنے کام سے فارغ ہو کر آنا۔ چنانچہ وہ دونوں وہاں سے چلے اور بنو سُلیم کے اس شخص کے پاس پہنچ گئے، اس نے جب شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا حکم نامہ سنا تو اپنے مال میں سے ایک عمدہ اونٹ نکال کر الگ کیا اور ان دونوں کے سامنے پیش کر دیا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا: تم پر عمدہ مال دینا واجب نہیں ہے ، لہٰذا ہم تم سے یہ عمدہ مال نہیں لیں گے۔ وہ کہنے لگا: میں دل کی خوشی سے دے رہا ہوں اسے لے لو۔ چنانچہ انہوں نے اسے لے لیا۔ جب وہ دونوں صَدَقہ کی وُصولی سے فارغ ہوئے تو واپس لوٹتے ہوئے ثعلبہ کے پاس آئے اور اس سے پھر زکوٰۃ کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا: مجھے رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا تحریری حکم نامہ دکھاؤ جب اس نے وہ تحریر دیکھی تو اسے دیکھ کر کہنے لگا: یہ تو ٹیکس کی طرح مالی محصول دکھائی دیتا ہے، تم ابھی چلے جاؤ میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں۔ وہ دونوں وہاں سے رخصت ہو کر خدمَتِ اَقدس میں حاضر ہوگئے، آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کو دیکھا تو ان کے کلام کرنے سے پہلے ہی ارشاد فرمایا: "ثعلبہ کے لئے ہلاکت ہے۔" پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بنو سُلَیم کے شخص کے حق میں دعا فرمائی۔ اس کے بعد ان دونوں نے ثعلبہ اور بنو سُلَیم کے شخص کا سارا واقعہ بارگاہِ اقدس میں عرض کر دیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ثعلبہ کے متعلق قرآن پاک کی یہ آیت نازل فرمائی:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ(۷۵) فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ(۷۶) فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى

ترجمۂ کنزالایمان: اور ان میں کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اس میں بُخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر

يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ(۷۷) (پ۱۰، التوبۃ: ۷۵تا۷۷)

پلٹ گئے تو اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں گے بدلہ اس کا کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ جھوٹ بولتے تھے۔

اس آیت کے نُزول کے وقت رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے پاس ثعلبہ کا ایک قریبی رشتہ دار بیٹھا ہوا تھا اس نے جب یہ آیت سنی تو وہ وہاں سے نکل کر ثعلبہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ثعلبہ! تیری ماں مرے، تیرے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ایسا ایسا نازل فرمایا ہے (یعنی مذکورہ آیت)۔ ثعلبہ نے یہ سنا تو وہ وہاں سے نکل کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے زکوٰۃ قبول کرنے کی درخواست کی۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ وہ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا تو سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: یہ تیرے اپنے کئے کی سزا ہے میں نے تجھے حکم دیا تھا لیکن تو نے میری بات نہیں مانی۔ ثعلبہ مایوس ہو کر گھر لوٹ گیا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وِصالِ ظاہری کے بعد جب حضرت سیِّدُنا ابو بکر صِدّیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ مَسْنَدِ خِلافت پر رونق افروز ہوئے تو ثعلبہ آپ کے پاس آیا اور آپ سے زکوٰۃ قبول کرنے کی درخواست کی۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا پھر وہ امیر المومنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے (دورِ خلافت میں ان کے) پاس آیا تو انہوں نے بھی اس کا صدقہ قبول کرنے سے انکار فرما دیا پھر امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے دورِ خلافت میں ثعلبہ مر گیا۔[1]

یہ ہے مال کی سرکشی اور نحوست جو اس حدیث میں تمہارے لئے واضح ہوئی یہی وجہ ہے کہ فقر کی برکت اور مالداری کی نحوست کی بناء پر حُسنِ اَخلاق کے پیکر، مَحبوبِ رَبِّ اَکبر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے فقر کو ترجیح دی ہے۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور خاتونِ جنت رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کی بھوک:

حضرت سیِّدُنا عمران بن حُصَین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ مجھے بارگاہِ رسالت میں ایک مقام حاصل

[1] ...المعجم الکبیر، ۸/ ۲۱۸، حدیث: ۷۸۷۳

تھا ایک مرتبہ دو جہاں کے تاجوَر، سلطانِ بَحرو بَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ”اے عمران! ہمارے ہاں تمہیں ایک مقام حاصل ہے کیا تم رسولِ خدا کی بیٹی فاطمہ کی عیادت کے لئے جانا پسند نہیں کروگے؟“ میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں ضرور چلوں گا۔ چنانچہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا حتّٰی کہ حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے مکان تک پہنچے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مکان کے دروازے پر دستک دی اور فرمایا ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکُم“ کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! تشریف لے آیئے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”کیا میں بھی اور جو میرے ساتھ ہے وہ بھی؟“ انہوں نے پوچھا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”عمران بن حُصَین۔“ انہوں نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے! میرے اوپر صرف ایک ہی کُرتا ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ اسے اپنے اوپر اس طرح لپیٹ لو۔ کہنے لگیں: میں نے اپنا جسم تو چُھپالیا سر کو کس سے چُھپاؤں؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے پاس ایک پرانی چادر تھی آپ نے ان کی طرف وہ چادر پھینکی اور فرمایا: اسے اپنے سر پر لپیٹ لو۔ چنانچہ اس کے بعد اِجازت عطا ہوئی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اندر تشریف لائے اور فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكِ (یعنی تم پر سلامتی ہو) اے میری بیٹی! تم کیسی ہو؟ کہنے لگیں: مجھے درد ہے اور اس درد میں بھوک نے اِضافہ کر دیا ہے، میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں جسے میں کھا سکوں، بھوک نے مجھے نڈھال کر دیا ہے۔ یہ سن کر محبوب ربِّ اکبر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم رو پڑے اور ارشاد فرمایا: ”اے میری لختِ جگر! غم مت کرو، بخدا! میں نے بھی تین دن سے کھانا نہیں کھایا حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں میرا مرتبہ تم سے بڑھ کر ہے۔ اگر میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرتا تو وہ مجھے ضرور کھلاتا لیکن میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی۔“ پھر رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنا دستِ اَقدس حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے کاندھے پر رکھ کر ارشاد فرمایا: ”تمہیں خوشخبری ہو بخُدا! تم جنّتی عورتوں کی سردار ہو۔ یہ سن کر انہوں نے عرض کی: جنّتی عورتوں کی سردار تو فرعون کی بیوی حضرت

آسیہ اور حضرت مریم بنت عمران رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا ہیں ؟ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "آسیہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں، مریم اپنے زمانے کی عورتوں کی، خدیجہ اپنے زمانے کی عورتوں کی اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو۔ تم سب ایسے مَحلات میں رہو گی جس میں نہ تو کسی قسم کی تکلیف ہو گی اور نہ ہی شوروغل۔" پھر ارشاد فرمایا: "اپنے چچازاد (یعنی حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ) کے ساتھ قناعت اختیار کرو میں نے تمہاری شادی ایسے شخص کے ساتھ کی ہے جو دنیا میں بھی سردار ہے اور آخرت میں بھی۔"[1]

سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی جگر گوشہ خاتونِ جنت حضرت سیِّدَتُنا فاطِمَۃُ الزَّھْراء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی حالت پر ذرا نظر ڈالو کہ کس طرح انہوں نے فقر کو ترجیح دی اور مال کو ترک فرمایا۔ جو شخص انبیائے کرام اور اولیائے عِظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے حالات اور ان کے اقوال اور ان سے مروی روایات وواقِعات کا مُطالَعَہ کرتا ہے اسے اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں کسی قسم کا شک نہیں ہوتا کہ مال کا نہ ہونا اس کے ہونے سے افضل ہے اگرچہ نیک کاموں پر خَرْچ کرے کیونکہ آدمی اگر مالی حقوق بھی ادا کردے، شُبہات سے بھی بچ جائے اور نیک کاموں میں مال خرچ بھی کرلے لیکن اس کے باوُجود کم از کم انسان کو اس کی اِصلاح کی فِکْر رہتی ہے اور یہ بات اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے غافل کر دیتی ہے کیونکہ ذکر کے لئے فراغت کی ضرورت ہوتی ہے اور مال میں مشغولیت کے سبب فراغت نہیں رہتی۔

حکایت: مال کا وبال

حضرت سیِّدُنا جَرِیر بن حازِم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَدِیْر حضرت سیِّدُنا لَیث رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سَفَر پر روانہ ہوئے، راستے میں ایک شخص ملا، اس نے عرض کی: حضور! مجھے بھی اپنی بابرکت صحبت میں رہنے کی اجازت عطا فرمادیں، میں بھی آپ کے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اسے اپنی ہمراہی کی اجازت عطا فرمادی اور دونوں ایک ساتھ سفر کرنے لگے۔ ایک نہر کے کنارے پہنچ کر بیٹھ گئے اور کھانا کھانے لگے دونوں کے پاس تین

[1] ...تاریخ مدینۃ دمشق، ۴۲/ ۱۳۴، الرقم: ۴۹۳۳، علی بن ابی طالب، باختصار

روٹیاں تھیں، ایک ایک روٹی دونوں نے کھالی اور تیسری روٹی بچی رہی۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام روٹی کو وہیں چھوڑ کر نہر پر گئے اور پانی پیا، پھر جب واپس آئے تو دیکھا کہ روٹی غائب ہے، آپ نے اس شخص سے پوچھا: تیسری روٹی کہاں گئی؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام چلنے لگے تو وہ شخص بھی آپ کے ساتھ ہولیا راستے میں ایک ہرنی اپنے دو خوبصورت بچوں کے ساتھ کھڑی تھی، آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ہرنی کے ایک بچے کو اپنی طرف بلایا تو وہ آپ کا حکم پاتے ہی فوراً حاضِرِ خدمت ہوگیا، آپ نے اسے ذبح کیا، اسے بھونا اور دونوں نے اس کا گوشت کھایا، پھر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس کی ہڈیاں ایک جگہ جمع کیں اور فرمایا: "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم سے کھڑا ہو جا۔" یکایک وہ ہڈیاں دوبارہ ہرنی کا بچہ بن گئیں اور وہ بچہ اپنی ماں کی طرف روانہ ہوگیا، آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس شخص سے فرمایا: اے شخص! تجھے اس ذات کی قسم! جس نے تجھے میرے ہاتھوں یہ مُعْجِزَہ دکھایا، تو سچ سچ بتا کہ وہ روٹی کس نے لی تھی؟ وہ شخص بولا: مجھے معلوم نہیں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام اس شخص کو لے کر دوبارہ سفر پر روانہ ہوئے، راستے میں ایک دریا آیا آپ نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر پانی پر چلتے ہوئے دریا پار کرلیا، پھر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس سے فرمایا: تجھے اُس پاک پروردگار عَزَّوَجَلَّ کی قسم! جس نے تجھے میرے ہاتھوں یہ معجزہ دکھایا سچ سچ بتا کہ تیسری روٹی کس نے لی تھی؟ اس نے پھر وہی جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام اس شخص کو لے کر آگے بڑھے، راستے میں ایک ویران صحرا آگیا۔ آپ نے اس سے فرمایا: بیٹھ جاؤ، پھر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے کچھ ریت جمع کی اور فرمایا: اے ریت! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم سے سونا بن جا تو وہ ریت فوراً سونے میں تبدیل ہوگئی۔ آپ نے اس کے تین حصے کئے اور فرمایا: ایک حصہ میرا دوسرا تیرا اور تیسرا حصہ اس کے لئے ہے جس نے وہ روٹی لی تھی، یہ سن کر وہ شخص بولا: وہ روٹی میں نے ہی چھپائی تھی۔ حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام نے اس شخص سے فرمایا: یہ تینوں حصے تم ہی لے لو، اتنا کہنے کے بعد آپ عَلَیْہِ السَّلَام اس شخص کو وہیں چھوڑ کر آگے روانہ ہوگئے۔ وہ اتنا زیادہ سونا ملنے پر بہت خوش ہوا، اور اس نے وہ سارا سونا اُٹھالیا اتنے میں وہاں دو اور شخص پہنچے جب انہوں نے دیکھا کہ اس ویرانے میں اکیلا شخص ہے اور اس کے پاس بہت سا سونا ہے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ ہم اس شخص کو قتل کر دیتے ہیں اور اس سے سونا چھین لیتے ہیں جب وہ اسے قتل کرنے کے لئے آگے

بڑھے تو اس شخص نے کہا: تم مجھے قتل نہ کرو بلکہ ہم اس سونے کو باہم تقسیم کر لیتے ہیں، اس پر وہ دونوں شخص قتل سے باز رہے اور اس بات پر راضی ہو گئے کہ ہم یہ سونا برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں، پھر اس شخص نے کہا: ایسا کرتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص جا کر قریبی بازار سے کھانا خرید لائے کھانا کھانے کے بعد ہم یہ سونا باہم تقسیم کر لیں گے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص بازار گیا جب اس نے کھانا خریدا تو اس کے دل میں یہ شیطانی خیال آیا کہ میں اس کھانے میں زہر ملا دیتا ہوں جیسے ہی وہ دونوں اسے کھائیں گے تو مر جائیں گے اور سارا سونا میں لے لوں گا، چنانچہ اس نے کھانے میں زہر ملا دیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا، وہاں ان دونوں کی نیتوں میں بھی سونا دیکھ کر فتور آ گیا اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ جیسے ہی ہمارا تیسرا ساتھی کھانا لے کر آئے گا ہم اسے قتل کر دیں گے اور سونا ہم دونوں آپس میں بانٹ لیں گے چنانچہ جیسے ہی وہ کھانا لے کر ان کے پاس پہنچا ان دونوں نے اسے قتل کر دیا اور بڑے مزے سے زہر ملا کھانا کھانے لگے، کچھ ہی دیر بعد زہر نے اپنا اثر دکھایا اور وہ دونوں بھی وہیں ڈھیر ہو گئے اور سونا ویسے ہی وہاں پڑا رہا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام دوبارہ وہیں سے گزرے تو دیکھا کہ سونا وہیں موجود ہے اور وہاں تین لاشیں پڑی ہیں۔ یہ دیکھ کر اپنے حَوارِیوں سے فرمایا: یہ دنیا ہے اس سے بچو۔

دنیا سے بے رغبت قوم:

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا سِکَنْدَر ذُوالْقَرْنَیْن رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ایک قوم کے پاس سے گزرے تو ان کے پاس کوئی ایسا دنیاوی سامان نہ تھا جس سے لوگ نفع اٹھاتے ہوں ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ قبریں کھودتے جب صُبح ہوتی تو ان قبروں کی صفائی کرتے اور ان کے پاس نماز پڑھتے جانور جس طرح گھاس پھوس چرتے اس طرح وہ سبزیاں تناول کرتے (یعنی بغیر پکائے کچی استعمال کرتے) حالانکہ ان کے لئے وہاں ہر طرح کے زمینی نباتات ذریعۂ معاش کے لئے موجود تھے۔ حضرت سیِّدُنا ذوالقرنین رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ان کے امیر کے پاس پیغام بھیج کر اسے اپنے ہاں بلانا چاہا تو اس نے کہا: مجھے وہاں جانے کی حاجت نہیں ہے انہیں اگر کوئی کام ہے تو خود میرے پاس تشریف لائیں۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا ذوالقرنین رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اس نے ٹھیک کہا ہے۔ چنانچہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا: میں نے پیغام بھیج

کر آپ کو بلایا تھا لیکن آپ نے انکار کر دیا تو میں خود آ گیا ہوں۔ اس نے کہا: اگر مجھے آپ سے کوئی کام ہوتا تو میں حاضر ہوتا۔ حضرت سیِّدُنا ذُوالقرنَین رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اس سے پوچھا: میں نے تم لوگوں کو ایسی حالت میں دیکھا ہے جس پر کسی دوسری قوم کو نہیں دیکھا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے پوچھا: وہ کیا؟ فرمایا: تمہارے پاس دنیا کی کوئی چیز نہیں ہے تم سونا اور چاندی لے کر اس سے نفع کیوں نہیں اٹھاتے ہو۔ اس نے کہا: ہم سونا اور چاندی کو اس لئے بُرا جانتے ہیں کہ جس کو بھی اس میں سے کچھ ملتا ہے اس کی رغبت اس میں بڑھ جاتی ہے اور وہ مزید کی چاہت کرنے لگتا ہے۔ پوچھا: تم نے قبریں کیوں کھود رکھی ہیں؟ صُبح ہوتی ہے تو تم ان کو صاف کرتے ہو اور وہاں نمازیں پڑھتے ہو۔ اس نے کہا: اس سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ اگر ہمیں دنیا کی کوئی طَمَع ہو جائے تو ان کو دیکھ کر ہم اس سے باز رہ جائیں۔ پوچھا: تمہارا کھانا صرف زمین کی سبزیاں ہی کیوں ہے؟ تم جانور کیوں نہیں پالتے تاکہ ان کا دودھ حاصل کرو، ان پر سواری کرو اور ان سے مختلف قسم کے فوائد حاصل کرو۔ اس نے کہا: ہمیں یہ بات اچھی معلوم نہیں ہوتی کہ ہم اپنے پیٹوں کو قبریں بنائیں، لہٰذا ہم زمینی سبزیوں پر ہی گزر بسر کر لیتے ہیں اور انسان کو زندگی گزارنے کے لئے کھانے کی ادنیٰ چیز بھی کافی ہے کیونکہ کھانے کا ذائقہ حلق تک ہی رہتا ہے اور حلق کے نیچے آ کر سب کھانے ایک ہو جاتے ہیں اور اپنا ذائقہ کھو دیتے ہیں۔

پھر اس امیر نے حضرت سیِّدُنا ذوالقرنین رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی پیٹھ کے پیچھے سے ایک کھوپڑی اٹھائی اور پوچھا: اے ذوالقرنین! کیا آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟ حضرت سیِّدُنا ذُوالقرنَین رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: میں نہیں جانتا تم ہی بتاؤ یہ کون ہے؟ اس نے کہا: یہ زمین کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے زمین پر بادشاہی عطا فرمائی تو اس نے سرکشی اور ظُلم و سِتَم سے کام لیا، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جب اس کا یہ عمل دیکھا تو موت کے ذریعے اس کو ختم کر دیا، اب یہ ایک پتھر کی مانند پڑا ہوا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو اس کے اعمال کا علم ہے اور قیامت کے دن اسے ان کا بدلہ دے گا۔ پھر ایک اور پرانی کھوپڑی اٹھائی اور پوچھا اے ذُوالقرنَین! کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون ہے؟ کہا: میں نہیں جانتا تم ہی بتاؤ یہ کون ہے؟ اس نے کہا: اسے پہلے بادشاہ کے بعد بادشاہی ملی اس نے پہلے بادشاہ کی سرکشی، ظلم و ستم کو دیکھا تھا تو اس نے عاجزی اختیار کی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سامنے اپنے آپ کو جُھکایا، اپنے ارکینِ مملکت کو انصاف کا حکم دیا تو اب اس کی یہ حالت ہے جو تم دیکھ رہے ہو،

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے اعمال کو محفوظ رکھا ہے اور آخرت میں اسے ان کا بدلہ دے گا۔ پھر وہ حضرت سیِّدُنا ذوالقرنین رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے سر کی طرف جھکا اور کہا: یہ سر بھی ان دونوں کھوپڑیوں کی طرح ہو جائے گا، اے ذوالقرنین! جو عمل بھی کرو سوچ سمجھ کر کرو۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا ذوالقرنین رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اس سے کہا: کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟ میں تمہیں اپنا بھائی اور وزیر و مُشیر بناؤں گا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس میں تمہیں شریک کروں گا۔ اس نے کہا: میں اور آپ ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ حضرت سیِّدُنا ذوالقرنین رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے پوچھا: وہ کیوں؟ اس نے کہا: اس لئے کہ تمام لوگ آپ کے دشمن اور میرے دوست ہیں۔ پوچھا وہ کیسے؟ کہنے لگا: آپ کے پاس جو مال و متاع ہے وہ اس کی وجہ سے آپ سے دشمنی کرتے ہیں اور میرے پاس چونکہ مال نہیں، لہٰذا مجھ سے کوئی دشمنی نہیں کرتا اور پھر یہ کہ میں حاجت مند ہوں اور میرے پاس مال بھی کم ہے۔ یہ سن کر حضرت سیِّدُنا ذوالقرنین رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اس شخص پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اور اس سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے وہاں سے چل پڑے۔

یہ واقعات اور اس سے قبل جو کچھ ہم نے بیان کیا مال داری کی آفات پر تیری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے "بخل کی مذمت کا بیان" مکمل ہوا

❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀

مؤمنوں پر تین احسان کرو

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن معاذ رازی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: تم سے مؤمنوں کو اگر تین فوائد حاصل ہوں تو تم مُحْسِنِیْن (یعنی احسان کرنے والوں) میں شمار کئے جاؤ گے: (۱)...اگر انہیں نفع نہیں پہنچا سکتے تو نقصان بھی نہ پہنچاؤ (۲)...انہیں خوش نہیں کر سکتے تو رنجیدہ بھی نہ کرو (۳)...ان کی تعریف نہیں کر سکتے تو بُرائی بھی مت کرو۔ (تنبیہ الغافلین، باب الغیبۃ، ص۸۸)

جاہ ومَنصَب اور رِیاکاری کی مَذَمَّت کابیان

مُقَدّمہ:

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے جو غیبوں کو خوب جاننے والا، دل کے بھیدوں کا عِلْم رکھنے والا، کبیرہ گناہوں سے در گُزر فرمانے والا، دل کے پردوں میں چھپے عیبوں، پوشیدہ نیتوں اور دل کے رازوں کی خبر رکھنے والا ہے، وہ ان ہی اعمال کو قبول کرتا ہے جو کامل ہونے کے ساتھ ساتھ شرک وریاکاری کی گندگی سے بھی پاک وصاف ہوں، وہ بادشاہت میں یکتا ہے اور وہی ہے جو شرک سے بے نیاز ہے، خوب درود وسلام ہو حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر اور آپ کے آل واَصحاب پر جو خِیانت اور جھوٹ سے پاک ہیں۔

ہمارے غمخوار آقا صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف ریاکاری کے ساتھ ملی ہوئی مخفی شہوت کا ہے جو اندھیری رات میں صاف چٹان پر چلنے والی سیاہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔"[1] عام عبادت گزار اور مُتَّقِی لوگ تو ایک طرف، ریاکاری کی آفات پر بڑے بڑے ماہر عُلَما بھی آگاہی حاصل نہ کرسکے۔ ریاکاری نفس کے انتہائی مُہْلِک اُمور اور باطنی مکروفریب میں سے ہے، اس میں علما، عبادت گزار اور سَفَرِ آخرت کی منزل پر گامزن پکے ارادوں والے بھی مبتلا ہو جاتے ہیں، بعض اوقات وہ مجاہدات کے ذریعے اپنے نفس پر سختی کرکے اسے خواہشات سے روکتے اور شُبہات سے بچاتے ہیں نیز مختلف عبادات پر اسے زبردستی ابھارتے ہیں۔ یوں ان کے نفس ظاہری اعضا سے متعلق گناہوں سے تو عاجز ہو جاتے ہیں لیکن نیکی اور علم وعمل کے اظہار کے ذریعے راحت کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اس مقام پر وہ مجاہدات کی مَشَقَّت سے چھٹکارا پاکر مخلوق کے ہاں مقبولیت اور ان کی طرف سے اپنی تعظیم وتوقیر کی لذت حاصل کرتے ہیں۔ اس صورت میں ان کا نَفْس اعمالِ صالحہ کی طرف رغبت کرتا ہے اور مخلوق میں ان کے چرچے کا مُتَمَنِّی رہتا ہے، چنانچہ وہ صرف خالق کے مطلع ہونے پر قناعت نہیں کرتا بلکہ لوگوں کے تعریف کرنے پر خوش ہوتا ہے اور اللہ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْک کی طرف سے حاصل

---

[1] ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الریاء والسمعۃ، ۴/ ۴۷۱، حدیث: ۴۲۰۵

کنز العمال، کتاب الاخلاق الباب الثانی، فی الاخلاق والافعال المذمومۃ، ۳/ ۱۹۱، حدیث: ۷۵۰۱

ہونے والی تعریف پر اکتفا نہیں کرتا۔ اس کے ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ جب لوگوں کو اس بات کا علم ہوگا کہ وہ خواہشات کو چھوڑتا، شکوک وشبہات سے بچتا اور عبادات میں مَشَقَّت برداشت کرتا ہے تو وہ اس کی تعریف میں خوب رَطبُ اللِّسان ہوں گے، اس کی مَدح سرائی میں مُبالَغہ کریں گے، اسے عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھیں گے، اس کی ملاقات اور زیارت کو باعثِ بَرَکت سمجھیں گے، اس سے حصولِ بَرَکت اور اس کی دعا میں رغبت رکھیں گے، اس کی رائے پر چلنے کی طَمَع کریں گے، اس کی خدمت کرنے میں سَبقَت اور سلام میں پہل کریں گے، محافل میں اسے بہت زیادہ عزت دیں گے، خرید وفروخت اور معاملات میں اس سے نرمی برتیں گے، مجالس میں اسے مُقَدَّم کریں گے، کھانے پینے اور لباس میں اسے فوقیت دیں گے، اس کے سامنے عاجزی وانکساری کرتے ہوئے خود کو چھوٹا ظاہر کریں گے اور اس کے کاموں میں اس کی عزت کرتے ہوئے پیش پیش رہیں گے۔ نفس کو اس سے اتنی لذت حاصل ہوتی ہے جو تمام لذتوں اور خواہشات پر غالب آجاتی ہے یوں نفس گناہوں کے ترک کرنے کو گِراں نہیں سمجھتا اور عبادات پر اِستقامت کی سختی کو آسان تصور کرتا ہے کیونکہ وہ باطن میں سب سے بڑی لذت وخواہش کی چاشنی کو محسوس کر لیتا ہے۔

پس وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی زندگی رضائے الٰہی اور عبادتِ الٰہی میں بسر ہو رہی ہے حالانکہ اس کی زندگی ایسی پوشیدہ خواہش کے تحت بسر ہو رہی ہوتی ہے جس کے ادراک سے انتہائی مضبوط عقلیں بھی قاصر ہیں مگر وہ خود کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت میں مخلص اور اس کے مَحارِم (اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حرام کردہ اشیاء) سے باز رہنے والا خیال کر رہا ہوتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے نفس نے لوگوں کے سامنے زینت ودکھلاوے اور عزت ووقار کے ذریعے ملنے والی عارضی خوشی کی خاطر اپنے اندر پوشیدہ خواہش کو چھپا رکھا ہے۔ یوں اس کی عبادات اور اعمالِ صالحہ کا اجر وثواب ضائع ہو جاتا ہے، اس کا نام مُنافِقِین کی فِہرِست میں لکھ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ خود کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مُقَرَّب بندوں میں شمار کر رہا ہوتا ہے۔ یہ نفس کا ایسا مکر وفریب ہے جس سے صِدِّیقِین ہی بچ سکتے ہیں اور ایسا گڑھا ہے جس سے مُقَرَّبِین کے علاوہ کوئی نہیں نکل سکتا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ”صدیقین سے سب سے آخر میں دور ہونے والی چیز جاہ ومنصب کی محبت ہے۔“ جب یہ معلوم ہو چکا کہ ریاکاری ایک باطنی مَرَض اور شیاطین کا مضبوط جال ہے تو اس کا سبب، اس کی حقیقت، درجات واقسام، طریقۂ علاج اور اس سے

پرہیز کی وضاحت ضروری ہے۔ اس اعتبار سے اس بیان کو دو قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے:

﴿...پہلی قسم: **جاہ و منصب اور شہرت کی چاہت** اس میں درج ذیل امور کا بیان ہو گا: (۱)... شہرت کی مذمت (۲)... گمنامی کی فضیلت (۳)... حُبِّ جاہ کی مذمت (۴)... جاہ و مَنْصَب کا معنیٰ اور اس کی حقیقت (۵)... مال کی محبت سے زیادہ جاہ و منصب کے محبوب ہونے کا سبب (۶)... جاہ و منصب وہمی کمال ہے حقیقی کمال نہیں (۷)... حب جاہ کی محبوب و مذموم صورتوں کا بیان (۸)... تعریف و توصیف کے پسند اور مذمت کے ناپسند ہونے کا سبب (۹)... حب جاہ کا علاج (۱۰)... تعریف کی چاہت کا علاج (۱۱)... مذمت کی کراہت کا علاج (۱۲)... مدح و ذم میں لوگوں کے مختلف احوال۔ یہ کل 12 فصلیں ہیں جن سے ریاکاری کے معانی پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا پہلے بیان کرنا ضروری ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے لُطف و کرم اور احسان سے درستی کی توفیق دینے والا ہے۔

باب نمبر1: حُبِّ جاہ اور شُہرت کا بیان (اس میں 12 فصلیں ہیں)

پہلی فصل: حُبِّ جاہ اور شُہرت کی مذمت کا بیان

اللہ عَزَّوَجَلَّ تجھے بھلائی عطا کرے خوب سمجھ لے! جاہ و منصب کا مطلب شُہرت اور ناموری ہے اور یہ قابلِ مذمت ہے، قابلِ تعریف صرف گمنامی ہے، ہاں! یہ ایک الگ بات ہے کہ بغیر شُہرت و ناموری کی مَشَقَّت اٹھائے محض دین پھیلانے کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ کسی کو مشہور کر دے تو یہ شُہرت و ناموری قابلِ مذمَّت نہیں۔

شُہرت کی مذمت میں دو فرامین مصطفےٰ:

﴿1﴾... کسی شخص کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ لوگ اس کے دین یا دنیا کے حوالے سے اس کی طرف انگلی اٹھائیں مگر جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ محفوظ رکھے۔ [1] [2]

---

1 ...شعب الایمان، باب فی اخلاص العمل للہ، ۵/ ۳۶۶، حدیث: ۶۹۷۷

2 ... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد7، صفحہ 136 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: دنیوی کمالات دولت، صحت، طاقت میں یوں ہی دینی کمالات علم، عبادت، ریاضت میں مشہور ہونا عوام کے لئے خطرناک ہی ہے کہ اس سے عموماً دل میں غرور و تکبر پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہاں بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ شہرت سے متکبر نہیں...

﴿2﴾... کسی شخص کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ لوگ اس کے دین یا دنیا کے حوالے سے اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کریں مگر جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس برائی سے محفوظ فرمائے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔[1]

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے جب یہ حدیث روایت کی تو آپ سے کہا گیا: اے ابو سعید! جب لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی طرف بھی تو انگلیوں سے اشارے کرتے ہیں؟ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "اس سے وہ اشارہ مراد نہیں جو تم سمجھے بلکہ اس سے مراد اس شخص کی طرف اشارہ کرنا ہے جو دین میں بدعتی اور دنیا کے معاملے میں فاسق ہو۔"

شُہرت کے متعلق 17 اَقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں: خرچ کرو، تشہیر نہ کرو اور خود کو اس لئے بلند نہ کرو کہ تمہیں پہچانا جائے اور تمہارا نام ہو بلکہ چھپے رہو اور خاموشی اختیار کرو سلامت رہو گے، اس طرح تم سے نیک لوگ خوش اور بدکار ناراض ہوں گے۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے فرمایا: جس نے شہرت کو پسند کیا اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تصدیق نہیں کی۔

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا ایوب سَخْتِیانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! بندہ اس وقت تک اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تصدیق میں سچا نہیں جب تک اسے یہ پسند نہ ہو کہ اس کی اپنی کوئی پہچان نہ ہو۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا خالد بن مَعدان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان کے گرد جب لوگ زیادہ ہو جاتے تو آپ شہرت کے ڈر سے اٹھ کر چلے جاتے۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا اَبُوالْعالیہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے متعلق منقول ہے کہ جب آپ کے پاس تین سے

...ہوتے وہ سمجھتے ہیں کہ نیک نامی اور بدنامی اللہ (عَزَّوَجَلَّ) کے قبضہ میں اور لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں انہیں زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگاتے دیر نہیں لگتی۔

[1] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب التواضع والخمول، ۳/ ۵۴۶، حدیث: ۳۱

زیادہ افراد بیٹھ جاتے تو آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا طلحہ بن عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے گرد تقریباً 10 افراد کو جمع دیکھا تو فرمایا: لالچ کی مکھیاں اور جَہَنَّم کے پروانے ہیں۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا سُلیم بن حَنْظَلَہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم حضرت سیِّدُنا اُبَی بن کَعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے کہ اچانک امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عُمَر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ان کو دیکھ کر اپنا کوڑا بلند کیا تو حضرت سیِّدُنا اُبَی بن کَعب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! ذرا ٹھہریئے! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ امیر المؤمنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: تمہارا یہ طریقہ آگے چلنے والے کے لئے آزمائش اور پیچھے چلنے والوں کے لئے ذِلّت ہے۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے تو کچھ لوگ ان کے پیچھے چل دیئے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا: تم میرے پیچھے کیوں چلتے ہو؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اگر تم ان باتوں کو جان لو جس کی وجہ سے میں اپنا دروازہ بند رکھتا ہوں تو تم میں سے دو آدمی بھی میرے پیچھے نہ چلیں۔

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اگر بیوقوفوں کے پیچھے چلنے والے زیادہ ہو جائیں تو ان کے دل کم ہی ثابِت قَدَم رہ پاتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ باہر تشریف لائے تو ایک جماعت آپ کے پیچھے چلنے لگی آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟ ورنہ تمہارا یہ عمل مومن کے دل میں کچھ باقی نہ چھوڑے گا۔

﴿10﴾... منقول ہے کہ ایک شخص حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مُحَیْرِیْز رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے ساتھ شریکِ سَفَر ہوا جب ان سے جدا ہونے لگا تو عرض کی: حضور کوئی نصیحت فرمایئے! حضرت سیِّدُنا ابنِ مُحَیْرِیْز رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اگر تم سے ہو سکے تو یہ تین کام کرنا: (۱)... تم دوسروں کو پہچانو لیکن تمہاری کوئی پہچان نہ ہو (۲)... تم چلو لیکن تمہارے پیچھے کوئی نہ چلے اور (۳)... تم سوال کرو لیکن تم سے کوئی سوال نہ کرے۔

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا ایوب سَخْتِیَانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی ایک سَفَر پر روانہ ہوئے تو بہت سے لوگ بھی آپ

کے ساتھ ہو لئے۔ آپ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ جانتا ہے کہ میں دل میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں تو مجھے ضرور غَضَبِ الٰہی کا خوف تھا۔

﴿12﴾... حضرت سیِّدُنا مَعْمَر رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا ایوب سَخْتِیانی رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو ان کی قمیص کے لمبا ہونے پر ملامت کیا تو انہوں نے فرمایا: پہلے زمانے میں قمیص کا لمبا ہونا شہرت کا باعث تھا اور آج قمیص کا چھوٹا ہونا باعث شہرت ہے۔

﴿13﴾... ایک بزرگ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں حضرت سیِّدُنا ابو قلابہ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے ساتھ تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا جس نے بہت سارے کپڑے زیبِ تن کئے ہوئے تھے اسے دیکھ کر حضرت سیِّدُنا ابو قلابہ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: "اس رینکنے والے گدھے سے بچو۔" اس سے آپ کا اشارہ طلب شہرت کی طرف تھا۔

﴿14﴾... حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: بزرگانِ دین شُہرت کو ناپسند فرماتے تھے چاہے وہ عمدہ لباس کے ذریعے ہو یا ہلکے لباس کے ذریعے کیونکہ نگاہیں تو دونوں کی طرف اٹھتی ہیں۔

﴿15﴾... ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا بِشر حافی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْکَافِی کی خدمت میں عرض کی: حضور مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ فرمایا: اپنے ذِکر کو چھپائے رکھو اور حلال کھانا کھاؤ۔

﴿16﴾... حضرت سیِّدُنا حَوشَب بن عَقیل رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے روتے ہوئے فرمایا: (ہائے افسوس!) میرا نام جامع مسجد تک پہنچ گیا۔

﴿17﴾... حضرت سیِّدُنا بِشر حافی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے شُہرت کی چاہت کی ہو اور اس کا دین تباہ اور وہ خود ذلیل و رُسوا نہ ہوا ہو۔ اسی طرح آپ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے منقول ہے کہ جو شخص لوگوں میں اپنی شُہرت کا طالب ہو وہ آخرت کی لذت نہیں پا سکتا۔

﴿ صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب　　صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

﴿ تُوبُوا اِلَی اللّٰہ　　اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ ﴾

﴿ صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب　　صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

دوسری فصل: **گمنامی کی فضیلت**

گمنامی کی فضیلت پر مشتمل پانچ فرامین مصطفےٰ:

﴿1﴾... بہت سے بکھرے بالوں والے، گرد آلود چہرے اور پھٹے پرانے کپڑوں والے ایسے ہیں جن کی طرف لوگ حقارت کی وجہ سے توجہ نہیں کرتے حالانکہ ان کی شان یہ ہے کہ اگر وہ کسی بات پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم کھالیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کی قسم کو ضرور پورا فرماتا ہے، ان ہی لوگوں میں سے براء بن مالک بھی ہیں۔[1]

﴿2﴾... بہت سے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایسے ہیں جن کی کوئی پروا نہیں کی جاتی لیکن اگر وہ کسی بات پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم کھالیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کی قسم کو ضرور پورا فرماتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی یوں کہے: "اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے جنت عطا فرما دیتا ہے لیکن دنیا میں سے اسے کچھ نہیں دیتا۔"[2]

﴿3﴾... کیا میں تمہیں اہلِ جنّت کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہر کمزور جسے کمزور سمجھا جائے، اگر وہ کسی بات پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم کھالے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے پورا فرما دے اور ہر متکبِّر، مغرور اور اترا کر چلنے والا جہنمی ہے۔[3]

﴿4﴾... اہل جنت گرد آلود چہرے، بکھرے بالوں والے اور پھٹے پرانے کپڑوں والے ہیں، جن کی کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ یہ وہ لوگ ہیں اگر بادشاہوں کے پاس جانا چاہیں تو انہیں اجازت نہ ملے، عورتوں کو نکاح کا پیغام دیں تو انکار کر دیا جائے، جب بات کریں تو ان کی بات سنی نہ جائے، ان کی ضروریات ان کے سینوں میں ہلچل مچارہی ہوتی ہیں، یہ ایسے جنتی ہیں کہ بروزِ قیامت ان میں سے ایک کا نور بھی تمام لوگوں پر تقسیم کر دیا جائے تو تمام کو پورا ہو جائے۔[4]

1... سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب البراء بن مالک رضی اللہ عنہ، ۵/ ۴۶۰، حدیث: ۳۸۸۰

2... سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب البراء بن مالک رضی اللہ عنہ، ۵/ ۴۶۰، حدیث: ۳۸۸۰

موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الاولیاء، ۲/ ۳۸۹، حدیث: ۱ بتغیر

3... بخاری، کتاب التفسیر، باب عتل بعد ذلک زنیم، ۳/ ۳۶۳، حدیث: ۴۹۱۸

4... شعب الایمان، باب فی الزہد وقصر الامل، ۷/ ۳۳۲، حدیث: ۱۰۴۸۶

﴿5﴾... بے شک میری اُمت میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر وہ تم سے ایک دینار مانگیں تو تم انہیں نہ دو، اگر ایک دِرہم کا سوال کریں تو تم منع کر دو اور اگر ایک پیسہ مانگیں تب بھی تم انکار کر دو حالانکہ اگر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے جنت مانگ لیں تو وہ ضرور انہیں عطا فرمائے اور اگر دنیا کا سوال کریں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں دنیا صرف اس وجہ سے نہ دے کہ دنیا اس کے نزدیک حقیر ہے، بہت سے پھٹے پرانے کپڑوں والے ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم کھالیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے ضرور پورا فرما دے۔[1]

گمنامی کے متعلق نو اَقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... مروی ہے کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت سیِّدُنا معاذ بن جَبَل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سرکارِ دو عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی قبر انور کے پاس رو رہے ہیں۔ پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ عرض کی: میں نے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو فرماتے سنا ہے: ”تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے، بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ گمنام پرہیز گاروں کو پسند فرماتا ہے کہ جب وہ غائب ہوں تو انہیں تلاش نہ کیا جائے اور جب موجود ہوں تو انہیں کوئی نہ پہچانے، ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر مصیبت و مشکل سے نکل جاتے ہیں۔“[2]

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا محمد بن سُوَیْد رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ مُنَوَّرہ میں قحط پڑ گیا وہاں ایک ایسا شخص بھی تھا جو ہر وقت مسجدِ نبوی میں رہتا تھا کسی کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اہلِ مدینہ دعا میں مشغول تھے کہ ایک شخص آیا جس پر دو پرانی چادریں تھیں اس نے دو مختصر رکعت نماز ادا کرنے کے بعد اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور کہنے لگا: ”اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں تجھے قسم دیتا ہوں ہم پر ابھی بارش نازل فرما۔“ ابھی اس کے ہاتھ بلند اور دعا جاری تھی کہ آسمان بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا اور اتنی زوردار بارش ہونے لگی کہ اہلِ مدینہ ڈوبنے کے خوف سے چیخنے لگے۔ اس شخص نے عرض کی: ”اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اگر تیرے علم میں یہ ان کے لئے کافی ہے تو بارش روک دے۔“ پس بارش اسی وقت رک گئی، دعا مانگ کر یہ

---

1 ... المعجم الاوسط، ۵/ ۳۴۴، حدیث: ۷۵۴۸، دون قول: ولو سأله الدنیا... الی... الا لھوانھا علیہ

2 ... سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب من ترجی لہ السلامۃ من الفتن، ۴/ ۳۵۱، حدیث: ۳۹۸۹

شخص وہاں سے روانہ ہوا تو مسجد میں رہنے والا نیک شخص اس کے پیچھے ہولیا یہاں تک کہ اس کا گھر دیکھ آیا، اگلی صبح یہ نیک آدمی اس کے گھر گیا اور کہا: میں ایک کام سے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ اس شخص نے کہا: فرمائیے کیا کام ہے؟ اس نیک آدمی نے کہا: میرے متعلق دعا فرمادیں۔ اس نے جواب دیا: "سُبْحٰنَ اللہ! آپ کی شان تو بہت بڑی ہے آپ مجھ سے دعا کا سوال کر رہے ہیں۔" پھر اس نیک آدمی نے پوچھا: جو کچھ میں نے دیکھا اس مقام تک آپ کی رسائی کیسے ہوئی؟ اس نے جواب دیا: میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام میں اس کے اطاعت کی، اب میں نے اس سے مانگا تو اس نے مجھے عطا کر دیا۔

﴿3﴾... حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: لوگو! ہدایت کے چراغ اور علم کے سرچشمے بن جاؤ، اپنے گھروں کو لازم پکڑ لو، اپنی راتوں کو عبادت سے مُنوّر کرو اور اپنے دلوں کو غَیْرُاللہ کے خَیال سے خالی کرو (یوں تم) آسمان والوں میں پہچانے جاؤ گے اگرچہ اہلِ زمین سے تم پوشیدہ رہو گے۔

اولیاءُ اللہ میں زیادہ قابلِ رشک:

حضرت سَیِّدُنا ابواُمامہ باہِلی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ روایت کرتے ہیں کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ فرماتا ہے: بے شک میرے اولیا میں زیادہ قابلِ رشک وہ بندہ مومن ہے جو کم مال وعیال والا، اپنے رب کی خوب اچھے طریقے سے عبادت کرنے والا، خلوت میں بھی اس کی اطاعت کرنے والا، لوگوں میں ایسا گمنام رہنے والا کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ کیا جائے اور پھر اپنے اس حال پر صبر کرنے والا۔" اس کے بعد رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے انگوٹھے کو انگلی پر مارا اور فرمایا: "اس کی موت جلد آجائے، اس کا ترکہ اور اس پر رونے والے بہت تھوڑے ہوں۔"[1]

﴿4﴾... حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن عُمَر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں زیادہ محبوب اجنبی لوگ ہیں، پوچھا گیا اجنبی لوگوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ لوگ جو اپنا دِین لے کر لوگوں سے علیحدہ ہوگئے، یہ کل بروزِ قیامت حضرت عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھ جمع کئے جائیں گے۔

---

[1]... سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الکفاف والصبر علیہ، ۴/ ۱۵۵، حدیث: ۲۳۵۴

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے بندوں پر جو احسان کئے ہیں ان میں سے بعض کے بارے میں یوں ارشاد فرمائے گا: کیا میں نے تجھ پر انعام نہیں کیا؟ کیا میں نے تیری پردہ پوشی نہیں فرمائی؟ کیا تیری شہرت کو پوشیدہ نہیں رکھا؟

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا خلیل بن احمد نحوی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی یوں دعا کیا کرتے: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اپنی بارگاہ میں مجھے اپنے مُقَرَّب بندوں میں جگہ عطا فرما، میری نظروں میں مجھے حقیر کر دے اور اپنی مخلوق کی نگاہوں میں مجھے مُتَوَسِّط دَرَجہ عطا فرما۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا سُفیان ثوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں اپنے دل کو مکہ مکرَّمہ اور مدینہ مُنَوَّرہ کے غربا کے ساتھ راضی پاتا ہوں جو تھوڑی غذا پر قناعت کرنے والے اور لوگوں سے کنارہ کش رہنے والے ہیں۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: میری آنکھیں دنیا میں ایک دن بھی ٹھنڈی نہیں ہوئیں البتہ ایک مرتبہ جب میں نے ملک شام کے ایک دیہات کی مسجد میں رات بسر کی تو دستوں کی بیماری میں مبتلا ہونے کے سبب وہاں کے مؤذن نے مجھے ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مسجد سے باہر نکال دیا تو اس دن میری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اگر تم گمنام رہ سکتے ہو تو گمنام رہو، تمہارے گمنام رہنے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی حرج ہے کہ تمہاری تعریف نہ کی جائے، جب تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں مقبول ہو تو لوگوں کی نظروں میں مذموم ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

یہ احادیث اور اَقوالِ بزرگانِ دین تجھے شہرت کی مذمت اور گمنامی کی فضیلت کی پہچان کروا رہے ہیں، شہرت اور ظاہری نیک نامی کا مقصود تو محض لوگوں کے دلوں میں جگہ کرنا ہے اور یہی حُبِّ جاہ ہر فساد کی جڑ ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام، خُلَفائے راشِدین وائمۂ دِین عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کی شہرت سے بڑھ کر تو کسی کی شہرت نہیں پھر ان حضرات کے متعلق گمنامی کی فضیلت کیوں مروی نہیں؟

جواب: جان لیجئے! مذموم وہ شہرت ہے جس کی چاہت کی جائے البتہ جو شہرت بغیر طلب کے محض

اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے کرم سے عطا فرما دے وہ ہر گز مذموم نہیں۔ البتہ کمزور لوگوں کے لئے شہرت آزمائش ہے اس کو یوں سمجھئے کہ کچھ لوگ ڈوب رہے ہوں ان میں ایک ایسا کمزور شخص بھی ہو جسے تیرنا آتا ہو اب اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس کا کسی کو علم نہ ہو ورنہ وہ سب آکر اس سے چمٹ جائیں گے نتیجتاً وہ مزید کمزور ہو جائے گا اور ان سب کے ساتھ خود بھی ہلاک ہو جائے گا، جبکہ ایک قوی تیراک کے لئے بہتر یہ ہے کہ ڈوبنے والے اس کو پہچانیں تا کہ اس کے ساتھ چمٹ جائیں اور وہ ان کو بچا کر ثواب پائے۔

تیسری فصل: حُبِّ جاہ کی مذمت

حُبِّ جاہ کی مذمت میں دو فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًاؕ (پ۲۰، القصص: ۸۳)

ترجمۂ کنزالایمان: یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لئے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد۔

اس آیتِ مبارکہ میں ارادہ شہرت اور ارادہ فساد کو ذکر کر کے یہ بیان کیا گیا کہ آخرت اسی کے لئے ہے جو ان دونوں ارادوں سے خالی ہو۔

﴿2﴾...

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَ هُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ(۱۵) اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ٘ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ(۱۶) (پ۱۲، ھود: ۱۵، ۱۶)

ترجمۂ کنزالایمان: جو دنیا کی زندگی اور آرائش چاہتا ہو ہم اس میں ان کا پورا پھل دے دیں گے اور اس میں کمی نہ دیں، یہ ہیں وہ جن کے لئے آخرت میں کچھ نہیں مگر آگ اور اکارت گیا جو کچھ وہاں کرتے تھے اور نابود (برباد) ہوئے جو ان کے عمل تھے۔

یہ آیت بھی اپنے عموم کے ساتھ طَلَبِ شُہرت کو شامل ہے کیونکہ شہرت کی چاہت دنیوی زندگی کی لذتوں اور زینتوں میں سے ایک بہت بڑی لذت اور زینت ہے۔

حُبِّ جاہ کی مذمت میں تین فرامینِ مصطفےٰ:

﴿1﴾... جاہ ومال کی محبت دل میں ایسے نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزی اگاتا ہے۔[1]

﴿2﴾... دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں اتنا نقصان نہیں کرتے جتنا جاہ ومال کی محبت ایک مسلمان کے دین میں بِگاڑ پیدا کرتی ہے۔[2]

﴿3﴾... رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے فرمایا: بے شک خواہشات کی پیروی اور تعریف کو پسند کرنا لوگوں کی ہلاکت کا سبب ہے۔[3]

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے فَضْل وکَرَم کے صَدْقے عَفْو وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔ (اٰمین)

چوتھی فصل: جاہ کا معنٰی اور اس کی حقیقت

جان لیجئے! جاہ اور مال دُنیا کے دو رُکن (سُتون) ہیں۔ مال کا مطلب ہے ان چیزوں کا مالک ہونا جن کے ذریعے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور جاہ کا معنی ہے ان دلوں کا مالک ہو جانا جن سے اپنی تعظیم وطاعت مقصود ہو۔ مثلاً مالدار وہ ہے جو مال ودولت رکھتا ہو یعنی اس کے ذریعے وہ اپنے مقاصد، خواہشات نفسانیہ اور شہوات کی تکمیل پر قدرت رکھتا ہو۔ اسی طرح صاحِبِ جاہ وہ ہے جو لوگوں کے دلوں کا مالک ہوتا ہے یعنی وہ اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عزت کے سبب انہیں اپنے اَغراض ومقاصد کے لئے استعمال کر سکے۔ اور جس طرح مال مختلف کاروبار اور پیشوں کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح مخلوق کے دل مختلف معاملات کے ذریعے مائل کئے جاتے ہیں اور دل حُسْنِ اعتقاد اور کمالات ہی کے ذریعے مُسَخَّر ہوتے ہیں، چنانچہ دل جس شخص کے بارے میں کمال وخوبی کا مُعْتَرِف ہو جائے تو اس کے لئے جھک جاتا ہے اور جس قدر قلبی اعتقاد اور وَصْفِ کمال ہوتا ہے اسی قدر وہ اس کے لئے جھکتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ جس وصف کو کمال وخوبی سمجھا جائے وہ حقیقت میں ایسا ہی ہو بس اتنا کافی ہے کہ سمجھنے والے کے

---

1 ...الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الثالثة والخمسون بعد المائتين، ۲/ ۴۹

2 ...حلية الاولياء، سفيان الثوري، ۷/ ۹۴، حديث: ۹۷۷۲

3 ...تذكرة الموضوعات، باب ذم الدنيا والغنى... الخ، ص۱۷۷

اعتقاد میں وہ وصف کمال ہو۔ کبھی اس شے کو کمال یقین کر لیا جاتا ہے جو حقیقت میں کمال نہیں ہوتا اور پھر دل اپنے اعتقاد کے مطابق اس صاحِبِ کمال کے لئے جھکنا ضروری خیال کرتا ہے۔ دل کا جھکنا دل کی ایک حالت کا نام ہے اور دلوں کے احوال ان کے اعتقادات، علوم اور خیالات کے تابع ہوتے ہیں۔

جس طرح مال سے محبت کرنے والا لونڈی اور غلاموں کا مالک بننا چاہتا ہے ایسے ہی طالب جاہ آزاد لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنا کر ان کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے بلکہ اس کی طَلَب تو مُحِبِّ مال کی طلب سے بڑھ کر ہے کیونکہ مال دار شخص تو زبردستی لونڈیوں اور غلاموں کا مالک ہوتا ہے اور یہ لوگ دل سے اس غلامی کو قبول نہیں کرتے اگر ان کو ذرا بھی کوئی راہ دکھائی دے تو اس کی غلامی سے نکل جائیں جبکہ صاحب جاہ کا یہ حال ہے کہ آزاد لوگ طَبْعی طور پر خوشی کے ساتھ اس کی غلامی وطاعت قبول کرتے ہیں، لہٰذا اس کی طلب تو لونڈیوں وغلاموں کے مالک کی طلب سے کہیں زیادہ ہوئی۔ چنانچہ جاہ کا معنیٰ ہوا لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا یعنی دلوں کا اس شخص کے بارے میں کسی خوبی کا یقین کر لینا تو جس قَدْر لوگ اس کی خوبی کے مُعْتَرِف ہوں گے دل بھی اسی قدر اسے اچھا خیال کریں گے اور جس قدر دلوں کا گمان ہوگا اتنا ہی دلوں پر اس شخص کی حکومت ہوگی اور جس قدر دلوں پر حکمرانی ہوگی اسی قدر جاہ کی خوشی اور چاہت ہوگی، یہ جاہ کا معنٰی اور اس کی حقیقت ہے۔

جاہ کے ثَمَرات ونَتائج بھی ہیں: مثلاً لوگوں کا بہت زیادہ مَدْح سَرائی کرنا کیونکہ کسی کمال وخُوبی کا اعتقاد کر لینے والا شخص اس کو بیان کرنے سے نہیں رُکتا، لہٰذا وہ صاحِبِ کمال کی تعریف کرتا ہے۔ یوں ہی جاہ کے ثمرات ونتائج میں خدمت اور اِعانت بھی ہے کیونکہ مُعْتَقِد اپنے اعتقاد کے مطابق اس کی اطاعت میں بخل سے کام نہیں لیتا اور مثلِ غلام اپنے مَمْدُوح کے سامنے اس کی اَغراض ومقاصد کی تکمیل کی خاطر مسخر رہتا ہے۔ اسی طرح ممدوح کے لئے ایثار کرنا، اس کی مُخالَفَت نہ کرنا، سلام میں پہل کرتے ہوئے اس کی عزت وتوقیر کرنا، مَحافِل ومَجالِس میں صَدْرِ نَشِیْن بنانا اور تمام معاملات میں آگے رکھنا بھی جاہ کے ثمرات ونتائج ہیں۔ یہ ثَمَرات اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب کوئی شخص دل میں گھر کر جائے اور دل میں گھر کر جانے کا مطلب ہے کسی شخص کے بارے میں صِفاتِ کمال مثلاً: عِلْم، عبادت، حُسنِ اَخلاق، عالی نَسَب ہونے

کا اعتقاد رکھنا یا اس کی حکومت، ظاہری حُسن وجمال، بدَنی قوت یا اس شے کے سبب دل کا معتقد ہو جانا جسے لوگ کمال سمجھتے ہوں۔ یہ وہ اوصاف ہیں جو لوگوں کے دلوں میں تعظیم پیدا کرتے ہیں اور یہی تعظیم جاہ ومنصب کے قائم ہونے کا سبب بنتی ہے۔

پانچویں فصل: مال سے زیادہ جاہ ومنصب محبوب ہونے کا سبب

یاد رکھیے! سونا، چاندی اور مختلف قسم کے اموال کے محبوب ہونے کا جو سبب ہے بعینہٖ وہی سبب جاہ کے محبوب ہونے کا بھی ہے، بلکہ مال سے زیادہ جاہ کی چاہت ہوتی ہے جیسا کہ مِقْدار میں برابر ہونے کے باوجود چاندی کے مقابلے میں سونا زیادہ پسند کیا جاتا ہے، اور تم جانتے ہو کہ ذاتی طور پر دِرْہَم ودینار سے کوئی غَرَض نہیں ہوتی نہ ان کو کھایا پیا جا سکتا ہے، نہ ان سے نکاح کیا جاتا ہے اور نہ ہی ان کو پہنا جاتا ہے بلکہ یہ اور راستے میں پڑے کنکر برابر ہیں لیکن درہم ودینار مَحْض اس وجہ سے محبوب ہوتے ہیں کہ یہ پسندیدہ چیز کو حاصل کرنے اور شہوات کو پورا کرنے کا سبب ہیں۔ اسی طرح جاہ کا حال ہے کیونکہ اس کا معنٰی ہے دلوں کا مالک ہونا اور جس طرح سونے چاندی کا مالک ہونا انسان کو اس کے مقاصِد تک پہنچانے کا سبب ہوتا ہے اسی طرح آزاد دلوں کی ملکیت اور تَسْخِیْر انسان کو اس کی تمام اَغراض کے حصول کی طاقت بخشتی ہے لہٰذا جب دونوں کا سبب ایک ہی ہے تو چاہت میں بھی برابری ہوگی اور جاہ کی مال پر ترجیح اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جاہ، مال سے زیادہ محبوب ہے اور مال کے مالک ہونے کے مقابلہ میں جاہ کا مالک ہونا تین وجوہ کی بنا پر فَوقیت رکھتا ہے۔

مال سے زیادہ جاہ کے محبوب ہونے کی وجوہات:

❁...پہلی وجہ: جاہ کے ذریعے مال حاصل کرنا، مال کے ذریعے جاہ حاصل کرنے کے مقابلے میں زِیادہ آسان ہے۔ چنانچہ ایسا عالم یا مُتَّقِی شخص کہ لوگوں کے دل جس کی طرف مائل ہوں وہ اگر مال حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ آسان ہے کیونکہ لوگوں کے مال ان کے دلوں کے تابع ہوتے ہیں اور دل اِنْہی لوگوں پر خَرْچ کرتے ہیں جن سے ان کو عقیدت ہوتی ہے جبکہ ایک ایسا گھٹیا شخص کہ جس میں کوئی خوبی نہ پائی جائے اور اس کے ہاتھ کوئی خزانہ لگ جائے اور وہ جاہ سے محروم ہو اور یہ چاہے کہ مال کے ذریعے جاہ

حاصل کرے تو یہ دشوار ہے۔ معلوم ہوا کہ آدمی جاہ کے ذریعے مال کما سکتا ہے اور مال کے ذریعے ہر حال میں جاہ حاصل نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے جاہ مال سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

﴿...دوسری وجہ: مال کے ضائع ہو جانے، چوری ہونے یا غَصب ہو جانے کا خوف رہتا ہے نیز بادشاہ اور ظالم لوگ بھی اس کے لالچی ہوتے ہیں نتیجتاً مال دار شخص مال کی حفاظت کی خاطر تجوری، چوکیدار اور محافِظ رکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے اس کے باجود بھی اسے کثیر خطرات لاحق ہوتے ہیں جبکہ دلوں کی ملکیت کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں یہ خطرات لاحق نہیں ہوتے چنانچہ دل درحقیقت محفوظ خزانے ہیں جہاں نہ چوروں کو چوری کی طاقت اور نہ ظالموں کی وہاں تک پہنچ۔ سب سے زیادہ پائیدار مال زمین ہے یہ بھی غصب وظلم سے محفوظ نہیں رہتی اس کی بھی حفاظت ونگہبانی کی ضرورت پڑتی ہے جبکہ دلوں کے خزانے خود بخود محفوظ ہیں اور صاحبِ جاہ ومنصب ان میں چوری اور غصب سے امن وامان میں ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ صاحبِ جاہ کے اوصافِ کمال میں کوئی شخص عیب بیان کر کے دلوں کو اس سے پھیر دے لیکن یہ آسان کام نہیں کیونکہ اس کا دَفع کرنا بہت آسان ہے اور پھر یہ بھی کہ عموماً اعتقاد اتنا راسخ ہوتا ہے کہ بدخواہ کی کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔

﴿...تیسری وجہ: دلوں کی ملکیت میں دن بدن اِضافہ ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی مَحنت ومَشَقَّت کے بڑھتی رہتی ہے کیونکہ لوگوں کے دل جب کسی شخص کے علم، عمل یا اس کے علاوہ کسی صِفَتِ کمال کا اعتقاد کر لیں تو لامُحالہ زبانیں اس کی تعریف میں کھل جاتی ہیں۔ لوگ خود جس چیز کا اعتقاد رکھتے ہیں اسے دوسروں سے بھی بیان کرتے ہیں اور وہ بھی اس عقیدت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے طبیعتیں شُہرت اور ناموری کو پسند کرتی ہیں کیونکہ جب ذکر عام ہوتا ہے اور ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک شہرت پہنچتی ہے تو دل خود بخود اِحترام وعقیدت پر مجبور ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ ایک سے دوسرے تک ہوتا ہوا بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور اس کے لئے کوئی انتہا یا مُتَعَیَّن حد نہیں ہوتی۔ جبکہ مال میں یوں نہیں ہوتا، صاحبِ مال بغیر محنت ومشقت کے اسے بڑھا نہیں سکتا چنانچہ جاہ خود ہی بڑھتا چلا جاتا ہے اس کے بڑھنے کی کوئی حد نہیں ہوتی اور مال ٹھہرا رہتا ہے بڑھانے سے بڑھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب

جاہ ومَنصب بڑھ جائے، شہرت عام ہو جائے اور زبانوں پر تعریف جاری ہو جائے تو اس کے بِالْمقابل نَفْس مال ومَتاع کو حقیر جانتا ہے۔ یہ تھیں مال کے مقابلے میں جاہ ومنصب کی ترجیحات، اگر تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی جائے تو اسبابِ ترجیح کثیر ہو جائیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر آپ کہیں اِشکال تو مال اور جاہ ومنصب میں ابھی بھی باقی ہے لہٰذا انسان کو مال وجاہ سے اسی قدر محبت رکھنی چاہئے جس سے ضروریاتِ زندگی کا حصول اور نقصان کو دور کیا جاسکے جیسا کہ روٹی، کپڑا اور مکان کا حاجت مند یا مریض یا پھر ایسا مصیبت زدہ جو مال وجاہ ہی کے ذریعے اس سے چھٹکارا پاسکے تو ان سب کی مال وجاہ سے محبت سمجھ میں آتی ہے کیونکہ ہر وہ چیز جو محبوب تک پہنچنے کا سبَب ہو محبوب ہوتی ہے۔ لیکن طبیعتوں کا معاملہ نہایت ہی عجیب وغریب ہے اور وہ ہے مال کا جمع کرنا، خزانے کا متلاشی رہنا، ذخیرہ اندوزی کرنا اور اپنی حاجات سے کہیں زیادہ روپے پیسے کی کثرت کی تمنا کرنا یہاں تک کہ اگر کسی شخص کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کا بھی طلبگار رہتا ہے اور انسان دنیا کے ان دور دراز علاقوں میں بھی اپنے جاہ ومنصب اور شُہرت کے پھیلنے کا مُتَمَنّی رہتا ہے جن کے بارے میں جانتا ہے کہ نہ کبھی وہاں قدم رکھ سکے گا اور نہ ہی وہاں کے لوگوں سے مل سکے گا کہ وہ اس کی تعظیم وتوقیر کریں یا کسی معاملہ میں اس کی مُعاوَنَت کریں۔ ان تمام باتوں سے ناامید ہونے کے باوجود بھی وہ حُبِّ جاہ سے بہت زیادہ لذت حاصل کرتا ہے اور یہ جاہ کی چاہت اس کی طبیعت میں گھر کر جاتی ہے۔ قریب ہے کہ اسے جَہالت سمجھا جائے کیونکہ ایسی چاہت کا دنیا وآخرت میں کوئی فائدہ نہیں لیکن یہ محبت کیونکر ہوتی ہے؟

جواب: واقعۃً مال وجاہ کی محبت ہر شخص کے دل میں ہے۔ اس کے دو سبب ہیں ایک تو اتنا واضح ہے کہ عام لوگ بھی اس کا اِدراک کرلیں اور دوسرا سبب پوشیدہ ہے اور یہی اہم سبب ہے یہ اتنا دقیق ومخفی ہے کہ کُند ذہن تو دَرکنار عقل مند بھی اس کو سمجھنے سے بہت دور ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سبب کو نفس کی باطنی رگ اور طبیعت کی پوشیدہ خواہش سے مدد پہنچتی ہے، حقائق کے سمندر میں غوطہ زن ہی اس سبب پر مُطَّلَع ہوسکتے ہیں۔

مال وجاہ کی محبت کے دو اسباب:

❀...پہلا سبب: اپنے سے اَذِیَّت کو دور رکھنا۔ کہاوت ہے: اَلشَّفِیْقُ بِسُوْءِ الظَّنِّ مُوْلَعٌ یعنی ہمدرد شخص شفقت کے باعث بدگمانی کا شکار ہی دکھائی دیتا ہے اسی طرح انسان کا حال یہ ہے کہ وہ (اپنے نفس کے متعلق شفیق ہونے کے باعث) فی الحال مال کے کافی ہونے کے باوجود لمبی امید رکھتا ہے اور اس کے دل میں کھٹکا رہتا ہے کہ ممکن ہے یہ مال جو اسے ابھی کفایت کر رہا ہے ضائع ہو جائے اور وہ مزید مال کا محتاج ہو جائے، جب یہ فکر اسے دامن گیر ہو جاتی ہے تو اس کا دل ایک خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے پھر یہ اذیتِ قلبی اسی صورت میں دور ہوتی ہے جب دوسرے مال کے ذریعہ اسے اطمینان حاصل ہو کہ اگر پہلا مال ضائع ہو گیا تو دوسرا کام آئے گا، چنانچہ انسان اپنی جان پر حرص اور اپنی زندگی سے محبت کے سبب فرض کر لیتا ہے کہ وہ دیر تک زندہ رہے گا، اسی کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی خیال کر لیتا ہے کہ ضروریات اس کو گھیر لیں گی، آفات اس کے مال کو ضائع کر دیں گی۔ یوں وہ ایک خوف محسوس کرتا ہے اور اس چیز کی خواہش کرتا ہے جو اس خوف کو اس سے دور کر دے اور اس کے خیال میں وہ چیز مال کا کثیر ہونا ہے کہ اگر ایک مال پر آفت آگئی تو دوسرا مال اسے کافی ہو گا نیز اس خوف کے ٹھہراؤ کے لئے مال کی کوئی مخصوص مقدار نہیں یہی وجہ ہے کہ طالبِ مال کے ٹھہرنے کی بھی کوئی حد نہیں وہ تو تمام دنیا کا مالک بننا چاہتا ہے۔ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمُ الْعِلْمِ وَمَنْهُوْمُ الْمَالِ یعنی دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے، علم کا حریص اور مال کا حریص۔ [1]

اسی قسم کی بیماری اس طالبِ جاہ کے دل میں بھی ہوتی ہے جو اپنے شہر و وطن سے دور رہنے والے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانا چاہتا ہے اور ایک ایسے سبب کو فرض کر لیتا ہے جو اسے ان لوگوں تک یا ان لوگوں کو اس کے وطن تک پہنچا دے اور یہ ان سے مدد کا محتاج ہو جائے، جب ایسا ہونا ممکن ہے اور بظاہر اس کا ان کی طرف محتاج ہونا ناممکن بھی نظر نہیں آتا تو یہ ان کے دلوں میں اپنے لئے جاہ و منصب کے قائم ہونے کی خوشی محسوس کرتا ہے جو اسے دل میں موجود خوف سے اطمینان دلاتی ہے۔

❀...دوسرا سبب: یہ پہلے سے زیادہ قوی سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ روح اَمْرِ ربّانی ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد

---

[1] ...سنن الدارمی، باب فی فضل العلم، ۱/ ۱۰۸، حدیث: ۳۳۱ بتغیر قلیل

فرماتا ہے:

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۸۵)
ترجمۂ کنزالایمان: اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔

روح کے امرِ ربانی ہونے کے معنٰی یہ ہیں کہ وہ عُلومِ مُکاشَفہ کے رازوں میں سے ہے اور اس کے اظہار کی اجازت نہیں، خود رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی اس کو ظاہر نہیں فرمایا۔(1) لیکن اس کی معرفت حاصل کرنے سے پہلے تم یہ جان لو کہ دل کا مَیلان درج ذیل صِفات کی طرف ہوتا ہے:
(۱)...جانوروں کی صفات کی طرف مثلاً: کھانا اور جِماع کرنا۔(۲)...درندوں کی صفات کی طرف مثلاً: قتل کرنا، مار پیٹ کرنا اور ایذا دینا۔(۳)...شیطانی صفات کی طرف مثلاً: مکر و فریب کرنا، گمراہ کرنا۔(۴)...رَبّانی صفات کی طرف مثلاً: تکبُّر کرنا، غَلَبہ، عزت اور بلندی چاہنا۔

ان مختلف صفات کی طرف قلب کی رغبت کی وجہ انسان کا مختلف اصولوں سے مُرَکَّب ہونا ہے جس کی وضاحت و تفصیل کافی طویل ہے۔ روح اَمرِ ربانی ہے اس لئے انسان طَبعی طور پر رَبُوبِیَّت کو پسند کرتا ہے اور رَبُوبِیَّت کے معنٰی یہ ہیں کہ کمال میں مُنفَرِد اور مستقل وجود میں یگانہ ہو۔ چونکہ یہ کمال صِفاتِ الٰہیہ میں سے ہے اس لئے انسان طبعی طور پر اسے پسند کرتا ہے۔ وجود میں منفرد ہونا اس لئے کمال ہے کہ اگر وجود میں کوئی دوسرا شریک ہو گا تو یہ چیز اسے یقیناً عیب دار بنا دے گی، لہٰذا سورج کا کمال اسی میں ہے کہ وہ تنہا ہے اگر اس کے ساتھ دوسرا سورج بھی ہوتا تو یہ سورج کے حق میں نَقْص ہوتا کیونکہ اب وہ شَمْسِیَّت کے معنٰی کے کمال کے ساتھ منفرد نہ رہتا اور حقیقت میں یکتا اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی ذات ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی اور موجود نہیں جو کچھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا ہے وہ اس کی قدرت کے آثار ہیں جو بذاتِ خود قائم نہیں بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے وجود سے ان کا قِیام ہے، لہٰذا یہ آثار اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ وجود میں برابر نہیں کیونکہ وجود میں برابر ہونا رتبے میں مُساوات کو لازم کرتا ہے اور رتبے میں برابری کمال میں نقصان ہے کیونکہ کامل تو وہ ہے جس کا مرتبے میں کوئی مِثْل نہ ہو۔ سورج کی کرنوں کا اطرافِ عالَم کو روشن کرنا سورج میں کوئی کمی نہیں کرتا بلکہ یہ تو سورج کے

1 ... بخاری، کتاب العلم، باب قول اللہ تعالٰی: وما اوتیتم من العلم... الخ، ۱/ ۶۶، حدیث: ۱۲۵

کمالات میں سے ایک کمال ہے، سورج کا نَقْص تو اس صورت میں ہوتا جب اس کے ساتھ رتبے میں برابر ہونے کے ساتھ دوسرا ایسا سورج ہوتا جو اس سے بے نیاز ہوتا (جبکہ ایسا نہیں) ایسے ہی کائنات میں ہر شے کا وجود تَجلیاتِ قُدْرت ہی کا ایک مَظْہَر ہے اور اسی کے تابع ہے خود سے کوئی وجود نہیں رکھتا نیز جب رَبُوبِیَّت کے معنٰی ہیں وجود میں یکتا ہونا اور یہ کمال ہے تو ہر انسان طبعی طور پر اس کا طالب ہے۔ اسی وجہ سے بعض مشائخ صوفیہ نے فرمایا: کوئی انسان ایسا نہیں کہ جس کے دل میں وہ نہ ہو جس کا فرعون نے دعوٰی کیا:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ (پ۳۰، النّٰزعٰت: ۲۴) ترجمۂ کنزالایمان: میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔

لیکن انسان اس مقام کے لئے کوئی راہ نہیں پاتا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کا قول ہے: "بندگی نفس پر مَشَقَّت کرنے کا نام ہے۔" چنانچہ طبیعت کو رَبُوبِیَّت محبوب ہے اور یہ اس نسبتِ رَبّانی کی وجہ سے ہے جس کی طرف قرآن مجید نے اس فرمان کے ساتھ اشارہ فرمایا:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۸۵) ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔

نفس انتہائی کمال کے حصول سے عاجز ہونے کے باوجود بھی اس کی خواہش رکھتا ہے، یہ کمال سے نفس کا محبت کرنا اور اس کی چاہت کرنا ہے کہ وہ اس کے تَصَوُّر سے ہی لذت پاتا رہتا ہے، کمال سے لذت حاصل کرنے کے سوا اس کا کوئی معنٰی نہیں اور ہر موجود اپنی ذات و کمالِ ذات کو محبوب اور عدمِ ذات وعدمِ کمالِ صفات کو مَبغُوض رکھتا ہے۔ اور کمال تو صرف اس صورت میں ہے جب کسی کو تمام موجودات سے بلند اور یکتا فرض کر لیا جائے اور سب سے زیادہ کمال یہ ہے کہ تیرے سوا ہر شے کا وجود تجھ سے ہو اگر ایسا نہیں تو کم از کم تجھے تمام موجودات پر غَلَبَہ ہو اور یہ غلبہ طَبْعِی طور پر محبوب ہوتا ہے کیونکہ یہ کمال ہی کی ایک قسم ہے۔ ہر موجود اپنی ذات کو پہچانتا ہے نیز اپنی ذات اور کمالِ ذات سے محبت کرتا ہے مگر کسی چیز پر غلبہ یہ ہے کہ تجھے اس میں رَدوبدَل کرنے کی قدرت ہو اور وہ تیرے لئے ایسی مسخر ہو کہ جیسے تو چاہے اسے پھیر دے، چنانچہ انسان تمام موجودہ اشیاء پر غلبہ حاصل کرنے کو پسند کرتا ہے باوجود یہ کہ وہ موجودات مختلف اقسام کی طرف مُنْقَسِم ہیں۔

موجودات کی اقسام:

(۱)...وہ موجود جو فی نفسہٖ تغیُّر کو قبول نہیں کرتا جیسے ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی صِفات۔ (۲)...وہ موجود جو تغیر کو قبول تو کرتا ہے لیکن مخلوق اس کی حقیقت کو بدلنے پر قادر نہیں جیسے: آسمان، ستارے، فرشتے، جن، شیاطین، پہاڑ، سمندر اور جو کچھ پہاڑوں اور سمندروں میں ہے۔ (۳)...وہ موجود جس کا بدلنا بندے کی طاقت میں ہے جیسے: زمین اور اس کے خزانے، نباتات، حیوانات اور لوگوں کے دل، پس جس طرح انسانوں وحیوانوں کے جسم بدل سکتے ہیں ایسے ہی دل بھی اثر قبول کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ موجودات کی تقسیم دو قسم کی اشیاء کی طرف ہوتی ہے: ایک وہ جس میں انسان کو تَصَرُّف کی قدرت ہے: جیسے زمینی موجودات اور دوسری وہ جس میں انسان کو قدرتِ تصرف نہیں جیسے: ذاتِ الٰہی، فرشتے اور آسمان۔ جہاں تک پہلی قسم کی بات ہے تو انسان چاہتا ہے کہ آسمان اور اس کے رازوں کا علم حاصل کر کے آسمانوں پر غالب آجائے، یہ بھی غَلَبہ کی ایک قسم ہے کیونکہ جو شے علم کے تحت ہوتی ہے وہ گویا مغلوب ہوتی ہے اور عالِم اس پر غالب ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ، فرشتوں، آسمانوں، ستاروں اور زمینی وسمندری عجائبات کی پہچان حاصل کرنا چاہتا ہے (تاکہ مخلوق پر غلبہ حاصل کرے) کیونکہ یہ غلبہ کی ایک قسم ہے اور غلبہ کمال کی ایک قسم۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی عجیب چیز کی بناوٹ سے عاجز ہے لیکن پھر بھی وہ اس کے طریقہ بناوٹ کا مشتاق رہتا ہے۔ چنانچہ جو شخص شطرنج بنانا نہیں جانتا لیکن پھر بھی اس کی تمنّا ہوتی ہے کہ وہ اس کو کھیلنا اور بنانا سیکھ لے۔ یوں ہی وہ شخص جو شُعْبَدہ، ہندسہ یا بھاری چیز کے کھینچنے وغیرہ کی صَنْعَت کو دیکھتا ہے اور خود کو اس کے بنانے سے عاجِز سمجھتے ہوئے رنجیدہ بھی ہوتا ہے لیکن وہ اس کے بنائے جانے کی کَیْفِیَّت کو جاننا چاہتا ہے۔ اگر اسے اس کا علم ہو جائے تو اپنے عجز کے رنج کے باوجود کمالِ عِلْم سے لذّت محسوس کرتا ہے۔

جہاں تک دوسری قسم کی بات ہے وہ زمینی اشیاء ہیں جن پر انسان کو قدرت حاصل ہے، لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ تحتِ قدرت ہونے کی بنا پر وہ ان میں اپنی مرضی کے مطابق تصرُّف کر کے غَلَبہ حاصل کرے اور یہ اشیاء دو قسموں پر مُنْقَسِم ہیں: (۱)...اَجساد اور (۲)...اَرواح۔

پہلی قسم: اجساد

اجساد سے مراد درہم ودینار اور دنیاوی سازوسامان ہے۔ انسان چاہتا ہے ان پر ایسا قادر ہو جائے کہ اپنی مرضی سے اُٹھائے ، گرائے، جسے چاہے دے جس سے چاہے روک لے یہ بھی ایک قدرت ہے اور قدرتِ کمال ہے اور کمال رَبُوبِیَّت کی صفات میں سے ہے اور رَبُوبِیَّت طبعاً محبوب ہے۔ اسی وجہ سے انسان مال کو پسند کرتا ہے اگرچہ وہ اپنے لباس وطعام یا دیگر ضروریاتِ زندگی میں اس کا محتاج نہ ہو۔ ایسے ہی انسان غلاموں کی ملکیت اور آزاد لوگوں کو اپنا غلام بنانے کا طالب ہوتا ہے چاہے طاقت و قوت اور ظُلْم و جَبْر کے ذریعے کیوں نہ ہو تاکہ ان کی زندگی میں اپنی مرضی چلا سکے خواہ ان کے دلوں کا مالک نہ بن سکے۔ کیونکہ ان کے دل اب اس کے کمال کے معتقد نہیں بلکہ کمال کی جگہ ظلم وجبر نے لے لی ہے۔ انسان کو جَبْری عزت بھی وصفِ کمال ہی کی طرح لذیذ ہوتی ہے کیونکہ اس میں بھی قدرت ہوتی ہے۔

دوسری قسم: ارواح

ارواح سے مراد انسانوں کے نُفُوس اور ان کے قُلُوب ہیں اور یہ روئے زمین کی تمام چیزوں سے اعلیٰ و نفیس ہیں لہٰذا انسان ان پر قدرت وغلبہ چاہتا ہے تاکہ یہ اس کے لئے مسخر ہو کر اس کے اِشارے وارادے کے تابع ہو جائیں۔ یہ چاہت اس وجہ سے ہے کہ اس میں کمالِ غلبہ اور رَبُوبِیَّت کی صفات کے ساتھ مُشابَہَت ہے۔ بہر حال دل صرف محبت سے تسخیر ہوتے ہیں اور محبت وَصْفِ کمال کے اعتقاد سے پیدا ہوتی ہے اور ہر کمال محبوب ہوتا ہے کیونکہ یہ صِفاتِ الٰہیہ میں سے ہے نیز تمام صفات الٰہیہ بھی محبوب ہوتی ہیں کیونکہ ان میں امر ربّانی پایا جاتا ہے اور اسی اَمْرِ ربّانی کا تعلق حضرت انسان سے بھی ہے اور یہ امر ربّانی وہ ہے جسے نہ موت معدوم کر سکتی ہے نہ مٹی اسے کھا سکتی ہے، یہی ایمان و مَعْرِفَت کا محل ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچانے والا ہے اور اس کے دیدار کا باعث ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جاہ کا معنی ہے دلوں کا مسخر ہونا اور جس کے لئے دل مسخر ہو جائیں اسے ان پر قدرت وغلبہ حاصل ہو جاتا ہے اور قدرت وغلبہ کمال ہے جو کہ صفاتِ رَبُوبِیَّت میں سے ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ طَبْعِی

طور پر دل کو محبوب کمالِ علم وکمالِ قدرت ہے اور مال وجاہ اسبابِ قدرت میں سے ہیں، نیز نہ ہی معلومات کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی مفروضات کی کوئی حد۔ جب تک کوئی معلوم یا مفروض رہے گا جذبہ شوق بڑھتا ہی رہے گا اور نقص زائل نہ ہوگا۔ رسولِ اکرم، شاہ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "مال وعلم کے حریص کبھی سیر نہیں ہوتے۔"[1] دلوں کا مطلوب کمال ہے اور کمال عِلْم وقُدْرت سے حاصل ہوتا ہے نیز اس سلسلے میں دَرَجات کا اختلاف مُعَیَّن نہیں ہر انسان کو بقدرِ کمال ہی لذّت وسرور ملتا ہے، یہی سبب علم، مال، اور جاہ کے محبوب ہونے کا ہے اور یہ سبب شہوات کی تکمیل تک پہنچنے کے سبب کے علاوہ ہے کیونکہ کبھی کبھی شہوات نہ ہونے کے باوجود بھی یہ سبب موجود رہتا ہے بلکہ انسان وہ علم بھی حاصل کرنا چاہتا ہے جو اس کے اَغراض ومقاصِد میں معاوِن نہیں ہوتا یہاں تک کہ کبھی تو انسان اپنی اغراض وخواہشات کو پَسِ پُشت ڈال دیتا ہے لیکن پھر بھی طبیعت جمیع عجائبات ومشکلات کے علم کی خواہشمند رہتی ہے۔ کیونکہ علم میں معلوم پر غلبہ ہے اور یہ اس کمال کی ایک قسم ہے جو صفات رَبُوبِیَّت میں سے ہے لہٰذا طبعی طور پر یہ محبوب ہے مگر کمالِ علم وکمالِ قدرت کی محبت میں کثیر اغلاط ہیں جن کا بیان ضروری ہے۔

چھٹی فصل: حقیقی اور وہمی کمال کا بیان

وجود میں اِنْفِرادِیَّت کے ذریعے حاصل ہونے والے کمال کے فوت ہو جانے پر صرف علم وقدرت ہی دو ایسی چیزیں رہ جاتی ہیں جن میں کمال حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن اس معاملے میں کمالِ حقیقی کمالِ وہمی کے ساتھ مل جاتا ہے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ کمالِ علم اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے لئے ہے اور یہ تین وجہ سے ہے۔

❁...**پہلی وجہ:** معلومات کثیر ووسیع ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا علم ان تمام کو مُحِیط ہے، لہٰذا جیسے جیسے بندے کا علم بڑھتا ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قریب ہو جاتا ہے۔

❁...**دوسری وجہ:** علم کا تَعَلُّق معلوم سے ایسا ہو کہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے اور معلوم بالکل واضح وروشن ہو جائے۔ بے شک تمام کی تمام معلومات اپنی حقیقتوں کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے بالکل واضح وروشن ہیں اسی وجہ سے جب بندے کا علم زیادہ واضح، زیادہ یقینی، زیادہ سچا اور معلومات کی صفات کے زیادہ

[1] ...سنن الدارمی، باب فی فضل العلم، ۱/ ۱۰۸، حدیث: ۳۳۱ بغیر قلیل

مُوافِق ہو جاتا ہے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مزید قریب ہو جاتا ہے۔

❀... **تیسری وجہ:** علم کا ہمیشہ ایسا باقی رہنا کہ وہ کبھی نہ بدلے۔ بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ کا علم اَزَلی، اَبَدی ہے جس کا بدلنا مُتَصَوَّر ہی نہیں، لہٰذا جب بندے کو معلومات کا ایسا علم ہو جاتا ہے جو تغیُّر و تبدُّل کو قبول نہیں کرتا تو بندہ مزید قربِ خداوندی پالیتا ہے۔

معلومات کی اقسام:

معلومات کی دو قسمیں ہیں: (۱)... مُتَغَیِّرات (۲)... اَزَلِیَّات۔

❀... **متغیرات:** (وہ معلومات جو بدل سکتی ہیں) مثلاً زید کے گھر میں موجود ہونے کا علم، لیکن ممکن ہے کہ زید گھر سے نکل جائے اور اس کے گھر میں ہونے کا اعتقاد باقی ہو، اس صورت میں یہ عِلْم جَہْل ہو کر بجائے کمال کے نقص بن جائے گا، لہٰذا جب تم کسی چیز کے بارے میں اعتقاد رکھو اور تمہارا اعتقاد اس کے موافق بھی ہو پھر تم یہ تَصَوُّر کرو کہ وہ چیز تمہارے اعتقاد کے خِلاف بدل بھی سکتی ہے تو یوں تمہارا کمال نقص ہو جائے گا اور تمہارا علم جہل کی طرف پلٹ جائے گا۔ کائنات کی تمام متغیرات کی یہ مثال ہے مثلاً تم پہاڑ کی بلندی، زمین کی پیمائش اور شہروں کی تعداد اور ان کے درمیان فاصلوں کا علم رکھتے ہو اس کے علاوہ راستوں اور مَمالِک کی معلومات کے بارے میں جو چیزیں ضروری ہیں اسے بھی جانتے ہو، یوں ہی تم لُغات کا بھی علم رکھتے ہو جو ایسی اِصْطِلاحات ہیں جو زمانوں، قوموں اور عادات کے بدلنے کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں تو یہ تمام کی تمام معلومات مثل پارا[1] کے ہیں جو ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلتا رہتا ہے، ان میں صرف فی الحال کمال ہے اور یہ کمال دل میں باقی نہیں رہتا۔

❀... **اَزَلِیَّات:** (وہ معلومات جو بدل نہیں سکتی) اس سے مراد معلوماتِ ازلیہ ہیں۔ مثلاً جائز امور کا جائز ہونا، واجبات کا واجب ہونا اور مُحالات (ناممکن) کا مُحال ہونا یہ تمام معلومات اَزَلی ہیں کیونکہ واجب کبھی بدل کر جائز نہیں ہو گا، نہ جائز کبھی محال ہو گا اور نہ ہی کبھی محال بدل کر واجب ہو گا۔ یہ تمام اقسام اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مَعْرِفت میں داخل ہیں، لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات کا علم، آسمانوں اور زمین میں اس کی حکمت کا علم،

---

[1]... ایک بھاری اور سیال دھات جو ہر وقت بے قرار رہتی ہے۔

دنیا و آخرت کی ترتیب اور اس کے احوال کا علم کمالِ حقیقی ہے جس میں یہ کمال پایا جائے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب پالیتا ہے نیز یہ کمال موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے اور یہ معرفت موت کے بعد عارِفین کا نور ہوتی ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے کلام پاک میں اس نور کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (پ۲۸، التحریم: ۸)

ترجمۂ کنزالایمان: ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے دہنے عرض کریں گے اے ہمارے ربّ ہمارے لئے ہمارا نور پورا کردے۔

یعنی یہ معرفت سرمایہ ہوگی اور دنیا میں جو چیز ظاہر نہیں ہوئی تھی وہ بھی ظاہر ہو جائے گی، اس کو یوں سمجھئے کہ جیسے کسی کے پاس ایک دُھندلا چراغ ہو اب اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ اس سے دوسرا چراغ جلا کر زیادہ روشنی حاصل کرلے اس طرح اس دھندلے چراغ کے سبب روشنی مکمل ہو جائے گی اور جس کے پاس بالکل چراغ ہی نہ ہو تو وہ دوسرا چراغ جلا کر کیسے روشنی پائے گا؟ ایسے ہی جس کے دل میں سرے سے معرفتِ الٰہی نہ ہو وہ عارفین کی طرح نورِ معرفت کیسے حاصل کرے گا؟ چنانچہ وہ ایسے اندھیروں میں بھٹکتا پھرے گا جن سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائے گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍؕ (پ۱۸، النور: ۴۰)

ترجمۂ کنزالایمان: جیسے اندھیریاں کسی کُنڈے کے دریا میں اس کے اوپر موج، موج کے اوپر اور موج اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک پر ایک۔

لہٰذا معلوم ہو گیا کہ سعادت معرفت خداوندی ہی میں ہے اور اس کے علاوہ جو مَعارِف ہیں ان میں سے بعض کا تو اصلاً کوئی فائدہ ہی نہیں جیسے اَشعار کی معرفت اور اہلِ عَرَب کے نَسَب کی معرفت اور بعض معارف ایسے ہیں جو معرفت الٰہی حاصل کرنے میں مددگار ہوتے ہیں جیسے عَرَبی لُغَت، تفسیر، فِقہ اور اَحادیث کی معرفت کیونکہ عربی لغت تفسیرِ قرآن کی معرفت کے لئے مددگار ہے اور تفسیر کی معرفت قرآن مجید میں بیان کردہ عبادات کی کیفیت اور ان اعمال کی معرفت کے لئے مددگار ہے جن سے تزکیہ نفس ہوتا ہے اور تزکیہ نفس کی پہچان قبول ہدایت اور معرفت الٰہی کے لئے نفس کو تیار کرتی ہے جیسا کہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ ترجمۂ کنز الایمان: بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا۔

(پ۳۰، الشمس: ۹)

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ترجمۂ کنز الایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے۔

(پ۲۱، العنکبوت: ۶۹)

معلوم ہوا کہ تمام کے تمام مَعارِف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت کا وسیلہ ہیں اور کمال صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ، اس کی صفات اور اس کے افعال کی معرفت میں ہے نیز تمام موجودات کی معرفت بھی اس میں شامل ہے کیونکہ تمام ہی موجودات اللہ عَزَّوَجَلَّ کے افعال میں سے ہیں، لہٰذا جو موجودات میں سے کسی موجود کو اس حیثیت سے جانے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فعل ہے اور اس کا تعلق اس کی قدرت، ارادہ اور حکمت الٰہی سے ہے تو یہ معرفت دراصل اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی معرفت کا ضمیمہ ہے۔ یہ کمال علم کا حکم ہے اگرچہ جاہ وریا کے احکام کے ساتھ اس کا تعلق نہیں لیکن کمال کی اقسام کو پورا کرنے کے لئے اسے ہم نے بیان کر دیا۔

جہاں تک قدرت کی بات ہے تو اس میں کوئی کمالِ حقیقی نہیں اور نہ ہی بندے کو حقیقی قدرت حاصل ہے، قدرتِ حقیقی تو صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہے، بندے کے ارادے، قدرت اور حَرَکت کے بعد جو اشیاء وقوع پذیر ہوتی ہیں وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتی ہیں جیسا کہ ہم نے اسے **صَبْر و شُکْر** اور **تَوَکُّل** کے بیان میں ذکر کیا ہے اور مُنْجِیات کے مختلف ابواب کے ضِمْن میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کمال علم موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچاتا ہے جبکہ کمالِ قدرت میں یہ بات نہیں۔ البتہ قدرت ہونے کی صورت میں بندے کے لئے فی الحال یہ کمال ہے کہ وہ اس کے ذریعے کمال علم تک پہنچ سکتا ہے اور قدرت یہ ہے کہ اَعضاء کا درست ہونا، ہاتھوں میں پکڑنے کی قوت ہونا، پاؤں میں چلنے کی طاقت ہونا اور حواس کا سلامت ہونا۔ یہ تمام اعضاء کمالِ علم کی حقیقت تک پہنچانے کا آلہ ہیں۔ کبھی انسان کو ان اعضاء کو قدرت بہم پہنچانے کے لئے مال وجاہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ ان کے ذریعے لباس و

رہائش اور کھانے پینے تک رسائی حاصل کر سکے اور یہ مُقرَّرہ حد تک ہی ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس قدرت کو جلال خداوندی کی معرفت کے لئے استعمال نہ کرے تو اس میں کوئی بھلائی نہیں صرف فی الحال لذت کا حصول ہے جو کہ عنقریب ختم ہو جائے گا، لہٰذا جو اسے کمال خیال کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ اکثر لوگ اس جہالت کے نشے میں ہلاک ہو رہے ہیں اور یہ گمان کر رہے ہیں کہ ظُلم وجَبْر کے ذریعے لوگوں پر قادر ہونا، بہت زیادہ مال ودولت والا ہونا اور جاہ ومنصب کے سبب لوگوں کے دلوں میں تعظیم ہونا یہ کمال ہے اور جب وہ اس جہالت کا اعتقاد کر لیتے ہیں تو اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، جب محبت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب حاصل کر لیتے ہیں تو اس ہی میں مشغول ہو کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں اور اس کمالِ حقیقی کو بھول جاتے ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے نورانی فِرِشتوں کے قریب کرتا ہے اور وہ کمالِ علم اور آزادی ہے۔ جہاں تک علم کی بات ہے تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ معرفتِ الٰہی کا دوسرا نام ہے اور آزادی کا مطلب ہے شہوات کی قید اور دنیا کے غموں سے آزاد ہونا اور ان پر زبردستی غلبہ حاصل کرنا ہے اور یوں فرشتوں کے ساتھ مُشابہَت ہوتی ہے جنہیں نہ شہوت زیر کر سکتی ہے اور نہ غصہ ورغلا سکتا ہے۔ یقیناً غصہ اور خواہشات کے آثار کو خود سے دور کرنا ایسا کمال ہے جو کہ فِرِشتوں کی صفات میں سے ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صِفاتِ کمالیہ کی شان یہ ہے کہ وہ نہ تبدیل ہوتی ہیں نہ غیر کے اثر کو قبول کرتی ہیں، لہٰذا جو شخص تَغَیُّر وتَبَدُّل اور عَوارِضات کے اثر کو قبول کرنے سے جتنا دور ہو گا وہ اتنا ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قریب اور فرشتوں سے مشابہ ہو گا نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں اس کا مرتبہ بلند ہو گا۔ یہ تیسرا کمال ہے جو کہ علم اور قدرت کے علاوہ ہے، اسے ہم نے کمال کی اقسام میں اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس کی حقیقت عَدَم ونقصان کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ تَغْیِیر عیب ہے۔ تغییر کے معنٰی ہیں کسی صِفَت کا ہلاک ہو جانا اور یہ ہلاکت ذات اور صفاتِ کمال میں عیب ہے۔ اب اگر ہم خواہشات سے بچنے اور ان کی تکمیل کے لئے تیار نہ ہونے کو کمال شمار کریں تو کمالات تین ہو جاتے ہیں: (۱)... کمالِ علم اور (۲)... کمالِ آزادی اس سے ہماری مراد دنیوی اسباب کے ارادے اور شہوات کی غلامی کا نہ ہونا ہے اور (۳)... کمالِ قدرت جو کمالِ علم اور کمالِ آزادی حاصل کرنے کا ایک راستہ ہے۔ اور ایسا کوئی راستہ نہیں جس کے ذریعہ وہ کمالِ قدرت حاصل

کیا جائے جو موت کے بعد بھی باقی رہے کیونکہ بندے کی قدرت ظاہری اموال، قلوب کی تسخیر اور لوگوں کے جسموں پر ہے جو کہ مرنے کے بعد ختم ہو جائے گی جبکہ کمالِ معرفت و آزادی موت سے ختم نہیں ہوتے بلکہ یہ دونوں کمال مرنے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے قریب ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جاہلوں کی حالت پر غور کیجئے کیسے وہ اندھوں کی طرح جاہ ومال پر ٹوٹ پڑے حالانکہ یہ کمال سلامت رہنے والا نہیں اور اگر سلامت رہا بھی تو باقی رہنے والا نہیں۔ ان جاہلوں نے کمالِ حُرِّیَّت اور کمالِ علم سے منہ پھیر لیا حالانکہ یہ دونوں کمال کسی کو حاصل ہو جائیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مول (خرید) لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ ان کی مدد کی جائے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان:

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ الْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا ۝ (پ۱۵، الکھف: ۴۶)

ترجمۂ کنزالایمان: مال اور بیٹے یہ جیتی دنیا کا سنگار (زینت) ہے اور باقی رہنے والی اچھی باتیں ان کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر اور وہ امید میں سب سے بھلی۔

کو نہ سمجھا لہٰذا علم وحُرِّیَّت یہی باقی رہنے والے نیک اعمال میں سے ہیں جو کہ بطورِ کمال نفس میں باقی رہتے ہیں جبکہ مال وجاہ عنقریب فنا ہونے والا ہے جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ (پ۱۱، یونس: ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: دنیا کی زندگی کی کہاوت تو ایسی ہی ہے جیسے وہ پانی کہ ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین سے اگنے والی چیزیں گھنی (زیادہ) ہو کر نکلیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ ؕ (پ۱۵، الکھف: ۴۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کے سامنے زندگانی دنیا کی کہاوت بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین کا سبزہ گھنا ہو کر نکلا کہ سوکھی گھاس ہو گیا جسے ہوائیں اڑائیں۔

اور جو کچھ موت کی ہوائیں اڑا کر لے جائیں وہ دنیا کی کھیتی ہے اور جسے موت ختم نہ کرے وہ باقی رہنے والے نیک اعمال ہیں۔

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ مال وجاہ کے ذریعہ کمالِ قدرت کمالِ وہمی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ جو شخص اپنا مقصد بنا کر اس کمال کو حاصل کرنے میں وقت ضائع کرتا ہے وہ جاہل ہے، ایسے ہی شخص کی طرف شاعر ابُوالطَّیِّب نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:

وَمَنْ يُّنْفِقُ السَّاعَاتِ فِي جَمْعِ مَالِهٖ مَخَافَةَ فَقْرٍ فَالَّذِي فَعَلَ الْفَقْرَ

ترجمہ: جو شخص مُفلسی کے خوف سے مال جمع کرنے میں وقت گزارتا ہے اس کا یہ عمل ہی مفلسی ہے۔

البتہ جس قدر مال وجاہ کمالِ حقیقی تک پہنچنے کے لئے چاہئے تو اس میں کوئی حَرَج نہیں۔

اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! ہمیں ان لوگوں میں سے کر جنہیں تو نے بھلائی کی توفیق اور اپنے کرم سے ہدایت عطا فرمائی۔ (اٰمین)

ساتویں فصل: حُبِّ جاہ کی محبوب ومذموم صورتوں کا بیان

جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ جاہ کا مطلب دلوں کا مالک ہونا اور ان پر قدرت حاصل کرنا ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو مالوں کی ملکیت کا ہے کیونکہ یہ بھی دنیاوی مالوں میں سے ایک مال ہے اور یہ بھی مال کی طرح موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو کچھ اس میں پیدا کیا گیا ہے اسے آخرت کے لئے جمع کیا جا سکتا ہے اور جس طرح کھانے، پینے اور لباس کے لئے کچھ مال ہونا ضروری ہے ایسے ہی لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے کچھ جاہ ومنصب بھی ضروری ہے نیز جس طرح انسان کھانے سے بے نیاز نہ ہونے کے سبب کھانے سے محبت کرتا ہے یا اس مال سے محبت کرتا ہے جس سے وہ کھانا خرید سکے، ایسے ہی خدمت کے لئے خادم، مدد کے لئے دوست، رہنمائی کے لئے استاد اور اپنی حفاظت اور ظالموں کے ظلم سے بچنے کے لئے بادشاہ کی بھی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس کا یہ پسند کرنا کہ میرے خادم کے دل میں میری محبت ہو تاکہ وہ میری خدمت کرے تو یہ مذموم نہیں، یونہی دوست کے دل میں اپنے لئے محبت کی چاہت کرنا کہ باہم دوستی ومحبت قائم رہے اس میں بھی کوئی برائی نہیں۔ ایسے ہی تمنا کرنا کہ استاد کے دل میں میرے لئے

کچھ جگہ ہو تاکہ وہ مجھ پر عنایت کرتے ہوئے میری رہنمائی فرمائے اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں اور بادشاہ کے دل میں اپنے لئے نرم گوشہ چاہنا کہ وہ شریروں کے شر سے اسے بچائے یہ چاہت بھی بُری نہیں کیونکہ مال کی طرح جاہ بھی مقاصد تک پہنچنے کا وسیلہ ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ اس اَمر میں تحقیق یہ ہے کہ اسے مال و جاہ ذاتی طور پر پسند نہ ہوں بلکہ ان کی حَیثیَّت اس بَیْتُ الْخَلَا کی سی ہو جس کا گھر میں ہونا انسان پسند کرتا ہے کیونکہ وہ قضائے حاجت کے لئے اس کا محتاج ہے۔ وہ پسند کرتا ہے کہ اگر اسے قضائے حاجت کی ضرورت نہ ہو تو وہ بیت الخلاء کا بھی محتاج نہ ہو۔ اس سے واضح ہوا کہ حقیقت میں محبت بیت الخلاء سے نہیں کیونکہ جو چیز محبوب کا وسیلہ بنتی ہے وہ مقصود نہیں ہوتی بلکہ اصل مقصود محبوب ہوتا ہے۔ ایک مثال سے بھی آپ اس فرق کو سمجھ سکتے ہیں مثلاً ایک شخص اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے شہوت کو دور کر سکے جیساکہ غِلاظَت کو دور کرنے کے لئے بیت الخلاء کو استعمال کرتا ہے، اگر اسے شہوت نہ ہو تو اپنی بیوی کو چھوڑ دے جیساکہ اگر اسے پیشاب کی ضرورت نہ ہو تو بیت الخلاء میں داخل نہیں ہوتا نہ اس کے چکر لگاتا ہے لیکن بسا اوقات انسان کو اپنی بیوی کی ذات وصفات (حسن واخلاق) سے عشق ہو جاتا ہے اس صورت میں شہوت نہ بھی ہو پھر بھی وہ اسے اپنے نکاح میں رکھنا چاہتا ہے۔ یہ دوسری محبت ہی اصل محبت ہے پہلی محبت کو محبت نہیں کہا جائے گا، یہی حال جاہ اور مال کا بھی ہے کہ ان سے بھی ان دونوں طریقوں سے محبت کی جاتی ہے۔ لہٰذا ضروریاتِ بدَنی کی حد تک مال وجاہ سے محبت بری نہیں اور ان کی ذات سے ایسی محبت کرنا جو ضروریات سے تجاوز کر جائے یقیناً بُری ہے لیکن ایسی محبت کرنے والے کو گنہگار نہیں کہا جائے گا جب تک کہ وہ جاہ ومال کے سبب کسی گناہ کا مرتکب نہ ہو جائے یا مال وجاہ کے حصول کے لئے جھوٹ، دھوکہ بازی یا کسی ممنوعِ شرعی کا ارتکاب نہ کرلے یا پھر عبادت کو مال وجاہ تک پہنچنے کا ذریعہ نہ بنا لے کیونکہ عبادت کو مال وجاہ کا ذریعہ بنانا دینی جرم ہے اور یہ حرام ہے نیز اسی پر مَمْنُوعَہ ریاکاری کا مفہوم بھی ثابت آتا ہے جیساکہ عنقریب اس کا بیان آرہا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

کسی انسان کا اپنے استاد، خادم، دوست، بادشاہ اور اس شخص کے دل میں جاہ ومَنْصَب چاہنا جس سے

اس کا معاملہ رہتا ہے مطلقاً مُباح (جائز) ہے یا اس کی کوئی مخصوص صورت اور مُقَرَّرہ حد ہے؟

جواب: یہ طَلَب تین طریقوں پر ہے: دو صورتیں جائز ہیں اور ایک ناجائز۔ ناجائز صورت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اپنے بارے میں ایسے وَصف کے اعتقاد کے ساتھ جاہ ومنصب کا خواہشمند ہو جو اس میں نہیں مثلاً علم، پرہیزگاری یا نسب وغیرہ تاکہ لوگ اسے سیّد، عالِم یا مُتَّقِی سمجھیں حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے۔ یہ صورت حرام ہے کیونکہ یہ جھوٹ اور دھوکا دہی ہے، اب چاہے یہ قول کے ذریعے ہو یا فعل کے ذریعے۔ دو جائز صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایسی صِفَت کے سبب جاہ کی طَلَب کرے جو اس میں پائی جاتی ہے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا یوسُف عَلَیْہِ السَّلَام کے قول کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن کریم میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِجْعَلْنِیْ عَلٰى خَزَآىٕنِ الْاَرْضِۚ-اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ(۵۵) (پ۱۳، یوسف: ۵۵)

ترجمۂ کنزالایمان: مجھے زمین کے خزانوں پر کردے بیشک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔

حضرت سیِّدُنا یوسُف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے خود کو امین اور علم والا کہہ کر بادشاہ کے دل میں جگہ بنانی چاہی اور بادشاہ کو ایسے شخص ضرورت بھی تھی اور آپ عَلَیْہِ السَّلَام اپنے قول میں سچے بھی تھے۔ اور دوسری جائز صورت یہ ہے کہ انسان اپنے عیوب اور گناہوں کے چھپے رہنے کی چاہت کرے کیونکہ اگر یہ ظاہر ہو گئے تو لوگوں کی نظروں میں اس کا مقام ومنصب گر جائے گا، لہٰذا یہ چاہت بھی جائز ہے کیونکہ گناہوں کو چھپانا جائز ہے جبکہ کسی کی عزت اچھالنا اور گناہ کا اِظہار کرنا ناجائز ہے نیز ایسا کرنا کوئی دھوکہ بھی نہیں بلکہ یہ ان باتوں کا سدِّباب ہے جن کو جاننے میں کوئی فائدہ نہیں۔ مثلاً: ایک شرابی شخص بادشاہ سے اپنا شرابی ہونا چھپاتا ہے اور اسے یہ باور نہیں کرواتا کہ میں متقی ہوں، ہاں اگر وہ یہ کہے کہ میں متقی ہوں تو یہ دھوکا ہو گا اور شراب پینے سے انکار کرنا مُتَّقِی ہونے کے اعتقاد کو لازم نہیں کرتا بلکہ مَحض شرابی نہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔

ممنوعاتِ شَرعِیَّہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگوں کے سامنے اچھی طرح نماز پڑھے تاکہ وہ اس کے بارے میں اچھے خیالات رکھیں، یہ ریاکاری اور دھوکا ہے کیونکہ ایسا کرنے والا شخص لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے خالص عَمَل کرنے والا اور خوف رکھنے والا ہوں حالانکہ وہ ریاکاری کر رہا ہوتا ہے، کیسے اسے مُخْلِص کہا جائے؟ لہٰذا اس طریقے پر اور کسی بھی گناہ کے ذریعے جاہ ومَنصَب طَلَب کرنا

حرام ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر مالِ حرام حاصل کیا جائے لہٰذا جس طرح جعل سازی اور دھوکا دہی کے ذریعے دوسروں کے مال کا مالک بننا ناجائز وحرام ہے ایسے ہی ریاکاری اور دھوکا دہی کے ذریعے دلوں کا مالک بننا بھی حرام ہے کیونکہ دلوں کا مالک ہونا مال کے مالک ہونے سے بڑا درجہ رکھتا ہے۔

آٹھویں فصل: مَدح کی خواہش اور مَذَمَّت سے نفرت کے چار اسباب

اپنی تعریف کو پسند کرنا اور دل کا اس سے لُطف اندوز ہونا چار اسباب کے باعث ہوتا ہے:

پہلا سبب:

پہلا سبب سب سے قوی ہے اور یہ نفس کا اپنے آپ کو کامل سمجھنا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ کمال محبوب ہوتا ہے نیز ہر محبوب شے اور اس کا تصوُّر لذّت دیتا ہے، لہٰذا جب نفس اپنے آپ کو کامل خیال کرتا ہے لذت، راحت اور خوشی محسوس کرتا ہے اور مدح ممدوح کو کامل ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ ہر وہ وصف جس کی وجہ سے تعریف کی جاتی ہے یا تو ظاہر وواضح ہوگا یا پھر اس میں شک ہوگا۔ اگر وہ وصف ظاہر و واضح طور پر محسوس ہونے والا ہوگا تو اس کے سبب کم لذت حاصل ہوتی ہے لیکن ہوتی ضرور ہے جیسے کسی کی تعریف کی جائے کہ اس کا قد لمبا اور رنگت گوری ہے۔ یہ بھی کمال کی ایک قسم ہے لیکن نفس اس سے غافل ہونے کے سبب اس کی لذت سے ناآشنا ہوتا ہے لیکن جب نفس کو کمال کا شعور ہوتا ہے تو لذت کا احساس بھی پیدا ہو جاتا ہے اور اگر سببِ مدح وہ وصف ہو جس میں شک کیا جاتا ہے تو اس وصف کے ذریعے حاصل ہونے والی لذت بہت زیادہ ہوتی ہے مثلاً کمالِ علم، کمال تقوٰی اور حُسنِ اخلاق کے سبب تعریف ہونا کیونکہ انسان اکثر اپنے حُسن، اپنے کمالِ علم اور کمال تقوٰی کے بارے میں شک کا شکار رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح اس کا یہ شک دور ہو جائے اور اسے یقین ہو جائے کہ وہ ان امور میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تاکہ اس کے نفس کو اطمینان حاصل ہو اور جب کوئی دوسرا اس کا وصف بیان کرتا ہے تو اسے اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اس وصف کے کامل ہونے کا یقین اس کے سُرور ولذت کو بڑھا دیتا ہے اور اس سبب

سے اس وقت لذت مزید بڑھ جاتی ہے جب تعریف کرنے والا اہلِ نظر ہو، صفات کو بخوبی جانتا ہو اور بے جا گفتگو نہ کرتا ہو جیسے کوئی استاد اپنے شاگرد کے عقل مند وفاضل ہونے کی تعریف کرے تو اس سے شاگرد کو انتہائی درجہ کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر تعریف کرنے والا ایسا شخص ہو جو گفتگو میں حد سے بڑھ جاتا ہے یا اوصاف کی کوئی واقفیت نہیں رکھتا تو لذت میں ضُعف ہوتا ہے۔ یونہی مذمت کو ناپسند کرنے کا معاملہ بھی ہے کیونکہ مذمت نفس میں عیب کا شعور دلاتی ہے اور عیب کمال کی ضد ہے، لہٰذا یہ شعور ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے جب کوئی صاحبِ کمال مذمت کرے تو بہت تکلیف ہوتی ہے جیسا کہ تعریف کے معاملہ میں ہم نے اسے بیان کیا۔

دوسرا سبب:

مَدح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تعریف کرنے والے کا دل ممدوح کا غلام بن چکا ہے اور وہ تعریف کرنے والا اپنے ممدُوح کا مُرید، مُعتقِد اور فرمانبردار ہے۔ دلوں کی ملکیت محبوب اور اسکے حاصل ہو جانے کا احساس فرحت بخش ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت لذت بہت زیادہ ہو جاتی ہے جب کوئی طاقتور اور ایسا شخص تعریف کرے جس کا دل قابو میں آجائے تو نفع ہوتا ہے جیسے بادشاہ یا دیگر صاحبِ ثروت لوگ۔ اور جب کوئی ایسا شخص مدح کرے جس کی کوئی پروا نہیں کی جاتی اور نہ ہی اسے کوئی طاقت وغیرہ ہے اس وقت لذت کم ہوتی ہے۔ ایسے کمزور شخص کے دل کا مالک ہونا گویا ایک حقیر چیز کا مالک ہونا ہے کیونکہ اس کا تعریف کرنا ممدوح کی ناقص قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے مذمت ناپسندیدہ ہوتی ہے اور دل کو تکلیف پہنچتی ہے اور جب یہ مذمت بڑوں میں سے کوئی کرے تو اَذِیَّت و تکلیف بہت ہی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس سے ممدوح کا عظیم فائدہ فوت ہو جاتا ہے۔

تیسرا سبب:

تعریف کرنے والے کی تعریف سننے والوں کے دلوں کا شکار کرنے والی ہے خصوصاً جب تعریف کرنے والا ایسا ہو جس کی بات توجہ سے سُنی جاتی اور مانی جاتی ہو۔ یہ صورت اس وقت ہے جب تعریف

اشرافِ قوم کے سامنے ہو اور خاص طور پر جب مَجْمَع کثیر ہو اور تعریف کرنے والا لائق تعریف بھی ہو تو ایسی صورت میں لذت بہت زیادہ حاصل ہوتی اور یہی حال مذمت کا بھی ہے۔

چوتھا سبب:

مُدح سَرائی سے ممدوح کا بارُعب ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ پتا چلتا ہے کہ تعریف کرنے والا اس کی تعریف میں زبان کھولنے پر مجبور ہے خواہ رغبت سے یا دباؤ کے باعث، نیز رُعب و دَبدَبہ انسان کو لذیذ ہوتا ہے کیونکہ اس میں غلبہ اور طاقت ہوتی ہے اور اس تعریف سے لذت اس صورت میں بھی حاصل ہوتی ہے جب تعریف کرنے والے کے دل میں اُن اوصاف کا اعتقاد بھی نہ ہو جن کی بنیاد پر وہ تعریف کر رہا ہو لیکن پھر بھی اس شخص کا تعریف کرنا ممدوح کے دبدبہ اور رعب ہی ایک قسم ہے۔ لہٰذا تعریف کرنے والا جس قدر ممدوح کے اوصاف کا مُنکِر ہو گا اسی قدر ممدوح کو اس کی تعریف سے لذت و سرور ملے گا جو معتقد و مرید کی تعریف سے کہیں زیادہ ہو گا۔

کبھی یہ چاروں اسباب ایک تعریف کرنے والے کی تعریف میں جمع ہو جاتے ہیں اس صورت میں اس کی تعریف سے لذت بہت بڑھ جاتی ہے اور کبھی یہ اسباب جدا جدا ہوتے ہیں اس صورت میں لذت کم حاصل ہوتی ہے، بہر حال جہاں تک پہلے سبب کا تعلق یعنی اپنے آپ کو کامل سمجھنے کا تو یہ اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب ممدوح کو معلوم ہو جائے کہ مجھے اچھے نَسَب، عالِم، سخی، یا مُتَّقِی سے تعبیر کرنے والا شخص اپنے قول میں سچا نہیں کیونکہ ممدوح جانتا ہے کہ میں حقیقت میں ایسا نہیں لہٰذا خود کو کامل سمجھنے سے پیدا ہونے والی لذت یوں زائل ہو جاتی ہے اور دل پر مَحْض غَلَبہ کی لذّت اور دیگر لذّات باقی رہ جاتی ہیں اور جب ممدوح یہ جان لے کہ میرا وصف بیان کرنے والا اس وصف کا اعتقاد نہیں رکھتا اور نہ ہی مجھ میں یہ وصف پایا جاتا تو دل پر چھا جانے والے غلبے کا نشہ بھی رَفُو ہو جاتا ہے۔ اب صرف ممدوح کو یہ بات لذت دیتی ہے کہ کم از کم میرے رُعب دبدبہ کی وجہ سے تعریف کرنے والے کی زبان پر تو تعریف باقی ہے لیکن جب ممدوح کو یہ علم ہو کہ یہ تعریف میرے دبدبہ یا عزت کی وجہ سے نہیں بلکہ برائے مذاق ہے تو تمام لذتیں جڑ سے ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ ایسی صورت میں تینوں اسبابِ لذات ہی فوت ہو چکے ہیں۔ اس تعریف سے یہ بات اچھی طرح

معلوم ہوگئی کہ نَفْس تعریف سے کیوں لذّت پاتا ہے اور مذمت سے کیوں اَذِیَّت پاتا ہے اور یہ تفصیل ہم نے اس لئے بیان کی تا کہ حُبِّ جاہ، مَدْح سَرائی کی چاہت اور مذمت کے خوف کا عِلاج پہچانا جاسکے اور جو سبب کو نہیں جانتا اس کا علاج کرنا ممکن نہیں کیونکہ علاج کا مطلب ہے مَرَض کے اسباب کو جاننا اور حل کرنا۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی اپنے لُطف وکرم سے توفیق دینے والا ہے اور تمام غلامانِ مصطفےٰ پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت نازل ہو۔

نویں فصل:

حُبِّ جاہ کا علاج

جان لیجیے! جس پر حُبِّ جاہ غالب آجائے وہ لوگوں کی رِعایت کرنے میں لگا رہتا ہے، ان کے ساتھ محبت سے پیش آتا ہے اور ان کے لئے ریاکاری کرتا ہے، اپنے قول وفِعْل میں اس اَمْر کا خیال رکھتا ہے جو لوگوں کے نزدیک اس کی قَدْر ومَنْزِلَت بڑھائے اور یہی بات مُنافَقت کا بیج اور فساد کی جڑ ہے نیز لامحالہ یہ بات عبادات میں سستی اور دکھلاوے کے ساتھ ساتھ ممنوعاتِ شَرْعِیَّہ کے اِرتِکاب کا باعث بھی بنتی ہے، کیونکہ ایسا شخص لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے عزت ومال کی محبت اور دین میں ان کے فساد کو دو بھوکے بھیڑیوں سے تشبیہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "بے شک یہ محبت نِفاق کو ایسے پروان چڑھاتی ہے جیسے پانی سبزہ اگاتا ہے۔" نفاق کا مطلب ہے ظاہری قول یا فعل کا باطن کے خلاف ہونا اور جو شخص لوگوں کے دلوں میں قدر ومنزلت چاہتا ہے وہ ان کے ساتھ مُنافَقت کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور ان کے سامنے بتکلُّف ایسی اچھی عادتوں کا مُظاہَرہ کرتا ہے جو اصلاً اس میں ہوتی ہی نہیں اور یہی عَین مُنافَقت ہے۔ چونکہ حُبِّ جاہ ہلاک کر دینے والے امور میں سے ہے، لہٰذا اس کا علاج اور دل سے اس کو نکالنا ضروری ہے کیونکہ مال کی محبت کی طرح یہ بھی ایک ایسا طَبْعی اَمْر ہے جس پر دل سخت ہوچکا ہے اور اس کا عِلاج عِلْم اور عَمَل کے ذریعے ممکن ہے۔

عِلم کے ذریعے حُبِّ جاہ کا علاج:

علم کے ذریعہ علاج کی صورت یہ ہے کہ اس سبب کو جانا جائے جس کی وجہ سے انسان جاہ ومنصب کو پسند کرتا ہے اور وہ سبب ہے لوگوں کی شَخْصِیَّت اور ان کے دلوں پر کمالِ قدرت حاصل کرنا۔ ہم بیان کرچکے

کہ یہ کمال باقی رہنے والا نہیں اگر رہے بھی تو موت اس کی انتہا ہے یہ باقی رہنے والے نیک اعمال میں سے نہیں بلکہ بِالْفَرْض مَشْرِق سے لے کر مَغْرِب تک زمین کے چپے چپے پر رہنے والا ہر شخص پچاس سال تک بھی کسی کو سجدہ کرتا رہے تو انتہا یہ ہوگی کہ نہ ساجد رہے گا نہ مَسْجُود اور اس کا حال ان صاحبانِ جاہ و منصب کی طرح ہو جائے گا جو اس سے پہلے اپنے چاہنے والوں سمیت مر کر خاک ہو گئے، لہٰذا اس فنا ہونے والی شہرت کے بدلے اس دین کو نہیں چھوڑنا چاہئے جو اَبَدی زندگی ہے اور جو شخص کمالِ حقیقی اور کمالِ وہمی کو سمجھ گیا اس کی نظر میں جاہ و منصب حقیر شے ہے بلکہ جس شخص کی نظر میں آخرت ہوتی ہے وہ اسے اتنی بھی اہمیت نہیں دیتا جتنی کسی ذَرّہ کو دی جاتی ہے۔ وہ موت کو سامنے تصور کرتا ہے اور دنیا کو حقیر خیال کرتا ہے نیز یہ گمان کرتا ہے کہ موت اس کے سر پر کھڑی ہے، اس کا حال حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کی طرح ہو جاتا ہے کہ جب انہوں نے حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کی طرف ایک خط لکھا تو اس میں یوں تحریر کیا: ”اَمَّا بعد! گویا آپ آخری آدمی ہیں جس پر موت کا حکم صادر ہو چکا اور اس کی روح قَفَسِ عُنْصُری سے پرواز بھی کر گئی ہے۔“ غور کریں کہ ان کی مستقبل پر کیسی نظر تھی کہ انہوں نے اسے موجود خیال کیا اور یہی حال حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کا تھا کہ انہوں نے اس کے جواب میں لکھا: ”اَمَّا بعد! (آپ اپنے بارے میں یوں خیال کریں) گویا آپ دنیا میں آئے ہی نہیں اور ہمیشہ آخرت میں رہے۔“ ان بزرگوں کی تَوَجُّہ انجام پر ہوتی تھی اسی لئے انہوں نے تقویٰ اختیار کیا کیونکہ یہ جانتے تھے کہ بے شک بھلا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے یہی سبب تھا کہ انہوں نے دنیا میں جاہ و مال کو حقیر جانا جبکہ اس کے مقابلے میں اکثر مخلوق کا یہ حال رہا کہ ان کی کمزور نگاہیں صرف دنیاوی فوائد تک محدود رہیں، ان کی آنکھوں کا نور مُشاہَدے کی طرف نہیں بڑھا۔ اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۱۶﴾ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ﴿۱۷﴾ (پ۳۰، اعلیٰ: ۱۶، ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوْنَ

ترجمۂ کنزالایمان: کوئی نہیں بلکہ اے کافرو تم پاؤں تلے کی

الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ (پ۲۹، القیامۃ: ۲۰، ۲۱) دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہو۔

لہٰذا جس کا یہ حال ہو اس کو چاہئے کہ دنیاوی آفات و مَصائِب کے تصور سے اپنے دل کا علاج کرے اور اُن بڑے خطرات کے بارے میں فِکْر مند رہے جو دنیاوی صاحِبِ اِقْتِدار لوگوں کو مصیبت میں ڈال دیتے ہیں کیونکہ ہر صاحِبِ جاہ و منصب سے حَسَد کیا جاتا اور اس کو ایذا دینے کا قصد کیا جاتا ہے نیز صاحِبِ جاہ اپنی قدر و منزلت کے بارے میں خوفزدہ رہتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں لوگوں کے دلوں میں میری جگہ کم نہ ہو جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دلوں کا حال اُبلتی ہنڈیا سے بھی زیادہ مُتَغَیِّر (بدلنے والا) ہے۔ جس طرح ہانڈی کبھی اوپر کی طرف اٹھتی ہے اور کبھی نیچے بیٹھ جاتی ہے اسی طرح دل بھی بلندی اور پستی کے درمیان مُتَرَدِّد رہتے ہیں۔ جو شخص لوگوں کے دلوں پر اعتماد کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سمندر کی موجوں پر عمارت تعمیر کرتا ہے جسے کوئی قرار و مضبوطی نہیں۔

لوگوں کے دلوں کا خیال رکھنا، مرتبہ کی حفاظت، حاسِدین کے حسد کو دور کرنا اور دشمنوں کی اَذِیَّت سے بچنا یہ تمام دنیاوی غم ہیں جن سے جاہ و منصب کی لذت پھیکی پڑ جاتی ہے لہٰذا آخرت کے نقصان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف دنیا میں ہی مذکورہ دنیاوی غموں کا خوف رکھنے سے ہی جاہ کی امید ختم ہو جاتی ہے تو بہتر یہی ہے کہ کمزور بصیرت کا علاج کیا جائے۔ بہر حال جس شخص کی بصیرت روشن اور ایمان پختہ ہوتا ہے وہ دنیا کی طرف التفات نہیں کرتا۔

عمل کے ذریعہ حُبِّ جاہ کا علاج:

عمل کے ذریعہ علاج کی صورت یہ ہے کہ انسان لوگوں کے دلوں سے اپنی جاہ زائل کرنے کے لئے ایسے کام کرے جس پر لوگ اسے ملامت کریں حتّٰی کہ اس طرح وہ لوگوں کی نظروں میں گر جائے اور اس کے اندر مقبولیت کی لذت کا احساس ختم ہو جائے، گمنامی اور مخلوق کے دُھتکار دینے کو پسند کرے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں مقبول ہونے کو کافی سمجھے۔ یہی طریقہ فرقۂ مَلامَتیہ کا ہے کیونکہ وہ لوگ گناہوں کا اِرتِکاب اس لئے کرتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں سے گر جائیں اور جاہ و منصب کی آفت سے محفوظ رہیں لیکن یہ طریقہ دین کے پیشوا کے لئے جائز نہیں ورنہ لوگوں کے دلوں میں دین کی توہین بیٹھ

جائے گی اور عام آدمی کے لئے بھی جائز نہیں کہ ایسے کسی فعل کی طرف بڑھے جس سے دین کی تحقیر ہوتی ہو بلکہ وہ ایسے جائز امور کرے جو لوگوں کے نزدیک اس کا مرتبہ گھٹادیں جیسا کہ منقول ہے کہ کسی بادشاہ نے ایک زاہد (دنیا سے کنارہ کش شخص) کے پاس جانے کا ارادہ کیا جب زاہد کو بادشاہ کے قریب پہنچنے کا علم ہوا تو اس نے کھانا اور ساگ منگوایا اور حریصوں کی طرح بڑے بڑے لقمے کھانے لگا جب بادشاہ نے اسے اس حال میں دیکھا تو بادشاہ کی نظر میں اس کی کوئی وَقعت (عزت) نہ رہی اور چلا گیا، زاہد نے اس کے جانے پر کہا: شکر ہے خدا کا جس نے تجھے مجھ سے پھیر دیا۔

اسی طرح ایک درویش نے ایسے پیالے میں پانی پیا جس کا رنگ شراب کا سا تھا تا کہ لوگ سمجھیں اس نے شراب پی ہے اور وہ لوگوں کی نگاہوں میں گر جائے، باعتبارِ فقہ اس کے جائز ہونے میں کلام ہے لیکن درویش لوگ بعض اوقات اپنے نفس کا علاج اس چیز کے ذریعہ کرتے ہیں مُفتی جن کے جائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیتا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہمارے دلوں کا علاج اسی میں ہے پھر جو کمی زیادتی ہوتی ہے اس کا تدارُک کر لیتے ہیں (عام آدمی کے لئے یہ کسی صورت جائز نہیں ہے)، جیسا کہ ایک درویش کے بارے میں منقول ہے لوگوں میں ان کا زُہد و تقویٰ مشہور ہو گیا اور لوگ (برکت کے لئے) ان کے پاس آنے لگے لہٰذا ایک دن وہ دریش ایک حمام میں داخل ہوئے اور کسی اور کے کپڑے پہن کر باہر آکر راستے میں کھڑے ہو گئے، لوگوں نے ان کو پہچان لیا اور پکڑ کر مارنا شروع کر دیا، کپڑے چھین لئے اور چور چور کہتے ہوئے درویش کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

جاہ و مَنصَب کی محبت کو ختم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو چھوڑ دے اور ایسی جگہ چلا جائے جہاں اسے کوئی نہ جانتا ہو کیونکہ جو شخص اپنے شہر میں مشہور ہو پھر وہ وہیں اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو جائے تو شُہرت کی چاہت ختم نہ ہو گی بلکہ گوشہ نشینی کے سبب لوگوں کے دل میں اس کی محبت مزید بڑھ جائے گی اور وہ یہ گمان کرے گا کہ میں تو اس کا خواہش مند نہیں ہوں حالانکہ یہ دھوکہ ہے اس کا نفس محض اس لئے پُرسکون ہو گیا ہے کہ اسے اپنا مقصود مل گیا اور اگر لوگ اس کے بارے میں اپنا اعتقاد بدل لیں، اس کی مذمت کریں یا کوئی ایسا کام اس کی طرف منسوب کر دیں جو اس کی شان کے لائق نہ ہو تو اس کا نفس غمگین ہو

جائے گا اور تکلیف محسوس کرے گا۔ ہو سکتا ایسی صورت میں لوگوں کے دلوں سے غُبار دور کرنے کے لئے کوئی حیلہ بہانہ کرے بلکہ عین ممکن ہے بغیر پروا کئے اس سلسلے میں جھوٹ وفریب کا سہارا لے تو ایسی صورت میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اب بھی وہ جاہ ومنصب کو پسند کرتا ہے۔ اور جاہ ومنصب کی چاہت رکھنے والا مال کی محبت رکھنے والے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بُرا ہے کیونکہ جاہ ومنصب کا وبال مال کے وبال سے زیادہ ہے نیز یہ ممکن نہیں کہ لوگوں سے طمع بھی رکھے اور ان کے دلوں میں مقام کی خواہش بھی نہ ہو۔ البتہ جب اپنے ہاتھ سے روزی کمائے یا کسی اور طریقے سے روزی حاصل کرے اور لوگوں سے اس کی طَمَعْ بِالْکُل خَتْم ہو جائے تو اس وقت لوگ اس کی نظر میں کمتر ہو جائیں گے اور اسے کوئی پروا نہ ہوگی کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی جگہ ہے یا نہیں جس طرح وہ اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ دور مشرق کے کنارے پر رہنے والوں کے دلوں میں کیا ہے اور کیا نہیں کیونکہ یہ نہ ان کو دیکھ سکتا ہے نہ ان سے کوئی لالچ رکھتا ہے۔ لوگوں سے طمع صرف قناعت ہی کے ذریعہ ختم ہو سکتی ہے، لہٰذا جو قناعت اختیار کرتا ہے وہ لوگوں سے بے پروا ہو جاتا ہے اور جو لوگوں سے بے پروا ہو جاتا ہے اس کا دل لوگوں میں مشغول نہیں ہوتا اور جاہ ومنصب کی اس کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ مختصر یہ ہے کہ جاہ کی چاہت اسی صورت میں ختم ہو سکتی ہے جب آدمی قناعت اختیار کرے اور لوگوں سے طمع کرنا چھوڑ دے اور اس سلسلے میں ان احادیث وروایات سے مدد حاصل کرے جو جاہ ومنصب کی مذمت اور گمنامی وبے وقعت ہونے کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ بزرگانِ دین سے منقول ہے: "مومن قلت، ذلت یا علت (بیماری) سے خالی نہیں ہوتا۔" لہٰذا آدمی بزرگانِ دین کے احوال میں نظر کرے کہ وہ ظاہری عزت کے مقابلے میں بے وَقْعَت ہونا پسند کرتے تھے اور ثوابِ آخرت میں رغبت رکھتے تھے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْن (اللہ عَزَّوَجَلَّ ان سب سے راضی ہو۔)

دسویں فصل: مَدْح کو پسند کرنے اور مَذَمَّت کو ناپسند کرنے کے اسباب کا علاج

اکثر لوگ مخلوق کی مذمت کے خوف اور ان کی مدح کی چاہت کے سبب ہلاک ہوئے، ان کی حرکات

مذمت کے خوف سے ڈرتے ہوئے اور مدح کی چاہت کرتے ہوئے لوگوں کی مرضی کی موافق رہیں اور یہ چیز ان کی ہلاکت کا سبب بنی، لہٰذا اس کا علاج ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان اسباب پر غور و فکر کرے جن کے سبب تعریف محبوب اور مذمت ناپسند ہوتی ہے۔

پہلے سبب کا علاج:

پہلا سبب یعنی تعریف کرنے والے کی تعریف کے سبب خود کو باکمال سمجھنا۔ اس صورت میں تمہارا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ تم اپنی عقل کی طرف رجوع کرو اور اپنے آپ سے کہو: یہ صفت جس کی وجہ سے تیری تعریف کی گئی ہے تجھ میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ اگر پائی جاتی ہے تو پھر یا تو ایسی صفت ہوگی جس کے سبب تم واقعی تعریف کے مستحق ہو جیسے عِلْم اور تقویٰ یا پھر ایسی صِفَت ہو گی جس کے سبب تم تعریف کے مستحق نہیں ہو جیسے دُنیاوی عُہدہ، جاہ و منزلت اور مالِ دنیا وغیرہ۔ اب اگر وہ صفت دنیاوی ساز و سامان ہے تو اس کی وجہ سے خوش ہونا اس سوکھی گھاس کی طرح ہے جسے عنقریب ہوائیں اڑا لے جائیں گی اور یہ بات کم عقلی کی نشانی ہے کیونکہ جو عقل مند ہوتا ہے وہ یوں کہتا ہے جیسا کہ مُتَنَبِّی نے اپنے شعر میں کہا:

اَشَدُّ الْغَمِّ عِنْدِیْ فِیْ سُرُوْرٍ تَیَقَّنَ عَنْہُ صَاحِبُہُ انْتِقَالًا

ترجمہ: میرے نزدیک سب سے زیادہ غم اس خوشی میں ہے جس کے جلد ختم ہو جانے کا یقین ہے۔

لہٰذا انسان کے لئے دنیاوی سامان پر خوشی کا اظہار کرنا مناسب نہیں اور اگر اس پر خوشی کا اظہار بھی کرے تو تعریف کرنے والے کی تعریف کرنے کے سبب نہیں بلکہ اس کے موجود ہونے پر خوشی کا اظہار کرے اس لئے کہ تعریف سامان کے وجود کا سبب نہیں۔ اگر ایسی صِفَت تم میں پائی جاتی ہے جس کے سبب تم تعریف کے مستحق ہو مثلاً: عِلْم اور تقویٰ تو اس کے سبب کی جانے والی تعریف پر بھی خوش نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انجام کی خبر معلوم نہیں کہ کیا ہو گا؟ البتہ علم و تقویٰ کی صورت میں اس بات کی خوشی ضرور ہوتی ہے کہ یہ صفت اللہ عَزَّوَجَلَّ سے قریب کرنے والی ہے مگر پھر بھی خاتمے کا خوف باقی ہے اور جسے بُرے خاتمہ کا خوف ہو وہ دنیا کی ہر خوشی سے منہ پھیر لیتا ہے بلکہ دنیا تو خوشی اور سُرور کا نہیں غموں کا گھر ہے پھر بھی تم اگر حُسنِ خاتمہ کی امید لئے دنیا میں خوش رہتے ہو تو بہتر ہے کہ تمہاری خوشی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل

کے سبب ہو تعریف کرنے والے کی تعریف کے سبب نہ ہو کیونکہ لذت تو اس بات سے حاصل ہوئی ہے کہ تمہیں ایک کمال کا شُعور حاصل ہوا ہے اور یہ کمال اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فَضْل ہی سے موجود ہے، تعریف کرنے والے کی تعریف کو اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ یہ تعریف بھی فضلِ الٰہی کے تابع ہے، لہٰذا تیرا تعریف کرنے والے کی تعریف پر خوش ہونا مناسب نہیں اور نہ ہی یہ تعریف تیرے فضل کو بڑھا سکتی ہے۔ اگر تیری تعریف اس وصف کی وجہ سے کی جاتی ہے جو تجھ میں نہیں تو تیرا اس تعریف پر خوش ہونا انتہائی درجے کا جُنون (پاگل پن) ہے۔ ایسی صورت میں تیری مثال اس شخص کی طرح ہو گی جسے لوگ بطورِ مذاق کہیں کہ تمہارے پیٹ میں جو کچھ ہے کتنا ہی مُعَطَّر ہے اور جب تم پاخانہ کرنے جاتے ہو تو اس سے کتنی پیاری خوشبو مہکتی ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ اس کے پیٹ اور آنتوں میں ہے سوائے گندگی کے کچھ بھی نہیں پھر بھی وہ اس تعریف پر خوش ہوتا ہے، ایسا ہی تیرا حال ہے کہ تیرے زُہد و تقویٰ کی وجہ سے تیری تعریف کی جاتی ہے اور تو اس پر خوش ہوتا ہے حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تیرے باطنی خبائث، چھپے ہوئے دھوکے اور تیری گندی صفات سے باخبر ہے تو ایسی خوشی انتہا درجہ کی جہالت ہے۔ تُو سوچ کہ تیرے وصف پر تعریف کرنے والا اگر سچا ہے تو جو وصف تیری خوشی کا سبب ہے وہ تجھ پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل ہے اور اگر جھوٹا ہے تو اس پر تجھے بجائے خوش ہونے کے غمگین ہونا چاہئے۔

دوسرے سبب کا علاج:

دوسرا سبب یعنی تعریف اس بات پر دلالت کرے کہ تعریف کرنے والے کا دل ممدوح کا مُعْتَقِد ہو چکا ہے اور اس تعریف کرنے والے کے سبب دوسرے بھی اس کے معتقد ہو جائیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت کی چاہت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاج کا طریقہ پہلے بیان ہو چکا کہ لوگوں سے طَمَع ختم کرے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں مقام طلب کرے کیونکہ لوگوں کے دلوں میں جاہ چاہنا اور اس پر خوش ہونا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں مقام کو گھٹا دیتا ہے تو ایسی خوشی کا کیا فائدہ؟

تیسرے سبب کا علاج:

تیسرا سبب یعنی دبدبہ کہ تعریف کرنے والا تیرے دبدبہ کی وجہ سے تیری تعریف کرنے پر مجبور

ہے۔ یہ ایک عارضی قدرت ہے جو پائیدار نہیں اس لئے یہ تعریف کا سبب نہیں بن سکتی بلکہ تجھے تو چاہئے کہ تو تعریف کرنے والے کی تعریف پر غم کھائے، اسے برا جانے اور اس پر غصہ کرے کیونکہ بزرگانِ دین سے منقول ہے: "مدح کی آفت ممدوح پر بہت بڑی آفت ہے۔" اسے ہم نے زبان کی آفات کے بیان میں بھی ذکر کیا ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے: "جو تعریف پر خوش ہوا اس نے شیطان کو اپنے پیٹ میں داخل ہونے کا موقع دیا۔" ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "جب تجھ سے کہا جائے تو کتنا اچھا آدمی ہے اور یہ بات تجھے اس سے زیادہ پسند ہو کہ تجھے کوئی کہے تو کتنا برا آدمی ہے تو خدا کی قسم! تو حقیقت میں بُرا آدمی ہے۔"

تعریف کرنے کی مذمت پر مشتمل تین فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... ایک شخص نے رسولِ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سامنے کسی تعریف کی تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "جس کی تو نے تعریف کی ہے اگر وہ موجود ہوتا اور اپنی تعریف پر خوش ہو جاتا اور اسی پر مر جاتا تو دوزخ میں چلا جاتا۔"[1]

﴿2﴾... ایک مرتبہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے تعریف کرنے والے سے ارشاد فرمایا: "تیرا بُرا ہو تو نے اس کی کمر توڑ دی اگر وہ اسے سن لیتا (اور اس پر خوش ہوتا) تو قیامت تک فلاح نہ پاتا۔[2]

﴿3﴾... خبردار! ایک دوسرے کی تعریف مت کرو اور جب تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے چہروں پر خاک پھینکو۔[3]

یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان تعریف سے، اس کے وَبال سے اور اس کے سبب دل میں پیدا ہونے والے لُطف و سُرور سے بہت خوف رکھتے تھے یہاں تک کہ خُلفائے راشدین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم میں سے ایک کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے کسی سے ایک چیز کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ مجھ سے بہتر اور میرے مقابلے میں زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔ یہ سن کر وہ جلال میں

---

1 ...تذکرۃ الموضوعات، باب ذم الدنیا والغنی ... الخ، ص ۱۷۷

2 ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الثانی فی الاخلاق والافعال المذمومۃ، ۳/ ۲۵۹، حدیث: ۸۳۳۲

3 ... مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب النھی عن المدح ... الخ، ص ۱۲۰۰، حدیث: ۳۰۰۲ دون قول: الالاتمادحوا

آ گئے اور فرمایا: ”میں نے تمہیں اپنی پاکی بیان کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔“

مروی ہے کہ ایک صحابی سے کسی نے کہا: جب تک اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کو باقی رکھے گا لوگ بھلائی میں رہیں گے یہ سن کر وہ صحابی جلال میں آ گئے اور فرمایا: ”مجھے لگتا ہے تم اہلِ عراق سے ہو(یعنی اہلِ حجاز سے ہوتے تو تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرتے)۔“

ایک بزرگ کی کسی نے تعریف کی تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کی: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تیرا بندہ تیری ناراضی کے ساتھ میرے قریب ہونا چاہتا ہے، لہٰذا میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں اس سے بیزار ہوں۔

بزرگانِ دین کا اپنی تعریف کو ناپسند کرنے کی وجہ:

یہ بزرگانِ دین تعریف کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس تعریف پر خوش ہونا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کا سبب نہ بن جائے اور چونکہ ان کے دلوں میں یہ خیال رہتا تھا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمارے احوال سے باخبر ہے اس لئے وہ مخلوق کی مدح کو قابلِ نفرت جانتے تھے کیونکہ حقیقت میں قابلِ تعریف وہی ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا مقرب ہے اور قابلِ مذمت وہ ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے دور اور جسے بُروں کے ساتھ جہنم میں ڈالا جاتا ہے۔

لہٰذا جس کی تعریف کی جا رہی ہے اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں دوزخیوں میں سے ہے تو اس سے بڑھ کے جہالت کیا ہو گی کہ وہ غیر کی تعریف کے سبب خوش ہو رہا ہے اور اگر جنتیوں میں سے ہے تو اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل اور اس کی تعریف پر خوش ہونا چاہئے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل اور اس کی تعریف کا معاملہ مخلوق کے ہاتھ میں نہیں۔ جب انسان یہ خیال کرتا ہے کہ رزق اور موت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قبضہ قدرت میں ہے تو مخلوق کی مذمت و تعریف کی طرف اس کی توجہ کم ہو جاتی ہے اور اس کے دل سے تعریف کی چاہت نکل جاتی، یوں وہ اہم دینی امور میں مشغول ہو جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ بِرَحْمَتِهٖ (اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی اپنی رحمت سے دُرستی کی توفیق دینے والا ہے)۔

گیارھویں فصل: مَذَمَّت کو ناپسند کرنے کا علاج

یہ بات گزر چکی ہے کہ مذمت سے نفرت کا سبب تعریف کو پسند کرنے کے سبب کی ضد ہے، لہٰذا اس کا علاج بھی اسی سے سمجھ میں آئے گا۔

مذمت کرنے والے کی تین حالتیں:

اس سلسلے میں مختصر بات یہ ہے کہ جو شخص بھی تمہاری مذمت کرے گا وہ تین حال سے خالی نہ ہو گا: (۱)...وہ اپنی بات میں سچا ہو گا اور اس کا ارادہ تجھے نصیحت کرنا اور تجھ پر شفقت کرنا ہو گا۔(۲)...وہ اپنی بات میں سچا تو ہو گا لیکن اس کا ارادہ تجھے اَذِیَّت دینا اور مَشَقَّت میں ڈالنا ہو گا اور (۳)...وہ اپنی بات میں جھوٹا ہو گا۔

پہلی حالت:

یعنی اگر وہ سچا ہے اور اس کا ارادہ نصیحت کا ہے تو تجھے اس کی مذمت کرنے پر یہ مناسب نہیں کہ تو اسے بُرا کہے، اس پر غُصّہ کرے اور نصیحت کرنے کی وجہ سے اس کے لئے دل میں کینہ رکھے بلکہ تجھے چاہئے کہ تو اس کا اِحسان مَنْد رہے کیونکہ جس نے تیرے عیب تجھ پر ظاہر کئے اس نے ہلاکت میں ڈالنے والی چیز تجھ پر واضح کی تاکہ تو اس سے بچے۔ لہٰذا تجھے اس کی نصیحت پر خوش ہونا چاہئے اور اپنے اندر سے اس بُری صفت کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ تیرا مذمت پر غمگین ہونا، اس سے نفرت کرنا اور اسے بُرا سمجھنا انتہائی درجہ کی جہالت ہے۔

دوسری حالت:

یعنی وہ تیری مذمت کرنے میں سچا ہے مگر اس کا ارادہ تجھے اذیت دینا ہے تو اس صورت میں بھی تجھے اس کی بات سے فائدہ اٹھانا چاہئے کیونکہ اس نے تجھے تیرا ایک ایسا عیب بتایا ہے کہ اگر تو اسے پہلے نہ جانتا تھا تو اب جان گیا یا پہلے تُو اپنے عیب کو بھولا ہوا تھا تو اس نے تجھے یاد دلا دیا یا اس نے تیری اس صِفت کو تیری نظروں میں بُرا قرار دیا جسے تو اچھا خیال کرتا تھا تاکہ تو اس کا اِزالہ کر سکے۔ یہ تمام امور تمہاری سعادت کے اسباب ہیں تجھے ان سے فائدہ اٹھانا چاہئے کیونکہ تجھے اپنی مذمت سننے کی وجہ سے یہ اسبابِ سعادت تحفے میں ملے ہیں لہٰذا اب تم سعادت کی طلب میں مشغول ہو جاؤ اور اس بات کو اس مثال سے سمجھو کہ تم بادشاہ کے دربار میں جانے کا ارادہ کرتے ہو اور تمہارے کپڑوں پر گندگی لگی ہوئی ہے لیکن تمہیں اس کا علم نہیں اسی حالت میں اگر تم دربار میں داخل ہو جاؤ تو تم پر یہ خوف ہے کہ بادشاہ کہیں تمہاری گردن مارنے کا حکم نہ

دیدے کیونکہ تمہاری گندگی کے سبب اس کی درباری مجلس خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اسی دوران اچانک تمہیں ایک شخص کہتا ہے: "اے گندگی والے اپنی گندگی کو صاف کرو۔" تو تمہیں چاہئے کہ تم اس بات پر خوشی کا اظہار کرو کیونکہ اس کا تمہیں تنبیہ کرنا تمہارے لئے غنیمت ہے۔ یوں ہی تمام بُری صِفات آخِرت کے معاملے میں ہلاک کرنے والی ہیں اور انسان کو ان کا علم اپنے دشمنوں کی زبان سے پتا چلتا ہے، لہٰذا تمہیں چاہئے تم اس کو غنیمت جانو۔ اور دشمن کا تمہیں مَشَقَّت میں ڈالنے کا ارادہ تو اس کا گناہ تو دشمن کے سر ہے اور تمہارے حق میں تو اس کی مذمت نعمت ہے، لہٰذا تمہیں اس نعمت پر غصہ نہیں کرنا کیونکہ وہ تمہیں اپنے قول کے ذریعے فائدہ اور خود کو نقصان پہنچا رہا ہے۔

تیسری حالت:

یعنی وہ تم پر ایسا جھوٹ باندھے جس سے تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک بَری ہو تو اس حالت میں بہتر ہے کہ تم اسے بُرا نہ جانو اور نہ اس کی مذمت میں وقت برباد کرو بلکہ تم تین باتوں میں غور و فکر کرو۔

﴾...**پہلی بات:** یہ غور کرو کہ اگر تم میں وہ بُرائی نہیں پائی جا رہی تو کیا ہوا اس جیسی کئی اور برائیاں تو تم میں موجود ہیں جن پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پردہ ڈال رکھا ہے، لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہارے عیوب کسی پر ظاہر نہیں فرمائے اور ان کے بجائے تمہیں ایک ایسے عیب کے حوالے کر دیا جس سے تم بَری ہے۔

﴾...**دوسری بات:** یہ غور کرو کہ بے شک جو عیب تم میں نہیں اس کے ذریعے تمہاری مذمت کرنا تمہارے بقیہ گناہوں اور کوتاہیوں کے لئے کفارہ ہے گویا مذمت کرنے والے نے تجھ میں نہ پائے جانے والے عیب کی نسبت تمہاری طرف کر کے تمہیں ان تمام عیبوں سے پاک کر دیا ہے جن میں تم گرے ہوئے ہو۔ اور جس نے بھی تمہاری غیبت کی اس نے اپنی نیکیاں تمہیں ہدیہ کر دیں اور جس نے تیری تعریف کی یقیناً اس نے تیری کمر توڑ ڈالی۔ حیرت ہے تجھ پر کہ کمر کے ٹوٹنے پر خوش ہوتا ہے اور نیکیوں کا تحفہ ملنے پر غم کھاتا ہے حالانکہ وہ نیکیاں تجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے قریب کرنے والی ہیں اور تو اس خیال میں بھی ہے کہ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب چاہتا ہے۔

﴾...**تیسری بات:** تجھے غور کرنا چاہئے کہ اس بے چارے نے اپنا دینی نقصان کر کے خود کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نظرِ رحمت سے گرا دیا ہے اور جھوٹ باندھنے کے سبب خود کو ہلاک کر کے دردناک عذاب پر پیش کر دیا

ہے۔ لہٰذا جب اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر غضبناک ہے تو تجھے اس شخص پر غصہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ غصہ کرنے کی صورت میں تم شیطان کو اَللّٰھُمَّ اَھْلِکْہُ (اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اس شخص کو ہلاک کر) کہہ کر خوش کر رہے ہو بلکہ تمہیں اس طرح دعا کرنے چاہئے: اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْہُ (اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اس کو نیک بنادے) اَللّٰھُمَّ تُبْ عَلَیْہِ (اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اس کی توبہ قبول فرما) اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ (اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اس پر رحم فرما)

جنگِ اُحُد میں جب حضور خاتَمُ النَّبِیِّیْن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے دندانِ مبارک شہید کئے گئے اور آپ عَلَیْہِ السَّلَام کے چہرے کو زخمی کیا گیا اور آپ کے چچا حضرت حمزہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو شہید کیا گیا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اُس وقت یوں دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْن یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میری قوم کو معاف فرما، اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما، بے شک یہ لوگ نہیں جانتے۔ [1]

کسی شخص نے حضرت سَیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے سر کو زخمی کیا تو آپ نے اس کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی۔ ایسا کرنے پر آپ پر اِعْتِراض کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "میں صرف یہ جانتا ہوں مجھے اس کے سبب اَجْر دیا گیا ہے اور چونکہ اس شخص کے سبب مجھے بھلائی ہی پہنچی ہے تو میں اس بات پر راضی نہیں کہ میری وجہ سے وہ عذاب میں گرفتار ہو۔"

لہٰذا تجھے اپنی مذمت بری نہیں لگنی چاہئے اس پر ایک چیز تیری مددگار ہو سکتی ہے اور وہ ہے لالچ کا نہ ہونا کیونکہ جس شخص سے تجھے کوئی طَمَع نہیں جب وہ تیری مذمت کرے گا تو تیرے دل پر اس کا اثر بہت کم ہوگا اور دین کی اصل قناعت ہے اور اسی کے سبب جاہ ومال کی محبت ختم ہو سکتی ہے، جب تک طمع باقی رہے گی تو جس سے تمہیں طمع ہے تم اس کے دل میں مدح وجاہ کے طلبگار رہو گے اور تمہاری تمام تر توجہ اس کے دل میں اپنا مقام بنانے پر رہے گی اور یہ چیز دین کی بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔ لہٰذا جو مال وجاہ کی طمع رکھتا ہے، مدح کی چاہت اور مذمت سے نفرت کرتا ہے اسے اپنے دین کی سلامتی کی امید نہیں رکھنی چاہئے کیونکہ یہ اس کے لیے بہت بعید ہے۔

---

[1] ...دلائل النبوۃ للبیھقی، باب سیاق قصۃ خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی احد... الخ، ۳/ ۲۱۵
تاریخ مدینۃ دمشق، الرقم: ۷۹۳۲، نوح بن ملک علیہ السلام، ۶۲/ ۲۴۷

بارہویں فصل: **تعریف ومَذَمَّت کے سلسلے میں لوگوں کی چار حالتیں**

جان لیجئے کہ مذمت کرنے والے اور تعریف کرنے والے کی نسبت سے لوگوں کی چار حالتیں ہیں:

پہلی حالت:

تعریف پر خوش ہونا اور تعریف کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا، مذمت پر غصے میں آنا اور مذمت کرنے والے سے بُغض رکھنا نیز اس سے بدلہ لینا یا بدلہ لینے کی خواہش رکھنا۔ اکثر لوگوں کا یہی حال ہے اور اس سلسلے میں یہ انتہائی درجہ کی معصیت ہے۔

دوسری حالت:

انسان اندر ہی اندر برائی کرنے والے پر ناراض ہوتا ہے لیکن اپنی زبان اور دیگر اَعضاء کو بدلہ لینے سے روکے رکھتا ہے، تعریف کرنے والے سے دل ہی دل میں خوش ہوتا ہے لیکن اس خوشی کا اظہار نہیں کرتا۔ یہ حالت بھی نقصان دہ ہے مگر پہلی کے مقابلے میں کمال ہے۔

تیسری حالت:

انسان کے نزدیک تعریف کرنے والے اور مذمت کرنے والے میں کوئی فرق نہ ہو، نہ مذمت پر غمگین ہو اور نہ تعریف پر خوش ہو، یہ کمال کا پہلا درجہ ہے۔ بعض عبادت گزار خود کو اس وصف سے موصوف گمان کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ اس کی علامات کے ذریعے اپنا امتحان نہ لیں تو دھوکا کھا جائیں۔ اس وصف کی علامتوں میں سے چند یہ ہیں: مذمت کرنے والا اگر اس کے پاس دیر تک بیٹھے تو اس کے بیٹھنے کو تعریف کرنے والے کے اتنی دیر تک بیٹھنے سے زیادہ بوجھ محسوس نہ کرے، تعریف کرنے والے کی حاجت کو پورا کرنے میں جس قدر خوشی اور چستی محسوس کرے مذمت کرنے والے کی حاجت کو پورا کرنے میں بھی اسی قدر کرے اس سے کم نہ ہو، اپنی مجلس سے مذمت کرنے والے کے چلے جانے کو تعریف کرنے والے کے چلے جانے کے مقابلے میں ہلکا نہ جانے، جتنی تکلیف تعریف کرنے والے کی موت پر

محسوس کرے مذمت کرنے والے کی موت پر بھی اتنی ہی کرے، تعریف کرنے والے کو پہنچنے والی مصیبت اور دشمنوں کی ایذا پر جتنا غمگین ہو اتنا ہی غمگین مذمت کرنے والے کو پہنچنے والی مصیبت پر بھی ہو، تعریف کرنے والے کی خطا مذمت کرنے والے کی خطا کے مقابلے میں معمولی خیال کرے۔ جب تعریف کرنے والے کی طرح مذمت کرنے والے کا معاملہ بھی معمولی معلوم ہو اور ہر اعتبار سے دونوں میں برابری رکھے تو یقیناً اس شخص نے اس تیسری حالت کو پالیا لیکن یہ بہت بعید اور دلوں پر بہت شدید ہے۔ اور مخلوق کی تعریف کے سبب اکثر لوگ دل ہی دل میں خوش ہوتے لیکن مذکورہ علامات کے ذریعے اپنا امتحان نہ لینے کی وجہ سے غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔

ایک شیطانی وَسْوَسَہ اور اس کا عِلاج:

عبادت گزار کبھی مذمت کرنے والے کے مقابلے میں تعریف کرنے والے کی طرف اپنے دل کو مائل پاتا ہے اور شیطان اس میلان کو اس کی نظر میں یہ کہتے ہوئے اچھا کر دیتا ہے کہ برائی کرنے والا تیری برائی کرنے کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کر رہا ہے اور تیری تعریف کرنے والا یقیناً اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کر رہا ہے، لہٰذا یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

عبادت گزار کا یہ خیال کرنا کہ برائی کرنے والے کو برا جاننا دین ہی ہے تو یہ شیطانی دھوکا ہے کیونکہ عبادت گزار اگر غور و فکر کرے تو اسے یہ معلوم ہو گا کہ اس کی مذمت کرنے والے نے جس چیز کا ارتکاب کیا ہے اس سے کئی گنا بڑھ کر لوگ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن نہ وہ ان کو برا جانتا ہے اور نہ ان سے دور بھاگتا ہے نیز اس کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ جو اس کی تعریف کر رہا ہے ممکن ہے وہ کسی اور کی مذمت بھی کرتا ہو اور یوں وہ غیر کی مذمت کرنے کی وجہ سے اپنی تعریف کرنے والے سے نفرت بھی نہیں کرتا جیسا کہ وہ اپنی مذمت کرنے والے کے ساتھ یہی رویہ رکھتا ہے حالانکہ مذمت جب گناہ ہے تو برابر ہے اس کی ہو یا کسی دوسرے کی ہو۔ مذکورہ وضاحت سے معلوم ہوا کہ عابد کا غصہ اپنے نفس و خواہش کی وجہ سے ہے جبکہ شیطان اس کو باور کرواتا ہے کہ یہ دین سے ہے یہاں تک کہ وہ عابد اپنی خواہش اور اس شیطانی وسوسے کی پیروی کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مزید دور ہو جاتا ہے، اور جو شخص شیطان کے مکر و فریب اور نفس کی

آفات سے باخبر نہیں ہوتا اس کی اکثر عبادتیں محض ضائع ہونے والی تھکاوٹیں ہیں جن سے دنیا میں کوئی فائدہ نہیں اور آخرت میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾

(پ١٦، الکھف: ١٠٣، ١٠٤)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

چوتھی حالت:

چوتھی حالت ہے عبادت میں سچا ہونا یعنی وہ تعریف کو ناپسند کرتا ہے اور تعریف کرنے والے پر ناراض ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کسی کے منہ پر اس کی تعریف کرنا ایک ایسا فعل ہے جو کمر توڑنے والا اور دین کو نقصان پہنچانے والا فتنہ ہے نیز وہ مذمت کرنے والے کو پسند کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے میرے عیب پر مجھے باخبر کیا اور اہم بات کی طرف میری رہنمائی بھی کی اور اپنی نیکیاں مجھے ہدیہ کیں، رسولِ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”عاجزی کی اصل یہ ہے کہ تم نیکی اور پرہیزگاری کے ساتھ اپنا ذکر کئے جانے کو ناپسند کرو۔“[1]

ایک روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”روزہ دار کے لئے خرابی ہے، شب بیداری کرنے والے کے لئے خرابی ہے اور اونی لباس پہننے والے کے لئے خرابی ہے مگر وہ؟“ عرض کی گئی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ”مگر وہ۔“ سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا: ”مگر وہ جو اپنے آپ کو دنیا سے بچائے، تعریف کو ناپسند کرے اور مذمت کو اچھا جانے۔“[2] لیکن ایسا کرنا بہت دشوار ہے۔ ہم جیسوں کی طمع کی انتہا دوسری حالت تک ہی ہوسکتی ہے کہ مذمت کرنے والے پر نفرت اور تعریف کرنے والے پر خوش ہونے کو دل میں چھپائے رکھیں اور قول

---

[1] ...الزھد لھناد بن السری، باب التواضع، ٢/ ٤١٣، حدیث: ٨٠٧ بتغیر
[2] ...تذکرۃ الموضوعات، باب ذم الدنیا والغنی...الخ، ص ١٧٤

و فعل سے اس کا اظہار نہ کریں۔ جہاں تک تیسری حالت کی بات ہے یعنی تعریف کرنے اور مذمت کرنے والے کو برابر جاننا تو اس کی طَمَع ہم نہیں کر سکتے بلکہ اگر ہم دوسری حالت کی علامات کے ذریعہ اپنے آپ کو جانچیں تو بھی نامکمل پائیں کیونکہ ہم تعریف کرنے والے کی عزت اور اس کی حاجات کو پورا کرنے میں جلدی کرتے ہیں اور مذمت کرنے والے کی عزت و تعریف اور اس کی حاجات کو پورا کرنا ہم پر گراں گزرتا ہے نیز باطنی حالت کی طرح ظاہری طور پر بھی ہم ان کو برابر درجہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جو شخص تعریف کرنے والے اور مذمت کرنے والے کے ساتھ ظاہری طور پر برابری کا برتاؤ کرنے کی طاقت رکھتا ہے اگر وہ مل جائے تو اس دور میں پیشوا بننے کے لائق ہے مگر ایسا شخص کبریتِ احمر (عنقا پرندے کی طرح) ہے جس کی لوگ باتیں تو کرتے ہیں لیکن وہ نظر نہیں آتا۔ جب دوسری حالت کی یہ صورت ہے تو تیسری اور چوتھی صورت کے بارے میں کیا گمان کیا جاسکتا ہے۔۔۔؟ بہر حال ان میں سے ہر درجے میں بھی آگے مزید چند درجات ہیں۔ چنانچہ تعریف کے سلسلے میں درجات کچھ اس طرح ہیں:

تعریف کے سلسلے میں مزید درجات:

بعض لوگ اپنی شُہرت اور تعریف کے خواہشمند ہوتے ہیں لہذا اس کو پانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں حتی کہ عبادات میں ریاکاری کرتے ہیں اور لوگوں کی زبانوں پر اپنی تعریف اور ان کے دلوں کو مائل کرنے کے نشہ میں گناہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔

بعض لوگ شُہرت و تعریف کو جائز چیزوں کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور عبادات کو سبب نہیں بناتے نہ ہی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، یہ لوگ گرنے والے گڑھے کے کنارے پر ہیں کیونکہ یہ اس کلام اوران اعمال کی حدود نہیں جانتے جن کے وسیلہ سے یہ لوگوں کے دلوں کو مائل کرنا چاہتے ہیں تو عین ممکن ہے کہ یہ لوگ تعریف کی چاہت میں وہ کر گزریں جو جائز نہیں لہذا ایسے لوگ ہلاکت کے قریب تر ہیں۔

بعض لوگ وہ ہیں جو تعریف کی چاہت نہیں رکھتے نہ ہی اس کو پانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جب تعریف کی جاتی ہے تو خوشی ان کے دلوں میں سرایت کر جاتی ہے اگر وہ اس حالت کا مجاہدے کے ذریعہ مقابلہ نہ کریں اور بتکلف اس کو برا نہ جانیں تو ممکن ہے کہ یہ خوشی ان کو اس درجہ میں لوٹا دے جس میں

پہلے وہ تھے اور اگر اس معاملے میں اپنے نفس سے جہاد کریں، اپنے دل کو تعریف کی ناپسندیدگی پر مجبور کریں اور تعریف کی آفات میں غور و فکر کر کے اس کے شُرور سے نفرت کریں تو پھر بھی یہ لوگ مجاہدے کے خطرے میں رہتے ہیں کبھی جیت جاتے ہیں اور کبھی ہار جاتے ہیں۔

بعض لوگ وہ ہیں جو تعریف پر نہ خوش ہوتے ہیں نہ رنجیدہ اور نہ ہی وہ تعریف ان میں کوئی اثر کرتی ہے یہ لوگ اچھے ہیں اگرچہ پوری طرح اخلاص نہیں پایا جاتا۔

بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی تعریف سننا ناپسند کرتے ہیں لیکن نوبت یہاں تک نہیں پہنچتی کہ تعریف کرنے والے پر غصہ ہوں یا کوئی اعتراض کریں۔

خلاصۂ کلام:

اس باب میں سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تعریف کو ناپسند کرنے کے ساتھ ساتھ غصے میں آجائے اور صدقِ دل کے ساتھ اس کا اظہار بھی کرے۔ ایسا نہ کرے کہ غُصّہ ظاہری ہو اور دل اس تعریف کرنے والے کو پسند کر رہا ہو یہ تو عین منافقت ہے کیونکہ وہ اپنی طرف سے صِدْق و اخلاص کو ظاہر کر رہا ہے جبکہ حقیقت میں اس سے خالی ہے۔ اسی طرح مذمت کرنے والے کے حق میں بھی مختلف احوال ہیں جو تعریف کے احوال کی ضد ہیں، ان میں سے پہلا درجہ غصہ کا اظہار کرنا اور آخری درجہ خوشی کا اظہار کرنا ہے اور اپنی مذمت پر خوشی کا اظہار وہی شخص کرے گا جو اپنے نفس کے سرکش ہونے کی وجہ سے اس کے لئے دل میں کینہ رکھے کہ میرا نفس بہت عیب دار، جھوٹے وعدے اور انتہائی مکر و فریب والا ہے نیز اپنے نفس سے دشمن کے جیسا بغض رکھے کیونکہ انسان اس شخص سے خوش ہوتا ہے جو اس کے دشمن کی مذمت کرے اور یہ شخص چونکہ اپنے نفس کا دشمن ہے، لہٰذا نفس کی مذمت پر خوش ہوگا اور مذمت کرنے والے کا شکریہ ادا کرے گا اور مذمت کرنے والے کے ذہین ہونے کا اعتقاد رکھے گا کیونکہ وہ اس کے نفس کے عیب پر واقف ہو گیا۔ اور یہ مذمت اس شخص کے لئے مذمت کرنے والے کی طرف سے گویا تشفِّی اور غنیمت ہے کیونکہ اس کی مذمت نے اسے لوگوں کی نظروں میں گرا کر شُہرت کے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچا لیا اور چونکہ انسان بہت ساری نیکیوں پر ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا، لہٰذا امید ہے یہ مذمت اس کے ان عیبوں کا

مُداوا ہو جائے جن کو دور کرنے سے وہ عاجز ہے اور اگر مرید اپنی تمام عمر بھی اس ایک صفت کو پانے کی کوشش کرے اور وہ یہ کہ تعریف کرنے والا اور مذمت کرنے والا اس کے نزدیک ایک ہی درجہ میں ہو تو وہ ایک ایسے کام میں مشغول ہو جائے گا کہ دوسرے کسی کام کے لئے فارغ نہ ہو گا۔ مرید اور سعادت کے مابین کثیر گھاٹیاں ہیں جن میں سے ایک یہی ہے نیز جب تک مرید عمر بھر سخت مجاہدہ نہ کرے کسی ایک گھاٹی کو بھی عبور نہیں کر سکتا۔

باب نمبر2: عبادات کے ذریعے جاہ و منزلت کی طلب

(اس میں 11 فصلیں ہیں)

❀...دوسری قسم: عبادات کے ذریعہ جاہ و منزلت کا حصول اس میں درج ذیل امور کا بیان ہو گا:

(۱)...ریاکاری کی مذمت (۲)...ریاکاری کی حقیقت اور اس چیز کا بیان جس کے ذریعے ریاکاری ہوتی ہے (۳)...ریاکاری کے مراتب (۴)...پوشیدہ ریاکاری کا بیان (۵)...اس ریاکاری کا بیان جس سے عمل ضائع ہوتا ہے اور جس سے نہیں (۶)...ریاکاری کی دوا اور اس کا علاج (۷)...نیکیوں کو ظاہر کرنے کی اجازت کا بیان (۸)...گناہوں کو چھپانے کی اجازت کا بیان (۹)...ریاکاری اور آفات کے خوف سے عبادات کو چھوڑنے کا بیان (۱۰)...اس چیز کا بیان کہ مخلوق کے دیکھنے کے سبب بندہ کس قدر عبادات پر خوش ہو سکتا ہے (۱۱)...عبادت سے پہلے اور بعد مرید کے لئے کس چیز کو دل میں جمائے رکھنا لازم ہے۔ یہ کل 11 فصلیں ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی توفیق دینے والا ہے۔

پہلی فصل: ریاکاری کی مذمت

یاد رکھئے! ریاکاری حرام ہے اور ریاکار پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا غضب ہوتا ہے، اس پر آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ مبارکہ اور بزرگانِ دین کے اقوال شاہد ہیں۔

ریاکاری کی مذمت پر مشتمل چار فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۙ﴿۴﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ ترجمۂ کنزالایمان: تو ان نمازیوں کی خرابی ہے جو اپنی نماز سے

سَاهُوْنَ ۙ﴿۵﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ﴿۶﴾ بھولے بیٹھے ہیں وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔

(پ۳۰، الماعون: ۴تا۶)

﴿2﴾...

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ﴿۱۰﴾ (پ۲۲، فاطر: ۱۰) ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو برے داؤں (فریب) کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور انھیں کا مکر برباد ہو گا۔

حضرت سیِّدُنا امام مجاہد عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْوَاحِد فرماتے ہیں: اس آیت میں مراد ریاکار ہیں۔[1]

﴿3﴾...

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ (پ۲۹، الدھر: ۹) ترجمۂ کنزالایمان: ہم تمہیں خاص اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے۔

اس آیت مبارکہ میں ہر اس ارادے کی نفی کر کے جس کا مقصد رِضائے الٰہی نہ ہو مُخْلِصِین کی تعریف فرمائی گئی کیونکہ ریاکاری اخلاص کی ضد ہے۔

﴿4﴾...

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ (پ۱۶، الکھف: ۱۱۰) ترجمۂ کنزالایمان: تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اپنی عبادات و اعمال پر ثواب اور تعریف دونوں کے طلبگار ہیں۔

ریاکاری کی مذمت پر مشتمل 14 فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... ایک شخص نے سرکارِ دو عالم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم سے عرض کی: نجات کس میں ہے؟ ارشاد فرمایا: بندہ لوگوں کو دکھانے کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت نہ کرے۔[2]

---

[1] ...الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرۃ الثانیۃ: الشرک الاصغر وھو الریاء، ۱/ ۷۶

[2] ...اتحاف الخیرۃ المھرۃ، باب التحذیر من الریاء... الخ، ۱/ ۳۳۵، حدیث: ۲۰۲ بتغیر

﴿2﴾... تین قسم کے لوگوں یعنی (۱)... شہید، (۲)... اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں صدقہ دینے والا اور (۳)... قاری قرآن کے متعلق مروی ہے جسے ہم نے اخلاص کے بیان میں بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان میں سے ہر ایک سے فرمائے گا: "(چنانچہ صدقہ دینے والے سے فرمائے گا) تو نے جھوٹ کہا تیرا مقصد تو یہ تھا کہ لوگ تیرے متعلق کہیں تو بہت بڑا سخی ہے۔ (شہید سے فرمائے گا) تو نے جھوٹ کہا تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ تجھے کہیں کہ تو بہت بڑا بہادر ہے۔ (قاریِ قرآن سے فرمائے گا) تو نے جھوٹ کہا تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ تیرے متعلق کہیں کہ تو قاریِ قرآن ہے۔" آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس حدیث مبارکہ میں یہ خبر دی کہ انہیں ان کی ریاکاری کے سبب ثواب نہیں دیا گیا کیونکہ ان کی ریاکاری نے ان کے عمل ضائع کر دیئے۔"[1]

﴿3﴾... جو ریاکاری کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے عمل کو (بروزِ قیامت) ظاہر کر دے گا اور جو شہرت کے لئے عمل کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے مشہور کر دے گا[2]۔[3]

ایک طویل حدیث میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرشتوں سے فرمائے گا: اس نے اپنے عمل سے میرا ارادہ نہیں کیا اسے سِجِّین[4] میں ڈال دو۔

﴿4﴾... مجھے تم پر سب سے زیادہ شرکِ اصغر کا خوف ہے، صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! شرکِ اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ریاکاری۔ قیامت کے دن جب اللہ عَزَّوَجَلَّ بندوں کو

---

[1]... سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی الریاء والسمعة، ۴/ ۱۲۹، حدیث: ۲۳۸۹

[2]... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد 7، صفحہ 129 پر اسی مفہوم کی روایت کے تحت فرماتے ہیں: یعنی جو کوئی عبادات لوگوں کے دکھلاوے سنانے کے لئے کریگا تو اللہ تعالیٰ دنیا یا آخرت میں اس کے عمل لوگوں میں مشہور کر دیگا مگر عزت کے ساتھ نہیں بلکہ ذلت کے ساتھ کہ لوگ اس کے عمل سنکر اس پر پھٹکاری کرینگے اس کی شرح ابھی کچھ آگے آرہی ہے ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ اپنے صدقات خیرات شہرت کے لئے اخباروں میں دیواروں پر لکھواتے ہیں لوگ پڑھ پڑھ کر ان پر لعن طعن کی بوچھاڑ کرتے ہیں کہ اس شہرت کی کیا ضرورت تھی بعض لوگ شہرت کے لئے اولاد کی شادیوں میں بہت خرچ کرتے ہیں مگر چو طرفہ (چار جانب) سے ان پر پھٹکار پڑتی ہے کہ خدا کی پناہ اس حدیث کا ظہور آج بھی ہو رہا ہے۔

[3]... مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب من اشرک فی عملہ غیر اللہ، ص ۱۵۹۴، حدیث: ۲۹۸۶

[4]... جہنم کے ایک طبقے کا نام، امام مجاہد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الوَاجِد فرماتے ہیں: ساتوں زمین کے نیچے ایک مقام کا نام ہے جہاں کفار کی ارواح قید ہیں۔ (اتحاف السادة المتقین، ۱۰/ ۷۲)

ان کے اَعمال کا بدلہ دے گا تو ریاکاروں سے فرمائے گا: ان کے پاس جاؤ جن کو دکھانے کے لئے تم دنیا میں عمل کیا کرتے تھے، دیکھو کیا تم ان کے پاس کوئی بدلہ پاتے ہو؟[1]

﴿5﴾... "جُبُّ الْحُزْن" سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگو۔ صحابۂ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان نے عرض کی: وہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: جہنم کی ایک وادی ہے جو ریاکار علما کے لئے تیار کی گئی ہے۔[2]

﴿6﴾... حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: جس نے کوئی عمل کیا اور اس میں میرے ساتھ کسی کو شریک کیا تو اس کا سارا عمل اسی کے لئے ہے میں اس سے بری ہوں اور میں سب سے بڑھ کر شرک سے بے نیاز ہوں۔[3]

حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی ایک کا روزہ ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے سر اور داڑھی میں تیل لگائے اور ہونٹوں پر بھی ہاتھ پھیرے تاکہ لوگوں کو اس کا روزہ دار ہونا معلوم نہ ہو اور جب کوئی دائیں ہاتھ سے دے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو اور جب نماز پڑھے تو اپنے دروازے پر پردہ ڈال دے بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ ثنا (اپنی تعریف) بھی اسی طرح بندوں پر تقسیم کرتا ہے جس طرح رزق تقسیم فرماتا ہے۔"

﴿7﴾... جس عمل میں ذرہ بھر ریا ہو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے قبول نہیں فرماتا۔[4]

﴿8﴾... ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جَبَل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کو روتے دیکھا تو پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ عرض کی: میرے رونے کا سبب وہ حدیثِ پاک ہے جو میں نے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سنی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ادنیٰ ریا بھی شرک ہے۔[5]

---

1 ...شعب الایمان، باب فی اخلاص العمل للّٰہ عزوجل، ۵/ ۳۳۳، حدیث: ۶۸۳۱

2 ...سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ، ۴/ ۱۷۱، حدیث: ۲۳۹۰

3 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الریاء والسمعۃ، ۴/ ۴۶۹، حدیث: ۴۲۰۲

4 ...حلیۃ الاولیاء، یوسف بن اسباط، ۸/ ۲۶۳، حدیث: ۱۲۱۴۰، عن یوسف بن ابسباط

5 ...المستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، استخلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم معاذ بن جبل علی مکۃ، ۴/ ۳۰۶، حدیث: ۵۲۳۱

﴿9﴾...مجھے تم پر ریا اور پوشیدہ شہوت کا سب سے زیادہ خوف ہے۔"[1] یہ پوشیدہ شہوت بھی ریاکاری کی باریکیوں اور خطاؤں کی طرف لوٹتی ہے۔

﴿10﴾...بے شک جس شخص نے اپنے دائیں ہاتھ سے ایسے صدقہ کیا کہ بائیں کو خبر نہ ہونے دی وہ شخص اس دن عرش کے سائے میں ہوگا جس دن سوائے سایہ عرش کے کوئی سایہ نہ ہوگا۔[2] اسی وجہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ "پوشیدہ عمل کی فضیلت علانیہ عمل پر ستر گنا زیادہ ہے۔"[3]

﴿11﴾...قیامت کے دن ریاکار کو یوں بلایا جائے: او گنہگار! او دھوکے باز! او ریاکار! تیرا عمل بیکار اور تیرا ثواب ضائع ہو گیا، جا! اپنا اجر اس سے لے جس کے لئے تو دنیا میں عمل کیا کرتا تھا۔[4]

﴿12﴾...حضرت سیِّدُنا شَدَّاد بن اَوْس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں نے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو روتے ہوئے دیکھا تو عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اس رونے کا کیا سبب ہے؟ ارشاد فرمایا: مجھے اپنی امت پر شرک کا خوف ہے، سنو! وہ سورج، چاند، بتوں اور پتھروں کی پوجا تو نہیں کریں گے لیکن اپنے اعمال میں دکھلاوا کریں گے۔[5]

﴿13﴾...اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جب زمین کو پیدا فرمایا تو وہ کانپنے لگی پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے ان کو زمین کی میخیں بنا دیا تو فرشتے کہنے لگے: ہمارے ربّ نے پہاڑوں سے مضبوط کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی، پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لوہے کو پیدا فرمایا جس نے پہاڑوں کو کاٹ دیا پھر آگ کو پیدا فرمایا جس نے لوہے کو پگلا دیا، پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پانی کو حکم دیا کہ آگ کو بجھا دے اور ہوا کو حکم دیا تو اس نے پانی کو گدلا کر دیا، اب فرشتوں میں اختلاف رائے ہو گیا (کہ کیا چیز سب میں سخت ہے) لہٰذا انہوں نے کہا: ہم اس کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ سے پوچھتے

1 ...الزھد لابن مبارک، باب فضل ذکر اللّٰہ، ص ۳۹۳، حدیث: ۱۱۱۴
2 ...بخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد...الخ، ۱/ ۲۳۶، حدیث: ۶۶۰
3 ...شعب الایمان، باب فی محبۃ اللّٰہ عزوجل، ۱/ ۴۰۷، حدیث: ۵۵۵ بتغیر
4 ...اتحاف الخیرۃ المھرۃ، باب التحذیر من الریاء...الخ، ۱/ ۳۳۵، حدیث: ۷۰۲، دون قول "یامرائی"
الکبائر للذھبی، الکبیرۃ الاولی الشرک باللّٰہ، ص ۱۲
5 ...المعجم الاوسط، ۳/ ۱۲۸، حدیث: ۴۲۱۳

ہیں، چنانچہ انہوں بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: اے ہمارے پروردگار! تونے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ سخت کیا چیز پیدا فرمائی؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنی مخلوق میں ابنِ آدم کے دل سے زیادہ سخت و مضبوط چیز پیدا نہیں فرمائی کہ جب وہ اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے تو اسے بائیں ہاتھ سے بھی پوشیدہ رکھتا ہے، یہ میری تمام مخلوق میں زیادہ سخت ہے۔[1]

ایک عبرت انگیز روایت:

﴿14﴾... مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا مُعاذ بن جَبَل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کہا مجھے کوئی ایسی بات سنائیے جو آپ نے رسولِ اکرم، شاہ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سنی ہو۔ یہ سن کر حضرت معاذ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ اتنا روئے کہ (راوی فرماتے ہیں) میں سمجھا اب چپ نہ ہوں گے پھر جب خاموش ہوگئے تو فرمایا: میں نے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو فرماتے سنا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا: اے مُعاذ! میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ارشاد فرمایا: میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں اگر تم نے وہ یاد رکھی تو نفع اٹھاؤ گے اور اگر یاد نہ رکھی اور ضائع کر دی تو قیامت کے دن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں تمہاری کوئی دلیل نہ چلے گی۔ اے مُعاذ! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے قبل سات فرشتے پیدا فرمائے پھر (ساتوں) آسمانوں کو پیدا فرمایا تو ہر آسمان کے دروازے پر ان میں سے ایک ایک فِرِشتہ دربان مُقرَّر فرمایا اور ہر آسمان کو بہت عَظَمت وبُزرگی عطا فرمائی، لہٰذا صُبْح سے شام تک کے بندے کے اعمال جو کہ سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں مُحافِظ فرشتے ان کو لے کر آسمان دنیا کی طرف چڑھتے ہیں اور ان اعمال کو بہت پاکیزہ اور کثیر خیال کرتے ہیں یہاں تک کہ جب آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں تو آسمان دنیا کا دربان فرشتہ ان سے کہتا ہے: اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر مار دو، میں غیبت کا فرشتہ ہوں مجھے میرے رب عَزَّوَجَلَّ نے حکم دیا ہے کہ جو لوگوں کی غیبت کرتا ہو اس کے اعمال یہاں سے آگے نہ جانے دوں۔ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: پھر محافِظ فرشتے بندے کے نیک اعمال لے کر آتے ہیں تو پہلے فرشتے کے پاس سے گزر جاتے ہیں اور ان اعمال کو پاک وصاف اور کثیر خیال کرتے ہوئے

[1] ...سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ المعوذتین، ۵/ ۲۴۲، حدیث: ۳۳۸۰ بتغیر

دوسرے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں یہاں کا دربان فِرِشتہ کہتا ہے رک جاؤ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر مار دو کیونکہ اس نے اس عمل سے دنیاوی متاع چاہا ہے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو شخص اپنی مجلسوں میں دنیاوی مال کے ذریعے فخر کرنے والا ہو اس کے عمل کو یہاں سے آگے نہ بڑھنے دوں۔

پھر محافظ فِرِشتے بندے کے روزہ، نماز اور صدقہ کے وہ اعمال لے کر اوپر چڑھتے ہیں جن سے ایسا نور پھوٹ رہا ہوتا ہے کہ وہ فرشتے بھی تعجب کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ تیسرے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں اس آسمان کا دربان فرشتہ کہتا ہے: ٹھہرو! اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر مار دو، میں تکبُّر کا فِرِشتہ ہوں میرے رب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اُس بندے کے اعمال یہاں سے آگے نہ جانے دوں جو محفلوں میں لوگوں پر تکبر کرتا ہے۔

پھر محافظ فَرِشتے بندے کا ایسا عمل لے کر اوپر چڑھتے ہیں جس میں ستارے کی سی چمک اور تسبیح، نماز، روزہ، حج اور عمرہ کی آواز ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ فرشتے چوتھے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں وہاں مُقرَّر دربان فرشتہ کہتا ہے: رک جاؤ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کی پیٹھ اور پیٹ پر مار دو، میں خود پسندی کا فِرِشتہ ہوں میرے رب عَزَّوَجَلَّ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اِس کے عمل کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں کیونکہ جب یہ کوئی عمل کرتا ہے تو اس میں خود پسندی کرتا ہے۔

پھر محافظ فَرِشتے بندے کے عمل کو لے کر پانچویں آسمان تک پہنچتے ہیں وہ عمل دُلہن کی طرح آراستہ ہوتا ہے وہاں کا دربان فِرِشتہ کہتا ہے رک جاؤ اور یہ عمل اس عمل کرنے والے کے منہ پر مار دو اور اس کی گردن پر ڈال دو، میں حَسَد کا فرشتہ ہوں یہ شخص اپنے جیسے علم و عمل والے اور ہر اس شخص سے حسد کرتا ہے جو عبادت میں اس سے افضل ہوتا ہے۔ میرے رب عَزَّوَجَلَّ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کے عمل کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں۔

پھر محافِظ فَرِشتے بندے کی نماز، زکوۃ، حج و عمرہ اور روزے لے کر چھٹے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں وہاں کا دربان فِرِشتہ ان سے کہتا ہے: رک جاؤ اور یہ عمل اِس عمل کرنے والے کے منہ پر مار دو کیونکہ یہ انسانوں پر رَحم (نرمی) نہیں کرتا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں سے اسے کبھی کوئی دکھ یا تکلیف پہنچ جاتی تو یہ اس سے بھی

زیادہ تکلیف دیتا بلکہ ان کو گالی دیتا تھا، میں رحمت کا فرشتہ ہوں مجھے میرے رب عَزَّوَجَلَّ نے حکم دیا ہے کہ اس کے عمل کو یہاں سے آگے نہ بڑھنے دوں۔

پھر محافظ فرشتے بندے کے اعمال لے کر ساتویں آسمان کی طرف جاتے ہیں وہ اعمال نماز، روزہ، راہِ خدا میں خرچ، نیکی کی کوششیں اور تقویٰ کی صورت میں ہوتے ہیں ان میں بجلی کے جیسی کڑک اور سورج کے جیسی چمک ہوتی ہے اور اس کے ساتھ تین ہزار فرشتے بھی ہوتے ہیں وہ ان اعمال کے ساتھ ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں تو وہاں کا دربان فِرِشتہ ان سے کہتا ہے: ٹھہر جاؤ! اور یہ عمل اِس عمل کرنے والے کے منہ پر مار دو، اس کے اعضاء پر پھینک دو اور اس عمل سے اس کے دل پر تالا لگا دو میں ہر اس عمل کو اپنے رب کے پاس جانے سے روکنے والا ہوں جس عمل سے میرے رب عَزَّوَجَلَّ کا ارادہ نہ کیا گیا ہو، اس بندے نے اپنا عمل غیرُاللہ کے لئے کیا ہے کیونکہ اس نے اس عمل سے فُقَہا کے پاس مرتبے، عُلَما کے ہاں اپنی واہ واہ اور شہروں میں شہرت کا ارادہ کیا ہے۔ میرے رب عَزَّوَجَلَّ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ایسے عمل کو یہاں سے آگے نہ جانے دوں اور ہر وہ عمل جو خالص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے نہ ہو وہ ریا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ریا کرنے والے کے عمل کو قبول نہیں فرماتا۔

پھر فرشتے بندے کے عمل نماز، زکوٰۃ، روزے، حج، عمرے، اچھے اخلاق، خاموشی اور ذکرُ اللہ کو لے کر اوپر جاتے ہیں اور ان کے ساتھ آسمانوں کے فرشتے بھی ہوتے ہیں حتّٰی کہ وہ تمام پردوں سے آگے بڑھ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچ جاتے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر اس بندے کے نیک اعمال کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ خالص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے کئے گئے ہیں۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ان سے ارشاد فرماتا ہے: تم میرے بندے کے اعمال کے نگران ہو اور میں اس کے نفس کا نگران ہوں، بے شک اس نے ان اعمال سے میرا ارادہ نہیں کیا بلکہ میرے غیر کا ارادہ کیا ہے، لہٰذا اس پر میری لعنت ہے۔ اب تمام فرشتے کہتے ہیں: اس پر تیری لعنت اور ہماری بھی اور ساتوں آسمان کہتے ہیں اس پر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی لعنت اور ہماری بھی، یوں سب آسمان اور آسمان والے اس شخص پر لعنت بھیجتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا مُعاذ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے رسول اور میں معاذ (آپ کی شان تو بہت بلند ہے لیکن اس غلام کا کیا بنے گا)؟ ارشاد فرمایا:

میری پیروی کرو اگرچہ تمہارا عمل تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اے مُعاذ! اپنے قرآن پڑھنے والے مسلمان بھائیوں کے بارے میں اپنی زبان کی حفاظت کرو، اپنے گناہ اپنے ہی سر لو دوسروں کے ذِمّہ نہ ڈالو اور مسلمانوں کی مذمت کر کے اپنی پاکیزگی کا اظہار نہ کرو، خود کو ان سے بلند رتبہ نہ سمجھو اور آخرت کے کام میں دنیا کا کام داخل مت کرو، اپنی نِشَست گاہ میں تکبُّر نہ کرو ورنہ لوگ تمہارے بُرے اخلاق کے سبب تم سے بچنے لگیں گے، تیسرے آدمی کی موجودگی میں کسی سے سرگوشی نہ کرو، لوگوں پر خود کو عظیم نہ سمجھو ورنہ دینی بھلائی سے محروم ہو جاؤ گے اور لوگوں کی آبروریزی نہ کرو ورنہ بروزِ قیامت جہنم کے کتے تمہیں چیر پھاڑ دیں گے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرماتا ہے: وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۟ۙ[1] تم جانتے ہو مُعاذ وہ کون ہیں؟ میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ ہی ارشاد فرمایئے وہ کون ہیں۔ ارشاد فرمایا: وہ جہنّم کے کُتّے ہیں جو گوشت اور ہڈیوں کو دانتوں سے نوچیں گے۔ میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میرے ماں باپ آپ پر قربان! ان صفات کی طاقت کیسے آئے گی اور کون ہے جو ان کُتّوں سے بچ سکے گا؟ تو رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: یہ اس شخص کے لئے آسان ہے جس کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ آسان فرمادے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا اس کے خوف سے حضرت مُعاذ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ اتنی زیادہ تلاوتِ قرآن کیا کرتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر تلاوت کرنے والا کوئی نہیں دیکھا[2]۔[3]

ریاکاری کے متعلق 18اقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... مروی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک شخص کو گردن جھکائے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے گردن جھکانے والے! اپنی گردن اٹھاؤ خُشوع (عاجزی) گردنوں میں نہیں بلکہ دلوں میں ہوتا ہے۔

---

[1]... ترجمۂ کنزالایمان: اور نرمی سے بند کھولیں۔ (پ۳۰، النّٰزعٰت: ۲)

[2]... اس حدیث کو علما نے موضوع قرار دیا ہے، لہٰذا اسے بیان نہ کیا جائے۔

[3]... الترغیب والترھیب، المقدمۃ، الترھیب من الریاء... الخ، ۱/۳۸، ۵۱، حدیث: ۵۹

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا ابو اُمامہ باہلی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے مسجد میں ایک شخص کو سجدے کی حالت میں روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ کام تم اپنے گھر میں کرتے۔

﴿3﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے فرمایا: ریاکار کی تین نشانیاں ہیں: (۱)... تنہائی میں سُستی کرتا ہے (۲)... لوگوں کے سامنے چُست (تروتازہ) رہتا ہے اور (۳)... جب اس کی تعریف کی جائے تو زیادہ عمل کرتا ہے اور مذمت کی جائے تو عمل میں کمی کرتا ہے۔

﴿4﴾... ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا عُبادہ بن صامت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کہا: میں راہِ خدا میں اپنی تلوار سے جہاد کرتا ہوں اور اس سے میرا مقصد رِضائے الٰہی اور لوگوں کی نظر میں لائقِ تعریف ہونا ہوتا ہے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: تیرے لئے کچھ نہیں (یعنی کوئی ثواب نہیں)۔ اس شخص نے تین مرتبہ یہی بات پوچھی آپ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ تیرے لئے کچھ نہیں تیرے لئے کچھ نہیں پھر تیسری مرتبہ میں ارشاد فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: "میں سب سے بڑھ کر شرک سے بے نیاز ہوں۔"

﴿5﴾... ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیَّب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جو اس لئے نیکی کرتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اور ثواب بھی دیا جائے۔ فرمایا: کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ تم پر غضب کیا جائے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: جب تم کوئی عمل اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے کرو تو خالص اسی کے لئے کرو۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا ضحاک بن قَیْس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی یہ نہ کہے: یہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ اور تیری خوشنودی کے لئے ہے۔ اور نہ ہی یوں کہے: یہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ اور رشتہ داروں کے لئے ہے کیونکہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا کوئی شریک نہیں۔

﴿7﴾... ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک شخص کو کوڑا مارا پھر اس سے فرمایا: مجھ سے اس کا قصاص (بدلہ) لو۔ اس نے کہا: میں نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ اور آپ کی خاطر اپنا حق معاف کیا۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: یہ تو تم نے کچھ بھی نہ کیا یا تو صرف میری خاطر معاف کرو تا کہ مجھ پر احسان ہو یا پھر صرف اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی خاطر معاف کرو۔ اس نے کہا: میں نے صرف اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے معاف کیا تو امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: اب تم نے اچھی بات کی۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: میں نے چند ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کی جن کے دلوں میں حکمت کی ایسی باتیں گزرتی تھیں کہ اگر وہ ان کو زبان پر لاتے تو وہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو نفع دیتیں لیکن انہوں نے شُہرت کے خوف سے ان باتوں کو ظاہر نہیں کیا اور ان میں سے کوئی اگر چلتے ہوئے راستے میں تکلیف دہ چیز دیکھتا تو صرف شُہرت کے خوف سے اُسے نہ ہٹاتا۔

﴿9﴾... منقول ہے کہ قیامت کے دن ریاکار کو چار ناموں سے پکارا جائے گا: (۱)...اے رِیاکار! (۲)...اے دھوکے باز! (۳)... اے نقصان اٹھانے والے! (۴)...اے بدکار! جا اور اپنا ثواب اس سے لے جس کے لئے تو نے عمل کیا ہے ہمارے پاس تیرے لئے کوئی اجر نہیں۔

﴿10﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیْل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: پہلے لوگ عمل کر کے ریاکاری کرتے تھے اور اس زمانے میں عمل کے بغیر ریاکاری کرتے ہیں۔

﴿11﴾... حضرت سیِّدُنا عِکْرِمہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ بندے کو اس کے عمل پر اتنا ثواب نہیں دیتا جس قدر نیت پر ثواب عطا کرتا ہے کیونکہ نیت میں دکھلاوا نہیں ہوتا۔

﴿12﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ریاکار شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تقدیر پر غالب آنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اسے نیک آدمی کہیں حالانکہ وہ بُرا آدمی ہوتا ہے اور لوگ اسے کیسے اچھا کہیں جبکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک ذلیل و حقیر لوگوں میں سے ہوتا ہے، لہٰذا مؤمنین کے دلوں کو چاہئے کہ اس کو پہچانیں۔

﴿13﴾... حضرت سیِّدُنا قَتادہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب بندہ دکھلاوا کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ فرماتا ہے: ”میرے بندے کو دیکھو میرے ساتھ ٹھٹّا یعنی مذاق کرتا ہے۔“

﴿14﴾... حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار نے فرمایا: علما تین طرح کے ہیں: (۱)...رحمٰن عَزَّوَجَلَّ کے علما (۲)...دنیا کے علما (۳)...اور بادشاہوں کے علما (درباری علما) اور محمد بن واسع علمائے رحمٰن میں سے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا فُضَیْل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے (بطورِ عاجزی) فرمایا: جو ریاکار کو دیکھنا چاہتا ہے وہ مجھے دیکھ لے۔

﴿15﴾... حضرت سیِّدُنا محمد بن مبارَک صُوْرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: تمہارا رات میں نیکوں جیسی صورت اختیار کرنا دن میں ایسی صورت ظاہر کرنے سے بہتر ہے کیونکہ تمہارا دن میں نیکوں کی طرح رہنا مخلوق کے لئے ہے اور رات میں خالق عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہے۔

﴿16﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: عمل کو ضائع ہونے سے بچانا عمل کرنے کے مقابلے میں زیادہ مشکل ہے۔

﴿17﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مبارَک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ایک شخص بیتُ اللہ کا حج کر رہا ہوتا ہے لیکن اس کا دل خُراسان میں ہوتا ہے۔ آپ سے کہا گیا: وہ کیسے؟ ارشاد فرمایا: وہ چاہتا ہے کہ اہلِ خُراسان اس کے متعلق کہیں کہ وہ کعبۃُ اللہ شریف کا مجاور (پڑوسی) ہے۔

﴿18﴾... حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے فرمایا: جو شخص شُہرت کا خواہاں ہوا گویا اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تصدیق نہیں کی۔

دوسری فصل: ریاکاری کی حقیقت اور ان اشیاء کا بیان جن کے ذریعے ریاکاری ہوتی ہے

یاد رکھئے! ریاکاری کی اصل لوگوں کو اپنی نیک عادات دکھا کر ان کے دلوں میں قدر و منزلت حاصل کرنا ہے اور لوگوں کے دلوں میں قَدْر و مَنْزِلَت کا حصول عِبادات و غیرِ عبادات دونوں کے ذریعے مطلوب ہوتا ہے، لہٰذا ریا کی تعریف میں یہ تخصیص بھی ہوگی کہ جس میں لوگوں کے دلوں میں قدر و منزلت عبادات کے ذریعے حاصل کی جائے۔ اس اعتبار سے ریاکاری کی تعریف یہ ہوئی: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے ذریعے بندوں کا ارادہ کرنا" ریاکاری کے حوالے سے چار چیزیں مدِّ نظر ہوتی ہیں: (۱)...رِیاکار یعنی عابد (۲)...وہ شخص جسے دکھلانا مقصود ہو (۳)...وہ خصلت جس کے ذریعے ریا مقصود ہو اور (۴) نفسِ ریا۔ جن اشیاء کے ذریعہ ریاکاری کی جاتی ہے وہ بہت ہیں لیکن ان کو پانچ قسموں میں جمع کیا جاسکتا ہے اور یہ تمام کی تمام وہ اشیاء ہیں جن کے ذریعے انسان لوگوں کے لئے زیب و زینت اختیار کرتا ہے اور یہ اشیاء درج ذیل ہیں: (۱)...بدن (۲)...ہَیْئَت (۳)...قول (۴)...عمل اور (۵)...کسی کی پیروی اور خارجی اشیاء کے ذریعے ریاکاری کرنا۔ دنیا دار بھی ان پانچ اشیاء کے ذریعے ریاکاری

کرتے ہیں البتہ جاہ کی طَلَب اور رِیا کا قَصد عبادات کے علاوہ دیگر اشیاء میں زیادہ آسان ہوتا ہے۔

(1)... بدن کے ذریعے ریاکاری:

بدَن کے ذریعہ دین میں ریاکاری کی صورت یہ ہے کہ بدن میں کمزوری اور چہرے پر زردی ظاہر کرنا تاکہ یہ وہم ہو کہ یہ شخص بہت عبادت کرنے والا، دین کی بہت فکر کرنے والا اور خوفِ آخرت رکھنے والا ہے نیز کمزوری سے یہ ظاہر ہو کہ بہت کم کھاتا ہے اور چہرے کی زردی شب بیداری، عبادت گزاری اور دین کا غم رکھنے کی خبر دے۔ اسی طرح بکھرے بالوں سے یہ ظاہر کرنا کہ لوگ سمجھیں اسے دین کی اتنی فکر ہے کہ بال سَنْوارنے کا بھی وقت نہیں۔ جب یہ اسباب ظاہر ہوتے ہیں تو لوگ اس شخص میں مذکورہ صِفات کا گمان کرلیتے ہیں یوں نفس اس بات سے لذت محسوس کرتا ہے۔ اسی وجہ سے نفس بندے کو ایسی صورت اختیار کرنے پر ابھارتا ہے تاکہ اسے لذّت ملے۔ اسی قسم میں سے آواز کو پست کرنا، آنکھوں کے گرد حلقے بنائے رکھنا اور ہونٹوں کو خشک رکھنا بھی ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ بہت روزے رکھتا ہے اور شریعت کے وقار نے اس کی آواز کو پست اور بھوک نے اس کو لاغَر کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللّٰه عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو چاہئے کہ اپنے سر پر تیل لگائے، بالوں میں کنگھی کرے اور آنکھوں میں سرمہ ڈالے۔" اس طرح کی ایک روایت حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہ سے بھی مروی ہے اور یہ سب (سر پر تیل لگانا، کنگھی کرنا اور سرمہ ڈالنا) اس لئے ہے تاکہ شیطان ریاکاری کی طرف مائل نہ کرے۔ حضرت سیِّدُنا ابن مسعود رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: "اے روزہ دارو! اپنے سروں میں تیل لگا کر صُبح کیا کرو۔" یہ دین داروں کی بدن کے ذریعہ ریاکاری کی بات تھی اور جہاں تک دنیاداروں کا تعلق ہے تو وہ بدن کو موٹا کرنے، رنگت کی صفائی، قد کے اچھا ہونے، چہرے کی خوبصورتی، بدن کی صفائی سُتھرائی اور اعضاء کی قوت اور تناسب کے ذریعے ریاکاری کرتے ہیں۔

(2)... ظاہری ھَیْئَت وصورت کے ذریعے ریاکاری:

ظاہری ہیئت کے ساتھ ریاکاری کی صورت اس طرح ہے کہ بال بکھرے ہونا، مونچھیں پست ہونا، چال میں ڈھیلا پن ہونا، حرکات میں نرمی ہونا، سجدہ میں زیادہ دیر تک چہرہ زمین پر رکھنا، موٹا اونی لباس پہننا اور اسے

پنڈلی تک لٹکانا، آستین چھوٹی رکھنا، میلے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہننا۔ ان تمام چیزوں کے ساتھ ریاکاری اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ اپنے آپ کو پابندِ سُنّت اور سَلَف صالحین کا پیروکار ظاہر کیا جائے۔ اسی میں پیوند لگے کپڑے پہننا، گُدڑی پر نماز پڑھنا اور صُوفیائے کِرام سے مُشابہت کرتے ہوئے نیلے یا پیلے رنگ کے کپڑے پہننا بھی داخل ہے باوجود یہ کہ وہ باطن میں تصوّف کے اسرار و حقائق سے بالکل خالی ہو۔ یونہی عمامہ کے اوپر چادر لینا اور اسے آنکھوں پر ڈالنا تاکہ معلوم ہو کہ وہ راستے کی غبار سے بہت زیادہ بچنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ سب اس لئے کرتا ہے تاکہ ان علامات میں منفرد ہونے کی وجہ سے لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں اور اسی طرح دکھاوا کرنے کے لئے علما جیسا لباس پہننا بھی ریاکاری کی ایک صورت ہے تاکہ ظاہر ہو کہ یہ بھی عالم ہے۔

ظاہری ہیئت وصورت کے ساتھ ریاکاری کرنے والوں کے مختلف طبقے ہیں: ان میں سے چند وہ ہوتے ہیں جو تقوٰی وپرہیز گاری ظاہر کر کے نیک لوگوں کے نزدیک مقام بنانا چاہتے ہیں، لہٰذا اس کے لئے وہ موٹے، میلے کچیلے، چھوٹی آستین ودامن والے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنتے ہیں تاکہ اس سے ان کی دنیا سے بے رغبتی ظاہر ہو۔ اور اگر ان کو صاف ستھرا اور میانہ لباس جو کہ سَلَف صالحین پہنتے تھے پہننے پر مجبور کیا جائے تو وہ سمجھتے ہیں گویا انہیں ذبح کیا جارہا ہے اور ایسا اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ لوگ کہیں گے یہ زُہد و تقوٰی کی راہ سے ہٹ کر دنیا کا لالچی ہو گیا ہے۔

ایک طبقہ وہ ہے جو صوفیا اور دنیاداروں مثلاً: بادشاہوں، وزیروں، تاجروں وغیرہ کے ہاں مقبول رہنا چاہتا ہے اس طبقہ کے لوگ اگر عمدہ لباس پہنیں تو صوفیا ان کو ٹھکرا دیں اور اگر گھٹیا اور پھٹا پرانا لباس پہنیں تو بادشاہوں، مال داروں اور اُمرا کی نظروں سے گر جائیں، لہٰذا یہ دین داروں اور دنیاداروں دونوں کے ہاں مقبول رہنا چاہتے ہیں، لہٰذا یہ نہایت باریک اُونی اور پیوند لگے ہوئے رنگین لباس پہنتے ہیں ان کے اس لباس کی قیمت شاید مالداروں کے لباس جتنی ہوتی ہے اور اس کا رنگ ڈھنگ صوفیا کے لباس کی طرح ہوتا ہے، اس طرح وہ دونوں گروہوں کے ہاں مقبولیت کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ان کو اگر موٹے یا میلے کچیلے کپڑے پہننے پر مجبور کیا جائے تو یہ ان کے حق میں گویا ذبح ہونے کی طرح ہے کیونکہ اس طرح وہ بادشاہوں اور مالداروں کی نظروں سے گر جائیں گے اور اگر ان کو ریشمی اور سفید باریک سوتی کپڑا یا بیل بوٹوں والا کپڑا پہننے کو کہا جائے

جس کی قیمت اگرچہ بہت کم ہو تو یہ بھی ان پر بہت شاق گزرتا ہے کیونکہ ان کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ صوفیا کہیں گے: یہ تو دنیاداروں کے لباس کا شوقین ہو گیا ہے۔

خلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر طبقہ کی مقبولیت اس کے مخصوص لباس میں ہوتی ہے، اس سے دوسری طرف منتقل ہونا ان کے کسی فرد پر بوجھل ہوتا ہے چنانچہ وہ نہ تو اس سے کم تر لباس پر راضی ہوتا ہے اور نہ اس سے اعلیٰ پر، اگرچہ وہ لباس فی نفسہٖ پہننا جائز ہی کیوں نہ ہو لیکن ان کو مذمت کا خوف اس کو پہننے سے روکتا ہے۔

جہاں تک دنیاداروں کا تعلق ہے تو ان کا دکھاوا عمدہ کپڑوں، اعلیٰ درجے کی سواریوں، لباس، رہائش اور گھریلو سازو سامان میں وُسعت اور عمدگی کے ذریعے ہوتا ہے۔ وہ عمدہ قسم کے گھوڑوں (موجودہ دور میں عمدہ گاڑیوں)، رنگین کپڑوں اور نفیس چادروں کے ذریعے نمائش کرتے ہیں۔ یہ بات لوگوں میں عام ہے کہ وہ گھر میں کھردرے کپڑے پہنتے ہیں لیکن اس حالت میں لوگوں کے سامنے جانا ان پر گراں گزرتا ہے جب تک وہ اچھی طرح زینت اختیار نہ کرلیں۔

﴿3﴾... قول کے ذریعے ریاکاری:

اہلِ دین کی ریاکاری وعظ و نصیحت کرنے، حکمت بھری گفتگو کرنے اور احادیث و واقعات کو یاد کرنے کے ذریعے بھی ہوتی ہے تاکہ انہیں اپنی گفتگو میں استعمال کر کے اپنی علمی قابلیت اور بزرگانِ دین کے احوال کی طرف اپنی رغبت کا اظہار ہو۔ یونہی اہلِ دین کی ریاکاری میں سے لوگوں کے سامنے ذکر کے ساتھ اپنے ہونٹوں کو ہلانے اور مخلوق کے سامنے نیکی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے، برائیوں پر غُصّہ کا اظہار کرنے، لوگوں کے گناہوں میں ملوث ہونے پر اظہار افسوس کرنے، دورانِ گفتگو اپنی آواز پست رکھنے، خوف اور غم کے اظہار کے لئے تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے اپنی آواز میں رِقّت پیدا کرنے، احادیث کے یاد ہونے اور شُیوخِ احادیث سے ملاقات کرنے کا دعویٰ کرنے، اسی طرح اگر کوئی شخص حدیث بیان کرنے میں کچھ غَلَطی کر بیٹھے تو اس کا رد کرنے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی حدیث پر بہت نظر ہے نیز اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے کسی حدیث کو صحیح یا غیر صحیح کہنے میں عجلت کرنے اور مخالف کو لاجواب کرنے کے لئے مجادلہ

کرنے تاکہ لوگوں پر ظاہر ہو کہ اسے علمِ دین میں بہت قوت حاصل ہے۔ مختصر یہ کہ گفتگو کے ذریعہ ریاکاری بہت زیادہ ہوتی ہے اور اسکی اقسام بے شمار ہیں۔

جہاں تک دنیاداروں کی بات ہے تو ان کی ریاکاری گفتگو کے ذریعہ اس طرح ہوتی ہے کہ وہ گفتگو میں اشعار، مثالیں اور فصیح عبارات کا استعمال کرتے ہیں اور اہلِ علم وفضل کو مرعوب کرنے کے لئے نادر جملے اور غریب الفاظ یاد کرتے ہیں نیز لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے کے لئے ان سے دوستی ومحبت کا اظہار کرتے ہیں۔

(4)... عمل کے ذریعے ریاکاری:

عمل کے ذریعہ ریاکاری کرنا جیسے نمازی کا لمبا قیام کرنا اور پیٹھ کو پھیلا دینا، لمبے لمبے رکوع وسجود کرنا اور سر کا جھکائے رکھنا، اِدھر اُدھر نہ دیکھنا، وقار وسکون کا اظہار کرنا نیز ہاتھوں اور پاؤں کو برابر رکھنا، اسی طرح روزہ، جہاد، حج، صدقہ اور کھانا کھلانے کے ذریعہ ریاکاری کرنا، ملاقات کرنے میں عاجزی کرنا مثلاً: پلکیں نہ اٹھانا، سر جھکائے رکھنا اور گفتگو کرنے میں ٹھہر ٹھہر کر بولنا حتّٰی کہ ریاکار کبھی اپنے کام کے لئے جلدی جلدی چلتا ہے لیکن جب کوئی دیندار شخص اسے دیکھ لے تو فوراً سر جھکا کر وقار کے ساتھ چلنے لگتا ہے کہ کہیں اسے جلد باز اور بے وقار نہ کہہ دیا جائے اور جیسے ہی وہ دیندار شخص اوجھل ہوتا ہے یہ ریاکار دوبارہ جلد بازی کرنے لگتا ہے اور پھر اگر اس کو دیکھ لے تو دوبارہ اپنی عاجزی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد نہیں آتی کہ اس کے لئے خُشوع وخضوع کرے بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لئے ایسا کرتا ہے تاکہ لوگ اسے عبادت گزار اور نیکوکار لوگوں میں شمار کریں، ان ریاکاروں میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ وہ خَلْوَت وجَلْوَت (تنہائی اور لوگوں کے سامنے) میں ایک جیسی چال رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسا وہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ جب لوگوں کے سامنے جائیں تو اپنی چال بدلنے کی ضرورت ہی نہ ہو، اس طرح کر کے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ریاکاری سے بچ جائیں گے حالانکہ وہ دگنی ریاکاری میں مبتلا ہو چکے ہوتے ہیں کہ وہ جلوت کی طرح خلوت میں بھی ریاکاری کر رہے ہوتے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف اور اس سے حیا کے باعث اپنی چال میں تبدیلی نہیں لاتے۔

جہاں تک عمل کے ذریعے دنیاداروں کی ریاکاری کی بات ہے تو وہ تکبُّر کے ساتھ ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے اکڑ کر چلتے ہیں، تھوڑے تھوڑے فاصلے سے قدم رکھتے ہیں، دامن پکڑے رہتے ہیں اور کاندھے اُچکاتے

رہتے ہیں تا کہ اس سے ان کی جاہ وحشمت کا پتا چلے۔

﴿5﴾...دوستوں اور ملاقاتیوں کے ذریعے ریاکاری:

مثلاً: کوئی شخص بتکلُّف یہ چاہے کہ اس سے کوئی عالِم یا نیک بندہ ملنے آئے تا کہ کہا جائے کہ فلاں عالِم صاحب اس کے پاس آئے تھے یا یہ کہا جائے کہ دین دار لوگ بھی اس کی زیارت سے برکت حاصل کرتے ہیں اور اس کے پاس آتے جاتے ہیں یا پھر وہ یہ خواہش کرے کہ کوئی بادشاہ یا بادشاہ کا کوئی خاص کارِندہ ہی ملنے آجائے تا کہ لوگ سمجھیں کہ اس کا درجہ دین میں بہت اونچا ہے جب ہی وہ اس سے ملنے آیا ہے۔ اسی طرح بُزرگانِ دین کا کثرت سے ذکر کرنا تا کہ پتہ چلے کہ موصوف بہت سے بزگوں سے مل کر اُن سے استفادہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ بزرگانِ دین کی ملاقات پر فخر کا اظہار کرتا ہے اور اس کی یہ فخریہ ریاکاری اس وقت عیاں ہوتی ہے جب اس کی کسی سے اَن بَن ہو جائے تو وہ اپنے مخالِف سے کہتا ہے: تم کس بزرگ سے ملے ہو۔۔۔؟ میں تو فلاں فلاں بزرگ سے ملا ہوں کئی شہروں کی خاک چھانی اور بزرگوں کی خدمت کی ہے۔ اور اسی طرح کی دیگر کئی باتیں کہتا ہے۔ یہ تمام ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ ریاکار لوگ ریاکاری کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں جاہ و منصب چاہتے ہیں۔

ان میں سے بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ جو اپنے بارے میں لوگوں کے حُسنِ اِعتقاد پر قناعت کر لیتے ہیں چنانچہ کتنے ہی رُہبانِیّت کی زندگی اختیار کرنے والے ایسے ہیں جو کئی سالوں سے اپنے عبادت خانوں میں قید ہیں اور بہت سے عبادت گزار ایسے ہیں جو عرصہ دراز سے پہاڑوں میں گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ان کی کم فہمی ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں لوگوں کے دلوں میں ان کی جاہ وحشمت موجود ہے۔ اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ لوگ ان کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے عبادت خانوں میں کسی جرم کے مُرتکِب ہو چکے ہیں تو ان کے دل بے چین ہو جائیں جبکہ وہ اس بات کو کافی نہیں سمجھتے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم میں ان کا دامن اس جرم سے پاک ہے بلکہ ان کا غم بڑھ جاتا ہے اور وہ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے اس خیال کو دور کرنے کے لئے ہر حیلہ بہانہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ لوگوں کے مالوں کا ان کو لالچ نہیں ہوتا بس وہ یہ سب کچھ جاہ وحشمت کی چاہت کی وجہ سے کرتے ہیں اور یہ جاہ وحشمت کا نشہ انہیں بہت لذّت دیتا ہے جیسا کہ ہم نے

اسے جاہ ومَنْصَب کے اسباب کے تحت ذکر کیا ہے۔ جاہ فی الحال حاصل ہونے والی قدرت اور کمال کی ایک قسم ہے جو کہ بہت جلد ختم ہو جانے والی ہے، اس پر جاہل لوگ ہی اتراتے ہیں اور اکثر لوگ جہالت کا ہی شکار ہیں۔

ریاکاروں کی اس قسم میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو محض اپنی جاہ ومنزلت کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ لوگوں کی زبانوں پر ان کی تعریف جاری ہو جائے، بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ دوسرے شہروں میں بھی ان کی شُہرت عام ہو جائے تاکہ وہاں کے لوگ بھی ان کو ملنے آئیں۔ ان میں سے بعض بادشاہوں کے ہاں شُہرت کے خواہشمند ہوتے ہیں تاکہ وہ ان کی سفارش قبول کریں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں اور پھر اس طرح عام لوگوں میں ان کا جاہ ومنصب بلند ہو۔ بعض اس ذریعے سے دنیا کا مال ومَتاع جمع کرنا چاہتے ہیں خواہ وہ وقف اور یتیموں کا مال ہو یا کوئی بھی مالِ حرام ہو۔ یہ سب ریاکاروں کے بُرے طَبقات ہیں جو مذکورہ پانچ اسباب کے باعث ریاکاری کرتے ہیں۔ یہ ریاکاری کی حقیقت اور ان چیزوں کا بیان تھا جن کے ذریعہ ریاکاری ہوتی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

ریاکاری حرام، مکروہ، جائز ہے یا اس میں تفصیل ہے؟ **جواب:** اس میں تفصیل ہے کیونکہ ریاکاری کا مطلب ہے جاہ ومنصب چاہنا اور جاہ ومنصب کی چاہت عبادت کے ذریعے بھی ہوتی ہے اور غیرِ عبادت کے ذریعہ بھی۔ اگر غیر عبادت کے ذریعہ ہو تو یہ طَلَبِ مال کی طرح ہے، لہٰذا اس حیثیت سے کہ صرف مخلوق کے دلوں میں جگہ حاصل کرنا مقصود ہے تو حرام نہیں لیکن جس طرح مال کمانے میں دھوکہ اور منکراتِ شَرعِیَّہ کا اِرتِکاب ممکن ہے اسی طرح جاہ ومَنْصَب کا معاملہ بھی ہے۔ انسان کے لئے جس طرح بقدرِ حاجت مال کمانا اچھا ہے اسی طرح اتنا مقام بنانا بھی اچھا ہے جس کے ذریعے آفات سے بچا جائے اور یہی مقام حضرت سیِّدُنا یوسف عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بھی چاہا جب انہوں نے کہا:

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ (پ۱۳، الکھف: ۵۵) ترجمۂ کنزالایمان: بیشک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔

جس طرح مال میں زہرِ قاتل اور نفع بخش تریاق بھی ہوتا ہے یہی معاملہ جاہ ومنصب میں بھی ہوتا ہے اور جس طرح کثیر مال نیکیوں سے روکنے والا، سرکش بنانے والا، اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کی یاد بھلا دینے

والا ہوتا ہے یہی حال کثیر جاہ ومنصب کا بھی ہوتا ہے بلکہ مال کے مقابلے میں یہ زیادہ شدید ہے کیونکہ جاہ ومنصب کا فتنہ مال کے فتنہ سے بڑھ کر ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ بہت زیادہ مال کمانا یا بہت سے دلوں میں جگہ بنالینا حرام ہے مگر یہ کہ جب کثرتِ مال اور زیادہ شُہرت کسی ناجائز کام پر ابھارے تب تو حرام ہی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ضرور ہے کہ جس طرح مال کو بڑھانے کی کوشش برائی کی جڑ ہے اسی طرح شُہرت کو بڑھانے کا معاملہ بھی ہے کیونکہ مال وجاہ کا طلبگار دل اور زبان وغیرہ کو گناہوں سے نہیں بچا پاتا۔ اگر کسی کو بغیر خواہش کے جاہ ومنزلت مل جائے اور اس کے جانے کا اسے کوئی غم وخوف بھی نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، خُلفائے راشدین اور ان کے بعد عُلمائے دینِ مَتِین کے جاہ ومنزلت سے بڑھ کر کوئی جاہ ومنزلت نہیں۔ مگر تمام تر توجہ جاہ ومنزلت کے حصول کی طرف کرلینا دینی نقصان ہے البتہ اسے حرام نہیں کہہ سکتے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ انسان لوگوں کی طرف نکلتے وقت جو عمدہ لباس پہنے یہ دِکھلاوا تو ہے لیکن حرام نہیں کیونکہ یہ عبادت کے ذریعہ ریاکاری نہیں بلکہ دنیا کے ذریعہ ہے۔ چنانچہ اسی پر لوگوں کی خاطر کی جانے والی ہر قسم کی زیب وزینت کو قیاس کیا جائے گا۔ ہماری اس بات پر دلیل وہ حدیثِ مبارک ہے جو اُمُّ المؤمنین حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ "ایک دن رسولِ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو مٹکے کے پانی میں دیکھ کر اپنے عمامے اور بالوں کو درست فرمایا۔ یہ دیکھ کر حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے عرض کی: یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ بھی ایسا کر رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہاں۔ کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ جب اس کا بندہ اپنے بھائیوں کے پاس جائے تو ان کے لئے زینت اختیار کرے۔" البتہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ عمل بطور عبادت تھا کیونکہ آپ کو حکم تھا کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، ان کو اپنی پیروی کی ترغیب دیں اور ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اگر ان کی نگاہوں میں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا کوئی مقام نہ ہوتا تو وہ آپ کی پیروی میں رغبت نہ کرتے لہٰذا یہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لئے ضروری تھا کہ آپ اپنے اخلاقِ حسنہ ان پر ظاہر کریں تاکہ وہ آپ کو بنظر حقارت نہ دیکھیں

کیونکہ لوگوں کی نگاہیں باطن کے بجائے ظاہر پر ہی پڑتی ہیں۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قصداً ایسا کیا اور اب اگر کوئی لوگوں کی نظرِ حقارت اور ذِلّت سے بچنے نیز ان کی عزت و توقیر سے راحت و سکون پانے کے لئے ارادتاً اپنے محاسن ان میں ظاہر کرے تو اس کا ایسا کرنا مباح (جائز) ہے کیونکہ انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مذمت سے بچے اور دوست واحباب سے اُنسیت حاصل کرتے ہوئے ان سے راحت پائے اور جب وہ اس کو حقیر اور میلا کچیلا سمجھیں گے تو یہ ان کے ذریعے راحت و سکون نہیں پا سکے گا۔ معلوم ہوا کہ غیر عبادت کے ذریعہ کی جانے والی ریاکاری کبھی محض جائز ہوتی ہے، کبھی نیکی ہوتی ہے اور کبھی مذموم ہوتی ہے، اس کا مدار ریاکار کی غرض پر ہے۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ ایک شخص صدقہ و عبادت کی نیت سے ہٹ کر اپنا مال اغنیا پر اس لئے خرچ کرتا ہے کہ وہ اسے سخی کہیں تو یہ ریاکاری تو ہے لیکن حرام نہیں یوں ہی اسی کی مثل دیگر افعال بھی ہیں۔

جہاں تک عبادات میں ریاکاری کا تعلق ہے مثلاً نماز، روزہ، صدقہ، جہاد اور حج وغیرہ تو اس میں ریاکاری کی دو حالتیں ہیں: ایک حالت تو یہ ہے کہ اس کی نیت صرف و صرف دکھاوے کی ہو ثواب کی نہ ہو تو اس کی یہ عبادت باطل ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور اس نے عبادت کی نیت ہی نہیں کی۔ پھر یہ بات عبادت کے ضائع ہونے پر ہی ختم نہیں ہوئی کہ ہم کہیں یہ ویسا ہی ہے جیسے پہلے تھا (یعنی اس کی عبادت کا کوئی شمار نہیں) بلکہ اس نیت کے سبب یہ گنہگار بھی ہو گیا جیسا اس پر آیات واحادیث بھی دلالت کرتی ہیں اور یہ گناہ دو وجہ سے ہے:

⊛...پہلی وجہ کا تعلق بندوں کے ساتھ ہے اور یہ دھوکہ وفریب ہے کیونکہ اس نے لوگوں کو خیال دلایا کہ وہ نیکوکاروں میں سے ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا مخلص و فرمانبردار ہے حالانکہ وہ ایسا نہیں۔ یوں ہی دنیاوی معاملات میں بھی دھوکہ حرام ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کئی لوگوں کا قرض چکادے اور لوگوں پر یہ ظاہر کرے کہ اس نے ان کے ساتھ احسان کیا ہے تاکہ وہ اسے سخی سمجھیں تو یہ گناہ ہے کیونکہ اس میں بھی تَلْبِیْس (خِلافِ حقیقت کا اِظہار) اور مکر وفریب کے ذریعہ دلوں کا مالک بننا ہے۔

⊛...دوسری وجہ کا تعلق اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ساتھ ہے وہ اس طرح کے اس نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی عبادت سے مخلوق کا قصد کیا، لہٰذا وہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ساتھ ٹھٹا (مذاق) کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت سیِّدُنا قتادہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی

عَلَیْہ نے فرمایا: "جب بندہ ریاکاری کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ فرشتوں سے فرماتا ہے: اسے دیکھو یہ میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔" اسے آپ مثال سے یوں سمجھیں کہ کوئی خادم پورا دن بادشاہ کے دربار میں اس کے سامنے رہتا ہے جیسا کہ خادموں کی عادت ہوتی ہے لیکن اس ٹھہرنے میں اس کا مقصد بادشاہ کی کسی لونڈی یا غلام کو دیکھنا ہے تو یہ بادشاہ کے ساتھ مذاق ہے کیونکہ اس نے بادشاہ کا قرب اس کی خدمت کے لئے نہیں بلکہ اس کے غلام کے لئے اختیار کیا ہے، لہٰذا اس سے بڑھ کر حقارت کیا ہو گی کہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت ایک ایسے کمزور و ناتواں بندے کو دکھانے کے لئے کرے جو اس کے کسی نَفْع و نقصان کا مالک نہ ہو۔ یونہی ریاکار شخص کے بارے میں یہی کہا سکتا ہے کہ یہ اس بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے زیادہ اپنی اغراض پر قادِر اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مقابلے میں اسے قرب کے زیادہ خیال کر رہا ہے کیونکہ اس نے بادشاہوں کے بادشاہ پر اسے ترجیح دی اور اپنی عبادت کا مقصود ٹھہرایا۔ اور اس سے بڑھ کر مضحکہ خیز کیا بات ہو گی کہ اس نے غلام کو آقا سے بلند کر دیا اور یہ انتہائی مُہلِک بات ہے۔ اسی وجہ سے رسولِ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے شِرْکِ اَصْغَر قرار دیا۔[1]

عبادات کے حوالے سے ریاکاری کے بعض درجات بعض کے مقابلے میں زیادہ شدید ہیں عنقریب ریاکاری کے درجات میں اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کا بیان آئے گا۔ ان درجات میں سے کوئی بھی دَرَجہ گناہ سے خالی نہیں چاہے وہ گناہِ کبیرہ ہو یا صغیرہ۔ اگر ریا میں کوئی اور بات نہ بھی ہو تو یہ کیا کم ہے کہ انسان غَیْرُاللہ کے لئے رکوع و سجود کرتا ہے کیونکہ جب اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کی نیت نہیں کی تو گویا غَیْرُاللہ کے تَقَرُّب کی نیت کی۔ میری عمر کی قسم! اگر اس نے سجدہ سے غَیْرُاللہ کی عَظَمت کا ارادہ کیا تو ضرور کُفْرِ جَلی (واضح کفر) کا مرتکب ہوا مگر ریاکاری کی صورت میں کُفْرِ خَفی (چھپے ہوئے کفر) کا مُرتکِب ہوا کیونکہ ریاکار اپنے دل میں لوگوں کو عظیم جانتا ہے لہٰذا یہ عَظَمت تقاضا کرتی ہے کہ وہ ان کی خاطر رکوع و سجود کرے تو یوں وہ سجدہ کر کے ایک طرح سے ان کی تعظیم کرتا ہے اور جیسے جیسے سجدے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظمت کا ارادہ جاتا رہتا ہے اور لوگوں کی تعظیم دل میں جگہ بنانا شروع کرتی ہے تو یہ ریاکار شرک کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ جب وہ ظاہر میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تعظیم کرتا ہے اور دل میں اس شخص کی تعظیم کا ارادہ ہوتا ہے جس کی عظمت اس کے

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث محمود بن لبید، ۹/ ۱۲۰، حدیث: ۲۳۶۹۲

دل میں ہے تو یہ ریاکاری شرک جلی نہیں بلکہ شرک خفی کہلاتی ہے اور ایسی ریاکاری انتہائی درجے کی جہالت ہے۔ اس کی طرف وہی پیش قدمی کرتا ہے جسے شیطان دھوکے میں مبتلا کرے اور اس کے دل میں یہ وہم ڈالے کہ بندے ہی اس کے نفع، نقصان، رِزق، موت، حال اور مستقبل کے مفادات کے حوالے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بڑھ کر مالک ہیں۔ شیطان کے اسی دھوکے اور وہم کے باعث عبادت کے معاملے میں ریاکاری کرنے والے شخص نے اپنا چہرہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بجائے لوگوں کی طرف پھیر لیا اور دل وجان سے ان کی طرف مُتوجِّہ ہو گیا تا کہ ان کے دلوں کو اپنی جانب مائل کر سکے۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ ایسے شخص کو دنیا وآخرت میں ان بندوں کے سپرد کر دے تو اس کے عمل کا شاید کچھ بدلہ ہو سکے مگر ایسا بھی نہیں کیونکہ تمام بندے تو خود ہی عاجز ہیں، اپنے نَفْع ونقصان کے مالک نہیں تو اس دنیا میں وہ کسی اور کے کیسے مالک ہو سکتے ہیں۔۔؟ اور جب اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں وہ کس طرح نفع ونقصان کے مالک ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ وہ دن ایسا ہے جس دن باپ بیٹے کے اور بیٹا باپ کے کچھ کام نہ آئے گا بلکہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام بھی نَفْسِی نَفْسِی پکار رہے ہوں گے۔ تو اس دن جاہل شخص دنیا میں لوگوں کے دکھلاوے کے لئے کئے گئے اپنے جھوٹے اعمال کے بدلے آخرت کا ثواب اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب کیسے مانگ سکے گا؟ ہمیں اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عقلی ونقلی دلائل سے ثابت ہے کہ عبادتِ الٰہی کے ذریعہ ریاکاری کرنے والا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی مول لیتا ہے اور یہ اس وقت ہے جب وہ ثواب کا ارادہ نہ کرے اور اگر نماز وصَدَقہ کے ذریعہ ثواب اور اپنی تعریف دونوں مقصود ہوں تو یہ شرک ہے جو کہ اخلاص کے مقابل ہے۔ ہم اس کا حکم اخلاص کے بیان میں ذکر کریں گے اور ہم نے اقوال بزرگان دین کے ضِمن میں حضرت سیِّدُنا سعید بن مُسَیِّب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا جو قول ذکر کیا ہے اور حضرت سیِّدُنا عُبادہ بن صامِت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا جو فرمان نقل کیا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے شخص کے لئے کوئی ثواب نہیں۔

تیسری فصل: ریاکاری کے درجات

یاد رہے کہ رِیاکاری کی بعض صورتیں بعض صورتوں سے بہت زیادہ سخت ہیں اور یہ اختلاف ریاکاری کے اَرکان ودَرَجات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔

ریاکاری کے تین ارکان:

ریاکاری کے تین رکن ہیں: (۱)...ریاکاری کا قصد (۲)...جس چیز کے ذریعہ ریاکاری کی جاتی ہے اور (۳)...جس کے لئے ریاکاری کی جاتی ہے۔

پہلا رُکن:

محض ریاکاری کا قصد (ارادہ) کرنا اس میں چند صورتیں ہیں: صرف ریاکاری کا ارادہ ہو گا اس میں کسی قسم کی عبادت اور ثواب کا ارادہ شامل نہ ہو گا یا پھر ریاکاری کے ارادے کے ساتھ ساتھ ثواب کا ارادہ بھی شامل ہو گا اور پھر اس صورت میں یا تو ثواب کا ارادہ بہت مضبوط ہو گا یا دوسرے ارادے پر غالب ہو گا یا اس سے کم ہو گا یا پھر عبادت کے ارادے کے برابر ہو گا۔ چنانچہ اس طرح ریاکاری کے ارادے کے حوالے سے چار درجات ہو گئے:

❁...**پہلا دَرَجہ:** ریاکار ثواب کا ارادہ بالکل نہ کرے یہ بہت سخت درجہ ہے۔ مثلاً: کوئی شخص لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے لیکن اگر اکیلا ہو تو بالکل نہیں پڑھتا بلکہ کبھی کبھی تو لوگوں کے ساتھ بغیر طہارت کے ہی پڑھ لیتا ہے۔ اس صورت میں اس کا ارادہ محض ریاکاری کا ہے اور وہ شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب کا سزاوار ہے۔ یوں ہی وہ شخص جو مذمت کے خوف سے بچنے کے لئے لوگوں کے سامنے صَدَقہ کرتا ہے کہ اگر اکیلا ہو تو ایسا نہ کرے، یہ ریاکاری کا سب سے بڑا درجہ ہے۔

❁...**دوسرا درجہ:** عمل میں ثواب کا ارادہ بھی شامل ہو لیکن یہ ارادہ بہت کمزور ہو۔ مثلاً: اگر وہ شخص تنہائی میں ہوتا تو وہ عمل نہ کرتا جو لوگوں کے سامنے کرتا اور نہ ہی ثواب کا ارادہ اسے عمل کرنے پر ابھارتا۔ ایسی صورت میں لوگوں کے سامنے عمل کرنے میں اگر اس کا ثواب کا ارادہ نہ بھی ہو تو ریاکاری اس کو عمل پر ابھارتی ہے۔ یہ درجہ پہلے درجہ کے قریب ہے اور اس میں جو ثواب کا کمزور سا ارادہ ہے وہ مستقل طور پر اس شخص کو عمل پر ابھانے والا نہیں، لہٰذا ایسا شخص بھی غَضَبِ الٰہی کا مستحق اور گناہ گار ہے۔

❁...**تیسرا درجہ:** تیسرا درجہ یہ ہے کہ ریاکاری اور ثواب دونوں کا ارادہ برابر ہو یعنی دونوں میں سے صرف ایک پایا جائے تو وہ عمل نہ کرے اور جب دونوں جمع ہو جائیں تو رغبت بڑھ جائے یا پھر دونوں میں سے کوئی

ایک پایا جائے تو وہ اسے عمل پر نہ ابھارے۔ ایسے شخص کا حال یہ ہے کہ اس نے جتنا سنوارا ہے اتنا ہی بگاڑا بھی ہے، توقع یہ ہے کہ اسے نہ ثواب ملے اور نہ یہ عذاب میں گرفتار ہو یا پھر جتنا اسے عذاب ہو گا اتنا ہی ثواب بھی ملے گا حالانکہ ظاہری روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ شخص بھی غَضَبِ الٰہی سے محفوظ نہیں۔ اس کے متعلق ہم نے اخلاص کے بیان میں کلام کیا ہے۔

﴾...**چوتھا درجہ:** لوگوں کا اس کے عمل پر باخبر ہونا اسے عمل کرنے پر مزید چست کر دے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر بھی وہ عمل کو ترک نہ کرے اور اگر اس کا مقصد محض ریاکاری ہو تو یہ عمل ہی نہ کرے۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ اس کے متعلق بہتر جانتا ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس کا ثواب ضائع نہ ہو گا مگر تھوڑا کم ہو جائے گا یا پھر جتنی ریاکاری تھی اتنا عذاب اور جتنا ارادہ ثواب کا تھا اتنا ثواب ہو گا۔ جہاں تک رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: "میں سب سے بڑھ کر شرک سے بے نیاز ہوں"[1] تو اس سے مراد وہ صورت ہے جب ثواب اور ریاکاری دونوں کے ارادے برابر ہوں یا ریاکاری کا ارادہ غالب ہو۔

دوسرا رُکن اور اس کی دو اقسام:

وہ چیز جس کے ذریعہ ریاکاری کی جائے وہ عبادات ہیں اور عبادات کے ذریعے ریاکاری کی دو قسمیں ہیں: (۱)...اصلِ عبادات کے ذریعہ ریاکاری اور (۲)...اوصافِ عبادات کے ذریعہ ریاکاری۔

پہلی قسم:

یعنی اصل عبادات کے ذریعہ ریاکاری یہ بہت سخت ہے اور اس کے تین درجات ہیں:

﴾...**پہلا درجہ:** اصلِ ایمان کے ذریعہ ریاکاری۔ یہ ریاکاری کے باب کا سب سے زیادہ شدید درجہ ہے اور اس درجہ والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ یہ وہ شخص ہے جو **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی وحدانیت اور خَاتَمُ النَّبِیِّیْن صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی رسالت کا ظاہری طور پر اقرار کرتا ہے لیکن دل سے اس کا انکار کرتا ہے۔ ایسا شخص خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے (حالانکہ وہ منافق ہوتا ہے)۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ایسے شخص کا ذکر فرمایا ہے۔

---

[1]...مسلم، کتاب الزھد و الرقائق، باب من اشرک فی عملہ غیر اللہ، ص ۱۵۹۴، حدیث: ۲۹۸۵

ریاکار منافقوں کے متعلق چار فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ۝۱

(پ۲۸، المنافقون:۱)

ترجمۂ کنزالایمان: جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

یعنی ان کا یہ کہنا ان کے دل کے موافق نہیں۔

﴿2﴾...

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِیْ قَلْبِهٖ ۙ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۴ وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا (پ۲، البقرۃ:۲۰۴، ۲۰۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بعض آدمی وہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں اس کی بات تجھے بھلی لگے اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ لائے اور وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے۔

﴿3﴾...

وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ (پ۴، اٰل عمران:۱۱۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے۔

﴿4﴾...

یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝۱۴۲ۙ مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ (پ۵، النسآء:۱۴۲، ۱۴۳)

ترجمۂ کنزالایمان: لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں۔

ایسے لوگوں کے متعلق آیات بہت زیادہ ہیں، چونکہ ابتدائے اسلام میں نِفاق بہت زیادہ تھا، لہٰذا لوگ ذاتی غرض کی وجہ سے ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو جاتے تھے لیکن اب ہمارے زمانہ میں یہ معاملہ بہت

کم ہو گیا ہے۔ البتہ ایسے منافق اب بھی بہت ہیں جو مُلْحِدِیْن (بدمذہبوں) کی باتوں میں آکر جنّت، دوزخ اور آخرت کا انکار کر بیٹھتے ہیں یا اہلِ اِباحت کی طرف میلان کی وجہ سے شرعی احکام کی بساط ہی لپیٹ دیتے ہیں (یعنی اعمال کرتے ہی نہیں) یا پھر بدعت اور کُفر کا اِعتقاد رکھ لیتے ہیں لیکن اسے ظاہر نہیں کرتے۔ یہ تمام کے تمام منافق ریاکار ہیں جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اس ریاکاری سے بڑھ کر کوئی ریاکاری نہیں۔ ان لوگوں کا حال ظاہری کافروں سے بھی برا ہے کہ انہوں نے باطنی کفر اور ظاہری مُنافقت کو اپنے اندر جمع کیا ہوا ہے۔

⊛...دوسرا درجہ: اَصْلِ دین کی تصدیق کرنا لیکن اصل عبادت کے ذریعہ ریاکاری کرنا۔ یہ ریاکاری بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں بہت بڑا گناہ ہے لیکن پہلے درجے کے مقابلے میں کم۔ مثلاً: ایک شخص کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس ہو اور وہ لوگوں کی مذمت کے خوف سے اس کو زکوۃ نکالنے کا کہے جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ اگر وہ مال اس کے پاس ہوتا تو وہ زکوۃ نہ نکالتا۔ یونہی ریاکار پر نماز کا وقت داخل ہو گیا اور وہ لوگوں کے مجمع میں ہے تو لوگوں کو دکھانے کے لئے ان کے ساتھ نماز پڑھنے لگ گیا حالانکہ اس کی عادت ہے کہ وہ تنہائی میں نماز نہیں پڑھتا۔ اسی طرح لوگوں کے سامنے رمضان کا روزہ رکھ لیا لیکن تنہائی کی چاہت کرنے لگا تاکہ کچھ کھا پی لے۔ اسی طرح لوگوں کی مذمت کے ڈر سے نمازِ جمعہ کے لئے چلا گیا اور اگر اسے مذمت کا خوف نہ ہوتا تو نہ جاتا۔ یونہی لوگوں کی مذمت سے بچنے کے لئے رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک یا والدین کے ساتھ بھلائی کرے یا جہاد میں شرکت کرے یا فریضۂ حج کی ادائیگی کرے۔ یہ تمام اعمال ریاکاری میں داخل ہیں مگر ان سے اصل ایمان ختم نہیں ہوتا کیونکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی وَحْدانیّت کی تصدیق کرتا ہے حتی کہ اگر اسے غیرُاللہ کی عبادت کرنے یا غیرُاللہ کو سجدہ کرنے پر مجبور کیا جائے تو وہ ہرگز یہ فعل نہ کرے گا۔ تاہم وہ سستی کے باعث عبادات کو ترک کر دیتا ہے اور لوگوں کے دکھانے کے لئے بھرپور کوشش کرتا ہے۔ گویا اس کے نزدیک مخلوق میں معزز ہونا خالق عَزَّوَجَلَّ کے ہاں معزز ہونے سے زیادہ پسندیدہ ہے اور اسے لوگوں کی مذمت کا خوف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عذاب کے خوف سے زیادہ ہے۔ نیز اسے ثواب کے بجائے لوگوں کی تعریف میں رغبت ہے اور یہ انتہائی درجہ کی حَماقت و جَہالت ہے۔ ایسا شخص عقیدے کے اعتبار سے مومن تو ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غَیْظ و غَضَب کا مستحق بھی ضرور ہے۔

⊛...تیسرا درجہ: ایمان اور فرائض کے ذریعہ ریاکاری نہ کرتا ہو لیکن نوافل اور ان سنتوں کے ذریعہ ریاکاری کرے جن کے چھوڑنے پر گناہ نہیں۔ چنانچہ وہ تنہائی میں ثواب کی رغبت نہ ہونے کی وجہ سے سستی کرے اور اس سستی کو ثواب کی امید پر ترجیح دے اور ریاکاری کے لئے نوافل و مُسْتَحَبّات کو بجا لائے۔ مثلاً: وہ لوگوں کو دکھانے کے لئے باجماعت نماز پڑھے، مریض کی عیادت کرے، جنازہ کے پیچھے چلے، غُسْلِ مَیِّت میں شریک ہو، اسی طرح نمازِ تہجُّد پڑھے، عَرَفہ، عاشورہ، پیر یا جمعرات کا روزہ رکھے۔ ان تمام اعمال کو ریاکار لوگوں کی مذمت سے بچنے اور اپنی تعریف کرنے کے لئے بجالائے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ خوب جانتا ہے کہ اگر یہ تنہا ہوتا تو فرض کے علاوہ کوئی عمل نہ کرتا۔ ایسی ریاکاری بھی بہت بڑا گناہ ہے لیکن ماقبل سے کم ہے کیونکہ دوسرے درجے والے نے خالق عَزَّوَجَلَّ کی تعریف پر مخلوق کی تعریف کو ترجیح دی جبکہ اس نے بھی یہی کیا مگر اس نے یہ سب کچھ مخلوق کی مذمت کے خوف سے کیا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مذمت کے خوف سے نہیں۔ گویا لوگوں کی مذمت اس کے نزدیک اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عذاب سے بڑھ کر ہوئی۔ بہر حال اس کا نفلی عبادات کرنا عذاب سے ڈر کر نہیں تھا کیونکہ یہ جانتا ہے تھا کہ نوافل کے ترک پر عذاب نہیں۔ چنانچہ اس کی ریاکاری دوسرے درجے والے کی ریاکاری کے مقابلے میں آدھی ہے، لہٰذا اس کا عذاب بھی آدھا ہوگا۔ یہ اَصْلِ عِبادات میں ریاکاری کا بیان تھا۔

دوسری قسم:

اصل عبادات نہیں بلکہ صفاتِ عبادات کے ذریعہ ریاکاری کرنا۔ اس کے بھی تین درجات ہیں:

⊛...پہلا درجہ: ایسے فعل کے ذریعہ ریاکاری کرنا جس کے چھوڑنے سے عبادت میں کچھ نقصان ہو۔ مثلاً: کوئی شخص جلدی جلدی رکوع و سجود اور مختصر قراءت پر اکتفا کرتا ہے لیکن جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں تو وہ نہایت ہی اچھے انداز میں رکوع و سجود کرتا ہے، اِدھر اُدھر متوجہ ہونے کو ترک کر دیتا اور دو سجدوں کے درمیان سکون سے بیٹھتا ہے۔ حضرت سیِّدُنا ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "ایسا کرنے والا شخص اپنے رب تعالیٰ کی توہین کرتا ہے۔" گویا ایسا کرنے والا شخص تنہائی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے باخبر ہونے کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ جب کوئی انسان اسے دیکھتا ہے تو اس کے لئے اپنی نماز اچھی کرتا ہے۔ اسے مثال

سے یوں سمجھیں جیسے کوئی شخص کسی آدمی کے پاس چوکڑی مار کر یا ٹیک لگا کر بیٹھا ہو اور اتنے میں اس کا غلام آجائے تو سیدھا ہو کر اچھی طرح بیٹھ جائے تو یقیناً یہ غلام کو آقا پر مُقَدَّم کرنا اور آقا کی توہین کرنا ہے۔ یہی حال اس ریاکار کا بھی ہے جو بجائے تنہائی کے لوگوں کے سامنے اپنی نماز کو اچھا کرتا ہے اور یہی حال اُس شخص کا بھی ہے جو کھوٹے دینار یا بیکار بیج زکوٰۃ میں دینے کو تیار ہوتا ہے لیکن جب کوئی دیکھ لے تو اچھے مال سے زکوٰۃ نکالتا ہے تاکہ دیکھنے والا میری مذمت نہ کرے۔ اسی طرح ریاکار روزہ دار بھی ہے جو مخلوق کی خاطر بحالت روزہ غیبت اور فحش کلامی سے بچتا ہے کہ یہ میری مذمت نہ کریں اسے روزہ جیسی عبادت کی تکمیل کا کوئی پاس نہیں ہوتا۔ ریاکاری کا یہ درجہ بھی ممنوعہ ریاکاری میں داخل ہے کیونکہ اس میں مخلوق کو خالق عَزَّوَجَلَّ پر ترجیح دینا پایا جارہا ہے، لیکن یہ ریاکاری اصلِ عبادات کے ذریعہ ریاکاری کرنے کے مقابلے میں کم ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر ریاکار کہے کہ میں نے تو یہ سب لوگوں کی زبانوں کو غیبت سے بچانے کے لئے کیا ہے کیونکہ جب وہ رکوع و سجود میں کمی اور میرا دائیں بائیں متوجہ ہونا دیکھیں گے تو ان کی زبانیں مذمت اور غیبت میں کھل جائیں گی لہٰذا میرا ارادہ محض ان کو اس گناہ سے بچانے کا تھا؟

جواب: اس سے کہا جائے گا بات یوں نہیں جیسے تم سمجھ رہے ہو بلکہ یہ ایک شیطانی چال اور مکر و فریب ہے کیونکہ جو نماز ریاکار نے اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کے لئے ادا کی ہے اس میں کمی کا نقصان اسے غیبت کی وجہ سے پہنچنے والے نقصان سے زیادہ ہے اور اگر اسے اُبھارنے والا دین ہی تھا تو اسے اپنے نفس پر زیادہ خوف ہونا چاہئے۔ ایسے ریاکار کا حال تو محض اس شخص کے جیسا ہے جو بادشاہ کو ایک لونڈی تحفہ میں پیش کرتا ہے تاکہ بادشاہ اسے انعام واکرام سے نوازے یا کوئی جاگیر دے لیکن لونڈی اندھی، لولی، لنگڑی اور بدصورت ہے۔ جب بادشاہ اکیلا ہو تو یہ شخص ایسا تحفہ دینے میں کوئی پروا نہیں کرتا لیکن جب اس کے پاس اس کے غلام ہوں تو ان کی مذمت کے خوف سے تحفہ دینے سے رک جاتا ہے اور یہ بات ناممکن ہے جو بادشاہ کے غلاموں کا لحاظ کرے اسے بادشاہ کے غلاموں سے زیادہ بادشاہ کا لحاظ نہ ہو۔

اس سلسلے میں ریاکار کی دو حالتیں ہیں: **ایک** تو یہ کہ وہ ریاکاری کے ذریعہ لوگوں میں قَدْر و مَنْزِلَت اور

تعریف کا خواہش مند ہو، یہ یقیناً حرامِ قَطعی ہے اور دوسری حالت یہ کہ وہ کہے رکوع و سجود کو اچھا کرنے میں میرا اخلاص باقی نہیں رہتا اور اگر میں کمی کرتا ہوں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں میری نماز ناقص ہو جاتی ہے اور لوگوں کی مذمت وغیبت بھی مجھے تکلیف دیتی ہے لہٰذا میں اچھے رکوع و سجود سے صرف لوگوں کی مذمت کو دور کرنے کا فائدہ اٹھاتا ہوں اور اس پر ثواب کی امید نہیں کرتا اور یہ اس سے تو بہتر ہے کہ میں نماز کی اچھی ادائیگی کو چھوڑ دوں تو ثواب بھی نہ ملے اور مذمت کا سامنا بھی کرنا پڑے۔ اس میں کچھ سوچ وبچار ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ اچھی ادائیگی کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت میں مُخلِص بھی ہو، اگر اسے اخلاص کی نیت حاصل نہیں تو اسے چاہئے کہ تنہائی میں اس کی عادت بنائے۔ اس کے لئے جائز نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے ساتھ ریاکاری کر کے خود سے مذمت کو دور کرے۔ بے شک یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ ایک طرح کا مذاق ہے جیسا کہ اس کے متعلق پہلے گزرا۔

﴾...دوسرا درجہ: ایسے فعل کے ذریعہ ریاکاری کرنا جس کے ترک کرنے میں کوئی نقصان نہ ہو اور اس کو کرلینا عبادت کو تام و مکمل کرنے کے حکم میں ہو۔ مثلاً: لمبے رکوع و سجود اور طویل قیام کرنا، نماز کے لئے ہاتھ اٹھاتے وقت اچھی ہَیْئَت اختیار کرنا، تکبیر اُولیٰ کے لئے جلدی کرنا، ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف آرام سے جانا اور قراءت میں عادتاً پڑھی جانے والی سورت سے زیادہ تلاوت کرنا۔ یوں ہی رمضان کے روزوں میں تنہائی اور خاموشی زیادہ اختیار کرنا، زکوۃ ادا کرنے میں اچھے سے اچھا مال نکالنا اور کَفّارے کی ادائیگی میں مہنگا غلام آزاد کرنا۔ یہ تمام وہ افعال ہیں کہ اگر ریاکار تنہا ہوتا تو ان میں سے کوئی فِعْل نہ کرتا۔

﴾...تیسرا درجہ: ریاکار ایسے اعمال کے ذریعہ ریاکاری کرے جو نفس نوافل میں داخل نہ ہوں۔ مثلاً: دیگر لوگوں سے پہلے مسجد میں حاضر ہونا، پہلی صَف کا قصد کرنا اور امام کی دائیں جانب جگہ حاصل کرنا وغیرہ۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ باخوبی جانتا ہے کہ یہ تمام وہ افعال ہیں کہ اگر ریاکار تنہائی میں ہوتا تو کوئی پروانہ کرتا کہ کہاں کھڑا ہونا ہے اور کب تکبیر تحریمہ کہنی ہے۔ یہ سب ریاکاری کے درجات رُکنِ ثانی کے اعتبار سے تھے، ان میں سے بعض، بعض کے مقابلے میں زیادہ سخت ہیں البتہ صِفاتِ عبادات کے ذریعے ریاکاری کرنے کے یہ تمام کے تمام درجات قابل مذمت ہیں۔

تیسرا رکن:

یعنی جس کے باعث ریاکاری کی جاتی ہے کیونکہ ریاکار کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ وہ مال وجاہ کے حصول یا کسی غرض کی خاطر ریاکاری کرتا ہے۔ اس کے بھی تین درجات ہیں:

⊛...**پہلا درجہ:** یہ سب سے بڑا اور سخت درجہ ہے یعنی ریاکار کا مقصد کسی گناہ پر قادر ہونے کا ہو۔ مثلاً: کوئی شخص عبادت کے ذریعے ریاکاری کرتا ہے اور خود کو کثرتِ نوافل اور شُبہ والی چیزوں سے بچنے والا ظاہر کر کے مُتَّقِی وپرہیزگار دکھاتا ہے اور اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے امانت دار سمجھیں تو اسے قاضی یا اوقاف کا مُتَوَلِّی بنا دیا جائے یا پھر وصیتوں اور یتیموں کے مال کی ذمہ داری سونپ دی جائے یا زکوٰۃ اور صَدَقات تقسیم کرنے پر مامور کر دیا جائے تاکہ جس قدر چاہے ان مالوں میں سے ہڑپ کر جائے یا اس کے پاس امانتیں رکھوائی جائیں اور وہ انہیں ہَضْم کر کے انکاری ہو جائے یا حج کے راستے میں خرچ کئے جانے والے مال اس کے سپرد کئے جائیں اور وہ ان میں سے کچھ یا تمام مال ہتھیا لے یوں وہ گناہ بھرے مذموم مقاصد تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

بعض لوگ صُوْفِیت کا لبادہ اوڑھ کر پرہیزگاروں جیسی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور وعظ ونصیحت کرتے ہیں جبکہ ان کا مقصد بدکاری کرنے کے لئے کسی لڑکے یا عورت کو اپنی محبت کے جال میں پھنسانا ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسے لوگ علمی وفکری مجالس اور قرآن پاک کے حلقوں میں حاضر ہو کر علم اور قرآن سننے میں اپنی دلچسپی ظاہر کرتے ہیں جبکہ ان کا مقصد محض عورتوں اور اَمْرد لڑکوں کو دیکھنا ہوتا ہے۔ یوں ہی ایسے لوگ کبھی حج کے لئے رَختِ سفر باندھتے ہیں لیکن ان کا مقصد اپنے ہم سَفَر (اَمْرد) لڑکے یا عورت پر قابو پانا ہوتا ہے۔ یہ (تیسرے رکن کے اعتبار سے) ریاکاروں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کو اپنے گناہ کا ذریعہ وآلہ بنا لیا ہے اور اپنے گناہوں کو فسق وفجور کی منڈی کا سامان ٹھہرا دیا ہے۔ ان ہی ریاکاروں کے قریب قریب وہ شخص بھی ہے جو کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اسے گناہ پر تُہمت لگائی جاتی ہے لیکن وہ گناہ پر اَڑا رہ کر خود سے تہمت کو دور کرنے کے لئے تقویٰ وپرہیزگاری کا اظہار کرتا ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو امانت کا انکار کرتا ہے اور لوگ اسے (خیانت کی) تہمت لگاتے ہیں تو وہ مال صدقہ کرنا شروع کر دیتا ہے تاکہ کہا جائے کہ جو خود اپنا مال صدقہ کرتا ہے وہ کسی

اور کا مال کس طرح کھا سکتا ہے؟ اسی کی مثل وہ شخص بھی ہے جسے کسی لڑکے یا عورت کے ساتھ فعلِ بد کرنے کی طرف منسوب کیا جائے تو وہ اس تہمت کو دور کرنے کے لئے تقویٰ و پرہیز گاری کا اظہار کرے۔

❀...**دوسرا درجہ:** ریاکار کا مقصد دنیا کا کوئی جائز فائدہ حاصل کرنا ہو یعنی مال حاصل کرنا یا کسی معزز و خوبصورت عورت سے نکاح کرنا۔ مثلاً: کوئی شخص گریہ وزاری کرتا ہے اور وعظ و نصیحت میں مشغول رہتا ہے تاکہ اسے مال حاصل ہو اور عورتیں اس سے نکاح کرنے میں راغب ہوں، ایسی صورت میں چاہے اس کا مقصد یا تو کسی مُعَیَّن عورت سے نکاح کرنے کا ہو یا پھر کسی بھی خوبصورت و معزز عورت سے نکاح کرنا ہو۔ یوں ہی اس درجہ میں وہ شخص بھی شامل ہے جو عبادت گزار عالم کی لڑکی سے شادی کرنے میں رغبت رکھتا ہے اور اس عالم کے سامنے اپنے علم وعبادت کا اظہار کرتا ہے تاکہ وہ اپنی بیٹی کی اس سے شادی کروا دے۔ ریاکاری کا یہ درجہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں ریاکار نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے ذریعے دنیاوی سامان کی چاہت کی ہے، لیکن یہ درجہ پہلے والے کے مقابلے میں کم سخت ہے کیونکہ اس میں ریاکاری سے مقصود جائز کام ہے۔

❀...**تیسرا درجہ:** ریاکار کا ریاکاری سے مقصود دنیاوی فائدہ، مال کا حصول یا نکاح کا ارادہ نہ ہو بلکہ اپنی عبادت کو اس لئے ظاہر کرے تاکہ کوئی اسے حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے اور اسے خاص اور نیک لوگوں میں شمار کیا جائے اور اس کے بارے میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ عام لوگوں میں سے ہے۔ مثلاً: کوئی شخص تیز چلنے کا عادی ہو لیکن جب لوگ اسے دیکھیں تو وہ اپنی چال کو بدل دے اور جلد بازی کو ترک کر دے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ باوقار نہیں بلکہ جلد باز ہے۔ اسی درجہ میں وہ شخص بھی ہے جو ہنستا ہے یا مذاق کر بیٹھتا ہے تو ڈرنے لگتا ہے کہ کہیں لوگ اسے بنظرِ حقارت نہ دیکھیں، لہٰذا لمبی سانس لے کر استغفار کرتا ہے اور غمگین ہوتے ہوئے کہنے لگتا ہے انسان اپنے آپ سے کس قدر غافل ہے جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ خوب جانتا ہے کہ اگر یہ شخص تنہائی میں ہوتا تو یہ سب اس پر ذرا بھی گراں نہ گزرتا اسے صرف یہ خوف تھا کہ اسے عزت و توقیر کے بجائے حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے۔ اسی طرح اس درجہ میں وہ شخص بھی ہے جو ایک گروہ کو نمازِ تراویح یا تہجد پڑھتے، جمعرات یا پیر کا روزہ رکھتے یا صَدَقہ کرتے دیکھتا ہے تو ان کی مُوافَقَت کرتا ہے تاکہ لوگ اسے عبادت کے معاملے میں کاہل نہ کہیں اور اسے عام لوگوں میں سے نہ قرار دیں جبکہ یہی شخص اگر اکیلا ہوتا اور لوگوں

کے درمیان نہ ہوتا تو ان اعمال میں سے کوئی عمل بجا نہ لاتا۔

یہی مثال اس شخص کی بھی ہے جو یومِ عَرَفہ، عاشورہ یا حُرمت والے مہینوں (یعنی ذُوالقعدہ، ذُوالحِجّہ، مُحرّم اور رَجَب) میں روزہ نہ رکھنے کے باوجود پیاسا رہتا ہے لیکن لوگوں کے سامنے اس خوف سے پانی نہیں پیتا کہ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص روزہ دار نہیں ہے، لہٰذا جب لوگ اسے رزوہ دار گمان کر لیتے ہیں تو یہ ان کی وجہ سے کھانے پینے سے رک جاتا ہے یا اسے کھانے کے لئے دعوت دی جائے تو انکار کر بیٹھتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں اس کا روزہ ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ روزہ دار ہونے کی صراحت تو نہیں کرتا لیکن یہ کہہ دیتا ہے کہ مجھے عُذر ہے۔ یوں یہ شخص دو خباثتوں کو اپنے اندر جمع کر لیتا ہے: ایک اپنے روزہ دار ہونے کی ریاکاری (جبکہ حقیقت میں وہ روزہ دار بھی نہیں) دوسرا اپنے مُخلِص ہونے کی ریاکاری، لہٰذا وہ اس بات سے بچتا ہے کہ لوگوں میں اس کی عبادات کا تذکرہ ہو لیکن ریاکاری میں یوں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس کے دل میں یہ چاہت ہوتی ہے کہ لوگ اس کے بارے میں یہ کہیں کہ یہ شخص اپنی عبادات کو چھپانے والا ہے۔ ایسا شخص اگر پانی پینے پر مجبور ہو جائے تو اپنے بارے میں صَراحۃً یا کِنایۃً عذر پیش کرنے سے صَبْر نہیں کرتا یا تو اپنی ایسی بیماری ظاہر کر دیتا ہے جو شِدّتِ پیاس کی باعث ہو اور روزہ رکھنے سے مانع ہو یا کہہ دیتا ہے کہ میں نے فلاں کا دل رکھنے کے لئے روزہ توڑا ہے۔ بسا اوقات ایسا شخص پانی پیتے ہی اپنا عذر پیش نہیں کرتا تاکہ اسے ریاکار نہ سمجھا جائے بلکہ کچھ صبر کرنے کے بعد اپنا عذر بطور حکایت پیش کرتا ہے۔ مثلاً: کہتا ہے: فلاں شخص دوستوں سے بہت محبت کرتا ہے اور خواہشمند رہتا ہے کہ کوئی انسان اس کے کھانے میں سے کھائے۔ اس نے آج مجھے دعوت پیش کی تو میں اس کا دل رکھنے کی خاطر انکار نہ کر سکا یا پھر کہتا ہے: میری ماں بہت کمزور دل اور مجھ پر بہت مہربان ہے اس کے خیال میں اگر میں نے ایک روزہ بھی رکھا تو بیمار ہو جاؤں گا لہٰذا وہ مجھے روزہ نہیں رکھنے دیتی۔ یہ اور اس قسم کی تمام باتیں ریاکاری کی نشانیاں ہیں یہ اسی وقت زبان پر آتی ہیں جب ریاکاری کی جڑ باطن میں مضبوط ہو چکی ہوتی ہے۔ جہاں تک مخلص کی بات ہے تو اسے مخلوق کی نظر کی کوئی پروا نہیں ہوتی اگر اسے روزہ کی رغبت نہ ہو تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بات کو بخُوبی جانتا ہے کہ وہ اس بات کا ارادہ ہرگز نہیں کرتا کہ اس کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھا جائے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم کے خلاف ہو اور یوں وہ اپنی عبادت میں

ریاکاری کی ملاوٹ کرنے والا ہو جائے۔ اگر اسے روزے کی چاہت ہوتی ہے تو اس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کے روزے دار ہونے پر صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی باخبر ہو اس کے علاوہ کوئی مُطَّلَع نہ ہو۔ بعض اوقات کسی کو یہ خیال آتا ہے کہ اگر وہ اپنی عبادت کو ظاہر کرے گا تو لوگ اس کی پیروی کریں گے اور لوگوں کی عبادت میں رغبت بڑھ جائے گی مگر اس کی اس نیت میں شیطان کا مکروفریب بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق تفصیل اور شرائط آگے آرہی ہیں۔

یہ تمام کے تمام ریاکاری کے درجات اور ریاکاروں کی مختلف قسموں کے مراتب تھے جو کہ سب کے سب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی اور عذاب کا باعث ہیں۔ ریاکاری مہلکات میں انتہائی شدید ہے اس کی شدت میں سے ایک بات وہ بھی ہے جو حدیثِ پاک میں بیان کی گئی کہ ریاکاری کا اثر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔ اس میں بڑے بڑے عُلَما پھسل جاتے ہیں تو ان جاہلوں کا ذکر ہی کیا جنہیں نفس کی آفتوں کا علم ہے نہ دل کے فریبوں کا۔

چوتھی فصل: چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ریاکاری کا بیان

ریاکاری کی دو قسمیں ہیں: (۱)... جلی (جو بالکل واضح ہو) اور (۲)... خفی (جس میں پوشیدگی ہو)۔

✿... جلی ریاکاری وہ ہے جو عمل پر ابھارتی اور اس کی ترغیب دیتی ہے اگرچہ ثواب کی نیت ہو۔

✿... خفی ریاکاری وہ ہے جو تنہا عمل پر نہیں ابھارتی لیکن ثواب کی نیت سے کیا جانے والا عمل اس کے سبب کچھ آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً: ایک شخص ہر رات تَہَجُّد پڑھنے کا عادی ہے اور یہ عمل اسے مشکل بھی لگتا ہے لیکن جب اس کے پاس کوئی مہمان آجائے وہ چُست ہو جاتا ہے اور رات کو اٹھنا اسے آسان لگتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اگر ثواب کی امید نہ ہوتی تو محض مہمان کو دکھانے کے لئے وہ تہجد نہ پڑھتا۔ اس سے بھی زیادہ پوشیدہ وہ ریاکاری ہے جو نہ عمل میں مُؤَثِّر ہوتی ہے نہ آسانی پیدا کرتی ہے لیکن اس کے باوجود دل میں موجود ہوتی ہے، چونکہ عمل میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، لہٰذا اس کو علامات ہی کے ذریعہ پہچانا جا سکتا ہے اس کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ بندہ اپنی عبادت پر لوگوں کے مطلع ہو جانے پر خوش ہوتا ہے۔ چنانچہ کتنے ہی

بندے ایسے ہیں جو اپنے عمل میں مخلص ہوتے ہیں، وہ ریاکاری کا تصور نہیں کرتے بلکہ اسے ناپسند کرتے ہوئے اپنے عمل کو پورا کرتے ہیں لیکن جب لوگوں کو ان کے عمل کی خبر ہوتی ہے تو انہیں اس سے خوشی و راحت محسوس ہوتی ہے اور عبادت کی مَشَقَّت ان کے دل سے دور ہو جاتی ہے۔ ان کی یہ خوشی اس پوشیدہ ریاکاری پر دلالت کرتی ہے جس سے سرور پیدا ہوتا ہے، اگر دل لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہو تو لوگوں کے مطلع ہونے کے سبب خوشی بھی نہ ہو۔ جس طرح پتھر میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے اسی طرح ریاکاری دل میں گھر کئے ہوتی ہے، لہٰذا لوگوں کے مُطَّلَع ہونے پر خوشی و سرور حاصل ہوتا ہے پھر جب بندہ اس اطلاع کے سبب سرور کی لذت کو محسوس کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کراہیت نہیں پاتا تو یہ بات ریاکاری کی پوشیدہ رگ کے لئے قوت اور غذا بن جاتی ہے حتّٰی کہ وہ شخص اپنے اندر کوئی پوشیدہ حرکت محسوس کرتا ہے پھر وہ چاہتا ہے کہ اس کا عمل صراحت کے ساتھ اگرچہ نہیں لیکن کسی بھی سبب سے اشارۃً یا کنایۃً لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ بعض اوقات پوشیدہ ریاکاری میں مبتلا شخص ڈرتا ہے اور صراحتاً و اشارۃً ریاکاری کا اظہار نہیں کرتا لیکن عادات و صفات کے ذریعے اظہار کر دیتا ہے۔ مثلاً کمزوری ظاہر کرنا، چہرے پر زردی، آواز پست، ہونٹوں اور تھوک کی خشکی، آنسوں کے آثار اور نیند کا غلبہ ظاہر کرنا جو کہ تہجد گزار ہونے پر دلالت کرے اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ریاکاری یہ ہے کہ بندہ نہ اپنی عبادت کو ظاہر کرنا چاہے نہ ہی اس کے ظہور سے خوشی ہو لیکن اس کے باوجود یہ تمنا کرے کہ جب لوگ اسے دیکھیں تو سلام میں پہل کریں اور اس کے ساتھ عزت وخندہ پیشانی سے پیش آئیں، اس کی تعریف کریں، اس کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ خرید و فروخت میں اس کے ساتھ رعایت برتیں اور اس کے لئے جگہ کشادہ کریں نیز اگر کوئی ان معاملات میں سے کسی معاملے میں کمی کرے تو اس بندے کے دل پر یہ بات گراں گزرے اور وہ اس بات کو اپنے متعلق بہت بعید خیال کرے۔ گویا یوں معلوم ہو رہا ہے کہ وہ جس عبادت کو پوشیدہ طور بجالا رہا ہے اگرچہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ اس پر مطلع ہوں لیکن اس کے سبب اپنی تعظیم واحترام چاہتا ہے۔ اگر اس نے یہ عبادت نہ کی ہوتی تو اسے لوگوں کا اپنی شان میں کوتاہی کرنا برا معلوم نہ ہوتا، لہٰذا جب تک مخلوق کے متعلق عبادت کا وجود عدم کی طرح نہ ہو جائے انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم پر قناعت کرنے والا نہیں کہلائے گا

اور نہ ہی وہ اس ریاکاری کے اثر سے پاک کہلائے گا جو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔[1] مذکورہ تمام صورتوں میں اجر و ثواب ضائع ہو سکتا ہے اور اس سے صِدِّیْقِیْن ہی بچ سکتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا علی المرتضٰی کَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم سے مروی ہے: بے شک اللہ عَزَّ وَجَلَّ بروزِ قیامت عُلَما سے فرمائے گا: ''کیا تم پر کشادگی نہیں کی گئی تھی...؟ کیا تمہیں سلام میں پہل نہیں کی گئی تھی...؟ کیا تمہاری ضرورتیں پوری نہیں کی گئیں تھیں...؟'' حدیثِ پاک میں (ریاکاروں کے متعلق مروی) ہے: ''تمہارے لئے کوئی اجر نہیں، تم اپنا اَجر لے چکے ہو۔''[2]

ایک درویش کا قصہ:

حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مبارک رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: حضرت سَیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه سے مروی ہے کہ ایک درویش نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ہم نے سرکشی کے خوف سے اپنی اولاد و مال کو چھوڑا اب ہمیں ایسے خوف نے آلیا ہے جو مال داروں کے مال کے سبب سرکشی میں پڑ جانے کے خوف سے زیادہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ جب اس سے کوئی ملے تو اس کے دینی مرتبے کی وجہ سے اس کی تعظیم کرے اور جب ہم کسی کے سامنے کوئی حاجت پیش کریں تو ہمارے دینی مقام کی وجہ سے فوراً پوری کر دی جائے، کسی سے کوئی چیز خریدیں تو ہمارے دینی مَنْصَب کے سبب ہم سے رعایت کی جائے۔ جب یہ بات اس وقت کے بادشاہ کو پہنچی تو وہ ایک لشکر کے ساتھ آیا یہاں تک کہ جنگل و پہاڑ لوگوں سے بھر گئے۔ درویش نے دیکھا تو کہا: یہ کیا ہے؟ ان سے کہا گیا بادشاہ آپ کی زیارت کو آیا ہے۔ درویش نے غلام سے کہا: مجھے کھانا دو۔ غلام نے ساگ، زیتون اور کھجور کے خوشے حاضر کر دیئے تو درویش نے اپنا بڑا سا منہ کھولا اور بڑے بڑے لقمے کھانے لگا۔ بادشاہ نے لوگوں سے پوچھا: تمہارا وہ درویش کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا: یہی تو ہے۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: تم کیسے ہو؟ اس نے کہا: لوگوں کی طرح ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا: میں خیریت سے ہوں۔ بادشاہ نے کہا: اس کے پاس کوئی خیر نہیں اور یہ کہہ کر چلا گیا۔ درویش نے اس

1 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الکوفیین، حدیث ابی موسی الاشعری، ٧/ ١٣٦، حدیث: ١٩٦٢٥

2 ...الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرة الثانیة: الشرک الاصغر وھو الریاء، ١/ ٩٣

کے جانے کے بعد کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ہے جس نے تجھے مجھ سے پھیر دیا اور تو نے میری مذمت کی۔

معلوم ہوا کہ مُخْلِصِیْن پوشیدہ ریاکاری سے بھی ڈرتے ہیں اور اپنی نیکیاں چھپانے کے لئے لوگوں کو دھوکے میں رکھتے ہیں نیز انہیں اپنی نیکیاں چھپانے کا اتنا لالچ ہوتا ہے جتنا عام لوگوں کو گناہ چھپانے کا بھی نہیں ہوتا۔ یہ تمام کا تمام اس امید پر ہوتا ہے کہ ان کے اعمال خالص ہو جائیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ بروزِ قیامت مخلوقات کے مجمع کے سامنے انہیں اخلاص کی جزا عطا فرمائے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کے دن خالص اعمال ہی کو قبول فرمائے گا اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس دن انہیں اعمالِ صالحہ کی شدید حاجت ہوگی اور وہ ایسا دن ہوگا جب اعمال صالحہ کی کمی کا سامنا ہوگا۔ اس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے، باپ اپنے بیٹے کی کوئی مدد نہ کرسکے گا حتّٰی کہ صَدِّیْقِیْن بھی اپنی فکر میں مبتلا ہوں گے اور نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے جب صِدِّیْقِیْن کا یہ حال ہوگا تو دوسرے کس شمار میں ہوں گے۔ اسے آپ مثال سے یوں سمجھیں جیسے حج کا ارادہ کرنے والے جب بَیْتُ اللہ شریف کی زیارت کی نیت سے مَکَّۂ مُکَرَّمہ روانہ ہوتے ہیں تو اپنے ساتھ خالص مغربی سکّے لے کر جاتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اہل عرب کے یہاں رَدّی اور کھوٹے سکے نہیں چلتے اور دِیارِ غیر میں ضرورت بھی زیادہ ہوتی ہے، نہ وہ اپنا وطن ہے کہ پناہ لی جائے اور نہ کوئی دوست ہے جو مدد کرے لہٰذا خالص سکے لے جانے میں ہی عافیت ہے۔ اسی طرح اہلِ دل قیامت اور اس دن کام آنے والے توشہ پر نظر رکھتے ہیں اور وہ توشہ تقوٰی ہے۔ پوشیدہ ریاکاری کے اثرات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں لہٰذا جب تک بندہ اپنی عبادت پر انسان یا جانور کے مطلع ہونے میں فرق محسوس کرتا ہے تو سمجھ لے اس میں ریاکاری کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور موجود ہے اور جب بندہ جانوروں سے بھی اپنی طمع ختم کرلے تو پھر اسے پروا نہیں ہوتی ہے اس کے پاس جانور ہیں یا دودھ پیتے بچے، وہ اس کی حرکات کو دیکھ رہے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ مخلص اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم پر قناعت کرنے والا ہوگا تو اسے عقلمند لوگ بھی حقیر لگیں گے جیسا کہ وہ بچوں اور جانوروں کو حقیر خیال کرتا ہے اور اسے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ بے شک جس طرح بچے، پاگل اور جانور اس پر کوئی قدرت نہیں رکھتے اسی طرح یہ عقل مند بھی اس کے رزق، موت، زیادتی ثواب، عذاب یا کسی نقصان کے مالک نہیں۔ اگر کسی کی یہ سوچ نہ ہو تو اس میں ریاکاری کا اثر موجود ہے لیکن ریاکاری کا ہر اثر عمل

کو برباد کرنے والا اور اَجْر کو ضائع کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ اس میں تفصیل ہوتی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی کی نیکیوں کا چرچا ہوتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے، تو کیا ہر خوشی قابل مذمت ہے یا بعض قابل تعریف بھی ہیں؟ **جواب:** پہلے ہم یہ بیان کر دیں کہ ہر خوشی قابل مذمت ہے ایسا ہر گز نہیں بلکہ خوشی دو طرح کی ہوتی ہے: (۱)... قابل تعریف اور (۲)... قابل مذمت۔

قابل تعریف خوشی:

قابل تعریف خوشی کی چار قسمیں ہیں:

❁...**پہلی قسم:** انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کے لئے اپنی عبادت واخلاص کو پوشیدہ رکھے اور جب لوگ اس کی عبادت پر مطلع ہوں تو اس کی نسبت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف کرے کہ اسی نے لوگوں کو مطلع کیا اور اس کی اچھائیاں ان پر ظاہر فرمائیں، بلکہ اسے اس بات پر دلیل بنائے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے ساتھ اچھا معاملہ فرمایا اور اس پر نظرِ کرم و نظرِ عنایت فرمائی ہے کیونکہ وہی نیکی اور گناہ کا چھپانے والا، اس کے گناہوں پر پردہ ڈال کر نیکیوں کو ظاہر فرمانے والا ہے اور گناہوں پر پردہ ڈالنے اور نیکیاں ظاہر فرمانے سے بڑھ کر کیا کرم ہو سکتا ہے؟ ایسے شخص کی خوشی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نظر کرم وعنایت کی وجہ سے ہوگی نہ کہ لوگوں کی تعریف اور ان کے دلوں میں اس کا مقام ومرتبہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ (پ۱۱، یونس: ۵۸)

ترجمۂ کنز الایمان: تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔

گویا اسے رب تعالیٰ کی بارگاہ سے مقبولیت کا پروانہ مل چکا ہے اور وہ اسی پر خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔

❁...**دوسری قسم:** اللہ عَزَّوَجَلَّ نے دنیا میں جس کی نیکیوں کا چرچا کیا اور گناہوں کی پردہ پوشی فرمائی اس شخص کا اپنی آخرت کے لئے رب تعالیٰ سے اسی طرح کی امید رکھنا۔ ساقی کوثر، شفیعِ محشر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے: "مَاسَتَرَ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدٍ ذَنْبًا فِي الدُّنْيَا اِلَّا سَتَرَهٗ عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرَةِ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ دنیا میں جس کے گناہوں

کی پردہ پوشی فرماتا ہے آخرت میں بھی اس کے گناہ ظاہر نہیں فرمائے گا۔[1]

پہلی قسم میں خوشی صرف فی الحال (یعنی دنیا میں) مقبول بارگاہ ہونے کی وجہ سے تھی جبکہ دوسری قسم میں خوشی کا تعلق مستقبل (یعنی آخرت) سے بھی ہے۔

❁...**تیسری قسم:** (جس کی نیکیوں کا چرچا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرمایا ہے) ایسے شخص کا یہ خیال کرنا کہ اس سے لوگوں کو نیکیوں پر رغبت ملے گی اور میرا ثواب دُگنا ہو گا تو اس شخص کے لئے دو ثواب ہیں اولاً اپنی عبادت کو چھپانے کا اور ثانیاً اس کی عبادت لوگوں پر ظاہر ہونے کا کیونکہ عبادت میں جس کی پیروی کی جائے اسے پیروی کرنے والے تمام لوگوں کے عمل کے برابر ثواب ملتا ہے اور کسی کے ثواب میں کمی بھی نہیں کی جاتی۔ اس سبب سے خوش ہونا بالکل درست ہے کیونکہ نَفْع کی علامات یقینی طور پر باعث لذّت و سرور ہوتی ہیں۔

❁...**چوتھی قسم:** جب لوگ عبادت کی وجہ سے اس کی تعریف کریں تو وہ اس بات پر خوش ہو کہ ان کی تعریف میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طاعت شامل ہے، انہیں عبادت گزاروں سے محبت ہے اور ان کے دل عبادت کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ کیونکہ بعض ایمان والے ایسے بھی ہیں جو نیکوکاروں کو دیکھ کر جلتے ہیں، ان سے حسد رکھتے، ان کی برائی کرتے، ان کا مذاق اڑاتے اور انہیں ریاکاری کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کی تعریف نہیں کرتے۔

یہ خوشی در حقیقت بندگانِ خدا کے ایمان کی درستی پر ہے۔ اس خوشی میں اخلاص کی علامت یہ ہے کہ جس طرح اسے اپنی تعریف پر خوشی ہوتی ہے اسی طرح دوسروں کی تعریف پر بھی خوشی ہو۔

قابلِ مذمت خوشی:

یہ خوشی کی پانچویں قسم ہے جو کہ قابل مذمت ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام و مرتبہ پائے جانے کی وجہ سے خوش ہوتا ہے حتّٰی کہ لوگ اس کی تعریف و تعظیم کرتے، بڑھ چڑھ کر اس کی ضروریات پوری کرتے اور اٹھنے بیٹھنے میں اس کے ساتھ عزت سے پیش آتے ہیں۔ یہ خوشی ناپسند ہے۔

---

[1] ...مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب بشارۃ من ستر اللّٰہ...الخ، ص۱۳۹۷، حدیث: ۲۵۹۰

پانچویں فصل: واضح اور پوشیدہ ریاکاری کے سبب اعمال برباد ہونے یا نہ ہونے کا بیان

جب بندہ اخلاص پر عبادت کی بنیاد رکھے پھر ریاکاری کا حملہ ہو تو یہ ریاکاری عبادت سے فارغ ہونے کے بعد پائی جائے گی یا دورانِ عبادت۔ پھر (دورانِ عبادت) اگر خود ہی لوگوں پر عمل ظاہر ہو جائے اور عبادت سے فارغ ہونے پر صرف خوشی پائی جائے تو اس ریاکاری کے سبب عمل برباد نہیں ہو گا کیونکہ عمل ریاکاری کے بغیر اخلاص کے ساتھ مکمل ہو گیا۔ عمل کے بعد پائی جانے والی ریاکاری کے بارے میں امید ہے کہ وہ عمل پر کوئی اثر نہیں کرے گی لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ اپنا عمل ظاہر کرنے کی کوشش بھی نہ کی ہو، نہ اسے بیان کیا ہو اور نہ ہی اس کے اظہار اور بیان کرنے کی تمنّا کی ہو بلکہ اس کا ظہور محض باری تعالیٰ کی طرف سے ہو اور بندے کو صرف خوشی اور قلبی راحت حاصل ہو۔ البتہ اگر عمل تو بغیر ریاکاری کے اخلاص کے ساتھ پورا کر لیا لیکن بعد میں ظاہر کرنے کی خواہش ہوئی اور گفتگو کے ذریعے اسے ظاہر کر دیا تو یہ صورت خطرناک ہے۔ روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عمل برباد ہو جائے گا۔ چنانچہ

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک شخص کو کہتے سنا: "میں نے گزشتہ شب سورۂ بقرہ پڑھی ہے۔" آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "اس سے تیرا حصہ اتنا ہی تھا۔"

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں عرض کی: "یا رسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! میں نے عُمْر بھر روزہ رکھا ہے۔ ارشاد فرمایا: "نہ تو نے کبھی روزہ رکھا نہ افطار کیا۔"[1]

ایک قول کے مطابق آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ فرمانا اس وجہ سے تھا کہ اس نے اپنے عمل کو ظاہر کر دیا تھا جبکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں صومُ الدَّھر (پے در پے روزے رکھنے) کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ بہر حال صورتِ حال جو بھی تھی رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور حضرت ابنِ مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے فرمان سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ بوقتِ عبادت اس شخص کا دل ریاکاری سے خالی نہ تھا

[1] ... الزھد لابن مبارک، باب ماجاء فی الخشوع والخوف، ص ۵۰، حدیث: ۱۵۳

اور اس کا ارادہ ریاکاری کا تھا اسی لئے اس نے گفتگو کے ذریعے اپنا عمل ظاہر کر دیا۔ لیکن عمل پورا ہو جانے کے بعد طاری ہونے والی ریاکاری عمل کا ثواب ضائع کر دے یہ بہت بعید ہے بلکہ قیاس کے مطابق یہ کہنا زیادہ درست ہے کہ اس نے جو عمل کر لیا اس پر اسے ثواب ملے گا اور عمل سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کو ریاکاری کا ذریعہ بنانے کی وجہ سے اس کی پکڑ ہو گی بخلاف اس شخص کے جس کا ارادہ دورانِ نماز ہی ریاکاری کی طرف چلا گیا کیونکہ اس طرح بسا اوقات نماز باطل ہو جاتی ہے اور عمل برباد ہو جاتا ہے۔

دورانِ عمل ریاکاری کا حملہ:

جب فراغتِ نماز سے قبل ہی ریاکاری کا حملہ ہو۔ مثلاً: کسی نے اخلاص کی بنیاد پر عمل شروع کیا اور دورانِ عمل ریاکاری نے آگھیرا تو اس وقت محض خوشی کا غَلَبہ ہو گا جس سے عمل پر کوئی اثر نہیں ہو گا یا پھر وہ ایسی ریاکاری ہو گی جو عمل پر ابھارے گی۔ اگر وہ ریاکاری عمل پر اُبھارے اور اسی پر عبادت کا اختتام ہو تو اسے ثواب حاصل نہ ہو گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص نفل نماز ادا کر رہا تھا اچانک کوئی حَسِیْن مَنْظَر اس کے سامنے آگیا یا کوئی بادشاہ آگیا اب وہ چاہتا ہے کہ اس کی طرف دیکھے یا اسے اپنا بھولا ہوا مال یاد آگیا اور وہ چاہتا ہے کہ جا کر اسے پالوں اور اگر لوگ نہ ہوتے تو وہ نماز توڑ کر چلا بھی جاتا لیکن لوگوں کی مذمت سے بچنے کے لئے اس نے اپنی نماز پوری کی تو اس کا عمل ضائع ہو گیا، اگر نماز فرض تھی تو لوٹانا واجب ہے۔[1]

سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اَلْعَمَلُ کَالْوِعَاءِ اِذَا طَابَ اٰخِرُہٗ طَابَ اَوَّلُہٗ یعنی عمل برتن کی طرح ہے اگر اس کا آخر اچھا ہو تو اوّل ضرور اچھا ہو گا۔"[2] یعنی عمل کے اختتام تک اخلاص قائم رکھو۔

ایک روایت میں ہے: "جس نے لمحہ بھر اپنے عمل میں ریاکاری کی اس کا سارا عمل برباد ہو گیا۔"[3]

اس روایت کا تعلق نماز سے ہے نہ کہ صَدَقہ اور تِلاوتِ قرآن سے کیونکہ ان میں سے ہر ایک منفرد

---

[1] ...ریاکاری کے ساتھ پڑھی گئی نماز کی صحت کا حکم تو دیا جائے مگر چونکہ اخلاص نہیں ہے ثواب نہیں ملے گا۔
(ماخوذ از بہار شریعت، حصہ ۱۶، ۳/ ۶۳۶، ۶۳۷)

[2] ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب التوقی علی العمل، ۴/ ۴۶۸، حدیث: ۴۱۹۹ بتغیر

[3] ...المصنف لابن ابی شیبة، کتاب الزھد، کلام الحسن البصری، ۸/ ۲۶۶، حدیث: ۱۱۱

حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا ان میں اگر ریاکاری پائی گئی تو بعد والے عمل کو برباد کرے گی پہلے والے کو نہیں۔ اور روزے اور حج کا معاملہ نماز کا سا ہے۔

وہ ریاکاری جو عمل کی تکمیل میں رکاوٹ نہیں بنتی:

بہرحال جب ریاکاری کا حملہ اس طرح کا ہو کہ وہ عمل کو بنیت ثواب پورا کرنے میں رکاوٹ نہ بنے۔ مثلاً: دورانِ نماز چند افراد آجائیں تو نمازی ان کے آنے پر خوش ہو جائے اور ریاکاری پیدا ہو جائے اور ان کو دکھانے کی خاطر نماز میں حُسن پیدا کرے لیکن لوگ نہ آتے پھر بھی نماز ضرور مکمل کرتا تو یہ ریاکاری بھی عمل میں مؤثر اور تبدیلی کا باعث ہے۔ اگر یہ غالب آجائے حتی کہ ارادۂ عبادت اور ثواب کا احساس جاتا رہے اور عبادت کا قصد بالکل چھپ کر رہ جائے تو اس صورت میں بھی عبادت فاسد ہو جانی چاہئے جبکہ اسی حالت میں کوئی ایک رکن ادا کر لیا ہو کیونکہ ہم اس سابقہ نیت کا اعتبار کر رہے ہیں جو بوقتِ تحریمہ کی تھی جو ہر اس برائی سے پاک تھی جو اس پر غالب آجائے اور اسے چُھپا دے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عمل کی بنیادی حالت اور ثواب کی نیت کی طرف نظر کرتے ہوئے عبادت کے فاسِد ہونے کا حکم نہ کیا جائے اگرچہ دوسرے ارادے (یعنی ریاکاری) کے غَلَبَہ کی وجہ سے پہلی نِیَّت کمزور پڑ گئی ہے۔ حضرت سیِّدُنا حارِث محاسِبی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اس سے بھی ادنیٰ بات کی وجہ سے عمل فاسد ہونے کا قول کرتے ہیں۔ چنانچہ

سیِّدُنا حارِث محاسبی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی رائے:

آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "لوگوں کے مطلع ہونے پر خوش ہونا ہی عمل کو برباد کر دیتا ہے۔" یعنی خوش ہونا گویا جاہ و مرتبے کو پسند کرنا ہے۔ مزید فرماتے ہیں: "لیکن اس بارے میں علما کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس کا عمل برباد ہو گیا کیونکہ اس نے پہلے ارادے (یعنی ارادۂ ثواب) کو توڑ دیا، مخلوق کی تعریف کی طرف متوجہ ہو گیا اور عمل کو اخلاص کے ساتھ مکمل نہ کیا جبکہ عمل اختتام پر ہی مکمل ہوتا ہے۔" اس کے بعد سیِّدُنا حارِث محاسِبی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "میں قطعی طور پر عمل کی بربادی کا حکم نہیں لگاتا کیونکہ عمل میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی لیکن بربادی سے محفوظ بھی نہیں سمجھتا۔ لوگوں

کے اختلاف کی وجہ سے میں اس بارے میں تردُّد کا شکار رہا لیکن میرا غالب گمان یہ ہے کہ اس کا عمل باطل ہو جائے گا کیونکہ اس نے ریاکاری پر اپنا عمل ختم کیا۔"

ایک استدلال اور اس کا جواب:

پھر فرماتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ حضرت حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کا فرمان ہے کہ اخلاص و ریاکاری کی دو حالتیں ہیں اگر پہلی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہو تو دوسری اسے کوئی نقصان نہیں دے گی۔ نیز مروی ہے کہ ایک شخص نے رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عرض کی: "میں اپنے عمل کو چھپاتا ہوں اور یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس پر مُطَّلَع ہو لیکن جب وہ ظاہر ہو جاتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔" اس پر سرکارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "لَکَ اَجْرَانِ اَجْرُ السِّرِّ وَاَجْرُ الْعَلَانِیَۃِ یعنی تیرے لئے دو ثواب ہیں ایک چھپانے کا اور دوسرا اظہار کرنے کا۔"[1]

قول سے اِستِدلال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: جہاں تک حضرت سَیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کے قول کا تعلق کہ "دوسری حالت نقصان نہیں دے گی" اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی حالت میں انسان عمل کو نہ چھوڑے کیونکہ جب وہ رِضائے الٰہی کا ارادہ کر چکا تو اب اسے اس قسم کا خیال نقصان نہیں دے گا، حضرت سَیِّدُنا حسن بصری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے یہ نہیں فرمایا کہ اخلاص کے بعد ریاکاری کا آجانا عمل کے لئے باعثِ نقصان نہیں۔

روایت کے متعلق حضرت سَیِّدُنا حارث محاسبی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے طویل کلام فرمایا ہے جو تین توجیہات پر مشتمل ہے:

❁...پہلی وجہ: ممکن ہے کہ اس شخص نے عمل مکمل ہونے کے بعد اس کا ظاہر ہونا مراد لیا ہو کہ حدیث پاک میں بھی فراغت سے قبل کی صراحت نہیں۔

❁...دوسری وجہ: ہو سکتا ہے وہ خوشی کا اظہار اس لئے کرتا ہو تاکہ اس نیک عمل کی پیروی کی جائے یا اس اظہار کا سبب قابلِ تعریف خوشی کے ان اسباب میں سے کوئی ہو جو ہم نے پیچھے ذکر کئے ہیں اور تعریف

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی السرور بالحسنۃ والاغتمام، ۵/ ۳۷۶، حدیث: ۷۰۰۹

و مرتبہ کی محبت اس خوشی کا سبب نہ ہو کیونکہ اسے ثواب کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ اخلاص کے ساتھ عمل کرنے والے کے لئے ایک اجر ہو اور ریاکار کے لئے دو؟

❁...**تیسری وجہ:** اکثر راویانِ حدیث نے اسے حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے غیر متّصِل روایت کیا ہے بلکہ اکثر نے تو ابو صالح پر آکر توقُّف کر لیا اور بعض نے مرفوعاً روایت کیا ہے لہٰذا ریاکاری کا حکم بیان کرنے کے لئے اس بارے میں وارد ہونے والی عمومی احادیث کا اعتبار کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔

یہ کلام حضرت سیِّدُنا حارث محاسبی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کا تھا، انہوں نے قطعی حکم تو بیان نہیں کیا البتہ عمل کے بُطلان کی طرف میلان ظاہر فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک قیاس یہی کہتا ہے کہ اتنی مقدار جو عمل میں کوئی اثر نہ کرے بلکہ عمل اسی دینی باعث (اصل نیت واخلاص) پر باقی رہے اور لوگوں پر ظاہر ہونے کی وجہ سے دل میں خوشی داخل ہو جائے تو اس سے عمل فاسد نہیں ہو گا کیونکہ اصل نیت باقی ہے اور اسی پر عمل مکمل ہوا۔

ریاکاری کے متعلق واردِ روایات کا محمل:

بہرحال جو رِوایات رِیاکاری کی مذمت میں آئی ہیں وہ اُس عمل پر محمول ہیں جو صرف مخلوق کے لئے کیا گیا ہو اور جن میں روایات میں شرکت کا تذکرہ ہے وہ اُس عمل پر محمول ہیں جس میں ریاکاری اور ثواب دونوں کا ارادہ برابر ہو یا ریاکاری غالب ہو۔ جہاں تک یہ کہنے کا تعلق ہے کہ ریاکاری کا ارادہ ثواب کے مقابلے میں کمزور ہو تو صَدَقے اور دیگر اعمال کے ثواب میں ذرا بھی کمی نہیں آئے گی، لہٰذا نماز بھی فاسد نہیں ہونی چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان پر نماز خالصتاً اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے پڑھنا فرض ہے اور خالص وہ ہوتا ہے جس میں کسی بھی چیز کی ملاوٹ نہ ہو تو اس ملاوٹ کی وجہ سے وہ اپنا فرض ادا کرنے والا نہیں۔ اس بارے میں حقیقی علم اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کو ہے۔

ہم نے "اخلاص کے بیان" میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ تفصیل کے لئے اس مقام کی طرف رجوع کریں۔ یہ حکم اس ریاکاری کا ہے جو عبادت کی نیت کے بعد دورانِ عبادت یا بعد اَز فراغت حملہ آور ہو۔

عمل کی ابتدا ہی ریاکاری پر ہو تو...!

جب عمل کی ابتدا ہی ریاکاری سے کی جائے۔ مثلاً: ایک شخص نے نماز ریاکاری کی نیت سے شروع کی اور

اسی حالت میں سلام پھیر دیا تو بالاتفاق یہ نماز شمار نہ ہوگی اور اس کی قضا لازم ہے۔[1] اور اگر دورانِ نماز اپنے ارادے پر نادم ہو کر معافی کا طلب گار ہوا اور نماز مکمل کرنے سے قبل تَوبہ واِسْتِغْفار کرلے تو اس کی نماز کے بارے میں تین قول ہیں:

❁...**پہلا قول:** ایک گروہ کہتا ہے کہ ریاکاری کی وجہ سے اس کی نماز نہ ہوئی اسے چاہئے کہ دوبارہ پڑھے۔

❁...**دوسرا قول:** ایک گروہ کے نزدیک اس پر افعال یعنی رکوع و سجود وغیرہ لوٹانا واجب ہے۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ اس کے تمام افعال فاسد ہوگئے کیونکہ تحریمہ ایک عقد ہے اور ریاکاری دل میں پیدا ہوتی ہے جو اسے ختم نہیں کرسکتی۔

❁...**تیسرا قول:** ایک گروہ کہتا ہے اس پر کچھ لوٹانا واجب نہیں۔ بس دل سے استغفار کرے اور اخلاص کے ساتھ اپنی عبادت مکمل کرے کہ اعتبار عمل مکمل ہونے کا کیا جاتا ہے۔ مثلاً: کوئی اخلاص پر عمل کی بنیاد رکھے اور ریاکاری پر اس کا خاتمہ ہو تو یقیناً اس کا عمل برباد ہے۔

یہ گروہ اس عبادت کو نجاست میں لتھڑے اس سفید کپڑے سے تَشْبِیہ دیتے ہیں کہ جب نجاست اس سے دور کردی جائے تو وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ نماز اور رکوع و سجود اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے لئے تھے اگر وہ غیرُاللہ کے لئے سجدہ کرتا یقیناً کافر ہوجاتا لیکن اسے عارِضی طور پر ریاکاری نے آگھیرا تھا جب ندامت و توبہ کے ذریعے اسے دور کردیا اور اس حال پر لوٹ آیا کہ اب اسے لوگوں کی تعریف و مذمت کی کچھ پروا نہ رہی تو اس کی نماز درست ہوگئی۔

آخری دونوں گروہ کے اقوال فِقْہی قیاس سے بہت دور ہیں خصوصاً جنہوں نے تکبیر تحریمہ کے بغیر صرف رکوع و سجود لوٹانا ضروری کہا ہے کیونکہ اگر رکوع و سجود درست نہ مانے جائیں تو یہ افعال نماز میں زیادتی کا سبب بنیں گے اور نماز فاسد ہوجائے گی۔ اسی طرح جنہوں نے اختتام کا اعتبار کرتے ہوئے کہا کہ "اگر عبادت کا اختتام اخلاص پر ہو تو وہ درست ہے" یہ قول بھی ضعیف ہے کیونکہ ریاکاری نیت میں خرابی پیدا کرتی ہے اور نیت میں ابتدائی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

---

[1]...اس کے متعلق حاشیہ صفحہ نمبر 909 پر ملاحظہ فرمائیں۔

فقہی قیاس کے مطابق یہ کہنا زیادہ دُرُست ہے کہ اگر اسے صرف ریاکاری نے عمل پر اُبھارا، ثواب کی نیت نہ تھی تو نہ عبادت کی ابتدا درست ہوئی نہ بعد والا کوئی فعل۔ اس طرح کا معاملہ اس کے ساتھ پیش آتا ہے جو تنہائی میں تو نماز نہیں پڑھتا لیکن لوگوں کی موجودگی میں نماز شروع کر دے حتی کہ اس کے کپڑے ناپاک ہوں پھر بھی لوگوں کی وجہ سے نماز کے لئے کھڑا ہو جائے۔ یہ نماز بغیر نیت کے ہے کیونکہ نیت نام ہے دینی سبب سے حکم بجالانے کا اور یہاں نہ سبب دینی ہے نہ عمل دینی حکم کی وجہ سے ہے۔

عمل ایک نیتیں دو:

اگر کوئی شخص تنہائی میں بھی نماز پڑھنے کا عادی ہے لیکن لوگوں کی موجودگی میں اس لئے بھی پڑھتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں تو اس صورت میں عمل پر ابھارنے والے دو سبب جمع ہو گئے۔ اب یہ صورت صَدَقہ، تلاوتِ قرآن اور اس عمل میں پائی جائے گی جس میں حلال و حرام نہیں یا پھر نماز و حج میں۔

اگر صَدَقہ میں یہ صورت پائی جائے تو ریاکاری کے سبب نافرمان شمار ہو گا اور ثواب کے ارادے کے سبب عمل بجالانے پر فرمانبردار شمار ہو گا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝

ترجمۂ کنز الایمان: تو جو ایک ذرّہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرّہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔

(پ۳۰، الزلزال: ۷، ۸)

پس درست ارادے کی مقدار اس کے لئے ثواب ہے اور فاسد ارادے کی مقدار عذاب۔ ان میں سے کوئی دوسرے ارادے کو بیکار نہیں کرتا۔

فرض و نفل میں ریاکاری کی نیت کا فرق:

اگر نماز کی حالت میں کسی کی نیت میں فُتُور آجائے تو دیکھا جائے گا کہ وہ نماز فرض ہے یا نفل، اگر نفل ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو صَدَقے کا ہے یعنی نافرمان بھی شمار ہو گا اور فرمانبردار بھی، کیونکہ اس کے دل میں دو سبب جمع ہو گئے۔ لیکن یہ ہرگز نہیں کہا جائے گا کہ اس کی نماز فاسد اور اس کی اِقتِدا باطل ہے حتّٰی کہ اگر کوئی شخص نمازِ تراویح پڑھا رہا ہے اور حالات بتاتے ہیں کہ یہ اچھی قراءت کے ذریعے ریاکاری کر رہا ہے اور اگر اس

کے پیچھے لوگ نہ ہوتے اور یہ گھر میں اکیلا ہوتا تو نماز ہی نہ پڑھتا (پھر بھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ) اس کی اقتدا درست نہیں بلکہ اس طرح کی سوچ سے بھی بچنا چاہئے اور مسلمان کے بارے میں یہی گمان کرنا چاہئے کہ وہ اپنے نفل سے بھی ثواب کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کی نماز اور اس کی اقتدا درست ہے اگرچہ اس کا کوئی اور بھی ایسا ارادہ ہو جس کے سبب وہ نافرمان و گناہگار شمار ہو۔

اگر فرض نماز میں دو سبب جمع ہو جائیں جن میں سے کوئی بھی مستقل نہ ہو بلکہ دونوں کا مجموعہ عمل کا باعث ہو تو وجوب ساقط نہیں ہوگا کیونکہ عمل کا باعث اس شخص کے حق میں کوئی ایک مستقل نہیں پایا گیا۔ اور اگر ہر باعث مستقل ہو مثلاً ریاکاری کا غلبہ نہ ہوتا پھر بھی فرض ادا کرتا یا فرضیت کا سبب نہ پایا جاتا پھر بھی ریاکاری کی وجہ سے نفل نماز شروع کر دیتا تو یہ صورت غور طلب ہے اور اس میں کئی احتمالات ہیں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس پر خالصتاً اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے نماز پڑھنا واجب تھا لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ اس پر ایک مستقل باعث کے ذریعے حکم کی تعمیل کرنا واجب تھا اور اس نے ایسا کیا پس اس کے ساتھ کسی دوسرے باعث کا مل جانا فرضیت کے سُقُوط سے مانع نہیں جیسا کہ اگر کوئی شخص مغصوبہ زمین پر نماز ادا کرتا ہے تو وہ اصل نماز کے اعتبار سے فرمانبردار شمار ہوگا اور فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اگرچہ اس اعتبار سے گناہگار ضرور ہوگا کہ اس نے غصب شدہ زمین میں نماز ادا کی۔ یہ مُتَعارِض اِحتِمالات اسبابِ نماز کے مختلف ہونے کی بنا پر ہیں۔

بہر حال جب ریاکاری اصل نماز کے بجائے اس کی طرف سبقت کرنے میں پائی جائے۔ مثلاً: کوئی شخص جماعت میں حاضر ہونے کے لئے تو اوّل وقت میں جائے لیکن جب تنہا نماز پڑھے تو درمیانی وقت تک مُؤَخَّر کرے اور اگر فرض کے علاوہ کوئی نماز ہو تو ریاکاری کی وجہ سے شروع ہی نہ کرے۔

یہ اُمور نماز کی صحت اور فَرضِیت کے سُقُوط سے مانع نہیں کیونکہ نماز کا اصل باعث نیت ہے اور وقت کی تعیین کا نیت سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا تعیین وقت کے ذریعے اصل نماز کی نیت میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔

خلاصۂ کلام:

مذکورہ بیان اس ریاکاری کے بارے میں تھا جو عمل کا سبب بنتی اور عمل پر ابھارتی ہے۔ بہر حال عمل لوگوں پر ظاہر ہونے کے سبب صرف خوشی حاصل ہونا نماز کو فاسد نہیں کرے گا جبکہ عمل میں کسی قسم کا اثر

ظاہر نہ ہو۔ یہی وہ تفصیل ہے جسے ہم نے فقہی قیاس کے زیادہ مُوافق سمجھا۔ یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہے اسی لئے فُقہائے کِرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام نے اس کے متعلق گفتگو نہیں فرمائی اور جن حضرات نے اس کے بارے میں غور وفکر کیا بھی تو انہوں نے نماز کی صحت وعدمِ صحت میں فقہی قیاس اور فتاویٰ کے تقاضوں کا لحاظ نہیں کیا بلکہ دلوں کی پاکیزگی اور اخلاص پیدا کرنے پر زور دیتے ہوئے ادنیٰ سے شائبہ کے سبب عبادات کو فساد پر محمول کر دیا جبکہ اس بارے میں ہم نے جو کچھ بیان کیا ہماری نظر میں وہی زیادہ بہتر ہے اور اس بارے میں حقیقی علم اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ہے، وہی ہر چھپے اور ظاہر کو جاننے والا ہے اور وہی ہے بڑا مہربان رحمت والا۔

چھٹی فصل: ریاکاری کی دوا اور اس بارے میں دل کا علاج

اب تک کی گفتگو سے آپ نے جان لیا ہوگا کہ ریاکاری اعمال کو برباد کر دیتی ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عذاب کا سبب ہے اور بڑے مُہلکات میں سے ایک ہے اور جس کی یہ صفت ہو اسے دور کرنا ضروری ہے اگرچہ مجاہدے اور مشقتیں برداشت کر کے ہی کیوں نہ ہو کہ شفا تو بدمزہ اور کڑوی دوا پینے ہی میں ہے۔ ان مجاہدوں کی ہر ایک کو حاجت ہے کیونکہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو عقل وتمیز میں کمزور ہوتا ہے، لوگوں کو دیکھ کر ان جیسا عمل کرنا چاہتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ لوگ تَصَنُّع اور بناوٹ کا شکار ہیں پس اس پر بھی بناوٹ کی محبت غالب آجاتی ہے اور یہ عادت پختہ ہو جاتی ہے۔ عقل پختہ ہونے کے بعد جب اسے علم ہوتا ہے کہ یہ ہلاکت میں مبتلا کر دیتی ہے اس وقت تک ریاکاری اس کے دل میں جڑیں گاڑ کر مضبوط ہو چکی ہوتی ہے، اب اس سے چھٹکارا پانا سخت مجاہدے اور خواہشات کی مخالفت کے ذریعے ہی ممکن ہوتا ہے۔ الغرض سب کو مجاہدے کی حاجت ہے، اگرچہ ابتداءً کچھ مشقت ہوتی ہے لیکن بعد میں آسانی ہو جاتی ہے۔

ریاکاری کا علاج:

ریاکاری کا علاج دو طریقوں سے ممکن ہے: (۱)...جہاں سے ریاکاری نَشْوونُما پاتی ہے ان جڑوں کو ہی اکھاڑ دیا جائے اور (۲)...اس کے سبب پیدا ہونے والے خیال کو دور کیا جائے۔

❁...**پہلا طریقہ:** ریاکاری کے علاج کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کی اصل اور اس کے اسباب کو ختم کیا جائے۔ ریاکاری کی اصل جاہ ومنزلت کی محبت ہے اور اس کے طالب میں تین باتیں پائی جاتی ہیں:

طالب جاہ و منزلت کے تین اوصاف:

(۱)...تعریف کو پسند کرتا ہے (۲)...مذمت کو ناپسند کرتا ہے اور (۳)...لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس کی لالچ کرتا ہے۔

ریاکاری انہی اسباب سے جَنم لیتی ہے۔ حضرت سیِّدُنا ابو موسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی روایت اس پر شاہد ہے۔

غیرُاللہ کے لئے جہاد کرنے کی مذمت پر مشتمل چار روایات:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا ابو موسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ایک دیہاتی نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ایک شخص حَمِیت کی خاطر جہاد کرتا ہے، ایک لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام و مرتبہ بنانے کی خاطر لڑتا ہے اور ایک شخص اس لئے قتال کرتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں (کون اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں ہے؟)۔ سرکارِ دوعالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کلمہ بلند کرنے کی خاطر جہاد کرے وہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی راہ میں ہے۔"[1]

حمیّت کا مطلب ہے کہ مغلوبیت یا مغلوب ہونے کی وجہ سے مذمت کئے جانے کو ناپسند کرنا۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: جب (جنگ کے دوران) دو صفیں لڑنے کے لئے ملتی ہیں تو فرشتے اترتے ہیں اور لوگوں کے مراتب لکھتے ہیں کہ فلاں ناموری کے لئے لڑ رہا ہے فلاں بادشاہت کے لئے لڑ رہا ہے۔

بادشاہت کے لئے لڑنے سے مراد دنیاوی لالچ کی خاطر لڑنا ہے۔

﴿3﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: لوگ کہتے ہیں فلاں شہید ہے جبکہ ممکن ہے اس نے اپنی سواری کے دونوں تھیلے چاندی سے بھر رکھے ہوں۔

﴿4﴾... رسولِ اکرم، شاہ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: "جو شخص اونٹ کی رسی کے لئے جہاد کرے تو اس کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔"[2]

اس حدیث پاک میں لالچ کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1]...مسلم، کتاب الامارۃ، باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ... الخ، ص ۱۰۵۵، حدیث: ۱۹۰۴

[2]...سنن النسائی، کتاب الجہاد، باب من غزا فی سبیل اللہ... الخ، ص ۵۱۰، حدیث: ۳۱۳۵

بخل، بزدلی اور جہالت چھپانے کی خاطر ریاکاری:

بسا اوقات انسان کو تعریف کی چاہت نہیں ہوتی بلکہ مذمت کے رنج سے بچنے کے لئے عمل کرتا ہے۔ مثلاً: کوئی بخیل سخاوت کرنے والوں کے درمیان موجود ہو اور وہ کثیر مال صَدَقہ کریں تو یہ بھی تھوڑا صدقہ کر دیتا ہے تاکہ اسے بخیل نہ کہا جائے۔ اس وقت اسے تعریف کی لالچ نہیں ہوتی کیونکہ دوسروں نے اس سے زیادہ مال صدقہ کیا۔ یونہی کوئی بزدل بہادروں کی جماعت میں ہو تو اس لئے نہیں بھاگتا کہ اسے بزدل نہ کہا جائے، اس وقت وہ تعریف کا خواہاں نہیں ہوتا کیونکہ دشمن پر بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے والے اس کے علاوہ کئی موجود ہیں لیکن جب وہ تعریف سے مایوس ہو جاتا ہے تو مذمت سے بھی نفرت کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص رات بھر عبادت کرنے والوں کے ساتھ ہو تو چند رَکعات اس خوف سے پڑھ لیتا ہے کہ اسے سُست نہ کہا جائے، اسے بھی اپنی تعریف کی لالچ نہیں ہوتی۔

انسان اپنی تعریف نہ ہونے پر تو صبر کر لیتا ہے لیکن اپنی مذمت کی تکلیف پر صبر نہیں کر سکتا۔ اسی لئے بعض اوقات انسان جاہل کہلانے کے خوف سے علم کی وہ بات بھی نہیں پوچھتا جس کی اسے حاجت ہوتی ہے اور بغیر علم فتویٰ دے کر عالم بالحدیث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ وہ اس سے جاہل ہوتا ہے۔

یہ تمام مثالیں مذمت سے بچنے کی خاطر ریاکاری کرنے کی ہیں، یہ تینوں امور انسان کو ریاکاری پر اُبھارتے ہیں۔ شروع میں ہم عمومی طور پر ان کا علاج ذکر کر چکے ہیں، اب ہم ریاکاری کا مخصوص علاج ذکر کریں گے۔

ریاکاری کا مخصوص علاج:

یہ بات واضح ہے کہ انسان کسی چیز کا ارادہ اور اس میں رغبت اسی لئے کرتا ہے کہ اسے فی الحال یا مستقبل میں اپنے لئے بہتر، نفع مند اور لذیذ سمجھتا ہے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ فلاں چیز فی الحال لذیذ ہے لیکن مستقبل میں نقصان دے گی تو آسانی کے ساتھ اس میں رغبت کم ہو جاتی ہے۔ مثلاً: ایک شخص جانتا ہے کہ شہد لذیذ ہے لیکن جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زہر ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتا ہے، اسی طرح ریاکاری میں رغبت ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے نقصان کو جانا جائے۔

ریاکاری کے دنیاوی واُخروی نقصانات:

انسان کو چاہئے کہ ریاکاری کے نقصانات اور اس کے سبب ملنے والی محرومیوں کو پہچانے۔ مثلاً: دل کا سیاہ ہو جانا، فی الحال اعمالِ صالحہ سے اور آخرت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قُرب سے محروم ہو جانا، بڑے عذاب اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کا حقدار ہونا اور مخلوق کے سامنے رُسوا ہونا کہ جب تمام مخلوق کے سامنے اسے کہا جائے گا: "اے گناہ گار! اے دھوکا باز! اے دکھاوا کرنے والے! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے بدلے دنیا خریدتے ہوئے تجھے حیا نہ آئی...؟" اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کا مذاق بنا کر تو لوگوں کے دلوں کا مالک بنا، تو نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ناراض کر کے بندوں کی محبت حاصل کی، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں عیب دار ہو کر بندوں کے لئے زینت اختیار کی، اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور ہو کر بندوں کے قریب ہوا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں مذمت کا حقدار ہو کر لوگوں سے تعریف حاصل کی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کی پروانہ کرتے ہوئے تو نے بندوں کی رضا و خوشنودی کی طلب کی، کیا تیری نظر میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا رتبہ سب سے کمتر تھا...! (مَعَاذَ اللہ)

چاہئے کہ بندہ اس رسوائی کے بارے میں غور و فکر کرے اور بندوں کی طرف سے حاصل ہونے والے دنیاوی فائدے اور ان کے لئے اختیار کی جانے والی زینت کا مقابلہ اُخری اجر و ثواب کے ختم ہونے اور اعمال کی بربادی سے کرے۔ اگر اخلاص کے ساتھ کئے جانے والے ایک عمل کے سبب نیکیوں کا پلڑا بلند کیا جا سکتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ ریاکاری کے سبب فاسد ہونے والا ایک عمل برائیوں کے پلڑے میں رکھا جائے اور وہی عمل جہنّم میں داخلے کا سبب بن جائے اگرچہ اس ایک عمل کے سوا تمام اعمال درست ہوں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اگر وہ نیک عمل میں ریاکاری نہ کرتا تو اس کے سبب وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں اتنا بلند رتبہ پالیتا کہ اسے (کل قیامت میں) انبیا و صِدِّیقِین کا قُرب نصیب ہو جاتا لیکن ریاکاری کے سبب وہ مقامِ اولیا سے نکل کر جوتیوں کی جگہ پہنچ گیا ہے۔

مزید یہ کہ لوگوں کے دلوں کی رعایت کرنے کے سبب دنیا میں بھی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ لوگوں کی خوشنودی کی کوئی انتہا نہیں بعض لوگ ایک بات سے خوش ہوتے ہیں تو بعض اسی بات سے ناراض ہو جاتے ہیں اور بعض کی خوشی ہی دوسروں کی ناراضی میں ہوتی ہے اور جس نے بندوں کی خوشی کی خاطر اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ناراض کیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے ناراض ہے اور لوگ بھی ہمیشہ اس سے خوش نہیں۔ لوگوں کی تعریف سے فائدہ ہی کیا

ہے؟ آخر کیوں بندہ لوگوں کی تعریف پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خوشنودی قربان کر دیتا ہے؟ حالانکہ ان کی تعریف رزق میں اضافہ کرتی ہے نہ عمر میں اور نہ قیامت کے دن کوئی نفع دے گی جو حقیقتاً فقر وفاقے کا دن ہو گا۔

لوگوں کے مال پر نظر کیوں رکھتا ہے...؟

جہاں تک بات ہے لوگوں کے پاس موجود مال کی خواہش کی تو جان لینا چاہئے کہ دینے اور نہ دینے کے معاملے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی دلوں کو مُسَخَّر فرمانے والا ہے مخلوق کے اختیار میں نہیں اور رزق دینے والی حقیقی ذات اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ہے۔ جو شخص مخلوق سے کسی چیز کی خواہش رکھے وہ ذلت ورسوائی اٹھاتا ہے اور اگر مراد پا بھی لے تو اِحسان کے بوجھ تلے دبا رہتا ہے پھر کیوں بندہ اسے چھوڑ دیتا ہے جو کچھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پاس ہے وہ بھی اس فاسد خیال اور جھوٹی امید کے بدلے کہ جو کبھی پوری ہوتی ہے اور کبھی نہیں، اگر پوری ہو بھی جائے پھر بھی رسوائی کی تکلیف اور احسان کا بوجھ اس کی ساری لذت ختم کر دیتا ہے۔

رہی بات لوگوں کی مذمت کی تو اس سے نہ ڈرو کیونکہ ان کی مذمت سے کوئی نقصان نہیں ہونے والا، ہو گا وہی جو کچھ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لکھ دیا، نہ ان کی مذمت موت کو جلدی لا سکتی ہے نہ رزق کو مُؤَخَّر کر سکتی ہے، اگر تم جنتی ہو تو وہ تمہیں دوزخی نہیں بنا سکتی اور اگر تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب ہو تو وہ مَبْغُوض نہیں ٹھہرا سکتی، تمام ہی بندے عاجز ہیں اپنے لئے بھی کسی نفع ونقصان، موت وحیات اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے مالک نہیں۔

جب بندے کے دل میں ان اسباب کی آفت اور نقصان واضح ہو جائے گا تو اس کی رغبت بکھر جائے گی اور اس کا دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف جھکنے لگے گا کیونکہ عقلمند شخص ایسی چیز کی طرف رغبت نہیں کرتا جس میں نفع کم اور نقصان زیادہ ہو اور اس کا نقصان جاننے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اگر وہ لوگوں پر اخلاص ظاہر کرے تو ریاکاری کا علم ہونے پر لوگ اس سے نفرت کریں گے یا جب اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کا پردہ فاش کر دے گا تو لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں گے اور جان لیں گے کہ یہ شخص ریاکار اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غَضَب کا شکار ہے۔

لوگوں کی تعریف ومذمت کچھ اثر نہیں کرتی:

اگر بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے مُخْلِص ہو جائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے اخلاص کو لوگوں پر ظاہر فرما کر ان کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دے گا، لوگوں کو اس کا فرمانبردار بنا دے گا اور ان کی زبانوں پر اس کی تعریف

وتوصیف جاری فرمادے گا اگرچہ ان کی تعریف سے نہ کمال حاصل ہوتا ہے نہ ان کی مذمت نقصان دیتی ہے۔ روایت میں ہے کہ بَنُوتَمِیْم کے ایک شاعر نے کہا: میرا تعریف کرنا (لوگوں کے حق میں) زینت ہے اور میرا برائی بیان کرنا عیب ہے۔ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "تو نے جھوٹ کہا، یہ شان تو خدا تعالیٰ کی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔"(1)

جب زینت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے تعریف کرنے اور عیب اس کے مذمت کرنے میں ہے تو لوگوں کی تعریف کے سبب تیرے لئے بھلائی کیسے ممکن ہے جبکہ تو رب تعالیٰ کے ہاں قابلِ مذمّت اور دوزخی ہے اور اگر تو رب تعالیٰ کے ہاں مقبول بندوں میں سے ہے تو پھر لوگوں کی مذمت تجھے کیسے برائی پہنچا سکتی ہے؟

جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ سے ملنے والے اعلیٰ مراتب، آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی اور اس کی لازوال نعمتوں کا یقین دل میں بٹھالے تو دنیاوی زندگی میں وہ مخلوق کی ہر شے کو حقیر اور غموں سے بھرپور گمان کرتا ہے، اپنی تمام ہمت جمع کر کے اپنے دل کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف پھیر کر لوگوں کی سخت دلی اور ریاکاری کی ذلت سے خود کو بچالیتا ہے، پھر اس کے اخلاص کے باعث کچھ نورانی تَجَلِّیات اس کے دل کی طرف متوجہ ہوتی ہیں جن سے اس کا سینہ کشادہ ہوجاتا ہے اور اس پر ایسے اَسرار و رُمُوز کھلتے ہیں جن کے سبب اس کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت اور مخلوق سے وَحْشَت مزید بڑھ جاتی ہے، اس کی نظر میں آخرت عظیم تر اور دنیا حقیر ہوجاتی ہے، اس کے دل سے مخلوق کا جاہ و منصب مٹ جاتا ہے، ریاکاری کے اسباب منہ پھیر لیتے ہیں اور اخلاص کی راہ اس کے لئے آسان ہوجاتی ہے۔

مذکورہ بیان اور کچھ جو ہم نے پہلے حصے میں بیان کیا سب ریاکاری کی جڑوں کو اکھاڑنے والی علمی دوائیں ہیں۔

ریاکاری کی عملی دوا:

ریاکاری کی عملی دوا یہ ہے کہ بندہ اپنے نَفْس کو عبادات چھپانے کا عادی بنائے اور اس کی خاطر دروازہ ایسے بند رکھے جیسے گناہ چھپانے کی خاطر رکھتا ہے حتّٰی کہ اس کے دل میں یہ بات قرار پکڑ جائے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ عبادات سے باخبر ہے اور نفس غیرُاللہ کے سامنے عبادات ظاہر کرنے کی چاہت نہ کرے۔

(1) ...سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الحجرات، ۵/ ۱۷۸، حدیث: ۳۲۷۸، دون قولہ: کذبت

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابو حَفْص عُمَر بن مسلم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی مجلس میں بیٹھنے والے کسی شخص نے دنیا اور اہل دنیا کی مذمت کی تو آپ نے فرمایا: جس بات کو چھپانا چاہئے تھا تم نے اسے ظاہر کر دیا، آج کے بعد ہمارے پاس مت بیٹھنا۔

آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اس پر اس لئے پکڑ فرمائی کیونکہ دنیا کی مذمت میں زُہد وتقوٰی کا دعوٰی پوشیدہ ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ عمل پوشیدہ رکھنا ہی ریاکاری کی اصل دوا ہے۔ مجاہدے کی ابتدا میں یہ کام گراں محسوس ہوتا ہے لیکن کچھ عرصہ بتکلُّف صبر کر لیا جائے تو یہ مشقت ختم ہو جاتی ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے مسلسل لُطف وکَرَم اور اس کی توفیق سے اس میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں، لہٰذا بندے کو چاہئے کہ مجاہدہ کرتا رہے ہدایت دینا اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا کام ہے اور دروازہ کھٹکھٹاتا رہے اس کا کھلنا اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی طرف سے ہے۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نیکوں کی نیکی ضائع نہیں کرتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (پ۵، النسآء: ۴۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتا ہے۔

شیطانی وسوسوں اور نفسانی خواہشات سے چھٹکارا:

۞...دوسرا طریقہ: ریاکاری کے علاج کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ دورانِ عبادت پیدا ہونے والے خیالات کو دور کیا جائے۔ اس کے لئے ان کا علم ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ جو شخص اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے اور دل سے ریاکاری کی جڑوں کو نکال پھینکے، لالچ ختم کر دے، خود کو لوگوں کی نظروں میں گرا دے اور ان کی تعریف ومذمت کو دل میں جگہ نہ دے تو شیطان دورانِ عبادت اسے تنگ کرتا ہے اور اسے ریاکاری میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ درحقیقت شیطانی وسوسوں اور نفسانی خواہشات سے مکمل چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا ضروری ہے کہ ریاکاری کے ان خطرات کو دور کرنے کا طریقہ بھی جانا جائے۔

ریاکاری کے خطرات:

دل میں پیدا ہونے والے ریاکاری کے تین خطرات ہیں۔ کبھی تینوں بیک وقت حملہ آور ہوتے ہیں اور کبھی بالترتیب یکے بعد دیگرے۔ خطرات یہ ہیں: (۱)...فی الحال لوگوں پر عبادت ظاہر ہونے کا علم ہونا اور

فراغت کے بعد یہ امید رکھنا کہ لوگ اس پر مُطَّلَع ہوں (۲)... نفس کا یہ امید کرنا کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور لوگوں میں اس کا مقام و مرتبہ ہو اور (۳)... نفس کا اس خواہش ورغبت کو قبول کرنا اور دل پر اس خیال کا جم جانا۔ پہلے خطرے کو معرفت، دوسرے کو خواہش ورغبت اور تیسرے خطرے کو عزم وارادہ کہتے ہیں۔

پہلے خطرے کو دور کرنے کے لئے زیادہ قوت درکار ہوتی ہے اس سے قبل کے دیگر خطرات حملہ آور ہوں، جب اسے محسوس ہو کہ لوگ مطلع ہو رہے ہیں یا لوگوں کے مطلع ہونے کی خواہش پیدا ہو تو اس خطرے کو دور کرنے کے لئے اپنے آپ سے کہے: "لوگوں کے جاننے یا نہ جاننے کی تُو کیوں پروا کرتا ہے جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تیرا حال جانتا ہے، غیر کا جاننا تجھے کیا فائدہ دے گا؟"

جب لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کی خواہش ورغبت پیدا ہو تو ریاکاری کی آفات کو یاد کرے اور یہ تصور کرے کہ اس کے سبب میں کل قیامت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب کا شکار ٹھہروں گا اور جس وقت اعمال کی شدید حاجت ہو گی نامُرادی اس وقت میرا مقدر ہو گی۔ جس طرح عبادت پر لوگوں کا مطلع ہو جانا ریاکاری میں رغبت وخواہش کو بڑھا دیتا ہے اسی طرح اس کی آفات جاننے کے سبب اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے جو خواہش کا مقابلہ کرتی ہے جبکہ بندے کو یہ فکر ہو کہ خواہش اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب اور دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گی۔ مختصر یہ کہ خواہشِ نَفْس ریاکاری کو قبول کرنے کی دعوت دیتی ہے جبکہ نفرت اسے دھتکارنے کی دعوت دیتی ہے اور نفس اسی کی دعوت قبول کرتا ہے جو مضبوط وغالب ہو۔

ریاکاری کو دور کرنے والے تین امور:

ریاکاری کو دور کرنے کے لئے تین اُمور درکار ہیں: (۱)... اس کی آفات کی مَعْرِفَت وپہچان (۲)... اس سے نفرت وکراہت اور (۳)... انکار۔ بعض اوقات بندہ اخلاص کے ساتھ عبادت شروع کرتا ہے لیکن دورانِ عبادت ریاکاری کا خطرہ حملہ آور ہو کر اس طرح غالب آجاتا ہے کہ اسے معرفت اور نفرت کا خیال ہی نہیں رہتا جو کہ پہلے سے اس کے دل میں موجود تھیں، اس حملے کے سبب عابد کا دل لوگوں کی مذمت کے خوف اور ان کی تعریف کی چاہت سے بھر جاتا ہے اور حرص اس پر اتنی غالب آجاتی ہے کہ کسی دوسری چیز کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی بلکہ اس کے دل میں پہلے سے موجود ریاکاری کی آفت اور بُرے خاتمہ کا انجام بھی

یکسر غائب ہو جاتا ہے کیونکہ تعریف کی چاہت اور مذمت کے خوف نے پورے دل پر قبضہ جما لیا ہوتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے اندر غصے سے نفرت اور بُردباری پیدا کرتا ہے اور یہ عزم کرتا ہے کہ غصے کے وقت بُردباری سے کام لوں گا، پھر غصے کے کچھ ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جن کے سبب اس کا غصہ شدت اختیار کر جاتا ہے اور اس کا دل غصے سے بھر جاتا ہے، سابقہ عَزْم سے غافل ہو جاتا اور غصے کی آفت کو بھول جاتا ہے۔ اسی طرح خواہش کی لذت دل میں بھر جائے تو نورِ معرفت دل سے نکل جاتا ہے جیسے غصے کی کڑواہٹ سے بُردباری نکل جاتی ہے۔

حضرت سیِّدُنا جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے منقول روایت بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے۔ چنانچہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: "ہم نے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بَیْعَتِ رِضوان کے موقعہ پر یہ بیعت کی کہ ہم جہاد سے نہیں بھاگیں گے اور ہماری بیعت موت پر نہیں تھی۔"[1] پھر غزوۂ حُنین کے موقع پر ہم اس بیعت کو بھول گئے مگر جب غزوۂ حُنین میں پکارا گیا: "اے بیعت رضوان والو!" تو یہ سننا تھا کہ لوٹ آئے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے دل میں خوف بھر گیا تھا جس کی وجہ سے وہ سابقہ عَہْد کو (لمحہ بھر کے لئے) بھول گئے تھے حتی کہ انہیں دوبارہ یاد دلایا گیا۔

خواہشات جب اچانک حملہ آور ہوتی ہیں تو اکثر یہی حال ہوتا ہے کیونکہ اس وقت ایمان کو نقصان دینے والی شے کی معرفت و پہچان ذہن سے نکل جاتی ہے اور جب معرفت حاصل نہ رہے تو کراہت و نفرت کا اظہار نہیں ہوتا کیونکہ کراہت معرفت کا نتیجہ ہے۔

معرفت و کراہت کب نفع بخش ہے؟

بعض اوقات انسان کو معرفت حاصل ہوتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ مجھے ریاکاری کا خطرہ لاحق ہو رہا ہے جو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی کا سبب بنے گا لیکن شدّتِ خواہش کی وجہ سے وہ خطرہ برقرار رہتا ہے، نتیجتاً خواہش عَقْل پر غالب آجاتی ہے اور وہ شخص حاصل ہونے والی لذت کو دور کرنے کی قدرت کھو دیتا ہے پھر بعد میں توبہ کے حیلے بہانے تلاش کرتا ہے یا شدّتِ خواہش کے سبب اس بارے میں غور و فکر کرنے سے ہی غافل ہو جاتا

[1] ...سنن الترمذی، کتاب السیر، باب ما جاء فی بیعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۳/ ۲۱۷، حدیث: ۱۵۹۷

ہے۔ کتنے ہی عالم کہلانے والوں کی گفتگو صرف ریاکاری کے لئے ہوتی ہے اور وہ جانتے بوجھتے اسے اپنی عادت بنالیتے ہیں۔(کل قیامت میں) یہی عادت ان کے خلاف زبردست دلیل ہوگی کیونکہ وہ ریاکاری کی آفت اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں اس کے مذموم ہونے کا علم و معرفت رکھنے کے باوجود اسے قبول کرتے ہیں۔ یہ معرفت انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی کیونکہ یہ کراہت و نفرت سے خالی ہے۔ کبھی کبھی معرفت اور کراہت دونوں موجود ہونے کے باوجود انسان ریاکاری کرتا ہے کیونکہ اس وقت خواہش کے مقابلے میں کراہت بہت کمزور ہوتی ہے۔ یہ کراہت بھی بے فائدہ ہے کیونکہ کراہت کی غرض تو عمل کو چھوڑ دینا ہے۔

فائدہ تینوں امور یعنی معرفت، کراہت اور انکار کے جمع ہونے ہی میں ہے، انکار کراہت کا نتیجہ اور کراہت معرفت کا نتیجہ ہے۔ علم کا نور اور ایمان کی قوت جس قدر پختہ اور زیادہ ہو اسی قدر معرفت بھی پختہ ہوتی ہے اور غفلت، دنیا کی محبت، آخرت کو بھلا دینا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پاس جو کچھ ہے (یعنی جنت اور اس کی نعمتیں) ان کی کم فکر کرنا، دنیا کی آفات اور آخرت کی نعمتوں میں غور نہ کرنا معرفت کو کمزور کر دیتا ہے، ان میں سے بعض، بعض کا نتیجہ ہیں البتہ ان تمام کی اصل دنیا کی محبت اور خواہشات کا غلبہ ہے۔ یہی ہر برائی کی جڑ اور ہر گناہ کا منبع ہے کیونکہ دنیاوی نعمتوں اور حُبِّ جاہ کی مٹھاس دل پر قبضہ جما لیتی ہے اور آخرت کے انجام سے بے خبر اور قرآن و سنت سے دور کر دیتی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کہا جائے کہ ایک شخص اپنے اندر ریاکاری سے کراہت و نفرت پیدا کرتا ہے اور یہ کراہت اسے ریاکاری کے انکار (یعنی نہ کرنے) پر اُبھارتی ہے، اگرچہ اس کی طبیعت ریاکاری کی طرف مائل ہوتی اور اسے پسند کرتی ہے مگر وہ شخص اس چاہت اور میلان کو ناپسند کرتا ہے اور طبیعت کی پیروی نہیں کرتا۔ کیا ایسا شخص بھی ریاکاروں کی صف میں شامل ہے؟

جواب: جان لیجئے! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلَّف نہیں بنایا۔ شیطان کو وسوسے پیدا کرنے سے روکنا بندے کی طاقت میں نہیں اور نہ ہی طبیعت کو خواہشات کی طرف مائل ہونے سے روکنا اس کے بس میں ہے۔ البتہ اس بات کا ضرور مکلَّف ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور یومِ آخرت پر ایمان، دینی

علم اور معاملات کے انجام کی معرفت کے سبب ریاکاری سے پیدا ہونے والی کراہت و نفرت کے ذریعے خواہشات کا مقابلہ کرے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس نے وہ کام کر لیا جس کا وہ مکلَّف تھا۔

عَیْنِ ایمان:

ایک روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی: "ہمارے دلوں میں کچھ خیالات ایسے آتے ہیں کہ ہمارے نزدیک انہیں زبان پر لانے سے بہتر ہے کہ ہم آسمان سے گر جائیں اور پرندے ہمیں اُچک لیں یا ہوا ہمیں اڑا کر دور کسی مقام پر پھینک دے۔" رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "کیا تم نے یہ بات پائی ہے؟" عرض کی: "ہاں۔" ارشاد فرمایا: "یہ عَیْنِ ایمان ہے۔"[1]

یقیناً صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے دلوں میں وسوسوں سے کراہت ہی پیدا ہوئی ہوگی۔ یہ ممکن نہیں کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان وسوسوں کو عَیْنِ ایمان فرمایا ہو بلکہ اس سے مراد وہ کراہت ہوگی جو ریاکاری اور وسوسے کے درمیان حائل ہوتی ہے۔

ریاکاری کا نقصان اگرچہ بہت بڑا ہے لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حق میں وسوسے کا نقصان اس سے بھی بڑھ کر ہے اور جب کراہت کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بڑے نقصان (یعنی وسوسے) سے محفوظ رکھا تو چھوٹے نقصان (یعنی ریاکاری) سے بدرجہ اَولیٰ محفوظ رکھے گا۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ اِلَی الْوَسْوَسَۃ یعنی تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے جس نے شیطان کے مکر و فریب کو وسوسہ کی طرف پھیر دیا۔"[2]

سیِّدُنا ابو حازِم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا فرمان:

حضرت سیِّدُنا ابو حازِم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: تیرے دشمن (شیطان) کی طرف سے لاحق خطرے کو تیرا نَفْس بُرا جانے تو وہ خطرہ تجھے نقصان نہ دے گا اور اگر تیرا نفس اس پر راضی ہو تو نفس کو ملامت کر۔

---

1 ... سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی رد الوسوسۃ، ۴/ ۴۲۵، حدیث: ۵۱۱۱ بتغیر

2 ... سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی رد الوسوسۃ، ۴/ ۴۲۵، حدیث: ۵۱۱۲

معلوم ہوا کہ شیطانی وسوسہ اور نفسانی خیالات تجھے اس وقت تک نقصان نہیں دے سکتے جب تک تو ان سے کراہت (نفرت) اور انکار کرتا رہے۔ دلوں میں پیدا ہونے والے خطرات وخیالات جو ریاکاری کے اسباب کو ہوا دیتے ہیں وہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، ان خطرات کے بعد رغبت ومیلان کا پیدا ہونا نفس کی طرف سے ہوتا ہے اور کراہت ایمان اور عقل کی علامتوں میں سے ہے۔

شیطان جب دیکھتا ہے کہ بندہ ریاکاری کو قبول نہیں کر رہا تو وہ ایک اور مکر اپناتا ہے اور بندے کے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ تیرے دل کی اِصلاح شیطان سے جنگ کرنے اور مسلسل اس کا رد کرنے میں ہے حتّٰی کہ بندہ اخلاص کے ثواب اور حضورِ قلبی سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ شیطان کے ساتھ جنگ اور اس کا رد کرنے میں مشغول رہنا بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ مُناجات کے راز سے پھیر دیتا ہے جو کہ یقینی طور پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب پانے والے درجوں میں کمی کا باعث بنتا ہے۔

ریاکاری سے بچنے کے چار مراتب:

ریاکاری کے خطروں کو دور کرنے اور ریاکاری سے بچنے کے چار مراتب ہیں:

❀...**پہلا مرتبہ:** خطرے کو شیطان پر لوٹا کر اس کا رد کیا جائے اور اسی پر اِکتفا نہ کیا جائے بلکہ شیطان کے ساتھ جنگ شروع کر دی جائے اور یہ گمان کرتے ہوئے جنگ طویل کی جائے کہ دل کے لئے ستھرا پن اور سلامتی اسی میں ہے۔ ایسا شخص بلاشُبہ نقصان میں ہے کیونکہ وہ اپنے نیک مقصد (یعنی حُصولِ قُربِ الٰہی) اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ہم کلامی سے غافل ہو کر رہزنوں کے درپے ہو گیا اور رہزنوں کے پیچھے پڑ جانا منزل تک پہنچنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

❀...**دوسرا مرتبہ:** شیطان کے ساتھ جنگ وجِدال میں مشغول ہونے کو باعث نقصان جان کر اسے دُھتکارنے اور دور کرنے پر ہی اکتفا کیا جائے۔

❀...**تیسرا مرتبہ:** شیطان کے مکر وفریب کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کی جائے کیونکہ یہ مقصد میں رکاوٹ بنتا ہے بلکہ شیطان کے وَساوِس اور ریاکاری سے کراہت اپنے دل میں دبائے ہوئے بغیر جھٹلائے اور بغیر جنگ وجِدال کئے رِیاضت میں مشغول رہا جائے۔

❀...**چوتھا مرتبہ:** یہ یاد رکھے کہ شیطان اسی وقت شکار کرتا ہے جب ریاکاری کے اسباب پیدا ہوتے ہیں

لہٰذا پختہ ارادہ کر لیا جائے کہ جب شیطان دھوکے میں مبتلا کرے گا میں مزید اخلاص کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہو کر اور عبادات وصَدَقات کو پوشیدہ رکھ کر شیطان کو غصہ دلاؤں گا تاکہ وہ اپنے غصے کی آگ میں جلتا رہے اور مجھ سے ناامید ومایوس ہو کر ایسا بھاگے کہ دوبارہ پلٹ نہ آسکے۔

شیطان دور بھاگ جاتا ہے:

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن غزوان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن سے کہا گیا: "فلاں شخص آپ کی برائی کرتا ہے۔" فرمایا: "خدا عزوجل کی قسم! جس نے اسے اس بات پر ابھارا میں ضرور اسے غصہ دلاؤں گا۔" پوچھا گیا: "اس کو ابھارنے والا کون ہے؟" فرمایا: "شیطان۔" پھر یوں دعا کی: "اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اس شخص کو بخش دے۔" اور فرمایا: "میں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت کرکے شیطان کو غصہ دلایا اور جب شیطان بندے کی یہ عادت دیکھتا ہے تو اس سے دور بھاگ جاتا ہے کہ کہیں اس کی نیکیاں اور زیادہ نہ ہو جائیں۔"

حضرت سیِّدُنا ابراہیم تَیْمِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "شیطان بندے کو گناہ کی طرف بلاتا ہے لیکن جب بندہ اس کی اطاعت کرنے کے بجائے اس وقت کوئی نیکی کر لیتا ہے تو شیطان یہ دیکھ کر اسے چھوڑ دیتا ہے۔" مزید فرماتے ہیں: "جب شیطان تجھے شک میں مبتلا دیکھتا ہے تو تیری تاک میں بیٹھ جاتا ہے اور جب تجھے نیکیوں پر قائم پاتا ہے تو تجھ سے نفرت کرتا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔"

ریاکاری سے بچنے کے چار مراتب کی مثال:

حضرت سیِّدُنا حارِث محاسِبی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے مذکورہ چار مراتب کے لئے ایک بہت ہی پیاری مثال دیتے ہوئے فرمایا: ان کی مثال ان چار آدمیوں کی سی ہے جنہوں نے عِلْمِ حدیث کی مجلس میں حاضری کا ارادہ کیا تاکہ وہ اس سے فائدہ، فضیلت اور ہدایت ورہنمائی حاصل کریں، ایک گمراہ بے دین کو ان سے حَسَد ہونے لگا کہ یہ حق بات پہچان لیں گے۔ چنانچہ وہ ایک کے پاس گیا، اسے مجلس علم میں شرکت سے روکا اور گمراہی کی دعوت دی جسے اس شخص نے ٹھکرا دیا، جب اس گمراہ نے اس کا انکار دیکھا تو اس سے جھگڑا کرنے لگا، وہ شخص بھی اصلاح کی نیت سے اسے گمراہی سے روکنے میں مصروف ہو گیا اور اس بے دین کا یہی مقصد تھا کہ جس قدر ممکن ہو اس نیک شخص کو مجلس علم میں شرکت کرنے سے تاخیر کروائی جائے۔ پھر جب دوسرے شخص کا گزر

ہوتا ہے تو گمراہ شخص اسے بھی منع کرتا ہے اور روکتا ہے، وہ بھی رک جاتا ہے لیکن جھگڑے میں وقت ضائع کئے بغیر اسے گمراہی سے منع کر کے آگے بڑھ جاتا ہے، گمراہ شخص اس بات پر بھی خوش ہو جاتا ہے کہ برائی سے منع کرنے کی مقدار تو اسے تاخیر ہو ہی گئی۔ تیسرا شخص جب اس گمراہ کے پاس سے گزرتا ہے تو نہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے نہ ہی اسے دھتکارنے اور جھگڑا کرنے میں مصروف ہوتا ہے بلکہ اپنی راہ چلتا رہتا ہے، یہ دیکھ کر گمراہ شخص اس سے بالکل ناامید ہو جاتا ہے۔ جب چوتھا شخص اس گمراہ کے پاس سے گزرنے لگتا ہے تو اس گمراہ کو غصہ دلانے کے لئے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مجلس علم کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ پھر اگر اتفاق سے چاروں کا ایک ساتھ اس گمراہ کے پاس سے گزر ہو تو وہ پہلے تین سے تو چھیڑ چھاڑ کرے گا لیکن چوتھے کے قریب بھی نہ بھٹکے گا کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ اگر ایسا کیا تو یہ آدمی مزید تیزی سے نیکی کی طرف بڑھنے لگے گا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کہ جب انسان شیطانی وسوسوں سے محفوظ نہیں تو کیا ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ان سے بچنے کے لئے گھات لگا کر ان کا انتظار کرنا چاہئے یا اللہ عَزَّوَجَلَّ پر تَوَکُّل کر لینا چاہئے کہ وہ دور فرما دے گا یا پھر شیطان سے بے پروا ہو کر عبادت میں مشغول رہنا چاہئے؟

جواب: ہم کہتے ہیں اس بارے میں تین گروہ ہیں:

(1)... اَہلِ بصرہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یادِ الٰہی میں گم رہنے والے شیطان کے مکر و فریب سے آزاد ہیں کیونکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت میں گرفتار ہو کر ہمہ وقت اسی کی طرف متوجہ رہتے ہیں لہٰذا شیطان انہیں چھوڑ دیتا ہے اور مایوس ہو کر ان سے دور ہٹ جاتا ہے جیسا کہ وہ بوڑھوں کو شراب و زِنا کی طرف بلانے سے مایوس ہے۔ نیز یہ لوگ دنیا کی حلال و مُباح لذّتوں سے بھی خِنزِیر و شراب کی طرح بالکل منہ پھیر لیتے ہیں جس کے بعد شیطان کے لئے ان تک پہنچنے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہتا لہٰذا انہیں اس سے بچنے کی بھی حاجت نہیں۔

(2)... اَہلِ شام کے ایک گروہ کے نزدیک شیطان سے بچاؤ کی ترکیب کا محتاج وہی ہے جس کا یقین اور تَوَکُّل ناقص ہے اور جسے کامل یقین ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تدبیر میں اس کا کوئی شریک نہیں وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ وہ جانتا ہے کہ شیطان ایک گھٹیا مخلوق ہے جسے کوئی اختیار نہیں، ہو گا وہی جو اللہ عَزَّوَجَلَّ

چاہے، وہی نفع ونقصان کا مالک ہے۔ عارفِ حقیقی اس بات سے شرم محسوس کرتا ہے کہ وہ رب عَزَّوَجَلَّ کے سوا کسی سے ڈرے، وَحدانیّت کا یقین اسے ڈرنے وبچنے سے بے پروا کر دیتا ہے۔

شیطان کے مکر سے کوئی محفوظ نہیں:

(3)... اہلِ علم حضرات کا ایک گروہ کہتا ہے کہ شیطان سے بچاؤ کی ترکیب کرنا ضروری ہے۔ بصریوں نے جو بات کی ہے کہ یادِ الٰہی میں گم رہنے والے شیطان کے مکر وفریب سے آزاد ہیں، ان کے دل دنیا کی محبت سے بالکل خالی ہیں تو یہی خوش فہمی شیطان کا ہتھیار ہے اور ممکن ہے بندہ اسی سے دھوکا کھا جائے کیونکہ جب انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام شیطانی وَساوِس سے محفوظ نہیں تو کوئی دوسرا کیسے محفوظ ہو سکتا ہے۔۔۔؟ اور شیطانی وساوس صرف خواہشات اور دنیاوی محبت کے بارے میں ہی نہیں ہوتے بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اسماوصفات کے بارے میں بھی ہوتے ہیں اور کبھی شیطان بدعت وگمراہی کو اچھا بنا کر پیش کرتا ہے اور ان خطرات سے کوئی محفوظ نہیں۔ اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖۚ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖؕ

(پ۱۷، الحج: ۵۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انھوں نے پڑھا تو شیطان نے اُن کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے۔

نیز رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اِنَّهٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِی یعنی میرے دل پر پردہ آجاتا ہے۔[1] [2] حالانکہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ہمزاد شیطان ایمان لے آیا تھا اور وہ آپ کو

[1]... مسلم، کتاب الذکر والدعاء... الخ، باب استحباب الاستغفار... الخ، ص۱۴۴۹، حدیث: ۲۷۰۲

[2]... مُفَسِّرِ شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الحَنَّان اس حدیث کی شرح میں مراٰۃ المناجیح، جلد 3، صفحہ 353 پر ارشاد فرماتے ہیں: یُغَانُ غین سے بنا بمعنی پردہ، اسی لیے سفید بادل کو غین کہا جاتا ہے اس پردے کے متعلق شارحین نے بہت خامہ فرسائی کی ہے بعض کے نزدیک اس سے مراد حضور کی دنیا میں مشغولیت ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے سونا مراد ہے بعض کے خیال میں اس سے مراد اجتہادی خطائیں ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں غین سے مراد اپنی امت کے گناہوں کو...

بھلائی ہی کی دعوت دیتا تھا۔[1] تو جو گمان کر بیٹھے کہ وہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور تمام انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام سے بڑھ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت میں مشغول ہے وہ یقیناً دھوکے میں ہے۔

امن و سلامتی والا گھر اور شیطان:

شیطانی وسوسے سے تو انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام بھی محفوظ نہ رہے۔ حضرت سَیِّدُنا آدم اور حضرت سَیِّدَتُنا حوا عَلَیْہِمَا السَّلَام جنت جیسے امن و سلامتی والے گھر میں بھی اس سے محفوظ نہ رہے حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں ارشاد فرما دیا تھا:

اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَ لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَ لَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ (پ۱۶، طٰہٰ: ۱۱۷ تا ۱۱۹)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک یہ تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے تو ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے پھر تو مشقت میں پڑے بیشک تیرے لیے جنت میں یہ ہے کہ نہ تو بھوکا ہو نہ ننگا ہو اور یہ کہ تجھے نہ اس میں پیاس لگے نہ دھوپ۔

اور صرف ایک درخت سے روکا گیا تھا اس کے علاوہ ہر چیز کی اجازت تھی۔

جب ایک نبی عَلَیْہِ السَّلَام امن و سعادت والے گھر جنت میں شیطان کے وسوسے سے محفوظ نہ رہے تو ایک عام انسان کی کیا مجال کہ وہ فتنوں و مصیبتوں کی آماجگاہ اور لذتوں اور ممنوعہ خواہشات کی کان دنیا میں شیطان سے محفوظ رہ سکے۔۔۔! حضرت سَیِّدُنا موسٰی کلیمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا قول بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے پاک کلام میں نقل کرتے ارشاد فرمایا: هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ[2] اور

۔۔۔ دیکھ کر غم فرماتا ہے اور اِستِغفار سے مراد ان گنہگاروں کے لیے استغفار کرنا ہے، حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تا قیامت اپنی امت کے سارے حالات پر مُطّلع ہیں، ان گناہوں کو دیکھتے ہیں، دل کو صدمہ ہوتا ہے اس صدمے کے جوش میں انہیں دعائیں دیتے ہیں۔ (لمعات مرقات، اشعہ وغیرہ)

[1] ۔۔۔ مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، باب تحریش الشیطان، ص ۱۵۱۲، حدیث: ۲۸۱۴

[2] ۔۔۔ ترجمۂ کنزالایمان: یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا۔ (پ۲۰، القصص: ۱۵) یہ قول اس وقت کا ہے جب حضرت سَیِّدُنا موسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے مظلوم کی مدد کرتے ہوئے ایک قبطی شخص کو گھونسا مارا تھا۔ تفصیل کے لئے تفسیر "نور العرفان اور خزائن العرفان" سے اس مقام کا مطالعہ کیجئے۔

اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمام مخلوق کو شیطان سے بچنے کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ (پ۸، الاعراف:۲۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اے آدم کی اولاد خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا۔

مزید ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (پ۸، الاعراف:۲۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انھیں نہیں دیکھتے۔

الغرض قرآن پاک میں شروع سے لے کر آخر تک شیطان سے بچنے کا حکم ہے، اس صورت میں شیطان سے محفوظ رہنے کا دعوٰی کیسے کیا جاسکتا ہے۔۔۔!

محبت الٰہی کا تقاضا:

شیطان سے بچاؤ کی ترکیب کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت میں گم رہنے کے منافی نہیں کیونکہ اس سے محبت کا تقاضا ہے کہ اس کے حکم پر عمل کیا جائے اور اسی نے تو دشمن سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔ جیسا کہ کفار کے متعلق مسلمانوں کو فرماتا ہے:

وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ (پ۵، النسآء:۱۰۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور چاہیے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں۔

مزید ارشاد فرماتا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (پ۱۰، الانفال:۶۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کے مطابق جس طرح تجھ پر کافر دشمن سے بچنا لازم ہے جسے تو دیکھ بھی سکتا ہے اس سے بڑھ کر تجھ پر اس دشمن سے بچنا ضروری ہے جو تجھے دیکھ رہا ہے لیکن تو اسے نہیں دیکھ سکتا۔

خُفْیَہ دُشمن:

حضرت سیِّدُنا ابنِ مُحَیْرِیْز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کا قول ہے کہ ایک شکار ایسا ہے جسے تم دیکھ رہے ہو اور وہ تمہیں نہیں دیکھ رہا عنقریب تم اس پر کامیاب ہو جاؤ گے مگر تمہارا ایک دشمن ایسا ہے جسے تم نہیں دیکھ رہے لیکن وہ تمہیں دیکھ رہا ہے تو ممکن ہے بہت جلد وہ تمہیں شکار کرلے۔

اس سے مراد شیطان ہے۔ شیطان سے بچنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی کافر دشمن سے غفلت برتنے کی وجہ سے قتل ہو بھی جائے تو شہید ہے مگر شیطان سے بچنے میں سستی کرتے ہوئے ہلاک ہو جانا خود کو جہنّم اور دردناک عذاب پر پیش کرنا ہے، لہٰذا رب تعالٰی کی محبت میں مشغول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس سے اس نے بچنے کا حکم دیا ہے اس کی پروا نہ کی جائے۔

ہماری اس تقریر سے دوسرے گروہ (یعنی شامی گروہ) کے قول کا بُطلان بھی واضح ہو گیا جو گمان کرتے ہیں کہ بچاؤ کی ترکیب کرنا تَوَکُّل عَلَی اللّٰہ کے منافی ہے۔ جب ہتھیار اٹھانے، لشکر جمع کرنے اور خَنْدَق کھودنے سے رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے توکُّل میں کوئی کمی نہیں آئی تو جس چیز سے ڈرنے اور بچنے کا حکم اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ نے دیا ہے اس سے ڈرنا اور بچنا کیسے تَوَکُّل کے مُنافی ہو سکتا ہے؟

شیطان سے بچنے کی ترکیب کرنا توکل کے خلاف نہیں:

ہم توکل کے بیان میں وہ باتیں ذکر کریں گے جن سے واضح ہو جائے گا کہ تمام اسباب چھوڑ دینے کو توکل گمان کرنا غلط ہے اور اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے فرمان: "وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ"[1] پر عمل کرنا توکل کے خلاف نہیں جبکہ انسان یہ اعتقاد رکھے کہ نفع ونقصان اور زندگی وموت دینے والی ذات اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی ہے۔ اسی طرح شیطان سے بچنے کی ترکیب کرنا بھی توکل کے خلاف نہیں جبکہ اعتقاد یہ ہو کہ ہدایت و گمراہی اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے قبضہ واختیار میں ہے اور اسباب محض ذریعہ ہیں جن پر ہمیں اختیار حاصل ہے۔

حضرت سیِّدُنا حارِث محاسِبی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اور نورِ علم گواہی دیتا ہے کہ یہی

---

[1] ...ترجمۂ کنزالایمان: اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو۔ (پ۱۰، الانفال: ۶۰)

صحیح ہے۔ نیز بصریوں اور شامیوں کے اقوال سے لگتا ہے کہ وہ عبادت گزار ہیں جبکہ انہیں علم میں زیادہ پختگی حاصل نہیں اس لئے وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اِستِغْرَاقِ بِاللہ کے وقت جو اَحوال کبھی کبھی ان پر طاری ہوتے ہیں وہ ہمیشہ رہیں گے حالانکہ حالتیں بدلتی رہتی ہیں۔

پھر شیطان سے بچنے کے متعلق اس تیسرے گروہ کے مزید تین گروہ بن گئے۔

⊛...**پہلا گروہ:** ان کا کہنا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں دشمن سے بچنے کا حکم فرمایا ہے، لہٰذا اس دشمن کو یاد کرنے اور اس سے بچاؤ کی ترکیب کرنے سے زیادہ ہمارے دل پر کسی چیز کا غلبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ممکن ہے لمحہ بھر کی غفلت کے سبب وہ ہمیں ہلاک کر دے۔

⊛...**دوسرا گروہ:** ان کا کہنا ہے کہ پہلے گروہ کا مَوْقِف تو دل کو یکسر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے غافل اور ہمہ وقت شیطان کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور یہی شیطان کا مقصد ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر و عبادت میں مشغول رہیں اور شیطان، اس کی دشمنی اور اس سے بچنے کی حاجت کو بھی نہ بھولیں بلکہ دونوں کو جمع کر لیں کیونکہ اگر ہم کسی وقت شیطان سے غافل ہو گئے اور اسی لمحہ اس نے حملہ کر دیا تو ہم اس کا مقابلہ نہ کر پائیں گے اور اگر محض اسی کو یاد کرتے رہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے غافل ہو جائیں گے، لہٰذا دونوں کو جمع کر لینا بہتر ہے۔

⊛...**تیسرا گروہ:** یہ محققین علما کا گروہ ہے ان کا کہنا ہے کہ دونوں گروہ غَلَطی پر ہیں۔ پہلا تو اس لئے کہ اس نے صرف شیطان کو یاد رکھا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر کو بھلا دیا۔ ایسے گروہ کا غَلَطی پر ہونا واضح ہے کیونکہ شیطان سے بچنے کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ ہمیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے غافل نہ کر دے تو ہم شیطان کی یاد کو اپنے دلوں پر تمام اشیاء سے زیادہ غلبہ کیوں دیں جبکہ اس کے ضَرَر کی انتہا بھی یہی ہے۔ پھر یہ کہ اس طرح تو دل ذکرِ الٰہی کے نور سے خالی ہو جائے گا اور جب شیطان ذکرِ الٰہی کے نور سے خالی اور اس کی یاد سے غافل دل کے درپے ہو جائے تو عنقریب غالب آ جائے گا اور دل اسے روک بھی نہ پائے گا۔ مختصر یہ کہ ہمیں شیطان کا انتظار کرنے اور ہمیشہ اسے یاد رکھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ جہاں تک دوسرے گروہ کا تعلُّق ہے تو وہ بھی پہلے گروہ کا شریک ہے کیونکہ اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر اور شیطان کی یاد دونوں کو دل میں اکٹھا کر لیا ہے اب جتنی مقدار دل شیطان کی یاد میں مشغول رہے گا اتنی مقدار اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے غافل رہے گا نیز

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مخلوق کو اپنی یاد کے سوا خواہ وہ شیطان ہو یا اس کے علاوہ کوئی بھی ایسی چیز ہو جو اس کی یاد سے دور کر دے اسے بھول جانے کا حکم دیا ہے۔

ذکرِ الٰہی کا حق:

حق تو یہ ہے کہ انسان دل کو شیطان سے بچانے اور اس کی دشمنی دل میں راسخ کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لے، جب انسان اس کے مطابق سچے دل سے عمل کرے گا اور شیطان سے دشمنی دل میں راسخ ہو جائے گی تو اب پوری توجہ کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں مشغول ہو جائے اور دل میں شیطانی حملے کا خوف نہ رکھے کیونکہ وہ شیطان کی عداوت و دشمنی کو اچھی طرح جاننے کے بعد اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں مشغول ہوا ہے اب اگر شیطان اس پر حملہ کرتا ہے تو وہ خبردار ہو جائے گا اور شیطانی وار کو بے کار کر دے گا۔

ذکرِ الٰہی میں مشغول ہونا شیطانی حملے کے وقت خبردار ہونے سے ہرگز مانع نہیں بلکہ جس طرح کسی شخص کو صبح سویرے کوئی کام ہو اور وہ کام کے وقت اٹھنے کا پختہ ارادہ کر کے سو جائے تو کام کا وقت نکل جانے کے خوف سے بعض اوقات رات ہی میں کئی مرتبہ اس کی آنکھ کھل جاتی ہے باوجود یہ کہ نیند اسے غافل کر دیتی ہے اسی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں مشغول ہونا خبردار ہونے سے کیونکر مانع ہو گا جبکہ اسی طرح کا دل دشمن کو بھگانے کی طاقت رکھتا ہے۔ ذکرِ الٰہی میں مشغولیت کے سبب ہی خواہشات مرتی ہیں، علم و عقل کا نورِ زندگی پاتا ہے اور خواہشات کے اندھیرے چھٹتے ہیں۔

اہل بصیرت اپنے دلوں کو شیطان کی دشمنی اور اس کی گزرگاہوں کا شعور دلا کر شیطانی حملوں سے بچاؤ کو اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں پھر شیطان کے بجائے ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں، اسی ذکر کی بدولت شیطان کے شر کو دور کرتے ہیں اور اس کے نور سے روشنی پا کر تمام شیطانی خطرات سے آگاہ ہو کر ان سے بھی نجات پا لیتے ہیں۔

دِل کی مثال:

دل کی مثال گندے پانی والے اس کنوئیں کی سی ہے جسے پاک کرنے کا ارادہ کیا جائے تاکہ صاف پانی اس میں جاری ہو۔ شیطان میں مشغول رہنے والا اس میں گندہ پانی چھوڑ دیتا ہے اور شیطان کی یاد اور اللہ عَزَّوَجَلَّ

کے ذکر دونوں کو جمع کرنے والا شخص ایک طرف سے تو گندا پانی نکالتا ہے لیکن دوسری طرف سے وہ پانی بدستور جاری رہتا ہے بالآخر وہ تھک جاتا ہے اور گندا پانی کنویں میں باقی رہتا ہے جبکہ صاحب بصیرت گندے پانی کا راستہ ہی بند کر دیتا ہے اور کنویں کو پاک وصاف پانی سے بھر دیتا ہے پھر جب گندا پانی آنے لگتا ہے تو کسی محنت و مشقت اور تھکاوٹ کے بغیر رکاوٹ کھڑی کر کے اسے بھی روک دیتا ہے۔

ساتویں فصل: عبادات ظاہر کرنے کی رخصتوں کا بیان

جان لیجئے! ریاکاری سے نجات اور اخلاص کا فائدہ اعمال کو پوشیدہ رکھنے ہی میں ہے جبکہ ظاہر کرنے میں اگرچہ یہ فائدہ ہے کہ اس کی پیروی کی جائے گی اور لوگوں کو نیکی کی ترغیب ملے گی لیکن اس میں ریاکاری کا خوف بھی ہے۔ حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "مسلمان جانتے ہیں پوشیدہ عمل شیطان سے حفاظت کا زیادہ بہتر ذریعہ ہے لیکن عمل ظاہر کرنا بھی فائدے سے خالی نہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ظاہر و پوشیدہ دونوں عمل کی تعریف فرمائی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ (پ۳، البقرۃ: ۲۷۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اگر خیرات علانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو یہ تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔

عمل ظاہر کرنے کی دو صورتیں:

عمل ظاہر کرنے کی دو صورتیں ہیں: (۱)... نَفْسِ عمل ظاہر کرنا (۲)... فراغت کے بعد لوگوں میں بیان کرنا۔

(1)... نفس عمل ظاہر کرنا:

مثلاً لوگوں کو ترغیب دینے کی خاطر ان کے سامنے صَدَقہ کرنا جیسا کہ ایک انصاری صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے (دِرہموں کی) ایک تھیلی بارگاہِ رسالت میں پیش کی تو ان کو دیکھ کر دیگر لوگوں نے بھی عطیات دیئے، اس موقع پر مالکِ کوثر، قاسم نعمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا كَانَ لَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنِ اتَّبَعَهُ یعنی جو شخص اچھا طریقہ جاری کرے اور لوگ اس پر عمل کریں تو

اس شخص کے لئے اس کا اجر بھی ہے اور اس کی پیروی کرنے والوں کا بھی۔[1]

نماز، روزہ، حج و جہاد وغیرہ تمام اعمال کا یہی حکم ہے، البتہ صَدَقے کی طرف لوگ زیادہ جلدی مائل ہوتے ہیں جیسا کہ حدیثِ پاک سے واضح ہے۔

علانیہ عمل میں افضلیت...!

مجاہد جب جہاد میں جانے کا ارادہ کرے اور لوگوں کو جذبہ دلانے کی خاطر ان سے پہلے اپنی سواری تیار کرنے لگے تو اس کے لئے یہی افضل ہے کیونکہ جہاد درحقیقت علانیہ اعمال میں سے ہے اس کا چھپانا ممکن نہیں اور اس کے لئے جلدی کرنا اعلان نہیں بلکہ محض جذبہ دلانا ہے۔ اسی طرح جو شخص رات کو نماز پڑھتے ہوئے اپنی آواز اس لئے بلند کرے تاکہ اس کے اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں کو خبر ہو جائے اور وہ بھی عبادت کریں تو اس کے لئے بھی یہی افضل ہے بلکہ ہر وہ عمل جن کا چھپانا ممکن نہیں مثلاً حج، جہاد اور جمعہ وغیرہ دوسرے کو جذبہ دلانے کی خاطر ان میں جلدی کرنا افضل ہے جبکہ ریاکاری شامل نہ ہو۔

پوشیدہ عمل میں افضلیت...!

جن اعمال کا چھپانا ممکن ہے مثلاً نماز و صَدَقہ ان کا حکم یہ ہے کہ اگر صدقہ ظاہر کرنے میں لوگوں کو رغبت ملنے کے ساتھ ساتھ اسے تکلیف ہو جسے صدقہ دیا جا رہا ہے تو اس صدقہ کو پوشیدہ رکھنا افضل ہے کیونکہ تکلیف دینا حرام ہے، اگر صدقہ لینے والے پر شاق نہ گزرے تو اب افضلیت کے بارے میں دو گروہ ہیں۔ **ایک گروہ** کا کہنا ہے کہ اگرچہ عمل ظاہر کرنے میں لوگوں کی رغبت پائی جائے پھر بھی پوشیدہ رکھنا ہی افضل ہے۔ **دوسرے گروہ** کا کہنا ہے کہ ایسا علانیہ عمل جس کی پیروی نہ کی جائے اس کے مقابلے میں پوشیدہ عمل افضل ہے اور اگر علانیہ عمل کی پیروی کی جائے تو یہ افضل ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو اعمال ظاہر کرنے کا حکم فرمایا اور انہیں منصبِ نبوت کے ساتھ خاص فرمایا تاکہ ان کی پیروی کی جائے اور ان کے بارے میں افضل عمل سے محرومی کا گمان کرنا ہرگز جائز نہیں۔ سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی یہ حدیثِ

[1] ...مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ ... الخ، ص ۵۰۸، حدیث: ۱۰۱۷ بتغیر قلیل

پاک بھی اسی پر دلالت کرتی کہ "لَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا یعنی جو نیک عمل جاری کرے اس کے لئے اس کا ثواب بھی ہے اور جو اس پر عمل کرے اس کا بھی۔[1] ایک حدیثِ پاک میں یوں بھی آیا ہے: "پوشیدہ عمل علانیہ سے ستر گنا افضل ہے اور جس علانیہ عمل کی پیروی کی جائے وہ پوشیدہ عمل سے ستر گنا افضل ہے۔"[2]

خلاصۂ کلام:

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب دل ریاکاری سے خالی اور اخلاص سے بھرپور ہو تو ظاہر اور پوشیدہ دونوں حالتوں میں سے جس کی پیروی کی جائے وہی عمل افضل ہے۔ اسی طرح جب علانیہ عمل میں ریاکاری کا خوف ہو پھر اگر اس میں ریاکاری شامل ہو جائے تو غیر کی پیروی بھی اسے کوئی فائدہ نہ دے گی اور وہ ہلاک ہو جائے گا یوں اس اعتبار سے پوشیدہ عمل علانیہ سے افضل ہو گا، اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

عمل ظاہر کرنے والے کے لئے احتیاطیں:

بہر حال عمل ظاہر کرنے والے کو چاہئے کہ دو باتیں پیشِ نظر رکھے۔

﴿1﴾... ان لوگوں پر عمل ظاہر کرے جن کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو یا غالب گمان ہو کہ وہ اس کی پیروی کریں گے کیونکہ بہت سوں کی پیروی ان کے گھر والے تو کرتے ہیں لیکن پڑوسی نہیں کرتے، بعض کی پیروی پڑوسی کرتے ہیں مگر اہل محلہ نہیں کرتے جبکہ بعض لوگوں کی پیروی اہل محلہ بھی کرتے ہیں۔ مشہور و معروف علمائے دین ہی ایسے ہوتے ہیں جن کی پیروی کثیر مخلوق کرتی ہے۔ غیرِ عالِم اگر اپنی عبادات ظاہر کرے گا تو کبھی اسے ریاکار کہا جائے گا اور کبھی نفاق کی تہمت بھی لگائی جائے گی، لوگ پیروی کے بجائے اس کی مذمت کریں گے، لہٰذا غیر عالم کو بغیر کسی فائدے کے اپنی عبادت ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ ترغیب کی نیت سے وہی شخص اپنا عمل ظاہر کرے جو اس کا اہل ہو اور ان لوگوں پر ظاہر کرے جو اس کی پیروی کرتے ہوں۔

﴿2﴾... عمل ظاہر کرنے والے کو چاہئے کہ اپنے دل پر خوب غور کرلے کیونکہ بعض اوقات دل میں چُھپی

---

1 ...مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ... الخ، ص ۵۰۸، حدیث: ۱۰۱۷

2 ...شعب الایمان، باب فی اخلاص العمل للّٰہ، ۵/ ۳۴۳، حدیث: ۶۸۶۴ مختصرًا

شعب الایمان، باب فی السرور بالحسنۃ والاغتمام، ۵/ ۳۷۶، حدیث: ۷۰۱۲ مفہومًا

دکھاوے کی محبت عمل ظاہر کرواتی ہے اور ذریعہ یہ بن جاتا ہے کہ لوگ پیروی کریں گے حالانکہ درحقیقت ایسا شخص اپنی خواہش کی وجہ سے عمل کو مُزَیَّن کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی پیروی کریں۔ اپنے اعمال ظاہر کرنے والے ہر شخص کا حال یہی ہے سوائے چند مضبوط اخلاص والوں کے۔ کمزور اخلاص والے کو چاہئے کہ اس طرح سے اپنے آپ کو دھوکا نہ دے ورنہ ہلاک ہو جائے گا اور خبر بھی نہ ہو گی۔

کمزور اخلاص والے کی مثال:

کمزور اخلاص والے کی مثال ڈوبنے والے اس اناڑی تیراک کی طرح ہے جو کئی لوگوں کو ڈوبتا دیکھ کر ان پر تَرس کھاتے ہوئے بچانے کی غرض سے ان کی طرف بڑھتا ہے حتّٰی کہ ان کے ساتھ خود بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔ دنیا کے پانی میں ڈوبنے کی تکلیف چند لمحوں کی ہوتی ہے، کاش! ریاکاری سے ہلاک ہونے والے کا حال بھی ایسا ہی ہوتا مگر اس کا عذاب تو طویل مدت تک رہنے والا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں عالِم کہلانے والے اور عبادت گزاروں کے قدم پھسل جاتے ہیں کیونکہ وہ عمل ظاہر کرنے میں مضبوط اخلاص والوں کی نقل کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل اخلاص کی طاقت سے محروم ہوتے ہیں نتیجتاً ریاکاری کے سبب ان کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

دلی کیفیت جاننے کا ایک طریقہ:

دل میں چھپی دکھاوے کی محبت کا اندازہ کرنا بے حد دشوار ہے، اسے جانچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہے: "اگر تو اپنے عمل کو پوشیدہ رکھے حتّٰی کہ لوگ تیرے ہم عصر کسی اور عبادت گزار کی پیروی کریں تو تجھے عمل ظاہر کرنے کے برابر ہی ثواب ملے گا۔" اس کے بعد بھی اگر دل عمل ظاہر کرنے کی خواہش کرے تو سمجھ لے کہ اس اظہار کا سبب لوگوں کو نیکی کا جذبہ دلانا، نیک کام کی پیروی کروانا اور ثواب حاصل کرنا نہیں بلکہ ریاکاری ہے کیونکہ لوگ کسی اور کو دیکھ کر بھی نیکی میں رغبت حاصل کر سکتے ہیں اور تیرا مرتبہ عمل پوشیدہ رکھنے کے باوجود بلند کیا جا رہا ہے، اگر لوگوں کو دکھانا مقصود نہیں ہے تو پھر اب کیوں تیرا دل عمل ظاہر کرنے کے لئے بے چین ہے؟

انسان کو چاہئے کہ نفس کے بہکاوے سے بچے کیونکہ نفس دھوکا باز ہے، شیطان گھات لگائے بیٹھا ہے اور حال یہ ہے کہ جاہ و منصب کی محبت دل پر غالب ہے۔ نیز لوگوں پر ظاہر ہونے والے اعمال آفات سے کم ہی محفوظ رہتے ہیں، کسی چیز کو محفوظ شمار نہیں کرنا چاہئے، حقیقی سلامتی پوشیدگی ہی میں ہے جبکہ ظاہر کرنے میں بے شمار خطرات ہیں۔ ہم جیسے کمزوروں کے لئے عمل ظاہر کرنے سے بچنا ہی بہتر ہے۔

﴿2﴾... فراغت کے بعد اپنا عمل لوگوں میں بیان کرنا:

عمل ظاہر کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ فراغت کے بعد اسے لوگوں میں بیان کیا جائے۔ اس کا بھی وہی حکم ہے جو پہلی صورت یعنی نَفْسِ عمل ظاہر کرنے کا ہے بلکہ اس میں خطرہ زیادہ ہے کیونکہ زبان سے مبالغہ آرائی کرنا بہت آسان ہے اور بڑے بڑے دعووں سے نفس بھی خوش ہوتا ہے۔ مگر اس کے حکم میں پہلی صورت کے مقابلے میں اس اعتبار سے کچھ نرمی ہے کہ اس میں زبانی اظہار میں ریاکاری شامل ہو بھی جائے پھر بھی عمل فاسد نہیں ہوتا کیونکہ وہ مکمل ہو چکا۔ اس طرح سے عمل ظاہر کرنا اس شخص کے لئے جائز ہے جس کا دل نورِ الٰہی سے روشن اور اخلاص سے بھرپور ہو، اس کی نظر میں مخلوق کی تعریف و مذمت کی کچھ اہمیت نہ ہو اور اپنا عمل اس کے سامنے بیان کرے جس سے بھلائی میں رغبت اور پیروی کی امید ہو بلکہ اگر نیت صاف اور آفات سے محفوظ ہو تو یہ اظہار مُسْتَحَب ہے کیونکہ اس سے نیکی کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور نیکی پر ابھارنا بھی نیکی ہے۔ اَسلاف کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام کے بارے میں اس طرح کی کئی روایات موجود ہیں۔

اَعمالِ صالِحہ ظاہر کرنے کے مُتَعَلِّق اَسلاف کِرام کے اقوال

...حضرت سیِّدُنا سعید بن مُعاذ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے نماز میں مجھے غیر کا خیال تک نہیں آیا، جس بھی جنازے میں شریک ہوا اس سے کئے جانے والے سوال و جواب کے بارے میں ہی سوچتا اور حضور سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے جو کچھ سنا اسے سچ و حق جانتا۔

...امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: مجھے کچھ پروا نہیں کہ میں میری صبح تنگی کی حالت میں ہوتی ہے یا خوشحالی میں کیونکہ میں نہیں جانتا کہ میرے لئے ان میں سے کیا بہتر ہے۔

﴿…حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا فرمان ہے: میں نے جس حال میں بھی صبح کی کبھی بہتر حالت کی آرزو نہ کی۔

﴿…امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں نے کبھی گانا گایا نہ کبھی جھوٹ بولا اور جب سے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بیعت کی ہے کبھی اپنے سیدھے ہاتھ سے شرم گاہ کو نہیں چھوا۔[1]

﴿…حضرت سیِّدُنا شَدَّاد بن اَوس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جب سے اسلام لایا ہوں ہر بات خوب سوچ سمجھ کر کی ہے سوائے ایک بات کے کہ ایک مرتبہ اپنے غلام سے کہا: جاؤ دستر خواں لے آؤ تا کہ اسے بیچ کر کھانا منگوالیں۔

﴿…حضرت سیِّدُنا ابو سفیان بن حارث رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بوقت وفات اپنے گھر والوں سے فرمایا: مجھ پر رونا مت! کیونکہ میں جب سے اسلام لایا ہوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی نہیں کی۔

﴿…حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میرے لئے جو کچھ مقدر فرمایا کبھی میں نے اس کے علاوہ کی خواہش نہ کی اور مجھے ہمیشہ اسی کی خواہش ہوتی جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میرا مقدر فرمادیا۔

ان تمام اقوال میں اچھی حالتوں کا اظہار ہے۔ اگر ریاکار شخص ایسی باتوں کا اظہار کرے تو یہ انتہائی دَرَجہ کی ریاکاری ہوگی لیکن اگر ان باتوں کا ظہور ایسے نیک شخص سے ہو جس کی پیروی کی جاتی ہے تو یہ اعلیٰ دَرَجہ کی ترغیب ہوگی۔ ذکر کردہ احتیاطوں کے ساتھ پختہ اخلاص والوں کے لئے اعمال ظاہر کرنا جائز ہے جبکہ نیت یہ ہو کہ لوگ اس کی پیروی کریں۔

کبھی ریاکار کی ریاکاری بھی فائدہ دیتی ہے:

انسانی فطرت چونکہ غیر کی مُشابہت و پیروی کو پسند کرتی ہے تو اس پر پابندی لگانے کی حاجت نہیں بلکہ اگر کوئی شخص بطورِ ریاکاری اپنا عمل ظاہر کرے اور لوگ اس کے ریاکار ہونے کو نہ جانتے ہوں تو اس میں بھی لوگوں کے لئے بہت سی بھلائی ہے اگرچہ ریاکار کے لئے برائی ہے۔ کتنے ہی مُخْلِص بندے ہیں جنہیں ان لوگوں کی پیروی کرنے سے اخلاص حاصل ہوا جن کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ جانتا ہے کہ وہ ریاکار ہیں۔

---

[1] ...سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب کراهة مس الذکر... الخ، ۱/ ۱۹۸، حدیث: ۳۱۱

حکایت: کاش وہ کتاب نہ لکھی جاتی

منقول ہے کہ کسی دور میں صبح کے وقت بصرہ کی گلیوں سے گزرنے والے کو گھروں سے قرآن پاک پڑھنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ کسی نے ریاکاری کی باریکیوں پر ایک کتاب لکھی تو لوگوں نے اونچی آواز سے تلاوت کرنا بند کر دی، جس کی وجہ سے تلاوت قرآن میں لوگوں کی رغبت کم ہو گئی۔ کہنے والوں نے کہا: "کاش! وہ کتاب نہ لکھی جاتی۔ معلوم ہوا کہ ریاکار کی ریاکاری بھی لوگوں کو بہت فائدہ دیتی ہے بشرطیکہ لوگ اس کی ریاکاری سے بے خبر ہوں۔"

مروی ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ وَبِاَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَهُمْ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ اس دین کی مدد فاسق وفاجر شخص اور ان لوگوں سے بھی فرماتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔"[1]

آٹھویں فصل: گناہ چھپانے کے جواز اور لوگوں پر اس کے ظاہر ہونے کو ناپسند کرنے کا بیان

درحقیقت اخلاص یہ ہے کہ ہر عمل ایک طرح سے کیا جائے چاہے پوشیدہ ہو یا علانیہ۔ جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک شخص سے فرمایا: "تجھے چاہئے کہ علانیہ عمل کر۔" اس نے عرض کی: "علانیہ عمل سے کیا مراد ہے؟" فرمایا: "جب کوئی تیرے عمل پر مطلع ہو تو اس سے شرم محسوس نہ کر۔"

حضرت سیِّدُنا ابو مسلم خولانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: حَقِّ زَوجیت ادا کرنے اور قضائے حاجات کے سوا میں کسی عمل پر لوگوں کے مُطَّلَع ہونے کی پروا نہیں کرتا۔

یہ درجہ بہت بلند ہے ہر ایک اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ انسان کا دل اور دیگر اعضاء گناہ کرتے رہتے ہیں لیکن وہ لوگوں سے چھپاتا ہے اور ان گناہوں پر لوگوں کے مطلع ہونے کو ناپسند کرتا ہے، خصوصاً ان شکوک وشُبہات پر جو دل میں پیدا ہوتے ہیں باوجود یہ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تمام چیزوں سے باخبر ہے۔

---

[1] ... بخاری، کتاب القدر، باب العمل بالخواتیم، ۴/ ۲۷۴، حدیث: ۶۶۰۶

سنن النسائی الکبری، کتاب السیر، باب الاستعانة بالفجار فی الحرب، ۵/ ۲۷۹، حدیث: ۸۸۸۵

گناہ چھپانے کی آٹھ وجوہات

عام طور پر گمان کیا جاتا ہے کہ لوگوں سے اپنے گناہ چھپانا منع ہے ایسا نہیں ہے بلکہ اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ خوف خدا نہ ہونے کے باوجود اس نیت سے گناہ چھپانا کہ لوگ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے والا، پرہیز گار خیال کریں۔ یہ پوشیدہ ریاکاری ہے۔ بہر حال ریاکاری نہ کرنے والے سچے شخص کو چاہئے کہ گناہوں کو چھپائے۔ اس کا ایسا کرنا اور گناہوں پر لوگوں کے مُطَّلَع ہو جانے سے غمگین ہونا آٹھ وجوہات کی بنا پر درست ہے:

❁...**پہلی وجہ:** انسان اس بات پر خوش ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میرے گناہوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ اگر ظاہر ہو جائیں تو غمگین ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پردہ فاش فرما دیا ہے اور خوف زدہ ہو کہ کل بروز قیامت اگر ایسا ہو گیا تو میرا کیا بنے گا کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے: "اللہ عَزَّوَجَلَّ دنیا میں جس کے گناہوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے آخرت میں بھی اس کے گناہ ظاہر نہیں فرمائے گا۔"[1]

یہ غم قوت ایمانی کے سبب پیدا ہوتا ہے۔

❁...**دوسری وجہ:** انسان جان لے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ گناہ چھپانے کو پسند اور ظاہر کرنے کو ناپسند فرماتا ہے۔ جیسا کہ سیِّدُ الْمُرسَلِین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "مَنِ ارْتَکَبَ شَیْئًا مِّنْ هٰذِهِ الْقَاذُوْرَاتِ فَلْیَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللہ یعنی جو شخص ان ناپاکیوں میں سے کسی کا مرتکب ہو جائے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پردے سے اسے ڈھانپ لے[2]۔"[3]

اس شخص نے گناہ کر کے اگرچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی ہے لیکن اس کا دل اس چیز کی محبت سے خالی نہیں جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ پسند فرماتا ہے۔ یہ صِفَت بھی قوتِ اِیمانی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ گناہ ظاہر کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کو پسند نہیں۔ اس قوت ایمانی کی نشانی یہ ہے کہ انسان جس طرح اپنے گناہ ظاہر ہونے کو ناپسند کرتا ہے اسی طرح غیر کے گناہ ظاہر ہونے کو بھی ناپسند کرے اور ظاہر ہو جائیں تو غمگین ہو۔

❁...**تیسری وجہ:** گناہ چھپانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ظاہر ہونے پر لوگ اس کی مذمت کریں گے جو کہ

---

1 ...مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب بشارة من ستر الله...الخ، ص ۱۳۹۷، حدیث: ۲۵۹۰

2 ...قَاذُوْرَات، قَاذُوْرَۃ کی جمع ہے جس کا اطلاق ہر قبیح اور فحش قول و فعل پر ہوتا ہے مگر یہاں مراد زنا ہے۔ (فیض القدیر، تحت الحدیث: ۱۷۵، ۱/۲۰۱)

3 ...الموطا للامام مالک، کتاب الحدود، باب ما جاء فیمن اعترف...الخ، ۲/ ۳۳۶، حدیث: ۱۵۸۸

اسے ناگوار گزرے گا اور وہ غمزدہ ہو جائے گا، نیز اس کا دل و دماغ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت سے غافل ہو جائے گا کیونکہ مذمت طبیعت پر ناگوار گزرتی، عقل کو مُتأثِّر کرتی اور عبادت سے غافل کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے انسان کو چاہئے کہ ایسی تعریف کو بھی ناپسند کرے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے غافل کر دے اور دل پر قبضہ کر کے اسے ذکرِ الٰہی سے پھیر دے۔

یہ بھی قوتِ اِیمانی کی نشانی ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے لئے دل کو فارغ کر دینے کی سچی رغبت بھی قوتِ ایمان کے سبب ہی ممکن ہے۔

⊛...**چوتھی وجہ:** گناہ چھپانے میں رغبت کرنے کی ایک جائز وجہ گناہ ظاہر ہونے پر لوگوں کی مذمت کو ناپسند کرنا بھی ہے کیونکہ اس سے تکلیف ہوتی ہے اور یقیناً مذمت کرنے سے دل کو ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے مار پڑنے پر جسم کو ہوتی ہے نیز اس تکلیف کا خوف کرنا حرام بھی نہیں، نہ ہی انسان اس کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے۔ البتہ اس وقت ضرور گنہگار ہوتا ہے جب مذمت کے خوف سے کسی ناجائز کام کا اِرْتکاب کر بیٹھے۔

خلاصۂ گفتگو:

مختصر یہ کہ انسان پر لوگوں کی مذمت کی وجہ سے غمزدہ ہونا واجب نہیں لیکن یہ ضرور واجب ہے کہ مخلوق کی خاطر ریاکاری نہ کرنے پر سچائی سے ڈٹا رہے حتّٰی کہ اس کی نظر میں تعریف اور مذمت کرنے والا دونوں برابر ہو جائیں کیونکہ انسان جانتا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک اللہ عَزَّوَجَلَّ ہے اور بندے سب عاجز ہیں۔ ایسی سوچ رکھنے والے بہت کم ہیں، اکثر لوگ مذمت سے تکلیف محسوس کرتے ہیں کیونکہ اس میں انہیں اپنی کوتاہی نظر آ رہی ہوتی ہے۔ بعض اوقات مذمت سے رنجیدہ ہونا اچھا بھی ہوتا ہے جبکہ مذمت کرنے والے صاحبِ بصیرت و دیندار ہوں کیونکہ وہ لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے گواہ ہیں، ان کی مذمت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مذمت اور دینی نقصان پر دلالت کرتی ہے تو ان کی مذمت پر انسان کیسے غمگین نہ ہو...؟ البتہ! تقوٰی و پرہیزگاری پر تعریف نہ ہونے کا غم کرنا بُری بات ہے۔ مثلاً: کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ پرہیزگاری پر اپنی تعریف کی خواہش کرے کیونکہ اس طرح وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے ذریعے اپنی تعریف کا خواہاں اور عبادتِ الٰہی کا ثواب غیرُ اللہ سے طلب کرنے والا شمار ہو گا۔ بندہ جب اپنے اندر ایسی کیفیت محسوس کرے تو واجب ہے کہ

رد و ناپسندیدگی کا اظہار کر کے اس کا مقابلہ کرے۔

جہاں تک گناہ پر لوگوں کی مذمت کو بُرا سمجھنے کا تعلُّق ہے تو یہ طَبْعِی مُعاملہ ہے جو کہ مذموم نہیں اسی لئے اس مذمت سے بچنے کے لئے گناہ کو چھپانا جائز ہے۔ ممکن ہے کوئی بندہ تعریف کی چاہت نہ رکھتا ہو لیکن مذمت کو ناپسند کرتا ہو اور یہ چاہتا ہو کہ لوگ اس کی تعریف کریں نہ مذمت۔ کتنے ہی لوگ تعریف نہ کرنے پر تو صبر کر لیتے ہیں لیکن مذمت کی تکلیف ان سے برداشت نہیں ہوتی کیونکہ تعریف سے لذت حاصل ہوتی ہے اور لذت کا حاصل نہ ہونا تکلیف نہیں دیتا جبکہ مذمت ضرور تکلیف دیتی ہے۔ نیکی پر تعریف کی خواہش کرنا گویا دنیا میں نیکی کا ثواب طلب کرنے جیسا ہے جبکہ گناہ پر لوگوں کی مذمت کو بُرا جاننے میں ایسی کوئی بات نہیں سوائے اس خوف کے کہ گناہ لوگوں پر ظاہر ہو جانے کا غم بندے کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے غافل نہ کر دے اور یہ بہت بڑا دینی نقصان ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ انسان کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مُطَّلَع ہونے اور اس کی پکڑ فرمانے کا زیادہ غم ہو۔

❀...**پانچویں وجہ:** گناہ چھپانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ گناہ پر کی جانے والی مذمت کو اس وجہ سے ناپسند کیا جائے کہ مذمت کرنے والا اس سبب سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کا مُرتَکِب ہوتا ہے۔ یہ بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اپنی مذمت کی طرح غیر کی مذمت کو بھی برا جانے، اپنے اور غیر کے درمیان فرق نہ کرے، البتہ طبعی رنج میں حرج نہیں۔

❀...**چھٹی وجہ:** لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے بھی گناہ پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔ یہ صورت مذمت والی صورت سے مختلف ہے کیونکہ مذمت کرنے والے کی مذمت کا اثر صرف دل پر ہوتا ہے جسم اس کے شر سے محفوظ رہتا ہے لیکن بعض اوقات گناہ پر مطلع ہونے والے سے ظاہری نقصان کا خوف ہوتا ہے۔ اس خوف کی وجہ سے بھی گناہ چھپانا جائز ہے۔

❀...**ساتویں وجہ:** حیا کے سبب بھی گناہ کی پردہ پوشی کرنا جائز ہے۔ لوگوں کی مذمت اور ظاہری نقصان کے علاوہ یہ تکلیف کی ایک اور صورت ہے۔ یہ ایک اچھی صِفَت ہے جو کہ نوجوانی میں پیدا ہوتی ہے۔ جب نوجوان میں عقل کا نور روشن ہوتا ہے تو وہ اس بات سے حیا کرنے لگتا ہے کہ اس کی برائیاں لوگوں پر ظاہر ہوں۔ یہ صفت تعریف کے لائق ہے کیونکہ حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس کی تعریف فرمائی ہے۔

حیا کے متعلق چار فرامین مصطفےٰ:

﴿1﴾... اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّه یعنی حیا مکمل بھلائی ہے۔[1]

﴿2﴾... اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَان یعنی حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔[2]

﴿3﴾... اَلْحَيَاءُ لَا يَاْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ یعنی حیا بھلائی ہی لاتی ہے۔[3]

﴿4﴾... اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْحَيِيَّ الْحَلِيْمَ یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ باحیا بُردبار کو پسند فرماتا ہے۔[4]

لہٰذا جو شخص اس طرح فِسق و فُجور میں مبتلا ہو کہ لوگوں پر اپنا فِسق ظاہر ہونے کی پروانہ کرتا ہو تو وہ بے شرمی اور پردہ دری کو جمع کرنے والا ہے اور ایسا شخص گناہ چھپانے والے حیادار سے زیادہ بُرا ہے۔ لیکن حیا میں بعض اوقات ریاکاری شامل ہو جاتی ہے جسے بہت کم لوگ ہی سمجھ پاتے ہیں۔

حیا، رِیاکاری اور اِخلاص:

ہر ریاکار دعوٰی کرتا ہے کہ وہ باحیا ہے اور عبادات کی اچھی ادائیگی لوگوں سے حیا کرتے ہوئے کر رہا ہے حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔ در حقیقت حیا ایک صِفَت ہے جو شریفُ الطَّبع انسان میں پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد ہی اخلاص اور ریاکاری کے اسباب جوش مارتے ہیں اب یا تو انسان حیا کی وجہ سے اپنے اندر اخلاص پیدا کر لیتا ہے یا پھر ریاکاری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسے یوں سمجھئے مثلاً: کوئی شخص اپنے ایسے دوست سے قرض مانگے جو اسے قرض دینا بھی نہ چاہتا ہو اور خالی ہاتھ لوٹانے میں بھی حیا کرے لیکن اگر یہ شخص کسی اور کے ذریعے اس دوست سے قرض مانگتا تو وہ حصولِ ثواب یا ریاکاری کی نیت سے نہ اسے قرض دیتا اور نہ ہی اس سے حیا کرتا، ایسی صورت میں اس دوست کی مختلف حالتیں ہوں گی۔ صاف صاف منع کر دے اور اس بات کی بھی پروانہ کرے کہ اسے بے مُرَوَّت کہا جائے گا، ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جس میں بالکل حیا نہ ہو جبکہ باحیا شخص کوئی عُذر پیش

---

[1] ... مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان... الخ، ص ۴۰، حدیث: ۳۷

[2] ... بخاری، کتاب الایمان، باب امور الایمان، ۱/ ۱۵، حدیث: ۹

[3] ... بخاری، کتاب الادب، باب الحیاء، ۴/ ۱۳۱، حدیث: ۶۱۱۷

[4] ... المصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب الادب، باب ما ذکر فی الحیاء وما جاء فیہ، ۶/ ۹۱، حدیث: ۶

کرتا ہے یا پھر قرض دے دیتا ہے۔ اگر وہ قرض دے تو تین حالتوں میں سے کوئی ایک پائی جائے گی۔

❁...**پہلی حالت:** حیا میں ریاکاری کی ملاوٹ۔ مثلاً اوّلاً تو وہ حیا کی وجہ سے منع کرنا مناسب نہ سمجھے لیکن پھر ریاکاری جوش مارنے لگے اور وہ اپنے آپ سے کہے: "قرض دے دینا چاہئے تاکہ تیری تعریف وتوصیف کی جائے اور تو سخی مشہور ہو جائے۔" یا کہے "قرض دینا ہی مناسب ہے تاکہ تیری مذمت نہ کی جائے اور نہ ہی تجھے کنجوس کہا جائے۔" اب اگر وہ قرض دیتا ہے تو اس کا سبب ریاکاری کہلائے گی اور ریاکاری کا سبب حیا۔

❁...**دوسری حالت:** یہ ہے کہ حیا کی وجہ سے وہ انکار بھی نہ کر سکے اور کنجوس دینے سے منع بھی کرے پھر اچانک اخلاص کے سبب اس کا ضمیر پکار اٹھے: "صَدَقہ میں ایک نیکی ہے اور قرض دینے میں اٹھارہ نیکیاں ہیں، قرض دینے میں اجر بھی زیادہ ہے، دوست کا دل بھی خوش ہوتا ہے اور یہ بات اللہ عَزَّوَجَلَّ کو بھی پسند ہے۔" اب اگر نفس قرض دینے پر آمادہ ہو جائے تو وہ شخص مخلص ہے اور اس میں اخلاص پیدا ہونے کا سبب حیا ہے۔

❁...**تیسری حالت:** قرض دینے کا سبب محض حیا ہو، نہ اسے ثواب میں رغبت ہو نہ لوگوں کی مذمت کا خوف اور نہ ہی تعریف کی چاہت۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کا دوست کسی اور کے ذریعہ قرض مانگتا تو یہ انکار کر دیتا لیکن دوست کو محض حیا کی وجہ سے دے رہا ہے کیونکہ یہ اپنے دل میں حیا محسوس کر رہا ہے، اگر دوست سے حیا نہ ہوتی تو اسے بھی انکار کر دیتا جیسا کہ کسی اجنبی یا حقیر شخص کو انکار کرتے ہوئے حیا محسوس نہیں ہوتی اگرچہ دینے میں بہت زیادہ تعریف اور ثواب کا مستحق ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا اس حالت میں قرض دینے کی وجہ صرف حیا ہے۔

یہ صورت صرف برائیوں میں پیش آتی ہے مثلاً بخل اور گناہوں وغیرہ میں جبکہ ریاکار مباح کاموں میں بھی حیا کرتا ہے حتّٰی کہ تیز چل رہا ہو تو لوگوں کے دیکھنے پر آہستہ چلنے لگتا ہے، ہنس رہا ہو تو خاموش ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے میں حیا کر رہا ہوں حالانکہ یہ پکی ریاکاری ہے۔

بعض کاموں کو کر لینا حیا کرنے سے بہتر ہے:

کہا جاتا ہے بعض کاموں میں شرم وحیا کرنا مناسب نہیں۔ یہ بات بالکل درست ہے اور اس سے مراد اچھے کاموں میں حیا کرنا ہے۔ مثلاً: وعظ ونصیحت کرنے یا امامت کرنے سے حیا کرنا۔ بچوں اور عورتوں میں ان کاموں سے حیا ہو تو اچھی بات ہے لیکن عقلمند لوگوں میں ایسی حیا قابل تعریف نہیں۔ بعض اوقات کسی

بوڑھے کو گناہ کرتا دیکھ کر اس کے بڑھاپے سے حیا کرتے ہوئے اسے روکا نہیں جاتا کیونکہ بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عظمت کے سبب ہے۔ یہ حیا اچھی ہے مگر اس سے زیادہ اچھا یہ ہے کہ بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا کرے اور نیکی کا حکم دینے کو ترک نہ کرے۔ مضبوط ایمان والا وہ ہے جو بندوں کے مقابلے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا کرنے کو ترجیح دے اور کمزور ایمان والا بہت کم ہی ایسا کر پاتا ہے۔

❀...**آٹھویں وجہ:** اپنے گناہ چھپانے کی ایک جائز وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرا اس کی پیروی کر کے اس گناہ پر جرأت نہ کرے۔ یہ وجہ عبادت ظاہر کرنے کی بھی ہوتی ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے۔ اس بات کو عِلَّت بنانا اَئِمَّۂ دِین اور انہی لوگوں کے لئے جائز ہے جن کی پیروی کی جاتی ہے اور اسی علت کی بنا پر گناہگار کو چاہئے کہ اپنے گناہ اپنی اولاد اور دیگر اہْلِ خانہ سے چھپائے کیونکہ وہ اسی کو دیکھ کر سیکھتے ہیں۔

گناہ چھپانے کی یہ آٹھ وجوہات ہیں جبکہ نیکی ظاہر کرنے کی صرف یہی آخری ایک وجہ ہے۔ جب بندہ اس لئے گناہ چھپائے کہ لوگ اسے مُتَّقی کہیں تو وہ شخص ریاکار ہے جیسا کہ اس نیت سے نیکی ظاہر کرنا ریاکاری ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کیا بندے کے لئے جائز ہے کہ نیکی کرنے پر لوگوں کی تعریف کرے اور اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس سے محبت کریں؟ جبکہ حدیثِ پاک میں ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں عرض کی: "مجھے ایسی چیز ارشاد فرمائیے جس کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ اور لوگ مجھ سے محبت کریں۔" رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "اِزْھَدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبُّکَ اللّٰہُ وَانْبُذْ اِلَیْھِمْ ھٰذَا الْحُطَامَ یُحِبُّوْکَ یعنی دنیا میں زہد اختیار کر اللہ عَزَّوَجَلَّ تجھ سے محبت فرمائے گا اور یہ دنیاوی مال لوگوں کی طرف پھینک دے وہ تجھ سے محبت کریں گے۔"[1]

جواب: ہم کہتے ہیں کہ لوگوں کی محبت کو پسند کرنا کبھی اَمْرِ مُباح ہوتا ہے، کبھی قابلِ تعریف اور کبھی قابلِ مَذَمَّت۔

قابلِ تعریف: لوگوں کی محبت کو اس لئے پسند کرے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا تجھ سے محبت فرمانا اس کے

---

[1] ...حلیۃ الاولیاء، ابراھیم بن ادھم، ۸/ ۴۲، ۴۳، حدیث: ۱۱۳۲۲، ۱۱۳۲۳ بتغیر قلیل

ذریعے تجھ پر ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔

قابلِ مذمت: تیرے حج، جہاد اور تیری نماز وغیرہ کی وجہ سے کی جانے والی لوگوں کی تعریف اور ان کی محبت کو پسند کرنا قابلِ مذمت ہے کیونکہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے بدلے ثواب کے علاوہ فی الفور عوض چاہنا ہے۔

مُباح: تیرا اس بات کو پسند کرنا مُباح وجائز ہے کہ لوگ عبادت مَخْصُوصَہ مُعَیَّنَہ کے علاوہ کسی خوبی کی وجہ سے تجھ سے محبت کریں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے مال کی چاہت کرنا کیونکہ جس طرح مال کا مالک ہونا مقاصِد کے حصول کا ذریعہ ہے اسی طرح کچھ مقاصد کے حصول کے لئے لوگوں کے دلوں کا مالک ہونا بھی وسیلہ ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

نویں فصل: ریاکاری اور آفات کے خوف سے عبادات چھوڑ دینے کا بیان

بعض لوگ عمل اس ڈر سے چھوڑ دیتے ہیں کہ اگر عمل کریں گے تو ریاکاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ نظریہ غَلَط بلکہ شیطان کی مُوافقت ہے، آفات کے خوف سے کس عمل کو چھوڑا جائے اور کس کو نہیں اس بارے میں درست بات ہم ذکر کرتے ہیں۔

عبادت کی دو قسمیں:

ایک قسم ان عبادات کی ہے جن میں بذاتِ خود لذت نہ ہو جیسے نماز، روزہ، حج اور جہاد۔ یہ بنفسہٖ مَشَقَّت اور مجاہدات ہیں، ان میں لذت محض اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگوں کی تعریف کا سبب بنتی ہیں۔ دوسری قسم ان عبادات کی ہے جن میں بعینہٖ لذّت پائی جاتی ہے، زیادہ تر ان کا تعلق بدن کے بجائے مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے جیسے خِلافت، قضاء، ولایات، حساب، نماز کی امامت، وعظ ونصیحت، درس وتدریس اور صدقہ وخیرات وغیرہ وہ عبادات جن میں آفت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ان کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے اور ان میں لذت بھی پائی جاتی ہے۔

پہلی قسم:

وہ عبادات جن کا تعلق بدن کے سوا کسی چیز سے نہیں ہوتا اور بعینہٖ ان میں لذت بھی نہیں پائی جاتی مثلاً: نماز، روزہ اور حج وغیرہ۔ ان عبادات میں ریاکاری کے تین خطرات ہیں:

❁...**پہلا خطرہ:** یہ خطرہ عمل سے قبل پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل شروع کر دیتا ہے اور اس میں کوئی دینی وجہ نہیں ہوتی تو اس عمل کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے[1] کیونکہ یہ خالص گناہ ہے جس میں کوئی نیکی نہیں اور یقیناً وہ ایسی صورت میں عبادت کا لبادہ اوڑھ کر مقام و مرتبہ کے حصول کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اگر انسان ریاکاری پر ابھارنے والے سبب کو دور کرنے پر قادر ہو اور اپنے نفس سے کہے: کیا تجھے اپنے آقا سے حیا نہیں آتی کہ تو اس کے بجائے اس کے بندوں کے لئے عمل کر رہا ہے؟ حتّٰی کہ ریاکاری پر ابھارنے والا سبب دور ہو جائے اور نفس صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عمل کرنے پر آمادہ ہو جائے تب انسان عمل میں مشغول ہو، یہ ریاکاری کے خطرات پر نفس کی سزا اور انسان کے لئے کفارہ ہو گا۔

❁...**دوسرا خطرہ:** عبادت کرنے میں نیت اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی تھی لیکن عمل کے آغاز میں یا کچھ ہی پہلے ریاکاری نے حملہ کر دیا تو اس صورت میں عمل کو چھوڑنا نہیں چاہئے کیونکہ یہاں ایک دینی وجہ پائی جا رہی ہے لہٰذا وہ عمل شروع کر دے اور ریاکاری کو دور کرنے اور اخلاص کو حاصل کرنے کی کوشش میں ان تدبیروں کا سہارا لے جنہیں ہم نے بیان کیا ہے یعنی نفس پر ریاکاری کی نفرت کو لازم کرنا اور ریاکاری کو قبول نہ کرنا۔

❁...**تیسرا خطرہ:** بندہ اخلاص کی بنیاد پر عمل شروع کرے لیکن ریاکاری اور اس کے مُحَرِّکات حملہ آور ہو جائیں تو اسے چاہئے کہ عمل نہ چھوڑے اور ان کو دور کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ اخلاص کی طرف لوٹ آئے بلکہ زبردستی نفس کو اخلاص کی طرف پھیرے حتّٰی کہ عمل پورا ہو جائے کیونکہ شیطان اولاً تمہیں ترک عمل کی طرف بلائے گا اگر تم نے اسے قبول نہ کیا بلکہ بدستور عمل کرتے رہے تو وہ تمہیں ریاکاری کی طرف بلائے گا اگر تم نے قبول نہ کیا اور اسے دفع کر دیا تو وہ تم سے کہے گا: یہ عمل خالص نہیں ہے تم ریاکار ہو

---

[1]...ریاکاری کی صورت فرض عبادت کو بہر صورت بجالائے ترک نہ کرے جبکہ نفل عبادت میں ریاکاری سے بچنے کی کوشش کرتا رہے۔ (ازعلمیہ)

اور تمہاری محنت ضائع ہے، لہٰذا ایسے عمل کا کیا فائدہ جس میں اخلاص ہی نہ ہو۔۔۔؟ حتّٰی کہ وہ تمہیں عمل چھوڑنے پر ابھارنے لگے گا اگر تم نے عمل چھوڑ دیا تو شیطان کی مراد پوری ہو جائے گی۔

شیطان کی چالیں:

ریاکاری کے خوف سے عمل کو چھوڑ دینے والے شخص کی مثال اس غلام کی طرح ہے جسے آقا نے ایسی گندم دی جس میں دیگر دانے بھی ملے ہوئے تھے اور کہا: اسے اچھی طرح صاف کر دو۔ غلام نے اس خوف سے کہ میں اسے اچھی طرح صاف نہ کر سکوں گا لہٰذا آقا کی بات پر سرے سے عمل ہی چھوڑ دیتا ہے، تو ریاکاری کے خوف سے سِرے سے عمل ترک کرنا اخلاص کو ترک کرنا ہے اور ریاکاری کے ایسے خوف کا کوئی اِعْتِبار نہیں۔ وہ شخص بھی اسی میں داخل ہے جو یہ سوچ کر عمل چھوڑ دیتا ہے کہ لوگ مجھے ریاکار کہیں گے جس کے باعث وہ گناہگار ہوں گے۔ یہ سب شیطان کی چالیں ہیں کیونکہ بندہ پہلے مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہوا حالانکہ ان کے متعلق ایسا گمان رکھنے کا حق اسے بالکل نہیں۔ اگر وہ اسے ریاکار کہتے بھی تو اسے کیا نقصان تھا اس نے تو اپنی عبادت کا ثواب ہی ضائع کر دیا اور اس خوف سے عمل ترک کر دینا کہ لوگ ریاکار کہیں گے یہ پکی ریاکاری ہے کیونکہ اگر اسے ان کی تعریف کی چاہت اور مذمت کا خوف نہ ہوتا تو اسے کیا پرواہ تھی کہ لوگ اسے ریاکار کہیں یا مُخْلِص؟ نیز خود کو ریاکار کہے جانے کے خوف سے عمل کو ترک کر دینے اور عبادت میں سست کہے جانے کے خوف سے اچھی طرح عبادت کرنے کے مابین فرق ہی کیا رہ گیا۔۔۔؟ بلکہ عمل کو چھوڑ دینا تو اس سے زیادہ بُرا ہے۔ یہ تمام ہی شیطان کی چالیں ہیں جو وہ جاہل لوگوں کے خلاف چلتا ہے۔

عمل ترک کرنے کے بعد بھی شیطان انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتا:

عمل چھوڑ دینے کے بعد بھی بندہ یہ کیسے خیال کر لیتا ہے کہ شیطان اس کا پیچھا چھوڑ دے گا، شیطان اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا بلکہ کہتا ہے: لوگ کہتے ہیں تم نے اخلاص کی وجہ سے عمل چھوڑا ہے، تم شہرت کے طالب نہیں، اس چال کے ذریعے وہ تمہیں بھاگنے پر مجبور کر دے گا، اگر تم بھاگ کر زمین کے نیچے کسی بل میں داخل ہو جاؤ تو وہاں بھی تمہارے دل میں لوگوں کی معرفت کی مٹھاس ڈال دے گا کہ لوگوں کو تمہاری گوشہ نشینی اور زُہد و

تقویٰ کا علم ہونا چاہئے تا کہ ان کے دلوں میں تمہاری تعظیم بیٹھ جائے۔ اب بتاؤ تم شیطان سے کیسے بچ سکتے ہو؟ اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ تم ریاکاری کی آفت کو پہچان لو یعنی ریاکاری میں آخرت کا نقصان ہے اور اس میں دنیا کا بھی کوئی نفع نہیں تا کہ تمہارے دل میں ریاکاری سے نفرت اور اس کا انکار بیٹھ جائے، اس کے ساتھ ساتھ تم عمل کرتے رہو اور کسی بات کی پرواہ نہ کرو اگرچہ دشمن وسوسے ڈالتا رہے کیونکہ یہ وسوسے ختم ہونے والے نہیں اور ان کی وجہ سے عمل کو ترک کرنا اپنے آپ کو بیکار کرنا اور نیکیوں کو چھوڑ دینا ہے۔

انسان کب عمل ترک کرے اور کب بجالائے؟

جب تک عمل پر ابھارنے والا کوئی دینی سبب موجود ہے اس وقت تک تم عمل کو نہ چھوڑو اور ریاکاری کا مقابلہ کرو۔ اور جب تمہارا نفس اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تعریف کے بدلے لوگوں کی تعریف کی طرف تمہیں بلائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا کو لازم پکڑ لو کیونکہ اسے تمہارے دل کی خبر ہے اور اگر لوگوں کو تمہارے دل کی حالت کا پتا چل جائے کہ تم صرف ان کی تعریف چاہتے ہو تو وہ تمہیں دُھتکار دیں، لہٰذا اپنے نَفْس کو سزا دینے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا کے لئے اگر تم عمل کو بڑھا سکتے ہو تو ایسا ضرور کرو اور اگر شیطان تمہیں کہے کہ تم ریاکار ہو تو اس کے جھوٹ اور دھوکے کو فوراً اپنے دل میں موجود ریاکاری کی نفرت، اس سے انکار وخوف اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا کے ذریعے جان لو اور اگر تم دل میں ریاکاری کی نفرت وخوف نہ پاؤ اور نہ ہی کوئی دینی سبب محسوس کرو بلکہ محض ریاکاری ہی کا سبب پاؤ تو عمل کو ترک کر دو، حالانکہ ایسا ہونا بہت مشکل ہے کیونکہ جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عمل شروع کرتا ہے تو اس کے ساتھ اصل ثواب کی نیت ضرور ہوتی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

کئی بزرگوں سے ثابت ہے کہ انہوں نے شہرت کے خوف سے عمل چھوڑ دیا، چنانچہ حضرت سیِّدُنا ابرٰہیم نَخَعی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْغَنِی کے مُتَعَلِّق منقول ہے کہ آپ تلاوت میں مشغول تھے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا تو آپ نے قرآن پاک بند کر کے تلاوت ترک کر دی اور فرمایا: ”یہ شخص کہیں یہ نہ سمجھ لے کہ میں ہر وقت تلاوت کرتا ہوں۔“ حضرت سیِّدُنا ابراہیم تَیْمِی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: ”جب تمہیں اپنا بولنا اچھا معلوم ہو تو خاموش رہو اور جب خاموش رہنا اچھا معلوم ہو تو گفتگو کرو۔“ حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ

رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: ”بعض بزرگ راستے میں تکلیف دہ چیز دیکھتے لیکن شہرت کے خوف سے اسے نہ ہٹاتے اور کچھ ایسے بھی تھے کہ جب انہیں رونا آتا تو بجائے رونے کے شہرت کے ڈر سے اسے ہنسی میں بدل دیتے۔“ مختصر یہ کہ اس بارے میں کثیر واقعات مَروِی ہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں ان واقعات کے مقابلے میں نیکیوں کو ظاہر کرنے کے واقعات اتنے زیادہ پائے جاتے ہیں جن کا شمار نہیں اور حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی نے جو فرمایا وہ وَعظ و نصیحت کرتے ہوئے تھا اور وعظ میں جو شہرت ہے وہ رونے اور راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کی شہرت سے زیادہ ہے لیکن پھر بھی آپ نے وعظ کرنا نہیں چھوڑا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ (شہرت کے خوف سے) نوافل چھوڑ دینا جائز ہے لیکن یہاں کلام اَفْضَلِیَّت میں ہے اور افضل کی طاقت مضبوط لوگ ہی رکھتے ہیں کمزور نہیں لہٰذا افضل یہ ہے کہ عمل کو چھوڑنے کے بجائے اخلاص کی کوشش کرتے ہوئے عمل پورا کرے۔ عبادت گزار بعض اوقات شدتِ خوف کی وجہ سے اَفْضَل کے بجائے مَفْضُوْل سے اپنا علاج کرتے ہیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مضبوط لوگوں کی پیروی کی جائے۔ جہاں تک حضرت سیِّدُنا ابراہیم نَخَعِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الوَلِی کے قرآن پاک بند کر دینے کی بات ہے تو ممکن ہے ان کا یہ خیال ہو کہ اب اس شخص سے بات کرنے کے لئے تلاوت ترک کرنا پڑے گی اور اس کے جانے کے بعد دوبارہ تلاوت شروع کر دوں گا، لہٰذا آپ کا یہ خیال کرنا کہ وہ شخص آپ کو قراءت میں مشغول نہ دیکھے یہ ریاکاری کرنے سے بہت بعید ہے کیونکہ آپ نے تلاوت ترک کرنے کا اِرادہ اس لئے کیا کہ اس سے گفتگو ہو جائے اور وہ دوبارہ بھی آپ کے پاس آتا رہے اور جہاں تک بات ہے راستے سے تکلیف دہ چیز نہ ہٹانے کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے شہرت ہو گی اور لوگ اس شخص کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور ان کا متوجہ ہونا اس شخص کو ان عبادات سے دور کر دے گا جو راستے میں پڑی چیز کو ہٹانے سے کہیں بڑی ہیں، لہٰذا راستے میں پڑی تکلیف دہ چیز کو نہ ہٹانا اس سے بڑی عبادات کی حفاظت کی خاطر ہے، محض ریاکاری کے خوف کی وجہ سے نہیں اور جہاں تک تعلُّق ہے حضرت سیِّدُنا ابراہیم تَیْمِی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے اس فرمان کا کہ ”جب تمہیں اپنا بولنا اچھا معلوم ہو تو خاموش رہو“ تو ممکن ہے آپ نے اس سے مباح کلام مراد لیا ہو مثلاً حکایات و واقعات وغیرہ میں فصاحت سے بچنا کیونکہ اس سے خود پسندی پیدا ہوتی

ہے۔اوراسی طرح ایسی جائز خاموشی بھی ممنوع ہے جس سے خود پسندی پیدا ہوتی ہو،لہٰذا آپ نے خود پسندی سے بچنے کے لئے ایک جائز کام کو چھوڑ کر دوسرے جائز کام کی طرف جانے کا قول کیا،بہر حال مستحب کلام سے بچنے کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں نیز کلام میں واقع ہونے والی آفات کثیر ہیں جن کا تعلق دوسری قسم سے ہے جبکہ ہمارا کلام ان عبادات کے بارے میں ہے جو بدن کے ساتھ خاص ہیں لوگوں سے ان کو کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ان میں زیادہ آفات ہیں۔ حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی کا کلام کہ ''اَسلاف شہرت کے خوف سے رونے کو ترک کر دیتے اور تکلیف دہ چیز کو نہ ہٹاتے'' تو ہو سکتا ہے آپ کا یہ کلام ان کمزور لوگوں کے بارے میں ہو جو افضل کو نہیں جانتے اور باریک نکتوں سے ناواقف ہیں۔ آپ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه نے یہ کلام لوگوں کو شہرت کی آفت سے ڈرانے اور اس کی طلب سے بچانے کے لئے فرمایا تھا۔

دوسری قسم:

اس قسم کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے اور اس میں خطرات وآفات بھی زیادہ ہے سب سے بڑھ کر خطرہ حکمرانی میں، پھر قاضی بننے میں، پھر وَعظ و نصیحت کرنے، پھر فتوٰی دینے، پھر درس و تدریس کرنے اور پھر مال خرچ کرنے میں ہے۔

حکمرانی کی بات کریں تو یہ افضل عبادت ہے بشرطیکہ عدل وانصاف اور اخلاص کے ساتھ کی جائے۔

عادل حکمراں کی فضیلت کے متعلق چار فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾...انصاف کرنے والے حکمراں کا ایک دن اکیلے آدمی کی ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔[1]

لہٰذا اس سے بڑھ کر کیا عبادت ہوگی جس کا ایک دن ساٹھ سال پر بھاری ہے۔

﴿2﴾...سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے لوگ تین قسم کے ہیں ان میں سے ایک انصاف کرنے والا حکمراں بھی ہے۔[2]

---

1 ...المعجم الکبیر، ۱۱/ ۲٦۷، حدیث: ۱۱۹۳۲

2 ...مسلم، کتاب الجنة...الخ، باب الصفات التی یعرف بها...الخ، حدیث: ۲۸٦۵، ص ۱۵۳۲ بتغیر

﴿3﴾... تین قسم کے لوگوں کی دعارد نہیں ہوتی ان میں سے ایک عادل حکمراں بھی ہے۔[1]

﴿4﴾... عادِل ومُنْصِف حُکمراں قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب ہو گا۔[2]

معلوم ہوا حکمرانی بڑی عبادات میں سے ہے لیکن مُتَّقِی لوگ اس میں پائے جانے والے بڑے بڑے خطرات کے سبب اسے قبول نہیں کرتے تھے بلکہ اس سے بچتے اور اس کا پٹہ گلے میں ڈالنے سے بھاگتے تھے کیونکہ بادشاہت کے سبب باطنی صِفات مُتزلزل ہو جاتی ہیں اور دل پر جاہ ومنزلت کی محبت اور بلندی وحکمرانی کی لذت غالب آجاتی ہے اور یہ دنیا کی بڑی لذتوں میں سے ایک ہے۔ جب حکمرانی محبوب ہو جائے گی تو حکمران نفسانی مقاصد کو پورا کرنے کی کوشش میں لگ جائے گا ممکن ہے وہ خواہشات کی پیروی میں ہر اس کام سے باز رہے جو اس کی شہرت وحکمرانی میں قَدْغَن کا سبب بنے اگرچہ وہ حق وسچ ہی کیوں نہ ہو، اور ہر اس کام کی طرف پیش قدمی کرے جو اس کے مرتبے کو بڑھادے اگرچہ وہ ناحق وباطل ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے مقام پر پہنچ کر وہ ہلاک ہو جائے گا اور ایسا ظالم بادشاہ بن جائے گا جس کا ایک دن ساٹھ سال کے فِسْق وفُجُور پر بھاری ہے جیسا کہ یہ بات اس حدیث سے سمجھ میں آرہی ہے جسے ہم پیچھے ذکر کر چکے۔

حکمرانی خطرات سے پُر ہے:

اسی بڑی آفت کے پیشِ نظر امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ (حکمرانی کے متعلق) فرمایا کرتے: "تمام خطرات کے ہوتے ہوئے اسے لینے والا کون ہے؟" اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمادیا ہے کہ "جو شخص دس آدمیوں پر حاکم ہوا کل بروز قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گے، اس کا عدل وانصاف اسے آزاد کروائے گا یا اس کا ظلم اسے ہلاک کر دے گا۔"[3]

یہ حدیث حضرت سیِّدُنا مَعْقِل بن یَسار رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے روایت فرمائی ہے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو

---

1 ... سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب في الصائم لاترد دعوته، ۲/ ۳۴۹، حديث: ۱۷۵۲

2 ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابي سعيد الخدري، ۴/ ۳۶، حديث: ۱۱۱۷۴

3 ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند ابي هريرة، ۳/ ۳۲۵، حديث: ۹۵۷۹

حضرت سیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ نے حاکم مُقَرَّر کرنا چاہا تو آپ نے بارگاہِ فاروقی میں عرض کی: مجھے مشورہ دیجئے! امیر المؤمنین رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ فرمایا: تم حاکم بننے سے رُک جاؤ اور میرا مشورہ کسی کو بتانا مت۔

حضرت سیِّدُنا حسن بصری رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ روایت کرتے ہیں کہ رسولُ الله صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک شخص کو والی بنایا تو اس نے عرض کی: یا رسولَ الله صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ ہی فرمایئے میرے لئے بہتر کیا ہے؟ فرمایا: بیٹھے رہو (یعنی والی نہ بننا ہی بہتر ہے)۔[1]

اسی طرح حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن سَمُرَہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ کی حدیث میں ہے کہ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا: اے عبد الرحمٰن! حکومت کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر وہ تمہیں بن مانگے مل گئی تو اس پر تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر تمہارے مانگنے پر تمہیں دی گئی تو تم اس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے۔[2]

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا رافع بن عُمَر رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے فرمایا: کبھی دو شخصوں پر بھی امیر نہ بننا۔ پھر حضرت سیِّدُنا صِدِّیق اَکبر رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ خلیفہ مُقَرَّر ہو گئے تو حضرت سیِّدُنا رافع رَحْمَۃُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے آپ سے کہا: آپ نے تو مجھے کہا تھا کبھی دو شخصوں پر بھی امیر نہ بننا اور آپ خود پوری امت محمدی پر امیر بن گئے؟ آپ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ہاں میں نے تمہیں ایسا ہی کہا تھا اور اب بھی میں تمہیں وہی بات کہتا ہوں کیونکہ جو شخص امارت وحکمرانی میں انصاف نہ کرے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے دور ہے یعنی اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی لعنت ہے۔

کس کے لئے حکمرانی جائز اور کس کے لئے ممنوع؟

شاید کم فہم لوگ امارت وخلافت کی فضیلت اور ممانعت میں وارد ہونے والی احادیث کو ایک دوسرے کے خلاف تصور کر لیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ مخلص اور مضبوط دین دار لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس سے انکار نہ کریں اور کمزور ایمان والوں کو چاہئے کہ اس کے پیچھے نہ دوڑیں ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔ مضبوط

[1] ... المصنف لعبد الرزاق، کتاب الجامع، باب الامام راع، ۱۰/ ۲۸۲، حدیث: ۲۰۸۱۹

[2] ... بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب قول اللہ تعالٰی...الخ، ۴/ ۲۸۱، حدیث: ۶۶۲۲ بتقدم وتاخر

دین دار سے میری مراد وہ شخص ہے جسے دنیا اپنی جانب مائل نہیں کرتی، لالچ اس پر غالب نہیں آتی اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہیں کرتا۔

پس وہ لوگ جن کی نظر میں مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں، وہ دنیا سے بے رغبت ہوگئے اب دنیا سے ان کا نہ ہی کوئی تعلق ہے نہ مخلوق سے میل جول۔ وہ اپنے نفس پر غلبہ پاکر اس کے مالک بن گئے اور شیطان کا قلع قمع کر دیا حتّٰی کہ شیطان ان سے مایوس ہو گیا تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے حرکت و سکون کا محور حق ہے اگرچہ حق کی خاطر ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے، لہٰذا یہی لوگ خلافت و امارت کی فضیلت کو پانے کے اہل ہیں اور جو شخص اپنے اندر ان صفات کو مفقود پائے تو اس کے لئے حکمرانی و خلافت کے سمندر میں چھلانگ لگانا حرام ہے۔ اور جس شخص کو اپنے متعلق اس بات کا تجربہ ہو کہ وہ امارت و حکومت نہ ہونے پر حق بات پر صبر اور خواہشات سے پرہیز کرے گا مگر حکمرانی ملنے کے متعلق اسے اس بات کا خوف ہو کہ جاہ و منصب کی شیرینی اور حکمرانی کی لذت اسے بدل دے گی اور وہ حکمرانی کو لذیذ اور معزول ہونے کو ناپسند کرے گا اور معزول ہونے سے بچنے کی خاطر مُنافقت سے کام لے گا تو ایسے شخص کے بارے میں عُلَما کا اختلاف ہے کہ آیا اس پر حکمرانی سے دور بھاگنا واجب ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں واجب نہیں کیونکہ یہ مستقبل کے معاملے کا خوف ہے جبکہ وہ شخص فی الحال خود کو حق بات اور نفسانی خواہشات کو چھوڑنے پر مضبوط سمجھتا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ اسے بچنا ہی بہتر ہے کیونکہ نفس دھوکے باز ہے، حق کا دعویٰ کرتا ہے اور بھلائی کا وعدہ کرتا ہے اور اگر وہ بھلائی کا پکا ارادہ کر بھی لے پھر بھی اس پر خوف رہتا ہے کہ کہیں حکومت ملتے ہی بدل نہ جائے، لہٰذا جب اس کے وعدے ہی میں شک ہے تو اس پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اور حکومت کو قبول کرنے سے رک جانا حکومت مل جانے کے بعد معزول ہونے سے آسان ہے کیونکہ معزولی (جدائی) تکلیف دیتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے: ''معزولی مردوں کی طلاق ہے۔'' لہٰذا جب اس کی حکومت قائم ہو جائے گی تو نفس چھوڑنے پر راضی نہ ہو گا نتیجتاً وہ شخص مُنافقت کرے گا اور حق چھوڑ دے گا جس کے سبب جہنم کے ایسے گڑھے میں جا گرے گا جس سے مرتے دم تک نہ نکل سکے گا مگر یہ کہ زبردستی اسے معزول کر دیا جائے لیکن ایسی صورت میں اگر وہ حکمرانی سے محبت کرنے والا ہے تو اسے دنیاوی غم ضرور جھیلنا پڑے گا۔

جب نفس حکمرانی کی طرف مائل ہو اور طلب و سوال پر ابھارے تو یہ شر کی علامت ہے۔ اسی وجہ سے رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہم سے حکمرانی کا سوال کرے ہم اسے حکمران نہیں بناتے۔[1]

مضبوط اور کمزور کے متعلق جدا جدا حکم کو سمجھ لینے کے بعد تمہیں جان لینا چاہئے کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا حضرت سیِّدُنا رافع عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ النَّافِع کو حکمرانی سے منع کرنا اور پھر خود اس عہدے پر فائز ہو جانا متعارض نہیں۔

قاضی بننا:

جہاں تک قاضی بننے کی بات ہے تو یہ اگرچہ حکمرانی سے کم درجہ ہے لیکن حکم اس کا بھی وہی ہے کیونکہ ہر والی امیر ہوتا ہے یعنی اس کا حکم مانا جاتا ہے اور حکمرانی طبعاً محبوب ہوتی ہے، فیصلہ کرنے میں حق کی پیروی کی جائے تو بہت ثواب ہے اور اگر حق سے منہ پھیر لیا جائے تو عذاب بھی بہت ہے۔

قاضی تین طرح کے ہیں:

رسولِ پاک، صاحِبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "قاضی تین طرح کے ہیں دو دوزخ میں ہیں اور ایک جنّت میں۔"[2]

ایک روایت میں ہے: "جس نے خود عہدۂ قضا طَلَب کیا گویا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔"[3]

کسے قاضی بننا چاہئے اور کسے نہیں؟

لہٰذا قاضی بننے کا بھی وہی حکم ہے جو حکمرانی کا ہے، کمزور لوگوں اور اس شخص کے لئے اسے چھوڑ دینا ہی بہتر ہے جس کی نظر میں دنیا اور اس کی لذات کی کوئی وقعت ہو۔ اور مضبوط ایمان والے جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ

---

1 ...مسلم، کتاب الامارۃ، باب النھی عن طلب الامارۃ... الخ، ص ۱۰۱۳، حدیث: ۱۸۲۴

2 ...سنن الترمذی، کتاب الاحکام، باب ما جاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القاضی، ۳/ ۲۰، حدیث: ۱۳۲۷

3 ...الکامل فی ضعفاء الرجال، الرقم: ۶۳۴، داود بن الزبرقان، ۳/ ۵۶۹

کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں ہوتی انہیں چاہئے کہ وہ قاضی کا عہدہ قبول کریں۔

بعض اوقات بادشاہ ظالم ہوتے ہیں اس صورت میں قاضی ان کی اور ان کے مُتَعَلِّقِین کی رِعایت کرنے کی وجہ سے منافقت سے کام لیتا ہے اور حق بات کہنے پر طاقت نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر حق بات کہوں گا تو بادشاہ مجھے معزول کر دے گا یا پھر میری بات قبول نہیں کرے گا۔ ایسی صورت میں وہ عہدۂ قضا قبول نہ کرے اور اگر قبول کر لیا تو اب اس پر لازم ہے کہ ان سے حقوق طَلَب کرے، معزول ہونے کا خوف ناحق فیصلہ کرنے کے لئے عذر نہیں بن سکتا بلکہ جب اسے معزول کر کے عہدہ چھین لیا جائے تو اگر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر فیصلے کرتا تھا تو اسے چاہئے کہ اس معزولی پر خوش ہو اور اگر یہ معزولی اس کے نفس پر گراں گزرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خواہشات اور شیطان کی پیروی میں فیصلے کرتا تھا، لہٰذا اس پر اسے کیسے ثواب دیا جائے؟ ایسا قاضی ظالموں کے ساتھ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہے۔

وعظ و نصیحت، فتویٰ دینا اور حدیث بیان کرنا:

جہاں تک تعلق ہے وعظ و نصیحت کرنے، فتویٰ دینے، درس و تدریس، رِوایات حدیث، اَسانید عالیہ کو جمع کرنے کا اور ہر اس شے کا جس کے سبَب قَدْر و مَنْزِلَت اور شہرت زیادہ ہو تو حکمرانی کی طرح ان سب میں بھی بڑی آفت پائی جاتی ہے۔ بزرگانِ دِین فتویٰ دینے سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ وہ فرمایا کرتے "حَدَّثَنَا" دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جس نے "حَدَّثَنَا" کہا گویا اس نے کہا: میرے لئے کُشادگی کر دو، (یعنی میری عزت کرو)۔

حضرت سَیِّدُنا بِشْر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی نے حدیث کے کئی تھیلے دفن کر دیئے اور فرمایا: "مجھے حدیث بیان کرنے کی خواہش نے بیان کرنے سے روک دیا ہے، اگر مجھے بیان نہ کرنے کی خواہش ہوتی تو میں ضرور بیان کرتا۔

کون وَعظ و نصیحت کرے اور کون نہیں؟

وَعظ کرنے والا شخص جب اپنے وعظ سے لوگوں کے دلوں کا متاثر ہونا، ان کا رونا، چیخنا اور اپنی طرف مُتَوَجِّہ ہونا دیکھتا ہے تو اسے ایسی لذت ملتی ہے جس کا مقابلہ کوئی لذت نہیں کر سکتی، جب یہ بات اس کے دل

پر غالب آجاتی ہے تو اس کی طبیعت ایسے مُسَجَّع کلام کی طرف مائل ہوتی ہے جو لوگوں میں مشہور ہو جائے اگرچہ باطل ہی کیوں نہ ہو اور وہ ہر ایسے کلام سے بھاگتا ہے جو لوگوں پر گراں ہو اگرچہ سچ ہی کیوں نہ ہو۔ اَلْغَرَض اس کی تمام جستجو اس چیز کی طرف ہو جاتی ہے جس کے سبب لوگوں کے دلوں کو گرما دے اور اس کی قدر و منزلت ان کے دلوں میں اور بڑھ جائے۔ وہ جو بھی حدیث و حکمت کی بات سنتا ہے اس سے صرف اس لئے خوش ہوتا ہے کہ اسے منبر پر بیان کرے گا حالانکہ اسے اس لئے خوش ہونا چاہئے کہ اس نے کامیابی اور دین کے راستہ پر چلنے کا ایک طریقہ سیکھ لیا تاکہ پہلے خود اس پر عمل کرے پھر کہے: جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے یہ نعمت بخشی ہے اور مجھے اس حکمت سے نَفْع دیا ہے تو میں بھی اسے بیان کروں گا تاکہ اس نفع میں میرے مسلمان بھائی بھی شریک ہو جائیں۔

وعظ و نصیحت کرنے میں بڑا خوف اور فتنہ ہے، اس کا بھی وہی حکم ہے جو حکمرانی کا ہے، لہٰذا وعظ و نصیحت سے جس شخص کی نیت قدر و منزلت کی چاہت، دین کے بدلے مال، فَخْر کرنا اور شہرت چاہنا ہو اسے چاہئے کہ وہ خواہش کی مخالَفت کرے حتّٰی کہ اس کا نفس پاک و صاف ہو جائے، دین کے معاملے میں پختہ ہو جائے اور اسے اپنے نفس پر فتنے کا خوف نہ رہے تو اب وعظ و نصیحت کرنے کی طرف لوٹ جائے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر ہم عُلَما کو وعظ و نصیحت سے منع کریں گے تو عُلُوم سمٹ کر خَتْم ہو جائیں گے اور مخلوق میں جہالت پھیل جائے گی؟

جواب: ہم کہتے ہیں سرکار دو عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حکمرانی طَلَب کرنے سے منع فرمایا۔[1] اور اس سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: بے شک تم حکومت کی لالچ کرتے ہو حالانکہ وہ بروز قیامت نری حسرت و ندامت ہے سوائے اس شخص کے جس نے اس کا حق ادا کیا۔[2] آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مزید فرمایا: "نِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ یعنی دودھ پلانے والی اچھی

❶... بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب قول اللہ تعالٰی... الخ، ۴/ ۲۸۱، حدیث: ۶۶۲۲

❷... بخاری، کتاب الاحکام، باب ما یکرہ من الحرص علی الامارة، ۴/ ۴۵۶، حدیث: ۷۱۴۸

مسلم، کتاب الامارة، باب کراھة الامارة بغیر ضرورة، ص ۱۰۱۵، حدیث: ۱۸۲۵ بتغیر قلیل

اور دودھ چھڑانے والی بری ہے[1]۔[2]

اور یہ بات یقینی ہے کہ سلطنت و حکومت نہ ہو تو دین و دنیا دونوں تباہ ہو جائیں، مخلوق میں قتل عام پھیل جائے، امن غارت ہو جائے، شہر برباد ہو جائیں، اور معیشت تباہ ہو جائے، اس کے باوجود سرکارِ مکہ، سردار مدینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس منصب کو اختیار کرنے سے منع فرمایا اور امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جب حضرت سیِّدُنا اُبَی بن کعب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو ملاحظہ کیا کہ لوگ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ان پر اپنا کوڑا بلند کر دیا حالانکہ آپ خود فرمایا کرتے "اُبَیٌّ سَیِّدُ الْمُسْلِمِیْن یعنی ابی بن کعب مسلمانوں کے سردار ہیں۔" اور انہیں قرآن پاک سنایا کرتے مگر جب آپ نے لوگوں کو ان کے پیچھے چلتے دیکھا تو منع کر دیا اور یہ کہتے ہوئے روکا کہ یہ متبوع (آگے چلنے والے) کے لئے فتنہ اور تابع (پیچھے چلنے والے) کے لئے ذلت ہے۔

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ خطبہ دیا کرتے تھے اور وعظ و نصیحت بھی کیا کرتے۔ ایک دن ایک شخص نے آپ سے بعد نمازِ فجر وعظ و نصیحت کرنے کی اجازت چاہی تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے منع فرمایا تو وہ کہنے لگا: آپ مجھے لوگوں کو نصیحت کرنے سے منع فرما رہے ہیں؟ حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پھول کر اَوجِ ثُرَیّا تک نہ پہنچ جاؤ۔" ایسا آپ نے اس لئے فرمایا کیونکہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جان لیا تھا کہ اس میں وعظ و نصیحت کے سبب حُبِّ جاہ اور لوگوں کے نزدیک مقبول ہونے کے خیالات جوش مار رہے ہیں۔

وعظ و نصیحت، درس و تدریس، اور فتویٰ کے طرح دینی معاملات میں لوگوں کو حکمرانی اور قضا کی بھی حاجت ہوتی ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، دونوں میں لذت اور فتنہ پایا جاتا ہے۔ معترض کا یہ کہنا کہ

---

[1]... مُفَسِّرِ شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اس حدیث کی شرح میں مراٰۃ المناجیح، جلد 5، صفحہ 349 پر ارشاد فرماتے ہیں: سُبْحٰنَ اللہ! کیسی نفیس عبارت ہے، سلطنت کو رعایا کی ماں قرار دیا گیا، ظالم سلطنت کو دودھ سے محروم کرنے والی ماں فرمایا گیا اور عادِل سلطنت کو دودھ دینے والی سگی ماں قرار دیا گیا یعنی رعایا کو حقوق دینے والی سلطنت اچھی ہے اور محروم کرنے والی سلطنت بُری۔

[2]... بخاری، کتاب الاحکام، باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ، ۴/ ۴۵۶، حدیث: ۷۱۴۸

وعظ ونصیحت سے منع کرنے سے علم کا دروازہ بند ہو جائے گا تو یہ غلط ہے کیونکہ رسولِ پاک، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قاضی بننے سے منع فرمایا،[1] لیکن اس سے قضا کا معاملہ ختم نہیں ہوا بلکہ ریاست اور اس کی محبت لوگوں کو اس کی طلب پر مجبور کر رہی ہے۔ اسی طرح ریاست کی محبت علوم کو پھیلنے سے نہیں روک سکتی بلکہ (اس کا عالم تو یہ ہے کہ) اگر لوگوں کو پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر سلاخوں کے پیچھے بند کر کے اُن علوم سے روکا جائے جن میں مقبولیت اور ریاست کا حصول ہو تو یقیناً لوگ بیڑیاں اور سلاخیں توڑ کر ان علوم کی طلب میں نکل کھڑے ہوں گے۔ بلاشبہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اس دین کی مدد ایسے لوگوں سے بھی کروائے گا جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ تم لوگوں کی پروا نہ کرو اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں ضائع نہیں فرمائے گا، تم اپنی فکر کرو۔ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اگر ایک شہر میں کئی واعظین ہوں، انہیں وعظ کرنے سے روکا جائے تو چند ہی ایسے ہوں گے جو رک جائیں گے ورنہ یہ تو حقیقت ہے کہ تمام کے تمام رکنے والے نہیں اور نہ ہی ریاست کی لذت کو چھوڑنے والے ہیں اور اگر شہر میں ایک ہی واعظ ہے اور اس کا وعظ لوگوں کے لئے نفع مند بھی ہے کہ اس کا کلام اچھا ہے، ظاہری حالت بھی سنوری ہوئی ہے اور عوام یہ سمجھتی ہے کہ وعظ سے اس کا مقصود اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا ہے، اور یہ تارِکُ الدنیا ہے تو ہم ایسے شخص کو وعظ کرنے سے منع نہیں کرتے بلکہ اس سے کہتے ہیں لگے رہو اور اپنے نفس سے جہاد کرو اگر وہ کہے کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا تو ہم کہیں گے: تم اپنے کام میں مشغول رہو اور کوشش کرتے رہو کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر اس نے وعظ کرنا چھوڑ دیا تو سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے کیونکہ وہاں اس کے علاوہ وعظ کرنے والا کوئی نہیں اور اگر وہ عزت وجاہ کی غرض سے مسلسل وعظ کرتا بھی رہا تو وہ تنہا ہی ہلاک ہو گا اور ایک کے دین کے مقابلے میں ہمیں تمام لوگوں کے دین کی سلامتی زیادہ پسند ہے، لہٰذا ہم اسے قوم کا فدیہ بنالیں گے اور کہیں گے شاید یہ وہی ہے جس کے بارے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ "بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ اس دین کی مدد ایسے لوگوں سے بھی لے لیتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔"[2]

---

1 ...مسلم، کتاب الامارۃ، باب کراھۃ الامارۃ بغیر ضرورۃ، ص ۱۰۱۵، حدیث: ۱۸۲٦ بتغیر

2 ...سنن النسائی الکبری، کتاب السیر، باب الاستعانۃ بالفجار فی الحرب، ۵/ ۲۷۹، حدیث: ۸۸۸۵

واعظ کی تعریف:

واعظ تو اسے کہتے ہیں جو اپنے کلام اور ظاہری صورت کے ذریعے دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت دلائے۔

ناپسندیدہ واعظین:

موجودہ دور میں واعِظِین عمدہ الفاظ کا سہارا لیتے ہیں، مُقَفّٰی ومُسَجَّع الفاظ کے ساتھ ایسے اشعار بھی ملا دیتے ہیں جن سے نہ کسی دینی معاملہ کی تعظیم ہوتی ہے اور نہ ہی لوگوں کے لئے خوف ہوتا ہے بلکہ ایسے نکات بیان کرتے ہیں جن سے گناہوں پر جُرأت اور ان کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ ایسے واعظین سے شہروں کو خالی کرنا واجب ہے، یہ لوگ دجال کے نائب اور شیطان کے خُلَفا ہیں۔ ہماری گفتگو تو اس واعظ کے بارے میں ہے جس کا وعظ اچھا ہو، ظاہر عمدہ ہو اور دل میں محض مقبولیت کی چاہت پوشیدہ ہو، اس کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہ ہو۔ ہم نے "علم کے بیان" میں عُلَمائے سوء کے بارے میں وہ وعید بیان کی ہے جو علم کے فتنوں اور دھوکوں سے لازمی طور پر بچنے کو واضح کرتی ہے۔

سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کی نصیحت:

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: اے علمائے سُو! تم روزہ رکھتے ہو، نماز پڑھتے ہو اور صَدَقہ وخیرات کرتے ہو لیکن جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ نہیں کرتے، دوسروں کو جس چیز کا دَرس دیتے ہو خود اس کے بارے میں نہیں جانتے ہو، کیا ہی برا ہے وہ جو تم حکم لگاتے ہو۔ زبان سے تم توبہ کرتے ہو لیکن عمل نفس کی خواہش کے مطابق کرتے ہو اور تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا کہ تمہارے ظاہری بدن صاف ستھرے ہوں اور تمہارے دلوں میں گندگی بھری ہوئی ہو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم چھلنی کی طرح مت بنو جس میں سے آٹا نکل جاتا ہے اور بھوسی باقی رہ جاتی ہے جیسا کہ تم زبانوں سے حکمت بھری باتیں کرتے ہو لیکن تمہارے دلوں میں کھوٹ باقی ہے۔

اے دنیا کے غلامو! وہ شخص جو دنیاوی خواہشات کو نہیں چھوڑ سکتا وہ آخرت کو کیسے پا سکتا ہے؟ میں سچ

کہتا ہوں تمہارے دل تمہارے اعمال پر آنسو بہاتے ہیں، تم نے دنیا کو اپنی زبانوں کے نیچے اور عمل کو اپنے پاؤں تلے ڈال دیا ہے، میں سچ کہتا ہوں تم نے اپنی آخرت کو تباہ و برباد کر دیا ہے، تمہیں دنیا کی بہتری آخرت کی بہتری سے زیادہ محبوب ہے، لہٰذا تم سے زیادہ نقصان میں کون ہو گا اگر تمہیں اس بات کا علم ہے؟ خرابی ہو تمہاری کب تک تم اندھیرے میں چلنے والوں کو راستہ دکھاتے رہو گے اور خود حیران کھڑے رہو گے گویا کہ تم دنیا والوں کو ترکِ دنیا کی اس لئے تلقین کرتے ہو کہ وہ اسے تمہارے لئے چھوڑ دیں، چھوڑ دو اس دنیا داری کو اب بس بھی کرو۔ تمہارے لئے خرابی ہو اگر چراغ گھر کی چھت پر رکھا جائے تو گھر کا اندر روشن کیسے ہو گا؟ اسی طرح اگر علم کا نور صرف تمہاری زبانوں پر رہے گا اور تمہارے دل اس سے خالی رہیں گے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہو گا؟

اے دنیا کے غلامو! تم پرہیز گار لوگوں کی طرح نہیں ہو اور نہ ہی تم معزز لوگوں کی طرح آزاد ہو، قریب ہے کہ یہ دنیا تمہیں جڑ سے ہی اکھاڑ پھینکے اور منہ کے بل گرا دے اور تم اپنے نتھنوں کے بل اوندھے گر جاؤ اور پھر تمہاری خطائیں تمہیں پیشانی سے جکڑ لیں اور تمہیں پیچھے سے دھکا دیں اور تم اس حالت میں خالقِ کائنات کے حضور پہنچو کہ تم بے لباس اور تنہا ہو پھر وہ تمہیں تمہارے بُرے اعمال کی سزا دے۔

اس روایت کو حضرت سیِّدُنا حارِث مُحاسِبی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الہَادِی نے اپنی ایک کتاب میں لکھا پھر فرمایا: یہ علمائے سوء انسانوں کے شیطان اور لوگوں پر فتنہ ہیں، دنیا کے مال و متاع اور بلند رتبے میں رغبت رکھتے ہیں، انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اور دنیا کی خاطر دین کو ذلیل کیا، لہٰذا یہ لوگ دنیا میں ننگ و عار اور آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہ آفات تو ظاہر ہیں لیکن علم اور وعظ و نصیحت کی طرف کئی باتیں راغب کرنے والی ہیں یہاں تک کہ رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: تیری وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ ایک بندے کو بھی ہدایت نصیب کر دے تو یہ تیرے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔[1] آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مزید فرمایا: جو شخص

---

1 ...بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، ۳/ ۸۵، حدیث: ۴۲۱۰، بلفظ "خیر لک من حمر النعم"

ہدایت کی طرف بلائے اور اس ہدایت کی پیروی کی جائے تو اس کے لئے دعوت دینے کا ثواب اور جو کوئی اس پر عمل کرے اس کا ثواب بھی اسے ملے گا۔[1] اس کے علاوہ بھی علم کے بہت فضائل ہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ عالم سے کہا جائے: آپ علم میں مشغول رہیں اور لوگوں کے خیال کو ترک کر دیں، جیسے ہم ریاکار نمازی کو کہتے ہیں کہ تم عمل ترک مت کرو بلکہ عمل پورا کرو اور اپنے نفس سے جہاد کرو (کیا علم ووعظ کے متعلق ہم ایسے نہیں کہہ سکتے؟)۔

جواب: جان لیجئے! علم کی فضیلت بہت بڑی ہے لیکن حکومت وسلطنت کی طرح اس کا خطرہ بھی عظیم ہے، ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ نہیں کہتے کہ علم چھوڑ دو، کیونکہ آفت نفسِ علم میں نہیں ہے، بلکہ آفت تو درس وتدریس، وعظ ونصیحت اور روایتِ حدیث کے اظہار کے در پے ہو جانے میں ہے، جب تک کسی میں کوئی بھی دینی سبب پایا جائے اگرچہ وہ ریاکاری کے ساتھ ملا ہوا ہی کیوں نہ ہو تو ہم اسے ترک کا نہیں کہتے البتہ اگر اس کا مُحَرِّک محض ریاکاری ہو تو اس کے لئے ترکِ اظہار ہی میں فائدہ اور سلامتی ہے۔ ایسے ہی جب نفل نمازوں میں باعث محض ریاکاری ہو تو ان کو ترک کرنا واجب ہے جبکہ حالت نماز میں ریاکاری کے وسوسے حملہ کریں تو یہاں یہ مجبور ہے، لہٰذا نماز کو ترک نہیں کرے گا کیونکہ عبادات میں ریاکاری کی آفت کافی کمزور ہے جبکہ حکمرانی اور علم کے ذریعے بڑے بڑے مَنَاصِب کے در پے ہو جانے میں ریاکاری کی آفت بہت بڑی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مراتب تین ہیں:

❀...**پہلا مرتبہ:** حکمرانی کا ہے، اس میں آفات بہت زیادہ ہیں اور بزرگانِ دین کی ایک جماعت نے اس کی آفت کے خوف سے اسے اختیار نہیں فرمایا۔

❀...**دوسرا مرتبہ:** یہ روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کا مرتبہ ہے، اَسلاف میں سے مضبوط وکمزور سب بزرگوں نے ان کو اختیار کیا اور آفت کے خوف کی وجہ سے انہیں ترک نہیں کیا، کیونکہ ان میں موجود آفتیں کمزور ہیں اور تھوڑی سی کوشش کے ساتھ ان کو دور کر کے عمل پورا کیا جا سکتا ہے۔

❀...**تیسرا مرتبہ:** یہ دونوں مرتبوں کے درمیان ہے، درس وتدریس، روایتِ حدیث، وعظ ونصیحت اور

---

[1] ...مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه...الخ، ص۱۴۳۸، حدیث: ۲۶۷۴

فتوٰی دینے کے درپے ہونا اس مرتبے کے تحت داخل ہے، اس مرتبہ میں پائی جانے والی آفات حکمرانی میں پائی جانے والی آفات سے کم اور نماز میں پائی جانے والی آفات سے زیادہ ہیں۔ نماز کی جہاں تک بات ہے تو اسے نہ مضبوط شخص چھوڑے نہ کمزور بلکہ ہر ایک ریاکاری کے حملے کو دور کرنے کی کوشش کرے اور حکمرانی مضبوط لوگوں ہی کے لائق ہے کمزور لوگ تو اس کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ اور جہاں تک تعلق ہے علم کے مناصب کا تو یہ (حکمرانی و نماز) دونوں کا درمیانی درجہ ہے۔ اور جس نے مَنْصَبِ علم کی آفات کا تجرِبہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ حکمرانی کے زیادہ مُشابہ ہے اور کمزور شخص کے حق میں اس سے دور رہنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَم

یہاں ایک چوتھا رُتبہ بھی ہے اور وہ ہے مال جمع کر کے مُسْتَحِقِّیْن میں تقسیم کرنا۔ کیونکہ مال خرچ کر کے سخاوت کا اظہار کرنے میں تعریف و توصیف کی چاہت اور لوگوں کے دلوں کو خوش کرنے میں نفس کے لئے لذت ہے، لہٰذا اس میں بھی آفات بہت زیادہ ہیں۔

بقدر ضرورت پر اکتفا افضل ہے:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ القَوِی سے پوچھا گیا کہ ایک شخص بقدرِ ضرورت رزق پر اکتفا کرتا ہے اور ایک شخص ایسا ہے جو ضرورت سے زیادہ حاصل کرتا ہے پھر اسے صدقہ کر دیتا ہے (ان میں افضل کون ہے؟) فرمایا: پہلے والا شخص (جو بقدر ضرورت پر اکتفا کرتا ہے وہ) افضل ہے۔

معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین جانتے تھے کہ دنیا سے بچنے ہی میں سلامتی ہے اور دنیا کو چھوڑنے ہی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب ہے۔

حضرت سیِّدُنا ابودَرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مسجدِ دِمَشْق کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر مجھے روزانہ پچاس درہم ملیں جنہیں میں صدقہ کر دوں، میرا یہ مطلب نہیں کہ میں خرید و فروخت کو حرام کہتا ہوں بلکہ میں چاہتا ہوں میں اُن لوگوں میں سے ہو جاؤں جنہیں تجارت اور خرید و فرخت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

کسب افضل ہے یا ذکر الٰہی میں مشغولیت:

اس سلسلے میں عُلَما کا اختلاف ہے کہ کَسْب افضل ہے یا ذکرِ الٰہی میں مشغولیت: **ایک گروہ کا کہنا ہے:** جب

دنیاوی آفات سے بچتے ہوئے اس میں سے حلال حصہ حاصل کیا جائے، پھر اسے صدقہ کیا جائے تو یہ دیگر عبادات ونوافل میں مشغول رہنے سے افضل ہے۔

دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر پر ہمیشگی اختیار کرنا افضل ہے اور لین دین اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے غافل کر دیتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا عیسٰی روحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا فرمان ہے: اے دنیا کے طلب گار! تو دنیا کے ذریعے نیک بننا چاہتا ہے، تیرا دنیا کو چھوڑ دینا ہی بڑی نیکی ہے۔

آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے مزید فرمایا: دنیا کی کم از کم خرابی یہ ہے کہ اس کی اصلاح اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر سے روکتی ہے حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ذکر بڑا اور افضل ہے۔

یہ افضلیت کا اختلاف ان لوگوں کے بارے میں ہے جو آفاتِ دنیا سے سلامتی میں ہیں جبکہ ریاکاری کی آفت جن لوگوں کے پیچھے پڑی ہے ان کے لئے دنیا کو چھوڑ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ذکر میں مشغول ہونا ہی بڑی نیکی ہے اور اس کی افضلیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق مخلوق سے ہو اور نفس کے لئے اس میں لذت ہو تو وہ آفات کی آماجگاہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ بندہ عمل کرے اور آفات کو دور کرے پھر اگر عاجز آ جائے تو غور وفکر کرے، اپنے دل سے فتوٰی لے اور عمل میں پائے جانے والے خیر وشر کا مُوازَنہ کرے اور طبیعت کے میلان کے برخلاف جس کی طرف نورِ علم رہنمائی کرے اسے اپنائے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جو چیز بندے کے دل پر ہلکی ہو وہی اکثر اوقات زیادہ نقصان دہ ہوتی ہے کیونکہ نفس بُرائی کی طرف ہی اشارہ کرتا ہے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ بھلائی کی طرف مائل ہو کر اس سے لذت چاہے اگرچہ بعض اوقات ایسا ہونا کوئی بعید بھی نہیں۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جن کے بارے میں تفصیلی طور پر "ہاں" یا "ناں" کا حکم لگانا ممکن نہیں، لہٰذا ان کو اجتہادِ قلب کے سپُرد کر دیا گیا ہے تا کہ وہ اپنے دین کی بھلائی کی خاطر ان میں غور کرے اور مشکوک باتوں کو چھوڑ کر یقینی باتوں کو اپنائے۔ جو باتیں ہم نے بیان کی ہیں ان سے بعض اوقات

جاہل کو دھوکا ہو جاتا ہے، لہٰذا وہ مال کو روک لیتا ہے اور آفت کے خوف سے خرچ نہیں کرتا یہ عین بخل ہے۔

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ صَدَقہ وخیرات سے قطع نظر محض جائز کاموں میں مال خرچ کرنا اسے روکے رہنے سے افضل ہے، اختلاف تو اس شخص کے بارے میں ہے جو کسب کا محتاج ہے کہ آیا اس کے لئے کسب کرنا اور خرچ کرنا افضل ہے یا محض ذکرِ الٰہی میں مشغول ہونا؟ اور یہ اختلاف کسب میں پائے جانے والی آفات کی وجہ سے ہے ورنہ جو مال حلال طریقے سے حاصل ہو اسے روکنے کے بجائے خرچ کرنا ہر حال میں افضل ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

ایسی کون سی علامت ہے جس سے معلوم ہو کہ عالم اور واعظ اپنے وعظ ونصیحت میں سچا اور مُخلِص ہے اور اس میں ریاکاری کا کوئی ارادہ نہیں؟

علاماتِ اخلاص:

جواب: جان لیجئے کہ اس کی چند علامتیں ہیں:

❁...**پہلی علامت** یہ ہے کہ اگر اس کے سامنے ایسا شخص آجائے جو اس سے اچھا وعظ کرنے والا ہو یا اس سے زیادہ علم رکھنے والا اور لوگوں میں زیادہ مقبول ہو تو اس (عالم یا واعظ) کو خوشی ہو، اس سے حسد نہ ہو۔ البتہ غبطہ کرنے میں کوئی حَرَج نہیں اور غِبطہ یہ ہے کہ جیسا اس کا علم ہے ویسے علم کی تمنا اپنے لئے بھی کرے۔

❁...**دوسری علامت** یہ ہے کہ جب کوئی اعلیٰ عہدیدار اس کی مجلس میں آجائے تو اس کی وجہ سے اس کی گفتگو میں کوئی فرق نہ آئے بلکہ جیسے پہلے تھا اسی حال پر رہے اور تمام لوگوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھے۔

❁...**تیسری علامت** یہ ہے کہ وہ اس بات کی چاہت نہ رکھے کہ لوگ راستے اور بازار میں اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی علامتیں ہیں جن کا شمار کافی دشوار ہے۔

حکایت: سیِّدُنا حسن بصری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه اور حجاج بن یوسف

حضرت سیِّدُنا سعید بن ابو مَروان رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه سے منقول ہے کہ میں حضرت سیِّدُنا حسن بصری رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں حَجّاج بن یُوسُف ثَقَفِی اپنے محافظوں کے ساتھ زرد رنگ کے خچر پر

سوار مسجد کے ایک دروازے سے اندر داخل ہوا۔اس نے مسجد میں ادھر ادھر دیکھا تو اسے حضرت حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کی مجلس سے بڑی مجلس کوئی نظر نہ آئی، وہ اس جانب متوجہ ہوا حتّٰی کہ قریب آکر اپنی سواری کو بٹھایا اور اس سے اتر کر حضرت حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کی طرف چل دیا۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اسے دیکھا تو اپنے پاس اس کے لئے تھوڑی جگہ بنائی۔ حضرت سعید رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں بھی اپنی جگہ سے تھوڑا سا سرک گیا حتی کہ میرے اور حسن بصری (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) کے مابین حجاج کے بیٹھنے کے لئے کافی کشادگی ہو گئی۔ حجاج آیا اور ہمارے درمیان بیٹھ گیا، حضرت حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ روز کی طرح معمول کے مطابق اپنی گفتگو فرماتے رہے، آپ نے اپنی گفتگو کو ذرا بھی نہیں روکا۔ حضرت سعید رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں نے سوچا آج میں حضرت حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کا امتحان لیتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ حجاج کی وجہ سے کہیں یہ ایسی زائد گفتگو تو نہیں کرتے جو انہیں اس کے قریب کر دے یا پھر حجاج کے خوف سے اپنے کلام میں کوئی کمی تو نہیں کرتے۔ حضرت سیِّدُنا حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بالکل معمول کی طرح کلام فرماتے رہے جیسا کہ روز فرمایا کرتے تھے حتی کہ آپ کی گفتگو اپنے اختتام کو پہنچ گئی، جب آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اپنے کلام سے فارغ ہوئے تو آپ نے حجاج کی کوئی پروا نہ کی۔ حجاج نے اپنا ہاتھ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے کندھے پر رکھا اور کہا: شیخ نے سچ اور خوب بات کہی، تم لوگ ضرور اس مجلس اور اس جیسی دیگر مجالس کو اختیار کیا کرو اور اسے اپنی عادت بناؤ کیونکہ مجھے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی یہ حدیث پہنچی ہے: اِنَّ مَجَالِسَ الذِّکْرِ رِیَاضُ الْجَنَّۃِ یعنی ذکر کی مجالس جنّت کے باغات ہیں۔[1] اگر ہم لوگوں کے امور میں مشغول نہ ہوتے تو تم سے زیادہ ان مجالس میں بیٹھتے کیونکہ ہم ان کی فضیلت کو جانتے ہیں۔

حضرت سعید رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اس کے بعد حجاج نے ایسی گفتگو کی کہ حضرت حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی اور تمام لوگ اس کی فصاحت وبلاغت دیکھ کر حیران رہ گئے، وہ اپنی گفتگو کرنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد ملکِ شام کا ایک شخص حضرت حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کے پاس آیا، اس وقت حجاج جا چکا تھا۔ اس شخص نے کہا: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مسلمان بندو! کیا تمہیں اس بات پر تعجب نہیں کہ میں

1 ...سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید، ۵/ ۳۰۴، حدیث: ۳۵۲۱ بتغیر

ایک بوڑھا شخص ہوں، میں جہاد کرتا ہوں اور مجھے خیمے، گھوڑے اور خچر کی بھی ضرورت ہے، مجھے تین سو درہم کا عطیہ ملا ہے جبکہ میری سات بیٹیاں ہیں۔ اس نے اپنی حالت کی شکایت کی حتی کہ حضرت حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی اور آپ کے ساتھیوں کو اس پر رحم آگیا۔ حضرت حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سر جھکائے اس کی بات سنتے رہے جب اس شخص کی بات پوری ہوگئی تو آپ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: ان حکمرانوں کو کیا ہو گیا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں ہلاک کرے، انہوں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں کو غلام اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مال کو اپنی دولت بنا لیا ہے، درہم و دینار کے لئے لوگوں سے لڑتے ہیں، جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دشمنوں سے جہاد کرتے ہیں تو خود بلند خیموں میں اور تیز رفتار عمدہ سواریوں پر ہوتے ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کو دشمن کے مقابل بھیجتے ہیں تو بھوکا پیاسا اور پیدل۔ آپ مسلسل گفتگو کرتے رہے حتی کہ آپ نے ان کے شدید عیب بیان فرمائے۔ اتنے میں ایک شامی شخص جو حضرت حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کھڑا ہوا اور جلدی سے حجاج کے پاس جا کر آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی ساری گفتگو اسے بتا دی۔ تھوڑی ہی دیر میں حجاج کے قاصد حضرت حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ کو امیر نے طلب کیا ہے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اٹھ کھڑے ہوئے، جبکہ آپ کی سخت کلامی کے باعث ہم آپ کے بارے میں فکر مند تھے، کچھ ہی دیر گزری تھی کہ آپ حجاج کے پاس سے مسکراتے ہوئے واپس تشریف لے آئے۔ میں نے آپ کو اس طرح کھل کر ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا آپ صرف مسکرایا کرتے تھے۔ پھر آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اپنی نشست گاہ پر تشریف فرما ہوئے اور امانت کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: تم امانت کے ساتھ بیٹھتے ہو گویا تم یہ خیال کرتے ہو کہ خیانت صرف دِرہم و دینار میں ہوتی ہے، نہیں بلکہ شدید خیانت یہ ہے کہ ایک شخص ہمارے پاس بیٹھے، ہم اس سے مطمئن ہو جائیں پھر وہ ہمیں آگ کے شعلے کے پاس لے جائے۔ میں حجاج کے پاس گیا تو اس نے کہا: آپ اپنی زبان کو قابو میں رکھیں اور آپ کا یہ کہنا کہ جب ہم دُشْمنِ خُدا سے لڑتے ہیں تو یہ یہ صورت حال ہوتی ہے اور جب اپنے بھائیوں کو بھیجتے ہیں تو یہ یہ صورت حال ہوتی ہے، مجھے آپ سے کوئی سروکار نہیں، آپ لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاتے ہیں، اس معاملے میں ہم آپ کی نصیحت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، لہٰذا آپ اپنی زبان کو سنبھالیں۔ حضرت سیِّدُنا حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔

حکایت: پیچھے چلنے سے منع فرمادیا

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ گدھے پر سوار اپنے گھر کی طرف جارہے تھے کہ لوگ آپ کے پیچھے چلنے لگے آپ رُک گئے اور فرمایا: تمہیں کوئی حاجت ہے یا تم نے کسی چیز کے بارے میں پوچھنا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو لوٹ جاؤ کیونکہ یہ (یعنی لوگوں کا پیچھے چلنا) بندے کے دل میں کچھ بھی نہیں چھوڑتا۔

یہ وہ علامات واَمثال تھیں جن سے باطنی حالت ظاہر ہوتی ہے، جب تم دیکھو کہ علما آپس میں جلتے اور حسد کرتے ہیں، اُلفت ومحبت اور باہمی تعاوُن نہیں کرتے تو جان لو کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی ہے اور یہ خسارے میں ہیں۔

اے سب سے بڑھ کر رَحم فرمانے والے! اپنے خاص لُطف وکَرَم سے ہم پر رَحم فرما۔ (اٰمین)

دسویں فصل: مخلوق کے دیکھنے کے سبب عبادت کے لئے پیدا ہونے والی جائز وناجائز چستی کا بیان

جان لیجئے! بعض اوقات ایک شخص کسی جگہ ایسے لوگوں کے ساتھ رات بسر کرتا ہے جو تہجُّد کے لئے اٹھتے ہیں یا پھر ان میں سے کچھ پوری رات یا رات کا کچھ حصہ نماز میں گزارنے والے ہوتے ہیں اور یہ شخص ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جو اپنے گھر میں تھوڑی ہی دیر شب بیداری کرتے ہیں۔ یہ جب ان کو دیکھتا ہے تو ان کی مُوافقت کی خاطر اس کا شوق بڑھتا ہے حتّٰی کہ عادت سے زیادہ ہوجاتا ہے یا پھر یہ شخص اصلاً شب بیداری کا عادی ہی نہیں ہوتا مگر ان کی موافقت میں شب بیداری کرتا ہے۔ ایسے ہی بعض اوقات انسان ایسی جگہ ہوتا جہاں کے رہنے والے روزہ رکھتے ہیں تو اسے بھی روزے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور اگر وہ لوگ نہ ہوتے تو اسے ہرگز یہ شوق پیدا نہ ہوتا اس صورت کو بعض اوقات ریاکاری خیال کیا جاتا ہے جس میں موافقت نہ کرنا واجب ہوتا ہے مگر یہ حکم مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے کیونکہ ہر مومن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت، رات کے قیام اور دن میں روزہ رکھنے کی طرف رغبت رکھتا ہے لیکن بعض اوقات رکاوٹیں اسے آڑے آجاتی ہیں، وہ مصروف ہوجاتا ہے، شہوات کا غلبہ ہوتا ہے یا پھر سُستی مغلوب کردیتی ہے، بعض اوقات دوسرے کو دیکھنے

کی وجہ سے غفلت زائل ہو جاتی ہے یا بعض مقامات پر کوئی رکاوٹ و مشغولیت نہیں ہوتی، لہٰذا اس کا شوق بیدار ہو جاتا ہے، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنے گھر میں ہو تو کچھ اَسباب تہجد ادا کرنے سے روک دیتے ہیں مثلاً آرام دہ بستر پر اطمینان سے سونا، بیوی سے لُطف اندوز ہونا، اَہل و عیال وغیرہ سے گفتگو میں لگے رہنا، اولاد کے ساتھ مصروف ہونا یا پھر اپنے روز مرہ کے معاملات کا حساب و کتاب وغیرہ کرنا، لہٰذا جب وہ کسی اجنبی مقام پر ٹھہرتا ہے تو یہ تمام مشاغِل جنہوں نے اسے نیکی سے دور کر رکھا تھا خود دور ہو جاتے ہیں اور اسے نیکی پر ابھارنے والے اسباب میسر آجاتے ہیں۔ مثلاً: نمازی و روزہ دار لوگوں کو دیکھنا کہ یہ دنیا سے منہ موڑ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں، لہٰذا وہ انہیں دیکھتا ہے تو آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ بات اس پر گراں گزرتی ہے کہ یہ لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اطاعت میں مجھ سے سَبقَت کر رہے ہیں (اور میں سبقت نہیں کر رہا) ایسی صورت میں اسے عبادت پر اُبھارنے والا سبب دینی ہوتا ہے، ریاکاری نہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جگہ کے اجنبی ہونے یا کسی سبب سے اس کی نیند چلی جاتی ہے، لہٰذا وہ اس کو غنیمت جانتا ہے (اور شب بیداری کرلیتا ہے)۔ جبکہ گھر میں کبھی نیند کا غَلَبہ ہو جاتا ہے یا پھر ہمیشہ گھر میں رہنے کا تصور ہی سستی دلا دیتا ہے اور نفس کبھی کبھار تو راضی ہو جاتا ہے لیکن پابندی کے ساتھ تہجد کے لئے رضامند نہیں ہوتا، لہٰذا جب تمام رُکاوٹیں دور ہو گئیں تو ہو سکتا ہے اس شوق کا سبب یہی ہو۔ اسی طرح کبھی اپنے گھر میں روزہ رکھنا اس لئے بھی مشکل ہوتا ہے کہ لذیذ کھانے پاس موجود ہوتے ہیں اور ان سے صَبْر نہیں ہو سکتا مگر جب اس کے پاس ایسے کھانے نہیں ہوتے تو اسے روزہ رکھنے میں کوئی مَشَقَّت بھی نہیں ہوتی ایسی صورت میں روزے پر ابھارنے والا سبب دینی ہوتا ہے کیونکہ انسانی خواہشات ایسی رُکاوٹیں ہوتی ہیں جو دینی باعث پر غالب آجاتی ہیں مگر جب وہ ان سے محفوظ ہو جاتا ہے تو دینی باعث بھی قوی ہو جاتا ہے۔

شیطانی وسوسے:

معلوم ہوا یہ اور اس جیسے دیگر اسباب کا وُقُوع پذیر ہونا ممکن ہے اور اس سلسلے میں عبادت کا سبب لوگوں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ ہونا ہے اس کے باوجود بعض اوقات شیطان عمل سے روکتا ہے اور کہتا ہے: تو عمل مت کر ورنہ ریاکار ہو جائے گا کیونکہ گھر میں تو تُو عمل نہیں کرتا تھا اور عادتاً جتنی نماز پڑھتا تھا اس سے زیادہ بھی مت پڑھ۔

بعض اوقات عبادت میں زیادتی کی رغبت لوگوں کو دکھانے کے لئے اور ان کی مذمت سے ڈرتے ہوئے ہوتی ہے کہ کہیں یہ مجھے سُست نہ کہیں خصوصاً اس وقت جب لوگوں کا اس کے بارے میں یہ گمان ہو کہ یہ شب بیداری کرنے والا ہے۔ اب تو اس کا نفس ہرگز ان کی نگاہوں سے گرنا پسند نہیں کرے گا، لہٰذا وہ اپنی قَدْر ومَنْزِلَت کی حِفاظت کا ارادہ کرے گا ایسے وقت میں بعض اوقات شیطان اس سے کہتا ہے: نماز پڑھ تو مُخْلِص ہے کیونکہ تو ان لوگوں کے لئے نہیں بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے پڑھ رہا ہے اور تیرا ہر روز نماز نہ پڑھنا تو بے شمار رکاوٹوں کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذا آج ان رکاوٹوں کا نہ ہونا تجھے عمل پر اُبھار رہا ہے نہ کہ ان لوگوں کا مُطَّلَع ہونا۔

یہ معاملہ بہت پیچیدہ ہے اہل بصیرت ہی اسے جان سکتے ہیں اور جب معلوم ہو جائے کہ عمل کا مُحَرِّک ریاکاری ہے تو عادت سے زیادہ ایک رکعت بھی ادا نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اس صورت میں وہ عبادتِ الٰہی کے ذریعے لوگوں کی تعریف کا طلبگار ہو کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کر رہا ہے۔ اور اگر عمل کا شوق وجذبہ رکاوٹوں کے دور ہونے اور لوگوں کی عبادت کو دیکھ کر رشک کرنے کی وجہ پیدا ہوا ہے تو اب ان کی موافقت کرے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ دل میں سوچے اگر میں ان سب کو تو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوتا لیکن وہ مجھے نہ دیکھ سکتے۔ مثلاً: میں کسی پردے کی اوٹ میں ہوتا تو کیا اس وقت بھی میرا نفس زیادہ نماز پڑھنے کے لئے راضی ہو جاتا حالانکہ وہ مجھے نہیں دیکھ رہے؟ اس صورت میں اگر اس کا نفس راضی ہو تو وہ نماز پڑھے کیونکہ اس کا باعث سچا (یعنی دینی) ہے اور اگر نفس پر یہ بات گراں گزرے کہ لوگ تو دیکھ ہی نہیں رہے تو اس صورت میں چھوڑ دے کیونکہ اس کا باعث ریاکاری ہے۔

ایسے ہی بعض اوقات انسان کو جمعہ کے دن ایسا شوق پیدا ہوتا ہے جو عام دنوں میں نہیں ہوتا، ممکن ہے یہ بھی لوگوں کی تعریف کی چاہت کی وجہ سے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا شوق لوگوں کے شوق کو دیکھ کر ابھرا ہو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف ان کی پیش قدمی کی وجہ سے اس کی غفلت بھی زائل ہو گئی ہو۔

بعض اوقات دینی باعث کے مُتَحَرِّک ہونے کے ساتھ ساتھ تعریف کی چاہت بھی دل میں وارد ہوتی ہے، لہٰذا جب یہ علم ہو جائے کہ دینی ارادہ دل پر غالب ہے تو دل میں پائی جانے والی تعریف کی چاہت کی وجہ سے عمل ترک نہ کرے بلکہ اس تعریف کی چاہت کو ناپسند کرے اور عبادت میں مشغول ہو جائے۔

خوفِ خدا کے سبب رونا کب ریاکاری ہے اور کب نہیں؟

ایسے ہی کبھی ایک جماعت رو رہی ہو تو بندہ ان کو دیکھتا ہے تو اسے بھی خوفِ خداوندی کے سبب رونا آجاتا ہے نہ کہ ریاکاری کی وجہ سے، اگر وہ تنہا تلاوتِ قرآن سنے تو اسے رونا نہیں آتا لیکن لوگوں کا رونا اس کے دل کو نرم کر دیتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو رونا نہیں آتا لیکن کبھی تو ریاکاری کی وجہ سے اور کبھی سچائی کے ساتھ روتا ہے کیونکہ وہ اپنے بارے میں خوف کھاتا ہے کہ سب لوگ تو رو رہے ہیں اور میرا دل اتنا سخت ہے کہ آنکھ نم بھی نہیں ہوتی، لہٰذا وہ بتکلّف روتا ہے اور یہ بہت اچھا ہے۔ اس میں سچائی کی علامت یہ ہے کہ اس بات کو اپنے دل پر پیش کرے کہ اگر میں صرف ان کی آہ و بُکا سن رہا ہوتا اور وہ مجھے دیکھ نہ رہے ہوتے تو کیا اس وقت بھی میں اپنی قساوتِ قلبی کا خوف کرکے آنسو بہاتا یا نہیں؟ اگر وہ ان کے آنکھوں سے اوجھل ہونے کی صورت میں اپنے اندر یہ کیفیت نہیں پاتا تو اسے چاہئے کہ نہ روئے کیونکہ اب اس کا رونا صرف اس خوف سے ہے کہ لوگ کہیں گے یہ بہت سخت دل ہے۔

حضرت سیِّدُنا لقمان حکیم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ”لوگوں کو اپنا خدا سے ڈرنا مت دکھاؤ کہ وہ تمہاری عزت کریں حالانکہ تمہارا دل گناہ گار ہو۔“

اسی طرح بعض اوقات تلاوتِ قرآن، ذکر یا دیگر احوال کی وجہ سے چیخنا، آہیں بھرنا اور رونا ہوتا ہے ایسا کبھی تو ندامت و شرمندگی، خوف اور حقیقت پر مبنی ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کے غم کو اور اپنی سنگدلی کو دیکھ کر ہوتا ہے، لہٰذا وہ بتکلّف آہیں بھرتا، روتا اور گڑگڑاتا ہے، یہ بھی محمود (یعنی اچھا) ہے۔ لیکن بعض اوقات اس میں یہ رغبت بھی شامل ہوتی ہے کہ لوگ اسے بہت زیادہ غمگین جانیں، اگر محض یہی سبب ہو تو یہ ریاکاری ہے اور اگر اس کے ساتھ غم و دکھ بھی ملا ہوا ہے تو دیکھا جائے گا کہ وہ ریاکاری کو قبول نہیں کر رہا اور اسے بُرا جان رہا ہے یا نہیں۔ اگر برا جان رہا ہے تو اب اس کا رونا دھونا درست ہے اور اگر برا نہیں جان رہا اور دل کا جھکاؤ بھی اسی طرف ہے تو اب اس کا ثواب برباد اور کوشش بیکار ہو گئی بلکہ اس کے سبب اس نے خود کو ربّ عَزَّوَجَلَّ کے غضب پر پیش کر دیا۔

بعض اوقات رونا غم ہی کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن بندہ اپنی آواز کو بلند کرنے میں اضافہ کر دیتا ہے یہ اضافہ

ریاکاری ہے اور اسی سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ ابتداءً ہی محض ریاکاری کے حکم میں ہے، بعض اوقات بندے کو ایسا خوف لاحق ہوتا کہ وہ بے قابو ہو جاتا ہے لیکن اتنے میں ریاکاری اس پر حملہ کرتی ہے، وہ اس کو قبول کرلیتا ہے، لہٰذا وہ آواز کو مزید بلند اور غمناک بنانے لگتا ہے یا آنسوؤں کو چہرے پر باقی رہنے دیتا ہے تا کہ لوگ دیکھیں کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے بہہ رہے ہیں لیکن ان کے اثر کو چہرے پر محض ریاکاری کی وجہ سے باقی رکھتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ ذکر سنتا ہے تو اس کے اعضاء کمزور پڑ جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ گر جاتا ہے پھر اسے شرم محسوس ہوتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ نہ اس کی عقل زائل ہوئی اور نہ ہی کوئی شدید حالت تھی پھر یہ کیوں گر گیا؟، لہٰذا اب وہ بتکلف کانپنے لگتا اور وَجد کی کیفیت ظاہر کرتا ہے تا کہ لوگ سمجھیں یہ بے ہوشی کی وجہ سے گرا ہے حالانکہ ابتداً اس کا گرنا سچائی و حقیقت پر مبنی تھا۔ بعض اوقات بندے کی عقل زائل ہو جاتی ہے تو وہ گر جاتا ہے لیکن جلد ہی افاقہ ہو جاتا ہے اب اسے خیال آتا ہے کہ لوگ کہیں گے اس کی یہ حالت معمولی ہے محض بجلی کے چمکنے کی طرح ہوئی اور ختم ہو گئی، لہٰذا وہ تڑپنے اور رقص کرنے لگتا ہے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اس کی حالت دیر پا ہے۔

ایسے ہی بعض اوقات بندہ کمزوری کے بعد درست ہو جاتا ہے لیکن یہ کمزوری کا ختم ہو جانا بہت جلد ہوتا ہے اب وہ سوچتا ہے لوگ کہیں گے اس کی کمزوری درست نہیں تھی اگر ایسا ہوتا تو یہ اتنی جلدی ٹھیک نہ ہوتا، لہٰذا بندہ کمزوری اور آہیں بھرنے کے اظہار کو جاری رکھتا ہے، دوسرے کے سہارے کھڑا ہوتا ہے تا کہ پتا چلے یہ چلنے پر بھی طاقت نہیں رکھتا، چال میں جھکاؤ اور قدم قریب قریب رکھتا ہے محض یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ تیز چلنے سے عاجز ہے۔

شیطانی وسوسوں کا علاج:

یہ تمام کی تمام صورتیں شیطانی دھوکے اور نَفْس کے حیلے بہانے ہیں، جب بھی یہ محسوس ہوں ان کا علاج ایسے کرے کہ اگر لوگوں کو میرے باطنی نفاق اور ضمیر میں پوشیدہ حیلہ سازی کا علم ہو گیا تو وہ مجھے ناپسند کریں گے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ تو میرے باطن سے باخبر ہے ہی اور اس کی ناراضی تو بہت سخت ہے۔ حضرت سیِّدُنا ذُوالنُّون مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کھڑے ہوئے تو کانپنے لگے آپ کے ساتھ

ایک اور شیخ بھی کھڑے ہو گئے۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ان میں تکلف کا اثر دیکھا تو فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہارے کھڑے ہونے کو دیکھ رہا ہے، یہ سن کر وہ شیخ بیٹھ گئے۔ یہ تمام صورتیں منافقوں کی ہوتی ہے ہیں چنانچہ حدیثِ پاک میں آیا: "ہم مُنَافِقِیْن کی عاجزی سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں۔"[1] اور مُنافقت کی عاجزی یہ ہوتی ہے کہ ظاہری اعضا تو کانپیں لیکن دل میں عِجز نہ ہو۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مغفرت چاہنا اور اس کے عذاب و غضب سے پناہ مانگنا بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ یہ بھی کبھی خوف، ندامت اور گناہ یاد آنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی ریاکاری کی وجہ سے۔ دل میں آنے والے یہ خطرات جُدا جُدا مگر قریب ہیں، ایک کے پیچھے ایک آتا ہے اور اسی قُرب کی وجہ سے ان میں فرق کرنا مشکل ہے، لہٰذا تمہیں جو بھی وسوسہ آئے تم اپنے دل پر غور کرو اور دیکھو کہ اس کی حقیقت کیا ہے اور یہ کہاں سے آیا ہے؟ اگر وہ خالص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہے تو اپنا کام جاری رکھو لیکن اس کے ساتھ ساتھ ڈرتے رہو کہ ریاکاری میں سے کوئی چیز تم پر مخفی تو نہیں کیونکہ وہ چیونٹی کی چال سے زیادہ پوشیدہ ہے نیز اپنی عبادت کے بارے میں بھی فکر مند رہو کہ نہ جانے وہ قبول ہوئی یا نہیں؟ تم پر اس بارے میں اخلاص کا خوف رکھنا ضروری ہے اور اس سے بچو کہ اخلاص کے ساتھ عمل شروع کرنے کے بعد تمہیں لوگوں کی تعریف کی چاہت پیدا ہو کیونکہ ایسا اکثر ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو خیال کرو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تم سے باخبر ہے اور اس صورت میں تمہیں اس کی ناراضی کا سامنا کرنا ہو گا اور اس بات کو یاد کرو جو (حضرت سَیِّدُنا ایوب عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس حاضر ہونے والے) تین آدمیوں میں سے ایک نے حضرت سَیِّدُنا ایوب عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے کہی تھی کہ اس نے کہا تھا: "اے ایوب عَلَیْہِ السَّلَام! کیا آپ کو معلوم ہے بندہ اپنے جس ظاہری عمل کے ذریعہ خود کو دھوکا دیتا ہے وہ گم ہو جاتا ہے اور باطنی عمل پر بندے کو بدلہ دیا جاتا ہے۔" اور اس بات کو بھی یاد کرو جو کسی نے کہی کہ "اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے تیرا خوف رکھنے والا خیال کریں جبکہ حال یہ ہو کہ تو مجھ سے ناراض ہو۔"

حضرت سَیِّدُنا امام زَیْنُ الْعَابِدِیْن عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْمُبِیْن دعا مانگا کرتے تھے: "یا اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں اس بات سے

---

[1] ...شعب الایمان، باب فی اخلاص العمل للہ عزوجل، ۵/ ۳۶۴، حدیث: ۶۹۶۷

تیری پناہ چاہتا ہوں کہ لوگوں کی نگاہوں میں میرا ظاہر اچھا ہو اور جب میں تنہائی میں ہوں تو میرا پوشیدہ معاملہ تیرے نزدیک برا ہو، لوگوں کو دکھانے کے لئے اپنے نفس کی حفاظت کروں اور میری جس بات پر صرف تجھے خبر ہے اسے ضائع کر دوں، لوگوں کے لئے اپنے عمل کو خوب اچھا ظاہر کروں اور تیری طرف برے عمل کے ساتھ بڑھوں، نیکیوں کے ذریعہ لوگوں کا قرب چاہوں اور ان سے بھاگ کر گناہوں کا بوجھ اٹھائے تیری طرف دوڑتا رہوں، یوں اپنے لئے تیرے ناراضی اور تیرے عذاب کو حلال کر لوں، اے تمام جہانوں کے رب عَزَّوَجَلَّ! مجھے اس سے محفوظ رکھ۔"

جو تین افراد حضرت ایوب عَلَیْہِ السَّلَام کے پاس موجود تھے ان میں سے دوسرے نے کہا تھا: "اے ایوب عَلَیْہِ السَّلَام! کیا آپ نہیں جانتے کہ رحمٰن عَزَّوَجَلَّ سے حاجات کا سوال کرتے وقت جو لوگ اپنے ظاہری اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور پوشیدہ اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔"

یہ تمام ریاکاری کی آفتیں ہیں، لہٰذا بندے کو چاہئے کہ وہ اپنے دل پر غور کرے تاکہ ان پر واقف ہو جائے حدیث پاک میں آتا ہے: "ریاکاری کے ستر دروازے ہیں۔" اور تم جان چکے ہو کہ ان میں سے بعض بعض سے پوشیدہ ہیں حتی کہ کچھ تو چیونٹی کی چال کی طرح اور کچھ اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہیں، لہٰذا اب تم ہی بتاؤ جو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہو بغیر غور و فکر اور مُراقبہ کے اس کی پہچان کیسے ہو سکتی ہے؟ تمام تر کوشش کے بعد بھی اگر اس پر اطلاع ہو جائے تو بڑی بات ہے اور جو شخص نہ دل کی حفاظت کرتا ہے، نہ نفس کو امتحان میں ڈالتا ہے نہ ریاکاری کے دھوکے کی تفتیش کرتا ہے وہ اس کی پہچان کی لالچ کیسے کر سکتا ہے؟

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے لُطف و کَرَم اور احسان کے ساتھ عافیت میں رکھے۔ (اٰمین)

گیارہویں فصل: عمل سے پہلے، دورانِ عمل اور عمل کے بعد مرید کے لئے لازمی امور کا بیان

مُرید کے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے دل میں اس بات کو لازم کر لے کہ تمام اوقات اور تمام عبادات میں وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم پر قناعت کرے گا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے علم پر وہی قناعت کرتا ہے جو صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنے والا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی سے امید رکھنے والا ہو۔ اور جو شخص غیر خدا سے ڈرتا اور اس کی

سے امید رکھتا ہے وہ اپنے اچھے اعمال اس پر ظاہر کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اگر مرید کی صورت حال ایسی ہو تو بتقاضائے عقل وایمان دل سے اس کی کَراہت کو لازم جانے کیونکہ اس میں عذاب پر پیش ہونے کا بڑا خطرہ موجود ہے اور ان عظیم الشان اور مشکل عبادتوں کے وقت اپنے دل کی نگرانی کرے جن کی طاقت اس کا غیر نہیں رکھتا کیونکہ ممکن ہے اس وقت نفس ان کو ظاہر کرنے کے لئے جوش مارے اور کہے: "تیرا اتنا عظیم عمل یا اتنا شدید خوف یا اتنا زیادہ رونا اگر مخلوق کو معلوم ہو جائے تو وہ تیرے لئے سجدہ میں جھک جائیں، مخلوق میں تیری مثل عمل کسی کا نہیں، تو اپنا عمل کو کیوں چھپا رہا ہے۔۔۔؟ اس لئے کہ لوگ تیرا مقام و مرتبہ نہ جان سکیں، تیری قدر و منزلت کا انکار کر بیٹھیں اور تیری پیروی سے بھی محروم ہو جائیں۔" اس جیسے معاملے میں بندے کو چاہئے کہ وہ ثابت قَدَم رہے اور اپنے اس بڑے عمل کے مقابلے میں آخرت کی بڑی بادشاہی، جنت کی نعمتوں اور ان کے ہمیشہ ہمیشہ رہنے کو یاد کرے اور اس شخص پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غَضَبِ شدید اور ناراضی کو یاد کرے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کا ثواب بندوں سے طلب کرتا ہے اور جان لے کہ کسی غیر کے لئے اپنے عمل کو ظاہر کرنے یا اس کی چاہت رکھنے کا مطلب ہے خود کو ربّ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ سے گرا دینا اور اپنے بہترین عمل کو ضائع کر دینا، لہٰذا وہ خود سے کہے: "میں عمل کو کیسے لوگوں کی تعریف کے بدلے بیچ دوں حالانکہ وہ عاجز ہیں، میری موت وحیات اور رزق ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔" اس بات پر یقین کو لازم کر لے اور مایوس ہو کر یہ نہ کہے: "اخلاص کی طاقت تو مضبوط لوگوں کو ہی ہوتی ہے خَلْط مَلْط کرنے والوں کی یہ شان نہیں۔" اور یہ سوچ کر وہ اخلاص کی کوشش ترک کر بیٹھے حالانکہ مُتَّقِی کے مقابلے میں خَلْط مَلْط کرنے والے کو اس کی زیادہ حاجت ہے کیونکہ متقی کے اگر نوافل ضائع ہو بھی جائیں تب بھی اس کے فرائض کامل و تام باقی رہتے ہیں، جبکہ خلط ملط کرنے والے کے (نوافل ہی کیا) فرائض بھی نقصان سے خالی نہیں ہوتے تو اسے نقصان پورا کرنے کے لئے نوافل کی حاجت رہتی ہے جب نوافل بھی سلامت نہ رہے تو فرائض کے سبب اس کی پکڑ ہو گی اور وہ ہلاک ہو جائے گا، لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ غیر مُتَّقِی کو اخلاص کی ضرورت زیادہ ہے۔

نوافل کے ذریعے فرائض کی تلافی:

حضرت سیِّدُنا تمیم داری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

وَسَلَّم نے فرمایا: بروزِ قیامت بندے کا حساب لیا جائے گا اگر اس کے فرض میں کمی ہوئی تو کہا جائے گا دیکھو اس کے پاس نوافل ہیں یا نہیں؟ اگر نوافل ہوئے تو ان سے فرض کی کمی پوری کی جائے گی اور اگر نہ ہوئے تو اس کو سر اور پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔[1] معلوم ہوا کہ قیامت کے دن خلط ملط کرنے والا اس حال میں آئے گا کہ اس کے فرائض نامکمل ہوں گے اور اس پر گناہوں کا بوجھ ہو گا، لہٰذا اس کے لئے فرائض کی کمی کو پورا کرنے اور گناہوں کے کفارے کی کوشش کرنا ضروری ہے اور یہ نوافل میں خُلُوص کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ جبکہ مُتَّقِی کی کوشش دَرَجات کی بلندی کے لئے ہوتی ہے کیونکہ اگر اس کے نوافل برباد ہو بھی جائیں تب بھی اس کی ایسی نیکیاں باقی رہیں گی جو گناہوں پر غالب آجائیں گی، لہٰذا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اپنے عمل کے متعلق ڈرتا رہے:

مرید کو چاہئے کہ اپنی عبادت پر غیرُاللہ کے مُطَّلَع ہونے کے خوف کو دل میں بٹھالے تاکہ اس کے نوافل دُرُست ہو جائیں پھر دل کو اس بات پر جمالے کہ عمل سے فراغت کے بعد اسے ظاہر نہ کرے گا اور نہ اس کی گفتگو کرے گا۔ جب یہ سب کر چکے تو پھر بھی اپنے عمل پر ڈرتا رہے کیونکہ بعض اوقات پوشیدہ ریاکاری داخل ہو جاتی ہے جس کی اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔ نیز اسے چاہئے کہ وہ اپنے عمل کے قبول ورَد میں یہ خیال کرتے ہوئے شک میں مبتلا رہے کہ ہو سکتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے میری اس پوشیدہ نیت کو شمار کیا ہو جو اس کی ناراضی کا سبب ہے اور اسی وجہ سے میرا عمل رد فرما دیا ہو۔ یہ شک وخوف بوقتِ نیت نہیں بلکہ دورانِ عمل اور بعد از فراغت ہونا چاہئے اور بوقتِ نیت تو اس بات کا یقین رکھے کہ وہ مُخْلِص ہے اور عمل سے اس کا مقصود صرف رب تعالیٰ کی ذات ہے تاکہ اس کا عمل درست رہے۔

قبولیت کی امید غالب ہونی چاہئے:

جب اس نے عمل شروع کر دیا تو یہ سوچے کہ ممکن ہے کوئی لمحہ غفلت و بھول میں گزر گیا ہو اب وہ خوف کرے کہ ہو سکتا ہے اسی غفلت میں ریاکاری یا خود پسندی کے کسی شائبہ نے عمل کو برباد کر دیا ہو، لیکن

[1] ...السنن الکبری للبیهقی، کتاب الصلاة، باب ما روی فی اتمام الفریضة...الخ، ۲/ ۵۴۱، حدیث: ۴۰۰۳

اس خوف کے مقابلے میں امید کا پہلو غالب ہونا چاہئے کیونکہ اسے یقین ہے کہ اس نے عمل اخلاص کے ساتھ شروع کیا تھا اور شک صرف اتنا ہے کہ کہیں ریاکاری نے اسے برباد تو نہیں کر دیا؟، لہٰذا قبولیت کی امید غالب ہونی چاہئے اسی صورت میں عبادات و مُناجات میں اس کی لذت بڑھے گی۔

اخلاص یقین ہے اور ریاکاری شک اور بندے کا اس شک کا خوف اس لائق ہے کہ وہ غفلت میں پیدا ہونے والے ریاکاری کے شائبہ کا کفارہ ہو جائے۔

لوگوں کی ضروریات پوری کرنے والا کیا امید رکھے؟

جو شخص لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کو علمی فائدہ پہنچانے کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب حاصل کرتا ہے اسے چاہئے کہ جس کی حاجت کو پورا کر رہا ہے صرف اس کو خوش کرنے پر ہی ثواب کی امید رکھے اور علم سکھانے میں فقط یہ امید رکھے کہ سیکھنے والا عمل کرے گا تو مجھے ثواب ملے گا۔ جسے علم سکھایا یا جس پر کوئی احسان کیا اس سے شکر، تعریف و توصیف اور بدلے کی امید بالکل نہ ہو کیونکہ یہ ثواب کو برباد کر دیتی ہے، لہٰذا جب وہ شاگرد سے ہاتھ بٹانے، خدمت کرنے یا راستے میں ساتھ چلنے کی امید رکھے تاکہ اس کے پیچھے چلنے والے زیادہ ہوں یا کسی اور حاجت میں اس سے امید لگائے رکھے تو اس نے اپنا اجر لے لیا اس کے سوا اس کے لئے کوئی ثواب نہیں۔ البتہ اگر وہ ایسی تَوَقُّع نہ رکھے بلکہ صرف اتنا مقصد ہو کہ یہ علم سیکھ کر عمل کرے گا تو مجھے ثواب ملے گا لیکن شاگرد خود اس کی خدمت کرتا ہے اور وہ اس کی خدمت قبول بھی کرتا ہے تو اس صورت میں ہم امید کرتے ہیں کہ اس کا اجر ضائع نہ ہو گا کیونکہ اس کی نظر اس پر نہ تھی اور نہ ہی ایسا کوئی ارادہ تھا، لہٰذا اگر شاگرد خدمت نہ بھی کرتا تب بھی اسے گراں نہ گزرتا۔ مگر اس کے باوجود علما اس سے بچا کرتے تھے حتی کہ ایک بزرگ کنویں میں گر گئے، لوگ آئے اور کنویں میں رسی ڈالی تاکہ ان کو اوپر کھینچ سکیں، انہوں نے لوگوں کو قسم دے کر کہا: تمہارے ساتھ ایسا کوئی بھی شخص نہیں ہونا چاہئے جس نے مجھ سے قرآن کی ایک آیت یا ایک حدیث ہی کیوں نہ سیکھی ہو۔ یہ صرف اس خوف سے تھا کہ اجر و ثواب ضائع نہ ہو جائے۔

تمہارا بھائی مجھ سے حدیث سنتا ہے:

حضرت سیِّدُنا شَقِیق بَلْخِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: میں نے حضرت سیِّدُنا سفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی

کو بطورِ تحفہ کپڑا دیا تو انہوں نے مجھے واپس کر دیا۔ میں نے کہا: اے ابو عبدُ اللہ! میں ان میں سے نہیں ہوں جو آپ سے حدیث سنتے ہیں پھر کیوں تحفہ لوٹا دیا؟ انہوں نے فرمایا: میں جانتا ہوں لیکن تمہارا بھائی مجھ سے حدیث سنتا ہے، مجھے خوف ہے کہیں دوسروں کے مقابلے میں اس کے لئے میرا دل زیادہ نرم نہ ہو جائے۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے دوستی:

ایک شخص حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کی خدمت میں ایک یا دو تھیلیاں لے کر حاضر ہوا، اس شخص کا والد آپ کا دوست تھا اور آپ کبھی کبھی اس کے پاس جایا بھی کرتے تھے۔ اس شخص نے کہا: اے ابو عبدُ اللہ! آپ میرے باپ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ آپ کے والد پر رحم فرمائے وہ ایسے ایسے تھے یعنی آپ نے اس کے والد کی تعریف کی۔ اس نے کہا: اے ابو عبد اللہ! یقیناً آپ جانتے ہیں یہ مال میرے پاس کیسے آیا؟، لہٰذا میں چاہتا ہوں آپ یہ مال لے لیں اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کریں، آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اس کا مال قبول فرما لیا۔ جب وہ شخص نکل گیا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے بیٹے سے کہا: اے مبارک! جاؤ اور اس شخص کو واپس میرے لاؤ۔ جب وہ آگیا تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اس سے فرمایا: میں چاہتا ہوں تم اپنا یہ مال واپس لے لو حتی کہ آپ نے اس کا مال لوٹا کر ہی دم لیا۔

یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ کی اس شخص کے باپ سے دوستی خالص اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے تھی اسی لئے آپ نے مال لینا پسند نہ فرمایا۔ آپ کے صاحِب زادے حضرت مبارک[1] رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جب وہ شخص چلا گیا تو مجھ سے رہا نہ گیا، میں اپنے والد صاحب کے پاس آیا اور کہا: آپ کو کیا ہو گیا کیوں آپ نے یہ پھر اس شخص کو واپس کئے؟ ذرا دیکھیں کیا آپ کے اہل و عیال نہیں؟ آپ مجھ پر رحم نہیں کر سکتے تھے؟ آپ اپنے بھائیوں پر رحم نہیں کر سکتے تھے؟ آپ اپنی اولاد پر رحم نہیں کر سکتے تھے؟ حتی کہ میں نے بہت سی باتیں کہہ ڈالیں، والد صاحب نے فرمایا: مبارک! خدا سے ڈرو! تم تو اسے خوشی خوشی کھا لیتے مگر اس کے متعلق سوال مجھ سے کیا جاتا۔

---

[1]... صحیح یہ ہے کہ یہ آپ کے صاحب زادے نہیں بلکہ آپ کے بھائی ہیں۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۰/ ۲۱۲)

علم سیکھنے میں طالب علم کی کیا نیت ہو؟

معلوم ہوا عالم پر واجب ہے کہ لوگوں کی راہ نُمائی کرنے میں صرف ثواب ہی کی امید رکھے اور طالب علم پر واجب ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حمد، طلبِ ثواب اور رب عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں مقام حاصل کرنے ہی کہ نیت رکھے، استاد یا مخلوق کے ہاں مقام و مرتبہ کا خواہش مند نہ ہو۔ بعض اوقات طالب علم یہ گمان کرتا ہے عبادت کے ذریعے استاد کی نگاہ میں مقبول ہونے کے لئے میرا ریاکاری کرنا جائز ہے تاکہ استاد مجھ پر خاص توجہ دے، یہ گمان غَلَط ہے کیونکہ عبادتِ الٰہی سے غیرُ اللہ کا ارادہ کرنا فوری نقصان کا باعث ہے اور عِلْم کبھی نَفْع دیتا ہے اور کبھی نہیں تو علم کے وہمی فائدے کے بدلے نقد نقصان کیونکر اٹھایا جائے؟ بہر حال یہ ناجائز ہے۔ طالب علم کو چاہئے کہ علم سیکھے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے، عبادت کرے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے، استاد کی خدمت کرے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے، یہ نیت نہ ہو کہ استاد کے دل میں جگہ بن جائے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ حصولِ علم عبادت بن جائے (تو یہ طریقہ اختیار کرے) کیونکہ بندوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کریں اور اس سے غیرُ اللہ کا قصد ہرگز نہ کریں۔

والدین کی خدمت رب تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے:

ایسے ہی جو شخص والدین کی خدمت کرتا ہے وہ ان کے دل میں جگہ بنانے کی خاطر نہیں بلکہ محض اس ارادے سے ان کی خدمت کرے کہ والدین کی رِضا میں رب تعالیٰ کی رضا ہے، لہٰذا والدین کی نگاہ میں مقام حاصل کرنے کے لئے عبادت کو ذریعہ بنانا جائز نہیں کیونکہ یہ فوری گناہ ہے۔ عنقریب اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی ریاکاری سے پردہ اٹھادے گا اور اس کا مقام و مرتبہ والدین کے دل سے گر جائے گا۔

خلوت میں ریاکاری:

دنیا سے کنارہ کش عبادت گزار کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دل کو ذِکْرُ اللہ میں لگائے رکھے اور علم الٰہی پر قناعت کرے، دل میں ہرگز یہ خیال نہ لائے کہ لوگ اس کی پرہیزگاری کو جانیں اور اس کے مرتبہ کی عزت کریں کیونکہ اگر وہ ایسا خیال کرے گا تو ریاکاری اس کے سینے میں جڑیں گاڑھ لے گی حتّٰی کہ اس

کے سبب تنہائی میں اس کے لئے عبادت کرنا آسان ہو جائے گا اور اس کا سکون واطمینان محض اس وجہ سے ہو گا کہ لوگ اس کی گوشہ نشینی سے واقف اور اس کے مرتبہ کی تعظیم کرنے والے ہیں جبکہ اسے خبر ہی نہیں ہے کس وجہ سے اس کے لئے عمل آسان ہو گیا ہے۔

حکایت: سیِّدُنا ابراہیم بن ادہم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ اور ریاکار راہب

حضرت سَیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: میں نے سمعان نامی ایک راہب سے معرفت سیکھی ہے، میں اس کے گرجا میں داخل ہوا تو میں نے کہا: اے سمعان! تو کب سے اس گرجا میں ہے؟ اس نے کہا: ستر سال سے۔ میں نے پوچھا: تیرا کھانا کیا ہے؟ اس نے کہا: اے مُوَحِّد! اس سے تجھے کیا غَرَض؟ میں نے کہا: میں جاننا چاہتا ہوں۔ وہ بولا: ہر رات ایک دانہ چنے کا۔ میں نے پوچھا: تمہارے دل میں کیا بات جوش مارتی ہے جو ایک دانہ تمہیں کافی ہو جاتا ہے؟ کہنے لگا: تم اپنے سامنے اس عبادت خانے کو دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: لوگ ہر سال ایک دن یہاں آتے ہیں، میرے عبادت خانہ کو سجاتے ہیں، اس کے گرد طواف کرتے ہیں اور میری عزت وتعظیم کرتے ہیں، لہٰذا جب بھی میرا نفس عبادت سے تھکتا ہے میں اس گھڑی کی عزت کو یاد کر لیتا ہوں تو ایک ساعت کی عزت کی خاطر پورے سال کا بوجھ برداشت کر لیتا ہوں۔ اے مُوَحِّد! ہمیشہ کی عزت کے لئے ایک ساعت کی مشقت برداشت کرو۔ حضرت سَیِّدُنا ابراہیم بن ادہم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میرے دل میں مَعْرِفَتِ الٰہی کی وُقْعَت پیدا ہو گئی، تو اس نے کہا: کافی ہے یا اور بھی کچھ بتاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ اس نے کہا: گرجا سے نیچے اترو۔ میں نیچے اترا تو اس نے میرے سامنے ایک پڑیا لٹکائی جس میں 20 دانے تھے کہنے لگا: عبادت خانے میں داخل ہو جاؤ جو چیز میں نے تمہاری طرف لٹکائی ہے لوگوں نے دیکھ لی ہے، جب میں عبادت خانے میں داخل ہوا تو سارے نَصرانی میرے پاس جمع ہو گئے اور کہنے لگے: اے مُوَحِّد! شیخ نے آپ کی طرف کیا چیز لٹکائی ہے؟ میں نے کہا: اپنی غذا۔ وہ کہنے لگے: آپ اسے کیا کریں گے، اس کے زیادہ حق دار تو ہم ہیں۔ پھر کہنے لگے اس کی قیمت بتاؤ۔ میں نے کہا: 20 دینار۔ انہوں نے مجھے 20 دینار دے دیئے۔ میں راہب کے پاس لوٹا تو اس نے کہا: اے مُوَحِّد! تم نے وہاں کیا کیا؟ میں نے کہا: میں نے وہ چیز انہیں بیچ دی۔ اس نے کہا: کتنے میں؟ میں نے کہا: بیس دینار میں۔ وہ کہنے لگا:

تم نے غلطی کی اگر تم اس کی قیمت 20ہزار دینار بھی لگاتے تو وہ تمہیں ضرور دیتے۔

یہ اس شخص کی عزت ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت نہیں کرتا اندازہ لگاؤ جو اس کی عبادت کرتا ہے اس کی عزت کا کیا عالم ہو گا؟ اے مُوَحِّد! اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف متوجہ ہو جا اور اِدھر اُدھر توجہ کرنا چھوڑ دے۔

خلوت میں ریاکاری کے خیال سے کیسے بچے؟

اسے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نفس تنہائی میں بھی لوگوں کے دلوں میں موجود بزرگی کی عظمت کو محسوس کرتا ہے اور بعض اوقات تو بندے کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی، لہٰذا زاہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سے بچے اور اس سے سلامتی کی علامت یہ ہے کہ انسان و جانور اس کی نظر میں ایک ہی ہوں اور اگر لوگ اس کے بارے میں اپنی عقیدت بدل لیں تو وہ غمگین و تنگ دل نہ ہو۔ البتہ تھوڑی بہت کراہت آسکتی ہے اگر ایسا محسوس کرے تو فوراً عقل و ایمان کی مدد سے اسے دور کر دے اور ایسا ہو جائے کہ اگر وہ حالتِ عبادت میں ہو اور تمام لوگ اس پر مُطَّلَع ہو جائیں تو خُشُوع میں ذرا بھر بھی اضافہ نہ کرے اور نہ ہی اس کے دل میں ان کی اِطِّلاع کے سبب سُرور پیدا ہو کیونکہ اگر تھوڑا سا سرور بھی آگیا تو یہ اس کے کمزور ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ اگر وہ عقل و ایمان کی مدد سے اسے ناپسند کرکے فوراً دور کرنے پر قادر ہو اور اس سرور کی طرف مائل نہ ہو تو امید ہے اس کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی مگر لوگوں کے مشاہدے کے وقت خُشُوع واِنْہِماک سے اس لئے عبادت کرنا کہ لوگ اس کی طرف نہ بڑھیں (کہ مشغول ہو جائے گا) اس میں حَرَج تو کوئی نہیں لیکن دھوکا ہو سکتا ہے کیونکہ بعض اوقات نفس کی پوشیدہ خواہش اظہارِ خشوع ہوتا ہے اور نفس اس کے لئے لوگوں سے گھٹن کا بہانہ تراش لیتا ہے۔ اس صورت میں وہ اپنے نفس سے پختہ وعدہ لے کر یہ مطالبہ کرے کہ اگر لوگوں سے دوری، تیز چلنے، زیادہ ہنسنے یا زیادہ کھانے کے ذریعہ حاصل ہو تو کیا نفس اس پر راضی ہو گا؟ اب دیکھے اگر نفس اس پر راضی نہیں بلکہ محض عبادت ہی کے ذریعہ لوگوں سے دور بھاگنا چاہتا ہے تو سمجھ لے کہ یہ لوگوں کے ہاں مقام و مرتبہ کا خواہش مند ہے۔ اس بلا سے وہی شخص چھٹکارا پا سکتا ہے جس کے دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں ہے۔ اب وہ اس طرح عمل کرے کہ گویا روئے زمین پر تنہا عبادت کرنے والا ہے ایسے آدمی کے دل میں پہلے تو مخلوق کا خیال آتا ہی نہیں اگر آ بھی

جائے تو وہ اس قدر کمزور ہوتا ہے کہ جسے دور کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ جب بندہ یہ سب کرلے گا تو مخلوق کے دیکھنے سے عمل میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

اس میں سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کے دو دوست ہوں ایک مالدار اور ایک غریب۔ جب مال دار اس کے پاس آئے تو اس کی عزت کی خاطر دل زیادہ پُرجوش نہ ہو البتہ اگر مال دار میں علم یا تقویٰ و پرہیزگاری زیادہ ہو تو محض اس وجہ سے اس کی زیادہ عزت کرے نہ کہ مال داری کی وجہ سے۔

جس شخص کا مال داروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان کو دیکھنا ہو تو وہ اکثر ریاکار یا لالچی ہو جاتا ہے اس کے مقابلے میں فقرا کو دیکھنا آخرت کی رغبت اور دل میں فقر و انکساری کی محبت میں اضافہ کرتا ہے جبکہ مالداروں کو دیکھنا اس کے برعکس ہے، لہٰذا فقیر کے مقابلے میں مال دار کو دیکھنے سے راحت و سکون کیسے مل سکتا ہے؟

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کی مجلس سے زیادہ کسی مجلس میں مال داروں کو ذلیل نہیں سمجھا جاتا تھا، آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فُقرا کو اپنے قریب اور مال داروں کو سب سے پیچھے بٹھاتے تھے حتی کہ مالدار تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش! ہم ان کی مجلس میں فقیر ہوتے۔

مال دار کی زیادہ عزت کرنا اس وقت تمہارے لئے جائز ہے جب تمہارے اور اس کے مابین کوئی رشتہ قرابت ہو یا پہلے سے ہی دوستی ہو یا کوئی تعلق قائم ہو لیکن اگر یہی سبب تمہارے اور فقیر کے مابین بھی ہو تو تم مال دار کو عزت و توقیر میں فقیر پر ہرگز مُقَدَّم نہ کرو کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں فقیر، مال دار سے زیادہ عزت والا ہے۔ تمہارا مال دار کو ترجیح دینا اس کے مال میں لالچ یا اس کو دکھانے کے لئے ہوگا، اگر تم ان دونوں کو مجلس میں برابری دے بھی دو پھر بھی تم پر یہ خوف منڈلا رہا ہے کہ تمہاری حکمت و خُشُوع فقیر کے مقابلے میں مال دار کے لئے زیادہ ہو جائے، اسی کو پوشیدہ ریاکاری یا پوشیدہ لالچ کہتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا ابنِ سماک بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی نے اپنی لونڈی سے کہا: آخر کیا وجہ ہے کہ جب میں بغداد آتا ہوں تو میری زبان پر حکمت جاری ہو جاتی ہے؟ اس نے کہا: لالچ آپ کی زبان کو تیز کر دیتی ہے۔

یقیناً اس نے سچ کہا کیونکہ زبان مال دار کے سامنے وہ گفتگو کرتی ہے جو فقیر کے سامنے نہیں کرتی اور مال دار کے سامنے ایسا خشوع ظاہر ہوتا ہے جو فقیر کے سامنے نہیں ہوتا۔

خاتمہ:

ریاکاری کے باب میں نفس کی پوشیدہ چال بازیوں کو شمار کرنا ممکن نہیں، ان سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اپنے دل سے غیرُاللہ کو نکال دو، تمام عمر اپنے نفس پر مہربانی کرو اور اسے گندی وعارِضی خواہشات کے سبب جہنم میں جانے پر راضی نہ ہونے دو، دنیا میں اس بادشاہ کی طرح رہو جسے خواہشات نے گھیر رکھا ہے، اس کے پاس تمام لذات موجود ہیں لیکن اس کے جسم میں بیماری ہے، وہ خواہشات سے لطف اندوز ہونے کی صورت میں ہر وقت ہلاکت کے خوف میں مبتلا رہتا ہے، اور جانتا ہے کہ اگر ان سے بچ کر نفس کے مجاہدے میں لگا رہا تو زندہ رہے گا اور بادشاہت باقی رہے گی، لہٰذا وہ طبیبوں کے پاس بیٹھتا اور دوا سازوں کی مجلس اختیار کرتا ہے، اپنے نفس کو کڑوی دوا پینے کا عادی بناتا اور اس کی بدمزگی پر صبر کرتا ہے، تمام لذات کو چھوڑ دیتا ہے اور ان کے چھوڑنے پر صابر بھی رہتا ہے، نتیجۃً کم کھانے کی وجہ سے ہر گزرتے دن اس کا بدن کمزور ہوتا چلا جاتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ شدید پرہیز کے سبب بیماری بھی کم ہوتی رہتی ہے، نفس جب اس سے کسی خواہش کے لئے جھگڑتا ہے تو وہ اپنے اوپر پے در پے آنے والے ان درد و تکالیف کے بارے میں غور کرتا ہے جو اس کے اور اس کی بادشاہت میں جدائی ڈالنے اور دشمن کو خوش کرنے کا سبب ہیں۔ جب دوا پینا گراں محسوس ہوتا ہے تو اس سے حاصل ہونے والی اس تندرستی کی طرف نظر کرتا ہے جس کے سبب وہ بادشاہی اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے گا، دل فارِغُ البال، جسم تَنْدُرُسْت ہوگا اور حکمرانی کرے گا، اس طرح اس کے لئے لذات کو چھوڑنا اور ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہی صورت حال اس مومن کی ہوتی ہے جو آخرت کا طلب گار ہوتا ہے، وہ دنیا کی ان تمام لذّات و رنگینیوں سے پرہیز کرتا ہے جو آخرت میں ہلاک کر دینے والی ہیں۔ دنیا سے بہت تھوڑے پر گزارہ کرتا ہے، کمزوری، وَحْشت، پریشانی اور غم وخوف کو اختیار کرتا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب کا شکار ہونے کے خوف اور اس کے عذاب سے بچنے کی امید پر مخلوق سے لگاؤ ختم کر لیتا ہے، جب جنت کی ابدی نعمتوں اور اپنے انجام پر ایمان ویقین پختہ ہو جائے تو یہ سب اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ پھر وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کریم و رحیم ہے، وہ اپنی رضا کے طلبگاروں کی ہمیشہ مدد فرماتا ہے، ان پر لُطف وکَرَم فرماتا ہے، اگر وہ چاہے تو ان کو محنت ومشقت سے بے نیاز

کر دے لیکن اس نے ان کو آزمانے اور ان کے ارادے کے سچا ہونے کی جانچ کا ارادہ فرمایا ہے، یہ اس کا عدل و حکمت ہے۔ پھر جب بندہ ابتدا ہی میں تھکاوٹ کا شکار ہو جائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی مدد فرماتا ہے، اس کے بوجھ کو ہلکا فرما کر اس کے لئے صَبْر کرنا آسان فرما دیتا ہے، اپنی عبادت کا شوق اور مُناجات کی ایسی لذّت عطا فرماتا ہے جو تمام لذتوں کو بھلا دے، خواہشات کو دور کرنے کی طاقت عطا فرماتا بلکہ ان کو فنا کر کے بندے کی مدد فرماتا ہے کیونکہ کریم کی شان یہ ہے کہ وہ امید رکھنے والے کی کوشش کو ضائع نہیں فرماتا اور محبت کرنے والے کی امیدوں کو نامراد نہیں کرتا بلکہ وہ تو فرماتا ہے: مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا یعنی جو میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میری رحمت ایک ہاتھ اس کی طرف بڑھتی ہے۔[1] اللہ عَزَّوَجَلَّ مزید ارشاد فرماتا ہے: نیک لوگوں کا مجھ سے ملاقات کا شوق طویل ہو گیا اور مجھے ان کی ملاقات کا شوق ان سے بھی زیادہ ہے۔

لہٰذا بندے کو چاہئے کہ شروع میں کوشش، صِدْق اور اِخلاص کا مظاہرہ کرے پھر دیکھے کہ عنقریب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اسے وہ عطا ہو گا جو اس کے جود و کَرَم اور شفقت و رحمت کے لائق ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے "جاہ و منصب اور ریاکاری کی مذمّت کا بیان" مکمل ہوا

❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀

پہاڑ برابر قرض سے نجات کا وظیفہ

ایک مکاتب غلام (یعنی وہ غلام جس نے اپنے آقا سے مال کی ادائیگی کے بدلے آزادی کا معاہدہ کیا ہو۔ مختصر القدوری، ص۱۷۱، اس) نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْهَهُ الْکَرِیْم کی خدمت میں عرض کی: میں اپنی کتابت (یعنی آزادی کی قیمت) ادا کرنے سے عاجز ہوں، میری مدد فرمائیے۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: میں تمہیں چند کلمات نہ سکھاؤں جو حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے مجھے سکھائے ہیں، اگر تم پر جبل صیر نامی پہاڑ جتنا بھی قرض ہو گا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہاری طرف سے ادا کر دے گا، تم یوں کہا کرو:

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ

(سنن الترمذی، ۵/ ۳۲۹، حدیث: ۳۵۷۴)

---

[1] ... مسلم، کتاب التوبة، باب فی الحض علی التوبة والفرح بها، ص۱۴۶۷، حدیث: ۲۶۷۵

تکبُّر اور خود پسندی کا بیان

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں جو بنانے والا، پیدا کرنے والا، ہر ایک کو صورت دینے والا اور عزت اور عظمت وبڑائی والا ہے۔ وہ ایسا بلند ہے کہ کوئی اس کی بزرگی چھین نہیں سکتا اور ایسا جبّار ہے کہ ہر سرکش اس کے سامنے ذلیل ورُسوا ہے۔ ہر مُتکبِّر اس کی بارگاہِ عزت میں مسکین اور عاجز ہے۔ ایسا غالب ہے کہ کوئی اسے اس کا ارادہ پورا کرنے سے روک نہیں سکتا۔ وہ بے نیاز ہے، کوئی اس کا شریک ہے نہ کوئی اس سے جھگڑنے والا۔ مخلوق کی آنکھوں پر اس کا جلال وجمال غالب ہے۔ اس کے اِستواء، بلندی اور وِلایت نے عرشِ مجید کو جھکا دیا۔ اس کی حمد وثنا کے احاطے سے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی زبانیں بھی عاجز ہیں۔ اس کے جلال کی حقیقت کو بیان کرنے سے اس کے فرشتوں اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام نے بھی عجز کا اعتراف کیا ہے۔ اس کے غلبہ وبلندی اور عظمت وکبریائی کے سامنے ایرانی ورومی بادشاہوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ عظمت اس کا ازار اور کبریائی اس کی چادر ہے اور جو شخص ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی اس سے جھگڑتا ہے تو وہ اسے ایسی ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے جس سے بچنا ممکن نہیں۔ وہ بزرگ تر ہے اور اس کے اَسما تمام عُیُوب سے پاک ہیں۔ دُرُوْد وسلام ہو حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر جن پر ایسا نور نازل ہوا جس کی روشنی تمام عالَم میں پھیل چکی ہے اور آپ کے آل واصحاب پر بھی درود وسلام ہو جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دوست اور اس کے منتخب بندے ہیں۔

بڑائی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی چادر ہے:

حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: بڑائی میری چادر اور عظمت میرا تہبند ہے جو کوئی ان میں کسی ایک کے بارے میں بھی مجھ سے جھگڑے گا میں اسے تباہ کر دوں گا۔[1][2]

---

1 ...المسند، ک، کتاب الایمان، اھل الجنۃ المغلوبون الضعفاء...الخ، ۱/ ۲۳۵، حدیث: ۲۱۰
سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الکبر، ۴/ ۸۱، حدیث: ۴۰۹۰

2 ...مُفَسِّرِ شَہِیر، حکیم الاُمَّت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن مراٰۃ المناجیح، جلد6، صفحہ 659 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: کبر سے مراد ذاتی بڑائی ہے اور عظمت سے مراد صفاتی بڑائی۔ چادر اور تہبند فرمانا ہم کو سمجھانے کے لئے ہے کہ جیسے ایک چادر، ایک تہبند دو آدمی نہیں پہن سکتے یوں ہی عظمت وکبریائی سوائے میرے دوسرے کے لئے نہیں ہو سکتی۔

ہلاکت میں ڈالنے والی تین چیزیں:

سرکارِ عالی وقار صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان عبرت نشان ہے کہ تین چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں: (۱) بخل جس کی پیروی کی جائے (۲) نفسانی خواہش جس کی اطاعت کی جائے اور (۳) انسان کا خود کو اچھا جاننا۔[1]

تکبر اور خود پسندی دونوں ہلاکت میں مبتلا کرنے والی بیماریاں ہیں۔ متکبر اور خود پسند دونوں مریض ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دشمن اور اس کے غضب کا شکار بھی ہیں۔ جب اس جِلد میں ہلاک کرنے والے امور کا ذکر ہو رہا ہے تو ضروری ہوا کہ تکبر اور خود پسندی کی وضاحت بھی کی جائے کیونکہ یہ دونوں بہت زیادہ ہلاک کرنے والے ہیں، لہٰذا ہم انہیں دو حصوں میں بیان کریں گے۔ پہلے حصے میں تکبر اور دوسرے میں خود پسندی کا ذکر کریں گے۔

پہلا حصہ:

تَکَبُّر کا بیان (اس میں دس فصلیں ہیں)

اس حصے میں یہ باتیں (دس فصلوں میں) ذکر کی جائیں گی: (۱)... تکبر کی مذمت (۲)... متکبرانہ چال چلنے کی مذمت (۳)... عاجزی کی فضیلت (۴)... تکبر کی حقیقت اور اس کی آفت (۵)... جن پر تکبر کیا جاتا ہے ان کے اعتبار سے تکبر کے درجات (۶)... تکبُّر پر اُبھارنے والے ظاہری اسباب (۷)... تکبُّر پر اُبھارنے والے باطنی اسباب (۸)... عاجزی کرنے والوں کے اخلاق اور کس صورت میں تکبر کا ظہور ہوتا ہے؟ (۹)... تکبر کا علاج اور تکبر کے سلسلے میں نفس کا امتحان (۱۰)... کونسی عاجزی قابل تعریف ہے اور کونسی مذموم؟

پہلی فصل:

تَکَبُّر کی مَذَمَّت

تکبر کے متعلق چھ فرامین باری تعالیٰ:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک میں کئی مقامات پر تکبر کی مَذَمَّت فرمائی اور سرکش مُتَکَبِّر کی برائی بیان فرمائی:

﴿1﴾ ...

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی

ترجمۂ کنز الایمان: اور میں اپنی آیتوں سے انھیں پھیر دوں

[1] ... شعب الایمان، باب فی الخوف من اللّٰہ، ۱/ ۴۷۱، حدیث: ۷۴۵

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (پ۹، الاعراف: ۱۴۶) — گا جو زمین میں ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں۔

﴿2﴾...

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ (پ۲۴، المؤمن: ۳۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ یوں ہی مہر کر دیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔

﴿3﴾...

وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ (پ۱۳، ابراھیم: ۱۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور انھوں نے فیصلہ مانگا اور ہر سرکش ہٹ دھرم نامراد ہوا۔

﴿4﴾...

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ (پ۱۴، النحل: ۲۳)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ مغروروں کو پسند نہیں فرماتا۔

﴿5﴾...

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ (پ۱۹، الفرقان: ۲۱)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اپنے جی میں بہت ہی اُونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے۔

﴿6﴾...

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ (پ۲۴، المؤمن: ۶۰)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ جو میری عبادت سے اونچے کھنچتے (تکبّر کرتے) ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔

تکبُّر کے متعلق 17 فرامینِ مصطفےٰ:

﴿1﴾... جس شخص کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا اور وہ شخص جہنّم میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہو۔[1]

﴿2﴾... اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: بڑائی میری چادر اور عظمت میرا تہبند ہے جو کوئی ان میں کسی ایک کے

[1] ... مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ، ص ۶۱، حدیث: ۹۱

بارے میں بھی مجھ سے جھگڑے گا تو میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔[1]

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن عَلَيْهِ رَحْمَةُ الْحَنَّان سے مروی ہے کہ مقامِ صفا پر حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمرو اور حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُم کی ملاقات ہوئی کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمرو رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْه وہاں سے چلے گئے لیکن حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْه وہیں کھڑے روتے رہے۔ حاضرین نے عرض کی: اے ابو عبد الرحمٰن! آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اِس شخص یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرو رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْه کا کہنا ہے کہ رسولُ اللہ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبُّر ہو گا اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے اوندھے منہ جہنم میں ڈالے گا۔[2]

﴿4﴾... آدمی اپنے نفس کے متعلق بڑائی بیان کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے جبّار (سرکش) لوگوں میں لکھ دیا جاتا ہے پھر اسے بھی وہی عذاب پہنچتا ہے جو ان کو پہنچتا ہے۔[3]

حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام نے ایک دن پرندوں، انسانوں، جنّوں اور حیوانات سے فرمایا: نکلو۔ چنانچہ آپ دولاکھ انسانوں اور دولاکھ جنّوں کو لے کر نکلے، آپ عَلَيْهِ السَّلَام کو بلند کیا گیا حتّٰی کہ آپ نے آسمانوں میں فرشتوں کی تسبیح سنی پھر نیچے لایا گیا حتّٰی کہ آپ کے پاؤں سمندر کو چھونے لگے۔ پھر ایک آواز سنی گئی کہ اگر تمہارے آقا (یعنی حضرت سلیمان عَلَيْهِ السَّلَام) کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبر ہوتا تو ان کو جس قدر بلند کیا گیا اس سے زیادہ انہیں دھنسا دیا جاتا۔

جہنمی گردن:

﴿5﴾... جہنم میں سے ایک گردن نکلے گی جس کے دو کان ہوں گے جو سنیں گے، دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھیں گی اور ایک زبان ہو گی جو کہے گی کہ مجھے تین قسم کے لوگوں پر مقرّر کیا گیا ہے: (۱) ہر بڑے سرکش ہٹ دھرم پر (۲) ہر اس شخص پر جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور (۳) تصویریں بنانے والوں پر۔[4]

---

1 ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب البراءة من الکبر... الخ، ۴/ ۴۵۷، حدیث: ۴۱۷۴، دون قول: "ولا اُبالی"

2 ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۲۸۰، حدیث: ۸۱۵۴

3 ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی الکبر، ۳/ ۴۰۳، حدیث: ۲۰۰۷

4 ...سنن الترمذی، کتاب صفة جھنم، باب ماجاء فی صفة النار، ۴/ ۲۵۹، حدیث: ۲۵۸۳

﴿6﴾...لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بَخِيْلٌ وَّلَا جَبَّارٌ وَّلَا سَيِّئُ الْمَلَكَةِ یعنی بخیل، سرکش اور بد اخلاق جنّت میں داخل نہیں ہوں گے۔[1]

جنّت و جہنّم کا مُکالَمہ:

﴿7﴾...جنت اور جہنّم میں مکالمہ ہوا تو جہنّم نے کہا: مجھے متکبروں اور ظالموں سے ترجیح دی گئی۔ جنت نے کہا: مجھے کیا ہے کہ مجھ میں کمزور، عاجز اور گرے پڑے لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جنت سے ارشاد فرمایا: تُو میری رحمت ہے، میں تیرے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا رحم کروں گا اور جہنّم سے ارشاد فرمایا: تُو میرا عذاب ہے، تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں گا عذاب دوں گا اور تم دونوں کو بھر دیا جائے گا۔[2]

﴿8﴾...بدتر ہے وہ شخص جو تکبر کرے اور حد سے بڑھے اور سب سے بڑے جَبّار عَزَّوَجَلَّ کو بھول جائے، بدتر ہے وہ شخص جو سرکشی کرے اور سب سے بلند اور بڑائی والی ذات کو بھول جائے، بدتر ہے وہ شخص جو غافل ہو اور کھیل کود میں پڑا رہے اور قبر اور اس میں بوسیدہ ہونے کو بھول جائے۔[3]

﴿9﴾...بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! فُلاں شخص کتنا بڑا مُتَکَبِّر ہے۔ ارشاد فرمایا: کیا اُس کے پیچھے موت نہیں ہے۔[4]

سیِّدُنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی وصیت:

حضرت سیِّدُنا نوح عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر فرمایا: میں تمہیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں اور دو باتوں سے منع کرتا ہوں جن دو باتوں سے منع کرتا ہوں وہ شرک اور تکبُّر ہیں اور جن دو باتوں کا حکم دیتا ہوں ان میں سے پہلی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" پر استقامت ہے کیونکہ اگر زمین و آسمان اور ان کی ہر چیز ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دی جائے اور "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کو دوسرے

---

1 ...مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی ذم البخل...الخ، ص۱۲۸، حدیث:۳۶۱

2 ...مسلم، کتاب الجنة...الخ، باب النار یدخلها الجبارون...الخ، ص۱۵۲۴، حدیث:۲۸۴۶ بتغیر قلیل

3 ...سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، ۴/ ۲۰۳، حدیث:۲۴۵۶ بتغیر قلیل

4 ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۲۹۳، حدیث:۸۲۰۹، بتغیر قلیل

پلڑے میں رکھ دیا جائے تو "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ" سب پر غالب آجائے گا اور اگر زمین وآسمان ایک حلقہ ہو اور "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کو اس پر رکھ دیا جائے تو یہ اس کو توڑ دے گا اور دوسری چیز جس کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں وہ "سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ" پڑھنا ہے کیونکہ یہی ہر چیز کی تسبیح ہے اور اسی کے سبب ہر چیز کو رِزق دیا جاتا ہے۔[1]

حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جسے اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اپنی کتاب کا علم دیا اور وہ سرکش (مُتَکَبِّر) ہو کر نہیں مرا۔

﴿10﴾... ہر سخت مِزاج، اِترا کر چلنے والا، متکبر، خوب مال جمع کرنے والا اور دوسروں کو نہ دینے والا جہنّمی ہے جبکہ اہلِ جنّت کمزور اور کم مال والے ہیں۔[2]

﴿11﴾... آخرت میں تم میں سے وہ لوگ مجھے زیادہ محبوب اور میرے زیادہ قریب ہوں گے جن کے اَخلاق اچھے ہوں گے اور وہ لوگ مجھے زیادہ ناپسند اور مجھ سے زیادہ دور ہوں گے جو زیادہ بولنے والے، منہ پھٹ اور مُتَفَیْہِقُوْن ہوں گے۔ صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہم زیادہ بولنے والے اور منہ پھٹ کو تو جانتے ہیں لیکن یہ مُتَفَیْہِقُوْن کون ہیں؟ ارشاد فرمایا: تکبُّر کرنے والے۔[3]

انسانی شکل والی چیونٹیاں:

﴿12﴾... قیامت کے دن مُتَکَبِّرین کو انسانی شکل والی چیونٹیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا، ہر جانب سے ان پر ذِلّت طاری ہو گی، انہیں جہنم کے "بُولَس" نامی قید خانے کی طرف ہانکا جائے گا اور بہت بڑی آگ انہیں اپنی لپیٹ میں لیکر ان پر غالب آجائے گی، انہیں "طِیْنَۃُ الْخَبَال یعنی جہنمیوں کی پیپ" پلائی جائے گی۔[4]

﴿13﴾... قیامت کے دن متکبرین کو چیونٹیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ہاں ان کی قدر وقیمت نہ ہونے کے سبب لوگ انہیں اپنے قدموں تلے روندتے ہوں گے۔[5]

---

1 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ۲/ ۶۹۵، حدیث: ۷۱۲۳

2 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ۲/ ۶۷۲، حدیث: ۷۰۳۰

3 ...سنن الترمذی، کتاب البر و الصلة، باب ماجاء فی معالی الاخلاق، ۳/ ۴۰۹، حدیث: ۲۰۲۵ بتقدم وتاخر

4 ...سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، ۴/ ۲۲۱، حدیث: ۲۵۰۰

5 ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب التواضع والخمول، ۳/ ۵۷۸، حدیث: ۲۲۳

وَادِی ھَبْھَبْ کس کا ٹھکانا ہے؟

﴿14﴾... حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں کہ میں امیر بصرہ بلال بن ابوبُردہ کے پاس آیا اور اس سے کہا: اے بلال! مجھے تمہارے والدِ محترم نے تمہارے دادا کے حوالے سے یہ حدیث پاک بیان فرمائی ہے کہ رحمتِ عالم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: "جہنم میں ایک وادی ہے جسے ھَبْھَبْ کہا جاتا ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فیصلہ ہے کہ ہر جابر و ظالم انسان کو اس میں ڈالے گا۔" لہٰذا اے بلال! تم اس وادی کے مکین بننے سے بچنا۔[1]

﴿15﴾... بے شک جہنّم میں ایک مکان ہے جس میں متکبرین کو ڈال کر اوپر سے بند کر دیا جائے گا۔[2]

﴿16﴾... اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ نَفْخَةِ الْکِبْرِیَاءِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں تکبر کے جھونکے سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔[3]

﴿17﴾... جس شخص کی روح اس حال میں جسم سے جدا ہو کہ وہ تین باتوں سے بری ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گا: (۱)... تکبر (۲)... قرض اور (۳)... خیانت۔[4]

تکبُّر کے متعلق سات اقوال بزرگان دین:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے فرمایا: کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو ہرگز حقیر نہ جانے کیونکہ جو شخص (بظاہر) مسلمانوں کے ہاں چھوٹا دکھائی دیتا ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں بڑا ہوتا ہے۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے جب جنتِ عدن کو پیدا فرمایا تو اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: "تو ہر متکبر پر حرام ہے۔"

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا اَحنَف بن قیس رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه حضرت سیِّدُنا مُصعَب بن زبیر رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کے ساتھ ان کے تخت پر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا مصعب بن زبیر رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه تخت پر

---

1 ... المسند لابی یعلی، حدیث ابی موسی الاشعری، ۶/ ۲۰۷، حدیث: ۷۲۱۳

2 ... مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ماجاء فی ذم العجب والکبر... الخ، ص ۲۳۴، حدیث: ۵۷۷

3 ... سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب مایستفتح به الصلاۃ... الخ، ۱/ ۲۹۶، حدیث: ۷۶۴ بتغیر

4 ... سنن الترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغلول، ۳/ ۲۰۹، حدیث: ۱۵۷۸، ۱۵۷۹

پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے، حضرت سیِّدُنا اَحْنَف بن قیس رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو آتا دیکھ کر بھی پاؤں نہ سمیٹے، جب وہ آکر بیٹھے تو ان سے حضرت سیِّدُنا مُصْعَب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے جسم کا کچھ حصہ دب گیا، انہوں نے جب حضرت مصعب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے چہرے پر خفگی کے آثار دیکھے تو فرمایا: آدمی پر تعجب ہے کہ وہ تکبر کرتا ہے حالانکہ وہ دو مرتبہ پیشاب کی جگہ سے نکلا ہے۔

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: انسان پر تعجب ہے کہ وہ روزانہ ایک یا دو مرتبہ اپنے ہاتھ سے ناپاکی دھوتا ہے پھر بھی تکبر کرکے آسمانوں کے زبردست بادشاہ کا مقابلہ کرتا ہے۔

اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے فرمان:

وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ (پ۲۶، الذٰریٰت: ۲۱) ترجمۂ کنزالایمان: اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اِس میں اِستنجا کے چھوٹے بڑے مقام کی طرف اشارہ ہے۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا امام محمد باقر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: تکبُّر انسان کے دل میں جس قدر داخل ہوتا ہے اسی قدر اس کی عقل کم ہو جاتی ہے۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا سلیمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے اس برائی کے متعلق پوچھا گیا جس کے ساتھ نیکی نفع نہیں دیتی تو انہوں نے فرمایا: وہ تکبر ہے۔

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا نُعمان بن بشیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے برسرِ مِنْبَر (مِم۔بَر) فرمایا: بے شک شیطان کے بہت سے پھندے اور جال ہیں جن میں سے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی نعمتوں پر اِترانا، اس کے انعامات پر فخر کرنا، بندگانِ خدا پر تکبُّر کرنا اور غیرُ اللہ کے لئے خواہش کے پیچھے چلنا بھی ہے۔

ہم اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے فَضْل وکَرَم کے ذریعے دنیا اور آخرت میں اس سے دَرْ گُزَر کا سوال کرتے ہیں۔

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

﴿ تُوْبُوْا اِلَی اللہ اَسْتَغْفِرُاللہ ﴾

﴿ صَلُّوْا عَلَی الْحَبِیْب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد ﴾

دوسری فصل: کپڑے لٹکا کر مُتَکَبِّرانہ چال چلنے کی مَذَمَّت

فخریہ کپڑے لٹکا کر چلنے کی مذمت میں سات فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾...لَا يَنْظُرُ اللهُ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ خُيَلَاءَ یعنی تکبر سے اپنا تہبند لٹکانے والے پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نظرِ رحمت نہیں فرماتا۔[1]

﴿2﴾...ایک شخص اپنی چادر اوڑھے اکڑ کر چل رہا تھا اور اسے اپنا آپ بڑا پسند آیا، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا رہے گا۔[2]

﴿3﴾...مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَا يَنْظُرُ اللهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی جو اپنا کپڑا فخر سے گھسیٹے اللہ عَزَّوَجَلَّ قیامت کے دن اس کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔[3] [4]

﴿4﴾...حضرت سَیِّدُنا زید بن اَسلم عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْاَکرَم فرماتے ہیں کہ میں حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے پاس حاضر ہوا تو حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن واقد عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْوَاحِد کا وہاں سے گزر ہوا، انہوں نے نئے کپڑے پہن رکھے تھے، حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: بیٹا! اپنا تہبند اونچا کر لو کیونکہ میں نے رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: لَا يَنْظُرُ اللهُ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ خُيَلَاءَ یعنی تکبر سے اپنا تہبند لٹکانے والے پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نظرِ رحمت نہیں فرماتا۔[5]

﴿5﴾...شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایک دن اپنا لُعابِ دَہَن اپنی مبارک ہتھیلی پر ڈالا پھر اس پر اپنی انگلی رکھ کر ارشاد فرمایا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ”اے ابنِ آدم! کیا تو مجھے

---

1 ...مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم جر الثوب خیلاء، ص ۱۱۵۴، حدیث: ۲۰۸۵

2 ...مسلم، کتاب اللباس، باب جر الثوب خیلا...الخ، ص ۱۱۵۵، حدیث: ۲۰۸۸

3 ...(۸۹۸)...بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قول النبی: لو کنت متخذا...الخ، ۲/ ۵۲۰، حدیث: ۳۶۶۵

4 ...مُفَسِّرِ شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد 6، صفحہ 94 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: کپڑے میں تہبند، پاجامہ، قمیص، چادر سب ہی داخل ہیں۔ ان میں سے جو بہت زیادہ نیچا ہو کر زمین پر گھسٹے اور ہو فخریہ فیشن کے طور پر اس پر یہ وعید ہے۔

5 ...مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم جر الثوب خیلاء...الخ، ص ۱۱۵۵، حدیث: ۲۰۸۵

عاجز کرے گا؟ حالانکہ میں نے تجھے اس جیسی چیز (یعنی نطفے) سے پیدا فرمایا ہے، جب میں نے تجھے تندرست پیدا کیا تو تُو دو چادروں میں (اکڑ کر) زمین کو روندتے ہوئے چلنے لگا، تو نے مال جمع کیا اور خَرچ کرنے سے باز رہا پھر جب رُوح حلق تک پہنچی تو کہنے لگا: میں صَدَقہ کرتا ہوں۔ صدقہ دینے کا یہ کون سا وقت ہے؟"[1]

﴿6﴾...اِذَا مَشَتْ اُمَّتِی الْمُطَیْطَاءَ وَخَدَمَتْهُمْ فَارِسُ وَالرُّوْمُ سَلَّطَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یعنی جب میری اُمت متکبرانہ چال چلنے لگے گی اور ایران اور رُوم والے ان کے خدمتگار ہوں گے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ان میں سے بعض کو بعض پر مُسَلَّط کر دے گا۔[2]

حضرت سیِّدُنا ابنِ اَعرابی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں: "اَلْمُطَیْطَاء" متکبرانہ چال چلنے کو کہتے ہیں۔

﴿7﴾...جو آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور اکڑ کر چلے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر ناراض ہو گا۔[3]

مُتَکَبِّرانہ چال کی مذمّت میں چھ اقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا ابو بکر ہُذَلی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْوَلِی سے منقول ہے کہ ہم حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی کے پاس موجود تھے کہ اِبنِ اَہْتَم پنڈلی تک تہ بہ تہ لٹکا ہوا ریشمی لباس پہنے متکبرانہ چال چلتے ہوئے قریب سے گزرا اور اس نے ایک عمدہ قسم کا قَبا (آگے سے کھلا ہوا ایک قسم کا کوٹ) بھی پہن رکھا تھا۔ حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی کی نگاہ اس پر پڑی تو فرمایا: "تُف ہے تجھ پر کہ تو ناک چڑھاتا ہے، گردن پھیرتا ہے، دائیں بائیں دیکھتا ہے، اے احمق! دائیں بائیں کیا دیکھتا ہے، دائیں بائیں نعمتیں ہیں جن کا تو نے شکر ادا نہیں کیا اور نہ ہی ان کا ذکر کیا، ان کے بارے میں نہ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم بجالایا اور نہ ہی ان کے متعلق تو نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حق ادا کیا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! جب کوئی پاگلوں کی طرح چل رہا ہوتا ہے اس وقت بھی اس کے ہر عُضو میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کوئی نہ کوئی نعمت ہوتی ہے اور شیطان کی طرف سے کوئی نہ کوئی آزمائش ہوتی ہے۔ ابنِ اَہْتَم نے یہ بات سنی تو پلٹ کر معذرت کرنے لگا۔ آپ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه نے فرمایا: مجھ سے معذرت نہ

---

1 ...سنن ابن ماجه، كتاب الوصايا، باب النهي عن الامساك... الخ، ۳/ ۳۰۷، حديث: ۲۷۰۷

2 ...سنن الترمذي، كتاب الفتن، ۴/ ۱۱۵، حديث: ۲۲۶۸، بتغير

3 ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، ۲/ ۳۶۱، حديث: ۶۰۰۲

کرو بلکہ اپنے ربّ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو، کیا تم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ فرمان نہیں سنا:

وَ لَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَ لَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ﴿۳۷﴾

(پ۱۵، بنی اسرائیل: ۳۷)

ترجمۂ کنز الایمان: اور زمین میں اِتراتا نہ چل بے شک تو ہر گز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہر گز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا۔

﴿2﴾... ایک مرتبہ عمدہ لباس میں ملبوس ایک نوجوان حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی کے پاس سے گزرا تو آپ نے اسے بلا کر فرمایا: "آدمی اپنی جوانی پر اَکڑتا ہے اور اپنی خصلتوں کو پسند کرتا ہے حالانکہ اسے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ گویا قبر نے اس کے بدن کو چھپا دیا ہے اور اس کے اعمال اس کے سامنے آ گئے ہیں، لٰہذا اے نادان! جا کر اپنے دل کا علاج کر، اللہ عَزَّوَجَلَّ بندوں سے ان کے دلوں کی اصلاح چاہتا ہے۔"

اے انسان تیری حیثیت کیا ہے...!

﴿3﴾... منقول ہے کہ خلیفہ بننے سے پہلے جب حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ العَزِیز نے حج کیا تو حضرت سیِّدُنا طاؤس رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے دیکھا کہ وہ اَکڑتے ہوئے چل رہے ہیں، آپ رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ان کے پہلو پر انگلی مار کر فرمایا: "جس کے پیٹ میں نجاست ہو اس کی چال ایسی نہیں ہوتی۔" یہ سن کر حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ العَزِیز نے معذرت کرتے ہوئے عرض کی: "چچا جان! مجھے (اس کلمہ سے) اس چال کے باعث ہر عضو میں اس قدر مار پڑی کہ میں سمجھ گیا۔"

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا محمد بن واسع رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنے بیٹے کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو اسے بلا کر فرمایا: جانتے ہو تم کون ہو؟ تمہاری ماں کو میں نے 200 درہم میں خریدا اور تمہارا باپ ایسا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مسلمانوں میں ایسوں کی کثرت نہ کرے۔

﴿5﴾... حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے تہبند کو گھسیٹ رہا تھا۔ آپ نے دو یا تین بار فرمایا: اِنَّ لِلشَّیْطَانِ اِخْوَانًا یعنی شیطان کے بھی کچھ بھائی ہیں۔

﴿6﴾... حضرت سیِّدُنا مُطَرِّف بن عبد اللہ رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے مُہَلَّب بن ابو صفرہ کو ریشم کا جبّہ پہنے اکڑ کر چلتے دیکھا تو ارشاد فرمایا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو یہ چال پسند نہیں۔" مُہَلَّب

نے کہا: "کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟" فرمایا: "کیوں نہیں! میں جانتا ہوں کہ تمہاری ابتدا ایک متغیر نطفہ سے ہوئی اور اِنتہا بدبودار مردار کی صورت میں ہوگی اور تم ان دونوں کی درمیانی مدت میں گندگی اٹھائے پھر رہے ہو۔" یہ سن کر مُہَلَّب وہاں سے چلا گیا اور اس نے یہ چال ترک کردی۔

حضرت سیِّدُنا مجاہد عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْوَاحِد نے اس آیت مبارکہ "ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ﴿۳۳﴾ [1]" کی تفسیر کرتے ہوئے "يَتَمَطَّىٰ" کا معنیٰ اکڑ کر چلنا بیان فرمایا ہے۔

جب ہم نے متکبرانہ چال چلنے اور تکبر کی مذمت بیان کردی ہے تو بہتر معلوم ہوتا ہے کہ عاجزی کی فضیلت کا ذکر بھی ہوجائے۔

تیسری فصل: عاجِزی کی فضیلت

عاجزی کی فضیلت میں 14 فرامین مصطفےٰ:

﴿1﴾... دوسروں کو مُعاف کرنے کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ بندے کی عزت بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عاجزی کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بلندی عطا فرماتا ہے۔[2]

﴿2﴾... ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں اور اسے ایک لگام ڈالی جاتی ہے جس کے ذریعے اسے روکتے ہیں پس اگر وہ اپنے نَفْس کو اونچا کرتا ہے تو وہ اسے کھینچتے ہیں اور دعا کرتے ہیں: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اسے پستی عطا فرما اور اگر وہ اپنے نفس کو پست کرتا ہے تو یوں دعا کرتے ہیں: اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! اسے بلندی عطا فرما۔[3]

﴿3﴾... اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو محتاج نہ ہونے کے باوجود عاجزی کرے اور اپنا مال گناہوں میں خرچ نہ کرے، محتاج و مسکین پر رحم کرے اور فقہا و اہل علم سے میل جول رکھے۔[4]

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا ابوسَلَمہ مدینی رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی

---

1 ... ترجمۂ کنزالایمان: پھر اپنے گھر کو اکڑتا چلا۔ (پ۲۹، القیامۃ: ۳۳)

2 ... مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب استحباب العفو والتواضع، ص۱۳۹۷، حدیث: ۲۵۸۸

3 ... المعجم الکبیر، ۱۲/ ۲۱۸، حدیث: ۱۲۹۳۹ مفہومًا

4 ... شعب الایمان، باب فی الزکاۃ... الخ، ۳/ ۲۲۵، حدیث: ۳۳۸۸

آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہمارے قریب واقع مسجد قُبا میں تشریف لائے اور آپ روزے سے تھے، اِفطار کے وقت ہم آپ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ لائے اور اس میں تھوڑا شہد ڈال دیا، آپ نے اسے چکھا تو اس میں شہد کی مٹھاس پائی، ارشاد فرمایا: ”یہ کیا ہے؟“ ہم نے عرض کی: ”یا رسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہم نے اس میں شہد ڈالا ہے۔“ یہ سن کر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پیالہ رکھ دیا اور فرمایا: ”میں اسے حرام نہیں کہتا لیکن جو شخص عاجزی کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بلندی عطا فرماتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے ذلیل کرتا ہے اور جو شخص خَرچ میں میانہ روی کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے مالدار کر دیتا ہے اور جو فضول خرچی کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے محتاج کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کو کثرت سے یاد کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے محبت کرتا ہے۔“[1]

کسی مَرَض کو بُرا نہ جانو:

﴿5﴾... مروی ہے کہ رسولِ پاک، صاحِبِ لولاک صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے گھر میں چند صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ دروازے پر ایک سائل آیا، وہ ایک ایسے مرض میں مبتلا تھا جسے لوگ بُرا سمجھتے تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے اندر آنے کی اجازت دی، اسے اپنے ساتھ بٹھایا اور فرمایا: ”کھاؤ۔“ قریش میں سے ایک شخص اس سے نفرت کرنے لگا تو وہ سائل کی طرح اس بیماری میں مبتلا ہو کر مرا۔[2]

﴿6﴾... میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے دو باتوں میں اختیار دیا کہ ”چاہو تو بندے رسول بنو اور چاہو تو بادشاہ نبی بنو۔“ میں نے کچھ توَقُّف کیا پھر حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا: ”اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کے لئے اِنکساری کیجئے۔“ پس میں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: ”میں بندہ رسول بننا پسند کرتا ہوں۔“[3]

---

[1] ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب التواضع والخمول، ۳/ ۵۵۲، حدیث: ۷۷

[2] ...حافِظ عِراقی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْبَاقِی فرماتے ہیں: مجھے اس حدیث کی اصل نہیں ملی البتہ ایک روایت میں پیارے مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا کوڑھ میں مبتلا شخص کے ساتھ کھانا کھانے کا ذکر ہے۔(اتحاف السادۃ المتقین، ۱۰/ ۲۵۴)

[3] ...المعجم الکبیر، ۱۲/ ۳۲۷، حدیث: ۱۳۳۰۹

سیِّدُنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی الٰہی:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا موسیٰ کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ میں اس شخص کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کے سامنے عاجزی کرتا ہے، میرے بندوں پر بڑائی کا اظہار نہیں کرتا، اپنے دل میں میرا خوف قائم رکھتا ہے، دن بھر میری یاد میں مشغول رہتا ہے اور میرے لئے اپنے نفس کو خواہشات سے روکتا ہے۔

﴿7﴾...عزت تقویٰ کا، بُزرگی عاجزی کا اور یقین بے نیازی کا نام ہے۔[1]

عاجزی اختیار کرنے والوں کے لئے خوشخبری:

حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام نے فرمایا: ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو دنیا میں عاجزی اختیار کرتے ہیں، بروزِ قیامت وہ منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ ان لوگوں کے لئے خوشخبری ہے جو دنیا میں لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں، بروزِ قیامت وہ جَنَّتُ الْفِرْدَوس کے وارث ہوں گے۔ ان لوگوں کے لئے بھی خوشخبری ہے جو دنیا میں اپنے دلوں کو پاک کرتے ہیں، وہ بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دیدار سے مُشَرَّف ہوں گے۔

﴿8﴾...اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی کو اسلام کی ہدایت عطا فرماتا ہے تو اس کی اچھی صورت بناتا ہے اور اسے ایسی جگہ رکھتا ہے جو اس کے لئے معیوب نہ ہو اور اسے عاجزی کی توفیق بھی عطا فرماتا ہے۔ پس ایسا شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے چنے ہوئے بندوں میں سے ہوتا ہے۔[2]

﴿9﴾...چار چیزیں صرف ان لوگوں کو ملتی ہیں جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ محبوب رکھتا ہے: (۱)...خاموشی جو عبادت کی ابتدا ہے (۲)...اللہ عَزَّوَجَلَّ پر توکل (۳)...عاجزی اور (۴)...دنیا سے بے رغبتی۔[3]

---

1 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الیقین، ۱/ ۳۰، حدیث: ۲۲

2 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب التواضع والخمول، ۳/ ۵۶۰، حدیث: ۱۲۱

3 ...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب التواضع والخمول، ۳/ ۵۶۱، حدیث: ۱۲۷

﴿10﴾... جب بندہ عاجزی کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے ساتویں آسمان تک بلندی عطا فرماتا ہے۔[1]

﴿11﴾... عاجزی بندے کو بلندی عطا کرتی ہے، لہٰذا تم عاجزی اختیار کرو تا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تم پر رحم فرمائے۔[2]

چیچک والے کے ساتھ کھانا:

مروی ہے کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک سیاہ رنگ کا شخص آیا جسے چیچک نکلی ہوئی تھی اور اس کے چیچک کے دانوں سے پانی رس رہا تھا، یہ جس کے پاس بیٹھتا وہ کھڑا ہو جاتا، پیارے مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے اپنے پہلو میں بٹھالیا۔[3]

﴿12﴾... مجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ آدمی اپنے آپ سے تکبُّر دور کرنے کے لئے گھر والوں کے کام کی کوئی چیز ہاتھ میں لے کر چلے۔[4]

﴿13﴾... ایک مرتبہ رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے ارشاد فرمایا: "کیا وجہ ہے کہ مجھے تم میں عبادت کی حلاوت (یعنی مٹھاس) دکھائی نہیں دیتی؟" صحابہ نے عرض کی: "عبادت کی حلاوت کیا ہے؟" فرمایا: "عاجزی۔"[5]

﴿14﴾... جب تم میری اُمت میں عاجزی کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے لئے عاجزی اختیار کرو اور جب تکبر کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے سامنے (بظاہر) تکبر کرو کیونکہ یہ ان کے لئے ذِلّت ورُسوائی ہے۔[6]

عاجزی کے مُتَعَلِّق بُزُرگانِ دِین کے 33 اَقوال وواقِعات

﴿1﴾... امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: بندہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی لگام بلند کرتا ہے اور (اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے مُقَرَّر فِرِشتہ) کہتا

---

1 ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول، فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، ۳/ ۴۹، حدیث: ۵۷۱۷

2 ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، ۳/ ۴۸، حدیث: ۵۷۱۲ بتغیر قلیل

3 ... قال العراقی: لم اجد ھکذا والمعروف اکلہ مع مجذوم انظر: سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب الجذام، ۴/ ۱۳۴، حدیث: ۳۵۴۲

4 ... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب التواضع والخمول، ۳/ ۵۵۶، حدیث: ۹۶

5 ... الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرۃ الرابعۃ: الکبر والعجب والخیلاء، ۱/ ۱۶۳

6 ... الزواجر عن اقتراف الکبائر الرابعۃ: الکبر والعجب والخیلاء، ۱/ ۱۶۳

ہے: ”اُٹھ کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تجھے بلندی عطا فرمائے۔“ اور جب بندہ تکبُّر کرتا ہے اور اپنی حد سے تجاوُز کرتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے زمین کی طرف پَسْت کر دیتا ہے اور (اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے مُقَرَّر فِرِشتہ) کہتا ہے: ”دور ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ تجھے رُسوا کرے۔“ ایسا شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوتا ہے حتّٰی کہ خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

قیامت کا اندھیرا:

﴿2﴾... حضرت سَیِّدُنا جریر بن عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں ایک درخت کے پاس پہنچا جس کے نیچے ایک شخص آرام کر رہا تھا اور اس نے ایک چمڑے سے اپنے اوپر سایہ کر رکھا تھا۔ سورج کی روشنی چمڑے سے آگے بڑھ گئی تھی، لہٰذا میں نے چمڑے کو درست کر دیا۔ جب وہ شخص بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ حضرت سَیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ہیں۔ میں نے جو کچھ کیا تھا ان سے بیان کر دیا۔ پھر انہوں نے فرمایا: ”اے جریر! دنیا میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عاجزی اختیار کرو کیونکہ جو شخص دنیا میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عاجزی اختیار کرے گا اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے بروزِ قیامت بلندی عطا فرمائے گا۔ اے جریر! کیا تم جانتے ہو کہ قیامت کے دن کا اندھیرا کیا ہو گا؟“ میں نے عرض کی: ”نہیں۔“ فرمایا: ”دنیا میں لوگوں کا ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنا۔“

﴿3﴾... حضرت سَیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: تم لوگ افضل عبادت یعنی عاجزی سے غافل ہو۔

﴿4﴾... حضرت سَیِّدُنا یُوسُف بن اَسباط رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: زیادہ عمل کے مقابلے میں تھوڑا تقوٰی کافی ہے اور زیادہ کوشش اور مجاہدے کی بنسبت تھوڑی عاجزی کافی ہے۔

﴿5﴾... حضرت سَیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا گیا: ”عاجزی کیا ہے؟“ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ”تم حق کے سامنے جھک جاؤ اور اس کی پیروی کرو اور اگر بچے یا کسی بڑے جاہل سے بھی حق بات سنو تو اسے قبول کرو۔“

﴿6﴾... حضرت سَیِّدُنا عبد اللہ بن مبارک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: اصل عاجزی یہ ہے کہ تم دُنیوی نعمتوں میں اپنے آپ سے کمتر کے سامنے بھی عاجزی کا اظہار کرو حتّٰی کہ تم یقین کر لو کہ تمہیں دنیوی اعتبار

سے اُس پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور جو شخص دنیوی اعتبار سے تم پر فوقیت رکھتا ہے اپنے آپ کو اس سے بَرتر سمجھو حتّٰی کہ یقین کرلو کہ اُس شخص کو دنیوی اعتبار سے تم پر کوئی فضیلت نہیں۔

نعمت کو باعث ہلاکت نہ بناؤ:

﴿7﴾... حضرت سیِّدُنا قتادہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جس شخص کو مال، جمال، لباس یا علم دیا گیا پھر اس نے اس میں عاجزی اختیار نہ کی تو یہ نعمتیں قیامت کے دن اس کے لئے وَبال ہوں گی۔

منقول ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ جب میں تمہیں نعمت عطا کروں تو اسے عاجزی کے ساتھ قبول کرو پھر میں اسے تمہارے لئے مکمل کر دوں گا۔

﴿8﴾... حضرت سیِّدُنا کَعْبُ الْاَحْبار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ بندے کو دنیا میں جو نعمت عطا کرتا ہے اگر وہ اس پر شکر ادا کرے اور عاجزی کا اظہار کرے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے دنیا میں بھی اس سے نفع عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا درجہ بلند کرتا ہے اور جو بندہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت پر شکر ادا نہ کرے اور نہ ہی عاجزی کرے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس بندے سے اس کا دنیوی نفع بھی روک دیتا ہے اور اس کے لئے جہنّم کا ایک طبقہ کھول دیتا ہے۔ اب اللہ عَزَّوَجَلَّ چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے۔

(اُموی خلیفہ) عبدُالملک بن مَروان سے پوچھا گیا کہ کون سا بندہ افضل ہے؟ اس نے کہا: جو طاقت کے باوجود عاجزی کرے، رغبت کے باوجود ہاتھ کھینچ لے اور قدرت کے باوجود انتقام نہ لے۔

﴿9﴾... حضرت سیِّدُنا ابن سِماک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ خلیفہ ہارونُ الرَّشید کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے کہا: "اے امیر المؤمنین! آپ کا اپنے عزت و شرف کے ساتھ عاجزی کا اظہار کرنا بڑائی بیان کرنے سے بہتر ہے۔" ہارونُ الرشید نے کہا: "آپ نے کیا ہی اچھی بات کہی۔" حضرت سیِّدُنا ابنِ سِماک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے مزید فرمایا: "اے امیر المؤمنین! اللہ عَزَّوَجَلَّ جس شخص کو اچھی صورت، اچھا خاندان اور مالی وُسعت عطا فرمائے اور وہ حسن میں پاکدامنی، مال کے ذریعے غمخواری اور حَسَب نَسَب میں عاجِزی کا اِظہار کرے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خاص بندوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔" خلیفہ نے یہ سن کر دوات اور کاغذ منگوا کر اس بات کو خود اپنے ہاتھ سے لکھا۔

سیّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی عاجزی:

حضرت سیّدُنا سلیمان بن داوٗد عَلَیْہِمَا السَّلَام صُبح کے وقت مال دار اور معزّز لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے بعد مسکین لوگوں کے پاس جا کر بیٹھ جاتے اور فرماتے ایک مسکین دیگر مساکین کے ساتھ بیٹھ گیا ہے۔

﴿10﴾... ایک بزرگ فرماتے ہیں: جس طرح تمہیں یہ بات ناپسند ہے کہ امیر لوگ تمہیں معمولی کپڑوں میں دیکھیں اسی طرح تمہیں یہ بات بھی ناپسند ہونی چاہئے کہ فقرا تمہیں قیمتی لباس میں دیکھیں۔

﴿11﴾... مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیّدُنا یُونس بن عُبَید، حضرت سیّدُنا اَیوب سَخْتِیانی اور حضرت سیّدُنا حسن بصری رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی باہر نکلے اور عاجزی کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ حضرت سیّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ عاجزی کیا ہے؟ عاجزی یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے نکلو تو جس مسلمان کو دیکھو اسے اپنے سے افضل گمان کرو۔

جُودی پہاڑ اور کشتیِ نوح:

حضرت سیّدُنا مجاہد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَاحِد فرماتے ہیں: اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے جب حضرت سیّدُنا نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی قوم کو غرق کیا تو ہر پہاڑ اونچا ہونے لگا اور برتری کا اظہار کرنے لگا لیکن جودی پہاڑ نے عاجزی کا اظہار کیا تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اسے تمام پہاڑوں سے زیادہ بلندی عطا فرمائی اور کشتی نوح کے ٹھہرنے کے لئے اسے منتخب کیا۔

حضرت سیّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے (بنی اسرائیل کے) لوگوں کے دلوں پر توجہ فرمائی تو حضرت سیّدُنا موسٰی عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے دل سے بڑھ کر کسی دل کو عاجزی کرنے والا نہ پایا پھر اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے آپ کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا۔

﴿12﴾... حضرت سیّدُنا یُونُس بن عُبید رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ میدانِ عَرَفات سے واپس لوٹے تو فرمایا: اگر میں ان لوگوں کے ساتھ نہ ہوتا تو یقیناً ان پر رحمت ہوتی، مجھے خوف ہے کہ وہ میری وجہ سے رحمت سے محروم ہوئے۔

﴿13﴾... کہا گیا ہے کہ مومن جس قدر اپنے نفس کے متعلق عاجزی کا اظہار کرتا ہے اسی قدر اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ہاں بلندی اختیار کرتا ہے اور جس قدر اپنے نفس کے متعلق بڑائی کا اظہار کرتا ہے اسی قدر پستی کا شکار ہوتا ہے۔

﴿14﴾... حضرت سیِّدُنا زِیاد نُمَیرِی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: زہد و تقوٰی اپنانے والا عاجزی کے بغیر بے پھل درخت کی طرح ہے۔

سیِّدُنا مالک بن دینار رَحمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اسی وجہ سے تو مالک ہیں:

﴿15﴾... حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: اگر کوئی مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو کر اعلان کرے کہ تم میں سے جو سب سے بُرا ہے وہ باہر نکلے تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! مجھ سے پہلے کوئی نہیں نکلے گا مگر یہ کہ کوئی اپنی طاقت کے بل بوتے پر یا دوڑنے میں مجھ سے سبقت کر جائے۔

حضرت سیِّدُنا مالک بن دینار عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْغَفَّار کی یہ بات جب حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مبارک رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا: مالک بن دینار اسی وجہ سے تو مالک (یعنی بلند مقام پر فائز) ہیں۔

﴿16﴾... حضرت سیِّدُنا فُضَیل بن عِیاض رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جس کے دل میں اقتدار کی چاہت ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

﴿17﴾... حضرت سیِّدُنا موسٰی بن قاسم رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ ہمارے ہاں زلزلہ آیا اور سرخ آندھی چلی تو میں حضرت سیِّدُنا محمد بن مُقاتِل رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے پاس گیا اور عرض کی: اے ابو عبد اللہ! آپ ہمارے امام ہیں، اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے ہمارے لئے دعا کیجئے۔ میری یہ بات سن کر وہ رو پڑے اور فرمایا: ”کاش میں تمہاری ہلاکت کا باعث نہ ہوتا۔“ حضرت سیِّدُنا موسٰی بن قاسم رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کہتے ہیں: اس کے بعد میں نے خواب میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی زیارت کی تو آپ نے فرمایا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے محمد بن مقاتل کی دعا کی وجہ سے تم سے یہ مصیبت اُٹھا دی۔

”ب“ کا نقطہ:

﴿18﴾... ایک شخص حضرت سیِّدُنا ابو بکر شِبلی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الْوَلِی کے پاس آیا تو آپ نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس طرح پوچھنا آپ کا طریقہ کار تھا۔ اس نے کہا: میں ”ب“ کا نقطہ ہوں۔ آپ رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: خدا تمہیں اکارت کرے تم خود کو ایک مقام دے رہے ہو (یعنی عاجزی تو یہ ہے کہ خود کو کچھ نہ سمجھو)۔

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا ابو بکر شِبْلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی نے (بطور عاجزی) فرمایا: میرے نزدیک میرے نفس کی ذلت یہودیوں کے نزدیک ان کی ذِلّت سے بڑھ کر ہے۔

﴿19﴾... حضرت سیِّدُنا ابو الفتح بن شَخْرَف رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کو خواب میں دیکھا تو ان کی خدمت میں عرض کی: "اے ابو الحسن! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔" آپ نے فرمایا: "فقیروں کی مجلس میں کوئی مال دار شخص ثواب کی نیت سے عاجزی کرے تو کیا ہی اچھی بات ہے اور اس سے زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ فُقَرا اللہ عَزَّوَجَلَّ پر اعتماد کرتے ہوئے مال داروں پر تکبر کریں۔"

خود کو پہچانو:

﴿20﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: بندہ اس وقت تک عاجزی نہیں کر سکتا جب تک اپنے آپ کو پہچان نہ لے۔

﴿21﴾... حضرت سیِّدُنا بایزید بِسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی فرماتے ہیں: "جب تک بندہ یہ گمان کرتا رہے کہ مخلوق میں مجھ سے بُرے لوگ موجود ہیں تو وہ متکبر ہے۔" آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا گیا: "بندہ عاجزی کرنے والا کب ہو گا؟" فرمایا: "جب اپنے نفس کے لئے کوئی مقام اور حالت نہ سمجھے اور انسان کو جس قدر اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ اور اپنی ذات کی پہچان ہوتی ہے وہ اسی قدر عاجزی کرتا ہے۔"

﴿22﴾... حضرت سیِّدُنا ابو سلیمان دارانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: اپنے نفس کو جس قدر میں حقیر و ذلیل خیال کرتا ہوں ساری دنیا مل کر بھی مجھے اس سے زیادہ حقیر و ذلیل قرار نہیں دے سکتی۔

(زمانہ جاہلیت کا شاعر) عُرْوَہ بن وَرْد کہتا ہے: عاجزی شَرَف و بُزرگی کے حصول کا ایک جال ہے اور آدمی سے عاجزی کے علاوہ ہر نعمت پر حَسَد کیا جاتا ہے۔

شریف انسان اور بے وقوف:

﴿23﴾... حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن خالد بَرْمَکی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی کہتے ہیں: شریف آدمی عبادت کر کے عاجزی کا

اظہار کرتا ہے اور بے وُقوف عبادت کرکے خود کو بڑا سمجھتا ہے۔

﴿24﴾... حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن مُعاذ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: مال کے ذریعے تکبر کرنے والوں پر تکبر کرنا عاجزی ہے۔

﴿25﴾... کہا گیا ہے کہ تمام مخلوق کی طرف سے عاجزی اچھی ہے لیکن مالدار لوگوں کا عاجزی کرنا سب سے اچھا ہے اور تکبر ہر انسان کی طرف سے برا ہے لیکن فقرا کا تکبر کرنا سب سے برا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قابلِ عزت وہی ہے جو خود کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے جھکائے اور رِفعت وبلندی کا حقدار وہی ہے جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے عاجزی اختیار کرے اور اَمن میں وہی ہے جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے ڈرے اور نَفع کا مستحق وہی ہے جو خود کو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی راہ میں نیلام کردے۔

﴿26﴾... حضرت سیِّدُنا ابو علی جوزَجانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فرماتے ہیں: نفس تکبر، حرص اور حسد سے مرکب ہے، اللہ عَزَّ وَجَلَّ جس شخص کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے اس سے تواضُع، خیر خواہی اور قناعت کو روک دیتا ہے اور جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے یہ خصائل عطا فرما دیتا ہے پھر جب اس کے دل میں تکبر کی آگ بھڑکنے لگتی ہے تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی مدد سے عاجزی اسے بجھا دیتی ہے اور جب اس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکنے لگتی ہے تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی توفیق سے خیر خواہی اسے بجھا دیتی ہے اور جب حرص کی آگ بھڑکتی ہے تو تائیدِ باری تعالیٰ سے قناعت اسے بجھا دیتی ہے۔

آخری زمانے میں قوم کے سردار:

﴿27﴾... سیِّدُ الطائفہ حضرت سیِّدُنا جنید بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی نے جُمعہ کے دن اپنی مجلس میں فرمایا کہ اگر رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے یہ بات مروی نہ ہوتی: "آخری زمانے میں قوم کا سردار ان میں سے گھٹیا شخص ہوگا۔"[1] تو میں تم سے کلام نہ کر رہا ہوتا۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے یہ بھی فرمایا کہ اہلِ توحید کے نزدیک عاجزی بھی تکبر ہے۔

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی علامۃ حلول المسخ...الخ، ۴/ ۹۰، حدیث: ۲۲۱۸

ممکن ہے آپ کی مراد یہ ہو کہ عاجزی کرنے والا پہلے اپنے نفس کو کچھ سمجھتا ہے پھر اسے پَسْت خیال کرتا ہے جبکہ مُوَحِّد (سچا مسلمان) اپنے نفس کو کچھ نہیں سمجھتا کہ اسے پست کرے یا بلند۔

حکایت: تکبُّر کا انجام

حضرت سیِّدُنا عُمَر بن شَبَّہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں مکّہ شریف میں صفاو مَروہ کے درمیان موجود تھا کہ میں نے خچر پر سوار ایک شخص کو دیکھا جس کے آگے آگے کچھ غلام تھے جو لوگوں پر سختی کرتے ہوئے انہیں راہ سے ہٹا رہے تھے، کچھ عرصہ بعد میں بغداد شریف آگیا، وہاں میں ایک پل پر کھڑا تھا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ننگے پاؤں اور ننگے سر ہے اور اس کے سر کے بال بڑھے ہوئے ہیں، میں اسے باغور دیکھنے لگا تو اس نے کہا: "کیا بات ہے مجھے اس طرح غور سے کیوں دیکھ رہے ہو؟" میں نے کہا: "تم اس شخص سے ملتے ہو جسے میں نے مکہ شریف میں دیکھا تھا، پھر میں نے اسے تمام واقعہ سُنا دیا۔" واقعہ سن کر اس نے کہا: "میں وہی شخص ہوں۔" میں نے کہا: "تیرے ساتھ یہ معاملہ کیسے ہوا؟" اس نے کہا: "میں نے ایسی جگہ برتری چاہی جہاں لوگ عاجزی کرتے ہیں تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے ایسی جگہ رُسوا کر دیا جہاں لوگ برتری چاہتے ہیں۔"

سیِّدُنا مُغِیرہ اور سیِّدُنا عَطاء رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالٰی کی عاجزی:

﴿28﴾... حضرت سیِّدُنا مغیرہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ہم حضرت سیِّدُنا ابراہیم نَخَعِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی سے اس طرح ڈرا کرتے تھے جیسے لوگ بادشاہ سے ڈرتے ہیں اس کے باوجود وہ فرمایا کرتے: "کیسا زمانہ آگیا کہ مجھ جیسا شخص کوفہ کا فقیہ بنا ہوا ہے۔"

﴿29﴾... حضرت سیِّدُنا عَطاء سُلَیمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَنِی جب بجلی کی گرج سنتے تو اُٹھنا بیٹھنا شروع کر دیتے اور اپنا پیٹ اس طرح پکڑتے جیسے دردِ زہ میں مبتلا عورت پکڑتی ہے اور فرماتے: "تم پر یہ مصیبت میری وجہ سے آئی ہے اگر عطاء مر جاتا تو لوگ آرام پاتے۔"

﴿30﴾... حضرت سیِّدُنا بِشر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی فرماتے ہیں: "دنیاداروں کو سلام کرنا چھوڑ دو، یوں تم دنیاداروں سے سلامتی میں رہو گے۔"

سیِّدُنا عبد اللہ بن مبارک رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه کی عاجزی:

﴿31﴾...ایک شخص نے حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مبارک رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه کو دعا دیتے ہوئے کہا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ آپ کو آپ کی امید کے مطابق عطا فرمائے۔ یہ سن کر آپ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه نے فرمایا: "امید تو معرفت کے بعد ہوتی ہے اور مجھ میں معرفت کہاں؟"

سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللهُ عَنْه کی عاجزی:

﴿32﴾...اَہلِ قریش ایک دن حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه کے پاس فخر کا اظہار کرنے لگے تو آپ نے فرمایا: میں تو ایک ناپاک نطفہ سے پیدا ہوا ہوں اور اس کے بعد میں ایک بدبودار مردہ ہو جاؤں گا پھر میزان میں اگر میرے اعمال کا پلڑا بھاری ہوا تو معزز ہوں گا اور اگر ہلکا ہوا تو بُرا ہوں گا۔

﴿33﴾...امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْه نے فرمایا: ہم نے عزت کو تقویٰ میں، مال داری کو یقین میں اور بزرگی کو عاجزی میں پایا۔

ہم اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

چوتھی فصل: تکبُّر کی حقیقت اور اس کی آفت

تکبر اور خود پسندی میں فرق:

تکبر کی دو قسمیں ہیں: (۱)...باطنی تکبُّر اور (۲)... ظاہری تکبُّر۔ باطنی تکبر نَفْس کے اندر ایک عادت کا نام ہے جبکہ ظاہری تکبر وہ اعمال ہیں جو اَعضاء سے ظاہر ہوتے ہیں۔ باطنی صفات کو تکبر کہنا ہی زیادہ دُرُست ہے کیونکہ ظاہری اعمال تو تکبُّر کا نتیجہ ہیں اور عادت ان اعمال کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ جب اعمال اعضاء سے ظاہر ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ فُلاں نے تکبر کیا اور ظاہر نہ ہوں تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے دل میں تکبر ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل تکبر وہی ہے جو دل میں ہوتا ہے اور اس سے مراد خود کو دوسرے سے فائق اور بَرتَر سمجھنا اور نفس کا اس سے راحت پانا ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ تکبر دو امور کا تقاضا کرتا ہے: (۱) مُتَکَبَّرعَلَيْه (جس پر تکبر کیا جائے) اور (۲) مُتَکَبَّربِه (وہ عمل جس کے ذریعے تکبر کیا جائے)۔

اس سے تکبر اور خود پسندی میں فرق واضح ہو گیا کیونکہ خود پسندی اسی شخص تک محدود ہوتی ہے دوسرے سے اس کا تعلق نہیں ہوتا بالفرض اگر ایک ہی انسان کو پیدا کیا جاتا تب بھی اس کا خود پسندی میں مبتلا ہونے کا امکان تھا لیکن تکبر کا نہیں کیونکہ تکبر اسی وقت ہو سکتا ہے جب کوئی دوسرا موجود ہو اور صفاتِ کمال میں خود کو اس دوسرے سے بلند سمجھا جائے محض خود کو بڑا سمجھنا تکبر نہیں کیونکہ بسا اوقات انسان خود کو بھی بڑا سمجھ رہا ہوتا ہے اور دوسرے کو خود سے بھی بڑا جان رہا ہوتا ہے یا پھر ہم پلہ گمان کر رہا ہوتا ہے اس صورت میں وہ متکبر نہیں کہلائے گا۔

تکبر کسے کہتے ہیں؟

یہ کہنا کہ دوسرے کو حقیر جاننا ہی تکبر ہے درست نہیں کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ وہ دوسرے کو حقیر جان رہا ہو لیکن خود کو اس سے زیادہ حقیر سمجھ رہا ہو تو اس صورت میں وہ متکبر نہیں کہلائے گا اور دوسرے کو اپنے برابر سمجھنا بھی تکبر نہیں بلکہ تکبر اسی صورت میں ہو گا جب انسان اپنے لئے بھی اور دوسرے کے لئے بھی مرتبہ ومقام تصور کرے لیکن خود کو اس سے بَرتر جانے۔

معلوم ہوا کہ جب یہ تین تصورات پائے جائیں گے اُسی صورت کو تکبر سے تعبیر کریں گے صرف خود کو بڑا سمجھنے سے کسی کو مُتَکَبِّر نہیں کہیں گے بلکہ خود کو بڑا سمجھنے کا خیال اور مذکورہ تینوں تصورات انسان میں تکبر کو ہوا دیتے ہیں پھر ان کے سبب دل میں جو حرکت، خوشی، میلان اور خود کو باعزت سمجھنے کا اعتقاد پیدا ہوتا ہے اسے صِفَتِ تکبُّر سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ دعا کی: ”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ نَفْخَۃِ الْکِبْرِیَاءِ یعنی اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! میں تکبر کے جھونکے سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔“[1] اسی کے سبب امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے بعد فجر وَعْظ کی اجازت مانگنے والے سے فرمایا: ”مجھے ڈر ہے کہ تو پھول کر ثُریّا تک نہ پہنچ جائے۔“

گویا جب انسان خود کو بَرتری کی نگاہ سے دیکھتا ہے یعنی بڑا سمجھتا ہے تو وہ تکبر کرتا ہے اور پھول جاتا ہے اور خود کو معزّز سمجھتا ہے۔ پس تکبر ایک ایسی حالت کا نام ہے جو مذکورہ تَصَوُّرات واعتقادات کے سبب نفس

[1] ...سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب ما یستفتح بہ الصلاۃ...الخ، ۱/ ۲۹۷، حدیث: ۷۶۴ بتغیر

میں پیدا ہوتی ہے اور خود کو باوقار اور بڑا سمجھنے کو بھی تکبر کہتے ہیں۔ اسی لئے حِبْرُ الْاُمَّہ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا نے اس آیت مبارکہ: "اِنۡ فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ اِلَّا کِبۡرٌ مَّا ہُمۡ بِبَالِغِیۡہِ[1]" کی تفسیر میں فرمایا کہ "یہ وہ بڑائی ہے جس تک وہ نہیں پہنچیں گے۔"

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے تکبر کی تفسیر بڑائی سے فرمائی، پھر یہ بڑائی کچھ ظاہری اور باطنی اعمال کا تقاضا کرتی ہے جو اس کا ثمرہ و نتیجہ ہوتے ہیں جنہیں تکبر کہا جاتا ہے۔

مُتَکَبِّر سے ظاہر ہونے والے اَعمال:

جب انسان دوسروں کے مقابلے میں خود کو بڑے مرتبے والا سمجھتا ہے تو دوسروں کو حقیر جانتا ہے اور ان کو اپنے آپ سے دور کرتا ہے۔ ان کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا پسند نہیں کرتا۔ جب تکبر بڑھ جاتا ہے تو اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اس کے سامنے جھک کر کھڑا ہو اور یہ اس کا حق ہے۔ جب تکبر میں مزید اضافہ ہوتا ہے تو ان لوگوں سے خدمت لینے کو بھی باعث عار سمجھتا ہے اور ان کو اپنے سامنے کھڑا ہونے کا اہل نہیں سمجھتا بلکہ ان سے چوکیداری کی خدمت لینا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ اگر تکبر کچھ کم ہو تو دوسرے کو اپنے برابر مقام دینا ناپسند کرتا ہے، تنگ راستوں میں اس سے آگے بڑھتا ہے، مجالس میں اس سے اونچی جگہ بیٹھتا ہے اور اس انتظار میں رہتا ہے کہ سلام میں وہ پہل کرے، اگر وہ اس کے کام کاج کرے تو کوتاہی کو ناممکن تصور کرتا ہے، اگر وہ کبھی کوتاہی کردے تو اس پر تعجب کا اظہار کرتا ہے، اگر وہ اس کے سامنے دلیل پیش کرے یا بحث و مُباحثہ کرے تو اس کو جواب دینا مناسب نہیں سمجھتا، اگر وہ نصیحت کرے تو قبول کرنا گوارا نہیں کرتا اور اگر خود دوسروں کو نصیحت کرے تو نہایت سختی سے کام لیتا ہے اور اس کی بات کو اگر رد کردیا جائے تو سخت غصے میں آجاتا ہے، اگر یہ استاد ہو تو شاگردوں کے ساتھ نرمی نہیں برتتا، ان کو ذلیل جانتا ہے اور جھڑکتا ہے، ان پر احسان جتلاتا اور ان سے خدمت لیتا ہے اور عام لوگوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے وہ گدھے ہوں یعنی ان کو جاہل اور حقیر گمان کرتا ہے۔

---

[1]...ترجمۂ کنزالایمان: ان کے دلوں میں نہیں مگر ایک بڑائی کی ہوس جسے نہ پہنچیں گے۔ (پ۲۴، المؤمن: ۵۶)

تکبر کے باعث جو اعمال ظاہر ہوتے ہیں وہ بے شمار ہیں مشہور و معروف ہونے کی وجہ سے انہیں بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

تکبر کی آفت:

تکبر کی آفت انتہائی تباہ کن اور مُہلِک ہے، خواص تک اس میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ عابدین، زاہدین اور عُلَما تک اس سے بہت کم محفوظ رہتے ہیں تو عوام کا کیا ذکر۔ اس کی آفت بڑی کیوں نہ ہو گی جبکہ سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ یعنی وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرّہ بھر بھی تکبر ہو[1]۔"[2]

متکبر جنت میں (اوّلاً) داخلے سے اس لئے محروم ہے کہ مؤمنین کے اخلاق جنت کے دروازے ہیں اور تکبر اور نفس کی بڑائی سے یہ دروازے بند ہو جاتے ہیں کیونکہ تکبر کے سبب آدمی اس پر قادر نہیں ہوتا کہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرے وہ دوسرے مسلمانوں کے لئے بھی پسند کرے اور عاجزی پر بھی قادر نہیں ہوتا جو کہ مُتَّقِی لوگوں کے اخلاق کی اصل ہے اور جب تک اس میں تکبر ہوتا ہے وہ کینہ بھی نہیں چھوڑ سکتا اور اپنی عزت بچانے کے لئے ہمیشہ سچ بولنے پر قادر نہیں ہوتا اور غصہ چھوڑنے پر بھی قادر نہیں ہوتا نیز حسد چھوڑنا بھی اس کے بس میں نہیں ہوتا اور لوگوں کو اچھی نصیحتیں نہیں کر سکتا اور دوسروں کی نصیحت قبول نہیں کر سکتا اور لوگوں کی غیبت اور ان کو حقیر جاننے سے بچ بھی نہیں سکتا۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ تکبر کرنے والا ہر بُرے کام کی طرف مجبور ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعے اپنی عزت کی حفاظت کرے اور ہر اچھے کام سے عاجز ہوتا ہے کیونکہ اسے اپنی عزت کے چلے جانے کا ڈر ہوتا

1... مُفَسِّرِ شَہیر، حکیم الاُمَّت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن مراٰۃ المناجیح، جلد6، صفحہ 657 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: اس فرمانِ عالی کے چند معنیٰ ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ دنیا میں جس کے دل میں رائی برابر کفر ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا، کبر سے مراد اللہ (عَزَّوَجَلَّ) و رسول (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے سامنے غُرور کرنا یہ کفر ہے۔ دوسرے یہ کہ دنیا میں جس کے دل میں رائی کے برابر غُرور ہو گا وہ جنت میں اوّلاً نہیں جائے گا۔ تیسرے یہ کہ جس کے دل میں رائی برابر غُرور ہو گا وہ غُرور لے کر جنت میں نہ جائے گا، پہلے ربّ تعالیٰ اس کے دل سے تکبر دور کر دے گا پھر اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

2... مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ، ص ٦١، حدیث: ٩١

ہے۔ ان ہی برے اخلاق کی وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ "جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔"

تکبر کو بُرے اخلاق لازم ہیں اور بعض برے اخلاق دوسرے بعض برے اخلاق کی طرف لے جاتے ہیں۔ تکبر کی سب سے بُری قسم وہ ہے جو عِلْم حاصل نہ کرنے دے اور قبولِ حق سے مانع ہو۔ قرآنِ پاک کی بے شمار آیات میں تکبر اور متکبرین کی مذمت فرمائی گئی ہے۔

تکبُّر اور مُتَکَبِّرِیْن کی مَذَمَّت میں چھ فرامینِ باری تعالٰی:

﴿1﴾...

وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْۚ-اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْؕ-اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ(۹۳) (پ۷، الانعام: ۹۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا بدلہ اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے۔

﴿2﴾...

اُدْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۚ-فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ(۷۲) (پ۲۴، الزمر: ۷۲)

ترجمۂ کنزالایمان: داخل ہو جہنم کے دروازوں میں اس میں ہمیشہ رہنے تو کیا ہی بُرا ٹھکانا متکبروں کا۔

پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ خبر بھی دی کہ سب سے زیادہ عذاب والے وہ جہنمی ہوں گے جو بڑے سرکش ہوں گے جیسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ارشاد ہے:

﴿3﴾...

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِیًّاۚ(۶۹) (پ۱۶، مریم: ۶۹)

ترجمۂ کنزالایمان: پھر ہم ہر گروہ سے نکالیں گے جو ان میں رحمٰن پر سب سے زیادہ بے باک ہو گا۔

﴿4﴾...

فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ

ترجمۂ کنزالایمان: تو وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان

وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ (پ۱۴، النحل: ۲۲) کے دل منکر ہیں اور وہ مغرور۔

﴿5﴾...

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ (پ۲۲، سبا: ۳۱)

ترجمۂ کنز الایمان: وہ جو دبے تھے اُن سے کہیں گے جو اونچے کھنچتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے۔

﴿6﴾...

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ (پ۹، الاعراف: ۱۴۶)

ترجمۂ کنز الایمان: اور میں اپنی آیتوں سے انھیں پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں کہا گیا ہے: "ہم ان سے قرآن پاک کی سمجھ اٹھالیں گے۔"

ایک قول یہ ہے: "میں ان کے دلوں کو ملکوت (کے اسرار) سے روک دوں گا۔"

مُفَسِّرِ قرآن حضرت سیِّدُنا ابنِ جُرَیج رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان آیات میں غور و فکر کر سکیں گے نہ ان سے عبرت حاصل کریں گے۔

کھیتی نرم زمین میں پیدا ہوتی ہے پتھر پر نہیں:

حضرت سیِّدُنا عیسٰی روحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: "کھیتی نرم زمین میں پیدا ہوتی ہے پتھر پر نہیں اسی طرح حکمت عاجزی کرنے والے کے دل میں عمل کرتی ہے تکبر کرنے والے کے دل میں نہیں، کیا تم نہیں دیکھتے اگر آدمی اپنے سر کو چھت سے ٹکرائے تو خود اپنا سر زخمی کرے گا اور اگر اپنے سر کو جھکائے تو اسے سایہ بھی ملے گا اور ٹھکانا بھی۔"

یہ تکبر کرنے والوں کی مثال ہے کہ وہ کس طرح حکمت سے محروم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انکارِ حق کو تکبر کی تعریف میں ذکر فرمایا اور تکبر کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا: "متکبر وہ ہے جو حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔"[1]

---

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث ابی ریحانۃ رضی اللہ عنہ، ۶/ ۹۷، حدیث: ۱۷۲۰۶

پانچویں فصل: جن پر تَکَبُّر کیا جاتا ہے ان کے اِعتبار سے تَکَبُّر کے دَرَجات، اَقسام اور اس کے نتائج

مُتَکَبَّرٌ عَلَیْہ کے اعتبار سے تکبر کی اقسام:

جان لیجئے! تکبر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات پر کیا جاتا ہے یا اس کے رسول پر یا عام انسان پر۔ چونکہ انسان (فطرتاً) ظالم اور جاہل پیدا کیا گیا اس لئے کبھی وہ مخلوق پر تکبر کرتا ہے اور کبھی اپنے خالق پر اس کا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح مُتَکَبَّرٌ عَلَیْہ (یعنی جس پر تکبر کیا جاتا ہے اس) کے اعتبار سے تکبر کی تین قسمیں ہوئیں:

پہلی قسم: اللہ عَزَّوَجَلَّ پر تکبر کرنا

تکبر کی یہ قسم تمام قسموں میں سب سے بُری ہے اور اس کا باعث محض جہالت اور سرکشی ہے جیسے نمرود کا تکبر۔ اُس کا کہنا تھا کہ وہ آسمانوں کے رب سے لڑے گا۔ سرکشی کے ایسے واقعات کئی جاہلوں سے منقول ہیں بلکہ ربّ ہونے کے تمام دعویداروں کی سرکشی کا یہی عالم ہے جیسے فرعون وغیرہ۔ چنانچہ فرعون نے تکبر کی وجہ سے رب ہونے کا دعویٰ کیا:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ (پ۳۰، النّٰزعٰت: ۲۴)

ترجمۂ کنز الایمان: میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بندگی سے نفرت کا اظہار کیا۔

ایسوں کے مُتَعَلِّق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

﴿1﴾...

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ﴿۶۰﴾ (پ۲۴، المؤمن: ۶۰)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک وہ جو میری عبادت سے اونچے کھنچتے (تکبر کرتے) ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔

﴿2﴾...

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓىٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (پ۶، النسآء: ۱۷۲)

ترجمۂ کنز الایمان: ہرگز مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ مُقرَّب فرشتے۔

﴿3﴾...

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ (پ۱۹، الفرقان: ۶۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب اُن سے کہا جائے رحمٰن کو سجدہ کرو کہتے ہیں رحمٰن کیا ہے کیا ہم سجدہ کرلیں جسے تم کہو اور اس حکم نے انہیں اور بدکنا بڑھایا۔(1)

دوسری قسم: رسولوں پر تکبر کرنا

یعنی اپنے نفس کو باعزت خیال کرنا اور بلند سمجھنا اور یوں تصور کرنا کہ عام لوگوں جیسے ایک انسان کا حکم کیسے مانا جائے؟ بسا اوقات یہ بات غور و فکر سے روک دیتی ہے۔ یوں وہ شخص تکبر کے باعث جہالت کے اندھیرے میں بھٹکتا رہتا ہے اور اطاعت سے رُوگردانی کرتا ہے اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے۔ کبھی مَعْرِفَت کے باوُجود اطاعت سے رُک جاتا ہے، اس کا نفس اسے حق کے سامنے جھکنے اور رسولوں کے سامنے عاجزی کرنے سے روک دیتا ہے۔ ایسے بہت سوں کے اَقوال قرآن پاک میں موجود ہیں۔

رسولوں پر تکبر کرنے والوں کے قرآن میں موجود 7 اقوال:

﴿1﴾...

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ (پ۱۸، المؤمنون: ۴۷)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو آدمیوں پر اور ان کی قوم ہماری بندگی کر رہی ہے۔

﴿2﴾...

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پ۱۳، ابراھیم: ۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو۔

(1)...یہ آیت سجدہ ہے: آیت سجدہ پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ فارسی یا کسی اور زبان میں آیت کا ترجمہ پڑھا تو پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہو گیا سننے والے نے یہ سمجھا ہو یا نہیں کہ آیت سجدہ کا ترجمہ ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ اسے نامعلوم ہو تو بتا دیا گیا ہو کہ یہ آیت سجدہ کا ترجمہ تھا اور آیت پڑھی گئی ہو تو اس کی ضرورت نہیں کہ سننے والے کو آیت سجدہ ہونا بتایا گیا ہو۔ سجدۂ تلاوت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کھڑا ہو کر اَللہُ اَکْبَر کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور کم سے کم تین بار سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے، پھر اَللہُ اَکْبَر کہتا ہوا کھڑا ہو جائے، پہلے پیچھے (ابتدا و اخیر میں) دونوں بار اَللہُ اَکْبَر کہنا سنت ہے اور کھڑے ہو کر سجدہ میں جانا اور سجدہ کے بعد کھڑا ہونا یہ دونوں قیام مستحب۔ (بہار شریعت، حصہ ۴، ۱/ ۷۲۸، ۷۳۰، ۷۳۱)

﴾3﴿...

وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ (پ۱۸، المؤمنون: ۳۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔

﴾4﴿...

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَاؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِیْرًا ﴿۲۱﴾

(پ۱۹، الفرقان: ۲۱)

ترجمۂ کنز الایمان: اور بولے وہ لوگ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے ہم پر فرشتے کیوں نہ اُتارے یا ہم اپنے رب کو دیکھتے بے شک اپنے جی میں بہت ہی اُونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے۔

﴾5﴿... اللہ عَزَّوَجَلَّ نے فرعون کی بات کو نقل فرمایا:

اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾

(پ۲۵، الزخرف: ۵۳)

ترجمۂ کنز الایمان: یا اس کے ساتھ فرشتے آتے کہ اس کے پاس رہتے۔

اور اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (پ۲۰، القصص: ۳۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اس نے اور اُس کے لشکریوں نے زمین میں بے جا بڑائی چاہی۔

فرعون نے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول دونوں سے تکبر کیا۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا وہب بن مُنَبِّہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام نے فرعون سے فرمایا: "ایمان لے آؤ تمہاری سلطنت تمہارے پاس رہے گی۔" اس نے کہا: "میں (اپنے وزیر) ہامان سے مشورہ کرتا ہوں۔" اس نے ہامان سے مشورہ کیا تو ہامان نے کہا: "ابھی تو رب ہے اور تیری عبادت کی جاتی ہے جب تو بندہ بن جائے گا تو تجھے عبادت کرنی پڑے گی۔" یہ سن کر فرعون نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بندگی اور حضرت سیِّدُنا موسٰی عَلَیْهِ السَّلَام کی اتباع کو باعث عار جانا۔

"عَظِیۡمُ الۡقَرۡیَتَیۡنِ" سے کون مراد ہیں؟

﴿6﴾... (حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے متعلّق) قُرَیْشِ مکہ کے قول کو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے نقل فرمایا:

لَوۡلَا نُزِّلَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الۡقَرۡیَتَیۡنِ عَظِیۡمٍ ﴿۳۱﴾ (پ۲۵، الزخرف: ۳۱)

ترجمۂ کنزالایمان: کیوں نہ اُتارا گیا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر۔

حضرت سیِّدُنا قتادہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "عَظِیۡمُ الۡقَرۡیَتَیۡنِ یعنی دو شہروں کے بڑے آدمی" سے ولید بن مُغیرہ اور ابو مسعود ثَقَفی مراد ہیں۔ قُرَیْشِ مکہ نے کہا تھا کہ محمد (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) تو ایک یتیم لڑکے ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں ہم پر نبی کیسے بنادیا؟ نبی کوئی ایسا شخص ہونا چاہئے تھا جو جاہ ومنصب میں ان سے فائق ہوتا۔ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قریش کی اس بات کے جواب میں ارشاد فرمایا:

اَهُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ (پ۲۵، الزخرف: ۳۲)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا تمہارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں۔

کُفّارِ قریش کا تکبُّر اور ان کا اَنجام:

﴿7﴾... ایک جگہ قریش کا یہ قول بیان کیا:

لِّیَقُوۡلُوۡۤا اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِنَا ؕ (پ۷، الانعام: ۵۳)

ترجمۂ کنزالایمان: کہ مالدار کافر محتاج مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے۔

یعنی انہوں نے مسلمانوں کو حقیر سمجھا اور خود پر مُقَدَّم کئے جانے کو ناممکن جانا۔ چنانچہ قریش نے سیِّدِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے کہا: "ہم ان لوگوں کی موجودگی میں آپ کے پاس کیسے بیٹھیں؟"[1] اس بات میں انہوں نے مسلمان فقرا کی طرف اشارہ کیا یعنی قریش نے فقر کی وجہ سے مسلمانوں کو حقیر جانا اور ان کے ساتھ بیٹھنے سے تکبر کیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کے متعلق یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِیِّ ... مَا عَلَیۡكَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ (پ۷، الانعام: ۵۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور دور نہ کرو انھیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں۔

---

[1]... سنن ابن ماجه، کتاب الزھد، باب مجالسة الفقراء، ۴/ ۴۳۶، حدیث: ۴۱۲۸ مفھوماً

اور حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے ارشاد فرمایا:

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ (پ۱۵، الکھف: ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے اور تمہاری آنکھیں انھیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگی کا سنگار (زینت) چاہو گے۔

اور ان تکبر کرنے والوں کے تعجب کی خبر دی کہ وہ جہنّم میں داخل ہوں گے تو ان لوگوں کو نہیں دیکھیں گے جنہیں حقیر گمان کرتے تھے۔ کہیں گے:

مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ (پ۲۳، ص: ۶۲)

ترجمۂ کنزالایمان: ہمیں کیا ہوا ہم ان مردوں کو نہیں دیکھتے جنھیں بُرا سمجھتے تھے۔

اس سے ان کی مراد حضرت سیِّدُنا عَمّار، حضرت سیِّدُنا بِلال، حضرت سیِّدُنا صُہَیب اور حضرت سیِّدُنا مِقداد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم ہوں گے۔

کُفّار کے دو گروہ:

کُفّارِ مکہ کے دو گروہ تھے: **ایک** تو وہ تھے جنہیں تکبر نے غور وفکر سے روک دیا تھا تو وہ رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے حق پر ہونے سے جاہل رہے۔ **دوسرے** وہ تھے جنہوں نے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو پہچانا لیکن تکبر نے اِن کو اعتراف کرنے سے روک دیا۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ (پ۱، البقرۃ: ۸۹)

ترجمۂ کنزالایمان: تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس کے منکر ہو بیٹھے۔

اور فرمایا:

وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ (پ۱۹، النمل: ۱۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اُن کے منکر ہوئے اور اُن کے دلوں میں ان کا یقین تھا ظلم اور تکبر سے۔

یہ قسم درجے میں اگرچہ پہلی قسم (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ پر تکبر کرنے والوں) سے کم ہے لیکن اس کے قریب قریب ضرور ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم قبول کرنے اور اس کے رسولوں کی پیروی کرنے سے تکبر برتا جاتا ہے۔

تیسری قسم: عام بندوں پر تکبر کرنا

اس کی صوت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور دوسروں کو حقیر جانے اور اس کا نفس دوسروں کے سامنے عاجزی کرنے سے انکار کرے اور دوسروں پر برتری کے اظہار کی طرف بلائے۔ جب بندہ اس میں مبتلا ہوتا ہے تو دوسروں کو حقیر اور چھوٹا سمجھنے لگتا ہے اور اپنے ساتھ ان کی برابری کو ناپسند جانتا ہے۔

عام بندوں پر تکبر کے بُرا ہونے کی دو وجوہات:

اگرچہ یہ تکبر پہلی دو قسموں کے مقابلے میں کم درجے کا ہے لیکن دو وجہوں سے یہ بھی بہت بڑا ہے:

❁...**پہلی وجہ:** یہ ہے کہ بڑائی، ذاتی عزّت و عظمت اور حقیقی بلندی تو مالک و قادر عَزَّوَجَلَّ کے علاوہ کسی کے لائق نہیں کیونکہ بندہ فی نفسہٖ مملوک، کمزور اور عاجز ہے (بذاتِ خود خیر و شر میں سے) کسی چیز پر قادر نہیں۔

مُتکبر شخص رب تعالیٰ سے جھگڑتا ہے:

جب بندے کی یہ حالت ہے تو اسے تکبر کیسے زیب دے سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ بندہ جب تکبر کرتا ہے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ اس کی ایک ایسی صفت میں جھگڑتا ہے جو صرف اسی کی جلالتِ شان کے لائق ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ غلام بادشاہ کی ٹوپی لے کر اپنے سر پر رکھ لے اور اس کے تخت پر بیٹھ جائے تو غلام کے اس فعل سے بادشاہ کس قدر ناراض ہوگا اور غلام کو کس قدر رُسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا پھر یہ کہ غلام کی یہ حرکت آقا کے سامنے کس قدر جرأت کہلائی گی نیز اس نے جو فعل کیا وہ کس قدر بُرا ہے؟ حدیثِ قدسی میں اسی طرف اشارہ ہے: "اَلْعَظَمَةُ اِزَارِیْ وَالْكِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْهِمَا قَصَمْتُهٗ یعنی عظمت میرا اِزار اور بڑائی میری چادر ہے جو کوئی ان میں کسی ایک کے بارے میں بھی مجھ سے جھگڑے گا میں اسے تباہ کر دوں گا۔"[1]

---

[1]...المستدرک للحاکم، کتاب الایمان، اھل الجنة المغلوبون...الخ، ۱/ ۲۳۵، حدیث: ۲۱۰
سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الکبر، ۴/ ۸۱، حدیث: ۴۰۹۰

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: "یہ خاص میری صفت ہے اور صرف میرے لائق ہے اور اس کے متعلق جھگڑنے والا میری صفات میں سے ایک صِفَت میں مجھ سے جھگڑتا ہے۔"

جب بندوں پر بڑائی کا اظہار صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے شایانِ شان ہے تو جو آدمی اس کے بندوں پر تکبر کرتا ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا مجرم ہے کیونکہ جو شخص بادشاہ کے خاص غلاموں کو ذلیل ورُسوا جانتا ہے، ان سے خدمت لیتا ہے، ان پر بڑائی کا اظہار کرتا ہے اور ان سے وہی معاملہ کرتا ہے جو بادشاہ ان سے کرتا ہے تو وہ بادشاہ کے بعض مُعامَلات میں دخل اندازی کر رہا ہوتا ہے اگرچہ یہ اس شخص کی طرح نہیں جو بادشاہ کے تخت پر بیٹھنا چاہتا ہے اور تنہا حکومت کرنا چاہتا ہے۔

تمام لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندے ہیں اور رب تعالیٰ کو ان پر عظمت اور بڑائی حاصل ہے، لہٰذا جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں میں سے کسی پر تکبر کرتا ہے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے حق میں جھگڑتا ہے۔ البتہ اس جھگڑنے میں اور فرعون و نمرود کے جھگڑنے میں ایسا ہی فرق ہے جیسا فرق ان دو شخصوں کے درمیان ہے جن میں سے ایک بادشاہ کے بعض غلاموں کو حقیر جاننے کی صورت میں بادشاہ کا مجرم ٹھہرتا ہے اور دوسرا بادشاہ کی بادشاہی میں جھگڑنے کے سبب مجرم ٹھہرتا ہے۔

متکبر شخص منافقین کا سا طرز اپناتا ہے:

❁...**دوسری وجہ:** عام بندوں پر تکبر کے برا ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ تکبر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اَحکام کی مخالفت کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ متکبر آدمی جب کسی بندے سے حق بات سنتا ہے تو اسے قبول کرنے میں عار محسوس کرتا ہے بلکہ اسے جھٹلانے کی کوشش کرتا ہے۔ مُناظرانہ بحثوں میں اس کا مشاہدہ عام ہے، ہر مناظر کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کے رازوں سے پردہ اٹھارہا ہے لیکن جب حق قبول کرنے کا معاملہ آتا ہے تو متکبرین کا سا رویہ اپناتا ہے، اگر ایک شخص کی زبان پر حق ہوتا ہے تو دوسرا اسے قبول نہیں کرتا یہی نہیں بلکہ حق کو ٹھکرانے اور اسے ناحق قرار دینے کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے تراشتا ہے حالانکہ یہ منافقوں اور کافروں کا طریقہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ(۲۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کافر بولے یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بیہودہ غل (شور) کرو شاید یونہی تم غالب آؤ۔

(پ۲۴، حٰمٓ السجدة: ۲۶)

تو جو شخص حق کا اظہار کرنے کے بجائے مدمقابل پر غلبہ پانے اور اسے خاموش کروانے کے لئے مناظرہ کرے وہ اس عادت میں کُفّار و مُنافِقین کے ساتھ شریک ہے۔

یونہی تکبر انسان کو وعظ و نصیحت قبول کرنے سے بھی روک دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ

ترجمۂ کنزالایمان: اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔

(پ۲، البقرة: ۲۰۶)

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیتِ مبارکہ پڑھنے کے بعد "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ" کہا اور فرمایا: ایک شخص نے نیکی کی دعوت دی تو اسے قتل کر دیا گیا پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے کہا: "کیا تم ایسے لوگوں کو قتل کرتے ہو جو نیکی کا حکم دیتے ہیں؟" تو متکبر شخص نے اسے بھی قتل کر دیا۔ پس اس متکبر شخص نے نیکی کی دعوت دینے والے اور قتل سے منع کرنے والے دونوں کو محض تکبر کی وجہ سے قتل کر دیا۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: "کسی شخص کے گناہ گار ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ جب اس سے کہا جائے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈر تو وہ کہے تو اپنی فکر کر۔"

دایاں ہاتھ بیکار ہو گیا:

ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب و سینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے فرمایا: "کُلْ بِیَمِیْنِکَ یعنی دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔" اس نے جواب دیا: "میں ایسا نہیں کر سکتا۔" اس پر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "لَا اسْتَطَعْتَ یعنی تو (واقعی) ایسا نہیں کر سکے گا۔"(1)

(1)..... مسلم، کتاب الاشربة، باب آداب الطعام... الخ، ص۱۱۱۸، حدیث: ۲۰۲۱

چونکہ اس شخص نے تکبر کے باعث ایسا کہا تھا، راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے کبھی اپنا دایاں ہاتھ اُٹھانا نصیب نہ ہوا یعنی اس کا دایاں ہاتھ بیکار ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ لوگوں پر تکبر کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم پر تکبر کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ شیطان کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔

شیطان کی دائمی ہلاکت کا سبب:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے لوگوں کی عبرت کے لئے شیطان کی نافرمانی کو قرآن مجید میں بیان فرمایا۔ چنانچہ شیطان کا کہنا: "اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (پ۲۳، صٓ: ۷۶، ترجمۂ کنزالایمان: میں اس سے بہتر ہوں۔)" یہ تکبر نسب کی وجہ سے تھا کیونکہ اسی نے کہا تھا:

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ (پ۲۳، صٓ: ۷۶)

ترجمۂ کنزالایمان: تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔

اس تکبر نے شیطان کو اس سجدے سے روکا جس کا حکم اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے حکم دیا تھا۔ ابتدا میں شیطان کا تکبر حضرت سیِّدُنا آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کے مقابلے میں تھا کیونکہ اِسے اُن سے حسد تھا لیکن یہی تکبر اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کے سامنے تکبر کرنے کی طرف لے گیا اور پھر یہ اس کی دائمی ہلاکت کا سبب بن گیا۔ بندوں پر تکبر کی آفات میں سے یہ آفت سب سے بڑی ہے۔

حق کو جھٹلانا اور اس کا انکار کرنا تکبر ہے:

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم سے جب حضرت سیِّدُنا ثابت بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے عرض کی کہ یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم! مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں خوبصورت دکھائی دوں تو کیا یہ تکبر ہے؟ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "لَا وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطَرَ الْحَقَّ وَغَمَصَ النَّاسَ یعنی نہیں بلکہ تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کو جھٹلائے اور لوگوں کو حقیر جانے۔"[1]

ایک روایت میں ہے: مَنْ سَفِهَ الْحَقَّ یعنی متکبر وہ ہے جو حق کا انکار کرے۔[2]

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی الکبر، ۳/ ۴۰۲، حدیث: ۲۰۰۷

[2] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث ابی ریحانة رضی اللہ عنہ، ۶/ ۹۷، حدیث: ۱۷۲۰۶

"غَمصِ النَّاس" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں کو ذلیل وحقیر خیال کرے حالانکہ وہ بھی اس جیسے یا اس سے بہتر ہیں۔ یہ پہلی آفت ہے اور "سَفَہِ الْحَقّ یعنی حق بات کو رد کرنا" یہ دوسری آفت ہے۔ لہٰذا جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے اچھا ہے اور وہ اسے حقیر جانتا ہے نیز اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے یا حق بات کو رد کر دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ حق ہے تو وہ مخلوق کے معاملات میں تکبر کرتا ہے اور جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سامنے عاجزی کرنے اور عاجزی کے ساتھ اس کی اطاعت کرنے کو ناپسند جانتا ہے اور اسی طرح رسولوں کی اتباع کو بھی ناپسند جانتا ہے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسولوں کے معاملے میں تکبر کرتا ہے۔

چھٹی فصل: تَکَبُّر پر اُبھارنے والے سات ظاہری اَسباب

تکبر وہی شخص کرتا ہے جو خود کو بڑا سمجھتا ہے اور خود کو بڑا وہی سمجھتا ہے جو اپنے لئے صفات کمال میں سے کسی صفت کا مُدَّعی ہوتا ہے اور کمال یا تو دینی ہوتا ہے یا دُنیوی، دینی کمال علم و عمل ہے اور دنیوی کمال نسب، خوبصورتی، قوت، مال اور دوستوں کی کثرت ہے تو یوں کل سات اسباب ہوئے۔

﴿1﴾... علم کے ذریعے تکبر:

تکبر کا پہلا سبب علم ہے اور عُلَما بہت جلد تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: "اٰفَۃُ الْعِلْمِ الْخُیَلَاءُ یعنی علم کی آفت تکبر ہے۔"(1) اسی لئے عالِم بہت جلد علم کے باعث تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے یعنی وہ علم کے جمال و کمال کے سبب خود کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے، انہیں جانوروں کی طرح خیال کرتا ہے اور جاہل قرار دیتا ہے، اس کی دِلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ لوگ اسے سلام میں پہل کریں، اگر اتفاقاً وہ کسی کو سلام کرنے میں پہل کرلے یا خندہ پیشانی سے کسی کو سلام کا جواب دیدے یا کسی کے لئے کھڑا ہو یا کسی کی دعوت قبول کرلے تو اِسے اُس پر احسان سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اسے میرا شکر گزار ہونا چاہئے نیز یہ گمان کرتا کہ میں نے یہ سُلوک کرکے اس کی عزت افزائی کی ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا ہے جس کا وہ مستحق نہیں، لہٰذا اس کے شکرانے میں اسے میرا غلام بن کر رہنا چاہئے اور میری خدمت کرنی چاہئے۔

(1)... المعجم الکبیر، ۳/۲۸، حدیث: ۲۶۸۸

جاہل مُتکبر اور حقیقی علم:

متکبر عُلَما کا عام دستور یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کے ساتھ نیکی کرتے ہیں لیکن وہ لوگوں کے ساتھ نیکی نہیں کرتے، لوگ ان کی ملاقات کو آتے ہیں لیکن وہ لوگوں کی ملاقات کو نہیں جاتے، لوگ ان کے بیمار ہونے پر ان کی عیادت کرتے ہیں لیکن وہ لوگوں کی عیادت نہیں کرتے، اگر کوئی ان سے میل جول رکھے تو اس سے خدمت لیتے ہیں اور اگر وہ اس میں کوتاہی کرے تو اسے برا جانتے ہیں گویا وہ ان کا غلام یا مزدور ہے، تعلیم دینے کو حسن سلوک واحسان تصور کرتے ہیں اور یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ہم نے انہیں علم سے نوازا ہے اس لئے ان سے خدمت لینا ہمارا حق ہے۔ یہ دنیاوی معاملات میں ان کا شیوہ ہے اور اُخروی معاملات میں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ خود کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں عام لوگوں کے مقابلے میں افضل اور اعلیٰ گمان کرتے ہیں، دوسروں کے متعلق خوف کا اظہار کرتے ہیں لیکن خود اپنا احتساب نہیں کرتے، عوام سے زیادہ خود دنیا سے امیدیں وابستہ رکھتے ہیں۔، لہٰذا انہیں عالم کہنے کے بجائے جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ علم حقیقی تو وہ ہے جس کی وجہ سے آدمی خود کو اور اپنے رب تعالیٰ کو پہچان لے، خاتمے کے خطرے کو جان لے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ عُلَما ہی سے سخت مُواخذہ فرمائے گا۔

حقیقی علم کی بدولت خوف وخَشیّت اور عاجزی میں اضافہ ہوتا ہے اور جسے یہ علم نصیب ہوتا ہے وہ تمام لوگوں کو اپنے سے بہتر خیال کرتا ہے کیونکہ علم کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں اس کا عذر ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ نعمتِ علم کا صحیح طور پر شکر ادا نہ کر پائے گا۔ اسی لئے حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ”جس کا علم زیادہ ہوتا ہے اس کی تکلیف بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔“ اور معاملہ بھی ایسا ہی ہے جیسا انہوں نے فرمایا، رہا یہ سوال کہ

علم کے باعث تکبر کرنے کے اسباب:

بعض لوگ علم کی وجہ سے اتنے متکبر اور ہٹ دھرم کیوں ہو جاتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے دو سبب ہیں:

⊛...**پہلا سبب:** یہ ہے کہ علم حاصل کرنے والا ایسے علم میں مشغول ہوتا ہے جسے محض علم تو کہا جاتا ہے لیکن حقیقی علم نہیں کہا جاتا کیونکہ حقیقی علم تو وہ ہے جس کے ذریعے آدمی اپنی اور اپنے رب تعالیٰ کی پہچان حاصل کرتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب حاصل کرنے اور اس سے دور کر دینے والے امور کی پہچان حاصل کرتا ہے اور اس علم سے خشیت اور عاجزی پیدا ہوتی ہے تکبر اور بے خوفی نہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (پ۲۲، فاطر: ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

اس حقیقی علم کے سوا جو علوم ہیں مثلاً طِب، حِساب، لُغَت، شعر گوئی، نحو، قضا اور مُناظروں کے طریقے تو آدمی جب ان علوم کو سیکھتا ہے وہ تکبر اور نفاق سے بھر جاتا ہے، لہٰذا ان علوم کو علم کہنے کے بجائے پیشہ وصنعت کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ علم تو وہی ہے جس سے بندگی اور رَبُوبِیَّت کی معرفت حاصل ہو اور عبادت کا طریقہ معلوم ہو اور ایسے علم سے عموماً عاجزی ہی پیدا ہوتی ہے۔

باطنی خباثت کے سبب علم مفید نہیں:

⊛...**دوسرا سبب:** علم کے باعث تکبر کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب آدمی علم کا آغاز کرتا ہے تو اس کا باطن اچھا نہیں ہوتا، نفس ذلیل ہوتا ہے اور اس کے اَخلاق خراب ہوتے ہیں تو چونکہ پہلے وہ نفس کی تربیت کرنے اور دل کو مختلف مجاہدوں کے ذریعے ستھرا کرنے میں مشغول نہیں ہوتا اور نہ اپنے نفس کو رب تعالیٰ کی عبادت کرنے پر راضی کرتا ہے، لہٰذا اس کے باطن میں خباثت باقی رہتی ہے۔ پھر جب وہ علم میں مشغول ہوتا ہے چاہے وہ کوئی بھی علم ہو وہ علم باطنی خباثت کی وجہ سے اس کے لئے مفید نہیں ہوتا اور نیکی میں اس علم کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

علم بارش کی مثل ہے:

حضرت سَیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے علم کی ایک مثال اس طرح بیان فرمائی ہے کہ "علم آسمان سے برسنے والے بارش کے اس پانی کی طرح ہے جو نہایت صاف اور میٹھا ہوتا ہے، درخت اس پانی کو

اپنی جڑوں کے ذریعے جذب کر لیتے ہیں تو جس درخت کا جو ذائقہ ہوتا ہے وہ پانی کو بھی اسی طرح کر دیتا ہے کڑوے درخت کی کڑواہٹ میں اضافہ ہو جاتا ہے اور میٹھے درخت والے کی مٹھاس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ علم حاصل کرتے ہیں وہ اسے اپنی خواہش کے مطابق بدل دیتے ہیں، لہٰذا تکبر کرنے والے کا تکبر بڑھ جاتا ہے اور عاجزی کرنے والے کی عاجزی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔" یعنی جو شخص جاہل ہونے کے سبب تکبر کا عزم کرتا ہے تو علم کی صورت میں اس کے پاس تکبر کا ایک سبب آجاتا ہے یوں اس کا تکبر بڑھ جاتا ہے اور جب کوئی شخص جہالت کے باوجود اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتا ہے تو علم کے باعث اس کا خوف مزید بڑھ جاتا ہے کیونکہ علم کے ذریعے اس کی جہالت کا عُذر ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کی خوف وخَشْیَت اور عاجزی وانکساری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ علم بھی تکبر کا ایک بڑا سبب ہے۔ اسی لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے پیارے نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم سے فرمایا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۱۵﴾ (پ۱۹، الشعراء: ۲۱۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو (تابع) مسلمانوں کے لیے۔

اور فرمایا:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۵۹)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔

اور اپنے ولیوں کی صِفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ (پ۶، المآئدۃ: ۵۴)

ترجمۂ کنز الایمان: مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔

قرآن حلق سے نیچے نہیں اترے گا:

حضرت سَیِّدُنا عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے مروی ہے بے کسوں کے مددگار، شفیعِ روزِ شمار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کچھ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حَلْق سے نیچے نہیں اترے گا (اس

کے باوجود) وہ کہیں گے کہ "ہم نے قرآن پڑھا، ہم سے زیادہ قرآن پڑھنے والا اور علم رکھنے والا کون ہے؟" یہ کہہ کر حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے اصحاب کی طرف مُتَوَجِّہ ہوئے اور فرمایا: "وہ اسی اُمّت میں سے ہوں گے اور جَہَنَّم کا ایندھن بنیں گے۔"[1]

مُتَکَبِّر عالم مت بنو:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "لوگو! تم متکبر عالم مت بنو کہ تمہارا علم تمہاری جہالت کے برابر ہو جائے۔" یہی وجہ تھی کہ

وَعظ کی اجازت نہ دی:

حضرت سیِّدُنا تَمِیم داری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے وَعظ کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "یہ خود کو ذبح کرنے کی مثل ہے۔" اسی طرح ایک امامِ مسجد نے آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے اجازت طلب کی کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وعظ کرلے تو آپ نے فرمایا: "مجھے ڈر ہے کہیں تم اس کی وجہ سے پھول نہ جاؤ۔"

دوسرا امام تلاش کرلو:

حضرت سیِّدُنا حُذَیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک دن لوگوں کی امامت فرمائی تو سلام پھیرنے کے بعد فرمایا: "اپنے لئے کوئی دوسرا امام تلاش کرلو یا پھر اکیلے نماز پڑھو کیونکہ دورانِ نماز مجھے یہ خیال گزرا کہ قوم میں مجھ سے افضل کوئی نہیں۔"

جب حضرت سیِّدُنا حذیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ جیسے اشخاص اپنے مُتَعَلِّق یہ فرما رہے ہیں تو بعد والے کمزور لوگ اس سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

زمانے کا صدیق:

ایسے عُلَما روئے زمین پر بہت کم ہیں جو عالِم کہلانے کے مستحق ہوں اور پھر ان میں علم کے ہوتے ہوئے

---

[1] ... الزہد لابن مبارک، باب ذم الریاء والعجب وغیر ذلک، ص ۱۵۲، حدیث: ۴۵۰

تکبر بھی نہ ہو، اگر ایسا کوئی عالم مل جائے تو وہ زمانے کا صدیق ہی ہو گا جس سے دوری اختیار کرنا مناسب نہیں بلکہ ایسے عالم کی قُربت اختیار کرنی چاہئے کیونکہ ایسے عالم کی ذات اور اس کے اَحوال سے استفادہ کرنا تو بہت بڑی بات ہے بلکہ ایسے عالم کی زیارت بھی عبادت ہے، لہٰذا اگر تمہیں ایسے شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ ملکِ چین کے آخری کنارے پر ہے تو بھی تمہیں اس کے پاس جانے کی کوشش کرنی چاہئے اس امید سے کہ تمہیں اس کی برکتیں نصیب ہوں اور تم اس کی صحبت سے فائدہ حاصل کرو۔ مگر ہائے افسوس! اس زمانے میں ایسے لوگ کہاں؟ ایسے خوش نصیب اور بلند اقبال لوگ پہلی اور دوسری صدی میں گزر چکے، ہمارے زمانے کی حالت یہ ہے کہ اس زمانے میں ایسے علما بھی نہیں جو ان اکابرین کے اوصاف نہ اپنانے پر کم از کم افسوس کا اظہار ہی کر لیں۔ چنانچہ ان اکابرین کے اوصاف کے حامل علما اس دور میں یا تو ہیں ہی نہیں یا پھر بہت تھوڑے ہیں۔ اگر سیّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی یہ خوشخبری نہ ہوتی: "سَیَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ مَنْ تَمَسَّکَ فِیْہِ بِعُشْرِ مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ نَجَا یعنی عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جو شخص تمہارے (یعنی صحابۂ کرام رِضْوَانُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کے) عمل کے دسویں حصے پر بھی عمل کر لے گا نجات پا جائے گا[1]۔"[2] تو مَعَاذَ اللہ ہم اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے نا امیدی کا شکار ہو جاتے۔ ہم میں سے کون ایسا ہے جو صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے عمل کے دسویں حصے پر بھی عمل کرتا ہو، کاش! ہم ان کے عمل کے دسویں حصے پر بھی عمل کر لیتے۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ اپنی شانِ رحمت کے مطابق سلوک فرمائے اور اپنے فَضْل وکَرَم کے سبب ہمارے برے اعمال کی پردہ پوشی فرمائے۔

[1]... مفسر شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن **مراٰۃ المناجیح، جلد 1، صفحہ 174** پر اس کے تحت فرماتے ہیں: خیال رہے کہ یہاں اَحکام (پر عمل) سے مراد تبلیغ اور سُنَن و نوافل وغیرہ ہیں نہ کہ فرائض و واجبات یعنی آج چونکہ تبلیغ اور ساری نیکیوں کے لئے کوئی رُکاوٹ نہیں اب کچھ بھی چھوڑنا اپنا قصور ہے آخر زمانہ میں رکاوٹیں بہت ہوں گی اس وقت آج کے لحاظ سے دسواں حصہ پر عمل کرنا بڑی بہادری ہو گی، لہٰذا حدیث صاف ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ اب ایک ہی نماز اور ہزاروں حصہ زکوٰۃ اور رمضان کے تین روزہ کافی ہیں۔

[2]... سنن الترمذی، کتاب الفتن، ۴/ ۱۱۸، حدیث: ۲۲۷۴

﴿2﴾... عمل اور عبادت کے ذریعے تکبر:

عمل اور عبادت تکبر کا دوسرا (ظاہری) سبب ہے۔ زاہد اور عبادت گزار لوگ بھی حصولِ عزت، تکبر اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے جیسی بُری صِفات سے خالی نہیں۔

تکبر میں مبتلا زاہد اور عبادت گزار:

یہ لوگ دین و دنیا دونوں اعتبار سے تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں۔

دنیا کے اعتبار سے اس طرح کہ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کا ان کی زیارت کے لئے آنا ان کا دوسروں کی ملاقات کے لئے جانے سے بہتر ہے۔ انہیں لوگوں سے امید ہوتی ہے کہ وہ ان کی ضروریات پوری کریں، ان کی عزت کریں، مجلسوں میں ان کے لئے جگہ کُشادہ کریں، تقویٰ اور پرہیز گاری کے ساتھ ان کا ذکر کریں اور تمام دنیاوی امور میں دوسروں سے انہیں مقدم رکھیں۔ مختصر یہ کہ وہ تمام باتیں یہاں بھی صادق آتی ہیں جن کا ذکر ابھی ہم نے علم کے باعث تکبر کرنے والوں میں کیا۔ (ایسا محسوس ہوتا ہے) گویا یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کر کے لوگوں پر احسان کر رہے ہیں۔

دین کے اعتبار سے اس طرح تکبر میں مبتلا ہیں کہ یہ سمجھتے ہیں لوگ ہلاکت میں پڑے ہیں اور یہ نجات پانے والے ہیں حالانکہ درحقیقت یہ خود ہلاکت میں پڑے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: "جب تم کسی کو یہ بات کہتے سنو کہ لوگ ہلاک ہوگئے تو (جان لو) وہ ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔"[1] کیونکہ اس کا یہ قول اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ لوگوں کو حقیر سمجھ رہا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے متعلق دھوکے میں مبتلا ہے، اس کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہے نیز ربّ تعالیٰ کی جلالت شان سے خائف نہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ اتنا بے خوف کیوں ہے حالانکہ اس کے لئے یہی گناہ بہت بڑا ہے کہ وہ دوسروں کو حقیر سمجھ رہا ہے۔ سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "کَفٰی بِالْمَرْءِ شَرًّا اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِم یعنی کسی شخص کے برا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔"[2]

---

1 ...مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب النهي من قول هلك الناس، ص ۱۴۱۲، حدیث: ۲۶۲۳

2 ...مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم ظلم المسلم... الخ، ص ۱۳۸۷، حدیث: ۲۵۶۴ بتغیر کلمات

تو کتنا فرق ہے اِس میں اور اُس شخص میں جو اپنے مسلمان بھائی سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے محبت کرتا ہے، عبادت کے باعث اس کی تعظیم کرتا ہے، اسے بڑا سمجھتا ہے اور اس کے لئے اس بات کی امید رکھتا ہے جس بات کی امید اپنے لئے نہیں رکھتا۔ غور کیجئے کہ لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے عبادت گزار کی تعظیم کرکے نجات حاصل کرتے ہیں اور اس کے قریب ہو کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور یہ ان سے دور رہ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب کا مستحق ہو جاتا ہے گویا یہ خود کو ان کی مجالس سے بلند مرتبہ سمجھتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ لوگ عابدوں کی محبت کے باعث عمل میں ان کے مساوی ہو جائیں اور عابدین لوگوں کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے جاہلوں کے مرتبے تک پہنچ جائیں۔

حکایت: ایک فسادی اور عبادت گزار

منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں دو شخص تھے جن میں سے ایک اپنے مُفْسِدانہ اَعمال کی وجہ سے فسادی مشہور تھا جبکہ دوسرا (کثرت عبادت کے باعث) عبادت گزار پہچانا جاتا تھا اور اس کے سر پر بادل کا ٹکڑا سایہ کئے رہتا تھا۔ ایک دن فسادی شخص عبادت گزار کے پاس سے گزرا تو اس نے اپنے دل میں کہا: میں بنی اسرائیل کا فسادی ہوں اور یہ عابد ہے اگر میں اس کے پاس بیٹھوں تو امید ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھ پر رحم فرمائے، اس خیال سے وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس عبادت گزار نے دل میں کہا: میں بنی اسرائیل کا عابد ہوں اور یہ فسادی ہے یہ میرے پاس کیسے بیٹھ سکتا ہے؟ یہ سوچ کر اس نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فسادی سے کہا: "یہاں سے اٹھ جاؤ۔" اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس زمانے کے نبی عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ ان دونوں سے کہیں: "وہ نئے سرے سے عمل شروع کریں، میں نے اس فسادی شخص کو بخش دیا اور عبادت گزار کے عمل کو ضائع کر دیا۔" ایک روایت میں ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بادل کے ٹکڑے کو عابد کے سر سے ہٹا کر اس فسادی کے سر پر کر دیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ بندوں کے دلوں کی طرف نظر فرماتا ہے۔ ایک جاہل شخص جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف کے باعث اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا ہے اور اس کے خوف سے اس کے سامنے جُھک جاتا ہے تو وہ دل سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا حکم مانتا ہے اور ایسا شخص متکبر عالم اور خود پسندی کے شکار عابد کے مقابلے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا زیادہ مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے۔

اے میرے نام کی قسم کھانے والے!

ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ایک عابد کے پاس آیا وہ اس وقت سجدہ ریز تھا اس نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا تو عابد نے کہا: پاؤں اٹھا، خدا کی قسم! اللہ عَزَّوَجَلَّ تجھے نہیں بخشے گا۔ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اُس عابد سے فرمایا: ”اے میرے نام پر قسم کھانے والے میں تجھے نہیں بخشوں گا۔“[1]

اونی لباس والا زیادہ تکبر کرتا ہے:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ”اونی لباس پہننے والا، ریشمی لباس پہننے والے کے مقابلے میں زیادہ تکبر کرتا ہے۔“ یعنی ریشمی لباس والا اونی لباس والے کو فضیلت والا سمجھ کر اس کے سامنے جھک جاتا ہے جبکہ اونی لباس والا خود کو فضیلت والا سمجھ رہا ہوتا ہے۔

تکبُّر کی اس آفت سے بھی بہت کم لوگ محفوظ رہتے ہیں کیونکہ جب کوئی شخص کسی عابد کو ہلکا سمجھتا ہے یا کوئی شخص اسے تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ اس کی مغفرت کو بعید خیال کرتا ہے اور یہ یقین کر بیٹھتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر غضب فرمائے گا حالانکہ اگر وہ خود کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچائے تو اسے اس قدر برا نہیں جانتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود کو بہت زیادہ قابل قدر سمجھتا ہے حالانکہ یہ جہالت، تکبر، خود پسندی اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے متعلق دھوکے میں پڑنا ہے۔

کیا یہ انبیا عَلَیْہِمُ السَّلَام سے زیادہ معزز ہیں؟

بعض لوگوں کی بیوقوفی اور کند ذہنی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ مقابلے پر اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں عنقریب دیکھ لینا اس کا کیا حال ہوگا اور پھر اس شخص کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو یہ لوگ اسے اپنی کرامت خیال کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کا بدلہ لے لیا۔ حالانکہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کُفّار کے کئی گروہ گزرے کچھ نے اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسولوں عَلَیْہِمُ السَّلَام کو گالیاں دیں، کچھ نے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو تکالیف پہنچائیں بلکہ بعض تو اس قدر آگے بڑھے کہ انہوں نے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو قتل

[1] ...المعجم الکبیر، ۹/ ۱۵۸، حدیث: ۸۷۹۵ بتغیر

کرنے سے بھی دریغ نہ کیا اور کچھ نے انہیں چوٹیں پہنچائیں ان سب کے باوجود اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان میں سے اکثر کو مہلت دی اور دنیا میں انہیں سزا نہ دی اور کچھ ان میں سے ایسے بھی ہوئے جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تو اس طرح وہ دنیا اور آخرت دونوں کی سزا سے بچ گئے۔ تو کیا یہ جاہل و مغرور عبادت گزار خود کو انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام سے زیادہ معزز سمجھتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اِن کا انتقام لیا جبکہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کا انتقام نہ لیا۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ اپنی خود پسندی اور تکبر کے باعث اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب کا شکار ہو جائیں اور انہیں اس کا علم بھی نہ ہو۔

یہ ہے دھوکے میں مبتلا عبادت گزاروں کا حال اور جہاں تک عقل مند عبادت گزاروں کا تعلق ہے تو وہ اس طرح کہا کرتے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا عطاء سُلَیمی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے متعلق مروی ہے۔

حقیقی عبادت گزار:

جب آندھی چلتی یا بجلی گرتی تو حضرت سیِّدُنا عطاء سُلَیمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَلِی فرماتے: "لوگوں کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس کا باعث میں ہوں اگر عطاء فوت ہو جائے تو لوگوں کی جان مصائب سے چھوٹ جائے۔" اسی طرح ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عَرَفات سے لوٹتے ہوئے فرمایا: "اگر میں ان لوگوں کے ساتھ نہ ہوتا تو یقیناً ان سب پر رحمت ہوتی۔"

غور کیجئے ان دونوں جماعتوں میں کس قَدْر فرق ہے، عاجِزی کرنے والے عبادت گزار لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ظاہر اور باطن دونوں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتے ہیں، اپنے نفس پر خوف رکھتے ہیں اور اپنے عمل کو معمولی خیال کرتے ہیں جبکہ دوسری طرف مُتَکَبِّرین عبادت گزار ہیں جو دل میں ریا، تکبُّر، حسد اور کینہ چھپائے رکھتے ہیں، شیطان انہیں دیکھ کر ہنس رہا ہوتا ہے لیکن وہ پھر بھی اپنے عمل کو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر احسان خیال کررہے ہوتے ہیں۔ تو جو شخص اپنے بارے میں یہ گمان کرے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بندوں میں کسی سے بہتر ہے وہ جہالت کے سبب اپنے تمام اعمال کو ضائع کرنے والا ہے اور جہالت ایک بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بندے کو دور کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے، لہٰذا خود کو کسی سے افضل سمجھنا محض جہالت اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے بے خوفی کی علامت ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے

ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔

نورِ نبوّت سے دلی خباثت جان لی:

مروی ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سامنے ایک شخص کا بھلائی کے ساتھ تذکرہ ہوا، ایک دن وہ شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: یارسولَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! یہی وہ شخص ہے جس کا ہم نے آپ کے سامنے تذکرہ کیا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے دیکھ کر فرمایا: ”مجھے تو اس کی پیشانی میں شیطانی اَثَر دکھائی دیتا ہے۔“[1] پس جب اس شخص نے پاس آکر سلام کیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے فرمایا: ”تجھے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تیرے دل میں یہ بات نہیں آئی کہ قوم میں مجھ سے کوئی افضل نہیں؟“ اس نے کہا: ”جی ہاں۔“

یعنی رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے نورِ نبوت سے اس کے دل کی خباثت کو اس کے چہرے پر ملاحظہ فرمالیا۔ یہ آفت وہ ہے جس سے کوئی عبادت گزار محفوظ نہیں مگر جسے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ محفوظ رکھے۔

تکبُّر کی آفت کے دَرَجات:

تکبر کی آفت کے سلسلہ میں عُلَما اور عبادت گزاروں کے تین درجے ہیں:

❁...**پہلا درجہ:** یہ ہے کہ تکبر اس کے دل میں جم جائے اور وہ خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگے لیکن اس کے باوجود عاجزی کی بھی کوشش کرے اور ایسے کام بھی کرے جو اپنے آپ سے دوسروں کو بہتر سمجھنے والے لوگ کرتے ہیں۔ یہ وہ شخص ہے جس کے دل میں تکبر کا درخت مضبوط ہوچکا ہے لیکن اس کی شاخیں مکمل طور پر کاٹ دی گئی ہیں۔

❁...**دوسرا درجہ:** یہ ہے کہ تکبر کو اپنے افعال میں ظاہر کرے یعنی مجلسوں میں اونچی جگہ بیٹھے، اپنے مُعاصِرین سے آگے بڑھے، جو آدمی اس کے حق میں کوتاہی کرے اس پر اعتراض کرے۔ عالم میں اس درجے کی ادنیٰ صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں سے اس طرح رُخ پھیر لیتا ہے گویا ان سے اعراض کر رہا ہو اور

---

[1]...سنن الدارقطنی، کتاب العیدین، باب التشدید فی ترک الصلاۃ...الخ، ۲/ ۶۵، حدیث: ۱۷۳۸ بتغیر قلیل

عابد میں اس درجے کی ادنیٰ صورت یہ ہے کہ وہ تُرش رو ہوتا ہے اور اس کی پیشانی پر بَل پڑ جاتے ہیں گویا وہ لوگوں کو حقیر سمجھتے ہوئے یا ان پر غصہ کرتے ہوئے ان سے دور رہنا چاہتا ہے حالانکہ وہ بے چارہ یہ نہیں جانتا کہ تقویٰ پیشانی میں نہیں ہوتا کہ اس پر بَل ڈالے جائیں اور نہ چہرے پر ہوتا ہے کہ تیوری چڑھائی جائے اور نہ رخسار میں ہوتا ہے کہ اسے پھیرا جائے اور نہ گردن میں ہوتا ہے کہ اسے جھکایا جائے اور نہ ہی دامن میں ہوتا ہے کہ اسے سمیٹا جائے بلکہ تقویٰ تو دلوں میں ہوتا ہے۔ چنانچہ مُحْسِنِ کائنات، فَخْرِ موجودات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا یعنی تقویٰ یہاں ہے۔“[1]

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سب سے بڑھ کر کُشادہ رُو ہیں:

آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تمام مخلوق میں سب سے بڑھ کر معزز اور متقی ہیں لیکن متقی ہونے کے ساتھ ساتھ حُسنِ اخلاق کے پیکر بھی ہیں[2] اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے چہرے پر خوشی اور تَبَسُّم کے آثار اکثر رہتے[3] اور لوگوں میں سب سے بڑھ کر خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات فرماتے۔

حضرت سیِّدُنا حارِث بن جزء زَبیدی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ[4] فرماتے ہیں: ”مجھے عُلَما میں سے کُشادہ رُو اور خندہ پیشانی والے لوگ اچھے لگتے ہیں لیکن وہ لوگ جن سے تم کشادہ پیشانی سے ملو اور وہ تم سے ناک منہ چڑھا کر ملیں اور تم پر اپنے علم کا احسان جتائیں اللہ عَزَّوَجَلَّ مسلمانوں میں ایسوں کی کثرت نہ کرے۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کو یہ بات پسند ہوتی تو وہ اپنے محبوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے یہ نہ فرماتا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ (پ۱۹، الشعراء: ۲۱۵)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو (تابع) مسلمانوں کے لئے۔

تیسرے درجے والوں کا تکبر اس درجے والوں کے تکبر سے بھی بڑھ کر ہے۔

---

[1] ...مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم ظلم المسلم... الخ، ص۱۳۸۷، حدیث: ۲۵۶۴

[2] ...مسلم، کتاب الفضائل، باب کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احسن الناس خلقاً، ص۱۲۶۵، حدیث: ۲۳۱۰

[3] ...الشمائل المحمدیة للترمذی، باب ما جاء فی ضحک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، ص۱۳۶، حدیث: ۲۱۷

[4] ...علامہ سیِّد محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: احیاء العلوم کے تمام نسخوں میں اسی طرح ہے جبکہ درست نام یوں ہے ”عبد اللّٰہ بن حارث بن جزء“۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۰/۲۹۷)

زبان سے تکبر کا اظہار:

❀...تیسرا درجہ: ان لوگوں کا ہے جن کی زبان سے تکبر ظاہر ہوتا ہے یہاں تک کہ یہ لوگ تکبر کا دعوٰی کرنے لگتے ہیں اور دوسروں پر فخر اور اپنے آپ کو پاک سمجھنے لگتے ہیں اور اپنے مقامات اور احوال کا لوگوں سے تذکرہ کرتے پھرتے ہیں اور علم و عمل میں دوسروں پر غلبہ پانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔

عابد کا زبان سے تکبُّر کرنا:

مثلاً ایک عابد فخر کے طور پر دوسرے عبادت گزار لوگوں کے بارے میں پوچھتا ہے وہ کون ہیں؟ ان کا عمل کیا ہے؟ اور انہیں زُہد کہاں سے ملا؟ اس طرح وہ دوسروں کے بارے میں زبان درازی کرتے ہوئے ان کی عیب جوئی کرتا ہے پھر اپنی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: میں نے اتنے عرصہ سے روزہ نہیں چھوڑا اور میں شب بیداری کے باعث رات کو سوتا نہیں ہوں، میں روزانہ ایک مرتبہ قرآن خَتْم کرتا ہوں جبکہ فُلاں شخص سحری تک سویا رہتا ہے تلاوت قرآن پاک بھی زیادہ نہیں کرتا۔ اسی طرح کی دیگر باتیں وہ اپنے منہ سے بیان کر رہا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ضمناً اپنے نفس کی پاکیزگی بیان کرتا ہے اور کہتا ہے: فلاں آدمی نے مجھے تکلیف دینا چاہی تو اس کا بیٹا مر گیا یا مال لُٹ گیا یا وہ بیمار ہو گیا وغیرہ وغیرہ اس طرح دبے لفظوں میں اپنی کرامت کا دعوٰی کر رہا ہوتا ہے۔ ایسا شخص عابد کے سامنے فخر کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ اگر اسے کبھی ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہو جو رات کے وقت نماز پڑھتے ہوں تو یہ کھڑا ہو کر پہلے سے زیادہ نماز پڑھتا ہے اور اگر وہ بھوک برداشت کرتے ہیں تو یہ بھی ان پر غالب آنے کے لئے تکلیف برداشت کرتے ہوئے بھوکا رہتا ہے تاکہ انہیں عاجز کرے اور ان پر اپنی قوت کا اظہار کرے۔ ایسا عابد عبادت میں زیادتی اس ڈر سے کرتا ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ دوسرے لوگ اس سے زیادہ عبادت گزار اور دین میں پختہ ہیں۔

عالم کا زبان سے تکبُّر کرنا:

جہاں تک عالم کی بات ہے تو وہ فخر کرتے ہوئے کہتا ہے: میں مختلف فُنُون کا جامع ہوں، حقائق سے آگاہ ہوں اور میں نے مشائخ کِرام میں سے فلاں فلاں کو دیکھا ہے، لہٰذا تو کون ہے؟ تیری فضیلت کیا ہے؟ تو نے

کس سے ملاقات کی ہے اور کس سے حدیث کی سماعت کی ہے؟ یہ تمام باتیں وہ اس لئے کرتا ہے کہ سامنے والے کو حقیر اور خود کو عظیم قرار دے۔ عالم کے فخر کا انداز اس طرح ہوتا ہے کہ وہ دوسروں پر برتری کے اظہار کے لئے مُناظرے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ غالب رہے اور سامنے والا مغلوب اور وہ رات دن ایسے عُلُوم حاصل کرنے میں مصروف رہتا ہے جن کے ذریعے دنیاوی مَحافل میں اس کی پذیرائی ہو جیسے مناظرہ، مُجادَلَہ، عمدہ گفتگو اور مُسَجَّع کلام کرنا اور عجیب و غریب علوم سیکھنا تاکہ ان کے ذریعے اپنے ہم عصروں سے مُنْفَرِد ہو اور ان پر بڑائی حاصل کرے۔ احادیث کے الفاظ اور اس کی اسناد اس نیّت سے حِفْظ کرتا ہے کہ اس میں غَلَطی کرنے والے کی گرِفت کرے، اپنی فضیلت اور دوسروں کی کوتاہی ظاہر کرے، لہٰذا جب کوئی اس فن میں غلطی کرتا ہے تو یہ اس پر خوش ہوتا ہے تاکہ اس کا رد کرے اور اگر صحیح اور درست بات کہتا ہے تو اسے برا لگتا ہے اور یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں لوگ اسے مجھ سے بڑا عالم نہ سمجھنے لگیں۔

یہ تمام چیزیں متکبرانہ عادات اور تکبر کی علامات ہیں جو علم و عمل کے ذریعے بڑائی بیان کرنے کا نتیجہ ہیں۔ ایسے لوگ اب کہاں ہیں جو ان تمام باتوں یا ان میں سے بعض سے خالی ہوں، کون ہے جو اپنے نفس کے متعلق ان عادات کی پہچان رکھتا ہو اور اس نے یہ حدیث شریف بھی سنی ہو: "وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو۔"(1) متکبر کیسے اپنے آپ کو عظیم خیال کرتا ہے اور دوسروں پر تکبر کا اظہار کرتا ہے جبکہ حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایسے شخص کے متعلق فرمایا: "وہ جہنمیوں میں سے ہے۔"

درحقیقت عظیم وہ ہے جو تکبر سے خالی ہو اور جو تکبر سے خالی ہوتا ہے وہ خود کو بڑا نہیں جانتا اور نہ بڑائی کا اظہار کرتا ہے اور عالم تو وہی ہوتا ہے جسے یہ بات سمجھ آجائے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے فرماتا ہے: "میرے ہاں تیری قدر و منزلت اس وقت تک ہے جب تک تو خود کو بڑا نہ سمجھے اور جب تو خود کو بڑا خیال کرنے لگے گا تو میرے ہاں تیری کوئی قدر و منزلت نہیں ہوگی۔" جو (عالم ہونے کے باوجود) اس بات کو دین سے نہیں جانتا اسے عالم کہنا غَلَط ہے اور جو جانتا ہے وہ ہر گز تکبُّر نہیں کرتا اور نہ اپنے نفس کی کوئی قدر و منزلت جانتا ہے، یہ تھا علم اور عمل کے ذریعے تکبر کرنے کا بیان جو مکمل ہوا۔

---

(1) ...مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانہ، ص ۶۱، حدیث: ۹۱

﴿3﴾... حَسَب نَسَب کے ذریعے تکبر:

تکبر کا تیسرا سبب حَسَب نَسَب ہے جس آدمی کا نسب اچھا ہوتا ہے وہ اپنے سے کمتر نسب والے کو حقیر جانتا ہے اگرچہ وہ شخص علم و عمل میں اس سے بڑھ کر کیوں نہ ہو اور بعض لوگ حسب ونسب پر اس طرح تکبر کرتے ہیں کہ گویا ان سے حسب ونسب میں کم لوگ ان کے غلام ہوں اور ان سے میل جول رکھنے اور ان کے پاس بیٹھنے سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ ان کی زبان پر یوں آتا ہے کہ خود پر فخر کرتے ہوئے دوسروں کو ان الفاظ سے پکارتے ہیں: "اے نبطی!، اے ہندی!، اے ارمنی! تو کون ہے؟ اور تیرا باپ کون ہے؟ میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں، تیری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے بات کرنے یا میری طرف دیکھنے کی، مجھ جیسے کے سامنے تو بات کر رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔"

حسب ونسب کے ذریعے کیا جانے والا تکبر نفس میں ایک پوشیدہ رگ کی مانند ہے جس سے کوئی بھی شریف النسب خالی نہیں اگرچہ نیک عمل کرنے والا ہو۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ بعض اوقات حالات اعتدال پر ہونے کی وجہ سے اس سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی لیکن جب اس پر غصہ غالب آتا ہے تو اس کے نورِ بصیرت کو بجھا دیتا ہے پھر اس کی زبان پر اس قسم کی گفتگو آجاتی ہے۔

سفید کو سیاہ پر فضیلت نہیں:

حضرت سَیِّدُنا ابوذَر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی موجودگی میں میری ایک شخص سے تکرار ہوگئی تو میں نے اس سے کہا: "اے کالی عورت کے بیٹے۔" رسولِ کریم، رَءُوْفٌ رَّحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سنا تو فرمایا: "یَا اَبَاذَرٍّ طَفُّ الصَّاعِ طَفُّ الصَّاعِ لَیْسَ لِابْنِ الْبَیْضَاءِ عَلَی ابْنِ السَّوْدَاءِ، فَضْلٌ یعنی اے ابوذر صاع پورا نہیں بھرا جاتا، صاع پورا نہیں بھرا جاتا سفید عورت کے بیٹے کو سیاہ عورت کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں۔"[1] [2]

---

[1] ...تاریخ مدینہ دمشق، الرقم: ۹۷۴، بلال بن رباح، ۱۰/ ۴۶۴، حدیث: ۲۶۲۹ بتغیر

[2] ... مُفَسِّرِ شَہِیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الحَنّان **مراٰۃ المناجیح، جلد6، صفحہ 514** پر اس کے تحت فرماتے ہیں: "طَفّ" ط کے فتحہ سے ف کے شد سے بمعنی کم ہونا، کم کرنا اسی سے ہے **تَطْفِیْف** بمعنی کم تولنا رب تعالیٰ فرماتا ہے:...

حضرت سیِّدُنا ابوذر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا کہ اٹھو اور میرے رُخسار پر اپنا قدم رکھو۔

ذرا سوچئے کس طرح رحمتِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں سفید خاتون کا بیٹا ہونے کی وجہ سے خود کو افضل خیال کرنے پر تنبیہ فرمائی کہ یہ خطا اور نادانی ہے۔ پھر یہ کہ انہوں نے کس طرح توبہ کی اور اپنے آپ سے تکبر کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ تکبر کو صرف عاجزی کے ذریعے ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔

دس پشتیں جہنمی:

مروی ہے کہ حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی موجودگی میں دو آدمیوں نے ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کیا، ایک نے کہا: "میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں، تیری ماں مرے اُتو کون ہے؟" حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ سنا تو ارشاد فرمایا: "حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے سامنے دو آدمیوں نے باہم فخر کیا، ان میں سے ایک نے کہا: میں فلاں کا بیٹا فلاں ہوں، اس طرح اس نے اپنے نو آباء واجداد کے نام گنوائے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی کہ اس فخر کرنے والے شخص سے فرمادیجئے وہ نو تو جہنمی ہیں اور دسواں جہنمی تُو ہے۔"[1]

گندگی کے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل:

حضور نبیِّ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: لوگ اپنے آباء واجداد پر فخر کرنے سے باز آجائیں، ان کے (کافر) باپ دادا جہنم کے کوئلے ہو چکے ہیں اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے

...وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ۙ (پ۳۰، المطففین: ۱، ترجمۂ کنزالایمان: کم تولنے والوں کی خرابی ہے۔) اصطلاح میں طف وہ چیز ہے جو صاع وغیرہ پیمانہ میں بھری جاوے مگر اسے پر نہ کرے کچھ خالی رہے، مطلب یہ ہے کہ ہر انسان پورا کامل انسان نہیں اس میں کچھ کمی ونقصان ضرور ہے۔

[1] ...المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث معاذ بن جبل، ۸/ ۲۵۴، حدیث ۲۲۱۵۰ بتغیر

نزدیک اُن گندگی کے کیڑوں سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے جو اپنی ناک سے گندگی دھکیلتے ہیں۔[1]

(4)... حسن وجمال کے ذریعے تکبر:

تکبر کا چوتھا سبب حسن وجمال ہے اور یہ اکثر عورتوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ تکبر انہیں دوسروں کی خامیاں نکالنے، ان کی برائیاں کرنے اور ان کی غیبت کرنے نیز لوگوں کے عیوب اچھالنے پر ابھارتا ہے۔

تم نے اس کی غیبت کی:

اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ ایک عورت دو جہاں کے تاجْوَر، سلطانِ بَحر وبَر صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئی تو میں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس کا قد چھوٹا ہے۔ رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "تم نے اس کی غیبت کی ہے۔"[2]

اس اشارے کا سبب پوشیدہ بڑائی کا اظہار تھا کیونکہ اگر آپ خود بھی پست قد ہوتیں تو اس عورت کے پست قد ہونے کا ذکر نہ کرتیں گویا آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے اپنے قد کو اچھا جانا اور اپنے مقابلے میں اس عورت کے قد کو چھوٹا سمجھ کر یہ بات فرمائی۔

(5)...مال کے ذریعے تکبر:

تکبر کا پانچواں سبب مال ہے اور یہ تکبر بادشاہوں کا اپنے خزانوں میں، تاجروں کا اپنے سامانِ تجارت میں، دیہاتیوں کا اپنی زمینوں میں اور آرائش وزینت اختیار کرنے والوں کا اپنے لِباس اور سُواری میں ہوتا ہے۔ مالدار فقیر کو حقیر خیال کرتا ہے اور اس پر تکبر کرتا ہے اور اسے کہتا ہے: "تم بھکاری اور فقیر ہو اگر میں چاہوں تو تم جیسے لوگوں کو خریدلوں، میں تو تم سے اچھے لوگوں سے خدمت لیتا ہوں پھر تم کون ہو؟ اور تمہارے پاس ہے کیا؟ میرے گھر کا سامان تیرے سارے مال سے بڑھ کر ہے، میں تو ایک دن میں اتنا خرچ کرتا ہوں جتنا تو سال بھر میں نہیں کھاتا۔" یہ تمام باتیں اس لئے کرتا ہے کہ مال داری کے سبب وہ اپنے

---

[1]...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی التفاخر بالاحساب، ۴/ ۴۲۷، حدیث: ۵۱۱۶

[2]...موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب الصمت وآداب اللسان، ۷/ ۱۳۳، حدیث: ۲۰۷

آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور فقیر کو حقیر خیال کرتا ہے اور ان سب کا باعث یہ ہوتا ہے کہ وہ فقر کی فضیلت اور مالداری کے فتنہ سے واقف نہیں ہوتا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ هُوَ یُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ (پ۱۵، الکھف: ۳۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ پھل رکھتا تھا تو اپنے ساتھی سے بولا اور وہ اس سے ردوبدل (تبادلۂ خیال) کرتا تھا میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں۔

دوسرے نے جواب دیا:

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿ۚ۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّیْۤ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا ﴿ۙ۴۰﴾ (پ۱۵، الکھف: ۳۹تا۴۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اگر تو مجھے اپنے سے مال واولاد میں کم دیکھتا تھا تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے اچھا دے اور تیرے باغ پر آسمان سے بجلیاں اتارے تو وہ پٹ پر میدان (چٹیل بےکار) ہو کر رہ جائے۔

پہلے شخص نے مال اور اولاد کی کثرت پر تکبُّر کیا تھا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے انجام کو یوں ذکر فرمایا:

یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ (پ۱۵، الکھف: ۴۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اے کاش میں نے اپنے رب کا کسی کو شریک نہ کیا ہوتا۔

قارون کا تکبر بھی اسی طرح کا تھا۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے تکبر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ (پ۲۰، القصص: ۷۹)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اپنی قوم پر نکلا اپنی آرائش میں بولے وہ جو دنیا کی زندگی چاہتے ہیں کسی طرح ہم کو بھی ایسا ملتا جیسا قارون کو ملا بےشک اس کا بڑا نصیب ہے۔

(6)... طاقت کے ذریعے تکبر:

تکبُّر کا چھٹا سبب قُوت اور زور ہے جس کے ذریعے کمزور لوگوں پر تکبُّر کیا جاتا ہے۔

﴿7﴾...دوست احباب کے ذریعے تکبر:

تکبر کا ساتواں سبب پیروکار، مددگار، شاگرد، غلام، قبیلہ، رشتہ دار اور بیٹے وغیرہ ہیں۔ یہ تکبر بادشاہوں میں لشکر کی کثرت اور علما میں شاگردوں کے زیادہ ہونے کے باعث ہوتا ہے۔

خُلاصۂ کلام:

اس گفتگو کا حاصل یہ ہوا کہ جو چیز بھی نعمت ہو اور اسے کمال کہنا ممکن ہو اگرچہ فی نفسہٖ اس میں کمال نہ ہو تو وہ تکبر کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ مثلاً مُخَنَّث اپنے ساتھیوں پر تکبر کرتا ہے کہ اسے اس فن میں زیادہ مَعْرِفَت اور زیادہ قوت حاصل ہے چونکہ وہ اس بات کو کمال سمجھتا ہے، لہٰذا وہ اس پر فخر کا اظہار کرتا ہے اگرچہ اس کا یہ عمل تباہی اور سزا کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات فاسق آدمی زیادہ شراب پینے پر فخر کرتا ہے نیز عورتوں اور لڑکوں کے ساتھ بدکاری پر بھی فخر کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے گمان میں اسے کمال سمجھتا ہے اگرچہ وہ اس مُعاملے میں (سنگین) غَلَطی پر ہوتا ہے۔ یہ ان باتوں کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے آدمی تکبر کرتا ہے اور ان لوگوں پر کرتا ہے جن میں وہ باتیں نہیں ہوتیں جو اس میں ہیں یا ہوتی تو ہیں مگر اس کی نسبت کم ہوتی ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جسے وہ اپنے سے کم خیال کر رہا ہوتا ہے حقیقت میں وہ اس کا ہم پلہ ہوتا ہے یا اس سے بڑھ کر ہوتا ہے جیسے کوئی عالم اپنے علم کے باعث ایسے عالم پر تکبر کا اظہار کر رہا ہوتا ہے جو اس سے علم میں بڑھ کر ہوتا ہے لیکن وہ اپنے گمان میں خود کو اس سے بڑا اور اس سے بہتر سمجھ رہا ہوتا ہے۔

ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لُطف وکَرَم سے اس کی مدد کا سوال کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ساتویں فصل: تکبُّر پر اُبھارنے والے چار باطنی اسباب

جان لیجئے! تکبُّر ایک باطنی عادت کا نام ہے اور اس کے سبب جو اخلاق وافعال ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کا نتیجہ وثمرہ ہیں، لہٰذا انہیں تکبُّر سے تعبیر کرنا مناسب ہے۔ تکبر کو جو امر باطن کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا خیال کرنا اور دوسروں کے مقابلے میں خود کو قابلِ قَدْر سمجھنا ہے۔ اس باطنی امر کا ایک ہی سبب ہے اور وہ خود پسندی ہے جو متکبر کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے

آرہاہے، کیونکہ جب کوئی شخص اپنی ذات، علم، عمل یا کسی اور سبب سے خود پسندی کا شکار ہوتا ہے تو وہ اپنے نَفْس کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور تکبر کا اظہار کرتا ہے۔ ظاہری تکبر کے تین اسباب ہیں: ایک سبب خود متکبر میں ہوتا ہے دوسرا اس شخص میں ہوتا ہے جس پر تکبر کیا جاتا ہے اور تیسرا سبب ان دونوں کے غیر سے تعلق رکھتا ہے۔ جو سبب متکبر سے تعلق رکھتا ہے وہ خود پسندی ہے اور جو سبب اس آدمی کے متعلق ہوتا ہے جس پر تکبر کیا جاتا ہے وہ کینہ اور حسد ہے اور جو دونوں کے غیر سے متعلق ہے وہ ریاکاری ہے، اس لحاظ سے یہ چار اسباب ہوئے: (۱)... خود پسندی (۲)... کینہ (۳)... حَسَد اور (۴)... ریاکاری۔

﴿1﴾... خود پسندی:

خود پسندی کے بارے میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس سے باطنی کبر پیدا ہوتا ہے اور باطنی کبر کا نتیجہ اعمال، اقوال اور احوال میں ظاہر ہوتا ہے۔

﴿2﴾... کینہ:

کینہ بغیر خود پسندی کے بھی تکبر پر ابھارتا ہے مثلاً ایک شخص ہے جو اس آدمی پر تکبر کرتا ہے جسے وہ اپنی مِثل یا اپنے سے بلند تر سمجھتا ہے لیکن کسی وجہ سے اس پر غصہ ہے اور اس غصے کے باعث اس میں کینہ اور بُغض پیدا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اب اس کا نفس اس کے سامنے عاجزی کرنے کو تیار نہیں ہوتا اگرچہ وہ یہ جانتا ہے کہ وہ اس قابل ہے کہ اس کے سامنے عاجزی کا اِظہار کیا جائے۔ (یہی وجہ ہے کہ) کتنے ہی گھٹیا ایسے ہیں جو اپنے دل میں بزرگوں کے لئے کینہ ہونے کے باعث یا ان سے بُغض رکھنے کی وجہ سے ان کے سامنے عاجزی کا اظہار نہیں کرتے۔ کینہ رکھنے والا شخص اپنے کینہ کے باعث انکارِ حق پر بھی اُتر آتا ہے اور ایسے شخص سے نصیحت قبول کرنے کو بھی ناپسند کرتا ہے جس سے اسے کینہ ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اپنے کینہ کے باعث بزرگوں سے آگے بڑھنے کی بھی کوشش کرتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے اسے اس بات کا حق نہیں اور اگر وہ کسی بزرگ کے ساتھ ظلم وزیادتی سے پیش آتا ہے تو اس کا نفس معافی مانگنے اور معذرت کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا۔ ایسا شخص اگر کسی بات سے لاعِلم ہوتا ہے تو اپنے کینہ کے باعث اہلِ عِلم سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

﴿3﴾... حَسَد:

حسد سے مَحْسُود (یعنی جس سے حسد کیا گیا اس) کے لئے دل میں بُغْض پیدا ہوتا ہے اگرچہ اس کی جانب سے کوئی ایذا نہ پہنچی ہو اور نہ کوئی ایسا سبب پایا گیا ہو جو غُصّہ اور کینہ کا باعث ہو۔ حسد کی وجہ سے آدمی حق بات کا انکار بھی کرتا ہے اور نصیحت قبول کرنے سے اعراض بھی کرتا ہے نیز حصولِ علم سے بھی محروم رہتا ہے۔

کتنے ہی جاہل ایسے ہیں جو علم کا شوق تو رکھتے ہیں لیکن پھر بھی جَہالت میں پڑے رہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انہیں اپنے شہر والوں میں سے کسی عالِم سے یا اپنے کسی رشتہ دار سے علم حاصل کرنے میں بڑائی کی وجہ سے عار محسوس ہوتی ہے، لہٰذا وہ ان سے حسد اور سرکشی کرتے ہوئے اِعراض کرتے ہیں اور ان پر تکبر کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ یہ شخص عالِم فاضِل ہے جس کے سامنے عاجزی اختیار کرنی چاہئے، لیکن حسد انہیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ متکبر لوگوں کا طریقہ اختیار کریں اگرچہ وہ باطن میں اپنے آپ کو اس سے فائق خیال نہیں کرتے۔

﴿4﴾... رِیاکاری:

ریاکاری بھی متکبر لوگوں کا راستہ اختیار کرنے کی دعوت دیتی ہے حتّٰی کہ ایک آدمی اس شخص سے بھی مُناظرہ کرتا ہے جسے وہ اپنے آپ سے افضل سمجھ رہا ہوتا ہے حالانکہ نہ ان دونوں کے درمیان کوئی جان پہچان ہوتی ہے اور نہ ہی حسد اور کینہ کا کوئی سبب ہوتا ہے مگر اس کے باوجود بھی وہ حق بات قبول کرنے سے اِعراض کرتا ہے اور اس سے استفادہ کرنے کے لئے عاجزی اختیار نہیں کرتا کیونکہ اسے یہ ڈر ہوتا ہے کہ لوگ اسے مجھ سے افضل قرار دیں گے تو وہ محض ریاکاری کی وجہ سے تکبر کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر وہ تنہائی میں اس کے ساتھ ہو تو تکبر نہیں کرتا اس کے برعکس جو شخص خود پسندی، حسد یا کینہ کے باعث تکبر کرتا ہے تو وہ مُتَکَبَّرعَلَیْہ (جس پر تکبر کیا گیا) کے ساتھ تنہائی میں بھی تکبر کرنے سے باز نہیں آتا۔ اسی طرح وہ ریاکاری کے باعث بسا اوقات خود کو عالی نَسَب بتانے سے بھی گُریز نہیں کرتا حالانکہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے نیز اسی طرح وہ ریاکاری کے باعث مَجْلِس میں اس سے بلندی اختیار کرتا ہے اور راستے میں اس سے آگے بڑھتا ہے اور عزت و

توقیر میں اس کی برابری کو پسند نہیں کرتا حالانکہ وہ باطنی طور پر جانتا ہے کہ وہ اس کا مستحق نہیں یعنی اس کے باطن میں تکبر نہیں ہوتا لیکن ریا کی وجہ سے وہ تکبُّر کرنے والوں جیسے کام کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ عام طور پر متکبر اسی شخص کو کہتے ہیں جس سے باطنی تکبر کی وجہ سے یہ اَفعال صادِر ہوں اوران افعال کا نتیجہ خود پسندی اور دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے کی صورت میں سامنے آتا ہے اور ریاکار کو متکبر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کام تکبر پر مبنی افعال کے مُشابہ ہوتے ہیں۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

آٹھویں فصل: عاجِزی کرنے والوں کے اَخلاق اور ان باتوں کا بیان جن میں عاجِزی یا تکبُّر کا اثر ظاہر ہوتا ہے

جان لیجئے! تکبُّر انسان کی عادات میں بھی ہوتا ہے جیسے منہ پھلالینا، ترچھی نظروں سے دیکھنا، سر کو ایک طرف جھکانا اور پالتی مارنا یا تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھنا، اسی طرح اَقوال میں بھی تکبر ہوتا ہے حتّٰی کہ اس کی آواز، ترنُّم اور اندازِ گفتگو میں بھی اس کا اثر دکھائی دیتا ہے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور حَرکات وسَکَنات سے بھی اس کا اَثر معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اَحوال، اَقوال اور اَفعال کی تبدیلی میں بھی تکبر کا اظہار ہوتا ہے۔

مُتَکَبِّرین میں سے کچھ مذکورہ تمام امور میں تکبُّر کرتے ہیں اور کچھ بعض امور میں تکبر کرتے ہیں اور بعض میں عاجزی سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً: بعض لوگوں سے تکبریوں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کا اپنے لئے یا اپنے سامنے کھڑا ہونا پسند کرتے ہیں۔

اَسلاف کا طرزِ عَمَل:

امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیْم نے فرمایا: جو شخص کسی جہنمی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ ایسے شخص کو دیکھے جو بیٹھا ہوا ہو اور لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں۔

حضرت سیِّدُنا انس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: صحابۂ کرام رِضْوَانُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کو رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے بڑھ کر کسی سے محبت نہیں تھی لیکن جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے محبوب، دانائے غیوب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

وَسَلَّم اس بات کو پسند نہیں فرماتے[1]۔[2]

تکبر کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ جب تک اس کے پیچھے چلنے والا کوئی نہ ہو وہ نہیں چلتا۔

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: بندہ اس وقت تک اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ سے دور رہتا ہے جب تک اس کے پیچھے چلا جائے۔

حضرت سیِّدُنا عبد الرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ اپنے غلاموں کے درمیان پہچانے نہیں جاتے تھے کیونکہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ ظاہری صورت میں ان سے ممتاز نہیں ہوتے تھے۔

حضرت سیِّدُنا حسن بَصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی کے پیچھے کچھ لوگ چلنے لگے تو آپ نے انہیں منع کرتے ہوئے فرمایا: "اس سے بندے کے دل میں کچھ باقی نہیں رہتا۔"

رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بسا اوقات اپنے بعض صحابہ کے ساتھ تشریف لے جاتے تو ان کو آگے چلنے کا حکم فرماتے۔[3] یا کبھی ان کے درمیان چلتے، آپ کا یہ عمل تعلیمِ امت کے لئے ہوتا یا اس سے آپ کا مقصود یہ ہوتا کہ تکبر اور خود پسندی سے متعلّق شیطانی وَسْوَسوں کو خود سے دور رکھیں۔ اسی وجہ سے ایک مرتبہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں نئے کپڑے اتار کر پرانے کپڑے زَیبِ تَن فرمائے۔[4]

متکبر دوسروں کی ملاقات کے لئے نہیں جاتا:

تکبر کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ متکبر آدمی دوسروں کی ملاقات کے لئے نہیں جاتا اگرچہ

---

1 ... مُفَسِّرِ شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح، جلد6، صفحہ 372 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: یہ ہمیشہ کا عمل نہ تھا بلکہ اکثر قیام کرتے تھے کبھی نہ کرتے تھے یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام حضور کو دور سے تشریف لاتا دیکھ کر پہلے ہی کھڑے نہ ہو جاتے اور کھڑے ہو کر حضور کا انتظار نہ کرتے تھے بلکہ جب آپ ہمارے پاس تشریف لے آتے تھے تب ہم کھڑے ہوتے تھے، لہٰذا یہ حدیث (مشکوۃ میں) اس آنے والی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہم حضور کے لئے قیام کرتے تھے۔

2 ... سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی کراھیۃ قیام الرجل للرجل، ۴/ ۳۴۶، حدیث: ۲۷۶۳

3 ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الثانی فی الاخلاق والافعال المذمومۃ، ۳/ ۳۳۳، حدیث: ۸۸۷۴

4 ... بخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا صلی فی ثوب لہ اعلام... الخ، ۱/ ۱۴۹، حدیث: ۳۷۳ مفھوماً

اس کے جانے سے دوسرے کو دینی فائدہ ہی کیوں نہ ہو، یہ بات عاجزی کے خلاف ہے۔

منقول ہے کہ حضرت سیِّدُنا سُفیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ رَمْلَہ بستی میں تشریف لائے تو حضرت سیِّدُنا ابراہیم بن اَدْہَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے ان کو پیغام بھیجا کہ ہمارے ہاں تشریف لاکر احادیث سنایئے۔ حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ تشریف لے گئے تو حضرت ابراہیم بن اَدہم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم سے عرض کی گئی: اے ابو اسحٰق! آپ ایسی بزرگ ہستی کو اپنے ہاں بلواتے ہیں (یعنی آپ کو خود جانا چاہئے تھا)۔ ارشاد فرمایا: میں ان کی عاجزی دیکھنا چاہتا تھا۔

متکبر اپنے قریب بیٹھنے والے سے نفرت کرتا ہے:

تکبر کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی ان کے قریب بیٹھے تو نفرت کرتے ہیں اور اگر سامنے بیٹھے تو ٹھیک ہے حالانکہ یہ بات عاجزی کے خلاف ہے۔

حضرت سیِّدُنا اِبْنِ وَہب رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں حضرت سیِّدُنا عبد العزیز بن ابی رَوّاد عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْجَوَاد کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میری ران ان کی ران کے ساتھ ٹکرا گئی تو میں نے خود کو فوراً ان سے دور کیا۔ انہوں نے میرا کپڑا پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: "میرے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہو جو تم جابر و متکبر لوگوں کے ساتھ کرتے ہو، میں تم میں سے ہر کسی کو اپنے آپ سے اچھا سمجھتا ہوں۔"

حضرت سیِّدُنا اَنَس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: مدینہ طَیِّبہ کی لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ہاتھ پکڑ لیتی تھی تو جہاں چاہتی لے جاتی تھی[1]۔[2]

---

[1] ... مُفَسِّرِ شہیر، حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان مراٰۃ المناجیح جلد8، صفحہ 71 پر حدیثِ پاک کے جز "ہاتھ پکڑ لیتی تھی" کے تحت فرماتے ہیں: ہاتھ پکڑنے سے مراد ہے اپنی حاجت براری کے لئے عرض کرنا یا کہیں لے جانا۔ اور اگر ظاہری معنی مراد ہوں تب بھی مضائقہ نہیں کہ پیاری امت حضور کی اولاد ہے۔ حضور انور (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) امت کے باپ ہیں، مہربان باپ کا ہاتھ اولاد پکڑ لیتی ہے۔ یعنی اگر معمولی سے معمولی آدمی حتی کہ مدینہ کی لونڈی بھی کچھ التجا کے لئے حضور (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کا ہاتھ پکڑ لیتی تو حضور (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اس سے ہاتھ چھڑاتے نہ تھے بلکہ اس کی حاجت روائی کر دیتے تھے۔ "جہاں چاہتی لے جاتی" کے تحت فرماتے ہیں: خواہ اپنے گھر لے جاتی یا کسی اور جگہ حضور انور (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) منع نہ فرماتے تھے۔

[2] ... سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب البراءۃ من الکبر والتواضع، ۴/ ۴۵۸، حدیث: ۴۱۷۷

متکبر مریضوں اور بیماروں کے پاس بیٹھنے سے بھاگتا ہے:

تکبر کی عادات میں سے ایک عادت یہ ہے کہ وہ مریضوں اور بیماروں کے پاس بیٹھنے سے بھاگتا ہے اور ان سے وَحشت کرتا ہے، یہ بات تکبر ہے۔

مروی ہے کہ رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کھانا تناول فرمارہے تھے کہ ایک شخص آیا جسے چیچک نکلی ہوئی تھی اور اس کے چیچک کے دانوں سے پانی رِس رہا تھا، اس وَقت کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ شخص جس کے پاس بیٹھتا وہ کھڑا ہو جاتا۔ غریبوں کے والی، یتیموں کے آقا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے اپنے پہلو میں بِٹھالیا۔[1]

حضرت سَیِّدُنا عبدُ اللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اپنے ساتھ کھانے میں شریک ہونے سے کوڑھی، بَرَص والے اور مریض کو نہیں روکتے تھے بلکہ انہیں اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھالیتے۔

متکبر گھر میں اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا:

تکبر کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ ایسا شخص گھر میں اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کرتا حالانکہ یہ بات عاجزی کے خلاف ہے۔

منقول ہے کہ ایک رات امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کے ہاں کوئی مہمان آیا اس وقت آپ لکھ رہے تھے چراغ بجھنے لگا تو مہمان نے عرض کی: میں اُٹھ کر ٹھیک کر دیتا ہوں۔ ارشاد فرمایا: یہ بات مہمان کی خاطر داری کے خلاف ہے کہ اس سے خدمت لی جائے۔ اس نے کہا: غلام کو جگا دیتا ہوں وہ یہ کام کرلے گا۔ فرمایا: وہ ابھی ابھی سویا ہے۔ یہ کہہ کر آپ خود اُٹھے اور تیل کی کُپّی لے کر چراغ میں تیل بھرا۔ مہمان نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ یہ کام خود انجام دے رہے ہیں؟ فرمایا: میں جب اس کام کے لئے گیا تب بھی عمر تھا اور جب واپس لوٹا تب بھی عمر ہی ہوں میرے اس کام سے میرے مقام و مرتبے میں کوئی فرق نہیں پڑا اور لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں عاجزی کرنے والا ہو۔

---

[1] ...سنن ابن ماجه، كتاب الطب، باب الجذام، ۴/ ۱۳۴، حديث: ۳۵۴۲، مفهومًا

متکبر گھر کا سودا خود نہیں اٹھاتا:

تکبر کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ ایسا شخص گھر کے سودا سلف کی کوئی چیز اپنے ہاتھ میں اٹھائے گھر نہیں لے جاتا اور یہ بات عاجزی اختیار کرنے والوں کے طریقے کے خلاف ہے حالانکہ سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن، شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْن گھر کے سودا سلف کی چیزیں اپنے ہاتھ میں اٹھا کر گھر لے کر جاتے۔[1]

حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کا فرمان ہے: کامل آدمی کے کمال میں کوئی فرق نہیں پڑتا اگر وہ اپنے گھر والوں کے لئے کوئی چیز اپنے ہاتھ میں اٹھا کر گھر لے جائے۔

حضرت سیِّدُنا ابو عُبَیدہ بن جَرّاح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ جب دِمَشق پر امیر تھے پانی کی بالٹی خود اٹھا کر حمّام میں لے جاتے۔ حضرت سیِّدُنا ثَعْلَبہ بن ابی مالک رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: جس زمانے میں حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ مدینہ شریف میں مروان کے نائب تھے، میں نے دیکھا کہ آپ بازار سے لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے آرہے ہیں اور فرمارہے ہیں: ”اے ابن ابو مالک! امیر کو راستہ دو۔“

اَصْبَغ بن نُباتَہ سے منقول ہے کہ گویا میں امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے بائیں ہاتھ میں گوشت اور دائیں ہاتھ میں دُرّہ ہے، اسی حالت میں آپ بازار سے ہوتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔

ایک تابعی بزرگ فرماتے ہیں: میں نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کو دیکھا کہ آپ نے ایک دِرْہَم کا گوشت خریدا اور اسے اپنی چادر میں اٹھالیا۔ میں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! لائیے مجھے دیجئے میں اٹھا کر لے چلوں۔ فرمایا: ”نہیں، عیال دار آدمی کو چاہیے کہ وہ خود ہی اٹھائے۔“

متکبر ادنیٰ لباس نہیں پہنتا:

تکبر کی ایک عادت کا تعلق لباس سے بھی ہے جس سے تکبر اور عاجزی میں فرق واضح ہوتا ہے۔ رحمتِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: بذاذۃ ایمان سے ہے۔[2] (راوی حدیث) حضرت ہارون رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ

---

1 ...المسند لابی یعلی، مسند ابی ھریرۃ، ۵ / ۳۶۸، حدیث: ۶۱۳۶

2 ...سنن ابی داود، کتاب الترجل، ۴ / ۱۰۲، حدیث: ۴۱۶۱

فرماتے ہیں: میں نے حضرت معن رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے بذاذۃ کا معنیٰ پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ” ادنیٰ لباس پہننا۔“

حضرت سَیِّدُنا زید بن وَہب عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَحَد فرماتے ہیں: میں نے حضرت سَیِّدُنا عمر بن خطّاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو بازار جاتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں دُرّہ تھا اور آپ کے اوپر جو چادر تھی اس میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے جن میں سے بعض پیوند چمڑے کے تھے۔

ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم پر پیوند لگی چادر کے حوالے سے اِعتِراض کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس سے لوگ بندۂ مومن کی اِقتِدا کرتے ہیں اور دل میں خُشوع پیدا ہوتا ہے۔ حضرت سَیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ السَّلَام فرماتے ہیں: ” عمدہ کپڑے دل میں تکبر پیدا کرتے ہیں۔“

حضرت سَیِّدُنا طاؤس رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: میں اپنے ان ہی دو کپڑوں (یعنی چادر اور تہبند) کو دھوتا ہوں لیکن اس کے باوُجود جب تک یہ اُجلے رہتے ہیں میرا دل اجنبی رہتا ہے۔

منقول ہے کہ امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز جب تک خلیفہ نہیں بنے تھے آپ کے لئے ایک ہزار دینار کا جُبّہ خریدا جاتا تھا پھر بھی آپ فرماتے: ”اگر اس میں کھردرا پَن نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔“ لیکن جب آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ تختِ خلافت پر رَونَق اَفْروز ہوئے تو آپ کے لئے پانچ دِرْہم کا کپڑا خریدا جاتا تو آپ فرماتے: ”اگر یہ نَرم نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔“ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے پوچھا گیا: یا امیر المؤمنین! آپ کا وہ لباس، سُواری اور عِطْر کہاں ہے؟ فرمایا: ”میرا نفس زینت کی چاہت رکھنے والا ہے وہ جب کسی دنیاوی مرتبے کی چاہت کرتا ہے تو اس سے اوپر والے مرتبے کا شوق بھی رکھتا ہے یہاں تک کہ جب اس نے سب سے اعلیٰ دنیاوی مرتبے یعنی خلافت کا مزہ چکھا تو اب اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں اعلیٰ درجے کا اشتیاق ہوا۔“

حضرت سَیِّدُنا سعید بن سوید رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: حضرت سَیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد تشریف فرما ہوئے۔ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے ایسی قمیص پہن رکھی تھی جس کے گریبان پر آگے اور پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو بہت کچھ عطا کیا ہے، آپ پہنتے کیوں نہیں؟ آپ نے کچھ دیر سر جھکائے رکھا پھر اٹھایا اور فرمایا: ” بہترین میانہ روی مال داری کی حالت میں ہوتی ہے اور بہترین مُعافی وہ ہے جو بدلہ

لینے پر قادر ہونے کے باجود ہو۔"

رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے زینت ترک کر دیتا ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اچھے کپڑے پہننا چھوڑ دیتا ہے اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی رِضا کا طالب ہوتا ہے تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے ذِمۂ کرم پر ہے کہ اسے جنت کا عمدہ لباس پہنائے۔ [1]

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت سیِّدُنا عیسٰی روحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: "عمدہ کپڑے سے دل میں تکبر پیدا ہوتا ہے۔" جبکہ ہمارے نبیِّ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عمدہ کپڑوں کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا یہ تکبر کی علامت ہیں؟ تو ارشاد فرمایا: "نہیں بلکہ تکبر اس چیز کا نام ہے کہ حق کا اِنکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔" [2] تو یہ دونوں باتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟

جواب: نئے کپڑے پہننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر پہننے والا تکبر کرے جیسا کہ حدیث پاک میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے اور جب حضرت سیِّدُنا ثابِت بن قَیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے عرض کی: "میں ایک ایسا آدمی ہوں جسے خوش لباس رہنا پسند ہے۔" [3] تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کی حالت سے یہ جان لیا کہ ان کا میلان پاک صاف رہنے اور عمدہ لباس کی طرف ہے دوسروں پر تکبر کرنا مقصود نہیں پھر یہ کہ عمدہ لباس سے تکبر کا پیدا ہونا ضروری نہیں۔ البتہ یہ بات اَور ہے کہ بسا اوقات عمدہ کپڑے پہننا بھی تکبر کا باعث بن جاتا ہے جیسا کہ بعض اوقات ادنیٰ درجے کے کپڑوں پر راضی رہنا عاجزی کا باعث ہوتا ہے لیکن تکبر کی علامت یہ ہے کہ جب اسے لوگ دیکھتے ہیں تو وہ اچھے کپڑے پہنتا ہے اور جب تنہا ہوتا ہے تو کوئی پروا نہیں کرتا مگر جو آدمی حُسن و جمال کا طالب ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر چیز میں خوبصورتی کو پسند کرتا ہے اگرچہ تنہائی میں کیوں نہ ہو یہاں تک کہ وہ گھر کے پردوں میں بھی اس بات کا خیال رکھتا ہے اور یہ

---

1. ... کنز العمال، کتاب الاخلاق، الباب الاول فی الاخلاق و الافعال المحمودۃ، ۳/ ۵۱، حدیث: ۵۷۳۶
2. ... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند الشامیین، حدیث عقبۃ بن عامر الجھنی، ۶/ ۱۳۳، حدیث: ۱۷۳۷۴
3. ... المعجم الکبیر، ۲/ ۶۹، حدیث: ۱۳۱۸

چیز تکبر نہیں ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ احوال مختلف ہیں اور حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا قول بعض حالات سے متعلق ہے کہ بعض اوقات عمدہ لباس کے باعث دل میں تکبر پیدا ہوتا ہے اور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان عالی شان بھی اپنی جگہ ہے کہ عمدہ کپڑے پہننا تکبر نہیں یعنی یہ کام تکبر کو لازم کرنے والا نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ اس کے باعث کبھی کبھار تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام:

اس سلسلے میں احوال مختلف ہیں اور دَرْمیانہ لباس سب سے بہتر ہے کہ نہ تو اس میں عمدہ ہونے کی وجہ سے کوئی شہرت ہے اور نہ ادنیٰ ہونے کی وجہ سے کوئی خرابی۔

رحمتِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَالْبَسُوْا وَتَصَدَّقُوْا فِیْ غَیْرِ سَرَفٍ وَلَا مَخِیْلَةٍ یعنی کھاؤ، پیو، پہنو اور صَدَقہ کرو لیکن نہ تو ان میں حد سے بڑھو اور نہ ان میں تکبر کرو۔[1] اور آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يَّرٰى اَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ یعنی بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اَثَر دیکھنا پسند فرماتا ہے۔[2]

حضرت سیِّدُنا بکر بن عبد اللہ مُزَنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَنِی فرماتے ہیں: بادشاہوں کے جیسا لباس پہنو لیکن اپنے دلوں کو خَشْیَّتِ الٰہی سے مار ڈالو۔ انہوں نے یہ بات ان لوگوں سے فرمائی جو نیک لوگوں کا لباس پہن کر تکبر کرتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا عیسیٰ رُوْحُ اللّٰہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ تم میرے پاس اس حال میں آتے ہو کہ تم پر عبادت گزار لوگوں کا لباس ہوتا ہے اور تمہارے دل بھوکے بھیڑیوں کے دلوں کی طرح ہوتے ہیں، بادشاہوں کا لباس پہنو لیکن اپنے دلوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے مار ڈالو۔

عاجزی کرنے والوں کی ایک عادت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص ان کو گالی دیتا ہے یا ان کو اَذِیَّت

---

1 ...سنن ابن ماجه، كتاب اللباس، باب لبس ما شئت...الخ، ۴/ ۱۶۲، حدیث: ۳۶۰۵
بخاری، کتاب اللباس، باب قول اللہ: قل من حرم زينة الله...الخ، ۴/ ۴۵

2 ...سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء ان اللہ یحب...الخ، ۴/ ۳۷۴، حدیث: ۲۸۲۸

پہنچاتا ہے یا ان کا حق مارتا ہے تو وہ نہایت عاجزی سے اسے برداشت کرتے ہیں اور برداشت کے سلسلے میں ہم نے غَضَب اور حَسَد کے بیان میں بُزرگانِ دین سے منقول اقوال لکھ دیئے ہیں۔

رحمتِ عالَم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اَخلاقِ کریمہ:

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی سیرت طیبہ حُسنِ اخلاق اور عاجزی کا مجموعہ ہے جس کی ہمیں پیروی کرنی چاہئے اور اسے سیکھنا چاہئے۔

حضرت سیِّدُنا ابو سَلَمہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا ابو سعید خُدرِی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے پوچھا: لوگوں نے لباس، مشروب، سُواری اور کھانے سے متعلق جو نئی نئی باتیں شروع کر دی ہیں ان کے بارے میں آپ کا خیال ہے؟ فرمایا: ”اے بھتیجے! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے کھاؤ، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے پیو اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے پہنو اور ان میں سے جس عمل میں بھی تکبُّر، ریا اور شُہرت کا دَخل ہو گا وہ گناہ اور اِسراف ہو گا اور گھر کے وہ کام کاج کرو جو رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اُونٹ کو چارہ دیتے، اسے خود باندھتے، گھر میں جھاڑو دیتے، بکری کا دودھ دوہتے، جوتا سیتے، کپڑے میں پیوند لگاتے، اپنے خادِم کے ساتھ کھانا کھاتے، اگر وہ تھک جاتا تو اس کی جگہ آٹا پیستے، بازار سے سودا خریدتے اور اسے ہاتھ میں پکڑنے یا کپڑے کے کسی کونے میں باندھنے سے حیا نہ فرماتے، گھر کی طرف واپَس تشریف لاتے ہوئے امیر و غریب اور چھوٹے و بڑے سے مصافحہ فرماتے، آپ کے سامنے جو بھی نمازی آتا چاہے وہ چھوٹا ہوتا یا بڑا، کالا ہوتا یا گورا، غلام ہوتا یا آزاد آپ اس سے سلام میں پہل فرماتے، آپ کے پاس گھر اور باہر کے لئے الگ الگ لباس مخصوص نہ ہوتا، آپ کو دعوت دی جاتی تو اسے قبول کرنے میں شرم محسوس نہ فرماتے اگرچہ دعوت دینے والا کتنا ہی غریب ہوتا، جو کھانا پیش کیا جاتا اسے حقیر نہ جانتے اگرچہ رَدِّی قسم کی کھجور ہی کیوں نہ ہو، صُبح کا کھانا شام کے لئے اور شام کا کھانا صُبح کے لئے نہ رکھتے، کم غذا استعمال فرماتے، نرم خو، نیک طَبیعت، مِلَنسار اور کُشادہ رُو رہتے، لبوں پر مسکراہٹ بکھیرتے رہتے مگر ہنسی سے اِجتناب فرماتے، غمزدہ ہوتے تو تُرش رُو نہ ہوتے، شِدَّت فرماتے تو زیادہ سختی سے کام نہ لیتے بلکہ عاجزی فرماتے لیکن اس عاجزی میں ذِلَّت نہ ہوتی، سخاوت فرماتے لیکن اس میں اسراف نہ ہوتا، ہر رشتہ دار اور

مسلمان پر مہربانی فرماتے۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا دل نرم تھا، اکثر گردن جھکائے رکھتے، صرف اس قدر شکم سیر ہوتے کہ آپ کو ڈکار نہ آتی، کسی چیز کی لالچ کے لئے اپنا ہاتھ نہ بڑھاتے۔"

حضرت سیِّدُنا ابوسَلَمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: میں اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صِدِّیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی خدمت میں حاضر ہوا اور رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زُہد کے متعلق جو میں نے حضرت سیِّدُنا ابو سعید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے سنا تھا وہ بیان کر دیا۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا: حضرت ابو سعید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک حَرف بھی غَلَط نہیں کہا البتہ انہوں نے تمہیں یہ نہ بتایا کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور نہ کبھی کسی سے کوئی شکوہ کیا، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو خوش حالی اور مال داری کے مقابلے میں فاقہ زیادہ پسند تھا اور بسا اوقات آپ رات بھوک کی حالت میں گزارتے لیکن اس کے باوُجود دن میں روزہ بھی رکھ لیتے، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اگر اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ سے سوال کرتے کہ وہ زمین کے خزانے، پھل اور زمین کے مشرق و مغرب کا وسیع عیش آپ کو عطا فرمائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کو عطا فرما دیتا۔ بسا اوقات میں آپ کی بھوک کو دیکھ کر ترس کھاتے ہوئے رو پڑتی اور اپنا ہاتھ آپ کے مبارک پیٹ پر پھیر کر کہتی: آپ پر میری جان قربان ہو اگر آپ دنیا سے اتنا ہی لے لیں جس قدر آپ کی غذا کے لئے کافی ہو اور اس سے بھوک کا ازالہ ہو (تو اس میں کیا حرج ہے؟) آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے: اے عائشہ! میرے بھائیوں میں سے اولوالعزم رسولوں نے اس سے بھی زیادہ سختیاں برداشت کیں اور اسی حالت میں وہ دنیا سے رخصت ہوگئے، اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں اچھا ٹھکانا اور بہترین ثواب عطا فرمائے۔ مجھے اس بات سے حیا آتی ہے کہ میں دنیا کی زندگی خوشحالی میں گزار کر کہیں ان سے پیچھے نہ رہ جاؤں، چند دن صَبْر کرنا مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ آخِرت میں میرا حصہ کم ہو جائے اور مجھے اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ ملنے سے بڑھ کر کوئی چیز پسند نہیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اس کے بعد آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپ وِصال فرما گئے۔[1]

---

[1] ...الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی، فصل واما زھدہ فی الدنیا، ۱/ ۱۴۳ بتغیر

رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے جو حالات ذکر کئے گئے ہیں ان میں عاجزی اختیار کرنے والوں کے تمام اَخلاق جمع ہیں، لہٰذا جو آدمی عاجزی اختیار کرنے کا خواہشمند ہو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نقشِ قدم پر چلے اور جو شخص اپنے مرتبے کو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مرتبے سے بلند خیال کرتا ہے اور جن باتوں کو آقائے دوجہاں صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے لئے پسند فرمایا اسے ناپسند جانتا ہے تو وہ بہت بڑا جاہل ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دینی و دنیاوی دونوں اِعتبار سے مخلوق میں سب سے بڑے منصب پر فائز ہیں اور آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اِقتدا کے بغیر کوئی عزت وبلندی حاصل نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ جب ملکِ شام میں داخل ہونے لگے تو کسی نے آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی سادگی پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا: ”ہم وہ قوم ہیں جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسلام کے ذریعے عزت بخشی ہے، لہٰذا ہم اسلام کے علاوہ کسی اور چیز میں عزت تلاش نہیں کریں گے۔“

اَبدال اور ان کی صفات:

حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: جان لو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں اَبدال کہا جاتا ہے، یہ لوگ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے نائب اور زمین کے مِحوَر ہیں، جب نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا محمد مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اُمَّت میں سے اس جماعت کو ان کے قائم مقام کر دیا۔ یہ لوگ نماز و روزہ کی کَثرت اور اچھے حلیے کے باعث لوگوں پر فضیلت نہیں رکھتے بلکہ سچی پرہیزگاری، حُسنِ نِیَّت، تمام مسلمانوں کے لئے سلامتیِ صَدْر اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رِضا کے لئے ان کی خیر خواہی کی وجہ سے افضل ہیں۔ یہ لوگ صبر سے کام لیتے ہیں لیکن بُزدِلی کے ساتھ نہیں، تواضُع کرتے ہیں لیکن ذلت کے ساتھ نہیں۔ انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے چُن لیا اور اپنے لئے خاص کر لیا ہے یہ تعداد میں 40 صِدِّیق یا 30 مَردانِ حق ہیں، ان کے دلوں میں حضرت سیِّدُنا ابراہیم خلیلُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا سا یقین ہے، جب ان میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ دوسرے کو اس کا نائب بنا دیتا ہے۔ اے بھائی! جان لو کہ یہ نیک لوگ نہ کسی چیز پر لعنت بھیجتے ہیں، نہ کسی کو اَذِیَّت پہنچاتے ہیں، نہ کسی کو حقیر جانتے ہیں، نہ کسی پر زیادتی کرتے ہیں، نہ ہی کسی سے حَسَد کرتے ہیں اور نہ دنیا کی حرص رکھتے ہیں۔ یہ لوگوں میں

سب سے اچھے اوصاف کے حامل، نرم طبیعت کے مالک اور سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے ہوتے ہیں بلکہ سخاوت تو ان کی نشانی ہوتی ہے۔ خندہ پیشانی ان کی عادت اور سلامتی ان کا وَصف ہوتا ہے۔ یہ ایسے نہیں ہوتے کہ آج انہیں خوفِ خدا ہو اور کل غفلت میں پڑے ہوئے ہوں بلکہ یہ ہمیشہ خوفِ خدا کی حالت میں رہتے ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ ان کا جو معاملہ ہے اس سلسلے میں ان کو نہ تو تیز آندھیاں متزلزل کرسکتی ہیں اور نہ تیز رفتار گھوڑے ان کے پائے استقامت میں لَغزِش پیدا کرسکتے ہیں۔ ان کے دل اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ملاقات کے شَوق اور آخرت کی راحت پانے کی خواہش میں بلندی کی طرف ترقی کرتے ہیں اوران کے قدم نیکیوں میں سبقت کرتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جماعت ہیں۔ سنو! اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔

راوی فرماتے ہیں یہ سن کر میں نے عرض کی: اے ابو درداء (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ) جو اوصاف آپ نے بیان فرمائے وہ انتہائی سخت ہیں، میں ان اوصاف کا حامل کیسے بن سکتا ہوں؟ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: تو اس سے بھی زیادہ بلندی تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ تو دنیا سے نفرت کرے اور جب تو دنیا سے نَفرت کرے گا تو تجھ میں آخرت کی محبت پیدا ہوگی اور جس قدر تجھ میں آخرت کی محبت پیدا ہوگی اسی قدر تو دنیا سے بے رغبتی کرے گا اور اسی قدر تجھے نورِ بصیرت حاصل ہوگا جو تیرے لئے نَفع بخش ہوگا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ جب اپنے کسی بندے میں حُسنِ طَلَب دیکھتا ہے تو اسے سیدھے راستے پر فَراخی عطا فرماتا ہے اور اسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔ اے میرے بھتیجے! جان لو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۠ (۱۲۸) (پ۱۴، النحل: ۱۲۸)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔

حضرت سیِّدُنا یحییٰ بن کثیر عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَدِیْر فرماتے ہیں: ہم نے اس آیت میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ لذت حاصل کرنے والوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت اور اس کی رِضاجوئی سے بڑھ کر کوئی لذت حاصل نہیں ہوتی۔

اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو تیرے محبوب بندوں سے محبت کرتے ہیں، اے تمام جہانوں کے پروردگار! تیری محبت کے قابل وہی ہوسکتا ہے جسے تو پسند فرماتا ہے اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور آپ کے آل واَصحاب پر دُرُود و سلام ہو۔

نویں فصل: **تَکَبُّر کا عِلاج اور عاجزی کا حُصُول**

جان لیجئے! تکبر ہلاک کرنے والے اُمور میں سے ہے اور مخلوق میں شاید ہی کوئی ہو جو اس سے خالی ہو نیز اس کا اِزالہ فرضِ عین ہے اور یہ مَحْض اِرادے سے زائل نہیں ہوتا بلکہ علاج کرنے اور ایسی دوائیں استعمال کرنے سے زائل ہوتا ہے جو اس کو جڑ سے خَتْم کرتی ہیں اس کے علاج کے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: دل میں موجود تکبر کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔

دوسرا طریقہ: ان اَسباب کو ختم کرے جو دوسروں پر تکبر کا باعث بنتے ہیں۔

پہلا طریقۂ علاج:

یعنی تکبر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا۔ یہ علاج عِلْمی اور عَمَلی دونوں طریقوں سے ہوتا ہے اور جب تک یہ دونوں باتیں حاصل نہ ہوں شفا حاصل نہیں ہوتی۔

علمی طریقۂ علاج:

علمی طریقۂ علاج یہ ہے کہ خود کو پہچانے اور اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کی مَعْرِفت حاصل کرے۔ تکبُّر کے اِزالہ کے لئے یہ بات اسے کافی ہوگی کیونکہ جب آدمی اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ نَفْس انتہائی ذلیل وحقیر ہے، لہٰذا عاجزی اور ذلت وخواری ہی اس کے لائق ہے اور جب وہ اپنے ربّ کی معرفت حاصل کرلیتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ عَظْمت وبڑائی تو اسی ذات کے شایانِ شان ہے۔ ربّ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت اور اس کی عظمت وبزرگی کے بارے میں کلام بہت طویل ہے اور عِلْمِ مُکاشَفہ کی انتہا اسی پر ہوتی ہے۔ اور انسان کے خود کو پہچاننے کے بارے میں بھی کلام کافی تفصیلی ہے لیکن ہم یہاں اتنی ہی مقدار پر اکتفا کریں گے جو عاجزی وانکساری کا جذبہ پیدا کرنے میں فائدہ مند ہو۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی ایک آیت کا مطلب جاننا ہی کافی ہے اور صاحبِ بصیرت کے لئے قرآن مجید میں اگلوں اور پچھلوں سب کا علم ہے، چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ — ترجمۂ کنزالایمان: آدمی مارا جائیو کیا ناشکر ہے اسے کاہے

خَلَقَهٗ ؕ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۙ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ ۙ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۙ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ؕ﴿۲۲﴾ (پ۳۰،عبس:۱۷تا۲۲)

سے بنایا پانی کی بوند سے اسے پیدا فرمایا پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا پھر اسے راستہ آسان کیا پھر اسے موت دی پھر قبر میں رکھوایا پھر جب چاہا اسے باہر نکالا۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کی ابتدا وانتہا اور اس کی درمیانی حالت کی طرف اشارہ فرمایا ہے انسان کو اس میں غور کرنا چاہئے تاکہ وہ اس آیت کا مفہوم سمجھ سکے۔ انسان کی ابتدائی حالت یہ تھی کہ اس کا ذِکر بھی نہ تھا اور ایک عرصہ تک وہ معدوم رہا حتّٰی کہ اس کے معدوم ہونے کی ابتدا بھی نامعلوم ہے اور وُجود ہی ناپید ہو تو اس سے بڑھ کر ذِلّت وحقارت کیا ہو سکتی ہے، پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو ایک انتہائی حقیر چیز اور پھر ایک انتہائی گندی چیز سے بنایا یعنی پہلے مٹی سے بنایا پھر نُطفے سے خون اور خون سے گوشت کا لوتھڑا بنایا پھر ہڈیاں بنائیں اور ان پر گوشت پوست چڑھایا۔ اس طرح انسان کی ابتدا ہوئی جس کے بعد اسے دنیا کا علم ہوا، تخلیق کے بعد وہ حقیر اَوصاف کا حامل تھا کیونکہ وہ اپنی ابتدا کے لحاظ سے کامل نہیں تھا، بلکہ وہ ایک ایسا بے جان مردہ بنایا گیا جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ محسوس کرتا ہے، نہ حرکت کرتا ہے، نہ بولتا ہے، نہ اس میں کسی چیز کو پکڑنے کی قوت ہے اور نہ کسی چیز کے بارے میں جانتا ہے۔ اس نے زندگی سے پہلے موت، قوت سے پہلے ضُعف، عِلْم سے پہلے جہالت، بینائی سے پہلے اندھا ہونے، سننے سے پہلے بہرا ہونے، قوت گویائی سے پہلے گونگا ہونے، ہدایت سے پہلے گمراہی، مالداری سے پہلے فقر اور قدرت سے پہلے عاجز ہونے پر ابتدا کی۔ قرآن مجید میں اسی معنٰی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ؕ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۙ﴿۱۹﴾ (پ۳۰،عبس:۱۸، ۱۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اسے کاہے سے بنایا پانی کی بوند سے اسے پیدا فرمایا پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـٴًـا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖۗ نَّبْتَلِیْهِ (پ۲۹،الدھر:۱، ۲)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ اسے جانچیں۔

انسان کی ابتدائے پیدائش اس طرح ہوئی پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس پر احسان فرمایا:

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝۲۰ (پ۳۰، عبس: ۲۰) ترجمۂ کنزالایمان: پھر اسے راستہ آسان کیا۔

اس آیت میں ان اشیاء کی طرف اشارہ ہے جو انسان کے واسطے پیدائش سے لے کر موت تک آسان کر دی گئیں، اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝۲ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝۳ (پ۲۹، الدھر: ۲، ۳)

ترجمۂ کنزالایمان: (ہم نے آدمی کو پیدا کیا) ملی ہوئی منی سے کہ اسے جانچیں تو اسے سنتا دیکھتا کر دیا بے شک ہم نے اسے راہ بتائی حق مانتا یا ناشکری کرتا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان پہلے بے جان مردہ تھا ہم نے اسے پہلے مٹی کی شکل میں اور پھر نطفہ کی صورت میں زندہ کیا، وہ سماعت سے محروم تھا ہم نے اسے سننے کی قوت دی، دیکھ نہیں سکتا تھا ہم نے اسے بینائی کی قوت عطا فرمائی، کمزور تھا ہم نے اسے قوت دی، جاہل تھا ہم نے اسے علم عطا کیا، اَعضاء سے محروم تھا تو ہم نے اس کے لئے ایسے اعضاء پیدا کئے جو قدرت کے عجائبات اور نشانیوں کے مَظْہَر ہیں، وہ محتاج تھا ہم نے اسے مال دار کیا، بھوکا تھا ہم نے اسے شکم سیر کیا، بے لباس تھا اسے لباس پہنایا، راستہ نہ جانتا تھا ہم نے اس کی راہ نُمائی کی۔

غور کیجئے کس تدبیر سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو پیدا فرمایا، اسے صورت عطا کی پھر اس کا راستہ آسان کیا اور اس کے باوُجود انسان کی سرکشی دیکھئے کہ وہ کتنا ناشُکرا ہے اور کیسی جہالت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۷ (پ۲۳، یٰسٓ: ۷۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کیا آدمی نے نہ دیکھا کہ ہم نے اسے پانی کی بوند سے بنایا جبھی وہ صریح جھگڑالو ہے۔

اور فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝۲۰ (پ۲۱، الروم: ۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر جبھی تم انسان ہو دنیا میں پھیلے ہوئے۔

لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نِعمت و احسان پر نظر ڈالیں کہ اس نے کیسے انسان کو ذِلَّت، قِلَّت، کمینگی اور نجاست

سے نکال کر رِفعت اور عظمت تک پہنچایا۔ اسے عَدَم سے وُجود بخشا، عجز سے حیات بخشی، محتاجی سے مالدار کیا، وہ اپنی ذات میں کچھ نہ تھا اور کچھ نہ ہونے سے بڑھ کر کیا ذلت ہو سکتی ہے؟ کیا کچھ نہ ہونے سے بھی کم تر کوئی دَرَجہ ہے؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے پہلے انسان کو ایک چیز کی صورت دی پھر اسے ایسی حقیر مٹی سے پیدا کیا جو پاؤں تلے روندی جاتی ہے، پھر نہ ہونے کے بعد ناپاک نُطفے سے پیدا کیا تاکہ وہ اپنے کم حَیثیَّت ہونے کو دیکھ سکے اور یوں اپنے آپ کو پہچان سکے، پھر اس پر اپنی نعمتوں کی تکمیل فرمائی تاکہ وہ ان نعمتوں کی روشنی میں اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کو پہچان سکے، اس کی عظمت وجلال کو جان سکے اور یہ جان سکے کہ کِبرِیائی صرف اسی کو زیب دیتی ہے اس لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بندوں پر اپنے احسانات ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۙ﴿۸﴾ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ ۙ﴿۹﴾ وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۚ﴿۱۰﴾ (پ۳۰، البلد: ۸تا۱۰)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں اور زبان اور دو ہونٹ اور اسے دو ابھری چیزوں کی راہ بتائی۔

پہلے انسان کو اس کا کم حیثیت ہونا بتاتے ہوئے فرمایا:

اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰى ۙ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً (پ۲۹، القیامۃ: ۳۷، ۳۸)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا وہ ایک بوند نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے پھر خون کی پھٹک ہوا۔

پھر اس پر اپنے احسان کا ذِکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۙ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ؕ﴿۳۹﴾ (پ۲۹، القیامۃ: ۳۸، ۳۹)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اس نے پیدا فرمایا پھر ٹھیک بنایا تو اس سے دو جوڑ بنائے مرد اور عورت۔

تاکہ نَسل کے ذریعے انسان کا وُجود باقی رہے جیسا کہ اَوَّلاً اس کا وُجود تھا۔

انسان کی کمزوریاں:

جس کی ابتدا کا یہ عالَم ہو اور جس کی یہ حالتیں ہوں اُسے اِترانے، بڑائی مارنے، فخر کرنے اور تکبُّر کرنے کا کیا حق ہے؟ حقیقتاً دیکھا جائے تو انسان سب سے زیادہ گھٹیا اور سب سے بڑھ کر کمزور ہے۔ اور رَذِیل انسان کی یہ عادت ہوتی کہ جب وہ اپنی کمینگی کی بدولت اونچا اڑتا ہے تو ناک چڑھاتا ہے اور بڑائی کا اظہار کرتا ہے اور یہ اس کی ابتدائی ذلت کی دلیل ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ۔ البتہ اگر انسان کو کامل بنایا جاتا اور اس کے تمام کام اسی کے

سپُرد ہوتے اور اپنے وجود کو قائم دائم رکھنا اس کے اختیار میں ہوتا تو اس کا سرکشی کرنا اور ابتدا و انتہا کو بھول جانا سمجھ میں آتا لیکن حالت یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے وجود پر مُہلِک بیماریاں مسلط کردی ہیں، اسے مختلف آفات کا شِکار بنادیا ہے اور اس میں متضاد طَبیعتیں رکھ دی ہیں یعنی صَفرا، بلغم، ہوا اور خون یہ چاروں ایک دوسرے کو نُقصان پہنچاتی ہیں۔ انسان چاہے نہ چاہے اسے بھوک وپیاس اس کی مرضی کے بغیر لگتی ہے، بیماری کا شکار ہوتا ہے تو اس میں اس کی مرضی کو دَخل نہیں ہوتا، مَوت آتی ہے تو اس میں بھی اس کی مرضی شامل نہیں ہوتی وہ اپنے نَفس کے لئے نَفْع و نُقصان کا مالِک نہیں ہوتا اور نہ ہی خَیرو شَر اس کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ وہ کسی چیز کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس سے جاہل رہ جاتا ہے، وہ کسی چیز کو یاد رکھنا چاہتا ہے لیکن اسے بھول جاتا اور کبھی کسی چیز کو بھولنا چاہتا ہے لیکن اسے بُھلا نہیں پاتا، وہ اپنے دل کو کسی اَہم کام کی طرف مُتَوجّہ رکھنا چاہتا ہے لیکن وسوسے اسے یہ کرنے نہیں دیتے، اس کا اپنا دل اس کے قابو میں نہیں رہتا اور نہ ہی وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ کبھی وہ کسی چیز کی خواہش رکھ رہا ہوتا ہے لیکن اس میں اس کی ہلاکت پوشیدہ ہوتی ہے اور کبھی وہ کسی چیز سے نفرت کر رہا ہوتا ہے حالانکہ اس میں اس کی زندگی کی بقا ہوتی ہے۔ وہ اَنواع واَقسام کے کھانوں سے لُطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے حالانکہ یہ کھانے اس کے لئے مُہلِک ہوتے ہیں، دواؤں سے نفرت کر رہا ہوتا ہے حالانکہ یہ دوائیں اسے مَرَض سے نجات دیتی ہیں۔ وہ اپنے شب و روز میں کسی بھی لمحے اس سے مامون نہیں کہ اس کی سماعت چھن جائے یا بَصارت زائل ہو جائے یا اعضاء مفلوج ہو جائیں یا عقل چلی جائے یا روح نکل جائے یا وہ تمام چیزیں اس سے چھن جائیں جو دنیا میں اسے پسند ہیں۔ انسان انتہائی کمزور اور ضعیف ہے اگر خالق اسے زندہ رکھے تو وہ باقی رہے اور اگر موت دیدے تو فنا ہو جائے یعنی وہ ایک مملوک غلام کی طرح ہے جو نہ اپنی ذات پر کوئی اختیار رکھتا ہے اور نہ کسی دوسرے کی چیز پر اسے کوئی اختیار ہوتا ہے۔ اس عجز سے بڑھ کر اس کے لئے کیا ذلت ہو گی کاش! وہ اپنے نفس کو پہچان جائے اور نفس کی پہچان کے بعد اسے تکبر کیسے لائق ہے؟ یہ ہے انسان کی درمیانی حالت جس میں اسے غور کرنا چاہئے۔

مرنے کے بعد کیا ہو گا؟

جہاں تک انسان کے اَنجام اور آخِری ٹھکانے کا تعلق ہے تو وہ موت ہے جس کی طرف اس آیت مبارکہ

میں اشارہ کیا گیا ہے:

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ ترجمۂ کنزالایمان: پھر اسے موت دی پھر قبر میں رکھوایا پھر جب چاہا اسے باہر نکالا۔

(پ۳۰، عبس: ۲۱، ۲۲)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان سے اس کی رُوح، سَماعت، بَصارت، عِلْم، قُدرت، اِحساس، اِدراک اور حَرکت سَلْب کر لی جائے گی وہ پہلے ہی کی طرح بے جان و بے حرکت ہو جائے گا، صرف اس کے اعضاء اور صورت باقی رہ جائے گی جس میں کوئی حِسّ و حَرکت نہ ہو گی پھر اسے قبر میں رکھ دیا جائے گا جہاں وہ بدبودار اور ناپاک مردار کی شکل اختیار کرلے گا جس طرح وہ پہلے ناپاک نطفہ تھا پھر اس کے اعضاء قبر میں بوسیدہ ہو جائیں گے، اَجزا بکھر جائیں گے، ہڈیاں گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔ کیڑے اس کے بدن کو کھانے لگ جائیں گے، پہلے آنکھوں کے ڈھیلوں سے شروع کریں گے اور انہیں ختم کردیں گے پھر رخساروں پر حملہ آور ہوں گے اور انہیں صاف کردیں گے، کوئی جزوِ بدن ایسا باقی نہ بچے گا جو ان کیڑوں کے پیٹ میں جاکر نجاست نہ بنا ہو اور انسانی بدَن قبر میں ایسے مردار کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا جس کے قریب انسان تو کُجا حیوان بھی نہ پھٹکے۔ انسان کی سب سے بہتر حالت یہ ہے کہ جیسا پہلے تھا ایسا ہی ہو جائے یعنی خاک میں مل جائے پھر اس خاک سے برتن بنیں اور مکانات تعمیر ہوں اور یوں وہ موجود کے بعد مفقود ہو جائے گویا پہلے کبھی تھا ہی نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ خاک میں ملنے کے بعد اسی حال پر برقرار رہتا لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ اسے بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ سخت مصیبت کا سامنا کرے، اس کے اجزاء جمع ہوں گے جب وہ قبر سے نکلے گا تو قیامت کے ہولناک مَناظِر اس کے سامنے ہوں گے۔ وہ دیکھے گا کہ قیامت قائم ہے، آسمان پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکا ہے، زمین بدل گئی ہے، پہاڑ اڑتے پھر رہے ہیں، ستارے جھڑ پڑے ہیں، سورج کو گہن لگ گیا ہے، ماحول تاریک ہے، ہر طرف سخت فِرِشتے ہیں، دوزخ کے بھڑکنے کی آواز آرہی ہے، مجرم حسرت سے جنت کی طرف دیکھ رہا ہے اور نامۂ اعمال کھلا ہوا ہے۔ مجرم سے کہا جائے گا: اپنا اعمال نامہ پڑھو۔ وہ کہے گا ان اعمال ناموں میں کیا ہے؟ کہا جائے گا: دنیاوی زندگی جس پر تم نازاں وخوش تھے، تم پر دو نگراں فرشتے مقرر تھے جو تمہارا ہر چھوٹا بڑا قول اور فعل لکھا کرتے۔ تمہارا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب کچھ

ان اعمال ناموں میں لکھا ہوا ہے۔ تم بھول گئے مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہاری ایک ایک بات اور حرکت شمار کر رکھی ہے۔ حساب کے لئے آؤ اور جواب کے لئے تیار ہو جاؤ ورنہ عذاب کے لئے تیاری کر لو۔ یہ سنتے ہی اس کا دل مارے خوف کے لرز اٹھے گا حالانکہ ابھی اس کا اعمال نامہ کھلا بھی نہیں ہو گا اور نہ ہی اس نے اسے دیکھا ہو گا جب اسے دیکھے گا تو کہے گا ہائے افسوس! اس اعمال نامے میں تو سب کچھ موجود ہے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ اس میں لکھنے سے نہیں رہا۔ یہ ہے انسان کا آخری معاملہ، اسی کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ (پ۳۰، عبس: ۲۲) ترجمۂ کنزالایمان: پھر جب چاہا اسے باہر نکالا۔

تو جس شخص کا یہ حال ہو اسے تکبر کیسے زیب دے سکتا ہے؟ کیا وہ اپنی زندگی میں ایک لمحے کے لئے بھی خوش ہو سکتا ہے؟ چہ جائیکہ اِترائے اور غرور کرے۔ اس کی زندگی کا ابتدائی اور درمیانی حال واضح ہے اور اگر آخری حال بھی ظاہر ہو جائے تو مَعَاذَ اللہ وہ کتا یا خنزیر بننا پسند کرے گا تاکہ جانوروں کے ساتھ مٹی ہو جائے اور انسان ہونا پسند نہ کرے گا کہ اسے احکامات کی پابندی بجالانی ہو گی اور عذاب سہنا پڑے گا۔ اگر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں عذاب کا مستحق ہے تو اس سے خنزیر زیادہ اچھا ہے کیونکہ اس کا آغاز وانجام دونوں مٹی کی صورت میں ہیں، اسے نہ حساب کے مرحلے سے گزرنا پڑے گا اور نہ عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ علاوہ ازیں کتے اور خنزیر کو دیکھ کر لوگ راہِ فرار اختیار نہیں کرتے اس کے برعکس اگر وہ کسی گناہ گار دوزخی کو دیکھ لیں تو وہ اس کی وَحْشت اور ھَیْبَت ناک صورت کو دیکھ کر چیخ و پکار کرتے ہوئے دور بھاگ جائیں اور اگر وہ اس کی بدبو سونگھ لیں تو اس کی بدبو کے باعث مر جائیں اور اگر اس کے پینے کے مشروب کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں گرا دیا جائے تو اِن کا پانی مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہو جائے۔ یہ ہے انسان کا اُخروی انجام مگر جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ معاف فرمائے اور معافی یقینی نہیں۔ جس شخص کا انجام یہ ہو اسے تکبر کرنے کا کیا حق ہے؟ آخر وہ اپنے نفس میں کونسی ایسی چیز دیکھتا ہے جس کے باعث وہ اپنے لئے کسی فضیلت کا اعتقاد رکھتا ہے؟ کونسا ایسا بندہ ہے جس نے گناہ کیا ہو اور وہ سزا کا مستحق نہ ہوا ہو؟ مگر جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے فضل سے معاف کر دے اور اپنے لطف و کرم سے اس کے نقصان کو پورا فرما دے اور اس کی رحمت سے امید یہی ہے کہ وہ معاف کر دے گا وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کوئی شخص بادشاہ کا مجرم قرار پا کر ایک ہزار کوڑوں کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اسے قید خانے میں

ڈال دیا جاتا ہے پھر وہ شخص اس بات کے انتظار میں رہتا ہے کہ کب اسے لوگوں کے سامنے لاکر سزا دی جائے اور اسے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ بادشاہ اسے معاف کرے گا یا نہیں۔ تو اسے قید خانے میں کیسی ذلت اٹھانی پڑتی ہے تو کیا اس ذلت کے ہوتے ہوئے اسے دوسرے قیدیوں پر تکبر کرنے کا کوئی حق ہوتا ہے؟ گناہ گار مسلمان کے لئے دنیا قید خانے کی طرح ہے جس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا سزا کا مستحق ہوچکا ہے اور اسے اپنے انجام کا علم نہیں اور یہی بات اس کے غمگین اور خوف زَدہ ہونے اور ذلت ورسوائی کے لئے کافی ہے۔ یہ تکبر کا علمی علاج ہے جو تکبر کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتا ہے۔

عملی طریقۂ علاج:

تکبر کا عملی علاج اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کی مخلوق کے لئے عاجزی کرنے والوں کے اعمال پر ہمیشگی کرتے ہوئے عملاً عاجزی اختیار کرنا ہے۔ ہم نے نیک لوگوں کے احوال میں ان کے عاجزی والے اعمال پر روشنی ڈالی ہے اور رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اَحوال میں منقول ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم زمین پر بیٹھ کر کھانا تناوُل فرمایا کرتے اور فرماتے: اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ یعنی میں تو ایک بندہ ہوں ایسے کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ کھاتا ہے۔[1]

حضرت سیِّدُنا سلمان فارسی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے پوچھا گیا کہ آپ نیا لباس کیوں زیب تن نہیں فرماتے؟ فرمایا: "میں ایک غلام ہوں جس دن آزاد ہوجاؤں گا نیا کپڑا پہن لوں گا۔" آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنی اس بات میں آخرت کی آزادی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

صرف عاجزی والے اعمال جان لینے سے عاجزی کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ عاجزی کی تکمیل عمل سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اَہلِ عَرَب جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر تکبر کرتے تھے، ان کو ایمان اور نماز دونوں کا حکم دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ نماز دین کا ستون ہے اور نماز کو دین کا سُتُون کہنے کی وجہ اس کے کچھ اسرار ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ نماز عاجزی کا بہترین مظہر ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سامنے ہاتھ

[1] ...الزھد لابن مبارک، باب فضل ذکر اللہ، ص ۳۵۳، الحدیث: ۹۹۵

باندھ کر کھڑے ہونا رُکوع و سُجُود کرنا یہ سب وہ اعمال ہیں جن سے عاجزی کا اظہار ہوتا ہے۔ اہل عرب شروع ہی سے کسی کے سامنے جھکنے کو ناپسند کرتے تھے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی کے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو وہ اسے اٹھانے کے لئے جھکنا پسند نہیں کرتا تھا، اگر کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جاتا تو وہ اسے ٹھیک کرنے کے لئے اپنے سر کو جھکانا گوارا نہیں کرتا تھا۔ حضرت سیِّدُنا حکیم بن حِزام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے دَستِ اَقدس پر اس شرط پر بیعت کی کہ میں کھڑے کھڑے ہی رکوع و سجود کروں گا۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں اسی شرط پر بیعت فرمالیا۔[1] بعد میں جب حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ دین کو سمجھ گئے اور آپ کا ایمان کامل ہو گیا تو آپ نے اس طریقے کو ترک کر دیا۔

عربوں کے ہاں سجدہ کرنا نہایت ذِلّت ورُسوائی کا باعث تھا اس لئے انہیں سجدے کا حکم دیا گیا تاکہ اس کے ذریعے ان کا غرور و تکبر ختم ہو اور ان کے دلوں میں عاجزی پیدا ہو اور عام مخلوق کو بھی اس کا حکم دیا گیا کیونکہ اس کے ذریعے عاجزی پیدا ہوتی ہے۔

خُلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو اپنے نفس کی مَعْرِفَت حاصل ہو اسے دیکھنا چاہے کہ کون کون سے کام تکبر کا تقاضا کرتے ہیں پھر اپنے نفس کو ان کاموں کے برعکس کام کرنے کا عادی بنائے یہاں تک عاجزی اس کی فطرت میں شامل ہو جائے۔ دل اَچھے اَخلاق سے اس وقت تک مَوصُوف نہیں ہوتا جب تک علم و عمل دونوں سرچشمے سے اس کی آبیاری نہ ہو کیونکہ دل اور اعضاء کے درمیان ایک تعلق ہے اور عالَمِ ظاہر اور عالَمِ مَلَکُوت کے درمیان جو بھی ہے وہ مخفی ہے اور دل کا تعلق عالَمِ مَلَکُوت سے ہے۔

دوسرا طریقۂ علاج:

تکبر کا دوسرا علاج اُن سات اسباب کے متعلق ہے جن کا ذکر پیچھے ہوا اور ذَمُّ الْجَاہ کے بیان میں ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ کمالِ حقیقی، علم اور عمل ہے۔ علم و عمل کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فنا ہونے والا ہے، لہٰذا کمال حقیقی کے علاوہ جو کمال ہے وہ کمال وَہمی ہے تو اب ہم ان ساتوں اسباب کے متعلق علمی اور عملی دونوں طریقۂ علاج ذکر کرتے ہیں۔

1 ...السنن الكبرى للنسائی، كتاب التطبيق، باب كيف يخر للسجود، ١/ ٢٢٨، الحديث: ٦٧١

﴿1﴾... تکبُّر بالنسب کا علاج:

تکبر کا پہلا سبَب نَسَب ہے جو شخص نسب کی وجہ سے تکبر کرتا ہے وہ دو باتوں کی پہچان کے ذریعے اپنے دل کا علاج کرے۔

﴿...﴾ پہلی بات یہ ہے کہ دوسروں کے کمالات پر فخر کرنا جہالت ہے اسی لئے کہا گیا ہے:

لَئِنْ فَخَرْتَ بِآبَاءٍ ذَوِیْ شَرَفٍ لَقَدْ صَدَقْتَ وَلٰكِنْ بِئْسَ مَا وَلَدُوْا

ترجمہ: اگر تم اپنے شریف آباء و اَجداد پر فخر کرو تو تم اس بات میں سچے ہو لیکن جو اولاد انہوں نے جنی ہے وہ کتنی بُری ہے۔

نَسَب کے ذریعے تکبُّر کرنے والا اگر اپنی ذاتی صِفات کے اعتبار سے ناقِص ہے تو وہ دوسروں کے کمال سے اپنی کمی کس طرح دور کر سکتا ہے؟ بلکہ اگر کوئی شخص کسی زندہ آدمی کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر کے فخر کا اِظہار کرے تو اس زندہ آدمی کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے: فضیلت تو مجھے حاصل ہے تم کس بات پر اِتراتے ہو؟ تم تو میرے پیشاب سے پَرْوَرِش پانے والے کیڑے ہو، کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جو کیڑا انسان کے پیشاب سے پرورش پاتا ہے وہ گھوڑے کے پیشاب سے پرورش پانے والے کیڑے سے افضل ہے؟ نہیں ایسا کچھ نہیں ہے بلکہ وہ دونوں برابر ہیں اَصل شَرَف انسان کو حاصل ہے نہ کہ کیڑے کو۔

﴿...﴾ دوسری بات یہ ہے کہ اپنے حقیقی نَسَب کو پہچانے اور اپنے باپ اور دادا کا صحیح تعارُف حاصل کرے کیونکہ اس کا قریبی باپ ایک ناپاک نُطْفَہ تھا اور جدِّ بعید (دور کا دادا) مٹی سے تھا جو کہ حقیر ہے۔ اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انسان کو اس کے نسب کی پہچان کراتے ہوئے فرمایا:

اَلَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۚ﴿۸﴾ (پ۲۱، السجدۃ: ۷، ۸)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور پیدائشِ انسان کی ابتدا مٹی سے فرمائی پھر اس کی نسل رکھی ایک بے قدر پانی کے خلاصہ سے۔

تو جس کی اصل پاؤں میں روندی جانے والی حقیر مٹی ہو اور اس سے تیار ہونے والا انسانی خَمِیر سیاہ اور بدبودار ہو تو اسے یہ بات کیسے زیب دے سکتی ہے کہ وہ تکبر کرے کیونکہ جس کی طرف اس کی نِسبت ہے

(یعنی مٹی) وہ سب سے حقیر چیز ہے۔ جیسے اہلِ عَرَب کسی کی ذلت کے لئے کہتے ہیں: یَا اَذَلَّ مِنَ التُّرَابِ یعنی اے مٹی سے زیادہ ذلیل، یَا اَنْتَنَ مِنَ الْحَمَاَۃِ یعنی اے سیاہ کیچڑ سے بھی زیادہ بدبودار، یَا اَقْذَرَ مِنَ الْمُضْغَۃِ یعنی اے گوشت کے لوتھڑے سے بھی زیادہ گندے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مٹی کی طرف انسان کی نسبت بعید ہے تو ہم کہیں گے قریبی نسبت ہی دیکھ لی جائے وہ نُطفہ اور گوشت کا لوتھڑا ہے اسی لحاظ سے اپنے آپ کو حقیر سمجھے اور اگر قریب کے لحاظ سے کچھ رِفعَت ہوتی تو جدِّ اعلیٰ کی نِسبَت سے یہ رِفعَت باقی نہ رہتی۔ غور کیا جائے کہ نہ باپ کو نَسَب کی شرافت حاصل ہے اور نہ دادا کو پھر اولاد میں کہاں سے شرافت آگئی؟ مٹی انسان کی اصل ہے اور انسان نُطفے سے علیحدہ ہوا ہے۔ نہ اصل کو کوئی فخر حاصل ہے اور نہ فصل یعنی انسان کو کوئی بلندی، یہ ہے نسب کے حقیر ہونے کی علامت کہ انسان کی اصل پیروں تلے روندی جاتی ہے اور جس نطفے سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے وہ اگر بدن کو لگ جائے تو بدن دھویا جاتا ہے اور یہی انسان کا حقیقی نسب ہے جسے انسان پہچان لے تو وہ نسب پر تکبر نہیں کرے گا اور اس معرفت اور انکشافِ حقیقت کے بعد اس بات کو آپ مثال سے یوں سمجھیں جیسے کوئی شخص اپنے آپ کو ہاشمی سمجھتا ہے اور یہ بات اسے اس کے والدین نے بتائی ہے۔ وہ اسی نَسبی شرافت پر تکبر کرتا ہے کہ اچانک اسے کچھ ایمان دار لوگ جن کی صَداقت میں شک نہیں کیا جاسکتا اسے بتاتے ہیں کہ وہ ایک ہندوستانی حَجّام کا لڑکا ہے جو لوگوں کی گندگیاں صاف کرتا تھا اور اس بات کو وہ دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں جسے سن کر اسے یقین آجاتا ہے، تو کیا یہ معلوم ہونے کے بعد اس شخص کا تکبر باقی رہے گا؟ نہیں بلکہ وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ ذلیل ورُسوا سمجھنے لگے گا اور اپنی ذِلّت ورُسوائی کو جان کر اپنے آپ میں اس طرح گم ہوجائے گا کہ دوسروں پر تکبر کرنے کا اسے خیال ہی نہیں آئے گا۔ یہی حال اس عقل مند اور صاحبِ بصیرت شخص کا ہے جو اپنی اَصل میں غور و فِکر کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ میں مٹی، نطفے اور گوشت کے لوتھڑے سے تخلیق ہوا ہوں۔ جیسے ایک شخص اپنے آپ کو اس لئے کمتر سمجھتا ہے کہ اس کا باپ بھنگی ہے جو کوڑا کرکٹ اٹھاتا ہے یا پچھنے لگانے والا ہے جس کا ہاتھ لوگوں کے خون سے آلودہ ہوتا ہے یا کوئی ذلیل پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے تو شخص اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہے حالانکہ اس سے بھی زیادہ گری ہوئی بات یہ ہے کہ انسان خاک اور خون سے بنا ہے۔

﴿2﴾... حسن و جمال پر تکبُّر کا علاج:

تکبر کا دوسرا سبب حسن و جمال ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ عَقْل مندوں کی نظر سے اپنے باطن کو دیکھے، جانوروں کی طرح صِرْف اپنے ظاہر پر نظر نہ رکھے۔ چنانچہ جب وہ اپنے باطن کی طرف نظر کرے گا تو اسے اپنے اندر ایسی خرابیاں نظر آئیں گی جن کے باعث وہ اپنے حسن و جمال کو بھول جائے گا۔ وہ دیکھے گا کہ اس کے تمام اعضاء میں گندگیاں ہیں: پیٹ میں پاخانہ ہے، مثانے میں پیشاب ہے، ناک میں رینٹھ ہے، منہ میں تھوک ہے، کانوں میں میل ہے، رگوں میں خون ہے، جِلد کے نیچے پیپ ہے، بَغَل میں بدبو ہے، دن میں ایک یا دو مرتبہ پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے اسی طرح دن میں ایک یا دو مرتبہ قضائے حاجت کے لئے جاتا ہے اور اپنے اندر سے اس چیز کو نکالتا ہے جسے ہاتھ لگانا اور چھونا تو دور کی بات ہے دیکھ کر ہی کراہت محسوس ہوتی ہے، یہ اس کی درمیانی حالت ہے اور اس کی ابتدا کا عالَم یہ ہے کہ قدرت نے اسے ایک نہایت گندگی یعنی نطفے سے پیدا کیا اور حیض کے خون سے اس کی پَرْوَرِش کی اور گندگی کے مقام سے اسے نکالا۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے اسے مَرْد کی پیٹھ سے نکالا اور پھر اسے پیشاب کے مقام یعنی آلہ تَناسُل سے نکالا پھر اسے عورت کے رِحْم میں رکھا جہاں حیض کے خون سے اس کی پرورش ہوئی پھر اسے عورت کی شرم گاہ سے باہر نکالا۔

حضرت سیِّدُنا اَنَس بن مالِک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیِّدُنا ابو بکر صِدِّیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ ہمیں خِطاب فرماتے تو اس میں ہمارے نَفْسوں کی گندگی کی طرف تَوَجُّہ دلاتے اور فرماتے: ”تم پیشاب کے مقام سے دو بار نکلے ہو۔“ اسی طرح حضرت سیِّدُنا طاؤس رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے جب حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْعَزِیْز کو خلیفہ بننے سے پہلے اِترا کر چلتے دیکھا تو ان سے فرمایا: ”جس آدمی کے پیٹ میں پاخانہ ہو اس کی یہ چال نہیں ہوتی۔“

یہ ہے انسان کے اَوَّل واَوْسَط کا حال اگر انسان اپنی زندگی میں ایک دن صفائی ستھرائی اور طہارت کو چھوڑ دے تو اس سے بدبو آنے لگے اور ناپاکی ظاہر ہونے لگے اور وہ اُن جانوروں سے بھی زیادہ بدبُودار ہو جائے جو اپنی صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھتے۔ جب انسان اس بات پر غور کرے گا کہ اسے گندگی سے پیدا کیا گیا اور گندگیوں میں ٹھہرایا گیا اور عنقریب مرنے کے بعد وہ ایسے مُردار کی شکل میں تبدیل ہو جائے

گا جو ان سب سے بڑھ کر بدبودار ہو گا تو وہ کبھی اپنے حسن وجمال پر ناز نہیں کرے گا بلکہ وہ یہ سمجھے گا کہ یہ حسن وجمال تو گندگی کے ڈھیر پر اگنے والا سبزہ ہے یا جنگل کی کلیاں ہیں جو فی الحال اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن چند دنوں کے بعد جب ہوا چلے گی تو ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گی۔ بِالفَرض اگر انسان کا حسن وجمال پائیدار ہوتا اور وہ ان بُرائیوں سے خالی ہوتا تب بھی اسے کسی بدصورت انسان پر فخر کرنے کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ جس طرح اس کا حسن ذاتی نہیں اسی طرح بدصورت انسان کی بدصورتی بھی ذاتی نہیں۔ حسن والے کو ہر وقت یہ فِکر لگی رہتی ہے کہ کہیں کسی بیماری یا چیچک کے نشان یا پھوڑے پھنسی کے باعث اس کا حسن بدنما نہ ہو جائے، کتنے ہی حسین چہرے ان اَسباب کی وجہ سے بدصورت ہو چکے ہیں، لہٰذا انسان اگر ان اُمور کو پہچان لے تو اس کے دِل سے تکبُّر کی بیماری زائل ہو جائے۔

﴿3﴾... قوت وطاقت پر تکبر کا علاج:

تکبر کا تیسرا سبب قوت وطاقت ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ جو اَمراض اور بیماریاں انسان پر مُسلَّط کی جاتی ہیں ان میں غور وفِکر کرے کہ اگر اس کے ہاتھ کی ایک رَگ میں درد پیدا ہو جائے تو وہ تمام لوگوں سے زیادہ عاجز اور کمزور دکھائی دے۔ اگر ایک مکھی اس سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اسے واپس نہ لا سکے اور اگر ایک مچھر اس کے ناک میں داخل ہو جائے یا کوئی چیونٹی اس کے کان میں چلی جائے تو وہ اسے ہَلاک کر دے اور اگر اس کے پاؤں میں کوئی کانٹا چُبھ جائے تو وہ اسے چلنے سے عاجز کر دے۔ ایک دن کے بخار سے اس کی اتنی قوت زائل ہو جائے کہ برسوں کی غذا بھی اس کا تدارُک نہ کر سکے، لہٰذا جو شخص ایک کانٹا برداشت کرنے کی تاب نہ رکھتا ہو، ایک مچھر سے مقابلہ نہ کر سکتا ہو اور ایک مکھی سے اپنا دفاع کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے اپنے آپ پر نازاں ہونے کا کیا حق ہے؟ پھر انسان اگر طاقتور بھی ہو تو گدھے، گائے، ہاتھی یا اونٹ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتا تو جس صِفَت میں جانور اس سے آگے ہیں اس پر فخر کیسا؟

﴿5،4﴾... مال داری اور پیروکاروں کے سبب تکبر کا علاج:

تکبر کا چوتھا سبب مال داری اور پانچواں سبب پیروکاروں اور مددگاروں کی کثرت ہے۔ بادشاہوں کی طرف سے عطا کئے جانے والے منصبوں پر تکبُّر کرنا بھی اسی میں شامل ہے۔ ان دو سببوں کے ذریعے جو تکبر

ہوتا ہے وہ انسان کی ذات سے خارِج ہوتا ہے اور حسن وجمال، قوت اور علم کے سبب جو تکبر ہوتا ہے وہ انسان کی ذات سے خارج نہیں ہوتا۔ یہ دونوں اسباب تکبر میں سب سے بُرے ہیں کیونکہ جو شخص مال پر تکبر کرتا ہے وہ گویا اس شخص کی طرح ہے جو اپنے گھوڑے اور مکان پر تکبر کرتا ہے اب اگر اس کا گھوڑا مر جائے یا مکان گر جائے تو اس کا تکبر ختم ہو جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر رہ جائے گا۔ اسی طرح جو شخص بادشاہ کی طرف سے اختیارات پانے پر تکبر کرتا ہے وہ دوسرے کے بَل بوتے پر تکبر کر رہا ہوتا ہے اپنے کسی ذاتی وَصف کی بنا پر نہیں اور وہ ایسے دل پر اعتماد کر رہا ہوتا ہے جو ہانڈی سے بھی زیادہ جوش رکھتا ہے۔ اب اگر اس سے بادشاہ بد دل ہو جائے تو وہ تھوڑی دیر میں عزت دار سے ذلیل ورُسوا ہو کر رہ جائے گا۔ جو شخص خارِجی امور کی وجہ سے تکبر کرتا ہے وہ نِرا جاہل ہے جیسے مال داری پر تکبُّر کرنے والا آدمی اگر غور کرے تو دیکھے گا کہ کئی یہودی مال و دولت اور حسن وجمال میں اس سے بڑھ کر ہیں تو ایسے شَرَف پر تُف ہے جس میں یہودی اس سے بڑھ کر ہیں اور ایسی فضیلت پر افسوس ہے جسے چور ایک لمحے میں چُرا لے جائے اور وہ ذلیل و مُفْلِس ہو کر رہ جائے۔ یہ وہ اسباب ہیں جو انسان کی ذات میں داخل نہیں ہوتے اور دائمی بھی نہیں ہوتے بلکہ آخرَت میں وَبال اور عذاب کا باعث بنتے ہیں، لہٰذا ان اوصاف پر فخر کرنا انتہائی جہالت ہے اور پھر یہ کہ یہ چیزیں انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اختیار میں ہیں، جس نے یہ اَوصاف عطا کئے ہیں اس کی مرضی ہے چاہے تو ان اَوصاف کو باقی رکھے اور چاہے تو سَلْب کر لے اور انسان تو ایک مَمْلُوک غلام کی مانند ہے جو کسی چیز کا مالک نہیں۔ جو آدمی اس بات کو سمجھ لیتا ہے، اس کا تکبر ضرور دور ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے غَفْلَت میں مبتلا کوئی شخص اپنی قوت، حُسن، مال، آزادی، خود مختاری، مکانات کی وُسْعَت، سُواریوں اور غلاموں کی کثرت پر تکبر کرتا ہے کہ اچانک دو قابل اعتماد گواہ ایک انصاف پسند حاکم کے پاس یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص فلاں کا غلام ہے اور اس کے ماں باپ بھی اس شخص کے غلام تھے۔ یہ سن کر حاکم فوری طور پر اس کے مالک کو اِطِّلاع کر دیتا ہے، اب اس کا مالک آکر اسے بھی اور اس کے تمام مال ومتاع کو بھی لے لیتا ہے، اپنا سب کچھ کھونے کے باوُجود اس شخص کو یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ کہیں مال میں کمی زِیادَتی کرنے کے سبَب اور اصل مالک کو اِطِّلاع نہ دینے کی وجہ سے اسے سزا نہ ملے، پھر غلام یہ دیکھتا ہے کہ اسے سزا کے طور پر ایسے مکان میں بند کر دیا گیا ہے جہاں

سانپ، بچھو اور کیڑے مکوڑے ہیں وہ ہر لمحے جان کی ہلاکت کے اندیشے میں مبتلا ہے، نہ اپنی جان کا مالک ہے، نہ کسی مال کا اختیار رکھتا ہے اور نہ اپنی نجات کی کوئی تدبیر جانتا ہے۔ کیا تمہارے خیال میں ایسا شخص جس کا یہ حال ہو اپنی قدرت، دولت، قوت اور کمال پر فخر کرے گا یا اپنے نفس کو ذلیل سمجھے گا اور عاجزی کا اظہار کرے گا؟ ہر عقل مند اور صاحبِ بصیرت کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے نہ میں اپنا مالک ہوں، نہ اپنے بدن کا، نہ اعضاء کا اور نہ اپنے مال کا اور پھر یہ کہ وہ آفات، خواہشات اور بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے جن سے سانپ اور بچھوؤں کی طرح ہلاکت کا خوف ہوتا ہے۔ تو جس کا یہ حال ہو وہ اپنی قوت اور طاقت پر تکبر نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسے قدرت حاصل ہے نہ قوت۔ یہ خارجی اسباب کے ذریعے تکبر کا علاج تھا جو کہ علم و عمل کے ذریعے تکبر کے علاج کے مقابلے میں آسان ہے کیونکہ علم و عمل دونوں نفسانی کمال ہیں جن پر خوش ہونا ایک اعتبار سے صحیح بھی دکھائی دیتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک قسم کی پوشیدہ جہالت ہے کہ آدمی اپنے علم و عمل پر تکبر کرے جیسا کہ عنقریب ہم اس کا ذِکر کریں گے۔

﴿6﴾... علم پر تکبر کا علاج:

چھٹا سبب علم کے ذریعے تکبر کرنا ہے۔ یہ ایک بڑی آفت اور ایسی بیماری ہے جس کا علاج بہت مشکل ہے، اس مَرَض کے ازالے کے لئے زبردست محنت اور جد جہد کرنی پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کی قدر جس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کے یہاں عظیم ہے اسی طرح بندوں کے نزدیک بھی عظیم ہے، علم کی قدر و منزلت مال و جمال کی قدر و منزلت سے بڑھ کر ہے بلکہ مال اور جمال کے ساتھ علم و عمل نہ ہو تو مال و جمال ہی بے قدر ہیں۔ اسی لئے حضرت سَیِّدُنا کَعْبُ الْاَحْبار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: ”جس طرح مال کے سبب سرکشی ہوتی ہے اسی طرح علم کے سبب بھی سرکشی ہوتی ہے۔“ امیر المؤمنین حضرت سَیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ”عالِم کی لَغزِش عالَم کی لغزش ہے۔“

اسلام میں عالِم کے اس قدر فضائل ہیں کہ جسے دیکھ کر کوئی بھی عالِم جاہل کے مقابلے میں اپنے آپ کو کمتر خیال نہیں کرے گا بلکہ خود کو اس سے عظیم ہی خیال کرے گا، لہٰذا عالِم اگر اپنے آپ سے تکبر کو دور کرنا چاہتا ہے تو وہ دو چیزوں کے ذریعے تکبر کو دور کر سکتا ہے:

⊛...**پہلی چیز:** یہ ہے کہ وہ یہ جانے کہ عالم پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی حُجَّت سب سے زیادہ ہے، جاہل کے جس گناہ سے چشم پوشی کی جاتی ہے عالم سے اس کے دسویں حصے کو بھی برداشت نہیں کیا جاتا کیونکہ جو شخص علم و معرفت کے باوجود اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کرتا ہے وہ ایک بڑے جُرم کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جرم یہ ہے کہ اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عطا کردہ نِعْمَتِ عِلْم کا حق ادا نہیں کیا۔ اسی لئے رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: "قیامت کے دن ایک عالم کو لایا جائے گا اور اسے آگ میں ڈالا جائے گا، آگ میں اس کی آنتیں نکل پڑیں گی اور وہ ان کے گرد ایسے چکر لگائے گا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے، جہنمی اس کے پاس آئیں گے اور پوچھیں گے: تجھے کیا ہوا؟ وہ کہے گا: میں نیکی کا حکم دیتا مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا اور برائی سے منع کرتا مگر خود اس کا اِرتکاب کرتا تھا۔"[1] اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بے عمل عالِم کو گدھے اور کُتّے کے ساتھ تشبیہ دی ہے چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ

(پ۲۸، الجمعۃ: ۵)

ترجمۂ کنزالایمان: ان کی مثال جن پر توریت رکھی گئی تھی پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے۔

اس آیت میں مراد یہود کے عُلَما ہیں اور بَلْعَم بن باعُوراء کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ؕ

(پ۸، الاعراف: ۱۷۵، ۱۷۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اے محبوب انہیں اس کا احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا تو شیطان اسکے پیچھے لگا تو گمراہوں میں ہو گیا اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اسے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کُتّے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: "بَلْعَم کو کتابُ اللہ کا علم دیا گیا تھا مگر پھر

---

[1] ...مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب عقوبة من یامر بالمعروف... الخ، ص ۱۵۹۵، حدیث: ۲۹۸۹ بتغیر

بھی اس نے دنیاوی خواہشوں کو ترجیح دی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے کتے سے تشبیہ دی کہ جب کوئی اس پر حملہ کرتا ہے تو زبان نکالتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے تو بھی زبان نکالتا ہے۔" یعنی اسی طرح یہ بَلْعَم بھی ہے کہ اسے حکمت دی جائے یا نہ دی جائے یہ خواہشات کی پیروی نہیں چھوڑے گا۔ ایک عالم کے لئے یہی خطرہ بہت بڑا ہے (کہ وہ خواہشات کی پیروی کرے)۔ چنانچہ آج ایسا کونسا عالم ہے جو اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا؟ اور کونسا ایسا عالم ہے جو ایسی نیکی کے کرنے کا حکم نہیں دیتا جس پر وہ خود عمل نہیں کرتا؟

جب کسی عالم کو جاہل کے مقابلے میں اپنی قدر و منزلت زیادہ معلوم ہو تو اسے اُس عظیم خطرے کے بارے میں سوچنا چاہئے جو اس کے درپے ہے کیونکہ اسے جو خطرہ لاحق ہے وہ دوسروں کے خطروں سے بڑا ہے جس طرح دوسروں کے مقابلے میں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہے۔ اس کی مثال آپ یوں سمجھیں جیسے ایک بادشاہ ہے جسے اپنے ملک میں دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے بہت زیادہ خطرہ لاحق ہے، اب اگر اسے گرِفتار کرلیا جائے اور ظُلم و سِتَم کا نشانہ بنایا جائے تو وہ یہی خواہش کرے گا کہ کاش میں فقیر ہوتا۔ اسی طرح بہت سے (بے عمل) علما قیامت کے دن اس بات کی خواہش کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں جاہل ہی رہتے تو آج جاہلوں کی طرح (جلد) سلامتی حاصل کرلیتے وَالْعِیَاذُ بِاللہِ مِنْہُ (ہم اس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ مانگتے ہیں) یہ خطرہ بھی تکبر سے روکتا ہے کہ آدمی اس بات میں غور و فکر کرے کہ اگر وہ جہنمی ہوگا تو خنزیر سے بھی بدتر ہو جائے گا اور جس کا یہ حال ہو وہ کیونکر تکبر کرے گا؟ پھر یہ بھی ہے کہ عالم اپنے آپ کو صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے بڑھ کر تو نہیں جان سکتا حالانکہ صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا یہ حال ہوتا کہ ان میں سے کوئی یوں فرماتے: "کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔" کوئی زمین سے تنکا اٹھا کر یہ فرماتے: "اے کاش! میں یہ تنکا ہوتا۔" کوئی یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے: "کاش! میں پرندہ ہوتا جسے کھالیا جاتا ہے۔" اور کوئی یہ کہتے ہوئے نظر آتے: "کاش! میرا ذکر ہی نہ ہوتا۔" یہ تمام باتیں صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان خوفِ آخرت کے باعث کرتے (باوجود بلند مرتبہ ہونے کے) وہ اپنے آپ کو پرندے اور مٹی سے بھی کم درجہ سمجھتے۔ اگر آدمی آنے والے خطرے پر غور کرلیا کرے تو اس میں تکبر کا ذرا بھی حصہ باقی نہ رہے اور وہ اپنے آپ کو مخلوق میں سے سب سے بُرا سمجھنے لگے۔ اس کی مثال آپ یوں سمجھیں جیسے ایک غلام ہے جسے اس کے آقا نے چند کاموں کا

حکم دیا، اس نے وہ کام شروع تو کئے لیکن ان میں سے بعض چھوڑ دیئے، بعض میں نقصان کر دیا اور بعض کام انجام تو دے دیئے لیکن ان کے بارے میں اسے شک ہے کہ آیا اس نے وہ کام آقا کی مرضی کے مطابق کئے ہیں یا نہیں؟ اسی اثناء میں کسی نے اسے خبر دی کہ تیرے مالک نے تیری طرف ایک قاصِد بھیجا ہے کہ وہ جو کچھ تیرے پاس ہے اسے تجھ سے لے کر اور تجھے ذلیل کر کے مالک کے دروازے پر ڈال دے گا جہاں تو کافی دیر تک دھوپ میں پڑا رہے گا اور جب تو خوب پریشان ہو جائے گا تو مالک تیرا حساب دیکھے گا اور جتنے کام کئے ہیں وہ کم ہیں یا زیادہ ان کی تفتیش ہو گی پھر تنگ قید خانے اور دائمی سزا کا حکم ہو گا جہاں تو ایک گھڑی بھی آرام نہیں پائے گا۔ نیز اس غلام کو یہ بھی معلوم ہو کہ اس کا مالک کئی دوسرے غلاموں کے ساتھ یہ سُلُوک کر چکا ہے اور بعض کو مُعاف بھی کیا ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہو گا۔ جب آدمی اس مثال میں غور کرے گا تو اس کا تکبر خَتْم ہو جائے گا اور اس کا غُرور خاک میں مل جائے گا نیز خوف و غم اس پر ظاہر ہو جائیں گے پھر وہ مخلوق میں سے کسی پر تکبر نہیں کرے گا بلکہ وہ اس امید پر عاجزی کا اظہار کرے گا کہ شاید سزا کے وقت یہ شخص میری سفارش کرنے والوں میں سے ہو۔ اسی طرح ایک عالِم جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کے احکام کے سلسلے میں اپنے عمل پر غور و فکر کرتا ہے تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس نے کتنے اَحکامِ خداوندی کی ظاہری اعضاء کے ذریعے مُخالَفت کی اور باطِنی گناہ رِیا، کینہ، حَسَد، خود پسندی اور مُنافَقت وغیرہ میں کس قدر مبتلا رہا اور پھر وہ اس عظیم خطرے کو بھی دیکھتا ہے جو اس کے درپے ہے تو یہ دیکھ کر وہ لازماً تکبر سے بچ جاتا ہے۔

❁...**دوسری چیز:** جس کا جاننا تکبر کے ازالے کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ عالِم اس بات کو جانے کہ بڑائی تو صِرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کے شایانِ شان ہے، لہٰذا اگر وہ تکبر کرے گا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غَضَب کا مستحق ٹھہرے گا۔ پھر یہ بھی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے عاجزی کو پسند کرتا ہے اور اس سے فرماتا ہے: "میرے نزدیک تم اس وقت تک قدر و منزلت والے ہو جب تک اپنے آپ کو قدر والا نہ سمجھو، اگر تم خود کو قدر و منزلت والا سمجھو گے تو میرے نزدیک تمہاری کوئی قدر و منزلت نہیں ہو گی۔" لہٰذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفس کو اس بات کا پابند بنائے جس پر اس کا مالِک عَزَّوَجَلَّ راضی ہو۔ یہ بات اس کے دل سے تکبر کو دور کر دے گی اگرچہ اسے اس بات کا یقین یا گمان ہو کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اسی وجہ سے حضرات انبیائے کرام

عَلَیْہِمُ السَّلَام تکبر سے دور رہے کیونکہ انہیں معلوم تھا جو شخص تکبر کے سلسلے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے جھگڑتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اسے تباہ وبرباد کر دیتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں کے متعلق عاجزی کا اظہار کریں تا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں بلندی عطا فرمائے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کوئی یہ کہے کہ جس شخص کا فِسق ظاہر ہو اور وہ بِدعتی بھی ہو تو ایسے شخص کے سامنے ایک عالِم وعابِد کیسے عاجزی کا اظہار کرے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے جو علم وعبادت کے ذریعے فضیلت دی ہے اس سے کس طرح انکار کرے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے دل پر علم کا خطرہ گزرے اور بدعت اور فسق کا خطرہ نہ گزرے جو علم کے خطرے سے بہت بڑا ہے۔ تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ خاتمے کے خطرے پر غور وفکر کرنے سے مُعْتَرِض کا یہ اِعتراض دور ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ کسی کافر کی طرف بھی نظر کرے گا تو اس پر بھی تکبر نہیں کرے گا بلکہ یہ خیال کرے گا کہ ممکن ہے یہ مسلمان ہو جائے اور اس کا خاتِمہ ایمان پر ہو اور میں گمراہ ہو جاؤں اور میرا خاتمہ برا ہو، اس خوف کے باعث وہ کسی کافر سے بھی تکبر نہیں کرے گا۔ حقیقت میں بڑا وہی ہے جو اُخروی لحاظ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں بڑا ہے اور کتا اور خِنْزِیر اس شخص سے بہتر ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک جہنمی ہے اور اسے اس کی خبر نہیں۔ کتنے ہی مسلمان ایسے تھے جنہوں نے امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو ان کے اسلام لانے سے پہلے ان کے کُفر کی وجہ سے حقارت کی نظر سے دیکھا تھا اور جب اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں اسلام کی دولت سے مالا مال کیا تو وہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے علاوہ تمام مسلمانوں پر فَوقِیَّت لے گئے۔ معلوم ہوا کہ انجام عام بندوں سے پوشیدہ ہوتا ہے لیکن عقل مند شخص ہمیشہ اپنے انجام کی فکر رکھتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ دنیا میں تمام فضائل کا مقصود آخرت ہی ہے۔

تکبر سے بچنے کا آسان طریقہ:

بندے کو چاہئے کہ کسی پر تکبر نہ کرے بلکہ اگر وہ کسی جاہل کو بھی دیکھے تو دل میں کہے: ”اس نے جہالت کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی ہے اور میں نے علم ہونے کے باوجود خدا عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی ہے، لہٰذا میرے مقابلے میں اس کا عُذر زیادہ قابلِ قبول ہے۔“ جب کسی عالم کو دیکھے تو یوں کہے: ”یہ ان

باتوں کا علم رکھتا ہے جن کا مجھے علم نہیں، لہٰذا میں کس طرح اس کی برابری کر سکتا ہوں۔" اگر کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو عمر میں اس سے بڑا ہو تو کہے: "اس نے مجھ سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اِطاعت و فرماں برداری کی ہے تو میں کیسے اس کے برابر ہو سکتا ہوں۔" اگر کسی چھوٹے پر نظر پڑے تو یوں کہے: "میں نے اس سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کی ہے تو میں کیسے اس کے مِثْل ہو سکتا ہوں۔" اگر کسی کافِر یا بدعقیدہ پر نظر پڑے تو یوں کہے: "ممکن ہے اس کا خاتمہ اسلام پر ہو اور میرا خاتِمہ اس بات پر ہو جس پر یہ اس وقت ہے کیونکہ ابتدا ہدایت کا ملنا جس طرح میرے اختیار میں نہیں اس طرح اس کا باقی رہنا بھی میرے اختیار میں نہیں۔"

جب آدمی اپنے خاتمے کو پیشِ نظر رکھے گا تو وہ اپنے آپ سے تکبر کو دور کرنے پر قادِر ہو سکے گا اور یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اس بات پر یقین رکھے کہ آدمی کا کمال یہی ہے کہ آخرت کی سعادت اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قُرب حاصل کرے، دنیا کی فانی چیزوں میں کوئی کمال نہیں۔ یقیناً خاتمے کا خطرہ متکبر اور مُتَکَبَّرٌ عَلَیْہ (یعنی جس پر تکبر کیا جائے) دونوں کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا ان میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنے نفس کی فِکر میں اور اپنے دل کو اَنجام کے خوف میں مشغول رکھے، دوسروں کے خوف میں مشغول نہ رکھے کیونکہ خوف زدہ آدمی بدگمانی کے باعث تکلیف اُٹھاتا ہے اور ہر انسان کو اپنے نفس کی فکر ہوتی ہے۔ مثلاً چند شخصوں کو کسی جُرم میں قید کر دیا جائے اور ان سب کی گردن مارنے کا حکم دے دیا جائے تو یقیناً انہیں ایک دوسرے پر تکبر کرنے کی فُرصت نہیں ملے گی کیونکہ انہیں ایک جیسا خطرہ اور فکر لاحق ہے جس کے باعث وہ دوسرے کی طرف مشغول نہیں ہوتے گویا ہر ایک مصیبت اور خطرے میں مبتلا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کہ بدعقیدہ اور فاسِق سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے بُغْض رکھنے کا حکم دیا گیا ہے تو ان کے سامنے عاجزی کیسے کی جائے کیونکہ بُغْض اور عاجزی دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جو جمع نہیں ہو سکتیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معاملہ اکثر لوگوں پر مُشْتَبِہ ہے کیونکہ بِدْعَت اور فِسْق کارد کرتے ہوئے کبھی عُلَما و عابِدین پر اپنے نفس اور عِلم و تقویٰ کا غُرور غالب آ جاتا ہے۔ کتنے ہی جاہِل عابِد اور مَغْرُور عالِم ایسے ہیں کہ جب وہ کسی فاسق کو اپنے قریب بیٹھا دیکھتے ہیں تو اسے دور کر دیتے ہیں اور اپنے باطنی تکبر کے باعث اس کا اپنے قریب بیٹھنا ناپسند کرتے

ہیں۔ ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے اس پر غُصّہ کیا ہے جیسا کہ اس کے متعلق بنی اسرائیل کے ایک عابد اور نافرمان کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس معاملے میں تکبر کے مُشْتَبَہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک آدمی پر تکبر کرنا ظاہر ہے کہ بُرا ہے اور اس سے بچنا بھی ممکن ہے لیکن فاسق اور بدعتی پر تکبر کرنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے اس پر غصہ کرتا ہے اور چونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خاطر غصہ کرنا اچھا ہے لہٰذا وہ اسے صحیح جان رہا ہوتا ہے نیز جو آدمی کسی پر غصہ کرتا ہے تو اس پر تکبر بھی کرتا ہے اور تکبر کرنے والے کو غصہ بھی آتا ہے یعنی تکبر اور غصہ دونوں ایک دوسرے کا نتیجہ ہیں اور ان دونوں کے درمیان ایسا اِخْتِلاط ہے کہ وہی لوگ ان میں اِمتِیاز کرسکتے ہیں جن کو تَوفِیقِ خُداوندی حاصل ہو۔

نیکی کی دعوت دیتے وقت تکبر سے بچانے والی باتیں:

اس وقت تکبر سے نجات پانے کا طریقہ یہ ہے کہ جب تم کسی بدعتی یا فاسق کو دیکھو یا انہیں نیکی کی دعوت دو اور بُرائی سے مَنْع کرو تو تین باتیں ذِہْن نشین رکھو:

❁...**پہلی بات:** یہ ہے کہ تم اپنے سابِقہ گناہوں اور خطاؤں کی طرف نَظَر کرو جو تم سے سَرزَد ہو چکی ہیں تاکہ تم خود اپنی نظروں میں حقیر ہو جاؤ۔

❁...**دوسری بات:** یہ کہ جن باتوں کی وجہ سے تمہیں ان پر فضیلت حاصل ہے مثلاً: علم، صحیح عقیدہ اور عمل صالح تو ان کے متعلق یوں تَصَوُّر کرو کہ تمہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ نِعْمَتیں عطا فرمائی ہیں، لہٰذا یہ اس کا اِحسان ہے اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں۔ جب تم یہ خَیال کرو گے تو تم خود پسندی سے محفوظ ہو جاؤ گے اور جب تم خود پسندی سے محفوظ ہو جاؤ گے تو تکبر سے بھی بچ جاؤ گے۔

❁...**تیسری بات:** یہ ہے کہ نہ تمہیں اپنے انجام کی خبر ہے نہ اس کے انجام کی جس پر تم تکبر کر رہے ہو۔ ممکن ہے کہ تمہارا خاتِمہ اچھا نہ ہو اور اس کا خاتمہ اچھا ہو۔

یہ تین باتیں پیشِ نَظَر رکھنے سے تم تکبر سے بچ جاؤ گے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر تم کہو کہ میں جب ان باتوں کا لحاظ رکھوں گا تو فاسِق وبدعَتی پر غُصّہ کیسے کروں گا؟ تو اس کا جواب

یہ ہے کہ تمہیں اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کے لئے غصہ کرنا چاہئے کہ اس نے تمہیں اپنے لئے غُصّہ کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ اپنے نفس کے لئے اور جب تمہیں کسی بدعتی یا فاسق پر غصہ آئے تو اس وقت یہ تصوُّر نہ کرو کہ تم نجات پا جاؤ گے اور وہ ہلاک ہو جائے گا بلکہ تمہیں اپنے نفس پر ان گناہوں کا خوف ہونا چاہئے جو تم سے مخفی ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں جانتا ہے اور اس سے بڑھ کر تمہیں یہ خوف ہونا چاہئے کہ معلوم نہیں تمہارا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا نہیں۔ اسے ہم ایک مثال کے ذریعے سمجھاتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے غصہ کرنے کا یہ مطلَب نہیں کہ جس پر غصہ کیا جائے تم اس پر تکبر کرو اور خود کو اس پر فائق سمجھو۔ مثلاً اگر کسی بادشاہ کا ایک غلام ہو اور اس کا ایک لڑکا بھی ہو جو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، اس نے غلام کو لڑکے کی تعلیم و تربِیَت پر مُقرَّر کر دیا اور اسے حکم دیا کہ جب وہ بے اَدَبی کرے تو وہ غلام اسے مارے اور اس پر غصہ کرے۔ اگر غلام کو اپنے آقا سے محبت ہو گی اور وہ اپنے آقا کا مُطیع و فرمانبردار ہو گا تو جب وہ لڑکے کو بے ادبی کرتا دیکھے گا اسے سزا دینے سے نہیں ڈرے گا، وہ اس پر اپنے آقا کی رِضا جوئی کی خاطر غصہ کھائے گا اور اس کے حکم کی تعمیل میں ایسا کرے گا نیز اس سے اس کا مقصد یہ بھی ہو گا کہ اپنے آقا کی فرمانبرداری کر کے اس کا قُرب حاصل کرے۔ لہٰذا وہ لڑکے پر غصہ تو کرے گا لیکن اس پر تکبر نہیں کرے گا بلکہ کے ساتھ عاجزی سے پیش آئے گا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کے آقا کے نزدیک اس کے بیٹا کی قدر مجھ سے کئی گنا زیادہ ہے کیونکہ بیٹا بَہر حال نوکر سے زیادہ عزیز اور محبوب ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ تکبر کا ہونا اور تواضُع کا نہ ہونا غصے کے لئے ضروری نہیں، لہٰذا تمہارے لئے ممکن ہے کہ تم بدعَتی اور فاسِق کو دیکھو اور یہ گمان کرو کہ ہو سکتا ہے آخرت میں یہ دونوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں عَظمت والے ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ تقدیر میں ان کے لئے اچھا خاتِمہ لکھ دیا گیا ہو اور تمہارے لئے برا اور تمہیں اس کی خبر نہ ہو۔ پھر یہ بھی کہ تم اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کی رِضا کی خاطر اس کے حکم کی تعمیل کر رہے ہو کہ تمہارا غصہ بدعتی اور فاسق لوگوں پر اس سبب سے ہے کہ ان لوگوں سے ایسے اعمال صادر ہو رہے ہیں جو ربّ عَزَّوَجَلَّ کو ناپسند ہیں، لہٰذا اس سبب سے تم ان پر غصہ کر رہے ہو لیکن اس کے باوجود ان سے اس امید پر عاجزی بھی اختیار کر رہے ہو کہ ہو سکتا ہے وہ قیامت کے دن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں تم سے زیادہ قُرب والے ہوں۔

عُلَما اور اَہل بصیرت کا بُغض:

علما اور اہلِ بصیرت کا بُغض اسی طرح ہوتا ہے کہ اس میں خوف اور تواضُع کی آمیزِش ہوتی ہے لیکن مغرور آدمی کا مُعاملہ بَرعکس ہوتا ہے کہ وہ تکبر کرتا ہے اور دوسروں کے مقابَلے میں اپنے لئے امید زیادہ رکھتا ہے اور انجام سے بے خبر رہتا ہے اور یہ غُرور کی انتہا ہے، لہٰذا جو آدمی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نافرمانی کرتا ہے یا غَلَط عقیدہ رکھتا ہے اس پر غصہ کرنے کے ساتھ ساتھ عاجزی اختیار کرنے اور اس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم کے سبَب کنارہ کشی اختیار کرنے کا یہ طریقہ ہے۔

﴿7﴾... عبادت پر تکبُّر کا علاج:

تکبر کا ساتواں سبب تقوٰی اور عبادت پر تکبر کرنا ہے۔ یہ بھی بندوں کے لئے بہت بڑا فِتنہ ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ لوگوں کے لئے دل میں عاجِزی کو لازِم کرے یعنی اس بات کو جان لے کہ جو شخص علم کی وجہ سے اس پر فضیلت رکھتا ہے مجھے اس پر تکبر نہیں کرنا چاہئے خواہ وہ عَمَل میں کیسا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ عِلْم کی فضیلت بہت بڑی ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (پ۲۳، الزمر: ۹)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔

رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَى رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِي یعنی عالِم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت میرے صحابہ میں سے ادنیٰ شخص پر ہے۔[1]

اس کے علاوہ بہت سی آیات اور احادیث عِلْم کی فضیلت میں وارِد ہوئی ہیں۔

سوال جواب:

سوال: اگر تم کہو کہ یہ فضائل تو با عَمَل عالِم کے بارے میں ہیں اس میں بے عَمَل گناہ گار عالِم کہاں داخل ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارے پیشِ نظر یہ آیت نہیں:

[1] ...سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة، ۴/ ۳۱۳، حدیث: ۲۶۹۴

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِؕ (پ۱۲،ھود:۱۱۴) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک نیکیاں بُرائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اور عِلْم جس طرح عالِم کے خِلاف حُجَّت بن سکتا ہے اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عِلْم اس کے لئے وسیلۂ نجات اور اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے اور یہ دونوں باتیں ممکن ہیں جیسا کہ روایات میں ان کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا جب عابد کو یہ معلوم نہیں کہ عالم کے ساتھ کیا سُلُوک ہو گا تو اس کے لئے جائز نہیں کہ کسی عالم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے بلکہ اس پر واجب ہے کہ عالم کے لئے عاجزی اختیار کرے۔

سوال: اگر تم کہو کہ جب بات یوں ہے تو عالم کو چاہئے کہ اپنے آپ کو عابد سے بلند سمجھے کیونکہ رسولِ اکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: "عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت میرے صحابہ میں سے ادنی شخص پر ہے۔"[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات اس صورت میں ممکن ہوتی جب عالم کو اپنے خاتمے کا علم ہوتا، جب عالم کو اپنے خاتمے کا علم ہی نہیں تو اسے فخر کرنے کا کیا حق؟ ممکن ہے کہ موت کے وقت اس کی حالت جاہل فاسق سے بھی زیادہ بُری ہو مثلاً: اس سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جائے جسے وہ معمولی خیال کر رہا ہو لیکن وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں بہت بڑا ہے جس کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے ناراض ہو جائے۔ جب یہ بات ممکن ہے تو اسے اپنے بارے میں ڈرتے رہنا چاہئے۔

جب عالِم وعابِد میں سے ہر ایک کو اپنے نَفْس پر خوف ہے اور انہیں اپنے نفس کا مکلَّف بنایا گیا ہے دوسرے کا نہیں تو چاہئے کہ عالِم اور عابد اپنی ذات سے متعلق خوف اور دوسروں کے متعلق اُمید غالب رکھیں۔ یہ بات انہیں ہر حال میں تکبر کرنے سے روکے گی۔ یہ عابد کے عالِم پر تکبُّر کرنے سے بچنے کی صورت تھی۔

مستورُ الحال اور مکشوفُ الحال:

جہاں تک غیر عالِم پر تکبُّر کرنے سے بچنے کا تعلُّق ہے تو عام لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں: (۱) مستورُ الحال (یعنی جس کا حال پوشیدہ ہو) (۲) مکشوفُ الحال (یعنی جس کا حال معلوم ہو)۔

مستورُ الحال پر تکبر نہیں کرنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ عابد کے مقابلے میں اُس کے گناہ کم ہوں اور عبادت

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة، ۴/ ۳۱۴، الحدیث: ۲۶۹۴

زیادہ ہو اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے زیادہ محبت رکھتا ہو۔ جہاں تک مکشوفُ الحال کی بات ہے تو اس پر بھی تکبر نہیں کرنا چاہئے اور یوں نہیں کہنا چاہئے کہ اس کے گناہ مجھ سے زیادہ ہیں کیونکہ اس کے عمر بھر کے گناہ یا عابد کے زندگی بھر کے گناہ کا شمار نہیں ہو سکتا تو یہ کیسے معلوم ہو گا کہ کس کے گناہ زیادہ ہیں۔ البتہ یہ بات ممکن ہے کہ کسی کے گناہ عابد کے مقابلے میں بڑے ہوں مثلاً وہ قاتل، شرابی یا زانی ہے لیکن پھر بھی عابد کو تکبر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ باطنی گناہ بھی کچھ کم نہیں ہوتے مثلاً تکبر، حسد، ریا، کینہ، باطل عقیدہ اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صفات میں وسوسہ اور خطا کا تصور یہ سب گناہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں بہت سخت ہیں۔

بعض اوقات عبادت گزار آدمی کے دل میں ایسے پوشیدہ گناہ ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب کا مستحق بن جاتا ہے اور بسا اوقات جس کا فسق ظاہر ہوتا ہے اس کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت، اخلاص، خوف اور تعظیم جیسی اچھی صفات موجود ہوتی ہیں جو عابد کے دل میں نہیں ہوتیں اور ان صفات کو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے گناہوں کا کفّارہ بنا دیتا ہے اور ان سب باتوں کا قیامت کے دن اندازہ ہو گا۔ چنانچہ عابد کو چاہئے کہ وہ عام شخص کو بھی اپنے آپ سے بلند دَرَجہ سمجھے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ عام شخص اس سے فضیلت میں بڑھ جائے، لہٰذا عابد کو اگر اپنے نفس پر خوف ہو گا تو وہ اس امکان کو بھی قریب خیال کرے گا اور دوسروں کے لئے جو ممکن ہو گا اس میں غور نہیں کرے گا بلکہ اس میں غور کرے گا جو اس کے لئے باعثِ تشویش ہو گا کیونکہ کوئی (گناہ کا) بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ ایک کے عذاب سے دوسرے کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔ جب کوئی اس خطرے میں غور کرے گا تو یہ بات اسے تکبر اور خود کو دوسروں پر فوقیت دینے سے محفوظ رکھے گی۔

زمانے کا سردار:

حضرت سیِّدُنا وَہب بن مُنَبِّہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "بندے کی عقل اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس میں دس عادتیں نہ پائی جائیں۔" پھر نو عادتیں بیان کرنے کے بعد جب دسویں عادت پر پہنچے تو فرمایا: "دسویں عادت کیا ہے؟ دسویں عادت سے بُزرگی حاصل ہوتی ہے اور اسی کے سبب ذکر بلند ہوتا ہے اور وہ عادت یہ ہے کہ آدمی تمام لوگوں کو اپنے آپ سے بہتر جانے اور لوگ اس کے نزدیک دو جماعتوں

میں تقسیم ہوں: ایک وہ جماعت جو اس سے افضل ہو اور دوسری وہ جو اس سے بُری اور کم مرتبہ ہو۔ لیکن وہ دونوں جماعتوں کے لئے دل سے عاجزی کرے۔ اگر وہ اپنے سے افضل جماعت کو دیکھے تو اسے دیکھ کر خوش ہو اور ان کے ساتھ مل جانے کی تمنا کرے اور اگر برے لوگوں کو دیکھے تو یوں کہے کہ شاید یہ لوگ نجات پا جائیں اور میں ہلاک ہو جاؤں یعنی ان کو دیکھتے ہی اپنی عاقبت کا خوف کرے اور یوں خیال کرے کہ شاید یہ لوگ باطنی طور پر نیک ہوں اور یہ باطن میں نیک ہونا ان کے لئے خیر کا باعث ہو یا ان میں کوئی اچھی عادت ہو جس کے باعث اللہ عَزَّوَجَلَّ ان پر رحم فرمائے اور ان کی توبہ قبول کرے اور اچھے اعمال پر ان کا خاتمہ کرے جبکہ اپنے متعلّق یہ سوچے کہ میری نیکیاں تو ظاہری ہیں جو میرے حق میں بہتر نہیں۔ یوں آدمی اپنی ظاہری عبادت میں آفات کے داخل ہونے اور اس کے ضائع ہونے سے بے خوف نہیں ہو گا، جب دونوں جماعتوں سے اس طرح پیش آئے گا تو اس کی عقل کامل ہو گی اور وہ اپنے زمانے کا سردار بنے گا۔"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو شخص خود کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں شقی جانے اور سمجھے کہ اسے اَزَل سے شقی لکھ دیا گیا ہے تو ایسے شخص کے لئے کسی حال میں تکبر کی گنجائش نہیں بلکہ خوف کے غَلَبہ کے سبَب اسے ہر شخص کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہئے، یہی فضیلت ہے۔

خوفِ خدا رکھنے والا موچی:

منقول ہے کہ ایک عابد نے پہاڑ میں پناہ حاصل کی تو اسے خواب میں بتایا گیا کہ فلاں موچی کے پاس جا کر اپنے لئے دعا کرواؤ۔ چنانچہ وہ اس موچی کے پاس گیا اور اس سے اس کے عمل کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا: وہ دن میں روزہ رکھتا ہے اور محنت مزدوری کر کے رزقِ حلال کما کر اس کا ایک حصہ صَدَقہ کر دیتا ہے اور ایک حصہ گھر والوں کو کھلا دیتا ہے۔ وہ شخص واپس لوٹا اور کہنے لگا اچھی بات ہے لیکن یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کے لئے فارغ ہونے کی طرح نہیں ہے۔ اسے دوبارہ خواب میں کہا گیا کہ فلاں موچی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ تمہارا رنگ زَرْد کیوں ہے؟ وہ آیا اور اس سے پوچھا تو موچی نے جواب دیا کہ میں جس کو بھی دیکھتا ہوں یہی گمان کرتا ہوں کہ یہ نجات پا جائے گا اور میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ عابد نے یہ سن کر کہا: یہ شخص اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔ اس پر یہ آیتِ مُقَدَّسہ بھی دلالت کرتی ہے:

وَ الَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۟ۙ (پ۱۸، المؤمنون:۶۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں اور اُن کے دل ڈر رہے ہیں یوں کہ اُن کو اپنے رب کی طرف پھرنا ہے۔

یعنی عبادتیں تو کرتے ہیں لیکن انہیں یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ عبادتیں بارگاہِ الٰہی میں نامقبول نہ ہو جائیں۔

خوفِ خدا رکھنے والوں کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۟ۙ (پ۱۸، المؤمنون:۵۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک وہ جو اپنے رب کے ڈر سے سہمے ہوئے ہیں۔

مزید ارشاد فرماتا ہے:

قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ ۟ (پ۲۷، الطور:۲۶)

ترجمۂ کنزالایمان: بولے بے شک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں سہمے ہوئے تھے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فرشتے جو گناہوں سے معصوم اور ہمیشہ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہیں لیکن پھر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف رکھتے ہیں ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ۟ (پ۱۷، الانبیاء:۲۰)

ترجمۂ کنزالایمان: رات دن اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔

مزید ارشاد فرماتا ہے:

وَ هُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۟ (پ۱۷، الانبیاء:۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔

تکبُّر کرنا بے خوفی کی علامت ہے:

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونا ہی تکبر کا مُحَرِّک ہے، خاتمے کے وقت تمام بے خوفی دھری رہ جائے گی۔ تکبر کرنا بے خوفی کی علامت ہے، تکبر اور بے خوفی دونوں ہلاکت کا باعث ہیں اور عاجزی خوف کی دلیل ہے جو سعادت مندی کی علامت ہے۔ عابد کو تکبر اور لوگوں کی تذلیل و تحقیر سے ہونے والا نقصان اطاعت و اعمال کے فائدے سے زیادہ ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں جن کو جاننے سے دل سے تکبر کی بیماری زائل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تکبر کا کوئی علاج نہیں مگر ان باتوں کی مَعْرِفَت حاصل کرنے کے بعد بھی نفس عاجزی کو پوشیدہ رکھتا ہے اور تکبر سے دوری کا دعوٰی کرتا ہے حالانکہ وہ جھوٹا ہوتا ہے چنانچہ جب کوئی تکبر کا محرک اس کے سامنے آتا ہے تو وہ اپنی فطرت کی طرف لوٹ آتا ہے اور وعدے کو فراموش کر دیتا ہے، لہٰذا محض معرفت سے اس کے علاج پر اکتفا نہ کرے بلکہ عمل کے ذریعے اس کی تکمیل بھی کرے اور جب نفس میں تکبر کا جوش ہو تو عاجزی کرنے والوں کے اعمال کے ذریعے اس کی آزمائش کرے۔

نفس کے پانچ امتحانات:

نفس کی آزمائش کا طریقہ کار یہ ہے کہ اسے پانچ امتحانات سے گزارے جن کے ذریعے باطنی حالت معلوم ہوتی ہے اگرچہ امتحان کے پانچ سے زیادہ طریقے بھی ہیں۔

پہلا اِمتحان:

اگر ہم عصر سے کسی مسئلہ پر مُناظرہ ہو اور مَدِّ مُقابِل کی زبان پر حق بات جاری ہو تو یہ دیکھنا ہوگا کہ اِسے قبول کرنے، سر تسلیم خم کرنے، اس کا اعتراف کرنے، بیانِ حق پر اس کی تعریف کرنے اور اس کا شکریہ ادا کرنے میں مشکل تو پیش نہیں آرہی، اگر ایسا ہو رہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں تکبر موجود ہے، لہٰذا اس سلسلے میں اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرنا اور تکبر کے علاج میں مشغول ہونا چاہئے۔

پہلے علمی علاج کرے یعنی نفس کو اس کا حقیر و ذلیل ہونا یاد دلائے اور انجام کے خطرے سے آگاہ کرے اور بتائے کہ بڑائی تو صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی شان کے لائق ہے۔ پھر عَمَلی عِلاج اس طرح کرے کہ نفس کو قبولِ حق پر زبردستی آمادہ کرے، زبان سے بتکلُّف مُخالِف کی تعریف و توصیف کرے اور اپنے عجز کا اقرار کرتے ہوئے اس سے استفادہ کرنے پر شکریہ ادا کرے اور یوں کہے: "مَاشَآءَ الله آپ نے کیا ہی خوب سمجھ داری کی بات کی، میں تو اس سے بے عِلْم تھا اللہ عَزَّوَجَلَّ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے مجھے اس سے آگاہ کیا۔"

ایسا اس لئے کرے کیونکہ حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے، جب اسے پائے تو رہنمائی کرنے والے کا

شکریہ ادا کرے۔ چند بار مسلسل ایسا کرنے سے یہ بات اس کی طبیعت میں شامل ہو جائے گی اور قبولِ حق اس کے دل پر بوجھ نہیں بنے گا بلکہ وہ بخوشی اسے قبول کرے گا۔ آدمی اس وقت تک اپنے ہم عصر لوگوں کی تعریف کرنا گراں سمجھتا ہے جب تک اس میں تکبُّر ہوتا ہے۔ اگر خَلوَت میں اسے تعریف کرنا بوجھ محسوس نہ ہو اور مجلس میں محسوس ہو تو یہ تکبر نہیں بلکہ ریاکاری ہے، لہٰذا اسے ریا کا علاج کرنا چاہئے یعنی اسے چاہئے کہ وہ لوگوں سے طمع نہ رکھے اور دل کو یاد دلائے کہ اس کا نفع اس کمال میں ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں کمال ہے مخلوق کے نزدیک جو کمال ہے اس میں نفع نہیں۔ اس طرح کی دیگر باتوں کے ذریعے ریاکاری کا علاج کرے۔ اگر خلوت وجلوت دونوں حالتوں میں اسے تعریف کرنا گراں محسوس ہو تو اس میں تکبر اور ریا دونوں پائے جاتے ہیں اس صورت میں صرف ایک مَرَض کا عِلاج کافی نہیں بلکہ دونوں سے نجات ضروری ہے، لہٰذا دونوں بیماریوں کا علاج کرے کیونکہ دونوں مُہلِک ہیں۔

دوسرا اِمتحان:

مَحافِل ومَجالِس میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نِشَست وبَرخاست رکھے، انہیں اپنے اوپر ترجیح دے خود ان کے پیچھے چلے، مَسنَدِ صدارت پر دوسروں کو بٹھائے اور خود ان سے نیچے بیٹھے۔ اگر نفس پر یہ اعمال گراں گزرتے ہوں تو یہ تکبُّر ہے، لہٰذا نفس کو بتکلُّف ان اعمال پر آمادہ کرے تاکہ طبیعت ان کی عادی ہو جائے اور کسی قسم کی گرانی باقی نہ رہے، یوں اس سے تکبر زائل ہو جائے گا۔

شیطان ایسے موقع پر بھی اپنے فریب سے باز نہیں آتا مثلاً شیطان آدمی کو یہ خیال ڈالتا ہے کہ وہ جوتوں کے پاس بیٹھے یا اپنے اور اپنے ساتھیوں کے درمیان کم تر سمجھے جانے والے کچھ لوگوں کو بٹھا دے اور اس عمل کو عاجزی خیال کرے حالانکہ یہ بعینہٖ تکبُّر ہے اور یہ بات تکبر کرنے والوں کے دلوں پر آسان معلوم ہوتی ہے کیونکہ انہیں یہ وہم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی فضیلت کے باوُجود عاجزی کی حالانکہ درحقیقت یہ ایسا تکبر ہے جس کا اظہار عاجزی کی صورت میں کیا گیا ہے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کو مقدم کرے اور خود ان کے ساتھ ان کے پہلو میں بیٹھے، ان سے ہٹ کر جوتوں کے پاس نہ بیٹھے۔ یہ عاجزانہ نِشَست وبَرخاست اس کے دل سے تکبر کی خباثت کو نکال دے گی۔

تیسرا اِمتحان:

غریب کی دعوت قبول کرے اور دوست، اَحباب اور رشتہ داروں کے ضروری کام کاج کے لئے بازار جائے، اگر اسے ان کاموں کے کرنے میں شَرْم محسوس ہو تو یہ تکبر کی علامت ہے کیونکہ یہ کام اچھے اَخلاق سے تعلق رکھتے ہیں اور ان پر بڑا ثواب ہے اور نفس کا ان کاموں کو ناپسند کرنا خَباثَتِ باطن کی دلیل ہے، لہٰذا مذکورہ امور کی پابندی کرکے اس باطنی خباثت کو دور کرنے کی کوشش کرے اور ساتھ ہی وہ تمام علاج بھی پیش نظر رکھے جن کا ذکر ہم نے اس سے پہلے کیا۔

چوتھا اِمتحان:

گھر والوں، رُفَقا اور اپنے لئے ضرورت کا سامان بازار سے اٹھا کر گھر لائے، اگر اس کا نفس اس کے لئے تیار نہ ہو تو یہ تکبر ہے یا پھر ریاکاری۔ اسی طرح اگر راستے میں کوئی نہ ہو اس کے باوجود اسے ضرورت کا سامان بازار سے خریدنے میں شَرْم محسوس ہو رہی ہے تو یہ تکبر ہے اور اگر لوگوں کی موجودگی کے باعث شرم محسوس کر رہا ہے تو یہ ریاکاری ہے اور یہ دونوں صورتیں قلبی بیماریوں سے تعلق رکھتی ہیں، اگر ان کا علاج نہ کیا جائے تو یہ باعث ہلاکت ہیں۔

لوگوں کی یہ حالت ہے کہ انہوں نے دل کی بیماریوں سے غفلت اختیار کر رکھی ہے اور جسمانی اَمراض کے تدارک میں پڑے ہوئے ہیں حالانکہ جسموں پر موت لازماً آنی ہے اور سعادت کا حصول اسی صورت میں ممکن جب دل کی سلامتی حاصل ہو۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ (پ۱۹، الشعراء: ۸۹)

ترجمۂ کنزالایمان: مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن سلام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ایک مرتبہ لکڑیوں کا ایک گٹھا اٹھایا تو آپ سے عرض کی گئی: "اے ابو یُوسُف! آپ کے ہاں کام کرنے کے لئے نوکر چاکر اور بیٹے موجود ہیں تو آپ کو کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "میں اپنے نفس کا امتحان لے رہا ہوں کہ یہ اس کام سے انکار تو نہیں کرے گا۔"

غور کیجئے! حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن سلام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے صرف اپنے نفس کے عزم پر اِکتفا نہ کیا بلکہ امتحان بھی لیا کہ وہ جھوٹا ہے یا سچا۔ حدیث پاک میں ہے: ”مَنْ حَمَلَ الْفَاکِهَةَ اَوِ الشَّیْءَ فَقَدْ بَرِیَ مِنَ الْکِبْرِ یعنی جو شخص پھل یا کوئی چیز اٹھائے وہ تکبر سے پاک ہے۔“[1]

پانچواں اِمتحان:

پرانے کپڑے پہنے۔ اگر اس کا نفس لوگوں کے ساتھ نِشَست وبَرخاست میں پرانے کپڑے پہننے کو ناپسند جانے تو یہ ریاکاری کی علامت ہے اور اگر خلوت میں بھی یہ معاملہ ہو تو یہ تکبر ہے۔ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر بن عبد العزیز عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْعَزِیْز کے متعلق مروی ہے کہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ رات کے وقت اون کا لباس پہن کر سوتے۔ حضور رحمتِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ مُعَظَّم ہے: ”مَنِ اعْتَقَلَ الْبَعِیْرَ وَلَبِسَ الصُّوْفَ فَقَدْ بَرِیَ مِنَ الْکِبْرِ یعنی جو شخص اونٹ خود باندھے اور اون کا لباس زیب تن کرے وہ تکبر سے بری ہے۔“[2]

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عاجزی:

رَسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان عالی ہے: میں ایک بندہ ہوں زمین پر بیٹھ کر کھاتا ہوں، اونی لباس پہنتا ہوں، اونٹ کو باندھتا ہوں، (کھانے کے بعد) انگلیاں چاٹتا ہوں اور غلام کی دعوت قبول کرتا ہوں۔ پس جس نے میری سُنَّت سے اِعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔[3]

مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا ابو موسیٰ اَشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے کسی نے عرض کی کہ کچھ لوگ (اچھا) لباس نہ ہونے کے سبب جمعہ کی نماز میں حاضر نہیں ہوتے۔ یہ سن کر آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے صرف ایک اونی جبہ میں نماز پڑھائی۔

یہ مواقع وہ ہیں جہاں تکبر اور ریا دونوں کا اجتماع ہوتا ہے، لہٰذا اگر لوگوں کی موجودگی میں کوئی کام

---

1. ...شعب الایمان، باب فی حسن الخلق، ۶/ ۲۹۲، الحدیث: ۸۲۰۱ بتغیر
2. ...شعب الایمان، باب فی الملابس... الخ، ۵/ ۱۵۳، الحدیث: ۶۱۶۱
3. ...الزھد لابن المبارک، باب فضل ذکر اللّٰہ، ص ۳۵۳، الحدیث: ۹۹۵
اخلاق النبی وآدابہ لابی الشیخ الاصبھانی، باب ذکر صوفہ، ص ۱۷، الحدیث: ۳۱۶

کرنے میں شَرم محسوس ہو تو وہ ریاکاری ہے اور اگر خَلوت میں بھی ایسا ہو تو یہ تکبُّر ہے۔ اس کی پہچان حاصل کرنی چاہئے کیونکہ جو بُرائی سے واقِف نہیں ہوتا وہ اس سے بچ نہیں سکتا اور جو مَرَض کا ادراک نہیں کرپاتا وہ اس کا علاج نہیں کرسکتا۔

دسویں فصل: عاجزی کے حُصول کا دُرست طریقہ

عاجِزی کے دَرَجات:

دیگر اخلاق کی طرح عاجزی کے بھی تین درجے ہیں: ایک دَرَجہ زیادتی کی طرف مائل ہوتا ہے اسے تکبر کہتے ہیں، ایک درجہ کمی کی طرف مائل ہوتا ہے اسے کمینگی اور ذِلّت کہتے ہیں اور ایک درمیانی درجہ ہے جسے عاجزی سے موسوم کرتے ہیں۔ یہی درجہ محمود و پسندیدہ ہے کہ انسان بغیر ذِلّت کے عاجزی کرے باقی دونوں درجے قابلِ مَذمّت ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو تمام امور میں مِیانہ روی پسند ہے، لہٰذا جو آدمی اپنے ہم پلہ لوگوں سے مُقدّم رہنا چاہتا ہے وہ متکبر ہے اور جو اُن سے پیچھے رہے وہ متواضع ہے اور تواضُع کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی وہ مَنْزِلَت گھٹادی جس کا وہ مستحق تھا۔

عالِم کیسی عاجزی کرے؟

عالِم کے پاس کوئی موچی آئے اور وہ اس کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دے اور اسے اپنی جگہ بٹھائے پھر آگے بڑھ کر اس کے جوتے سیدھے کرے اور پیچھے پیچھے دروازے تک جائے تو اس عالِم نے ذِلّت ورُسوائی کو گلے لگایا۔ یہ ناپسندیدہ بات ہے بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں اعتدال پسندیدہ ہے یعنی ہر حقدار کو اس کا حق دیا جائے۔ اس طرح کی عاجزی اپنے ساتھیوں اور ہم پلہ لوگوں کے ساتھ بہتر ہے۔ عام آدمی کے لئے عالِم کی طرف سے تواضُع اسی قدر ہے کہ جب وہ آجائے تو کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرے، خندہ پیشانی سے گفتگو کرے، اس کے سوال کا جواب دینے میں نرمی برتے، اس کی دعوت قبول کرے، اس کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرے اور خود کو اس سے بہتر نہ سمجھے بلکہ دوسروں کی نسبت اپنے بارے میں زیادہ خوف رکھے نیز اسے حقارت کی نظر سے دیکھے نہ ہی چھوٹا سمجھے کیونکہ اسے اپنے انجام کی خبر نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عاجزی کے حُصول کے لئے انسان اپنے ہم پلّہ اور کم مرتبہ لوگوں سے بھی عاجزی کے ساتھ پیش آئے تاکہ عاجزی کی اچھی عادت اس کے لئے آسان ہو جائے اور تکبُّر زائل ہو جائے۔ جب عاجزی کرنا اس کے لئے آسان ہو جائے گا تو وہ عاجزی کے وَصف سے مُتَّصِف قرار پائے گا اور اگر عاجزی کرنا گراں گزرتا ہے مگر پھر بھی عاجزی کرتا ہے تو وہ مُتواضع نہیں بلکہ بتکلُّف عاجزی کرنے والا کہلائے گا کیونکہ عادت اسے کہا جاتا ہے جو کام انسان بآسانی بلا تکلف وبلا تامل کر سکے اور اگر عاجزی کرنا اس قدر آسان ہو جائے کہ انسان اپنے مرتبے اور وقار کا خیال بھی نہ رکھے اور نوبت ذِلّت وخوشامد تک پہنچ جائے تو یہ حد سے تجاوز کرنا ہے۔ انسان خود کو ایسے مرتبے سے اوپر لے جائے تاکہ درمیانی دَرَجہ حاصل ہو جسے اعتدال کہتے ہیں کیونکہ مومن کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ درمیانی درجے کا حصول عاجزی اور دیگر تمام اَخلاقِ حسنہ میں سب سے مشکل اَمْر ہے۔

مطلق پسندیدہ عمل:

درمیانی درجہ سے نیچے یعنی خوشامد کی جانب مائل ہونا زیادتی یعنی تکبر کی طرف مائل ہونے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے جیسے مال میں بخل کی نسبت لوگوں کے نزدیک اسراف کرنا پسندیدہ عمل ہے۔ حد سے زیادہ خرچ کرنا اور حد سے زیادہ بخل دونوں قابل مذمت ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ برا ہے، اسی طرح حد سے زیادہ خود پر فخر کرنا اور حد سے زیادہ عاجزی کرنا جو ذلّت کا باعث ہو دونوں قابل مذمت ہیں اور یہاں بھی ان دونوں میں سے ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ برا ہے اور مطلق پسندیدہ عمل، درمیانی درجہ اور ہر وہ عمل ہے جو شریعت وعادت کے مطابق کیا جائے۔ تکبر اور عاجزی کے سلسلے میں اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

دوسرا حصہ: خودپسندی کا بیان (اس میں پانچ فصلیں ہیں)

اس حصہ میں خودپسندی کی مذمت، اس کی آفات، خودپسندی اور ناز کرنے کی حقیقت اور ان دونوں کی تعریفات، خودپسندی کے عِلاج اور اس کے اَسباب کی تفصیل بیان ہوگی۔

پہلی فصل: **خودپسندی کی مذمت**

خود پسندی کی مذمت قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے۔

خود پسندی کی مذمت میں تین فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

وَیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــٴًـا (پ۱۰، التوبۃ: ۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور حُنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی۔

آیتِ مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ تمہیں اِترانا نہیں چاہئے تھا۔

﴿2﴾...

وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ (پ۲۸، الحشر: ۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچالیں گے تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا۔

اس آیت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کفار کا اپنے قلعوں اور شان وشوکت پر اِترانے کا رد فرمایا۔

﴿3﴾...

وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝۱۰۴ (پ۱۶، الکھف: ۱۰۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

یہ بات بھی اپنے عمل پر اِترانے کی طرف دلالت کرتی ہے۔ انسان کبھی اپنے غَلَط عمل پر بھی اِتراتا ہے جس طرح وہ اپنے اچھے عمل پر اِتراتا ہے۔

خود پسندی کی مذمت میں دو فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... تین چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں: (۱) بخل جس کی پیروی کی جائے (۲) نفسانی خواہش جس کی

اطاعت کی جائے اور (۳) انسان کا خود کو اچھا جاننا۔[1]

﴿2﴾... حضور سیِّدِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس اُمَّت کے آخر کا ذکر کرتے ہوئے حضرت سیِّدُنا ثَعْلَبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے فرمایا: جب تم دیکھو کہ بُخل کی اطاعت کی جائے، خواہشِ نفس کی پیروی کی جائے اور ہر رائے دینے والا اپنی رائے کو پسند کرے تو اس وقت تم اپنی فکر کرو۔[2]

دو باتوں میں ہلاکت ہے:

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ دو باتوں میں ہلاکت ہے: (۱) نا امیدی اور (۲) خود پسندی۔

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے ان دو باتوں کو اس لئے جمع فرمایا کہ سعادت کا حصول کوشش، طلب، محنت اور ارادے کے بغیر ممکن نہیں اور نا امید شخص نہ کوشش کرتا ہے اور نہ طلب جبکہ خود پسندی کا شکار شخص یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ وہ سعادت مند ہے اور اپنی مراد کے حصول میں کامیاب ہو چکا ہے لہٰذا وہ کوشش ہی نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے سے حاصل شے طَلَب نہیں کی جاتی اور مُحال کے حصول کی کوشش نہیں کی جاتی اور خود پسندی کا شکار شخص یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ مجھے سعادت حاصل ہے اور نا امید شخص یہ گمان کر رہا ہوتا ہے کہ سعادت کا حصول مُحال ہے۔

خود پسندی کسے کہتے ہیں؟

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْؕ (پ۲۷، النجم: ۳۲) ترجمۂ کنز الایمان: تو آپ اپنی جانوں کو ستھرا نہ بتاؤ۔

اس آیتِ طیبہ کی تفسیر میں حضرت سیِّدُنا اِبْنِ جُرَیْج رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "اس کا معنٰی یہ ہے کہ جب تم نیک عمل کرو تو یہ مت کہو کہ میں نے فلاں عمل کیا۔"

حضرت سیِّدُنا زید بن اَسْلَم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم فرماتے ہیں: اپنے نفس کو نیکوکار نہ قرار دو یعنی یہ اعتقاد نہ

---

1. ...شعب الایمان، باب فی الخوف من اللہ، ۱/ ۴۷۱، الحدیث: ۷۴۵
2. ...سنن ابی داود، اول کتاب الملاحم، باب الامر والنھی، ۴/ ۱۶۴، الحدیث: ۴۳۴۱

رکھو کہ وہ نیک ہے۔ خود پسندی کے یہی معنٰی ہیں کہ خود کو نیک سمجھا جائے۔

سیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ عَنْہ کی فراست:

غزوۂ اُحُد کے دن حضرت سیِّدُنا طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنی جان کے ذریعے حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حفاظت فرمائی حتّٰی کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حفاظت کی خاطر ان کی ہتھیلی زخمی ہوگئی۔[1] چونکہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے یہ بہت بڑا کام سرانجام ہوا تھا تو آپ نے اسے اپنے لئے بہت عظیم خیال کیا کہ میں نے اپنی جان حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر نثار کردی اور اس کے سبب میں زخمی بھی ہوا۔ حضرت سیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے اپنی فراست سے اس بات کو جان لیا تو ارشاد فرمایا: ”مَا زَالَ یُعْرَفُ فِیْ طَلْحَۃَ بَاْوٌ مُنْذُ اُصِیْبَتْ اُصْبُعُہٗ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہ یعنی جب سے حضرت طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کی انگلی رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ غزوہ میں زخمی ہوئی ہے اس وقت سے ان میں خود پسندی کی بو آرہی ہے۔“

”بَاْو“ کے لغوی معنی خود پسندی کے ہیں اور حضرت سیِّدُنا طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کے متعلق یہ بات کی جارہی ہے حالانکہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے کبھی خود پسندی کا اظہار کیا نہ کسی مسلمان کو حقیر جانا۔ حضرت سیِّدُنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے خلافت کے متعلق مشورے میں جب امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کو حضرت سیِّدُنا طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا نام بطورِ خلیفہ پیش کیا تو آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ”یہ ایسے شخص ہیں جن میں کچھ خود پسندی کے آثار ہیں۔“ غور کیجئے! حضرت سیِّدُنا طلحہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ جیسے بُزرگ کے متعلّق یہ بات کی جارہی ہے تو کمزور ایمان والے جو خود پسندی سے بچنا ہی نہیں چاہتے وہ اس سے کیسے بچیں گے۔

خود پسندی کی مذمت میں دو اقوالِ بزرگانِ دین:

﴿1﴾... حضرت سیِّدُنا مُطَرِّف رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”اگر میں رات سوتے ہوئے گزاروں اور صبح ندامت کے ساتھ کروں تو یہ میرے نزدیک اس سے زیادہ اچھا ہے کہ میں رات عبادتِ الٰہی میں گزاروں

---

[1]... بخاری، کتاب المغازی، باب: اذ ہمت طائفتان منکم... الخ، ۳/ ۳۸، الحدیث: ۴۰۶۳

اور صبح خود پسندی میں مبتلا ہوں۔"

حضور اکرم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَخَشِیْتُ عَلَیْکُمْ مَا هُوَ اَکْبَرُ مِنْ ذٰلِکَ الْعُجْبَ الْعُجْبَ یعنی اگر تم گناہ نہ بھی کرو تو بھی مجھے تم پر اس سے بڑے جرم کا خطرہ ہے اور وہ خود پسندی ہے، وہ خود پسندی ہے۔"[1] چنانچہ آپ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے خود پسندی کو بہت بڑا گناہ قرار دیا۔

﴿2﴾... حضرت سیِّدُنا بشر بن منصور عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْغَفُوْر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جنہیں دیکھ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ اور آخرت کی یاد آجاتی کیونکہ آپ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه عبادت کی خوب پابندی فرماتے۔ ایک دن آپ نے طویل نماز پڑھی، ایک شخص پیچھے کھڑا آپ کو دیکھتا رہا۔ آپ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کو معلوم ہوا تو آپ نے سلام پھیرا اور فرمایا: "جو کچھ تم نے مجھے کرتے دیکھا ہے اس سے تمہیں تعجب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ شیطان ملعون طویل عرصے تک فرشتوں کے ہمراہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتا رہا پھر اس کا جو انجام ہوا وہ تمہارے سامنے ہے۔"

آدمی گناہ گار کب ہوتا ہے؟

ام المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا سے پوچھا گیا آدمی گناہ گار کب ہوتا ہے؟ آپ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا نے فرمایا: "جب اسے یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ نیک ہے۔"

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰىۙ (پ۳، البقرة: ۲۶۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اپنے صدقے باطل نہ کردو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر۔

احسان جتانا اپنے صَدَقے کو بڑا سمجھنے کا نتیجہ ہے اور اپنے عمل کو بڑا سمجھنا خود پسندی کی علامت ہے۔ اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ خود پسندی انتہائی مذموم صِفَت ہے۔

دوسری فصل: خود پسندی کی آفات

جان لیجئے! خود پسندی کی آفتیں بہت زیادہ ہیں۔ خود پسندی تکبر کی طرف لے جاتی ہے کیونکہ یہ تکبر

---

[1] ... المجروحین لابن حبان، الرقم: ۴۲۳ سلام بن ابی الصهباء الفزاری، ۱/ ۴۳۱
مساوئ الاخلاق للخرائطی، باب ما جاء فی ذم العجب والکبر... الخ، ص ۲۳۹، الحدیث: ۵۹۴

کے اسباب میں سے ایک سبب ہے جیسا کہ ہم نے اسے پیچھے ذکر کیا۔

خود پسندی سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور تکبر سے بے شمار آفتیں جَنَم لیتی ہیں۔ یہ آفتیں تو بندوں کے ساتھ خاص ہیں اور ذاتِ باری تعالیٰ کے حوالے سے خود پسندی کی آفتیں کچھ زیادہ ہی ہیں۔ مثلاً خود پسند آدمی گناہوں کو بھول جانے اور انہیں نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ بعض گناہوں کو یہ سوچ کر بالکل بھول جاتا ہے کہ انہیں یاد کرنے کی حاجت نہیں اور بعض گناہ جو اسے یاد ہوتے ہیں انہیں چھوٹا خیال کر کے ان کے اِزالے اور تلافی کی کوشش نہیں کرتا بلکہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے بخش دیا جائے گا۔ جہاں تک عبادات اور اَعمالِ صالحہ کی بات ہے تو خود پسندی میں مبتلا شخص انہیں بہت بڑا خیال کرتا ہے، ان پر نازاں ہوتا اور ان کی بجا آوری کو اللہ عَزَّوَجَلَّ پر احسان جانتا ہے اور عبادتِ الٰہی پر جو اسے قدرت اور توفیق ملی ہے اسے بھول جاتا ہے، مزید یہ کہ خود پسندی کا شکار شخص اس کی آفات سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور جو شخص اعمال کی آفات سے غافل ہوتا ہے اس کی اکثر محنت ضائع ہو جاتی ہے کیونکہ ظاہری اعمال جب تک خالص اور بے آمیزش نہ ہوں نفع بخش نہیں ہوتے اور آفات کی پروا وہی کرتا ہے جس پر خود پسندی کے بجائے خوف غالب ہو جبکہ خود پسندی میں مبتلا شخص اپنے نفس اور اپنی رائے پر مغرور ہوتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر اور اس کے عذاب سے بے خوف ہوتا ہے اور اسے یہ گمان ہوتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں اسے ایک مقام حاصل ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ خدا پر میرا احسان ہے اور اس پر میرا حق ہے کہ وہ میرے اعمال کا لحاظ کرے حالانکہ درحقیقت اعمال کرنے کی توفیق اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت اور اس کے عطیات میں سے ایک عطیہ ہے لیکن خود پسندی کے سبب وہ اپنے نفس کی تعریف کرنے اور اپنی پاکیزگی ظاہر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

الغرض وہ اپنی رائے، عمل اور عقل پر اِتراتا ہے لہٰذا وہ نہ کسی سے استفادہ کرتا ہے نہ کسی کا مشورہ قبول کرتا ہے اور نہ ہی کسی سے کچھ پوچھنا گوارا کرتا ہے یوں وہ اپنے آپ پر اور اپنی رائے پر بھروسا کرتا ہے، اپنے سے بڑے کسی صاحبِ عِلم سے پوچھنا اپنی اِہانت تَصَوُّر کرتا ہے اور بسا اوقات اپنے دل میں پیدا ہونے والی غَلَط رائے پر بھی اِتراتا ہے اور اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اس کے دل میں یہ خیال آیا، دوسرے کی رائے کو پسند نہیں کرتا بلکہ اپنی رائے پر اصرار کرتا ہے اور کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت نہیں سنتا اور نہ ہی کسی واعِظ

کا وعظ قبول کرتا ہے بلکہ دوسروں کی طرف ایسے دیکھتا ہے جیسے جاہل ہوں اور اپنی غَلَطی پر ڈٹ جاتا ہے۔ اگر اس کی غلط رائے کسی دنیوی معاملے کے بارے میں ہو تو وہ اس پر یقین کر بیٹھتا ہے اور اگر اُخروی معاملے بالخصوص عقائد سے متعلق ہو تو وہ اس کے باعث خود کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ (شروع میں) اگر وہ اپنے نفس کو مُتَّہَم قرار دیتا، اپنی رائے پر اعتماد نہ کرتا، نورِ قرآن سے روشنی حاصل کرتا، علمائے دین سے مدد لیتا، علم پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتا اور اہلِ بصیرت سے مسلسل پوچھتا رہتا تو یہ بات اسے حق تک پہنچا دیتی۔

یہ اور اس طرح کی دیگر مثالیں خود پسندی کی آفات میں سے ہیں۔ چنانچہ خود پسندی ہلاک کرنے والے امور میں سے ہے اور خود پسندی کی سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ آدمی کامیابی کے گمان میں کوشش میں کوتاہی کر بیٹھتا ہے کیونکہ اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ وہ کامیاب ہو چکا ہے اور اب اسے عمل کی ضرورت نہیں حالانکہ یہ بلاشُبہ واضح ہَلاکت ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کی اطاعت کے لئے حُسنِ توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تیسری فصل: نازاں ہونے اور خود پسندی کی حقیقت

جان لیجئے! خود پسندی ایسے وَصف میں ہوتی ہے جو یقینی طور پر کمال ہو۔ جو شخص عِلم، عَمَل اور مال میں اپنے نفس کے لئے کسی کمال کا مُعتَرِف ہو تو وہ شخص یا تو اس کمال کے زائل ہونے سے خائف ہو گا اور ڈرے گا کہ کہیں میرا کمال نَقص نہ بن جائے یا سَلب نہ ہو جائے تو ایسا شخص خود پسندی کا شکار نہیں یا پھر اس کمال کے زَوال کا خوف نہیں رکھتا ہو گا بلکہ اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے یہ نعمت عطا فرمائی ہے، اس میں اس کا کوئی ذاتی کمال نہیں اور یہ بھی خود پسندی نہیں۔ ان دو حالتوں کے علاوہ ایک تیسری حالت بھی ہے کہ نہ اسے کمال کے زوال کا خوف ہے اور نہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت ہونے کی حیثیت سے اس کمال و سربلندی پر خوشی ہو بلکہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ یہ کمال میرا وصف ہے، میری طرف منسوب ہے اور میں ہی اس کا ایجاد کرنے والا ہوں، یہ حالت خود پسندی ہے۔ ایسی حالت میں اگر دل میں یہ خیال غالب آئے کہ یہ نعمت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہے اور وہ جب چاہے چھین سکتا ہے تو خود پسندی زائل ہو جائے گی۔

اس گفتگو سے خود پسندی کی تعریف یہ معلوم ہوئی کہ خود پسندی نعمت کو بڑا جاننا، اس پر مطمئن ہونا اور اس بات کو بھول جانا ہے کہ اس کی نسبت مُنعِمِ حقیقی کی طرف ہے۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ کسی کے نفس پر یہ

بات بھی غالب ہو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ پر میرا حق ہے اور اس کے ہاں میرا مرتبہ بلند اور عمل ایسا ہے کہ دنیا میں بھی اس کا اجر ضرور ملے گا اور مجھے کوئی ناپسندیدہ بات نہیں پہنچے گی جیسے دوسرے فاسقوں کو کوئی ناپسندیدہ بات پہنچتی ہے تو یہ ہے اپنے عمل پر ناز کرنا۔ گویا وہ اپنے عمل کے ذریعے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو اپنا ناز اٹھانے والا سمجھتا ہے۔

اسی طرح دنیاوی معاملات کا حال ہے کہ وہ کسی کو کوئی چیز دیتا ہے تو اسے بہت بڑا خیال کرتا ہے اور اسے اس پر احسان سمجھتا ہے، اگر بات صرف یہیں تک محدود ہے تو یہ خود پسندی ہے اور اگر اس سلوک کے عوض وہ اپنی خدمت کا طلب گار ہو یا اپنی رائے پر عمل کا خواہاں ہو یا حاجت کے پوری کرنے میں اس کی طرف سے کوتاہی کو برا سمجھ رہا ہو تو اسے ناز کہتے ہیں۔

اپنے عمل پر ناز مت کرو:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾ (پ۲۹، المدثر: ۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو۔

حضرت سیِّدُنا قتادہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اپنے عمل پر ناز مت کرو۔"

حدیثِ پاک میں ہے: ناز کرنے والے کی نماز اس کے سر سے اوپر نہیں جاتی، اگر تم ہنس کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے عمل پر آنسو بہا کر ناز کرو۔[1]

اپنے عمل پر ناز کرنے کا دَرَجہ خود پسندی کے بعد ہے، لہٰذا جو شخص اپنے عمل پر ناز کرنے والا ہوگا وہ ضرور خود پسندی میں مبتلا ہوگا اور کتنے ہی خود پسندی کے شکار ایسے ہیں جو اپنے عمل پر ناز کرنے والے نہیں کیونکہ خود پسندی اپنے آپ کو بڑا جاننے اور نعمت کو بھول جانے سے ہوتی ہے، اس میں جزا کی توقُّع نہیں ہوتی لیکن ناز کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب جزا کی توقع ہو، چنانچہ اگر کسی شخص نے دعا کی اور قبول نہ ہونے پر برا منایا اور تعجب کیا تو ایسا شخص اپنے عمل پر نازاں ہے کیونکہ وہ فاسق کی دعا قبول نہ ہونے پر تعجب نہیں کرتا بلکہ اپنی دعا کے رد ہونے پر تعجب کرتا ہے۔ یہ ہے خود پسندی اور اپنے عمل پر ناز کرنا اور یہ دونوں باتیں تکبر

---

[1] ...المصنف لابن ابی شیبة، کتاب الزھد، کلام ابن منبه، ۸/ ۲۵۱، الحدیث: ۱

کے مُقدّمات اور اَسباب میں سے ہیں۔

چوتھی فصل: خود پسندی کا علاج

ہر مَرَض کا یہی عِلاج ہے کہ جو مَرَض کا سبَب ہو اس کے مُدِّ مُقابِل اس کی ضِد سے اس کا عِلاج کیا جائے، چونکہ خود پسندی کا سبب جہالَتِ مَحْض ہے، لہٰذا اس کا عِلاج صِرف مَعْرِفَت ہے جو اس جہالت کے مُدِّ مُقابِل ہے۔

خود پسندی کبھی ایسے فعل کے ذریعے پیدا ہوتی ہے جو بندے کے اختیار میں ہوتا ہے جیسے عبادت، صَدَقہ، جہاد اور مخلوق کی تدبیر واصلاح اور کبھی ایسے فعل کے ذریعے پیدا ہوتی ہے جو بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا جیسے حسن وجمال، قوت اور نَسَب۔ دوسری صورت کے مقابلے میں پہلی صورت میں خود پسندی زیادہ ہوتی ہے۔

جب انسان زُہد، تقویٰ، عبادت اور ان کے علاوہ دوسرے اعمال کے سبب خود پسندی کا اظہار کرتا ہے تو یہ دو باتوں پر مبنی ہوتا ہے: (۱) وہ ان امور کا محل ومرکز ہے (۲) یہ امور اس نے خود سرانجام دیئے ہیں اور اس کے قدرت واختیار سے وجود میں آئے ہیں۔ جہاں تک یہ سمجھنا ہے کہ وہ ان امور کا محل ومرکز ہے تو یہ محض جہالت ہے کیونکہ محل ومکان کو ایجاد وتحصیل میں کوئی دخل نہیں، وہ ایک مُسَخَّر شے ہے جو کسی اور کے قبضے واختیار میں ہے، بھلا ایسی چیز پر کیا خود پسندی کا اظہار کیا جائے جو اس کے قدرت واختیار میں نہ ہو۔ اگر اس لئے خود پسندی میں مبتلا ہے کہ یہ امور اس سے سرزد ہوئے ہیں اور اس کے اختیار وقدرت سے وجود میں آئے ہیں تو اسے یہ سوچنا چاہئے کہ قوت، ارادہ، اعضاء اور وہ تمام اسباب جن سے عمل کی تکمیل ہوتی ہے کہاں سے آئے؟ یہ تمام چیزیں تو اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ایسی نعمتیں ہیں جو بغیر استحقاق اور وسیلے کے اسے ملی ہیں، ان نعمتوں کی وجہ سے اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جُود وکَرَم اور اس کے فضل پر نازاں ہونا چاہئے کیونکہ اس نے بلا استحقاق اسے نعمتوں سے نوازا اور دوسروں پر اسے ترجیح دی۔

اسے مثال سے یوں سمجھیں جیسے بادشاہ اپنے غلاموں کے سامنے آئے اور ان کو دیکھے اور پھر ان میں سے ایک کو قیمتی لباس عطا کرے باوجود یہ کہ نہ اُس میں کوئی کمال ہو نہ اس کے بارے میں کسی قسم کی سفارش ہو، نہ وہ حسن وجمال کا پیکر ہو اور نہ خدمت گاری کے صلے میں اسے یہ انعام ملا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس بات پر فخر کرے کہ بادشاہ نے اسے بلا استحقاق دوسروں پر ترجیح دیتے ہوئے عزت بخشی، ایسی صورت میں

غلام کو اپنے نفس پر خود پسندی کے اظہار کا کوئی حق نہیں البتہ وہ یوں خود پسندی کا اظہار کر سکتا ہے کہ بادشاہ دانش منداور انصاف پسند ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ کسی کو بلاوجہ مُقَدَّم و مُؤَخَّر کرتا ہے، اگر بادشاہ نے مجھ میں کوئی صِفَت نہ دیکھی ہوتی تو اس انعام سے مجھے ہر گز نہ نوازتا۔ ایسے شخص سے کہا جائے گا کہ الگ سے تم میں کوئی وَصف نہیں ہے اگر کوئی وَصف ہے تو یہ کہ بادشاہ نے اپنے اِنعام کا مستحق تمہیں جانا، کسی دوسرے کو اس انعام سے نہیں نوازا اور اگر تم میں الگ سے کوئی وصف ہے تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ وہ وصف بادشاہ کا عطا کیا ہوا ہے یا غیر کا، اگر بادشاہ کا عطا کردہ ہے تو اس پر خود پسندی کرنے کے کیا معنی؟ بادشاہ نے پہلے تمہیں گھوڑا دیا تو تم نے خود پسندی نہیں کی، جب اس نے غلام دیا تو خود پسندی کرنے لگے اور کہنے لگے کہ بادشاہ نے مجھے غلام اس لئے دیا کہ میں گھوڑے کا مالک ہوں اور دوسروں کو اس لئے نہیں دیا کہ وہ گھوڑے کے مالک نہیں، ایسے شخص سے کہا جائے گا کہ گھوڑا بھی تو بادشاہ کا عطا کیا ہوا ہے اور اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ بادشاہ تمہیں گھوڑا اور غلام ایک ساتھ عطا کرے یا ان میں سے ایک چیز پہلے دے اور دوسری بعد میں تو جب دونوں چیزیں اسی کی طرف سے ہیں تو مناسب یہی ہے کہ تم اس کے جُود و کَرَم اور فَضْل پر خود پسندی کرو اپنے نفس پر نہیں، اگر وہ وصف بادشاہ کے علاوہ کا عطا کیا ہوا ہو تب وہ خود پسندی کر سکتا ہے کیونکہ وہ بادشاہ کی عطا نہیں مگر یہ بات دنیوی بادشاہوں کے حق میں تو ہو سکتی مگر جَبّار و قَہّار عَزَّوَجَلَّ کے حق میں نہیں ہو سکتی جو بادشاہوں کا بادشاہ، تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا اور مَوصُوف و صِفَت کو وُجود میں لانے والا ہے۔ اگر کوئی اپنی عبادت پر خود پسندی کا اظہار کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ اس نے مجھے عبادت کی توفیق اس لئے دی ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے دل میں محبت کس نے پیدا کی؟ تو وہ ضرور اس کے جواب میں کہے گا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے۔ تو پھر اس سے کہا جائے گا کہ محبت اور عبادت دونوں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتیں ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تمہیں بلا استحقاق عطا کی ہیں جس میں تمہارا اور تمہارے غیر کا کوئی عمل دخل نہیں لہٰذا تمہیں اس کے جود و کرم پر فخر کرنا چاہئے اپنے نفس پر نہیں کیونکہ اس نے ہی تمہیں پیدا کیا، تمہیں مختلف صفات کا حامل کیا، عمل کی توفیق دی اور تمہارے لئے اسباب مہیا کئے۔

جب حقیقت یہ ہے تو عابد کو اپنی عبادت، عالِم کو اپنی عِلْمِیَّت، حُسن و جمال والے کو اپنے حسن اور مال دار

کو اپنی مال داری پر عُجب کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ یہ تمام نعمتیں ربّ تعالیٰ کے فَضل وکَرَم سے ہیں۔ وہ تو صرف ان نعمتوں کا محل و مرکز ہے اور وہ بھی محض اس کے فضل وکرم سے، صرف یہی نہیں بلکہ خود محل بھی اُس کریم ذات کا فضل وکرم ہے۔

ایک سوال اور اس کے دو جواب:

اگر تم کہو کہ میں اپنے اعمال سے صرف نظر نہیں کر سکتا کیونکہ جب میں کوئی عمل کرتا ہوں تو اس پر ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ اگر وہ عمل میرا ہی نہیں تو اس پر ثواب کی امید رکھنے کے کیا معنٰی؟ اور اگر وہ عمل اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی ایجاد ہے تو اس میں میرے لئے ثواب کیسے؟ اور جب اعمال کا تعلق مجھ سے ہے اور اس میں میری طاقت کو دَخْل ہے تو میں ان پر خود پسندی کا اظہار کیوں نہ کروں۔

تو اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں: ایک تو واضح ہے اور دوسرا کچھ وضاحت طلب ہے۔ **پہلا جواب** تو یہ ہے کہ خود تم، تمہاری قدرت، تمہارا ارادہ اور تمہارے تمام اعمال اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے پیدا کردہ ہیں، لہٰذا جب تم کوئی عمل کرتے ہو مثلاً تم نماز پڑھتے ہو یا مٹھی بھر خاک اٹھا کر پھینکتے ہو تو یہ تم نہیں کرتے بلکہ درحقیقت اللہ عَزَّ وَجَلَّ (مؤثر حقیقی ہونے کی حیثیت سے) کرتا ہے۔ یہی بات حق ہے اور اَرْبابِ قُلُوب اس کا ایسا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنے والا بھی کسی چیز کا ایسا مُشاہدہ نہیں کرتا۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے تمہیں پیدا کیا، تمہارے اعضاء بنائے، ان میں قوت، قدرت اور سلامتی پیدا کی، پھر تمہارے لئے عَقْل، عِلْم اور ارادے کو تخلیق فرمایا، اب اگر تم ان میں سے کسی ایک چیز کو بھی اپنے آپ سے دور کرنا چاہو تو ایسا نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے تمہارے اعضاء میں حرکت پیدا کی اور یہ حرکت صرف اسی ذات کی طرف سے ہے، اس میں تمہاری کوئی شرکت نہیں۔ نیز اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے یہ سب کچھ ترتیب سے پیدا کیا، جب تک عضو میں قوت اور قلب میں ارادہ پیدا نہیں کیا اس وقت تک حرکت پیدا نہیں کی اور حرکت کی تخلیق سے پہلے علم تخلیق کیا اور اس کی تخلیق سے پہلے قلب کو بنایا جو علم کا محل ہے۔ اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے ان تمام اشیاء کو بتدریج پیدا کیا، ایک کے بعد دوسرے کی تخلیق فرمائی، اس سے انسان یہ سمجھا کہ میں اپنے اعمال کا خالق ہوں حالانکہ انسان کی یہ سوچ غلط ہے۔ اس بات کی تفصیل اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے پیدا کردہ عمل پر ثواب کی کیفیت

عنقریب "شکر کے بیان" میں ذکر کی جائے گی کیونکہ یہ گفتگو اسی باب کے زیادہ لائق ہے۔

اب ہم دوسرا جواب دیتے ہیں جو وضاحت طلب ہے۔ چنانچہ اگر آدمی یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا عمل اس کی قدرت وطاقت سے حاصل ہوا ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے یہ قدرت کہاں سے حاصل ہوئی؟ تمہارے عمل کا تَصَوُّر نہ تمہارے وُجود کے بغیر ممکن ہے، نہ تمہارے ارادے اور قدرت کے بغیر اور نہ اُن تمام اسباب کے بغیر جن پر عمل کے وُجود کا دارومدار ہے اور یہ سب چیزیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہیں تمہاری طرف سے نہیں۔ اگر عمل طاقت کے سبب وجود میں آیا ہے تو طاقت اس عمل کی کنجی ہے اور یہ کنجی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قبضے میں ہے اور جب تک وہ تمہیں یہ کنجی نہ دے تمہارے لئے عمل ممکن نہیں۔ معلوم ہوا کہ عبادات وہ خزانے ہیں جن کے ذریعے سعادتوں تک رسائی ہوتی ہے اور ان کی کنجیاں قدرت، ارادہ اور علم ہیں اور یہ چیزیں بلاشبہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اگر تمہاری دنیا کا کوئی خزانہ کسی قَلْعے میں بند ہو اور اس کی کُنْجی خزانچی کے پاس ہو اب اگر تم قلعے کے دروازے پر بیٹھ جاؤ یا اس کی دیوار کے پاس ایک ہزار سال تک ٹھہرے رہو تو تم اس میں سے ایک دینار بھی نہیں دیکھ سکتے اور اگر خزانچی قلعے کی کنجی تمہارے حوالے کردے تو نہ صرف تم دیکھ سکتے ہو بلکہ ہاتھ بڑھا کر لے بھی سکتے ہو۔ تو جب خزانچی نے تمہیں کنجی دے دی اور یوں خزانہ تمہارے حوالے کر دیا اب تم نے ہاتھ بڑھا کر اس کو لے لیا تو کیا تم اس خزانچی کے کنجی دینے پر اتراؤ گے یا اس بات پر اتراؤ گے کہ تم نے قلعے کا دروازہ کھول کر اس میں سے خزانہ لے لیا؟ ظاہر ہے کہ تم اسے خزانچی کی طرف سے ملنے والی ایک نعمت سمجھو گے کیونکہ ہاتھ کو حرکت دے کر قریب سے مال لینا کوئی مشکل کام نہیں بلکہ اصل مشکل کام تو خزانچی کا کنجی تمہارے سپرد کرنا ہے۔ چنانچہ جب قدرت وپختہ ارادے کو پیدا کیا گیا، عمل کے مُحَرِّکات واَسباب کو حَرَکت دی گئی اور رُکاوٹوں کو خَتْم کر دیا گیا حتّٰی کہ کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی اور عمل کا ہر ذریعہ تمہیں عطا کر دیا گیا تب جا کر تمہارے لئے عمل کرنا آسان ہوا اور عمل کی تحریک کا باعث، رکاوٹوں کا ازالہ اور اسباب کا مہیا ہونا سب کچھ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ہے ان میں سے کسی چیز میں تمہارا کوئی دخل نہیں تو حیرت کی بات ہے کہ تم اپنے آپ پر عُجْب (خود پسندی) کا اظہار کرتے ہو اور جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے اس کے فَضْل وکَرَم پر خوش نہیں ہوتے کہ اس نے اپنے کرم سے اپنے بندوں میں سے

تمہیں ترجیح دی، فساد میں ڈالنے والے امور فاسق لوگوں پر مُسلَّط کئے اور تمہیں ان سے محفوظ رکھا، بُرے ساتھی اور بُرائی کے داعی ان پر مسلط کئے اور تمہیں ان سے بچایا، شہوتوں اور لذتوں کے اسباب پر ان کو قدرت دی اور تمہیں ان سے دور رکھا۔ نیکی کے اسباب و مُحرِّکات کو اُن سے پھیر دیا اور تم پر ان اسباب کو مسلط کیا حتّٰی کہ تمہارے لئے نیک عمل کرنا اور ان کے لئے بُرا عمل کرنا آسان ہو گیا اور یہ سب کچھ تمہارے کسی سابقہ عمل خیر کی وجہ سے نہیں ہوا اور نہ ہی فاسقوں کو ان کے کسی جرم کی وجہ سے یہ سزا ملی بلکہ اس نے محض اپنے فضل سے تمہیں ترجیح دی، مُقَدَّم کیا اور عمل خیر کے لئے منتخب کیا جبکہ گناہ گار کو دور کیا اور اپنے عَدل سے اسے بدبخت کیا۔ جب تم نے یہ جان لیا تو تمہارا خود پسندی میں مبتلا ہونے کا کیا مطلب؟

نتیجہ یہ نکلا کہ جس کام پر قدرت کارگر ہوتی ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے لئے تمہارے دل میں ایک ایسا شوق پیدا کر دیتا ہے جس کی مخالفت تم نہیں کر سکتے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ تم کسی فعل کے فاعل ہو تو اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ یہ فعل تم نے مجبور ہو کر کیا، اس لحاظ سے شکر کے لائق وہ ذات ہے جس نے تمہارے دل میں اس فعل کا شوق پیدا کیا اور تمہیں اس پر قدرت بخشی۔ عنقریب "توحید و توکل کے بیان" میں ہم یہ بات بیان کریں گے کہ کس طرح اسباب اور مُسَبَّبات ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم (یعنی جُڑے ہوئے) ہیں، وہاں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سوا کوئی فاعل نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی خالق ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ہر تقسیم انصاف پر مبنی ہے:

تعجب ہے ایسے لوگوں پر جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے علم و عقل سے نوازا ہے وہ دنیاوی دولت سے محرومی کے باعث اس پر بُرا مناتے ہیں اور کسی غافل و جاہل دولت مند کو دیکھ کر یہ شکوہ کرتے ہیں کہ ہم علم رکھنے کے باوجود دولت سے محروم ہیں بلکہ ہمیں ایک وقت کی خوراک بھی مُیَسَّر نہیں اور یہ شخص جاہل و غافل ہونے کے باوجود دُنیوی نعمتوں سے مالامال ہے، ایسے لوگ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یہ تقسیم انصاف پر مبنی نہیں بلکہ ظلم کے قریب ہے (مَعَاذَاللہ)۔ حالانکہ ان دھوکے میں مبتلا لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ اگر انہیں مال و عقل دونوں دے دیئے جاتے تو ظاہر حال میں یہ بات ظلم کے زیادہ مشابہ ہوتی کیونکہ ایسی صورت میں جاہل تنگ دست یہ شکوہ کرتا کہ اے اللہ عَزَّوَجَلَّ! تو نے فلاں کو مال داری اور عقل دونوں سے نوازا ہے

اور مجھے دونوں سے محروم رکھا، تونے یہ دونوں چیزیں مجھے عطا کیوں نہیں کیں یا کم از کم ایک ہی عطا کر دیتا۔

حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے پوچھا گیا عقل مند لوگ تنگ دست کیوں ہوتے ہیں؟ تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ”انسان کی عقل بھی رزق میں شمار ہوتی ہے۔“ یہ بات باعث حیرت ہے کہ کوئی عقل مند تنگ دست جب کسی جاہل مالدار کو اپنے آپ سے بہتر حالت میں دیکھے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے شکوہ کرنے لگے مگر اس بات پر تیار نہ ہو کہ اپنی حالت اس سے بدل لے یعنی اپنی تنگ دستی اور عقل مندی کے عوض اس کی جہالت اور مال داری خرید لے۔ معلوم ہوا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت جو اس پر ہے وہ بڑی ہے، لہٰذا اسے جاہل دولت مند کو دیکھ کر اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔

اسی طرح خوبصورت تنگ دست عورت جب کسی بدشکل عورت پر زیورات وجواہر دیکھتی ہے تو تعجب کرتے ہوئے کہتی ہے کہ میں اپنے حسن وجمال کے باوجود کیوں زیب وزینت سے محروم ہوں اور اس قبیح شکل کو زینت کیسے حاصل ہو گئی؟ وہ دھوکے میں پڑی ہوئی یہ نہیں جانتی کہ اس کی خوبصورتی بھی رزق میں شمار ہے۔ اگر اسے حسن اور بدصورتی میں اختیار دیا جائے جب کہ بدصورتی کے ساتھ مالداری بھی ہو تو وہ حسن وجمال کو ترجیح دے گی۔ معلوم ہوا کہ حسن وجمال اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بڑی نعمت ہے۔ کسی عاقل تنگ دست کا یہ کہنا: ”الٰہی تونے مجھے دنیا سے کیوں محروم رکھا ہے جبکہ جاہل کو دنیا سے نوازا ہے۔“ ایسا ہی ہے جیسے کوئی بادشاہ سے گھوڑے کا تحفہ پا کر کہے: ”عالی جاہ! آپ نے مجھے غلام کیوں نہیں عطا کیا جبکہ میرے پاس گھوڑا بھی ہے۔“ تو بادشاہ جواب میں کہے: ”اگر میں تجھے گھوڑا نہ دیتا تو تجھے غلام کے نہ ملنے پر تعجب نہ ہوتا، فرض کرو کہ میں نے تمہیں گھوڑا نہ دیا ہوتا تو کیا تم میری ایک نعمت کو دوسری کا وسیلہ اور حجت بناتے اور اس کے ذریعے دوسری نعمت طلب کرتے؟“

یہ اَوہام (یعنی شکوک وشبہات) ہیں جن سے جاہل لوگ خالی نہیں ہوتے اور ان تمام کا منشا جہالت ہے جس کا اِزالہ یقین کے ساتھ اس بات کو جان لینے سے ہوتا ہے کہ وجودِ انسانی، اس کا عمل اور اس کے اوصاف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتیں ہیں جو بلا استحقاق اسے حاصل ہیں۔ جب آدمی یہ جان لیتا ہے تو وہ اپنے عمل پر خود پسندی کا اظہار نہیں کرتا اور نہ اس پر نازاں ہوتا ہے بلکہ اس کے دل میں عاجزی اور شکر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں

اور اسے یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں یہ نعمتیں سَلب نہ ہو جائیں، لہٰذا وہ اپنے علم و عمل پر اتراتا نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے علم و عمل کا باعث ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

سیِّدُنا داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام کو تنبیہ:

ایک مرتبہ حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: ”اے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ! کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس میں آلِ داوٗد میں سے کوئی رات بھر تیری عبادت نہ کر رہا ہو اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں آل داوٗد میں سے کوئی روزہ دار نہ ہو۔“ ایک روایت میں یوں ہے: ”رات اور دن کی کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی جس میں آلِ داوٗد کا کوئی عابد تیری عبادت نماز یا روزہ یا ذکر میں مشغول نہ ہو۔“ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف وحی فرمائی: ”اے داوٗد (عَلَیْہِ السَّلَام)! یہ عبادت کی طاقت ان میں کہاں سے آئی؟ یہ سب میری توفیق سے ہے، اگر تمہیں میری مدد حاصل نہ ہوتی تو تمہیں بھی عبادت کی قوت نہ ملتی اور عنقریب میں تمہیں تمہارے نفس کے حوالے کر دوں گا۔“

حضرت سیِّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: ”حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آلِ داوٗد کی عبادت کو بطورِ ناز بیان کیا اور اس پر خود پسندی کا اظہار کیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں ان کے نفس کے سپرد کر دیا جس کی وجہ سے ان سے ایسی لغزش واقع ہوئی جو غم اور ندامت کا باعث بنی۔“

ایک دن حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: ”اے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ! بنی اسرائیل تجھ سے حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب عَلَیْہِمُ السَّلَام کے وسیلے سے کیوں دعا مانگتے ہیں؟“ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ”میں نے انہیں آزمائش میں مبتلا کیا تو وہ اس میں ثابت قدم رہے۔“ حضرت سیِّدُنا داوٗد عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کی: ”اے میرے ربّ عَزَّوَجَلَّ! اگر تو مجھے آزمائے گا تو میں بھی صبر کروں گا۔“ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے چونکہ وقت سے پہلے اپنے عمل پر ناز کیا اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ”میں نے انہیں اس بات کی خبر نہیں دی تھی کہ میں انہیں کس عمل کے ساتھ، کس مہینے اور کس دن آزماؤں گا لیکن تمہیں خبر دیتا ہوں کہ اسی سال اور اسی مہینے میں کل کے دن ایک عورت کے ذریعے

آزماؤں گا تم اپنے نفس کی حفاظت کرنا۔"

صحابۂ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان کا اپنی قوت پر عُجب:

جب صحابۂ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان نے غزوۂ حُنَین کے دن اپنی قوت اور کثرت پر بھروسا کیا اور اپنے اوپر اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے فَضل کو بھول گئے اور کہنے لگے کہ آج ہم لشکر کی کمی کے باعث مغلوب نہیں ہوں گے تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے انہیں ان کے نفسوں کے سپرد کر دیا۔[1]

اللہ عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ﴿٢٥﴾ (پ۱۰، التوبۃ: ۲۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے۔

سب تیری توفیق سے ہے:

حضرت سیِّدُنا سفیان بن عُیَیْنَہ رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ سے مروی ہے کہ حضرت سیِّدُنا ایوب عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی بارگاہ میں عرض کی: الٰہی عَزَّ وَجَلَّ! تو نے مجھے اس آزمائش میں ڈالا ہے حالانکہ مجھ پر جو بھی معاملہ گزرا میں نے تیری رِضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دی۔ تو ایک بادل سے دس ہزار آوازیں سنائی دیں اے ایوب! یہ بات تیرے اندر کہاں سے پیدا ہوئی؟ حضرت سیِّدُنا سفیان رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ فرماتے ہیں: یہ بات سُن کر حضرت سیِّدُنا ایوب عَلَیۡہِ السَّلَام نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور عرض کی: اے میرے ربّ عَزَّ وَجَلَّ! سب تیری توفیق سے ہے، اے میرے ربّ عَزَّ وَجَلَّ! سب تیری توفیق سے ہے۔[2]

اللہ عَزَّ وَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا (پ۱۸، النور: ۲۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہو سکتا۔

---

1 ...المغازی للواقدی، غزوۃ حنین، ۳/ ۸۸۹، ۸۹۰

2 ...حلیۃ الاولیاء، سفیان بن عیینۃ، ۷/ ۳۳۶، الحدیث: ۱۰۷۵۵

نجات رحمتِ باری تعالیٰ ہی سے ہوگی:

حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمَّت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس امت کے افضل لوگوں یعنی صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان سے فرمایا: "مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يُّنْجِيْهِ عَمَلُهٗ یعنی تم میں سے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا۔" صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے عرض کی: "یَا رسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! کیا آپ کو بھی؟" فرمایا: "ہاں! مجھے بھی البتہ اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے گا۔"[1]

اس فرمانِ نبوی کو سننے کے بعد صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان اپنے زُہد و تقویٰ کے باوجود یہ تمنا کیا کرتے کہ کاش وہ مٹی، بھوسہ یا پرندہ ہوتے۔ تو صاحبِ بصیرت شخص کیسے اپنے عمل پر خود پسندی کر سکتا ہے یا اِترا سکتا ہے اور کیونکر اپنے نفس سے بے خوف ہو سکتا ہے؟

یہ خود پسندی کا علاج ہے جس سے خود پسندی کا مادہ بالکل جڑ سے کٹ جاتا ہے۔ جب خود پسندی میں مبتلا شخص اس طریقۂ علاج کے مطابق خود پسندی کا علاج کرتا ہے تو جس وقت اس کے دل پر خود پسندی غالب آتی ہے تو سَلْبِ نعمت کا خوف اسے اترانے سے بچاتا ہے بلکہ جب وہ کافروں اور فاسقوں کو دیکھتا ہے کہ کسی گناہ کے بغیر ان کو ایمان اور اِطاعتِ الٰہی کی دولت سے محرومی ملی ہے تو وہ ڈرتے ہوئے یہ سوچتا ہے کہ جس ذات کو اس بات کی پروا نہیں کہ وہ بغیر کسی جرم کے کسی کو محروم کر دے یا بغیر کسی وسیلے کے کسی کو عطا کرے تو وہ دی ہوئی نعمت کو واپس بھی لے سکتا ہے۔ کتنے ہی ایمان والے مرتد ہو کر اور اطاعت گزار فاسق ہو کر برے خاتمے کا شکار ہوئے۔ جب آدمی اس طرح سوچے گا تو خود پسندی اس میں باقی نہیں رہے گی۔

پانچویں فصل: خود پسندی کے اَسباب اور اُن کا عِلاج

جان لیجئے! خود پسندی کے آٹھ اسباب ہیں اور یہ وہی ہیں جو تکبُّر کے اسباب ہیں جنہیں ہم ذکر کر چکے اور بسا اوقات آدمی ایسے سبب سے بھی خود پسندی کا اظہار کر رہا ہوتا ہے جو تکبر کا باعث نہیں ہوتا جیسے اپنی ایسی غلط رائے پر خود پسندی کا اظہار کرنا جو جہالت کے سبب اسے اچھی معلوم ہو۔

---

[1]...مسلم، کتاب صفة القیامة، باب لن یدخل احد الجنة بعملہ...الخ، ص۱۵۱۳، الحدیث: ۲۸۱۶

خود پسندی کے آٹھ اسباب اور ان کا علاج

پہلا سبب:

خود پسندی کا پہلا سبب اپنے بدن کے سلسلے میں خود پسندی کا اظہار کرنا ہے یعنی حسن وجمال، شکل وصورت، صحت، قوت، تناسُب اعضاء، حُسنِ صورت اور اچھی آواز پر اِترانا۔ جب انسان اپنے بدن پر خود پسندی کا اظہار کرتا ہے تو وہ اپنے حسن وجمال کی طرف مُتَوَجِّہ ہو کر اس بات کو بھول جاتا ہے کہ یہ بدن اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت ہے جسے زوال پذیر ہونا ہے۔

اس کا علاج وہی ہے جو ہم نے حسن وجمال کے سبب تکبر کے ضمن میں بتایا یعنی وہ اپنی باطنی گندگیوں میں غور کرے اور اپنے آغاز وانجام کے بارے میں سوچ وبچار کرے نیز یہ سوچے کہ کس طرح خوبصورت چہرے اور عمدہ بدن خاک میں مل گئے اور قبروں میں یوں بدبودار ہو گئے کہ طبیعتیں ان سے نفرت کرنے لگیں۔

دوسرا سبب:

خود پسندی کا دوسرا سبب اپنی طاقت وقوت پر ناز کرنا ہے۔ جیسا کہ قوم عاد نے یہ کہا تھا:

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ (پ۲۴، حٰمٓ السجدۃ:۱۵) ترجمۂ کنزالایمان: ہم سے زیادہ کس کا زور۔

عُوج بن عُنُق کا اپنی قوت پر اعتماد کرنا اور اس پر اِترانا اسی سبب کے باعث تھا۔ چنانچہ جب عُوج بن عُنُق نے پہاڑ کو اکھاڑ کر حضرت سیِّدُنا موسٰی کَلِیْمُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے لشکر پر پھینکنا چاہا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم سے ہُدہُد نے اپنی نہایت کمزور چونچ سے اس پہاڑ میں ایسا سوراخ کر دیا کہ وہ اس کی گردن کا طوق بن گیا (اور وہ ہلاک ہو گیا)۔ کبھی مومن بھی اپنی قوت پر بھروسا کرتا ہے جیسا کہ حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے مُتَعَلِّق مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا: ”میں آج کی رات اپنی 100 بیویوں کے پاس جاؤں گا۔“(1) لیکن انہوں نے اِنْ شَآءَ اللہ نہ کہا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں اس اولاد سے محروم کر دیا جس کا انہوں ارادہ کیا تھا۔ (حضرت سیِّدُنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے یہ ارادہ فرمایا تھا کہ اگر 100 عورتوں سے اولاد ہوئی تو انہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ

---

1 ...بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب من طلب الولد للجہاد، ۲/ ۲۵۹، الحدیث: ۲۸۱۹

کی راہ میں جہاد کے لئے بھیجوں گا) اسی طرح حضرت سَیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَاوَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُوَالسَّلَام کا یہ قول: "اگر تو نے مجھے آزمائش میں ڈالا تو میں صَبْر کروں گا۔" اپنی قوت پر خود پسندی کرنے کے قبیل سے ہے۔

قوت وطاقت پر خود پسندی کرنے کے باعث انسان لڑائی کے لئے فی الفور تیار ہو جاتا ہے، اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے، جو شخص اس سے بُرائی کا قصد کرتا ہے اسے مارنے اور قتل کرنے کی جلدی کرتا ہے۔

اس کا علاج بھی ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ انسان یہ جان لے کہ ایک دن کے بخار سے اس کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے نیز جب وہ اس پر اِتراتا ہے تو ہو سکتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ کوئی ادنٰی سی آفت اس پر مُسَلَّط کر دے جس کے باعث اس کی قوت سَلْب ہو جائے۔

تیسرا سبب:

خود پسندی کا تیسرا سبَب اپنی عَقْل اور ذِہانت پر خود پسندی اور دِین و دُنیا کے حوالے سے باریک امور کو سمجھ لینے پر اِتراتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنی رائے کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے، کسی سے کوئی مشورہ نہیں لیتا اور جو لوگ اس کے اور اس کی رائے کے مخالف ہوتے ہیں انہیں جاہل شمار کرتا ہے۔ ایسا شخص اَہْلِ عِلْم کی صحبت بہت کم اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ اپنی عقل اور رائے کی وجہ سے اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا یہی نہیں بلکہ وہ اہل علم کو اپنے سے حقیر اور کمتر خیال کرنے سے بھی نہیں ڈرتا۔

اس کا علاج یہ ہے کہ ایسا شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اسے نِعْمَتِ عَقْل سے نوازا ہے اور یہ سوچے کہ اگر اس کے دماغ میں کوئی مَرَض لاحق ہو جائے تو اس کے سبَب وہ وسوسوں کا شکار ہو سکتا ہے اور نوبت ایسے پاگل پن تک بھی پہنچ سکتی ہے کہ لوگ اس پر ہنسیں۔ چنانچہ اگر وہ اپنی عقل پر اِتراتا ہے اور اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا نہیں کرتا تو اسے اس بات سے بے خوف نہیں ہونا چاہئے کہ اس کی عقل زائل بھی ہو سکتی ہے، لہٰذا وہ اپنی عقل اور علم کو کم سمجھے اور وسیع علم کا حامل ہونے کے باوجود یہ گمان کرے کہ اسے جو علم ملا ہے وہ بہت کم ہے اور یہ بات جانے کہ بہت ساری ایسی باتیں بھی ہیں جنہیں لوگ تو جانتے ہیں لیکن اسے ان کے بارے میں علم نہیں۔ جب انسانوں کے مقابلے میں اس کے علم کا یہ عالم ہے تو باری تعالیٰ کے مقابلے میں اس کے علم کی کیا حیثیت۔ اَحمق لوگوں کی طرف غور کرے کہ وہ کس طرح اپنی عقلوں پر

اِتراتے ہیں لیکن لوگ ان پر ہنستے ہیں۔ پس وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں بے خیالی میں وہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائے کیونکہ کم عقل شخص اپنی کم عقلی سے بے خبر ہوتا ہے، لہٰذا اپنی عقل پر خود پسندی کا اظہار کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنی عقل کی مقدار دوسروں سے معلوم کرے خود سے نہیں اور دوسروں سے معلوم کرنے میں یہ لحاظ کرے کہ دشمنوں سے اور دوستوں سے معلوم نہ کرے جہاں تک دشمنوں کی بات ہے وہ تو ظاہر ہے اور دوستوں سے اس لئے نہیں کہ دوست جھوٹی تعریفیں کر کے مزید خود پسندی کا باعث بنتے ہیں۔

چوتھا سبب:

خود پسندی کا چوتھا سبب عالی نسب ہونے پر فخر کرنا ہے مثلاً ہاشمی ہونے پر اِترانا حتّٰی کہ بعض لوگوں نے تو یہ خیال کر لیا ہے کہ وہ اپنے نسبی شرف اور آباو اجداد کے سبب نجات پا جائیں گے اور انہیں بخش دیا جائے گا اور بعض عالی نسب اس گمان میں مبتلا ہیں کہ تمام لوگ ان کے غلام اور نوکر ہیں۔

اس کا علاج یہ ہے کہ وہ اس بات کو جانے کہ اگر وہ یہ سوچتا ہے کہ اخلاق و اعمال میں اپنے آباو اجداد کی مُخالَفت کرنے کے باوجود وہ ان کے درجے تک پہنچ جائے گا تو یہ سوچ جہالت پر مبنی ہے۔ اگر وہ اپنے آباء و اجداد کی پیروی کا دعوٰی کرتا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ ان لوگوں میں خود پسندی کہاں تھی، ان میں تو خوف تھا اور وہ اپنے آپ کو کمتر جانتے تھے جبکہ دوسرے لوگوں کو بڑا نیز وہ اپنے نفس کی مذمت کرتے تھے، انہوں نے عبادتِ الٰہی، علم اور اچھے اخلاق کے سبب مقام و مرتبہ حاصل کیا نسب کے باعث نہیں، لہٰذا جن اعمال کے ذریعے انہوں نے شرف حاصل کیا تُو بھی ان اعمال کے ذریعے شرف حاصل کر کیونکہ برابری نسب اور ہم قبیلہ ہونے پر فخر کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور ایسے لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہاں کتوں سے زیادہ برے اور خنزیر سے زیادہ ذلیل ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى (پ۲۶، الحجرات: ۱۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔

یعنی تمہارے نسب میں کوئی تفاوت نہیں کیونکہ تم ایک اصل (یعنی آدم عَلَیْهِ السَّلَام کی اولاد ہونے) میں اکٹھے ہو پھر نسب کا فائدہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ (پ۲۶، الحجرات: ۱۳)

ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو۔

پھر بیان فرمایا کہ عزت وشرف کا تعلق تقوٰی سے ہے نسب سے نہیں:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ (پ۲۶، الحجرات: ۱۳)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

لوگوں میں مُعَزّز کون؟

رسولوں کے سردار، دوعالَم کے مالک ومختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے کسی نے عرض کی: "لوگوں میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟" ارشاد فرمایا: "جو لوگوں میں سب سے زیادہ عقل مند ہو۔"

یہاں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ نہیں فرمایا کہ جس کا نَسَب مجھ سے ملتا ہو وہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز ہے۔

ایک مرتبہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: لوگوں میں معزز وہ ہے جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور اس کے لئے خوب تیاری کرے۔[1]

فتح مکہ کے دن جب حضرت سیِّدُنا بلال حبشی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے خانہ کعبہ کی چھت پر اذان دی تو حارِث بن ہِشام، سُہَیْل بن عَمْرو اور خالِد بن اُسَیْد نے کہا: کیا یہ سیاہ فام غلام ہی اذان دینے کو ملا تھا؟ اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مُبارَکہ نازِل فرمائی:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ (پ۲۶، الحجرات: ۱۳)

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

سیِّدِ عالَم، نُورِ مجسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالی ہے: بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ نے تم سے جاہلیت کا عیب (یعنی تکبر) دور کر دیا ہے۔

---

[1] ...سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الموت والاستعداد لہ، ۴/ ۴۹۶، الحدیث: ۴۲۵۹ بتغیر
مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا، ص۶، الحدیث: ۳

ایک مرتبہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم عَلَیْہِ السَّلَام مٹی سے پیدا کئے گئے۔[1]

قریشی ہونا نفع نہ دے گا:

رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قریش سے فرمایا: "اے گروہِ قریش! ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز لوگ اعمال لے کر آئیں اور تم دنیا کے ساتھ ایسے آؤ کہ اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہو اور کہو اے محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اے محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اے محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اور میں بھی ایسا ہی کہوں۔"[2]

یعنی تم سے اِعراض کروں۔ اس حدیث پاک میں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بیان فرمایا کہ اگر وہ دنیا کی طرف مائل ہو گئے تو ان کو قریشی ہونا نفع نہیں دے گا۔

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴿۲۱۴﴾ (پ۱۹، الشعراء: ۲۱۴)

ترجمۂ کنز الایمان: اور اے محبوب اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

تو حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے خاندان کے تمام افراد کو پکارا اور فرمایا: اے فاطمہ بِنْتِ محمد! اے صَفِیَّہ بِنْتِ عبدُ المُطَّلِب! اپنے لئے عمل کرو میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مقابل تم سے کچھ دور نہیں کر سکتا۔[3] [4]

---

1 ...سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی التفاخر بالاحساب، ۴/ ۴۲۷، الحدیث: ۵۱۱۶

2 ...الادب المفرد للبخاری، باب الحسب، ص ۲۴۲، الحدیث: ۹۲۱ بتغیر قلیل

3 ...بخاری، کتاب الوصایا، باب ھل یدخل النساء... الخ، ۲/ ۲۳۸، الحدیث: ۲۷۵۳

4 ...شارحین نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ چنانچہ حضرت سیِّدُنا حافظ ابن حجر عسقلانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی فتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد9، صفحہ 432 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: یہ روایت اس سے پہلے کی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اذن عطا فرمایا ہے کہ جس کی چاہیں شفاعت کریں آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، یا خوف دلانے اور ڈرانے کا مقام تھا اس لئے اس طرح ارشاد فرمایا، یا پھر عمل پر اُبھارنے میں مبالغہ کرنا مقصود تھا۔

مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الحَنَّان مراۃ المناجیح، جلد7، صفحہ 181 پر اس کے تحت فرماتے...

جس شخص نے ان امور کو جان لیا اور اس بات کو پہچان لیا کہ اس کا شرف تقویٰ کے اعتبار سے ہے اور یہ کہ اس کے آباء و اَجداد کی عادت عاجزی تھی تو وہ تقویٰ اور عاجزی میں ان کی پیروی کرے ورنہ در حقیقت وہ اپنے نَسَب کی بدنامی کا باعث ہے کہ وہ نسب میں تو ان کی طرف منسوب ہے لیکن عاجزی، تقویٰ اور خوف میں ان کے مشابہ نہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کہا جائے کہ رسولِ اکرم، شفیعِ مُعَظَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب خاتونِ جنّت حضرت سیِّدَتُنا فاطمۃُ الزَّہرا اور حضرت سیِّدَتُنا صفیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کو یہ فرمایا کہ "میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے مُقابل تم سے کچھ دور نہیں کر سکتا۔" تو اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ "تمہیں مجھ سے قرابت ہے میں اس قرابت کا لحاظ رکھوں گا۔"[1] نیز آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ "کیا قوم سُلَیم میری شفاعت کی امید رکھتی ہے اور بنو عبدُ المُطَّلِب اس کی امید نہیں رکھتے۔"[2] ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے قرابت داروں کو خصوصی شفاعت حاصل ہوگی، لہٰذا سیِّد کو اپنے نسب پر خود پسندی کا اظہار کرنا صحیح ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مسلمان کو حضور اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شفاعت کی تَوَقُّع رکھنی چاہئے اور سیِّد تو اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ وہ شفاعت کی امید رکھے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب سے ڈرے کیونکہ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس پر غضب فرمایا تو کسی کو بھی اس کی شفاعت کی اجازت نہیں ہوگی۔

...یعنی اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا اور تم آخرت میں سزا کی مستحق ہو گئیں تو وہ سزا میں تم سے دفع نہیں کر سکتا اور تم عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتیں، لہٰذا یہ حدیث نہ تو اس آیت کے خلاف ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (پ۹، الانفال: ۳۳، ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔) کیونکہ اس آیت میں دنیاوی عذاب مراد ہے، حضور کی برکت سے کفار پر دنیاوی عذاب نہیں آتا اور یہاں اُخروی عذاب مراد ہے اور نہ اس حدیثِ شفاعت کے خلاف ہے: شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ کہ میری شفاعت میری اُمّت کے گناہِ کبیرہ والوں کو بھی پہنچے گی کہ وہاں اُمّت کا ذکر ہے یہاں کفّار کا ذکر ہے۔

1 ...مسلم، کتاب الایمان، باب فی قولہ تعالی: وانذر عشیرتک الاقربین، ص ۱۳۱، الحدیث: ۲۰۴، ۲۰۵

2 ...المعجم الاوسط، ۳/ ۲۹۹، الحدیث: ۳۶۴۷ بتغیر

شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ للالکائی، باب الشفاعۃ لاہل الکبائر، ۲/ ۹۴۳، الحدیث: ۲۰۸۱

گناہ دو قسم کے ہیں:

گناہ دو قسم کے ہیں: (۱) وہ گناہ جو غَضَبِ الٰہی کا باعث ہوں۔ ایسے گناہوں کی شفاعت کی اجازت کسی کو نہیں ملے گی۔ (۲) وہ گناہ جو شفاعت سے مُعاف ہو جائیں۔ جیسے دنیوی بادشاہوں کا مُعاملہ ہے کہ بعض خطائیں اور جُرم ایسے ہوتے ہیں جن پر بادشاہ کو اس قدر غُصّہ آتا ہے کہ اس کے تمام مُقرَّبِین سفارش کرنے کی مَجال نہیں رکھتے۔

عَدَمِ شفاعت کے مُتعلِّق اللہ عَزَّوَجَلَّ کے یہ فرامین ہیں:

﴿1﴾...

وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى

(پ۱۷، الانبیاء: ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے۔

﴿2﴾...

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ

(پ۳، البقرۃ: ۲۵۵)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے۔

﴿3﴾...

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ

(پ۲۲، سبا: ۲۳)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اذن فرمائے۔

﴿4﴾...

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِیْنَ ؕ﴿۴۸﴾

(پ۲۹، المدثر: ۴۸)

ترجمۂ کنزالایمان: تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ جن میں شفاعت فائدہ دے گی اور (۲) وہ جن میں شفاعت نَفع بخش نہ ہو گی۔ تو لازمی ہے کہ انسان اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرے کیونکہ اگر تمام گناہوں میں شفاعت قبول ہوتی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم قریش کو اپنی اطاعت کا حکم نہ دیتے اور حضرت سیِّدَتُنا خاتونِ جنّت

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو گناہ سے منع نہ فرماتے بلکہ انہیں اپنی خواہش پر چلنے کی اجازت دے دیتے تاکہ اس طرح ان کی دنیاوی لذات کی تکمیل ہوتی اور آخرت میں شفاعت کر کے ان کے لئے اُخروی نعمتوں کی بھی تکمیل فرمادیتے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں، لہٰذا شفاعت کی امید پر گناہوں میں مبتلا ہونا اور تقوٰی کو چھوڑ دینا ایسا ہے جیسے کوئی مریض پرہیز نہ کرے بلکہ صرف اپنے طبیب پر اعتماد کرے کہ وہ اس کا قریبی اور مُشفِق ہے یعنی اس کا باپ یا بھائی وغیرہ ہے تو ایسا اعتماد حماقت ہے کیونکہ حکیم کی کوشش اور اس کی ہمت اور مہارت بعض بیماریوں کے ازالے میں نفع دیتی ہے تمام بیماریوں کے ازالے کے لئے نہیں لہٰذا محض طبیب پر اعتماد کر کے مطلقاً پرہیز کو ترک کر دینا دُرست نہیں۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ طبیب کی دوائی کا اثر ہوتا ہے لیکن آسان امراض اور طبیعت پر اعتدال کے غلبے کے وقت، لہٰذا انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور بزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن کی عنایتِ شفاعت کو اپنوں اور غیروں کے لئے اس انداز میں سمجھا جائے اور اس کی وجہ سے خوف اور پرہیز کو ترک نہ کیا جائے اور اسے ترک کیسے کیا جاسکتا ہے جبکہ سرکارِ دو عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر حضرات صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان تھے اس کے باوجود وہ آخرت کے خوف سے یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش وہ چوپائے ہوتے حالانکہ ان کا تقوٰی کامل، اعمال عمدہ اور دل صاف تھے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رحمتِ عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان کے متعلق جنت کا خصوصی اور تمام مسلمانوں کے لئے شفاعت کا عمومی وعدہ فرمایا ہے مگر انہوں نے اس پر تکیہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دل میں خوف رکھتے رہے۔ حیرت ہے ان لوگوں پر جو صحابیت کے مقام پر فائز ہوئے نہ اسلام لانے میں سبقت حاصل کی اس کے باوجود خود پسندی میں مبتلا ہیں اور شفاعت پر تکیہ کئے ہوئے ہیں۔

پانچواں سبب:

خود پسندی کا ایک سبب ظالم بادشاہوں اور ان کے مددگاروں کے ذریعے اِترانا اور اہلِ دین اور اہلِ علم کی طرف اپنی نسبت کو اہمیت نہ دینا ہے۔ یہ انتہائی درجہ کی جہالت ہے۔

اس کا عِلاج یہ ہے کہ آدمی ان کی رُسوا کُن حرکات اور بندگانِ خدا پر جو انہوں نے ظلم ڈھائے نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دین میں جس طرح فساد برپا کیا اس میں غور و فکر کرے اور یہ سوچے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب

کے کس قدر لائق ہیں۔ چنانچہ اگر وہ جہنّم میں ان کی صورتوں کو دیکھ لے اور ان سے اٹھنے والی بدبو اور گندگی کو مُلاحَظہ کرے تو اسے دیکھ کر وہ ان سے نفرت کا اظہار کرنے لگ جائے اور ان کی طرف نسبت کرنے سے بر اءَت کا اظہار کرے بلکہ اگر کوئی اسے ان کی طرف منسوب کرے تو اس کا انکار کرے اور بادشاہوں اور ان کے مددگاروں کو حقیر و ذلیل جانے۔ اگر اُس پر ان کی قیامت کے دن کی ذِلّت ظاہر ہو جائے کہ جن لوگوں پر انہوں نے ظلم کیا وہ ان سے چمٹے ہوئے ہیں اور فِرِشتے انہیں ان کی پیشانیوں سے پکڑ کر کھینچ رہے ہیں اور ان مظالِم کے باعث انہیں جہنم میں لے جایا جارہا ہے تو اس صورت کے ظاہر ہونے پر وہ ان سے بر اءَت کا اظہار کرے اور ان کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کے مقابلے میں کتے اور خنزیر کی طرف منسوب کرنا پسند کرے، لہٰذا ظالم لوگوں کی اولاد کو اگر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ نے ظلم کرنے سے محفوظ رکھا ہے تو انہیں اس پر **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ان کا دین سلامت ہے اور اگر آباء واجداد مسلمان ہیں تو اولاد کو ان کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہئے۔ ان کی نسبت سے خود پسندی میں مبتلا ہونا محض جہالت ہے۔

چھٹا سبب:

خود پسندی کا ایک سبب اولاد، نوکر چاکر، قبیلے، عزیز واقارب، مددگاروں اور اتباع کرنے والوں کی کثرت پر اِترانا ہے۔ جیسا کہ کفار نے کہا:

نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا (پ۲۲، سبا: ۳۵) ترجمۂ کنزالایمان: ہم مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں۔

اسی طرح غزوۂ حُنَین کے دن مسلمانوں کا یہ کہنا: "آج ہم لشکر کی کمی کے باعث مغلوب نہیں ہوں گے۔"

اس کا علاج وہی ہے جو تکبر کے بیان میں ذکر کیا گیا کہ جن کی کثرت پر نازاں ہے ان کی اور اپنی کمزوری کا خیال کرے اور یہ سوچے کہ تمام لوگ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے عاجز بندے ہیں ذاتی طور پر کوئی نَفْع و نُقصان کا مالک نہیں۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کے حکم سے تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئی ہے تو وہ کیسے اپنے معاونین کی کثرتِ تعداد پر خود پسندی میں مبتلا ہیں حالانکہ مرنے کے بعد سب متفرق ہو جائیں گے، ہر شخص اپنی قبر میں ذلیل و حقیر ہو کر تنہا جائے گا، اس کے اہل واولاد، قریبی رشتہ دار، یار دوست اور خاندان کے اَفراد میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں ہوگا، وہ اسے گلنے سڑنے کے لئے نیز سانپوں، بچھوؤں اور کیڑے

مکوڑوں کی خوراک بننے کے لئے سپردِ خاک کردیں گے اور اس کے عذاب میں سے کچھ دور نہ کرسکیں گے حالانکہ یہ وہ وقت ہوگا جس میں اسے ان کی زیادہ حاجت ہوگی، اسی طرح بروزِ قیامت وہ اس سے آنکھیں پھیرلیں گے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ (پ۳۰، عبس: ۳۴ تا ۳۶)

ترجمۂ کنز الایمان: اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی اور ماں اور باپ اور جورو (بیوی) اور بیٹوں سے۔

چنانچہ جو لوگ مشکل وقت میں تیرا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے ان میں کیا بھلائی ہے اور ان پر تو کس طرح اِتراتا ہے؟ حالانکہ قبر میں، روزِ قیامت اور پُل صراط پر صرف تیرا عمل اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل ہی تجھے نفع دے گا۔ تو جو لوگ تجھے نفع نہیں دے سکتے تو اُن پر کیونکر اِتراتا ہے؟ اور جو ذات تیرے نفع ونقصان اور موت وحیات کی مالک ہے اسے کیسے بھول جاتا ہے؟

ساتواں سبب:

خود پسندی کا ایک سبب مال پر اِترانا ہے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے باغ کے دو مالکوں کا قصہ قرآن پاک میں بیان فرمایا کہ ایک نے دوسرے سے کہا:

اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ (پ۱۵، الکھف: ۳۴)

ترجمۂ کنز الایمان: میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں۔

حُسنِ اَخلاق کے پیکر، محبوبِ ربِّ اکبر صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ایک مال دار شخص کو دیکھا کہ اس کے پہلو میں ایک فقیر بیٹھا تو اس نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے اور سُکڑ گیا۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "کیا تجھے یہ ڈر ہے کہ اس کی محتاجی تیری طرف پہنچ جائے گی؟"[1] اس مالدار نے یہ فعل اپنے مال پر اِترانے کے باعث کیا تھا۔

اس کا علاج یہ ہے کہ مال کی آفات، اس کے کثیر حقوق اور اس کے بڑے فتنوں کے بارے میں غور وفکر کرے اور اس کے مقابلے میں فقرا کی فضیلت اور بروزِ قیامت جنت کی طرف ان کی سبقت کو دیکھے نیز

[1] ...الزھد للامام احمد بن حنبل، زھد یونس علیہ السلام، ص۷۵، الحدیث: ۲۰۷

یہ بھی سوچے کہ مال تو آنے جانے والی چیز ہے اور ناپائیدار ہے، کئی یہودی مال میں اس سے بڑھ کر ہیں۔ علاوہ ازیں اس حدیث شریف کو بھی پیش نظر رکھے کہ "ایک شخص عمدہ لباس پہنے اکڑ کر چل رہا تھا، اسے اپنا آپ بڑا پسند آیا تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے زمین میں دھنسادیا اور وہ قیامت تک اس میں دھنستا رہے گا۔"(1) حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس حدیث پاک میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اسے اپنے مال اور نفس پر اِترانے کی یہ سزا ملی ہے۔

عمدہ کپڑے والے سے افضل:

حضرت سیِّدُنا ابوذر غفاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں کہ میں سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ہمراہ تھا، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مسجد میں داخل ہوئے اور ارشاد فرمایا: "اے ابوذَر! اپنا سر اٹھاؤ۔" میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک شخص عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ دوبارہ ارشاد فرمایا "اپنا سر اٹھاؤ۔" میں نے سر اٹھایا تو پُرانے کپڑوں میں ملبوس ایک شخص دکھائی دیا۔ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! یہ شخص اُس عمدہ کپڑے پہننے والے کی مثل زمین میں موجود تمام لوگوں سے افضل ہے۔(2)

ہم نے زُہد، دنیا کی مذمَّت اور مال کی مذمت کے بیان میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک مال داروں کی کمتری اور فقرا کی فضیلت کو واضح کرتا ہے، لہٰذا کسی مومن سے یہ بات کیسے متصور ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی مالداری پر اِترائے بلکہ مومن کو تو مالی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کا ڈر لگا رہتا ہے کہ آیا حلال طریقے سے اس نے مال حاصل کیا یا نہیں پھر اسے جائز مقام پر خرچ کیا یا نہیں؟ اور جو شخص مالی حقوق کی رعایت نہیں کرتا اس کا ٹھکانا ذِلَّت اور ہلاکت ہے۔

آٹھواں سبب:

خود پسندی کا آٹھواں سبب اپنی غَلَط رائے پر اِترانا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

---

(1) ...مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم التبختر فی المشی... الخ، ص۱۱۵۶، الحدیث: ۵۰(۲۰۸۸)

(2) ...الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب الفقر والزھد والقناعۃ، ۲/ ۳۵، الحدیث: ۶۸۰
المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابی ذر الغفاری، ۸/ ۹۱، الحدیث: ۲۱۴۵۳، ۲۱۴۵۴، ۲۱۴۵۵

﴿1﴾...

اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًاؕ

(پ۲۲،فاطر:۸)

ترجمۂ کنزالایمان: تو کیا وہ جس کی نگاہ میں اس کا بُرا کام آراستہ کیا گیا کہ اس نے اُسے بھلا سمجھا۔

﴿2﴾...

وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا(۱۰۴)

(پ۱۶،الکھف:۱۰۴)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

حضور نبیِّ غیب داں، مکی مَدَنی سُلطان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے کہ اس اُمَّت کے آخری دور میں غَلَط رائے پر اِترانے کا رُجحان غالِب ہو گا، اسی رجحان کی بدولت پچھلی اُمتیں ہلاک ہوئیں، فرقوں میں بٹ گئیں اور ہر ایک اپنی رائے پر اترانے لگا۔[1]

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ(۵۳)

(پ۱۸،المؤمنون:۵۳)

ترجمۂ کنزالایمان: ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے۔

تمام بدعتی اور گمراہ لوگ اپنی آراء پر اِترانے کے باعث اس پر ڈٹ جاتے ہیں اور بدعت پر اِترانے کا مطلب یہ ہے کہ جو بات خواہشِ نفس کے مطابق ہو انسان اسے اچھا سمجھے اور اپنے خیال میں اسے حق تصور کرے۔

اس طرح کی خود پسندی کا علاج دوسری صورتوں کے مقابلے میں انتہائی دُشوار ہے کیونکہ غَلَط رائے رکھنے والا اپنی خطا سے بے خبر ہوتا ہے، اگر اسے اس بات کا علم ہو جائے تو فوراً اسے چھوڑ دے اور جس مَرَض کے بارے میں معلوم نہ ہو اس کا عِلاج بہت مشکل ہوتا ہے اور جہالت ایک ایسا مرض ہے جس کا پتا نہیں چلتا، لہٰذا اس کا علاج بھی انتہائی دشوار ہے۔ عارف یہ تو کر سکتا ہے جاہل کو اس کی جہالت سے خبردار کرے اور جہالت کو اس سے دور کر دے لیکن جب کوئی اپنی رائے اور جہالت پر اِتراتا ہو تو وہ عارف کی بات پر کان نہیں دھرے گا بلکہ اُلٹا اس پر تہمت لگائے گا کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس پر ایک ایسی آفت مُسَلَّط کی ہے جو

[1]...سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ المائدۃ، ۵/ ۳۱، الحدیث: ۳۰۶۹

ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور وہ اسے نعمت سمجھ رہا ہے تو اس صورت میں اس کا علاج کیسے ممکن ہو گا اور وہ اس بات سے کیسے چھٹکارا حاصل کرے گا جسے وہ اپنے خیال میں سعادت سمجھ رہا ہے؟

اس کا اجمالی علاج یہ ہے کہ وہ ہمیشہ یہ سمجھے کہ میری رائے غَلَط بھی ہو سکتی ہے اور اپنی رائے کی صحت پر بھروسا نہ کرے جب تک قرآنِ مجید یا سُنَّتِ رسول سے کوئی دلیل قطعی نہ ہو یا کوئی صحیح دلیل عقلی نہ پائی جائے جو دلائل کی تمام شرائط کی جامع ہو اور انسان شرعی اور عقلی دلائل اور ان کی شرائط نیز غلطی کے مقامات سے اُسی صورت میں واقف ہو سکتا ہے جب کامل فطرت، تیز عقل اور جستجو کے ساتھ قرآن وسنت کا مطالعہ کرے اور بار بار قرآن وسنت کی طرف رجوع کرے، اہل علم کی مستقل صحبت اختیار کرے اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھے، لیکن ان سب کے باوجود بھی بعض امور میں انسان سے غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔

عوام کا ایمان:

جو شخص اپنی زندگی عِلْم کے حصول میں نہ گزارے اسے مذہبی مسائل میں غور وخوض کی اجازت نہیں، لہٰذا وہ مختلف مذاہب کے لوگوں کی باتوں پر کان دھرے نہ ان کی باتیں سنے بلکہ صرف یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی مثل کوئی نہیں اور وہ سننے، دیکھنے والا ہے اور رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جو خبریں دی ہیں وہ سچ ہیں نیز بزرگانِ دین کے طریقے پر چلے اور قرآن وسُنَّت میں جو اَحکام وارِد ہوئے ہیں انہیں بلابَحْث وتکرار اور بغیر سوال وجواب کے قبول کرے اور کہے: میں ایمان لایا اور میں نے تصدیق کی۔ تقویٰ اختیار کرے، گناہوں سے پرہیز کرے، اِطاعتِ الٰہی میں مصروف رہے، مسلمانوں پر شفقت کرے اور اچھے اعمال اختیار کرے۔ اگر ایسا شخص مذاہب اور بدعتیوں کی اَبحاث میں مشغول ہوا اور عقائد میں تَعَصُّب اپنایا تو غیر شُعوری طور پر ہلاک ہو جائے گا۔

یہ ان لوگوں کے مُتَعَلِّق ضروری اُمور تھے جو عِلْم کے علاوہ زندگی کے دوسرے مشاغِل میں مصروف ہیں لیکن جو شخص علم کے لئے اپنے آپ کو وَقْف کرنے کا عَزْم کئے ہوئے ہے تو اس کے لئے پہلا اہم کام دلیل اور اس کی شرائط کی پہچان حاصل کرنا ہے اور یہ مرحلہ بہت طویل ہے، اس سلسلے میں اکثر مطالب میں یقین اور مَعْرِفَت تک رَسائی انتہائی مشکل ہوتی ہے۔ اس پر وہی لوگ قادر ہوتے ہیں جو علم میں راسخ

ہوتے ہیں اور جنہیں نورِ الٰہی سے تائید حاصل ہوتی ہے، ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ ہم گمراہی سے محفوظ رہنے اور جاہلانہ خیالات کی بنیاد پر دھوکے میں آنے سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں۔

تمام تعریفیں خدائے وَحْدَہٗ لَاشَرِیْك کے لئے ہیں، ہمارے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے، نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی طرف سے ہے جو بہت بلندی اور عظمت والا ہے، دُرُود و سلام ہو ہمارے سردار حضرت محمد صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور آپ کے آل واصحاب پر۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل وکرم سے "تکبّر اور خود پسندی کا بیان" مکمل ہوا

❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀ ... ❀

عذابات کا نقشہ

شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابوبلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ اپنی مشہورِ زمانہ تالیف "فیضانِ سنّت" جلد اول کے صفحہ 405 پر تحریر فرماتے ہیں: میٹھے میٹھے اسلامی بھائیو! یاد رکھئے! زکوٰۃ ادا کرنے کے جہاں بے شُمار ثوابات ہیں نہ دینے والے کے لئے وہاں خوفناک عذابات بھی ہیں۔ چُنانچِہ میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، مولانا شاہ امام اَحمد رَضا خاں عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن قرآن وحدیث میں بیان کردہ عذابات کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں: خُلاصہ یہ ہے کہ جس سونے چاندی کی زکوٰۃ نہ دی جائے، روزِ قِیامت جہنّم کی آگ میں تپا کر اُس سے اُن کی پیشانیاں، کروٹیں، پیٹھیں داغی جائیں گی۔ اُن کے سر، پستان پر جہنّم کا گرم پتّھر رکھیں گے کہ چھاتی توڑ کر شانے سے نکل جائے گا اور شانے کی ہڈّی پر رکھیں گے کہ ہڈّیاں توڑتا سینے سے نکل آئے گا، پیٹھ توڑ کر کمر سے نکلے گا، گُدّی توڑ کر پیشانی سے ابھرے گا۔ جس مال کی زکوٰۃ نہ دی جائے گی روزِ قِیامت پُرانا خبیث خونخوار اَژدہا بن کر اس کے پیچھے دوڑے گا، یہ ہاتھ سے روکے گا، وہ ہاتھ چبالے گا، پھر گلے میں طوق بن کر پڑے گا، اس کا مُنہ اپنے مُنہ میں لے کر چبائے گا کہ میں ہوں تیرا مال، میں ہُوں تیرا خزانہ۔ پھر اس کا سارا بدن چباڈالے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

(فتاویٰ رضویہ، ۱۰/ ۱۵۳، رضا فاؤنڈیشن لاہور پاکستان)

دھوکے کی مَذَمَّت کا بیان (اس میں ایک مقدّمہ اور تین ابواب ہیں)

مُقَدّمہ:

تمام تعریفیں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے ہیں، تمام مُعاملات کی چابیاں اور اچھے بُرے کاموں کی کُنجیاں اسی کے دَستِ قُدرت میں ہیں، وہ اپنے اولیا (دوستوں) کو اندھیریوں سے اُجالے کی طرف نکالنے والا اور دشمنوں کو دھوکے کے گہرے گڑھے میں ڈالنے والا ہے اور ہر لمحہ ہر گھڑی درود ہو حضرت سیِّدُنا محمد مصطفٰے صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر جو مخلوق کو تاریکیوں سے نکالنے والے ہیں اور ان کی آل واصحاب پر بھی دُرُود ہو جنہیں دنیا کی زندگی کسی قسم کے دھوکے میں نہ ڈال سکی اور نہ ہی وہ ذاتِ باری تعالٰی کے بارے میں کسی قسم کے فریب کا شکار ہوئے۔

سعادت مَنْدی کی کنجی بیداری اور ہُشیاری ہے جبکہ بد بختی کا سَر چشمہ دھوکا اور غفلت ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اپنے بندوں پر سب سے بڑی نعمت ایمان اور مَعْرِفَت ہے (کہ اسی معرفت کے ذریعے ایمان کامل ہوتا ہے) اور اس تک پہنچنے کا صرف یہی ذریعہ ہے کہ باطنی نور سے سینہ کُشادہ ہو جائے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک کفر و گناہ سے بڑھ کر کوئی ناپسندیدہ بات نہیں اور اس طرف وہی دل رغبت کرتا ہے جو جَہالت کے اندھیرے میں اندھا ہو چکا ہو جبکہ عقل اور سمجھ بوجھ رکھنے والوں کے دل اس فرمانِ باری تعالٰی کے مطابق ہوتے ہیں:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍؕ (پ۱۸، النور: ۳۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب (مشرق) کا نہ پچھم (مغرب) کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے۔

اور جن لوگوں کے دل دھوکے میں ہیں ان کی مثال یوں ہے:

كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ (پ۱۸، النور: ۴۰)

ترجمۂ کنزالایمان: جیسے اندھیریاں کسی کُنڈے کے دریا میں اس کے اوپر موج موج کے اوپر اور موج اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک پر ایک جب اپنا ہاتھ نکالے تو سوجھائی دیتا معلوم نہ ہو اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لئے کہیں نور نہیں۔

اہلِ بصیرت وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا تو ان کے سینوں کو اسلام اور ہدایت کے نور سے مُنوَّر فرمادیا اور دھوکے میں مبتلا وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہدایت نہ دینے کا ارادہ فرمایا تو ان کے دلوں میں اس طرح تنگی اور گھٹن پیدا فرمادی (کہ ایمان کا ان کے دلوں میں داخل ہونا ایسا ناممکن ہوگیا) جیسے آسمان پر چڑھ جانا۔ دھوکے میں مبتلا وہ ہے جسے اپنی ہدایت کے لئے بصارت عطا نہیں ہوئی، لہٰذا وہ اندھا رہا اور اس حال میں اُس نے خواہش کو اپنا قائد اور شیطان کو اپنا راہ نُما بنالیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ (پ۱۵، بنی اسرآءیل: ۷۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں اندھا ہے اور اور بھی زیادہ گمراہ۔

برائیوں کی جڑ:

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ دھوکا تمام برائیوں کی جڑ ہے اور اسی سے ہلاکت میں ڈالنے والے تمام معاملات کی ابتدا ہوتی ہے تو ضروری ہے کہ دھوکے میں ڈالنے والے اور اس کی طرف لے جانے والے امور کے متعلق تفصیلی گفتگو کی جائے تاکہ راہِ حق کا خواہش مند ان امور کو پہچان کر ان سے دور رہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل و کرم جن بندوں پر ہوتا ہے وہی ان آفت زدہ اور خراب راستوں کی پہچان رکھتے اور ٹھوکر کھانے سے محفوظ رہتے ہیں، نیز وہ اپنے معاملات میں محتاط اور دور اندیش بھی ہوتے ہیں۔ اب دھوکے کے پیچیدہ راستوں کی نشان دہی اور ان پر چل کر گمراہی کے گہرے گڑھے میں گرنے والوں مثلاً: قاضی، عُلَما اور نیک راہ پر گامزن لوگوں کے بارے میں وضاحت کی جائے گی کہ کس طرح یہ لوگ بنیادی باتوں سے غافل رہ کر اپنے ظاہر کو اچھا اور باطن کو برا کرلیتے ہیں اور ہم اس بات کی طرف بھی اشارہ کریں گے کہ یہ لوگ کیوں دھوکے

میں پڑے ہوئے ہیں اور کن وجوہات کی بنا پر غفلت کا شکار ہیں؟ اگرچہ اس کی وجوہات بے شمار ہیں مگر یہ ممکن ہے کہ کچھ مثالوں کے ذریعے اس کی آگاہی ہو جائے سب کے بیان کی حاجت نہ رہے۔

دھوکے میں مبتلا افراد:

دھوکے میں مبتلا افراد کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ ہے لیکن ان سب کا شمار چار قسموں میں ہوتا ہے:

(۱)...عُلَما (۲)...عابِدین (۳)... صوفیا اور (۴)...مال دار۔

مذکورہ افراد کی آگے مزید کئی اقسام بنتی ہیں اور ان کے دھوکے میں پڑنے کی وجوہات بھی الگ الگ ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ برائی کو نیکی خیال کرتے ہیں۔ مثلاً: حرام مال سے مساجد کی تعمیر و آرائش کراتے ہیں اور بعض لوگ تو اس میں فرق نہیں کر پاتے کہ کون سا کام انہوں نے اپنی ذات کے لئے کیا ہے اور کون سا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کی خاطر جیسے وَعظ و نصیحت کرنے والا جس کی غرض عوام میں مقبولیت اور شہرت حاصل کرنا ہو اور ان میں بعض لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جو ضروری کام کو چھوڑ کر غیر ضروری کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو فرائض کو چھوڑ کر نَفْل کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو مغز کو چھوڑ کر چھلکے کو اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً: وہ جو نماز پڑھتے ہوئے صرف درست مخارج کی ادائیگی کی جانب ہی توجہ کرتے ہیں[1]۔ ان کے علاوہ بھی دھوکے میں مبتلا ہونے کے اسباب و ذرائع ہیں جن کی پہچان

---

[1]... سیِّدِی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنت، مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور، جلد 3، صفحہ 253 پر فرماتے ہیں: "اتنی تجوید (سیکھنا) کہ ہر حرف دوسرے سے ممتاز ہو فرضِ عین ہے۔ بغیر اس کے نماز قطعاً (بالکل) باطل ہے۔" نیز دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، جلد اول، حصہ سوم، صفحہ 511 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی عالمگیری کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: "قراءت اس کا نام ہے کہ تمام حروف مخارج سے ادا کیے جائیں، کہ ہر حرف غیر سے صحیح طور پر ممتاز ہو جائے۔" اور صفحہ 570 پر درمختار و ردالمحتار کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: جس سے حروف صحیح ادا نہیں ہوتے اس پر واجب ہے کہ تَصْحِیْحِ حُرُوْف میں رات دن پوری کوشش کرے اور اگر صحیح خواں (درست پڑھنے والے) کی اقتدا کر سکتا ہو تو جہاں تک ممکن ہو اس کی اقتدا کرے یا وہ آیتیں پڑھے جس کے حروف صحیح ادا کر سکتا ہو اور یہ دونوں صورتیں ناممکن ہوں تو زمانۂ کوشش میں اس کی اپنی نماز ہو جائے گی۔

اسی طرح ممکن ہے کہ دھوکے میں مبتلا افراد کی تفصیل بیان کی جائے اور مثالوں سے وضاحت کر دی جائے۔

سب سے پہلے ہم علما کا دھوکے میں مبتلا ہونا ذکر کریں گے لیکن اس سے پہلے دھوکا کی مذمت، اس کی حقیقت اور تعریف ذکر کریں گے۔

باب نمبر1: دھوکے کی مَذَمَّت وحقیقت اور اس کی مِثالیں

پہلی فصل: دھوکے کی مَذَمَّت

دھوکے کی مذمت میں دو فرامینِ باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٙ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ (پ۲۱، لقمٰن: ۳۳)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ہر گز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی اور ہر گز تمہیں اللہ کے حِلم پر دھوکا نہ دے وہ بڑا فریبی۔

﴿2﴾...

وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ (پ۲۷، الحدید: ۱۴)

ترجمۂ کنزالایمان: مگر تم نے تو اپنی جانیں فتنہ میں ڈالیں اور مسلمانوں کی بُرائی تکتے اور شک رکھتے اور جھوٹی طمع نے تمہیں فریب دیا۔

دھوکے کی مذمت میں دو فرامینِ مصطفٰے:

﴿1﴾... عقل مندوں (یعنی علم والوں) کے کھانے پینے اور سونے کی بھی کیا بات ہے، انہیں جاہلوں کی شب بیداری اور عبادت میں محنت ومَشَقَّت کیسے دھوکا دے سکتی ہے؟ صاحبِ تقوٰی اور یقین رکھنے والے کا ذرہ برابر عمل دھوکے میں مبتلا لوگوں کے زمین بھر کے عمل سے افضل ہے۔[1]

﴿2﴾... عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو فرمانبردار بنائے اور موت کے بعد کام آنے والے عمل کرے اور

---

[1] ... الزھد للامام احمد بن حنبل، زھد ابی الدرداء، ص ۱۶۲، حدیث: ۷۳۸

بے وقوف وہ ہے جو خواہشِ نفس کی پیروی کرے پھر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے امید رکھے۔[1] [2]

دھوکے اور جہالت میں فرق:

علم کی فضیلت اور جہالت کی مذمت میں جتنی رِوایات مروی ہیں وہ سب دھوکا کی مذمت کی طرف نشان دہی کرتی ہیں کیونکہ دھوکا جہالت کی ایک قسم ہے جہالت کے معنٰی یہ ہیں کہ انسان کسی چیز کو اس کی حقیقت کے بَرخلاف جانے اور دھوکے کا شکار ہونا بھی جہالت ہے لیکن ہر جہالت دھوکا نہیں کیونکہ دھوکا میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں: (۱)... مغرور فیہ (یعنی جس چیز کے بارے میں دھوکا ہوا)۔ (۲)... مغرور بہ (یعنی جس چیز کے ذریعہ دھوکا کا شکار ہوا)۔ جب کوئی جاہل شخص اپنی خواہش کے مطابق کسی بات کا یقین کرتا ہے اور کوئی نہ کوئی ایسی شک وشبہ والی وجہ پائی جارہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے جہالت ہو رہی ہوتی ہے اور وہ اسی شک وشبہ والی وجہ کو اپنے یقین کی دلیل سمجھ رہا ہوتا ہے حالانکہ وہ دلیل نہیں ہوتی تو اس اعتبار سے حاصل ہونی والی جہالت کو دھوکا کہا جاتا ہے۔

دھوکے کی تعریف:

نفس کا اس بات پر ٹھہر جانا جو خواہشِ نفس کے مطابق ہو اور شیطانی شبہ اور فریب کے باعث طبیعت اس کی طرف مائل ہو دھوکا کہلاتا ہے، لہٰذا جو شخص کسی غَلَط شبہ کے باعث یہ خیال کرے کہ وہ فی الحال بھلائی کے راستے پر ہے یا مستقبل میں بھلائی کے راستے پر چل پڑے گا وہ دھوکے میں ہے۔ اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ

---

[1]... سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ۲۵، ۴/ ۲۰۷، حدیث: ۲۴۶۷

[2]... مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحمَۃُ الحَنّان مراۃ المناجیح، جلد7، ص103 پر اس کے تحت فرماتے ہیں: یعنی وہ بے وقوف ہے جو کام کرے دوزخ کے اور امید کرے جنت کی، کہا کرے اللہ غفور ورحیم ہے باجرہ بوئے اور امید کرے گیہوں کاٹنے کی، کہا کرے کہ اللہ غفور رحیم ہے کاٹتے وقت اسے گندم بنادے گا اس کا نام امید نہیں۔ ربّ تعالٰی فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۙ (پ۳۰، الانفطار: ۶، ترجمۂ کنزالایمان: اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا اپنے کرم والے رب سے) اور فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓىٕكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ (پ۲، البقرة: ۲۱۸، ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے وہ رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہیں) جَو بو کر گندم کاٹنے کی آس لگانا شیطانی دھوکا اور نفسانی وسوسہ ہے۔ خواجہ حسن بصری (عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ القَوِی) فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کو جھوٹی امید نے سیدھے راہ نیک اعمال سے ہٹادیا ہے جیسے جھوٹی بات گناہ ہے ایسے ہی جھوٹی آس بھی گناہ ہے۔

وہ اپنے آپ کو بھلائی پر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ غَلَطی پر ہوتے ہیں، اسی طرح اکثر لوگ دھوکے میں مبتلا ہیں اگرچہ ان کے دھوکے کی اقسام اور درجات مختلف ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے بعض کا دھوکا بہت زیادہ واضح اور نمایاں ہے، سب سے زیادہ دھوکے کا شکار کُفّار ہیں، پھر گناہ گار مسلمان۔ چنانچہ ہم کفار اور گناہ گار مسلمانوں کے متعلق ان مثالوں کو بیان کریں گے جن سے ان کے دھوکے میں مبتلا ہونے کی حقیقت واضح ہو گی۔

دوسری فصل: دھوکے کی نشان دہی کرنے والی مثالیں

پہلی مثال: کفار کا دھوکے میں پڑنا

کفار کے ایک گروہ کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈالا اور ایک گروہ کو شیطان نے ذاتِ باری تعالٰی کے متعلق فریب میں مبتلا کیا۔ جنہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈالا وہ یہ کہتے ہیں: نَقد اُدھار سے بہتر ہے، دنیا نقد اور آخرت ادھار ہے، لہٰذا دنیا بہتر ہے اسے ہی اختیار کرنا چاہئے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یقین شک سے بہتر ہے، دنیوی لذتوں کے حاصل ہونے پر یقین ہے جبکہ آخرت کی لذتوں کے بارے میں شک ہے (کہ آیا حاصل ہوں گی یا نہیں)، لہٰذا ہم شک کی وجہ سے یقین کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ان کا یہ اندازہ وخیال بالکل غلط ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے شیطان نے اپنی عقل سے کام لیتے ہوئے کہا تھا:

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷۶﴾ (پ۲۳، ص: ۷۶)

ترجمۂ کنزالایمان: بولا میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔

دنیاوی دھوکے کے متعلق اس فرمانِ باری تعالٰی میں اشارہ ہے:

اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ (پ۱، البقرۃ: ۸۶)

ترجمۂ کنزالایمان: یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مَول لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ ان کی مدد کی جائے۔

دھوکے سے بچنے کے دو علاج:

دھوکے سے بچنے کے دو علاج ہیں: (۱)...ایمان کی تصدیق کے ذریعے یا (۲)... دلیل وحُجّت سے۔

پہلا علاج:

ایمان کی تصدیق اس طرح کرے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ان فرامین کو سچا جانے:

﴿1﴾...

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (پ۱۴، النحل: ۹۶)

ترجمۂ کنزالایمان: جو تمہارے پاس ہے، ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا ہے۔

﴿2﴾...

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ (پ۲۰، القصص: ۶۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر۔

﴿3﴾...

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾ (پ۳۰، الاعلی: ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی۔

﴿4﴾...

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ (پ۴، ال عمرٰن: ۱۸۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے۔

﴿5﴾...

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (پ۲۱، لقمٰن: ۳۳)

ترجمۂ کنزالایمان: تو ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی۔

سیِّدِ عالَم، نُورِ مُجَسَّم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کُفّار کی کچھ جماعتوں کو دنیاوی زندگی کی ناپائیداری اور آخرت کی زندگی کی بقا کی خبر دی تو انہوں نے آپ کی بات کو تسلیم کیا اور تصدیق کرتے ہوئے ایمان لے آئے اور آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے کسی قسم کی دلیل وحجت کا مطالبہ نہیں کیا۔[1] ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جو یہ کہتے: ہم آپ کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم دے کر پوچھتے ہیں: کیا اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے: ''ہاں!'' تو وہ یہ سن کر آپ پر ایمان لے

[1]... المسند للامام احمد بن حنبل، مسند جابر بن عبد اللہ، ۵/ ۶۷، حدیث: ۱۴۴۶۳

آتے۔[1] یہ عام لوگوں کا ایمان ہے جو دھوکے سے خارج ہے یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے سے کہے: بیٹا! مدرسے جانا کھیلنے سے بہتر ہے، یہ سن کر بیٹا باپ کی تصدیق کرے حالانکہ بیٹے کو معلوم نہیں کہ مدرسے میں جانا کیوں بہتر ہے؟

دوسرا علاج:

دلیل وحجت سے عِلاج کا طریقہ یہ ہے کہ جو بات شیطان نے فاسد قیاس سے اس کے دل میں ڈالی ہے اس کی وجہ معلوم کرے کیونکہ جو بھی دھوکے میں مبتلا ہوتا ہے اس کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے اور یہی سبب دھوکا میں پڑنے کی دلیل ہوتا ہے۔ یہاں دلیل سے مراد ایک قسم کا خیال ہے جو دل میں پیدا ہوتا اور اطمینان کا باعث بنتا ہے اگرچہ جس شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے اسے اس کا احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اسے عالمانہ انداز میں بیان کرنے کی طاقت رکھتا ہے، لہٰذا (قیاس فاسد کے ذریعے) شیطان جو اس کے دل میں خیال پیدا کرتا ہے اس کے دو قضیے ہیں: ❀...پہلا قَضِیَّہ: دنیا نَقد اور آخِرت ادھار کی مانند ہے، یہ بات اپنی جگہ درست ہے۔ ❀...دوسرا قَضِیَّہ: نقد ادھار سے بہتر ہے (لہٰذا دنیا نقد ہونے کی وجہ سے آخرت سے بہتر ٹھہری)۔

یہ شیطان کا دھوکا اور مکر وفریب ہے کیونکہ ہر جگہ نقد مال ادھار سے بہتر نہیں ہوتا بلکہ نقد مال اس صورت میں ادھار سے بہتر ہوتا ہے جب وہ مقدار اور مقصود میں اس کے برابر ہو اور اگر ان دونوں باتوں میں اس سے کم ہو تو ادھار نقد سے بہتر ہوتا ہے۔ دنیا کے دھوکے میں مبتلا کافر اپنی تجارت میں ایک روپیہ خرچ کرتا ہے اس نیت سے کہ اسے 10 روپے ادھار میں مل جائیں، اس وقت وہ یہ کیوں نہیں کہتا کہ نقد مال ادھار سے بہتر ہے، لہٰذا میں نقد کے بدلے میں ادھار نہیں لوں گا؟ چنانچہ اسی طرح جب ڈاکٹر اسے لذیذ کھانوں اور پھلوں سے منع کرتا ہے تو وہ مستقبل میں بیماری سے پہنچنے والی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے انہیں فوراً چھوڑ دیتا ہے تو دیکھو یہاں کافر نقد کو چھوڑ کر ادھار پر راضی ہو رہا ہے۔ اسی طرح تاجر حضرات سمندر میں سَفَر کرتے اور تھکاوٹ برداشت کرتے ہیں اور بعد میں ملنے والے ادھار (یعنی نَفْع) میں سکون اور راحت محسوس کرتے ہیں۔ انہیں اگر ابھی ایک مل رہا ہو اور بعد میں 10 ملیں تو 10 کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح دنیا

---

[1]...بخاری، کتاب العلم، باب ما جاء فی العلم...الخ، ۱/۳۹، حدیث: ۶۳

کی زندگی کو آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دیکھیں (تو اس کی کوئی حیثیت دکھائی نہیں دیتی کیونکہ) انسان کی عمر زیادہ سے زیادہ شمار کریں تو100 سال ہو گی اور یہ آخرت کی زندگی کا کروڑواں حصہ بھی نہیں بنتا تو گویا اس نے ایک اس لئے چھوڑا تا کہ کروڑوں پائے بلکہ اتنا حاصل کرے جس کی کوئی اِنتہا نہیں، یہ تو مقدار و تعداد کے اعتبار سے تھا اگر اس سے ہٹ کر دیکھیں تو دُنیاوی لذّتوں میں ہر قسم کی پریشانیاں ہوتی ہیں جب کہ آخرت کی نعمتیں اور لذتیں صاف ستھری اور ہر طرح کی پریشانیوں سے پاک ہیں، لہٰذا اس صورت میں یہ کہنا کہ "نقد ادھار سے بہتر ہے۔" ایک مُغالَطہ ہے جو کہ ایک عام مُحاورے سے مشہور ہوا ہے جسے مُطْلَق سمجھا گیا حالانکہ اس کا ایک خاص مفہوم ہے۔ چنانچہ دھوکے کا شکار ہونے والا شخص اس کے مخصوص معنٰی سے غافل رہا کیونکہ جس نے یہ کہا کہ "نقد ادھار سے بہتر ہے۔" اگرچہ اس نے اس کی وضاحت نہیں کی مگر اس کا مطلب یہی ہے کہ جب نقد اور ادھار دونوں (مقدار اور مقصود میں) ایک ہوں۔

ایسی صورت میں شیطان ایک اور فاسد خیال بھی اس کے ذہن میں ڈالتا ہے کہ "یقین شک سے بہتر ہے اور آخرت میں شک ہے (آیا ہو گی یا نہیں، لہٰذا دنیا آخرت سے بہتر ہے)۔" شیطان کا یہ خیال تو پہلے خیال سے بھی زیادہ فاسد ہے، اس وجہ سے کہ دونوں جملوں کی کوئی حقیقت و حیثیت نہیں کیونکہ یقین شک سے بہتر اس وقت ہوتا ہے جبکہ (فائدے میں) دونوں ایک ہی طرح کے ہوں ورنہ تاجر کو تجارت میں مشقت تو یقینی ہے لیکن نفع میں شک ہے کہ نفع ملے گا یا نہیں۔ اسی طرح فَقِیہ کو کوشش کرنے کا یقین ہوتا ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مرتبۂ علم تک پہنچ سکے گا یا نہیں؟ ایسے ہی شکاری کو شکار کی تلاش میں کوشش کرنے کا یقین ہوتا ہے لیکن شکار ملنے میں شک ہوتا ہے۔ غرضیکہ اس طرح کہ جتنے بھی امور ہیں ان میں عقل مندوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے لیکن کوئی بھی مشکوک کے لئے یقین ترک نہیں کرتا۔ تاجر یہ کہتا ہے: "اگر میں تجارت نہ کروں تو مجھے بھوکا رہنا پڑے گا اور بڑا نقصان برداشت کرنا پڑے گا اور تجارت کروں تو تھوڑی سی محنت کے بدلے زیادہ نفع ملے گا۔" اسی طرح مریض کڑوی کَسَیْلی دواؤں کو پی لیتا ہے حالانکہ اسے دوا کے کڑوے اور کسیلے ہونے کا یقین ہوتا ہے اور شفا ملنے میں شک لیکن پھر بھی وہ کہتا ہے کہ "دوا کی کڑواہٹ کا نقصان بیماری اور مرنے کے خوف کے مقابلے میں بہت کم ہے۔" ایسے ہی جس کے دل میں آخرت کے بارے میں شک پیدا

ہونے کا خیال آئے اس پر لازم ہے کہ محتاط لوگوں کی طرح یہ کہے: آخرت کی زندگی کے مقابلے میں (دنیاوی) صبر کے دن تھوڑے ہیں اور زندگی کے ختم ہونے تک ہیں۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ آخرت یقینی ہے، اگر (بالفرض) یہ بات سچ نہ بھی ہوئی تو کیا ہوگا یہی نا کہ میں نے اپنی مَن پسند زندگی کے زیادہ سے زیادہ چند دن ضائع کر دیئے اور میں یہی سوچ لوں گا کہ جس طرح مجھے اپنی پیدائش سے پہلے نعمتیں مُیَسَّر نہ تھیں اب بھی نہ ہوئیں اور اگر یہ بات سچ نکلی تو مجھے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا جس کی میں طاقت نہیں رکھتا۔

ہم تو نجات پا گئے لیکن تم ہلاک ہو گئے:

امیر المومنین حضرت سیِّدُنا علیُّ المرتضٰی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم نے ایک بے دین شخص سے فرمایا: "جو کچھ تم نے کہا ہے (کہ مرنے کے بعد زندگی نہیں) اگر یہ سچ ہے تو تم نے بھی نجات پائی اور ہم نے بھی اور اگر وہ بات سچ ہے جو ہم نے کہی تو ہم تو نجات پا گئے لیکن تم ہلاک ہو گئے۔"

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے یہ بات اس لئے نہیں فرمائی کہ آپ کو قیامت کے بارے میں شک تھا بلکہ آپ نے اس بے دین سے اس کی عقل کے مطابق کلام فرمایا اور اس پر واضح کر دیا کہ اگر وہ آخرت پر یقین نہیں رکھے گا تو وہ دھوکے میں ہے۔

آخرت کی پہچان کے ذرائع:

جہاں تک شیطان کے فاسد خیال کے دوسرے جملے کی بات ہے کہ "آخرت میں شک ہے (کہ ہوگی یا نہیں)" یہ بھی مغالطہ ہے کیونکہ اہلِ ایمان کے نزدیک آخرت یقینی ہے اور انہیں آخرت کا یقین اور اس کی پہچان دو باتوں کی وجہ سے ہے۔

❁... **آخرت کی پہچان کا پہلا ذریعہ:** انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور علما کی پیروی کرتے ہوئے ان پر ایمان لانا اور تصدیق کرنا۔

اس پہچان سے شیطان کے فریب کا دامن چاک ہو جاتا ہے، عام لوگوں اور اکثر خواص کا یقین اسی طرح کا ہوتا ہے اور ان کی مثال ایک ایسے مریض جیسی ہے جسے خود اپنی بیماری کی دوا معلوم نہیں ہے لیکن

تمام اَطِبّا کا اس بات پر اِتّفاق ہے کہ اس بیماری کا علاج فلاں دوائی میں ہے، لہٰذا وہ مریض اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے ان کی بات بغیر کسی دلیل اور اعتراض کے مان لیتا ہے بلکہ ان کے قول پر بھروسا کرتا اور اس دوائی کو استعمال بھی کرتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی کم عقل اور بےکار قسم کا شخص ان ڈاکٹروں کی بات کو جھٹلائے اور مریض یہ بات جانتے ہوئے کہ تمام ڈاکٹر اس سے تعداد، علم اور رتبہ میں بڑھ کر ہیں بلکہ اس کم عقل شخص کے پاس ان ڈاکٹروں کے مقابلے میں کچھ بھی علم نہیں تو وہ مریض ایسے شخص کو جھوٹا قرار دے گا اور اس کے دھوکے سے بچتے ہوئے اس کی بات کا یقین نہیں کرے گا، اگر ڈاکٹر کے مقابلے میں وہ اس کم عقل شخص کی بات پر یقین کرلے گا تو اسے بھی کم عقل اور دھوکے کا شکار شمار کیا جائے گا۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہیں یہ بات معلوم ہو کہ آخرت کا اقرار کرنے اور اس کے بارے میں خبر دینے والے انبیا، اولیا اور علما ہیں جنہوں نے اُخروی عظیم سعادتوں تک پہنچنے کے لئے ایک دوا تجویز کی ہے وہ نفع بخش دوا تقویٰ ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہوں کہ یہی لوگ مخلوق میں سب سے بہترین ہیں اور عقل، سمجھ بوجھ اور کسی بھی چیز کی پہچان کرنے میں دوسروں سے کئی گنا بڑھ کر ہیں اور ان معاملات میں لوگ ان ہی کی پیروی کرتے ہیں مگر جن پر خواہشات کا غلبہ ہوچکا اور ان کے دل اس (عارضی) نفع کی جانب راغب ہوچکے ان پر بڑا ناگوار گزرا کہ وہ خواہشات نفسانی کو چھوڑیں اور اس بات کا اعتراف کریں کہ وہ جَہَنَّم کے مُسْتَحِق ہیں، لہٰذا انہوں نے آخِرت ہی کا انکار کردیا اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کو جھٹلایا۔ جس طرح بچے اور کم عقل شخص کی بات ڈاکٹروں کی بات کی اہمیت کم نہیں کرسکتی اسی طرح کسی خواہشات کے غلام بےوقوف شخص کی بات بھی انبیا، اولیا اور علما کی باتوں میں شک وشبہ پیدا نہیں کرسکتی۔ عام لوگوں کے لئے اتنا ہی ایمان کافی ہے جس سے پختہ یقین بھی حاصل ہوجاتا ہے اور انسان دھوکے میں پڑنے سے بھی بچ جاتا ہے۔

⊛... آخرت کی پہچان کا دوسرا ذریعہ: انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام پر وحی اور اولیا پر الہام ہونا۔

کسی کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو آخرت اور دینی معاملات کی پہچان حضرت سیِّدُنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام کے ذریعہ ہوئی ہے اور ہمیں حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ذریعے، لہٰذا ہماری پہچان حضور کی پہچان کی طرح ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، یہ خیال

صحیح نہیں کیونکہ کسی کی تقلید (یعنی پیروی کرنا) اور کسی چیز کی پہچان و معرفت رکھنا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ تقلید درست اعتقاد کا نام ہے جبکہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام آخرت کی پہچان رکھنے والے ہیں (کسی کی پیروی کرنے والے نہیں)۔ پہچان سے مراد یہ ہے کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے لئے چیزوں کی حقیقتیں ظاہر اور روشن کر دی جاتی ہیں اور وہ اپنے دل کی آنکھ سے ان چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں جیسے ہم اپنی ظاہری آنکھ سے صرف نظر آنے والی چیزوں کو ہی دیکھ پاتے ہیں، لہٰذا انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام نے کسی سے سُن کر یا کسی کی پیروی کر کے آخرت اور دینی معاملات کی خبر نہیں دی بلکہ ان تمام معاملات کو ملاحظہ کر کے خبر دی ہے۔

روح کی حقیقت انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام پر واضح ہے:

انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام پر روح کی حقیقت بھی روشن اور واضح کر دی جاتی ہے کہ روح ربّ کا ایک اَمر ہے اس سے مراد وہ حکم نہیں جو ممانعت کے مقابل ہے کیونکہ وہ حکم تو ایک طرح کی گفتگو اور بات چیت ہے اور روح کی حقیقت گفتگو اور بات چیت نہیں اور نہ ہی اَمر سے مراد شان ہے کہ اس سے لازم آئے گا کہ روح صرف مخلوق ہے حالانکہ مخلوق ہونے میں تو تمام مخلوق شریک ہے تو پھر روح کو ایک نمایاں مقام دینے کی کیا ضرورت تھی؟ یاد رکھئے کہ عالَم کی دو قسمیں ہیں: (۱)...عالَم اَمر (۲)...عالَم خَلْق۔

عالَمِ اَمر اور عالَمِ خَلْق کیا ہیں؟

عالَم اَمر اور عالَمِ خَلْق دونوں اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے تحت قدرت و اختیار ہیں۔ جو جسم مقدار رکھتا ہو اور اس کے متعلق اندازہ کیا جا سکتا ہو وہ عالَم خلق سے ہے کیونکہ خلق کے لغوی معنٰی "اندازہ لگانا" ہے اور جو چیز نہ مقدار رکھتی ہو اور نہ اس کے متعلق اندازہ لگایا جا سکتا ہو وہ عالم امر سے ہے اور اسے سِرِّ روح (یعنی روح کے راز) سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اسے بیان کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے عام لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ تقدیر کے رازوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرنے کی ممانعت ہے، لہٰذا جس نے روح کے راز کو سمجھ لیا اس نے خود کو پہچان لیا اور جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کو پہچان لیا اور جس نے خود اور اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کو پہچان لیا وہ یہ جان لیتا ہے کہ روح اپنی طبیعت اور فِطرت کے اعتبار سے اللہ عَزَّوَجَلَّ

کی طرف سے ایک امرِ ربانی ہے جو عالَمِ جسمانی میں اجنبی حیثیت سے موجود ہے۔ اس کا جسم میں اترنا اس کی اپنی طبیعت کے اعتبار سے نہیں بلکہ ایک اَمرِ عارض کے سبب ہے جو اس کی ذات میں داخل نہیں اور یہ اجنبی اَمرِ عارض جب حضرت سیِّدُنا آدم عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف متوجہ ہوا تو لَغْزِش کھلایا اور اس کی وجہ سے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کو جنَّت سے زمین پر اتارا گیا حالانکہ جنت ہی آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی ذات کے زیادہ لائق تھی کیونکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قرب میں ہے اور روح اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ایک اَمر ربانی ہے جس کا ذوق وشوق اپنے ربعَزَّوَجَلَّ کے قُرب کی طرف طَبعی وذاتی ہوتا ہے اِلّا یہ کہ کوئی اَمرِ عارض اس کا رُخ پھیر دے، جب عالَمِ خلق کا کوئی اَمرِ عارض اسے طبیعت کے تقاضے سے پھیر دیتا ہے تو آدمی کو نہ اپنے نَفْس کی پہچان رہتی ہے اور نہ اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کی۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾ (پ۲۸، الحشر: ۱۹)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ان جیسے نہ ہو جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انھیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں وہی فاسق ہیں۔

"اَلْفٰسِقُوْنَ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے طبعی تقاضوں اور گمان کے بَرخلاف عمل کرتے ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں: فَسَقَتِ الرُّطَبَۃُ عَنْ كِمَامِهَا یعنی کھجور اپنے غلاف سے نکل گئی۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اپنے فطری مقام سے نکل جائے اور یہ ان اَسرار کی طرف اشارہ ہے جن کے پھولوں کی خوشبو سونگھنے سے عارِفین لطف اندوز ہوتے ہیں اور کم درجہ لوگ ان پھولوں کی مہک سے تنگی محسوس کرتے اور ان کی خوشبو سے دور بھاگتے ہیں جیسے گوبر کا کیڑا گلاب کی خوشبو سے دور بھاگتا ہے، نیز ان کی کمزور نگاہیں ان کے اسرار کے نور کی مُتَحَمِّل نہیں ہیں جس طرح سورج کی شعائیں چمگادڑوں کو برداشت نہیں ہوتیں۔ دل پر عالَمِ ملکوت کے اِنکشاف کو معرفت اور وِلایت سے تعبیر کرتے ہیں اور جسے یہ انکشاف حاصل ہو اسے ولی اور عارِف کہتے ہیں۔ یہیں سے انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے مقامات کی ابتدا ہوتی ہے اور جہاں انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے مقامات کی ابتدا ہوتی ہے وہاں اولیائے کرام رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام کے مقامات کی انتہا ہوتی ہے۔

"آخرت میں شک ہے" اس وسوسہ کو دور کرنے کے طریقے:

اب ہم اپنی اصل گفتگو کی طرف لوٹتے ہیں اور ہماری اصل گفتگو یہ ہے کہ کس طرح شیطان انسان کے دل کو دھوکے میں مبتلا کر کے کہتا ہے کہ آخرت میں شک ہے۔ اس وسوسے کو دور کرنے کے دو طریقے ہیں: (۱)...یقینی تقلید کے ذریعے۔ (۲)...نور دل اور باطنی مشاہدے کے ذریعے۔

چونکہ کفار دنیاوی زندگی کو اُخروی زندگی پر ترجیح دینے کے باعث دھوکے میں مبتلا ہیں، لہٰذا جب بندۂ مومن اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اَحکامات پر عمل نہیں کرتا، نیک اعمال کو چھوڑ دیتا اور شہوات و خواہشات کا لباس پہن لیتا ہے تو وہ عملی طور پر اس دھوکے میں کفار کی طرح ہو جاتا ہے، البتہ گناہ گار مومن بندے کی پکڑ کفار کے مقابلے میں ہلکی ہوگی کہ ایمان پر خاتمہ اسے ہمیشہ کے عذاب سے بچالے گا اور بالآخر اسے جہنم کی آگ سے نکالا جائے گا کیونکہ وہ آخرت پر ایمان رکھتا تھا، آخرت کو دنیا سے بہتر سمجھتا تھا لیکن چونکہ وہ دنیا کی طرف مائل تھا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا تھا، لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ یہ بھی دنیا کے دھوکے میں مبتلا رہا۔ صرف ایمان لے آنا کامیابی کے لئے کافی نہیں۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ (پ۱۶، طٰہٰ: ۸۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بیشک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا پھر ہدایت پر رہا۔

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان ہے:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ (پ۸، الاعراف: ۵۶)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔

حدیث پاک میں ہے: اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ یعنی احسان یہ ہے کہ تم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔[1]

وَ الْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ

ترجمۂ کنزالایمان: اس زمانۂ محبوب کی قسم بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے

---

[1]...مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان... الخ، ص۲۱، حدیث: ۸

تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳ (پ۳۰، العصر: ۱تا۳)

اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

پورے قرآنِ کریم میں مغفرت کا وعدہ ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ مشروط ہے صرف ایمان کے ساتھ نہیں، لہٰذا ایسے تمام لوگ جو ایمان تو لائے ہیں مگر نیک اعمال چھوڑے بیٹھے ہیں دنیا کے دھوکے میں مبتلا ہیں، یعنی یہ لوگ اپنی دنیاوی زندگی سے مطمئن اور خوش ہیں، دنیاوی لذات میں مُستَغرَق اور دنیا کی محبت میں گم ہیں، موت کو اس لئے ناپسند نہیں کرتے کہ مرنے کے بعد کیا ہو گا بلکہ دنیاوی لذات کے چھوٹ جانے کے خوف سے موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ یہ دنیا کے حوالے سے دھوکے میں پڑنے کی وہ مثال تھی جس میں کافر اور مومن دونوں مبتلا ہیں۔ اب ہم ذاتِ باری تعالیٰ کے حوالے سے دھوکے میں پڑنے کی دو مثالیں ذکر کرتے ہیں: ایک کا تعلّق کافر سے ہے اور دوسری کا گناہ گار مسلمان سے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں کافر کے دھوکے میں مبتلا ہونے کی مثال:

بعض کفار اپنے دل اور زبان سے یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آخرت قائم بھی کی تو ہمیں دوسروں کے مقابلے میں ترجیح ہو گی اور آخرت کی نعمتوں میں ہمارا حصہ زیادہ ہو گا اور ہم وہاں زیادہ بہتر حالت میں ہوں گے۔ ان کے اس مُغالَطے کی حکایت قرآنِ کریم کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے جس میں دو آدمیوں کے مکالمے کا ذکر ہے:

وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىٕمَةًۙ وَّ لَىٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶ (پ۱۵، الکھف: ۳۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو اور اگر میں اپنے رب کی طرف پھر کر بھی گیا تو ضرور اس باغ سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ ایک کافر نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے ایک مَحَل بنوایا تو مومن نے اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا: یہ محل تو ایک دن ختم ہو جائے گا، ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا، تو جنت میں ایسا محل کیوں نہیں بنواتا جو نہ تو کبھی ختم ہو اور نہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو۔ یہ سن کر کافر نے کہا: وہاں کچھ نہیں ہو گا جو کچھ اس بارے میں تم کہتے ہو وہ سب جھوٹ ہے اور اگر ایسا کچھ ہوا تو جنت میں مجھے اس سے بھی

بہتر ملے گا، پھر کافر نے ایک، ایک ہزار دینار کے بدلے باغ اور خدمت گار خریدے اور پھر ایک ہزار دینار کے بدلے میں ایک عورت سے شادی کی، مومن اس کو ہر مرتبہ یہی نصیحت کرتا رہا تم نے ایسا باغ اور خدمت گار خریدے ہیں جن کو ایک دن ختم ہو جانا ہے، تم جنت میں ایسے باغ اور خدمت گار کیوں نہیں خریدتے جو تمہارے پاس ہمیشہ رہیں اور تم نے ایسی جنتی عورت سے نکاح کیوں نہیں کیا جس کو کبھی موت نہیں آئے گی اور کافر ہر مرتبہ مومن کو یہی جواب دیتا رہا کہ یہ سب جھوٹ ہے اور اگر وہاں کچھ ہو گا تو مجھے اس سے بھی بہتر ملے گا۔ یوں ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ مجید میں (کافر) عاص بن وائل سہمی کا قول نقل فرمایا:

قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ؕ﴿۷۷﴾ (پ۱۶، مریم: ۷۷)

ترجمۂ کنزالایمان: کہتا ہے مجھے ضرور مال و اولاد ملیں گے۔

پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کا رَدّ کرتے ہوئے فرمایا:

اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۙ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ (پ۱۶، مریم: ۷۸، ۷۹)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا غیب کو جھانک آیا ہے یا رحمٰن کے پاس کوئی قرار (عہد) رکھا ہے، ہرگز نہیں۔

حضرت سَیِّدُنا خَبّاب بن اَرَت رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: عاص بن وائل نے میرا کچھ قرض دینا تھا، میں ایک دن اس کے پاس گیا تا کہ اپنا قرض وصول کروں مگر اس نے دینے سے انکار کر دیا جس پر میں نے اس سے کہا: میں آخرت میں تجھ سے وصول کروں گا۔ یہ سن کر اس نے کہا: اگر میں آخرت کی طرف گیا تو وہاں پر مجھے جو مال و اولاد ملے گا اُس سے میں تیرا قرض ادا کر دوں گا۔[1] اس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ؕ﴿۷۷﴾ (پ۱۶، مریم: ۷۷)

ترجمۂ کنزالایمان: تو کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں سے منکر ہوا اور کہتا ہے مجھے ضرور مال و اولاد ملیں گے۔

اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

وَ لَىٕنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ ۙ وَ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآىٕمَةً ۙ وَّ لَىٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ

ترجمۂ کنزالایمان: اور اگر ہم اسے کچھ اپنی رحمت کا مزہ دیں اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تھی تو کہے گا یہ تو میری ہے اور میرے گمان میں قیامت قائم نہ ہو گی اور

---

[1] ...بخاری، کتاب البیوع، باب ذکر القین والحداد، ۲/ ۱۷، حدیث: ۲۰۹۱ باختصار

عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ (پ۲۵، حم السجدة:۵۰) اگر میں رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو ضرور میرے لیے اس کے پاس بھی خوبی ہی ہے۔

یہ سب اس دھوکے کی مثالیں ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات کے حوالے سے ہوتا ہے اور اس کی وجہ ایک شیطانی وسوسہ ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ اس وسوسہ سے ہم سب کو محفوظ فرمائے اور وہ شیطانی وسوسہ یہ ہے کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات کے متعلق دھوکے میں مبتلا کفار دنیا کی طرف دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہم پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کی کثرت ہے تو اس سے یہ گمان کرتے ہیں کہ آخرت میں بھی ہم پر بے شمار نعمتیں ہوں گی اور جب یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہم پر عذاب نہیں ہو رہا تو سوچتے ہیں کہ آخرت میں بھی ہم پر عذاب نہیں ہو گا جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کا قول قرآن پاک میں ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ (پ۲۸، المجادلة:۸) ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں ہمیں اللہ عذاب کیوں نہیں کرتا ہمارے اس کہنے پر۔

پھر ان کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑧ (پ۲۸، المجادلة:۸) ترجمۂ کنزالایمان: انہیں جہنم بس (کافی) ہے اس میں دھنسیں گے تو کیا ہی بُرا انجام۔

کبھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات کے حوالے سے دھوکے میں مبتلا کفار مؤمنین کی طرف دیکھتے ہیں کہ وہ غریب اور تنگدست ہیں، چہرے غُبار آلود اور بال بکھرے ہوئے ہیں تو ان کی اہانت کرتے ہوئے اور انہیں حقیر خیال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں:

اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ (پ۷، الانعام:۵۳) ترجمۂ کنزالایمان: کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے۔

اور یہ کہتے ہیں:

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَيْهِ ؕ (پ۲۶، الاحقاف:۱۱) ترجمۂ کنزالایمان: اگر اس میں کچھ بھلائی ہوتی تو یہ ہم سے آگے اس تک نہ پہنچ جاتے۔

یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات کے حوالے سے دھوکے میں مبتلا لوگ اپنے دلوں میں یوں سوچتے ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہمیں دنیا میں کثیر نعمتیں دے کر احسان کیا ہے اور جو احسان کرنے والا ہوتا ہے وہ محبت بھی کرتا ہے اور جو محبت کرتا ہے وہ مستقبل میں بھی احسان کرتا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

لَقَدْ اَحْسَنَ اللّٰہُ فِیْمَا مَضٰی　　　كَذٰلِكَ یُحْسِنُ فِیْمَا بَقِیْ

ترجمہ: جو زندگی گزری ہے وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کے سائے میں گزری ہے اور جو باقی ہے وہ بھی اسی طرح گزر جائے گی۔

مستقبل کو ماضی پر قیاس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کافر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل واحسان کو اپنی بزرگی خیال کرتا ہے یعنی وہ یہ کہتا ہے: اگر میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک معزز اور پسندیدہ بندہ نہ ہوتا تو وہ مجھ پر احسان نہ فرماتا۔ یہاں مُغالَطَہ اس جملے میں نہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے کثیر نعمتیں دے کر اس پر انعام فرمایا ہے بلکہ اس جملے میں ہے کہ ہر احسان کرنے والا مُحِبّ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اس مُغالَطے سے یہ سمجھ بیٹھا کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک معزز ہے اور اس کی دلیل ایک ایسی چیز کو سمجھ بیٹھا جو معزز ہونے پر دلالت ہی نہیں کرتی بلکہ اہل بصیرت کے ہاں ایسی دلیل تو ذِلّت وخواری کی دلیل ہے اسے آپ مثال سے یوں سمجھیں کہ ایک شخص کے پاس دو کم عمر نوکر ہیں اور وہ ان میں سے ایک کو ناپسند اور دوسرے کو پسند کرتا ہے اور جسے پسند کرتا ہے اسے کھیل کود سے روک کر مدرسے جانے کا پابند کرتا ہے بلکہ اسے وہاں روکے رکھتا ہے تاکہ خوب آداب اور طور طریقے سیکھے نیز وہ اسے ایسے پھلوں اور لذیذ کھانوں سے روکتا ہے جو اسے نقصان دیتے ہیں اور ایسی کڑوی کسیلی دوائیں پلاتا ہے جو اسے نفع دیتی ہیں۔ دوسرا نوکر جسے وہ پسند نہیں کرتا اس پر کوئی توجہ نہیں دیتا، لہٰذا اسے نہ تو مدرسے بھیجتا ہے اور نہ کھانے پینے کے معاملے میں اس پر کسی قسم کی پابندی لگاتا ہے بلکہ اسے بالکل ڈھیل دیئے رکھتا ہے کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے، جو چاہے کھائے پیے، اس وقت یہ نوکر یہ سوچے کہ مالک نے چونکہ مجھے خواہشات اور لذّات کی تکمیل کا اختیار دیئے رکھا ہے اور ہر کام کرنے کی مجھے کھلی چھوٹ ہے، مجھ پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں، لہٰذا میں مالک کا پسندیدہ ہوں، حالانکہ نوکر کی یہ سوچ غلط ہے۔ اسی طرح دنیاوی نعمتیں اور لذتیں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور کرنے والی اور ہلاکت کی طرف لے جانے والی

ہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے: اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے بندے کو دنیا سے بچاتا ہے حالانکہ وہ دنیا سے محبت رکھ رہا ہوتا ہے جیسے تم اپنے مریض کو کھانے اور پینے کے معاملے میں نقصان پہنچانے والی چیزوں سے روکتے ہو حالانکہ اسے ان چیزوں کی خواہش ہوتی ہے۔[1]

دنیا کے متعلق اہل بصیرت کی حالت:

جب دنیا اہلِ بصیرت کے دروازے پر دستک دیتی ہے تو وہ غمگین ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ ہمارے گناہوں کی فوری سزا ہے جو ہمیں پہنچی ہے۔ دنیا کی آمد کو یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی اور عدمِ توجہ کی دلیل جانتے ہیں اور جب تنگدستی ان کے قریب آتی تو نیک لوگوں کی نشانی سمجھتے ہوئے اسے خوش آمدید کہتے ہیں۔ جبکہ دھوکے میں مبتلا لوگوں کے پاس جب دنیا آتی ہے تو وہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے اپنی کرامت اور بزرگی کی دلیل سمجھتے ہیں اور جب چلی جاتی ہے تو اپنی ذِلّت و رُسوائی خیال کرتے ہیں جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ پاک میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَكْرَمَنِ ؕ﴿۱۵﴾ وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَیْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَیَقُوْلُ رَبِّیْۤ اَهَانَنِ ۚ﴿۱۶﴾ (پ۳۰، الفجر: ۱۵، ۱۶)

ترجمۂ کنزالایمان: لیکن آدمی تو جب اسے اس کا رب آزمائے کہ اس کو جاہ اور نعمت دے جب تو کہتا ہے میرے ربّ نے مجھے عزّت دی۔ اور اگر آزمائے اور اس کا رزق اس پر تنگ کرے تو کہتا ہے میرے ربّ نے مجھے خوار کیا۔

اس کے جواب میں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا:

كَلَّا (پ۳۰، الفجر: ۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: یوں نہیں۔

یعنی جیسا انسان نے کہا ایسا نہیں ہے یہ تو ایک آزمائش ہے نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ شَرِّ الْبَلَاءِ وَنَسْاَلُ اللہَ التَّثْبِیْتَ یعنی ہم بُری آزمائش سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں اور آزمائش میں اُس سے ثابت قدمی کا سوال کرتے ہیں۔ تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے واضح فرمادیا کہ یہ ایک دھوکا ہے۔

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "اللہ عَزَّوَجَلَّ نے "كَلَّا" فرما کر دونوں شخصوں

[1] ...سنن الترمذی، کتاب الطب، باب ما جاء فی الحمیة، ۴/ ۴، حدیث: ۲۰۴۳

کو جھٹلادیا کہ یہ نہ تو میری طرف سے اِعزاز و اِکرام ہے اور نہ میری طرف سے ذلت و رسوائی ہے بلکہ جو میرا فرمانبردار ہے وہی میرے نزدیک عزت و اکرام والا ہے چاہے وہ امیر ہو یا غریب اور جو میرا نافرمان ہے میرے نزدیک وہی ذلت ورسوائی والا ہے چاہے وہ امیر ہو یا غریب۔

دنیاوی نعمتوں کے دھوکے میں مبتلا شخص کا علاج:

دنیاوی نعمتوں کے دھوکے میں مبتلا شخص کا علاج یہ ہے کہ ایسے شخص کو یہ پہچان کرنی چاہئے کہ عزت کس چیز میں ہے اور ذلت کس میں، اب یہ پہچان چاہے وہ اپنی بصیرت کے ذریعے کرے یا انبیائے کرام اور اولیائے عظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی تصدیق کرنے اور ان کی پیروی کرنے کے ذریعے کرے۔ بصیرت کے ذریعے یوں کہ وہ یہ سوچے دنیاوی لذتوں کی طرف توجہ کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور لے جاتا ہے اور ان سے دور رہنا اللہ عَزَّوَجَلَّ سے قریب کر دیتا ہے اور اس کی صحیح پہچان عارفین اور اولیا کے مقامات میں الہام کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس کی مکمل تشریح علوم مُکاشفہ سے متعلق ہے جو یہاں علم معاملہ کے بیان میں مناسب نہیں۔ انبیائے کرام و اولیائے عظام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی تصدیق کرنے اور ان کی پیروی کرنے کے ذریعے پہچان یوں حاصل کرے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی کتاب پر ایمان لائے اور حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تصدیق کرے۔

دنیاوی نعمتوں کے متعلق دھوکے میں مبتلا لوگوں کے بارے میں پانچ فرامین باری تعالٰی

﴿1﴾...

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ (پ۱۸، المؤمنون: ۵۵، ۵۶)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے یہ جلد جلد ان کو بھلائیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں خبر نہیں۔

﴿2﴾...

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ (پ۲۹، القلم: ۴۴)

ترجمۂ کنزالایمان: قریب ہے کہ ہم انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہو گی۔

﴿3﴾...

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَیْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ (پ۷، الانعام: ۴۴)

ترجمۂ کنزالایمان: ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ (پ۲۹، القلم: ۴۴) کی تفسیر میں ہے کہ جس قدر وہ گناہ زیادہ کرتے ہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ ان پر اپنی نعمتیں زیادہ کرتا ہے تاکہ وہ اور زیادہ دھوکے میں مبتلا رہیں۔

﴿4﴾...

اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ (پ۴، اٰل عمرٰن: ۱۷۸)

ترجمۂ کنزالایمان: ہم تو اسی لئے انہیں ڈھیل دیتے ہیں کہ اور گناہ میں بڑھیں۔

﴿5﴾...

وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ۬ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ (پ۱۳، ابراھیم: ۴۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے انہیں ڈھیل نہیں دے رہا ہے مگر ایسے دن کے لئے جس میں آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ جائیں گی۔

اس کے متعلق اور بھی بہت سی آیات اور احادیث ہیں، جو ان پر ایمان لائے گا وہ اس دھوکے سے بچ جائے گا کیونکہ یہ دھوکا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات وصفات کے بارے میں جاہل رہنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ورنہ جسے ذات وصفات کی معرفت وپہچان حاصل ہو جائے وہ نہ تو کبھی اس کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہوتا ہے اور نہ ہی اس طرح کے بُرے خیالات کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے بلکہ وہ ایسے موقع پر فرعون، ہامان، قارون اور دیگر بڑے بڑے بادشاہوں سے عبرت حاصل کرتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں دنیا میں کتنا عیش وعشرت اور بلند رتبہ عطا کیا تھا اور پھر کس طرح انہیں لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا۔

﴿ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰه ﴾ ﴿ اَسْتَغْفِرُ اللّٰه ﴾

﴿ صَلُّوْا عَلَى الْحَبِیْب ﴾ ﴿ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّد ﴾

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خُفْیَہ تدبیر کے بارے میں چار فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ (پ۱۶، مریم: ۹۸)

ترجمۂ کنزالایمان: کیا تم ان میں کسی کو دیکھتے ہو۔

﴿2﴾...

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ (پ۱۹، النمل: ۵۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور انہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی اور وہ غافل رہے۔

﴿3﴾...

وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ۠ ﴿۵۴﴾ (پ۳، ال عمرٰن: ۵۴)

ترجمۂ کنزالایمان: اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔

﴿4﴾...

اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًاۙ ﴿۱۵﴾ وَّ اَكِیْدُ كَیْدًاۚۖ ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِیْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا۠ ﴿۱۷﴾ (پ۳۰، طارق: ۱۵تا۱۷)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک کافر اپنا سا داؤں چلتے ہیں اور میں اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہوں تو تم کافروں کو ڈھیل دو انہیں کچھ تھوڑی مہلت دو۔

جب نوکر کے لئے یہ درست نہیں کہ مالک کی طرف سے ڈھیل اور نعمتوں کی مکمل آزادی کی وجہ سے وہ یہ سمجھے کہ اس کا مالک اس سے خوش اور راضی ہے تو پھر بندے کے لئے کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ملنے والی مہلت سے غافل ہو کر یہ سمجھے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس سے راضی ہے بلکہ جس طرح نوکر کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں مالک کی طرف سے یہ آزمائش تو نہیں ہے حالانکہ مالک نے اس آزمائش کے بارے میں اس سے کچھ نہیں کہا تو بندے پر بدرجہ اولیٰ لازم (زیادہ ضروری) ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ملنے والی ڈھیل سے ڈرے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے کئی مقامات پر اپنی خُفْیَہ تدبیر سے ڈرایا ہے۔

خلاصۂ کلام:

جو شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے نہیں ڈرتا وہ دھوکے میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے لئے کثیر نعمتیں دیکھ کر یہ سوچتا ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک معزز و مکرّم ہے حالانکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دنیاوی نعمتیں اس کی ذِلّت ورُسوائی کی علامت ہوں مگر چونکہ اس بات کی طرف اس کا دل مائل نہیں ہوتا اور شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر اسی جانب راغب کرتا ہے جو اس کی نفسانی خواہش کے مطابق ہو، لہٰذا وہ یہی سمجھنے لگتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک اس کا خاص مقام ہے حالانکہ یہ بہت بڑا دھوکا ہے۔

دوسری مثال: گناہ گار مسلمان کا دھوکے میں پڑنا

گناہ گار مسلمان بھی دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یوں کہتا ہے: اللہ عَزَّوَجَلَّ کرم فرمانے والا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میرے گناہ معاف فرمادے گا، پھر اس بات پر اتنا زیادہ بھروسا اور اعتماد کرلیتا ہے کہ نیک اعمال سے غافل ہو جاتا اور گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے اور اس خوش فہمی اور دھوکے کا نام ''امید'' رکھ لیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ دینِ اسلام میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے فَضْل وکَرَم کی ایسی امید رکھنا چونکہ محمود ہے، لہٰذا اس ضمن میں وہ یہ گمان بھی کرتا ہے کہ اس کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں اور اس کی رحمت سب کو شامل ہے، نیز اس کا فضل وکرم سب کے لئے ہے، اس کے دریائے رحمت کے سامنے بندوں کے گناہوں کی کوئی حیثیت نہیں اور میں تو توحید پرست اور ایمان والا ہوں، لہٰذا ایمان کے سبب میں بغیر حساب وکتاب بخشش دیا جاؤں گا۔ بسا اوقات وہ یہ گمان اور امید رکھتا ہے کہ میرے باپ دادا نیک، پرہیزگار اور بلند مرتبہ والے تھے، لہٰذا میں ان کے وسیلے سے (بلاعذاب) بخش دیا جاؤں جیسا کہ (گناہوں میں مُلَوَّث) سادات اپنے نسب کے باعث دھوکے کا شکار ہیں کہ ان کا کردار تقویٰ اور پرہیزگاری میں اپنے آباء واجداد کی سیرتِ طیبہ کے بَرخلاف ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں ہم اپنے آباء واجداد سے بھی زیادہ معزز ہیں کیونکہ وہ لوگ تقویٰ وپرہیزگاری کے باوجود خوف رکھتے تھے اور ہم گناہوں کی کثرت کے باوجود بے خوف ہیں حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس طرح کی امید باندھنا بہت بڑا دھوکا ہے۔ پس شیطان

سادات کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیتا ہے کہ جو کسی انسان سے محبت کرتا ہے وہ اس کی اولاد سے بھی محبت کرتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ چونکہ تمہارے آباء واجداد سے محبت فرماتا ہے تو تم سے بھی محبت فرماتا ہے، لہٰذا تمہیں اطاعت وفرمانبرداری کی کوئی ضرورت نہیں۔

گناہ گار مسلمان کے دھوکے میں پڑنے کا پہلا علاج:

اس دھوکے میں مبتلا شخص کو چاہئے کہ اس بات کو یاد کرے کہ حضرت سیِّدُنا نوح عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے طوفان سے پہلے اپنے بیٹے کو کشتی میں اپنے ساتھ سوار کرنا چاہا مگر انہیں منع فرما دیا گیا کہ آپ کا بیٹا غرق ہونے والوں میں سے ہے۔ چنانچہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کا قول نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ (پ۱۲، ھود: ۴۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اے میرے رب میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا ہے۔

پھر فرمایا:

یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﱪ (پ۱۲، ھود: ۴۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔

حضرت سیِّدُنا ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اپنے باپ کے لئے بخشش کی دعا کی مگر اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔[1]

---

[1] ...یہاں باپ سے مراد "چچا" ہے جیسا کہ صدرالافاضل حضرت علامہ مولانا سیِّد محمد نعیم الدین مرادآبادی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللهِ الهَادِی "خزائن العرفان" میں سورۂ انعام کی آیت نمبر 74 کے تحت فرماتے ہیں: قاموس میں ہے کہ آزر حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے چچا کا نام ہے۔ امام علامہ جلال الدین سیوطی نے "مَسَالِكُ الْحُنَفَاء" میں بھی ایسا ہی لکھا ہے، چچا کو باپ کہنا تمام ممالک میں معمول ہے بالخصوص عرب میں، قرآنِ کریم میں ہے: نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآىٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ (پ۱، البقرۃ: ۱۳۳، ترجمۂ کنزالایمان: ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے والدوں ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق کا ایک خدا) اس میں حضرت اسمٰعیل (عَلَیْہِ السَّلَام) کو حضرت یعقوب (عَلَیْہِ السَّلَام) کے آباء میں ذکر کیا گیا ہے باوجودیکہ آپ عَمّ (چچا) ہیں۔ حدیث شریف میں بھی حضرت سیِّدِ عالَم صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عباس رَضِیَ اللهُ عَنْہ کو اَب (یعنی باپ) فرمایا۔ چنانچہ ارشاد کیا "رُدُّوْا عَلَیَّ اَبِیْ" اور یہاں اَبِی سے حضرت عباس مراد ہیں۔ (مفردات راغب و کبیر وغیرہ)

حضور نبیِّ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اپنی والِدہ ماجِدہ کی قَبْرِ اَنور کی زیارت اور ان کے لئے استغفار کی اجازت چاہی، زیارت کرنے کی اجازت دے دی گئی البتہ استغفار سے منع کر دیا گیا۔[1] آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وہیں قبر کے پاس تشریف فرما ہوئے اور اپنی والدہ ماجدہ کی محبت و یاد میں چَشْمانِ کَرَم سے آنسو بہنے لگے حتّٰی کہ (وہاں موجود) دیگر لوگ بھی رونے لگے۔[2]

دوسرا علاج:

شیطان کے اس دھوکے کا دوسرا علاج یہ ہے کہ بندہ اس طرح سوچے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ فرمانبردار اور اطاعت گزار بندے کو پسند اور گناہ گار و عاصی کو ناپسند فرماتا ہے تو جس طرح نافرمان لڑکے کی وجہ سے فرمانبردار باپ کو ناپسند نہیں کیا جاتا اسی طرح فرمانبردار باپ کی محبت کی وجہ سے اس کے نافرمان لڑکے سے محبت نہیں کی جاسکتی کیونکہ اگر باپ کی محبت کی وجہ سے لڑکے سے بھی محبت کی جاتی تو ممکن تھا کہ نافرمان بیٹے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے باپ کو بھی ناپسند کیا جائے بلکہ سچ تو یہ ہے:

---

[1] ...شرح الزرقانی علی المَوَاهِبِ اللَّدُنِّیَّة، جلد 1، صفحہ 314 پر ہے: حافِظ ابْنِ شاہین عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْمُبِیْن اپنی کتاب "اَلنَّاسِخ وَالْمَنْسُوْخ" میں ذکر کرتے ہیں کہ اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے مروی ہے کہ حِجَّۃُ الْوِداع کے موقع پر حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنی والِدہ ماجِدہ کی قبر کی زیارت کے لئے گئے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اپنی والدہ ماجدہ کو زندہ کرنے کی دعا کی تو اللہ عَزَّوَجَلَّ نے انہیں زندہ فرمادیا اور وہ آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر ایمان لائیں۔ صفحہ 316 پر ہے: حافِظ ابن شاہین، خطیب بغدادی، حافِظ اِبْنِ عَساکِر، علامہ سُہَیْلی، علامہ مُحِب طَبَری، علامہ ناصِرالدِّین بن منیر اور علامہ ابْنِ سیِّدُ النّاس رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ مُمانعتِ اِستغفار والی روایت اس حدیث سے منسوخ ہے۔ شارح احیاء العلوم علامہ سیِّد محمد بن محمد حسینی مرتضٰی زَبیدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی فرماتے ہیں: حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے والِدَیْن کَرِیمین بعدِ وفات زندہ ہو کر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر ایمان لائے، اس روایت کو (دوسری سند کے ساتھ) علامہ سُہیلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی نے "رَوْضُ الْاُنُف" میں اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت کیا اور خطیب بغدادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی نے "اَلسَّابِق وَاللَّاحِق" میں اسے ذکر کیا۔ حافظ علامہ سُیُوطی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی نے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے والدین کریمین کے ایمان کے متعلق سات رسائل تصنیف فرمائے اور اس موضوع کے متعلق میرا (یعنی صاحب اتحاف کا) بھی ایک رِسالہ بنام "اَلِاْنْتِصَار لِوَالِدَیِ النَّبِیِّ الْمُخْتَار" ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۰/ ۴۳۳ ملخصًا)

[2] ...مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ربہ فی زیارۃ قبر امہ، ص ۴۸۶، حدیث: ۹۷۶

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰىۙ(۳۸) ترجمۂ کنزالایمان: کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔

(پ۲۷، النجم: ۳۸)

تیسرا علاج:

جسے شیطانی وسوسہ آئے کہ اپنے باپ کے تقویٰ و پرہیز گاری کی وجہ سے وہ بھی نجات پا سکتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اس طرح سوچے کہ ایسا شخص اس آدمی کی طرح ہے جو یہ سمجھتا ہو کہ باپ کے کھانے سے بیٹے کا پیٹ بھر جائے گا، باپ کے پینے سے بیٹے کی پیاس بجھ جائے گی، باپ کے علم دین سیکھنے سے بیٹا عالِم بن جائے گا اور باپ اگر کعبۃُ اللہ کی طرف سفر کرکے وہاں پہنچ جائے تو بیٹا بھی باپ کے چلنے کے سبب وہاں پہنچ جائے گا اور کعبۃُ اللہ شریف کی زیارت کرلے گا۔

خلاصۂ کلام:

تقویٰ اختیار کرنا ہر ایک پر لازم و ضروری ہے اور آخرت کے معاملہ میں نہ تو پرہیز گار باپ اپنی اولاد کو کوئی فائدہ دے سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نیک و پرہیز گار بیٹا اپنے باپ کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں تقویٰ و پرہیز گاری کا انعام اس دن ملے گا جس دن آدمی اپنے بھائی اور ماں باپ سے بھاگتا پھرے گا البتہ جس پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا سخت غضب نہ ہوگا تو وہ حضور نبیِّ رحمت، شفیعِ اُمّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شفاعت کا مستحق ٹھہرے گا جیسا کہ تکبُّر اور خود پسندی کے بیان میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

مذکورہ گفتگو سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گناہ گار بندوں کا یہ کہنا کہ "اللہ عَزَّوَجَلَّ معاف کرنے والا ہے اور ہم اس سے رحمت و مغفرت کی امید رکھتے ہیں" صحیح نہیں ہے حالانکہ (حدیثِ قدسی میں ہے کہ) اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: "میرا بندہ میرے بارے میں جو گمان رکھتا ہے میں اس کے گمان کے مطابق ہوں، لہٰذا اسے چاہئے کہ میرے بارے میں اچھا گمان رکھے۔"[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام صحیح ہے اور دلوں میں اس

---

[1] ...بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ: یریدون ان یبدلوا کلام اللہ، ۴/ ۵۷۴، حدیث: ۷۵۰۵

کی قبولیت ظاہر ہے۔ اس کا **جواب** یہ ہے کہ انسان اس بات کو جان لے کہ شیطان اسے ایسے کلام کے ذریعے بہکاتا ہے جو ظاہر میں مقبول اور باطن میں مردود ہوتا ہے کیونکہ اگر کلام اپنے ظاہر میں اچھا نہ ہو تو دل دھوکے کا شکار کیسے ہو؟ اس بات کی وضاحت خود حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ،

عقل مند اور بے وقوف کی پہچان:

مُعَلِّمِ کائنات، شاہِ مَوجُودات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو فرمانبردار بنائے اور موت کے بعد کام آنے والے عمل کرے اور بے وقوف وہ ہے جو خواہش نفس کی پیروی کرے اور پھر بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے آرزو رکھے۔“[1]

یہی اللہ عَزَّوَجَلَّ پر تمنا ہے، شیطان نے اسی تمنا کا نام بدل کر ”امید“ رکھ دیا ہے حتّٰی کہ اس کے ذریعے جاہل کو دھوکا دیتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ رِجا (امید) کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓىٕكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ (پ۲، البقرۃ: ۲۱۸)

ترجمۂ کنزالایمان: وہ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے وہ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔

یعنی امید ان لوگوں کے زیادہ لائق ہے اور یہ اس لئے کہ آخرت کے ثواب کو اعمال کی جزا اور اَجر قرار دیا گیا ہے (لہٰذا نیک لوگوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے رحمت کی امید رکھنی چاہئے) جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ارشاد ہے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ (پ۲۷، الواقعۃ: ۲۴)

ترجمۂ کنزالایمان: صلہ ان کے اعمال کا۔

اور فرماتا ہے:

وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ (پ۴، اٰل عمران: ۱۸۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور تمہارے بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے۔

امید کی وضاحت:

اگر کوئی شریف اور ایماندار شخص جو اُجرت بھی زیادہ دیتا ہو کسی آدمی کو برتن دھونے کے کام پر نوکر

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، ۴/۲۰۷، حدیث: ۲۴۶۷

رکھے اور کہے کہ کام پورا کرو گے تو اجرت ملے گی لیکن وہ شخص دھونے کے بجائے تمام برتن توڑ دے اور اس انتظار میں بیٹھ جائے کہ مالک چونکہ شریف اور ایماندار ہے، لہٰذا وہ اجرت ضرور دے گا تو ایسے شخص کو عقل مند لوگ دھوکے کا شکار کہیں گے یا آس لگانے والا؟ (یقیناً دھوکے کا شکار کہیں گے) کیونکہ جہالت کے سبب اسے امید اور دھوکے کے درمیان فرق ہی معلوم نہیں۔

امید اور خوف رکھنے والے کی علامت:

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی سے عرض کی گئی: بعض لوگ اعمال نہ کرنے کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے امید رکھتے ہیں تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ہائے افسوس! ہائے افسوس! یہ ان کی خواہشات اور تمنائیں ہیں جنہیں وہ نیک اعمال پر ترجیح دیتے ہیں (امید نہیں ہے) کیونکہ جو شخص کسی چیز کی امید رکھتا ہے اسے پالینے کی کوشش بھی کرتا ہے اور جو کسی چیز سے خوف رکھتا ہے وہ اس سے دور بھاگتا ہے۔

حضرت سیِّدُنا مُسْلِم بن یَسار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْغَفَّار نے ایک مرتبہ فرمایا: کل رات میں نے سجدہ کیا یہاں تک کہ (سجدہ میں پڑے رہنے کی وجہ سے) میرے سامنے کے دو دانت گر گئے۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا: ہم تو اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے امید رکھتے ہیں (اس لئے اعمال میں سستی کرتے ہیں) تو آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: "ہائے افسوس! جو کسی چیز کی امید رکھتا ہے اسے پانے کی کوشش بھی کرتا ہے اور جسے کسی چیز سے خوف ہوتا ہے وہ اس سے دور بھاگتا ہے۔"

پاگل اور عقل مند امیدوار:

وہ شخص جو اس دنیا میں اولاد کی امید رکھتا ہے اور باوجود اس امید کے نکاح نہ کرے یا نکاح تو کرے مگر اپنی بیوی سے ہم بستری نہ کرے یا ہم بستری بھی کرے لیکن فارغ ہونے سے پہلے اس سے جدا ہو جائے، تو ایسی صورت میں اس کا اولاد کی امید رکھنا پاگل پن ہے۔ اسی طرح جو اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی رحمت کی امید رکھے اور ایمان نہ لائے یا ایمان تو لائے مگر نیک اعمال نہ کرے یا نیک اعمال بھی کرے لیکن گناہوں کو نہ چھوڑے تو ایسا شخص دھوکے کا شکار ہے اور اگر اولاد کی امید رکھنے والا شخص نکاح کرے، بیوی سے ہم بستری بھی کرے اور فارغ ہونے سے پہلے جدا نہ ہو اور اسے یہ خوف ہو کہ معلوم نہیں اولاد ہو گی یا نہیں پھر اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے اس کے

فضل کی امید رکھے کہ وہ عورت اور اس کے رحم کی تمام خرابیوں کو دور کر کے اولاد عطا فرمائے گا تو ایسا شخص عقل مند ہے۔ جیسے کوئی شخص ایمان لے آئے، نیک اعمال کرے اور خود کو گناہوں سے بچاتا رہے اور امید و خوف کے درمیان متردد رہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے خوف یوں رکھے کہ میرے اعمال قیامت کے دن میرے منہ پر نہ مار دیئے جائیں، اگر مجھے اعمال پر استقامت نہ مل سکی تو میں گناہوں میں پڑ جاؤں گا، میرا خاتمہ ایمان پر نہ ہو گا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اس کے فضل و کرم کی امید یوں رکھے کہ وہ اسے دین پر استقامت عطا فرمائے گا، اس کے دل کو تمام زندگی نفسانی خواہشات سے محفوظ فرمائے گا، گناہوں سے بچائے گا اور اس کا خاتمہ بِالْخَیر فرمائے گا تو ایسا شخص عقل مند ہے اور اس کے علاوہ باقی لوگ دھوکے کا شکار ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ (پ۱۹، الفرقان: ۴۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اب جانا چاہتے ہیں جس دن عذاب دیکھیں گے کہ کون گمراہ تھا۔

نیز ارشاد فرماتا ہے:

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ ﴿۸۸﴾ (پ۲۳، ص: ۸۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ضرور ایک وقت کے بعد تم اس کی خبر جانو گے۔

اس وقت دھوکے کے شکار لوگ یہ کہیں گے جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآن پاک میں یوں نقل فرمایا:

رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ (پ۲۱، السجدۃ: ۱۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اے ہمارے ربّ اب ہم نے دیکھا اور سنا ہمیں پھر بھیج کہ نیک کام کریں ہم کو یقین آگیا۔

یعنی اب ہم جان چکے ہیں کہ جس طرح اولاد بغیر نکاح اور ہم بستری کے پیدا نہیں ہوتی اور کھیتی بغیر بیج بوئے اور ہل چلائے نہیں ہوتی اسی طرح دنیا میں بغیر نیک اعمال کے آخرت میں ثواب اور فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی، لہٰذا اب تو ہمیں دنیا میں واپس لوٹا دے تاکہ ہم نیک اعمال کریں کیونکہ ہمیں تیرے اس فرمان:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾ (پ۲۷، النجم: ۳۹، ۴۰)

ترجمۂ کنزالایمان: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی۔

کی سچائی معلوم ہو چکی ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

كُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ (پ۲۹، الملک: ۸، ۹)

ترجمۂ کنزالایمان: جب کبھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا اس کے داروغہ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا تھا کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈر سنانے والے تشریف لائے۔

یعنی کیا تم نے بندوں کے متعلق اللہ عَزَّوَجَلَّ کے طریقے کو نہیں سنا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ (پ۳، البقرۃ: ۲۸۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہر جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

اور ارشاد فرماتا ہے:

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ۝ (پ۲۹، المدثر: ۳۸)

ترجمۂ کنزالایمان: ہر جان اپنی کرنی میں گروی ہے۔

تو یہ سب کچھ سننے اور سمجھنے کے بعد بھی تمہیں کس چیز نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے متعلق دھوکے میں رکھا؟ وہ لوگ کہیں گے (جیسا کہ قرآن کریم میں ہے):

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝ (پ۲۹، الملک: ۱۰، ۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے، اب اپنے گناہ کا اقرار کیا تو پھٹکار ہو دوزخیوں کو۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کوئی یہ کہے کہ جب صورت حال یوں ہے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ سے کہاں امید کرنا بہتر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دو مقام ایسے ہیں جہاں پر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے امید کرنا بہتر ہے۔

❁...**پہلا مقام:** جب کسی گناہ گار و خطاکار بندے کے دل میں توبہ کا خیال آجائے اور اس وقت شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرے کہ تجھ جیسے گناہ گار بندے کی توبہ کہاں قبول ہوگی؟ اور یوں اسے رحمتِ الٰہی سے نا امید کرے تو اس پر لازم و ضروری ہے کہ مایوسی کے اندھیرے کو امید کی کرن سے دور کرے اور

یہ سوچے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اپنے فضل و کرم سے گناہ گار بندے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے اور اس کے سب گناہوں کو بخش دیتا ہے کیونکہ توبہ ایسی عبادت ہے جو گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

توبہ سے متعلق دو فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًاؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ(۵۳) وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ (پ۲۴، الزمر: ۵۳، ۵۴)

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے اور اپنے رب کی طرف رجوع لاؤ۔

﴿2﴾...

وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى(۸۲) (پ۱۶، طٰہٰ: ۸۲)

ترجمۂ کنزالایمان: اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا پھر ہدایت پر رہا۔

خلاصۂ کلام:

اگر بندہ توبہ کے ساتھ ساتھ مغفرت کا انتظار کرے تو اسے امید کہا جائے گا اور اگر گناہوں کے دلدل میں پھنسے رہنے کے ساتھ ساتھ مغفرت کا انتظار کرے تو اسے دھوکے کا نام دیا جائے گا۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھئے کہ جیسے کوئی بازار میں ہو اور جمعہ کی نماز شروع ہونے والی ہو، اس کے دل میں خیال آئے کہ اب اسے مسجد کی طرف جانا چاہئے ایسے وقت میں شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالے کہ تم جمعہ کی نماز میں نہیں پہنچ سکتے، لہٰذا جہاں ہو وہیں رہو کہیں جانے کی ضرورت نہیں اب اگر وہ شیطان کو دُھتکار دے اور یہ سوچتے ہوئے مسجد کی طرف تیزی سے روانہ ہو جائے کہ شاید وہ جمعہ پالے گا، یہ امید بالکل درست ہے اور اسے امید رکھنے والا کہا جائے گا اور اگر وہ اپنی دکان پر کھڑا رہے اور یہ سوچے کہ ہو سکتا ہے امام میرے یا کسی اور کے لئے درمیانے وقت تک انتظار کرے گا یا کسی اور سبب سے منتظر رہے گا جس کا اسے علم نہیں ہے تو یہ شخص دھوکے کا شکار ہے۔

۞...دوسرا مقام: انسان کا نفس نوافل (ومستحبات) کی ادائیگی میں سستی کرے اور فرائض (وواجبات کی) ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمتوں کی امید رکھے اور ان چیزوں کی بھی امید رکھے جن کا نیک وپرہیزگار لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہاں تک کہ امید کی وجہ سے اس میں عبادت کی مٹھاس وچاشنی پیدا ہو جائے اور وہ نوافل (ومستحبات) کو ادا کرنے کا ذہن بنالے اور ان فرامین باری تعالیٰ کو یاد کرے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ (پ۱۸، المؤمنون: ۱تا۱۱)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیبیوں یا شرعی باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی مِلک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس کی میراث پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

معلوم ہوا کہ پہلی قسم کی امید اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں توبہ قبول نہ ہونے کی مایوسی کو دور کر دیتی ہے جبکہ دوسری قسم کی امید اس سستی اور کاہلی کو دور کر دیتی ہے جس کی وجہ سے (نفلی) عبادت میں لذت و رغبت پیدا نہیں ہوتی یعنی ہر وہ بات جو توبہ پر ابھارے اور عبادت میں رغبت پیدا کرے وہ "امید" ہے اور ہر وہ بات جو عبادت میں سستی پیدا کرے یا مایوسی کی جانب مائل کرے وہ "دھوکا" ہے مثلاً کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ گناہوں کے دلدل سے خود کو نکالے اور ربِّ کریم عَزَّوَجَلَّ کو راضی کرنے والے کام کرے، اس وقت شیطان اس سے کہے: تو اپنے آپ کو مشکلات اور پریشانی میں کیوں ڈال رہا ہے حالانکہ تیرا ربّ عَزَّوَجَلَّ

رحم وکرم کرنے والا اور گناہوں کو بخشنے والا ہے، اگر وہ شخص شیطان کی بات مان کر توبہ اور عبادت میں سستی کرتا ہے تو وہ دھوکے میں ہے۔ ایسے وقت میں بندے پر ضروری ہے کہ وہ خود کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے غضب اور اس کی مضبوط گرفت سے ڈراتا ہوا یہ کہے: بے شک! اللہ عَزَّوَجَلَّ گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ سخت عذاب دینے والا بھی ہے اور بے شک وہ کریم ہے مگر وہ کفار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں بھی ڈالے گا اور ان کا کفر اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا بلکہ وہ تو اپنے بندوں کو دنیا میں عذاب، رنج وتکلیف، مختلف قسم کی بیماریوں اور فقر وفاقہ میں مبتلا کرنے اور یہ سب چیزیں ان سے دور کرنے پر بھی قادر ہے اور بندوں کے متعلق یہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کا طریقہ ہے تو جب اس نے مجھے اپنی خفیہ تدبیر سے ڈرایا ہے تو کس وجہ سے میں اس کی خفیہ تدبیر سے نہ ڈروں اور کیونکر میں دھوکے اور غلط فہمی میں مبتلا رہوں۔ خوف اور امید رہبر اور راہ نما کی طرح ہیں جو لوگوں کو نیک اعمال کی طرف راغب کرتے ہیں اور جو چیز نیک اعمال کی طرف راغب نہ کرے وہ دھوکا اور تمنا ہے۔ اکثر لوگ امید کے باعث ہی نیک اعمال میں سستی کرتے، دنیا کی طرف متوجہ رہتے، اللہ عَزَّوَجَلَّ سے اِعراض کرتے اور آخرت سے غفلت برتتے ہیں۔ حالانکہ یہ امید نہیں بلکہ دھوکا ہے۔ رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”عنقریب اس امت کے آخر کے لوگوں کے دلوں پر دھوکا غالب آجائے گا۔“[1] چنانچہ جس بات کی خبر حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دی ویسا ہی ہوا کہ پہلے لوگ دن رات عبادت میں کوشش کرتے اور جو بھی عمل کرتے اپنے دلوں میں اس بات کا خوف رکھتے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور دن رات اطاعت و فرمانبرداری کرنے کے باوجود بھی امید اور خوف کے درمیان رہتے تھے، شک وشبہ والی چیزوں اور خواہشات سے بچتے، مزید تقویٰ وپرہیزگاری اختیار کرتے اور تنہائی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے روتے رہتے تھے اور اب جو کچھ ہمارے دور کے لوگوں کی حالت ہے وہ سب کے سامنے ہے کہ گناہوں کے دلدل میں دھنسے رہنے، دنیا میں مگن رہنے اور ربّ تعالیٰ سے منہ پھیرنے کے باوجود لوگ خوش، مطمئن اور بے خوف نظر

---

[1]... الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب الفقر والزھد والقناعۃ، ۲/ ۳۵، حدیث: ۶۸۰

المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث ابی ذر الغفاری، ۸/ ۹۱، حدیث: ۲۱۴۵۳، ۲۱۴۵۴، ۲۱۴۵۵

آتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ وہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے فضل و کرم پر بھروسا رکھنے والے ہیں اور اللہ عَزَّ وَجَلَّ سے بخشش و مغفرت کی امید رکھنے والے ہیں گویا ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ انہیں جس طرح اللہ عَزَّ وَجَلَّ کے فضل و کرم کی معرفت و پہچان ہو گئی ہے اس طرح کی پہچان (مَعَاذَ اللہ) انبیائے کرام، صحابۂ عظام اور بزرگانِ دین عَلَیْہِمُ السَّلَام کو بھی حاصل نہیں ہوئی حالانکہ اگر یہ سب کچھ صرف تمنا اور خواہش کرنے سے حاصل ہو جاتا تو ان تمام مُقَدَّس حضرات کو اتنا رونے، خوف کرنے اور غمگین رہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کی پوری تحقیق ہم نے خوف اور امید کے بیان میں ذکر کر دی ہے۔

حضرت سَیِّدُنا مَعْقِل بن یَسار رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ مُحْسِنِ اِنْسانِیَّت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں لوگوں کے دلوں سے قرآن (کی رغبت) اس طرح بوسیدہ ہو جائے گی جس طرح جسموں پر موجود کپڑا بوسیدہ ہو جاتا ہے اور یہ سب کچھ ان کی ایسی امید کی وجہ سے ہو گا جس میں خوف نہ ہو گا اگر ان میں سے کوئی اچھا عمل کرے گا تو کہے گا: میرا عمل قبول ہو گا اور اگر کوئی برائی کرے گا تو کہے گا: میری بخشش ہو جائے گی۔“[1] یعنی حضور نبیِ پاک صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ لوگ خوفِ خدا پیدا کرنے والی قرآنی آیات سے جاہل ہونے کی وجہ سے خوف کے بجائے امید اور طمع سے کام لیں گے۔ چنانچہ نصاریٰ کے متعلق یہی خبر دی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد ہوتا ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا (پ۹، الاعراف: ۱۶۹)

ترجمۂ کنزالایمان: پھر ان کی جگہ ان کے بعد وہ ناخلف آئے کہ کتاب کے وارث ہوئے اس دنیا کا مال لیتے ہیں اور کہتے اب ہماری بخشش ہو گی۔

یعنی علمائے نصاریٰ کتاب (یعنی انجیل مقدس) کے وارث ہو کر بھی دنیاوی خواہشات میں مبتلا ہیں اور حلال

---

[1] ...نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول للحکیم الترمذی، الاصل السابع والعشرون، ۱/ ۱۳۲، حدیث: ۱۹۱، مختصرا
جامع الاحادیث للسیوطی، مسند عبد اللہ بن العباس، ۲۰/ ۱۲۸، حدیث: ۱۶۱۶۹
جمع الجوامع للسیوطی، مسند عبد اللہ بن العباس، ۱۵/ ۵۴، حدیث: ۱۲۰۲۳

وحرام سے بے نیاز ہو کر دنیا کمانے میں مصروف ہیں۔ جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ خوف کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

وَلِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾

(پ۲۷، الرحمٰن: ۴۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو جنّتیں ہیں۔

ایک مقام پر مقام ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامِیۡ وَخَافَ وَعِیۡدِ ﴿۱۴﴾

(پ۱۳، ابراھیم: ۱۴)

ترجمۂ کنزالایمان: یہ اس کے لئے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور میں نے جو عذاب کا حکم سنایا ہے اس سے خوف کرے۔

اور قرآن مجید کے فرامین ابتدا سے لے کر انتہا تک خوفِ خدا دلانے پر مشتمل ہیں ان میں جو بھی غور و فکر کرے گا اگر سچے دل سے ایمان لایا ہو گا تو اس کا رنج و غم اور خوف بڑھے گا اور فی زمانہ دیکھا جائے تو قرآن مجید کو تیزی سے پڑھتے چلے جاتے ہیں، حروف کو مخارج سے نکالنے پر ہی ان کا دھیان ہوتا ہے، زبر، زیر اور پیش لگانے پر بحث و مباحثہ کرتے نظر آتے ہیں گویا جس طرح عَرَبی اشعار پڑھتے ہیں اس طرح قرآن مجید کی تلاوت کرتے دکھائی دیتے ہیں نہ تو ترجمہ و مفہوم کی طرف توجہ ہوتی ہے اور نہ ہی قرآنی اَحکامات پر عمل کرنے کا جذبہ، کیا دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی دھوکا اور فریب ہو گا؟ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے متعلق دھوکے میں مبتلا ہونے کی مثالوں کا ذکر تھا، جس کے ضِمن میں امید اور دھوکے کے درمیان فرق بھی واضح ہو گیا۔ اسی (یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے متعلق دھوکے میں مبتلا ہونے) کے قریب قریب ان لوگوں کا دھوکا ہے جو اطاعت بھی کرتے اور گناہ بھی کرتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ گناہوں کی کثرت کے باوجود ان کی نیکیاں گناہوں پر غالب آجائیں گی اور نیکیوں کا پلڑا بھاری رہے گا حالانکہ یہ انتہائی درجہ کی جہالت ہے۔ مثلاً ایک شخص نے حلال و حرام کمانے میں کوئی فرق نہیں کیا یہاں تک کہ اس کی دولت و جائیداد میں مسلمانوں کا مال اور شک و شبہ والی رقم اس کی اصل جمع پونجی سے بھی کئی گنا بڑھ گئی پھر وہ شخص اس مال میں سے چند روپے صدقہ کرے اور یوں خیال کرے کہ کوئی کسی کے ہزار روپے کھالے اور 10 روپے حلال یا حرام کے صدقہ کر دے تو یہ دونوں عمل برابر ہو جائیں گے تو یہ شخص اس آدمی کی طرح ہے جس نے ترازو کے ایک پلڑے میں 10 سکے اور دوسرے

میں ہزار سکے رکھے اور یہ چاہا کہ ہلکے پلڑے کے مقابلے میں بھاری پلڑا بلند ہو جائے۔ ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی نیکیاں ان کے گناہوں سے زیادہ ہیں اس لئے نہ تو وہ نفس کا محاسبہ کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے گناہوں میں کمی لانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب بھی کوئی نیک عمل کرتے ہیں تو اسے یاد رکھتے اور بار بار گنتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنی زبان سے استغفار کرتا ہے یا دن میں 100 مرتبہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی تسبیح کرتا ہے پھر مسلمانوں کی غیبت اور ان کی عزت کے دَرپے ہوتا ہے اور دن میں بے شمار مرتبہ ایسا کلام کرتا ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کو پسند نہیں لیکن پھر بھی اس کی نظر تسبیح کی تعداد کی طرف ہوتی ہے کہ اس نے 100 مرتبہ استغفار کیا ہے اور دن بھر میں جو اس نے فضول کلام کئے اسے بھول جاتا ہے حالانکہ اگر اس کے فضول کلام کو لکھا جائے تو اس کی تعداد اس کے تسبیح کے 100 دانوں کے برابر ہو جائے یا ہزار سے بھی بڑھ جائے حقیقت یہ ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے معصوم فرشتے "کراماً کاتبین" تمام باتوں کو لکھ رہے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہر (فضول) بات پر پکڑ ہونے سے ڈرایا ہے:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾ (پ٢٦، ق:١٨)

ترجمۂ کنزالایمان: کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

ایسا شخص ہمیشہ تسبیحات و تہلیلات (یعنی ذکر و اذکار) کے فضائل کی جانب دیکھتا ہے اور قرآن و حدیث میں جھوٹ، غیبت، چُغلی اور مُنافَقَت کے بارے میں جو سزائیں بیان ہوئیں ہیں اس کی جانب تَوَجُّہ نہیں کرتا حالانکہ ایسا شخص سراسر دھوکے میں ہے۔

اگر فرشتے گفتگو لکھنے پر اجرت لیتے تو...!

اگر فرشتے اس کی گفتگو لکھنے پر اس سے کچھ اجرت لیتے تو فضول اور بے ہودہ گفتگو کرنا تو دور کی بات، ضروری گفتگو بھی کم سے کم کرتا بلکہ جو تسبیح پڑھتا اسے پڑھنے میں بھی احتیاط کرتا کہ کہیں اجرت زیادہ نہ دینی پڑ جائے، تعجب ہے ایسے شخص پر جو چند سکوں کی خاطر اپنے نفس کا مُحاسَبَہ تو کرتا ہے مگر جنّت جیسی عظیم الشان جگہ اور اس کی ختم نہ ہونے والی نعمتوں کے چھوٹ جانے کے خوف سے اپنے نفس کی باز پرس بھی

نہیں کرتا۔ اگر سوچا جائے تو یہ بہت بڑی مصیبت ہے کیونکہ ہم ایک ایسے معاملے میں پڑے ہوئے ہیں کہ اگر اس کے بارے میں ذرہ بھر شک کریں تو کافر ہو جائیں اور اگر اس کی تصدیق کریں تو احمق اور دھوکے میں مبتلا قرار پائیں۔ پس جو قرآن مجید اور اس کے اَحکامات کی تصدیق کرتا ہے اس کے اعمال ایسے نہیں ہوتے، اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں ناشکری اور کُفرانِ نعمت سے بچائے۔ پاک ہے وہ ذات جو ہمیں واضح دلیل کے ہوتے ہوئے بھی تنبیہ اور یقین سے روک سکتی ہے اور وہ ذات جو غفلت اور دھوکے کو دلوں پر مُسَلَّط کرنے پر قادر ہے وہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور جھوٹی تمناؤں نیز شیطانی اور نفسانی خواہشات کی پیروی پر بھروسا کر کے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔

باب نمبر2: دھوکے میں مُبتلا لوگوں کی چار اَقسام اور ہر قِسم میں شامل فِرقوں کا بیان

پہلی قسم: عُلَما کا دھوکا

اس قسم میں عُلَما کے بہت سے گروہ شامل ہیں۔

دھوکے کا شکار عُلَما کا پہلا گروہ:

جنہوں نے عُلُومِ شَرعِیہ اور عُلُومِ عَقلِیہ (یعنی مَنطِق وفلسفہ وغیرہ) بہت زیادہ سیکھا اور اسی میں غور وفکر اور بحث ومباحَثہ کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے جسمانی اعضاء کو نہ تو گناہوں سے بچایا اور نہ ہی انہیں اطاعت وفرمانبرداری کے کاموں میں لگایا بلکہ اپنے علم کی وجہ سے اس غلط فہمی اور گمان میں مبتلا رہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں انہیں ایسا مقام ومرتبہ حاصل ہو چکا ہے جس کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں عذاب نہیں دے گا بلکہ مخلوق کے بارے میں ان کی شفاعت کو قبول کرے گا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں چونکہ انہیں عزت و شرافت حاصل ہے، لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے گناہوں اور خطاؤں پر بھی پکڑ نہیں فرمائے گا۔ در حقیقت یہ لوگ دھوکے اور غلط فہمی میں مبتلا ہیں کیونکہ اگر یہ لوگ غور وفکر کرتے تو جان لیتے کہ علم کی دو قسمیں ہیں:

(1)... عِلْمِ مُکاشَفہ (باطنی علم) یعنی جس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات و صِفات کے بارے میں پہچان حاصل کی

جاتی ہے اسے عام طور پر عِلْمِ مَعْرِفت سے بھی تعبیر کرتے ہے۔

(2)...عِلْمِ مُعاملہ (ظاہری علم) یعنی جس میں حلال وحرام کی پہچان، اچھے اور بُرے اَخلاق کی تمیز اور برے اخلاق سے بچنے کے طریقے بیان کئے جاتے ہیں۔

ان عُلُوم کو حاصل کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان پر عمل کیا جائے ورنہ ان علوم کی کوئی اہمیت نہیں یہی معاملہ ہر اس علم کے ساتھ ہے جس کے حاصل کرنے کا مقصد عمل کرنا ہوتا ہے بغیر عمل کے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ مثلاً: ایک شخص کی بیماری کا علاج ایک خاص قسم کی دوائی میں ہے اور اس دوائی کے بارے میں معلومات کسی ماہر طبیب کو ہے یہ مریض اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اس طبیب کی تلاش میں نکلے اور کافی تلاش کے بعد بالآخر اسے ڈھونڈھ لے، طبیب دوائی بنانے کا نسخہ اسے صاف ستھرے اور واضح الفاظ میں لکھوا دے کہ دوائی میں شامل کون کون سی چیزیں اسے کہاں کہاں سے مل جائیں گی اور پھر ان تمام چیزوں کو کس ترتیب سے اور کتنی مقدار میں شامل کرنا ہے، پھر مریض وہ نسخہ لے کر اپنے گھر واپس آجائے، اسے بار بار پڑھے دوسرے مریضوں کو اسی نسخہ کے مطابق دوائی بنا کر دے مگر خود وہ دوائی استعمال نہ کرے تو کیا ایسی صورت میں اس مریض کا مرض دور ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں، اگر وہ نسخہ ایک ہزار مرتبہ بھی لکھے اور ہزار مریضوں کو دے اور سب مریض شفایاب بھی ہو جائیں بلکہ ہر روز ہزار مرتبہ بھی اس کی تکرار کرے تو پھر بھی اسے شفا حاصل نہیں ہو گی۔ ہاں! اگر کچھ رقم خرچ کرے اور جس طریقہ سے طبیب نے اسے دوائی بنانا سکھائی تھی اس پر عمل کرتے ہوئے اسے بنائے، اس کی کڑواہٹ برداشت کرتے ہوئے وقت پر استعمال کرے اور نقصان دینے والی چیزوں سے پرہیز کرے تو پھر شِفایاب ہونے کی امید کی جاسکتی ہے اور اگر اس کا یہ خیال ہو کہ بس یہ نسخہ اس کے لئے کافی وشافی ہے اسے پینے کی حاجت نہیں تو ایسا شخص دھوکے کا شکار ہے۔ اسی طرح وہ عالِم جسے اچھے انداز میں عبادت کرنے کا طریقہ معلوم ہو مگر اس طریقہ پر عمل نہ کرے، گناہوں کی پہچان حاصل ہو مگر ان سے نہ بچے، برے اخلاق کو جانتا ہو مگر خود کو ان سے نہ بچائے، اچھے اخلاق کو پہچانتا ہو مگر ان سے اپنے آپ کو نہ سنوارے تو وہ یقیناً دھوکے کا شکار ہے۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ﴿۹﴾ (پ۳۰، الشمس: ۹) ترجمۂ کنزالایمان: بے شک مراد کو پہنچا جس نے اُسے ستھرا کیا۔

دیکھئے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو ستھرا کرنے کا طریقہ جان لیا، دوسروں کو لکھ کر دیا اور سکھایا وہ مراد کو پہنچ گیا (بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جس نے نفس کو ستھرا کیا وہ کامیاب ہو گیا)۔

شیطان کا دھوکا اور اس کا علاج:

شیطان اس موقع پر یہ دھوکا و فریب دیتا ہے کہ اس مثال سے دھوکا نہ کھاؤ اس مثال سے تمہارا کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ کسی دوا کے بارے میں صرف معلومات رکھنے سے مرض دور نہیں ہوتا لیکن تمہارا مقصد اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرب اور آخرت میں ثواب اکٹھا کرنا ہے اور صرف علم کے ذریعہ بھی ثواب حاصل ہو جاتا ہے اور پھر اسے علم کی فضیلت کے بارے میں آیات اور احادیث یاد دلاتا ہے اگر وہ عالم شیطان کے اس فریب اور دھوکے میں آجائے تو وہ اپنی خواہشِ نفسانی اور چاہت پر عمل کرتے ہوئے مطمئن ہو جاتا اور عمل کرنے میں سستی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اگر وہ عالم عقل مند ہوتا ہے تو شیطان سے کہتا ہے کہ تو مجھے علم کے فضائل تو یاد دلاتا ہے جبکہ بے عمل گناہ گار عالم کے بارے میں قرآن و حدیث میں جو وعیدیں آئی ہیں ان سے غافل رکھتا ہے؟

بے عمل عالم کے متعلق دو فرامین باری تعالیٰ:

﴿1﴾...

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ (پ۹، الاعراف: ۱۷۶)

ترجمۂ کنزالایمان: تو اس کا حال کتّے کی طرح ہے۔

﴿2﴾...

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا (پ۲۸، الجمعۃ: ۵)

ترجمۂ کنزالایمان: ان کی مثال جن پر توریت رکھی گئی تھی پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے۔

اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہو گی کہ بے عمل عالم کو کتے اور گدھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

بے عمل عالم کے متعلق چار فرامین مصطفےٰ:

﴿1﴾... مَنِ ازْدَادَ عِلْمًا وَلَمْ یَزْدَدْ هُدًى لَمْ یَزْدَدْ مِنَ اللهِ اِلَّا بُعْدًا یعنی جس کے علم میں تو اضافہ ہوتا ہے لیکن ہدایت نہیں

بڑھتی اس کی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دوری ہی بڑھتی ہے۔[1]

﴿2﴾... یُلْقَی الْعَالِمُ فِی النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُہٗ فَیَدُوْرُ بِہَا کَمَا یَدُوْرُ الْحِمَارُ فِی الرَّحٰی یعنی (بے عمل) عالم کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے گرد ایسے چکر لگائے گا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے۔[2]

﴿3﴾... شَرُّ النَّاسِ الْعُلَمَاءُ السُّوْءُ یعنی بدترین مخلوق بُرے علما ہیں۔[3]

﴿4﴾... اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْہُ اللّٰہُ بِعِلْمِہٖ یعنی بروزِ قیامت لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب اُس عالِم کو ہوگا جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اس کے علم سے نفع نہ دیا۔[4]

بے عمل عالِم کے لئے سات مرتبہ ہلاکت ہے:

حضرت سَیِّدُنا ابو دَرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: "جاہل کے لئے تو ایک مرتبہ خرابی ہے کہ اس نے علم حاصل نہیں کیا اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ چاہتا تو وہ علم حاصل کر لیتا مگر بے عمل عالِم کے لئے سات مرتبہ خرابی ہے۔" یعنی یہی علم اس کے لئے بربادی کا سبب بنے گا کیونکہ اسے (بروزِ قیامت) کہا جائے گا: تو نے اپنے علم کے مطابق کتنا عمل کیا؟ اور (نعمتِ علم پر) کس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کیا؟

اس طرح کی کئی روایات علم کے بیان میں "علمائے آخرت کی علامات" کے ضمن میں ذکر ہو چکی ہیں۔ مگر یہ تمام روایات گناہ گار و بدکار عالِم کی خواہش کے مطابق نہیں، اس کی خواہش کے مطابق وہ روایات ہیں جن میں علم کی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔ چنانچہ شیطان ایسے عالِم کو اس کی قلبی خواہش کی طرف جھکاتا ہے اور یہ بعینہٖ دھوکا ہے کیونکہ اگر وہ نظرِ بصیرت سے دیکھے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ جو مثال پیچھے گزری ہے وہ اسی کے بارے میں ہے اور اگر بنظرِ ایمان دیکھے تو جس ذات نے علم کے فضائل بیان فرمائے ہیں اسی نے علمائے سُو

1 ...سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ۲/ ۲۸۲
المجالسۃ وجواہر العلم، الجزء العاشر، الرقم ۱۲۸۷، ۲/ ۳۶

2 ...مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب عقوبۃ من یامر بالمعروف... الخ، ص ۱۵۹۵، حدیث: ۲۹۸۹

3 ...مسند البزار، مسند معاذ بن جبل، ۷/ ۹۳، حدیث: ۲۶۴۹

4 ...شعب الایمان، باب فی نشر العلم، ۲/ ۲۸۴، حدیث: ۱۷۷۸

(بُرے علما) کی مذمت بھی بیان فرمائی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ بے عمل علما کا حال جاہلوں سے بھی بدتر ہو گا۔ ان تمام باتوں کو جاننے کے باوجود بھی وہ یہ سوچے کہ میں درست ہوں تو یہ بہت بڑا دھوکا اور غلط فہمی ہے۔

دھوکے میں مبتلا باطنی علم کا دعویدار:

وہ شخص جو اس بات کا دعویدار ہو کہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات و صفات، اس کے ناموں (اور دیگر روحانی چیزوں) کا علم حاصل ہے اور پھر بھی وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اَحکامات کی نافرمانی و خلاف ورزی کرے تو یہ شخص بھی بہت بڑے دھوکے میں مبتلا ہے۔ مثلاً: ایک شخص بادشاہ کی خدمت کرنے کا ارادہ کرے اور بادشاہ کی شکل، رنگ و روپ، عادت و اَطوار، قد کاٹھ، اٹھنے بیٹھنے کی جگہیں سب معلوم کر لے لیکن یہ نہ جان سکے کہ بادشاہ کس چیز کو ناپسند کرتا ہے اور کسے پسند، کس بات پر ناراض ہوتا ہے اور کس بات سے راضی یا پھر ان باتوں کو بھی جان لے مگر خدمت کے ارادے کے ساتھ ساتھ ایسے افعال کرے جو بادشاہ کی ناراضی کا باعث ہیں اور جس قسم کا لباس، ہیئت، گفتگو اور حرکات و سکنات وغیرہ بادشاہ کو پسند ہیں اسے نہ اپنائے۔ ان سب کے باوجود وہ بادشاہ کے دربار میں جا کر اس کا مُقَرَّب اور خاص ہونا چاہے جبکہ اس میں وہ تمام باتیں پائی جاتیں ہیں جو بادشاہ کو ناپسند ہیں اور جو باتیں بادشاہ کو پسند ہیں اسے چھوڑے ہوئے ہے تو وہ بادشاہ کو ذاتی طور پر جاننے، اس کے نام و نسب اور شہر کے نام کے بارے میں معلومات رکھنے، نیز غلاموں کے ساتھ اس کے سلوک اور رعایا کے ساتھ اس کے معاملات کو جاننے کے سبب اس کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے حالانکہ ایسا شخص بہت بڑے دھوکے میں ہے۔ اس کے برخلاف اگر یہ شخص ان تمام باتوں کو نہ بھی جانے اور صرف بادشاہ کی پہچان رکھے اور اس کی پسند، ناپسند کا خیال رکھتے ہوئے اس کا قرب حاصل کرنے میں مشغول ہو جائے تو یہ ضرور بادشاہ کا خاص درباری بن جائے گا۔ اسی طرح باطنی علوم کے دعویدار شخص کا تقویٰ و پرہیزگاری اختیار نہ کرنا، اپنی خواہشات کے پیچھے چلنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پہچان صرف ناموں سے ہے معانی سے نہیں اگر اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت حاصل ہوتی تو یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرتا اور تقویٰ اختیار کرتا کیونکہ عقل مند آدمی جس طرح شیر کی پہچان رکھتا ہے تو اس سے خوف کرتے ہوئے بچتا بھی ہے۔

دَرِندے سے خوف کی طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو:

اللہ عَزَّوَجَلَّ نے حضرت سَیِّدُنا داوٗد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی طرف وحی فرمائی: ”مجھ سے اس طرح خوف رکھو جس طرح نقصان پہنچانے والے درندے سے خوف رکھتے ہو۔“

البتہ وہ شخص جسے شیر کا نام، رنگ و شکل معلوم ہو مگر اس سے خوف نہ رکھے تو گویا اس نے شیر کو پہچانا ہی نہیں، لہٰذا جسے ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ اس کی ایک صِفَت بے پرواہونا بھی ہے کہ وہ تمام جہانوں کو ختم کر دے تو اسے کچھ پروا نہیں اور ایک صِفَت قادِر ہونا بھی ہے کہ اِس جیسے لاکھوں (کروڑوں) کو بھی ہلاک فرمادے اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دے تو بھی اس کی قدرت پر کچھ حرف نہیں آئے گا، نہ اسے رحم آئے گا اور نہ ہی کسی کا رونا پیٹنا اس کے کام آئے گا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (پ۲۲، فاطر: ۲۸)

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

عقل مندی کی بنیاد:

زَبور شریف کی ابتدا میں لکھا ہے کہ ”دانائی (یعنی عقل مندی) کی بنیاد اللہ عَزَّوَجَلَّ سے خوف رکھنا ہے۔“

عالم اور جاہل کے لئے یہی کافی ہے:

حضرت سَیِّدُنا عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ کا فرمان ہے: اَہْلِ عِلْم کے لئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خوف رکھنا ہی کافی ہے اور جاہل کے لئے ذاتِ باری تعالیٰ کے حوالے سے دھوکے میں مبتلا رہنا ہی کافی ہے۔

فقیہ کون ہے؟

حضرت سَیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی سے کسی نے مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب ارشاد فرمایا۔ اس نے کہا: فقہا تو اس بارے میں کچھ اور کہتے ہیں۔ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: کیا تم نے کسی فقیہ کو دیکھا ہے؟ پھر فرمایا: ”فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو رات کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرتا، دن میں روزہ رکھتا اور دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے۔“ ایک مرتبہ آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: ”فقیہ وہ ہوتا ہے جو نہ تو کسی کو دھوکا دیتا

ہے اور نہ ہی جھگڑتا ہے، حکمت (یعنی علم ودانائی) کی باتیں لوگوں کو بتاتا ہے اگر اس کی بات قبول کرلی جائے تو اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرتا ہے اور قبول نہ کی جائے تو پھر بھی شکر ادا کرتا ہے۔"

خلاصۂ کلام: فقیہ وہ ہوتا ہے جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اَحکامات اور ممنوعات کی پہچان رکھتا ہے اور اس بات کو جانتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو کون سی بات ناپسند ہے اور کون سی پسند اور یہی وہ عالم ہے جس کے متعلق فرمایا گیا: "جس کے ساتھ اللہ عَزَّوَجَلَّ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے۔" اور جو عالم ان صفات کا حامل نہ ہو وہ دھوکے کا شکار ہے۔

دھوکے کا شکار علما کا دوسرا گروہ:

علما کا دوسرا گروہ وہ ہے جس نے خوب علم حاصل کرکے عمل بھی کیا لیکن ان کا عمل صرف ظاہری طور پر نظر آنے والی عبادات سے متعلق رہا یہ لوگ اپنے دل کی اصلاح کے معاملے میں غفلت کا شکار رہے۔ مثلاً: تکبُّر، حسد، ریا، اِقتدار وبلندی کی طلب، اپنے ہم منصب لوگوں کو برائی پہنچانے کا ارادہ اور عوام میں مقبولیت کی خواہش کرنا۔ ان علما میں بعض کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ مذکورہ باتوں کی مذمت بیان کی گئی ہے، لہٰذا یہ لوگ ان باطنی اَمراض کی دَلدَل میں مسلسل دھنسے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ نہ تو ان امراض سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی ان باطنی اَمراض کی مذمت بیان فرمانے والی احادیث کی طرف نظر کرتے ہیں۔

باطنی امراض کی مذمت پر مشتمل چار فرامین مصطفٰے:

﴿1﴾... اَدْنَى الرِّيَاءِ شِرْكٌ یعنی معمولی ریاکاری بھی شرک ہے۔[1]

﴿2﴾... لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ یعنی جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبُّر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔[2]

﴿3﴾... اَلْحَسَدُ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ یعنی حسد، نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو

---

[1] ...سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب من ترجی لہ السلامۃ من الفتن، ۴/ ۳۵۱، حدیث: ۳۹۸۹
المعجم الاوسط، ۳/ ۳۰۳، حدیث: ۴۹۵۰

[2] ...مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ، ص۶۰، حدیث: ۹۱

کھا جاتی ہے۔[1]

﴿4﴾... حُبُّ الشَّرَفِ وَالْمَالِ یُنْبِتَانِ النِّفَاقَ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ یعنی عزت ومال کی چاہت منافقت کو اس طرح پروان چڑھاتی ہے جیسے پانی سبزی کو اُگاتا ہے۔[2]

اس کے علاوہ بھی باطنی امراض کی مذمت پر مشتمل بہت سی روایات ہیں جو ہم نے اَخلاقِ مذمومہ کے ضِمن میں مُہلِکات کے بیان میں ذکر کردی ہیں۔ اس دوسرے گروہ سے تعلق رکھنے والے علما اپنے ظاہر کو تو خوبصورت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر باطن کی اصلاح کرنے میں غافل نظر آتے ہیں اور حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان کو بھول جاتے ہیں کہ ”بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا وہ تو صرف تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔“[3] نیز یہ علما ظاہری اعمال کی خبر گیری تو رکھتے ہیں مگر دل کی طرف سے غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں حالانکہ دل (کو صاف ستھرا رکھنا ہی) اصل ہے کیونکہ نجات کا حقدار وہی ہو گا جو بارگاہِ الٰہی میں سلامت دل لے کر حاضر ہو گا۔ چنانچہ فرمانِ باری تعالٰی ہے:

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ؕ﴿۸۹﴾ (پ۱۹، الشعرآء:۸۹)

ترجمۂ کنزالایمان: مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔

باطن کی اصلاح سے غافل علما کی مثال:

باطن کی اصلاح سے غافل ان علما کی ❀... مثال گٹر جیسی ہے جس کی باہری دیواروں پر چونا کیا ہوتا ہے اور اندر سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہوتے ہیں یا ان کی ❀... مثال قبروں کی طرح ہے جن کا ظاہر تو ٹھیک ٹھاک نظر آتا ہے مگر اندر کوئی سڑا ہوا مردہ پڑا ہوتا ہے یا پھر ان کی ❀... مثال اندھیرے و تاریکی میں ڈوبے اس گھر کی طرح ہے جس کی چھت پر ایک چراغ رکھا ہوا ہے جو گھر کے بیرونی حصہ کو تو روشن کر رہا ہے مگر اندرنی حصہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے یا ان کی ❀... مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے اپنے گھر میں

1... سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب الحسد، ۴/ ۴۷۳، حدیث: ۴۲۱۰

2... السنن الکبری للبیہقی، کتاب الشہادات، باب الرجل یغنی فیتخذ الغنا... الخ، ۱۰/ ۳۷۸، حدیث: ۲۱۰۰۸ بتغیر

3... مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم... الخ، ص۱۳۸۷، حدیث: ۲۵۶۴

بادشاہ کی دعوت کی ہو اور گھر کے باہری دروازے پر تو خوبصورت رنگ کروایا ہو مگر گھر کے اندر گندگی کا ڈھیر لگا ہو۔ مذکورہ تمام کام کرنے والے لوگ یقیناً دھوکے اور غلط فہمی کا شکار ہیں بلکہ زیادہ آسانی سے سمجھ میں آنی والی ❀...**مثال** یہ ہے کہ ایک شخص نے کاشتکاری کرتے ہوئے کھیتی اُگائی مگر اس کے ساتھ ایک ایسی گھاس بھی اُگ آئی جو اس کھیتی کو نقصان پہنچاسکتی تھی، کسی نے مشورہ دیا کہ اس گھاس کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دو مگر اس نے اس گھاس کا اوپری حصہ اور پتیاں توڑنا شروع کر دیں (اور جڑوں کو یونہی رہنے دیا) جس سے جڑیں مضبوط ہو گئیں اور گھاس دوبارہ اُگ آئی اور کھیتی کو تباہ کر دیا۔ اسی طرح گناہ کی کھیتی دل میں پیدا ہونے والے بُرے اَخلاق ہیں اور جو شخص اپنے دل کو اس سے پاک نہیں کرے گا وہ ظاہری عبادت بجالاتا ہے مگر بہت سی آفات میں بھی مبتلا رہتا ہے بلکہ یہ اُس خارش کے مریض کی طرح ہے جسے ڈاکٹر کہے کہ تمہاری بیماری کا علاج دوائی پینے اور جسم پر مرہم لگانے میں ہے، وہ مریض اپنے جسم پر مرہم تو لگائے مگر دوائی نہ پئے بلکہ ایسی چیزیں کھائے جن سے خارش میں مزید اضافہ ہوتا ہے تو اس کی خارش صرف مرہم لگانے سے کبھی بھی ختم نہیں ہو گی کیونکہ اس کی خارش باطنی خرابی کی وجہ سے نکل رہی ہے۔

دھوکے کا شکار علما کا تیسرا گروہ:

تیسرے گروہ میں وہ علما شامل ہیں جو اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ شریعت میں باطنی امراض کی مذمت بیان کی گئی ہے مگر وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان میں یہ خرابیاں نہیں پائی جاتیں اور ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ انہیں ان امراض میں مبتلا نہیں فرماتا اور اس میں صرف عوام کی آزمائش ہوتی ہے جو ان کے علمی مقام تک نہیں پہنچے۔ ایسے لوگوں پر جب تکبُّر اور کسی دنیاوی عزت و منصب کی طلب ظاہر ہوتی ہے تو کہتے ہیں: یہ تکبُّر نہیں ہے یہ دین کے معزز ہونے کی تمنا ہے، اس میں علم کے بلند مرتبہ ہونے کا اظہار ہے، اس میں تو دین الٰہی کی مدد اور بدمذہبوں اور بدعتی لوگوں کو ذلیل و رُسوا کرنے کا مقصد ہے، اگر میں گھٹیا قسم کے کپڑے پہنوں، بیٹھنے کی جگہ گھٹیا قسم کی ہو تو دین کے دشمن مجھ پر ہنسیں گے اور خوش ہوں گے اور میری بے عزتی میں دین اسلام کی ذلت ہو گی۔ اس وقت دھوکے اور غلط فہمی کے سانپ کا ڈسا ہوا یہ عالِم بھول جاتا ہے کہ اس کا دشمن شیطان ہے جس سے اس کے ربّ عَزَّوَجَلَّ نے بچنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

شیطان اس کے اس فِعل پر خوش ہوتا اور اس کا مذاق اڑاتا ہے، اس وقت اسے یاد نہیں رہتا کہ رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کس چیز کے ذریعہ دینِ اسلام کی مدد فرمائی اور کس چیز کے ذریعہ کُفّار کو ذلیل و رُسوا کیا اور یہ بھی بھول جاتا ہے کہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کا عاجزی و انکساری کرنے کا انداز کیا تھا اور کس طرح فَقرو فاقہ پر صَبْر و شکر کرتے ہوئے اپنی زندگی گزارا کرتے تھے۔ چنانچہ

سیِّدُنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کی عاجزی:

امیر المومنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے مُلکِ شام کی فتح کے وقت ایک عام سا لباس پہنا ہوا تھا بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: "ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسلام کے ذریعے معزز کیا ہے، لہٰذا ہم کسی دوسری چیز کے ذریعے عزت نہیں چاہتے۔"

پھر دھوکے میں مبتلا یہ عالِم سِلک، مصری حَرِیْر اور ریشم کے باریک کپڑے (جن کا پہننا حرام ہے) پہنتا، عمدہ گھوڑوں پر سواری کرتا اور یہ خیال کرتا ہے کہ اس میں علم کی عزت اور دین کی عظمت کا اظہار ہے۔ اسی طرح یہ عالِم جب اپنے حسد کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ سخت رویہ اپناتا ہے جو اس کے ہم منصب ہیں یا جو لوگ اس کی بات کا رَدّ کرتے ہیں ان کے بارے میں زبان کھولتا ہے تو یہ نہیں سوچتا کہ یہ حسد ہے بلکہ کہتا ہے یہ تو حق بات پر غصہ اور اہلِ باطل کی دشمنی اور ان کے ظلم پر ان کا رَدّ ہے حالانکہ یہ کچھ دیر کے لئے سوچے کہ اگر کسی دوسرے عالِم پر اسی طرح اعتراضات کئے جائیں یا کسی اور کا منصب اُس سے چھینا جائے تو کیا اب یہ اسی طرح سخت رویہ اپنائے گا یا نہیں؟ اگر جواب "ہاں" میں ہو تو سمجھ لے کہ اس کا غصہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کے لئے ہے اور اگر جواب "نہ" میں ہو تو جان لے کہ اس کا غصہ اپنی ذات کے لئے اور اپنے ہم منصب لوگوں سے حسد کی وجہ سے ہے، اگر دل میں خوشی محسوس ہو رہی ہو تو سمجھ جائے کہ یہ اس کے باطن کی خَباثت ہے۔ اسی طرح جب یہ اپنے علم اور عمل کے ذریعہ ریاکاری اور دکھاوا کرتا ہے اور جب اس کے دل میں ریا کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو کہتا ہے: افسوس کی بات ہے! میرا مقصد تو علم و عمل کی عزت و عظمت کو ظاہر کرنا ہے تاکہ لوگ میری پیروی کرتے ہوئے دینِ اسلام کے قریب آئیں، ہدایت پائیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عذاب سے چھٹکارا پائیں، غلط فہمی کا شکار یہ عالِم اس وقت یہ نہیں سوچتا کہ لوگ اگر

دوسرے کی پیروی کریں تو اسے اتنی خوشی نہیں ہوگی جتنی اس بات سے ہوگی کہ لوگ اس کی پیروی کریں کیونکہ اگر اس کا مقصود صرف لوگوں کی اصلاح کرنا تھا تو اصلاح کسی کے ذریعہ بھی ہو اسے ہر صورت میں خوش ہونا چاہئے تھا جس طرح کسی کا نوکر بیمار پڑ جائے اور وہ اس کا علاج کروانا چاہے تو اس کی خواہش ہوگی کہ بس نوکر صحت یاب ہو جائے علاج کوئی بھی کرے۔

بعض اوقات یہ عالِم مذکورہ بات سوچتا ہے تو شیطان یہاں بھی اسے دھوکا میں مبتلا کر کے یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ میں اس وجہ سے خوش نہیں ہو رہا کہ لوگ میری پیروی کریں گے بلکہ میں تو اس وجہ سے خوش ہو رہا ہوں کہ لوگ جب میرے ذریعے ہدایت کا راستہ طے کریں گے تو اس پر مجھے اجر و ثواب ملے گا اور اس طرح مجھے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی۔ یہ وہ باتیں ہیں جو یہ عالِم اپنے دل و دماغ میں سوچتا ہے حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے ظاہر و باطن سب کی خبر رکھتا ہے۔ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا کوئی نبی آکر اسے یہ خبر دے کہ تمہارے لئے علم کو ظاہر کرنے اور بیانات کرنے سے زیادہ ثواب اس بات میں ہے کہ تم گوشہ نشینی اختیار کرو اور اس کے ساتھ ہی اسے جیل میں ڈال دیا جائے اور زنجیروں میں جکڑ دیا جائے تو ضرور وہاں سے رہائی پانے کی کوشش کرے گا اور زنجیروں کو کھول کر دوبارہ ایسی جگہ چلا جائے گا جہاں اسے درس و تدریس اور وعظ و نصیحت وغیرہ کے ذریعے کوئی دنیاوی منصب ملے۔

اسی طرح جب ایسا عالِم بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو اس کی تعریف کرتا ہے، اس کے سامنے عاجزی اور محبت کا اظہار کرتا ہے اور جب اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ ظالم حکمرانوں کے سامنے عاجزی کرنا حرام ہے تو شیطان اس سے کہتا ہے کہ افسوس کی بات ہے! یہ تو اس وقت منع ہے جب ان سے مال و دولت کی امید رکھی جائے اور تمہاری نیت تو یہ ہے کہ تم مظلوم مسلمانوں کی سفارش اور ان کے دکھ درد دور کرو گے اور خود کو دشمنوں کی شرارتوں سے محفوظ رکھو گے حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے باطن کو جانتا ہے اگر کسی دوسرے عالِم کو بادشاہ کے دربار میں مقبولیت حاصل ہو جائے اور وہ سب مسلمانوں کی سفارش کرے اور ان سے دکھ و تکالیف دور ہو جائیں تو اس کے دل پر صدمے کا پہاڑ ٹوٹ پڑے بلکہ اس کے بس میں ہو تو بادشاہ کے سامنے اس عالِم کی برائیاں بیان کرے اور اس پر جھوٹے الزامات لگائے۔ اسی طرح بعض علما تو اس حد تک شیطان

کے دھوکا میں آجاتے ہیں کہ وہ بادشاہوں سے مال و دولت بھی لے لیتے ہیں اور جب ان کے دل میں حرام ہونے کا خیال آتا ہے تو شیطان کہتا ہے: یہ مال تم نے اپنے لئے نہیں لیا بلکہ تم تو اسے مسلمانوں کے فلاح وبہبود کے کاموں میں استعمال کروگے کیونکہ تم مسلمانوں کے پیشوا ہو اور تمہارے ہی ذریعے دین اسلام پھیل رہا ہے تو کیا تمہارے لئے اتنا بھی جائز نہیں کہ تم اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق کچھ مال لے لو؟ اس وقت یہ عالم تین طرح کی خوش فہمیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تین خوش فہمیوں کا شکار عالم:

۞...**پہلی خوش فہمی:** اس مال کا کوئی مالک نہیں ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ بادشاہ مسلمانوں اور دیہاتیوں سے (زبردستی) ٹیکس وصول کرتا اور دوسرے اَموال کے ساتھ ملا دیتا ہے اور جن لوگوں سے ٹیکس لیتا ہے وہ خود یا ان کی اولاد یا دیگر وُرَثاء زندہ ہوتے ہیں۔ مثلاً: 10 آدمیوں سے 10، 10 دینار چھینے اور ان سب کو ایک ساتھ ملا دیا اب ان کے حرام ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، لہٰذا یوں نہ کہا جائے گا کہ اس مال کا کوئی مالک نہیں کیونکہ جن لوگوں سے مال چھینا ہے وہ اس مال کے مالک تو ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ جن سے مال چھینا ہے انہیں واپس کرے اور ہر ایک کو 10، 10 دینار لوٹائے اگرچہ اب پہچان نہ رہی ہو کہ کس کے کون سے دینار تھے۔

۞...**دوسری اور تیسری خوش فہمی:** تم مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے کام کر رہے ہو اور تمہارے ہی دَم قدم سے دین اسلام پھیل رہا ہے۔ حالانکہ اس خوش فہمی میں مبتلا عُلَما جنہوں نے اپنے دین میں بگاڑ پیدا کر لیا ہے بادشاہوں کے (ظلم وستم سے حاصل کئے ہوئے) مال کو حلال سمجھ بیٹھے ہیں، دنیاوی عہدوں کی خواہش رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے آخرت سے منہ موڑ بیٹھے ہیں ان کی تعداد ایسے علما سے بہت زیادہ ہے جو دنیاوی خواہشات سے رغبت نہیں رکھتے، ان سے کنارہ کشی اختیار کئے ہوئے ہیں اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب متوجہ ہیں۔

دین کے دجال:

دھوکے وخوش فہمی کی گہری کھائی میں گرے ہوئے یہ علمائے سوء دین کے دجال ہیں، شیطانی مذہب کو پھیلا رہے ہیں، یہ لوگ دین کے پیشوا نہیں کیونکہ دینی پیشوا تو وہ ہوتا ہے جس کی سربراہی میں دنیا سے کنارہ

کشی اختیار کرتے ہوئے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب توجہ کی جائے جیسا کہ انبیا، صحابہ اور سَلَف صالحین عَلَیْہِمُ السَّلَام اور دجال وہ ہوتا ہے جس کی سربراہی میں دنیا کی جانب متوجہ ہو کر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے رخ موڑا جائے شاید ان عُلَمائے سُوء (برے علما) کی زندگی سے زیادہ ان کی موت مسلمانوں کے لئے فائدہ مند ثابت ہو حالانکہ ان کا خیال ہے کہ دین ان کے ذریعہ پھیل رہا ہے۔

بُرا عالم اس چٹان کی مانند ہے جو...!

ان کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے حضرت سیِّدُنا عیسٰی رُوْحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بُرے عالِم کے بارے میں فرمایا کہ "بُرا عالِم ایک ایسی چٹان کی مانند ہے جو وادی کے دہانے (منہ) پر پڑی ہے نہ تو خود پانی سے کوئی فائدہ اٹھا سکتی ہے اور نہ پانی کو آگے جانے دیتی ہے کہ کھیتیاں اس پانی سے سیراب ہوں۔"

ہمارے زمانے میں عُلَما کے دھوکے میں مبتلا ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں جنہیں شمار کرنا مشکل ہے، لہٰذا ہم یہاں چند صورتیں ذکر کریں گے جن سے کثیر کی جانب اشارہ ہو جائے گا۔

دھوکے کا شکار علما کا چوتھا گروہ:

اس میں وہ علما شامل ہیں جنہوں نے عِلْمِ دین حاصل کیا، اپنے اعضاء کو پاک کیا، اطاعت اور فرمانبرداری کے زیور سے انہیں آراستہ کیا، ظاہری گناہوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہوئے بُرے اَخلاق اور باطنی امراض یعنی ریا، حسد، کینہ، تکبر اور دنیاوی شُہرت کی خواہش وغیرہ سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش جاری رکھی یہاں تک کہ اپنے دل سے ان باطنی امراض کی مضبوط جڑوں کو اکھاڑ پھینکا لیکن وہ پھر بھی دھوکے میں مبتلا ہیں کیونکہ دل کے کسی نہ کسی کونے میں ابھی تک شیطان کی خفیہ چال اور نفس کے پوشیدہ دھوکے موجود ہیں جو کہ انتہائی باریک اور پیچیدہ ہیں۔ اسی وجہ سے یہ عُلَما ان کی جانب توجہ نہ کر سکے اور ان سے غافل ہو گئے ان کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو اپنے کھیت کو (خراب کر دینے والی) گھاس سے بچانا چاہتا ہے، لہٰذا وہ اپنے کھیت کے اردگرد چکر لگاتا ہے اور اس گھاس کا ایک ایک تنکا ڈھونڈ کر جو اس کو نظر آرہا ہوتا ہے اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے مگر جو تنکا ابھی تک زمین سے باہر نہیں نکلا اسے یہ نہیں دیکھ سکا حالانکہ گھاس کی جڑوں سے

باریک باریک سی شاخیں نکل آتی ہیں اور مٹی کے نیچے چھپ جاتی ہیں اور یہ ان سے بے خبر رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ پوری گھاس اکھاڑ دی ہے اور اسی غفلت میں ہوتا ہے کہ گھاس پھر اُگ آتی ہے اور مضبوط ہو کر پوری کھیتی کو برباد کر دیتی ہے اور یہ نادان شخص اسی نادانی کی وجہ سے اپنی پوری کھیتی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اسی طرح ایک عالم بعض اوقات ظاہری اور باطنی گناہوں سے تو اپنے آپ کو بچا لیتا ہے مگر دل کے پوشیدہ معاملات اور چھپی ہوئی چیزوں سے بے خبر رہتا ہے۔

تم دیکھو گے کہ وہ عُلوم کی جمع و ترتیب کے لئے دن رات ایک کر دیتا ہے، الفاظ کی عمدگی اور کُتب کی تصنیف و تالیف کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ اس وقت اس کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ دینِ اِسلام کا اظہار اور شریعت اسلامیہ کی نشرواشاعت ہو۔ لیکن ہو سکتا ہے یہاں اس کے نفس کی یہ خفیہ چال ہو کہ چاروں طرف میرے علم کی دھوم مچ جائے، لوگ دور دور سے سفر کر کے میرے پاس آئیں، لوگوں کی زبانوں پر میرے علم، تقویٰ و پرہیز گاری کا چرچا ہو، پیچیدہ مسائل میں میری طرف توجہ کی جائے، میری ضرورتوں کو دوسروں سے پہلے پورا کیا جائے۔ لوگوں کا میرے گرد ہجوم لگا رہے، وہ میرے عمدہ الفاظ اور روانی سے ادا ہوتے جملوں کو نہایت توجہ سے سنیں اور اس سے استفادہ حاصل کریں، میرے بیان کو سن کر اپنے سروں کو ہلائیں، خوب روئیں اور (میرے عمدہ بیان پر) تعجب کریں۔ وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا جب یہ دیکھتا ہے کہ مجھ سے فائدہ اٹھانے والے، میری پیروی کرنے والے اور میرے شاگرد بہت سارے ہیں، علم، تقویٰ اور پرہیز گاری میں مجھے دوسرے علما پر فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت کا یہ احساس اسے دوسروں کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرنے پر ابھارتا ہے، خاص طور پر انہیں زیادہ تنقید کا نشانہ بناتا ہے جو دنیا میں مشغول نظر آتے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ ان کی مشغولیت کو کوئی دینی نقصان تصور کرتا ہے بلکہ محض اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ شاید اس بے چارے دھوکے میں مبتلا کو یہ معلوم نہیں کہ یہ اپنے باطن میں جس ظاہری زندگی پر نازاں و خوش ہے اور جس عزت و توقیر کے منصب پر فائز ہے وہ ان ہی لوگوں کی مرہونِ مِنَّت ہے جنہیں یہ دنیا کے متعلق عار دلاتا ہے۔ اگر ان کے دل اس کی طرف سے پھر جائیں تو اس بات کا قوی اِمکان ہے کہ اس کا قَلْب تشویش کا شکار ہو جائے گا اور یہ ایک معمولی وظیفہ بھی ادا نہ پائے گا نیز یہ مختلف

حیلوں بہانوں سے نفس کا عیب چھپاتا پھرے گا اور عین ممکن ہے کہ یہ اپنے نفس کا عیب چھپانے کے لئے جھوٹ بولنے سے بھی دریغ نہ کرے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص اس کے زُہد و تقوٰی کا اعتقاد رکھے یا اس کے زُہد و تقوٰی سے بڑھ کر اسے متقی اور پرہیز گار مانے تو شاید یہ اسے دیگر لوگوں کے مقابلے میں زیادہ عزت اور رعایت دے اور اس شخص سے اپنے دل میں گھٹن محسوس کرے جو اسکے تقوٰی اور فضیلت کی اصل حقیقت کو پہچان لے اگرچہ اس کی حالت اسی طرح ہو (جس طرح اس شخص نے پہچانی ہو)۔ ایسا عالم کبھی اپنے کسی ایک شاگرد کو دوسرے شاگردوں پر زیادہ اہمیت دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ قرار دیتا ہے کہ یہ شاگرد اپنے علم و فضل میں دوسروں سے بڑھ کر ہے حالانکہ یہ بھی نفس کی چال ہو سکتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ زیادہ فرمانبردار شاگرد ہو، اس کے زیادہ کام آتا ہو، اس کی زیادہ تعریف کرتا ہو اور اس کی بات زیادہ توجہ سے سنتا ہو یا ہو سکتا ہے کہ اس کی خدمت کرنے میں اس کے آگے پیچھے پھرتا ہو۔

اسی طرح بسا اوقات جب لوگ کسی عالم کے علم سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس سے علم حاصل کرنے میں رغبت رکھتے ہیں تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے لوگوں میں مقبولیت اس کے اخلاص و سچائی کی وجہ سے مل رہی ہے اور وہ اپنے علم کا حق ادا کر رہا ہے، لہٰذا وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اسے ایسی صلاحیت عطا فرمائی گئی ہے کہ آسان الفاظ میں اپنی بات لوگوں کے دلوں میں اتار دیتا ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ بات اس کے گناہوں کا کفارہ بن رہی ہے حالانکہ ایسے وقت میں اسے اپنے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی نیت درست بھی ہے یا نہیں؟ ایسے شخص کو اگر یہ آفر کی جائے کہ تمہیں اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اب تمہیں دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا ثواب مل رہا ہے بشرطیکہ تم گمنامی اور گوشہ نشینی کو قبول کرتے ہوئے اپنے علم کو چھپا لو تو شاید وہ اس آفر کی طرف رغبت نہ کرے کیونکہ اس میں نہ تو لوگوں کے درمیان مقبولیت جیسی لذّت ہے اور نہ دُنیاوی مَنْصَب جیسی عزّت ہے۔ شاید انہی لوگوں کے لئے شیطان کا قول ہے: بنی آدم میں سے جو یہ سوچتا ہے کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے مجھ سے بچ گیا ہے تو (اس کا دعوٰی غلط ہے) وہ اپنی جہالت کے سبب میرے جال میں پھنس چکا ہے۔

تصنیف و تالیف کے سلسلے میں فریب کا شکار ہونا:

بسا اوقات کوئی عالم بڑی محنت اور کوشش سے کتاب لکھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ میں دینی مسائل

اس کتاب میں جمع کر رہا ہوں تا کہ لوگ اس سے فائدہ حاصل کریں لیکن (یہاں نفس کی ایک چال ہوتی ہے چنانچہ) اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بہترین کتاب لکھنے کی وجہ سے میری شہرت کو چار چاند لگ جائیں گے اور اس مقصود کا علم اس طرح ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس کا نام اس کتاب سے مٹا کر اپنا نام لکھ دے اور یہ دعویٰ کرے کہ یہ کتاب اُس کی ہے تو یہ بات اس مصنف کے دل پر گراں گزرتی ہے حالانکہ وہ جانتا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کا جو بھی ثواب عطا فرمائے گا اسے ہی عطا فرمائے گا نہ کہ اس دعویٰ کرنے والے کو کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو معلوم ہے کہ مُصَنِّف وہی ہے۔ تصنیف و تالیف کے سلسلے میں نفس کی یہ چال بھی ہوتی ہے کہ اس کتاب میں واضح الفاظ میں بڑے بڑے دعوے کرتے ہوئے اپنی تعریف کرے یا پھر دیگر عُلَما پر موقع بے موقع اِعتِراض کرتے ہوئے اپنا علمی رُعب و دبدبہ بٹھائے کہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ اس کی فضیلت اور علمی مقام دیگر علما سے بڑھ کر ہے۔

تصنیف و تالیف کے سلسلے میں خود نمائی اور سرقۂ کلام:

تصنیف و تالیف کے سلسلے میں نفس کی چال کے سبب بسا اوقات اگر کوئی عالم کسی کی تحریر میں کچھ کمزوری یا خرابی پاتا ہے تو اس کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے اس کی خرابی کو نُمایاں طور پر لکھتا ہے اور جب اس کی اچھی تحریر نقل کرتا ہے تو اس کا حوالہ تک نہیں دیتا بلکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ اس کی اپنی تحریر ہے۔ چنانچہ ایسا شخص جب بعینہ وہی الفاظ ذکر کرتا ہے تو وہ (کلام کا) چور ہے اور اگر بعینہ وہ الفاظ ذکر نہیں کرتا بلکہ الفاظ میں کچھ تبدیلی کر دیتا ہے تو یہ اس آدمی کی طرح ہے جس نے کسی کی قمیص چُرائی اور اس کا جُبّہ بنالیا تا کہ کوئی پہچان نہ سکے کہ یہ چوری کی قمیص ہے۔

کبھی مُؤَلِّف یا مُصَنِّف یہ اِرادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی کتاب میں ترتیب اور تحریر کے اعتبار سے عمدہ اور نفیس الفاظ لے کر آئے اور اپنے خیال میں یہ نیت کرے کہ دانائی و حکمت کی باتیں لوگوں میں عام ہو جائیں اور لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کریں حالانکہ نفس کی یہاں یہ چال ہوتی ہے کوئی اس کے انداز تحریر کو معمولی نہ کہے (یا لوگ اس کی کتاب کو بہترین کتابوں میں شمار کریں) اور شاید اسے اس بات کی خبر نہیں کہ ایک دانا شخص نے تین سو جلدوں میں دانائی اور حکمت کی باتیں لکھیں اس دور کے نبی عَلَیْہِ السَّلَام پر اللہ عَزَّوَجَلَّ

نے وحی فرمائی کہ آپ اس سے فرمائیں: ”تو نے زمین کو فضول باتوں سے بھر دیا ہے اور میں ان فضول باتوں میں سے کچھ قبول نہیں کروں گا۔“[1]

عُلَما کا باہم بُغْض و حَسَد میں مبتلا ہو کر فریب میں آنا:

دھوکا اور غَلَط فہمی کے شکار علما جب کسی جگہ جمع ہوتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک اپنے بارے میں یہ خیال کرتا ہے کہ اس کا دل عیب اور نفس کی چالوں سے محفوظ ہے اور جب یہ علما الگ الگ ہونا شروع ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے پیچھے لوگوں کی کثیر تعداد ہوتی ہے تو یہ علما لوگوں کی کثرت کا اندازہ لگاتے ہیں کہ کس کے پیچھے زیادہ لوگ ہیں اور کس کے پیچھے کم۔ اگر کسی کے پیچھے چلنے والے زیادہ لوگ ہوں تو وہ خوش ہوتا ہے اگرچہ وہ یہ بات جانتا ہو کہ دوسرا عالم اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے پیچھے زیادہ لوگ چلیں اور پھر جب جدا ہونے کے بعد یہ علما لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کے دلوں میں تبدیلی آجاتی ہے اور یہ آپس میں حسد کرنے لگ جاتے ہیں۔ اگر کسی عالم کا کوئی شاگرد اس کی جماعت سے الگ ہو کر کسی دوسرے عالم کی خدمت میں مصروف ہو جائے تو انہیں یہ بات ناگوار گزرتی ہے اور دل میں اس سے عداوت پیدا ہو جاتی ہے اب نہ تو پہلے کی طرح اس کی کسی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور نہ ہی اس کی تعریف و حوصلہ افزائی کے لئے اس کا باطن تیار ہوتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کی جماعت سے علیحدہ ہونے والا شاگرد دوسرے عالم کے پاس عِلْمِ دین میں مشغول ہے، (لہٰذا اس میں فِکْر مند ہونے کی کیا بات ہے؟) شاید اسے وہاں پہنچ کر کسی آفت سے چھٹکارے کی وجہ سے زیادہ دینی نفع حاصل ہو رہا ہو اور یہاں وہ کسی آفت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس نفع سے محروم تھا لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس کے دل سے اس شخص کی نفرت کم نہیں ہوتی۔

کبھی ان دھوکے میں مبتلا عُلَما میں سے کسی عالم کے دل میں حسد پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس کا اظہار نہیں کر سکتا تو وہ دوسرے عالم کے دین اور تقویٰ پر اعتراض کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا ہے اور کہتا ہے: میرا

[1] ...حلیۃ الاولیاء، یزید بن میسرۃ، ۵/ ۲۷۰، حدیث: ۷۰۸۴
الزھد ویلیہ الرقائق لابن المبارک، باب حسن السریرۃ، ص۱۷، حدیث: ۴۹ بتغیر

غصہ ہونا اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا کے لئے ہے نہ کہ اپنی ذات کے لئے اور کبھی کسی عالم کے عیب اس کے سامنے بیان کئے جاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور کبھی اپنے انداز سے یوں ظاہر کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی غیبت کو ناپسند کر رہا ہے حالانکہ اس وقت اس کے دل کی رضامندی اور خواہش یہی ہوتی ہے (کہ اس کے سامنے اس عالم کے عیب بیان ہوتے رہیں) اللہ عَزَّوَجَلَّ ان دھوکے میں مبتلا علما کی نیتوں کو خوب جانتا ہے۔ یہ نفس کی چالیں اور مثالیں تھیں جن کے بارے میں معلومات صرف غور و فکر کرنے والوں کو ہوتی ہیں اور ان سے صرف وہی بچ سکتے ہیں جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے بچنے کی طاقت عطا فرمائی ہو اور ہم جیسے کمزور لوگوں کے لئے بچنا بہت مشکل ہے ہاں کم از کم یہ ممکن ہے کہ انسان اپنے عیبوں کو پہچانے، انہیں بُرا اور ناپسند جانے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتا رہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے عیبوں پر اسے آگاہی عطا فرماتا ہے اور جو شخص نیکی کر کے خوش ہو اور برائی کر کے برا جانے تو اس کے سدھرنے کی امید کی جاسکتی ہے اور اس کا معاملہ اس دھوکے اور غلط فہمی کے شکار شخص کے معاملے سے بہت بہتر ہے جو کہ اپنے آپ کو نفس کی چالوں سے محفوظ سمجھتا ہے اور اپنے علم و عمل کے ذریعہ اللہ عَزَّوَجَلَّ پر احسان جتاتا ہے اور یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ مخلوق کے بہترین لوگوں میں سے ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں ایسے دھوکے اور غلط فہمی سے محفوظ رکھے اور نفس کی چالوں پر خبردار ہونے کے باوجود ان کے جھانسے میں آنے سے بچائے۔

غیر ضروری عُلوم میں مبتلا عُلَما دو وجہ سے دھوکے کا شکار ہیں:

اب تک ان علما کا ذکر تھا جنہوں نے اہم علوم حاصل کئے لیکن علم پر عمل کرنے میں کوتاہی کا شکار ہوئے اور اب ہم اُن اَہْلِ علم حضرات کے دھوکے کا ذکر کریں گے جنہوں نے ضروری علوم چھوڑ کر غیر ضروری علوم حاصل کرنے میں اپنی زندگیاں گزار دیں اور یہ سمجھتے رہے کہ انہیں ضروری علوم کی حاجت نہیں یا پھر وہ غیر ضروری علوم پر ہی بھروسا کرتے رہے۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو حکومتی معاملات اور جھگڑوں میں فیصلہ کرتے ہیں اور لوگوں کے درمیان دنیاوی جھگڑوں کے معاملات نمٹانے ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے اور اسے ”فقہ“ اور ”عِلْمِ مذہب“ کا نام دیا اور اس کام میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ ظاہری اور باطنی اعمال سے غافل ہو گئے یعنی زبان کو غیبت سے محفوظ نہ رکھ سکے، پیٹ کو حرام لقمہ سے نہ بچا سکے،

اپنے پاؤں کو بادشاہوں کی جانب بڑھنے سے نہ روک سکے اور یہی حال دیگر اعضا کا رہا، اسی طرح اپنے دلوں کو تکبُّر، حَسَد، ریا اور ہلاکت میں ڈالنے والی دیگر چیزوں سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ یہ لوگ دو وجہ سے دھوکے کا شکار ہیں: (۱)...اپنے عمل کے اعتبار سے (۲)...اپنے علم کے باعث۔

(1)... اپنے عمل کے اعتبار سے:

عمل کے اعتبار سے دھوکے میں مبتلا ہونے کی وجہ ہم ذکر کر چکے ہیں جس میں ایک مثال اس مریض کی تھی جس نے اپنے مرض کی دوائی بنانے کا نسخہ کسی ڈاکٹر سے سیکھا اور اسے بار بار پڑھنے اور دوسروں کو سکھانے میں مصروف ہو گیا، اس نسخہ سے اپنے مرض کا علاج نہ کیا۔ اور یہاں یہ مثال زیادہ بہتر ہے کہ جسے بواسیر یا پھیپھڑوں کی کوئی بیماری ہو جائے اور یہ بیماری اسے ہلاکت کے قریب لے جائے اب اسے ضرورت ہو کہ اپنے مرض کی دوائی بنانے کا طریقہ اور اس کا استعمال سیکھے لیکن وہ کسی ڈاکٹر سے اِستِحاضَہ کی بیماری کی دوائی بنانے کا طریقہ سیکھ لے اور رات دن اسے بار بار پڑھتا رہے (اور یاد کرتا رہے) حالانکہ اسے معلوم ہے وہ ایک مرد ہے اور مرد کو حیض آتا ہے نہ استحاضہ لیکن پھر بھی وہ یہ کہتا ہے: ممکن ہے کہ کوئی عورت استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہو جائے اور اس بیماری کا علاج اس سے معلوم کرلے، ایسا شخص واقعی بہت بڑے دھوکے کا شکار ہے۔ ایسے ہی فقیہ پر بھی بسا اوقات دنیا کی محبت، خواہشات کی پیروی کرنا، حَسَد، رِیا، تکبُّر اور دیگر باطنی اَمراض غالب آجاتے ہیں اور بعض اوقات وہ توبہ کرنے سے پہلے ہی موت کا شکار ہو جاتا ہے اور بارگاہِ الٰہی میں اس کی ناراضی لے کر حاضر ہوتا ہے۔ یہ فقیہ بے چارہ ان باطنی امراض کا علاج کرنے کے بجائے بیع سلم، اجارہ، ظہار، لعان، زخموں اور ان کی دیت، دعوٰی، گواہوں اور حیض کے مسائل سیکھنے میں مصروف رہتا ہے حالانکہ کتنے ہی ایسے مسائل ہونگے کہ اس فقیہ کو اپنی پوری زندگی جن کی ضرورت پیش ہی نہ آئے اور لوگوں کی ضرورت دیگر مفتیانِ کرام سے پوری ہو جائے لیکن اس کے برخلاف یہ ان عُلُوم کے سیکھنے میں مصروف رہتا ہے کیونکہ اس کی رغبت مال و دولت اور جاہ و منصب کی طرف ہوتی ہے اور پھر شیطان اسے بہت بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہو پاتی اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ فرض علوم حاصل کر رہا ہوں حالانکہ اسے نہیں معلوم کہ فرضِ عین کا علم حاصل کرنے سے پہلے فرض کفایہ میں مشغول ہو جانا گناہ ہے اور یہ بھی اس وقت ہے جب

علم فقہ کو حاصل کرنے کی نیت درست ہو اور رضائے الٰہی کا ارادہ ہو۔ چنانچہ اگر اس کا ارادہ رضائے الٰہی کا ہو اور وہ علم فقہ حاصل کرنے میں مصروف ہو جائے لیکن اس مصروفیت کی وجہ سے دل اور اعضاء سے متعلق فرض علوم کو حاصل نہ کرے تو ایسا شخص عمل کے اعتبار سے دھوکے کا شکار ہے۔

﴿2﴾... اپنے عِلم کے باعث:

عالم کا علم کے اعتبار سے دھوکے کا شکار ہونا اس طرح ہے کہ وہ علم فتاوٰی پر اِکتفا کرے اور یہ گمان کرے کہ یہی عِلْمِ دین ہے اور قرآن وسنت کا علم چھوڑ دے۔ ایسا شخص بسا اوقات محدثین پر اعتراض کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا اور یوں کہتا ہے کہ ان کا کام تو صرف احادیث روایت کر دینا اور بڑی کتابیں اٹھا لینا ہے یہ لوگ اَحادیث کے مفہوم کو کیا جانیں؟ بعض اوقات اسی دھوکے کی وجہ سے وہ عِلْمِ تَہْذِیْبِ اَخلاق (یعنی اخلاق کو سنوارنے والے علم) کو حاصل کرنے سے محروم ہو جاتا ہے نیز اللہ عَزَّوَجَلَّ کے جلال و عظمت پر مبنی علم فقہ کے حصول سے بھی محروم ہو جاتا ہے حالانکہ اس علم کی وجہ سے خوفِ خدا، عاجزی و انکساری اور تقوٰی و پرہیز گاری نصیب ہوتی ہے۔ بے خوف اور دھوکے میں مبتلا یہ عالم اپنے دل میں یہ بات بٹھا لیتا ہے کہ وہ دین کا مددگار ہے، لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ اس پر ضرور رحم فرمائے گا اگر وہ فتوٰی لکھنے میں مشغول نہ ہوا تو لوگ حرام و حلال کی تمیز کھو دیں گے۔ چنانچہ ان ہی باتوں کی وجہ سے وہ اَہم عُلوم کی جانب توجہ نہیں کرتا اور دھوکے و غلط فہمی کا شکار رہتا ہے۔

علم فقہ سے کیا مراد ہے؟

اس دھوکے میں مبتلا ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس نے شریعت میں عِلْمِ فقہ کے بے شمار فضائل سن رکھے ہیں حالانکہ اسے یہ نہیں معلوم کہ علم فقہ کیا ہے؟ علم فقہ سے مراد وہ علم ہے جس میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات و صفات کی ایسی پہچان ہو جو بندے کو خوف و امید کے درمیان لے آئے تاکہ وہ اپنے دل میں خوف محسوس کرے اور تقوٰی و پرہیز گاری اختیار کرے۔ جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان ہے:

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىٕفَةٌ ترجمۂ کنزالایمان: تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں

لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

(پ۱۱، التوبۃ: ۱۲۲)

جس علم سے خوفِ خدا پیدا ہو وہ فقہ کے علاوہ ہے کیونکہ عِلْمِ فقہ سے مقصد یہی ہوتا ہے کہ کچھ شرائط کے ساتھ لوگوں کے جان و مال کی حفاظت ہو اور قتل و غارت گری کو روکا جائے۔ راہِ خدا عَزَّوَجَلَّ میں مال راستہ اور بدن سواری کی مانند ہے اور وہ اہم علم (جو خوفِ خدا کا باعث ہے وہ) راہِ سُلوک کی پہچان اور دل کی گھاٹیاں جو مذموم صِفات ہیں انہیں طے کرنے کا نام ہے کیونکہ یہ مذموم صفات اللہ عَزَّوَجَلَّ اور بندے کے درمیان ایک پردے کی طرح ہوتی ہیں، لہٰذا جب بندہ ان برائیوں میں مبتلا ہو کر مر جاتا ہے تو وہ مرنے کے بعد بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ سے پردے میں رہتا ہے۔ (بغیر خوفِ خدا حاصل کئے) صرف علم فقہ سیکھنے والے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو مشکیزہ اور موزہ سینے کا طریقہ سیکھ کر حج کی غرض سے چلے اگرچہ ان چیزوں کے بغیر اسے دُشواری کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن ان چیزوں کا حج کے اصل مقصد سے کوئی تعلق نہیں ہم نے اس کی وضاحت علم کے باب میں ذکر کی ہے۔

اختلافی مسائل کے متعلق دھوکے میں پڑنا:

بعض عالِم کہلانے والے صرف عِلْمِ فقہ کے اختلافی مسائل سیکھتے ہیں، یہ مخاطب سے جھگڑنے، بحث و مباحثہ کرنے اور اسے خاموش کروانے ہی کو اہمیت دیتے ہیں یہاں تک کہ اگر غَلَبہ حاصل کرنے اور فخر کرنے میں حق بات کو چھپانا بھی پڑے تو اس سے گریز نہیں کرتے یہ لوگ رات دن بڑے بڑے علما کے اختلافی مسائل ڈھونڈتے نظر آتے ہیں۔ اپنے زمانے کے علما کے عیب تلاش کرنے اور انہیں تکلیف پہنچانے والے مختلف جملے یاد کرتے ہیں، یہ لوگ انسانی درندے ہیں ان کی طبیعت میں دوسروں کو تکلیف دینا شامل ہوتا ہے، ان کے ارادے بے وقوفانہ ہیں، یہ لوگ صرف اتنا ہی علم حاصل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہم عصر علما پر فخر کر سکیں اور اسی فخر کی وجہ سے ہر اس علم کی جانب توجہ نہیں کرتے جو دل کی حالت جاننے، بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت اور باطن کی اصلاح کا سبب بنے نیز ان علوم کو حقیر اور واعظین کی گفتگو سمجھتے ہیں۔ ان

کے نزدیک تحقیق صرف اس بات کا نام ہے کہ دو مناظرہ کرنے والوں کے درمیان ہونے والی بداخلاقی کو مکمل تفصیل سے جانا جائے۔ یہ لوگ علم فتاوی کے ذریعے دھوکے میں مبتلا علما سے بھی دو چار ہاتھ آگے ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا اگرچہ یہ بھی مذکورہ علما کی طرح فتاوی لکھتے ہیں لیکن یہ ان سے بھی زیادہ دھوکے کا شکار ہیں کیونکہ وہ علما فرضِ کِفایہ پر عمل کرتے تھے اور یہ لوگ فرض کفایہ کو بھی چھوڑ کر فقہ کے ایسے جدید وباریک اختلافی مسائل میں پڑے ہوئے ہیں جن کی طرف اَسلاف نے توجہ بھی نہ کی۔ جہاں تک احکامات کے دلائل جاننے کا علم ہے تو وہ قرآن و حدیث اور ان کے مفاہیم جاننے کا نام ہے (لہٰذا ان کے سیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں) البتہ مناظرے میں جو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں ان کا مقصد دوسروں پر بڑائی و تکبُّر ظاہر کرنا اور ان کے ذریعے مناظرے کے میدان کی رونق باقی رکھنا ہے، یہ سب لوگ زبردست قسم کے دھوکے میں مبتلا ہیں بلکہ ان کا دھوکا تو ان علما کے دھوکے سے بھی بڑھ کر ہے جن کا ذکر ما قبل گزرا۔

مُنَاظِرِیْن و مُتَکَلِّمِیْن کا دھوکا:

اَہلِ عِلْم کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو عقائد اور مناظرے کا علم اَہلِ بدعت سے مجادَلہ کرنے، مخالفین کا رد اور ان کی گفتگو میں تضاد ثابت کرنے کے لئے حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ اسی مقصد کے تحت یہ لوگ کثیر اختلافی مسائل سیکھنے کے خواہش مند رہتے ہیں اور علم مناظرہ کے مختلف طور طریقے سیکھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں تاکہ مدِّ مُقابل کو خاموش کرایا جائے۔ یہ لوگ کئی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان کے بغیر بندے کا کوئی عمل مقبول نہیں اور بندے کا ایمان اس وقت تک صحیح نہیں جب تک وہ اُن کے مجادَلے کا طریقہ اور ان کے عقائد کے دلائل نہ سیکھ لے۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ ان سے زیادہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات و صفات کی پہچان کسی کو نہیں نیز جو ان کے عقائد اختیار نہ کرے اور ان کا طریقہ نہ سیکھے وہ ایمان والا نہیں، ان میں ہر فرقہ اپنی جانب ہی بلاتا ہے، (بنیادی طور پر) ان میں دو گروہ ہیں: (۱) اَہلِ حق اور (۲) گمراہ۔ گمراہ گروہ وہ ہے جو خلافِ سُنَّت کاموں کی طرف بلاتا ہے جبکہ اہل حق کا گروہ سنت کی دعوت دیتا ہے لیکن یہ دونوں گروہ دھوکے میں مبتلا ہیں۔

گمراہ گروہ کا دھوکا:

یہ گروہ اپنی گمراہی کی طرف متوجہ نہ ہونے اور اپنے آپ کو نجات یافتہ سمجھنے کی وجہ سے گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ اس گمراہ گروہ کے بہت سارے فرقے ہیں جو ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ یہ نہ تو اپنے دلائل کو غَلَط کہتے ہیں اور نہ ہی اپنے دلائل کی شرائط و طریقہ کار کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک فرقہ شک کو دلیل اور دوسرا فرقہ دلیل کو شک خیال کرتا ہے۔

اہل حق کا دھوکا:

یہ لوگ مناظرہ کرنے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور دین میں اسے سب سے افضل عبادت قرار دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ (عقائد کے بارے میں) غور و خوص اور بحث و مباحثہ نہ کرے۔ چنانچہ ان کے نزدیک جو شخص بلا بحث و دلیل اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر ایمان لائے تو وہ یا تو سرے سے مومن ہی نہیں ہے یا مومن تو ہے لیکن اس کا ایمان کامل نہیں ہے صرف یہی نہیں بلکہ ایسا شخص ان کے نزدیک اللہ عَزَّوَجَلَّ کا مُقَرَّب بھی نہیں۔ اسی فاسد خیال کی وجہ سے ان کی زندگیاں بحث کرنے، مناظرہ کے اصول سیکھنے اور بدعتی لوگوں کی فضول گفتگو جاننے اور ان پر اعتراضات کرنے میں گزر گئیں۔ بحث و مباحثہ میں مشغولیت کی وجہ سے انہوں نے اپنے دل اور نفس کی پرواکرنی چھوڑ دی یہاں تک کہ ان کے ظاہری و باطنی گناہ اور خطائیں ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ ان میں ایک طبقہ یہ گمان کرتا ہے کہ عِلْمِ مناظرہ کو حاصل کرنا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک افضل اور بہتر ہے لیکن اس گمان کی اصل وجہ دوسروں پر غلبہ، بڑائی اور دنیوی مقام و مرتبہ ملنے کی لذت حاصل کرنا ہوتا ہے نیز دین الٰہی سے اعتراضات کو دور کرنے کی وجہ سے ملنے والی عزت پر خوش ہونا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ طبقہ بصیرت سے محروم رہا اور اس نے زمانۂ صحابہ کی جانب جنہیں سرکار دو عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بہترین مخلوق قرار دیا توجہ نہ کی۔ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے زمانے میں بھی بدعتی لوگوں کی کمی نہ تھی لیکن انہوں نے اپنی زندگی اور دین کو بدعتیوں کے ساتھ جھگڑنے اور مناظرہ کرنے کی

نذر نہ کیا اور ان میں مشغول ہو کر اپنے دل، اعضاء اور باطنی احوال سے کبھی غافل نہ ہوئے۔ انہوں نے ضرورت پڑنے پر ہی عقائد کے معاملات میں بحث ومباحثہ کیا اور وہ بھی اسی سے جس کے بارے میں گمان تھا کہ وہ قبول کر لے گا، لہٰذا انہوں نے ضرورت کے مطابق اتنا ہی کلام کیا جو گمراہ کو اس کی گمراہی سے دور کرے اور جب وہ دیکھتے کہ گمراہ شخص اپنی گمراہی سے ہٹنے پر تیار نہیں تو اسے اسی حالت پر چھوڑ کر دوسری جانب متوجہ ہو جاتے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رِضا کی خاطر اس سے پوری زندگی بُغض رکھتے نہ کہ ساری عمر اس سے جھگڑنے اور ملامت میں گزار دیتے۔ چنانچہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کہا کرتے: "سُنَّت کی جانب بلانا حق ہے اور سنت کی جانب بلانے میں جھگڑے سے کنارہ کشی اختیار کرنا سنت ہے۔" حضرت سیِّدُنا ابو اُمامہ باہلی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ رسولِ اَکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہ نہیں ہوتی جب تک جھگڑوں کو اختیار نہ کرے۔"[1] ایک مرتبہ سرکارِ مدینہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے کچھ اصحاب کے پاس تشریف لائے تو دیکھا وہ باہم بحث ومباحثہ کرتے ہوئے جھگڑ رہے ہیں، یہ منظر دیکھ کر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اس قدر جلال آیا کہ آپ کے مبارک رخسار ایسے سرخ ہو گئے گویا انار کے دانے رخساروں میں نچھوڑ دیئے گئے ہوں۔ فرمایا: "کیا تمہیں اس لئے بھیجا گیا ہے؟ کیا اسی چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ تم قرآن کے بعض حصوں کو بعض سے ٹکراؤ؟ جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اس کی طرف توجہ کرو اور اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے رُک جاؤ۔"[2]

آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو بحث ومباحثہ اور جھگڑنے سے منع فرمایا حالانکہ صحابہ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان بحث و مُباحَثہ کرنے میں مخلوق میں سب سے زیادہ حقدار تھے مگر انہوں نے رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تعلیمات کی جانب دیکھا کہ آپ کو تمام امتوں کی جانب مبعوث فرمایا گیا مگر کبھی آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کسی بحث ومباحثہ کی مجلس میں شرکت نہیں کی اور نہ کسی کو الزامی جواب دیا، نہ کسی کو لاجواب کیا، نہ کسی دلیل کی تحقیق کی، نہ اعتراض وارد کیا اور نہ اس کا جواب دیا۔ البتہ

---

[1] ...سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الزخرف، ۵/ ۱۷۰، حدیث: ۳۲۶۴

[2] ...سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فی القدر، ۱/ ۲۵، حدیث: ۸۵......المسند للامام احمد، مسند عبد اللّٰہ بن عمرو، ۲/ ۲۳۲، حدیث: ۲۸۶۰

آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کفار سے قرآنِ پاک کے ذریعے مجادَلہ (مباحثہ) فرمایا اور اس میں بھی غُلُو نہ کیا کیونکہ یہ دل کو پریشان کرنے والا ہے اور اس سے اعتراضات اور شُکُوک و شُبہات جَنَم لیتے ہیں جنہیں انسان اپنے دل سے نکالنے پر قدرت نہیں پاتا۔ ایسی بات نہ تھی کہ آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کفار سے مناظرہ کرنے سے عاجز تھے یا صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کو مناظرہ سکھانے پر قادر نہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل مند اور دانش مند لوگ بحث و مباحثہ کی باتوں کے ذریعے دھوکے میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ وہ تو یوں کہتے ہیں: اگر زمین والے نجات پا جائیں اور ہم ہلاک ہو جائیں تو ان کی نجات ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اور اگر ہم نجات پا جائیں اور زمین والے ہلاک ہو جائیں تو ان کی ہلاکت ہمیں کوئی نقصان نہیں دے گی۔ جتنا مناظرہ صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان نے یہود و نصاریٰ اور دیگر اَقوام کے ساتھ کیا ہمیں اس سے زیادہ کرنے کی اجازت نہیں انہوں نے مناظرہ کرنے میں اپنی زندگیاں ضائع نہ کیں لہٰذا ہم کیوں اپنی زندگی ضائع کریں؟ اور ایسے کام کیوں کریں جو بروزِ قیامت کام نہ آئیں؟ نیز ہم ایسے معاملے میں کیوں غور و فکر کریں جن میں خطرے اور ہلاکتیں ہیں؟ پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ (اکثر اوقات) بدعتی کسی اہلِ حق کے ساتھ مناظرہ کرنے سے اپنی بدعت کو نہیں چھوڑتا بلکہ اُس کا تَعَصُّب بڑھ جاتا ہے اور خُصُومت کے باعث اس کے بدعتی افعال میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایسی حالت میں انسان کو دوسروں سے لڑائی جھگڑے کے بجائے اپنے نَفْس کے ساتھ لڑائی جھگڑے میں مشغول ہونا چاہئے کیونکہ اس صورت میں آخرت کے لئے دنیا کو چھوڑنا ہے اور یہی بہتر ہے۔ یہ سب کچھ اس صورت میں ہے جب بدعتی کے ساتھ خصومت اور بحث و مباحثہ کی اجازت دی جائے اور جب اس کی جازت ہی نہیں (سوائے اس صورت کہ جب یہ گمان ہو کہ بدعتی اپنی بدعت سے رجوع کر لے گا) تو کیونکر مناظر سنت کو ترک کر کے سنت کی دعوت دیتا ہے؟ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ انسان نفس کا محاسبہ کرتے ہوئے غَضَبِ الٰہی کو اُبھارنے والے امور سے بچ کر پسندیدہ کاموں میں مصروف ہو جائے۔

واعظین کا دھوکا:

وہ عُلَما جو وعظ و نصیحت کرتے ہیں ان میں سب سے بلند مقام ان کا ہے جو عوام کو امید و خوف، صبر و شکر، توکل و اخلاص اور تقویٰ وغیرہ کا درس دیتے ہیں مگر یہ علما بھی دھوکے کا شکار ہیں۔ ان کا اپنے بارے میں یہ

گمان ہوتا ہے کہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے اور انہیں نیک اعمال کی دعوت دینے کی وجہ سے یہ خود نیک اَعمال سے مُتَّصِف ہو چکے ہیں حالانکہ بارگاہِ الٰہی میں یہ لوگ ان اعمال سے عاری ہوتے ہیں، اگر کوئی ان میں تھوڑا عمل کرنے والا ہوتا ہے تو وہ بھی اس قدر جس قدر ایک عام آدمی میں پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ بہت بڑے دھوکے کا شکار ہیں۔ چنانچہ یہ خود پسندی میں مبتلا ہو کر اس گمان میں مبتلا ہیں کہ یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کے دریا میں غوطہ زن ہیں، مخلص ہونے کی وجہ سے اخلاص کی باریکیوں کو جان چکے ہیں اور عیبوں سے پاک ہونے کی وجہ سے نفس کی چالاکیوں سے خبردار ہیں نیز یہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اگر بارگاہِ الٰہی میں ان کا کوئی خاص مقام نہ ہوتا تو معرفت اور راہِ طریقت کی منزلیں طے کرنے کی انہیں پہچان نہ ہوتی۔

اس فاسد گمان میں مبتلا شخص یہ سوچتا ہے کہ وہ خوف رکھنے والوں میں سے ہے حالانکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے بے خوف ہوتا ہے، وہ یہ سوچتا ہے کہ وہ اُمید رکھنے والوں میں سے ہے حالانکہ وہ دھوکے کا شکار ہو کر حقوقُ اللہ کو ضائع کرنے والا ہوتا ہے، وہ یہ سوچتا ہے کہ وہ رِضائے الٰہی پر راضی ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اس پر راضی نہیں ہوتا، وہ یہ خیال کرتا ہے اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ پر تَوَکُّل ہے لیکن وہ عزت، مال و جاہ اور اسباب پر نظریں جمائے ہوتا ہے، وہ یہ گمان کرتا ہے کہ مخلص بندوں میں اس کا شمار ہوتا ہے مگر درحقیقت وہ ریاکار ہوتا ہے، اخلاص کا درس دیتا ہے مگر خود اس سے محروم ہوتا ہے، ریا میں مبتلا ہوتے ہوئے بھی ریا کی مذمت کا درس دیتا ہے کہ لوگ یہ عقیدہ رکھیں کہ اگر یہ مخلص نہ ہوتا تو اسے ریا کی باریکیوں کا علم کیسے ہوتا، دنیا سے شدید رغبت رکھنے کے باوجود وہ دنیا سے بے رغبتی کے فضائل بیان کر رہا ہوتا ہے، بظاہر لوگوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف بلاتا ہے مگر خود اس سے بھاگتا ہے، دوسروں کو خوفِ خدا عَزَّوَجَلَّ کا درس دیتا ہے مگر خود بے خوف رہتا ہے، دوسروں کو ذِکْرُ اللہ کی ترغیب دیتا ہے مگر خود غافل رہتا ہے، لوگوں کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کے قریب لانے کی کوشش کرتا ہے مگر خود دور بھاگتا ہے، لوگوں کو اخلاص پر ابھارتا ہے مگر خود اخلاص سے خالی ہوتا ہے، بُری صفات کی مَذَمَّت بیان کرتا ہے مگر خود ان میں مبتلا ہوتا ہے، لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کا درس دیتا ہے مگر خود لوگوں کے قریب رہنا چاہتا ہے، جس جگہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا ہے اگر وہاں بیٹھنے سے اسے روک دیا جائے تو زمین اپنی کشادگی کے باوجود اس پر تنگ ہو جائے اور وہ لوگوں پر یہ ظاہر کرتا پھرے کہ اس کا مقصود لوگوں

کی اصلاح کرنا ہے۔ اگر لوگ اسے چھوڑ کر دوسرے عالم کی جانب رغبت کریں اور اس کے پاس اپنے باطن کو سنواریں تو یہ غم اور حسد سے مر جائے، اگر کوئی شخص اس کے سامنے کسی عالم کی تعریف کرے تو اس کے دل میں اس شخص کے لئے سب سے زیادہ بغض ہو، ایسے کردار کے حامل لوگ بڑے دھوکے میں مبتلا ہیں۔

واعظین کے دھوکے کا علاج:

بہت مشکل ہے کہ یہ لوگ راہِ راست پر آجائیں کیونکہ انہیں اچھے بُرے اخلاق کے فضائل و نقصان سب معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور پسند کرتے ہیں کہ لوگوں کو نیکی کی دعوت دینے میں مشغول رہیں لہٰذا کس چیز کے ذریعہ ان کا علاج کیا جائے؟ اور انہیں کس طرح خوفِ خدا دلایا جائے کیونکہ ان کے وعظ میں جن آیتوں کو سن کر لوگ خوفِ خدا کے باعث لرزنے لگتے ہیں کیا یہ لوگ ان آیتوں سے اپنے دل میں خوف پیدا نہیں کر سکتے؟ ہاں! ان کا علاج یوں ممکن ہے کہ ان میں سے جس کا یہ خیال ہے کہ وہ اچھے اعمال سے مُتَّصِف ہے تو اِمتحاناً اپنے آپ سے ایسے سوالات پوچھے جن کے ذریعہ اس کا گمان دور ہو جائے مثلاً محبّتِ الٰہی کا دعویٰ ہو تو یہ سوال کرے کہ میں نے اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے کون سی چیز چھوڑی ہے؟ اگر خوفِ خدا کا دعویٰ ہو تو یہ پوچھے کہ خوفِ خدا کے سبب کون سے گناہ سے رُک گیا ہوں؟ اگر دنیا سے بے رغبتی کا دعویٰ ہو تو یہ سوال کرے کہ قدرت رکھنے کے باوجود میں نے کس چیز کو رضائے الٰہی کی خاطر چھوڑا ہے؟ اگر اُنسیتِ الٰہی کا دعویٰ ہے تو یہ پوچھے کہ کب مجھے تنہائی اچھی لگی اور کب مخلوق سے دور بھاگا ہوں؟ بلکہ چاہنے والوں کے ہجوم میں میرا دل تو خوشی سے جھومتا ہے اور تنہائی میں مجھے وحشت ہوتی ہے، کیا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کو چھوڑ کر دوسروں سے راحت حاصل کرے؟ عقل مند لوگوں کا تو طریقہ یہ ہے کہ وہ ان معاملات کے ذریعے اپنے نفسوں کا امتحان لیتے ہیں اور حقیقی طور پر اچھی صفات سے متصف ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں پکا عہد کرتے ہیں اور ظاہری دعووں پر اعتماد نہیں کرتے جبکہ دھوکے میں مبتلا لوگ نفس کے متعلق اچھا گمان کرتے ہیں حالانکہ جب آخرت میں ان سے پردہ اٹھایا جائے گا تو یہ لوگ ذلیل ورُسوا ہو جائیں گے بلکہ انہیں آگ میں ڈالا جائے گا تو ان کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور ان میں سے کوئی آنتوں کے گرد اس طرح چکر کاٹے گا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر کاٹتا

ہے جیسا کہ حدیث پاک میں مروی ہے کیونکہ یہ لوگ دوسروں کو نیکی کی دعوت دیتے ہیں مگر خود عمل نہیں کرتے، لوگوں کو برائیوں سے منع کرتے ہیں مگر خود برائی کرنے سے باز نہیں آتے۔

وعظ و نصیحت کرنے والے علما کی دھوکے میں پڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ یہ لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت، خوف اور رضا سے متعلق کوئی نکتہ اپنے دل میں پاتے ہیں اور بہترین انداز میں اسے بیان کرنے پر قادر ہوتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اس صِفَت سے مُتَّصِف ہونے کی وجہ سے ہی یہ لوگ اس نکتہ اور دیگر علمی باتوں کو بہترین انداز میں بیان کرنے پر قادر ہیں نیز اسی وجہ سے لوگ ان کے بیانات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انہیں اس موقع پر یہ سوچنا چاہئے کہ لوگوں میں مقبولیت بہترین بیان کرنے کی وجہ سے ہے اور بیان کا حصول معرفت اور زبان پر جاری ہونے کی وجہ سے ہے اور معرفت کا حصول علم کے باعث ہے تو ان تمام باتوں سے یہ کہاں ثابت ہوا ہے کہ جس کا انہوں نے علم حاصل کیا وہ اُس صِفَت سے مُتَّصِف بھی ہیں۔ عام مسلمان اور ان واعِظِین میں فرق ہی کیا ہے؟ جس طرح عام مسلمان بے خوف ہے اسی طرح یہ بھی بے خوف ہیں اور جس طرح عام مسلمان محبت الٰہی سے محروم ہے اسی طرح یہ بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت سے خالی ہیں فرق اگر ہے تو صرف یہی کہ عام مسلمان بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور یہ رکھتے ہیں لیکن اس کا خوفِ خدا سے کیا تعلق؟ چنانچہ بسا اوقات ان کا خوف عام مسلمان سے کم اور بے خوفی عام مسلمان سے زیادہ ہوتی ہے اور مخلوق کی جانب ان کا میلان نُمایاں ہوتا ہے نیز ان کے دل میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی محبت کم ہوتی ہے۔ ان کی مثال ایسے مریض کی طرح ہے جو اپنے مرض، دوا، صحت اور شفا کو بہترین انداز میں بیان کرتا ہے کہ دوسرے مریض اس انداز میں بیان نہیں کرسکتے اور نہ ہی بیماری کی وُجوہات اور اَقسام بیان کرسکتے ہیں، لہٰذا ان میں اور دوسرے مریضوں میں سوائے اس بات کے کوئی فرق نہیں کہ یہ معلومات اور وضاحت کرنے میں دوسرے مریضوں سے بڑھ کر ہیں، لہٰذا ان کا یہ گمان کہ صحت کی حقیقت کو جان لینے کی وجہ سے وہ صحت یاب ہیں، انتہائی درجہ کی جہالت ہے اسی طرح وہ واعظ جو محبت و خوف، توکل وزُہد وغیرہا صفات کو جانتا ہے مگر ان کی حقیقت سے متصف نہیں وہ دھوکے میں مبتلا ہے نیز یہی حال اس شخص کا ہے جو حقیقت کی وضاحت کرنے اور حقیقت سے مُتَّصِف ہونے میں فرق نہ کرسکے۔ یہ ان واعظین کی حالت کا بیان تھا جن کے

بیان میں کوئی خرابی نہیں بلکہ ان کا بیان قرآن وحدیث اور بزرگان دین کے طریقے کے مطابق ہوتا (مگر وہ جو بیان کرتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے وعظ بنفسہ برا نہیں ہے، جیسا کہ) حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی اور ان کی مثل دیگر بزرگانِ دین نے وعظ ونصیحت فرمائی۔

انسانی شیطان:

واعظین کا ایک گروہ ایسا ہے جنہوں نے وعظ ونصیحت کے ضروری طریقہ کار سے عُدُول کیا اور یہ بات اس زمانے کے تقریباً سب ہی واعظین میں پائی جاتی ہے مگر جسے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ محفوظ رکھے، نیز ایسے حضرات موجود بھی ہیں تو بہت کم ہیں اور ہمیں ان کے بارے میں کچھ علم نہیں۔ بہر حال واعظین کا یہ گروہ اپنے وعظ میں ایسی فضول اور بے مقصد گفتگو کرتا ہے جن کا شریعت اور عقل سے کوئی تعلُّق نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ لوگ اپنے وعظ میں انوکھی باتیں کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ایک طبقہ تو اپنے بیانات میں بہترین نکات بتانے، ہم قافیہ الفاظ لانے اور عوام کے سامنے انہیں بہترین انداز میں بیان کرنے ہی میں مشغول رہتا ہے اور اس طبقہ میں زیادہ تر افراد کی توجہ محبَّت اور جُدائی کے اشعار کو بطور دلیل ذکر کرنے اور ہم قافیہ الفاظ کی ادائیگی پر ہوتی ہے ان کی غرض یہی ہوتی ہے کہ ان کی محفلوں میں چیخ وپکار اور آہ وبکا ہو اگرچہ فاسد نیت سے ہو یہ سب لوگ انسانی شیطان ہیں خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اس سے پہلے والا طبقہ اگرچہ اپنی اصلاح نہ کرسکا مگر اپنے وعظ ونصیحت سے دوسروں کی اصلاح کا سبب بن گیا جبکہ یہ تو عوام کو راہ حق سے روکتے ہیں اور انہیں اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات کے حوالے سے امید دلا کر دھوکے میں مبتلا رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کا وعظ وتقریر عوام کو گناہ اور دنیا کی رغبت میں نڈر بنادیتا ہے، بالخصوص جب کوئی واعظ خوبصورت کپڑے اور بہترین سواری استعمال کرتا ہے اس کی ظاہری حالت سر سے لے کر پاؤں تک دنیوی محبت کی عکاسی کرتی ہے۔ لہٰذا یہ واعظین عوام کی اصلاح کم اور ان کا نقصان زیادہ کرتے ہیں بلکہ اصلاح تو کر ہی نہیں پاتے اور کثیر لوگوں کو گمراہ کردیتے ہیں، ان کے دھوکے کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔

دھوکے باز گروہ:

واعظین کا ایک طبقہ صرف دنیا کی مذمت کے متعلق بزرگان دین کے اقوال کو یاد کرلیتا ہے اور ان کے

معانی کو سمجھے بغیر اسے بیان کرنا شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ بعض واعظین مسجد و محراب اور بعض بازاروں میں اپنے ہم نشینوں کے ہاں انہیں بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرتا ہے کہ وہ عام لوگوں سے ممتاز ہے کیونکہ اسے بزرگانِ دین کے اقوال یاد ہیں، لہٰذا وہ یہ سمجھتا ہے اسے کامیابی مل چکی ہے اور اس کی غرض مکمل ہو چکی، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مغفرت اس کے شامل حال ہے اور وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پکڑ سے محفوظ ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کو گناہوں سے بچانے والا نہیں ہوتا لیکن پھر بھی وہ یہ گمان کر رہا ہوتا ہے کہ بُزرگانِ دین کے اقوال کو یاد کر لینا ہی اس کے لئے کافی ہے۔ ماقبل گروہ کے مقابلے میں اس گروہ کا دھوکا زیادہ واضح ہے۔

مُحَدِّثِین کا دھوکے میں مبتلا ہونا:

عُلَما کا ایک طبقہ احادیث سننے، روایتوں کو جمع کرنے اور نادر و اعلیٰ اسناد کو جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے، ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ شہر بہ شہر گھوما جائے اور مُحَدِّثِین کی زیارت کی جائے تاکہ ان میں سے کوئی یہ کہہ سکے: میں فلاں راوی سے روایت کرتا ہوں، میں نے فلاں مُحَدِّث کی زیارت کی ہے، میرے پاس ایسی اسناد ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں۔ ان کے دھوکے میں مبتلا ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

❁...**پہلی وجہ:** یہ ہے کہ ایسے لوگ پُشت پر کتابیں اٹھائے پھرنے والوں کی طرح ہیں جو احادیث کے معانی سمجھنے سے قاصر ہیں، ان کا کام صرف اَحادیث سن کر نقل کرنا ہے اور یہ اسی کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں۔

❁...**دوسری وجہ:** یہ ہے کہ جب یہ لوگ احادیث کے معانی نہیں سمجھ پاتے تو اس پر عمل ہی نہیں کرتے جبکہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو احادیث کے معانی سمجھنے کے باوجود بھی اس پر عمل نہیں کرتے۔

❁...**تیسری وجہ:** یہ ہے کہ یہ لوگ فرضِ عین علم یعنی دل کے احوال کی پہچان کو چھوڑ کر کثیر اور اعلیٰ سندیں جمع کرنے میں مشغول ہیں حالانکہ انہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

❁...**چوتھی وجہ:** یہ ہے کہ فی زمانہ لوگ احادیث سننے کی شرائط کا لحاظ نہیں کرتے اگرچہ محض سننے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا لیکن حدیث کو ثابت کرنے کے لئے سماعتِ حدیث کی بڑی اَہمیّت ہے اور جب حدیث کا ثبوت پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے بعد حدیث کو سمجھا جاتا ہے اور سمجھنے کے بعد اس پر عمل کیا جاتا ہے

یوں پہلے حدیث کی سماعت ہوتی ہے پھر فہم حدیث پھر حِفْظِ حدیث پھر حدیث پر عمل اور اس کے بعد حدیث کی اِشاعت ہوتی ہے مگر فی زمانہ لوگ فقط احادیث سننے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

مُحَدِّثِیْن کی مجالس کا یہ حال ہے کہ کوئی بچہ کسی شَیْخُ الحدیث کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے اور وہاں کسی حدیث کو پڑھا جارہا ہوتا ہے تو شیخ الحدیث صاحب سو رہے ہوتے ہیں اور بچہ کھیل کود میں مگن ہو جاتا ہے پھر بھی اس بچے کا نام حدیث سننے والوں کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے اور جب وہ بچہ بڑا ہو جاتا ہے تو وہ اس کوشش میں لگ جاتا ہے کہ لوگ اس سے حدیث سنیں۔ محدثین کی مجلسوں میں بالغ حاضرین کا حال بھی کچھ کم نہیں کبھی تو وہ غفلت میں پڑے دکھائی دیتے ہیں، کبھی حدیث کو غور سے نہیں سنتے اور کبھی حدیث سننے میں توجہ نہیں کرتے اور کبھی باتوں میں یا لکھنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اسی دوران محدث حدیث پڑھتے ہوئے کوئی تبدیلی وغیرہ کرائے تو انہیں اس کا علم نہیں ہوتا، یہ سب وجوہات جہالت اور دھوکے کی نشان دہی کرتی ہیں۔ روایت حدیث میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے متعلق جو روایت ایسی ہو جس میں رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سننے کی تصریح ہو تو جب اسے سنے تو اسے ویسے ہی یاد کرے جیسا اس نے اسے سنا ہے اور یاد کرنے کے بعد اسے ویسا ہی بیان کرے جیسے اس نے اسے یاد کیا ہے چنانچہ اس طرح روایتِ حدیث حفظِ حدیث کے مطابق ہو گی اور حفظِ حدیث سماعتِ حدیث کے مطابق ہو گا اور اگر حدیث کی روایت میں حضور رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سننے کی تصریح نہ ہو بلکہ کسی صحابی یا تابعی سے وہ روایت مروی ہو تو اسے بھی اسی طرح سنے جیسے وہ اس روایت کو سنتا ہے جس میں رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے سننے کی تصریح ہوتی ہے، یعنی نہایت توجہ سے سنے اور یاد کرے نیز جیسے سنے ویسے ہی بیان کرے کہ ایک حَرْف بھی تبدیل نہ ہو[1] بلکہ اس طرح یاد کرے کہ اگر کوئی حدیث بیان کرنے میں تبدیلی یا غَلَطی کرے تو فوراً جان لے۔

---

[1]... سیِّدِی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنت، مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: روایتِ حدیث کے دونوں طریقے ہیں: روایت باللفظ و روایت بالمعنی، خود حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تحدیث بالمعنی کی اجازت فرمائی ہے۔ (فتاوی رضویہ، ۲۷/ ۴۹)

حفظِ حدیث کے طریقے:

حفظِ حدیث کے دو طریقے ہیں: (۱)...دل میں یاد رکھا جائے اور زبان سے تکرار کی جائے جیسے دیگر معاملات کو سن کر یاد رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ (۲)...جس طرح سنا ہو اسی طرح صحیح لکھ کر اس کی حفاظت اس طرح کرے کہ کسی ایسے کے ہاتھ نہ لگے جو اس میں تبدیلی کر سکے کیونکہ اگر کسی دوسرے کا ہاتھ اس تک پہنچ گیا تو ممکن ہے کہ وہ اس میں تبدیلی کر دے اور اُسے صحیح یاد نہ ہونے کی وجہ سے معلوم بھی نہ ہو سکے گا کہ کیا تبدیلی ہوئی ہے، لہٰذا اپنے دل میں یاد کرے اور لکھ بھی لے تاکہ لکھا ہوا سُنے ہوئے کی یاد دہانی کراتا رہے اور کسی بھی قسم کی تبدیلی نہ ہو سکے۔

اگر حدیث کو نہ یاد کرے گا نہ ہی لکھے گا تو وہ غفلت کا شکار ہو جائے گا اور جب وہ حدیث کی مجلس سے علیحدہ ہو کر اسی مُحَدِّث کی کسی کتاب میں حدیث دیکھے گا اور ممکن ہے کہ جو روایت اس نے شیخ سے سنی ہے اُس میں اور کتاب میں موجود روایت میں کچھ تبدیلی یا فرق ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے یہ کہنا جائز نہیں ہو گا کہ میں نے یہی حدیث سنی ہے کیونکہ اسے سنی ہوئی حدیث یاد نہیں ممکن ہے کہ یہ حدیث نہ سنی ہو بلکہ دوسری حدیث ہو اگرچہ ایک ہی لفظ کا فرق ہے اور جب اس نے حدیث یاد کی نہ لکھی تو اسے کیسے معلوم ہو گا کہ یہ وہی سنی ہوئی حدیث ہے؟ جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ (پ۱۵، بنی اسرآئیل: ۳۶)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔

روایتِ حدیث کی اِحتیاط:

مُحَدِّثِیْن کا یہ کہنا: "جو اَحادیث اس کتاب میں ہیں وہ ہم نے اپنے شیخ سے سنی ہیں۔" اگر مذکورہ شرائط نہ پائی گئیں تو یہ واضح جھوٹ ہو گا[1] کیونکہ حدیث سننے کی کم از کم شرط یہ ہے مکمل کتاب کو سنا ہو اور جو کچھ سنا ہو

[1]...اگر مُحَدِّث کی جانب سے ہر اس شخص کے لئے روایتِ حدیث کی اجازت ہو جس نے اس سے حدیث کی سماعت کی ہو تو ایسی صورت میں شرائط نہ پائی جانے پر بھی سامع کا یہ کہنا: "میں نے اس کتاب کی روایات اپنے شیخ سے سنی ہیں" جھوٹ نہ ہو گا۔ (اتحاف السادۃ المتقین، ۱۰/۷۹)

اسے یاد بھی کیا ہو تا کہ کسی قسم کی تبدیلی کے وقت فوراً اس کا احساس ہو جائے۔ اگر کسی بچے، غافل، سونے والے یادورانِ سماعت کسی حدیث کی نقل میں مشغول کا سماعِ حدیث معتبر ہو تا تو شیر خوار بچے اور مجنون کا سماع بھی بعد از بلوغ اور بعد از افاقہ معتبر ہو تا حالانکہ ان کے غیر معتبر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اور اگر انہیں معتبر قرار دیا جائے پھر تو رحم میں موجود بچے کا سماعِ حدیث بھی معتبر ہو گا۔ شیر خوار بچے کا سماعِ حدیث معتبر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ سمجھتا ہے اور نہ یاد رکھتا ہے اور کھیل میں مگن بچہ، غفلت کا شکار فرد اور کسی حدیث کی نقل میں مشغول شخص بھی نہ تو حدیث کو سمجھتا ہے اور نہ ہی یاد کرتا ہے، لہٰذا ان کا سماع بھی معتبر نہیں۔

شیر خوار کا سَماعِ حدیث معتبر نہیں:

اگر کوئی جاہل جرأت کر کے یہ کہے: "شیر خوار بچے کا سماعِ حدیث بھی معتبر ہے" تو اس سے کہا جائے گا: "پھر تو پیٹ میں موجود بچے کا سماعِ حدیث بھی معتبر ہونا چاہئے" پھر اگر وہ پیٹ میں موجود بچے اور شیر خوار بچے میں یہ فرق بیان کرے کہ پیٹ کا بچہ آواز نہیں سنتا جبکہ شیر خوار آواز سن لیتا ہے تو اس فرق کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ شیر خوار بچہ بعدِ بُلُوغ حدیث نقل کرے گا آواز نہیں۔ چنانچہ جس شخص نے بچپن میں حدیثِ مبارکہ سنی ہو اور بعدِ بُلُوغ وہ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہو اسے یوں کہنا چاہئے: "میں نے اپنے بالغ ہونے کے بعد سنا ہے کہ میں اپنے بچپن میں کسی حدیث کی مجلس میں حاضر ہو تا تھا، آواز میرے کانوں سے ٹکرایا کرتی تھی اور مجھے یہ نہیں معلوم ہو تا تھا کہ یہ کیا ہے۔" اس طرح کی روایت کے غلط ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اور جو اس سے بڑھ کر ہو وہ تو واضح جھوٹ ہے۔

اگر عربی زبان سے ناواقف مثلاً تُرکی شخص کا عربی میں حدیث سن کر روایت کرنا معتبر ہو تا تو شیر خوار بچے کا سن کر بلوغت کے بعد روایت کرنا بھی صحیح ہو تا کیونکہ مُبْہَم آواز دونوں تک پہنچی ہے۔ بہر حال اس طرح کو معتبر جاننا انتہائی جہالت ہے اور ایسے سماع کو کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے جبکہ سماع کے حوالے سے ہمارے سامنے حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مستند قول موجود ہے۔ چنانچہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: "اللہ عَزَّ وَجَلَّ اسے تر و تازہ رکھے جس نے میری بات سنی، اسے یاد کیا اور جیسے سنا ویسے ہی اسے آگے

بیان کر دیا۔ "[1] اور جس نے نہ توجہ سے سنا، نہ سمجھا وہ کیسے سنی ہوئی بات کو بعینہٖ آگے بیان کر سکتا ہے؟ چنانچہ بچپن کی روایت کو حُجَّت قرار دینا دھوکے کی بہت بڑی قسم ہے جس میں فی زمانہ لوگ مبتلا ہیں۔

اگر لوگ اس معاملہ میں محتاط ہو جائیں تو انہیں کوئی ایسا شَیْخُ الحدیث نہ ملے جو بچپن کے زمانے میں سماعِ حدیث میں غفلت کا شکار نہ ہوا ہو لیکن یہ محدثین حضرات اپنے مقام و مرتبہ کی وجہ سے اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں سماعِ حدیث میں سخت شرائط لگا دی گئیں تو ان کے مقام و مرتبہ میں کمی آجائے گی اور حلقۂ اَحباب چھوٹا ہو جائے گا نیز ان کی روایت کردہ اَحادیث کا مجموعہ بھی کم ہو جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ کیا عجب شرائِطِ سَماع پر کوئی حدیث ہی نہ اترے تو رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا انہوں نے یہ کہہ دیا کہ صرف کانوں سے سننا شرط ہے اگرچہ کلام سمجھ میں نہ آئے حالانکہ سَماعِ حدیث کی صحت کی پہچان کرنا محدثین کے بجائے علمائے اصولِ فقہ کی ذمہ داری ہے جیسا کہ اُصولِ فقہ کی کُتُب میں مذکور ہے۔

عقل مند کے لئے ایک حدیث ہی کافی ہے:

بالفرض مُحَدِّثِیْن کی یہ شرط مان بھی لی جائے کہ کانوں سے سننا شرط ہے تو بھی فریب میں مبتلا محدثین حدیث نقل کرنے کے معاملے میں دھوکے کا شکار رہیں گے اور اپنی پوری زندگی روایات و اسناد جمع کرنے میں گزار دیں گے اور اَہم دینی کاموں اور احادیث سمجھنے سے اعراض کریں گے حالانکہ جو شخص احادیث کے ذریعہ آخرت کی راہ پر گامزن ہونا چاہے اس کے لئے بعض اوقات ایک ہی حدیث کافی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه کے متعلق منقول ہے کہ وہ سَماعَتِ حدیث کے لئے حاضر ہوئے تو ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی: "آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے ہے کہ وہ اس بات کو چھوڑ دے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ "[2] انہوں نے یہ سنا تو یہ فرماتے ہوئے کھڑے ہو گئے کہ مجھے عمل کرنے کے لئے یہی حدیث کافی ہے اس پر عمل ہو جائے تو دوسری حدیث سنوں گا۔

---

1 ...سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع، ۴/ ۲۹۹، حدیث: ۲۶۶۷
مسند البزار، مسند جبیر بن مطعم، ۸/ ۳۴۲، حدیث: ۳۴۱۶

2 ...سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنة، ۴/ ۳۴۴، حدیث: ۳۹۷۶

معلوم ہوا کہ عقل مند لوگ جو دھوکے کا شکار نہیں ہوتے ان کا سماعِ حدیث اسی طرح کا ہوتا ہے۔

علمائے نحو و لغت کا اور شُعَرا کا دھوکے میں رہنا:

اہل علم کا ایک گروہ علمِ نحو، لغت اور اشعار سیکھنے میں مشغول ہو کر مُغالَطے کا شکار ہے اور خود کو نجات یافتہ خیال کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کا شمار علمائے امت میں سے ہے۔ یہ گروہ اپنی نجات کے لئے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ علمِ لغت و نحو قرآن و حدیث کے بنیادی علوم میں سے ہیں اور دِیْنِ مَتِیْن کی بنیاد قرآن و حدیث ہے، لہٰذا اس گروہ نے اپنی زندگیاں علم نحو کی باریکیاں، فن شاعری اور مُنْفَرِدُ الْفاظ و لُغَت سیکھنے میں گزار دیں۔

اس گروہ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو پوری عُمْر حُرُوف کو درست اور خوبصورت بنانے نیز حروف کو خوش خطی سے لکھنے میں صرف کر دے اور یہ گمان کرے کہ علم کی حفاظت صرف لکھ کر ممکن ہے اور لکھنے کے لئے ضروری ہے کہ حروف کو درست اور خوش خطی سے لکھا جائے۔ اگر یہ شخص عقل رکھتا تو جان لیتا کہ اس فن میں ضروری چیز صرف یہ ہے کہ لکھے ہوئے کو پڑھ لیا جائے باقی سب اضافی باتیں ہیں۔ ایسے ہی عربی لغت کا ماہر اگر عقل رکھتا تو جان لیتا کہ عَرَبی لُغَت تُرکی لغت کی طرح ہے کہ عَرَبی، ہندی اور ترکی لغت سیکھنے والے سب اپنی عمروں کو ضائع کرنے میں برابر ہیں۔ البتہ عربی لغت کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ شرعی احکام سمجھ آجاتے ہیں، لہٰذا عربی لغت اور نحو کا اتنا علم کافی ہے جو قرآن و حدیث سے متعلق ہو اور جہاں تک عَرَبی لغت اور نحو میں ایسی مہارت حاصل کرنے کا تعلق ہے جس کی کوئی حد نہیں تو یہ فضول کام ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں۔

پھر اگر کوئی عربی لغت اور نحو کے متعلق ضروری علم پر اکتفا کر بھی لے تو شرعی مفہوم نہ جاننے اور اس پر عمل نہ کرنے کے باعث دھوکے میں مبتلا رہتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو مخارج کی درستی میں اپنی پوری عمر صرف کر دے اور اسی پر اکتفا کرے حالانکہ ایسا شخص دھوکے میں مبتلا ہے کیونکہ حروف سے مقصود معانی ہوتے ہیں اور حروف برتن اور آلات کی طرح ہیں چنانچہ اگر کسی شخص کو صفراء (یعنی ایک طبعی عارضے) کے ازالے کے لئے سِکَنْجَبِیْن پینے کی حاجت ہو اور وہ اسے پینے کے بجائے جس برتن میں اسے پینا ہے اس کی تحسین و آرائش میں لگ جائے تو ایسے شخص کو جاہل اور فریب میں مبتلا ہی کہیں گے۔ یوں ہی علم نحو، لغت، ادب و قراءت اور مخارجِ حروف کی باریکیاں سیکھنے والے وہ لوگ بھی دھوکے میں مبتلا ہیں

جنہوں نے ان علوم کی گہرائی میں غوطہ زنی کی اور ان علوم کے حصول کے لئے اپنے آپ کو فارغ کرلیا اور جس قدر ان علوم کو حاصل کرنا ضروری تھا اس سے زیادہ حاصل کیا۔

علوم کا مقصودِ اصلی عمل ہے:

لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ اصلِ مغز عمل ہے مگر اس سے پہلے عمل کی معرفت و پہچان ضروری ہے جبکہ مَعْرِفَت الفاظ سنے یا پڑھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی جس کے لئے علمِ نحو و لغت کی پہچان ضروری ہے مگر ان علوم سے پہلے علمِ قراءت جاننا لازم ہے۔ ان میں سے بالترتیب ہر ایک پہلے کے لئے چھلکا اور دوسرے کے لئے مَغْز کی مانند ہے اور ان دَرَجات کا بالترتیب جان لینا بھی دھوکے سے نہیں بچا سکتا جب تک کہ ان درجات کو سیڑھی سمجھ کر اور ہر سیڑھی پر بقدرِ ضرورت چڑھتے ہوئے اصل مغز یعنی عمل تک نہ پہنچا جائے اور جو لوگ اصلِ مَغْز تک پہنچ جاتے ہیں تو ایسے ہی لوگوں کے دل اور اعضاء حقیقی عمل کے طلبگار ہوتے ہیں اور ان کی پوری زندگی نفس کے محاسبے، اعمال کی اصلاح اور ان کی خرابیوں کو دور کرنے میں گزر جاتی ہے۔

تمام علومِ شرعیہ کا مقصود اصلی عمل ہوتا ہے دیگر علوم اس کے لئے خادم، راستہ اور سیڑھی کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو شخص اس مقصود تک نہ پہنچ سکے وہ ناکام و نامراد ہے چاہے وہ منزل کے قریب ہو یا دور۔

چونکہ مذکورہ عُلوم کا تعلق علومِ شرعیہ سے ہوتا ہے لہٰذا ان علوم کو سیکھنے والے انہیں علومِ شرعیہ گمان کرکے مُغالَطے میں مبتلا ہو جاتے ہیں البتہ عِلْمِ طِب، حساب اور مختلف مصنوعات کا علم رکھنے والے ان علوم کو علومِ شرعیہ نہ جاننے اور اپنے لئے راہِ نجات نہ سمجھنے کی وجہ سے مذکورہ افراد کے مقابلے میں کم دھوکے کا شکار ہیں کیونکہ علوم شرعیہ دو قسم کے ہیں: (۱)...وہ جو کہ مقصودِ اصلی ہیں اور (۲)...وہ جو کہ مقصودِ اصلی تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ جس طرح چھلکا اور مغز دونوں میں رغبت ہوتی ہے لیکن مقصودِ اصلی مغز ہوتا ہے اور چھلکا اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور جو چھلکا کو مقصود اصلی قرار دیتے ہوئے اس میں رغبت رکھے وہ دھوکے کا شکار ہے۔

فُقَہا کا حیلوں کے ذریعے دھوکے میں پڑنا:

فُقَہا کا ایک گروہ بہت بڑے دھوکے کا شکار ہے ان کا خیال ہے کہ جو فیصلہ قاضی کرتا ہے وہی اللہ عَزَّوَجَلَّ

اور بندے کے درمیان فیصلہ ہے، لہٰذا انہوں نے حقوق کی ادائیگی میں کمی کرنے کے لئے مختلف حیلے بنائے اور مُبْہَم الفاظ کی غلط تاویلیں کیں، ظاہری الفاظ سے دھوکا کھاکر معنٰی نہ سمجھ سکے اور فتاوٰی میں کثیر غَلَطیوں کا شکار ہوگئے مگر عقل مند لوگ اس سے محفوظ رہے۔ ہم چند مثالوں کے ذریعہ اس دھوکے کی نشان دہی کرتے ہیں۔

مثلاً: عورت جب شوہر کو اپنا مہر معاف کردے تو بارگاہِ الٰہی میں شوہر پر کسی قسم کا مُواخذہ نہیں، یہ غَلَط ہے کیونکہ بعض اوقات شوہر اپنی بیوی کے ساتھ برا سلوک کرتے ہوئے کئی معاملات میں اس پر تنگی کرتا ہے، لہٰذا بیوی مہر معاف کرکے اپنی جان چھڑاتی ہے۔ یہ مجبوری سے ہے نہ کہ ہنسی خوشی سے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان ہے:

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـٴًـا مَّرِیْٓـٴًـا ۝۴

ترجمۂ کنزالایمان: پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے کھاؤ رچتا پچتا (خوش گوار اور مزے سے)۔

(پ۴، النسآء: ۴)

یاد رکھئے! نفس کی ہر خوشی دل کی خوشی نہیں ہوتی۔ بسا اوقات انسان کا دل ایسی بات کی خواہش کرتا ہے جسے نفس پسند نہیں کرتا۔ مثلاً: انسان کا دل چاہتا ہے کہ جسم سے فاضل خون نکلوائے مگر نفس اس تکلیف کو پسند نہیں کرتا، ایسے ہی نفس کی خوشی یہ ہے کہ عورت فراخ دلی سے شوہر کو مہر معاف کرے نہ کہ کسی مجبوری کے سبب اور عورت کی مجبوری کا حال یوں عِیاں ہوا کہ جب اسے دو نقصان درپیش ہوئے تو اس نے ہلکا نقصان برداشت کرلیا لہٰذا یہ باطنی طور پر ایک طرح کی زبردستی ہے۔ چونکہ باطنی مجبوری پر مخلوق کو اطلاع نہیں لہٰذا قاضی دل اور اغراض پر مُطَّلع نہ ہونے کی وجہ سے معاف کرنے کو دیکھتا ہے کہ ناپسندیدگی کا کوئی ظاہری سبب موجود نہیں ہے لیکن جب اللہ عَزَّوَجَلَّ میدانِ قیامت میں فیصلہ فرمائے گا تو (دل کی رِضا کے بغیر) عورت کا معاف کرنا نہ کسی گنتی میں ہوگا نہ ہی کوئی فائدہ دے گا۔ اسی طرح کسی دوسرے کا مال بغیر اس کی رضامندی کے لینا جائز نہیں۔

شَر کے باعث کچھ لینا حرام ہے:

اگر کسی شخص سے لوگوں کے درمیان کچھ مانگا جائے اور وہ لوگوں سے شرم کے باعث کچھ دیدے اور دل سے اس پر راضی نہ ہو جبکہ تنہائی میں اگر اس سے وہی کچھ مانگا جائے تو وہ دینے پر تیار نہ ہو تو ایسی صورت

میں اس شخص پر دو خوف جمع ہیں: (۱)...: لوگوں کی مذمت کا خوف اور (۲)...مال دینے کی تکلیف کا خوف۔ لہٰذا وہ آسان تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے مال دینے پر رضامند ہو گیا۔ اس میں اور زبردستی میں کوئی فرق نہیں کیونکہ زبردستی کا معنٰی یہی ہے کہ انسان کو لاٹھی وغیرہ کے ذریعہ ایسا دھمکایا جائے کہ وہ دلی تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے مال خرچ کرنے پر راضی ہو جائے۔ ایسی صورت میں وہ دو تکلیفوں میں سے آسان تکلیف پر راضی ہوتا ہے۔ شرم وحیا اور ریاکاری کے مقام میں کسی سے سوال کرنا ایسا ہی ہے جیسے دل کو کسی لاٹھی سے مارنا اور بارگاہِ الٰہی میں ایسی دلی اور جسمانی تکلیف میں کوئی فرق نہیں کہ اس کی بارگاہ میں دلی تکلیف بھی اس پر عیاں ہے جبکہ دنیوی حاکم دل پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے کسی کے منہ سے نکلے ہوئے لفظ مثلاً "وَهَبْتُ یعنی میں نے تحفہ دیا" کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے دوسرے کی ملکیت کا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی زبانی شرارت یا چغلی وغیرہ سے بچنے کے لئے مال دیتا ہے تو لینے والے کے لئے یہ مال حرام ہے یوں ہی ہر وہ مال جو مذکورہ طریقوں سے لیا جائے، وہ حرام ہے۔

سیِّدُنا داؤد عَلَیْہِ السَّلَام اور اَوریا کا قصہ:

حضرت سیِّدُنا داؤد عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا واقعہ تمہارے سامنے ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان کا قصور معاف فرما دیا (لیکن فریقِ ثانی کے ساتھ جو ان کا معاملہ تھا وہ باقی رکھا) تو وہ بارگاہِ الٰہی میں عرض گزار ہوئے: "اے میرے رب عَزَّوَجَلَّ! میرے مدِّمقابل کے متعلق تیرا کیا فیصلہ ہے؟" اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: "اس سے معاف کرواؤ۔" اس مدِمقابل کا انتقال ہو چکا تھا لہٰذا آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے بَیْتُ الْمُقَدَّس کی ایک چٹان پر کھڑے ہو کر اسے آواز دی: "اے اوریا!" اس نے جواب دیا: "اے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نبی (عَلَیْہِ السَّلَام)! میں حاضر ہوں، آپ نے مجھے جنّت سے کس لئے بُلوایا ہے؟" آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: "میں نے ایک معاملہ میں تیرے ساتھ سختی کی، لہٰذا مجھے معاف کر دے۔" اس نے کہا: "میں نے معاف کیا۔" یہ سن کر آپ عَلَیْہِ السَّلَام واپس لوٹ آئے۔ حضرت سیِّدُنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے آپ سے عرض کی: "آپ نے جس معاملے کی اس سے معافی مانگی ہے اس کا ذکر اس کے سامنے کیا؟" فرمایا: "نہیں۔" حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے کہا: "آپ دوبارہ جائیے اور اس معاملہ کی وضاحت کیجئے جس کے متعلق آپ معافی چاہتے ہیں۔" چنانچہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام دوبارہ وہاں تشریف

لے گئے اور اسے پکارا۔ اس نے کہا: "اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نبی (عَلَیْہِ السَّلَام)! میں حاضر ہوں۔" فرمایا: "مجھ سے ایک قصور سرزد ہو گیا ہے۔" اس نے کہا: "کیا میں نے آپ کو معاف نہیں کیا؟" فرمایا: "کیا تم مجھ سے پوچھو گے نہیں کہ وہ قصور کیا ہے؟" اس نے کہا: "وہ کیا ہے؟" چنانچہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس قصور کو بیان کیا۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: "اے اوریا! تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟" اس نے کہا: "انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کی یہ شان نہیں ہوتی، اب میرا اور آپ کا معاملہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں ہو گا۔" یہ سن کر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے بلند آواز سے آہ و بکا شروع کر دی یہاں تک کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ سے وعدہ فرما لیا کہ بروزِ قیامت آپ کے مدمقابل کو آپ سے راضی فرما دے گا۔[1]

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بغیر دل کی رضامندی کے معاف کرنے کا کوئی فائدہ نہیں اور دلی رضامندی اس معاملہ کو پہچاننے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی کو معاف کرنے یا تحفہ وغیرہ دینے کے معاملہ میں دلی رضامندی کی اس وقت تک خبر نہیں ہو سکتی جب تک معاف کرنے والے اور تحفہ دینے والے کو مکمل اختیارات کے ساتھ آزادنہ چھوڑ دیا جائے اور بغیر کسی حیلہ یا مجبوری کے خود ہی اس کے دل میں معاف کرنے یا تحفہ دینے کے اسباب پیدا نہ ہو جائیں۔

مقصدِ زکوٰۃ سے غافل شخص:

یوں ہی فقہا کے اس گروہ کے حیلوں میں سے ایک حیلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے سال کے آخر میں زکوٰۃ ساقط کرنے کے لئے اپنا مال بیوی کو تحفہ دے دیا تو مفتی کے نزدیک زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اگر مفتی کی مراد

---

[1] ... حضرت سیِّدُنا داود عَلَیْہِ السَّلَام کے اس قصے کا پس منظر یہ ہے کہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ایک عورت سے نکاح کا ارادہ فرمانا چاہا مگر چونکہ وہ شادی شدہ تھی اور اس کا شوہر ایک مہم میں مصروف جہاد تھا۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے امیر لشکر کو پیغام بھیجا کہ اس شخص کو فلاں فوجی مہم پر روانہ کر دو۔ امیر نے اسے روانہ کر دیا، اسے وہاں فتح ہوئی تو امیر نے اس کے بارے میں آپ عَلَیْہِ السَّلَام کو خبر دی۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اسے لکھا: "اسے فلاں دشمن کی طرف بھیجو۔" تیسری فوجی مہم میں وہ آدمی شہید ہو گیا۔ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس کی شہادت کے بعد اس کی بیوی سے شادی فرما لی۔ اسی شادی کو اپنا قصور تعبیر فرمایا اور اس کی معافی کے لئے 40 دن تک روتے رہے یہاں تک کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ عَلَیْہِ السَّلَام سے یہ وعدہ فرمایا کہ وہ آپ کے فریق کو جنت عطا فرما کر اسے آپ سے راضی فرما دے گا۔ (ماخوذ از درمنثور، ۷/۱۶۰)

ساقط ہونے سے یہ ہو کہ بادشاہ اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ نہیں کرے تو ٹھیک ہے کہ بادشاہ اب واقعی اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی نظر ظاہری اسباب وملکیت پر ہوتی ہے جو کہ اس کے پاس نہ رہی اور اگر ساقط ہونے سے یہ مراد ہو کہ وہ قیامت میں پوچھ گچھ سے محفوظ رہے گا اور اس شخص کی طرح ہو جائے گا جس کے پاس کوئی مال نہ ہو یا اس شخص کی طرح ہو جائے گا جس نے اپنی ضرورت کے لئے کوئی چیز خریدی نہ کہ زکوٰۃ سے بچنے کی نیت سے، تو ایسا شخص یقیناً دین کی سمجھ اور زکوٰۃ کے مقصد سے غافل ہے چونکہ بخل مُہْلِکات میں سے ہے اور زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دل کو بخل کی مذموم صِفَت سے پاک کیا جائے۔ چنانچہ حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے کہ "تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں: (۱) ایسا بخل جس کی اطاعت ہو (۲) ایسی خواہش جس کی پیروی کی جائے اور (۳) انسان کا خود کو اچھا سمجھنا۔"[1]

معلوم ہوا کہ ایسے شخص نے اپنے عمل سے بخل کی اطاعت کی جبکہ اس سے قبل وہ بخل میں مبتلا نہ تھا نیز خود کو نجات یافتہ سمجھ کر اپنی ہلاکت کا سامان کیا حالانکہ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اس کے دل میں موجود مال کی محبت اور حرص پر مُطَّلَع ہے اور اسی مال کی حرص کی وجہ سے اس نے حیلوں کو اختیار کیا اور فریب و جہالت میں مبتلا ہونے کے باعث اپنے اوپر بخل سے بچنے کے راستے بند کر لئے۔

اس گروہِ فُقَہا کے حیلوں میں سے ایک مِثال یہ بھی ہے کہ عوامی مَصْلِحَتوں میں استعمال ہونے والا مال فقہا اور دیگر لوگوں کے لئے بَقَدْرِ ضرورت مُباح ہے لیکن یہ لوگ خواہشات اور ضروریات کے درمیان فرق نہیں کر پائے۔ چنانچہ انہوں نے جس چیز کے ذریعہ خواہشِ نفسانی کی تکمیل دیکھی اسے ضرورت کہہ دیا اور یوں یہ لوگ فریب میں مبتلا ہو گئے حالانکہ دنیا کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ لوگ اپنی عبادت اور راہِ آخرت کے سفر کو طے کرنے کے لئے اس سے مدد لے سکیں، لہٰذا ہر وہ چیز جو دین اور عبادت پر مددگار ثابت ہو وہ ضرورت ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ فضول اور خواہشِ نفسانی ہے۔ اگر ہم فقہا کے اس قسم کے دھوکے کی مثالوں میں سے نصف کا ہی تذکرہ کریں تو کتابی شکل میں اس کی کئی جلدیں بن جائیں لیکن ہماری غرض دھوکے کی نشاندہی کرنا ہے نہ کہ تمام مثالوں کا اِحاطہ کرنا۔

[1] ...مسند البزار، مسند عبد اللّٰہ بن ابی اوفی، ۸/ ۲۹۵، حدیث: ۳۳۶۶ ...... المعجم الاوسط، ۴/ ۲۱۳، حدیث: ۵۷۵۴

دوسری قسم:

عابدین کا دھوکا

عابدین (عبادت گزاروں) کے کثیر گروہ ہیں جو دھوکے میں مبتلا ہیں: کوئی نماز کے سبب دھوکے میں مبتلا ہے، کوئی تلاوتِ قرآن کے باعث، کوئی حج کی وجہ سے، کوئی جہاد کے سبب اور کوئی زُہد کے باعث دھوکے میں مبتلا ہے۔ چنانچہ ہر ایک اپنے اپنے طریقہ کار کے مطابق مصروفِ عمل ہے اور دھوکے میں مبتلا ہے سوائے عقل مند لوگوں کے جن کی تعداد بہت کم ہے۔

فضائل ونوافل کے سبب دھوکے کا شکار ہونا:

عابدین کا ایک گروہ فرائض کو چھوڑ کر فضائل اور نوافل میں مشغول رہتا ہے اور بسا اوقات فضائل کے معاملے میں اس قدر مستغرق ہو جاتا ہے کہ اس میں حد سے گزر جاتا ہے مثلاً کسی عبادت گزار کو دورانِ وضو وسوسہ آتا ہے تو وہ وسوسے کو دور کرنے کے لئے اعضاء کو بار بار دھوتا ہے، یوں ہی کوئی عبادت گزار ایسے پانی کے پاک ہونے میں شبہ کا شکار ہو جاتا ہے جو شریعت کی رو سے پاک ہوتا لیکن وہ احتمالِ بعید کے سبب اسے ناپاک خیال کرتا ہے حالانکہ اگر حلال کھانے کا معاملہ ہو تو وہ اس میں احتمالِ بعید کا اعتبار نہیں کرتا بلکہ بسا اوقات احتمالِ قریب کو چھوڑ کر محض حرام کھانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اگر یہ شخص پانی میں ایسی احتیاط کرنے کے بجائے کھانے کے معاملے میں ایسی احتیاط برتتا تو صحابۂ کرام عَلَیۡھِمُ الرِّضۡوَان کے طریقہ کے قریب ہو جاتا۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت سیِّدُنا عمر فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے سے نجاست کے احتمال کے باوجود وُضو فرمایا جبکہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہ کے تقویٰ کا یہ عالَم تھا کہ آپ نے حرام میں پڑنے کے خوف سے کئی حلال چیزوں سے پرہیز کیا۔

وضو کے سبب دھوکے میں پڑنا:

اس گروہِ عابدین میں سے بعض وہ ہیں جو دورانِ وضو پانی بہانے میں اسراف کرتے ہیں حالانکہ اس سے منع کیا گیا ہے اور بعض وضو میں اتنا وقت لگاتے ہیں کہ نماز کا مستحب وقت نکل جاتا ہے بلکہ بعض اوقات نماز کا وقت بھی ختم ہو جاتا ہے اگر نماز کا وقت ختم نہ بھی ہو پھر بھی یہ لوگ یوں دھوکے میں مبتلا ہیں کہ نماز کا

مستحب وقت ان سے فوت ہو چکا ہے اور اگر یہ وقت بھی فوت نہ ہو پھر بھی پانی کے اسراف کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا ہیں اگر پانی کا اسراف بھی نہ ہو پھر بھی یہ لوگ یوں دھوکے سے محفوظ نہیں کہ یہ اپنی زندگی کی قیمتی چیز (یعنی وقت) کو وضو میں زیادہ دیر لگانے کے سبب ضائع کر رہے ہیں حالانکہ وہ اسے بچاسکتے ہیں مگر شیطان انہیں ایسے کئی مختلف طریقوں سے اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور کر رہا ہے اور انہیں غیر عبادت کو عبادت دکھا کر وسوسے کا شکار کر رہا ہے۔ چنانچہ یوں وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور ہو رہے ہیں۔

نماز کی نیت کے سبب دھوکے میں پڑنا:

اِس گروہ عابدین میں سے بعض وہ ہیں جن پر نماز کی نیت کرنے میں وسوسہ غالب رہتا ہے اور شیطان انہیں صحیح نیت کرنے کا موقع نہیں دیتا بلکہ بسا اوقات نیت کرنے میں اتنی تاخیر کروا دیتا ہے کہ جماعت یا پھر نماز کا وقت فوت ہو جاتا ہے پھر اگر یہ تکبیرِ تحریمہ کہہ بھی لیں تو بھی شک وشبہ میں رہتے ہیں کہ نیت صحیح ہوئی یا نہیں اور بسا اوقات یہ تکبیرِ تحریمہ کی ادائیگی میں وسوسوں کا شکار دکھائی دیتے ہیں حتّٰی کہ شدید احتیاط کی وجہ سے تکبیر کا صیغہ ہی بدل دیتے ہیں۔ نماز کے شروع میں ان کی یہ حالت ہوتی ہے پھر یہ پوری نماز میں غافل رہتے ہیں اور اپنے دل کو حاضر نہیں رکھ پاتے۔ ان کے اس دھوکے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ نماز سے پہلے نیت درست کرنے میں کوشش اور احتیاط کر کے دوسروں سے ممتاز ہو جائے اور بارگاہِ الٰہی میں بہتر مقام حاصل کیا جائے۔

مخارج کی ادائیگی کے سبب دھوکے میں پڑنا:

ایک گروہ کو دورانِ نماز یہ وسوسہ غالب رہتا ہے کہ سورۂ فاتحہ یا دیگر اَذکار میں حروف کی ادائیگی درست تھی یا نہیں، لہٰذا وہ پوری نماز میں تشدید کی ادائیگی، حروف مثلاً "ص اور ض" کے درمیان فرق اور مخارج درست کرنے پر غور کرتے رہتے ہیں اور مفہومِ قرآن سمجھنے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے سے غافل رہتے ہیں نیز فہمِ قرآن کے اسرار ورموز سے بے تعلق رہتے ہیں اور یہ بہت بڑا دھوکا ہے کیونکہ تلاوتِ قرآن کے سلسلے میں بندوں کو مخارج حروف کا صرف اتنا مکلَّف کیا گیا ہے کہ جو حروف عادۃً لوگوں کی زبانوں

پر جاری ہوں انہیں ادا کر سکیں۔[1]

اسے آپ مثال سے یوں سمجھیں جیسے کسی کو بادشاہ کی خدمت میں کوئی پیغام پہنچانے کا کہا جائے اور حکم دیا جائے کہ اس کو لفظ بلفظ بیان کرنا ہے اب وہ شخص بادشاہ کو پیغام سنانے میں مخارجِ حروف میں خوشنمائی کرے، بار بار الفاظ ادا کرتا رہے اور پیغام کے اصل مقصد سے غافل ہو کر آدابِ محفل کا خیال نہ رکھے تو یہ شخص یقیناً سزا کا حقدار ہے کہ اسے عقل سے عاری قرار دے کر پاگل خانے بھیج دیا جائے۔

تلاوتِ قرآن کے معاملہ میں دھوکے میں پڑنا:

ایک گروہ تلاوتِ قرآن کے معاملے میں دھوکے کا شکار ہے، وہ قرآنِ پاک کو تیز پڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں بلکہ بعض تو ایسے ہیں جو پورے قرآن کو ایک دن میں ختم کر لیتے ہیں۔ اس گروہ کے ایک فرد کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کی زبان پر تلاوتِ قرآن جاری ہوتی ہے اور اس کا دل خواہشات میں مبتلا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ قرآن کے معانی میں غور و فکر نہیں کرتا کہ زجر و توبیخ کے مضامین پڑھ کر اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرے، وعظ و نصیحت سن کر اس سے فائدہ اٹھائے، آیاتِ اَحکامات کو پڑھ کر اس کے متعلق سوچ و بچار کرے، مقاماتِ عبرت سے عبرت حاصل کرے نیز تلاوت کے دیگر مقاصد جو ہم نے تلاوتِ قرآن کے بیان میں ذکر کئے ہیں ان سے فائدہ اٹھائے۔ اس طبقہ کا یہ گمان ہے کہ نُزولِ قرآن کا مقصد صرف پڑھنا ہے چاہے وہ غفلت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو ان کی مثال اُس نوکر کی طرح ہے جس کے مالک نے اسے ایک خط دیتے ہوئے کہا کہ اس کے احکامات پر عمل کرنا مگر وہ نوکر اس خط کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے بجائے روزانہ اچھی اور خوبصورت آواز میں 100 مرتبہ پڑھتا رہے تو یقیناً وہ نوکر سزا کا مستحق ہے۔ چنانچہ جب بھی وہ یہ گمان کرے گا کہ اس خط کا مقصد صرف پڑھنا ہے تو اس سبب سے وہ دھوکے کا شکار ہی رہے گا۔ ہاں اگر کوئی اس مقصد سے قرآن کی تلاوت کرتا

---

[1]... دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1250 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، جلد اول، حصہ سوم، صفحہ 557 پر صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی نقل فرماتے ہیں: ط ت، س ث ص، ذ ز ظ، ا ء ع، ہ ح، ض ظ د، ان حرفوں میں صحیح طور پر امتیاز رکھیں، ورنہ معنی فاسد ہونے کی صورت میں نماز نہ ہو گی اور بعض تو س ش، ز ج، ق ک میں بھی فرق نہیں کرتے۔ مد، غُنّہ، اِظہار، اِخفاء، اِمالہ بے موقع پڑھا، یا جہاں پڑھنا ہے نہ پڑھا، تو نماز ہو جائے گی۔

ہے کہ وہ قرآن نہ بھولے بلکہ اسے یاد رکھ سکے اور یاد اس لئے رکھے تاکہ اس کے معانی کو سمجھ سکے اور معانی کو سمجھنے کے بعد اس پر عمل کرنا اس کے لئے ممکن ہو سکے تو ایسا شخص دھوکے میں مبتلا نہیں۔

خوش اِلحان قاری کا دھوکے میں پڑنا:

بسا اوقات تلاوتِ قرآن کرنے والا ایسا خوش اِلحان ہوتا ہے کہ وہ اپنی قراءت سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اسی کے باعث دھوکے کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ کلامِ الٰہی کو سننے اور مناجاتِ الٰہی کی لذت ہے حالانکہ یہ اس کی آواز کی لذت ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر یہی شخص اشعار یا دوسرا کلام خوش اِلحانی کے ساتھ پڑھے تو اسے اب بھی وہی لذت و سرور حاصل ہو گا جو تلاوتِ قرآن میں حاصل ہوتا ہے، لہٰذا یہ شخص دھوکے کا شکار ہے۔ اگر یہ اپنے دل میں غور و فکر کرتا تو جان لیتا کہ یہ لذّت و سُرور کلامِ الٰہی کی بہترین ترتیب اور معانی کی وجہ سے ہے یا خوش اِلحانی کے باعث ہے۔

روزے کے متعلق دھوکے کا شکار ہونا:

ایک گروہ روزے کے متعلق دھوکے کا شکار ہے۔ یہ گروہ یا تو مسلسل روزے رکھتا ہے یا پھر مُتبرّک اَیام میں روزہ دار رہتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ گروہ اپنی زبان کو غیبت، دل کو ریا اور پیٹ کو وقتِ افطار حرام لقمے سے نہیں بچاتا، ان کی زبانیں دن بھر فضول گفتگو میں مشغول رہتی ہیں مگر پھر بھی ان لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ یہ فرائض کو چھوڑ کر نوافل کی جانب توجہ کرتے ہیں لیکن نوافل کا حق بھی ادا نہیں کرتے اور یہ ان کا بہت بڑا دھوکا ہے۔

حج کے متعلق دھوکے کا شکار ہونا:

ایک طبقہ حج کے متعلق فریب کا شکار ہے، یہ لوگ حج کی روانگی سے قبل نہ تو لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں، نہ ان کے قرض چکاتے ہیں، نہ والدین سے اجازت لیتے ہیں[1] اور نہ ہی حلال مال لے کر حج کی ادا کرنے

---

[1] ... سیدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: حجِ فرض میں والدین کی اجازت درکار نہیں بلکہ والدین کو مُمانَعت کا اختیار نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ۱۰/ ۶۵۸)

کے لئے نکلتے ہیں یہی نہیں بلکہ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد انہی گناہوں میں مُلَوَّث نظر آتے ہیں۔ اور یہ لوگ حج کے راستے میں نماز اور دیگر فرائض کے معاملات میں غفلت کا شکار دکھائی دیتے ہیں، کپڑے اور بدن کی پاکیزگی کی جانب توجہ نہیں کرتے، ظلماً ٹیکس لینے والوں کو مال دیتے ہیں (یوں ظلم پر معاونت کرتے ہیں) نیز دورانِ سفر بیہودہ گوئی اور لڑائی جھگڑے سے اجتناب نہیں کرتے۔ ان میں سے کوئی مالِ حرام جمع کئے رکھتا ہے اور حج کے راستے میں رفقائے سفر پر اپنی شہرت اور ریا کی نیت سے خرچ کرتا ہے، یوں وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی دو نافرمانیوں کا مرتکب ہوتا ہے: ایک مالِ حرام جمع کرنا اور دوسرا ریا کی نیت سے مال خرچ کرنا۔ چنانچہ اِس نے نہ مال حلال کمایا اور نہ اسے صحیح جگہ خرچ کیا، پھر بُرے اخلاق اور بُری صفتوں سے آلودہ دل لے کر بیتُ اللہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور اس پاک گھر کی حاضری میں بھی اپنے دل کو پاک نہیں کر پایا اور اپنے بارے میں یہ گمان ہی کرتا رہا کہ ربّ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک وہ بھلائی پر ہے حالانکہ وہ دھوکے کا شکار ہے۔

مُبَلِّغِیْن کا دھوکے میں مبتلا ہونا:

ایک گروہ نیکی کی دعوت دینے اور برائی سے منع کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے مگر اپنی اصلاح سے غافل رہتا ہے۔ اس گروہ کا کوئی فرد جب کسی کو نیکی کی دعوت دیتا ہے تو سخت رویہ اپناتا ہے اور دل میں جاہ ومنصب کی خواہش رکھتا ہے نیز جب یہ خود کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو ایسی صورت میں کوئی دوسرا اسے منع کرے تو یہ اس پر غصہ ہوتا ہے اور اسے یوں کہتا ہے: میں خود احتساب کرنے والا ہوں، تم کون ہوتے ہو مجھے منع کرنے والے؟ یہ گروہ کبھی لوگوں کو مسجد میں جمع کرتا ہے اور جو شخص تاخیر سے آئے اس پر سخت نکتہ چینی کرتا ہے حالانکہ خود ان کی غرض ریا اور دنیوی مقام کی خواہش ہوتی ہے۔ اس گروہ میں سے بعض مسجد کی خدمت اپنے ذمہ لے لیتے ہیں اگر کوئی دوسرا شخص مسجد کے معاملات کی دیکھ بھال کرنا چاہے تو یہ گروہ اس سے جھگڑتا ہے۔ ان میں سے بعض رِضائے الٰہی کا گمان کرتے ہوئے اذان دیتے ہیں اور اگر کوئی دوسرا ان کی غیر موجودگی میں اذان دیدے تو اُس پر قیامت ٹوٹ جاتی ہے اور یہ اس سے کہتے ہیں: "تو نے ہمارا حق کیوں چھینا؟ اور ہمارے معاملات میں دخل اندازی کیوں کی؟" یوں ہی ان میں سے کوئی مسجد کا امام بنتا ہے تو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ بھلائی پر ہے حالانکہ امامت سے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اسے مسجد کا پیش امام کہا جائے، لہٰذا اگر اس کی موجودگی

میں کوئی بڑا عالم اور مُتَّقِی شخص بھی امامت کے لئے آگے بڑھے تو یہ بات اسے ناگوار گزرتی ہے۔

حَرَمَیْن شریفین میں رہائشی دھوکے میں مبتلا لوگ:

ایک گروہ حَرَمَیْن شریفین (یعنی مکہ مکرمہ یا مدینہ مُنوّرہ) میں سُکُونت اختیار کرنے کے باوجود دھوکے میں مبتلا رہتا ہے کیونکہ یہ گروہ نہ تو اپنے دل کا محاسبَہ کرتا ہے نہ ہی اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرتا ہے، ان کے دل اپنے شہر کی یادوں میں مگن ہوتے ہیں جبکہ توجہ اس جانب ہوتی ہے کہ ان کی پہچان اس طرح ہو کہ فلاں ساکنِ مکّہ (مکہ کا رہائشی) ہے بلکہ بسا اوقات تو خود کہتے ہیں: میں نے مکۂ مکرمہ میں اتنے سال گزارے۔ اگر انہیں یہ معلوم ہو کہ اس طرح صراحۃً کہنے میں انہیں عار کا سامنا ہو گا تو پھر صراحۃً اس بات کا اظہار نہیں کرتے لیکن دل میں یہ چاہت ہوتی ہے کہ لوگ انہیں اسی حوالے سے پہچانیں۔ بعض لوگ مکہ مکرمہ اور مدینہ مُنوّرہ میں مستقل رہائش اختیار کرنے کے باجود حرص و طمع سے باز نہیں آتے، ان کی لالچی نگاہیں لوگوں کے صَدَقہ و خیرات کی جانب لگی ہوتی ہیں اور جب انہیں کچھ مال مل جاتا ہے تو یہ لوگ اس میں بخل کرتے ہیں اور ان کا نفس کسی فقیر پر ایک لقمہ صدقہ کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا۔ یوں ان کا حرص و طمع اور ریا ظاہر ہو جاتا ہے اگر یہ لوگ وہاں رہائش اختیار نہ کرتے تو ان مُہلِکات سے دور ہونا ان کے لئے ممکن ہوتا لیکن مکہ و مدینہ کے رہائشی ہونے کی تعریف و توصیف ان مہلکات کی موجودگی میں بھی انہیں وہاں رہنے پر مجبور کرتی ہے یوں یہ لوگ دھوکے کا شکار ہیں۔

معلوم ہوا کوئی عمل اور عبادت ایسی نہیں ہے جو آفات سے خالی ہو، لہٰذا جو شخص آفات کے راستوں کو نہیں جانتا اور ان پر اعتماد کر بیٹھتا ہے وہ دھوکے میں ہے۔ اس کی وضاحت اسی کتاب کے مختلف ابواب کے مطالعے سے سامنے آسکتی ہے جس میں ہم نے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر نیک کاموں میں پائی جانے والی آفات کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا ہے، یہاں صرف مختصر وضاحت کرکے ان کی جانب اشارہ کیا ہے۔

زُہد کے حوالے سے فریب میں مبتلا لوگ:

عابدین کا ایک گروہ مال سے بے رغبتی اختیار کرکے ادنیٰ قسم کے لباس اور کھانے پر گزارہ کرتا ہے نیز

اپنی رہائش مسجد میں رکھتا ہے، اس گروہ کا خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ زاہدین کے مرتبے تک پہنچ چکے ہیں حالانکہ یہ لوگ علم، وعظ و نصیحت اور زُہد کے ذریعے حُبِّ جاہ اور شہرت کے طالب ہوتے ہیں۔ اس گروہ نے آسان معاملہ کو چھوڑتے ہوئے مہلکات میں سے بھی بڑے مُہْلِك کو اختیار کرلیا ہے کہ دُنیوی مَنْصَب اور شہرت کی چاہت مال کی ہلاکت سے بڑی ہلاکت ہے۔ اگر یہ گروہ طَلَبِ شہرت کے بجائے مال کی محبت میں ہی گرفتار رہتا تو یہ طلب شہرت کے مقابلے میں کچھ آسان تھا۔ اس گروہ کے دھوکے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو دنیا سے بے رغبت سمجھتا ہے مگر اس گروہ کے کسی فرد کو دنیا کا مفہوم ہی معلوم نہیں اور نہ اس نے جانا کہ دنیوی لذتوں کی انتہا دنیوی مقام و مرتبہ کی خواہش ہے اور جو بھی اس میں رغبت رکھے گا وہ منافق، حاسد، مُتَکَبِّر، ریاکار اور دیگر بُری صِفات سے مُتَّصِف ضرور ہو گا۔ بسا اوقات یہ گروہ دنیوی مقام و مرتبہ کی خواہش کو ترک کرکے خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کرلیتا ہے مگر اس کے باوجود فریب میں مبتلا رہتا ہے۔ چنانچہ یہ گروہ مالداروں پر تکبُّر کرتے ہوئے ان کے ساتھ سخت رَوَیّہ اپناتا ہے اور انہیں حقارت سے دیکھتا ہے اور ان سے زیادہ خود اپنے لئے مغفرت کی امید رکھتا ہے نیز اپنے عمل کو اچھا سمجھتا ہے اور قلبی خباثتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کا اسے اندازہ بھی نہیں ہوتا۔ اس گروہ کے کسی فرد کو اگر کوئی مال ہدیہ کرتا ہے تو اس خوف سے نہیں لیتا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اس کا زُہد ختم ہوچکا ہے اور اگر اس سے یہ کہا جائے کہ یہ حلال مال ہے ابھی لے لو تنہائی میں واپس کر دینا تو پھر بھی وہ لوگوں کی مذمت کے خوف سے اس مال کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور یہ بات اسے دنیا کی تمام لذتوں سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔ یہ شخص اپنے آپ کو زاہد (دنیا سے کنارہ کش) خیال کر رہا ہوتا ہے حالانکہ یہ دھوکے کا شکار ہوتا ہے چنانچہ یہ مال داروں کی عزت کرنے، انہیں فُقَرا پر ترجیح دینے، اپنے چاہنے اور تعریف کرنے والوں کی طرف زیادہ شفقت کرنے سے باز نہیں آتا نیز دوسرے زاہدوں کی جانب مائل لوگوں سے نفرت کرنے سے نہیں رُکتا، یہ سب باتیں شیطان کی جانب سے دھوکا اور فریب ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے۔

ظاہری عمل اور دھوکا:

عابدین کا ایک گروہ ظاہری اعمال کے سلسلے میں اپنے نفس پر سختی کرتا ہے کبھی پورے دن میں ایک ہزار

نوافل ادا کرنے کے ساتھ ساتھ مکمل قرآن بھی پڑھ لیتا ہے لیکن دل کے معاملہ میں غافل ہی رہتا ہے اور دل کو ریا، تکبر، خود پسندی اور دیگر مہلکات سے پاک کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اوّلاً یہ گروہ ان مہلکات کو جانتا نہیں اور اگر جان بھی لے تو پھر انہیں اپنے حق میں مُہْلِک نہیں سمجھتا اور اگر انہیں مہلک بھی سمجھ لے تو یہ گمان کرتا ہے کہ ظاہری اعمال کے سبب ان کی بخشش ہو جائے گی اور دل کے احوال پر ان کی پکڑ نہ ہو گی۔ اور اگر پکڑ ہو جانے کا خیال دل میں پیدا ہو بھی جائے تو یہ گروہ یہ سوچتا ہے کہ ظاہری عبادت کی وجہ سے ان کی نیکیوں کا پلڑا بھاری رہے گا۔ ہائے افسوس! عقلمند اور متقی لوگوں کے تقویٰ و اخلاق کا ایک ذرّہ ان لوگوں کے پہاڑ جیسے ظاہری اعمال سے افضل ہے مگر پھر بھی یہ دھوکے میں مبتلا گروہ لوگوں سے بد اخلاقی سے پیش آتا ہے اور سخت رَوَیہ اپناتا ہے، ریا اور اپنی تعریف کو پسند کرتا ہے اور جب اس گروہ کو کہا جائے کہ تمہارا تعلق گروہِ اولیا اور محبوب بندوں سے ہے تو دھوکے میں مبتلا یہ گروہ خوش ہو کر ان کی تصدیق کرتا ہے اور مزید دھوکے کا شکار ہو کر یہ گمان کرتا ہے کہ لوگوں کا انہیں پاکیزہ سمجھنا اس بات کی دلیل ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں انہیں مقام حاصل ہے حالانکہ یہ گروہ نہیں جانتا کہ لوگ یہ بات ان کی باطنی خباثت کی لاعلمی کے سبب کہتے ہیں۔

کثرتِ نوافل کے سبب دھوکا:

ایک گروہ فرائض کو اہمیت دینے کے بجائے نوافل کو زیادہ اہمیت دیتا ہے اس گروہ میں سے بعض افراد چاشت، صَلٰوۃُ اللَّیْل اور دیگر نوافل ادا کرنے میں خوش دکھائی دیتے ہیں جبکہ انہیں فرض نماز میں نہ لذت ملتی ہے نہ ہی اسے مستحب وقت میں ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں نیز اس حدیثِ قُدسی کو بھول جاتے ہیں: میرا قُرب حاصل کرنے والے فرض کی ادائیگی کی مثل کسی اور عمل سے میرا قرب نہیں پاسکتے۔[1] اور یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ بھلائی کے کاموں کے درمیان ترتیب کا خیال نہ رکھنا بھی ناپسند عمل ہے جیسے کبھی انسان پر دو فرض متعین ہوتے ہیں ایک اگر اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے تو دوسرا فرض اس کے ذمے باقی رہتا ہے ایسے ہی کبھی دو نفلی کام ہوتے ہیں ایک کا وقت تنگ ہو جائے تو دوسرے کے وقت کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ اگر اس ترتیب کا خیال نہ رکھے گا تو دھوکے میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس کی بے شمار مثالیں ہیں کیونکہ اطاعت اور گناہ

---

[1] ...بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۴/ ۲۴۸، حدیث: ۶۵۰۲

دونوں ظاہر ہیں اور بعض پوشیدہ عبادتیں بعض پر مقدم ہوتی ہیں جیسا کہ فرض تمام نوافل پر مقدم ہے ایسے ہی فرضِ عَین فرضِ کِفایہ پر مقدم ہے نیز وہ فرضِ کِفایہ جسے کوئی ادا کرنے والا نہ ہو اس فرض کفایہ پر مُقَدَّم ہے جسے ادا کرنے والا موجود ہو۔ ایسے ہی بعض فرض عین کی اہمیت زیادہ ہے اور بعض کی کم۔ جس کی زیادہ ہے اس کو اہمیت بھی زیادہ دے، اسی طرح جس عمل کے فوت ہو جانے کا خوف ہو اسے اس عمل پر مقدم کرے جس کا خوف نہ ہو، یہ اسی طرح ہے جس طرح والِدہ کی ضرورت کو والد کی ضرورت پر ترجیح دینا ضروری ہے۔ بارگاہِ نبوی میں ایک شخص نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہمارے حُسْنِ سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا: تیری ماں۔ پھر اس نے عرض کی: اس کے بعد۔ فرمایا: تیری ماں۔ پھر عرض کی: پھر کون؟ فرمایا: تیری ماں۔ عرض کی: اس کے بعد؟ فرمایا: تیرا باپ، پھر جو جتنا قریب ہو۔[1]

ضروری ہے کہ صلہ رحمی میں قریبی رشتہ دار کو مقدم کرے اگر رشتہ دار برابر ہوں تو سب سے زیادہ حاجتمند کو مقدم کرے اگر حاجت میں بھی سب برابر ہوں تو متقی اور پرہیز گار کو مقدم کرے ایسے ہی جس شخص کے پاس اتنا مال ہو کہ والِدین کا نفقہ اور حج کے اَخراجات دونوں ایک ساتھ برداشت نہ کر سکے لیکن پھر بھی حج ادا کرے تو ایسا شخص دھوکے میں ہے بلکہ اسے چاہئے کہ والدین کے حق کو حج پر مقدم کرے۔ یہ وہ صورت ہے جس میں زیادہ اہم فرض کو کم اہمیت والے فرض پر مقدم کیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر کسی سے وعدہ کیا ہو اور نماز جمعہ کا وقت آ جائے اگرچہ فی نفسہٖ وعدہ پورا کرنا ثواب ہے لیکن جمعہ فوت ہونے کا خوف ہو تو وعدہ کو پورا کرنا گناہ ہے۔ اسی طرح کسی کے کپڑے پر نجاست لگ جائے اور وہ اپنے والدین اور گھر والوں پر غصہ ہو کر انہیں برا بھلا کہے، یہاں دونوں سے بچنا ضروری ہے مگر والدین کو تکلیف نہ دینا زیادہ اہم ہے۔ اسی طرح مُمانَعَت اور اِطاعت والے کاموں کی بہت سی مثالیں ہیں کہ جو ان میں ترتیب کا لحاظ نہیں رکھے گا وہ دھوکے کا شکار ہو جائے گا اور یہ دھوکا نہایت پیچیدہ قسم کا ہے کیونکہ یہاں دھوکا عبادت کے حوالے سے ہے کہ اہم واجبات اور اطاعات کو چھوڑنے کی وجہ سے اب وہ اطاعت گناہ میں بدل چکی ہے جسے یہ دھوکے

---

[1]... مسلم، کتاب البر والصلة، باب بر الوالدین وانهما احق به، ص ۱۳۷۹، حدیث: ۲۵۴۸

سنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب بر الوالدین، ۴/ ۱۸۳، حدیث: ۳۶۵۸

میں مبتلا شخص سمجھ نہیں پاتا۔ ایسا ہی ایک دھوکا فقہی اختلاف میں مشغول ہونا ہے اور اس کا شکار وہی شخص ہوتا ہے جس پر ظاہری و باطنی اطاعت اور نافرمانیوں کے احکامات سیکھنا ضروری ہوں مگر وہ فقہی اختلاف میں مشغول ہو جائے حالانکہ فقہ کا مقصد دوسروں کی ضرورت کے مسائل کی پہچان کرنا ہے جبکہ اس کے دل کو جس چیز کی حاجت ہے اس کی پہچان کرنا اس کے لئے زیادہ ضروری ہے مگر شہرت و مقام کی محبت، فخر کی لذت، ہم عصر لوگوں پر غَلَبہ اور ان سے آگے بڑھ جانے کا شوق اسے اندھا کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے معاملے میں بھی دھوکے کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ میں اہم دینی فریضہ میں مصروف ہوں۔

تیسری قسم: صوفیا کا دھوکا

ان پر دھوکے کا غَلَبہ زیادہ ہوتا ہے ان کے کئی گروہ ہیں۔

پہلا گروہ:

یہ گروہ موجودہ دور کے صوفیا پر مشتمل ہے مگر جس کی اللہ عَزَّوَجَلَّ حفاظت فرمائے وہ دھوکے سے محفوظ ہے۔ یہ گروہ لباس، شکل و صورت اور گفتگو کے ذریعے دھوکے کا شکار ہے۔ اس گروہ نے سچے صوفیوں کے لباس اور شکل و صورت کی نقل کرتے ہوئے ان کے الفاظ، طور طریقے اور اصطلاحات کا استعمال کیا۔ ان کی طرح سماع، وجد، طہارت و نماز کا اہتمام کیا نیز یہ لوگ جائے نماز پر بیٹھ کر اپنے گریبان میں سر ڈال کر مُراقبہ کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ پُر دَرد آہ نکالتے ہیں، آہستہ آواز میں بات کرتے ہیں اور ایسے ہی دیگر باتوں میں مشابہت کی کوشش کرتے ہیں اور جب بتکلُّف ان امور میں مُشابَہَت اختیار کر لیتے ہیں تو اپنے آپ کو صوفی گمان کرتے ہیں حالانکہ نہ رِیاضت و مجاہدہ کیا، نہ کبھی حقیقی مراقبہ کیا اور نہ ہی کبھی ظاہر و باطن کو گناہوں سے بچانے کی کوشش کی اور یہ سب تو تصوُّف کی ابتدائی منزل کی باتیں ہیں اور اگر اس منزل کو طے بھی کر لیں تو پھر بھی ان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو صوفیا میں شمار کریں اور شمار بھی کیسے کر سکتے ہیں کہ نہ تو کبھی صوفیا کی باتوں پر عمل کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے اوپر کسی بات کو لازم کرتے ہیں بلکہ مُشتَبَہ و حرام اور بادشاہوں کے اموال کی جانب رغبت رکھتے ہیں یہی نہیں بلکہ ایک روٹی، ایک پیسہ اور ایک دانے تک کی لالچ رکھتے ہیں۔ معمولی چیزوں پر ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں، اگر کوئی ان کی بات کی ذرا سی مخالفت کر دے تو اس کی بے عزتی کرتے

ہیں۔ ان کا دھوکا بالکل ظاہر ہے اور ان کی مثال اس بوڑھی عورت کی طرح ہے جس نے یہ سنا ہو کہ بہادُر اور دلیر مجاہِد کا نام سرِ فہرست لکھا جاتا ہے اور اسے انعام میں جاگیر دی جاتی ہے۔ اب وہ عورت جاگیر کی خواہش کرتے ہوئے زِرہ اور خَود پہنے اور جذبہ بڑھانے والے چند اشعار سیکھے اور بار بار انہیں گنگنائے تاکہ میدان جنگ میں باآسانی انہیں پڑھ سکے نیز وہ جنگ کرنے والے بہادروں کی صف بندی کی ترتیب اور سلامی کا طریقہ معلوم کرے نیز ان کے لباس، چلنے پھرنے، بات چیت کرنے کا انداز معلوم کرے اور پھر لشکر میں چلی جائے تاکہ اس کا نام بھی بہادُروں کی فہرست میں لکھا جائے مگر جب وہاں پہنچے اور نام لکھوانے کے لئے آگے بڑھے تو کہا جائے کہ اس کی زرہ اور خَود اتار کر دیکھا جائے کہ یہ کون ہے؟ اور اس کا مقابلہ کسی بہادر سے کروایا جائے تاکہ طاقت وبہادُری کا اندازہ ہوسکے لیکن جب اس کی زرہ اور خَود اتار اجائے تو معلوم ہو کہ وہ ایک کمزور بڑھیا ہے جو اچھی طرح چل بھی نہیں سکتی، نہ زِرہ اور خَود اٹھانے کی طاقت رکھتی ہے۔ یہ دیکھ کر اس سے کہا جائے کہ کیا تو بادشاہ کے ساتھ مذاق کرتی ہے اور ہمیں دھوکا دینا چاہتی ہے؟ پھر حکم ہو کہ اس بے وقوف کو پکڑ کر ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈال دیا جائے بالآخر اسے کچل دیا جائے۔ یہی حال دھوکے میں مبتلا اس گروہِ صوفیا کا بروزِ قیامت ہو گا کہ جب ان کی آنکھوں سے پردے اٹھ جائیں گے اور اس حاکمِ حقیقی عَزَّوَجَلَّ کے سامنے انہیں پیش کیا جائے گا جو ظاہری وَضع قَطَع کو نہیں بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے۔

دوسرا گروہ:

صوفیا کا یہ گروہ دھوکے میں مبتلا ہونے میں مذکورہ صوفیا سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ ان پر معمولی کپڑے پہننا اور حقیر طرزِ زندگی اختیار کرنا گراں گزرتا ہے مگر چونکہ یہ اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرنا چاہتے تھے اور عمدہ لباس سے جدا نہ ہونا چاہتے تھے، لہٰذا انہوں نے ریشمی لباس کو چھوڑ کر عمدہ اور باریک کپڑے کی گدڑیاں پہن لیں نیز مختلف رنگوں کے جائے نماز استعمال کرنا شروع کر دیئے، یوں انہوں نے ریشم سے بھی قیمتی لباس پہنے۔ ان کے ایک طبقہ کا یہ گمان ہے کہ صرف رنگین اور پیوند زدہ کپڑے پہننے سے وہ صوفی بن چکے ہیں حالانکہ یہ طبقہ بھول گیا کہ صوفیا کے رنگین کپڑے پہننے کی وجہ یہ تھی کہ میل کچیل کو دور کرنے کے لئے انہیں بار بار دھونا نہ پڑے اور پیوند لگے کپڑوں کی وجہ یہ تھی کہ ان کے کپڑے پھٹ چکے تھے، لہٰذا انہوں نے نئے کپڑے

پہننے کے بجائے انہی کپڑوں میں پیوند لگالئے جبکہ یہ طبقہ عمدہ کپڑوں کے مختلف ٹکڑوں کو جوڑ کر اپنی گدڑیاں بہترین طریقہ سے سیتا ہے تو یہ طبقہ کس طرح صوفیا کی عادات کی مثل ہو سکتا ہے۔ ان کی حماقت کی مثال دھوکے میں مبتلا دوسرے افراد سے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ یہ طبقہ عمدہ کپڑوں اور لذیذ کھانوں کو پسند کرتا ہے، راحت کی زندگی کی خواہش کرتا ہے اور بادشاہوں کے اموال کھاتا ہے نیز جب یہ طبقہ ظاہری گناہ سے نہیں بچتا تو باطنی گناہ سے کیسے بچ سکتا ہے؟ ان سب باتوں کے باوجود یہ خود کو بھلائی پر سمجھتا ہے۔ اس طبقہ کا شر مخلوق تک پھیل چکا ہے۔ چنانچہ جو اس کی پیروی کرتا ہے ہلاک ہو جاتا ہے اور جو پیروی نہیں کرتا وہ حقیقی صوفیوں سے بد ظن ہو کر یہ گمان کرتا ہے کہ سب صوفیا ایک ہی طرح کے ہیں یوں وہ حقیقی صوفیا کے بارے میں زبان درازی کرتا ہے، یہ تمام معاملات اس طبقہ کی نحوست اور برائی کی وجہ سے ہوئے۔

تیسرا گروہ:

یہ گروہ عِلْمِ مَعْرِفَت و مشاہدۂ حق، احوال و مقامات صوفیا کو عبور کرنے نیز عالَمِ شہادت کا مشاہدہ کرنے اور قُربِ الٰہی کا دعویدار ہے حالانکہ اس گروہ کو ان باتوں کے صرف نام اور الفاظ ہی معلوم ہیں جو انہوں نے زبانی سن کر اور تکرار کر کے یاد کئے ہیں لیکن پھر بھی یہ گروہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اگلے اور پچھلوں سے بھی بڑے مرتبے پر فائز ہے۔ یہ گروہ عوام تو کیا فُقَہا، مُفَسِّرِین، مُحَدِّثِین اور دیگر تمام عُلَما کو بھی حقارت سے دیکھتا ہے۔ ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی کسان ہوتا ہے جو کاشتکاری کو چھوڑ کر اور کوئی کپڑا بننے والا ہوتا ہے جو اپنے کام کو چھوڑ کر چند دن صوفیا کی صحبت میں گزار کر ان کے ظاہری کلمات سیکھ کر اس طرح تکرار کرتا ہے گویا اس پر الہام ہونے لگا ہے اور وہ اَسرار و رُموز کے متعلق خبر دے رہا ہے۔ یہ گروہ علما و عابدین کو حقیر جانتے ہوئے یہ تک کہہ دیتا ہے کہ عابدین مزدور ہیں جو مَشَقَّت میں پڑتے ہیں جبکہ عُلَما اپنی ظاہری گفتگو کے سبب اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور ہیں خود اپنے لئے بارگاہِ الٰہی تک رسائی اور قُرب کا دعوٰی کرتا ہے حالانکہ یہ گروہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک فاسق اور منافق ہے اور اہْلِ بصیرت کے نزدیک اَحمق اور جاہل ہے کیونکہ اس نے نہ علم سیکھا، نہ اخلاق سے آشنائی حاصل کی، نہ کبھی کوئی نیک عمل کیا نیز خواہشات کی پیروی کرنے، لَغْوِیات سیکھنے اور یاد کرنے کے علاوہ کبھی اپنے دل کا محاسبہ نہ کیا۔

چوتھا گروہ:

صوفیا کا یہ گروہ ہر کام کو جائز سمجھنے کے معاملہ میں دھوکے کا شکار ہے، اس گروہ نے شریعت کی بِساط اُلٹ دی، احکامات کو چھوڑ دیا، حلال و حرام کو برابر جانا۔ اس گروہ کا ایک طبقہ یہ گمان کرتا ہے کہ جب اللہ عَزَّوَجَلَّ کو میرے عمل کی حاجت نہیں تو میں خود کو کیوں تھکاؤں؟ ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ لوگوں کو اس بات کا مکلف بنانا کہ وہ اپنے دلوں کو خواہشات اور دنیا کی محبت سے پاک کریں یہ ناممکن ہے اور اس کے دھوکے میں مبتلا وہی ہو سکتا ہے جسے تجربہ نہ ہو جبکہ ہم تجربہ کر کے جان چکے ہیں کہ یہ بات کسی صورت ممکن نہیں حالانکہ یہ بے وقوف طبقہ یہ نہیں جانتا کہ لوگوں کو خواہشات و غصہ جڑ سے ختم کرنے کا مکلف نہیں بنایا گیا بلکہ ان کے اسباب ختم کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے تاکہ یہ دونوں عقل اور شریعت کے تابع ہو جائیں۔ ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ ظاہری اعمال کا کوئی وزن نہیں ہے درحقیقت دلوں کو دیکھا جائے گا اور ہمارے دل محبت الٰہی سے لبریز اور معرفتِ الٰہی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہمارے جسم دنیا میں مصروف ہیں جبکہ ہمارے دل اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں حاضر ہیں، ہماری خواہشات کا تعلق ظاہر سے ہے نہ کہ دل سے۔ اس گروہ کا گمان یہ ہے کہ یہ لوگ عوام کے مَرتبہ سے آگے پہنچ چکے ہیں اور ظاہری اعمال کے ذریعہ نفس کو سدھارنے سے بے نیاز ہو چکے ہیں نیز قوی مَعْرِفَت کی وجہ سے خواہشات اب ان کے لئے راہِ خدا میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ یہ گروہ اپنا درجہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام کے درجہ سے بھی بلند سمجھتا ہے کہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام ایک لَغْزِش کو بھی بارگاہِ الٰہی سے دوری کا سبب جانتے تھے، یہاں تک کہ بعض اپنی ایک لغزش پر برسوں گریہ وزاری کرتے رہے۔ صوفیا سے مشابہت رکھنے والے اس گروہ کے دھوکے کی اقسام شمار سے باہر ہیں، ہر ایک دھوکے کی بنیاد شیطانی وسوسوں پر ہے کیونکہ یہ گروہ علم حاصل کرنے سے پہلے ہی مجاہدہ میں مشغول ہو جاتا ہے نیز کسی ایسے شیخ کی پیروی بھی نہیں کرتا جو علم و عمل کا پیکر اور لائق اقتدا ہو، اس گروہ کے بے شمار طبقات ہیں۔

پانچواں گروہ:

دھوکے کا شکار یہ گروہ پچھلے تمام گروہوں سے آگے بڑھ چکا ہے۔ یہ گروہ بظاہر تو برے اعمال سے بچتا

ہے، رزق حلال کماتا ہے اوراپنے دل کی نگرانی بھی کرتا ہے مگر حالت یہ ہوتی ہے کہ اس گروہ کا ہر فرد زُہد، توکل، رِضا اور محبتِ الٰہی کے مختلف مقامات کا دعویدار ہوتا ہے جبکہ نہ وہ ان مقامات کی حقیقت کو جانتا ہے نہ ہی ان کی شرائط، علامات وآفات کو پہچانتا ہے۔ اس گروہ کا ایک طبقہ وجد اور محبتِ الٰہی کا دعویدار ہوتا ہے اور اس کا گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ محبتِ الٰہی میں دیوانہ ہو چکا ہے مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے بارے میں کفریہ یا گمراہ قسم کے خیالات رکھ رہا ہوتا ہے۔ یہ طبقہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی معرفت سے پہلے ہی اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ یہ طبقہ نہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچتا ہے، نہ رِضائے الٰہی کو نفسانی خواہش پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ طبقہ مخلوق سے حیا کی وجہ سے بعض کاموں کو چھوڑ دیتا ہے جبکہ تنہائی میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا نہ کرتے ہوئے ان کاموں کو کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ یہ تمام باتیں محبت کے منافی ہیں۔ اس گروہ کا ایک طبقہ قناعت وتوکل کی جانب مائل ہوتا ہے زادِ راہ کے بغیر جنگلوں میں پھرتا ہے تاکہ تَوَکُّل کا دعویٰ صحیح ہو جائے یہ طبقہ نہیں جانتا کہ یہ ایسی بدعت ہے جو صحابۂ کرام اور بزرگانِ دین سے منقول نہیں حالانکہ ان نُفوسِ قُدسیہ کو توکل کی زیادہ پہچان تھی، ان کے نزدیک توکل اس بات کا نام نہیں تھا کہ زادِ راہ کو چھوڑ کر خود کو ہلاکت پر پیش کیا جائے بلکہ یہ حضرات خود زادِ راہ لیتے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ پر بھروسا کرتے تھے نہ کہ زادِ راہ پر جبکہ یہ طبقہ زادِ راہ کو چھوڑ کر کسی نہ کسی سبب پر بھروسا کئے ہوتا ہے۔ بہر حال نجات دینے والے جتنے مقامات ہیں ان سب میں دھوکا موجود ہے جس میں کثیر افراد مبتلا ہو چکے ہیں اور ان مقامات کی نشان دہی ہم نے اس کتاب کی چوتھی جلد میں کی ہے۔

چھٹا گروہ:

یہ گروہ رزق کے معاملہ میں خود پر سختی کرتا دکھائی دیتا ہے اور خالص رزقِ حلال کی جستجو میں اس قدر مُنْہَمِك ہوتا ہے کہ دل اور اعضاء کی اصلاح سے غافل رہ جاتا ہے۔ اس گروہ کا ایک طبقہ تو ایسا ہے جو کھانے، کپڑے اور مکان کے معاملے میں حلال پہلو سے کوتاہی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور دیگر معاملات میں خوب چھان بین کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس غافل گروہ کو یہ نہیں معلوم کہ بندہ فقط کسبِ حلال سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو راضی نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسبِ حلال کو چھوڑ کر باقی اعمال کی ادائیگی کر کے راضی کر سکتا ہے بلکہ اس کی رِضا تو تمام احکامات پر عمل اور نافرمانیوں سے بچنے میں ہے، لہٰذا جو شخص یہ گمان کرے کہ بعض کام کافی ہیں اور

ان کے ذریعہ نجات مل جائے گی وہ دھوکے میں ہے۔

ساتواں گروہ:

یہ گروہ حُسنِ اخلاق، عاجزی اور سخاوت کا دعویدار ہے اور صوفیا کی خدمت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ یہ گروہ بعض لوگوں کو اکٹھا کر کے صوفیا کی خدمت کرتا ہے لیکن اس سے ان کا مقصود دنیوی مقام کا حصول اور مال جمع کرنا ہوتا ہے، ان کی غرض لوگوں پر تکبُّر کرنا ہوتا ہے جبکہ یہ خود کو خدمت گار اور عاجز ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی خواہش لوگوں پر بلندی چاہنا ہوتی ہے جبکہ یہ خود کو صوفیا کو نفع پہنچانے والا ظاہر کرتے ہیں، ان کی چاہت لوگوں کو اپنا تابع بنانے کی ہوتی ہے جبکہ یہ بظاہر خود کو دوسروں کے پیچھے چلنے والا ظاہر کرتے ہیں۔ یہ گروہ حرام و مُشتَبہ مال جمع کرتا ہے تاکہ صوفیا پر خرچ کر کے اپنے پیروکاروں میں اضافہ کرے اور ان صوفیا کی خدمت کرنے کی وجہ سے ان کا نام مشہور ہو جائے۔ ان کا ایک طبقہ بادشاہوں سے مال لے کر صوفیا پر خرچ کرتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ صوفیا کو حج کروانے کی نیت سے مال لیتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مقصود نیکی اور راہِ خدا میں خرچ کرنا ہے حالانکہ ان کی اَصل وَجہ رِیا اور شُہرت کا حصول ہوتا ہے۔ اس گروہ کی نشانی یہ ہے کہ یہ گروہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے تمام ظاہری و باطنی احکامات کی طرف سے غافل ہوتا ہے اور حرام مال لے کر اسے راہِ خدا میں خرچ کر کے رِضائے الٰہی کا طَلَب گار ہوتا ہے اور جو حرام مال کو حج کے راستے میں اچھی نیت سے خرچ کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جو مسجدیں تعمیر کرے لیکن پلستر نجاست سے کرے اور یہ گمان کرے کہ اس کا مقصد فقط تعمیر کرنا ہے۔

آٹھواں گروہ:

یہ گروہ خود کو مجاہدہ، اپنی اخلاقی تربیت کرنے اور نفس کو عیبوں سے پاک کرنے میں مصروف رکھتا ہے، اس معاملہ میں نہایت غور و فکر سے کام لیتا ہے نفس کے عیب اور اس کے دھوکے کی پہچان کے بارے میں بحث و مُباحثہ کرتا ہے نیز نفس کے عیبوں کو تلاش کرنے اور اس کی آفات کی باریکیاں نکالنے میں لگا رہتا ہے اور یہ کہتا ہے: نفس میں یہ بات عیب ہے اور عیب سے غافل رہنا بھی عیب ہے اور عیب کی جانب توجہ کرنا بھی

عیب ہے۔ یوں یہ گروہ اس طرح کی گفتگو میں رغبت رکھتے ہوئے مسلسل اپنے اوقات کو ضائع کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اپنی زندگی کا طویل حصہ عیبوں کی تلاش اور ان کو دور کرنے کے طریقے لکھنے میں گزارنے والے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو حج میں آنے والی رکاوٹوں اور خرابیوں کو ڈھونڈتا رہتا ہے مگر حج ادا نہیں کرتا یوں اسے حج میں آنے والی رکاوٹوں اور خرابیوں کو جاننے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

نواں گروہ:

یہ گروہ دھوکے میں دوسرے گروہوں سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ چنانچہ جب یہ راہِ سلوک پر چلا تو اس پر معرفت کے دروازے کھلنا شروع ہوئے، جب اس نے معرفت کی ابتدائی خوشبو سونگھی تو حیران ہو کر اس سے خوش ہوا نیز اس خوشبو کی انفرادیت نے اسے تعجب میں ڈال دیا، لہٰذا اس کا دل اسی جانب متوجہ ہو کر رہ گیا اور خود پر معرفت کے دروازے کھلنے اور دوسروں پر بند رہنے کی کیفیت کے بارے میں ہی غور و فکر کرتا رہا حالانکہ یہ سب دھوکا ہے کیونکہ راہِ سلوک کے عجائبات کی کوئی انتہا نہیں۔ اگر کوئی شخص ہر تعجب خیز بات پر ٹھہر جائے اور اس تک محدود ہو جائے تو اس کے قدم رک جائیں گے اور وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکے گا۔ ایسے شخص کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو بادشاہ سے ملاقات کا ارادہ کرے لیکن اس کے محل کے باہر باغ میں موجود ایسے پھول اور کلیاں دیکھنے میں لگ جائے جو اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھیں، وہ شخص انہیں ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہے اور حیران ہوتا رہے یہاں تک کہ بادشاہ سے ملاقات کا وقت ختم ہو جائے۔

دسواں گروہ:

یہ گروہ مذکورہ تمام گروہوں سے بڑھ کر دھوکے میں مبتلا ہے۔ اس گروہ نے راہِ سلوک میں برسنے والے انوار و تجلیات اور ملنے والے انعامات کی جانب توجہ بالکل نہ کی اور نہ خوشی سے پھولا بلکہ راہِ سلوک پر چلنے کی کوشش جاری رکھی یہاں تک کہ قریب تھا کہ یہ گروہ قربِ الٰہی کو پا لیتا مگر اس نے پہلے سے ہی یہ گمان کر لیا کہ وہ قُربِ الٰہی حاصل کر چکا ہے یوں یہ قُربِ الٰہی کے حصول سے محروم ہو گیا اور دھوکے کا شکار ہو گیا اور یہ اس لئے کہ قربِ الٰہی کے درمیان 70 نورانی حجابات ہیں اور راہِ سلوک کا مسافر کسی ایک پردہ تک

نہیں پہنچتا کہ قرب الٰہی پالینے والا گمان کرلیتا ہے اور اسی جانب حضرت سَیِّدُنا ابراہیم خلیلُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے قولِ مبارک سے اشارہ ہے جسے بطورِ حکایت قرآن پاک میں نقل فرمایا گیا ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًاۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْۚ (پ۷، الانعام: ۷۶)

ترجمۂ کنزالایمان: پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو۔

اس سے مراد آسمانی تارا نہیں کہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے تاروں کو اپنے بچپن میں بھی دیکھا تھا اور جانتے تھے کہ یہ خدا نہیں کیونکہ یہ تعداد میں زیادہ ہیں اور شے کی کثرت ایک ذات پر دلالت نہیں کرتی اور جُہلا بھی یہ بات جانتے تھے کہ تارا خدا نہیں ہے جب کوئی گنوار دیہاتی بھی اس سے دھوکے میں نہیں آسکتا تو حضرت سَیِّدُنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کیسے دھوکا کھاسکتے ہیں؟ معلوم ہوا یہ تارا اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حجابات میں سے ایک نورانی حجاب تھا اور یہ حجاب سالکین کے راستے پر ہوتے ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ تک پہنچنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان حجابات تک نہ پہنچا جائے یہ سب نورانی حجابات ہیں ان میں بعض بڑے ہیں اور بعض چھوٹے۔ سب سے بڑا نورانی جسم سورج، درمیانہ جسم چاند اور سب سے چھوٹا جسم تارا ہے، لہٰذا اسی کا نام اِستعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ جب حضرت سَیِّدُنا ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے آسمانی بادشاہی کو مشاہدہ کیا جیسا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان ہے:

وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (پ۷، الانعام: ۷۵)

ترجمۂ کنزالایمان: اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ایک نور کے بعد دوسرے نور کا مشاہدہ کیا جب پہلے کا مشاہدہ کیا تو خیال گزرا کہ آپ قُربِ الٰہی پاچکے ہیں مگر پھر آپ پر ظاہر ہوا کہ اس سے آگے بھی کچھ ہے جب آگے کا مشاہدہ کیا تو فرمایا کہ میں قرب الٰہی تک پہنچ گیا ہوں ایسے ہی مزید ظاہر ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام اس نورانی حجاب تک پہنچ گئے جس کے بعد مقام قرب تک پہنچ جاتے، آپ نے فرمایا: یہ سب سے بڑا ہے مگر پھر آپ عَلَیْہِ السَّلَام پر ظاہر ہوا کہ یہ حجاب بھی سب سے عظیم ہونے کے باوجود اپنے دَرَجۂ کمال سے گرنے اور نقصان کے گڑھے کی جانب مائل ہونے سے خالی نہیں پھر آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے

والے، میں نے اپنا مُنہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان وزمین بنائے۔

اس راستہ پر چلنے والا کسی ایک حِجاب پر ٹھہر کر دھوکے کا شکار ہو جاتا ہے اور کبھی تو پہلے ہی حجاب پر دھوکے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور بندے کے درمیان سب سے پہلا حجاب "بندے کا نفس" ہے یہ بھی امرِ ربانی ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے نوروں میں سے ایک نور ہے یعنی دل کا وہ باطنی حصہ جس پر حق کی حقیقت مکمل ظاہر ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ حصہ تمام عالَم سے وسیع ہو کر اسے محیط ہو جاتا ہے اور ہر ایک کی صورت اس میں ظاہر ہو جاتی ہے نیز اس کا نور بہت زیادہ چمکتا ہے کیونکہ اس میں ہر ایک کا وجود اپنی اصلی حالت پر ظاہر ہوتا ہے اور یہ سب سے پہلا حجاب ہے جسے ایک طاق پردہ کی مانند چھپائے ہوتا ہے اور نورِ الٰہی کی روشنی جب اس پر پڑتی ہے تو اس کا نور ظاہر ہو کر جمالِ قلب کو روشن کر دیتا ہے جس کی وجہ سے بندہ بسا اوقات اپنے دل کی طرف تَوَجُّہ کرتا ہے اور جمالِ قلب کے انوار سے بے خود ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اسی بے خُودی میں اس کی زبان سَبقَت کرتی ہے اور "اَنَا الحَق یعنی میں حق ہوں" اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ اگر اس پر یہ بات واضح نہ ہو کہ اس سے آگے بھی انوار ہیں تو اسی پر ٹھہر جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے حالانکہ یہ تو قُربِ الٰہی کے انوار میں سب سے چھوٹے تارے سے دھوکا کھا گیا ہے چاند تک پہنچا ہی نہیں تو سورج تک کیا پہنچتا۔

یہ دھوکے میں مبتلا ہونے کا مقام ہے کیونکہ ایسے وقت تَجَلِّی کرنے والا اور جس میں تجلی ہوئی، دونوں ایک ہو جاتے ہیں جیسے رنگین چیز کا رنگ شیشہ میں نظر آئے تو شیشہ بھی رنگین نظر آتا ہے اور دیکھنے والا اسے شیشہ کا رنگ گُمان کرتا ہے یا پھر رنگ سے بھری ہوئی شیشی میں موجود رنگ کی وجہ سے شیشی رنگین نظر آتی ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَقَّتِ الخَمْرُ فَتَشَابَهَا فَتَشَاكَلَ الاَمْرُ
فَكَاَنَّمَا خَمْرٌ وَّ لَا قَدَحٌ وَ كَاَنَّمَا قَدَحٌ وَّ لَا خَمْرٌ

ترجمہ: شیشے کا برتن اور شراب جب دونوں رقیق ہوں تو ایک دوسرے کے مشابہ اور ہم شکل ہوتے ہیں ایسا لگتا ہے گویا شراب ہے اور پیالہ نہیں اور گویا پیالہ ہے مگر شراب نہیں۔

اسی نظر سے جب عیسائیوں نے حضرت سَیِّدُنا عیسٰی روحُ اللہ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو دیکھا تو انہیں

انوارِ الٰہیہ کی جھلک محسوس ہوئی، لہٰذا وہ اس شخص کی طرح دھوکے کا شکار ہو گئے جس نے تارے کو آئینہ یا پانی میں دیکھ کر گمان کیا کہ تارا آئینہ یا پانی میں ہے تو اس نے تارے کو پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا یوں وہ دھوکے کا شکار ہو گیا۔

راہِ سلوک پر چلنے والوں کے دھوکے اس قدر زیادہ ہیں کہ کئی جلدوں میں بھی شمار نہیں ہو سکتے اور نہ ہی انہیں بیان کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ تمام عُلُومِ مُکاشَفہ کی وضاحت نہ ہو جائے حالانکہ علوم مکاشفہ کو بیان کرنے کی اجازت نہیں اور جتنی مقدار ہم نے بیان کی ہے بہتر یہی تھا کہ اسے بھی ذکر نہ کیا جاتا کیونکہ راہِ سُلُوک پر چلنے والے کے لئے دوسروں سے سننے کی ضرورت نہیں اور جو راہِ سلوک پر چل ہی نہیں رہا اسے سننے کا کیا فائدہ بلکہ بسا اوقات اسے سن کر نقصان بھی پہنچ جاتا ہے کیونکہ نہ سمجھنے والی باتوں کو سننے سے وہ حیرت و خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ البتہ راہِ سلوک پر چلنے والے کو اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ جس دھوکے میں مبتلا ہوتا ہے اس سے اپنے آپ کو نکال سکتا ہے بلکہ کبھی وہ یہ یقین بھی کر لیتا ہے کہ جس بات کو وہ اپنے ذہن میں چھوٹا اور کم خیال کر رہا ہے وہ اس کی مُلَمَّع سازی ہے، معاملہ اس سے کئی گُنا بڑا ہے نیز وہ اولیائے کرام رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلَام کے بیان کئے ہوئے مُکاشَفات کی بھی تصدیق کر لیتا ہے۔ جس کا دھوکا بڑا ہو وہ ان باتوں کو سننے کے باوجود انہیں جُھٹلاتے ہوئے ہٹ دھرمی اختیار کر لیتا ہے جس طرح وہ سننے سے پہلے جھٹلاتا تھا۔

چوتھی قسم: مال دار لوگوں کا دھوکا

مال کے دھوکے میں مبتلا افراد کے کئی گروہ ہیں:

مال کے دھوکے میں مبتلا افراد کا پہلا گروہ:

یہ گروہ مسجدوں، مدرسوں، پُلوں کی تعمیر اور مسافر خانے بنانے میں، نیز ہر اس کام میں رغبت رکھتا ہے جس میں نمود و نمائش ہو اور ان کا نام نُمایاں طور پر لکھا جائے تاکہ ان کا تذکرہ ہوتا رہے اور یوں موت کے بعد بھی ان کا نام و نشان باقی رہے۔ یہ گروہ خود کو مغفرت کا مستحق سمجھتا ہے حالانکہ دو وجہ سے یہ گروہ دھوکے کا شکار ہے۔

﴾...پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ گروہ اس مال سے عمارتیں وغیرہ تعمیر کرتا ہے جو ظلم، لوٹ مار، رشوت اور دیگر ناجائز

ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس گروہ نے مال کمانے اور خَرچ کرنے دونوں میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ناراض کیا حالانکہ ان پر ناجائز ذرائع سے بچنا ضروری تھا کیونکہ جب انہوں نے حصولِ مال میں نافرمانی کی تو ان پر واجب تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرتے اور اصل مالکوں کو بعینہٖ وہی اَموال واپس کرتے اور اصل اموال نہ ہونے کی صورت میں اس کا نِعْمُ الْبَدَل مالکوں کو پہنچاتے اور مالکوں کے نہ ہونے کی صورت میں ان کے وُرَثاء کو لوٹاتے اور وُرَثاء کے نہ ہونے کی صورت میں[1] ان اموال کو کسی اہم دینی ضرورت میں خَرچ کرتے۔ بسا اوقات مساکین پر خرچ کرنا زیادہ اہم ہوتا ہے لیکن یہ گروہ مذکورہ کام کرنے سے ڈرتا ہے کہ لوگوں پر ان کے معاملات ظاہر نہ ہو جائیں، لہٰذا ریاکاری اور واہ واہ کی غرض سے عمارتیں تعمیر کرواتا ہے، نیز اس بات کی خواہش کرتا ہے کہ یہ عمارتیں باقی رہیں تاکہ ان کا نام بھی باقی رہے جبکہ نیکی کے باقی رہنے کا انہیں کوئی خیال نہیں ہوتا۔

❁...**دوسری** وجہ یہ ہے کہ یہ گروہ عمارات تعمیر کروا کر خود کو مخلص اور خیر خواہ سمجھتا ہے۔ اگر اس گروہ کے کسی فرد کو ایک دینار ایسی جگہ خرچ کرنے کا کہا جائے جس جگہ اس کا نام نہیں لکھا جائے گا تو یہ بات اس پر گراں گزرتی ہے اور اس کا نفس اس بات پر راضی نہیں ہوتا حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کے عمل کو خوب جانتا ہے خواہ نام لکھا جائے یا نہیں۔ نام لکھنے کی خواہش اس بات کی علامت ہے کہ رِضائے الٰہی مقصود نہیں بلکہ لوگوں کی خوشنودی مقصود ہے۔

مال کے دھوکے میں مبتلا افراد کا دوسرا گروہ:

یہ گروہ حلال مال کماتا اور مساجِد پر خرچ کرتا ہے لیکن یہ بھی دو وجہ سے دھوکے کا شکار ہے۔

❁...**پہلی** وجہ رِیا اور بلند رُتبہ کی چاہت ہوتی ہے کہ بسا اوقات اس کے پڑوس یا شہر میں فُقرا موجود ہوتے ہیں اور ان پر مال خرچ کرنا مساجد کی تعمیر و آرائش پر خرچ کرنے سے زیادہ اَہم و افضل ہوتا ہے لیکن اس گروہ کو مساجد پر خرچ کرنا اچھا لگتا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے ان کا نام نمایاں رہے۔

---

[1]... سیِّدِی اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت، مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فتاوٰی رضویہ، جلد 21، صفحہ 121 پر فرماتے ہیں: جو مال جس جس سے چھینا، چرایا، رشوت، سُود میں لیا انہیں اور وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو واپس کر دے یا معاف کرائے، پتا نہ چلے تو اُتنا مال تصدق (صدقہ) کر دے اور دل میں نیت رکھے کہ وہ لوگ جب ملے اگر تَصَدُّق (صدقہ) پر راضی نہ ہوئے (تو) اپنے پاس سے انہیں پھیر دوں گا۔

✿...دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ گروہ اپنا مال مسجد کی ایسی زینت اور نقش و نگار میں صَرف کرتا ہے جس سے منع کیا گیا ہے[1] [2] کیونکہ اس کی وجہ سے نمازیوں کے دل اس کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کی نگاہیں ان پر پڑتی ہیں جبکہ نماز میں مقصود خشوع و خضوع اور دل جمعی ہوتی ہے۔ یوں یہ تمام باتیں نمازی کے دل میں فساد داخل کرکے اس کے ثواب کو ضائع کرنے کا سبب بنتی ہیں اور اس کا وَبال نقش و نگار کرنے والے شخص پر ہوتا ہے لیکن وہ دھوکے میں رہ کر اسے ثواب کا کام اور بارگاہِ الٰہی تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمانبردار اور اطاعت گزار ہے حالانکہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ناراض کر رہا ہوتا ہے کیونکہ نقش و نگار کے سبب لوگوں کے دل یادِ الٰہی سے غافل ہو رہے ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسجد کی زینت اور نقش و نگاری کو دیکھ کر بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال آتا ہے کہ وہ اپنے گھروں کو بھی سجائیں، یوں وہ اس میں مشغول ہو کر دنیاوی زیب و زینت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان تمام معاملات کا وبال اس شخص کی گردن پر ہو گا جو مسجد میں ایسی نقش و نگاری کراتا ہے اور یہ اس لئے کہ مسجد سے مقصود عبادتِ الٰہی میں یکسوئی اور خُشُوع و خُضُوع ہے (نہ کہ نقش و نگاری)۔

احترامِ مسجد کے سبب مقامِ صدِّیقیت:

حضرت سیِّدُنا مالک بن دِینار عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَفَّار فرماتے ہیں: دو آدمی مسجد کے قریب آئے ان میں سے ایک مسجد کے دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ مجھ جیسا گناہ گار شخص اللہ عَزَّوَجَلَّ کے گھر میں

1 ...دعوتِ اسلامی کے اشاعتی ادارے مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ 1197 صفحات پر مشتمل کتاب بہارِ شریعت، جلد سوم، حصہ 16، صفحہ 497 پر صَدْرُالشَّرِیْعَہ، بَدْرُالطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی دُرِّمختار وردالمحتار کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: مسجد کو چونے اور گچ سے مُنَقَّش کرنا جائز ہے، سونے چاندی کے پانی سے نقش و نگار کرنا بھی جائز ہے جبکہ کوئی شخص اپنے مال سے ایسا کرے مالِ وَقْف سے ایسا نہیں کر سکتا، بلکہ متولی مسجد نے اگر مالِ وقف سے سونے چاندی کا نقش کرایا تو اسے تاوان دینا ہو گا، ہاں اگر بانی مسجد نے نقش کرایا تھا جو خراب ہو گیا تو متولی مسجد مالِ مسجد سے بھی نقش و نگار کرا سکتا ہے۔ بعض مشائخ دیوارِ قبلہ میں نقش و نگار کرنے کو مکروہ بتاتے ہیں، کہ نمازی کا دل اُدھر متوجہ ہو گا۔

2 ...بخاری، کتاب الصلاۃ، باب بنیان المساجد، ۱/ ۱۷۰

سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب فی بناء المساجد، ۱/ ۱۹۳، حدیث: ۴۴۸

داخل نہیں ہو سکتا، کراماً کاتبین نے بارگاہِ الٰہی میں اس کا مقام صِدِّیق لکھا۔[1]

مساجد کی تعظیم اسی طرح کرنی چاہئے کہ بندہ خود کو مسجد میں داخل ہونے سے مسجد کو آلودہ سمجھے نہ کہ مالِ حرام سے مسجد کو آلودہ کرے اور نہ ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ پر احسان جتاتے ہوئے دنیاوی نَقْش ونِگار بنائے۔

سب سے محبوب پرہیزگار دل ہے:

حضرت سیِّدُنا عیسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی خدمت میں ان کے بعض حواریوں نے عرض کی: اس مسجد کو دیکھئے کتنی خوبصورت ہے۔ ارشاد فرمایا: اے میرے امتیو! میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس مسجد کے ایک پتھر کو دوسرے پتھر پر اس وقت تک برقرار رکھتا ہے جب تک مسجد والوں کے گناہوں کے سبب مسجد بَرباد نہ کر دے، بے شک اللہ عَزَّوَجَلَّ کو نہ تمہارے سونے چاندی کی ضرورت ہے اور نہ ہی ان پتھروں کی جن پر تمہیں حیرانگی ہوتی ہے بلکہ اس کے نزدیک سب سے محبوب چیز پرہیزگار دل ہے اسی کے ذریعے وہ زمین کو آباد کرتا ہے اور جب دل میں پرہیزگاری نہیں رہتی تو اسی کے سبب وہ زمین کو ویران کر دیتا ہے۔

مسجد میں نقش و نگاری اور زینت سے ممانعت:

حضرت سیِّدُنا ابو دَرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ رسولِ مقبول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جب تم مسجدوں کو زینت دو گے اور قرآن کو سونے چاندے سے مُزَیَّن کرو گے تو تم پر ہلاکت لازم ہو جائے گی۔[2]

حضرت سیِّدُنا حسن بصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے جب مسجد نبوی شریف کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو حضرت سیِّدُنا جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی: مسجد کو سات ہاتھ (یعنی ساڑھے دس فٹ) بلند رکھئے، نہ زینت دیجئے نہ ہی نقش و نگار کیجئے۔

یہ اس مال دار کے دھوکے کا بیان تھا جو برائی کو بھلائی سمجھتے ہوئے اس پر بھروسا کرتا ہے۔

---

[1] ...حلیۃ الاولیاء، کعب الاحبار، الرقم: ۷۵۷۶، ۵/ ۴۱۵

[2] ...سنن سعید بن منصور، فضائل القرآن، ۲/ ۳۸۲، حدیث: ۱۶۵

نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول للحکیم الترمذی، الاصل الخامس والخمسون والمائتان، ۲/ ۱۰۴۳، حدیث: ۱۳۵۰

مال کے دھوکے میں مبتلا افراد کا تیسرا گروہ:

یہ گروہ فقرا و مساکین پر اپنا مال خرچ کرتا ہے لیکن مال خرچ کرنے کے لئے بڑی محافل اور اجتماعات ڈھونڈتا ہے اور ان فُقرا کو دیتا ہے جن کی عادت شکریہ ادا کرنا اور نیکی کی تشہیر کرنا ہوتی ہے، پوشیدہ صدقہ دینا ناپسند کرتا ہے اور جو فقیر ان سے صدقہ لے اور تشہیر نہ کرے تو اسے مجرم اور ناشکرا سمجھتا ہے۔ کبھی یہ گروہ حج کے سلسلے میں مال خرچ کرتا ہوا بار بار حج کرتے دکھائی دیتا ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو اپنے پیچھے بھوکا چھوڑ آتا ہے۔

ناکام و نامُراد حاجی:

حضرت سیِّدُنا عبدُاللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: آخری زمانے میں نفلی حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی جن پر سفر آسان اور رزق کی کُشادگی ہوگی مگر وہ حج سے ناکام و نامُراد لوٹیں گے، اپنے اونٹوں پر صحراؤں اور ویرانوں میں تو گھومیں گے لیکن اپنے محتاج پڑوسی کی دَست گیری نہیں کریں گے۔

حکایت: اللہ عَزَّوَجَلَّ متقین کے اعمال ہی قبول فرماتا ہے:

حضرت سیِّدُنا ابو نصر تمار عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الغَفَّار فرماتے ہیں: حضرت سیِّدُنا بِشر حافی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللہِ الکَافِی کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہو کر نصیحت کا طَلَب گار ہوا، وہ سَفَرِ حج کا ارادہ رکھتا تھا۔ آپ رَحمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا: خرچ کے لئے کتنا مال رکھا ہے؟ عرض کی: دو ہزار درہم۔ فرمایا: حج کرنے سے تیرا کیا مقصد ہے، دنیا سے دوری، بیتُ اللہ شریف کی زیارت یا رِضائے الٰہی کا حصول؟ عرض کی: رضائے الٰہی کا حصول۔ فرمایا: کیا تمہیں اگر دو ہزار درہم خرچ کرنے پر گھر بیٹھے رضائے الٰہی حاصل ہو جائے اور تمہیں اس کا یقین بھی ہو تو کیا تم ایسا کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں! فرمایا: واپس لوٹ جا اور دو ہزار درہم ایسے 10 افراد کو دے جن میں کوئی قرض دار ہو تو اپنے قرض سے خُلاصی پائے، فقیر ہو تو اپنی حالت درست کرے، عیال دار ہو تو اپنے بال بچوں کی ضرورت پوری کرے، یتیم کی پرورش کرنے والا ہو تو یتیم کو خوش کرے اگر تیرا دل ایک ہی شخص کو دینا چاہے تو اسے ہی دے دینا کہ مسلمان کے دل میں خوشی داخل کرنا، مظلوم کی فریاد رسی کرنا، اس کی تکلیف کو

دور کرنا اور کمزور کی مدد کرنا 100 نفلی حج سے افضل ہے۔ جا! اور اسے ویسے ہی خرچ کر جیسے میں نے کہا ہے ورنہ جو تیرے دل میں ہے وہ بتادے۔ اس نے کہا: اے ابو نصر! میرے دل میں سفر کا ہی ارادہ ہے۔ یہ سن کر آپ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ مسکرائے اور اس پر شفقت کرتے ہوئے فرمایا: جب تجارت اور مشتبہ ذرائع سے مال جمع ہوتا ہے تو نفس خرچ تو اپنی مرضی کے مطابق کرتا ہے لیکن نیک اعمال کو آڑ بنالیتا ہے مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قسم ارشاد فرمائی ہے کہ وہ صرف مُتَّقِین کے اعمال قبول فرمائے گا۔

مال کے دھوکے میں مبتلا افراد کا چوتھا گروہ:

یہ گروہ مال کمانے میں مصروف رہتا ہے، نیز اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے اور بخل کی وجہ سے خرچ نہیں کرتا اور ایسی عبادت میں مشغول ہوتا ہے جس میں پائی پیسہ خرچ نہ کرنا پڑے۔ مثلاً: دن کو روزہ رکھنا، رات کو قیام اور ختم قرآن کرنا۔ یہ گروہ دھوکے میں مبتلا ہے کیونکہ ہلاکت میں ڈالنے والے بخل نے اس کے باطن پر قبضہ جمالیا ہے، لہٰذا اسے ضرورت تھی کہ مال خرچ کرکے اس صِفَتِ مذمومہ کو کچل ڈالے لیکن وہ ایسی عبادت میں مصروف ہوگیا جس کی حاجت نہ تھی اس کی مثال ایسے شخص کی طرح ہے جس کے کپڑوں میں سانپ داخل ہوجائے اور وہ صَفْرا کی بیماری دور کرنے کے لئے سِکَنْجِبِیْن (لیموں کا شکر ملا شربت) پیتا رہے حالانکہ جسے سانپ ہلاک کرنے والا ہو اسے سِکَنْجِبِیْن کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حضرت سَیِّدُنا بِشْر حافی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْکَافِی سے عرض کی گئی: فُلاں مال دار روزے اور نوافل کی ادائیگی کثرت سے کرتا ہے۔ فرمایا: بے چارہ اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کے کام میں مشغول ہوگیا ہے کیونکہ اس کا کام بھوکوں کو کھانا کھلانا، مساکین پر مال خرچ کرنا تھا اور یہ کام خود کو بھوکا رکھنے اور نوافل پڑھنے سے افضل ہے مگر اس نے دنیاوی مال جمع کرکے فقرا کو اس سے روک دیا ہے۔

مال کے دھوکے میں مبتلا افراد کا پانچواں گروہ:

اس گروہ پر بخل اس قدر غالب آچکا ہے کہ یہ صرف زکوٰۃ دیتا ہے اور وہ بھی ایسے گھٹیا مال سے جو اسے ناپسند ہوتا ہے اور ایسے فقیروں کو دیتا ہے جو اس کی خدمت کریں اور وقتِ ضرورت اس کے کام آئیں یا مستقبل میں بِلا مُعاوَضہ اس کا کوئی کام کریں یا کوئی اور غرض شامل ہو یا پھر ایسے فقیر کو دیتا ہے جس کی مدد

کرنے کی سفارش کسی بڑے افسر نے کی ہو تا کہ بڑے افسر کے پاس کوئی مقام بنے اور بگڑے ہوئے کام سَنْوَر جائیں یہ تمام صورتیں فسادِ نیت کے سبب عمل کو ضائع کر دیتی ہیں اور ایسا شخص دھوکے میں ہونے کے باوُجود یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ کا فرماں بردار ہے حالانکہ وہ گناہ گار ہے کیونکہ اس نے غیرُاللہ سے عبادت کا عِوَض مانگا ہے۔ بخل میں مبتلا مال دار افراد کے دھوکے کی قسمیں بے شمار ہیں یہاں ہم نے بقَدرِ ضرورت پر اکتفا کیا ہے تا کہ دھوکے کی مختلف اَقسام پر تنبیہ ہو جائے۔

مال کے دھوکے میں مبتلا افراد کا چھٹا گروہ:

اس گروہ کا تعلق صرف مال داروں سے نہیں اس میں عام لوگ اور فقرا بھی شامل ہیں۔ یہ گروہ وعظ ونصیحت کی محافل میں جانے کی وجہ سے دھوکے کا شکار ہے۔ ان کا گمان ہے کہ محافل میں حاضر ہونا ان کے لئے کافی ہے اور یہ بات ان کی عادت میں شامل ہو چکی ہے اور اس کا یہ بھی گمان ہے کہ صرف وَعظ سن لینا کافی ہے عمل کرنا اور عبرت حاصل کرنا ضروری نہیں یہ بھی ان کا دھوکا ہے کیونکہ وَعظ ونصیحت کی محافل کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نیکی میں رغبت پیدا ہوتی ہے اگر رغبت ہی پیدا نہ ہو تو شرکت کرنے میں کوئی بھلائی نہیں اور رغبت بھی اچھی ہو جو کہ عمل پر اُبھارے اگر رغبت ہی ایسی کمزور ہو جو عمل پر نہ ابھار سکے تو اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جس چیز سے دوسرے کام کا ارادہ کیا جائے اور وہ دوسرا کام صحیح طور سے ادا نہ ہو سکے تو اس چیز کی کوئی اہمیت نہیں۔

بسا اوقات دھوکے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس گروہ کا کوئی فرد وَعظ ونصیحت کرنے والے سے محفل میں حاضری کی یا رونے کی کوئی فضیلت سنتا ہے تو اس پر عورتوں کی طرح رِقَّت طاری ہو جاتی اور وہ رونے لگتا ہے لیکن وہ عمل کا پختہ ارادہ نہیں کرتا اور کبھی خوف میں ڈوبا ہوا کلام سنتا ہے تو ہاتھ پر ہاتھ مار کر یَا سَلَامُ سَلِّمْ (اے سلامتی والے سلامت رکھ) یا نَعُوْذُ بِاللہ (اللہ عَزَّ وَجَلَّ کی پناہ) یا سُبْحٰنَ اللہ (اللہ عَزَّ وَجَلَّ پاک ہے) ہی کہہ پاتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ ہر طرح کی بھلائی حاصل کر چکا حالانکہ وہ دھوکے میں ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال اس مریض کی مانند ہے جو ڈاکٹروں کی محفل میں جا کر ان کی گفتگو سنتا ہے یا اس بھوکے کی مانند ہے جس کے سامنے کوئی شخص لذیذ کھانوں کی تعریف کرے اور چلا جائے اب نہ تو مریض کا مَرَض دور ہو گا نہ ہی

بھوکے کی بھوک میں کچھ کمی ہو گی ایسے ہی عمل کئے بغیر اطاعت کے فضائل سنتے رہنا بارگاہِ الٰہی میں کچھ فائدہ نہ دے گا۔ ہر وہ نصیحت آموز بیان جو اعمال میں بہتری پیدا نہ کرسکے اور جس کی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف کچھ بھی توجہ نہ جائے، نیز دنیا سے کنارہ کشی نہ پائی جائے تو وہ نصیحت آموز بیان سننے والے کے خلاف بہت بڑی حُجَّت ہو گا، لہٰذا جو وعظ و نصیحت کی محفل میں رونے کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے وہ غَلَط فہمی کا شکار ہے۔

باب نمبر3: دھوکے سے بچنا ممکن ھے

سوال: اگر تم یہ کہو کہ دھوکے کے جتنے بھی راستے بیان ہوئے ہیں ان سے بچنا اور خلاصی حاصل کرنا کسی کے بس کی بات نہیں بلکہ اس سے سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا کیونکہ ایسے مخفی معاملات سے بچنے کی کوئی بشر طاقت نہیں رکھتا۔ تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ جب انسان کا حوصلہ کسی معاملہ میں پست ہو جاتا ہے تو اس کی مایوسی ظاہر ہو جاتی ہے، معاملہ اس کے لئے مشکل اور راہ دشوار ہو جاتی ہے۔

نیت صاف منزل آسان:

اگر طلب سچی ہو تو اسباب ظاہر ہو جاتے ہیں اور انسان مخفی معاملات میں غور و فکر کر کے مقصود تک پہنچنے کے راستے ڈھونڈ لیتا ہے یہاں تک کہ آسمان پر اڑتے ہوئے پرندے کو اتارنا چاہے تو دوری کے باوجود زمین پر اتار لیتا ہے، سمندر سے مچھلی پکڑنا چاہے تو پکڑ لیتا ہے، پہاڑوں کے نیچے سے سونا چاندی نکالنا چاہے تو نکال لیتا ہے، اگر جنگلی اور صحرائی آزاد جانوروں کا شکار کرنا چاہے تو کر لیتا ہے، ہاتھی، درندوں اور دیگر بڑے جانوروں کو مانوس کرنا چاہے تو کر لیتا ہے، سانپ و اژدھا کو پکڑ کر کھیلنا چاہے تو پکڑ لیتا ہے، ان کے پیٹوں سے زہر نکالنا چاہے تو نکال لیتا ہے، شہتوت کے پتوں سے رنگین نقش و نگار والا ریشمی کپڑا بنانا چاہے تو بنا لیتا ہے اور اگر تاروں کی تعداد اور طول و عرض معلوم کرنا چاہے تو عِلْمِ ہِندسہ کی باریکیوں کے ذریعے زمین پر رہ کر معلوم کر سکتا ہے اور یہ سب کام انسان ذرائع اور آلات کی مدد سے کر سکتا ہے یونہی گھوڑے کو سُواری کے لئے، کتے کو شکار کے لئے اور باز کو پرندوں کے پکڑنے کے لئے تربیت دے سکتا ہے، اسی طرح مچھلی کے شکار کے لئے جال تیار کر سکتا ہے۔ یوں انسان کے پاس بے شُمار ذرائع ہیں اور ان کاموں کو کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا

مقصود دنیا حاصل کرنا ہے اور یہ ذرائع اس میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا آدمی اگر اپنا مقصد آخرت کا حصول بناتا تو اسے ایک ہی کام کرنا ہوتا یعنی دل کو راہِ راست پر قائم رکھنا لیکن آدمی جب اپنے دل کو راہِ راست پر نہ لا سکا تو بہانہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ یہ ناممکن ہے اور کوئی شخص اس کی طاقت نہیں رکھتا حالانکہ اگر وہ ایک ہی ارادہ کئے رہتا تو اس طرح کہتا: لَوْ صَحَّ مِنْكَ الْهَوٰى اُرْشِدْتَ لِلْحِيَلِ یعنی اگر تیری طلب سچی ہے تو اسباب کی جانب تیری راہ نمائی کر دی جائے گی۔

یہ ایسا معاملہ ہے کہ جس سے نہ ہمارے اسلاف عاجز تھے اور نہ ہی نیکیوں میں ان کی پیروی کرنے والے عاجز ہوئے بلکہ وہ شخص بھی عاجز نہیں جس کی طلب سچی اور حوصلہ بلند ہے بلکہ ایسے شخص کی مشقت دنیاوی کام میں اسباب اور ذرائع ڈھونڈنے والے کی مشقت کے دسویں حصہ کے برابر بھی نہیں۔

دھوکے سے بچنے کے تین اسباب:

سوال: اگر تم یہ کہو کہ معاملہ تو آپ نے قریب کر دیا مگر پھر بھی دھوکے کے راستے کثرت سے بیان ہوئے ہیں، لہٰذا بندہ ان سے کس طرح بچ سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جان لیجئے! تین اسباب کے ذریعہ بندہ نجات پا سکتا ہے: (۱)... عَقْل (۲)... مَعْرِفَت اور (۳)... عِلْم۔ یہ تینوں اسباب ضروری ہیں۔

﴿1﴾... عَقل:

یہاں عقل سے مراد فطرت اور نورِ اصلی ہے جس کے ذریعے انسان اشیاء کی حقیقتوں کو جان لیتا ہے، سمجھ داری و عقل مندی فطری چیز ہے ایسے ہی بے وُقوفی اور کُند ذِہنی بھی فطری ہے۔ کم عقل شخص دھوکے سے محفوظ نہیں رہ سکتا، لہٰذا انسان کا فطری طور پر ذہین اور ہوشیار ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر انسان ذہین اور ہوشیار نہیں ہوگا تو یہ ممکن نہیں کہ وہ ذَہانت کو کسی ذریعے سے حاصل کر سکے البتہ اگر فطرت میں یہ چیز موجود ہو تو مختلف تَجْرِبات سے اس کو تقویت دینا ممکن ہے، لہٰذا تمام سعادتوں کی بنیاد عقل اور دانائی پر ہے۔

عقل کے متعلق چار رِوایات:

﴿1﴾... رسولِ اَکرم، شاہِ بنی آدم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے

بندوں کو مختلف عقلیں عطا فرمائی ہیں کہ دو بندوں کا عمل، نیکی اور ان کا روزہ برابر ہے لیکن دونوں کی عقلیں اس طرح مختلف ہیں جیسے اُحد پہاڑ کے پہلو میں ذرّہ۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی مخلوق کو عقل اور یقین سے افضل کوئی چیز عطا نہیں فرمائی۔[1]

﴿2﴾... بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! آپ اس شخص کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو دن کو روزہ رکھے، رات کو قیام کرے، حج و عمرہ کرے، جہاد کرے، مریض کی عیادت، جنازے میں شرکت اور کمزور کی مدد کرے حالانکہ وہ جانتا نہیں کہ بروزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں اس کا کیا مقام ہوگا؟ تو مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: اس کی عقل کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے گا۔[2]

﴿3﴾... حضرت سیِّدُنا اَنس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: کچھ لوگوں نے بارگاہِ رسالت میں ایک شخص کی تعریف کی یہاں تک کہ انہوں نے یہ کہا کہ وہ بھلائی پر ہے۔ تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دریافت فرمایا: اس کی عقل کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کی: یارسولَ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! ہم اس کی عبادت، فضیلت اور اَخلاق کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ ارشاد فرمایا: اس کی عقل کیسی ہے؟ کیونکہ بے وُقوف اپنی جہالت کی وجہ سے بدکار سے بڑھ کر بُرائی کا اِرتکاب کر جاتا ہے۔ بروزِ قیامت لوگ اپنی عقلوں کے مطابق بارگاہِ الٰہی میں مقام و مرتبہ پر فائز ہوں گے۔[3]

﴿4﴾... حضرت سیِّدُنا ابو درداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: بارگاہِ رسالت میں جب کسی شخص کی کثرت عبادت کا ذکر کیا جاتا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس کی عقل کے بارے میں استفسار فرماتے اگر لوگ کہتے کہ اچھی ہے تو ارشاد فرماتے: میں اس کے بارے میں اچھی امید کرتا ہوں۔ اگر لوگوں کا جواب اس کے

---

1 ...نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول للحکیم الترمذی، الاصل الثامن والمائتان، ۲/ ۷۶۹، حدیث: ۱۰۴۶

2 ...مسند الحارث/ زوائد الھیثمی، کتاب الادب، باب ما جاء فی العقل، ۲/ ۸۰۸، حدیث: ۸۲۷

المعجم الاوسط، ۲/ ۲۱۵، حدیث: ۳۰۵۷ ...... موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب العقل وفضلہ، ۲/ ۳۶۶، حدیث: ۸

3 ...نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول للحکیم الترمذی، الاصل الثامن والمائتان، ۲/ ۷۶۹، حدیث: ۱۰۴۹

موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا، کتاب العقل وفضلہ، ۶/ ۴۷۵، حدیث: ۴۳

علاوہ ہوتا تو ارشاد فرماتے: وہ ہرگز اپنے مقام کو نہ پہنچے گا۔ حضرت سیِّدُنا ابودرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے ہی مروی ہے کہ ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں ایک شخص کی کثرتِ عبادت کا ذکر کیا گیا تو آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے استفسار فرمایا: اس کی عقل کیسی ہے؟ لوگوں نے کہا: کچھ خاص نہیں۔ ارشاد فرمایا: تمہارا رفیق ہرگز اس مقام تک نہ پہنچ سکے گا جہاں کا تم گمان کرتے ہو۔[1]

ذہانت اور عقل اللہ عَزَّوَجَلَّ کی نعمت ہے جس کا تعلق اصل فطرت سے ہے اگر یہ نعمت بے وقوفی اور حماقت کی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

(2)... مَعْرِفَت:

معرفت میں چار امور کی پہچان ضروری ہے: (۱)... نفس (۲)... ربّ تعالیٰ (۳)... دنیا اور (۴)... آخرت۔

اپنے نفس کی پہچان یوں کرے کہ خود کو عاجز و ذلیل اور اس دنیا میں مسافر خیال کرے۔ حیوانی خواہشات کو اپنی طبیعت سے الگ سمجھے اور یہ سمجھے کہ میری طبیعت کے موافق ربّ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا دیدار ہے۔ یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اپنے نفس کی پہچان اور ربّ تعالیٰ کی معرفت نہ ہو جائے۔ عجائباتِ قلب، تَفَکُّر (غور و فکر)، محبت اور شکر کے بیان میں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے مدد لی جا سکتی ہے کیونکہ اس میں نفس اور عظمتِ الٰہی کے اوصاف کی جانب ایسے اشارے ہیں جن کے ذریعے مجموعی آگاہی ضرور ہو جاتی ہے اور معرفت کا کمال درجہ تو اس کے بعد آتا ہے جس کا تعلق علم مکاشفہ سے ہے جبکہ ہمارا اس کتاب میں مقصود عِلْمِ مُعامَلہ ہے عِلْمِ مُکاشَفہ نہیں۔ دنیا و آخرت کی پہچان کا طریقہ ہم نے دنیا کی مذمت اور موت کے بیان میں ذکر کیا ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ دنیا کی آخرت سے کوئی نسبت نہیں، لہٰذا جب بندہ اپنے نفس اور ربّ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے دنیا و آخرت کی پہچان حاصل کرتا ہے تو معرفتِ الٰہی کے سبب اس کے دل سے محبتِ الٰہی کا چشمہ جاری ہو جاتا ہے نیز آخرت کی پہچان کے سبب آخرت میں شدید رغبت اور دنیا کی پہچان کے سبب دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر بندے کا اہم ترین کام وہ ہوتا ہے جو اسے بارگاہِ الٰہی

---

[1] ...نوادر الاصول فی معرفة احادیث الرسول للحکیم الترمذی، الاصل الثامن والمائتان، ۲/ ۷۶۴، حدیث: ۱۰۳۳
الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی، الرقم: ۱۸۷۰ مروان بن سالم الجزری القرسانی، ۸/ ۱۱۹، ۱۲۰

تک پہنچائے اور آخرت میں فائدہ دے اور جب اس کے دل پر اس بات کا غلبہ ہو جاتا ہے تو تمام معاملات میں اس کی نیت درست ہو جاتی ہے اب کچھ کھائے یا کسی کام میں مصروف بھی ہو تو مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کام سے اُخروی راستہ پر چلنے میں مدد ملے گی نیز درست نیت کی وجہ سے وہ ہر اس فریب کاری سے محفوظ ہو جاتا ہے جو دنیوی اغراض کی کشش کا سبب بنے اور مال، دنیا اور حُبِّ جاہ کی طرف مائل کرے کیونکہ یہ اشیاء نیت میں خرابی کا سبب بنتی ہیں اور جب تک بندہ دنیا کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھتا ہے اور اپنی خواہش کو رِضائے الٰہی پر ترجیح دیتا ہے اس وقت تک دھوکے سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

جب عقل کے باعث حاصل ہونے والی معرفتِ الٰہی اور معرفتِ نفس کے سبب دل پر محبتِ الٰہی کا غلبہ ہو جاتا ہے تو ایک تیسرے معنٰی کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ علم ہے۔

(3)... علم:

علم سے مراد راہِ طریقت پر چلنے کا طریقہ معلوم کرنا ہے جو کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے قریب کر دے نہ کہ اس سے دور کرے نیز راہِ طریقت کی آفات، دُشوار گزار گھاٹیوں اور مصیبتوں کو معلوم کرنا ہے اور یہ تمام باتیں ہم نے اس کتاب کے مختلف حصوں میں ذکر کی ہیں۔ عبادات کے حصے سے اس کی شرائط کو پہچان کر ان کی رعایت رکھے اور آفات کو جان کر ان سے بچے اور عادات کے حصے سے زندگی گزارنے کی احتیاطیں اور ضرورتیں معلوم کر کے شریعت کے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے ان پر عمل کرے اور جس چیز کی ضرورت نہ ہو اس سے اِعراض کرے، ایسے ہی مہلکات (ہلاکت میں ڈالنے والی باتوں) کے حصے سے راہِ خدا میں رُکاوٹ پیدا کرنے والی پیچیدہ گھاٹیوں کو معلوم کرے کیونکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دور کرنے والی تمام صِفات بُرے اَخلاق میں شامل ہیں، لہٰذا مذموم صفتوں کو پہچان کر ان کا طریقۂ علاج جانے نیز مُنْجِیات (نجات دلانے والے امور) کے حصہ سے ان ضروری اچھی صفات کو جانے جو کہ بُری صِفات کے خَتْم ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ جب بندہ ان تمام باتوں کا اہتمام کر لے گا تو دھوکے کی جن اقسام کی جانب ہم نے اشارہ کیا ہے ان سے بچنا ممکن ہو جائے گا۔ خلاصہ یہی ہے کہ راہِ سُلُوک پر چلنے والے کے دل پر محبتِ الٰہی کا غلبہ ہو اور اس دل سے دنیا کی محبت نکلے حتّٰی کہ ارادے کو تقویت ملے اور نیت درست ہو جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب مذکورہ چیزوں کی معرفت حاصل ہو۔

نیکیاں کرنے والے پر شیطان کا وار:

اگر تم یہ کہو کہ جب بندہ یہ تمام کام کرلے گا تو اب کسی چیز کا خوف باقی نہیں رہے گا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اب بھی بندے پر شیطان کی طرف سے دھوکا دینے کا خوف باقی رہے گا چنانچہ شیطان ایسے بندے کو وَعْظ ونصیحت کرنے، علم پھیلانے اور جو کچھ دِینِ متین سے حاصل کیا ہے لوگوں کو اس کی جانب بلانے کے ذریعے فریب میں مبتلا کرے گا اور یہ اس طرح کہ ایک مخلص مرید جب اپنے نفس اور اخلاق کو سدھار لیتا ہے اور اپنے دل کی نگہبانی کرتا ہے یہاں تک کہ تمام میل کچیل سے اپنے دل کو صاف کر کے سیدھی راہ پر چلنے لگتا ہے نیز اس کی نظر میں دنیا چھوٹی ہوتی ہے لہٰذا وہ اسے چھوڑ دیتا ہے اور مخلوق سے امید ختم کر دیتا ہے اور مخلوق سے بے توجہ ہو کر صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب توجہ کرتا ہے اور اسی کے ذکر و مُناجات سے لذت حاصل کرتا ہے اور اسی سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے یہاں تک کہ شیطان اسے وَرغلانے سے عاجز آجاتا ہے کیونکہ شیطان اس کے پاس دنیا اور نفسانی خواہشات ہی کے اعتبار سے آیا تھا، مگر اس نے شیطان کی اطاعت نہ کی لہٰذا اب شیطان دینی اعتبار سے آگے بڑھتا ہے اور مخلوقِ خدا پر رحم اور دینی اعتبار سے شفقت کرنے پر ابھارتا ہے نیز انہیں نصیحت کرنے اور بارگاہِ الٰہی میں بلانے کی ترغیب دیتا ہے، لہٰذا جب وہ شفقت بھری نظر لوگوں پر ڈالتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ لوگ اپنے معاملات میں پریشان ہیں اور دینی اعتبار سے اندھے اور گونگے ہو کر مدہوش ہو چکے ہیں، ان پر ایسا مَرَض غَلَبہ پا چکا ہے جس کا انہیں احساس نہیں، نہ کوئی ڈاکٹر پاتے ہیں نیز ہلاکت کے قریب ہو چکے ہیں۔ ایسی صورتحال میں اس کے دل پر رحم غالب آجاتا ہے کیونکہ اس کے پاس حقیقت کی معرفت ہے جس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت کے راہ دکھا سکتا ہے اور ان کی گمراہی واضح کر کے نیک بختی کی جانب ان کی رہنمائی کر سکتا ہے اور یہ سب کچھ بغیر کسی قسم کی تھکاوٹ، تکلیف، پابندی اور تاوان کے کر سکتا ہے۔

گویا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو کوئی ایسا بڑا مَرَض لاحق ہو چکا ہو جس کی تکلیف ناقابل برداشت ہو جس کے سبب وہ راتوں کو جاگے، دن کو بے چین رہے، نہ کھا سکے نہ پی سکے اور نہ ہی درد کی تکلیف کے سبب کوئی کام کر سکے یکایک اسے بغیر کسی پریشانی اور قیمت کے کوئی دوا میسر آجائے جو کڑوی بھی نہ ہو وہ

شخص اسے استعمال کرے اور شفایاب ہوجائے، طویل عرصہ جاگنے کے بعد اس کی نیند پرسکون ہوجائے، شدید بے چینی کے بعد اس کے دن خوشگوار ہوجائیں اور نہایت تکلیف کے بعد زندگی مطمئن ہوجائے، طویل بیماری کے بعد صحت کی لذت حاصل ہوجائے پھر وہ دیگر مسلمانوں کی طرف نظر کرے تو انہیں بھی اس مرض میں مبتلا پائے یوں کہ انہیں راتوں کو جاگتے اور دن میں بے چین ہوتے ہوئے دیکھے، نیز ان کی آہ وبُکا کو سنے تو اب اسے یاد آئے کہ انہیں جو مرض ہے اس کی دَوا کی اسے پہچان ہے اور وہ انہیں بڑی آسانی سے کچھ ہی عرصہ میں ٹھیک کرسکتا ہے۔ یہ جان کر اس میں نرمی اور رحم پیدا ہوجائے اور وہ ان کے علاج میں ذراسی تاخیر برداشت نہ کرے۔ ایسے ہی مخلص بندہ راہِ ہدایت پر چلنے اور قلبی امراض سے شفا پانے کے بعد مخلوق کو دیکھتا ہے کہ ان کے دل گناہوں کے مرض میں مبتلا ہوچکے ہیں، یہ دوا سے ناامید ہوکر ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہیں تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان کا علاج کرنا اور دوا مہیا کرنا اس کے لئے آسان ہے، لہٰذا وہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے کا پختہ ارادہ کرتا ہے اور شیطان اس ارادے پر اسے مزید ترغیب دیتا ہے اس امید پر کہ فریب دینے کا کوئی ذریعہ مل جائے پھر جب وہ وعظ و نصیحت میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان کو فریب دینے کا ذریعہ مل جاتا ہے پھر شیطان چیونٹی کی رفتار سے بھی آہستہ انداز میں اسے اقتدار کی جانب بلاتا ہے جس کا اسے احساس بھی نہیں ہوتا اور پھر اس کے دل میں اسی رفتار کو برقرار رکھتے ہوئے اسے وعظ و نصیحت میں منفرد، خوبصورت اور ہم قافیہ الفاظ لانے نیز لباس، شکل و صورت میں دِکھاوا اور بناوٹی انداز اختیار کرنے کی جانب بلاتا ہے اور اس طرح لوگ اس کی جانب مائل ہوکر بادشاہوں سے بھی زیادہ اس کی تعظیم و توقیر اور احترام کرتے ہیں کیونکہ لوگ اسے بغیر کسی لالچ کے محض شفقت اور محبت کے ساتھ اپنا علاج کرتا ہوا پاتے ہیں تو باپ دادا اور دیگر رشتہ داروں سے زیادہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اپنی جان ومال پر اسے ترجیح دیتے ہیں، غلاموں اور خادموں کی طرح اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں، اس کی خدمت کرتے ہیں، اسے محافل میں نمایاں مقام دیتے ہیں نیز بادشاہ اور سلطان پر بھی اسے ثالِث مقرر کرتے ہیں۔

ایسی صورت میں اس کی طبیعت میں تبدیلی آجاتی ہے اور اس کا نفس خوش ہوجاتا ہے اور تمام لذتوں سے زیادہ لذت پاتا ہے اور اسے طَلَبِ دُنیا کی ایسی چاہت ہوتی ہے کہ تمام خواہشات اس کے مقابلے میں حقیر

نظر آتی ہیں اور وہ دنیا سے کنارہ کَش ہونے کے باوُجود دنیا کی بڑی لذات میں پھنس جاتا ہے، ایسے وقت میں شیطان کو موقع مل جاتا ہے اور وہ اپنا ہاتھ اس کے دل کی جانب بڑھاتا ہے اور اسے ہر اس کام میں لگا دیتا ہے جس سے اسے لذت ملتی رہے۔ طبیعت میں تبدیلی اور شیطان کی جانب مائل ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی غَلَطی ہو جائے اور اسے لوگوں کے سامنے ٹوک دیا جائے تو اسے غصہ آجاتا ہے۔ غصہ آجانے پر اگر وہ اپنے نفس کی سَرزَنِش کرے تو شیطان فوراً اسے یہ خیال دلاتا ہے کہ یہ غصہ رضائے الٰہی کے لئے ہے کیونکہ جب تک مرید اس کے بارے میں حُسْنِ ظَن نہ رکھیں گے اس وقت تک راہِ حق سے جدا رہیں گے، اس طرح وہ شیطانی فریب میں آجاتا ہے۔ ایسے وقت میں بسا اوقات شیطان اس سے ٹوکنے والے کی مذمت کرواتا ہے اور وہ جائز گمان کو چھوڑ غیبت جیسے حرام فعل میں مبتلا ہو جاتا ہے بلکہ کبھی تکبر میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے یوں کہ حق بات کو قبول کرنے سے اِنْحِراف اور حق بتانے والے کا شکریہ ادا کرنے سے اعراض کرتا ہے حالانکہ پہلے وہ پیش آنے والے خطرات سے بھی بچنے کی کوشش کرتا تھا۔

یونہی جب یہ ہنستا ہے یا اس کے کسی عمل میں کمی ہو جاتی ہے تو اس کا نفس بے چین ہو جاتا ہے کہ کوئی اس پر مُطَّلَع نہ ہو جائے اور اس طرح اس کی مقبولیت میں کمی نہ ہو جائے، لہٰذا یہ کثرت سے استغفار کرتا ہو اور درد بھری آہیں کھینچتا ہے اور کبھی اس وجہ سے اعمال و وظائف میں زیادتی کرتا ہے جبکہ شیطان اس کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تو یہ سب کام اس لئے کر رہا ہے کہ کہیں لوگ راہِ سُلوک میں سست نہ پڑ جائیں اور عمل چھوڑنے کی وجہ سے اس راستہ کو نہ چھوڑ دیں۔ بے شک یہ شیطان کی چالبازی اور دھوکا ہے۔ اس کے نفس کی بے چینی اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اسے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں یہ مَنْصَب چھن نہ جائے۔ اسی وجہ سے اگر لوگ اس کے ہم عصر میں سے کسی کی لَغْزِش یا قُصُور پر مطلع ہو جائیں تو اسے بالکل بے چینی نہیں ہوتی بلکہ کبھی تو وہ اس بات کو پسند کرتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے اور اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں کے دل اس کے کسی ہم عَصْر کی جانب مائل ہو رہے ہیں اور ہم عصر کا کلام اس کے کلام سے زیادہ پُر اثر ہے تو اس پر یہ بات ناگوار گزرتی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ نفس کو خوشی اور لذتِ اقتدار حاصل ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو ضرور وہ اس کو غنیمت جانتا۔ ایسے شخص کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے اپنے چند دوستوں کو

ایسے کنویں میں پھنسا دیکھا جس کے اوپر ایک بڑا پتھر تھا اور وہ لوگ اس پتھر کی وجہ سے اوپر چڑھنے سے عاجز تھے اس کا دل اپنے دوستوں کے لئے نرم ہوا اور اس پتھر کو اٹھانے کے لئے کنویں کے قریب آیا لیکن وہ پتھر بھاری تھا اتنے میں دوسرا شخص اس کی مدد کے لئے آگے بڑھا اس نے اس کے ساتھ مل کر یا تن تنہا پتھر کو کنویں سے دور کر دیا۔ اب اس کی خوشی میں یقیناً اضافہ ہونا چاہئے کہ اس کا مقصد یہی تھا کہ اس کے دوست کنویں سے رہائی پائیں لیکن اس کے برعکس وہ اس عمل سے ناراض ہو گیا تو جس واعظ کا مقصد اپنے مسلمان بھائیوں کو دوزخ کی آگ سے بچانا ہو اور یہ بات اس پر ظاہر ہو جائے کہ کوئی اور اس کی مدد کر رہا ہے یا وہ اکیلا ہی لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے لئے کافی ہے تو اس پر ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ جس کی غرض لوگوں کو راہ ہدایت پر گامزن کرنا ہو مگر تمام لوگ خود ہی راہِ ہدایت پر آجائیں تو کیا یہ بات اسے ناگوار گزرے گی؟ بالکل نہیں، لہٰذا جب لوگ کسی دوسرے کے سبب راہِ ہدایت پر آجائیں تو اس پر کیوں ناراض ہوا جائے۔ جب ایسے شخص کے دل میں ناگواری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے تو شیطان اسے تمام بڑے گناہوں کی جانب بلاتا ہے اور بے حیائی کے کام کروا کر اسے ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں ہدایت پانے کے لئے دل کے سیدھی راہ سے ہٹ جانے سے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں نفس کے ٹیڑھے پن سے محفوظ رکھے۔

لوگوں کو وَعظ و نصیحت کب کی جائے...؟

اگر کوئی یہ کہے کہ جب ایسی بات ہے تو پھر آدمی لوگوں کو وعظ و نصیحت کب کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب لوگوں کی ہدایت سے اس کا مقصد صرف رضائے الٰہی حاصل کرنا ہو اور اگر کوئی دوسرا اس کام میں اس کی مدد کرے یا لوگ خود ہدایت پر آجائیں تو اسے اچھا جانے، لوگوں کے مال اور تعریف کو بالکل پسند نہ کرے، اس کے نزدیک تعریف اور مذمت دونوں برابر ہوں اور جب وہ یہ جانے کہ رب تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے تو لوگوں کی مذمت کا خیال نہ کرے اور جب سعادت مندی سے محروم ہونے کا اسے علم ہو تو لوگوں کی تعریف پر خوشی کا اظہار نہ کرے۔ لوگوں کو بڑوں کی مثل یا جانوروں کی طرح خیال کرے کیونکہ بڑوں پر تکبر نہیں کیا جاتا نیز ایمان پر خاتمہ معلوم نہ ہونے کے سبب تمام لوگوں کو اپنے سے بہتر جانے اور

جانوروں کی طرح خیال کرنے سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنے مقام و مرتبہ کی خواہش نہ کرے جیسے آدمی یہ پروا نہیں کرتا کہ جانور اسے کس طرح دیکھتے ہیں یوں کہ وہ نہ ان کے لئے زینت کرتا ہے نہ ہی دِکھاوا، لوگوں کے ساتھ بھی اسی طرح پیش آئے کیونکہ چرواہے کی غَرَض یہی ہوتی ہے کہ جانوروں کو چَرائے اور بھیڑیئے کو ان سے دور رکھے یہ غرض نہیں کہ جانور اسے دیکھیں لہٰذا اگر وہ لوگوں کو جانوروں کی مثل نہیں دیکھے گا اور پھر لوگوں کی اِصلاح میں مشغول ہوگا تو دھوکے سے محفوظ نہیں رہے گا۔ بسا اوقات وہ دوسروں کی اصلاح کرتا ہے لیکن اس وجہ سے خود اس کا نفس بگڑ جاتا ہے تو وہ ایسے چراغ کی مانند ہو جاتا ہے جو دوسروں کو تو روشنی دیتا ہے مگر خود کو جلاتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر کوئی یہ کہے کہ تمام واعظین اس درجہ پر فائز ہونے تک وعظ کرنا چھوڑ دیں تو دنیا وعظ و نصیحت سے خالی ہو جائے گی اور دلوں میں خرابی پیدا ہو جائے گی۔ میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ نور کے پیکر، تمام نبیوں کے سَرْوَر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "ہر برائی کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔"[1]

اگر لوگ دنیا سے محبت نہ کرتے تو دنیا برباد ہو جاتی اور نظامِ زندگی میں بگاڑ پیدا ہو جاتا اور دل اور بدن ہلاک ہو جاتے لیکن رسولِ اَکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس حقیقت سے واقف تھے کہ دنیا کی محبت ہلاک کرنے والی ہے اور اس سے بھی واقف تھے کہ ہلاکت کے ذکر کے باوجود دنیا کی محبت اکثر لوگوں کے دلوں سے نہیں نکلے گی اور جن قلیل لوگوں کے دلوں سے نکلے گی ان کے سبب دنیا میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔ لہٰذا حضور نبیِّ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے نہ وعظ و نصیحت ترک کی، نہ دنیوی محبت کے خطرے کو ذکر کرنے سے اجتناب فرمایا بلکہ اس وجہ سے اسے ذکر فرمایا کہ کہیں بندہ اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے والی اُن خواہشات میں مبتلا نہ کر بیٹھے جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنے بندوں پر مُسَلَّط فرمایا ہے اور یہ وہ خواہشات ہیں جو جہنّم کی جانب لے جانے والی ہیں۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

[1] ...موسوعة الامام ابن ابی الدنیا، کتاب ذم الدنیا، ۵/ ۲۲، حدیث: ۹

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾ (پ۲۱، السجدة: ۱۳)

ترجمۂ کنزالایمان: مگر میری بات قرار پاچکی کہ ضرور جہنم کو بھردوں گا ان جنّوں اور آدمیوں سب سے۔

جب یہ بات ہے تو وعظ و نصیحت کرنے والوں کی زبانیں خواہشِ منصب کے لئے وعظ و نصیحت میں مصروف رہیں گی اور اگر کوئی انہیں یہ کہہ دے کہ خواہشِ منصب کے سبب وعظ کرنا حرام ہے، تو بھی وعظ و نصیحت سے باز نہیں آئیں گے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے لوگ شراب، زنا، چوری، ریا، ظلم اور دیگر گناہوں سے باز نہیں آتے حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں حرام فرمایا ہے۔ انسان کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنے نفس کی جانب دیکھے اور لوگوں کی باتوں پر توجہ نہ دے، اللہ عَزَّوَجَلَّ ایک یا ایک سے زیادہ بگڑے ہوئے لوگوں کے ذریعے بھی بہت سے لوگوں کی اصلاح فرمادیتا ہے کیونکہ اگر اللہ عَزَّوَجَلَّ بعض کو بعض کے ذریعہ دور نہ فرماتا تو زمین میں بگاڑ پیدا ہوجاتا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ ایسے لوگوں سے بھی اس دین کی مدد فرماتا ہے جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ بہر حال خواہشِ منصب اور دنیا کی محبت کے سبب وعظ و نصیحت کرنے والے تو ہر دور میں رہیں گے خوف اس بات کا ہے کہ کہیں وعظ و نصیحت قبول کرنے کا سلسلہ ختم نہ ہوجائے۔

خُود پسندی کا جال:

اگر کہا جائے کہ جب مُرید شیطان کی اس طرح کی چالبازیوں پر واقِف ہوجائے گا اور نفس کے مُحَاسَبَہ میں مشغول ہوکر وعظ و نصیحت چھوڑ دے گا یا صِدْق و اخلاص کی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے وعظ و نصیحت کرے گا تو اب اسے کس چیز کا خوف ہوگا؟ اور اس کے سامنے کس قسم کے خطرات اور دھوکے کے جال ہوں گے؟ تو جان لیجئے! اب بھی ایک بڑا دھوکا باقی ہے کہ شیطان بندے سے کہتا ہے: تو نے مجھے عاجز کردیا اور اپنی ذَہانت اور عقل کامل کے سبب مجھ سے بچ نکلا، میں نے بڑے بڑے اولیا پر قدرت حاصل کی لیکن تجھ پر قادِر نہ ہوسکا تو کس قدر صبر والا ہے اور بارگاہِ الٰہی میں تیری حیثیت اور تیرا مقام کس قدر بلند ہے کہ اس نے تجھے میری طاقت سے بھی زیادہ قوت عطا فرمائی اور ایسی سمجھداری عطا کی ہے کہ تو نے میرے دھوکے کے تمام راستے جان لئے، لہٰذا بندہ شیطان کی بات پر دھیان کرکے اس کی تصدیق کردیتا ہے اور ہر قسم کے دھوکے سے بچ جانے کی وجہ سے اپنے دل میں خوش ہوتا ہے اور یوں خود پسندی کے دھوکے میں مبتلا ہوجاتا ہے جو کہ انتہائی

مُہْلِک مَرَض اور ایک بڑا گناہ ہے۔ اسی وجہ سے شیطان نے کہا ہے: اے ابنِ آدم! جب تو یہ گمان کرتا ہے کہ اپنے علم کے سبب مجھ سے بچ گیا ہے اس وقت تو اپنی جہالت کے سبب میرے جال میں پھنس جاتا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

اگر بندہ خود پسندی نہ کرے اور یہ جانے کہ جو کچھ اسے حاصل ہے یہ سب اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فضل ہے اس میں اس کا کچھ دخل نہیں اور یہ سمجھے کہ مجھ جیسے لوگ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی توفیق اور مدد سے ہی شیطان کو بھگانے کی طاقت رکھتے ہیں نیز بندہ اپنے نفس کی کمزوری اور عاجز ہونے کو پہچان لے۔ اگرچہ ایسے اَفراد تھوڑے ہیں اور جب وہ اس طرح کی شیطانی چالبازیوں سے بچنے پر قدرت حاصل کر لے اور یہ سمجھے کہ یہ قدرت نفس کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی جانب سے ہے تو کیا اب خود پسندی سے بچ جانے کے بعد بھی اسے کسی چیز کا خوف رہے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ خوف ضرور باقی رہے گا کہ وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم پر بھروسا کرتے ہوئے اس کی خُفیہ تدبیر سے بے خوف نہ ہو جائے حتّٰی کہ یہ گمان یہ نہ کر بیٹھے کہ وہ مستقبل میں بھی اسی انداز پر قائم رہے گا اسے کسی قسم کا فتنہ نہیں پہنچے گا اور اس کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئے گی۔ جب کوئی یہ سوچ لیتا ہے تو وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو کر محض اس کے فضل پر بھروسا کر لیتا ہے اور جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو جاتا ہے وہ بہت زیادہ نقصان اٹھاتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ کچھ اسے حاصل ہے سب اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فَضْل و کَرَم جانے اور اس بات سے ڈرتا رہے کہ دنیا کی محبت، ریاکاری، بُرے اَخلاق یا دُنیوی عزت کی خواہش میں سے کوئی قَلْبی صِفَت اس کے دل میں تو موجود نہیں جسے وہ نہیں جانتا اور اس بات کا بھی خوف رکھے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہونے کی وجہ سے کہیں اس کی موجودہ حالت پلک جھپکنے سے پہلے چھین نہ لی جائے نیز بُرے خاتمے کے خطرے سے غافل نہ رہے کیونکہ یہ وہ خطرہ ہے جس سے چھٹکارا نہیں اور وہ خوف ہے جس سے نجات پُل صراط سے گزرنے کے بعد ہی مل سکتی ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نَزع کے عالَم میں تھے، شیطان ظاہر ہو کر ان سے کہنے لگا: تم مجھ سے بچ کر نکل گئے۔ فرمایا: ابھی نہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عُلَما کے سوا تمام لوگ ہلاکت میں ہیں اور باعَمَل عُلَما کے علاوہ تمام علما بھی ہلاکت میں ہیں اور باعمل علما بھی ہلاکت میں ہیں سوائے مخلص لوگوں کے اور ان کے لئے بھی بہت بڑا خطرہ ہے۔

خلاصہ یہی ہے کہ دھوکے میں مبتلا شخص ہلاک ہو جائے گا اور دھوکے سے محفوظ رہنے والا مخلص بندہ بھی خطرے میں ہے، اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اولیا کے دلوں سے کبھی ڈر و خوف جدا نہیں ہوتا۔ ہم اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مدد، توفیق اور خاتمہ بالخیر کا سوال کرتے ہیں۔

دھوکے کی مذمّت کا بیان مکمل ہونے کے ساتھ ساتھ مُہلِکات (ہلاکت میں ڈالنے والی باتوں) کا بیان بھی مکمل ہوا۔ مُنْجِیات (نجات دلانے والے امور) کے بیان میں سب سے پہلے توبہ کے بیان سے ابتدا کریں گے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کے لئے اوّل و آخر حمد ہے اور دُرُود ہو اس پاک ذات پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے، نیکی کرنے کی طاقت اور گناہ سے بچنے کی قوت بُلندی و عظمت والے اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی کی طرف سے ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰه! اللہ عَزَّوَجَلَّ کے فضل و کرم سے "دھوکے کی مذمّت کا بیان" مکمل ہوا

❁ ... ❁ ... ❁ ... ❁ ... ❁

شیطان کا محبوب اور مبغوض

حضرت سیِّدُنا یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی ایک مرتبہ شیطان سے اس کی اصل صورت میں ملاقات ہوئی تو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس سے پوچھا: اے ابلیس مجھے یہ بتا کہ تجھے لوگوں میں سب سے زیادہ کس سے محبت اور سب سے زیادہ کس سے نفرت ہے؟ تو شیطان نے جواب دیا کہ مجھے بخیل مومن سے زیادہ محبت ہے اور فاسق سخی سے سب سے زیادہ بغض ہے۔ حضرت سیِّدُنا یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام نے پوچھا: کیوں؟ جواب دیا: کیونکہ بخیل کا بخل میرے لئے کافی ہے جبکہ فاسق سخی کے بارے میں مجھے خوف رہتا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس کی سخاوت کو قبول کرلے۔ پھر شیطان نے واپس جاتے ہوئے کہا: اگر آپ حضرت یحییٰ عَلَیْہِ السَّلَام نہ ہوتے تو میں یہ بات نہ بتاتا۔

(احیاء علوم الدین، کتاب ذم البخل وذم حب المال، بیان ذم البخل، ۳/ ۳۲۲)

فہرست حِکایات

❊ ... ❊ ... ❊ ... ❊ ... ❊

متروکہ عربی عبارات

﴿1﴾... "وعن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ: ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝﴾ (الفلق: ۳) قال ھو قیام الذکر. وقد اسندہ بعض الرواۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الا انہ قال فی تفسیرہ: الذکر اذا دخل". (احیاء العلوم، کتاب کسر الشھوتین، القول فی شھوۃ الفرج، ۳/ ۱۲۳، مطبوعہ: دار صادر بیروت)

﴿2﴾... "فان قلت فقد روی فی غریب الحدیث، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: شکوت الی جبرائیل ضعف الوقاع، فامرنی باکل الھریسہ. فاعلم: انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان تحتہ تسع نسوۃ، ووجب علیہ تحصینھن بالامتاع، وحرم علی غیرہ نکاحھن وان طلقھن. فکان طلبہ القوۃ لھذا لا للتمتع". (احیاء العلوم، کتاب کسر الشھوتین، القول فی شھوۃ الفرج، ۳/ ۱۲۳، مطبوعہ: دار صادر بیروت)

❊ ... ❊ ... ❊ ... ❊ ... ❊

آسمانوں میں شہرت رکھنے والے بندے

فرمان مصطفےٰ: دنیا میں بھوکے رہنے والے لوگوں کی ارواح کو اللہ عزوجل قبض فرماتا ہے اور ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر غائب ہوں تو انہیں تلاش نہیں کیا جاتا، موجود ہوں تو پہچانے نہیں جاتے، دنیا میں پوشیدہ ہوتے ہیں مگر آسمانوں میں ان کی شہرت ہوتی ہے، جب جاہل و بے علم شخص انہیں دیکھتا ہے تو ان کو بیمار گمان کرتا ہے جبکہ وہ بیمار نہیں ہوتے بلکہ انہیں اللہ عزوجل کا خوف دامن گیر ہوتا ہے قیامت کے دن یہ لوگ عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (مسند الفردوس، ۱/ ۲۳۵، الحدیث: ۱۶۵۹)

تفصیلی فہرست

سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے شہزادے اور شہزادیاں

❀...**شہزادے:** پیارے مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے تین شہزادے تھے جن کے اسمائے مُبارَکہ یہ ہیں:

(۱)...حضرت سیِّدُنا قاسم (۲)...حضرت سیِّدُنا ابراہیم (۳)...طیِّب و طاہر حضرت سیِّدُنا عبدُ اللہ عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان۔

❀...**شہزادیاں:** مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی چار شہزادیاں تھیں جن کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں:

(۱)...حضرت سیِّدَتُنا زَیْنَب (۲)...حضرت سیِّدَتُنا رُقَیَّہ (۳)...حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ کُلْثُوم (۴)...حضرت سیِّدَتُنا فَاطِمَۃُ الزَّھْرا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُنَّ۔ (المواہب اللدنیۃ، الفصل الثانی فی ذکر اولاد الکرام، ۱/ ۳۴۳)

ماخذ ومراجع

نام کتاب	مصنف/مؤلف	مطبوعہ
قرآن پاک	کلام باری تعالیٰ	مکتبۃ المدینہ ۱۴۳۲ھ
ترجمۂ کنزالایمان	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۰ھ	مکتبۃ المدینہ ۱۴۳۲ھ
خزائن العرفان	صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ ۱۴۳۲ھ
تفسیر الطبری	امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۱۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۰ھ
التفسیر الکبیر	امام فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین رازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۰۶ھ	دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۰ھ
تفسیر القرطبی	علامہ ابو عبد اللہ بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۷۱ھ	دار الفکر ۱۴۲۰ھ
اللباب فی علوم الکتاب	علامہ سراج الدین عمر بن علی بن عادل حنبلی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ متوفی بعد سنۃ ۸۸۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
تفسیر غرائب القرآن	علامہ نظام الدین حسن بن محمد قمی نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۲۸ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۶ھ
تفسیر الثعلبی	علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۷۶ھ	مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات
البحر المدید	احمد بن محمد المہدی ابن عجیبہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۲۲۴ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۳ھ
روح المعانی	علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۲۷۰ھ	دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۱ھ
صحیح البخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۵۶ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۶۱ھ	دار ابن حزم ۱۴۱۹ھ
سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۷۳ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
سنن ابی داود	امام ابو داود سلیمان بن اشعث سجستانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۷۵ھ	دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۱ھ
سنن الترمذی	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۷۹ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
سنن النسائی	امام احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۶ھ
السنن الکبریٰ	امام احمد بن شعیب نسائی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۰۳ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۱ھ
السنن الکبریٰ	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۴ھ
سنن الدارمی	امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۵۵ھ	دار الکتاب العربی ۱۴۰۷ھ
سنن الدارقطنی	امام ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۸۵ھ	ملتان پاکستان
سنن سعید بن منصور	امام حافظ ابو عثمان سعید بن منصور بن شعبۃ خراسانی جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۲۷ھ	دار الصمیعی ۱۴۲۰ھ
الموطأ	امام مالک بن انس اصبحی حمیری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۹ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
المستدرک	امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۰۵ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۸ھ

المسند	امام ابو عبد الله احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
المسند	امام حافظ سلیمان بن داود طیالسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۰۴ھ	دار المعرفۃ بیروت
المسند	امام ابو یعلی احمد بن علی موصلی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۰۷ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۸ھ
مسند البزار	امام ابو بکر احمد بن عمرو بزار رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۹۲ھ	مکتبۃ العلوم والحکم ۱۴۲۴ھ
مسند الحارث	امام حافظ حارث بن ابی اسامہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۸۲ھ	المدینۃ المنورۃ ۱۴۱۳ھ
الزھد	امام ابو عبد الله احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۴۱ھ	دار الکتب العلمیۃ
الزھد	امام ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۸۱ھ	دار الکتب العلمیۃ
الزھد	امام وکیع بن جراح بن ملیح رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۷ھ	الدار المدینۃ المنورۃ ۱۴۰۴ھ
الزھد	امام ھناد بن سری کوفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۴۳ھ	دار الخلفاء للکتاب الاسلامی ۱۴۰۶ھ
الزھد الکبیر	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۵۸ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
الزھد وصفۃ الزاھدین	امام ابو سعید أحمد بن محمد بن زیاد ابن اعرابی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۴۰ھ	دار الصحابۃ للتراث ۱۴۰۸ھ
المصنف فی الاحادیث والآثار	حافظ عبد اللہ محمد بن ابی شیبۃ عبسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۳۵ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
المصنف	امام حافظ ابو بکر عبد الرزاق بن ھمام رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
الجامع	امام حافظ معمر بن راشد ازدی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
المعجم الصغیر	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۳ھ
المعجم الاوسط	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۰ھ
المعجم الکبیر	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی ۱۴۲۲ھ
جمع الجوامع	امام جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
جامع الاحادیث	امام جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
کنز العمال	علامہ علاء الدین علی بن حسام الدین متقی ھندی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۷۵ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
صحیح ابن حبان	امام حافظ ابو حاتم محمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۵۴ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۷ھ
شعب الایمان	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
معرفۃ السنن والآثار	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۲ھ
فردوس الاخبار	حافظ شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۰۹ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۶ھ
المقاصد الحسنۃ	علامہ محمد عبد الرحمٰن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۰۲ھ	دار الکتاب العربی ۱۴۲۵ھ
الترغیب والترھیب	حافظ زکی الدین عبد العظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۵۶ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ

مشکوٰۃ المصابیح	علامہ محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۴۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۴ھ
الشمائل المحمدیۃ	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۷۹ھ	دار احیاء التراث العربی
نوادر الاصول	ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسین حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۰ھ	مکتبۃ الامام بخاری
جامع الاصول	ابو السعادات مبارک بن محمد شیبانی المعروف بابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۰۶ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۸ھ
شرح السنہ	امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۱۶ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۴ھ
شرح اصول اعتقاد......	علامہ ابو القاسم ھبۃ اللہ بن الحسن الطبری لالکائی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۱۸ھ	دار البصیرۃ مصر
فیض القدیر	علامہ محمد عبد الرؤوف مناوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۳۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۲ھ
شرح الزرقانی علی المواھب	حافظ محمد بن عبد الباقی بن یوسف زرقانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۱۲۲ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۷ھ
قوت القلوب	علامہ ابو طالب محمد بن علی مکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۸۶ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۶ھ
الزواجر عن اقتراف الکبائر	امام ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر مکی ھیتمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۷۴ھ	دار المعرفۃ ۱۴۱۹ھ
الکبائر	امام حافظ محمد بن احمد بن عثمان ذھبی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۴۸ھ	پشاور پاکستان
الشفا	امام ابو فضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۴۴ھ	مرکز اہلسنت برکات رضا ھند
کتاب الدعاء	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
مکارم الاخلاق	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
مکارم الاخلاق	حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۸۱ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
مساوئ الاخلاق	حافظ ابو بکر محمد بن جعفر السامری خرائطی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۳۲۷ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیہ ۱۴۱۳ھ
دلائل النبوۃ	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۳ھ
سبل الھدیٰ والرشاد	امام محمد بن یوسف صالحی شامی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۴۲ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۸ھ
اخلاق النبی وآدابہ	ابو محمد عبد اللہ بن محمد المعروف بابی الشیخ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۹ھ	دار الکتاب العربی ۱۴۲۸ھ
الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۵۶ھ	ملتان پاکستان
الموسوعۃ	حافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۸۱ھ	المکتبۃ العصریۃ ۱۴۲۶ھ
مجمع الزوائد	حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ھیثمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۰۷ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۲۰ھ
تاریخ مدینہ دمشق	حافظ ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۷۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ
تاریخ بغداد	حافظ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۶۳ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۷ھ
حلیۃ الاولیاء	امام حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۳۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۸ھ
اتحاف الخیرۃ المھرۃ	حافظ احمد بن ابی بکر بن اسماعیل بوصیری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۴۰ھ	مکتبۃ الرشد ۱۴۱۹ھ

الطبقات الکبری	امام حافظ محمد بن سعد بن منیع ہاشمی بصری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۳۰ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۸ھ
کتاب المغازی	امام المغازی محمد بن عمرو الواقدی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۰۷ھ	مؤسسۃ الاعلمی ۱۴۰۹ھ
تذکرۃ الموضوعات	علامہ طاہر بن علی ہندی پٹنی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۸۶ھ	ملتان پاکستان
المفردات فی غریب القرآن	علامہ ابو القاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۰۲ھ	کراچی پاکستان
المتحابین فی اللہ	علامہ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن قدامۃ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۲۰ھ	دار الطباع ۱۴۱۱ھ
العاقبۃ فی ذکر الموت	حافظ ابو محمد عبد الحق بن عبد الرحمٰن اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۸۱ھ	دار الاقصیٰ ۱۴۰۶ھ
اتحاف السادۃ المتقین	علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۲۰۵ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۳۰ھ
الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۵۲ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۵ھ
آداب النفوس	امام ابو عبد اللہ حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۴۰ھ	دار الجیل ۱۴۰۳ھ
بستان الواعظین	امام ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۹۷ھ	دار الکتب العلمیۃ
المجالسۃ وجواہر العلم	حافظ ابو بکر احمد بن مروان دینوری مالکی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۳۳ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۲۱ھ
الکامل فی ضعفاء الرجال	امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۵ھ	دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۹ھ
کتاب الضعفاء	علامہ ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۲۲ھ	دار الصمیعی ریاض ۱۴۲۰ھ
التوبیخ والتنبیہ	حافظ ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۹ھ	مکتبۃ الفرقان القاہرۃ
شرح نہج البلاغہ	عبد الحمید بن ہبۃ اللہ معتزلی متوفی ۶۵۶ھ	دار احیاء الکتب العربیۃ ۱۳۷۸ھ
فتاوٰی رضویہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۰ھ	رضا فاؤنڈیشن لاہور پاکستان
بہار شریعت	صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ کراچی پاکستان
مرآۃ المناجیح	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۹۱ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

❊ ... ❊ ... ❊ ... ❊ ... ❊

قیامت کا سب سے پہلا سوال

مُعَلِّمِ کائنات، شاہِ موجودات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشادِ حقیقت بنیاد ہے: قیامت کے دن بندے کے اَعمال میں سے پہلے نماز کا سُوال ہو گا، اگر وہ دُرُست ہوئی تو اُس نے کامیابی پائی اور اگر اس میں کمی ہوئی تو وہ رُسوا ہوا اور اُس نے نُقصان اُٹھایا۔ (کنز العمال، ۷/ ۱۱۵، حدیث: ۱۸۸۸۳)

مجلس المدینۃ العلمیہ کی طرف سے پیش کردہ 244 کُتُب و رسائل

﴿شعبہ کُتُبِ اعلیٰ حضرت﴾

اُردو کُتُب:

01...حقوقُ العباد کیسے معاف ہوں (اَعْجَبُ الْاِمْدَاد) (کل صفحات:47)

02...کنزالایمان مع خزائن العرفان (کل صفحات:1185)

03...ثبوتِ ہلال کے طریقے (طُرُقُ اِثْبَاتِ ہِلَال) (کل صفحات:63)

04...بیاضِ پاک حُجَّۃُ الْاِسْلَام (کل صفحات:37)

05...اولاد کے حقوق (مَشْعَلَۃُ الْاِرْشَاد) (کل صفحات:31)

06...اَلْوَظِیْفَۃُ الْکَرِیْمَۃ (کل صفحات:46)

07...ایمان کی پہچان (حاشیہ تمہیدِ ایمان) (کل صفحات:74)

08...حدائقِ بخشش (کل صفحات:446)

09...راہِ خدا میں خرچ کرنے کے فضائل (رَادُّ الْقَحْطِ وَالْوَبَاء بِدَعْوَۃِ الْجِیْرَانِ وَمُوَاسَاۃِ الْفُقَرَاء) (کل صفحات:40)

10...کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات (کِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَاہِمْ فِیْ اَحْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاہِمْ) (کل صفحات:199)

11...فضائلِ دعا (اَحْسَنُ الْوِعَاء لِاٰدَابِ الدُّعَاء مَعَہٗ ذَیْلُ الْمُدَّعَاء لِاَحْسَنِ الْوِعَاء) (کل صفحات:326)

12...عیدین میں گلے ملنا کیسا؟ (وِشَاحُ الْجِیْدِ فِیْ تَحْلِیْلِ مُعَانَقَۃِ الْعِیْد) (کل صفحات:55)

13...والدین، زوجین اور اساتذہ کے حقوق (اَلْحُقُوْق لِطَرْحِ الْعُقُوْق) (کل صفحات:125)

14...معاشی ترقی کا راز (حاشیہ و تشریح تدبیر فلاح و نجات و اصلاح) (کل صفحات:41)

15...الملفوظ المعروف بہ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت (مکمل چار حصے) (کل صفحات:561)

16...شریعت و طریقت (مَقَالِ عُرَفَا بِاِعْزَازِ شَرْعٍ وَعُلَمَا) (کل صفحات:57)

17...اعلیٰ حضرت سے سوال جواب (اِظْہَارُ الْحَقِّ الْجَلِی) (کل صفحات:100)

18...ولایت کا آسان راستہ (تصورِ شیخ) (اَلْیَاقُوْتَۃُ الْوَاسِطَۃ) (کل صفحات:60)

عربی کُتُب:

19، 20، 21، 22، 23...جَدُّ الْمُمْتَار عَلٰی رَدِّ الْمُحْتَار (المجلد الاول والثانی والثالث والرابع والخامس)

(کل صفحات:570، 672، 713، 650، 483)

24...اَلتَّعْلِیْقُ الرَّضَوِی عَلٰی صَحِیْحِ الْبُخَارِی (کل صفحات:458)

25...اَلْفَضْلُ الْمَوْہَبِی (کل صفحات:46)

26...کِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَاہِم (کل صفحات:74)

27...اِقَامَۃُ الْقِیَامَۃ (کل صفحات:60)

28...اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِیْنَۃ (کل صفحات:62)

29...تَمْہِیْدُ الْاِیْمَان (کل صفحات:77)

30...اَلزَّمْزَمَۃُ الْقَمَرِیَّۃ (کل صفحات:93)

31...اَجْلَی الْاِعْلَام (کل صفحات:70)

﴿شعبہ تراجم کُتُب﴾

01...سایۂ عرش کس کس کو ملے گا...؟ (تَمْہِیْدُ الْفَرْش فِی الْخِصَالِ الْمُوْجِبَۃِ لِظِلِّ الْعَرْش) (کل صفحات:88)

02...مدنی آقا کے روشن فیصلے (اَلْبَاہِرُ فِیْ حُکْمِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بِالْبَاطِنِ وَالظَّاہِر) (کل صفحات:112)

03...نیکیوں کی جزائیں اور گناہوں کی سزائیں (قُرَّۃُ الْعُیُوْن وَمُفَرِّحُ الْقَلْبِ الْمَحْزُوْن) (کل صفحات:142)

04...نصیحتوں کے مدنی پھول بوسیلہ احادیثِ رسول (اَلْمَوَاعِظُ فِی الْاَحَادِیْثِ الْقُدْسِیَّۃ)(کل صفحات:54)

05...جہنم میں لے جانے والے اعمال (جلد دوم)(اَلزَّوَاجِرُعَنِ اقْتِرَافِ الْکَبَائِر)(کل صفحات:1012)

06...جہنم میں لے جانے والے اعمال (جلد اول)(اَلزَّوَاجِرُعَنِ اقْتِرَافِ الْکَبَائِر)(کل صفحات:853)

07...جنت میں لے جانے والے اعمال (اَلْمَتْجَرُ الرَّابِحِ فِیْ ثَوَابِ الْعَمَلِ الصَّالِح)(کل صفحات:743)

08...امام اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کی وصیتیں (وَصَایَا اِمَامِ اَعْظَم عَلَیْہِ الرَّحْمَہ)(کل صفحات:46)

09...اصلاحِ اعمال (جلد اول)(اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ شَرْحُ طَرِیْقَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃ)(کل صفحات:866)

10...اللہ والوں کی باتیں (جلد اول)(حِلْیَۃُ الْاَوْلِیَاء وَطَبَقَاتُ الْاَصْفِیَاء)(کل صفحات:896)

11...اللہ والوں کی باتیں (جلد دوم)(حِلْیَۃُ الْاَوْلِیَاء وَطَبَقَاتُ الْاَصْفِیَاء)(کل صفحات:625)

12...نیکی کی دعوت کے فضائل (اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْف وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَر)(کل صفحات:98)

13...فیضانِ مزاراتِ اولیاء (کَشْفُ النُّوْر عَنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْر)(کل صفحات:144)

14...دنیا سے بے رغبتی اور امیدوں کی کمی (اَلزُّھْدُ وَقَصْرُ الْاَمَل)(کل صفحات:85)

15...عاشقانِ حدیث کی حکایات (اَلرِّحْلَۃ فِیْ طَلَبِ الْحَدِیْث)(کل صفحات:105)

16...احیاء العلوم (جلد اول)(اِحْیَاءُ عُلُوْمِ الدِّیْن)(کل صفحات:1124)

17...احیاء العلوم (جلد دوم)(اِحْیَاءُ عُلُوْمِ الدِّیْن)(کل صفحات:1393)

18...احیاء العلوم (جلد سوم)(اِحْیَاءُ عُلُوْمِ الدِّیْن)(کل صفحات:1286)

19...راہِ علم (تَعْلِیْمُ الْمُتَعَلِّم طَرِیْقَ التَّعَلُّم)(کل صفحات:102)

20...حُسنِ اَخلاق (مَکَارِمُ الْاَخْلَاق)(کل صفحات:102)

21...اچھے برے عمل (رِسَالَۃُ الْمُذَاکَرَۃ)(کل صفحات:122)

22...قوت القلوب (مترجم جلد اول)(کل صفحات:826)

23...حکایتیں اور نصیحتیں (اَلرَّوْضُ الْفَائِق)(کل صفحات:649)

24...شاہراہِ اولیاء (مِنْھَاجُ الْعَارِفِیْن)(کل صفحات:36)

25...شکر کے فضائل (اَلشُّکْرُ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ)(کل صفحات:122)

26...آنسوؤں کا دریا (بَحْرُ الدُّمُوْع)(کل صفحات:300)

27...احیاء العلوم کا خلاصہ (لُبَابُ الْاِحْیَاء)(کل صفحات:641)

28...آدابِ دین (اَلْاَدَبُ فِی الدِّیْن)(کل صفحات:63)

29...عُیُوْنُ الْحِکَایَات (مترجم حصہ دوم)(کل صفحات:413)

30...بیٹے کو نصیحت (اَیُّھَا الْوَلَد)(کل صفحات:64)

31...عُیُوْنُ الْحِکَایَات (مترجم حصہ اول)(کل صفحات:412)

32...اَلدَّعْوَۃُ اِلَی الْفِکْر (کل صفحات:148)

﴿شعبہ درسی کُتُب﴾

01...تفسیر الجلالین مع حاشیۃ انوار الحرمین (کل صفحات:364)

02...تعریفاتِ نحویۃ (کل صفحات:45)

03...مراح الارواح مع حاشیۃ ضیاء الاصباح (کل صفحات:241)

04...شرح مئۃ عامل (کل صفحات:44)

05...الاربعین النوویۃ فی الأحادیث النبویۃ (کل صفحات:155)

06...انوار الحدیث (کل صفحات:466)

07...نور الایضاح مع حاشیۃ النور والضیاء (کل صفحات:392)

08...الحق المبین (کل صفحات:128)

09...شرح العقائد مع حاشیۃ جمع الفرائد (کل صفحات:384)

10...تلخیص اصول الشاشی (کل صفحات:144)

11...عصیدۃ الشہدۃ شرح قصیدۃ البردۃ (کل صفحات:317)

12...منتخب الابواب من احیاء علوم الدین (عربی) (کل صفحات:173)

13...اتقان الفراسۃ شرح دیوان الحماسۃ (کل صفحات:325)

14...کافیہ مع شرح ناجیہ (کل صفحات:252)

15...مقدمۃ الشیخ مع التحفۃ المرضیۃ (کل صفحات:119)

16...نصاب اصولِ حدیث (کل صفحات:95)

17...الفرح الکامل علی شرح مئۃ عامل (کل صفحات:158)

18...المحادثۃ العربیۃ (کل صفحات:101)

19...فیض الادب (مکمل حصہ اوّل، دوم) (کل صفحات:228)

20...خلفائے راشدین (کل صفحات:341)

21...اصول الشاشی مع احسن الحواشی (کل صفحات:299)

22...خاصیاتِ ابواب (کل صفحات:141)

23...دروس البلاغۃ مع شموس البراعۃ (کل صفحات:241)

24...نصاب الصرف (کل صفحات:343)

25...عنایۃ النحو فی شرح ہدایۃ النحو (کل صفحات:280)

26...نصاب المنطق (کل صفحات:168)

27...صرف بہائی مع حاشیہ صرف بنائی (کل صفحات:55)

28...نصاب التجوید (کل صفحات:79)

29...نحو میر مع حاشیۃ نحو منیر (کل صفحات:203)

30...نصاب الادب (کل صفحات:184)

31...نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر (کل صفحات:175)

32...نصاب النحو (کل صفحات:288)

﴿شعبہ تخریج﴾

01...صحابۂ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کا عشقِ رسول (کل صفحات:274)

02...19 دُرُود و سلام (کل صفحات:16)

03...فیضانِ یٰسٓ شریف مع دعائے نصف شعبان المعظم (کل صفحات:20)

04...اسلامی زندگی (کل صفحات:170)

05...بہارِ شریعت جلد اول (حصہ ۱تا۶) (کل صفحات:1360)

06...منتخب حدیثیں (کل صفحات:246)

07...جنت کے طلبگاروں کے لئے مدنی گلدستہ (کل صفحات:470)

08...کراماتِ صحابہ (کل صفحات:346)

09...بہارِ شریعت جلد دوم (حصہ 7تا13) (کل صفحات:1304)

10...اخلاق الصالحین (کل صفحات:78)

11...بہارِ شریعت جلد سوم (حصہ ۱۴تا۲۰) (کل صفحات:1332)

12...اربعین حنفیہ (کل صفحات:112)

13...اُمہات المؤمنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ (کل صفحات:59)

14...آئینۂ قیامت (کل صفحات:108)

15...عجائب القرآن مع غرائب القرآن (کل صفحات:422)

16...سوانح کربلا (کل صفحات:192)

17...بہارِ شریعت (سولہواں حصہ) (کل صفحات:312)

18...آئینۂ عبرت (کل صفحات:133)

19...گلدستہ عقائد و اعمال (کل صفحات:244)

20...کتاب العقائد (کل صفحات:64)

21...اچھے ماحول کی برکتیں (کل صفحات:56)

22...علم القرآن (کل صفحات:244)

23...جہنم کے خطرات (کل صفحات:207)

24...جنتی زیور (کل صفحات:679)

25...بہشت کی کنجیاں (کل صفحات:249)

26...فیضانِ نماز (کل صفحات:49)

27...حق و باطل کا فرق (کل صفحات:50)

28...تحقیقات (کل صفحات:142)

29...سیرتِ مصطفیٰ (کل صفحات:875)

30تا36...فتاویٰ اہل سنت (سات حصے)

﴿شعبہ فیضانِ صحابہ﴾

﴿شعبہ اصلاحی کُتُب﴾

﴿شعبہ امیر اہلسنت﴾

01... علم وحکمت کے 125 مدنی پھول (تذکرہ امیر اہلسنت قسط 5) (کل صفحات: 102)
02... گونگا مبلغ (کل صفحات: 55)
03... گونگے بہروں کے بارے میں سوال جواب قسط پنجم (5) (کل صفحات: 23)
04... قبر کھل گئی (کل صفحات: 48)
05... مقدس تحریرات کے ادب کے بارے میں سوال جواب (کل صفحات: 48)
06... گمشدہ دولہا (کل صفحات: 33)
07... سرکار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا پیغام عطار کے نام (کل صفحات: 49)
08... ناکام عاشق (کل صفحات: 32)
09... حقوق العباد کی احتیاطیں (تذکرہ امیر اہلسنت قسط 6) (کل صفحات: 47)
10... جنوں کی دنیا (کل صفحات: 32)
11... اصلاح کا راز (مدنی چینل کی بہاریں حصہ دوم) (کل صفحات: 32)
12... غافل درزی (کل صفحات: 36)
13... 25 کرسچین قیدیوں اور پادری کا قبولِ اسلام (کل صفحات: 33)
14... نادان عاشق (کل صفحات: 32)
15... دعوتِ اسلامی کی جیل خانہ جات میں خدمات (کل صفحات: 24)
16... آنکھوں کا تارا (کل صفحات: 32)
17... بلند آواز سے ذکر کرنے میں حکمت (کل صفحات: 48)
18... مردہ بول اٹھا (کل صفحات: 32)
19... میں نے ویڈیو سینٹر کیوں بند کیا؟ (کل صفحات: 32)
20... بابرکت روٹی (کل صفحات: 32)
21... پانی کے بارے میں اہم معلومات (کل صفحات: 48)
22... مدینے کا مسافر (کل صفحات: 32)
23... دعوتِ اسلامی کی مَدَنی بہاریں (کل صفحات: 220)
24... بدکردار کی توبہ (کل صفحات: 32)
25... میں نے مدنی برقع کیوں پہنا؟ (کل صفحات: 33)
26... بدنصیب دولہا (کل صفحات: 32)
27... مخالفت محبت میں کیسے بدلی؟ (کل صفحات: 33)
28... کفن کی سلامتی (کل صفحات: 32)
29... چل مدینہ کی سعادت مل گئی (کل صفحات: 32)
30... میں نیک کیسے بنا؟ (کل صفحات: 32)
31... نومسلم کی درد بھری داستان (کل صفحات: 32)
32... ہیرونچی کی توبہ (کل صفحات: 32)
33... تذکرۂ امیر اہلسنّت (قسط 1) (کل صفحات: 49)
34... بے قصور کی مدد (کل صفحات: 32)
35... تذکرۂ امیر اہلسنّت (قسط 2) (کل صفحات: 48)
36... فلمی اداکار کی توبہ (کل صفحات: 32)
37... تذکرۂ امیر اہلسنّت (قسط 4) (کل صفحات: 49)
38... سینما گھر کا شیدائی (کل صفحات: 32)
39... معذور بچی مبلغہ کیسے بنی؟ (کل صفحات: 32)
40... حیرت انگیز حادثہ (کل صفحات: 32)
41... عطاری جن کا غُسلِ میّت (کل صفحات: 24)
42... قبرستان کی چڑیل (کل صفحات: 24)
43... خوفناک دانتوں والا بچہ (کل صفحات: 32)
44... کالے بچھو کا خوف (کل صفحات: 32)
45... ساس بہو میں صلح کا راز (کل صفحات: 32)
46... عجیب الخلقت بچی (کل صفحات: 32)
47... ماڈرن نوجوان کی توبہ (کل صفحات: 32)
48... گلوکار کیسے سدھرا؟ (کل صفحات: 32)
49... صلوٰۃ وسلام کی عاشقہ (کل صفحات: 33)
50... خوش نصیبی کی کرنیں (کل صفحات: 32)
51... فیضانِ امیر اہلسنّت (کل صفحات: 101)
52... شرابی، مؤذن کیسے بنا؟ (کل صفحات: 32)

❊ ... ❊ ... ❊ ... ❊ ... ❊ ... ❊

تمام مؤمنین کی مائیں

ہمارے پیارے آقا، مدینے والے مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ازواجِ مطہرات رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ کی تعداد 11 تھی اور یہ سب اُمَّہَاتُ الْمُؤْمِنِیْن یعنی مؤمنین کی مائیں کہلاتی ہیں، ان کے اَسمائے مُبارکہ یہ ہیں:

﴿1﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا خَدِیجہ بِنْتِ خُوَیْلَد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا

﴿2﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا سَوْدَہ بِنْتِ زَمعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا

﴿3﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا عائشہ بِنْتِ اَبُو بَکْر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا

﴿4﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا حَفْصہ بِنْتِ عُمَر فارُوق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا

﴿5﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ سَلَمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا

﴿6﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا اُمِّ حَبِیبہ بِنْتِ اَبُو سُفْیان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا

﴿7﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا زَیْنَب بِنْتِ جَحْش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا

﴿8﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا زَیْنَب بِنْتِ خُزَیْمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا

﴿9﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا مَیْمُونہ بِنْتِ حارِث بن حَزن رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا

﴿10﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا جُوَیْرِیہ بِنْتِ حارِث رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا

﴿11﴾... اُمُّ المؤمنین حضرت سیِّدَتُنا صَفِیہ بِنْتِ حُیَیّ بن اَخْطَب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا

(جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب رغم انف رجل... الخ، ۵/۳۲۱، حدیث: ۳۵۵۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُنّت کی بہاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ تبلیغِ قرانِ وسُنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **دعوتِ اسلامی** کے مہکے مہکے مَدَنی ماحول میں بکثرت سُنّتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں، ہر جُمعرات مغرِب کی نَماز کے بعد آپ کے شہر میں ہونے والے دعوتِ اسلامی کے ہفتہ وار سُنّتوں بھرے اجتماع میں رضائے الٰہی کیلئے اچّھی اچّھی نیّتوں کے ساتھ ساری رات گزارنے کی مَدَنی اِلتجا ہے۔ عاشِقانِ رسول کے **مَدَنی قافِلوں** میں بہ نیّتِ ثواب سُنّتوں کی تربیّت کیلئے سفر اور روزانہ **فکرِ مدینہ** کے ذَرِیعے **مَدَنی اِنعامات** کا رسالہ پُر کر کے ہر مَدَنی ماہ کے ابتِدائی دس دن کے اندر اندر اپنے یہاں کے ذِمّے دار کو جَمع کروانے کا معمول بنالیجئے، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اس کی بَرَکت سے پابندِ سنّت بننے، گناہوں سے نفرت کرنے اور ایمان کی **حفاظت** کیلئے کُڑھنے کا ذِہن بنے گا۔

ہر اسلامی بھائی اپنا یہ ذِہن بنائے کہ" **مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشِش کرنی ہے**۔" اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اپنی اِصلاح کی کوشِش کے لیے "**مَدَنی اِنعامات**" پر عمل اور ساری دنیا کے لوگوں کی اِصلاح کی کوشِش کے لیے "**مَدَنی قافِلوں**" میں سفر کرنا ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ

ISBN 978-969-631-126-3
0101665
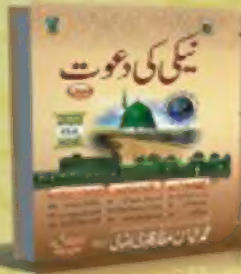
فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ (کراچی)
UAN: +923 111 25 26 92 Ext: 1284
Web: www.dawateislami.net / Email: ilmia@dawateislami.net